# مدارج النبوۃ (اردو)

## حصہ دوم

مؤلفہ

حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

ترجمہ

الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی

مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

اردو ترجمہ

# مدارج النبوّت (فارسی)

حصّہ دوم

تصنیف


حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رح

ترجمہ و ترتیب

الحاج مفتی غلام معین الدّین نعیمی



ناشر

مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

قیمت مجلّد معہ پلاسٹک کور :

تعداد طباعت ــــ ایک ہزار

بار ــــ

سن طباعت ــــ

طابع ــــ مشہور آفسٹ پریس میکلوڈ روڈ کراچی

ناشر ــــ مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

قیمت مجلد معہ پلاسٹک کور ــ

# فہرست ترجمہ مدارج النبوّت حصّہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرض ناشر

مغربی علوم کسب معاش کا ذریعہ تو ضرور ہیں لیکن سعادت دینی اور سرمایۂ اخروی کے حصول کی راہ میں ایک ایسی رکاوٹ ہیں جسنے ہماری موجودہ نسل کو ایک بڑی نعمت سے محروم کر دیا ہے، یہ مشینی دور ایک ایسا دور ہے جسنے عمرانی زندگی کو اسقدر حسین اور دلکش بنا دیا ہے کہ ہم معاد اور آخرت کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں، زندگی کی بقا کیلئے جدوجہد کا وہ زور و شور ہے کہ مذہبی زندگی کی آواز دب کر رہ گئی ہے۔ یہ میرا ہی نہیں بلکہ معاشرے کے ہر فرد کا فرض ہے کہ وہ نوجوانوں کی گمراہی کے اس بڑھتے ہوئے سیلاب کے آگے بند باندھے، اسلاف کے کارنامے اور بزرگوں کی اسلامی زندگی کے روز و شب انکے سامنے پیش کئے جائیں، مذہب سے متعلق زیادہ سے زیادہ لٹریچر انکے لئے فراہم کیا جائے تاکہ انکی زندگی سے سبق حاصل کریں اور ان حضرات کی پاکیزہ زندگی کا پرتو ان نوجوانوں کو اسلامی اخلاق اور کردار کے سانچے میں ڈھال دے۔

مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی کے قیام کا یہی مقصد تھا، میں نے نشر و اشاعت کے اس ادارے کے قیام سے لیکر اب تک اپنا یہی مطمح نظر رکھا اور الحمد للہ کہ آج بھی میرا یہی نصب العین ہے کہ میں دینیات، اسلامیات، فقہ اور سیرت پر مشتمل بزرگانِ دین اور اکابرین ملّت کی تصانیف شائع کروں چنانچہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ابتک اِن موضوعات پر میں مشاہیر علماء اور صلحائے امت کی متعدد تصانیف شائع کر چکا ہوں اور انکو قبولیت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔

آپ سے یہ امر پوشیدہ نہیں ہوگا کہ انیسویں صدی عیسوی تک اس برصغیر میں ہمارے علمائے کرام نے جن موضوعات پر قلم اٹھایا انکی زبان عربی یا فارسی تھی، آجکل ان جواہر پاروں کو اس زبان میں پیش کرنا افادیت سے یکسر خالی تھا چنانچہ میں نے ان گرانمایہ تصانیف کو عصر حاضر کی قومی زبان کا لباس پہنانے میں زر کثیر صرف کیا، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اسنے اس سلسلہ میں میری مساعی کو مشکور فرمایا۔

حضرت محدث دہلویؒ (عبد الحق) کا نام نامی محتاج تعارف نہیں انکی گرانمایہ تصانیف جذب القلوب الی دیار المحبوب اور مدارج النبوت (دو جلد) فارسی زبان میں اپنے اپنے موضوعات پر مایۂ ناز تصانیف ہیں، جذب القلوب اور مدارج النبوت جلد اول کا ترجمہ میں آپکے سامنے پیش کر چکا ہوں، اب مدارج النبوت جلد دوم کا شستہ، رواں اور دلکش ترجمہ آپکے سامنے پیش کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ میری اس کوشش کو بھی شرف قبولیت عطا فرمائے (آمین) فاضل مترجم نے بڑی خوبی کے ساتھ اسکو فارسی زبان سے اردو میں منتقل کیا ہے، ترجمہ کی روانی کا یہ عالم ہے کہ ترجمہ پر اصل کا شبہ ہوتا ہے، مزید خصوصیات حضرت شمس بریلوی کے دیباچہ کے مطالعہ سے آپ پر ظاہر ہونگی مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری اس کوشش کو پسند فرمائینگے اور میری حوصلہ افزائی میں دریغ نہ کرینگے تاکہ میں آئندہ بھی ایسی کتب کی اشاعت میں سرگرم عمل رہوں۔ والسلام

آپکا مخلص (حکیم) محمد تقی دہلوی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کعب بن زہیر (جو سبعہ معلقات کے شعرا میں ایک بلند پایہ شاعر ہے) کا یہ شعر

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ
وَصَارِمٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلٗ

سرورِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے جمالی اور آفاقی دونوں مقدس پہلوؤں کی ایک ایسی جامع تعبیر ہے جس کا ہر لفظ حقیقت کا ترجمان ہے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوطالب (عم رسول اللہ) نے حضورِ نبوت میں اس طرح نذرانۂ محبت و عقیدت پیش کیا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَرْسَلَ عَبْدَہٗ ۔ بِاٰیَاتِہٖ وَاللّٰہُ اَعْلٰی وَاَمْجَدُ (حضرت حسانؓ)
وَشَقَّ لَہٗ مِنْ اِسْمِہٖ لِیُجِلَّہٗ ۔ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَھٰذَا مُحَمَّدٗ (حضرت ابوطالب)

فدایانِ جمالِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ نذرانۂ محبت و عقیدت اور ذات والاصفات کے جمالیاتی اور آفاقی پہلوؤں کو صرف شعری ساخت ہی میں پیش نہیں کیا بلکہ اوصاف و کمالاتِ نبوی عربی، فارسی اور اردو زبانوں کے لاکھوں نثری صفحات پر ضوفشاں اور ضیا بار ہیں۔ دوسری صدی ہجری میں جب مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب ایک طرف اندلس کی سرحدوں کو چھو رہا تھا اور دوسری طرف چین کی طرف بڑھ رہا تھا اس وقت جہانگیری فکر کے ساتھ ساتھ خانوادۂ عباسیہ نے علم کی روشنی تاریک سے تاریک تر گوشوں تک پہنچائی، ارباب علم و فن کو نوازا گیا علمائے کرام اور اصحاب قلم کو فکرِ معاش سے بے نیاز کر کے تصنیف و تالیف کے میدان میں سرگرمِ عمل بنایا، علم و حکمت کے تمام موضوعات پر ارباب علم نے قلم اٹھایا۔ ابن ندیم کی کتاب الفہرست ملاحظہ کیجیے، آپ کو اس دور کی تصانیف کا کچھ اندازہ ہو جائیگا وہ موضوع جس پر اس صدی میں سب سے زیادہ لکھا گیا وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ تھی۔ ایک طرف احادیث رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ترتیب و تبویب کا کام جاری تھا، مسائل فقہی کا استخراج و استنباط کیا جا رہا تھا، مسانید مرتب ہو رہی تھیں، فقہ اسلامی کی تدوین شروع ہو چکی تھی، تاریخ ادب اور تاریخ تمدن زیرِ تالیف تھی۔ تفسیر قرآن میں علماء کا قلم اپنی دقیقہ سنجیوں میں محو تھا۔ مدارس اسلامیہ میں حدیث و فقہ کا درس شروع ہو چکا تھا غرضکہ اسلامی زندگی کے روحانی اور علمی پہلوؤں کی تکمیل و تزئین کے سامان بڑی سرعت کے ساتھ فراہم کئے جا رہے اور تکمیل پا رہے تھے۔ عباسی خلفاء نے یونانی علم و حکمت کی شمعیں دینی مدرسوں میں فروزاں کرنا شروع کیں ان مباحث سے کچھ فتنے ضرور اٹھے لیکن عقل انسانی نے وہ جلا پائی کہ افلاطون اور ارسطو کے مردہ فنون پھر زندہ ہو گئے۔ غرضکہ مذہبیات و ادبیات و عقلیات کا دھارا اس قدر تند رو ہو گیا کہ کچھ عرصے بعد ان پر بند باندھنا دشوار ہو گیا۔

سرزمین عرب ہی نہیں بلکہ اسپین کی خشک کھیتی پر بھی عرب کا سحاب علم اس طرح برسا کہ فکر و عقل کی بلندیوں کو چھونے کا دعویٰ کرنے والی قوموں نے بھی ان سے استفادہ کیا اور اپنی شرافتِ علمی کے باعث وہ آج بھی اس کا اقرار کرتے ہیں :-
بغداد کی نظامیہ درسگاہ نے تشنگانِ علوم کو دور دور سے کھینچ لیا اور ان کے سینوں کو علوم اسلامیہ سے اس طرح معمور کر دیا کہ ان کی جنبش ہائے زبان و قلم نے وہ گلکاریاں کیں کہ آج بھی مذہب، اخلاق، معاشرت اور عمرانیات کے تمام مکاتبِ فکر و نظر انہی گراں مائگی کا اقرار کرنے پر مجبور ہیں۔

اس برصغیر پاک و ہند میں مدتوں تک مسلمان فاتحین ایک مستحکم اسلامی معاشرہ قائم نہ کر سکے۔ مغلیہ دور میں مسلم معاشرے کو استحکام نصیب ہوا ہی تھا کہ اکبر کی سیاسی چالوں نے مذہب کو ایک کھلونا بنا دیا، اکبر کے دور میں ارباب نظر

اور اصحاب فکر موجود تھے۔ شیخ عبدالنبی، ملا عبدالقادر بدایونی جیسے عالم اس دور میں پروان چڑھ رہے تھے۔ ابوالفضل اور فیضی کے علمی کمالات سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن افسوس کہ انہوں نے دنیا کے عوض دین کو بیچ ڈالا۔ اکبر کے بعد جہانگیر کا دور آیا اکبر آباد ایرانی علماء سے بھرا پڑا تھا۔ اس سرزمین نے بھی ایک مجدد پیدا کیا یعنی شیخ احمد سرہندی لیکن وہ جہانگیر کے ہاتھوں ایسے ابتلا میں گرفتار ہوئے کہ اپنے مکتوبات کے سوا اور کوئی قلمی اثر باقی نہیں چھوڑا۔ میری نظر میں جہانگیر کا دور اس برصغیر میں ایک ایسے ٹھیراؤ کا زمانہ تھا جس میں مذہبیات دینیات پر کچھ نہیں لکھا گیا لیکن شاعری کو وہ عروج حاصل ہوا کہ اسکے بعد اور کبھی اس کو ایسی ترقی نصیب نہیں ہو سکی۔ عرفی، نظیری، ابوطالب کلیم اور قدسی کو کون بھلا سکتا ہے۔

جہانگیر کے علم پرور فرزند شہاب الدین شاہجہان بادشاہ (۱۶۲۸ء - ۱۶۲۷ء) کا دور مغلیہ دور میں علوم و فنون کی سربلندی کا دور ہے۔ اس دور میں عالموں اور فاضلوں کی ایک ایسی جماعت سرگرم عمل تھی جس نے ولی اللہی دور کے لئے زمین ہموار کرنا شروع کر دی تھی۔ ملا عوض وجیہہ، مولانا محمد یعقوب لاہوری ......... مولانا عبداللطیف، ملا محمود جونپوری، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور مجموعۂ فضائل صوری و معنوی حضرت مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے نفوس عہد شاہجہانی کی یادگار ہیں۔ ان نفوس قدسیہ میں سے ہر ایک کے سلسلے میں مختصراً بھی اگر کچھ عرض کیا جائے تو ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو جائے گا اس لئے میں ان حضرات میں سے صرف حضرت محدث دہلوی (عبدالحق ؒ) کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں اور خاص طور سے ان کی ایک گرانمایہ تصنیف کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا میرا مقصود اصلی ہے۔

جیساکہ میں پیشتر عرض کر چکا ہوں کہ اس برصغیر ہند و پاک میں جہانگیر کے زمانے تک مذہبی موضوعات پر بہت کم قلم اٹھایا گیا معقول و منقول پر جو کتابیں درس و تدریس میں شامل تھیں وہ اکابرین علمائے عرب، ایران و افغانستان کے رشحات فکر و قلم تھے اس وقت تک کسی ہندوستانی عالم نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم نہیں اٹھایا تھا۔ جس طرح حدیث شریف کے فن کو روشناس کرانے کا سہرا حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سر ہے اسی طرح سیرت پاک پر قلم اٹھانے والے دور مغلیہ کے آپ پہلے مصنف ہیں۔

سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایران میں فارسی زبان میں لکھی جانے والی مشہور کتاب معارج النبوت مصنفہ مولانا معین جروی ہے معارج النبوت نویں صدی ہجری کی تصنیف ہے حضرت محدث دہلوی ؒ نے دسویں صدی ہجری میں جب سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قلم اٹھایا تو عربی زبان کی کتب سیر کے علاوہ فارسی زبان میں سیرت پر واحد کتاب معارج النبوت، آپ کے پیش نظر تھی۔ حضرت محدث دہلوی ؒ نے مدارج النبوت میں جابجا اس سے استنباط کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کی حضرت محدث دہلوی ؒ نے ایک بڑی خدمت انجام دی ہے، دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں اس برصغیر کی زبان وہ دفتر ہو یا گھر، فارسی تھی، مراسلت و معاملت اسی زبان میں ہوتی تھی، علمائے وقت مخصوص حالات میں عربی النسل کی طرف توجہ کرتے تھے ایسے وقت میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ سلم کو فارسی زبان میں پیش کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی سعی کو مشکور فرمایا اور آج بھی یہ دور جو انگریزی اور اردو زبان کا دور ہے، آپ کی اس تصنیف کو وہ قبولیت حاصل ہے جو اس وقت حاصل تھی اس دور کے مصنفین و مؤلفین نے سیرت النبی کی نگارشات میں مدارج النبوت سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ جس طرح شاہجہانی دور کا یہ اہم تقاضا تھا کہ سیرت نبوی کو فارسی زبان میں پیش کیا جائے اسی طرح آج وقت کی یہ اہم ضرورت تھی کہ اس گرانمایہ تصنیف کو اردو کا لباس پہنایا جائے تاکہ فاضل مصنف کا اصل مقصود فوت نہ ہونے پائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ میرے محترم حکیم محمد تقی صاحب دہلوی نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور مدارج النبوت کی جلد اول کا ترجمہ شائع کرنیکے بعد جلد دوم کے ترجمہ کی اشاعت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

بے محل نہ ہوگا کہ اگر اس موقع پر میں مدارج النبوت کے سلسلے میں کچھ عرض کروں خواہ اسکو میری جسارت بیجا ہی سمجھا

جائے لیکن دل چاہتا ہے کہ آپ کے سامنے مدارج النبوت کی اُن خصوصیات کا ضرور ذکر کردوں جن کے باعث کتب سیر میں اس کو انفرادی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یوں تو عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اس برصغیر پاک وہند میں دو کتابیں زیادہ مشہور ہوئیں۔ علامہ شبلی کی سیرت النبیؐ (چھ جلدوں میں) اور قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمۃ للعالمین (تین جلدوں میں) ان کی شہرت اور قبولیت کا باعث ان کا انداز بیان اور طرز استدلال ہے۔ علامہ محدث دہلویؒ کی مایۂ ناز تصنیف مدارج النبوت چونکہ فارسی زبان میں تھی اس لئے عوام تک نہ پہنچ سکی خواص اور علم دوست حضرات میں کسی نے اس کا مطالعہ کیا اور کسی نے نہیں ورنہ تحقیق وتفحص اور طرز استدلال میں حضرت محدث دہلویؒ جس بلندی تک پہنچے ہیں وہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں ہوسکی۔

یہ مسلم ہے کہ شیخ محدث دہلویؒ خود ایک عالم متبحر اور عہد شاہجہانی کے ایک بالغ نظر اور صاحب ارشاد بزرگ تھے۔ علم حدیث کی اشاعت میں انہوں نے جو مساعی فرمائیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ شرح مشکوٰۃ ان کا ایک عظیم کارنامہ ہے اس بلند پایہ کتاب سے ہزاروں لاکھوں افراد مستفید ہوئے۔ حضرت محدث دہلوی جو محققانہ نظر اسلامیات پر رکھتے تھے وہ ان کی دیگر تصانیف سے بھی ظاہر وباہر ہے جذب القلوب الی دیار المحبوب (تاریخ مدینہ منورہ) بھی ان کی ایک ایسی ہی تصنیف ہے جس میں انہوں نے تحقیق کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ مدارج النبوت حصہ اول میں انہوں نے فلسفۂ نبوت اور خصائص نبوت کو جس عالمانہ انداز میں پیش کیا ہے، وہ ان ہی کا حصہ ہے، مدارج النبوت حصہ دوم سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر مشتمل اور مبنی ہے اس میں بھی وہی تلاش وہی تفحص موجود ہے اور ان کے علمی کمال کا یہ پہلو اس تصنیف میں سب سے زیادہ نمایاں ہے کہ انہوں نے سیرت نگاری سے فقہی مسائل کا استخراج کیا ہے جو ان کی بالغ نگاہی کی دلیل ہے، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف یہی ایک ایسی منفرد کتاب ہے جو اس خصوصیت سے مالا مال ہے پھر یہ کہ اُنکے ماخذ بڑے مستند اور وقیع ہیں۔

مدارج النبوت (حصہ دوم) کی تصنیف میں انہوں نے مواہب لدنیہ، روضۃ الاحباب، فتح الباری، طبری، سفر السعادت الاعتدال، ابوالنعیم کے رسائل، جمع الجوامع، طبرانی، حاکم کی مستدرک، صحیح بخاری، مسلم شریف، موطا، ابوداؤد اور ترمذی سے استنباط اور استدلال کیا ہے اور شمائل نبوی اور سیرت پاک کے بیان میں ان کی روایتوں پر نظر رکھی ہے۔

سیرت نگاری میں جہاں ایسے مواقع آئے ہیں کہ متعدد روایتیں یا مختلف آرا موجود ہیں وہاں وہ خود کوئی فیصلہ نہیں کرتے بلکہ مختلف روایتوں کو پیش کردیتے ہیں یہ ان کی بالغ نگاہی اور تاریخی درایت میں احتیاط کا انداز تھا، ورنہ وہ اپنی رائے بھی بطور حرف آخر یا اپنا فیصلہ صادر کرسکتے تھے۔ ان مختلف آرا کے بیان سے یہ ضرور ہوا کہ بعض مباحث طویل ہوگئے۔

میری نظر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ پہلے سیرت نگار ہیں جنہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر پہلو کو پیش کیا ہے اور آپ کی معاشرتی زندگی کے ہر گوشے کو ضبط تحریر میں لائے ہیں خصوصاً جلد دوم کے آخری ابواب یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام، عمات، برادران رضاعی، جدات، خدام بارگاہ، موالی، محافظین، کاتبان وحی سفرا، عمال، خطاط، موذنین، حُدی خوانان اور شعرائے بارگاہ رسالت کے احوال میں تفحص اور ان کا استقصا قابل داد ہے۔ حضرت محدث دہلوی سے پہلے اس مہم کو کوئی دوسرا سیرت نگار سر نہیں کرسکا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آلات حرب واسلحہ کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ علم ہائے بارگاہ نبوی کی تحقیق بھی کی ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فروس وخیل نیز اثاث البیت کو بھی تفصیل سے بیان کیا ہے اس طرح آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرتی اور مدنی زندگی کے ہر پہلو کو کمال تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس مختصر میں یہ گنجائش نہیں ہے کہ میں حضرت محدث دہلویؒ کی سیرت نگاری پر تفصیل سے بحث کرسکوں۔

مدارج النبوت جلد دوم کا ترجمہ آپ کے سامنے ہے اسکے مطالعہ سے آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ حضرت محدث دہلویؒ نے سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نگارش میں کس تبحر علمی اور ژرف نگہی سے کام لیا ہے اور جو خصوصیات اس سیرت کی میں نے پیش کی ہیں وہ مدارج النبوت کو قبول عام اور مستند بنانے میں کہاں تک کارفرما ہیں وما علینا الا البلاغ

ایئرپورٹ۔ کراچی یکم اگست ۱۹۷۲ء

احقر الور شمس بریلوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# مناعم الفتوت ترجمہ مدارج النبوت

## حصّہ دوم

قسم دوم ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف، ایامِ حمل، ولادتِ شریف، ایامِ رضاعت، حضور کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی کفالت، ان کی وفات کے بعد حضرت ابوطالب کی اعانت، ان کے ساتھ شام کی جانب حضورؐ کا سفر فرمانا، وہاں بحیرا راہب کا علاماتِ نبوت کو پہچاننا، خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے حضورؐ کا نکاح فرمانا، تعمیر کعبہ کا تذکرہ، وحی نبوت کی ابتداء، ثبوتِ نبوت، ظہورِ دعوت، اذیت کفار، صحابہ کرام کا جانبِ حبشہ ہجرت کرنا، حضرت ابوطالب کی وفات، ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی رحلت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف شریف کی طرف تشریف لیجانا، اجنّہ کا بیعت کرنا، طائف کے شرپسندوں کا اظہار عداوت کرنا، انصار مدینہ کا پہنچنا، ہجرت کے اثبات و موجبات، حضورؐ کا صحت و سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچنا وغیرہ کے بیان پر یہ دوسری قسم مشتمل ہے۔ اس میں چار باب ہیں۔

# باب اوّل

## در ذکرِ نسب شریف ایام حمل، ولادت و ایام رضاعت

یہ ایک دائمی اور ابدی حقیقت ہے کہ اولِ مخلوقات اور ساری کائنات کا ذریعہ اور تخلیق عالم و آدم علیہ السلام کا واسطہ، نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے پہلے میرے نور کو پیدا فرمایا) اور تمام مکوناتِ علوی و سفلی آپ ہی کے نور سے ہیں آپ ہی کے جوہرِ پاک سے ارواح، شبیہات، عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت و دوزخ، ملک و فلک، انسان و جنات آسمان و زمین، بحار، جبال اور تمام مخلوقات، عالمِ ظہور میں آئی۔ اور باعتبار کیفیت، تمام کثرتوں کا صدور اسی وحدت سے ہے اور اسی جوہر پاک سے ساری مخلوقات کا ظہور و بروز ہے، اس حقیقت کے اظہار و بیان میں اہل علم حضرات

عجیب و غریب عبارات اور مضامین کا ذکر فرماتے ہیں۔

حدیث مبارک ہے اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلَ (اللہ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا) لیکن یہ حدیث محققین و محدثین کے نزدیک مرتبہ صحت کو نہیں پہنچی ہے اور حدیث مبارک اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْقَلَمَ۔ (اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا) کے بارے میں بھی فرماتے ہیں کہ مراد، عرش اور پانی کے بعد ہے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے وَکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَاءِ۔ (عرش الٰہی پانی پر تھا) اور بعض حدیثوں میں اس کی یہ صراحت بھی آتی ہے کہ پانی کی تخلیق عرش سے پہلے ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب قلم کو پیدا کیا گیا تو حق تعالیٰ نے اس سے فرمایا "لکھ"! قلم نے عرض کیا کیا لکھوں؟ "فرمایا" لکھ"! بِمَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ اِلَی الْاَبَدِ یعنی جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ آئندہ ابد تک ہو گا سب لکھ؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے کچھ کائنات علم وجود میں تھی۔

علماء فرماتے ہیں کہ عرش، کرسی اور ارواح کی تخلیق سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک، عالم ظہور میں آیا ہے۔ بس تقدیر پر ہو سکتا ہے کہ مَا کَانَ سے مراد، نور مصطفویؐ کے احوال و صفات ہوں کیونکہ سارے جہان سے نور مصطفویؐ کی اولیت ثابت ہے۔ اور مَا یَکُوْنُ سے مراد، وہ کائنات ہیں جو دنیا میں بعد میں ظاہر ہوں، اور اس عالم ظہور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہے جیسا کہ فرمایا کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ "میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم روح و جسم کے درمیان تھے"۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاٰدَمُ الْمُنْجَدِلُ فِیْ طِیْنَتِہٖ۔ بیشک میں عبداللہ اور آخری نبی اس وقت تھا جبکہ آدم اپنے خمیر میں تھے۔ اور لوگوں کی زبان پر یہ مشہور ہے کہ "وَاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ یعنی آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے"۔ لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ یہ لفظ مرتبۂ صحت کو نہیں پہنچا۔ مگر معنی ایک ہی ہیں۔ اور بہر تقدیر تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے ہونا مراد ہے۔ اگرچہ علم الٰہی میں تمام نبیوں کی نبوت ثابت و مسلّم ہے لیکن حضورؐ کی نبوت، فرشتوں اور روحوں کے درمیان ظاہر و معلوم تھی اور دیگر نبیوں کی نبوت مخفی و پوشیدہ تھی۔ بلکہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک اُس جہاں میں تمام نبیوں کی روحوں کی تربیت فرمانے والی اور ان پر علوم الٰہیہ کو پہنچانے والی تھی جس طرح کہ دنیا میں تشریف آوری کے وقت تمام بنی آدم کی طرف مبعوث و مرسل ہیں۔ لہٰذا اُس جہان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بالفعل خارج میں نبی و رسول تھے نہ کہ صرف علم الٰہی میں۔ اور ممکن ہے کہ نَحْنُ السَّابِقُوْنَ الْاٰخِرُوْنَ۔ کا اشارہ اسی معنی کی طرف ہو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ روز میثاق میں بھی آپ اسی صفت پر تھے اگرچہ آپکی نشأت و استخراج اور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے ملاحظہ فرمانا، حضرت آدم علیہ السلام کے جسم میں نفخ روح

کے بعد ہے، جیساکہ اکثر احادیث اس پر دال ہیں لیکن پشت آدم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذرہ کا استخراج ، دیگر تمام ذرائر کے استخراج پر مقدم ہے (واللہ علم)

احادیث میں مروی ہے کہ جب نورِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا گیا اور آپ کے نور سے تمام انبیاء علیہم السلام کے انوار نکالے گئے تو حق تعالیٰ نے نورِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ ان انوار کی جانب نظر فرمائیے جب حضورؐ نے ان پر نظر فرمائی تو ان تمام کے انوار پر آپ کا نور غالب آگیا اور دوسروں کے نور ماند پڑ گئے۔ وہ عرض کرنے لگے کہ "اے رب ہمارے! یہ کس کا نور ہے جس کے آگے ہمارے انوار ماند پڑ گئے۔" حق تعالےٰ نے فرمایا "یہ نور محمد بن عبداللہ کا ہے (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر تم ان پر ایمان لاؤ گے تو ہم تمہیں نبی بنائیں گے سب نے بیک زبان عرض کیا "اے رب ہم ان پر اور ان کی نبوت پر ایمان لائے"۔ اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا میں تم پر گواہ ہوں، یہ معنے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے ہیں فرمایا وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ الآیہ (اور جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ میں جب تم کو کتاب وحکمت دوں تو.....) اس آیۂ کریمہ کی تفسیر فضائل شریف کے بیان میں پہلے گزر چکی ہے۔

لہٰذا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء علیہ وعلیہم السلام ہیں اس کی حقیقت آخرت میں ظاہر کیجائیگی جس وقت کہ تمام انبیاءؑ آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، اسی طرح شبِ معراج ظاہر ہوا کہ آپ نے تمام نبیوں کی امامت فرمائی۔ اور اگر زمین میں حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کو اپنی زندگی میں آپ کے شرفِ ملاقات کا اتفاق ہوتا تو ان سب پر اور ان کی امتوں پر واجب ہوتا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی نصرت واعانت فرمائیں جس پر حق تعالیٰ نے ان سے عہد لیا تھا جب حق تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اسے حکم فرمایا کہ ساقِ عرش، ابوابِ جنت، اس کے پتوں، اس کے قبوں اور اس کے محلوں پر لکھ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ایک روایت میں ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ خَاتَمُ الْاَنْبِيَآءِ اسکے بعد حکم ہوا کہ قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے ——— سب کچھ لکھ جیساکہ حدیث میں ہے کہ جَفَّتِ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ۔ "جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ لکھ کر قلم خشک ہو گیا"۔

جب حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی کنیت ابو محمد رکھی، منقول ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خاص قسم کی لغزش واقع ہوئی تو انہوں نے مناجات کی "اے رب بواسطہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میری اس لغزش کو معاف فرمادے"، حق تعالیٰ نے فرمایا "تم نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو کہاں سے جانا؟" حضرت آدمؑ نے عرض کیا "اسی زمانہ میں جبکہ تو نے مجھے پیدا فرمایا تھا اس وقت میری نظر عرش اور ابوابِ جنت پر پڑی تو لکھا دیکھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں نے جان لیا کہ ضرور تیرے نزدیک ساری مخلوق سے برگزیدہ

ہستی "یہی ذاتِ کریم ہو گی جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے"۔ اس پر ندا فرمائی گئی کہ "یہ نبی آخر الزماں ہیں جو تمہاری ذریت یعنی اولاد سے ہیں' ان کا اسم گرامی آسمان میں احمد اور زمین میں محمد ہے اگر یہ نہ ہوتے تو میں آسمان و زمین کو نہ پیدا کرتا۔ اے آدمؑ میں نے تمہیں انہیں کے طفیل پیدا فرمایا ہے"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جبریلؑ نے بارگاہ رسالت میں آکر عرض کیا۔" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا ہے تو تمہیں حبیب بنایا ہے۔ اور میں نے اپنے نزدیک تم سے زیادہ برگزیدہ کسی مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ اور میں نے دنیا و جہان کو اسی لئے پیدا فرمایا ہے کہ وہ جان لیں کہ میرے نزدیک تمہاری کتنی قدر و منزلت اور مرتبت ہے۔ اگر تم نہ ہوتے تو دنیا کو پیدا نہ کرتا"۔

اس کے بعد حق تعالیٰ نے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشانی آدمؑ میں رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی پشت میں رکھا جو ان کی پیشانی سے چمکتا تھا۔ پھر تمام اعضاء میں سرایت کی! اور حق تعالیٰ نے اس نور کی برکت سے آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات کے اسماء تعلیم فرمائے اور فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اس میں دو قول ہیں ایک جماعت کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں کہ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ (جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا) ملائکہ سے مراد' ابلیس اور اس کے ساتھ فرشتوں کا وہ لشکر ہے جو زمین میں تھے، وہی سجدہ کرنے کے لئے مامور ہوئے تھے۔ علماء کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ملائکہ و اجنہ کو پیدا فرمایا تو فرشتوں کو آسمان میں رکھا اور اجنہ کو زمین میں ٹھہرایا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک اجنہ زمین میں حق تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے بعد ازاں انہوں نے ظلم و بغاوت کی بنیاد ڈالی تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ایک لشکر کو ان کی ہلاکت و استیصال کے لئے زمین پر بھیجا' ان کو یا تو آنکھوں سے مستور و پوشیدہ ہونے کی بناء پر جن کہا جانے لگا' یا اس بناء پر کہ وہ فرشتے اجنہ پر خازن و نگہبان مقرر کئے تھے علماء کی یہ جماعت' ابلیس کو از قسم ملائکہ خیال کرتی ہے یہ جو قرآن میں " وکان من الجن " جو جنات میں تھا" آیا ہے اس کے یہی معنی' مراد لیتے ہیں۔ اور اس گروہ ملائکہ میں ابلیس پیشوا و مرشد اور زیادہ عالم تھا۔ پھر وہ جنات جن کے تصرف میں زمین تھی وہاں سے نکال کر پہاڑوں جزیروں اور دریاؤں میں ڈال دیئے گئے! اور فرشتوں کی اس قسم کو جن کا نام "جن" تھا زمین میں ٹھہرا دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ نے تمام روئے زمین' آسمانِ دنیا اور جنت کی نگہبانی ابلیس کو دیدی۔ ابلیس کبھی زمین میں عبادت کرتا' کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں' لہٰذا حق تعالیٰ نے اس قسم کے ملائکہ کو جن کا سردار ابلیس تھا حکم فرمایا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں۔ تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ جیسا کہ کتب تفاسیر و تواریخ سے روضۃ الاحباب میں ذکر کیا گیا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ حکم سجدہ میں آسمان و زمین کے تمام فرشتے مامور و مخاطب تھے۔ یہ قول نظم قرآن کے زیادہ موافق ہے۔

صاحب مواہب لدنیہ، حضرت امام جعفر صادق سلام اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الکرام واولادہ العظام سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب نے فرمایا سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ان کے بعد میکائیل نے، ان کے بعد اسرافیل نے، انکے بعد عزرائیل نے اور ان کے بعد ملائکہ مقربین نے سجدے کئے اور فرمایا فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ سب سے آخر میں تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔

جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں داخل فرمایا گیا تو انہوں نے اپنے جنسی رفیق کی خواہش ظاہر کی جس سے محبت کریں اور ذکرِ حق میں باطنی سکون و قرار حاصل کریں۔ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو نیند میں مبتلا کردیا اور اس حالتِ خوابیدگی میں ان کی بائیں پسلی نکال کر اس سے سیدہ حوا کو پیدا فرمادیا، ان کا نام "حوا" اسی بنا پر رکھا گیا کہ وہ حی" یعنی زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ جب حضرت آدمؑ نے حوا کو دیکھا تو اپنے دونوں ہاتھ ان کی طرف بڑھائے۔ اس پر فرشتوں نے کہا "ٹھہریئے، تاکہ نکاح ہوجائے اور آپ ان کا مہر ادا کردیں"۔ حضرت آدمؑ نے فرمایا "مہر کیا ہے؟" فرشتوں نے کہا "تین مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو مہر ادا ہوجائے گا"۔ ایک روایت میں بیس مرتبہ آیا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ عزاسمہ نے حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح حضرت حواء سے فرمایا اور اپنے کلام اقدس سے خطبہ پڑھا۔ اس خدائی اعزاز پر ابلیس، آدم علیہ السلام سے حسد کرنے لگا۔ مختصراً یہ کہ ابلیس نے حضرت آدمؑ کو وسوسہ میں مبتلا کرکے ان کو جنت سے نکلوادیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو اپنے کئے پر بہت پشیمان ہوئے اور طرح طرح کی دنیاوی مشقتیں جھیلیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت آدمؑ جب زمین پر تشریف لائے تو تین سو سال تک سر جھکائے، اشکِ ندامت بہاتے رہے اور آسمان کی جانب سر نہ اٹھایا۔ مسعودی فرماتے ہیں کہ اگر تمام روئے زمین کے رہنے والوں کے آنسو جمع کئے جائیں تو وہ حضرت آدم علیہ السلام کے آنسوؤں کے مقابلہ میں کم ہی نکلیں گے۔

کچھ روایتوں میں آیا ہے کہ حق تعالےٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو سے عود، رطب، زنجبیل، صندل اور طرح طرح کی خوشبوئیں پیدا فرمائیں اور حضرت حوا کے آنسو سے لونگ وجائفل وغیرہ پیدا فرمائیں۔ بعد ازاں حق تعالیٰ نے انہیں وہ کلمات الہام فرمائے جن کے سبب ان کی توبہ مقبول بارگاہ ہوئی۔ اکثر مفسرین کے قول کے مطابق وہ کلمات یہ ہیں۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یعنی اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اگر تو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گے"۔

کتب تفاسیر و سیر میں اور بھی کلمات استغفار مذکور ہیں اور بعض مفسرین نے کلمات الہام کی تفسیر، سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل اور آپ کے ذریعہ شفاعت کی طلب سے کی ہے۔ یہ قول، دیگر اقوال

کے منافی ومخالف نہیں ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہی توبہ واستغفار کی گئی تھی۔

واضح رہنا چاہیئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ ان کا جنت میں داخل ہونا، ابلیس کا وسوسہ ڈالنا اور ان کا جنت سے باہر آنا یہ طول طویل واقعات ہیں چونکہ کاتب حروف کا مقصود سید البشر افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنا ہے اس لئے ان میں سے جس قدر مفید مطلب تھا لے لیا یہی طریقہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

توبہ کی قبولیت کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میں یہ دستور جاری فرمادیا کہ ہر حمل میں جڑواں بچے پیدا ہوتے ایک لڑکا ایک لڑکی۔ مگر حضرت شیث علیہ السلام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں تنہا پیدا ہوئے۔ تاکہ نور مصطفوی میں ان کے اور کسی دوسرے کے درمیان اشتراک نہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت شیث علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اس نور مبارک کو پاک بیبیوں میں منتقل کرنا۔ بعد میں حضرت شیث علیہ السلام نے بھی اپنے فرزند جن کا نام "انوش" تھا یہی وصیت فرمائی۔ اسی طرح اس وصیت کا سلسلہ ایک قرن سے دوسرے قرن تک جاری رہا یہاں تک کہ یہ نور مبارک حضرت عبدالمطلب سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما تک آیا۔ اور حق تعالےٰ نے آپ کے نسب شریف کو سفاح جاہلیت (یعنی وہ زنا جو زمانۂ جاہلیت میں رائج تھا) سے پاک و صاف رکھا۔ زمانۂ جاہلیت میں رواج تھا کہ نادان لوگ اپنی بیویوں کو شریفوں کے پاس بھیجتے تھے تاکہ وہ ان کے نطفے سے حاملہ ہوں کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کوئی عورت کسی مرد سے مدتوں زنا کرتی رہتی پھر وہ عرصہ دراز کے بعد اس سے نکاح کرلیتی بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں زمانۂ جاہلیت کی کسی برائی سے متولد نہیں ہوا حتیٰ کہ میں ہمیشہ اسلامی نکاح سے ہی پیدا ہوا۔ اور حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نکاح سے پیدا ہوا ہوں، سفاح جاہلیت سے نہیں یہاں تک کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک میرے ماں باپ کبھی جاہلیت کے زنا و سفاحت کے قریب تک نہیں گئے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ اصلاب طیبہ سے ارحام طاہرہ مصفاو مہذبہ میں منتقل فرمایا۔ ان میں جب بھی دو قبیلے بنتے تو مجھے ان میں بہترین قبیلہ میں رکھا جاتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ارشاد باری تعالیٰ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ نبی سے نبی کی طرف منتقل ہوتا رہا اور ہمیشہ نور مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم اصلاب انبیاء علیہم السلام میں منتقل ہوتا رہا یہاں تک کہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کو پیدا فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیۂ کریمہ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (بیشک تمہارے پاس رسول تشریف لائے تم میں سب سے بہتر) کے فاکو زبر سے پڑھا

اور فرمایا میں نسب وصہر اور حسب کے اعتبار سے تم سب میں نفیس تر ہوں۔ اور میرے آباء و اجداد میں آدم علیہ السلام تک سفاح یعنی زنا نہیں ہے۔ وہ سب نکاح سے ہیں۔

ابونعیم نے "دلائل" میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ سے نقل کیا کہ جبریلؑ نے کہا کہ میں نے زمین کے مغارب و مشارق کو دیکھا ہے مگر کسی شخص کو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں دیکھا اور کسی کی اولاد کو میں نے نہیں دیکھا جو بنی ہاشم سے فضل ہو۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ہر زمانہ میں بنی آدم کے بہترین قرن میں منتقل کیا گیا یہاں تک کہ مجھے اس قرن میں پیدا کیا گیا جس میں میں ہوں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے اولادِ اسمٰعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ سے قریش کو، اور قریش سے بنی ہاشم کو، اور بنی ہاشم سے مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے جب اپنی مخلوق کو برگزیدگی بخشی تو ان میں بنی آدم کو برگزیدہ کیا پھر بنی آدم سے عرب کو برگزیدہ کیا پھر عرب سے مجھے برگزیدہ فرمایا۔ خبردار رہو! جو عرب سے محبت رکھتا ہے تو وہ مجھ سے محبت رکھنے کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے۔ اور جو عرب سے دشمنی رکھتا ہے وہ مجھ سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھتا ہے۔

## نسب شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کو مواہب لدنیہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی (بضم قاف وفتح صاد و تشدید یاء) بن کلاب (بکسر کاف) بن مرہ (بضم میم و تشدید راء) بن کعب (بفتح کاف وسکون عین) بن لوئی (بضم لام وفتح ہمزہ و تشدید یاء) بن غالب بن فہر (بکسر فاء وسکون ہاء) بن مالک بن نضر (بفتح نون و سکون ضاد) بن کنانہ (بکسر کاف، دو نون کے ساتھ) بن خزیمہ (بخاء معجمہ وزاء بر لفظ تصغیر) بن مدرکہ (بضم میم وسکون دال وکسر راء) بن الیاس (بکسر ہمزہ ایک قول کے بموجب اور دوسرے قول کے بموجب بفتح ہمزہ بمعنی یاس (ناامیدی) جو رجاء (امید) کی ضد ہے اور ہمزہ وصل کے لئے ہے صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ قول اصح ہے) بن مضر (بضم میم وفتح ضاد) بن نزار (بکسر نون وزاء) بن معد (بضم میم وفتح عین اور بعض کے نزدیک بفتح میم وسکون عین، اسے صحیح کہتے ہیں) بن عدنان (بفتح عین وسکون دال) یہاں تک سلسلہ نسب میں ارباب سیر اور اصحاب علم الانساب سب کا اتفاق ہے۔ اور اس سے اوپر معلوم وصحیح نہیں ہے۔ اس میں اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولادِ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہیں اور حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت ادریس صلوات اللہ علیہم وسلامہ آپ کے اجداد میں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا نسب

شریف بیان فرمایا کرتے تھے تو معد بن عدنان سے تجاوز نہیں کرتے اس جگہ ٹھہر جاتے تھے اور فرماتے کَذَبَ النَّسَّابُوْنَ نسب گویوں نے جھوٹ ملا رکھا ہے۔ ایسا ہی مسند الفردوس میں روایت کیا گیا ہے۔ لیکن سہیلی فرماتے ہیں کہ اصح یہ ہے کہ یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے جب وہ اس آیۂ کریمہ کو پڑھتے کہ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہ ملی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح، عاد و ثمود اور وہ جو ان کے بعد ہوئے، جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تو حضرت ابن مسعود اس وقت فرماتے کَذَبَ النَّسَّابُوْنَ مطلب یہ کہ یہ لوگ علم النساب کا دعویٰ کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ بندوں سے اس کے علم کی نفی فرماتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ ہم عدنان تک اپنا نسب لے جاتے ہیں اس سے اوپر ہم نہیں جانتے۔ اور عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے پہچانتے جو معد بن عدنان کے بعد سلسلۂ نسب لیجائے۔ کیونکہ عدنان سے حضرت اسمٰعیل تا حضرت آدم علیہما السلام تک بہت اختلاف ہے۔ چنانچہ کسی نے عدنان سے حضرت اسمٰعیل تک تیس ایسی پشتوں کا ذکر کیا ہے جن کا کچھ اتہ پتہ معلوم نہیں اور کسی نے اس سے کم اور کسی نے اس سے زیادہ پشتوں کا ذکر کیا ہے۔ امام مالک رضی اللہ عنہ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اپنے نسب کو حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرتا تھا تو آپ نے اسے ناپسند فرمایا اور کہا کیا اسے اس کی خبر دی گئی ہے؟ اسی طرح امام مالکؒ سے انبیاء علیہم السلام کے رفعِ نسب میں روایت کی گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں لازم ہے کہ عدنان سے اوپر اس بنا پر توقف کریں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی وحی نہیں کی گئی ہے۔ روضۃ الاحباب کے حاشیہ میں عدنان سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک ابن جوزی کی کتاب انساب سے تقریباً تیس ۳۰ پشتیں ذکر کی گئی ہیں۔ چونکہ ہمیں اس پر اعتماد نہیں ہے اور علماء کے اقوال کے مخالف بھی ہے اس لئے ہم نے ان کا ذکر نہیں کیا (واللہ علم)۔

## حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ

اب ہم بعض ان اشخاص کا تذکرہ کرتے ہیں جو مشہور و معروف اور متفق علیہ ہیں ان کا نام شیبہ بھی تھا ان کا یہ نام اس وجہ سے تھا کہ وقت ولادت ان کے سر میں سفید بال تھے۔ انہیں "شیبۃ الحمد" بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کے اکثر افعال پسندیدہ اور خوش آیند تھے جس کی وجہ سے لوگ ان کی تعریف و ستائش کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ ان کو "عامر" کے نام سے بھی یاد کرتے تھے۔ حضرت عبد المطلب حضور اکرمؐ کے دادا تھے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ قتیبہ کا قول ہے اور مجد شیرازی نے ان کی پیروی اختیار کی ہے کہ حضرت عبد المطلب کی کنیت ابو الحارث تھی کیونکہ انہوں نے سب سے بڑے فرزند کا نام حارث رکھا تھا ان کا عبد المطلب نام رکھے جانے میں بکثرت وجوہ مشہور ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد جن کا نام ہاشم

تھا یہ کسی زمانہ میں مدینہ منورہ میں جاکر اقامت گزیں ہوئے تو ان سے یہ فرزند پیدا ہوا جب ہاشم کے بھائی "مطلب" مدینہ میں آئے تو انہوں نے بچہ کو دیکھا جو حسین صورت اور خوش جمال تھا دریافت کرنے لگے کہ یہ بچہ کس کا ہے ہم ہی میں سے معلوم ہوتا ہے اور ہمارا ہی ناک و نقشہ رکھتا ہے لوگوں نے کہا یہ ہاشم بن عبد مناف کا فرزند ہے پھر تو انہوں نے اس بچہ کو اٹھا کر اونٹ پر اپنے پیچھے بٹھا لیا چونکہ بچہ کے کپڑے میلے کچیلے اور بُری شکل میں تھے. لوگوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ انھوں نے کہا یہ میرا "عبد" ہے۔ اس بنا پر انہیں عبد المطلب کہا جانے لگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہاشم اس جہان سے رحلت فرمانے لگے تو اپنے بھائی "مطلب" سے وصیت کی کہ اپنے اُس "عبد" کو لے لو جو یثرب میں ہے۔ اور اپنے اُس فرزند کی طرف اشارہ کیا جو مدینہ میں مقیم تھا۔ اس بنا پر لوگ ان کو عبد المطلب کہنے لگے تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ بچے ہی تھے کہ ان کے والد نے وفات پائی اور ان کے چچا مطلب نے ان کی پرورش کی۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ - پرورش کرنے والے کو "عبد" کہتے تھے کذا فی روضۃ الاحباب لیکن اس دستور کے قاعدۂ کلیہ ہونے میں کلام ہے کیوں کہ اہل عرب عام طور پر اپنی دیرینہ عادت وخصلت کی بنا پر بکثرت یتیموں کی پرورش کرتے تھے لیکن کوئی بھی ان یتیموں کو ان کا "عبد" نہیں کہتا تھا۔ البتہ اس جگہ ایسا ہی واقع ہوا ہے. مگر لفظ دستور، قاعدۂ کلیہ کا مقتضی ہے۔

جب حضرت مطلب کی وفات ہوئی تو اہل مکہ کی سرداری حضرت عبد المطلب کے لئے مقرر ہوئی، اور خانۂ کعبہ کی دربانی اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب ان کے سپرد ہوا۔ اور تمام اہل مکہ ان کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے اور ان کی خوب تعظیم و احترام کرنے لگے حضرت عبد المطلب کے جسم مبارک سے مشک وعنبر کی خوشبوؤں کی لپٹیں آیا کرتی تھیں، آپ کی پیشانی مبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تاباں و روشن تھا۔ اور جب اہل مکہ کو کوئی حادثہ درپیش ہوتا تو ان کو جبل ثبیر پر لے جاتے۔ (جبل ثبیر بفتح ثاء، وکسرِ باء وسکون یا۔ مکہ مکرمہ کا ایک پہاڑ ہے) اور بارگاہ رب العزت میں ان کو وسیلہ بناتے اور قحط کے دنوں میں استسقاء کی دعائیں کرتے تھے، اور اس نورِ محمدی کی برکت سے جو ان کی پیشانی میں تاباں تھا ان کی مشکلیں حل ہو جاتی تھیں۔

کعب احبار سے مروی ہے کہ جب نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد المطلب کی پیشانی میں تاباں ہوا اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہوئی تو وہ ایک دن خانۂ کعبہ کے گوشے مقام حجر میں سو رہے تھے جب وہ بیدار ہوئے تو ان کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا، سر کے بالوں میں تیل پڑا ہوا تھا اور بیش بہا جوڑا جسم پر تھا۔ لوگ ان کے جلال و جمال پر متحیر رہ گئے کہ یہ انہیں کہاں سے حاصل ہوا، اور ان کو کس نے اس مرتبۂ بلند پر پہنچایا ہے۔ اس کے بعد ان کے والد انھیں قریش کے کاہنوں کے پاس لے گئے اور سارا حال بیان کیا، کاہنوں نے کہا آسمانی خدا نے حکم دیا ہے کہ اس بچہ کا نکاح کردیں، غرضکہ ان کے والد نے ایک عورت "قیلہ" نامی سے نکاح کر دیا اور ان سے ایک فرزند حارث نامی پیدا

ہوئے جو سب سے بڑے فرزند تھے۔ اس کے بعد قیلہ کا انتقال ہوگیا۔ قیلہ کے بعد انہوں نے ہند بنت عمرو نامی عورت سے نکاح کیا۔

**واقعۂ فیل** جب ابرہہ حاکم یمن نے اصحمہ نجاشی کی جانب سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی اور وہ بیت اللہ الحرام کے انہدام کے لئے بہت بڑا سفید ہاتھی لایا تو لوگوں نے حضرت عبد المطلب کو اس کی خبر دی انہوں نے فرمایا اے قریش مت ڈرو۔ اس گھر کا خدا حفاظت فرمانے والا ہے۔ وہی اس کی حفاظت کرے گا۔ اس کے بعد ابرہہ قریش کی اونٹ بکریاں ہنکال کرلے گیا ان میں حضرت عبد المطلب کے بھی چار سو اونٹ تھے حضرت عبد المطلب قریش کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو کر نکلے اور جبل ثبیر پر آئے۔ اس وقت حضرت عبد المطلب کی پیشانی پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہلال کی مانند چمکنے لگا اور اس نور مبارک کی تیز شعاعیں خانۂ کعبہ پر پڑنے لگیں جس سے وہ خوب روشن ہوگیا جب حضرت عبد المطلب نے اس نور مبارک کو دیکھا تو فرمانے لگے اے گروہ قریش اجاؤ۔ بلاشبہ اس معاملہ میں تمہیں کامیابی ہوگی خدا کی قسم یہ نور مبارک اسی وقت چمکتا ہے جبکہ ہمیں کامیابی اور ظفر مندی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد قریش لوٹ گئے اور منتشر ہوگئے ابرہہ نے ایک شخص کو بھیجا تاکہ وہ لشکر کو شکست دے۔ جب وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا اور حضرت عبد المطلب کے چہرۂ پرنور پر نظر ڈالی تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا اور ذبح کے وقت گائے کے ڈکرانے کی مانند منہ سے آواز نکالنے لگا جب وہ ہوش میں آیا تو حضرت عبد المطلب کو سجدہ کر کے کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں تم قریش کے سچے سردار ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت عبد المطلب، ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس نے اس سفید ہاتھی کو بلایا جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے لایا گیا تھا۔ جب ہاتھی نے حضرت عبد المطلب کے چہرۂ پرنور پر نظر ڈالی تو وہ سجدے میں گر گیا۔ حالانکہ یہ ہاتھی دوسرے ہاتھیوں کے برعکس ابرہہ کو بھی سجدہ نہ کرتا تھا۔ گویا کہ یہ ہاتھی حق تعالیٰ کی مشیت کے مطابق حضرت عبد المطلب کے آگے سر جھکا کر زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ سلام ہو اس پر جو اے عبد المطلب تمہاری پشت میں ہے۔ اس ہاتھی کے سر پر ہر چند آنکس مارتے تھے مگر وہ ہاتھی زمین سے سر نہ اٹھاتا تھا۔ اس کے بعد ابرہہ یمن کی جانب لوٹ گیا۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ابابیل پرندوں کو تین تین کنکریاں لیکر دریا سے بھیجا۔ ایک کنکری ان کے منہ میں تھی اور دو دو کنکریاں ان کے پنجوں میں، اور کوئی کنکری مسور کے دانہ سے بڑی نہ تھی۔ یہ کنکری جس کے بدن پر پڑتی وہ زمین پر ڈھیر ہو کر پڑتا چنانچہ جب ابرہہ کے جسم پر یہ کنکری پڑی تو اس کی انگلیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں اور اس کے جسم سے خون، پیپ اور پانی بہنے لگا حتی کہ اس کے دل میں بھی چھید ہوگئے۔ نعوذ باللہ من غضب اللہ۔

یہ قصہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات میں سے ہے جو قبل از اظہار نبوت رونما ہوئے اس قسم کے معجزات کو "ارہاصات" کہتے ہیں جس کے معنے تاسیس و بنیاد رکھنے کے ہیں انھیں معجزات میں سے حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم پر قبل از اظہار بعثت ابر کا سایہ کرنا ہے۔

**اقسام معجزات**

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو قبل از اظہار نبوت رونما ہوئے دوسری قسم وہ ہے جو زمانۂ اظہار نبوت میں واقع ہوئے اور تیسری قسم وہ ہے جو حضور کے اس جہان سے تشریف لیجانے کے بعد اولیاء امت سے اعجاز و کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔

**حجاج کا عمل**

صاحب مواہب اس پر ایک اعتراض کرتے ہیں کہ حجاج ثقفی نے خانۂ کعبہ کو خراب اور ویران کیا اس وقت تو کوئی چیز نمودار نہ ہوئی؟ انھیں اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ ارہاص قبل از نبوت تھی جو کہ امرِ نبوت کی تاسیس کے لئے ہوتی تھی اور جب نبوت ظاہر ہوگئی اور دلائل و حجت سے ثابت و مستحکم ہوگئی تو اب ارہاص کی ضرورت نہیں رہی۔ اور اس لئے بھی کہ حجاج ثقفی خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے یا اس کو خراب ویران کرنے کا ارادہ نہ رکھتا تھا بلکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے دشمنی کی وجہ سے تھا اور اس روایت کو تسلیم نہ کرنے کی بنا پر تھا جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنی تھی اس نے اپنے گمان میں یہ عمل خانۂ کعبہ کے اعزاز و تعظیم میں کیا تھا۔ اسی بنا پر جب عبدالملک کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہنچی تو وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوا۔

خود قریش نے بھی خانۂ کعبہ کی کئی مرتبہ از سرِ نو تعمیر کی ہے۔ ان میں سے ایک مرتبہ تو اس سال اس کی تعمیر ہوئی تھی جس سال سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا پیدا ہوئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود پتھر اٹھاتے تھے۔ یہ انہدام و تعمیر بقصد درستگی تھی۔

**ہاشم**

حضرت عبدالمطلب کے والد ہاشم کا نام عمرو ہے۔ ہاشم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ہشم کے معنی روٹی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہیں۔ سب سے پہلے جس نے اپنی قوم کو قحط کے زمانہ میں اشکنہ یعنی روٹی کے ٹکڑے پکا کے کھلائے وہ یہی تھے۔ اور علو مرتبت کے لحاظ سے ان کو "عمرو العلی" بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت خوبصورت اور صاحب جاہ و جلال تھے۔ ہاشم کے چار فرزند تھے ایک اسد جو علی مرتضیٰ کی والدہ کے والد تھے۔ دوسرے نفیلہ تیسرے صیفی، چوتھے عبدالمطلب جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا تھے۔ ان کی کوئی اولاد حضرت عبدالمطلب کے سوا باقی نہ رہی۔

**عبد مناف**

عبد مناف کا نام مغیرہ اور کنیت "ابو عبد الشمس" ہے۔ مناف ایک بت کا نام تھا۔ ان کے چار فرزند تھے ایک ہاشم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ کے دادا ہیں دوسرے "عبدالشمس" جو بنی امیہ کے جد ہیں تیسرے نوفل جو حضرت جبیر بن مطعم کے جد ہیں۔ چوتھے مطلب جو امام شافعی رحمۃ اللہ کے جدِ اعلیٰ ہیں، کہتے ہیں کہ ہاشم اور عبدالشمس دونوں توام (جڑواں) تھے۔ اور دونوں کی پیشانیاں چپکی ہوئی تھیں۔ انھیں جدا کرنے کی بڑی کوشش کی گئی مگر نہ ہوئی بالآخر تلوار سے ان کے چہرے جدا کئے گئے

اسی بنا پر دونوں کی اولاد میں دشمنی اور شمشیر زنی ہوتی رہی ہے کذا فی روضۃ الاحباب بعض لوگوں میں یہ بھی مشہور رہے کہ دونوں کی کمریں جڑی ہوئی تھیں جسے تلوار سے جدا کر دیا گیا۔

**قصی** قصی، قصی کی تصغیر ہے جس کے معنے بعید کے ہیں، اس نام کی وجہ یہ ہے کہ ان کی والدہ جن کا نام فاطمہ تھا جب حاملہ ہوئیں تو وہ اپنے قبیلہ سے بہت دور، بلادِ قضاعہ میں ٹھیری ہوئی تھیں۔ انھیں "مجمع" بھی کہتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ جب عرب کے قبائل، خزاعہ کے غلبہ کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سے متفرق اور منتشر ہو گئے تھے تو انہوں نے ان قبائل کو مجتمع کیا تھا، جب قصی نے ان سب کو اکٹھا کر لیا تو مکہ مکرمہ آ کر خزاعہ کے ہاتھ سے ملک لے لیا اور ان قبائل کو مکہ مکرمہ میں دوبارہ آباد کر دیا۔ کہتے ہیں کہ قصی نے ہی "دار الندوہ" بنایا تھا چنانچہ جب قریش کو کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو وہ سب اس گھر میں جمع ہو کر مشورہ کرتے تھے۔ ندوہ کے لغوی معنی گفتگو کرنے کے ہیں۔ ندی، نادیہ جس کے معنی مجلس کے ہیں اسی سے بنا ہے قصی کا نام زید تھا۔

**کلاب** کلاب، یا تو مکالیب سے مصدری معنی میں ہے جس کے معنی منازعت اور مخاصمت کے ہیں۔ کالبت العدو مکالبۃ، یعنی دشمن نے دشمنی سے جنگ کی، یا کلاب، کلب کے معنی میں اس کی جمع ہے۔ اور معنوی مراد کثرت ہے۔ جیسا کہ ایک درندے یعنی کتے کا نام ہے۔

کسی اعرابی سے پوچھا گیا کہ تم اپنے فرزندوں کے کلب، ذئب یعنی کتے اور بھیڑیے جیسے برے نام کیوں رکھتے ہو حالانکہ اپنے غلاموں کے مرزوق اور رباح وغیرہ جیسے اچھے نام رکھتے ہو۔ اس اعرابی نے جواب دیا "فرزندوں کے نام، دشمنوں کے لئے ہیں اور غلاموں کے نام اپنے لئے"۔ کلاب، ایک حکیم کا بھی نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلاب کا نام عروہ تھا۔

**مرہ بن کعب** یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے یوم عروبہ مقرر کیا، عروبہ بفتح عین، جمعہ کے دن کا نام ہے۔ وہ اس دن قریش کو جمع کرتا اور انھیں خطبہ دیتا اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت دیتا۔ یہ انہیں بتاتا تھا کہ وہ میری نسل میں سے ہوں گے۔ وہ لوگوں کو ان کی پیروی کرنے اور ان پر ایمان لانے کی تلقین کرتا۔ اس ضمن میں اس نے بہت سے اشعار لکھے ہیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

لیتنی شاھدًا فحواء دعوتہ

اذا قریش تنفی الحق خذلانا

**لوی بن غالب** لوی، لائی کی تصغیر ہے جس کے معنی ہیں خوب عیش و عشرت کی زندگی گزارنا۔

**فہر** فہر کے بارے میں اہل سیر و تواریخ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ قریش اس کا لقب ہے اور قریش کی نسبت اسی کی جانب کرتے ہیں چنانچہ جو فہر کی نسل سے نہیں ہوتا اسے قریشی نہیں کنانی کہتے

تھے۔ اکثر اہل سیر یہ بھی کہتے ہیں کہ قریش نضر بن کنانہ کا لقب ہے۔ اور ان کی اولاد کو قرشی اور قریشی کہتے ہیں۔

**قریش کی وجہ تسمیہ** قریش نام رکھنے میں متعدد وجوہات بیان کئے گئے ہیں۔ مشہور وجہ یہ ہے کہ قریش ایک بہت بڑا آبی جانور ہے جو مچھلیوں کو کھاتا ہے کوئی دوسرا آبی جانور اسے نہیں کھاسکتا یہ تمام دریائی جانوروں پر غالب و برتر رہتا ہے۔ صراح میں اس کی شہادت میں بعض شعرا متقدمین کے اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ لیکن بعض یہ کہتے ہیں کہ متفرق اور منتشر ہو جانے کے بعد حرم پاک میں چونکہ یہ لوگ دوبارہ مجتمع ہوئے تھے۔ اور تقرش کے معنی ہی جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کے ہیں تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ لوگ اہل تجارت اور صاحب ہنر تھے۔ اور قرش کے معنی کسب وہنر اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جب لوگ حج کے لیے آتے تو یہ لوگ فقرا و مساکین کے احوال کی تفتیش کرتے اور ان کی امداد کرتے تھے یہاں تقریش کے معنی تفتیش کے ہیں۔ صراح میں تقریش کے معنے غالب آنے اور اقراش کے معنی کسی کے لئے سعی و کوشش کرنے کے ہیں۔

**مدرکہ** مدرکہ کا نام عامر یا عمر تھا۔ مدرکہ معنی پانے والے کے ہیں اس کی وجہ تسمیہ اہل سیر یہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن وہ ایک خرگوش کے پیچھے دوڑے اور اسے پکڑ لیا اس پر ان کے والد نے ان کا لقب مدرکہ رکھدیا اور وہ اسی لقب سے مشہور ہو گئے۔ بعض وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ ان کے آبا و اجداد جو عزت و شرف رکھتے تھے وہ سب ان میں جمع تھیں اس کلمہ کا "تا" مبالغہ کے لئے ہے کذا فی روضۃ الاحباب۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ تا صفت سے اسمیت وعلم کی جانب منتقل کرنے کے لئے ہو (واللہ اعلم)

**الیاس** الیاس پہلے شخص ہیں جنہوں نے بیت الحرام کی طرف اونٹوں کی ہدی بھیجی، قاموس میں کہا گیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں یاس محرکہ یعنی سیل پہنچی ہے، منقول ہے کہ وہ اپنی پشت میں حج کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلبیہ کی آواز سنا کرتے تھے۔

**مضر** مضر وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اہل کے لئے حدی کو مقرر کیا۔ یہ اپنے زمانہ میں تمام لوگوں سے بہتر خوش آواز تھے۔ اور یہ دین اسلام اور ملت ابراہیم علیہ السلام پر قائم تھے۔

**نزار** نزار، نزر سے بنا ہے جس کے معنے قلیل کے ہیں کہتے ہیں کہ جب یہ پیدا ہوئے تو ان کے والد نے ان کی دونوں آنکھوں میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو چمکتے دیکھا اس پر بہت خوش ہوئے اور اس خوشی میں مساکین کو کھانا کھلایا۔ اور کہا کہ یہ سب کچھ اس بچے کی ولادت کی خوشی میں بہت کم ہے۔ اسی بنا پر ان کا نام "نزار" رکھا۔ ان کی کنیت ابو ربیعہ تھی۔

**معد بن عدنان** معد بن عدنان کے ایک بھائی سعد بن عدنان تھے۔ معد بن عدنان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ نسب شریف عدنان سے اوپر نہیں جاتا۔ اور نہ ہی آنحضرت

پر اس سلسلہ میں وحی کی گئی۔

# مشاہدات حضرت عبد المطلب

**وصل:** جب حق تعالیٰ نے ابرہہ کے شر سے حضرت عبد المطلب کو نجات بخشی تو ایک دن حضرت عبد المطلب "حجرہ" میں سو رہے تھے انہوں نے ایک بہت بڑا خواب دیکھا جس سے وہ خوفزدہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنا خواب قریش کے کاہنوں سے بیان کیا کاہنوں نے جواب دیا کہ اگر تمہارا خواب سچ ہے تو یقیناً تمہاری پشت سے کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جس پر تمام زمین و آسمان والے ایمان لائیں گے۔ اور اس کی نشانیاں خوب ظاہر و روشن ہونگی اس کے بعد حضرت عبد المطلب نے فاطمہ سے نکاح کیا وہ حضرت عبد اللہ ذبیح (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد ہیں) سے حاملہ ہوئیں۔ اور حضرت عبد اللہ کے لقب ذبیح ہونے کا واقعہ بہت مشہور و معروف ہے

**چاہ زمزم کا قصہ** جاننا چاہیئے کہ جب سیدہ ہاجرہ کے بطن اقدس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو نورِ محمدی ان کی پیشانی میں چمکتا تھا۔ حضرت سارہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ مطہرہ تھیں اس پر رشک کرنے لگیں اور وہ حضرت اسمٰعیلؑ اور سیدہ ہاجرہؓ کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتی تھیں چونکہ ان کے کوئی فرزند نہ تھا اس لئے وہ نہ چاہتی تھیں کہ سیدہ ہاجرہ کے ہاں ایسا فرزند ہو جو اس نورِ مبارک کا حامل ہو۔ بالآخر حضرت سارہؓ نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدہ ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو کسی ایسی جگہ لیجا کر جہاں نہ عمارت ہو نہ کھیتی، نہ آب و دانہ ہو اور نہ آبادی۔ تنہا چھوڑ کر آجائیں۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت سارہؓ کی دلجوئی اور خاطر داری کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ سیدہ ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ کو لے کر اس مقام پر تشریف لائے جو اب حرم مکہ ہے۔ اور اس ٹیلہ کے نیچے جہاں بعد میں خانہ کعبہ تعمیر ہوا چھوڑ دیا۔ اور کچھ خرمے اور ایک مشکیزہ پانی کا سیدہ ہاجرہؓ اور اسمٰعیلؑ کے سامنے رکھ دیا اور ان کو خدا کے سپرد کر کے جو حکم الٰہی تھا بجا لائے یہاں سیدہ ہاجرہؓ کھجوریں کھاتیں پانی پیتیں اور حضرت اسمٰعیل کو دودھ پلاتی رہیں۔ جب کھجوریں اور پانی ختم ہو گیا اور تشنگی نے غلبہ کیا یہاں تک کہ حضرت اسمٰعیلؑ تشنگی سے مٹی پر لوٹنے لگے تو بیقرار ہو کر کھڑی ہوئیں اور کوہِ صفا پر آئیں اور کچھ دیر انتظار کیا تاکہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچے اور پانی میسر آئے۔ اس کے بعد نیچے اتر کر کوہِ مروہ پر گئیں۔ اور کچھ دیر وہاں کھڑے ہو کر انتظار کیا اس طرح سات مرتبہ دوڑیں اور ہر بار حضرت اسمٰعیلؑ کے پاس آتیں اور انہیں دیکھتی رہیں۔ آخری مرتبہ جب دیکھا تو حضرت اسمٰعیلؑ کو پیاس سے قریب جاں بلب پایا۔ اس مرتبہ جب مروہ پر چڑھیں تو ان کے کان میں ایک آواز پڑی انہوں نے کہا میں نے تمہاری آواز سنی میری فریاد کو آؤ۔ یہ جبریل علیہ السلام تھے جو حضرت اسمٰعیلؑ کے سامنے مقام چاہِ زمزم پر

کھڑے تھے اس کے بعد جبریلؑ نے اپنا بازو زمین پر مارا۔ زمین میں شگاف ہو گیا اور پانی بہنے لگا۔ سیدہ ہاجرہؓ ڈریں کہ کہیں پانی ختم نہ ہو جائے انہوں نے اس پانی کے گرد حوض نما باڑھ باندھ دی۔ اصل چاہِ زمزم وہی جگہ ہے جہاں سیدہ ہاجرہؓ نے پانی کو روکا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ ماجدہ پر رحم فرمائے اگر زمزم کو اپنے حال پر چھوڑ دیتیں اور چشمۂ آب کے گرد گھیرا نہ باندھتیں تو وہ روئے زمین پر جاری رہتا۔ اہل عرب کی خصلت ہے کہ رائے کی کمزوری کے موقعہ پر "ترحم" بولا کرتے ہیں اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیئے اس کے بعد سیدہ ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ برابر اس کا پانی پیتے رہے یہ پیاس کو بھی دور کرتا رہا اور بھوک کو بھی ختم کرتا رہا۔ یہ زمزم شریف کی خاصیت ہے کہ وہ دودھ کی طرح کھانے، پینے، دونوں کا قائم مقام ہے۔ اس پانی کا مزہ بھی اونٹنی کے دودھ کے مزہ کے موافق ہے۔ سیدہ ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ ایک عرصہ تک اسی حال میں رہیں یہاں تک کہ یمن کا قبیلہ جرہم، پانی کی جستجو میں یہاں پہنچا اور اس نے پانی کے واسطہ سے اقامت اختیار کر لی۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام قبیلہ جرہم میں پرورش پاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپ حدِ بلوغ کو پہنچے تو قبیلہ جرہم کی لڑکیوں سے نکاح کیا اور ان سے کئی فرزند پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کبھی کبھی حضرت سارہؓ کی اجازت سے براق پر سوار ہو کر شام سے مکہ مکرمہ پرسانِ حال کے لئے تشریف لاتے، چنانچہ چاشت کے وقت سارہؓ کے پاس سے چلتے اور مکہ تشریف لاتے پھر قیلولہ کے وقت واپس سارہؓ کے پاس پہنچ جاتے۔ ایک زمانہ کے بعد حق تعالےٰ نے خانۂ کعبہ کی تعمیر کا حکم فرمایا تو آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی مدد سے اس ٹیلہ پر جہاں پہلی مرتبہ سیدہ ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑا تھا خانۂ کعبہ کی بنیاد رکھی۔ آپ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے لئے اس جگہ جنت سے یاقوت کا ایک گھر حق تعالیٰ نے اتارا تھا جس میں زمرد کے دو دروازہ تھے ایک جانبِ شرق دوسرا جانبِ غرب، اور حضرت آدمؑ کو خطاب فرمایا کہ اس گھر کا طواف کرو، اور ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو خطاب فرمایا کہ زمین میں بیت الحرام بناؤ اور اس گھر کا طواف کرو جس طرح کہ تم نے آسمان میں عرش کے گرد فرشتوں کو طواف کرتے دیکھا ہے۔ اس کے بعد ہر سال حضرت آدم علیہ السلام ہند سے اس بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے تشریف لایا کرتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، سے منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے پاپیادہ چالیس حج کئے اور طوفان نوحؑ میں یہ گھر ساتویں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ یہ قصہ بہت طویل ہے چونکہ اس جگہ زمزم شریف کی حالت کا بیان مقصود ہے کہ وہ کیسے گم ہوا اور پھر وہ حضرت عبد المطلب کے زمانہ میں کیسے ظاہر ہوا۔

منقول ہے کہ جب تک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حیات رہے خانہ کعبہ کی تولیت انہیں سے متعلق رہی۔

آپ کے بعد "ثابت" جو کہ سب سے بڑے آپ کے فرزند تھے آپ کے قائم مقام ہوئے طویل زمانہ گزر جانے کے بعد ان کے اور قبیلہ جرہم کے درمیان اس رشتہ کی بنا پر جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے تھا جھگڑا اور خصومت پیدا ہوگئی اور صلح صفائی نہ ہو سکی جس کی بنا پر بہت سے فرزندان حضرت اسمٰعیل مکہ سے نکل کر عرب کے اطراف و اکناف میں جا بسے اور مکہ کی حکومت قوم جرہم کے پاس رہ گئی۔ کچھ عرصہ تک یہی صورت رہی جب قوم جرہم کا ایک حاکم عمرو بن حارث ہوا اور اس نے ظلم و ستم کی بنا ڈالی اور مسافروں کو ستانے لگا جو ہدیئے خانہ کعبہ کے لئے آتے یا کوئی بھیجتا تو وہ خود اس پر قبضہ کر لیتا۔ اس وقت عرب کے وہ قبیلے جو گرد و نواح میں بستے تھے اس کے استیصال و ہلاکت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ قوم جرہم ان کے مقابلہ کی تاب و طاقت نہ رکھتی تھی بھاگ کھڑی ہوئی اور یمن کی جانب چلی گئی۔ اور بھاگتے وقت ابن عمرو بن حارث نے حجر اسود کو رکن کعبہ سے اکھاڑ کر اور دو سونے کی ہرن کی مورتیوں کو جو زر و جواہر سے مرصع تھی جسے اسفندیار فارسی نے بطور ہدیہ خانہ کعبہ بھیجا تھا اور اسے غزال الکعبہ کہتے تھے اور چند ہتھیار جو خانہ کعبہ میں تھے سب کو چاہ زمزم میں چھپا کر اسے پاٹ دیا۔ اور جگہ کو زمین کے برابر کر کے۔ اس کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ حق تعالیٰ نے حرم مکہ کی اس بیحرمتی اور وہاں ظلم و فسق برپا کرنے کی پاداشت میں ان پر ایک وبا بھیجی جسے اہل عرب "حدسہ" کہتے ہیں۔ کچھ تو ہلاک ہوئے اور کچھ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد مکہ میں واپس آئی اور رہنے لگی لیکن چاہ زمزم اسی دن سے گم اور بے نشان رہا جس وقت اہل مکہ کی حکومت و سرداری کی نوبت حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ تک آئی اور ارادۂ الٰہی چاہ زمزم کے اظہار سے متعلق ہوا تو حق تعالیٰ نے حضرت عبد المطلب کو خواب میں چاہ زمزم کا مقام دکھا کر حکم دیا کہ اسے ظاہر کرو۔ چونکہ اس کی جگہ مشتبہ تھی کہ کس جگہ ہے انہوں نے آثار و قرائن سے جانا اور چاہا کہ اسے کھودیں تو قوم قریش مانع آئی۔ اور ان کے بیوقوفوں نے اس بنیاد پر انہیں تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائیں۔ چاہ زمزم کی جگہ پر دو بت نصب تھے جن کا نام اساف اور نائلہ تھا۔ اور قریش نہیں چاہتے تھے کہ بتوں کے بیچ میں کنواں کھودا جائے۔ حضرت عبد المطلب اپنے ایک فرزند حارث کے ساتھ چاہ زمزم کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ ابھی تھوڑی سی زمین کھودی تھی کہ پتھر اور نشان برآمد ہو گئے اور وہ اسلحہ اور دو ہرن کی مورتیاں بھی جنہیں یہاں چھپایا گیا تھا نمودار ہو گئیں تو کھودنا موقوف کر دیا اور پانی نکل آیا۔ اس سبب سے حضرت عبد المطلب کی عزت و منزلت دوبالا ہو گئی۔ اس وقت انہوں نے نذر مانی کہ جب حق تعالےٰ انہیں دس فرزند عطا فرمادے گا اور وہ بلوغ کی حد کو پہنچ کر ان کے مددگار بن جائیں گے تو ان میں سے ایک فرزند کی حق تعالیٰ کے حضور قربانی دیں گے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے انہیں دس فرزند عطا فرمائے اور وہ سب حد بلوغ کو پہنچ گئے ایک رات حضرت عبد المطلب خانہ کعبہ کے نزدیک سو رہے تھے انہیں خواب میں کسی کہنے والے نے کہا اے عبد المطلب اپنی اس نذر کو جو رب کعبہ کے لئے مانی تھی پورا

کرو، جب وہ بیدار ہوئے تو خوف سے لرز رہے تھے، چونکہ اس قضیہ میں انھیں تاخیر شاق معلوم ہوتی تھی فوراً ایک دنبہ کو ذبح کر کے کھانا تیار کر کے فقراء و مساکین کو کھلایا۔ اس کے بعد جب سوئے تو کہنے والے نے پھر کہا اس سے بڑی قربانی دو، پھر جب بیدار ہوئے تو ایک گائے کی قربانی دی۔ پھر جب سوئے تو کہنے والے نے کہا اس سے بڑھ کر قربانی دو، جب بیدار ہوئے تو اونٹ کی قربانی دی۔ اس کے بعد جب سوئے تو کہنے والے نے حکم دیا کہ اس سے بڑھ کر قربانی دو۔ حضرت عبدالمطلب نے پوچھا اس سے بڑھ کر کونسی قربانی دوں؟ کہا گیا اپنے فرزندوں میں سے ایک فرزند کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ اس پر وہ بہت غمگین ہوئے انہوں نے اپنے تمام فرزندوں کو جمع کر کے سارا حال بیان کیا۔ تمام فرزندوں نے بیک زبان کہا آپ کو اختیار ہے اگر آپ ہم سب کی قربانی دینے پر راضی ہیں تو ہم سب تیار ہیں، حضرت عبدالمطلب کو اپنے فرزندوں کی یہ اطاعت و سعادت مندی بہت بھلی معلوم ہوئی فرمایا قرعہ ڈالو۔ جب قرعہ ڈالا گیا تو حضرت عبداللہ کا نام نکل آیا۔ حضرت عبداللہ اپنے والد کے نزدیک بہت محبوب و پیارے تھے کیوں کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تاباں تھا اور وہ صاحب حسن و جمال اور بڑے بہادر پہلوان اور تیر انداز تھے اس کے باوجود حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور چھری لے کر اساف و نائلہ کے قریب خانہ کعبہ کے متصل قربان گاہ میں لائے۔ جب قریش کو اس حال کا پتہ چلا تو وہ مانع آئے اور خصوصاً ان لوگوں نے جو قریبی رشتہ دار تھے۔ رکاوٹ بن گئے وہ انہیں لیکر اس کاہنہ عورت کے پاس لائے جو حجاز میں تمام کاہنوں سے زیادہ دانا اور عقلمند تھی۔ اس وقت تک جنات کا آسمان پر جانا آنا اور وہاں کی باتیں چوری چھپے سننا ممنوع نہ ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ کاہنوں کو آکر باتیں بتاتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے قریش حضرت عبدالمطلب کو اس کاہنہ عورت کے پاس لائے اور اس کو تمام ماجرا سنایا اس عورت نے کہا آج تو جاؤ کل آنا تاکہ میں اپنے ہمزاد جن سے اس قضیہ کے بارے میں معلوم کر سکوں کہ وہ کیا اشارہ کرتا ہے۔ جب دوسرے دن اس کے پاس پہنچے تو اس نے پوچھا ایک آدمی کی دیت میں تمہارے نزدیک کتنے اونٹ ہیں۔ لوگوں نے بتایا دس اونٹ ہیں۔ اس نے کہا ان دس اونٹوں کو لڑکے کے مقابل کر کے ان کے اور لڑکے کے درمیان قرعہ ڈالو اگر قرعہ اونٹوں پر نکل آئے تو ان کی قربانی دیدو اگر لڑکے کے نام قرعہ نکلے تو اتنے ہی اونٹ اور بڑھا کر قرعہ ڈالو اسی طرح دس دس اونٹوں کی تعداد بڑھاتے جاؤ یہاں تک کہ اونٹوں کے نام قرعہ نکل آئے جب اونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو اتنے ہی اونٹ اور بڑھا دو یہ اونٹ اس کا فدیہ ہوگا تمہارے لڑکے نے اس سے نجات پالی اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش مکہ واپس ہو گئے۔ اس کے بعد اساف و نائلہ کے قریب قربان گاہ میں حضرت عبداللہ کے مقابل اونٹوں کو لائے اور قرعہ اندازی کی یہاں تک کہ نوبت سو اونٹوں تک پہنچ گئی اس وقت قرعہ اونٹوں پر نکل آیا۔ مگر حضرت عبدالمطلب کے دل کو اس وقت بھی اطمینان نہ ہوا یہاں تک کہ دوسری

مرتبہ بھی قرعہ اونٹوں کے نام پر نکلا تب حضرت عبدالمطلب کو اطمینان حاصل ہوا۔ اور انہوں نے شکر الٰہی ادا کیا اور حضرت عبداللہ نے ذبح سے خلاصی پائی۔ اس کے بعد سو اونٹوں کو ذبح کر کے خاص و عام اور وحوش وطیور کو کھلایا گیا۔ پھر عرب میں ایک شخص کی دیت سو اونٹ مقرر ہو گئی حالانکہ اس سے پہلے دس اونٹ مقرر تھی۔ اور جب دورِ اسلام آیا تو شارع علیہ السلام نے بھی یہی مقرر فرمایا۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں "دو ذبیحوں کا فرزند ہوں" اس سے مراد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ زمخشری نے اسے کشاف میں بیان کیا۔ اور حاکم کی مستدرک میں حضرت معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی نے آکر قحط سالی کی شکایت کی اور کہا اے "دو ذبیحوں کے فرزند! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو مالِ غنیمت دیا ہے اس میں سے مجھے بھی عطا فرمایئے۔ اس پر حضورؐ نے تبسم فرمایا اس کا انکار نہ فرمایا۔

تنبیہ:۔ جمہور کے نزدیک قول مشہور یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا نام ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام ہے۔ اگر یہ قول صحیح ہو تو "دو ذبیحوں کے فرزند" کی تاویل یہ ہوگی کہ چچا پر بھی اَب یعنی باپ ہونے کا اطلاق مروی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد یعقوب علیہ السلام کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا — اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ط اور جب حضرت یعقوبؑ نے اپنے فرزندوں سے فرمایا میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو ان سب نے کہا ہم آپ کے رب کی اور آپ کے آبا، حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ کے رب کی عبادت کریں گے۔ تو اس آیت میں حضرت اسمٰعیلؑ کو آبا میں شمار کیا حالانکہ وہ حضرت یعقوبؑ کے چچا اور حضرت اسحاقؑ کے بھائی تھے۔ یہی صورت حضرت اسحاقؑ کے ذبیح ہونے کے قول میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ان کا فرزند فرمایا حالانکہ وہ چچا ہیں اور حضور ابن عم۔ لیکن ابن قیم پہلے قول جمہور کی ترجیح میں کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حضرت ذبیح علیہ السلام مکہ میں تھے اسی لئے روز نحر یعنی قربانی کے دن، مکہ میں قربانیاں کی جاتی ہیں، جس طرح کہ صفا ومروہ کی سعی اور رمی جمرات مکہ میں ہے۔ یہ اس بنا پر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کی یادگار رہے اور ذکرِ الٰہی قایم رہے، اگر ذبح شام میں ہوتی تو قربانیاں بھی شام میں ہوتیں۔ نیز قرآن کریم میں ذبیح کو حلیم فرمایا گیا ہے اور حلیم، وہی ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کی خاطر اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کرے۔ قرآن کریم میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی صفت میں علیم فرمایا گیا ہے اس کے ماسوا یہ ایک فطری عادت ہے کہ پہلا بچہ زیادہ محبوب ہوتا ہے، جب حضرت خلیلؑ کے دل میں اس کا تعلق پیدا ہوا تو محبت کی غیرت نے تقاضا کیا کہ اس کو ذبح کرنے کے حکم کے ساتھ قطع کیا جائے اور ایک بات

یہ بھی ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ولادت حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے مقدم ہے اور یہ توجیہات اور ترجیحات لغو ہیں کہ غلبۂ ظن کا افادہ نہیں کرتیں چہ جائیکہ قطعی و یقینی ہو۔

صاحب مواہب ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یہودی عالم سے جو مسلمان ہو چکے تھے پوچھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دونوں فرزندوں میں سے کس کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم اے امیر المومنین یہودی خوب جانتے ہیں کہ یہ حکم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے لئے تھا لیکن اے گروہ عرب وہ تم سے حسد کرتے ہیں کہ تمہارا باپ افضل ہو جس کا ذکر حق تعالیٰ نے کیا ہے۔ اور وہ اس کا انکار کر کے کہتے ہیں کہ وہ حضرت اسحاق علیہ السلام ہیں۔

علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسائل میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا قول، اہل کتاب کی تحریفات میں سے ہے (انتہی) لیکن یہ قول بعض مشائخ عظام کے کلام میں موجود ہے (واللہ اعلم)۔

## حضرت عبداللہ کا حسن وجمال

وصل:۔ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کی شہرت عام ہو گئی اور ذبیح و فدیہ کا واقعہ مزید شہرت کا باعث ہوا تو قریش کی عورتیں، ان کے جمال و وصال کی طالب بن کر سرِ راہ نکل کر کھڑی ہو گئیں اور ان کو اپنی جانب بلانے لگیں۔ مگر حق تعالیٰ نے انھیں محفوظ رکھا۔

اہل کتاب بعض علامتوں اور نشانیوں سے پہچان گئے تھے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی حضرت عبداللہ کے صلب میں ودیعت ہے وہ ان کے دشمن بن کر ہلاکت کے درپے ہو گئے۔ اور اطراف و جوانب سے ان کو ہلاک کرنے کے ارادے سے مکہ آنے لگے یہاں انہوں نے عجیب و غریب آثار و قرائن کا مشاہدہ کیا اور وہ خائب و خاسر بے نیل و مرام لوٹ گئے۔

ایک دن حضرت عبداللہ شکار کے لئے تشریف لے گئے تھے، اہل کتاب کی ایک بہت بڑی جماعت شام کی جانب سے تلوار سوت کر حضرت عبداللہ کے قتل کے ارادہ سے نمودار ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے والد حضرت وہب بن مناف بھی جنگل میں موجود تھے انہوں نے دیکھا کہ چند سوار جن کی شکل و صورت، اس دنیا کے لوگوں سے مشابہ نہ تھی غیب سے ظاہر ہوئے اور وہ اس حملہ آور گروہ کو حضرت عبداللہ کے آگے سے دور کرنے لگے۔ وہب بن مناف نے گھر آ کر اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں چاہتا ہوں اپنی بیٹی سیدہ آمنہ (رضی اللہ عنہا) کا نکاح حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب سے کر دوں، اور پھر یہ بات اپنے دوستوں کے ذریعہ حضرت عبدالمطلب کی خدمت میں پہنچائی، حضرت عبدالمطلب بھی یہی چاہتے تھے کہ عبداللہ کی شادی ہو جائے

اس سلسلہ میں وہ کسی ایسی عورت کی جستجو میں تھے جو شرف حسب ونسب اور عفت میں ممتاز ہو۔ آمنہ بنت وہب میں یہ صفات موجود تھیں عبدالمطلب نے اس رشتہ کو پسند کیا اور حضرت عبداللہ کا ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔

منقول ہے کہ حضرت عبداللہ بنی اسد کی ایک عورت کے سامنے سے گزرے یہ خانۂ کعبہ کے پاس کھڑی تھی اور اس کا نام رقیصہ یا قتیلہ بنت نوفل تھا۔ جب اس عورت کی نظر حضرت عبداللہ پر پڑی تو وہ آپ کے حسن وجمال پر فریفتہ ہوگئی اور کہنے لگی وہ سو اونٹ جو تم پر فدا کئے گئے ہیں میرے ذمہ ہیں میں پیش کروں گی۔ حضرت عبداللہ کو اس پر عفت وحیا دامنگیر ہوئی آپ انکار کر کے آگے نکل گئے۔

دوسرے دن ایک خثعمی عورت نے جو علم کہانت میں ماہر اور خوب مالدار تھی اس نے بھی اپنے مال کے ذریعہ حضرت عبداللہ کو ورغلانا چاہا۔ اسی طرح بہت سی عورتوں نے پیش کش کی۔ مگر حضرت عبداللہ کسی کے فریب میں نہ آئے۔ جب گھر تشریف لائے تو حضرت آمنہ سے زفاف ہوا۔ اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پشت مبارک سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں جلوہ فگن ہوا۔ اور وہ حاملہ ہوگئیں۔ یہ منیٰ کے ایام تھے۔ جیسا کہ آگے آئے گا پھر جب دوسری مرتبہ اس عورت کے سامنے سے حضرت عبداللہ گزرے تو اس عورت نے حضرت عبداللہ کی پیشانی میں وہ نور مبارک نہ پایا تو وہ ان سے کہنے لگی کیا اول مرتبہ میرے پاس سے جانے کے بعد تم نے کسی عورت سے صحبت کی ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں میں نے اپنی منکوحہ بی بی آمنہ بنت وہب سے زفاف کیا ہے۔ اس خثعمی عورت نے کہا اب مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں میں تو اس نور مبارک کی خواستگار تھی جو تمہاری پیشانی میں جلوہ افروز تھا اب وہ دوسرے کے نصیب میں چلا گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ عورت جس نے اپنے تئیں حضرت عبداللہ کو پیش کیا تھا وہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی۔ ورقہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی تھے۔ ایک دوسری روایت میں ایک اور عورت کا ذکر بھی آیا ہے جس کا نام عدویہ تھا ممکن ہے کہ ان تمام عورتوں نے پیش کش کی ہو۔

## استقرار حمل

وصل:۔ جاننا چاہیئے کہ استقرار نطفۂ زکیہ مصطفوی وابداع ذرۂ محمدیہ در صدف رحم آمنہ رضی اللہ عنہا، قول اصح کے بموجب ایام حج کے درمیانی تشریق کے دنوں میں شب جمعہ میں ہوا تھا۔ اسی بنا پر امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شب جمعہ، لیلۃ القدر سے افضل ہے اس لئے کہ اس رات سارے جہان اور تمام مسلمانوں پر ہر قسم کی خیر وبرکت اور سعادت وکرامت جس قدر نازل ہوئی اتنی قیامت تک کسی رات میں نہ ہوگی۔ بلکہ تا ابد کبھی نازل نہ ہوں گی۔ اور اگر اس لحاظ سے میلاد شریف کی رات کو شب قدر سے افضل جانیں تو یقیناً یہ رات اس کی مستحق ہے جیسا کہ علماء اعلام رحمہم اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ شب میلاد مبارک کو عالم ملکوت میں ندا کی گئی کہ سارے جہان کو انوار قدس سے منور کر دو اور زمین وآسمان کے تمام فرشتے خوشی ومسرت میں جھوم اٹھے۔ اور داروغۂ جنت کو حکم ہوا کہ فردوس

اعلیٰ کو کھولدے اور سارے جہان کو خوشبوؤں سے معطر کردے۔ اور زمین و آسمان کے ہر طبقہ اور ہر مقام میں مژدہ سنادے کہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم نے آج کی رات رحم آمنہ رضی میں قرار پکڑا ہے اور ایسا کیوں نہ ہوتا کہ تمام خیرات و برکات، کرامات و سعادات، اور انوار و اسرار کا مصدر، اور مبداء خلق عالم، اصل اصول بنی آدم اس عالم میں تشریف آوری اور اس کے ظہور کا وقت قریب آپہنچا ہے۔ یقیناً تمام جہان والوں کو منور و مشرف اور مسرور ہونا چاہیئے۔

مروی ہے کہ اس رات کی صبح کو روئے زمین کے تمام بت اوندھے پائے گئے۔ شیاطین کا آسمان پر چڑھنا ممنوع قرار دیا گیا۔ اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے گئے۔ اور اس رات ہر گھر روشن و منور ہوا، اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جو انوار قدس سے جگمگا نہ رہی ہو اور کوئی جانور ایسا نہ تھا جس کو قوت گویائی نہ دی گئی ہو اور اس نے بشارت نہ دی ہو، مشرق کے پرندوں نے مغرب کے پرندوں کو خوشخبریاں دیں۔

قریش کا یہ حال تھا کہ وہ شدید قحط اور عظیم تنگی میں مبتلا تھے چنانچہ تمام درخت خشک ہو گئے تھے اور تمام جانور نحیف و لاغر ہو گئے تھے۔ پھر حق تعالیٰ نے بارش بھیجی۔ جہان بھر کو سرسبز و شاداب کیا۔ درختوں میں تروتازگی آئی۔ خوشی و مسرت کی ایسی لہر دوڑی کہ قریش نے اس سال کا نام "سنۃ الفتح والابتھاج" رکھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں نو مہینے کامل رہے مادر محترمہ نے عام عورتوں کی طرح کسی قسم کی گرانی بار، درد اور طبیعت کی بدمزگی محسوس نہ کی۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھے معلوم ہی نہ تھا کہ میں حمل سے ہوں صرف اتنا تھا کہ حیض (ماہواری) بند ہو گیا تھا۔ لیکن بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کچھ بوجھ سا معلوم ہوتا ہے۔ ابو نعیم نے دونوں روایتوں کی جمع تطبیق اس طرح کی ہے کہ ابتداء علوق میں ثقل معلوم ہوتا تھا مگر مدت گزر جانے کے بعد حمل میں خفت محسوس ہونے لگی۔ اور یہ دونوں باتیں خلاف عادت و دستور ہیں۔ کذا فی المواہب

نیز ابو نعیم، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاملہ ہونے کے دلائل میں سے ایک بات یہ تھی کہ قریش کے ہر چوپایہ نے اس رات گویائی کی اور کہا کہ قسم ہے خانۂ کعبہ کے رب کی، آج رات اللہ کا رسول حمل میں تشریف لایا ہے جو ساری دنیا کا امام اور تمام جہان والوں کا آفتاب ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ روئے زمین کے تمام چوپائے اس رات گویا ہوئے اور سب نے اسی طرح کی بشارت دی۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھی کہ کسی نے ندا دی اے آمنہ تم حمل سے ہو گویا کہ میں نہیں جانتی تھی کہ میں حمل سے ہوں۔ اس کے بعد بتایا کہ تم اس امت کے افضل سے حاملہ ہو اور ایک روایت میں ہے کہ ساری مخلوق سے افضل سے حاملہ ہو۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں حمل سے ہوں

اور فرماتی ہیں کہ حمل کے ہر مہینہ میں آسمان و زمین کے درمیان میں یہ آواز سنا کرتی کہ تمہیں مبارک ہو وہ وقت قریب آپہنچا ہے کہ ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہونے والے ہیں جو صاحب خیر و برکت ہیں۔ یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔

سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے شکم میں تھے کہ ایک دفعہ مجھ سے ایک ایسا نور نکلا جس سے سارا جہان منور ہو گیا اور میں نے بصرے کے محلات دیکھے۔ بصرہ شام کی جانب ایک شہر کا نام ہے اسی قسم کا ایک واقعہ ولادت شریف کے وقت میں بھی منقول ہے۔

سیدہ آمنہ کے بطن اقدس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی فرزند تولد نہ ہوا اور نہ حضرت عبداللہ سے ہی حضورؐ کے سوا کوئی اور فرزند پیدا ہوا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ آٹھ ماہ یا سات ماہ یا دو ماہ کے گود میں تھے کہ وفات پائی۔ اور یہ قول اصح اقوال ہے۔

حضرت عبداللہ کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی ان دنوں وہ بسلسلۂ تجارت قریش کے ساتھ تھے جب واپسی میں مدینہ منورہ سے گزر ہوا تو قافلہ سے جدا ہو کر اپنے بھائیوں کے پاس جو بنی نجار تھے ٹھہر گئے۔ جب قافلہ کے لوگ مکہ مکرمہ پہنچے تو حضرت عبدالمطلب نے حضرت عبداللہ کے بارے میں دریافت کیا تو قافلہ والوں نے بتایا کہ ہم نے انہیں بیمار چھوڑا ہے۔ اس کے بعد حضرت عبدالمطلب نے اپنے بڑے فرزند حارث کو ان کو لانے کے لئے بھیجا جب حارث مدینہ پہنچے تو ان کا انتقال ہو چکا تھا اور وہ "دار نابغہ" میں دفن کئے جا چکے تھے لیکن بعض کہتے ہیں مقام ابوا میں مدفون ہوئے تھے۔ ابوا مدینہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے اور لوگوں میں یہی مشہور ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی تو فرشتوں نے مناجات کی کہ اے ہمارے رب! ہمارے سردار محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو تیرے نبی اور تیرے حبیب ہیں یتیم ہو گئے؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ان کا میں حافظ و ناصر اور کفیل ہوں۔ ان پر صلوٰۃ و سلام بھیجو اور ان کے لئے برکتیں مانگو اور ان کے لئے دعائیں کرو صَلَوٰاتُ اللّٰہِ تَعَالٰی وَمَلٰئِکَتِہٖ وَالنَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصَّالِحِیْنَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ کَانَ سَلَّمَ

## ولادت مبارک

وصل:- سبحان اللہ جب آپ کے حمل مبارک کا رعب و دبدبہ کا یہ عالم ہے تو آپ کی ولادت مبارکہ کا حال کیا ہوگا؟! تعالی اللہ جل جلالہٗ۔

جاننا چاہیئے کہ جمہور اہل سیر اور ارباب تواریخ کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک "عام الفیل" کے چالیس یا پچپن دن کے بعد ہوئی ہے۔ یہ قول سب سے زیادہ صحیح ہے۔ اور یہ بھی مشہور ہے کہ ماہ ربیع الاول میں ولادت ہوئی ہے اور بعض علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض بارہ بھی کہتے ہیں اور بعض دو ربیع الاول اور بعض آٹھ ربیع الاول کی رات گزرنے کے بعد کہتے ہیں بہت سے علماء اسی کو اختیار کرتے ہیں اور بعض دس بھی کہتے ہیں لیکن پہلا قول یعنی بارہ ربیع الاول کا زیادہ مشہور و اکثر ہے۔ اسی پر اہل مکہ کا عمل ہے ولادت شریف کے مقام کی زیارت کرتے ہیں اسی رات کرتے ہیں اور میلاد شریف پڑھتے ہیں۔

یہ ولادت مبارکہ بارہویں ربیع الاول کی رات روز دوشنبہ واقع ہوئی۔ اور وحی کی ابتداء، ہجرت، مدینہ منورہ پہنچنا، فتح مکہ مکرمہ اور وفات شریف بھی روز دوشنبہ ہوئی اور وقت ولادت مبارک صبح صادق میں طلوع آفتاب سے پہلے اور "غفر" کے طلوع کے وقت ہوئی۔ "غفر" (بضم غین وسکون فاء) منازل قمر کے تین چھوٹے ستاروں کو کہتے ہیں، مواہب الدنیہ میں ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی ولادت کا وقت یہی ہے اور اکثر اخبار میں ولادت شریف کا وقت، طلوع فجر ہے اور بعض روایت میں رات بھی آیا ہے اس سے یہی طلوع فجر مراد ہے چونکہ اس کو رات کے متصل شمار کر سکتے ہیں۔ مواہب لدنیہ میں شیخ بدر الدین زرکشی سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ ولادت شریف خوب روشن وقت میں ہوئی جو دن کی ابتداء ہے یہ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ستارے ٹوٹے اور شہاب ثاقب جھڑے اسے رات پر محمول نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ نبوت و ولادت کا زمانہ، خوارق عادات اور معجزات کے ظہور کا زمانہ ہے۔ لہٰذا ممکن ہے ستاروں وغیرہ کا ٹوٹنا دن میں ہوا ہو (واللہ اعلم) اور بعض منجمین اور اس فن کے ماہرین، ولادت شریف کی ساعت کو سب سے زیادہ سعید ساعت شمار کرتے ہیں اور روضۃ الاحباب میں اسے بیان کیا گیا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمانہ کے ساتھ شرافت و بزرگی حاصل نہیں کی ہے بلکہ زمانہ نے آپ سے شرافت و بزرگی پائی ہے۔ جس طرح کہ دیگر مقامات مقدسہ ہیں کہ مکان کو مکین سے شرافت و بزرگی حاصل ہوتی ہے اور یہی حکمت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کسی ایسے مہینہ میں نہیں ہوئی جو بزرگی و برکت کے ساتھ مشہور ہو جیسے ماہ محرم، ماہ رجب، ماہ رمضان، وغیرہ جیسا کہ بعض شاذ روایتوں میں آیا ہے اور یہی حکمت دن کی ہے کیوں کہ تمام دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے۔ اور اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس دن میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اس ساعت میں جو دعا مانگی جائے مستجاب ہوگی لیکن یہ ساعت، اس ساعت کو کہاں پہنچ سکتی ہے کہ جس ساعت میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے تولد فرمایا صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے روز دوشنبہ کو جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کا دن ہے عبادت کے لئے خاص

نہیں فرمایا جیسا کہ روز جمعہ کو مخصوص فرمایا جو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا دن۔
اس کی وجہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور آپ کی امت پر آپکے وجود باوجود کی عنایت کے سبب سے تخفیف ہے۔
جیسا کہ ارشاد فرمایا۔ اور آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہان کے لئے رحمت۔ انتہی۔ پیر کے دن روزہ رکھنا اس لحاظ سے کہ اس دن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف سے بزرگی و کرامت حاصل ہوئی ہے مستحب ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضورؐ روزہ دوشنبہ کو رکھا کرتے تھے۔ اور جب اس دن روزہ رکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا میں اس دن پیدا ہوا۔ اور اسی دن مجھ پر وحی نازل کی گئی۔ (رواہ مسلم)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مکہ مکرمہ میں ایک یہودی تھا جو تجارت کرتا تھا جب وہ رات آئی جس میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت فرمائی تو اس یہودی نے کہا اے گروہ قریش! کیا آج کی رات تم میں کوئی فرزند پیدا ہوا ہے قریشیوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں۔ اس یہودی نے کہا اس آخری امت کا نبی پیدا ہو گیا ہے اور اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت ہے جس میں گھوڑے کی رگ کی مانند بال مجتمع ہیں۔ پھر اس یہودی کو سیدہ آمنہ کے پاس لائے اس نے کہا اپنے فرزند کی زیارت کراؤ پھر اس نے پشتِ مبارک سے قمیص اٹھا کر علامت دیکھی تو وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا خدا کی قسم بنی اسرائیل سے نبوت جاتی رہی۔ (رواہ الحاکم) ابو نعیم حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت سات یا آٹھ سال کا بچہ تھا۔ میں نے یہ قصہ سنا اور دیکھا ہے کہ ایک یہودی صبح کے وقت اپنی قوم کو پکار رہا تھا اور فریاد کر رہا تھا۔ یہودیوں نے اس سے کہا تجھے کیا ہوا کیوں فریاد کر رہا ہے اور ہمیں بلا رہا ہے۔ اس نے کہا آج کی رات احمد کے ستارے نے طلوع کر لیا ہے۔

عثمان بن ابی العاص اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے وقت موجود تھی میں نے دیکھا ایک نور ظاہر ہوا جس نے گھر اور تمام در و دیوار کو نورانی کر دیا میں نے دیکھا کہ آسمان کے ستارے زمین کے نزدیک آ گئے ہیں میں نے خیال کیا کہ شاید وہ مجھ پر گر پڑیں گے۔ تمام گھر پُر انوار ہو گیا۔ احادیث صحیحہ و مشہورہ میں آیا ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں نے شب ولادت میں دیکھا کہ ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے اور میں نے ان کو دیکھا۔

حلیمہ سعدیہ حضورؐ کی مرضعہ سے مروی ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ مجھ سے ایک ستارہ عالم ظہور میں آیا جس

سے ساری زمین روشن ہوگئی اور میں نے شام کے محلات دیکھے اور یہ فرزند پاک وصاف پیدا ہوا کسی قسم کی آلائش و پلیدی نہ تھی۔ یہ روایت اس امر میں صریح ہے کہ ولادت شریف عادت کے مطابق ہوئی جس طرح کہ تمام عورتوں کو ہوتی ہے۔ نیز ایک اور حدیث میں ہے کہ فَاَخَذَنِی المَخَاضُ تو مجھے دردزہ نے پکڑ لیا۔ اس سے بھی یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ بن عوف اپنی والدہ سے جن کا نام "شفا" تھا روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا جس وقت حضرت آمنہ سے فرزند تولد ہوا تو وہ میرے ہاتھ میں آیا۔ جو ختنہ شدہ تھا۔ پھر چھینک آئی اس پر کسی کہنے والے کی آواز سنی یَرْحَمُکَ اللہ۔ "شفا" بیان کرتی ہیں کہ مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے اس وقت شام کے محلات و قصور دیکھے۔ ایک روایت میں روم کے محلات اور ایک روایت میں شام کے محلات آئے ہیں۔ شام ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ شام حضور کا ملک ہے اور کتب سابقہ میں آیا ہے۔ اور شام کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ اور "شفا" بیان کرتی ہیں کہ میں ڈری اور مجھ پر لرزہ طاری ہوگیا۔ اس کے بعد ایک نور داہنی جانب سے ظاہر ہوا کسی کہنے والے نے کہا اسے کہاں لے گیا؟ دوسرے نے جواب دیا مغرب کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا۔ پھر بائیں جانب سے بھی ایک نور ظاہر ہوا۔ اس پر بھی کسی کہنے والے نے کہا اسے کہاں لے گیا دوسرے نے جواب دیا اسے میں مشرق کی جانب تمام مقامات متبرکہ میں لے گیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش کیا انہوں نے اسے اپنے سینہ سے لگایا اور طہارت و برکت کی دعا مانگی۔ "شفا" بیان کرتی ہیں یہ بات میرے دل میں ہمیشہ جاگزیں رہی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو میں اسلام لائی اور اولین و سابقین میں سے ہوئی۔

نیز وہ سیدہ آمنہ کی بابت بیان کرتی ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میں نے خواب میں کسی کو کہتے سنا جبکہ چھ ماہ کی حاملہ تھی اس نے مجھ سے کہا اے آمنہ تم سارے جہان سے فضل کی حاملہ ہو جب تم سے وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمد رکھنا، اور اپنے حال کو پنہاں رکھنا۔ اس روایت سے ظاہر و معلوم ہوتا ہے کہ محمد نام رکھنا آمنہ کی جانب سے ہوگا حالانکہ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ یہ نام حضرت عبد المطلب نے رکھا ہے۔ تو ان دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب مجھ پر وہ حالت طاری ہوئی جو عام طور پر عورتوں کو وضع حمل کے وقت درد وغیرہ ہوتا ہے تو میں گھر میں تنہا تھی اور حضرت عبد المطلب طواف میں تھے، اس وقت میں نے ایک عظیم آواز سنی جس سے میں خوفزدہ ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے دیکھا ایک مرغ سفید کا بازو میرے سینے کو مل رہا ہے تو میرا خوف اور وہ درد جاتا رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میرے پاس ایک سفید شربت کا پیالہ لایا گیا میں نے لے پیا اور

سکون وقرار حاصل ہوا۔ پھر میں نے نور کا ایک بلند مینار دیکھا اس کے بعد اپنے پاس بلند قامت والی عورتیں دیکھیں جن کا قد عبد مناف کی لڑکیوں کی مانند کھجور کے درختوں کی طرح ہے۔ میں نے تعجب کیا یہ کہاں سے آگئیں۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا میں آسیہ فرعون کی بیوی ہوں۔ دوسری نے کہا میں مریم بنت عمران ہوں اور یہ عورتیں حور عین ہیں۔ اور میرا حال بہت سخت ہوگیا اور ہر گھڑی عظیم سے عظیم تر آوازیں سنتیں جس سے خوف معلوم ہوتا تھا اسی حالت کے دوران میں نے دیکھا کہ ایک فرش زمین و آسمان کے درمیان کھینچا گیا اور میں نے دیکھا کہ زمین و آسمان کے درمیان بہت سے لوگ کھڑے ہیں جن کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں۔ پھر میں نے دیکھا کہ پرندوں کی ایک ڈار میرے سامنے آئی یہاں تک کہ میرا کمرہ ان سے بھر گیا۔ ان کی چونچیں زمرد کی اور ان کے بازو یاقوت کے تھے اور حق تعالیٰ نے میری آنکھوں سے پردہ اٹھا دیا اور میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ اور میں نے دیکھا کہ تین عَلَم ہیں ایک مشرق میں اور ایک مغرب میں اور ایک خانۂ کعبہ کے اوپر نصب ہے۔ پھر مجھے دردزہ ہوا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) متولد ہوئے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ سجدے میں ہیں اور دونوں انگشتہائے مسبحہ آسمان کی جانب اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور تضرع کی مانند گریاں کناں ہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک ابر سفید دیکھا جس نے انہیں میری نظروں سے چھپا دیا۔ اور میں نے کسی کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا انہیں زمین کے مشارق و مغارب کی سیر کراؤ اور ان کے شہروں میں گشت کراؤ تاکہ وہاں کے رہنے والے آپ کے اسم مبارک اور نعت و صورت کو پہچان لیں اور جان لیں کہ آپ کی صفت ماحی ہے جو کہ شرک کے آثار کو محو و فنا کریں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ جب حضور کو لٹایا گیا تو میں نے ایک بہت بڑے نورانی ابر دیکھا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے اور بازوؤں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سنیں یہاں تک کہ اس ابر نے حضورؐ کو ڈھانپ لیا اور میری نظروں سے غائب ہو گئے اس وقت میں نے ایک منادی کو ندا کرتے سنا وہ کہہ رہا تھا حضورؐ کو زمین کے جملہ گوشوں میں پھراؤ اور جن و انس کی روحوں پر گشت کراؤ فرشتوں، پرندوں اور چرندوں کو زیارت کراؤ۔ اور ان کو حضرت آدمؑ کے اخلاق، حضرت شیثؑ کی معرفت، حضرت نوحؑ کی شجاعت، حضرت ابراہیمؑ کی خلت، حضرت اسمٰعیلؑ کی زبان، حضرت اسحاقؑ کی رضا، حضرت صالحؑ کی فصاحت حضرت لوطؑ کی حکمت، حضرت یعقوبؑ کی بشارت، حضرت موسیٰؑ کی شدت، حضرت ایوبؑ کا صبر، حضرت یونسؑ کی طاعت، حضرت یوشعؑ کا جہاد، حضرت داؤدؑ کا لحن اور آواز، حضرت دانیالؑ کی محبت، حضرت الیاسؑ کا وقار، حضرت یحییٰؑ کی عصمت اور حضرت عیسیٰؑ کے زہد کا پیکر بناؤ (علیہم السلام) اور تمام نبیوں کے دریائے اخلاق میں غوطہ دو۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ ابر مجھ سے کھل گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ سبز ریشمی کپڑے میں حضورؐ خوب لپٹے ہوئے ہیں اور چشمہ کی مانند اس حریر سے پانی ٹپک رہا ہے۔ اور کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ ماشاء اللہ ماشاء اللہ حضورؐ کو تمام دنیا پر کس

شان سے بھیجا گیا، دنیا کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو آپ کی تابع فرمان نہ ہو، سب ہی کو آپ کے قبضۂ قدرت میں دیا گیا ہے پھر جب میں نے آپ کی طرف نظر کی تو میں نے دیکھا کہ گویا آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند چمک رہے ہیں اور آپ کے جسم اطہر سے مشک وعنبر کی لپٹیں آرہی ہیں۔ اور تین شخص کھڑے ہیں ایک ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے اور تیسرے کے ہاتھ میں سفید حریر ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک انگشتری نکالی جس سے دیکھنے والوں کی نظریں جھپک گئیں۔ پھر اسے سات مرتبہ دھویا اور اس انگشت سے آپ کے شانوں کے درمیان مہر کیا۔ اور حریر میں لپیٹ کر اٹھالیا اور کچھ دیر اپنے آغوش میں لیکر میرے سپرد کر دیا۔

حضرت عبدالمطلب سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں شب ولادت کعبہ کے پاس تھا جب آدھی رات ہوئی تو میں نے دیکھا کہ کعبہ مقام ابراہیم کی طرف جھکا اور سجدہ کیا اور اس سے تکبیر کی آواز آئی کہ اللہ اکبر اللہ اکبر رب محمد المصطفےٰ الآن قد طہرنی ربی من انجاس الاصنام وارجاس المشرکین، اللہ بلند و بالا ہے اللہ بلند و بالا ہے وہ رب ہے محمد مصطفےٰ کا۔ اب مجھے میرا رب بتوں کی پلیدی اور مشرکوں کی نجاست سے پاک فرمائے گا۔ اور غیب سے آواز آئی رب کعبہ کی قسم، کعبہ کو برگزیدگی ملی۔ خبردار ہو جاؤ کعبہ کو ان کا قبلہ، ان کا مسکن ٹھیرایا۔ اور وہ بت جو کعبہ کے گرداگرد نصب تھے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب سے بڑا بت جسے ہُبل کہتے تھے منہ کے بل گر پڑا تھا، ندا آئی کہ سیدہ آمنہ سے محمد مصطفےٰ پیدا ہو گئے۔ اور ابر رحمت ان پر اتر آیا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جمہور اہل سیر کا مذہب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان تمام عزت و کرامت میں سے جو رب العزت کے حضور مجھے حاصل ہے یہ ہے کہ میں ختنہ کردہ پیدا ہوا۔ اور میری شرمگاہ کو کسی نے نہیں دیکھا" یہ ارشاد ختنہ شدہ پیدا ہونے کی حکمت کی جانب ایک اشارہ ہے بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال خلقت اور تکمیل اعضاء میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہ ہو، نیز یہ بھی حکمت ہے کہ کوئی عیب آپ کی طرف منسوب نہ ہو۔ بعض متاخرین نے اس کا انکار کیا ہے اور اس حدیث پر جرح کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں تواتر کا دعویٰ کیا ہے، اور ذہبی کہتے ہیں کہ جب اس کی صحت میں ہی کلام ہے تو متواتر کیسے ہوگی۔ اور بعض نے تواتر کو معنوی اور لغوی شہرت پر محمول کیا ہے۔ ابن قیم کہتے ہیں کہ یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے نہیں ہے۔ بلکہ بکثرت لوگ اس ہیئت پر پیدا ہوئے ہیں بعض اہل سیر نقل کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کی ختنہ اس وقت کی جبکہ انہوں نے شق صدر مبارک کر کے تطہیر قلب انور کی، اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبدالمطلب نے حضور کی ولادت کے ساتویں دن ختنہ کر کے مہمان نوازی کی (واللہ اعلم)

علماء کا اختلاف ہے کہ ختنہ سنت ہے یا واجب، پہلا قول یعنی سنت ہونا امام ابوحنیفہ، امام مالک اور

بعض شوافع کا مذہب ہے۔ اور دوسرا قول یعنی واجب ہونا بعض مالکیوں کا مذہب ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارک کے وقت جس قدر کرامتیں اور نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ وہ حیطۂ بیان اور گنتی و شمار سے باہر ہیں اور جتنا کچھ بیان کیا گیا ہے ان کا یہ کچھ حصہ ہے۔ سب سے زیادہ مشہور و روشن اور حیرت و تعجب میں ڈالنے والی بات کسریٰ کے محل کا لرزنا کانپنا اور اس کے چودہ کنگرے کا گر پڑنا ہے۔ اور بعض علماء نے چودہ کے عدد سے اس طرف اشارہ ہونا مراد لیا ہے کہ ان کی بادشاہی چودہ آدمیوں تک ہوگی۔ چنانچہ چار سال میں دس لوگوں نے بادشاہی کی اور بقیہ چار نے زمانۂ خلافت امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ تک یکے بعد دیگرے بادشاہی کی۔ کذا فی المذاہب۔ روضۃ الاحباب میں خلافت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک کہا ہے۔

انہیں نشانیوں میں سے دریائے ساوہ کا خشک ہونا اور اس کا پانی زمین میں چلا جانا اور اس نالے کا جاری ہونا جسے وادی سماوہ کہتے ہیں جو ہزار برس سے خشک تھا۔ فارسیوں کے آتشکدہ کی آگ کا بجھ جانا ہے جو ہزار برس سے روشن تھی۔ انہیں حالات کی کثرت سے کسریٰ پر انتہائی خوف و ہراس طاری ہوگیا ہر چند کہ وہ بظاہر بہادری اور دلیری دکھاتا اور لوگوں سے چھپاتا تھا۔ اسی دوران فارس کے سب سے بڑے قاضی، جسے وہ "موبذ" کہتے ہیں اس نے یہ بھی خواب دیکھا کہ قوی و توانا اونٹ اور چست و چالاک عربی گھوڑے دوڑتے آرہے ہیں، اور دجلہ کو پار کر کے شہروں میں پھیل گئے ہیں۔ موبذوں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ بلاد عرب میں کوئی واقعہ رونما ہوگا جس کی وجہ سے ممالک عجم مفتوح و مغلوب ہوں گے کسریٰ نے اس حال کی جستجو میں کچھ لوگوں کو کاہنوں کے پاس اور خصوصاً "سطیح" کے پاس بھیجا جو علم کہانت میں سب سے زیادہ ماہر تھا اس کے عجیب و غریب حالات ہیں، کہتے ہیں کہ اس کے جوڑ (مفاصل) نہ تھے اور وہ کھڑے ہونے اور بیٹھنے پر قادر نہ تھا مگر جس وقت کہ وہ غصہ میں ہوتا تو وہ مشک کی مانند پھول جاتا اور بیٹھ جاتا۔ اس کے اعضاء میں انگلی کے پوروں اور سر کے سوا کوئی ہڈی نہ تھی۔ گویا کہ وہ گوشت کا ایک ڈھیر تھا جب لوگ اسے کسی جگہ لیجانا چاہتے ۔ تو اسے کپڑے میں کپڑوں کی طرح لپیٹ لیتے اور لیجاتے کہتے ہیں کہ اس کا منہ اس کے سینہ میں تھا اس کے سر اور گردن نہ تھی، یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی عمر چھ سو سال کے قریب تھی۔ جب اس سے کہانت کی باتیں اور غیبی خبریں کہلوائی جاتیں تو اسے اس طرح ہلاتے جس طرح لسی کے مشکے کو ہلایا جاتا ہے اس کا سانس پھول جاتا اور وہ خبریں بولنے لگتا چنانچہ جب کسریٰ کے ایلچی، "سطیح" کے پاس آئے تو وہ موت کے سکرات میں مبتلا تھا انہوں نے سلام کیا اور کسریٰ کی تحیت پہنچائی اس سے کوئی جواب نہ سنا گیا، چند اشعار پڑھے جن میں کسریٰ کا سوال مضمر تھا اور اس کے حال کا استکشاف تھا سطیح نے جب ان شعروں کو سنا ہنسکر کہنے لگا یہ وقت ہے جبکہ قرآن کی تلاوت ہوگی اور صاحب عصا ظاہر ہوگا یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوں گے وادی سماوہ جاری ہوگا، اور دریائے ساوی خشک ہو کر پانی اتر

جائے گا۔ فارس کا آتشکدہ بجھ جائے گا۔ سطیح کی زندگی کا درخت اس دنیا میں نہ رہے گا۔ سطیح اتنی بات کہہ کر گر پڑا اور مر گیا۔

حق تعالیٰ نے یزدجرد کی مملکت کو جو فارس کا آخری بادشاہ تھا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح کرایا۔ اس کے لشکری مسلمانوں کے مقابل سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد چند مرتبہ اس نے لشکر کو جمع کر کے جنگیں کیں بالآخر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں خراسان کی جانب چلا گیا اور ایک اصبہانی نے اسے ۳۱ھ میں ایک مرو کے قضیہ میں ہلاک کر دیا۔

انہیں نشانیوں میں سے بتوں کا اوندھے منہ گرنا اور ان کا ذلیل و خوار ہونا ہے۔ قریش کا ایک بت تھا وہ ہر سال اسی بت کے نزدیک آتے عید اور جشن مناتے۔ اس کے سامنے اعتکاف کرتے تھے۔ ایک رات انہوں نے دیکھا کہ وہ بت اوندھا پڑا ہوا ہے انہوں نے اسے اٹھا کر اپنی جگہ کھڑا کیا مگر وہ دوبارہ گر پڑا پھر کھڑا کیا سہ بارہ پھر گر پڑا جب انہوں نے اس حال کا مشاہدہ کیا تو وہ بہت غمگین و ملول ہوئے اور اسے اپنی جگہ مضبوط کر کے باندھ دیا اس وقت اس بت کے خول سے یہ آواز سنی وہ کہہ رہا تھا شعر

تردی لمولود اضاءت بنورہ     جمیع فجاج الارض بالشرق والغرب
وخرت لہ الاوثان طرا وارعدت     قلوب ملوک الارض جمعا من الرعب

یعنی مولود کو چادر اڑھائی جس کے نور کی شعاعوں سے زمین کے مشارق و مغارب کی راہیں روشن ہوگئیں۔ اور اس کی حرارت سے تمام بت گر پڑے اور اس کے رعب و دبدبہ سے زمین کے بادشاہوں کے دل دہل گئے۔

یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شب ولادت کا ہے۔

## ایام رضاعت

**وصل:** سب سے پہلے جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا وہ ابولہب کی باندی ثُوَیبَہ (بضم ثا، و فتح واو و سکون یا) تھی جب شب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ثویبہ نے ابولہب کو بشارت پہنچائی کہ تمہارے بھائی حضرت عبد اللہ کے گھر فرزند پیدا ہوا ہے ابولہب نے اس مژدہ پر اس کو آزاد کر کے حکم دیا کہ جاؤ دودھ پلاؤ۔ حق تعالیٰ نے اس خوشی و مسرت پر جو ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پر ظاہر کی اس کے عذاب میں کمی کر دی اور دوشنبہ کے دن اس پر سے عذاب اٹھا لیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اس حدیث میں میلاد شریف پڑھوانے والوں کے لئے حجت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی رات میں خوشی و مسرت کا اظہار کریں اور خوب مال و زر خرچ کریں۔ مطلب یہ کہ باوجودیکہ ابولہب کافر تھا اور اس کی مذمت قرآن کریم میں نازل ہو چکی ہے جب اس نے حضور کی میلاد کی خوشی کی اور اس نے اپنی باندی کو دودھ پلانے کی خاطر آزاد کر دیا تو حضور کی طرف سے حق تعالیٰ نے اسے اس

کا بدلہ عنایت فرمایا۔

ثویبہ کے اسلام میں اختلاف ہے بعض محدثین انہیں صحابیات میں شمار کرتے ہیں سیر کی کتابوں میں ہے کہ حضورؐ نے بحکم رضاعت، اُن کا اعزاز و اکرام فرمایا۔ اور مدینہ مطہرہ سے ان کے لئے کپڑے اور انعام بھجواتے ان کی وفات غزوۂ خیبر کے بعد ۸ھ میں ہوئی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ کے وقت مکہ مکرمہ تشریف لائے تو ان کے رشتہ داروں کے بارے میں دریافت کیا کہ کوئی عزیز و قریب ہے معلوم ہوا کہ کوئی نہیں ہے۔ کذافی روضۃ الاحباب اور انہیں ثویبہ نے سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا ہے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہؓ کے درمیان رضاعی بھائی کی نسبت بھی ثابت ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات دن سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کا دودھ نوش فرمایا اور چند دن ثویبہ کا دودھ پیا اس کے بعد حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلانے کی سعادت حاصل کی۔ چونکہ ان کا اپنا نام و نسبت ہی حلم و وقار اور سعادت کے ساتھ متصف تھا اور وہ اس قبیلۂ بنی سعد بن بکر سے ہیں جن کی شیریں زبانی، اعتدال آب و ہوا اور فصاحت و بلاغت مشہور و معروف ہے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں اس لئے کہ میں قریشی ہوں اور میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر کا دودھ پیا ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ کے دودھ پلانے کے ضمن میں حضورؐ کے جو فضائل و کرامات اور معجزات مروی ہیں وہ احاطۂ بیان اور گنتی و شمار کی حد سے باہر ہیں ان میں سے مختصراً حیز تحریر میں لاتا ہوں۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن اسحٰق ابن راہویہ، ابو یعلیٰ طبرانی، بیہقی اور ابو نعیم سعدیہ سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں قبیلہ بنی سعد بن بکر کے ساتھ دودھ پلانے کے لئے کسی بچے کو لینے مکہ مکرمہ آئی۔ یہ زمانہ شدید قحط سالی کا تھا آسمان سے زمین پر پانی کا ایک قطرہ تک نہ برسا تھا، ہماری ایک مادہ گدھی تھی جو لاغری و کمزوری کی وجہ سے چل نہیں سکتی تھی۔ ایک اونٹنی تھی جو دودھ کا ایک بوند نہ دیتی تھی۔ میرے ساتھ میرا بچہ اور میرے شوہر تھے، ہماری تنگی کا یہ عالم تھا کہ رات چین سے گذرتی تھی اور نہ دن آرام سے۔ جب ہمارے قبیلہ کی عورتیں مکہ پہنچیں تو انہوں نے دودھ پلانے کے لئے تمام بچوں کو لے لیا بجز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ کیونکہ جب وہ یہ سنتی تھیں کہ وہ یتیم ہیں تو ان کے یہاں جاتی ہی نہ تھیں۔ کوئی عورت ایسی نہ رہی جس نے کوئی بچہ نہ لیا ہو صرف میں ہی باقی تھی اور حضورؐ کے سوا کسی کو نہ پاتی تھی میں نے اپنے شوہر سے کہا خدا کی قسم بغیر بچہ لئے مکہ مکرمہ سے لوٹنا مجھے اچھا معلوم نہیں ہوتا۔ میں جاتی ہوں اور اسی یتیم بچہ کو لئے لیتی ہوں، میں اسی کو دودھ پلاؤں گی۔ اس کے بعد میں گئی میں نے دیکھا کہ حضورؐ دودھ سے زیادہ سفید اونی کپڑے میں لپٹے ہوئے ہیں اور آپ سے مشک و عنبر کی خوشبوئیں لپٹیں مار رہی

ہیں آپ کے نیچے سبز حریر بچھا ہوا ہے اور آپ خراٹے لیتے ہوئے اپنی قفا (گدی) پر محو خواب ہیں۔ چونکہ حضورؐ کی عادت شریف تھی کہ آپ نیند میں خراٹے لیتے تھے اور کبرسنی میں بھی خراٹوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اگر یہ تیز و شدید آواز نہ ہو تو محمود ہے۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ میں نے چاہا کہ آپ کو نیند سے بیدار کر دوں مگر میں آپ کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی پھر میں آہستہ سے قریب ہو کر اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر اپنا ہاتھ آپ کے سینہ مبارک پر رکھا تو آپ نے تبسم فرما کر اپنی چشم مبارک کھول دی اور میری طرف نظر کرم اٹھائی تو آپ کی چشمان مبارک سے ایک نور نکلا جو آسمان تک پرواز کر گیا۔ میں نے آپ کی دونوں چشمان مبارک کے درمیان بوسہ دیا۔ اور اپنی گود میں بٹھا لیا تاکہ دودھ پلاؤں میں نے داہنا پستان آپ کے دہن مبارک میں دیا آپ نے دودھ نوش فرمایا پھر میں نے چاہا کہ اپنا بایاں پستان دہن مبارک میں دوں تو آپ نے نہ لیا اور نہ پیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ابتدائی حالت میں ہی عدالت وانصاف ملحوظ رکھنے کا الہام فرما دیا تھا۔ اور آپ جانتے تھے کہ ایک ہی پستان کا دودھ آپ کا ہے کیونکہ حلیمہ کا ایک اپنا لڑکا بھی ہے۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضورؐ کا یہ حال رہا کہ ایک پستان کو حضورؐ اپنے رضاعی بھائی کے لئے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ پھر میں آپ کو لیکر اپنی جگہ آئی اور اپنے شوہر کو دکھایا۔ وہ بھی آپ کے جمال مبارک پر عاشق ہو گئے اور سجدۂ شکر ادا کیا۔ وہ اپنی اونٹنی کے پاس گئے دیکھا تو اس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے باوجودیکہ اس سے پہلے اس کے تھن میں دودھ کا ایک قطرہ نہ تھا۔ انہوں نے اسے دوہا جسے انہوں نے بھی پیا اور میں نے بھی پیا اور ہم خوب سیر ہو گئے۔ اور خیر و برکت کے ساتھ اس رات چین کی نیند سوئے۔ چونکہ اس سے پہلے بھوک و پریشانی میں نیند نہیں آتی تھی۔ میرے شوہر نے کہا اے حلیمہ بشارت و خوشی ہو کہ تم نے اس ذات مبارک کو لے لیا۔ تم نہیں دیکھتیں کہ ہمیں کتنی خیر و برکت حاصل ہوئی ہے یہ سب اسی ذات مبارک کے طفیل ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ ہمیشہ اور زیادہ خیر و برکت رہے گی۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد چند راتیں ہم مکہ مکرمہ میں ٹھیرے رہے ایک رات میں نے دیکھا کہ ایک نور آپ کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہے۔ اور ایک شخص سبز کپڑے پہنے آپ کے سرہانے کھڑا ہے۔ پھر میں نے اپنے شوہر کو جگا کر کہا اٹھئے اور دیکھئے شوہر نے کہا اے حلیمہ! خاموش رہو اور اپنی اس حالت کو چھپا کے رکھو۔ کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ جس دن سے یہ فرزند پیدا ہوا ہے یہود کے علماء و احبار نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے انھیں چین و قرار نہیں ہے۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد لوگوں نے ایک دوسرے کو رخصت کیا اور مجھے بھی سیدہ آمنہ نے رخصت کیا۔ میں اپنے دراز گوش (یعنی مادہ گدھی) پر حضورؐ کو اپنی گود میں لے کر سوار ہوئی میرا دراز گوش خوب چست و چالاک ہو گیا اور اپنی گردن اوپر تان کر چلنے لگا۔ جب ہم کعبہ کے سامنے پہنچے تو تین سجدے کئے اور اپنے سر کو آسمان کی جانب اٹھایا اور چل پڑا۔ پھر قبیلہ کے جانوروں کے آگے آگے دوڑنے

رگا۔ لوگ اس کی تیز رفتاری پر تعجب کرنے لگے۔ عورتوں نے مجھ سے کہا اے بنت ذویب! کیا یہ وہی جانور ہے جس پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ آئی تھیں جو تمہارے بوجھ کو اٹھا نہیں سکتا تھا اور رسید ھا چل تک نہ سکتا تھا؟ میں نے جواب دیا خدا کی قسم یہ وہی جانور ہے اور یہ وہی دراز گوش ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس فرزند کی برکت سے اسے قوی و طاقتور کر دیا ہے اس پر انہوں نے کہا خدا کی قسم! اس کی بڑی شان ہے۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ میں نے اپنے دراز گوش کو جواب دیتے سنا کہ "ہاں! خدا کی قسم میری بڑی شان ہے۔ میں مردہ تھا مجھے زندگی عطا فرمائی، میں لاغر و کمزور تھا مجھے قوت و توانائی بخشی۔ اے بنی سعد کی عورتو! تم پر تعجب ہے اور تم غفلت میں ہو اور تم نہیں جانتیں کہ میری پشت پر کون ہے۔ میری پشت پر سید المرسلین، خیر الاولین والآخرین اور حبیب رب العلمین ہے"۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ راستہ میں دائیں بائیں میں سنتی کہ کہتے اے حلیمہ! تم تونگر ہو گئیں اور بنی سعد کی عورتوں میں تم بزرگ ترین ہو گئیں اور بکریوں کے جس ریوڑ پر میں گزرتی بکریاں سامنے آ کر کہتیں، اے حلیمہ! تم جانتی ہو کہ تمہارا دودھ پینے والا کون ہے؟ یہ محمد آسمان و زمین کے رب کے رسول اور تمام بنی آدم سے افضل ہیں"۔ ہم جس منزل پر قیام کرتے حق تعالیٰ اس منزل کو سرسبز و شاداب فرما دیتا باوجودیکہ وہ قحط سالی کا زمانہ تھا۔ اور جب ہم بنی سعد کی بستی میں پہنچ گئے تو کوئی خطہ اس سے زیادہ خشک اور ویران نہ تھا۔ میری بکریاں چراگاہ میں جاتیں تو شام کو خوب شکم سیر، تروتازہ اور دودھ سے بھری ہوئی لوٹتیں۔ تو ہم ان کا دودھ دوہتے اور ہم سب خوب سیر ہو کر پیتے اور دوسروں کو پلاتے۔ ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے کہ تم اپنی بکریوں کو ان چراگاہوں میں کیوں نہیں چراتے جس چراگاہ میں بنت ابی ذویب کی بکریاں چرتی ہیں۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتے کہ ہمارے گھر میں یہ خیر و برکت کہاں سے آئی ہے۔ یہ برکت و نشاط غیبی چراگاہ اور کسی اور چارہ سے تھی۔ اس کے بعد ہماری قوم کے چرواہوں نے ہمارے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چرانی شروع کر دیں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان کے اموال اور ان کی بکریوں میں بھی خیر و برکت پیدا کر دی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تمام قبیلہ میں خیر و برکت پھیل گئی۔ میں جانتی ہوں کہ یہ سب حضور کے وجود گرامی کی برکت سے ہے۔ حلیمہ فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بات کرنے کی آئی تو میں آپ کو یہ فرماتے سنتی اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا اور رات کے وقت آپ کے دل مبارک کو یہ فرماتے سنتی: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قُدُّوْسٌ نَامَتِ الْعُیُوْنُ وَالرَّحْمٰنُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ اور حضور گہوارہ میں یعنی پنگھوڑے میں چاند سے باتیں کرتے اور اشارہ کرتے دیکھتی اور جس طرف چاند کو اشارہ فرماتے۔ چاند اسی جانب جھک جاتا اور فرشتے آپ کے گہوارے یعنی پنگھوڑے کو ہلاتے، یہ آپ کے معجزات میں مذکور ہے۔ حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ حضور نے کبھی بھی کپڑوں میں بول و براز نہیں کیا۔ آپ کے بول و براز کا ایک وقت مقرر تھا جب بھی میں ارادہ کرتی کہ آپ کے دہن مبارک کو دودھ وغیرہ سے پاک و صاف

کروں تو غیب سے مجھ پر سبقت ہوتی اور آپ کا دہن مبارک پاک وصاف ہو جاتا۔ اور جب کبھی حضورؐ کا ستر کھل جاتا تو آپ حرکت کرتے اور فریاد کرتے یہاں تک کہ میں ستر ڈھانپ دیتی اور اگر ڈھانپنے میں میری طرف سے تاخیر واقع ہوتی تو غیب سے ڈھانپ دیا جاتا۔

جب چلنے کا زمانہ آیا اور آپ بچوں کو کھیلتا دیکھتے تو آپ ان سے دور رہتے اور انہیں اس سے منع فرماتے اور کہتے ہمیں کھیلنے کے لئے پیدا نہیں فرمایا گیا ہے۔ اسی کے مانند حضرت یحییٰ علیہ السلام سے بھی نقل کیا گیا ہے۔ شروع کتاب میں اس کی طرف اشارہ گزر چکا ہے حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ کی نشوونما دوسرے بچوں سے نرالی تھی۔ ایک دن میں حضورؐ کی نشوونما اتنی ہوتی جتنی دوسرے بچوں کی ایک ماہ میں ہوتی اور ایک ماہ میں اتنی ہوتی جتنی دوسرے بچوں کی ایک سال میں ہوتی۔ اور روزانہ ایک نور :-

آفتاب کی مانند آپ پر اترتا اور آپ کو ڈھانپ لیتا پھر آپ منجلی ہو جاتے۔ منقول ہے کہ روزانہ دو سفید مرغ، اور ایک روایت میں ہے کہ دو مردِ سفید پوش آپ کے گریبان میں داخل ہو کر روپوش ہو جاتے تھے۔ آپ نہ روتے چلاتے اور نہ بدخلقی کا اظہار فرماتے۔ شروع سے ہی آپ کا یہی حال تھا۔ اور جب کسی چیز پر آپ دستِ مبارک رکھتے تو بسم اللہ کہتے۔ اور میں آپ کی ہیبت اور دبدبہ سے اپنے شوہر کو اپنے قریب نہ آنے دیتی یہاں تک کہ آپ پر دو سال پورے گزر گئے۔ فرماتی ہیں میں حضورؐ کو کبھی دور جانے نہ دیتی۔ ایک روز مجھ سے غفلت ہوئی۔ آپ اپنی رضاعی بہن شیما کے ساتھ جو آپ کے ساتھ خاص طور پر رہتی تھی چلے گئے۔ یہ دن گرمی کا تھا۔ تو میں آپ کی تلاش میں چل دی اور میں نے آپ کو شیما کے ساتھ پایا۔ میں نے شیما سے کہا کیوں گرمی اور لو میں لے کر آ گئی۔ شیما نے کہا ہم نے تو گرمی کی شدت محسوس نہیں کی کیونکہ میں نے دیکھا کہ ابر کا ٹکڑا آپ پر سایہ کئے رہا جہاں تشریف لے جاتے ابر ساتھ جاتا یہاں تک کہ ہم یہاں پہنچ گئے (الحدیث) اس سے معلوم ہوا کہ آپ پر ابر کا سایہ کرنا بچپن ہی سے تھا۔ لیکن علماء کہتے ہیں کہ یہ دائمی طور پر نہ تھا کہ ہمیشہ آپ کے سرِ مبارک پر ابر سایہ کرتا۔ اور یہ صورت ضرورت و احتیاج کے وقت ہوتی۔

سینہ مبارک کے چاک کرنے اور قلب اطہر کو غسل دینے کا قضیہ بھی دایہ حلیمہ سعدیہ کے یہاں پیش آیا یہ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ سعدیہ سے فرمایا اے مادر! مجھے اپنے بھائیوں کے ساتھ جب وہ بکریاں چرانے جاتے ہیں کیوں نہیں بھیجتیں تاکہ میں سیر کروں اور تمہاری بکریوں کو چراؤں۔ چنانچہ حلیمہ سعدیہ نے حضورؐ کے بالوں میں کنگھی کی اور آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ کپڑے بدلے اور بدنظری سے بچنے کے لئے آپ کی گردن میں یمنی تختی باندھی۔ حضورؐ نے اسے توڑ کر پھینک دیا اور فرمایا میرا رب میرا محافظ ہے۔

اس کے بعد حضورؐ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور بکریاں چرانے میں مشغول ہو گئے، جب آدھا دن گزرا تو ضمرہ حلیمہ کا لڑکا ابا جان' اماں جان پکارتا بھاگتا ہوا آیا۔ اور کہنے لگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے ساتھ کھڑے تھے اچانک ایک شخص نمودار ہوا اور اُن کے قریب آکر انہیں ہمارے درمیان سے پہاڑ پر لے گیا اور لٹا کر ان کا شکم مبارک چاک کیا۔ آگے ہم نہیں جانتے کہ ان کا حال کیا ہوا۔ اس پر حلیمہ اور ان کے شوہر دوڑتے ہوئے گئے جب آپ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ پہاڑ پر بیٹھے ہوئے آسمان کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ جب آپ نے ہمیں دیکھا تو تبسم فرمایا۔ یہ قصہ احادیث کی کتابوں میں مختلف نوعیتوں اور مختلف عبارتوں سے آیا ہے۔

ابو یعلیٰ' ابو نعیم اور ابن عساکر شداد بن اوس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک روز میں بنی لیث بن بکر میں اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ وادی میں تھا کہ یکایک میری نظر تین شخصوں پر پڑی ان میں سے ایک کے ہاتھ میں سونے کا طشت تھا جو برف سے بھرا ہوا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا۔ اور دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کی لگن تھی جو برف سے لبریز تھی پھر مجھے اپنے ساتھیوں کے درمیان سے پکڑا میرے سب ساتھی اپنے محلے کی جانب بھاگ گئے۔ اس کے بعد ان تینوں میں سے ایک نے مجھے زمین پر نرمی سے لٹایا اور ایک نے میرے سینہ کو جوڑوں کے پاس سے ناف تک چیرا اور مجھے کسی قسم کا درد وغیرہ محسوس نہ ہوا اس کے بعد پیٹ کی رگوں کو نکالا اور اس برف سے اسے خوب غسل دیا، پھر اسے اپنی جگہ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے شخص نے اس سے کہا اب تم ہٹ جاؤ اس کے بعد اس نے اپنے ہاتھ کو میرے جوف میں ڈال کر میرا دل نکالا۔ میں اسے دیکھ رہا ہوں پھر اسے چیرا اور اس سے سیاہ لوتھڑا نکالا اور ایک روایت میں ہے سیاہ نکتہ کو نکالا اور اسے پھینک دیا اس نے کہا یہ شیطان کا حصہ ہے' پھر اسے اس چیز سے بھرا جو ان کے پاس تھی۔ ایک روایت میں اسے شکبہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اپنے داہنے اور بائیں کچھ اشارہ کیا گویا وہ کسی چیز کو مانگ رہا ہے۔ تو انہوں نے ایک انگشتری نور کی دی جس کی نورانیت سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اس کے بعد میرے دل پر مہر لگائی۔ اور میرا دل نور سے لبریز ہو گیا' اور وہ نور نبوت و حکمت کا تھا پھر دل کو اپنی جگہ رکھ دیا۔ تو میں اس مہر کی سردی و خوشی عرصہ دراز تک محسوس کرتا رہا۔ اسی طرح کے مواہب کے الفاظ ہیں کہ کہا فَوَجَدْتُ بَرْدَ ذٰلِكَ الْخَاتَمِ فِي صَدْرِي تو میں نے اس مہر کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی۔ اور روضۃ الاحباب کی عبارت میں اس طرح کہا گیا ہے کہ اس کی ٹھنڈک اور خوشی اب بھی اپنے جوڑوں اور رگوں میں پاتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے ٹھنڈک کا پایا جانا تمام عمر مبارک تک رہا (واللہ اعلم) ایک روایت میں ہے کہ جب میرے احشاء کو پانی سے غسل دینے لگے تو دوسرے نے کہا کہ اولے کے پانی سے غسل دو۔ تو پانی اور اولے دونوں سے غسل دیا۔ یہ روایت اس دعائے ماثورہ کے مناسب حال ہے جو آپ

کیا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرْدِ ایک روایت میں بِالْمَاءِ الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ ہے بمقصود شمول انواعِ طہارت ہے اس کے بعد دوسرے نے کہا اٹھو تم اپنا کام کر چکے۔ پھر انہوں نے سینہ کے جوڑ سے ناف تک ہاتھ پھیرا اور وہ شگاف مل گیا۔ اس کے بعد مجھے آہستگی سے اٹھایا اور مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور میری دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور کہنے لگے اے خدا کے حبیب کچھ نہ پوچھو اگر آپ جانتے کہ آپ کے لئے کیا کچھ خیر و خوبی ہے تو آپ کی آنکھیں روشن ہو جاتیں اور آپ خوش ہوتے۔ اس کے بعد وہ مجھے وہیں چھوڑ کر آسمان کی جانب پرواز کر گئے۔ اور میں ان کو دیکھتا رہا۔ حلیہ شریف کے بیان میں حضرت انس رضی کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ و شکم مبارک پر اس جوڑ کے نقش و نشان کو سیدھی لکیر کی مانند دیکھا کرتے تھے۔

علماء فرماتے ہیں کہ غسلِ قلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام نبیوں کے لئے عام ہے۔ ان میں جو شیطان کا حصہ ہوتا تھا دور کر دیا جاتا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر بچپن کے زمانہ کے ساتھ جبکہ آپ دائی حلیمہ سعدیہ کے یہاں تشریف فرما تھے مخصوص نہیں ہے بلکہ متعدد مرتبہ شق صدر واقع ہوا ہے۔ ایک اس وقت میں جبکہ آپ چھ سال کے تھے اور روایت میں دسویں سال بھی آیا ہے۔ اور احادیث صحیحہ میں ثبوت کے ساتھ منقول ہے کہ شب معراج میں بھی واقع ہوا اور بعض علماء نے خاص اسی ضمن میں تمام مرتبوں کو جمع کر کے رسالے لکھے ہیں اور ہم نے بھی مشکوٰۃ کی شرح میں اور اس کتاب کے شروع میں ذکر کیا ہے۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ جب شق صدر کا قضیہ پیش آیا تو میرے شوہر اور دوسرے لوگوں نے بھی مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ آپ کو کوئی گزند پہنچے بہتر یہی ہے کہ حضور کو ان کی والدہ ماجدہ اور ان کے جدِ امجد کے سپرد کر دینا چاہیئے۔ حلیمہ سعدیہ بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد ہم حضور کو لے کر مکہ مکرمہ کی طرف چل دیئے۔ جب ہم مکہ کے قرب و جوار میں پہنچے تو میں حضور کو ایک جگہ بٹھا کر قضائے حاجت کے لئے چلی گئی جب واپس آئی تو حضور کو اس جگہ موجود نہ پایا۔ بہت تلاش و جستجو کی مگر کوئی نام و نشان نہ پایا۔ ناامید ہو کر سر پر ہاتھ مار کر وَا مُحَمَّدَاہُ وَا وَلَدَاہُ کہہ کر پکارنے لگی۔ اتنے میں ایک بوڑھا شخص لاٹھی ٹیکتا میرے پاس آیا اس نے مجھ سے کہا اے سعدیہ! کیا بات ہے کیوں نالہ و شیون کر رہی ہو؟ میں نے کہا کہ میں نے محمد بن عبد المطلب کو ایک مدت تک دودھ پلایا ہے۔ اب میں انہیں لے کر ان کی والدہ اور دادا کے سپرد کرنے آئی تھی لیکن وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ بوڑھے نے کہا روؤ نہیں اور غم نہ کھاؤ، میں تمہیں اس کی رہنمائی کرتا ہوں جہاں وہ ہوں گے۔ اگر اس نے چاہا تو ممکن ہے کہ تمہیں ان تک پہنچا دے۔ میں نے کہا میری جان تم پر قربان! بتاؤ وہ کون ہے؟ بوڑھے نے کہا وہ بڑا بت ہے جس کا نام

ہُبل ہے وہ بڑا مرتبہ والا ہے وہ جانتا ہے کہ تمہارا فرزند کہاں ہے۔ میں نے کہا خرابی ہو تیری! کیا تو نہیں جانتا اور تو نے نہیں سنا کہ اس فرزند کی ولادت کی رات میں بتوں پر کیا گزری تھی۔ وہ سب ٹوٹ کر اوندھے گر پڑے تھے۔ بوڑھا زبردستی مجھے ہُبل کے پاس لے گیا اور اس کا چکر لگوایا اور میرا مقصد اس نے بت کے سامنے بیان کیا تو ہُبل سر کے بل گر پڑا' اور دوسرے تمام بت اوندھے ہو کر گر پڑے۔ ان کے خول سے یہ آواز آئی۔ اے بوڑھے ہمارے سامنے سے دور ہو اور اس فرزند جلیل کا ہمارے سامنے نام نہ لے کیونکہ اس ذات مبارک کے ہاتھ سے ہماری ہلاکت، تمام بتوں کی تباہی اور تمام پجاریوں کی بربادی ہو گی۔ اس کا رب انہیں ہرگز ضائع نہ کرے گا اور وہ ہر حال میں اس کا محافظ ہے۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں عبدالمطلب کے پاس آئی۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی فرمایا کیا بات ہے میں تمہیں فکر مند اور پریشان دیکھ رہا ہوں۔ اور ہمارا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے ساتھ نہیں ہے؟ میں نے کہا اے ابو الحارث میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوب اچھی طرح لا رہی تھی جب میں مکہ میں داخل ہوئی تو میں انہیں بٹھا کر قضائے حاجت کے لئے چلی گئی واپسی پر وہ غائب ملے۔ ان کی جستجو و تلاش میں بہت زیادہ سرگرداں رہی مگر کوئی خبر نہ پا سکی۔ یہ سن کر حضرت عبدالمطلب، کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور قریش کو آواز دی کہ اے آلِ غالب میرے پاس آؤ۔ جب تمام قریش جمع ہو گئے تو قریش نے کہا اے سردار! آپ کو کیا معاملہ درپیش ہے؟ فرمایا میرا فرزند محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد عبدالمطلب اور تمام قریش سوار ہو کر حضورؐ کی تلاش میں نکلے اور مکہ کی اعلیٰ و اسفل ہر جگہ میں تلاش کیا مگر حضورؐ نہ ملے۔ اس کے بعد حضرت عبدالمطلب مسجد حرام میں آئے اور خانۂ کعبہ کا طواف کیا۔ اور بارگاہِ الٰہی میں مناجات کی۔ یہاں آپ نے ہاتفِ غیبی کی آواز سنی کہ اے لوگو غم نہ کھاؤ کیونکہ محمد کا خدا محافظ ہے وہ آپ کو اپنی حفاظت سے کبھی دور نہ فرمائے گا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا اے ہاتفِ غیبی مجھے بتاؤ کہ محمد کہاں ہیں؟ اس نے کہا تہامہ کی وادی میں ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ حضرت عبدالمطلب وادیٔ تہامہ کی جانب چل دیئے۔ راہ میں ورقہ بن نوفل ان کے سامنے آئے۔ وہ بھی ان کے ہمراہ ہو لئے۔ یہاں تک کہ جب وادیٔ تہامہ پہنچے تو دیکھا کہ حضورؐ کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما ہیں اور اس کے پتے چن رہے ہیں۔ عبدالمطلب نے پوچھا مَنْ اَنْتَ یَا غُلَامُ اے فرزند تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا۔ میری جان تم پر قربان ہو' میں تمہارا دادا عبدالمطلب ہوں' اس کے بعد انہوں نے حضورؐ کو سواری پر اپنے آگے بٹھایا اور خوش خوش مکہ مکرمہ لے آئے۔ اور بہت سا سونا اور بے شمار اونٹ صدقہ میں دیئے۔ اور حلیمہ سعدیہ کو قسم قسم کے انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ وہ اپنے قبیلہ کی جانب لوٹ گئیں۔

اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اس گمشدگی میں کیا بھید تھا بعض مفسرین آیۂ کریمہ "وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى"

یہی تفسیر کرتے ہیں۔ اور اسی طرح پر حلیمہ سعدیہ کا حضورؐ کو لانے سے پہلے شقِ صدر کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حلیمہ سعدیہ مکہ مکرمہ میں سیدہ آمنہ کے پاس حضورؐ کو لے کر آئیں تو اس خیر و برکت کے پیش نظر جو آپ کے قدم مبارک سے پہنچی تھی ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کچھ عرصہ مزید حضورؐ اُن کے پاس تشریف فرما رہیں چنانچہ سیدہ آمنہ سے کہا کہ چونکہ مکہ مکرمہ میں وبا پھیلی ہوئی ہے اس لئے میں انہیں اپنے قبیلہ میں واپس لئے جاتی ہوں۔ سیدہ آمنہ اس پر راضی ہوگئیں حلیمہ حضورؐ کو دوبارہ قبیلہ بنی سعد لے گئیں اس مرتبہ دو یا تین سال یہاں رہے اور اسی دوران شقِ صدر کا واقعہ ہوا۔

حلیمہ سعدیہ کے بعد ام ایمن نے حضورؐ کی حفاظت و پرورش کے فرائض انجام دیئے یہ ام ایمنؓ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی باندی تھیں اور وہ حضورؐ کو حضرت عبداللہ کی میراث میں حاصل ہوئی تھیں۔ مواہب لدنیہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ام ایمنؓ کا حضانت کے فرائض انجام دینا سیدہ آمنہ کی رحلت کے بعد تھا۔ ام ایمنؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضورؐ کو بھوک و پیاس کی شکایت کرتے نہ دیکھا جب صبح ہوتی تو ایک پیالہ زمزم کا نوش فرماتے اور شام تک کچھ طلب نہ فرماتے۔ اکثر ایسا ہوا کہ دوپہر کے وقت کھانے کے لئے عرض کیا جاتا تو فرماتے مجھے کھانے کی رغبت نہیں ہے۔

# بابِ دوم

## کفالت اور انتقال عبدالمطلب و ابو طالب کی اعانت اور ان کے ساتھ سفر کرنا

اس باب میں حضرت عبدالمطلب کی کفالت، ان کے انتقال، ابو طالب کی امداد و اعانت اور حضورؐ کا ان کے ساتھ شام کی جانب سفر کرنا اور بحیرہ راہب کا آپ کی نبوت کی علامتوں کے پہچاننے اور ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانے اور تعمیرِ خانۂ کعبہ کا ذکر و بیان ہے۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چار پانچ چھ یا سات سال کے ہوئے اور ایک روایت میں بارہ سال کہا گیا ہے مگر صحیح چھ یا سات سال ہے سیدہ آمنہ حضورؐ کو لے کر ام ایمنؓ کے ساتھ اپنے والد سے ملنے کے لئے قبیلہ بنی

نجار مدینہ منورہ تشریف لے گئیں اور وہاں ایک مہینہ گزار کر مکہ مکرمہ کو واپس ہونے لگیں، تو دورانِ سفر مقامِ "ابواء" میں انتقال فرمایا اور اسی جگہ دفن کی گئیں۔ "ابواء" مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ آمنہ کی قبر انور مکہ مکرمہ کے مقام حجون میں جانب معلا یعنی بلندی میں ہے بعض کہتے ہیں کہ ممکن ہے ابواء میں مدفون ہونے کے بعد انہیں مکہ مکرمہ منتقل کیا گیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کو یاد کرتے تھے جو آپ نے والدۂ ماجدہ سیدہ آمنہ کے قیام کے دوران مدینہ میں دیکھی تھیں اور جب اس مکان کو ملاحظہ فرماتے جس میں سیدہ آمنہ نے اقامت فرمائی تھی تو فرماتے اس مکان میں میری والدہ ماجدہ نے قیام کیا تھا۔ اور آنے جانے والے یہودی میری طرف دیکھ کر کہا کرتے کہ یہ اس امت کا نبی ہے اور یہ شہر مدینہ ان کا مقامِ ہجرت ہے مجھے یہ سب باتیں یاد ہیں، ابونعیم، زہری کی سند سے اسماء بنت رہم سے روایت کرتے ہیں کہ اسماء بیان کرتی ہیں میں اس وقت حضرت آمنہ کے پاس موجود تھی جس مرض میں انہوں نے وفات پائی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پانچ سال کے بچے تھے اور اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضورؐ کی تربیت و کفالت حضورؐ کے دادا حضرت عبدالمطلب نے کی، حضرت عبدالمطلب آپ کو اپنے تمام فرزندوں سے زیادہ محبوب جانتے تھے اور کبھی آپ کے بغیر دسترخوان نہ بچھاتے، جلوت و خلوت کے تمام اوقات میں حضرت عبدالمطلب کے پاس ان کی مسند پر تشریف فرما رہتے تھے، اور جب کوئی حضرت عبدالمطلب کا مخصوص ہمنشیں مجلسی آداب و قواعد کی رعایت سے چاہتا کہ آپ کو منع کرے تو حضرت عبدالمطلب فرماتے میرے فرزند کو چھوڑ دو کہ وہ اس مسند پر جلوہ فرما ہو کیونکہ وہ اپنے اندر خاص شرافت و بزرگی محسوس فرماتے ہیں، اور میں امید رکھتا ہوں کہ کوئی عرب ان کے سامنے یا ان کے مرتبہ و مقام اور بزرگی و شرافت تک نہ پہنچے گا۔ اہل قیافہ حضرت عبدالمطلب سے کہتے کہ اس فرزند کی خوب نگہداشت اور محافظت کرو کیونکہ ہم نے آپ جیسے قدم مبارک کسی کے نہیں دیکھے۔ آپ کے قدم مبارک میں وہ اثرات و نشانات ہیں جو مقام ابراہیم میں ہیں جس سال حضرت عبدالمطلب قریش کے سرداروں کے ساتھ سیف ذی یزن کی تہنیت کے لئے یمن کی جانب تشریف لے گئے تو اس نے حضرت عبدالمطلب کو بشارت دی کہ آپ کی نسل سے نبی آخر الزماں ظاہر ہوں گے۔ اس سفر سے لوٹنے کے بعد حضرت عبدالمطلب نے دیکھا کہ قریش میں شدید قحط پڑا ہوا ہے۔ اور یہ قحط مسلسل کئی سال تک رہا۔ اس وقت حضرت عبدالمطلب نے غیبی اشارات کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دعائے استسقاء کی۔ اور حضورؐ کو اپنے کندھوں پر بٹھا کر بارش کی دعا مانگی پھر خوب زور کی بارش ہوئی جس سے کئی سالوں کی خشکی ناپید ہو گئی۔ وفات کے وقت حضرت عبدالمطلب کی عمر ایک سو دس[۱۱۰] سال تھی، ایک روایت میں ایک سو بیس[۱۲۰] سال اور ایک روایت میں ایک سو چالیس[۱۴۰] تھی۔

عبدالمطلب کے بعد حضرت ابوطالب جو حضورؐ کے حقیقی چچا تھے حضورؐ کے عہدۂ کفالت میں لائے گئے۔ اگرچہ زبیر بن عبدالمطلب بھی حضورؐ کے حقیقی چچا تھے لیکن حضرت عبداللہ اور حضرت ابوطالب کے درمیان محبت وارتباط بہت زیادہ تھی۔ اور حضرت عبدالمطلب انہیں وصیت فرما گئے تھے کہ حضورؐ کی محافظت خوب اچھی طرح کرنا۔ اس وقت حضورؐ کی عمر مبارک آٹھ سال کی تھی۔ نو، دس اور چھ سال بھی کہا گیا ہے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضورؐ کو اس بات کا اختیار دیا گیا تھا کہ آپ اپنے چچاؤں میں سے کس کی کفالت میں جانا پسند فرماتے ہیں تو حضورؐ نے ابوطالب کی کفالت پسند فرمائی تھی۔ اور حضرت ابوطالب نے حضورؐ کی کفالت و محافظت ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد خوب اچھی طرح انجام دی۔ وہ حضورؐ کے بغیر کھانا تک نہ کھاتے اور حضورؐ کا بستر مبارک اپنے داہنے پہلو میں بچھاتے۔ گھر کے اندر اور باہر حضورؐ کو اپنے ہمراہ رکھتے۔ ابوطالب نے حضورؐ کی مدح و ثنا میں بہت سے اشعار کہے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے ؎

وشق له من اسمه ليجله　　فذو العرش محمود وهذا محمد

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس شعر کی اس طرح تضمین کی ہے ؎

الم تر ان الله ارسل عبده　　باٰياته والله اعلى وامجد
وشق له من اسمه ليجله　　فذو العرش محمود وهذا محمد

روضۃ الاحباب میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابوطالب کے عہد کفالت میں بھی مکہ مکرمہ میں قحط پڑا تھا چنانچہ ابن عساکر عروط سے روایت کرتے ہیں کہ میں قحط کے زمانہ میں مکہ مکرمہ آیا تو لوگ مجتمع ہو کر استسقاء کے لئے ابوطالب کے پاس آئے ان قریشیوں میں بچے بھی تھے ان میں ایک فرزند آفتاب تاباں کی مانند نکلا جس کے چہرۂ انور پہ ابر کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ابوطالب نے اس فرزند جلیل کو پکڑ کر خانہ کعبہ کے ساتھ اس کی پشت ملا دی اور اس فرزند جلیل نے آسمان کی جانب انگشت مبارک سے اشارہ کیا حالانکہ اس سے پہلے آسمان پر بدلی کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا اس کے بعد بادل ہر جانب سے گھر کر آ گئے اور اتنا برسے کہ ندی نالے بھر گئے۔ اس وقت ابوطالب نے حضورؐ کی مدح میں یہ قصیدہ کہا ؎

وابيض يستسقى الغمام بوجهه　　ثمال اليتامى عصمة للارامل

یہ شعر اس قصیدے میں ہے جسے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا میں کہا ہے۔ محمد ابن اسحاق اس قصیدہ کو اسی سے زیادہ اشعار پر مشتمل بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ انہوں نے اس قصیدے کو اس وقت لکھا جبکہ قریش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مجتمع ہوئے تھے اور جو آپ پر اسلام لانے کا ارادہ کرتا وہ اس سے

تنفر کرتے تھے۔ انہوں نے اس قصیدے میں کفار کی مذمت کی ہے اور قریش کے انکار اور انکی عداوت پر ملامت کی ہے انہوں نے حضورؐ کی اطاعت و یقین اور قبول کی طرف ترغیب دی ہے، ابن القین کہتے ہیں کہ ان کا یہ قصیدہ اس کی دلیل ہے کہ ابوطالب، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بعثت سے پہلے ہی سے بحیرہ راہب وغیرہ جس کا نام جرجیس تھا کے خبر دینے کی بنا پر خوب جانتے تھے۔ شیخ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابوطالب نے اس قصیدے کو بعثت کے بعد لکھا ہے ابوطالب کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی معرفت، بہت سی حدیثوں میں آیا ہے اور اسی بناء پر شیعہ ان کے اسلام پر استدلال کرتے ہیں۔ شیخ موصوف نے فرمایا کہ میں نے علی بن حمزہ نصری کی وہ کتاب دیکھی ہے جس میں انہوں نے ابوطالب کے اشعار جمع کر کے دعویٰ کیا ہے کہ وہ مسلمان تھے اور اسلام پر ہی وہ اس جہان سے گئے۔ اور حشو یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کی وفات کفر پر ہوئی ہے۔ اور وہ اس پر استدلال کرتے ہیں کہ کوئی چیز ان کی جانب سے اسلام پر ثابت نہیں ہے۔ انتہی۔ محدثین نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کے حضورؐ پر ایمان نہ لانے اور دعوت اسلام کے قبول نہ کرنے پر دلیل موجود ہے وہ نقل کرتے ہیں کہ ابوطالب کی وفات کے وقت، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سرہانے تشریف فرما ہو کر دعوت اسلام دی مگر ان کی جانب سے قبولیت واقع نہ ہوئی۔ نیز یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عباسؓ نے اپنا سر جھکا کر سنا کہ وہ کلمۂ شہادت پڑھ رہے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے حضورؐ کو خبر دی کہ آپ کے چچا اسلام لے آئے، اس پر حضورؐ نے خوشی کا اظہار فرمایا (واللہ اعلم)

بارہویں سال حضورؐ نے ملک شام کی جانب سفر فرمایا اور بصرے پہنچے۔ اس سفر میں بحیرا راہب نے حضورؐ میں نبی آخرالزمان کی ان علامتوں اور صفتوں کو دیکھا اور پہچانا جو توریت، انجیل اور دیگر آسمانی کتابوں میں اس نے پڑھی تھیں۔ بحیرا راہب نصاریٰ کے احبار میں سے ہے۔ اور زہد و ورع کی صفت میں ممتاز تھا۔ بصرا کے قریب ایک دیہات میں ایک صومعہ تھا جس میں وہ نبی آخرالزماں کے دیدار کے انتظار میں عرصۂ دراز سے ٹھیرا ہوا تھا۔ اور عمر گزار رہا تھا۔ اور کوئی جب قریش کا قافلہ اس راہ سے گزرتا تو وہ صومعہ سے نکل کر قافلہ میں آتا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نشانیوں کی بنا پر تلاش کرتا جب ان میں وہ حضورؐ کو نہ پاتا تو واپس صومعہ چلا جاتا۔

ایک مرتبہ جب قریش کا قافلہ آیا تو اس نے دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا حضورؐ پر سایہ کئے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ جب حضورؐ حضرت ابوطالب کے ساتھ کسی درخت کے نیچے آتے تو بادل درخت کے اوپر آجاتا۔ بحیرہ اس صورت حال کو حیرت و تعجب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد بحیرا نے اس قافلہ کو مہمان بننے کی دعوت دی اور قافلہ والوں کو بلایا، تو ابوطالب حضورؐ کو قیام گاہ میں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب بحیرا نے ایک درخت کے نیچے کھڑے

ہو کر قیام گاہ پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ بادل کا ٹکڑا اپنی جگہ قائم ہے۔ راہب نے کہا قافلے والو! کیا کوئی تم میں سے ایسا شخص رہ گیا ہے جو یہاں نہیں آیا ہے۔ پھر انہوں نے حضورؐ کو بھی بلالیا اور وہ بادل کا ٹکڑا بھی آپ کے ہمراہ آپ کے سر مبارک پر سایہ کئے ہوئے آیا جب یہ قافلہ پہاڑ پر چڑھنے لگا تو بحیرا نے سنا کہ پہاڑ کا ہر شجر و حجر کہہ رہا ہے وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اس نے حضورؐ کے شانہ مبارک پر اس مہر نبوت کو بھی دیکھا اور اس کو اسی طرح پر پایا جس طرح آسمانی کتابوں میں اس نے پڑھا تھا بحیرا نے اسے بوسہ دیا اور آپ پر ایمان لایا۔ بحیرا ان میں سے ایک ہے جو حضورؐ پر آپ کے اظہار نبوت سے پہلے ایمان لائے ہیں جیسے حبیب نجار اصحاب قریہ وغیرہ کے قصے میں ہے۔ ابو مندہ اور ابو نعیم اسے صحابہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس سفر میں سات افراد روم سے حضورؐ کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے۔ بحیرا نے دلائل واضحہ سے حضورؐ کی نبوت ان پر ثابت کر دی تھی۔ اور کہا تھا کہ یہ فرزند وہی ہے جس کی تعریف و توصیف توریت و انجیل اور زبور میں آئی ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ خدا جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ منقول ہے کہ بحیرا نے ابو طالب کو وصیت کی کہ یہود و نصاریٰ سے حضورؐ کی خوب حفاظت کریں کیوں کہ یہ فرزند نبی آخر الزماں ہوگا اور ان کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہوگا انہیں شام لے کر نہ جاؤ کیوں کہ یہود ان کے دشمن ہیں۔ اس کے بعد ابو طالب اپنا سامان تجارت فروخت کر کے مکہ مکرمہ واپس آگئے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ ابو طالب نے حضورؐ کو کچھ لوگوں کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس کر دیا اور خود شام کی جانب چلے گئے۔ یہ قصہ مشہور ہے ترمذی نے اسے حسن کہہ کر اسے صحیح قرار دیا ہے بجز اس کے کہ بعض روایتوں میں یہ آیا ہے کہ "حضور کو حضرت ابو بکرؓ و بلالؓ کے ہمراہ مکہ مکرمہ بھیجدیا" یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ اس سفر میں حضرت ابو بکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے اور حضرت بلالؓ کو اس وقت تک خریدا نہ گیا تھا۔ حضورؐ سے حضرت ابو بکرؓ دو سال چھوٹے تھے حالانکہ حضورؐ بارہ سال کے تھے۔ اور شیخ ابن حجر اصابہ میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں اور اس میں کوئی منکر نہیں ہے حضرت ابو بکرؓ بھی حضورؐ کی صحبت میں رہے ہیں۔ جیسا کہ صاحب مواہب لدنیہ نے روایت کی ہے۔ جسے ابن مندہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بسند ضعیف روایت کیا ہے کہ سفر شام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ نے بھی صحبت پائی ہے۔ اس وقت حضرت ابو بکر اٹھارہ سال کے تھے اور حضورؐ بیس سال کے یہاں تک کہ آپ نے اس منزل میں اقامت فرمائی جہاں بیری کے درخت تھے اور حضورؐ کو درخت کے سایہ میں بٹھا کر حضرت ابو بکر ایک راہب کے پاس گئے جس کا نام بحیرا تھا۔ اور اس سے کچھ دریافت کیا۔ اس کے بعد راہب نے ان سے پوچھا وہ کون شخص ہے جو درخت کے سایہ میں جلوہ افروز ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا وہ محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں۔ راہب نے کہا خدا کی قسم یہ شخص نبی ہے اس لئے کہ ہماری خبروں میں ہے کہ اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نہ بیٹھے گا بجز محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے

دل میں حضورؐ کی تصدیق گھر کر گئی۔ اور جب آپ نے اظہار نبوت فرمایا تو آپ نے فی الفور آپ کی پیروی اختیار کی شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اگر یہ قصہ صحیح ہے تو یہ سفر حضرت ابو طالب کے سفر کے علاوہ ہوگا۔

اسی طرح انوار و آثار فضل و کمال اور پاکیزہ و برتر صورتوں اور فرشتوں کا مشاہدہ کرنا آپ کی حالت مبارکہ میں ہمیشہ رہے ہیں۔ ابو طالب آپ کی اس حالت مبارکہ کے مشاہدہ کرنے کی بنا پر آپ کو طبیبوں اور کاہنوں کے پاس لے گئے۔ انہوں نے ان کو بتایا کہ یہ احوال وساوس شیطانی اور امراض جسمانی کی وجہ سے نہیں ہیں یہاں تک کہ حضورؐ پچیسویں سال، حضرت خدیجہ کا مال شرکت "بطریق مضاربت" لے کر پھر شام کی جانب تجارت کے لئے تشریف لے گئے، یہ اس قول کی بنا پر ہے کہ ابو طالب نے حضورؐ سے عرض کیا چونکہ میرے پاس اب مال بالکل باقی نہیں رہا ہے اور قریشیوں کا قافلہ بغرض تجارت جانے والا ہے لہٰذا خدیجہؓ بنت خویلد سے جا کر کہو وہ قریش کی مالدار لوگوں میں سے ہیں اور لوگوں کو مضاربت کے طور پر مال تجارت دیکر بھیجتی ہیں تو اگر آپ ان سے خود اپنے لئے چاہیں گے تو وہ یقیناً مال تجارت آپ کو بھی دیدیں گی اور ممکن ہے کہ اس طرح کچھ مال نفع میں حاصل ہو جائے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ سیدہ خدیجہؓ خود کسی ایسے امین کی متلاشی تھیں جسے وہ اپنا مال تجارت سپرد کریں، اور وہ حضورؐ سے زیادہ کسی کو امین نہ پاتی تھیں، چونکہ حضورؐ کو تمام قریش اظہار نبوت سے قبل "محمد امین" کہا کرتے تھے۔ لہٰذا سیدہ خدیجہؓ نے کسی کو حضورؐ کے پاس بھیجا کہ اگر میرا مال تجارت حضورؐ لے جائیں اور حق تعالیٰ اس میں نفع دے تو جتنا آپ مناسب خیال فرمائیں نفع لیلیں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کے مشورہ سے اسے قبول فرمایا۔ اس کے بعد سیدہ خدیجہؓ نے اپنا غلام جس کا نام میسرہ تھا اور اپنا ایک مخصوص آدمی جس کا نام خزیمہ تھا حضورؐ کی خدمت کے لئے ساتھ کر دیا۔ اس سفر میں حضورؐ جب بصرے پہنچے تو وہاں ایک صومعہ یعنی کلیسا تھا جس میں نسطورا راہب رہتا تھا اس نے حضورؐ کو ایک ایسے درخت کے نیچے جلوہ افروز دیکھا جس کے بارے میں خبر تھی کہ اس درخت کے نیچے سوائے نبی کے کوئی نہ بیٹھے گا۔ اور یہ کہ یہ درخت بے برگ و بار اور خشک تھا اس کے تنے بھی بوسیدہ تھے اور پتے جھڑ چکے تھے حضورؐ کے بیٹھنے کی وجہ سے وہ درخت سرسبز میوہ دار ہو گیا اور اس کے گرداگرد سرسبزی و شادابی پھیل گئی، نسطورا حضورؐ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا میں آپ کو لات وعزیٰ کی قسم دیتا ہوں بتایئے آپ کا نام کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ میرے پاس سے دور ہو کیوں کہ کسی عرب نے اس سے زیادہ مکروہ ناگوار اور شدید ترین مجھ سے بات نہیں کی ہے۔ اسی طرح بحیرا نے بھی آپ کو قسم دی تھی اور حضورؐ نے اس پر اسے تنبیہ فرمائی تھی، نسطورا کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جسے وہ دیکھتا جاتا اور کہتا جاتا تھا کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی۔ یہ وہی ہے یعنی یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں۔ غرضکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مال تجارت بصرا میں فروخت کیا اور دوسروں سے دونا نفع حاصل ہوا۔ اور قافلہ والوں کو بھی آپ کی

صحبت کی برکت سے بہت نفع ہوا جس وقت مکہ مکرمہ واپسی ہوئی تو دوپہر کا وقت تھا۔ اور سیدہ خدیجہؓ اپنی سہیلیوں کے ساتھ بالاخانہ پر بیٹھی ہوئی تھیں انہوں نے دیکھا کہ دو مرغ حضورؐ کے سر مبارک پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ایسا ہی نقل کیا گیا ہے اور مواہب لدنیہ میں ہے کہ سیدہ خدیجہ نے دیکھا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر دو فرشتے سایہ کئے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ دونوں فرشتے مرغ کی صورت میں متمثل ہوں گے ورنہ مرغوں کے سایہ کرنے کا کیا موقعہ؟ اور سیدہ خدیجہؓ کے غلام میسرہ اور ان کے مخصوص آدمی خزیمہ نے جو راہ میں خوارق وکرامات مشاہدہ کئے وہ بھی کسی حد تک سیدہ خدیجہؓ کے عظیم میلان اور شرح صدر پیدا ہونے کے لئے بہت ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے حضورؐ سے نکاح کرنے کا پیغام بھیجا تھا۔ حالانکہ سیدہ خدیجہؓ عقل وفراست میں کامل اور قریش کی عورتوں میں اشرف وانسب تھیں۔ اور ان میں بہت زیادہ مالدار تھیں۔ اور بکثرت قریشی اس بات کے حریص تھے کہ وہ ان کے ساتھ نکاح کریں اور پیغام بھی بھیجے تھے مگر سیدہ خدیجہؓ نے کسی کو قبول نہ فرمایا تھا۔ پھر سیدہ خدیجہؓ نے خفیہ طور پر ایک عورت کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ معلوم کرے کہ حضورؐ نکاح کی طرف مائل ہیں یا نہیں اور یہ عورت حضورؐ کو نکاح کی ترغیب دلاتی رہی۔ اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا چیز آپ کو نکاح سے مانع ہے؟ فرمایا میں دنیاوی ساز وسامان نہیں رکھتا۔ اس عورت نے کہا اگر کوئی عورت ایسی پیدا ہو جائے جو صاحب جمال ہو اور مال وافر رکھتی ہو اور حسب ونسب میں سب سے زیادہ اشرف ہو اور وہ نکاح کے اخراجات وغیرہ کی کفیل ہو تو کیا حضورؐ قبول فرمائیں گے۔ فرمایا ایسی عورت کہاں پیدا ہوتی ہے اس عورت نے کہا خدیجہؓ بنت خویلد آپ کو بہت چاہتی ہیں اگر آپؐ فرمائیں تو اسے شوق دلاؤں اور راضی کروں۔ فرمایا کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے بعد وہ عورت سیدہ خدیجہؓ کے پاس گئی اس نے کہا مبارک ہو حضورؐ بھی آپ کو چاہتے ہیں۔ اس پر سیدہ خدیجہؓ بہت خوش ہوئیں۔ اور اظہار مسرت کیا۔ انہوں نے کسی کو اپنے چچا عمرو بن اسد کے پاس بھیجا کہ وہ حضورؐ کے ساتھ عقد کے وقت موجود رہوں اور حضورؐ بھی ابوطالب حمزہؓ اور دیگر چچاؤں کے ساتھ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دیگر رؤساء شہر کے ساتھ سیدہ خدیجہؓ کے مکان تشریف لے گئے۔ جہاں عقد ونکاح واقع ہوا۔ مواہب لدنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ خدیجہؓ کے والد بوقت نکاح زندہ تھے لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اس وقت سیدہ خدیجہؓ کے والد زندہ نہ تھے بلکہ عمرو بن اسد تھے (واللہ اعلم)

## خطبہ نکاح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

حضرت ابوطالب نے ایک بلیغ خطبہ پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے "حمد وثنا اس خدائے برتر کی جس نے ہمیں حضرت ابراہیمؑ کے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی نسل سے گردانا اور ہمیں معدو مضر کی اصل سے پیدا کیا اور اپنے گھر کا محافظ وپیشوا بنایا اور گھر کو ہمارے لئے فراوانی بخشی کہ اطراف وجوانب سے اس کی زیارت کے لئے آئیں اور ہمیں توفیق مرحمت فرمائی کہ جو ہی

گھر کی طرف آئے وہ امان میں رہے۔ اور ہمیں لوگوں پر حاکم بنایا امابعد یعنی حمد الٰہی کے بعد یقیناً میرا یہ بھتیجا یعنی محمدؐ بن عبد اللہ ایسا جوان ہے کہ کوئی قریشی مرد اس کے ہم پلّہ نہیں ہے یہ سب پر بھاری ہیں۔ اگرچہ مال میں یہ کم ہیں لیکن مال ڈھلتی چھاؤں ہے۔ اور یہی ایک بات حائل ہے باوجود اس کے محمدؐ وہ ہستی مقدس ہے جسے تم جیسے خویش و اقربا خوب جانتے اور پہچانتے ہیں، بلاشبہ آپ خدیجہؓ بنت خویلد کی خواستگاری فرماتے ہیں اور میں اپنے مال میں سے ان کا مہر بیس۲۰ اونٹ قرار دیتا ہوں۔ اور میں خدا کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اس کے بعد ان کی ایک عظیم شان اور بلند مرتبت ہوگی :

روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب ابو طالب نے خطبہ مکمل کیا تو ورقہ بن نوفل جو کہ سیدہ خدیجہؓ کے چچازاد بھائی تھے انہوں نے بھی خطبہ پڑھا اس کا مضمون یہ ہے کہ "اس خدائے برتر کی حمد وثنا ہے جس نے ہمیں ایسا بنایا جیسا کہ ابو طالب نے بیان کیا اور ہمیں وہ فضیلت بخشی جس کا انہوں نے ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اس بنا پر کہ ہم تمام عربوں میں سب سے بہتر اور ان کے پیشوا ہیں اور تم سب بھی ان تمام فضیلتوں کے اہل اور جامع ہو اور کوئی گروہ تمہاری فضیلت کا منکر نہیں ہو سکتا۔ اور کوئی ایک شخص بھی تمہارے فخر و شرف کا انکار نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ ہم سب کی خواہش ہے کہ تمہارے ساتھ عقد و نکاح کے ذریعہ اتصال و یگانگت ہو۔ تو اے گروہ قریش تم گواہ رہو کہ میں نے خدیجہؓ بنت خویلد کو حضور محمدؐ بن عبد اللہ کی زوجیت میں چار سو مثقال عوض مہر پر دیا۔ ابو طالب نے کہا اے ورقہ میں چاہتا ہوں کہ خدیجہؓ کے چچا عمرو بن اسد بھی آپ کے ساتھ نکاح میں شریک ہوں۔ اس پر عمرو بن اسد نے بھی کہا اے گروہ قریش گواہ ہو جاؤ کہ میں نے خدیجہؓ دختر خویلد کو محمدؐ بن عبد اللہ کی زوجیت میں دیا۔ پھر دونوں جانب سے ایجاب و قبول متحقق ہوا۔ کذا فی روضۃ الاحباب۔ مواہب لدنیہ میں بعض روایتوں سے نقل کیا گیا ہے کہ سیدہ خدیجہؓ کا مہر ساڑھے بارہ اوقیہ تھا۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہے۔ گویا اس روایت کے بموجب پانچسو درہم ہوئے۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس زمانہ میں بیس۲۰ شتر مایہ کی قیمت پانچسو درہم یا چار سو مثقال طلائی ہوتی ہوگی (واللہ اعلم)۔

روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ سیدہ خدیجہؓ نے اپنی باندیوں کو حکم دیا کہ دف بجا کر رقص و مسرت کا اظہار کریں، اور حضورؐ سے عرض کیا کہ آپ اپنے چچا سے فرمائیں کہ ان اونٹوں میں سے ایک کو ذبح کر کے لوگوں کو کھانا کھلائیں۔ اسی روز زفاف واقع ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس شادی سے بہت خوش ہوئے اور حق تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت میں شادمان رکھے، اور ابو طالب نے بھی بڑی مسرت کا اظہار کیا اور کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنَّا الْكُرَبَ وَدَفَعَ عَنَّا الْهُمُوْمَ سب خوبیاں اس ذات کے لئے جس نے ہم سے مصیبتیں دور فرمائیں اور ہم سے غموں کو اٹھایا۔

مفسرین اس ارشاد باری تعالیٰ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ کی تفسیر یہی کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے سیدہ خدیجہؓ کے مال سے باعتبار ظاہر حضورؐ کو تونگر کیا۔ ورنہ حضورؐ تو تمام اغنیاء سے زیادہ غنی ہیں اور دونوں جہان آپ کی نظرِ ہمت میں مختصر و قلیل ہیں۔

**تعمیر خانہ کعبہ**

پینتیسویں برس میں قریش نے خانہ کعبہ کے اس شگاف کو بند کرنا چاہا جو بارش کے سیلاب سے پڑ گیا تھا۔ اور از سرِ نو اس کی تعمیر کرنی چاہی۔ روم سے یاقوم نامی ایک شخص آیا ہوا تھا جو فن تعمیر کا ماہر و استاد تھا۔ اس سے کہا کہ اس کی تعمیر کرے۔ تمام قریش پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہیں میں شامل تھے۔ آپ بھی پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ قریش نے اپنے تہبند اتار کر کندھوں پر ڈال رکھے تھے تاکہ پتھر کے اٹھانے میں حارج نہ ہو۔ زمانۂ جاہلیت میں ستر کھولنے کا عام رواج تھا وہ اسے عیب و برا نہ جانتے تھے لیکن عہد اسلام میں یہ مؤکد و مقرر ہوا۔ مگر حضورؐ نے اپنا تہبند شریف نہ اتارا۔ آپ کے چچا حضرت عباسؓ نے ازراہِ شفقت آپ کو آمادہ کیا کہ تہبند کھول دیں۔ جب حضورؐ نے تہبند اتارنے کا ارادہ فرمایا تو اچانک پاؤں کے بل بیہوش ہو کر زمین پر آ رہے۔ جب ہوش آیا تو آپ نے تہبند تہبند پکارا۔ اس وقت غیب سے ندا آئی کہ خَمِّرْ عَوْرَتَكَ ستر پوشی کو لازم کرو۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی ندائے غیبی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کی گئی۔

حجرِ اسود کو اپنی جگہ نصب کرتے وقت قریش میں نزاع و اختلاف واقع ہو گیا ہر قبیلہ اس اعزاز کا دعویدار تھا۔ قریب تھا کہ ان میں جنگ اور خونریزی کی نوبت آجائے۔ مگر ان میں یہ قرار پا گیا کہ جو صبح کے وقت سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہو اسے ثالث بنا لیا جائے حضورؐ سب سے پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے سب نے کہا "جَاءَ الْأَمِينُ امین تشریف لائے"۔ اور سب آپ کی ثالثی پر راضی ہو گئے حضورؐ نے اپنی چادر مبارک کو بچھایا اور حجرِ اسود کو اس کے درمیان رکھا اور فرمایا ہر قبیلہ کا ایک ایک شخص آئے اور اس کا کنارہ پکڑے جب وہ سب اٹھا کر اس کی جگہ لائے تو حضورؐ نے حجرِ اسود کو اٹھا کر اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ نصب فرما دیا۔

خانۂ کعبہ کے چھ۶ ستون رکھے گئے تھے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ مورخوں نے لکھا ہے کہ خانۂ کعبہ کی سب سے پہلی بنیاد حضرت آدم علیہ السلام نے رکھی لیکن وہ عمارت طوفان نوح میں بہہ گئی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمائی۔ اس کے بعد عمالقہ نے۔ اس کے بعد قبیلہ جرہم نے بنایا۔ ان کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ نے اور سب سے آخر میں حجاج بن یوسف ثقفی نے۔ حجاج عبدالملک بن مروان کا امیر الامراء تھا۔ اس نے عبدالملک کے حکم سے اس میں تغیر و تبدل کیا۔ اور یہی تعمیر اب تک باقی ہے۔

منقول ہے کہ ہارون رشید نے چاہا کہ مروانیوں کی تعمیر کو منہدم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک کے مطابق اسے درست کر دے۔ اس سلسلہ میں اس نے حضرت امام مالکؒ سے مشورہ کیا۔ امام مالکؒ

نے فرمایا امیر المومنین خانۂ کعبہ کو اپنے حال پر چھوڑ دو تاکہ آئندہ یہ بادشاہوں کا کھلونا نہ بن جائے۔ اور وہ ایک دوسرے کے تعصب میں رد و بدل کر کے اسے خراب و بے حرمت نہ کرتے رہیں۔ اجمالی طور پر اتنی ہی بحث کافی ہے تفصیل تاریخ مکہ میں مذکور ہے۔

تاریخ ازرقی میں مقاتل سے حدیث مرفوع مذکور ہے کہ جب آدم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ اے میرے رب! میں اپنے آپ کو جانتا ہوں اور تیرے اس نور کو دیکھا ہے جس کی عبادت کی جاتی ہے پھر حق تعالیٰ نے بیت المعمور کو زمین پر اتارا جہاں آج خانۂ کعبہ ہے۔ وہ یاقوت سرخ کا تھا اس کی لمبائی آسمان و زمین کے درمیان ہے آدمؑ کو حکم دیا کہ اس کا طواف کریں اس سے پہلے ان کے دل میں جو غم و افسوس تھا اسے حق تعالیٰ نے دور فرما دیا۔ اس کے بعد اس بیت المعمور کو حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں اٹھا لیا گیا۔

اولاد آدمؑ کا خانۂ کعبہ کی تعمیر کے سلسلہ میں وہب بن منبہ سے روایت کیا گیا ہے کہ خانہ کعبہ کو پانچ مرتبہ تعمیر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حضرت شیث علیہ السلام نے تعمیر کیا۔ اس کو ابن عبد البر نے تمہید میں بیان کیا ہے دوسری مرتبہ حضرت خلیل علیہ السلام نے تعمیر کیا اس کا ذکر قرآن و سنت نبوی میں موجود ہے۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضؓ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے خانۂ کعبہ کی تعمیر حضرت خلیل علیہ السلام نے کی ہے۔ اسی طرح فاکہی نے اپنی سند کے ساتھ اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جزم کیا گیا ہے کہ کسی خبر میں یہ نہیں آیا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے گھر سے پہلے یہاں کوئی گھر تھا۔ انہوں نے اسے بنایا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنی گردن مبارک پر پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے اس کی پانچ پہاڑوں کوہ حرا، کوہ ثبیر، کوہ لبنان، کوہ طور اور کوہ جودی کے پتھروں سے تعمیر فرمائی تھی اور بعض روایتوں میں' کوہ حرا، کوہ قبیس، کوہ قدس، کوہ ورقان، کوہ رضوی مذکور ہوا ہے۔ فرشتے ان پتھروں کو مذکورہ پہاڑوں سے لاتے تھے اور پتھروں کے اٹھانے میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مدد کرتے تھے۔ اس کے بعد عمالقہ اور جرہم نے تعمیر کیا۔ عمالقہ اور جرہم کی تقدیم و تاخیر میں اختلاف ہے۔ کیوں کہ عمالقہ کی ولایت، جرہم کی ولایت سے مقدم ہے درست یہی ہوگا عمالقہ کی تعمیر مقدم ہے۔ حضرت خلیلؑ کی بنا کے بعد، قصی بن کلاب کی تعمیر ہے۔ اس کے بعد قریش کی تعمیر ہے۔ قریش کی بنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کی پینتیسویں ۳۵ سال تھی۔ جیسا کہ گزرا۔ ایک روایت میں پچیسویں ۲۵ سال میں ہے لیکن پہلا قول زیادہ درست ہے۔ سلیمان بن خلیل مکی نے کہا کہ تیسویں ۳۰ سال میں تھی۔ یہ قول غیر معروف ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی کتابت میں پانچ کا لفظ رہ گیا ہے۔ اس کے بعد ۶۴ھ ہجری میں حضرت ابن زبیرؓ کی تعمیر ہے۔ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث سنی اور حضرت خلیل علیہ السلام کی بنیادوں پر خانۂ کعبہ کو تعمیر فرمایا۔ اس کے بعد حجاج بن یوسف

ثقفی نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے ۷۴ھ میں حضرت ابن زبیر کی تعمیر میں تغیر کر دیا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ عبدالملک بعد میں اس سے پشیمان ہوا جبکہ اسے حارث بن ابی ربیعہ مخزومی نے خبر دی کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو سنا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابن زبیرؓ نے ان سے سنا ہے۔ (واللہ علم)

# باب سوم

## از ابتدائے وحی تا واقعاتِ ہجرت

اس باب میں ابتدائے وحی، ثبوت نبوت، ظہور دعوت، کفار کی دشمنی و عداوت، صحابہ کی حبش کی جانب ہجرت، ابوطالب کی وفات، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال، حضورؐ کا طائف کی جانب تشریف لے جانا، اور جنات کی بیعت کرنا وغیرہ مضامین ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو وحی و بشارت کا ظہور ہوا جس سے آفاق عالم منور ہو گیا۔ اس نورِ وحی کا ظہور، دوشنبہ کے روز آٹھ یا تین ربیع الاول کو ۴۱ سنہ عام الفیل میں (بقول صحیح) ہوا۔ ایک جماعت آیہ کریمہ "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ" (رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔) اور ارشاد باری تعالیٰ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ (ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا) سے خیال کرتی ہے کہ وحی کی ابتداء رمضان مبارک میں ہوئی، اس لئے کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر از قسم نبوت، سب سے پہلے جس چیز کا اکرام فرمایا وہ نزول قرآن ہے اور چونکہ فرمایا ہے کہ نزول قرآن رمضان میں ہوا ہے اس سے ثابت ہوا کہ وحی کی ابتدا بھی رمضان ہی میں ہوئی ہو گی۔ لیکن اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ پورا قرآن بیک بار رمضان مبارک کی لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ اور وہاں سے بلحاظ مصلحت اور باعتبار واقعات تھوڑا تھوڑا تیئیس ۲۳ سال کی مدت تک اترتا رہا۔ گو واقعات کے اعتبار سے قرآن کا نزول، لوح محفوظ کی ترتیب کے خلاف ہوا لیکن اب جو مصاحف میں مرقوم ہے وہ اسی لوح محفوظ کی ترتیب پر ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کسی فقہ کی کتاب میں خاص ترتیب سے ہر قسم کے مسائل درج ہوں۔ اور لوگ اپنی ضرورت و احتیاج کے مطابق اس فقہ کی کتاب سے آگے پیچھے سے مسائل نکالتے ہوں۔ بعض کے نزدیک ابتداء وحی ماہ رجب میں ہوئی ہے۔ یہ قول شاذ و نادر ہے۔

منقول ہے کہ جب ظہور نبوت کا وقت قریب آیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلوت اور لوگوں سے یکسوئی

محبوب کر دی گئی۔ اس کے بعد حضورؐ نے کوہ حرا میں جسے جبل نور بھی کہتے ہیں خلوت نشینی اختیار فرمائی۔ اس جگہ سے حضورؐ جمالِ کعبہ سے چشم مبارک کو روشن بھی فرماتے اور عبادتِ الٰہی بھی کرتے۔ اور رب العزت کی جانب متوجہ ہو کر عالمِ استغراق میں بیٹھا بھی کرتے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایسی خلوت میں حضورؐ کی عبادت فکر سے تھی یا ذکر سے لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ قلبی و زبانی ذکر سے تھی۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں سے جو کچھ آپ کے نزدیک ثابت تھا یا ہر وہ چیز جو آپ کے نزدیک انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعت میں سے ثابت تھی یا جو چیز آپ کی بصیرت میں مستحسن تھی اس پر عمل فرماتے تھے۔ آپ اپنے کاشانۂ اقدس سے کچھ طعام لیجایا کرتے اور جب طعام ختم ہو جاتا یا گھر والوں کی جانب رجحان ہوتا تو پہاڑ سے اتر آتے۔ اس کے بعد آپ توشہ لے کر دوبارہ تشریف لے جاتے بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مرتبہ مکہ کی بستی سے باہر تشریف لے جاتے اور ایک ماہ غارِ حرا میں خلوت گزیں رہتے۔ جب ایام وحی قریب آئے تو آپؐ نے خلوت و عبادت میں کثرت کر دی اور التزام شروع فرما دیا یکایک۔ آپ پر حق کا ظہور ہوا، وحی اتری اور قرآن مجید نازل ہوا، کوئی یہ خیال نہ کرے کہ نبوت کا ظہور اور وحی کا ورود، ریاضت و مجاہدہ اور عبادت کے اثر سے تھا اس لئے کہ نبوت حق تعالیٰ کی محض عنایت و موہبت ہے۔ اس میں کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں ہے ؎

تبارک اللہ ما وحی بمکتسب ولا نبی علیٰ غیب بمتہم

ہاں ولایت میں کسب و ریاضت سے البتہ کچھ نسبت و تعلق ہے اور اس میں اُس کی تاثیر کا کچھ دخل ہے کیونکہ اس کے ذریعہ بعض جہانوں کا کشف، بعض روحانیت کا مشاہدہ اور بعض معانی کا الہام حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن نبوت، قرب خاص اور ایک مخصوص نسبت ہے جس کا تعلق وحیِ آسمانی سے ہے اس کے حامل روح القدس ہیں جنہیں روح الامین اور جبریل کہتے ہیں۔ یہ منصب رفیع محض اصطفاء اور اجتباءِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فرشتہ وحی لے کر حاضر ہوا تو اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو مژدہ ہو کہ میں جبریلؑ ہوں اور مجھے حق تعالیٰ نے آپ کے پاس بھیجا ہے آپ امت کی جانب خدا کے رسول ہیں۔ آپ جن و انس کو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دیجئے۔ اور کہا اے محمدؐ پڑھئے حضورؐ نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں یا میں پڑھنا نہیں جانتا مطلب یہ کہ میں اُمّی ہوں کسی سے میں نے پڑھنا لکھنا نہیں سیکھا ہے۔ اس کے بعد جبریلؑ نے اپنی آغوش میں لیا اور پوری طاقت صرف کی جتنی کہ میری اس کے ساتھ تھی، حدیث کے لفظ دو معنی کے متحمل ہیں ایک یہ کہ جبریلؑ نے آغوش میں لے کر اپنی پوری طاقت جتنی اس میں تھی مجھ پر صرف کی اور وہ بے بس ہو گئے دوسرے معنی یہ کہ جتنی میری طاقت تھی اتنی زور سے مجھے آغوش میں لے لیا اور میں بے طاقت ہو کر بے بس ہو گیا لیکن درست پہلے ہی معنے ہیں شارحین نے اس کی تصریح کی ہے۔ پھر جبریل

نے حضورؐ کو چھوڑ کر دوبارہ کہا پڑھئے۔ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ جبریل نے پھر آغوش میں لیا اور بھینچا پھر چھوڑ کر کہا پڑھئے؟ میں نے کہا میں پڑھنے والا نہیں۔ تیسری مرتبہ پھر جبریل نے آغوش میں لیا اور بھینچا اور کہا۔ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ یعنی پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ آدمی کو خون کی پھٹک سے بنایا۔ پڑھئے، اور تمہارا رب ہی سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے لکھنا سکھایا۔ آدمی کو وہ سکھایا جو نہ جانتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریلؑ نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شیطان کے شر سے استعاذہ کیجئے تو حضورؐ نے فرمایا اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ پھر جبریل نے کہا کہئے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس کے بعد کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی قوت وطاقت کی جانب نظر نہ ڈالئے بلکہ ہماری تائید وتقویت پر نظر رکھئے کیونکہ ہم آپ کے رب اور آپ کے معلم ہیں۔

جبریل علیہ السلام کا آغوش میں لے کر دبانا یہ ایک قسم کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ گرامی میں ملکوتی انوار داخل کر کے تصرف کرنا تھا۔ تاکہ آپ وحی کے قبول کرنے میں آمادہ اور اس کے ماسوا سے خالی وبے التفات ہو جائیں۔ نیز اس میں اس قول کے وزنی ہونے کی جانب اشارہ ہے جو آپ کی جانب القا ہونے والا ہے جبکہ قرآن کریم میں ہے اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا بیشک ہم آپ پر وزنی قول القاء فرمائیں گے۔ اس سے اس جانب بھی اشارہ ہے کہ یہ ازقسم تخیل ووسواس نہیں ہے اس لئے کہ تخیل ووسواس کی تاثیر اور تصرف جسم میں نہیں ہوتی۔ اور اس میں بار بار کی تکرار سے مقصود، تاکید ولزوم اور مبالغہ ہے۔ اس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مَا اَنَا بِقَارِئٍ میں ایک بحث ہے وہ یہ کہ امی کا تعلیم وتلقین کے ذریعہ کسی کلام کو پڑھنا کیسے بعید وخلاف ہے باوجودیکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فصاحت وبلاغت کے درجۂ کمال پر فائز تھے۔ البتہ کسی کتاب کو یا کسی لکھی ہوئی تحریر کو پڑھنا امیت کے منافی ہے۔ اس لئے یہ کلمہ اس مقام کی ہیبت اور دہشت سے ہی صادر ہوا ہوگا اور حدیث کے شارحین نے اس کلمہ کو امیت پر ہی محمول کیا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے کہا اِقْرَأْ یَا مُحَمَّدُ تو سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کیا پڑھوں میں نے تو کچھ پڑھا نہیں؟ اس پر جبریلؑ نے ایک جنتی حریر کا نامہ نکالا جو موتی اور یاقوت سے مرصع تھا اور کہا پڑھئے۔ حضورؐ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اور مجھے معلوم نہیں کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ پھر جبریلؑ نے آپ کو آغوش میں لیا اور خوب بھینچا۔ آخر حدیث تک۔ یہ معنی امیت کے مناسب ہیں۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے زمین پر پاؤں مارا اور چشمہ نکالا اس سے وضو کیا جو کلی کرنے ناک میں پانی ڈالنے چہرہ اور دونوں ہاتھ پاؤں دھونے اور سر کا ایک بار مسح کرنے پر مشتمل تھا۔ اس فعل کے ذریعہ حضورؐ

کو وضو کرنا سکھانا مقصود تھا۔ غالباً اس قسم کے افعال میں علمی تعلیم، قولی تعلیم سے خاص کر زیادہ آسان اور سہل ہے اس کے بعد حضورؐ نے بھی وضو کیا، پھر جبریلؑ نے ایک چلو پانی لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر چھینٹا دیا۔ اور آگے بڑھ کر دو رکعت نماز پڑھائی، حضورؐ ان کے مقتدی بنے۔ اس کے بعد جبریلؑ نے عرض کیا کہ اسی طرح وضو کرنا اور نماز پڑھنا ہے۔ یہ بات تعلیم قولی میں بھی آچکی ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے اور حضورؐ نے مکہ مکرمہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ اس وقت یہ عالم تھا کہ ہر شجر و حجر کہتا تھا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہِ" جب حضورؐ نے مکہ کی طرف مراجعت فرمائی تو آپ کا قلب مبارک اور کنپٹیوں کا گوشت لرز رہا تھا جس طرح خوف و دہشت کے وقت ہوا کرتا ہے یا جیسے کہ گائے کے ذبح کے وقت ہوتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر فرمایا زَمِّلُوْنِی زَمِّلُوْنِی مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ، انہوں نے آپ کے جسم انور پر کمبل ڈالا اور چہرۂ انور پر سرد پانی کے چھینٹے دیئے تاکہ خوف دور ہو۔ آپؐ نے سیدہ خدیجہؓ سے سارا حال بیان کیا۔ اور فرمایا مجھے ڈر ہے کہ میں کہیں خطرے میں نہ پڑ جاؤں، سیدہ خدیجہؓ نے عرض کیا آپ غم نہ کھائیے اور خوش رہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی خطرے میں نہ ڈالے گا اور نہ آپ کو کسی کے آگے ذلیل و رسوا ہونے دے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آپؐ کے ساتھ اچھائی ہی فرمائے گا کیونکہ آپؐ صلہ رحمی فرماتے، عیال کا بوجھ اٹھاتے، ریاضت و مجاہدہ کرتے، مہمان نوازی فرماتے، بیکسوں اور مجبوروں کی دستگیری کرتے، محتاجوں اور غریبوں کے ساتھ بھلائی کرتے، لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، لوگوں کی سچائی میں ان کی مدد اور ان کی برائی سے حذر فرماتے ہیں یتیموں کو پناہ دیتے سچ بولتے اور امانتیں ادا فرماتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ خوبرو، خوش خلق، خوش آواز، نیک کردار، خوش گفتار اور عالی ہمت ہیں مطلب یہ کہ جس میں یہ خوبیاں ہوں اور اس کی حالت ایسی ہو وہ نہ کسی برائی میں مبتلا ہوگا اور نہ کسی خطرے کو دیکھے گا۔ گویا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان باتوں سے حضورؐ کو تسلی و اطمینان دلایا۔ یہ باتیں سیدہ خدیجہؓ کی کمال فراست و دانائی اور حقائق اشیاء اور صدق احوال کی معرفت رکھنے پر دلالت کرتی ہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حال مبارک بیان فرمایا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا خوشی سے مدہوش ہوگئیں۔ اس کے بعد سیدہ خدیجہؓ اس حالت کی تائید و تقویت کی غرض سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ ورقہ بن نوفل بہت بوڑھے تھے یہ قریش کے طور و طریق اور جاہلیت کی رسوم سے نکل کر حقیقی دین عیسوی اختیار کر کے موحد بن گئے تھے۔ ان کو انجیل کا علم خوب آتا تھا اور وہ انجیل سے عربی زبان میں کچھ لکھا کرتے تھے وہ عبرانی زبان کو بھی جانتے

تھے۔ ان سے سیدہ خدیجہؓ نے کہا اے میرے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات تو سنیئے وہ کیا فرماتے ہیں ؟ سیدہ خدیجہؓ نے حضورؐ کو ورقہ کا برادر زادہ یعنی بھتیجا کہا تھا۔ یہ عرب کا عرف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برادر یا برادر زادہ کہا کرتے ہیں۔ اور اہلِ سیَر یہ بھی کہتے ہیں کہ ورقہ، حضرت عبداللہ کے ہم عمر تھے۔ ورقہ نے حضورؐ سے دریافت کیا کیا بات ہے؟ حضورؐ نے اپنا تمام حال جو گزرا تھا ان سے بیان فرما دیا۔ یہ سن کر ورقہ نے کہا یہ وہ ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو مبارک و خوشی ہو کہ آپ اللہ کے رسول ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہ نبی ہیں جس کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی کہ "میرے بعد ایک رسول مبعوث ہوگا جس کا نام نامی احمد ہے" اور قریب ہے کہ آپ کافروں کے ساتھ جہاد و قتال پر مامور ہوں۔ کاش میں اس دن تک زندہ رہتا اور جوان، قوی و توانا ہوتا جب آپ کی قوم آپؐ کو اس جگہ سے نکالے گی۔ حضورؐ نے فرمایا کیا وہ مجھے یہاں سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں! آپ جو کچھ لے کر تشریف لائے ہیں اس کی مانند کوئی ایک لے کر کبھی نہیں آیا اس کے باوجود ان سے دشمنی کی گئی اور انہیں ایذائیں پہنچائی گئیں۔ مطلب یہ کہ سنتِ الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ نبیوں کے دشمن رہے ہیں اور کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کی کافروں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر میں نے آپ کا وہ دن پایا تو میں آپ کی پوری پوری نصرت و مدد کروں گا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ورقہ نے وفات پائی۔ اور ظہور دعوت کا زمانہ انہوں نے نہ پایا لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والوں اور آپ کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہیں ایسے اور بہت سے حضرات ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورتِ عنصری کے ظہور و وجود سے پہلے ہی آپ پر ایمان لائے ہوئے تھے جیسے حبیب نجار وغیرہ۔ اب رہا یہ کہ ورقہ کو صحابی کہہ سکتے ہیں؟ تو ظاہر ہے کہ صحابہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مَنْ رَاٰی النَّبِیَّ مُؤْمِنًا جس نے حضورؐ کو ایمان کے ساتھ دیکھا، تو یہ ان پر صادق ہے اور اس میں ظہور دعوت کی شرط نہیں لگائی گئی ہے۔ مشکوٰۃ میں ایک حدیث مروی ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ورقہ کے انتقال کے بعد ان کا حال دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا میں نے خواب میں ان کو دیکھا ہے وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہیں، سفید لباس ایمان کی نشانی ہے۔ روضۃ الاحباب میں ایک حدیث مروی ہے کہ فرمایا میں نے قیس کو جنت میں دیکھا ہے ان کے جسم پر سبز لباس ہے۔ اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی ہے۔ قیس سے مراد ورقہ ہیں قُس اور قِیس، نصاریٰ کے علمی دانشمندوں اور ان کے دینی پیشواؤں کو کہتے ہیں۔ اور مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ وہ آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں اور ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضورؐ کو ورقہ کے پاس لے جانے کے واقعہ میں یہ اشارہ ہے کہ حیرت و

اشتباہ کے وقت علماء اور اہل بصیرت سے مشورہ اور استفسار کرنا لازم ہے اسی سے صوفیاء کرام اور طالبان و سالکان طریقت، اپنے مشائخ سے کشف حقیقت حال کے لئے اپنے خیالات اور واقعات کو پیش کرنے میں استدلال کرتے ہیں۔

## ایک شبہ کا ازالہ

تنبیہ :- اس مقام میں ایک اعتراض و اشتباہ لاحق ہوتا ہے وہ یہ کہ حدیث بخاری کا سیاق کلام یہ ہے کہ حضور خوف سے کانپتے لرزتے تشریف لائے اور حضرت خدیجہ رضی سے کہا کہ میں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں،

سیدہ خدیجہ رضی نے صفات حمیدہ اور کمالات رفیعہ سے حضور کو تسلی دی کہ ایسی خوبیوں والا شخص ابتلاء و خذلان سے محفوظ رہتا ہے۔ سیدہ خدیجہ رض بعد اظہار نبوت حضور کو ورقہ کے پاس آپ کے حال مبارک کی وضاحت و استفسار کی غرض سے لے گئیں حالانکہ یہ ثابت ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ایسے معجزات ظاہر فرمائے جن سے ہمیں آپ کی صداقت کی معرفت ہوئی جیسا کہ مروی ہے کہ جب حضور غار حرا میں اس کلام الٰہی کے سننے سے پہلے داخل ہوئے تو ہر جانب سے یا محمد یا رسول اللہ کی ندائیں سماعت فرمائیں کوئی کہنے والا نظر نہ آتا تھا ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نزول وحی سے پہلے ایسی آوازیں سماعت فرماتے تھے جس کا بولنے والا نظر نہ آتا تھا۔ اور سات سال سے خاص قسم کی روشنی ملاحظہ فرماتے تھے اور اس سے خوش ہوتے تھے۔ خواہ اس روشنی سے مراد محسوس کردہ روشنی ہو یا علم و یقین کا ایسا نور جس سے دل خوش کشادہ اور منشرح ہو جاتا ہے۔ اور ہر شجر و حجر سے سلام کرنے کی آواز سنا کرتے تھے۔ جامع الاصول اور کتاب الوفا میں منقول ہے کہ اظہار نبوت سے قبل تین سال اسرافیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر رہے اس کے بعد جبریل علیہ السلام وحی لیکر نازل ہوئے۔ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ سات سال کی عمر مبارک تھی کہ حق تعالیٰ عز اسمہ نے اسرافیل کو حکم دیا کہ وہ حضور کی خدمت میں حاضر رہیں چنانچہ اسرافیل ہمیشہ حضور کے ساتھ رہے یہاں تک کہ حضور نے گیارہ سال پورے فرمائے اور آپ ایک یا دو کلمہ سے زیادہ نہ بات کرتے تھے۔ اسی طرح میکائیل کے بارے میں بھی کہا گیا ہے کہ جس وقت جبریل فرمان باری لیکر آئے اس وقت میکائیل کو حضور کی رفاقت و خدمت میں حاضر رہتے انتیس سال ہو گئے تھے۔ لیکن ان سب کی حضوری و رفاقت، آپ کو معلوم نہ ہوتی تھی اور نہ وہ وحی لاتے تھے کیوں کہ وحی کا لانا جبریل کا کام ہے۔ چنانچہ ایسے انوار و برکات کے ظاہر ہونے اور ایسے اسرار کے آشکار ہونے کے باوجود، تردد و ابہام اور اشتباہ کی کونسی گنجائش ہے اور اس کا کہاں احتمال ہے۔ لہٰذا دل کا لرزنا اور حضور کا خوف و دہشت کھانا، منصب نبوت کی غایت ہیبت و جلال اور اس کی مشقت کی وجہ سے ہے جس کی وجہ سے بشری طاقت، اس کے دبدبہ کے غلبہ سے بیتاب،

ہوگئی حضورؐ کا یہ ارشاد کہ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ مجھے اپنے آپ سے خوف لگتا ہے" اسی حالت کی جانب اشارہ فرمانا ہو اور اس کو اسی مفہوم و معنی پر محمول کرنا چاہئیے۔ یا یہ بات ہے کہ جب آپؐ نے نبوت کے بار اس کی صعوبت، اس کے ادا کرنے اور منصب نبوت بجالانے پر غور و فکر کیا تو آپ کے پشت کی طاقت ٹوٹ گئی اور آپ اپنے آپ سے ڈرے کہ کہیں آپ اس بار کے نیچے ہلاک نہ ہو جائیں۔ اور اسی بنا پر فرمایا خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ خشیت اس علم سے پہلے تھی کہ آپ یہ جانتے کہ یہ جبریلؑ آئے ہیں جن و شیطان نہیں اور ایک بات یہ بھی ہے کہ حضورؐ کا اپنے تئیں مجنون و کاہن کہلوانا شاق و ناگوار تھا جیسا کہ واقعہ پر نظر کر کے کچھ لوگوں نے کہا ہے یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ خوف و دہشت، جبریلؑ کا نزول اور وحی کا ورود نبوت کا علم حاصل ہونے اور مشاہدۂ آیات اور ظہور انوار و اسرار کے بعد ہے۔ جیسا کہ معلوم ہوا اور اگر اس وقت کے پیش آنے سے پہلے ابتدائے احوال میں بعض ایسی نشانیوں کے ظہور کے وقت جن میں احتمال و اشتباہ ہوتا ہے اثبات کریں تو درست ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضورؐ کو ورقہ کے پاس لیجانا، شک و شبہ اور اصل علم و یقین کے حاصل کرنے کے لئے نہ تھا بلکہ یقین و اطمینان، وضوحِ محبت اور ظہورِ محبت کی زیادتی کے لئے تھا جو نورٌ علیٰ نور کے حکم میں ہے۔ اور یہ سیدہ خدیجہؓ نے جن صفات و کمال کے ساتھ استدلال کیا وہ تردد، خذلان اور ضلال کے منافی ہے۔ انہوں نے اس استدلال سے علم نظری حاصل کیا ہوگا۔ اس لئے کہ ممکن ہے انہیں وہم یا کوئی اور احتمال لاحق ہو گیا ہو لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اس احتمال و اشتباہ سے پاک و منزہ ہے اور اگر حضورؐ کو ورقہ کے کہنے اور تسلی دینے سے کسی طرح کی وضاحت و انکشاف حاصل بھی ہوا ہوگا تو ایسا ہی ہوگا جیسے کہ کسی معجزے کے ظہور کے بعد حضورؐ فرمایا کرتے تھے کہ اَشْهَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً میں خدا کا رسول ہوں، آپ کا یہ فرمانا اس لئے تھا کہ لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے اور وہ تصدیق و ایمان کے لئے تیار و آمادہ ہو جائیں۔ اس مفہوم کو خوب اچھی طرح ذہن نشین اور اس مطلب کو خوب عمدہ طریقہ سے سمجھ لینا چاہئیے تاکہ اس مقام پر کوئی تمہیں وہم و شک میں نہ مبتلا کر دے۔

جو کچھ کہ مذکور ہوا اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ نزول قرآن کے سلسلہ میں سب سے پہلے جو چیز نازل ہوئی وہ سورۂ اقرأ میں سے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ؕ سے عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ تک نازل ہوا۔ امام محی الدین نووی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی حق و صواب ہے کیوں کہ اس پر جمہور اسلاف و اخلاف کا مذہب ہے۔ لیکن ایک یہ روایت بھی ہے کہ سب سے پہلے یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ نازل ہوئی امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ بات ضعیف ہی نہیں باطل ہے۔ اور یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کا نزول، وحی کی قرأت کے بعد ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔ ایک دوسری روایت ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ تو اس بارے میں بیہقی یہ کہتے ہیں کہ یہ

حدیث محفوظ نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو محتمل ہے کہ اقرار کے بعد یاایّھا المدثر کے بعد اس کے نازل ہونے کی خبر دینا مقصود ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے آیۂ کریمہ اِسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ نازل ہوئی کیوں کہ جبریلؑ نے کہا اے محمدؐ استعاذہ کیجئے اس پر حضورؐ نے کہا اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور جبریلؑ نے کہا کہیئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور اس کے بعد کہا اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ جیسا کہ مواہب میں مذکور ہے۔ نیز یہ بات بھی جان لینی چاہیئے کہ علماء نے بیان نہیں کیا ہے کہ وحی کتنے عرصہ بعد تک رُکی رہی لیکن اتنا کہتے ہیں کہ یہ وقفہ تین سال تک رہا۔ اسی پر ابن اسحٰق نے جزم کیا ہے۔ مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ امام احمد نے تاریخ میں شعبی سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نبوت عمر کے چالیس سال گزارنے کے بعد نازل ہوئی۔ اس کے بعد حضرت اسرافیلؑ تین سال تک نبوت کے ساتھ قریب رہے اور انہوں نے چند کلمے اور کچھ چیزیں سکھائیں اس وقت تک قرآن کریم آپؐ پر نازل ہوا تھا جب تین سال گزر گئے تو آپ کی نبوت کے قریب جبریلؑ تشریف لائے اور اس کے بعد آپ پر بیس سال تک قرآن نازل ہوتا رہا۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس وقوف کے زمانہ میں جبریلؑ امین حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپؐ کو تسکین دیتے رہے لیکن آپؐ پر قرآن کا نزول نہ ہوا۔ سلسلۂ وحی کے رک جانے کے سبب حضورؐ بہت اندوہناک تھے کئی مرتبہ آپؐ نے ارادہ کیا کہ خود کو پہاڑ سے گرادیں لیکن ہر مرتبہ آپؐ پر جبریلؑ ظاہر ہوتے اور وہ کہتے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! یقیناً آپ اللہ کے سچے رسول ہیں، میں آپؐ سے محبت رکھتا ہوں اور آپ کا بھائی ہوں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس وقفہ کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ کو آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھے دیکھا آپؐ پر خوف و ہراس طاری ہو گیا تھا اور گھر تشریف لاکر فرمایا "زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ" مجھے کمبل اوڑھاؤ۔ آپ پر وحی بھیجی کہ یَآ اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ (اے جھرمٹ مارنے والے) قُمْ فَاَنْذِرْ (اٹھئے اور لوگوں کو خدا سے ڈرائیے) اس کے بعد وحی مسلسل اور پے در پے آنے لگی۔

بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت، رسالت پر مقدم ہے اور محدثین کے مذہب کی رو سے نبوت میں تبلیغ و انذار شرط نہیں ہے اور نزول وحی تکمیل نفس کے لئے کافی ہے، چنانچہ سورۂ اقرأ تعلیم و تکمیل نفس کے لئے نازل ہوئی۔ اور یہ نبوت ہے۔ اس کے بعد سورۂ "یاایّھا المدثر" تبلیغ و انذار کے لئے نازل ہوئی اور یہ رسالت ہے۔

**وحی کے مراتب**

**وصل:** علماء کرام نے وحی کے کئی مراتب بیان کئے ہیں۔ اوّل رویائے صالحہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتداء میں جو چیز سب سے پہلے ظاہر ہوئی وہ رویائے صالحہ ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ وَكَانَ اَوَّلُ اِلرُّؤْیَا

مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ یعنی حضورؐ کی رؤیا ایسی ہوتی جیسے صبحِ صادق کا طلوع ہونا۔ کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ کیفیت چھ مہینہ رہی چنانچہ اس عرصہ میں نبوت میں کلام ہے (واللہ اعلم)

دوسرا مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب شریف میں القا کرتے تھے بغیر اس کے کہ حضورؐ، جبرئیلؑ کو دیکھیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دل میں روح قدس نے القاء والہام کیا ہے کہ ہرگز اس وقت تک کوئی نہیں مرے گا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے (آخر حدیث تک) اس حدیث کو حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا ہے۔

تیسرا مرتبہ وحی کا یہ تھا کہ جبریل علیہ السلام کسی آدمی کی صورت اختیار کرکے حضورؐ کے پاس آتے اور پیغام الٰہی پہنچاتے تھے تاکہ جو کچھ ارشاد باری ہے اسے یاد فرمائیں۔ اور اکثر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے۔ یہ قبیلہ بنی کلب کے خوبرو صحابی تھے۔ ان کے حسن وجمال کا یہ عالم تھا کہ جب یہ بغرض تجارت نکلتے محمل نشین عورتیں نظارہ کرتیں۔

حضرت جبریلؑ کا دحیہؓ کلبی کی صورت اختیار کرنے کے بارے میں اہلِ نظر کلام کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب جبرئیلؑ دحیہؓ کلبی کی صورت میں آئے تو جبریلؑ کی روح کہاں تھی؟ اگر ان کے جسم شریف میں تھی تو ان کی صورت اصلی میں تو تین تنوبرہ ہیں۔ لہٰذا جو کچھ حضورؐ کے پاس آیا نہ تو وہ جبریلؑ کی روح ہے اور نہ ان کا جسم، اور اگر روح اسی جسم میں تھی جو دحیہؓ کی صورت میں ہے تو وہ اپنے جسم اصل سے نکل کر اس جسم میں آگئی تو کیا جسم سے انتقال روح کی وجہ سے جبریلؑ وفات پاگئے یا ان کا جسم روح منتقلہ سے خالی ہوکر بے روح کے زندہ رہا۔ مواہبِ لدنیہ میں عینی سے جو بخاری کے شارح اور حنفی المذہب ہیں منقول ہے انہوں نے کہا کہ بعید نہیں ہے کہ انتقالِ روح، موجب موت نہ ہوئی ہو۔ اور جسم شریف روح کی جدائی سے کسی قسم کا نقصان اٹھائے بغیر باقی رہا ہو دوسرے جسم میں روح کا ہونا ایسا ہی ہے جیسی کہ شہداء کے روحوں کی منتقلی سبز پرندوں کے جوف کے ساتھ ہے۔ اور ارواح کی جدائی سے جسموں کا مرنا، عقلاً امرِ واجب نہیں ہے بلکہ امرِ عادی ہے جسے حق تعالیٰ نے بنی آدم میں جاری فرمایا ہے اور یہ لازم نہیں ہے کہ بنی آدم کے سوا میں بھی ایسا ہی ہو۔ بلکہ بنی آدم میں بھی عقلاً جائز ہے اور حق تعالیٰ کی قدرت میں داخل ہے۔ یہ کلام ظاہری طور پر ہے جسے بعض علماء نے کہا ہے، اہلِ تحقیق کے نزدیک دحیہؓ کلبی کی صورت اختیار کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ جبریل علیہ السلام کے ذہن میں دحیہؓ کی جو صورت علمیہ تھی اسے اپنی اس صفت کاملہ اور ارادۂ شاملہ کے سبب اس صورت علمیہ پر اپنی ذاتی صفات کو ظاہر کرتے اور خود کو دحیہؓ کی صورت میں ظاہر فرماتے۔ اور اس صورت علمیہ کو اپنی موجودہ صفات کے ساتھ شامل کرتے تھے اور جبریلؑ اپنے مقام میں اپنی ملکی ذات وصفات کے ساتھ ثابت وبرقرار رہتے تھے جس طرح ظہور حق سبحانہ تعالیٰ اور اس کا تمثل

بصورتِ عالم ہے یہی طریقہ تمثلِ روحانیات بصورتِ جسمانیات اور تمثلِ حق بصورتِ بشر اور تمثلِ بعض کامل اولیاء کرام بصورتِ متعددہ ہے۔ اسے خوب سمجھ لو اور حضرت جبریلؑ غیر صورتِ دحیہؓ میں بھی آتے تھے جیسا کہ اسلام ایمان اور احسان کے بیان میں حدیثِ جبریلؑ مروی ہے۔

چوتھا مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ صلصلۃ الجرس یعنی رہٹ کی مانند آواز سنائی دیتی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی دوسرا وحی کے کلمات و معانی کو نہیں سمجھ سکتا تھا حضورؐ پر اقسامِ وحی میں یہ قسم سب سے بڑھ کر سخت تھی، یہاں تک کہ شدید سردی کے دنوں میں حضورؐ کی پیشانیِ مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا اور اگر آپؐ اونٹ پر سوار ہوتے تو وہ زمین پر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح وحی آئی اس وقت آپ اپنا سرِ مبارک زیدؓ بن ثابت کی ران پر رکھے ہوئے تھے ان کی ران اتنی وزنی ہو گئی کہ قریب تھا کہ وہ ٹوٹ جائے طبرانی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آنے کی حالت لکھتا ہوں کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر اتنی شدت و سختی ہوتی کہ چہرے پر چاندی کے دانوں کی مانند پسینہ ٹپک آتا تھا۔ ایک دن آپؐ میری ران پر سر رکھے سو رہے تھے کہ میری ران اتنی وزنی ہو گئی کہ قریب تھا کہ میرا پاؤں ٹوٹ جائے اور میں نے گمان کیا کہ اب میں کبھی اپنے پاؤں پر نہ چل سکوں گا اسی طرح جس وقت سورۂ مائدہ حضورؐ پر نازل ہوئی تو قریب تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ کی ٹانگیں اس سے ٹوٹ جائیں۔

وحی میں مطلقاً ثقل و بوجھ بھی آیا ہے۔ چنانچہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ اس کی وجہ سے سختی محسوس فرماتے اور آپ کے روئے تاباں کا رنگ متغیر ہو جاتا اور خاکستری رنگ کی مانند ہو جاتا اور آپ کا سر مبارک جھک جاتا آپؐ کے اصحاب بھی اپنے سر نگوں کر دیتے۔ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو سر مبارک کو اوپر اٹھاتے۔

محققین کہتے ہیں کہ افاضہ اور استفاضہ یعنی فیض پہنچانے اور فیض حاصل کرنے میں یکسانیت و مناسبت شرط ہے مطلب یہ کہ کبھی جبریلؑ کی ملکیت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آتی اور وہ آپ کو آپ کی حالت سے لیجا کر عالمِ ملکوتیت میں پہنچا دیتے اور کبھی حضورؐ کی بشریت، جبریل علیہ السلام پر غالب آجاتی اور ان کو صورتِ بشری میں لے آتے، یہ وعدہ اور بشارت کی صورت میں ہوتا اور پہلی صورت، انذار و وعید کے وقت ہوتی۔

وحی کا پانچواں مرتبہ یہ تھا کہ کبھی جبریلؑ اپنی اصلی صورت میں (مع تین سو پروں کے) آتے اور وحی پہنچاتے جیسا کہ سورۂ والنجم میں مذکور ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایسا دو بار ہوا تھا (واللہ اعلم)

چھٹا مرتبہ وحی کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپؐ پر اس حالت میں وحی فرمائی جبکہ آپ آسمانوں کے اوپر تھے نماز وغیرہ کی وحی اسی طرح فرمائی تھی۔

وحی کا ساتواں مرتبہ حق تعالیٰ کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست کلام فرمانا ہے جس طرح

کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔

وحی کا آٹھواں مرتبہ، حق تعالیٰ کا حضور سے بے حجاب کلام فرمانا ہے۔ آسمانوں کے اوپر کی وحی، اسی قبیل سے ہے۔ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ یہ اس مذہب کے رو سے ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا شب معراج دیدار کیا۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے (واللہ اعلم)

کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کو خواب میں دیکھتے اور حق تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے رب کو احسن صورت میں دیکھا اور رب نے اپنے دونوں دست قدرت کو میرے شانوں پر رکھا اور میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی۔ مجھ سے رب تعالیٰ نے دریافت فرمایا کہ ملاء اعلیٰ میں کس چیز پر جھگڑا ہے (آخر حدیث تک) اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا وہ اجتہاد جس سے علم شریعت حاصل ہو صائب تھا نیز اسے وحی کے اقسام میں سے شمار کرتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس پر سب متفق ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اجتہاد فرماتے تو وہ قطعی درست وصواب ہوتا۔ کیونکہ آپ خطا سے معصوم تھے۔

مشہور اصول کی کتاب میں ہے کہ آپ کو کبھی خطا پر قایم نہ رکھا جاتا اور آپ کو آگاہ کر دیا جاتا تھا۔ جیسے کہ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں ہے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ حلیمی نے کہا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا ہو کہ نبی کریم پر ۴۶ قسموں کی وحی کی گئی ہے اور ان سب کو انہوں نے بیان کیا ہے فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ ان میں سے اکثر احوال کے اختلاف کے اعتبار سے وحی کو محمول کیا گیا ہے۔ اور وہ تمام انواع ان قسموں میں داخل ہیں جو بیان کر دی گئی ہیں۔ (واللہ اعلم)۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریل علیہ السلام چوبیس ۲۴ ہزار مرتبہ نازل ہوئے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام پر بارہ مرتبہ، حضرت ادریس علیہ السلام پر چار مرتبہ حضرت نوح ؑ پر پچاس ۵۰ مرتبہ، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بیالیس ۴۲ مرتبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایک سو چار مرتبہ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر دس ۱۰ مرتبہ۔ مواہب لدنیہ میں ایسا ہی منقول ہے (واللہ اعلم)

علماء فرماتے ہیں کہ ایمان و توحید کے بعد عبادات میں سے سب سے پہلے دو ۲ رکعت نماز واجب ہوئی جس کی جبریل علیہ السلام نے حضور ؐ کو تعلیم دی۔ اور حضور ؐ نے ان کے ساتھ ادا فرمائی۔ اور مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی فرضیت دو ۲ رکعتوں میں تھی۔ دو ۲ رکعت فجر میں اور دو ۲ رکعت عشاء میں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ (اور اپنے رب کی تسبیح عشاء اور فجر میں کرو)۔ فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم واقعہ معراج سے پہلے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپ کے صحابہ

بھی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ نماز پنجگانہ کی قسم میں سے کونسی نماز فرض تھی؟ بعض کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے کی نماز فرض تھی۔ اور وہ اس پر حجت میں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد لاتے ہیں کہ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر جو چیز سب سے پہلے واجب ہوئی وہ انذار اور توحید کی دعوت ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے رات کے قیام کو فرض کیا۔ جیسا کہ سورۂ مزمل میں مذکور ہے۔ اس کو آخر سورت میں منسوخ فرما دیا۔ اس کے بعد شب معراج میں نماز پنجگانہ کے واجب ہونے پر سب کو منسوخ کر دیا۔

## اول مسلمان، سابق الایمان

**وصل:۔** علماء کا اختلاف ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے کون ایمان لایا۔ اور تصدیق اول کس نے کی۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے علی الاعلان ایمان لانے والی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ کیونکہ جب حضورؐ غار حرا سے تشریف لائے اور ان کو نزول وحی کی خبر دی تو وہ ایمان لائیں اور تصدیق کی اور آپ کی راست گوئی سے انہوں نے استدلال کیا اور پیروی اختیار کی۔ ان کے بعد سب سے پہلے اور سابق الایمان سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسی مذہب پر سیدنا ابن عباسؓ حسانؓ بن ثابت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ نخعی وغیرہ تابعین اور صحابہ کی ایک جماعت اور دیگر علماء اعلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلے سیدنا علی ابن ابی طالبؓ ایمان لائے کیونکہ وہ آغوش مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم میں تربیت پا رہے تھے۔ اور اس وقت وہ بچے تھے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا میں نے اسلام کی طرف اس وقت سبقت کی جبکہ میں بچہ تھا اور بالغ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی۔ جیسا کہ طبری نے بیان کیا ہے۔ ابو عمرو بن عبد البر نے کہا ہے کہ وہ حضرات جو اس طرف گئے ہیں کہ سب سے پہلے جو ایمان لائے تھے سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، خبابؓ، جابرؓ، ابو سعید خدریؓ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں یہی قول ابن شہاب، قتادہ وغیرہ کا ہے۔ اور بعض لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ورقہ بن نوفل ایمان لائے ہیں۔ اور شیخ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ محتاط اور موزوں تر یہ ہے کہ آزاد مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ بچوں اور نو عمروں میں علی مرتضےٰؓ، عورتوں میں سیدہ خدیجہؓ اور موالی میں زیدؓ بن حارثہ اور غلاموں میں سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہم ہیں۔ (واللہ اعلم)

ابن عبد اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ سب سے پہلے علیؓ مرتضیٰ ایمان لائے لیکن وہ نو عمر اور بچے تھے اسلام کو اپنے والد ابو طالب کے خوف سے پوشیدہ رکھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے اور اپنے اسلام کا اظہار کیا وہ اسے اس روایت سے موکد کرتے ہیں جسے سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد سیدنا علیؓ مرتضےٰ سے

روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت ابوبکرؓ مجھ سے چار باتوں میں سبقت لے گئے ہیں۔ اول اظہار اسلام میں، دوم ہجرت کے وقت رفاقت میں، سوم غار ثور کی مصاحبت میں اور چہارم نماز کے قائم اور اس کے اظہار کرنے میں لیکن میں شعب ابوطالب میں ان کو چھپائے ہوئے تھا۔

ان کے بعد زیدؓ بن حارثہؓ عثمانؓ بن عفانؓ، زبیرؓ بن عوام، عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ، سعدؓ بن ابی وقاص، طلحہؓ بن عبیداللہؓ رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ و دعوت سے اسلام لائے۔ ان کے بعد ابوعبیدہؓ عامرؓ بن عبداللہ بن الجراح اور ابوسلمہ بنؓ عبداللہ بن عبدالاحد، اسلام لائے۔ ان نو افراد کے بعد ارقمؓ عثمانؓ بن مظعون، عبداللہ بن مسعود، سعیدؓ بن زید اور فاطمہؓ بنت الخطاب رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔

ابن سعد نے کہا ہے کہ وہ عورتیں جو سیدہ خدیجہؓ کے بعد ایمان لائیں ام الفضل زوجہ سیدنا عباسؓ اور اسماءؓ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

## دعوت و تبلیغ

وصل :۔ اسی طور و طریق پر تین سال گزر گئے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم امر کے اخفاء اور اس پر صبر کرنے پر مامور تھے۔ اس کے بعد حضورؐ نے خفیہ طور پر دعوت و تبلیغ شروع فرمائی پھر حق تعالیٰ نے آپ پر آیۂ کریمہ نازل فرمائی فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ یعنے جو کچھ حکم دیا گیا ہے اسے ظاہر فرمایئے اور دعوت و تبلیغ کو آشکارا کیجئے اور مشرکوں کی جانب سے روگردانی فرمایئے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد، قرآن کو باآواز بلند پڑھنا ہے۔ صدع کے اصلی معنی ظاہر کرنے اور ممتاز کرنے کے ہیں۔ اور مراد، اظہار حجت اور حق و باطل کے درمیان فرق و امتیاز کرنا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے امرِ دعوت میں کمر بر جہاد محکم باندھی قریش نے اس وقت تک حضورؐ سے تعرض نہ کیا جب تک کہ حضورؐ نے ان کے خداؤں اور معبودوں سے تعرض نہ کیا۔ جب حضورؐ نے یہ حکم دیا کہ بت اور اس کے پوجنے والے سب جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے تب وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور سب کے سب حضورؐ کی عداوت و مخالفت میں متفق ہو گئے۔ یہ واقعہ نبوت کے چوتھے سال کا ہے۔ ابوطالب نے حضورؐ کی حمایت کی اور وہ حضورؐ اور قریش کے درمیان دیوار بن کے کھڑے ہو گئے تمام قریش اس پر متفق ہو گئے کہ جو بھی مسلمان ہو جائے اسے عذاب پہنچائیں۔ اور اسے ابتلاؤ آزمائش میں ڈالیں۔ حق تعالےٰ نے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو آپ کے چچا ابوطالب کے ذریعہ بنی ہاشم (بجز ابولہب کے) اور بنی المطلب کے ساتھ باز رکھا یہ سب نسلی قرابت و عصبیت کی وجہ سے کسی قدر حضورؐ کی رعایت و حمایت میں نکل آئے۔ ایک روز یہ لوگ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوطالب کے پاس آئے آپ ان کو دعوت اسلام دینے لگے ان کے بعد تمام قریش مجتمع ہو کر ابوطالب کے پاس پہنچے اور مطالبہ کیا کہ حضورؐ کو ہمارے سپرد کر دو۔ ابوطالب

نے جواب دیا کہ اگر اونٹنی اپنے بچہ کے بغیر رہ سکے تو میں ان کو تمہارے سپرد کر دوں۔ اس کے بعد انہوں نے چند اشعار حضورؐ کو خطاب کرتے ہوئے کہے "اے محمد! یہ قریش ہرگز آپ کے مقابل آکر ایذا و آزار نہ پہنچا سکیں گے آپ اپنے دین کی خوب تبلیغ و دعوت کیجئے اور کچھ تنگی وخوف نہ کھائیے، آپ کی آنکھیں خوش اور ٹھنڈی رہیں کہ آپ نے مجھے دعوت دی اور یہ کہا کہ آپ میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں۔ یقیناً آپ سچ فرماتے ہیں آپ بلاشبہ امین ہیں۔ اور آپ نے ایسے دین کو ظاہر فرمایا ہے جو یقیناً مخلوق کے سارے دینوں سے بہتر و افضل ہے۔ اگر مجھے لوگوں کی ملامت کا خیال اور ان کی گالیوں کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً آپ مجھے اس دین کے قبول کرنے میں کشادہ دل پاتے۔"

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ لوگوں کے اجتماعات میں تشریف لیجاتے اور انہیں اسلام کی دعوت دیتے، فرماتے "اے لوگو! حق تعالےٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ گردانو۔" ابولہب آپ کے پس پشت کہتا "اے لوگو! یہ تمہیں، تمہارے باپ دادا کے دین سے پھیرنا چاہتے ہیں ان کے قریب نہ جانا۔" بعض کفار قریش حضورؐ کو ساحر یعنی جادوگر، بعض شاعر، بعض کاہن اور بعض مجنوں (توبہ نعوذ باللہ) تک کہتے تھے۔

منقول ہے کہ قریش نے آپس میں یہ عہد و پیمان کیا کہ چونکہ حج کے موسم میں عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ آئیں گے جب وہ حضورؐ کے بارے میں غلغلہ سنیں گے تو یقیناً وہ حضورؐ کے پاس جائیں گے اور ان کی باتیں سن کر ان کے گرویدہ بن جائیں گے لہٰذا ہمیں ابھی سے کسی ایک بات پر متفق ہو جانا چاہیئے جسے ہم حضورؐ کی طرف منقصت اور مذمت میں منسوب کر سکیں تاکہ لوگوں کے دل ان سے پھر جائیں اور وہ ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ان کو کاہن کہیں گے۔ ولید بن مغیرہ جو ان میں سب سے زیادہ عقلمند اور سمجھ دار تھا اس نے کہا ہم نے بہت سے کاہنوں کو دیکھا ہے لیکن حضورؐ کا کلام نظم و نثر اور سجع میں کاہنوں کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا۔ چنانچہ آنے والے عرب کے قبائل تم کو جھوٹا کہیں گے۔ وہ کہنے لگے اچھا پھر ہم انہیں مجنوں کہیں گے۔ ولید نے کہا ہم یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ وہ سرمو جنون نہیں رکھتے۔ کفار کہنے لگے اچھا پھر ہم انہیں شاعر کہیں گے۔ ولید نے کہا ہم شاعری کو بھی خوب جانتے ہیں اور شعر کے اقسام و انواع کو بھی خوب پہچانتے ہیں محمدؐ کا کلام شعر سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔

پھر وہ کہنے لگے ہم انہیں ساحر یعنے جادوگر کہیں گے۔ اس نے کہا سحر کی تو ان کے ساتھ کوئی مناسبت ہی نہیں ہے کیوں کہ ان میں طہارت و نظافت اعلیٰ درجہ کی ہے اور جادوگر لوگ نجس و پلید ہوتے ہیں۔

ولید نے مزید کہا کہ وہ کلام جو حضور لیکر آئے ہیں اس میں ایسی حلاوت ولذت ہے جو کسی اور کلام میں ہے ہی نہیں۔ حدیہ ہے کہ ان کے کلام میں قلب وروح کے لئے جو تصرف وتاثیر ہے وہ ایسی ہے کہ باپ، بیٹے، بھائی، شوہر اور بی بی کے درمیان جدائی ڈالدیتا ہے جو کسی قدر سحر سے مشابہت رکھتا ہے۔ اگر چاہیں تو یہ کہدیں اگرچہ کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ اسی بنار پر حق تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل فرمایا۔ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ الآیات۔

بعض بدبخت کافر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سرِ انور پر کوڑا کرکٹ پھینکتے، آپ کے دروازہ پر خون ڈالتے، راستوں میں کانٹے وغیرہ بچھاتے اور آپ کے بدنِ اطہر پر پتھر پھینکتے تھے۔ یہ بدبخت ایسے شقی تھے کہ ان میں سے ایک نے سجدے کی حالت میں اتنی شدت سے گردن کو دبایا کہ قریب تھا آپ کی چشمان مبارک باہر نکل پڑیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضورؐ کا گلا خوب شدت سے گھونٹا۔ ابوبکر صدیقؓ درمیان میں آگئے اور حضورؐ کو بچایا اس بدبخت نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی داڑھی اور سر کو اس زور سے گھسیٹا کہ داڑھی کے اکثر بال نچ گئے اور اس نے ان کا سر پھاڑ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اس نے ان کے سر اور منہ پر اتنی جوتیاں ماریں کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ مگر ابوبکر صدیقؓ برابر یہی نصیحت فرماتے رہے کہ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ کیا تم ایسے شخص کو مار ڈالنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ یقیناً اپنے رب کی جانب سے دلائل براہین لائے ہیں۔ یہ قول آل فرعون کے مومن کا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرعونیوں سے کہتا تھا۔

صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا ہم رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحن کعبہ میں کھڑے تھے کہ اتنے میں عقبہ بن ابی معیط لعنہ اللہ سامنے سے آیا اور اپنی چادر کو حضورؐ کی گردن مبارک میں ڈال کر گھسیٹا اور اتنی شدت سے لپیٹا کہ حضورؐ کا گلا گھٹ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس بدبخت کو کندھے سے پکڑ کر حضورؐ سے دور کیا اور فرمایا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ کیا تم ایسے جان سے مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔"

علمار فرماتے ہیں کہ مومن آل فرعون سے حضرت ابوبکرؓ افضل ہیں اس لئے کہ مومن آل فرعون نے زبانی مدد پر اکتفا کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے زبان وہاتھ اور قول وفعل سے مدد کی۔ علمار فرماتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس نصوص میں حضرت ابوبکرؓ کے سب سے زیادہ شجاع وبہادر ہونے کے قائل ہیں۔ اسی ضمن میں سب سے زیادہ عجیب قصہ وہ ہے جو بخاری میں مروی ہے کہ ایک دن حضورؐ کعبہ معظمہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے اور قریش ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو؟ پھر اس نے اوروں سے

کہا، تم میں کوئی ایسا ہے جو فلاں قبیلہ سے ذبح کردہ اونٹ کی اوجھ اٹھا لائے۔ (ایک روایت میں مشیمہ یعنی آنول آیا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد غلاظت نکلتی ہے۔) پھر جب حضورؐ سجدے میں جائیں تو وہ ان کے کندھوں پر رکھدے۔ اس پر بدبخت عقبہ بن ابی معیط اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے اونٹ کی اوجھ لاکر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان رکھدی۔ حضورؐ اس حال میں رہے اور سر مبارک سجدے سے نہ اٹھایا۔ اور وہ سب کھڑے ہنستے رہے اور ہنسی میں لوٹ پوٹ ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ وسلم کے شانے سے اس اوجھ کو اٹھا کر پھینکا۔ اور ان بدبختوں کو بُرا بھلا کہتی رہیں۔ پھر جب آپ نے نماز مکمل فرمالی تو حضورؐ نے ان پر بددعا فرمائی، فرمایا اَللّٰھُمَّ عَلَیْكَ بِقُرَیْشٍ یعنی اے خدا ان بدبخت قریشیوں کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔" چنانچہ آپ کی اسی بددعا کے اثر سے ابوجہل وغیرہ روز بدر ذلت وہلاکت کے ساتھ مارے گئے اور لعنت کے گڑھے میں جھونکے گئے۔ جیسا کہ باب الغزوات میں آئے گا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کفار کی اذیتوں اور گستاخیوں پر بیحد صبر فرمایا لیکن جب ان کی گستاخی حد سے بڑھ گئی اور انہوں نے اس نماز میں جو خدا کی حضوری کا مقام ہے بے ادبی کی تو بارگاہ ایزدی کی طرف سے وہ پہنچا جس کے وہ مستحق تھے۔ نعوذ باللہ من غضب الحلیم۔ حلیم نے اگرچہ برداشت کی حد کردی لیکن جب وہ حد سے بڑھ گئے اور رسوا کرنے لگے تو ان کا انجام یہ ہونا ہی تھا۔

## مسلمانوں کو اذیتیں پہنچانا

وصل: کفار حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح کمزور اور ناتواں صحابہ کو بھی اذیتیں دیتے تھے تاکہ وہ اسلام سے برگشتہ ہوجائیں۔

حضرت بلالؓ کی گردن میں رسی باندھ کر بچوں کے حوالے کر دیتے اور بچے انھیں مکہ کی گلی کوچوں میں گھسیٹتے پھرتے۔ اس رسی سے ان کی گردن زخمی ہو جاتی۔ امیہ بن خلف جو حضرت بلالؓ کا مالک تھا ان کو مکہ کے ریگزاروں میں لیجاتا اور انھیں گرم ریت پر ننگا لٹا کر تپتا ہوا ایک بڑا پتھر ان کے سینہ پہ رکھتا اور ان کے بدن داغ دیتا اور کبھی دھوپ میں لٹا کر لاٹھیوں سے پیٹتا لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان پر "احداً احداً" جاری رہتا یہاں تک کہ بلالؓ کو سانس لینا دشوار ہوگیا اور عذاب کی یہ تلخی ایمان کی چاشنی سے بدل گئی۔ ایک دن وہ اس عذاب میں مبتلا تھے کہ حضرت ابوبکرؓ ان کے پاس پہنچ گئے اور انہیں امیہ بن خلف جمحی سے خرید کر آزاد کر دیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "اے ابوبکرؓ! بلالؓ کے خریدنے میں مجھے کیوں شریک نہ کرلیا"، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میں نے ان کو اسی وقت آزاد کر دیا تھا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے ماں باپ طرح طرح کی اذیتیں دیا کرتے تھے۔ ایک روز انہیں دھوپ میں گرم ریت پر لٹا کر اذیتیں دے رہے تھے کہ ادھر سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم گزرے انھیں اذیت

میں دیکھ کر فرمایا "اے یاسر رضی اللہ عنہ کے بیٹے صبر کرو۔ سمیہ رضی اللہ عنہا تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ کیا جاتا ہے"۔
ابو جہل لعین نے عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ سمیہ کی اندام نہانی میں دشنہ مار کر شہید کر دیا اور پھر ان کے باپ کو بھی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہیں۔

منقول ہے کہ کچھ قریش یہودیوں کے پاس گئے ان سے حضور کی نبوت کی علامتوں اور حضور کے احوال کے بارے میں پوچھا۔ یہودیوں نے کہا کہ ان سے تین باتیں دریافت کرو اگر وہ ان کا صحیح جواب دیدیں تو نبی ورسول ہے ورنہ دیوانہ شخص ہے۔ ان سے پوچھو کہ وہ کون لوگ ہیں جو پچھلے زمانہ میں خدا کی طلب میں نکلے تھے؟ اس سے ان کی مراد اصحاب کہف تھی۔ اور پھر ان سے پوچھو کہ وہ کون شخص ہے جس نے چوتھائی زمین کی سیر کی ہے؟ اس سے ان کی مراد حضرت ذوالقرنین سے تھی اور آخر میں ان سے روح کے بارے میں پوچھو کہ وہ کیا ہے؟ اور اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل آنا، میں تم کو ان کا جواب دوں گا چوں کہ آپ نے انشاء اللہ نہ کہا تھا اس پر کچھ دیر بعد وحی نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ آپ کسی چیز کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ اسے کل کروں گا مگر یہ کہ آپ انشاء اللہ کہیں۔ اس کے بعد قرآن، اصحاب کہف، اور حضرت ذوالقرنین کے بارے میں نازل ہوا اور حضور نے ان دونوں کے قصے پڑھ کر سنائے۔ اور پھر روح کی حقیقت کے بیان کے لئے کھڑے ہوئے۔

علماء اختلاف کرتے ہیں کہ روح سے مراد، انسانی روح یا جبریل یا فرشتوں کی وہ صنف ہے جو روز قیامت صف باندھے کھڑے ہوں گے۔ جیساکہ قول باری تعالیٰ میں ہے يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا۔ جس دن روح اور فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے"۔

علماء فرماتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ اس سے مراد، روح انسانی ہے۔ لہٰذا کچھ لوگ یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حق سبحانہ کا یہ ارشاد ہے کہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي "اے نبی تم فرمادو روح میرے رب کا حکم ہے" مطلب یہ کہ روح کی حقیقت کو تنہا جاننے والی ذات رب تعالیٰ ہی ہے اور وہی اثر انداز ہے اس کی حقیقت کی معرفت میں کسی اور کو کوئی دلیل و راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو روح کی ماہیئت پر مطلع فرمایا ہے بلکہ محتمل ہے کہ مطلع کر دیا گیا ہو گا لیکن دوسروں کو اس پر باخبر کرنے کا حکم نہ فرمایا گیا ہو گا۔ بعض علماء قیامت کے علم و وقت کے بارے میں بھی ایسا ہی کہتے ہیں (واللہ علم) اور حق تعالیٰ کے اس قول کے مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ فرمایا وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا "اور تمہیں نہیں دیا گیا علم مگر بہت کم۔ کیوں کہ یہ خطاب اس قوم سے

ہے جس نے اس بارے میں سوال کیا تھا مطلب یہ کہ تم اس قابل نہیں کہ اس کی حقیقت کو جان سکو، اور جو چیز اس حقیقت کے مانند ہے اس کے سمجھنے سے بھی تم عاجز ہو۔ لہٰذا یہودیوں کو علامات نبوت نہ بتانا اور اس کی خبر نہ دینا بھی اس بنا پر تھا، نہ کہ اس وجہ سے کہ آپ کو معلوم نہ تھا۔ اسی بنا پر یہودیوں نے کہا تھا کہ اگر جواب دیدیں تو سمجھ لینا کہ نبی ہیں۔

بندۂ مسکین (یعنے صاحب مدارج النبوۃ خصہ اللہ بنور العلم والیقین) کہتا ہے کہ کوئی مومن عارف کیسے جرأت کر سکتا ہے کہ حضور سید المرسلین امام العارفین صلے اللہ علیہ وسلم سے حقیقت روح کی نفی کر سکے کیونکہ حق تبارک وتعالیٰ نے آپؐ کو اپنی ذات وصفات کا علم دیا اور آپ پر اولین وآخرین کے علوم خوب واضح فرمائے تو روح انسانی کی حقیقت جامعہ کے پہلو میں کیا وقعت ہے۔ وہ علم ومعرفت مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ یا آفتاب روشن کے مقابلہ میں ایک ذرہ۔

## صحابہ کا جانب حبشہ ہجرت کرنا

جب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کفار کا ظلم و ستم حد سے بڑھ گیا۔ تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ ہجرت کر جانے کا حکم فرمایا۔ وہ جگہ امن وامان کی تھی۔ یہ ہجرت ماہ رجب نبوت کے پانچویں سال میں ہوئی تھی۔ گیارہ مرد اور ایک قول کے بموجب بارہ مرد اور چار عورتیں اور ایک قول کے مطابق پانچ عورتیں پوشیدہ طور پر ہجرت کر گئے تھے بعض نے اہل وعیال کے ساتھ اور بعض نے بغیر اہل وعیال کے ہجرت کی تھی یہ لوگ سمندر کے کنارہ تک تو پیدل گئے پھر وہاں سے کشتی میں سوار ہو کر حبشہ کی جانب روانہ ہو گئے حق تعالےٰ نے ان سب کو حبشہ میں نجاشی کے زیر سایہ پہنچا دیا۔ نجاشی حبشہ کے بادشاہ کو کہتے ہیں۔ اس نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔ جس نے سب سے پہلے اپنے اہل کے ساتھ ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہٗ تھے آپؓ اپنی زوجہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔

جب سلامتی کے ساتھ پہنچنے کی اطلاع ملنے میں دیر ہوئی تو حضورؐ کو فکر دامنگیر ہوئی۔ پھر ایک عورت نے آکر خبر دی کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو اپنی زوجہ کے ساتھ ایک دراز گوش پر سوار جاتے دیکھا ہے۔

اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ عثمانؓ بن عفان پہلے شخص ہیں جس نے خدا کے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بعد اپنی زوجہ کے ساتھ ہجرت کی ہے بعد میں دوسرے صحابہ کرام بھی حبشہ پہنچ گئے۔ اور نجاشی کے زیر سایہ بحفاظت رہنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ایک جھوٹی خبر پھیلی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور مشرکوں کے درمیان صلح ہو گئی ہے جب یہ خبر حبشہ پہنچی تو یہ لوگ حبشہ سے نکل کر مکہ چلدیئے۔ مکہ کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ صلح کی خبر نا معتبر اور جھوٹی تھی۔ اور کفار اسی طرح مسلمانوں کی ایذا رسانی میں سرگرم

ہیں۔ ان مہاجروں میں سے جو صحابی مکہ میں داخل ہو گئے تھے کچھ عرصہ بعد حضورؐ کی اجازت سے وہ پھر حبشہ چلے گئے۔ اس مرتبہ مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جب کفار کو مسلمانوں کے حبشہ میں امن و چین سے رہنے کی خبر ملی تو انہوں نے عمرو بن العاص کو ایک جماعت کے ساتھ ہدیوں اور تحفوں سمیت نجاشی کے پاس بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کو حبشہ سے نکال دے۔ انہوں نے نجاشی کے دربار میں پہنچکر اسے سجدہ کیا اور تحفے پیش کئے۔ اور عرض مدعا کر کے اس کی خوشامد کرنے لگے۔ نجاشی نے انہیں منع کیا اور کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ جس قوم نے ہمارے ملک میں ہماری پناہ لی ہو۔ اسے ہم ان کے دشمنوں کے حوالے کر دیں۔" اس کے بعد حکم دیا کہ مسلمانوں کو بلایا جائے تاکہ وہ خود بات کریں اور اپنے دین و ملت کا اظہار کریں۔ چنانچہ جب مسلمان نجاشی کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے سجدۂ تحیت کے بجائے سلام کیا۔ نجاشی کے مصاحبوں نے پوچھا کہ تم نے سجدہ کیوں نہ کیا؟ اس پر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ، نے جو مہاجرین حبشہ میں سے تھے فرمایا ہم غیر خدا کو سجدہ نہیں کرتے کیوں کہ ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے دین اور اسلامی احکام کی خوب عمدہ طریقہ سے ترجمانی فرمائی حضرت جعفرؓ کے کلام سے نجاشی کے دل میں ایک ہیبت طاری ہو گئی، اس نے ان سے کہا کہ حضورؐ پر جو کلام نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ تلاوت کرو حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی تلاوت کی۔ اس پر نجاشی اور پادریوں میں سے جو بھی ان کے پاس تھا سب رونے لگے۔ اور سب نے یک زبان کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا دونوں ایک ہی مشکوٰۃ سے نکلے ہیں"۔ اور نجاشی نے کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور یہ وہی ہستی مقدس ہیں جس کی بشارت، حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی ہے اور فرمایا ہے کہ ان کے بعد وہ تشریف لائیں گے"۔ اس کے بعد نجاشی نے قریش کے تحفوں کو لوٹا دیا اور ان کو ذلیل و رسوا کر کے دربار سے نکال دیا۔

## ایک جھوٹی افواہ کی حقیقت

وصل :- اثنائے بیان میں اجمالاً تذکرہ آگیا تھا کہ "مہاجرین حبشہ کی ایک جماعت حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور کفار قریش کے درمیان صلح ہو جانے کی خبر پھیل جانے کی بناء پر حبشہ سے آئی تھی اور پھر وہ لوٹ گئی تھی"۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

ایک دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تبلیغ و انذار کی غرض سے مشرکوں کے آگے سورۂ والنجم کی تلاوت کر رہے تھے۔ جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس آیۂ کریمہ پر پہنچے اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی (کیا تم نے لات و عزیٰ اور ایک اور تیسرے مناۃ بت کو نہ دیکھا) تو شیطان نے دخل اندازی کی اور مشرکوں کے کانوں میں یہ آواز پہنچائی تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى یہ وہ

بلند رتبہ اصنام ہیں اور ان کی شفاعت مقبول ہے" پھر جب حضورؐ نے سورۃ تمام فرمائی تو سجدہ کیا دوسرے مسلمانوں نے بھی سجدہ کیا مشرکوں نے بھی مسلمانوں کی موافقت کی، وہ بھی سجدے میں چلے گئے اس وقت مسجد حرام میں کوئی کافر ایسا نہ تھا جس نے سجدہ نہ کیا ہو بجز بقولِ مشہور امیہ بن خلف جمحی کے۔ اس نے اپنے سر پر خاک ڈالی اور اپنا چہرہ پیٹ ڈالا کہنے لگا "بس اتنا ہی کافی ہے" پھر مشرکین خوش ہو کر کہنے لگے "محمدؐ نے ہمارے بتوں کو یاد کیا اور ان کی تعریف کی اور ان کی شفاعت کا اثبات کیا، ہم بھی ان کے ساتھ اتنا ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ ہم ان کو خالق، رازق اور جلانے والا اور مارنے والا نہیں جانتے۔ جب محمدؐ نے ہمارے ساتھ اس بات میں اتفاق کر لیا تو ہم ان سے صلح کرتے ہیں اور ان سے اور ان کے ساتھیوں سے ظلم و ستم کا ہاتھ اٹھاتے ہیں" یہ خبر گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور شیطان نے اسے خوب پھیلایا۔ جب حبشہ کے مہاجرین کو یہ خبر پہنچی تو وہ اپنے وطن کی طرف لوٹ پڑے۔ اس واقعہ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حزن و ملال میں ڈال دیا تو حق سبحانہٗ و تعالےٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی تسلی خاطر کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اے محبوب آپ سے پہلے جتنے بھی نبی و رسول ہم نے بھیجے جب وہ تلاوت کرتے تو شیطان نے ان کی تلاوت میں دخل اندازی کی ہے۔ تو ہم شیطان کی دخل اندازی کو منسوخ کر کے اپنی آیتوں کو محکم بناتے ہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

---

جب یہ آیت کافروں کے کانوں میں پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ "محمدؐ نے ہمارے معبودوں کی قدر و منزلت کے بارے میں جو کہا تھا اب وہ اس سے پشیمان ہو گئے ہیں تو ہم بھی صلح کا ہاتھ اٹھاتے ہیں" لیکن اس قصہ کی صحت اور اس حادثہ کے وقوع میں اہل علم کلام کرتے ہیں۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے الشفا میں بحث کر کے اس کی اصلیت کو شافی و وافی طریقہ پر ضعیف قرار دیا ہے۔ امام فخر الدین رازی بھی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ قصہ باطل ہے جسے زندیقوں نے گھڑا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زبعری کی افترات میں سے ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ زبانِ حق ترجمان صاحب وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہی کلام فرماتے ہیں جو وحی کی جائے) سے بتوں کی تعریف ہو جائے۔ اور یہ ناممکن ہے کہ حضورؐ قرآن میں ایسی چیز کا قصداً یا سہواً اضافہ فرمائیں جو قرآن میں سے نہ ہو۔ خصوصاً ایسی چیز کا اضافہ جو توحید کے سلسلہ میں اپنی لائی ہوئی چیز کے منافی و برخلاف ہو۔ اور بیہقی فرماتے ہیں کہ

نقل وروایت کے اعتبار سے یہ نادر وغریب قصہ ثابت ہے اور ان کے راویوں میں کلام کیا گیا ہے کہ یہ سب کے سب مطعون ہیں۔ اور بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سورۂ والنجم کو ختم کرکے سجدہ کیا آپؐ کے ساتھ تمام مسلمانوں، مشرکوں اور جن وانس نے سجدہ کیا۔ اس کو ارباب صحاح نے بطرق کثیرہ روایت کیا ہے اور ان میں غرانیق والی بات نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ جو کوئی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر بتوں کی تعظیم کو جائز قرار دیتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم عقل ونقل سے جانتے ہیں کہ یہ قصہ منگھڑت اور باطل ہے اسی طرح جمہور علماء محدثین فرماتے ہیں لیکن ان کی ایک جماعت مثلاً ابو حاتم، طبری، ابن منذر، ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر وغیرہ نے ان راویوں کے ساتھ جن میں سے اکثر راوی ضعیف، واہی، منقطع، مرسل مضطرب اور غیر صحیح ہیں اسے روایت کیا ہے قطع نظر ان کی صحت کے، ان تمام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ہے۔ اور اس کے سوا چارہ نہیں کہ توجیہہ وتاویل کے ذریعہ ظاہر سے ان کا اخراج کیا جائے تاکہ ان محذورات وممنوعات سے جو مذکور ہیں نکالا جائے۔ وہ بلاشبہ توجیہات وتاویلات کی راہ میں ایسے طریقوں پر چلے ہیں جو مسالک بعیدہ ہیں اور تسلی وتشفی کے موجب نہیں ہیں، مثلاً بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ کلمہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر (معاذ اللہ) ایسی غنودگی کی حالت میں جاری ہوا جس میں معلوم ہی نہ ہوا کہ کیا کلمے نکل رہے ہیں اور جب حضورؐ کو یہ بات معلوم ہوئی تو حق تعالیٰ نے اپنی آیتوں کو محکم فرمایا۔ اسے طبری نے قتادہ سے روایت کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے اس کی تردید کی ہے اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر شیطان کا کسی حالت میں غالب آنا ہی جائز نہیں۔ خواہ نیند میں ہی کیوں نہ ہوں۔ اور کچھ لوگ اس طرح کی تاویل بعید کرتے ہیں کہ شیطان نے حضورؐ کو مجبور ومضطر کیا کہ ایسے کلمات، ذہن اقدس سے نکالیں (معاذ اللہ) تو آپ سے یہ کلمات بے اختیاری میں نکل گئے۔ یہ تاویل پہلی تاویل سے بھی بدتر، فاسد اور نامعقول ہے۔ اس لئے کہ حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ یعنے اے شیطان تیرا میرے بندوں پر کوئی غلبہ واختیار نہیں۔ اگر شیطان میں ایسی قدرت وقوت ہوتی تو پھر کسی بندے کو طاعت کی قوت نہ ہوتی۔ بعض لوگ اس کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کی اسی طرح تعریف کرتے ہیں اور ان کا وصف یہی بیان کرتے ہیں تو وہ اوصاف، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذہن شریف سے (معاذ اللہ) متعلق ہو گئے اور یہ حضورؐ کے حافظہ میں باقی رہا اور سہواً حضورؐ کی زبان مبارک پر وہی کلمات آگئے (معاذ اللہ) اس تاویل کو بھی قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے مردود قرار دیا ہے۔ بعض اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تلاوت شریف آیۂ کریمہ وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی پر پہنچی تو مشرکین ڈرے کہ اب اس کے آگے حضورؐ ہمارے معبودوں

کی مذمت وبرائی بیان فرمائیں گے تو مشرکوں نے ان کلمات کے بولنے میں جلدی کی اور انہوں نے حضورؐ کی تلاوت میں ان کلمات کو ملا دیا۔ جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ وہ تلاوتِ قرآن کے وقت شور وغل مچاتے اور قسم قسم کی بولیاں بولتے تھے۔ پھر ان کلمات کو شیطان لعین کی طرف منسوب کر دیا گیا کیوں کہ اسی کے ورغلانے اور ابھارنے سے مشرکوں نے یہ حرکت کی تھی، یا شیطان سے مراد شیاطین کی جنس ہے جس میں انسانی شیطان بھی شامل ہیں۔

بعض اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تلاوت قرآن میں ترتیل فرماتے اور ہر آیت کے سرے پر وقفہ اور سکوت فرماتے تھے۔ اور شیطان اس گھات میں لگ گیا کہ کسی سکتہ میں اپنی آمیزش کر دے چنانچہ اس نے حضورؐ کے وقفہ اور سکتہ میں حضورؐ ہی کی آواز کے مشابہ ترنم میں ان کلمات کو ادا کر دیا اور جو آپؐ کے قریب تھے انہوں نے گمان کر لیا کہ یہ کلمات بھی (معاذ اللہ) حضورؐ نے ہی ادا کئے ہیں۔ پھر انہوں نے اسے پھیلا دیا۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل احسن وعمدہ ہے اور قاضی ابن العربی نے بھی جو کہ اعاظم علماء مالکیہ میں سے ہیں اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیۂ کریمہ میں خبر دی ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین میں یہ سنتِ الٰہی جاری رہی ہے کہ جب وہ کچھ کلام فرماتے تو شیطان اپنی طرف سے اس میں کچھ کلمے ملاتا رہا ہے اور یہ آیۂ کریمہ اس بات پر نص ہے کہ شیطان نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تلاوت میں آمیزش کر کے اس نے بڑھایا تھا نہ یہ کہ (معاذ اللہ) حضورؐ نے اپنی زبان مبارک سے ان کلمات کو ادا کیا تھا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ تاویلات وتوجیہات اس وقت فرض کی جاسکتی ہیں جبکہ یہ قصہ ثابت ہو لیکن اگر قصہ ہی موضوع وباطل ہو تو آیۂ کریمہ مذکورہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ کے معنے کیا ہیں؟ اور القاء شیطان سے کیا مراد ہے؟ اور نسخِ آیات اور اسے محکم کرنا کونسی آیتوں میں ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثبوتِ قصہ کی تقدیر پر "تمنی" کے معنی قراءت وتلاوت کے ہیں۔ اور "امنیت" کے معنے قراءت کے آئے ہیں۔ اور اس قصہ کے وضعی اور بطلان کی تقدیر پر "تمنی" کے معنے آرزو کرنے اور ہوائے نفس، شہوت نفس کا اندیشہ کرنے اور دنیا کی جانب مائل ہونے اور اس میں مشغول ہونے اور وہ دلی خطرات جن کو وسوسہ کہتے ہیں اور سہو سے پوشیدہ رکھنے اور ان کا باطن میں راہ پانے کے معنے میں ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام پر ان باتوں کی نسبت جائز ہے جبکہ ان پر اصرار واستمرار نہ ہو۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِىْ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اسی پر محمول ہے۔ اور کبھی "تمنی" کا مطلب، قوم کے ایمان لانے پر زیادہ خواہش کرنے کی جانب راجع ہوتا ہے اور کسی ایسی چیز کی خواہش کرنا جس سے وہ ایمان کی طرف زیادہ سے زیادہ قریب ہو سکیں اور ان کی محبت والفت کا موجب بن کر ان کے دل نرم وگداز بن سکیں۔ اور شیطانی القا سے ان کے دل پھر جائیں۔ چونکہ انبیاء

علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اسلیئے وہ شیطانی القاسے پاک و منزہ ہیں ۔ اور ان کے عزوکمال کو ارشاد و انذار میں ہراس چیز سے دور رکھتے ہیں جو انہیں زائل کرنے والی ہے ۔ اور ان نشانیوں کو دکھاتے اور برقرار رکھتے ہیں جو امرِ آخرت میں مستغرق ہونے کی جانب داعی ہوں ۔ جیساکہ فرمایا یُحْکِمُ اللّٰہُ اٰیٰاتِہٖ "اللہ اپنی آیتوں کو محکم فرماتا ہے"۔ اور اس میں حق تعالےٰ کی بیشمار حکمتیں ہیں جن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ۔ یہی خلاصہ تفسیر بیضاوی کے کلام کا ہے ۔ انہوں نے اس قصہ کو نقل کرکے اس کا رد کیا ہے ۔ اور اس کے آخر میں کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سہو اور وساوس قلبی کے اطلاق کے جواز میں یہ آیت دلالت کرتی ہے (واللہ اعلم)

منقول ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ۔ لیکن ہجرت ثانی کے ساتھ ۔ ہجرت اول کے بارے میں بالفعل کوئی تصریح ہم نے نہیں پائی ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ ہجرت ثانی ہی مراد ہوگی ۔ (واللہ اعلم) اور "روضۃ الاحباب" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجرت تیرہویں سال، بیعتِ عقبہ ثانیہ کے بعد، ہجرتِ مدینہ سے پہلے تھی ۔ اور جب حضرت ابوبکر رض نے ہجرت کی تو شہر مکہ کے لوگوں نے کہا وہ ہم میں سے کس طرح باہر نکل سکتے ہیں ۔ اس کے بعد وہ لوگ حضرت ابوبکر رض کو واپس لائے اور یہ واپسی برک الغماد سے ہوئی تھی مکہ والے یہیں سے لوٹا کر مکہ مکرمہ لائے تھے ۔ اور جب قبیلہ کے سردار مالک بن دغنہ کے قریب پہنچے تو اس نے حضرت ابوبکر رض کو جگہ دی اور قریش کے شر سے اپنی پناہ میں لے لیا ۔ اور حضرت صدیق رض اپنے گھر میں رب العزت کی عبادت کرنے لگے ۔ انہوں نے مکان کے صحن میں ایک کوٹھری مسجد کی بنائی جس میں وہ نماز پڑھتے، تلاوت قرآن کرتے اور روتے تھے ۔ کیونکہ حق تبارک وتعالےٰ نے ان کا دل بہت نرم پیدا فرمایا تھا وہ بکثرت رویا کرتے تھے ۔ تلاوتِ قرآن کے وقت تو ان کی آنکھیں اپنے قابو میں ہی نہ رہتی تھیں ۔ اس کے بعد مشرکوں کی عورتیں، بچے، باندیاں اور ان کے مرد اِرد گرد آکر کھڑے ہونے لگے اور قرآن کریم کو سن کر حیرت و تعجب کیا کرتے ۔ یہ فضیلت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی ۔ کسی اور صحابی کی اسمیں ان کے ساتھ شرکت نہ تھی ۔ خصوصاً ایسے نازک وقت میں کہ اسلام مخفی تھا، اس زمانہ میں انہوں نے علانیہ مسجد بنائی اور اس میں عبادت اور تلاوت شروع کی ۔ مشرکین اور صنادید قریش نے اس پر ابن دغنہ سے یہ خطرہ بیان کیا کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں ہماری عورتیں اور بچیاں پاگل نہ ہو جائیں ۔ حضرت ابوبکر رض کو اپنے اس عمل سے باز رہنے کو کہیں ۔ اور اگر انہیں اپنے رب کی عبادت اتنی ہی پیاری ہے تو وہ گھر میں چھپ کر کریں ۔ اور اگر وہ علانیہ ہی عبادت کرنے پر اصرار کریں تو تم اپنے اس عہد کو توڑ دینا جو تم نے ان کے ساتھ کیا ہے اور ان کو اپنی پناہ میں لیا ہے ۔ تاکہ ہماری طرف سے تمہاری عہد شکنی نہ ہو ۔" جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سنیں تو آپ نے ابن دغنہ سے کہا میں تمہارے عہد و پناہ کو توڑتا ہوں کیوں کہ میں اپنے رب کی پناہ پر راضی ہوں (رضی اللہ عنہ ۔ رواہ البخاری)

## سیدالشہداء حضرت حمزہ کا ایمان لانا

وصل: نبوت کے چھٹے سال میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا اور آپؐ کے رضاعی بھائی حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ آپ قریش میں سب سے زیادہ غیرتمند، بڑے شہہ زور اور بہادر تھے۔ حضورؐ ان کے اسلام لانے کی وجہ سے قریش پر غالب و قوی ہو گئے۔

منقول ہے کہ ایک دن ابوجہل لعین نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذا اور گالیاں دی تھیں۔ اس کی خبر حضرت حمزہؓ کو شکار سے واپسی پر خانۂ کعبہ کے طواف کے دوران ملی۔ یہ خبر سنتے ہی غضبناک ہو کر سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے کمان ان کے کندھے پر تھی۔ حضرت حمزہؓ نے کمان کھینچکر ابوجہل کے سر پر رسید کی اس بدبخت کا سر پھٹ گیا حضرت حمزہؓ نے فرمایا تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دیتا اور ایذا پہنچاتا ہی حالانکہ میں ان کے دین پر ہوں"۔ پھر وہاں سے حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچے اور ایمان لائے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت حمزہؓ نبوت کے پانچویں سال ایمان لائے۔ (واللہ اعلم)

حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کے تین دن بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔ چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ ھِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اے خدا عمرو بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ دین اسلام کو عزت دے، اور قوی و غالب فرما عمرو بن ہشام ابوجہل کا نام تھا۔ اور یہ دونوں قریش میں بہت قوی تھے۔ چونکہ ابوجہل ان میں سے تھا جن کے بارے میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ "اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے"۔ اور یہ کہ فرمایا: سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ "برابر ہے ان پر خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے"۔ قبولیتِ دعا کی اس کے حق میں گنجائش نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ بن خطاب کے حق میں تھی کیونکہ ان پر سے بعض حجابات مرتفع نہ ہوئے تھے اور وہ کسی خاص وقت کے ساتھ موقوف تھے۔

جس دن حضرت عمرؓ اسلام لائے اس دن تک مسلمانوں کی تعداد انتالیس ۳۹ سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت عمرؓ نے چالیس کے عدد کو پورا فرمایا۔ مدینہ طیبہ میں آپ کی قبر انور کی زیارت کے وقت سلام میں یہ کہتے ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا مَنْ کَمَّلَ اللّٰہُ بِہِ الْاَرْبَعِیْنَ سلام ہو آپ پر اے وہ ہستی جس کے ذریعہ اللہ نے چالیس کی تعداد مکمل فرمائی۔

## حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت مسلمانوں کی تعداد کچھ اوپر چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں پر مشتمل تھی۔ اور تعجب ہے کہ اس مدت تک اسلام لانے میں کیوں تاخیر واقع ہوئی۔ قیاس تو مقتضی تھا کہ اس سے

پہلے اس وقت ہی اسلام لاتے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ مگر اس میں حکمت، دین کی قوت کا اظہار تھا اور یہ کہ چالیس کا عدد مکمل ہو۔ کیوں کہ اس عدد کی تکمیل میں ایک عظیم تاثیر پنہاں ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کفر میں ان کی جانب سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت ایذا ظلم و ستم اور ناسزا کلمات، کبھی بھی واقع نہیں ہوئے۔ آپ کے اسلام لانے کے بارے میں مختلف عبارتیں اور متعدد حکایتیں منقول ہیں، ممکن ہے کہ وہ واقعتہً درست ہوں اور جس راوی کو جیسا معلوم ہوا ویسا ہی نقل کر دیا ہو (واللہ اعلم)

مواہب لدنیہ میں ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے اسلام اپنی بہن کے ذریعہ پہنچا۔ میری بہن حضرت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل کی زوجیت میں تھیں، جو کہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور آخر حدیث میں عشرۂ مبشرہ کی بشارت مذکور ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں اپنی بہن کے پاس گیا اور میں نے کہا "او اپنی جان کی دشمن! مجھے پتہ چلا ہے کہ تو صابی یعنی بے دین ہو گئی ہے؟" کیوں کہ کفار ان مسلمانوں کو جنہوں نے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا تھا صابی" یعنی بے دین کہتے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ "میں نے اپنی بہن کو خوب پیٹا یہاں تک کہ وہ لہولہان ہو گئی۔ جب اس نے خون دیکھا تو میری بہن رو کر کہنے لگی تم جو چاہو کرو۔ یقیناً میں مسلمان ہو گئی ہوں۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں اسی غصہ کی حالت میں گھر کے اندر گیا وہاں میں نے ایک جگہ ایک کتاب دیکھی جس میں لکھا ہوا تھا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ جب میں نے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰ کو پڑھا تو خوفزدہ ہو کر کانپنے لگا۔ اور میں نے اپنے ہاتھ سے اس کتاب کو رکھ دیا۔ پھر دوبارہ جو میری نظر اس پر پڑی تو میں نے لکھا دیکھا کہ

| | |
|---|---|
| سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۰ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۰ ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۰ | زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔ اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی ملکیت ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔ اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے اور وہی ہر شے کا جاننے والا ہے۔ |

آپ فرماتے ہیں میں اسے پڑھتا رہا یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا کہ وَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ "اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ" تو میں نے اسی وقت کہا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس کے بعد مسلمان خوشی و مسرت کا اظہار کرتے اور تکبیر بلند کرتے ہوئے باہر نکلے کیوں کہ

انہوں نے میری زبان سے کلمہ طیبہ نکلتے سن لیا تھا۔اس کے بعد میں رسولِ خدا کی بارگاہ دارِ ارقم (جو کہ مکہ کے نچلے حصہ میں واقع ہے) میں پہنچا۔چند دنوں سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم یہیں قیام پذیر تھے۔حضورؐ میرے سامنے تشریف لائے اس وقت مجھے دو شخص بازوؤں سے مضبوط پکڑے ہوئے تھے۔جب حضورؐ کے قریب ہوا تو حضورؐ نے فرمایا "انہیں چھوڑ دو"۔انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اس کے بعد میں حضورؐ کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔پھر حضورؐ نے میرے گریبان کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور فرمایا اے ابن خطاب! اسلام قبول کر لے۔اے خدا ان کے دل کو ہدایت دے' اس وقت میں نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اس وقت تمام مسلمانوں نے خوب بلند آواز سے تکبیر کہی جسے مکہ کی ہر گلی میں سنا گیا۔اس سے پہلے یہ حالت تھی کہ جو مسلمان ہوتا وہ اپنے اسلام کو چھپاتا تھا۔لیکن اس وقت خوب اظہار و اعلان ہوا۔اس کے بعد میں باہر آیا۔اور میں اس شخص کے پاس گیا جس کی یہ عادت تھی کہ وہ کسی کا بھید چھپاتا نہ تھا۔میں نے اس سے کہا میں صابی ہو گیا ہوں اس پر وہ شخص خوب زور سے چیخا اور کہنے لگا خبردار ہو جاؤ ابن خطاب صابی ہو گئے ہیں۔اس کے بعد لوگوں کا وتیرہ ہو گیا کہ وہ مجھے بلاتے تاکہ ایذاء و تکلیف پہنچائیں مگر وہ میرے ہاتھ سے مار کھاتے تھے۔اس پر میرے ماموں یعنی ابوجہل نے پوچھا کہ "یہ شور و غوغا کیسا ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ "ابن خطاب" دین اسلام میں داخل ہو گئے ہیں"۔یہ سن کر میرا ماموں ایک پتھر پر کھڑا ہوا اور اس نے مکہ والوں کو مخاطب کر کے کہا "خبردار ہو جاؤ میں نے اپنے بھانجے کو امان دیدی ہے"۔اس کے بعد لوگ مجھ سے دور ہٹ گئے۔

دوسری روایتوں میں اس طرح ہے کہ ابوجہل شقی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر بڑی شدتیں اور سختیاں کیں۔مگر اس کا بس نہ چل سکا۔اور لاچار ہو کے رہ گیا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد لوگوں کا یہ حال رہا کہ میں ان کے ساتھ بھلائی کرتا مگر وہ میرے ساتھ ناروا سلوک کرتے۔یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے دین اسلام کو قوی فرمایا۔

ایک اور روایت میں اس طرح مروی ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی بہن اور بہنوئی کے گھر پہنچے تو تلاوت قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑی وہ سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے جو ایک صحیفہ میں لکھی ہوئی تھی۔حضرت عمرؓ نے فرمایا "یہ صحیفہ کیا ہے مجھے دو"۔ان کی بہن نے کہا "تم ناپاک اور مشرک ہو۔اور یہ ایسی کتاب ہے جس کے بارے میں حکمِ الٰہی ہے کہ لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ اسے نہ چھوئیں مگر طہارت کے ساتھ"۔اس کے بعد حضرت عمرؓ نے غسل کیا سورۂ طٰہٰ کو شروع سے پڑھنا شروع کیا۔اور جب اس آیۂ کریمہ پر پہنچے وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (اگرچہ تم بلند آواز سے کہو مگر حق تعالیٰ سر و اخفیٰ کو جانتا ہے۔اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔اسی کے اسماء حسنیٰ ہیں۔)

حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا اور کہنے لگے یہ کتنا پیارا کلام ہے۔ یہ کلام اور وہ رب تعالیٰ جس کی یہ صفت ہے کہ وہ سر و اخفیٰ کو جانتا ہے اس کا مستحق ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا کسی کو نہ پوجا جائے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے دریافت کیا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف فرما ہیں تاکہ میں ان کے حضور حاضر ہوں۔ اس کے بعد وہ حضورؐ کی بارگاہ میں گردن میں شمشیر حائل کئے حاضر ہوئے صحابہ کرام، خوف سے دروازہ نہیں کھول رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ نے فرمایا دروازہ کھولدو۔ پھر سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سامنے آئے اور حضورؐ نے حضرت عمرؓ کے دونوں بازو پکڑ کر۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کی کمر پکڑ کر دبایا اور فرمایا اے عمرؓ اگر خیریت کے ساتھ آئے ہو تو میں تم سے اپنا ہاتھ کھینچ لوں اور اگر جنگ کے ارادہ سے آئے ہو تو میں تمہیں ہلاک کر دوں۔ جب حضرت عمرؓ نے حضورؐ سے یہ کلام سنا تو ان کا جوڑ جوڑ لرزنے اور کانپنے لگا انہوں نے اپنا سر حضورؐ کے آگے جھکا دیا۔ اور کہنے لگے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ حضورؐ نے خوش ہو کر تکبیر فرمائی اور صحابہ نے بھی خوشی میں بلند آواز سے تکبیر کہی۔ چنانچہ اس تکبیر کی گونج قریش کے مجمع میں پہنچی اس وقت حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کفار تو لات و عزیٰ کی علی الاعلان پرستش کرتے ہیں اور آپ دین کو چھپا کر رکھتے ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت حمزہؓ، حضرت علی مرتضےٰؓ کے ساتھ خانہ کعبہ کی طرف چلدیئے۔ اور حضرت عمرؓ نے ضرب و حرب سے کفار کے مجمع کو خانہ کعبہ کے گرد و نواح سے دور کیا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ اور صحابہ کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اے نبی تمہیں اللہ کافی ہے۔ اور وہ مسلمان جو آپ کی پیروی کرتے ہیں) اسی وقت نازل ہوئی تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو جبریل علیہ السلام نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے حاضر ہو کر کہا کہ آسمان والے حضرت عمر کے اسلام لانے پر مبارک باد عرض کرتے اور اظہار خوشی و مسرت کرتے ہیں۔ (رواہ ابن ماجہ)

## قریش کا عہد نامہ لکھنا اور شعب ابوطالب میں مقید ہونا وغیرہ

وصل ۱۔ نبوت کے ساتویں سال میں جب قریش نے دیکھا کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے مسلمان لانے سے دین اسلام کی عزت و قوت بڑھ گئی ہے اور صحابہ حبشہ کی جانب جا رہے ہیں اور اسلام

قبائل عرب میں پھیلتا جارہا ہے تو ان کے حسد و عداوت کی آگ بھڑکی اور وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل و ہلاکت میں کمربستہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن چونکہ حضورؐ، حضرت ابوطالب کی حمایت اور کفالت میں تھے اس لئے ان کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ آپ پر دست ستم دراز کریں، وہ ابوطالب کے پاس آئے ان سے کہنے لگے کہ "یا تو آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دیں یا ہم سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جائیں یا پھر اُن سے کہیں کہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا نہ کہیں۔" ان کے جانے کے بعد ابوطالب نے حضورؐ کو بلایا اور آپؐ سے کہا کہ "آپؐ کی قوم آئی تھی اور ایسا کچھ کہہ رہی تھی۔ اب آپؐ اپنی جان کو بخشئے کیوں کہ ہم اور آپ ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔" اس پر سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے چچا! کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ میں آپ کی حمایت کے بھروسہ پر ایسا کر رہا ہوں۔ ایسا نہیں ہے، بلکہ میرا حامی میرا رب تعالیٰ ہے۔ اور میں اس کے حکم سے اس وقت تک ایسا کرتا رہوں گا جب تک کہ یہ کام آخر تک نہ پہنچے۔ میں اس کام سے نہ ہاتھ روک سکتا ہوں اور نہ اپنے پاؤں پر بیٹھ سکتا ہوں۔ اگر آپ میری تقویت فرما سکیں اور نہ میری موافقت کر سکیں تو یہ آپ کی سعادت و نیک بختی ہے۔ ورنہ نصرتِ الٰہی اور تائیدِ آسمانی میرے لئے کافی ہے۔" یہ فرما کر ان کی مجلس سے کھڑے ہو گئے۔ ابوطالب کو حضورؐ کی ان باتوں سے گونہ تقویت و ہمت پیدا ہوئی اور کہنے لگے "آپؐ اپنا کام کئے جائیے۔ رب کعبہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں آپ کو کوئی پابند نہیں کر سکے گا۔ اور کوئی آپؐ کے دستِ مبارک کو باز نہ رکھ سکے گا۔" اس ضمن میں ایک شعر کہا جس کا مضمون یہ ہے کہ "خدا کی قسم! کبھی بھی آپ کی طرف کوئی اپنی قوت کے ساتھ نہ دیکھ سکے گا جب تک کہ میں مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں۔ آپؐ اپنے دین کو علی الاعلان پھیلائیے اور کوئی اندیشہ نہ کیجئے اور خوش رہیئے اور اس کی وجہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھئے۔"

اس کے بعد ابوطالب نے بنی ہاشم کو جمع کیا مطلب کی اولاد نے بھی ان کے ساتھ اتفاق کیا۔ نسلی و خاندانی عصبیت کے لحاظ سے سب کے سب (اگرچہ کچھ ان میں سے کافر تھے) جاہلیت کی عادت کے بموجب اپنی گھاٹی میں حضورؐ کے ساتھ داخل ہو گئے۔ مگر ابولہب داخل نہ ہوا اگرچہ یہ بنی ہاشم میں سے تھا تمام قریش نے اپنے درمیان عہد باندھا کہ ہم میں سے کوئی بنی ہاشم اور بنی المطلب سے، شادی بیاہ، خرید و فروخت، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا، اور گفت و شنید نہ کرے گا۔ اور مکمل مقاطعہ و بائیکاٹ کریں گے۔ اور وہ اس سرزمین سے کسی قسم کا فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ انہوں نے بازار والوں سے یہ عہد لیا کہ کوئی چیز ان کے ہاتھ فروخت نہ کی جائیگی کبھی ایسا ہوتا کہ حج کے زمانہ میں گرد و نواح سے آنے والے لوگ اگر ان کے ہاتھ کچھ فروخت کرتے تو وہ انھیں بھی روکتے تھے اور وہ سامان خود بیش قیمت دے کر خرید لیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ایک "عہد نامہ" لکھا اور مہر کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا کہ ان کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی مگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے

قتل پر کہتے ہیں کہ جس ہاتھ نے اس "عہد نامہ" کو لکھا تھا وہ شل ہو گیا تھا۔ کیا خوب کسی نے کہا ہے۔ بیت

یار گو دوست شود، جملہ جہاں دشمن باش بخت گو پشت مدہ، روئے زمین لشکر گیر

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

کفار چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھادیں مگر اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے چاہے کافر برا مانیں' یہ واقعہ نبوت کے ساتویں سال ماہ محرم کی چاندرات کو واقع ہوا تین سال اسی حالت میں گزر گئے۔ اور جب تنگی وعسرت حد سے گزر گئی تو قریش کی وہ جماعت جو بنی ہاشم اور بنی المطلب کے ساتھ قریبی قرابت رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نرمی وشفقت ڈالی کہ اس عہد کو توڑ ڈالیں اور اس ظالم وقاطع "عہد نامہ" کو پرزے پرزے کر دیں۔ قریش کے درمیان نزاع وخصومت واقع ہونے کے بعد انہوں نے اس پر اتفاق کیا کہ اس "عہد نامہ" کو سامنے لایا جائے۔ ابوطالب نے اس وقت بتایا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے دیمک کو اس عہد نامہ پر مقرر کیا ہے کہ ظلم وجور اور قطعیت کی عبارت کو چاٹ جائے اور خدا اور رسول کے نام کو باقی رکھے۔ اگر ان کی یہ بات جھوٹی نکلے تو ان کے ساتھ جو چاہو کرنا اور اگر یہ خبر سچی ہو تو یہی کافی ہے کہ اس عہد نامہ کا مضمون ناپید ہو گیا۔ پھر عہد نامہ کھولا گیا تو وہ ویسا ہی برآمد ہوا جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ قریش شرمندہ ہوئے اور اپنے منہ لٹکا دیئے۔ اس کے باوجود ابوجہل اور اس کے پیروکار چیختے چلاتے رہے کہ "عہد نامہ" کو نہ توڑا جائے۔ ابوطالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور دعا کی اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَقَطَعَ اَرْحَامَنَا وَاسْتَحَلَّ مَا يُحَرِّمُ عَلَيْنَا۔ اے خدا ہماری، ہمارے ظالموں پر مدد فرما، اور قطع رحمی کو دور فرما اور جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اس کو حلال بنا" پھر اپنی گھاٹی میں لوٹ گئے۔ قریش کی وہ جماعت جو عہد نامہ کو ختم کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ غالب ——— شعب ابی طالب میں داخل ہوئی اور بنی ہاشم اور بنی مطلب کو باہر نکالا اور ان سب کو اپنے اپنے گھروں میں ٹھیرایا۔ مخالفین کچھ نہ کر سکے۔ یہ صورت حال نبوت کے دسویں سال میں واقع ہوئی۔

اسی دسویں سال فارس وروم کے درمیان جنگ واقع ہوئی جس میں فارس کو فتح حاصل ہوئی۔ جب یہ خبر عرب میں پہنچی تو کفار قریش بہت خوش ہوئے اور مسلمانوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر کہنے لگے آج جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آئے ہیں اسی طرح کل ہم تم پر بھی غالب آئیں گے۔ یہ کفار اپنے بھائی سے مراد، فارس لیتے تھے کیوں کہ وہ صاحب ملت وکتاب نہیں تھے۔ اور مسلمانوں کے بھائیوں سے مراد، روم والے لیتے تھے کیوں کہ وہ اہل کتاب اور نصرانی ملت پر تھے۔ مسلمان ان باتوں سے کڑھتے اور ملول ہوتے

تھے۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی۔

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۙ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ

حق تعالیٰ نے خبر دی کہ اگرچہ اس سال فارس کے ہاتھوں روم مغلوب ہوگئے ہیں مگر انجام کار چند سالوں میں وہ ان پر غالب آجائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی خبر پر اعتماد کرکے قریش سے فرمایا حق تعالیٰ تمہارے دلوں کو جنگ سے خوش نہیں کرے گا۔ خدا کی قسم ضرور بالضرور چند سالوں میں اہل روم اہل فارس کو مغلوب کرلیں گے۔ اس پر ابی بن خلف نے حضرت ابوبکرؓ کو جھٹلایا اور اُن سے شرط باندھی کہ تین سال تک اگر رومی، فارسیوں پر غلبہ پاگئے تو دس اونٹ میں تمہیں دوں گا ورنہ تم دینا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ حضورؐ کے پاس آئے اور سارا ماجرا عرض کیا۔ حضورؐ نے فرمایا جاؤ اونٹوں کی زیادتی کردو اور مدت میں بھی کچھ بڑھادو۔ یہ اس بناء پر ہے کہ "بضع" اس عدد کو کہتے ہیں جو تین سے دس تک ہو۔ اور چونکہ حق تعالیٰ نے مبہم ارشاد فرمایا تھا اور تعیین نہیں فرمائی تھی اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ تین کی تعیین نہ کی جائے۔ ممکن ہے کہ رومیوں کو تین سال میں غلبہ حاصل نہ ہو۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ تشریف لے گئے اور مدت نو سال مقرر کرکے فرمایا سَو۔ سَو اونٹ کو ایک دوسرے کا ضامن بناتے ہیں۔ چنانچہ روز بدر یا روز حدیبیہ خبر ملی کہ رومی، فارسیوں پر فتحیاب ہوگئے ہیں۔ روز حدیبیہ کی روایت زیادہ درست معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اس آیت کا نزول بعثت کے دسویں سال ہے اور صلح حدیبیہ ہجرت کے چھٹے سال ہے۔ لہٰذا نو سال درست بنتے ہیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی سے سو اونٹ اس کے ضمان سے حاصل کئے، جیسا کہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔ اور صاحب بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ اونٹ ابی کے وارثوں سے حاصل کئے کیونکہ ابی غزوۂ احد میں واصل جہنم ہوچکا تھا۔ منقول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سو اونٹ لیکر حضورؐ کے پاس آئے حضورؐ نے انہیں صدقہ کردینے کا حکم فرمایا۔ غالباً صدقہ کردینے کا حکم اس نعمت کے حاصل ہونے کے شکرانہ میں تھا۔ یا اس شبہ کی بناء پر کہ یہ مال شرط کا تھا۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ شرط لگانے کا قصہ جو قمار یعنے جوئے کے حرام ہونے سے پہلے کا ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک عقود فاسدہ مانند عقد ربا وغیرہ دارحرب میں یہ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جائز ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ اس آیت میں دو قرائتیں ہیں پہلی قرأت یہ کہ غُلِبَتِ بصیغۂ مجہول اور سَیَغۡلِبُوۡنَ بصیغۂ معروف ہے۔ اور یہ اسی قرأت پر مبنی ہے اور دوسری قرأت یہ ہے کہ غَلَبَتْ بصیغۂ معروف اور سَیُغْلَبُوْنَ بصیغۂ مجہول ہے۔ اس قرأت کے بموجب اس کے معنے یہ ہوں گے رومیوں کے فارسیوں پر غلبہ پانے کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں مغلوب ہوں گے۔ اور اس آیۂ کریمہ کے نو سال بعد وہ مغلوب ہوں گے

اور غلبہم حر کی اضافت، اول قرات کے بموجب از قبیل مصدر کی ہوئے مفعول ہو گی۔ اور دوسری قرات کے بموجب ہوئے فاعل ہو گی۔

## ۱۰ نبوی میں ابوطالب کی وفات

اسی سال یعنے نبوت کے دسویں سال ابوطالب نے وفات پائی۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب حضور کی عمر شریف کے انچاس[۴۹] سال آٹھ مہینے اور گیارہ دن گزرے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ سن دس نبوی کے نصف ماہ شوال ہے بعض کہتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال پہلے۔ اس وقت ابوطالب کی عمر ستاسی[۸۷] سال کی تھی۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی موت کے وقت فرماتے تھے کہ اے چچا کلمہ لاالہ الا اللہ، کہدیجیے میں روز قیامت آپ کو اس کلمہ کی بدولت شفاعت کر کے چھڑالوں گا۔ جب ابوطالب نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس کلمہ کے کہلوانے میں بڑی خواہش دیکھی تو کہنے لگے "اے میرے بھتیجے اگر مجھے قریش کا یہ ڈر نہ ہوتا کہ وہ میرے بارے میں یہ کہیں گے کہ یہ کلمہ موت کی بے صبری کے خوف کی بنا پر کہدیا ہے تو میں یہ کہہ کر آپ کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کر دیتا"۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ "اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ لوگ آپ کو میرے بعد طعنہ دیں گے اور کہیں گے کہ تمہارے چچا نے موت کے ڈر سے کلمہ پڑھ لیا ہے تو ضرور کہدیتا"۔

منقول ہے کہ ابوطالب نے چند اشعار کہے جس کا مضمون یہ ہے کہ "آپ نے مجھے دعوت اسلام دی اور میں جانتا ہوں کہ آپ ہمیشہ سے میرے ناصح اور خیر خواہ ہیں۔ اور یقیناً آپ کا فرمانا سچ ہی ہے اور آپ اس میں "امین" ہیں اور آپ نے ایسے دین کو ظاہر کیا ہے جسے میں جانتا ہوں کہ وہ دین ساری مخلوق کے دینوں سے بہتر و افضل ہے۔ اگر مجھے لوگوں کے برا بھلا اور ملامت کرنے کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً آپ مجھے قبول کرنے والا اور اسے ظاہر کرنے والا جواں مرد پاتے"۔

اس کے بعد قریش نے واویلا کرنا شروع کر دیا اور کہا اے ابوطالب کیا تم اپنے باپ دادا کی ملت اور اپنے بزرگوں، عبد المطلب، ہاشم، اور عبد مناف کے دین سے برگشتہ ہو رہے ہو؟ "ابوطالب نے کہا، "نہیں میں اپنے بزرگوں کی ملت پر ہوں"۔ اور وفات پا گئے۔

مروی ہے کہ ابوطالب نے بنی عبد المطلب کو اپنی موت کے وقت بلایا اور وصیت کی کہ "تم سب ہمیشہ نیکی اور بھلائی پر قایم رہنا اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بات سنو تو ان کی پیروی کرنا اور ان کی نصرت و اعانت کرتے رہنا تاکہ تم رشد و فلاح پاؤ"۔

مواہب لدنیہ میں ہشام بن سائب سے منقول ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو

انہوں نے قریش کے جوانوں اور ان کے بڑوں کو اپنے پاس بلایا اور ان کو وصیت کرتے ہوئے کہا "اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مخلوق میں بزرگی دی ہے۔ میں تم کو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ اس لئے کہ وہ قریش میں امین اور عرب میں صدیق یعنے سچے ہیں۔ اور ان میں ہر حسن وخوبی جمع ہے میں ان کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہوں بلاشبہ وہ ایسی بات لائے ہیں جن کو ہر دل تو مانتا ہے مگر زبانیں ملامت کے خوف سے انکار کر رہی ہیں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے فقیروں، درویشوں، عرب کے بادیہ نشینوں اور کمزور و ناتوان لوگوں کو کہ وہ سب ان کی دعوت قبول کرتے ان کے کلمے کی تصدیق کرتے اور ان کو اپنا بزرگ و رہنما جانتے ہیں، پھر قریش اور ان کے بڑوں کے سر جھک گئے ہیں۔ اور ان کے مکانات ویران ہو گئے ہیں ان کے کمزور، صاحب ثروت اور عظیم تر بن گئے ہیں اور جو ان میں بزرگ و بڑے تھے وہ ان میں ذلیل و خوار اور حقیر بن گئے ہیں اور جو ان سے بہت دور تھے وہ ان کے نزدیک نصیبہ ور اور بہرہ مند ہو گئے ہیں۔ بلاشبہ انہوں نے عرب کو خالص بنا دیا ہے اور اپنی محبت ان کے دلوں میں خوب رچا بسا دی ہے۔ اور وہ سب ان کی اطاعت و فرمانبرداری کر رہے ہیں۔ (یہ سب واقعات آئندہ رونما ہونے والے ہیں میں گویا اس وقت دیکھ رہا ہوں) تو اے گروہ قریش! تم ان سے محبت کرنے والے اور ان کی نصرت، وحمایت کرنے والے بن جاؤ۔ خدا کی قسم جو بھی ان کی پیروی کی راہ اختیار کرے گا اور ان کی متابعت کرے گا یقیناً وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ہو گا۔ اور کوئی نیک بخت ان کی سیرت و خصلت کا انکار نہیں کرے گا۔ اگر میں کچھ عرصہ اور زندہ رہا اور میری اجل میں کچھ تاخیر ہے تو یقیناً میں ان کی حفاظت وحمایت ہی کرتا رہوں گا اور ہر حادثہ و برائی کو ان سے دور رکھوں گا" یہ وصیت کی اور اس جہان سے رخصت ہو گئے۔

غرضکہ حضرت ابوطالب کا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اعانت و امداد، حمایت و رعایت کرنا اور آپ کی مدح وثنا کرنا، آپ کی شان کو بڑھانا اور آپ کے مرتبہ کو اونچا کرنا ان کے اشعار و اخبار میں بکثرت موجود ہے۔ اس کے باوجود علماء کہتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لائے اور مسلمان ہو کر اس جہان سے نہیں گئے۔ اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ گو انہوں نے زبان سے اقرار نہیں کیا مگر دل سے تصدیق کی اور ان کی جانب سے اذعان و قبول اور اطاعت وجود میں نہیں آیا۔ اور وہی تصدیق و اقرار معتبر ہے جو اذعان و قبول اور انقیاد تسلیم کے ساتھ شامل ہو جیسا کہ کتب کلامیہ میں تحقیق کی گئی ہے۔ اور احادیث و اخبار میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بجز اس روایت کے جو ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ وہ وفات کے وقت اسلام لائے۔ اور کہا کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت عباس رضؓ نے ان کی طرف نظر کی دیکھا کہ وہ اپنے لبوں کو جنبش دے رہے ہیں تو انہوں نے اپنے کان قریب کئے اور حضورؐ سے انہوں نے کہا کہ اے بھتیجے خدا کی قسم بلاشبہ میرے بھائی نے وہ

کلمہ پڑھا جس کلمہ کے پڑھنے کو آپ انہیں فرما رہے تھے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضور نے فرمایا "میں نے سنا ہے" اس کے باوجود صحیح حدیث میں ان کے کفر پر اس سے استدلال و اثبات کیا گیا ہے کہ ان کا آخری کلام "علیٰ ملۃ عبد المطلب" ہے۔ اور انہوں نے لا الٰہ الا اللہ نہیں کہا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً میں اس وقت تک تمہاری مغفرت مانگتا رہوں گا۔ جب تک مجھے اس سے منع کر دیا جائے۔ اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ۔ نبی اور ایمانداروں کو زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں

نیز مروی ہے کہ ابو طالب کے بارے میں نازل ہوا کہ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ۔ (بے شک آپ جسے بہت زیادہ چاہتے ہیں ہدایت پر نہیں لا سکتے لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے) صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ابو طالب کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ آپ کی حمایت کرتے اور آپ کی اعانت کرتے اور آپ کے بدلے میں اظہار غضب کرتے تھے تو کیا ان کو اسی کا کچھ صلہ ہے؟ فرمایا ہاں! میں نے ان کو جہنم کے طبقات اور اس کی گھاٹیوں میں پایا تو میں ان کو وہاں سے نکال لایا اب صرف ان کے پاؤں آگ میں ہیں جس کی حرارت دماغ تک پہنچتی ہے اور اس سے ان کا دماغ کھولتا ہے۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ ان کا دماغ ان کے پاؤں کی طرف میلان کرتا ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور نے فرمایا روز قیامت لوگوں میں از روئے عذاب سب سے ہلکا اور سبک ترین عذاب ابو طالب کے لئے ہے کہ صرف جوتیوں کی بندش تک آگ میں ہے جس سے ان کا دماغ کھولتا ہے اور یہ اس ضمن میں مروی ہو کہ کفار کے نیک عمل ان کے عذاب کی تخفیف کا سبب ہیں۔

روضۃ الاحباب میں بھی ابو طالب کے حالتِ کفر پر مرنے کے بارے میں خبریں مذکور ہیں۔ نیز منقول ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے حضور کی خدمت میں آکر عرض کیا "إِنَّ عَمَّكَ الشَّيْخَ الضَّالَّ قَدْ مَاتَ" بیشک آپ کے بوڑھے گمراہ چچا کی وفات ہو گئی ہے۔ حضور نے رو کر فرمایا انہیں غسل دو اور ان کی تجہیز و تکفین کرو۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ وہ حالت شرک میں مرے ہیں"۔ فرمایا "جاؤ انہیں زمین میں ڈھانپ دو"۔ اور یہ بھی فرمایا غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَرَحِمَهُ اللہ انہیں بخشے اور رحمت فرمائے۔ نیز منقول ہے کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے جنازے کے ہمراہ تشریف لے گئے اور فرمایا اے میرے چچا تم نے صلۂ رحمی کا حق ادا کر دیا، اور میرے حق میں تم نے کوئی کمی اور کوتاہی نہ کی اللہ

تعالےٰ تمہیں اس کی جزائے خیر دے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کا قصہ غرابت و ندرت سے خالی نہیں ہے۔ اور اسی طرح سے مروی ہے کہ جب قریش نے مزاحمت و مخاصمت کا اظہار کیا تو ابو طالب نے کہا میں عبد المطلب، ہاشم اور عبد مناف کی ملت پر مرتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا عبد المطلب اور ان کی قوم سب آگ میں ہیں اور علماء متاخرین اثبات کرتے ہیں کہ حضورؐ کے تمام آباؤ اجداد، شرک و کفر کی نجاست سے پاک وصاف ہیں۔ کم از کم اتنا تو لازم ہے کہ اس مسئلہ میں توقف اور صرف نگاہ کریں (واللہ اعلم)

## سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت ابو طالب کی وفات کے تین یا پانچ روز کے بعد ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ ان کی اقامت حضورؐ کے یہاں پچیس ۲۵ سال رہی۔ حضورؐ اس سال کو "عام الحزن" یعنی "غمی کا سال" فرمایا کرتے تھے۔ اور گھر سے جسے "بیت الحزن" کہنا چاہئے بہت کم نکلتے تھے۔ کفار نے پہلے سے بہت زیادہ ظلم و جفا کی بنیاد رکھی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ام المومنین سیدہ سودہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے نکاح فرمایا۔ سیدہ سودہؓ بنت زمعہ قرشیہ عامریہ اور بیوہ تھیں۔ اور سیدہ عائشہؓ کنواری چھ سالہ تھیں۔ اور ہجرت کے بعد سیدہ عائشہؓ سے زفاف واقع ہوا۔ باقی حالات "از دواج مطہرات" کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک ابو لہب نے بحکم عصبیت لوگوں کے سامنے حضورؐ کی رسمی حمایت کا اظہار کیا لیکن جب اس نے سنا کہ حضورؐ فرماتے ہیں کہ عبد المطلب اور ان کی قوم کی جگہ دوزخ میں ہے تو وہ بیزار ہو گیا اور حضورؐ سے دستِ حمایت کھینچ لیا۔ اور کافروں کے ساتھ ایذا و ضرر پہنچانے میں شریک ہو گیا۔ حتیٰ کہ مکہ میں رہنا دشوار کر دیا۔ پھر حضورؐ دعوت اسلام کی خاطر قبیلہ بنی بکر بن وائل تشریف لے گئے حضورؐ نے وہاں پہنچکر دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا وہاں سے قبیلہ قحطان تشریف لے گئے انہوں نے ابتداء میں تو مہمان نوازی کی لیکن آخر میں وہ پشیمان ہو گئے۔ وہاں سے حضورؐ طائف اور ثقیف کی جانب متوجہ ہوئے۔ زیدؓ بن حارثہ اس سفر میں حضورؐ کے ہمرکاب تھے۔ ایک ماہ ثقیف میں رہے انہیں دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور غلاموں اور بچوں کو پیچھے لگا دیا کہ وہ ایذا و آزار پہنچائیں۔ وہ شور و غوغا کرتے اور گالیاں دیتے حضورؐ کے پیچھے چلتے اور پتھر مارتے تھے۔ یہاں تک کہ حضورؐ کا پائے اقدس خون سے بھر گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہ بدنصیب، پتھروں کو پائے اقدس پر مارتے تو حضورؐ زمین پر آرہتے اور بیٹھ کر دستِ مبارک سے پاؤں کو تھام لیتے پھر کھڑے ہوتے اور جب چلتے تو پھر پتھر مارتے اور ہنستے۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ خود کو حضورؐ کا سپر بنائے رہتے یہاں تک

کہ ان کا بھی سر پھٹ گیا۔ بیت

روز اغیار وا ز دیوار سنگ یار می آید      بلائے دردمنداں از در و دیوار می آید

اَلْبَلَاءُ عَلٰی قَدْرِ الْوَلَاءِ اَلْاَنْبِیَاءُ اَشَدُّ بَلَاءً ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ محبت و دوستی کے اندازے پر بلائیں ہوتی ہیں۔ آزمائش و امتحان کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ شدائد میں ہیں۔ پھر جو ان کے مشابہ ہیں وہ اس میں زیادہ مماثل ہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا روز احد سے زیادہ سخت و شدید دن آپ پر کوئی اور بھی آیا ہے؟ فرمایا بلاشبہ تمہاری قوم کی جانب سے مجھ پر سخت سے سخت مصائب و آلام توڑے گئے لیکن ان کی جانب سے جتنا کہ روزِ عقبہ (سفر طائف کے وقت) پہنچا ہے جس وقت میں عبدیا لیل بن کلال کے سامنے آیا اور منصب جلیل ظاہر کر کے اسے دعوتِ اسلام دی تو اس نے اس کو قبول نہ کیا۔ میں چل دیا در آنحالیکہ میں بہت مغموم و محزون اور بیخود تھا۔ اور "قرن الثعالیب" میں پہنچنے تک مجھے ہوش نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ کئے ہوئے ہے پھر میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام ہیں۔ انہوں نے مجھے مخاطب کیا اور کہا حق تعالیٰ نے تمہاری قوم اہل مکہ وغیرہ کی حرکتیں اور باتیں ملاحظہ فرمائی ہیں یعنی جو انہوں نے جواب دیا اور بدسلوکی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں "ملک الجبال" یعنے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے اسے آپ کا تابع فرمان کر دیا ہے کہ جو چاہیں آپ اسے حکم فرمائیں۔ اس کے بعد ملک الجبال نے مجھے مخاطب کیا اور سلام عرض کیا اور کہا حق تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتیں سنی ہیں۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ دنیا جہان کے پہاڑ میرے قبضہ و اختیار میں ہیں۔ اور مجھے آپ کی خدمت میں حق تعالیٰ نے بھیجا ہے تاکہ آپ جو چاہیں مجھے حکم فرمائیں۔ اگر آپ حکم فرمائیں تو میں ان پر "حسین" کو (یہ دو پہاڑوں کے نام ہیں ان کے درمیان مکہ بستی ہے) اٹھا کر انہیں کچل کر ہلاک کر دوں؟ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں چاہتا کہ انہیں نیست و نابود کیا جائے بلکہ میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو اس کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں گے۔ ابن الیل طائف کے سرداروں میں سے تھا۔ اور قرن الثعالیب ان مقامات کے نام ہیں جو اہل نجد کا میقات ہے اور اسے "قرن المنازل" بھی کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ طائف میں حضورؐ کی اقامت دس روز رہی اور روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک روایت کے مطابق حضورؐ ایک ماہ تک رہے تھے۔ (واللہ اعلم)

## جنات کی بیعت

وصل:۔ جب اہل طائف نے حضورؐ کی دعوت کو قبول نہ کیا تو حضورؐ نے اس پریشانی اور مصیبت کی حالت میں مکہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ راستہ کے کنارے ایک

باغ میں پہنچے جب اس باغ کے محافظ و نگہبان نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر پریشانی کا اثر دیکھا تو ان کی رگِ رحم حرکت میں آئی اور انگور کا ایک خوشہ اپنے نصرانی غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا حضورؐ کی خدمت میں بھیجا جب حضورؐ نے انگور کا خوشہ کھانے کے لئے دست مبارک رکھا تو بسم اللہ پڑھی۔ اس پر عداس نے حضورؐ کی طرف دیکھا، اور کہنے لگا خدا کی قسم میں نے اس طرف کے لوگوں کے منہ سے ایسا کلمہ نہیں سنا۔ حضورؐ نے عداس سے دریافت فرمایا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں نصرانی ہوں اور نینوا کا رہنے والا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا تم مرد صالح حضرت یونسؑ بن متی کے قریہ کے رہنے والے ہو عداس نے کہا آپ حضرت یونسؑ کو کیسے جانتے اور پہچانتے ہیں؟ فرمایا وہ میرے بھائی اور میری مانند خدا کے نبی ہیں۔ عداس نے کہا آپ کا نام کیا ہے۔ فرمایا میرا نام محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہے عداس نے کہا میں نے مدت سے آپ کا نام دیکھا ہے اور آپ کی تعریف میں نے توریت میں پڑھی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مکہ میں مبعوث فرمائے گا۔ مکے والے آپ کی اطاعت نہ کریں گے اور آپ کو نکال دیں گے بالآخر آپ کی مدد ہوگی اور آپ کا دین روئے زمین پر پھیلے گا۔ اس کے بعد عداس نے آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور حضورؐ کے دونوں قدمہائے مبارک کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ اور مسلمان ہوگیا۔ وہ دعائیں جو حضورؐ نے اپنے اس ضعف و ناتوانی اور پریشان حالی میں مانگی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے جس میں امت کے درماندوں اور بیچاروں کے لئے تلقین و ہدایت ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْ اِلَیْکَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ
قِلَّۃَ ضَیْفِیْ وَھَوَانِیْ لِھٰذَا الْمَخْلُوْقِیْنَ اَنْتَ
اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ وَاَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ
وَزِنِیْ اِلٰی مَنْ یَکِلُنِیْ اِلٰی عَدُوٍّ بَعِیْدٍ تَجَھَّمَنِیْ
وَمَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَکَ بِیْ غَضَبٌ
فَلَا اُبَالِیْ وَلٰکِنْ عَافِیَتَکَ اَوْسَعُ لِیْ اَعُوْذُ
بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ بِہِ الظُّلُمَاتُ
وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ یُّنْزِلَ
بِیْ غَضَبَکَ وَیَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُکَ لَکَ الْعُتْبٰی
حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِکَ۔

اے میرے رب! میں تجھ سے اپنی قوت کی کمزوری، اپنے حیلہ کی کمی اور مخلوق کی طرف سے اپنی رسوائی کی شکایت کرتا ہوں تو ہی ارحم الراحمین اور تو ہی کمزور اور ناتوانوں کا رب ہے۔ تو نے مجھے ایسے دور دراز کے دشمنوں کے حوالہ کر دیا ہے۔ جو میری شکل دیکھتے ہی غصہ میں آجاتے ہیں۔ ایسوں کے لئے تو نے مجھے مالک بنایا ہے اگر یہ تیرا غضب میرے لئے نہیں ہے تو مجھے کوئی فکر و اندیشہ نہیں کیونکہ تیری عافیت بہت وسیع ہے۔ میں تیرے اس وجہ کریم کے نور کی پناہ چاہتا ہوں جو تاریکیوں کو چھانٹتا ہے اور دنیا و آخرت کے کاموں کی اصلاح فرماتا ہے اس بات سے کہ تیرا غضب مجھ پر ہو اور تجھے حق ہے کہ اپنی رضا و خوشنودی کے لئے سختی و عتاب فرمائے تیرے سوا کسی کی قوت و طاقت نہیں ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب ابو طالب نے وفات پائی تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پاپیادہ طائف تشریف لے گئے اور طائف والوں کو دعوتِ اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا آپؐ مغموم و محزون حالت میں واپسی پر ایک درخت کے نیچے تشریف فرما ہوئے اور دو رکعت ادا کر کے دعا مانگی اللھم انی اشکو الیک آخر تک) احادیث و سیر کی کتابوں میں یہ دعا مذکور ہے۔

واپسی میں حضورؐ "وادی نخلہ" میں پہنچے (وادی نخلہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے) وہاں آپؐ نے ایک شب قیام فرمایا جب آپؐ نے رات میں نماز کے لئے قیام فرمایا تو شہر نصیبین (جو ملک شام میں ہے) کے سات جن اور ایک روایت میں نو جنوں نے آپؐ کی تلاوتِ قرآن کی آواز سنی اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے کے بارے میں وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ کی آیۃ کریمہ اس طرف مشیر ہے۔ جب حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو جنات کی یہ جماعت حضورؐ کے سامنے ظاہر ہو کر آئی۔ حضورؐ نے انہیں ایمان کی دعوت دی۔ اور وہ ایمان لے آئے اور حضورؐ کے حکم سے اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ جب وہ اپنی قوم میں پہنچے تو انہوں نے کہا یَا قَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی کذا فی روضۃ الاحباب۔ مواہب لدنیہ میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہا سے کچھ اور ہی روایت منقول ہے جسکے مطابق جنات کے کچھ لوگوں نے قرآن کریم سنا لیکن وہ حضورؐ کے سامنے ظاہر ہو کر موجود نہ ہوئے اور اس مرتبہ انہوں نے صرف قرآن کی سماعت پر ہی اکتفا کیا۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف گئے اسکے بعد فوج در فوج جنات کی قوم آنے لگی۔ اور ٹولیوں کی ٹولیاں بنکر قرآن کریم سننے کے لئے آتیں اور ایمان لاتیں رہیں۔ مگر وہ ظاہر ہو کر سامنے نہیں آئے نادیدہ مسلمان ہوئے۔ منقول ہے کہ حرم کے نزدیکی درختوں میں سے ایک درخت نے حضورؐ سے کلام کیا اور اس نے خبر دی کہ یا رسول اللہؐ جنات کی قوم آپ سے ملاقات کیلئے آئی ہوئی ہے جو مقام "حجون" میں ٹھہری ہوئی ہے حجون ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کی بلندی میں واقع ہے۔ حضور اکرمؐ ان کے استقبال کیلئے مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت ابن مسعودؓ کو اپنے ہمراہ لیا۔ اور مقام حجون" پہنچے جب آپؐ حجون کی کھائی میں اترے تو اپنی انگشت مبارک سے زمین پر ایک دائرہ کھینچا اور حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا اس دائرے سے باہر قدم نہ نکالنا تاکہ کوئی آفت تمہیں نہ پہنچے۔ پھر حضورؐ نماز میں مشغول ہوئے اور نماز میں سورۂ طٰہٰ کی تلاوت فرمائی ایک روایت میں بارہ ہزار اور ایک روایت میں چھ ہزار جنات حضورؐ کی خدمت میں موجود تھے۔ نماز کے بعد ان سب کو دعوت اسلام دی اور سب مسلمان ہو گئے۔

مروی ہے کہ جنات کی قوم نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے نبوت پر گواہی مانگی تو ایک درخت کو جو اس وادی کے کنارے کھڑا تھا حضورؐ نے اپنے قریب بلایا وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں صلے اللہ علیہ وسلم۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنات نے اپنے اور اپنے جانوروں کے کھانے کے لئے مجھ سے توشہ مانگا ہے۔ اس پر حضورؐ نے جنات کے لئے استخواں یعنے ہڈیاں اور ان کے چوپایوں کے لئے سرگین مقرر فرمائی۔ اور حضورؐ نے جنات سے فرمایا جب تم ہڈیوں کو لے کر خدا کا نام لوگے تو حق تعالیٰ اس پر اتنا گوشت پیدا فرمادے گا کہ تم سیر ہو جاؤ گے اور جب تم اپنے چوپایوں کے لئے سرگیں لوگے تو حق تعالیٰ اس میں دانے اور غلے پیدا فرمادے گا۔ اسی بنا پر شریعت میں ہڈی اور سرگین سے استنجا کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم طائف سے مکہ مکرمہ واپس ہوئے تو آپ یکایک مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے مبادا کہ مکہ والوں نے طائف اور ثقیف کے لوگوں کی حرکتیں اور ان کی شناعتیں اور حماقتیں نہ سن لی ہوں۔ اور وہ بھی ویسی ہی بدسلوکی کرنے لگیں۔ حضورؐ نے پہلے کسی کو قریش کے قبائل کی طرف امان وپناہ کے لئے بھیجا مگر کسی نے نہ مانا۔ یہاں تک کہ مطعم بن عدی نے اپنی امان وپناہ میں لینے کا وعدہ کیا۔ جب حضورؐ کو اس کی اطلاع ملی تو حضورؐ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے حجر اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ (زادہا اللہ تعظیما وتشریفا) اور دو رکعت نماز پڑھی (صلی اللہ علیہ وسلم۔)

## مدینہ منورہ سے قوم انصار کی آمد، ان کی بیعت اور ان کی طرف سے ہجرت کی ترغیب

**وصل:**۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نبوت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں منیٰ میں عقبہ کے قریب تشریف فرما تھے کہ مدینہ منورہ کے قریب، خزرج کا ایک گروہ حضورؐ کی خدمت میں آیا حضورؐ نے ان کو دعوت اسلام دی اور قرآن مجید سنایا۔ اور فرمایا کہ "حق تعالیٰ نے مجھے منصب رسالت عطا فرمایا ہے اگر میری متابعت کروگے تو دنیا و آخرت میں نیک بخت وسعادت مند رہوگے"۔ انہوں نے چونکہ مدینہ منورہ کے یہودیوں سے سن رکھا تھا کہ نبی آخر الزماں کے ظہور وبعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے جب انہوں نے حضورؐ کی باتیں سنیں اور آپ کے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے "خدا کی قسم یہ وہی نبی ہے جن کے بارے میں یہودی کہا کرتے ہیں اس وقت کو غنیمت سمجھو اور ان پر ایمان لے آؤ تاکہ مدینہ والوں میں سے کوئی تم پر سبقت نہ لے جائے" وہ سب مسلمان ہوگئے۔ یہ چھ اشخاص تھے۔ پورا قصہ ہجرت کے مبادیات میں آئے گا۔

نبوت کے بارہویں سال یعنے ہجرت سے ایک سال پہلے قصہ معراج پیش آیا۔ اس قصۂ شریفہ معظمہ کی تفصیل

حضورؐ کے فضائل کے باب میں پہلے گزر چکی ہے۔ نماز پنجگانہ کی فرضیت بھی اسی سال میں ہے اور یہ جو گزرا ہی کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا حضورؐ کے ساتھ نماز پڑھا کرتی تھیں وہ نماز پنجگانہ کے ماسوا تھیں اور یہ بات متحقق ہو چکی ہے کہ ابتدائے وحی میں ہی ان کے اول اور اس کے آخر میں نماز فرض ہوئی تھی لیکن نماز پنجگانہ کی فرضیت (معراج میں) بارہویں سال میں ہوئی اور سیدہ خدیجہؓ کی وفات دسویں سال میں ہوئی۔

# باب چہارم

## قضیہ ہجرت اور اس کے ابتدائی واقعات

نبوت کے تیرھویں[13] سال میں ہجرت اور اس کے ابتدائی واقعات رونما ہوئے جو تمام خیرات و برکات کے ابواب کی ابتدائی کنجی ہیں۔

**بعد آنکہ:۔** بعد از کثرت شرائع و احکام و بعد از شدت جہل و عداوت قریش نافرجام حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبب ایسا پیدا فرما دے جس کی بنا پر کوئی قوم ایسی مل جائے جو دین اسلام کی ناصر و مؤید اور اعدائے دین کے معارض و متصادم رہے۔ اس غرض سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم قبائل عرب کے ان میلوں اور مجمعوں میں تشریف لے جاتے جہاں وہ مجتمع ہو کر آتے تھے آپ وہاں جلوہ گر ہو کر اظہارِ دین اسلام اور تبلیغ رسالت میں مشغول ہوتے گو تمام قبائل عرب اس سعادت کا ادراک کرتے لیکن اس دولت کے حاصل کرنے میں متوقف و متردد رہتے اور کہتے کہ وہ لوگ جو آپ کے بہت نزدیکی ہیں اور آپؐ کے حالات سے بخوبی واقف و باخبر ہیں اگر وہ آپ کی اطاعت و پیروی میں سبقت کرلیں تو اوروں کو اصلاح احوال میں کسی قسم کا تردد و توقف نہ رہے گا۔

اسی دوران قبیلہ بنی اشہل کے کچھ لوگ بقصد حلیف بننے اور قریش سے معاہدہ کرنے مدینہ منورہ سے آئے ہوئے تھے۔ نبی کریمؐ نے انہیں دعوتِ اسلام دی تو ان میں کا ایک جوان جس کا نام ایاس بن معاذ تھا اپنی قوم سے کہنے لگا: "اے قوم! اس شخص کی بیعت کرلو خدا کی قسم اس شخص سے عہد کر لینا قریش سے عہد و حلف کے باندھنے سے زیادہ بہتر اور زیادہ اہم ہے"۔ ان میں سے ایک اور شخص جو ان کا سردار تھا اس سعادت کے پانے میں مانع آیا اور اس نے کہا "دیکھو اور انتظار کرو کیا ہوتا ہے"۔ اور لوگ بھی اس کے ڈر سے خاموش رہے

انہوں نے نہ تو قریش سے حلف باندھا اور نہ قبول کیا۔ توقف اختیار کر کے مدینہ کی جانب لوٹ گئے۔ اور ایاس بن معاذ نے زندگی کا سامان آخرت کے ساتھ باندھ لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو گئے تھے۔

اس کے بعد مسبب الاسباب رب العزت جل وعلا نے اپنا ارادہ اس سے متعلق فرمایا کہ حج کے موسم میں خزرج کی ایک جماعت مدینہ منورہ سے آئی ہوئی تھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف لے گئے اور فرمایا سارے جہان کے رب نے مجھے منصب رسالت سے سرفراز فرمایا ہے اور میری قوم الٰہی کی تبلیغ اور احکامِ دین کی اشاعت میں مانع آتی ہے اگر تم ایمان لاؤ اور دین کی اعانت کرو تو دنیا و آخرت میں سعادت و نیک بختی کو پہنچو گے۔ انہوں نے حضورؐ کا یہ کلام سن کر ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگے یہ وہی نبی آخر الزماں ہے جس کی خبر یہودی دیا کرتے ہیں اور ہمیں ڈرایا کرتے ہیں کہ نبی آخر الزماں کا آفتاب رسالت آج ہی کل میں طلوع ہونے والا ہے ہم ان کی حمایت کے سایہ میں تمہیں ہلاک کر دیں گے۔ اے قوم خبردار ہو جاؤ سبقت کر دار ایمان لاؤ تاکہ دنیا و آخرت کی سعادت کو حاصل کر سکیں۔ اور یہود کی طاقت کا ہاتھ تم سے کوتاہ رہے۔ پھر وہ بیعت اسلام کی سعادت پا کر اور سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصرت کا عہد قبول کر کے مدینہ منورہ کی طرف لوٹ گئے اس کو "بیعت عقبہ اولیٰ" کہتے ہیں کیونکہ منیٰ کی پہاڑی میں عقبہ کے قریب جسے جمرۃ العقبہ بھی کہتے ہیں پہلی مرتبہ بیعت واقع ہوئی۔ اس وقت اس جگہ ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے اس نوری بیعت کا قضیہ واقع ہوا۔ جس سے مشتاق غریبوں کے دلوں میں ایمان تازہ ہوتا ہے۔

عقبۂ اولیٰ کے اصحاب بقول اصح چھ حضرات ہیں۔ اسعدؓ بن زرارہ، جابرؓ بن عبداللہ انہیں میں سے ہیں۔ جب یہ جماعت مدینہ منورہ پہنچی تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کا مدینہ میں خوب چرچا ہوا۔ مدینہ منورہ کے مجالس اور بیوت آپؐ کے ذکر شریف سے منور ہو گئے اور دعوت اسلام کی اشاعت ہوئی یہ واقعہ گیارہویں سال کا ہے۔

آیندہ سال حج کے موسم میں قبیلہ اوس و خزرج کے بارہ حضرات مع مذکورہ چھ افراد کے اور ایک قول کے بموجب پانچ افراد کے جن میں حضرت عبادہؓ بن صامت اور عویمؓ بن ساعدہ بھی ان میں شامل تھے آئے تو اسی عقبہ کے قریب شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ اس جماعت میں سے ذکوانؓ بن عبد قیس زرقی نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوچ کیا اور حضورؐ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں ٹھہر گئے۔ پھر وہ حضورؐ کے ساتھ مدینہ منورہ آئے ان کو مہاجر انصاری کہتے ہیں۔ حضورؐ نے اس جماعت کی خواہش پر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ان کے ہمراہ کر دیا تاکہ وہ ان کو قرآن کریم اور دین کے مسائل سکھائیں۔ وہ ان کے ساتھ جماعت قایم کرتے تھے۔ اسی سال مدینہ منورہ میں جمعہ کی اقامت واقع ہوئی۔ اور حضرت مصعبؓ بن عمیر انصار کی مدد سے

دعوت اسلام کے اظہار اور احکامِ شرع کے بیان میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک دن بنی عبد الاشہل کے ایک باغ میں اہل مدینہ کی ایک جماعت کے سامنے تلاوت قرآن کریم اور احادیث رسول رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم بیان کر رہے تھے کہ کسی نے سعد رضؓ بن معاذ کو جو اکابر قوم میں سے تھا اور اسعد رضؓ بن زرارہ کے ماموں کا بیٹا تھا اس کی خبر بھیجی۔ سعد رضؓ بن معاذ اس خبر کو سنتے ہی ہاتھ میں نیزہ پکڑ کر اس باغ کے دروازہ پر آکر کھڑا ہو گیا۔ اور امیروں کی طرح غرور و تکبر کی روش اختیار کر کے کہنے لگا، کیا بات ہے یہ درماندہ مسافر نادانوں اور بے سمجھوں کو راہ سے بھٹکاتا ہے کس نے اسے ہمارے باغ میں لا کر کھڑا کیا ہے۔ اس سے کہدو اگر آئندہ اس جگہ آیا تو اپنی سزا کو پہنچے گا۔ اس کے بعد وہ جماعت درہم برہم ہو گئی۔ دوسرے دن حضرت مصعب بن عمیرؓ حضرت اسعد رضؓ بن زرارہ کے ساتھ اسی جگہ کے قریب دعوتِ اسلام اور تلاوت قرآن کر رہے تھے کسی نے پھر سعد رضؓ بن معاذ کو خبر پہنچائی اس نے آکر پھر انکار کی روش اختیار کی لیکن اب اتنی شدت و گرمی نہ تھی جتنی ایک دن پہلے تھی حضرت اسعد رضؓ بن زرارہ نے جو قدرے نرمی کو دیکھا تو وہ اس کے سامنے آگئے اور کہا "اے میرے ماموں زاد بھائی! پہلے اس شخص کی بات سنو کہ کیا کہتا ہے اگر برا کہتا ہے اور گمراہی کا راستہ دکھاتا ہے تو جو چیز اس سے بہتر اور زیادہ راہ راست پر ہو اسے بتاؤ۔ اگر نیک بات کہتا ہے اور راہِ ہدایت دکھاتا ہے تو کیوں تم اسے برا کہتے ہو اس کے وجود شریف کو غنیمت تصور کیوں نہیں کرتے"۔ اس پر سعد رضؓ بن معاذ نے کہا "کہو کیا کہتے ہو"، تب حضرت مصعب رضؓ بن عمیر نے یہ سورۃ پڑھی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

آخر سورۃ تک۔ (قسم ہے کتاب مبین کی بیشک ہم نے قرآن عربی میں نازل کیا تاکہ تم سمجھو) سعد بن معاذ ان کلمات عظیم البرکات کو سن کر لرزنے لگا اور اس کا رنگ فق ہو گیا۔ اگرچہ فی الحال اظہار شہادت نہ کیا لیکن نور ایمان اس کے دل میں جاگزیں ہو گیا یہاں تک کہ وہ اپنی قوم میں آیا اور تمام قبیلہ والوں کو بلایا۔ خود بھی ایمان لایا اور ان سب کو مسلمان بنایا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حسب ارشاد سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم احکام و شرائع سکھانے کے بعد انصار کی ایک کثیر جماعت لیکر مشرکین حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ سید کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ جماعتِ اوس و خزرج کے پانچ سو، ایک روایت میں تین سو اشخاص پر مشتمل تھی۔ جن میں سے ایک قول کے بموجب ستر مرد اور ایک روایت میں تہتر ۷۳ مرد اور دو عورتیں تھیں ان سب نے ایام تشریق کی راتوں میں "عقبہ" میں جمع ہونے اور مل جل کر بیٹھنے کا اتفاق کیا۔ جب طے شدہ رات آئی تو یہ حضرات اپنے مشرک ساتھیوں سے خفیہ طور پر نکل کر عقبہ کے قریبی پہاڑ پر جمع ہو گئے اور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم

ے جمال جہاں آرا کے طلوع کا انتظار کرنے لگے۔ اور حضورؐ بھی اپنے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ جو ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے لیکن وہ حضورؐ کی محبت وشفقت اور اہتمام کی خاطر، اس مقام پر آئے۔ ایک قول یہ ہے کہ جماعت انصار کے آنے سے پہلے حضورؐ تشریف لائے ہوئے تھے۔ پھر حضورؐ نے اس جماعت کو بیعت اسلام سے مشرف فرمایا۔ اس وقت حضرت عباسؓ نے فرمایا اے قوم! تم جانتے ہو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم میں کس درجہ عزت وشرافت اور بزرگی رکھتے ہیں۔ ہم سب نے ہر چند حضورؐ کو اس سے باز رہنے کی کوششیں کیں لیکن انہوں نے ہماری بات نہ مانی۔ اور تم کو مجتمع اور متفق کرنے سے باز نہ آئے۔ اب اگر تم حضورؐ کے ساتھ وفائے عہد کا مصمم اور مضبوط عزم رکھتے ہو اور تم اپنی جانوں پر مکمل اعتماد و بھروسہ رکھ کر ان سے عہد ومیثاق میں مستحکم ومؤکد موافقت کرتے ہو کہ خواہ کچھ بھی حالات درپیش آئیں۔ حضورؐ کے ساتھ وفا کریں گے جیسا کہ وعدہ کر رہے ہو تو بہتر ہے ورنہ ابھی کہہ دو تاکہ تم کو بعد میں پشیمانی اور شرمساری نہ اٹھانی پڑے اور اپنی دشمنی عداوت کا تم کو نشانہ نہ بننا پڑے۔ انصار کی جماعت نے کہا "اے عباسؓ جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا اور جان لیا۔ یا رسول اللہ! آپ فرمائیے آپ ہم سے اپنے لئے اور اپنے رب العزت کے لئے جو بھی عہد لینا چاہیں ہم سے لے لیجئے۔" اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ آیات کریمہ تلاوت کر کے نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا۔ "خدا کا عہد یہ ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا جائے۔ اور میرا عہد یہ ہے کہ تبلیغِ رسالت میں میری اعانت ونصرت کی جائے۔ اور اس راہ میں کفار کی جانب سے جو بھی رکاوٹ درپیش آئے اس میں جہاد وقتال سے مقابلہ کیا جائے اور اپنے پاؤں پر نہ بیٹھا جائے۔" اور فرمایا "مجھ سے بیعت وعہد کرو کہ جو کچھ میں کہوں گا اسے سنو گے اور اس کی متابعت وفرمانبرداری کرو گے خواہ خوشی ومسرت کی حالت میں ہو یا مفلسی وکمزوری کی حالت میں تنگی وکشادگی کی ہر حالت میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرو گے اور امرِ معروف اور نہی عن المنکر بجالاؤ گے۔ حق بات کہو گے اور کسی ملامت کرنے والے کی بات سے نہ ڈرو گے اس پر قائم رہو گے کہ میری مدد کرو اور جب میں تم میں تشریف فرما ہوں تو میری حفاظت کرو جس طرح کہ تم اپنی جانوں، مالوں اور اولاد کی حفاظت کرتے ہو۔" اس پر انصار مدینہ منورہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے آباؤ اجداد کا مشغلہ حرب وقتال رہا ہے۔ لیکن ہمارے اور یہودیوں کے درمیان روابط اور دیرینہ حلف وعہد قائم ہے۔ اب ہم ان عہد ومواثیق کو ختم کرتے ہیں۔ مگر کہیں یہ صورت پیدا نہ ہو کہ جب حق تعالےٰ آپ کو فتح ونصرت اور غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہمیں تنہا چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف لوٹ جائیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تبسم کناں ہو کر فرمایا "ایسا نہ ہوگا میں تمہارے ساتھ اور تم میرے جان وتن کے ساتھ ہو میں اپنی زندگی بھر اپنے جان وتن کے ساتھ تمہارے ساتھ ہوں اور میری وفات بھی تم میں ہی ہوگی میری قبر انور بھی تم میں ہی ہوگی اور

تمہارے ہی گھروں میں رہوں گا۔ جو تم سے جنگ کرے گا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا اور جو تم سے صلح کریگا میں تمہارے ساتھ اس سے صلح کروں گا۔" انصار مدینہ منورہ عرض کرنے لگے "یارسول اللہ! اگر ہم آپ کی محبت و عقیدت میں اپنا جان و مال آپ پر قربان کریں تو اس کی جزا کیا ہوگی؟" فرمایا "اس کی جزا جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وہ جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں"۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگے رَبِحَ الْبَیْعُ بِسْمِ اللّٰهِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُبْسُطْ یَدَكَ فَقَدْ بَایَعْنَكَ "یہ سودا نفع بخش ہے بسم اللہ اے اللہ کے رسول! اپنا دست مبارک بڑھائیے اور ہماری بیعت قبول فرمائیے"۔ اور یہ آیہ کریمہ بھی اسی طرف اشارہ فرما رہی ہے کہ:-
اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ "بے شک اللہ نے مومنین کی جانوں کو ان کے اموال کے ساتھ جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے"۔ اس واقعہ کو "عقبہ کبریٰ" کہتے ہیں۔ ارباب سیر اس کو عقبہ ثانیہ کا نام دیتے ہیں۔ اور کلام قوم کے اقتضار کے بموجب اسے "عقبہ ثالثہ" کا نام دینا مناسب ہے۔ یہ واقعہ، نبوت کے تیرھویں سال ماہ ذی الحجہ میں ہجرت سے تین ماہ پہلے رونما ہوا۔ اور اس کے تین ماہ بعد ہجرت کا قصہ واقع ہوا۔ اور اس سے پہلے جو کچھ گزشتہ میں بیان ہوا وہ گیارہویں سال میں واقع ہوا تھا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ میں سے بارہ حضرات کا انتخاب فرما کر ان کو ان کا نقیب اور سردار مقرر فرمایا۔ تاکہ وہ ان کے احوال کے محافظ و نگہبان بنیں۔ یہ بارہ نقیب، انصار مدینہ کے رؤساء اور ان کے اکابر ہیں۔ ان میں سے ایک انصاری نے حضورؐ سے عرض کیا "یارسول اللہ اگر آپ فرمائیں تو ان مشرکوں کو جو آج منیٰ میں جمع ہیں تلوار کی دھار پر رکھ لیں اور سب کو بے دریغ قتل کر دیں؟" حضورؐ نے فرمایا "مجھے ابھی اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ تلوار سونتوں۔ اور مشرکوں کے ساتھ قتال کروں"۔ اس کے بعد انصار اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے اور سب نے عہد و پیمان کی پابندی کی (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

انصار مدینہ نے واپسی کے وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا "یارسولَ اللہ! اگر آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیں اور ہمارے شہروں کو قدوم میمنت لزوم سے سرفراز فرمائیں تو زہے سعادت۔ حکم، آپ کا ہی حکم ہے۔ آپ جو کچھ بھی فرمائیں گے ہم سب جان و دل سے بندۂ فرمان ہوں گے۔ اور ہر حکم کی تعمیل کریں گے"۔ حضورؐ نے فرمایا "مجھے ابھی مکہ سے نکلنے کا حکم نہیں ہوا ہے اور میری ہجرت کے لئے کوئی مقام متعین نہیں کیا گیا ہے جس وقت بھی حکم ہوا اور جہاں کے لئے بھی اشارہ ہوا ہجرت کروں گا"۔ یہ فرما کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ رضی اللہ عنہم کو وداع فرمایا۔ عالم تصور میں سوچنا چاہیئے کہ یہ وقت! جمعیت، حضورؐ و ذوق اور سرور کا کیسا وقت ہوگا۔ اس وقت حضورؐ اور اس ذوق و سرور پر ہماری جانیں قربان ہوں۔

جب کفار کو انصار مدینہ کی بیعت کی خبر ملی تو وہ حسرت سے سینہ پر ہاتھ مارنے لگے اور ذلت کی خاک سر پر ڈالنے لگے۔

## مبشرات ہجرت

وصل :۔ جب انصار مدینہ کے قبیلے عہد و قرار کرنے کے بعد اپنے اپنے مقامات پر لوٹ گئے تو سید کائنات فخر موجودات علیہ التحیۃ والتسلیمات بارگاہِ صمدیت جل وعلیٰ کیطرف متوجہ ہوئے تاکہ اختیارِ ہجرت و تعیین وقت اور تخصیص مقام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ معلوم ہو جائے، پہلا جو مقام آپ کو دکھایا گیا ان کی صفتیں دو تین مقاموں میں مشترک پائی جاتی تھیں جو بلادِ بحرین، ملک شام کے قریبی علاقے اور یثرب میں موجود تھیں۔ اور یہ سب زمین حجاز سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کے بعد مزید وضاحت اور مقام مخصوص متعین کر کے مدینہ منورہ کی جانب ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ اس اشتراک و ابہام کے بعد تعیین و تخصیص میں حکمت، زیادتی اکرام و اہتمام اور حصول مزید امتنان و احتشام تھا جس طرح کہ مہمانِ عزیز کو منازل متعددہ اور مقاماتِ متنوعہ دکھائے جاتے ہیں۔ اور اسے اختیار دیا جاتا ہے کہ جس جگہ اور جہاں چاہے قیام کرے' یا اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ خواب میں دکھایا گیا تھا اور خواب کی رویت کی صفائی' باعتبارِ اختلافِ احوال و اوقات' مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے (واللہ اعلم) چنانچہ احادیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ" میں مکہ سے نخلستان کی زمین کی طرف ہجرت کر گیا ہوں۔ اور میرا گمان کہتا ہے کہ وہ زمین یا تو یمامہ کی ہوگی یا مدینہ منورہ کی"! اور یہ بھی مروی ہے کہ" حضورؐ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ مجھے دکھایا گیا کہ تمہارا مقام ہجرت' دو پہاڑوں کے درمیان نخلستان یعنی مدینہ منورہ میں ہے"۔ روضۃ الاحباب میں ایسا ہی مذکور ہے' حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تعیین وقت اور میعادِ خروج کے سلسلہ میں ابھی تک توقف میں تھے لیکن حضورؐ نے بعض اصحاب کرام کو مدینہ طیبہ کی جانب ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی کچھ دنوں بعد اکثر صحابہ کرام مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہو گئے جیسے حضرت عمرؓ بن خطاب اپنے بھائی زیدؓ بن خطاب کے ساتھ اور عیاشؓ بن ربیعہ' بیس۲۰ اکابر صحابہ کرام کے سواروں کے ساتھ، حمزہؓ بن عبدالمطلب' عبدالرحمٰنؓ بن عوف' طلحہؓ بن عبیداللہ' عثمانؓ بن عفانؓ' زیدؓ بن حارثہؓ' عمارؓ بن یاسر' عبداللہؓ بن مسعود' اور بلالؓ وغیرہ۔

معارج النبوت میں علماء فرماتے ہیں کہ اکثر صحابہ کرام نے پوشیدہ طور پر ہجرت کی تھی مگر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے علی الاعلان ہجرت کی تھی۔ چنانچہ تلوار حمائل کر کے کمان ہاتھ میں لیکر اور نیزہ تھام کر کعبہ معظمہ میں داخل ہوئے حالانکہ قریش کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے خانہ کعبہ میں داخل ہو کر اس کے سات چکر لگائے۔ اور طواف ختم کر کے مقام ابراہیم میں دوگانہ پڑھا باطمینان وسکون ارکانِ نماز ادا کئے اور فرمایا ذلّت

کے وہ لوگ ناخوش رہیں جو پتھر کے ٹکڑوں کو اپنا معبود و خدا جانتے ہیں"۔ پھر فرمایا "جو چاہتا ہے کہ اپنے بچوں کو یتیم بنائے اور اپنی بیوی کو بیوہ کرے وہ میرے تعاقب میں آئے"۔ اس پر کسی کو جنبش کرنے کی طاقت نہ ہوئی اور کوئی شخص ان کے تعاقب میں نہ نکلا۔ مکہ مکرمہ میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام میں سے سوائے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضے رضی اللہ عنہما کے کوئی باقی نہ رہا جیسا کہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اعیان صحابہ اور اکابر و مشاہیر صحابہ میں سے بجز حضرت علی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کے کوئی باقی نہ رہا تھا ورنہ حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرما جانے کے بعد مشرکین مکہ نے ان کمزور و ناتواں صحابہ کرام پر جو حضور کے ساتھ نکلنے کی سکت نہیں رکھتے تھے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے اور قسم قسم کے عقوبات و آزار پہنچائے۔ نیز ان حضرات پر قرآن کریم ناطق ہے کہ کمزور و ناتواں صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں دعائیں مانگا کرتے تھے کہ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا۔

اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

حدیث مبارک میں ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی چاہا کہ اسباب سفر مہیا کر کے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حضور نے فرمایا "ٹھہر و! مجھے توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔ تو تم میرے ساتھ ہونا"۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور نے فرمایا "ابھی جلدی نہ کرو مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ اس سفر میں کسی کو میرا مصاحب بنائے"۔ اس کے بعد حضرت صدیق رض اس تمنا میں رہے کہ آپ کا مصاحب میں بنوں۔

جب مشرکین مکہ کو ترقی و کمال کے مبادیات اور انتظام مصالح احوال کے اسباب کا احساس ہوا اور انہوں نے صحابہ کرام کے مدینہ کی جانب کوچ کر کے چلے جانے کے نتائج پر غور کیا تو استدلال کیا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی یقیناً یہاں سے تشریف لے جائیں گے تو وہ شر اور فساد کے لئے مشورت و عناد کی طرف متوجہ ہوئے اس زمانہ میں ان اشرار کا سرخیل ابوجہل لعین تھا اور دیگر شیاطین بھی اس کے معاون بن گئے تھے ابلیس لعین بھی "شیخ نجدی" کی صورت میں ان کا ساجھی بن گیا تھا۔ وہ ان کی مجلس مشاورت میں آ کر بیٹھا تھا۔ اس وقت کسی نے تو حضور کو مکہ سے تشریف لے جانے میں مصلحت کا مشورہ دیا، کسی نے قید کر دینے کا مشورہ دیا اور کسی نے قتل و ہلاک کر دینے کی رائے دی جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے:

وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ۝

اے محبوب! اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ کفار آپ کے بارے میں خفیہ طور پر منصوبہ باندھ رہے تھے کہ یا تو آپ کو قید کر دیں یا آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو نکال دیں وہ

بھی خفیہ باتیں کر رہے تھے اور اللہ بھی ان کے مکر کا بدلہ دینے میں تدبیر فرمارہا تھا اور اللہ بہترین مکاروں کو بدلہ دینے والا ہے۔

ابوجہل نے منصوبہ بنایا کہ "پانچوں قبیلوں میں سے پانچ شخص لئے جائیں اور یہ پانچوں یکبارگی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر (معاذ اللہ) تلوار کی ضرب لگائیں۔ بنی ہاشم، ان متفرق قبیلوں سے قصاص و بدلہ لینے میں عاجز رہ جائیں گے"۔ شیخ نجدی (شیطان لعین) نے تمام رایوں کو کمزور قرار دیا اور ابوجہل کی رائے کو پسند کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان حالات کے مشاہدہ کے بعد اس ہجرت کا ارادہ فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تبارک وتعالےٰ کی جانب سے ہجرت کی اجازت، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کریمہ میں ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا ۝

اور یوں دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے مدد کا غلبہ دے۔

(پ۱۵ ع ۹)

ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر یہ حکم رب سنایا کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکَ بِالْھِجْرَۃِ اللہ تعالیٰ آپ کو ہجرت کرنے کا حکم فرماتا ہے۔

منقول ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا اور خود ہی اس کی تعبیر نکالی جو مکمل تھی آپ نے خواب کی تعبیر یہ نکالی کہ حضور اکرم اور آپ کے صحابہ مدینہ منورہ ہجرت کریں گے اور وہیں وفات پاکر مدینہ میں ہی مدفون ہوں گے۔ یہ خواب روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ صبح کے وقت ہجرت کر جائیں۔ تو شام ہی کو حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ آج رات تم یہیں سونا۔ تاکہ مشرکین شک وشبہ میں مبتلا ہو کر حقیقتِ حال سے باخبر نہ ہوں۔ لیکن اصل سبب حضرت علی مرتضیٰ رضی کو چھوڑنے کا یہ تھا کہ کفار قریش کی کچھ امانتیں حضور کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ چونکہ وہ باعتقادِ دیانت اور بمشاہدۂ امانت حضور کے پاس امانتیں رکھا کرتے تھے اور وہ حضور کو "محمد امین وصادق" کہا کرتے تھے۔ اس بنا پر حضور نے حضرت علی مرتضےٰ رضی کو اپنے بستر استراحت پر لٹایا اور اپنی خاص چادر مبارک اوڑھا کر انہیں سلایا۔ لہٰذا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے عشق ومحبت میں اپنی جان کو فدا کیا۔ اور اپنے آپ کو حضور پر قربان ہونے کے لئے

خود کو پیش کیا۔ اہل سیر فرماتے ہیں کہ آیۃ کریمہ :۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۔ کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی خوشنودی کی خاطر فروخت کیا۔ اور اللہ بندوں کے ساتھ بہت مہربان ہے۔

یہ آیہ کریمہ اسی ضمن میں نازل ہوئی ہے۔ اسی ضمن میں حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ کے چند اشعار بھی نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ؎

وَقَيْتُ نفس۔ خَيْرَ مَنْ وَّطِئَ الْحَصٰى وَمَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ وَبِالْحَجَرِ

میں نے خود اس شخص کو بچایا جو تمام ان لوگوں سے بہتر ہیں جس نے سنگریزوں کو روندا ہے اور جس نے خانۂ کعبہ اور حجر اسود کا طواف کیا ہے۔

رَسُوْلَ الٰهِ الْخَلْقِ اِذْ اَمَكَرُوْا بِهٖ فَنَجَّاهُ ذُو الطَّوْلِ الْكَرِيْمُ مِنَ الْمَكْرِ

خدا کے پیغبر کے ساتھ جب دشمنوں نے مکر کیا تو خدائے توانا و بزرگ نے ان کو اس مکر سے بچایا۔

وَبِتُّ اُرَاعِيْهِمْ مَتٰى يَنْشُرُوْنَنِيْ وَقَدْ وَطَّنْتُ نَفْسِيْ عَلَى الْقَتْلِ وَالْاَسْرِ

میں نے رات گزاری اور ان کو دیکھتا رہا کہ کب مجھ کو آپ کے بستر سے اٹھاتے ہیں اور حقیقت میں میرا نفس قتل اور قید ہونے پر آمادہ ہو گیا تھا۔

وَبَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِي الْغَارِ اٰمِنًا مُوَقًّى وَفِيْ حِفْظِ الْاِلٰهِ وَفِيْ سِتْرِ

اور پیغمبر خدا نے امن اور حفاظت کے ساتھ غار میں رات گزاری اور خدا کی نگہبانی اور پردے میں رہے۔

اَقَامَ ثَلٰثًا ثُمَّ زُمَّتْ قَلَائِصُ قَلَائِصُ يَفْرِيْنَ الْحَصٰى اَيْنَمَا يَفْرِيْ

تین روز اس میں ٹھہرے رہے پھر اونٹ تیار کئے گئے اور وہ اونٹ سنگستان طے کرتے تھے جہاں سے بھی گزرتے تھے۔

اَرَدْتُ بِهٖ نَصْرَ الْاِلٰهِ تَبَتُّلًا وَاَضْمَرْتُهٗ حَتّٰى اُوَسَّدَ فِيْ قَبْرِيْ

اس سے میرا مطلب دنیا سے بے تعلق ہو کر خدا کی مدد تھا اور اس کو میں اپنے دل میں رکھوں گا یہاں تک کہ اپنی قبر میں نہ رکھ دیا جاؤں۔

ان شعروں میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس سفر میں رفاقت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ بھی جان نثاری اور حفاظت کے موجب ہیں۔ اس سلسلہ میں علماء

کے مختلف اقوال ہیں کہ ان دونوں حالتوں میں شجاعت کے اعتبار سے کون کامل اور قوی تر ہے۔ حضرت علی مرتضٰے کی شجاعت یہ ہے کہ بالفعل اپنی جان کو قربان کیا اور فدیہ بنایا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی شجاعت وجرأت یہ ہے کہ حضورؐ کے رفیق سفر بن کر خود کو مہلکہ عظیمہ میں ڈال دیا۔ کیوں کہ اس وقت حضورؐ کے ساتھ اس سفر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے سوا کوئی شریک نہ تھا اس بارے میں بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بستر پر حضورؐ کی جگہ سونا زیادہ بہادری اور شجاعت ہے کیوں کہ اعدا دین تلواریں کھینچے قتل کرنے کے ارادہ سے دروازے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اور سفر کی رفاقت میں ہلاکت کا احتمال تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس جگہ بھی قریش کو مقدرت نہ تھی کہ حضرت ابوطالب کے فرزند پر حملہ کریں اور افسوس نہ کریں۔ کیوں کہ ابوطالب ان کے بزرگ اور سردار تھے۔ روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ سے فرمایا "اے علیؓ! دل کو مضبوط رکھنا یہ کفار تمہیں کچھ آزار نہ پہنچا سکیں گے"۔

نیز منقول ہے کہ حضرت علی مرتضٰے کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ ہماری شجاعت وجوانمردی کا مظاہرہ جنگ میں ہے کہ مارے جانے کا خوف دونوں جانب سے ہے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی شجاعت ایسی ہے کہ آپ ہمیشہ کفار قریش سے دست بگریباں رہے۔ باوجودیکہ کفار قریش کی عداوت، انتہائی جہالت وشدت کی تھی۔ اور کبھی اس کا لحاظ نہ کیا۔ ان کی شجاعت بہت اشد اور قوی تر ہے۔ (واللہ اعلم)

غرضکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت علی مرتضٰےؓ کو اپنے بستر استراحت پر لٹا کر سر مبارک پر چادر شریف لپیٹ کر اپنے کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ حق تعالیٰ نے کفار قریش کی آنکھوں کی بصارت لے لی اور کسی ایک نے بھی آپ کو باہر نکلتے نہیں دیکھا۔ حضورؐ نے ایک مشت خاک سورۂ یٰس کو فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ تک پڑھ کر ان کے چہروں کی طرف پھینکی۔ ایک روایت میں ہے کہ :۔ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا کو بھی زیادہ کر کے پڑھا تھا۔ اور آپ ان سب کے آگے سے نکلے چلے آئے۔

ابن حاتم کی روایت میں ہے جس کی تصحیح حاکم نے کی ہے کہ اس وقت جس جس کافر کے سر پر یہ خاک پڑی تھی وہ سب روز بدر ہلاک ہو گئے۔

ابوجہل لعین نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بر طریق استہزار کہا یہ کہتے ہیں کہ اگر تم میرے دین کے تابع ہو جاؤ تو ممالک عرب وعجم تمہارے ہو جائیں گے۔ اور بہشت بریں تمہاری

جگہ ہوگی۔ اگر تم میری پیروی نہ کروگے تو دنیا میں تم میرے ہاتھ سے مارے جاؤ گے اور آخرت میں تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ "ہاں! میں یہی کہتا ہوں اور ایسا ہی ہوگا اور تو بھی دوزخیوں میں سے ایک ہوگا۔ جیسا کہ مجھے اس کی خبر دی گئی ہے۔" اس کے بعد مٹھی بھر خاک لیکر ان پر پھینکی۔

اسی دوران ایک شخص کمر جھکائے کفار کی جماعت میں آیا اس نے کہا "یہاں کیوں کھڑے ہو کس کا انتظار ہے۔" کفار نے کہا "ہم صبح ہونے کا انتظار کر رہے ہیں تاکہ محمدؐ کو (خاک بدہن کفار) قتل کریں۔" اس نے کہا۔ "خرابی ہو تمہاری۔ کیا وہ محمدؐ نہ تھے جو تمہارے آگے سے نکلے چلے گئے۔" ابوجہل اور تمام کافر شرمندگی کی خاک سر پر ڈالنے لگے جب صبح ہوئی تو انہوں نے حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کو دیکھا وہ ان سے پوچھنے لگے تمہارے صاحب (آقا) کہاں تشریف لے گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَالِ رَسُوْلِہٖ اللہ تعالیٰ ہی اپنے رسول کا حال زیادہ جانتا ہے۔"

مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے باہر تشریف لے جاتے وقت "خرواہ" پر جو کہ حرم شریف کا ایک مقام ہے کھڑے ہو کر زمین مکہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "خدا کی قسم تیری زمین خدا کی تمام زمینوں سے زیادہ میرے نزدیک محبوب ہے اگر تیری زمین کے رہنے والے مجھے ہجرت پر مجبور نہ کرتے تو میں اس سے باہر نہ ہوتا۔" یہ حدیث اس جماعت کی حجت ہے جو مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کو افضل جانتے ہیں۔ اور دوسری جماعت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو افضل جانتی ہے اس لئے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب کو اس جگہ لے جاکر وہاں مقیم و آباد کرایا اور آثار و انوار اور فتوحات کے ظہور کا مبدا بنایا میں نے علماء کی اس بحث کی تفصیل جذب القلوب الی دیار المحبوب (جو مدینہ منورہ کی تاریخ ہے) بیان کردی ہے۔ اور دونوں طرف کے دلائل کو بیان کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی افضلیت کی ترجیح ثابت کی ہے وہاں دیکھنا چاہیئے۔[۱]

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوپہر کے وقت سخت گرمی کے سبب گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسی چلچلاتی دھوپ میں چادر مبارک لپیٹے تشریف لائے حالانکہ ایسے وقت میں گھر سے وہی نکلتا ہے جس کو کوئی شدید معاملہ درپیش ہو۔ حضرت

---

[۱] یہ کتاب "راحت القلوب" کے نام سے "مدینہ پبلشنگ کمپنی نے شائع کردی ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اس وقت آپ کا تشریف لانا کسی امر عظیم ہی کی بنا پر ہوگا کبھی آپ ایسے وقت تشریف نہیں لائے۔" حضور نے استیذان کرتے ہوئے فرمایا گھر میں جو بھی ہو اسے باہر کر دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔" یا رسول اللہ! آپ کی زوجہ کے سوا گھر میں کوئی اور موجود نہیں ہے"۔ اس کے بعد حضورؐ نے حکم ہجرت بیان فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ کیا ابوبکرؓ بھی خدمت میں رہے گا؟ فرمایا ہاں!"۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ نے فرمایا میں نے حضرت ابوبکرؓ کو اس خوشی میں روتے ہوئے دیکھا حالانکہ اس وقت تک میرا یہ گمان نہ تھا کہ کوئی خوشی میں بھی روتا ہوگا۔ مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کا خوشی سے رونے کا گمان کرنا بقرینۂ حال تھا۔ جسے انہوں نے ذوق کی بنا پر دریافت کیا۔ ورنہ وطن کے چھوڑنے کا غم واندوہ اور سید الابرار صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات پر محنت ومشقت کا بار پڑنے کا بھی غم موجود تھا (واللہ اعلم)۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دو اونٹ تھے جسے انہوں نے چار سو درہم میں خریدا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آٹھ سو درہم میں خریدا تھا۔ اور چار مہینہ پہلے سے اسے خوب چارہ پانی دے کر موٹا تازہ کر رہے تھے دونوں کو انہوں نے حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا تاکہ ان میں سے ایک حضورؐ قبول فرمائیں حضورؐ نے فرمایا میں نے اسے قبول کیا مگر اس کی قیمت لینی ہوگی۔ اور حضورؐ نے اس اونٹ کو نو سو درہم میں خرید لیا۔ حضرت ابوبکر سے اونٹ خریدنے میں ایک حکمت پنہاں تھی باوجودیکہ باہم انتہائی صدق واخلاص اور اتحاد و اتفاق موجود تھا اور اس سے پہلے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر بہت کثرت سے اپنا مال خرچ کر چکے تھے لیکن اس وقت حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ راہ خدا میں کسی اور سے استمداد واستعانت کریں جیسا کہ آیۂ کریمہ کے مفہوم کا اشارہ ہے کہ:۔ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا اپنے رب کی عبادت میں کسی کو اپنا ساجھی نہ بناؤ۔ اس اونٹنی کا نام بقول صحیح "قصوار" تھا۔ اور ایک قول کے بموجب "جدعا" تھا۔ اونٹ خریدنے کے بعد بنی دیل کے ایک شخص کو جس کا نام عبداللہ بن اریقط (بضم ہمزہ وفتح راء وسکون یاء) تھا اور جو رہبری میں ماہر اور رازوں کے چھپانے میں مشہور تھا اس کو راہبری کے لئے اجرت پر لیا۔ تاکہ وہ ۲ تین دن کے بعد ان دونوں اونٹوں کو "جبل ثور" کے قریب لے کر آجائے۔ وہ دین کفر میں تھا امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کا اسلام لانا معلوم نہ ہوا (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا بیعت عقبہ کے ۲ ماہ چند دن بعد ہوا۔ بعض نے ڈھائی ماہ کہا ہے۔ اور بعض نے تین ماہ یا اس کے قریب ماہ ربیع الاول میں جمعرات کا دن کہا ہے۔ لیکن

زیادہ صحیح یہ ہے کہ "دوشنبہ" کا دن تھا۔ ان دونوں روایتوں کی جمع و تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ مکہ مکرمہ سے نکلنا جمعرات کے دن ہوا۔ اور غار ثور سے کوچ کرنا دوشنبہ کے دن یا اس کے برعکس۔ یعنی مکہ مکرمہ سے نکلنا دوشنبہ کے دن اور غار ثور سے کوچ کرنا جمعرات کے دن ہوا ہو گا۔ یہ تاویل بہت سی روایتوں کے موافق ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ اس ہجرت کے راز کا علم، حضرت علی مرتضٰے رضؓ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کے گھر والوں کے سوا کسی کو نہ تھا۔

غرضکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، راتوں رات، اس نشیبی کھڑکی کی راہ سے نکلے جو حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں تھی اور اب تک وہ مکان اور کھڑکی قایم ہے جس کی لوگ زیارت کرتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم نے نہایت سرعت اور جلدی میں سامان سفر اور زاد راہ تیار کیا تھا۔ ہمارے پاس اس وقت ایسی کوئی ڈوری نہ تھی جس سے زاد راہ کو باندھتے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا نے اپنا کمر بند کھولا۔ عرب کی عورتوں کی عادت تھی کہ وہ تہبند کے اوپر کمر بند باندھتی ہیں۔ پھر اس کمر بند کے دو ٹکڑے کئے ایک سے توشہ دان کا دہانہ باندھا اور دوسرے ٹکڑے سے کمر باندھی۔ اس بنا پر ان کو "ذات النطاقین" یعنے دو کمر بند والی کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، کو جو جوان اور عقلمند و ہشیار تھے اس پر مقرر کیا کہ وہ دن تو کفار قریش کے پاس گزاریں اور رات کے وقت غار ثور میں آ کر کفار کی خبریں پہنچایا کریں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اپنے گھر میں پانچ ہزار درہم رکھا کرتے تھے جن کو انہوں نے ساتھ لے لیا۔ اور راہ میں جائے پناہ کے مقام تک کبھی آگے چلتے اور کبھی پیچھے چلتے تھے۔ منقول ہے کہ راہ میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا پائے اقدس مجروح ہو گیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے حضورؐ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا اور غار ثور کے دہانہ تک لائے۔ غار ثور میں حضرت صدیقؓ پہلے داخل ہوئے تاکہ کوئی آفت اور تکلیف حضورؐ کو نہ پہنچے کیوں کہ حشرات الارض اس غار میں رہا کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت صدیقؓ نے احتیاط کے ساتھ اپنی قیمتی چادر مبارک پھاڑ کر غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا غار میں اندھیرا تھا۔ صرف ایک سوراخ رہ گیا اور چادر کا کپڑا ختم ہو گیا۔ تو انہوں نے اپنے پاؤں کی ایڑی مضبوطی سے لگا دی اور عرض کیا یا رسول اللہؐ اندر تشریف لے آئیے حضورؐ اندر تشریف لے آئے اور اپنا سر مبارک حضرت صدیقؓ کے زانو پر رکھ کر آرام فرما ہو گئے۔ سانپ اور بچھوؤں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاؤں پر ڈسنا شروع کر دیا لیکن انہوں نے نہ صرف اُف کی اور نہ جنبش کی مبادا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بیدار نہ ہو جائیں اور نیند میں

خلل واقع نہ ہو جائے۔ مگر شدت تکلیف سے آنکھوں سے آنسو نکل کر حضورؐ کے چہرۂ انور پر گرے۔ جس سے حضورؐ بیدار ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا یَا اَبَا بَکْرٍ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اے ابوبکرؓ غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے سکینہ نازل فرمایا اور ان کے دل میں آرام و قرار پیدا ہوا اور پھر سانپ اور بچھوؤں نے کچھ نقصان نہ پہنچایا۔ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "غار میں جب میں نے رسول اللہ علیہ وسلم کے پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہہ رہا ہے تو مجھے رونا آگیا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ حضورؐ کو اتنی محنت و مشقت کی عادت نہیں ہے۔

اہل معرفت فرماتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پائے اقدس کی طرف دیکھا کہ اس سے خون بہہ رہا ہے تو کَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَہْدِیْنِ ہرگز نہیں وہ قابو پا سکتا۔ بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے جو میری رہنمائی کرے گا اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قریش کی حالت کی شکایت کی تو سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (تم غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نظر پہلے اپنی ذات پر پڑی اس کے بعد حق تعالیٰ کی ربوبیت کا مشاہدہ کیا۔ اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ اس مقولہ کے موافق ہے کہ "مَارَأَیْتُ شَیْئًا اِلَّا رَأَیْتُ اللّٰہَ بَعْدَہٗ میں نے کسی چیز کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ اس کے بعد اللہ کو میں نے دیکھا؛ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پہلی ہی نظر مبارک الوہیت پر واقع ہوئی اس کے بعد اپنی ذات کا ملاحظہ کیا۔ یہ ارشاد اس قول کے موافق ہے کہ:۔ مَارَأَیْتُ شَیْئًا۔ اِلَّا وَرَأَیْتُ اللّٰہَ قَبْلَہٗ میری نظر کسی چیز پر نہ پڑی مگر یہ کہ اس سے پہلے اللہ کو دیکھا" یہ مشاہدہ اتم و اکمل ہے۔

مواہب لدنیہ میں بعض عرفاء سے منقول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول پر غور و فکر کرو جو انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ:۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ (میرے ساتھ میرا رب ہے) اور ہمارے نبی سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے قول پر نظر کرو جو کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا۔ (بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے) لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کی معیت کے مشاہدے کو اپنے ساتھ مخصوص فرمایا اور اپنے متبعین کو اس کے ساتھ شامل نہ کیا۔ مگر ہمارے نبی سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مشاہدۂ نور باری تعالیٰ میں حضرت صدیقؓ کو بھی شامل فرمایا۔ اور اپنے نور کے ساتھ ان کی مدد فرمائی۔ لہٰذا ان کو بھی معیت رب کا مشاہدہ کرایا۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے باطن میں اسے سرایت فرمایا جس سے ان پر سکینہ نازل ہوا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ تجلی ربانی اور اس کے مشاہدہ میں اپنے حال پر قایم و ثابت نہ رہتے۔

نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے واقعہ رب تعالیٰ کی معیت کے مشاہدہ میں بھی بڑا فرق ہے۔ انتہی (یعنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشاہدہ صرف اپنی ذات میں ہی ہے اور ہمارے حضورؐ کا مشاہدہ نہ صرف یہ کہ اپنی ذاتِ اقدس میں ہے بلکہ دوسرے بھی اس میں شامل ہیں۔ وللہ الحمد)

بندۂ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوہ علیہ الرحمۃ نورہ اللہ قلبہ بنور الصدق والیقین فرماتے ہیں کہ یہی صورت حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیدار باری تعالیٰ کے سوال میں ہے کہ انہوں نے افراد کے ساتھ اپنے لئے ہی دعار مانگی۔ اور مناجات کی کہ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ (دکھا مجھ کو کہ میں تیری طرف نظر کروں) لیکن ہمارے نبی سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی مناجات میں اس طرح دعار فرماتے ہیں کہ أَرِنَا حَقَائِقَ الْأَشْيَاءِ كَمَا هِيَ (اے رب ہمیں اشیاء کی حقیقتوں کو جیسی کہ وہ ہیں دکھا) یعنے دعار میں صیغہ جمع کا استعمال فرماتے ہیں تاکہ آپ کے متبعین بھی اس میں شامل ہو جائیں۔ نیز بات کو پردہ میں رکھ کر مناجات کی کہ حقائق اشیاء کی رویت کی دعار کی اور اس طرح نہ فرمایا کہ أَرِنِي ذَاتَكَ (مجھے اپنی ذات کا دیدار کرا) یہ کمالِ ادب و معرفت کی رعایت ہے۔ کیوں کہ حقیقت الحقائق حق تعالیٰ ہے۔ یہ بھی کمالِ معرفت اور ادراک حقیقت ہے۔ فافہم واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غارِ ثور میں داخل ہو گئے تو حق تعالیٰ نے ببول کا ایک درخت غارِ ثور کے دہانہ پر لگا دیا اور ایک وحشی کبوتر کے جوڑے کو بھیجا کہ وہ اپنا آشیانہ اس درخت پر بنائے اور اسی رات اس نے انڈے دے دیئے۔ اور مکڑی کو حکم فرمایا کہ وہ اپنا جالا تنے۔ مواہب لدنیہ میں بسند بزار منقول ہے کہ حرمِ مکہ کے کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعائے برکت سے یہ قیامت تک شکار اور ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

ابونعیم "حلیہ" میں روایت کرتے ہیں کہ مکڑی نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہلی مرتبہ اس وقت جالا تنا تھا جبکہ ان کو جالوت نے طلب کیا تھا۔ اور دوسری مرتبہ ہمارے نبی سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے غارِ ثور میں جالا تنا ہے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ فرماتے ہیں کہ کافروں نے ہمارا کھوج نکال لیا تھا اور غارِ ثور پر آ کھڑے ہوئے تھے اگر ان میں سے کوئی جھک کر اپنے پاؤں کی جانب دیکھتا تو وہ ہمیں دیکھ لیتا۔ حضورؐ نے فرمایا اے ابوبکرؓ ان دو شخصوں کے بارے میں کیا گمان ہے جن میں تیسرا خدا ہے۔ اس سے مراد اپنی ذات مبارک اور حضرت ابوبکرؓ ہیں۔ اس کے بعد کافر لوٹ گئے اور کہنے لگے اگر محمدؐ

اس غار میں داخل ہوتے تو کبوتر کا انڈا ٹوٹ جاتا اور لکڑی کا جالا درہم برہم ہو جاتا۔ اور یہ درخت تو اس جگہ ان کی مدتِ عمر سے پہلے کا اگا ہوا ہے اور ایک روایت میں حضورؐ کے والد سے پہلے" مروی ہے۔ باوجودیکہ سب کفار اس پر یقین رکھتے تھے کہ حضورؐ اسی غار میں ہیں۔ اور ان کھوجیوں نے جن کو تفحص و تلاش کے لئے مقرر کیا تھا انہوں نے نشانہائے قدم دیکھ کر بتا دیا تھا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس جگہ سے گزرے ہیں اور وہ اسی جگہ ہیں۔ یہ معجزہ، تحفظ و صیانت میں اعظم و اشد اور اقوی معجزات میں سے ہے۔ کیا خوب کہا ہے ؎

وقایۃ اللہ أغنت من مضاعفۃ　　من الدروع ومن عالٍ من الاطم

تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر، بادشاہوں کے لشکر کے برخلاف ہے جو کمزور و ناتواں چیزیں ہیں جیسے مچھر اور مکڑی وغیرہ ان کے ذریعہ وہ فتح و نصرت دیتا ہے۔ اور معجزے حقیقت، کفار کی ہمتوں اور ان کے ارادوں کو پھیرنا اور انہیں اندھا بنانا ہے کیونکہ جستجو و تلاش سے انہیں یقین ہو گیا تھا کہ حضورؐ اس جگہ موجود ہیں۔ اس کے باوجود وہ ظن و احتمال میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

غارِ ثور میں حضورؐ کی اقامت تین راتیں رہیں اور بعضوں نے بارہ راتیں کہا ہے۔ اس وہم و شبہ کی وجہ یہ ہے کہ یہ جو اربابِ سیر کہتے ہیں کہ شب دوشنبہ کو غار میں داخل ہوئے اور پنجشنبہ کو وہاں سے نکلے اگر یہ پنجشنبہ، اسی دوشنبہ کے بعد کا ہے تو تین شبانہ روز ہوتے ہیں اور اگر یہ پنجشنبہ دوسرے ہفتہ کا ہے تو بارہ اور تیرہ روز بنتے ہیں (واللہ اعلم) اور روزِ صحیح، تین شبانہ روز مشہور ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما ان کے حالات جو دیکھتے اور سنتے وہ سب رات کو حضورؐ کو پہنچا دیتے تھے۔ اور عامر بن فُہَیرہ (بضم فا و فتح ہا و سکون یا ر) جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اس جگہ بکریاں چرانے لاتے اور روزانہ رات کو دودھ دیجاتے اور اسی دودھ سے رات کا کھانا ہوتا تھا۔ راقم السطور کا خیال ہے کہ اس غار کا دہانہ اس طرح واقع ہے کہ اس میں داخل ہونا یا کسی چیز کا اندر پہنچانا ممکن و آسان ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے لیکن وہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ چونکہ وہاں مکڑی نے جالا تن رکھا تھا اور کبوتر نے انڈے دے رکھے تھے اور درخت نے آڑ کر رکھی تھی۔ لہٰذا ان راتوں میں وضو اور استنجے کے لئے نکلنے کی کیا صورت ہو گی یا تو احتیاج کی بنا پر ان کا وقوع نہیں ہوا ہو گا۔ یا خروج بطریق معجزہ ہو گا۔

اس وقت غارِ ثور کا دہانہ کچھ کشادہ ہے کہ اس سے بآسانی باہر نکلتے ہیں ممکن ہے کہ لوگوں کی آسانی کے لئے بعد میں کشادہ کر دیا گیا ہو۔ یا جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کے وقت جبریل علیہ السلام نے پَر مار کر اس کا دہانہ کشادہ کر دیا تھا لیکن اس روایت کے بارے میں اربابِ حدیث اور شراحِ حدیث میں سے کسی کو ایسا نہیں پایا جس نے اس میں جرح کی ہو۔ اور یہ مصنف (اور مترجم)

جب اس غار شریف کی زیارت سے مشرف ہوا تو ہم میں سے ایک شخص موٹا فربہ تنومند جس کا سینہ چوڑا تھا اس سے کہا گیا کہ پہلے تم داخل ہو تو وہ بسم اللہ کہہ کر درود پڑھتا ہوا بے تکلف اور بے تحاشا داخل ہو گیا۔ اس وقت اس فقیر کے بے اختیار بلند آواز سے چیخ نکل گئی اللہ، اللہ سبحان اللہ ایک وقت وہ تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو آیات کبریٰ دکھانے کے لئے عرش اعلیٰ پر لیجایا گیا اور ایک روز ایسا بھی آیا کہ کفار کے خوف سے حشرات الارض کی مانند غار میں داخل کیا گیا۔ معاً اسی وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ شہود میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے وہاں بھی شہود تھا جبکہ عرش اعلیٰ پر لیجایا گیا اور یہاں بھی بغیر فرق و امتیاز کے شہود تھا۔ اگر کچھ فرق تھا تو کشفِ صفات میں تھا شہودِ ذات ایک ہی ہے۔ بیت ؎

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم — دمے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

(واللہ اعلم) رات کو اسی غار میں شب باشی کی گئی۔ اور کچھ دنوں بعد ایک دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس مقام کی زیارت کی غرض سے صبح سے شام تک دعا اور درود و سلام میں گزاری (وللہ المجیب)

## غار ثور سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ فرمانا

**وصل**: جب غار ثور میں تین راتیں گزر گئیں تو تیسری رات کی صبح کے وقت عبداللہ بن اریقط جسے راہبری کے طور پر اجرت میں لیا تھا۔ دونوں اونٹوں کو لے کر غار کے قریب آگیا۔ اور اس نے دونوں اونٹ پیش کئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے غلام عامرؓ بن فہیرہ بھی آ گئے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس اونٹ پر جس کا نام جدعا (یا قصواء) تھا سوار ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کو اپنا ردیف بنایا۔ اور دوسرے اونٹ پر عبداللہؓ اور عامرؓ سوار ہو گئے۔ اور ساحلی راستہ اختیار کیا۔ یعنے سمندر کے کنارے کنارے سفر شروع کر دیا۔ اس دن اور پھر تمام رات برابر چلتے رہے۔ دوسرے دن جب آفتاب کی تمازت بڑھی اور دھوپ میں گرمی پیدا ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے حضورؐ کے قیلولہ یعنی آرام کرنے کے لئے سایہ دار جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ انہوں نے ایک پتھر دیکھا جو سایہ دار تھا اور ہموار جگہ تھی صاف کر کے اپنے ساتھ کی پوستین یعنے چمڑے کا بستر بچھا دیا حضورؐ نے اس پر تکیہ لگا کر آرام فرمایا۔ اور سو گئے۔ اس بیابان میں ایک جوان بکریاں چرا رہا تھا حضرت صدیقؓ نے اس سے دودھ طلب کیا اس نے ایک پیالہ میں دودھ دوہ کر اس میں پانی ملا کر دیا تاکہ ٹھنڈا ہو جائے۔ چونکہ اہل عرب کی عادت تھی کہ تازہ دودھ چونکہ گرم ہوتا ہے تو اس میں پانی ملا کر ٹھنڈا کر لیتے ہیں۔ حضرت صدیقؓ نے اس دودھ کو پیا۔ اس کے بعد جب حضورؐ بیدار ہوئے تو ایک پیالہ دودھ کا حضور کو بھی نوش کرایا۔ پھر سوار ہو کر سفر شروع کر دیا۔

اس مقام پر علماء ایک سوال کرتے ہیں کہ کیا حضرت صدیقؓ کو چرواہے سے بغیر بکریوں کے مالک کی

اجازت کے دودھ لینا جائز تھا؟ جواب میں کہتے ہیں کہ قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے چرواہے کو اجازت دیدیتے تھے کہ اگر کوئی راہ گیر مسافر سامنے آئے اور دودھ مانگے تو اسے دودھ دیدیا جائے۔ یا یہ وجہ ہو کہ چرواہے کا مالک حضرت ابوبکر صدیق کا شناسا ہو اور انہوں نے اسے پہچان لیا ہو تو اس دلالت کے اعتماد پر کہ اگر اس کے مالک کو معلوم ہو گیا تو وہ راضی اور خوش ہو گا چرواہے سے دودھ لے لیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ انہوں نے دودھ کی قیمت ادا کی ہو اور چرواہا فروخت کرنے کی اجازت رکھتا ہو (واللہ اعلم)

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب کفار قریش رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جستجو و تلاش میں ناکام ہو گئے تو قریش کی ایک جماعت ہمارے یہاں آئی ان میں ابوجہل لعین بھی تھا۔ میں شور سن کر باہر نکلی۔ ابوجہل نے پوچھا "تیرا باپ کہاں ہے؟" میں نے کہا "خدا کی قسم! میں نہیں جانتی کہاں ہیں؟ اس ملعون نے ہاتھ اٹھا کر برا بھلا کہتے ہوئے میرے رخسار پر ایک طمانچہ مارا جس سے میرے آویزے ٹوٹ کر گر پڑے۔

اثنار سفرِ ہجرت میں ایک بڑا عجیب و غریب واقعہ یہ پیش آیا کہ ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعی کے خیمہ میں جو کہ "قدید" میں تھا پڑاؤ کیا۔ یہ ام معبد عورت بڑی عاقلہ بوڑھی اور ہشیار تھی وہ اپنے خیمہ کے دروازہ پر بیٹھ کر مسافروں کی مہمان نوازی اور خاطر داری کیا کرتی تھی اور انہیں کھانا پانی دیتی تھی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے کھجوریں، دودھ اور گوشت کھانے کے لئے طلب فرمایا۔ ان میں سے کوئی چیز اس کے پاس موجود نہ تھی۔ اس نے کہا یہ سال ہمارے لئے سخت قحط سالی کا ہے اور بہت تنگ دستی میں ہیں۔ اگر کچھ بھی موجود ہوتا تو آپ کی ضرور مہمانی کرتی۔ اس کے بعد حضورؐ نے خیمہ میں نظر مبارک ڈالی۔ اس خیمہ کے ایک گوشہ میں انتہائی لاغر دبلی پتلی بکری کھڑی دیکھی۔ جو ناتوانی کی وجہ سے چراگاہ جانے سے رہ گئی تھی۔ حضورؐ نے فرمایا اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے کہ گھر میں رہ گئی ہے اور چراگاہ میں نہیں گئی ہے اس نے کہا اس کو لاغری اور ناتوانی نے ریوڑ سے جدا کر دیا ہے اور وہ اپنی جگہ رہ گئی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا اس میں دودھ ہے؟ اس نے کہا "یہ بکری اتنی لاغر و کمزور ہو چکی ہے کہ اس سے دودھ کا گمان بھی نہیں کیا جاسکتا" حضورؐ نے فرمایا کیا تم اجازت دیتی ہو کہ اس سے میں دودھ دوہ لوں؟" اس نے کہا "ضرور! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اگر آپؐ کو اس میں دودھ نظر آتا ہے تو ضرور دوہ لو" اس کے بعد حضورؐ نے بکری کے پاؤں کو دوسرے پاؤں سے ملایا اور اپنے دست مبارک کو اس کے تھنوں پر پھیرا۔ اور بسم اللہ کہہ کر فرمایا اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھَا فِیْ شَاتِھَا (اے خدا ام معبد کی اس بکری میں برکت دے) تو اس کے تھن دودھ سے اتنے بھر گئے کہ اس کے دونوں پاؤں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ ام معبد سے دودھ کے لئے ایک برتن طلب فرمایا جب وہ دودھ سے بھر گیا تو تمام خیمہ والوں

کو خوب پلایا جب وہ سب سیر ہو چکے تو اس کے بعد اپنے ہمراہیوں کو بلایا اور آخر میں خود نوش فرمایا۔ پھر دوبارہ دوہنا شروع فرمایا تو خیمہ کے تمام برتن بھر دیئے۔اس کے بعد بکری کو اس کے پاس چھوڑ دیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ بکری حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے چھونے کی برکت سے اٹھارہ[۱۸] سال تک زندہ رہی۔ یہاں تک کہ "عام رمادہ" میں جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں شدید قحط پڑا تھا اور بہت سی مخلوق ہلاک ہوگئی تھی اس بکری سے صبح وشام دوہتے رہے۔ وہ پھر زمین میں بکری نہ رہی اور نہ اس کا کم و زیادہ دودھ باقی رہا۔ (یعنی "عام رمادہ" کے بعد وہ مر گئی)

اس کے بعد ابو معبد یعنے ام معبد کا شوہر جس کا نام "اکثم بن الجون" تھا آیا جو کہ اپنی بکریوں کو چرا کر لایا تھا اور وہ بکریاں لاغری و ناتوانی میں اپنی کمریں زمین سے پیوست کر رہی تھیں۔ اس نے جب تمام برتنوں میں دودھ بھرا دیکھا تو کہنے لگا اے ام معبد اتنا دودھ کہاں سے آیا۔ گھر میں تو کوئی دودھ والی بکری بھی نہ تھی۔ اور جو دودھ والی بکریاں تھی بھی تو وہ دور چراگاہ میں تھیں۔ ام معبد نے کہا "نہیں خدا کی قسم یہ بات نہیں۔ بلکہ ہمارے پاس ایک ایسا برکت والا شخص آیا تھا جس کی صفت ایسی اور ایسی تھی وہ نہایت خوش رو اور خوش اخلاق تھا۔" اس کے بعد اس نے حضورؐ کے وہ اخلاق وصفات اور شکل وشمائل بیان کئے جس کا ذکر حلیہ شریف کے ضمن میں آچکا ہے۔ وہ عورت زبان فصیح اور بیان ملیح رکھتی تھی۔ اس پر ابو معبد نے کہا خدا کی قسم یہ شخص وہی ہوگا قریش جس کی جستجو و تلاش میں سرگرداں ہیں۔ اور اس کا نام اور شہرہ سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے۔ اگر میں اس وقت موجود ہوتا تو میں ان کی خدمت کی سعادت حاصل کرتا اور ہمیشہ میں انہیں کی خدمت میں رہتا۔ اور میں تمنا رکھتا ہوں کہ میں ان کے ساتھ مل جاؤں گا اور اُن کے زمرہ میں شامل ہو جاؤں گا۔ منقول ہے کہ اس کے بعد اس نے ہجرت کی اور ام معبد اور اس کے شوہر نے اسلام قبول کر لیا۔ اور اپنے گھر میں حضورؐ کے نزول اجلال کی تاریخ یاد رکھی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے چند روز بعد اہل مکہ نے ایک غیبی آواز کو بلند آواز سے یہ کہتے سنا ۔

| | |
|---|---|
| جزی اللہ رب الناس خیر جزائہٖ | رفیقین حلا خیمتی ام معبد |
| ھما نزلاھا بالبر ثم ترحلا | فقد فاز من امسی رفیق محمدؐ |

ان شعروں کے ساتھ دیگر اشعار بھی سنائی دیئے جو کفار قریش کی مذمت میں تھے۔ اور وہ اشعار ام معبد کی بکری کے دودھ دوہنے کے قصہ پر مشتمل تھے۔ ان کے سوا دیگر وہ اشعار جو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدح وثنا میں ان کے جواب میں

کیے ہیں۔ وہ سب روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں۔ اُم معبد کی بکری کی طرح دودھ دوہنے کا ایک واقعہ اور مذکور ہے وہ یہ کہ ایک چرواہے کے پاس بغیر دودھ والی اونٹنی تھی حضورؐ نے اس سے دودھ دوہا اور بہت زیادہ دودھ نکالا' ان کے علاوہ ہجرت کے دوران راستہ میں بکثرت واقعات کتابوں میں مذکور ہیں ان میں سے ایک واقعہ سراقہ بن مالک بن جُعْشُم (بضم جیم وسکون عین وضم شین) کا ہے وہ یہ ہے کہ قریش نے لوگوں میں منادی کرادی تھی کہ جو کوئی حضورؐ اور ان کے صاحب یعنے حضرت ابوبکرؓ کو قتل کرے گا یا ان کو قید کرکے لائے گا اسے انعام میں سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ پھر کسی کو سراقہ کے پاس بھیجا کہ وہ اس کام کو انجام دے سراقہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھا کرنے کے لئے نکلا یہاں تک کہ میں ان کے قریب پہنچ گیا مگر میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور میں زمین پر گر پڑا دوبارہ سوار ہوا تو اسی طرح ٹھوکر کھائی اور زمین پر گر پڑا۔ جب میں حضورؐ کے قریب پہنچا تو میں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلّم کی قراءت کی آواز سنی۔ یکایک میرے گھوڑے کے دونوں اگلے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور میں کود کر گھوڑے کی پیٹھ سے اتر گیا۔ میں نے گھوڑے کو ڈانٹا کہ اٹھ پھر اس نے اپنے دونوں آگے کے پاؤں زمین سے نکالے' اور میں حضورؐ کے بہت قریب پہنچ گیا یہاں تک کہ میرے اور آپ کے درمیان ایک یا دو نیزے سے زیادہ کا فاصلہ نہ رہا۔ حضورؐ نے میری طرف نگاہ فرما کر فرمایا اَللّٰھُمَّ اکْفِنَا شَرَّہٗ بِمَا شِئْتَ (اے خدا ہمیں اس کے شر سے جس طرح تو چاہے محفوظ رکھ) تو اسی وقت گھوڑے کے چاروں پاؤں زانو تک دھنس گئے میں التجا کرنے لگا کہ 'اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میرے گھوڑے کو نجات دیجئے مجھے آپ سے کوئی سروکار نہیں، اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو کوئی آپ کے تعاقب میں آئے گا میں اسے لوٹا لوں گا' اس پر حضورؐ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ صَادِقًا فَاَطْلِقْ فَرَسَہٗ (اے خدا اگر یہ سچ بول رہا ہے تو اس کے گھوڑے کو نجات دیدے) اسی وقت میرے گھوڑے کے چاروں ہاتھ پاؤں زمین سے نکل آئے۔ اس کے بعد میں نے حضورؐ کی خدمت میں توشہ اور سامان پیش کیا آپؐ نے قبول نہ فرمایا۔ فرمانے لگے ہمیں کوئی حاجت نہیں ہے۔ اور تجھ سے کچھ نہیں چاہتے مگر صرف اتنا کہ ہمارا معاملہ تو پوشیدہ رکھے۔ سراقہ کے اسلام لانے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ جب حضورؐ نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا اس وقت سراقہ اپنے قبیلہ کی جماعت کثیرہ کے ساتھ آکر مسلمان ہوا۔

منقول ہے کہ جب سراقہ نزدیک ہوا تو حضرت صدیقؓ نے گریہ کناں عرض کیا یا رسول اللہ' ہمیں پکڑنے والا قریب آگیا ہے فرمایا لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا (فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے) ایک روایت میں آیا ہے حضورؐ نے دعا مانگی تو سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور اس نے امان مانگی۔ سراقہ کہتے ہیں کہ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ضرور غالب و کامیاب رہیں گے۔ میں نے کچھ سامان

بطور نذرانہ پیش کیا تو آپ نے قبول نہ فرمایا۔

ایک اور واقعہ ابو بریدہؓ اسلمی کا ہے۔ جسے ابو سلیمان خطابی نقل کرتے ہیں کہ جب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور اس کے قرب و نواح میں پہنچے تو بریدہؓ اسلمی اپنے قبیلہ کے ستر لوگوں کے ساتھ کفار قریش کی اس منادی پر کہ "جو کوئی حضورؐ کو گرفتار کرکے لائے گا اسے انعام میں سو اونٹ دیئے جائیں گے"۔ اس طمع میں حضورؐ کی گرفتاری کی غرض سے نکلے۔ حضورؐ نے فرمایا تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام بریدہؓ ہے تو حضورؐ نے بطریق تفاؤل کہ آپ کی عادت کریمہ تھی کہ الفاظ کے مادۂ اشتقاق سے فال لیتے تھے بریدہؓ کے مادہ اشتقاق برودۃ ہے اور سلامتی و سکون اور جمعیت پر مبنی ہے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، سے فرمایا قَدْ بَرَدَ اَمْرُنَا وَصَلُحَ یعنی ہمارا کام خوش و خنک ہے اور اس کے آخر صلح و خیر ہے۔ پھر فرمایا کون سے قبیلہ سے ہو؟ اس نے کہا قبیلہ بنی اسلم سے۔ فرمایا "سلمنا" خیر و سلامتی ہے۔ فرمایا بنی اسلم کی کونسی شاخ سے ہو؟ اس نے کہا بنی سہم سے۔ فرمایا اَصَبْتَ سَهْمَكَ۔ تو نے اپنا حصہ پالیا۔ یعنے تو نے اسلام سے اپنا نصیب و حصہ پالیا۔ اس کے بعد بریدہؓ نے حضورؐ سے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں محمدؐ بن عبداللہ، اللہ کا رسول ہوں۔ بریدہؓ صرف حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی اسلام لے آئے۔ اور کہنے لگے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ اور جو جماعت ان کے ساتھ تھی وہ سب مشرف باسلام ہو گئی۔ بریدہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت آپ کے ساتھ ایک جھنڈا ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد بریدہؓ نے اپنے سر سے عمامہ اتارا۔ اور نیزے سے باندھ دیا۔ اور سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلنے لگے۔ اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! کس سعادت مند کے گھر کو شرف نزول سے مشرف فرمائیں گے۔ مطلب یہ تھا کہ اگر حضورؐ اپنے بندے کے گھر کو منزل بنائیں تو میری کتنی بڑی سعادت ہوگی حضورؐ نے فرمایا میری اونٹنی مامور ہے جہاں وہ بیٹھ جائے گی وہی منزل ہوگی۔ دیکھو کہاں جاتی ہے۔

بعض اصحاب، کامل نصاب، بغرض تجارت، بلاد شام گئے ہوئے تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ پہنچنے پر وہ یہیں اتر پڑے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے لئے سفید جوڑے نذر و ہدیہ کئے۔

### مدینہ منورہ میں رونق افروزی کا منظر

وصل:۔ جب انصار محبت شعار نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کی خبر سنی تو روزانہ مدینہ منورہ کی چوٹیوں پر آتے اور آفتاب جمال باکمال محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے طلوع کے منتظر رہتے۔ جب سورج گرم ہو جاتا اور دھوپ سخت ہو جاتی تو گھروں کو لوٹ جاتے تھے۔ اچانک ایک یہودی کی جو مقام مقررہ

پر کھڑا تھا اس جماعت مبارکہ کے کوکبۂ قدوم پر نظر پڑی اس نے جان لیا کہ حضور انورؐ تشریف لے آئے ہیں تو قبیلہ انصار کو جو کہ اس کے قریب ہی تھے آواز دی کہ یہ آرہے ہیں تمہارے مقصد و مقصود۔ تمام مسلمان اپنے اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے استقبالِ اجلال کے لئے نکل پڑے اور انہوں نے "بالائے حرہ" ملاقات کی۔ مرحبا اہلاً وسہلاً کہتے ہوئے مبارک بادی وخوشی ومسرت کا اظہار کرنے لگے اُن کا ہر جوان بچہ، عورت ومرد اور چھوٹا بڑا کہنے لگا جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ جَاءَ نَبِیُّ اللّٰہِ۔ اللہ کے رسول اللہ تشریف لے آئے اور اللہ کے نبی نے قدوم میمنت لزوم فرمایا۔ اور اپنی عادت کے مطابق، خوشی ومسرت میں اُچھلنے کودنے لگے۔

بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو نجار کی لڑکیاں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشی وشادمانی میں دف بجاتی اور گاتی ہوئی نکل آئیں۔ ؎

نَحْنُ جَوَارٍ مِّنْ بَنِی النَّجَّارِ    یَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِّنْ جَارٍ

قبیلہ بنو نجار کو ایک جانب سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی نسبت بھی تھی۔ (یعنی سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا اسی قبیلہ کی دختر تھیں) اس کے بعد حضورؐ نے قبائل انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کیا تم مجھے پسند کرتے ہو؟ سب نے بیک زبان کہا یقیناً یا رسول اللہ۔ حضورؐ نے فرمایا میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں۔ قبائل انصار کی پردہ نشین عورتیں اپنے اپنے گھروں کی چھتوں، دروازوں اور گلیوں میں کھڑے ہو کر یہ تہنیت گانے لگیں۔ ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا    مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا    مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ

بعض روایتوں میں اتنا زیادہ آیا ہے ؎

اَیُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا    بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اس زمانہ میں آٹھ یا نو سال کا تھا آپؐ کی آمد سے در و دیوار ایسے منور و روشن ہو گئے جس طرح آفتاب طلوع کرتا ہے۔ اس طرح جس دن اس آفتاب نبوت نے اس جہان سے روپوشی اختیار کی سب جگہ تیرہ و تاریک ہو گئی تھی۔ بعینہٖ اسی طرح جیسے سورج غروب ہو جاتا ہے۔

حضور اکرم اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونا بارہ[۱۲] ربیع الاول یا تیرہ[۱۳] ربیع الاول کو ہوا۔ یہ اختلاف تاریخ، باختلاف رویت ہلال ہے۔ امام نووی نے کتاب سیر میں روضہ سے بارہ[۱۲] ربیع الاول پر جزم کیا ہے۔ اور بھی چند اقوال ہیں لیکن وہ مقام صحت سے بعید ہیں آپؐ کا مکہ مکرمہ سے نکلنا ستائیس[۲۷] صفر کو ہوا تھا

اور غارِ ثور سے پہلی ربیع الاول کو نکلے تھے۔ علماء سیر کے درمیان اس پر کلی اتفاق ہے کہ آپؐ مدینہ منورہ میں دوشنبہ کے دن رونق افروز ہوئے تھے اور مہینہ ربیع الاول کا تھا۔ لیکن تاریخ میں اختلاف ہے۔

روز دوشنبہ کے فضائل میں سے ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، ابتدائے بعثت، مکہ سے ہجرت، مدینہ منورہ میں رونق افروزی، دنیا سے رحلت یہ تمام واقعات روز دوشنبہ میں ہی واقع ہوئے۔

اکثر ارباب سیر کے نزدیک "تاریخ اسلام (قمری ہجری) لکھنے کی ابتدا، رسول اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ منورہ میں رونق افروزی کے دن سے ہے لیکن لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ تاریخ کا اعتبار اور اس کے لکھنے کی ابتدا، سیدنا عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، کے دور خلافت میں حضرت ولایت مآب سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ کے اتفاق فرمانے کے ساتھ ماہ محرم سے ہوئی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے مدینہ منورہ پہنچکر نزول فرمانا بنی عمرو بن عوف کے گھروں میں ہوا تھا۔ بعد میں جس جگہ مسجد قبا بنائی گئی ہے۔ اور اسی جگہ سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے تین دن کے فرق سے مکہ مکرمہ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپؐ کی مسرت وشادمانی میں اضافہ فرمایا روضۃ الاحباب میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ مکہ مکرمہ سے پاپیادہ سفر کرتے ہوئے آئے تھے پیدل چلنے کی وجہ سے اُن کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ اور حضورؐ نے ان کے چھالوں پر دست اقدس پھیرا تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے تھے۔ انتہی۔ یہ حقیقت اس کیفیت کی مانند ہے جو روز خیبر پیش آئی تھی کہ اُن کی آنکھوں میں آشوب آگیا تھا اور حضورؐ کے لعاب دہن شریف لگنے سے وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی تھیں اور وہ پھر کبھی نہ دکھی تھیں۔

منقول ہے کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نزولِ اجلال کے بعد ایک درخت کے سایہ میں سر مبارک جھکا کر بیٹھ گئے اور آپ پر سکوت و خاموشی غالب رہی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، لوگوں سے ملاقات کرنے میں مشغول رہے چونکہ اژدحام اور لوگوں کا اشتیاق بہت زیادہ تھا۔ بعض انصار ایسے آرہے تھے جنہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہ تھا وہ یہی گمان کر رہے تھے کہ حضرت صدیقؓ ہی ان کے نبی ہیں وہ آکر آپ ہی کو سلام کر کے تحیت کے قواعد بجا لاتے تھے۔ جب آفتاب بلند ہوا اور سایہ ختم ہو گیا تو حضرت صدیق اکبرؓ دھوپ کا خیال کر کے اپنی چادر پھیلا کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہو گئے اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے لوگوں کے شبہ کا ازالہ فرما دیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس کلام سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو آفتاب

کی دھوپ پہنچتی تھی۔ اور ابر یا فرشتہ آپ کے سر مبارک پر بعثت سے پہلے سایہ کرتا تھا جیسا کہ اس کے محل میں تصریح کر دی گئی ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے چند روز اسی جگہ قیام فرمایا ایک قول کے بموجب بیس روز اور ایک قول کے بموجب چار روز، یعنی دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ اور پنجشنبہ قول اول زیادہ صحیح ہے۔ بہر تقدیر جمعہ کے دن، سورج کے بلند ہونے کے وقت "بطن وادی" سے گزر کر اس مقام میں تشریف لائے جہاں اب مسجد صغیر بنائی گئی ہے وہاں آپ نے نماز جمعہ پڑھائی اور طویل وبلیغ خطبہ دیا جو ابشار و انذار (یعنی خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا) اور اہل ایمان کے دلوں کو نور سے لبریز کرنے والا تھا۔ پھر آپ نماز جمعہ کے بعد اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ کے اندر بستی کی جانب اطمینان وسکون کے ساتھ روانہ ہوئے اور قبائل انصار، پیدل اور سوار سب کے سب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رکاب کرامت مآب میں مجتمع ہو کر چلدیئے۔ اس وقت بنی عمرو بن عوف کے لوگ جو اس بستی کے رہنے والے تھے یعنی قبا کے باشندے تھے عذر خواہی کرتے ہوئے آئے اور عرض کرنے لگے کہ شاید، داماں عزت وجلال سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ قیام پذیر ہونے میں کوئی رنج وملال لاحق ہوا ہے جس کی وجہ سے اس جگہ سے انتقال وارتحال فرمایا جارہا ہے؟ حضور نے فرمایا مجھے اُس بستی کا جس کا نام "اکالۃ القریٰ" ہے حکم دیا گیا ہے۔ "اکالۃ القریٰ" اور "اکالۃ البلدان" مدینہ منورہ کے ناموں میں سے ہیں۔ یہ نام اس لحاظ سے ہے کہ اس کا تسلط تمام شہروں پر اور اس کا حکم ہر جانب جاری ونافذ ہے۔ بعض علماء اس نام کو اس کے فضل وعظمت اور اس کے رتبہ پر محمول کرتے ہیں مطلب یہ کہ تمام شہروں کی بزرگیاں اور اس کی عظمتیں، اسی مدینہ کی عظمت کے مقابلہ میں نیست ونابود ہیں۔ اور مکہ مکرمہ کا نام "ام القریٰ" (بستیوں کی ماں) اس اعتبار سے ہے کہ اس کی عراقت واصالت تمام شہروں پر قایم وثابت ہے۔ اس کی امومت واصالت نیست ونابود ہونے کا اقتضا نہیں کرتی۔

غرضکہ حضور کے نکلنے اور ان کی طرف تشریف لے جانے کے بعد جملہ قبائل انصار کے لوگ توقع وانتظار کی آنکھ کو سر راہ بچھا کر اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم کو تھام کر عرض کرنے لگے کہ ہمارے غریب خانہ میں قیام فرما کر نعمت وثروت کے اظہار اور خدمت گاری وجاں نثاری کی سعادت مرحمت فرمائیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے حق میں دعائے خیر فرماتے ہوئے کہتے کہ میری یہ اونٹنی مامور ہے۔ جہاں یہ بیٹھ جائے گی اسی جگہ میری قرار گاہ ہوگی۔" اس کے بعد سیدھا راستہ اختیار فرما کے اونٹنی کو مدینہ طیبہ کی جانب اس کی مرضی پر چھوڑ دیا اور اس کا انتظار فرمایا کہ اونٹنی کہاں بیٹھتی ہے۔ یہاں تک کہ اونٹنی وہاں تک آئی جہاں اب مسجد نبوی شریف ہے اونٹنی بے اختیار اس جگہ بیٹھ گئی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر اونٹنی کی پشت پر ہی وہ کیفیت طاری ہوگئی جو نزول

وحی کی حالت کے ساتھ مخصوص ہے۔ پھر اونٹنی اٹھ کر کھڑی ہوگئی اور چند قدم آگے بڑھ کر گھومی اور پھر پہلی جگہ آکر بیٹھ گئی، گویا اونٹنی کا یہ آنا اور جانا مسجد نبوی کی تعمیر و بنیاد کے اظہار کے لئے تھا۔ جیساکہ واقع ہوا۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھروں کے دروازے اس جگہ سے بالکل قریب تھے۔ ابوایوب رضؓ انصاری حضورؐ کی ضروریات کے اسباب کو اونٹنی سے اتار کر حضورؐ کی نظر مبارک کے سامنے لائے۔ ممکن ہے کہ انہوں نے حضورؐ کی جانب سے ایسا ہی اشارہ پایا ہو خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ جیساکہ ایک روایت میں ہے جسے روضتہ الاحباب میں نقل کیا گیا ہے۔ پھر وہ سامان اپنے گھر میں لے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ رَحْلِهٖ مطلب یہ کہ آدمی کی وہیں اقامت ہے جہاں اس کا سامان سفر ہے'' اس کے بعد حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان ہی نزول شریف کی سعادت سے مشرف ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد

ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

ابن جوزی نے دختران انصار مدینہ بنی نجار وغیرہ کی گزشتہ حکایتوں کو اس جگہ نقل کیا ہے۔ لیکن روضتہ الاحباب وغیرہ کے سلسلۂ کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان حکایتوں کا مقام پہلی جگہ ہی ہے۔ بہر تقدیر ان حکایتوں کا تعلق شہر مدینہ میں نزول اجلال فرمانے کے وقت کے ساتھ ہے خواہ اول ہو یا آخر۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے مکان کو شرف اقامت سے سرفراز فرمایا تو حضورؐ نے مکان کی نچلی منزل کو اپنے لئے پسند فرمایا میں، میری والدہ اور میرے بچے بالاخانہ پر رہنے لگے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں بالاخانہ کی رہائش میں میں بہت حرج اور تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ اس لئے کہ سردار انبیاء علیہم السلام تو نچلی منزل میں رہیں اور میں ان کے اوپر بالاخانہ میں رہوں۔ یارسول اللہ آپؐ بالائی منزل پسند فرمالیجئے تاکہ ہم حضورؐ کے زیر سایہ رہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہمارے لئے نچلی منزل زیادہ درست، موافق اور مناسب ہے کیونکہ ہمارے ساتھ ایک جماعت کثیرہ ہے، اور اطراف وجوانب سے لوگ ہمارے پاس آئیں گے۔ لہٰذا تم اور تمہارے گھر والے اوپر کی ہی منزل میں سکونت رکھیں۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوایوبؓ انصاری برابر اس عرض والتجا میں مصر رہے کہ حضورؐ اوپر کی منزل میں اقامت فرمائیں اور خود نچلی منزل میں سکونت رکھیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوایوبؓ انصاری کے مکان میں قیام فرمانے کی مدت اصح روایات کے بموجب سات مہینہ ہے۔ مگر روایتوں میں کم وبیش واقع ہوئی ہے۔

# قسم سوم

## در ذکر واقعات باعتبارِ سن ہجری تا سن وفات سید عالمؐ

چونکہ یہ واقعات دسؔ سنوں پر مشتمل ہیں اس لئے ہر سن کے واقعات کو مستقل ایک ایک باب کرکے بیان کیا جائے گا۔ لہٰذا کتاب کی یہ تیسری قسم بھی دسؔ ابواب پر مشتمل ہوگی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں اقامت باتفاق دسؔ سال رہی۔ علماء سیر نے ان دسؔ سالوں کے واقعات کو ایک ایک سال کے واقعات کی شکل میں جدا جدا بیان کیا ہے ان میں سے بعض واقعات میں اختلاف بھی ہے کہ کون سے سال میں رونما ہوئے۔ اور ایک سن کے واقعات کے بیان میں بھی علماءِ سیر سے تقدیم و تاخیر واقع ہوئی ہے مواہب لدنیہ میں "سنوات" کے لفظ کے ذکر کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے معارج النبوت میں ہر سال کے واقعات لکھے ہیں مثلاً سالِ اول، سالِ دوم، سالِ سوم وغیرہ۔ اگرچہ ان لفظوں سے اسمِ عدد بیان کرنا حال اور اس کے مرتبہ کا ذکر کرنا ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ اسی ترتیبِ زمانی کے ساتھ واقعات کا ذکر کیا جائے لیکن ظاہر ہے کہ مجرد عدد، مقصود ہے دیگر کتابوں میں اس ترتیب کے سوا بھی مرقوم ہیں۔ مگر ہم نے روضۃ الاحباب کے موافقت کی روش اختیار کی ہے اور یہی کتاب متداول اور مشہور ہے۔

## پہلی سن ہجری کے واقعات

**تعمیر مسجد قبا**

سن اول ہجری کے واقعات میں سب سے پہلا واقعہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کے بعد، مسجد قبا شریف کی تاسیس و تعمیر ہے، کیونکہ بنی عمرو بن عوف کے گھروں میں نزول فرمانے کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے پتھر اٹھا کر رکھا اور خلفاء ثلاثہ نے بجز حضرت علی مرتضےٰ رضؓ کے کہ وہ حضورؐ کے پہنچنے کے تین دن بعد مکہ سے آکر ان میں شامل ہوئے تھے پتھر اٹھانے میں مدد کی ہے۔ ممکن ہے کہ حضرت علی مرتضےٰ رضؓ نے بھی پہنچنے کے بعد

اس کی تعمیر میں شرکت کی ہو، یہ وہ پہلی مسجد ہے جو اسلام میں تعمیر کی گئی ہے۔ اور یہ وہ پہلی مسجد ہے جس میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جماعت صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔ بعض ارباب سیر اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی مسجد ہے جو مسلمانوں کے لئے بنائی گئی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی کوئی مسجد بنائی گئی ہوگی لیکن وہ مسجد اسی کے ساتھ مخصوص ہوگی جس نے اسے بنائی۔ کذا فی المواہب، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہ مسجد جو ابتدائے اسلام میں اپنے گھر کے دروازہ پر انہوں نے بنائی تھی جس میں وہ نماز پڑھتے اور تلاوت قرآن کرتے تھے اور قریش کی عورتیں، بچے اور غلام ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اکثر مفسرین کے نزدیک اس آیۂ کریمہ کا شانِ نزول یہی مسجد قبا شریف ہے چنانچہ فرمایا۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

وہ مسجد جو پہلے دن ہی سے تقوےٰ پر بنائی گئی ہے زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں قیام فرمائیں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو صفائے باطن کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکی چاہنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ آیۂ کریمہ میں مسجد سے مراد، مسجد عظیم نبوی شریف ہے اور بعض حدیثیں بھی اس قول کی تائید میں وارد ہوئی ہیں۔ مگر حق و صواب یہ ہے کہ آیۂ کریمہ کا مفہوم دونوں مسجدوں پر صادق ہے اس لئے کہ دونوں مسجدوں کی تاسیس و تعمیر اول بنیاد سے ہی تقوےٰ پر ہے لہٰذا ممکن ہے کہ دونوں مصدوق و مراد ہوں۔ جیسا کہ بعض محدثین کے کلام میں اس طرف اشارہ موجود ہے۔ (واللہ اعلم)

امام احمد رحمہ اللہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت حضورؐ کے پاس آئی حضورؐ نے ان سے فرمایا "مسجدِ تقوٰی" کی جانب جاؤ۔ ان کے بعد حضورؐ خود بھی ادھر متوجہ ہو گئے اور دونوں دستِ مبارک حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر رکھ کر تشریف لے گئے۔ یہ حدیث اس کی تائید کر رہی ہے کہ مَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى۔ مسجد قبا ہی کا نام ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْمَسْجِدُ الَّذِیْ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى اَوَّلَ يَوْمٍ هُوَ مَسْجِدُ قُبَا۔ وہ مسجد جو پہلے دن ہی تقوٰی پر بنائی گئی۔ وہ مسجد قبا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاکی چاہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جس نے کامل وضو کیا اور مسجد قبا میں آ کر نماز پڑھی اس نے ایک عمرہ کا ثواب حاصل کر لیا۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ مسجد جہان کے آخری کنارے پر ہوتی تو میں اس کی طلب میں اونٹ کا جگر پانی کر کے پہنچتا۔ پھر وہ اس مسجد کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے اور خس و خاشاک چن کر پھینکتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنا میرے نزدیک بیت المقدس کی دو مرتبہ زیارت کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر لوگ جانتے کہ اس مسجد میں کتنے نادر اسرار رکھے گئے ہیں تو اس کی طرف دوڑتے آتے اور اس کی جستجو کرتے۔ اسی کی مانند حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی باسناد صحیح مروی ہے۔ مسجد قبا کے مناقب بکثرت موجود ہیں۔

## عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا

اسی سن کے واقعات میں سے حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا ہے۔ کیوں کہ وہ احبار یہود اور حضرت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے اور لوگ آپ کی مجلس مبارک کی حاضری میں سبقت کرنے لگے تو میں بھی ان کی ہمراہی میں حضورؐ کی بارگاہ میں باریابی سے مشرف ہوا۔ جب میری پہلی نظر آپ کے روئے انور پر پڑی تو میں نے جان لیا کہ یہ کذابوں یعنی جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہے۔ پھر میں نے آپ کو فرماتے سنا کہ اَفْشُوا السَّلَامَ اے لوگو! اسلام کو پھیلاؤ۔ مطلب یہ کہ اپنے اور بیگانے سب کو سلام کرو۔ اور اپنوں اور رشتہ داروں کے ساتھ اسے خاص نہ کرو۔ یا اتنی بلند آواز سے سلام کرو کہ جن کو سلام کیا گیا ہے وہ سن لیں۔ اور فرمایا اَطْعِمُوا الطَّعَامَ (کھانا کھلاؤ) مطلب یہ کہ فقراء کے ساتھ ہمدردی کرو اور درویشوں اور محتاجوں کے ساتھ غمخواری کرو۔ اور فرمایا وصلوا الارحام اپنے قریبی رشتہ داروں کو ملاؤ۔ کیوں کہ وہ تمہارے ساتھ قریبی نسبت رکھتے ہیں۔ اور دور و نزدیک کے تفاوت مراتب کا لحاظ کرو۔ ان کو چھوڑ نہ دو اور ان سے علاقہ نہ توڑ لو۔ اور فرمایا وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ۔ رات میں نمازیں پڑھو اور شب خیزی کرو درانحالیکہ لوگ سو رہے ہوں۔ یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ کی تشریف آوری کے بعد پہلا وعظ مبارک ہے۔ اس کے بعد میں اپنے گھر لوٹ گیا۔ دوسری مرتبہ خلوت میں حضورؐ کی خدمت میں حاضری دی۔ اور میں نے آپ سے تین سوال کیے جس کا بجز نبی کے کوئی دوسرا جواب نہیں جان سکتا۔ پہلا سوال یہ کہ علامات قیامت میں سے کیا واقع ہوگا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ جنت میں جب حق تعالیٰ مسلمانوں کو پہلا کھانا کھلائے گا تو وہ کھانا کیا ہوگا۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے کہ نسل انسانی میں کوئی بچہ باپ کی شکل میں ہوتا ہے اور کوئی بچہ ماں کی صورت میں تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر اسی وقت وحی نازل ہوئی اور تینوں سوالوں کے جوابات مرحمت فرما دیئے۔ فرمایا

قیامت کی سب سے پہلی نشانی یہ ہوگی کہ مشرق کی جانب سے ایک آگ نمودار ہوگی جو لوگوں کو مغرب کی طرف اس طرح ہنکال کر لیجائے گی جس طرح چرواہا بکریوں کو ہنکالتا ہے۔ اور فرمایا جنتیوں کے لئے سب سے پہلا کھانا اس مچھلی کی کلیجی ہوگی جس کی پشت پر زمین قایم ہے اور یہ غذا نہایت لذیذ اور مرغوب ہوگی۔ احادیث میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے زمین کو اس دن سفید روئی کی مانند کردے گا اور فرمایا ماں باپ میں سے جس کا نطفہ رحم مادر میں پہلے یا زیادہ پڑے گا اسی کے مشابہ بچہ پیدا ہوگا۔ حضرت عبداللہ رضؓ بن سلام نے جب اپنے سوالوں کا جواب سنا تو باآواز بلند کہنے لگے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس کے بعد حضرت عبداللہ رضؓ بن سلام نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود ایسی قوم ہے جو کذب و بہتان میں اپنا جواب نہیں رکھتی، باوجودیکہ وہ مجھے علم وسیادت اور سرداری میں مسلم جانتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ میں ان کا سردار، ان کے سردار کا فرزند، ان میں سب سے زیادہ عالم اور ان کے سب سے زیادہ عالم کا فرزند ہوں۔ جب وہ سنیں گے کہ میں ایمان لے آیا ہوں تو وہ بہتان باندھیں گے اور اپنے اعتقاد کے خلاف کہیں گے۔ چنانچہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ ان پر میرا ایمان لانا ظاہر ہو۔ آپؐ ان کا امتحان لے لیجئے اور میرے بارے میں ان سے حالات دریافت فرمائیے اور دیکھئے کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ رضؓ بن سلام کو پوشیدہ مقام میں بٹھادیا اور یہودیوں کو طلب فرمایا۔ ان کو موعظت و تہدید کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اسے تم خوب جانتے ہو اور تم نے توریت میں پڑھا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے ایمان و حق کے ساتھ بھیجا ہے لہٰذا تم مسلمان ہوجاؤ، یہودی کہنے لگے ہم نہیں جانتے کہ آپؐ خدا کے رسول ہیں" پھر حضورؐ نے فرمایا کہ "عبداللہ رضؓ بن سلام تمہارے درمیان کیسے ہیں؟" وہ کہنے لگے "وہ ہمارے سردار، ہمارے سردار کے فرزند، ہم میں زیادہ عالم، ہمارے سب سے زیادہ عالم کے فرزند، ہمارے پیشوا، ہم میں بہترین، ہم میں داناترین اور ہمارے داناترین کے فرزند ہیں، مطلب یہ کہ وہ اور ان کے آباء و اجداد سب کے سب بزرگ و سردار رہے ہیں" حضورؐ نے فرمایا "کیا خیال ہے اگر وہ مسلمان ہوجائیں۔" وہ کہنے لگے "حق تعالیٰ ان کو محفوظ رکھے کہ وہ اسلام لائیں" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بار بار فرمایا اور وہ یہی جواب دیتے رہے۔ اس کے بعد فرمایا "اے ابن رضؓ سلام باہر آؤ؟" اس کے بعد ابن رضؓ سلام کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اور فرمانے لگے "اے گروہ یہود! خدا سے خوف کرو اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ کیوں کہ تم یقینی طور پر جانتے ہو کہ حضور صلعم اللہ کے رسول ہیں"۔ وہ کہنے لگے تم جھوٹ کہتے ہو ہم نہیں جانتے"۔ اور حضرت ابن رضؓ سلام کے بارے میں کہنے لگے کہ "یہ ہم میں بدترین، بدترین کے فرزند، جاہل ترین اور جاہل ترین کے فرزند ہیں۔ حالانکہ اسی نشست میں

تھوڑی دیر پہلے یہ کہہ رہے تھے سیدنا، ابن سیدنا، اعلمنا، ابن اعلمنا؛ حقیقت یہ ہے کہ جب ابتدا میں انصار کے گھروں سے صبحِ سعادت نے طلوع فرمایا۔ تو یہودنا بہبود کی رگ، انصار سے دشمنی وعداوت کے تعلق سے حضور سرورِ عالم کی جانب پھڑکنے لگی تھی۔ اور بعض نے اظہارِ عداوت میں بڑی کوششیں کیں اور جس حد تک ان سے ممکن تھا اپنی ہلاکت میں کوتاہی نہ کی۔ مثلاً حیّ بن اخطب اور اس کا بھائی یاسر بن اخطب کہ یہ اپنی قوم میں شدید عداوت اور خبثِ انسانی میں گرفتار تھے۔ اور ان اشقیاء کے گروہ میں سے بعض نے نفاق کو اپنا حیلہ اور دنیاوی مال وزر کے جمع کرنے کا ذریعہ اور حیاتِ فانی کی حفاظت کا وسیلہ بنایا اور اوس و خزرج کے قبیلہ کے کچھ لوگوں نے بھی جو کہ انصار کے دونوں قبیلے ہیں ان میں سے بعض نے منافقوں کے ساتھ، نفاق میں اتفاق کا مظاہرہ کیا اور اکثر منافقین یہود میں سے تھے۔

بعض احبار اور علماء یہود ایسے بھی تھے جن کی پیشانی میں رحمتِ ازلی سے ہی حرفِ سعادت اور اقبال مندی تحریر تھا اور یہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے رسالت کی حقیقت کو جانتے تھے پہچانتے ہی بلا شکوک تردد اور بغیر ہچکچاہٹ و توقف کے اسلام کا حلقہ اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اور سعادتِ ابدی حاصل کی

حقیقت یہ ہے کہ یہود سے بڑھ کر سیدِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے رسالت کی حقیقت اور آپ کے احوال واوصاف سے دانا اور شناسا اور کوئی قوم نہ تھی۔ کیوں کہ ان کے پاس آسمانی کتابیں اور حضورؐ کے اوصاف واحوال موجود تھے جنہیں یہ پڑھا کرتے اور حضورؐ کی بعثت ورسالت اور آپؐ کی تشریف آوری کے منتظر رہا کرتے تھے۔ ان کے آباء مرتے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کرتے اور بشارت دیا کرتے اور نبی آخر الزماں کے وجودِ گرامی کی خبریں دیا کرتے تھے جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یَعْرِفُونَهٗ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ یہ حضورؐ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں؛ چونکہ باپوں کو اپنے بیٹوں کے بارے میں علم یقینی اور شہودی ہوتا ہے لیے حضورؐ کی معرفت کو ان کے ساتھ تشبیہہ دی گئی۔ لہٰذا :۔ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ نہ فرمایا یعنی جیسے وہ اپنے باپوں کو پہچانتے ہیں۔ اس قدر علم ومعرفت کے باوجود، وہ شقاوت اور وبالِ ابدی میں گرفتار رہ گئے۔ مصرعہ

علمے کہ رہِ حق ننماید جہالت است

## اہل بیت نبوت کو مکہ سے بلانا

اسی سال حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے زید رضؓ بن حارثہ اور ابو رافع کو جو حضورؐ کے غلام تھے مکہ مکرمہ میں پانچسو درہم اور دو اونٹوں کے ساتھ روانہ کیا تاکہ سیدہ فاطمہؓ، ام کلثومؓ، سودہؓ بنت زمعہ، اسامہؓ اور ان کی والدہ اور ام ایمن رضی اللہ عنہم کو لیکر آئیں۔ چنانچہ یہ ان سب کو یہ لے کر آئے اور حضرت عبداللہؓ بن ابی بکر بھی اپنے والد محترم کے

اہل وعیال کو لیکر ان کے ہمراہ مدینہ منورہ آ گئے۔

**مسجد نبوی شریف کی تعمیر** اسی سال مدینہ منورہ میں مسجد عظیم کی تعمیر ہوئی۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حضورؐ کی اونٹنی منبر شریف کے مقام پر آ کر بیٹھ گئی تھی اور پھر کھڑی ہو کر چند قدم آگے چل کر اس نے مسجد نبوی شریف کی حد بندی ظاہر کی تھی۔

حدیث مبارک میں ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عریش کی مانند میں ایک عریش (چھت والا مکان) بناؤں جس کی بلندی سات گز سے زیادہ نہ ہو اور اس گھر کی چھت کو لکڑی اور کھجور کے پتوں سے ڈھانپوں۔ الحدیث۔

مسجد نبوی شریف کی تعمیر سے پہلے جہاں بھی نماز کا وقت آجاتا تھا پڑھ لیتے تھے۔ اس جگہ جہاں مسجدِ نبوی تعمیر کی گئی بنی نجار کے گھروں کے آگے ایک میدان تھا حضورؐ نے فرمایا "اے بنی نجار اپنے اس احاطہ یعنی میدان کی قیمت لے لو۔" انہوں نے عرض کیا "ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے اور نہ آپ سے اس کا بدلہ چاہیں گے مگر یہ کہ حق تعالیٰ جزا مرحمت فرمائیے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ یہ احاطہ کس کا ہے؟ انہوں نے کہا یہ دو یتیموں کا ہے اور وہ اس جگہ کھجوروں کو خشک کر کے تمر بناتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس احاطہ کو خرید لو۔ تو بنی نجار نے کہا ہم ان دونوں یتیموں کو اس کی قیمت ادا کر کے اس زمین کو آپ کی نذر کرتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ خود ان دونوں یتیموں نے کہا ہم اس کی قیمت نہیں لیں گے ہم اس کو آپ کی نذر کرتے ہیں۔ مگر حضورؐ نے انکار فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے اس مال میں سے جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے ان کی قیمت میں دس سونے کے مثقال ان کو عطا فرمائے۔

نادر وعجیب روایتوں میں سے ایک روایت یہ ہے جسے طبرانی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے جس کا مکان مسجد نبوی کے برابر تھا اشارۃً فرمایا کہ کیا ممکن ہے کہ اپنی اس زمین کے ٹکڑے کو اس گھر کے بدلے فروخت کر دے جو تجھے حق تعالیٰ جنت میں عطا فرمائے گا۔ تاکہ میں مسجد شریف کو وسیع کرسکوں۔ چونکہ وہ انصاری اس معاملہ کی توفیق نہ پاتا تھا عرض کرنے لگا یا رسول اللہؐ میں عیال والا ہوں۔ میری اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں زمین کو یونہی دیدوں۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، نے اس مکان کو دس ہزار درہم ادا کر کے اس سے خرید لیا۔ اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسے مسجد نبوی میں شامل کرا دیا۔ اس مقام سے یہ نکتہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نیکی وخوشنودی کے حصول میں لوگوں کے طبائع اور ہمتیں مختلف ہیں۔ یہ انصاری محتاج تھا اور صاحب عیال تھا اور حضورؐ کی جانب سے امر ایجابی

واقع نہ ہوا تھا بلکہ اسے اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے ایسا کرے چاہے ایسا نہ کرے۔ اور ابتدائے زمانہ میں صحابہ تمام مہذب الاخلاق نہ تھے یہ حضورؐ کی صحبت میں رفتہ رفتہ مہذب ہوئے ہیں۔ اس جگہ کچھ کھجوروں کے درخت، ٹیلے اور مشرکوں کی قبریں تھیں حضورؐ نے حکم فرمایا کہ درختوں کو کاٹ ڈالو اور ٹیلوں کو ہموار کر دو اور قبروں کو زمین بوس کر دو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ مسجد بنائی جائے اور اس جگہ قبریں ہوں تو قبروں کو زمین بوس کر کے جگہ ہموار بنائی جاسکتی ہے اور قبرستان کو مسجد کے لئے ہموار کرنا جائز ہے۔ اس کے بعد صحابہ سے فرمایا کہ مسجد کی تعمیر کے لئے اینٹیں تھاپیں۔ مدینہ منورہ میں ابھی تک وہ جگہ مخصوص ومتعین ہے جہاں اینٹیں تھاپی گئی تھیں۔ وہ جگہ بقیع کی جانب واقع ہے، اس کے بعد مسجد نبوی شریف کی دیواریں خشت خام سے بنائی گئیں اور چھت کھجور کے پتوں اور ستون اس کے تنوں سے تعمیر ہوئے۔ اس زمانہ میں مسجد نبوی شریف کی یہ حالت تھی کہ اگر بارش ہوتی تو چھت سے پانی ٹپکا کرتا اور اس سے مٹی بھی جھڑا کرتی اور مسجد میں کیچڑ ہو جاتی تھی اسی کیچڑ میں سجدہ کیا جاتا تھا صحابہ کرام اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے سب ایک ایک اینٹ لاتے تو حضرت عمار بن یاسرؓ دو اینٹیں اٹھا کر لاتے اور فرماتے ایک اینٹ اپنی طرف سے اور ایک اینٹ حضورؐ کی جانب سے۔ اور حضورؐ فرماتے لوگوں کو ایک اجر ہے تو انہیں دونا اجر ہے۔ اور بشارت دی کہ آخر عمر میں تمہاری غذا دودھ کا پینا ہوگا اور تمہیں باغی لوگ شہید کریں گے۔ اور ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ تم باغیوں کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ باغی تمہیں جہنم کی طرف بلائیں گے۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ مل کر اینٹیں اٹھا کر لاتے تھے اور مٹی سے آپ کا شکم مبارک آلودہ ہو جاتا تھا جب صحابہ یہ دیکھتے کہ حضورؐ خود بنفس نفیس اینٹیں اٹھا کر لا رہے ہیں تو وہ بھی کام میں خوب کوشش کرتے اور یہ رجز یعنے ترانہ پڑھتے جاتے۔ لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِیُّ یَعْمَلُ ذَاکَ۔ اِذًا لَعَمَلُ الْمُضَلَّلُ یعنے ہم بیٹھے رہیں اور نبی کریم کام کرتے رہیں۔ ایسا بیٹھنا یقیناً گمراہ کرنے والا عمل ہے۔" اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی صحابہ کرام کو کام کا شوق اور رغبت دلانے کے لئے یہ فرماتے جاتے اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْخَیْرَ خَیْرُ الْاٰخِرَۃِ، فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَہْ۔ اے رب کوئی چیز بہتر نہیں مگر آخرت کی نیکی۔ تو رحم فرما انصار و مہاجرین پر۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ اپنے کپڑوں میں رکھ کر اینٹ لاتے تھے اور فرماتے تھے شعر

ھٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَیْبَرَ ھٰذَا اَبَرُّ عِنْدَ رَبِّنَا وَاَطْھَرُ۔

اور یہ رجز بھی پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْاٰخِرَةِ فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

مواہب لدنیہ میں ابن شہاب کا قول ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ان شعروں کے سوا اور کوئی شعر موزوں کرنا ہم تک نہیں پہنچا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آیۂ کریمہ میں جو مخالفت فرمائی گئی ہے وہ انشاء شعر یعنی اشعار کا اختراع کرنا ہے نہ کہ انشاد یعنی شعر گنگنانا۔ اور انشاد کی مخالفت پر بطریق تمثیل کوئی دلیل نہیں ہے۔

مسجد نبوی شریف کی لمبائی ابتدائے تعمیر کے وقت قبلہ سے شمال تک چوّن گز اور مشرق سے مغرب تک ساٹھ گز تھی۔ اور فتح خیبر کے بعد جو دوسرے سال میں واقع ہوا اس کی تعمیر دوبارہ کی گئی اور دونوں جانب سو دو سو گز کی ہو گئی۔ اس کے بعد مزید اضافہ اور تغیر و تبدل ہوا اور زیب و زینت نے راہ پیدا کی مکمل تذکرہ تاریخ مدینہ[۱] میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔ اول تعمیر کے وقت مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا بعد ازاں بدل کر مسجد حرام کی جانب کیا گیا۔ جیسا کہ ۲ھ ہجری کے واقعات میں آئے گا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں محراب کی علامت آج کل جیسی نہ تھی۔ محراب کی ابتداء حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔ اس زمانہ میں وہ ولید بن عبد الملک کی طرف سے مدینہ منورہ میں گورنر تھے۔ اور انہوں نے مسجد نبوی شریف کی تعمیر کی تھی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک جگہ سایہ دار تھی جس میں وہ صحابہ بود و باش کرتے تھے جن کا گھر بار نہ تھا۔ اس جگہ کو "صفہ" اور اس جگہ رہنے والوں کو اصحاب صفہ کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان کو اپنے پاس بلاتے۔ اور صحابہ کرام میں جو صاحب ثروت اور تونگر تھے ان کے سپرد فرماتے کہ وہ ان کی ضیافت یعنی خاطر داری کریں۔ ان کو "اضیاف اللہ" کہتے ہیں۔ اور وہ ان میں سے ایک جماعت کی مہمانداری کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اصحاب صفہ کے ستر ایسے اشخاص کو دیکھا ہے جن کے پاس کچھ نہ تھا بجز تہبند یا کملی کے، جسے وہ اپنے گلے میں باندھے ہوئے تھے۔ وہ کسی کے آدھی پنڈلی تک پہنچتا تھا اور کسی کے ٹخنوں تک وہ سجدہ کرتے وقت اسے لپیٹ لیتے تھے تاکہ ستر نہ کھلے۔" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ ستر سے زیادہ تھے بلاشبہ حدیث مبارک میں ہے کہ ایک وقت میں ان کی تعداد چار سو تک پہنچ گئی تھی۔ کبھی ان کی یہ تعداد

---

[۱] تاریخ مدینہ کا اردو ترجمہ راحت القلوب کے نام سے مدینہ پبلشنگ کمپنی نے شائع کر دیا ہے۔

کسی کے انتقال کر جانے، نکاح کر لینے یا کسی اور وجہ سے کم بھی ہو جاتی تھی۔ اور کبھی اس سے زیادہ بھی ہو جاتی تھی۔ ان میں سے ستر اصحاب صفہ تو بیر معونہ کے غزوہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے شہید ہو گئے تھے۔ بعض کتابوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صفہ مسجد کے اس حصہ کو کہا جاتا رہا جو سب سے پہلے بنا تھا۔ اور تحویل قبلہ کے بعد جو مسجد تعمیر کی گئی وہ دوسری جانب تھی۔ پہلی مسجد کی دیوار کو اپنے حال پر قایم رکھا گیا، پہلی مسجد میں منبر شریف تعمیر نہیں کیا گیا تھا بلکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں کھجور کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ پھر جب منبر بنایا گیا تو حضورؐ نے اس پر نشست فرمائی اور کھجور کا وہ ستون حضورؐ کی مفارقت میں گڑگڑا کر نالہ و فریاد کرنے لگا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ واقعہ ۸ھ یا ۷ھ میں ہوا۔ بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں حضورؐ مٹی کے ایک چبوترے پر جو کہ چوبی منبر بننے سے پہلے تھا خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور احادیث صحیحہ اس پر ناطق ہیں کہ خطبہ دیتے وقت کھجور کے ستون سے ٹیک لگایا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف کے پہلو میں چند حجرے خشت خام سے بنائے تھے جس پر کھجور کی شاخوں سے چھت ڈالی گئی تھی۔ اس وقت حضورؐ کی ازواج مطہرات میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا تھیں، چنانچہ ایک حجرہ حضرت عائشہ رضؓ کے لئے اور دوسرا حجرہ حضرت سودہ رضؓ کے لئے تعمیر فرمایا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب رضؓ انصاری کے گھر سے ان حجروں میں منتقل ہو گئے یہیں سیدہ عائشہ سے زفاف فرمایا۔

## حضرت عائشہؓ سے زفاف فرمانا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمانا بھی پہلی سن ہجری میں نو ماہ بعد ماہِ شوال المکرم میں واقع ہے اور سنِ نبوی مکی کے احوال کے ضمن میں معلوم ہو گیا ہوگا کہ دسویں سنِ نبوت میں حضورؐ نے سیدہ عائشہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا سیدہ عائشہ رضؓ اُس وقت چھ سال کی تھیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ میں آئے تو میرے والد محترم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے محلۂ سنخ بن حبیب بن لیاف یا خارجہ بن زید میں قیام فرمایا۔ جس دن میں حضورؐ کے کاشانہ اقدس میں آئی تو حضورؐ کے پاس انصار کے مرد و زن کی ایک جماعت حلقہ بنائے بیٹھی ہوئی تھی۔ میری والدہ نے میرے بالوں میں کنگھی کی اور مانگ نکالی اور میرا منہ دھلایا اور مجھے لیکر وہاں آئیں جہاں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رونق افروز تھے۔ چونکہ میرا سانس پھول گیا تھا اس لئے کچھ دیر توقف کیا۔ اس کے بعد وہ مجھے لیکر حضورؐ کے حجرے میں آئیں میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک سریر پر تشریف فرما ہیں۔

میری والدہ نے مجھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بٹھادیا۔ اور عرض کرنے لگیں "یارسول اللہ یہ آپ کی زوجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان میں آپ کی وجہ سے اور آپ میں ان کی وجہ سے برکت دے"۔ اس کے بعد تمام لوگ گھر سے چلے گئے اور حضورؐ نے میرے ساتھ زفاف فرمایا۔ کوئی اونٹ یا بکری ذبح کرکے عروسی کھانا (ولیمہ) تیار نہ کیا۔ البتہ دودھ کا ایک پیالہ جو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر سے آیا ہوا تھا۔ میں اس دن نو۹ سال کی تھی۔

اسماءؓ بنت عمیس سے مروی ہے وہ کہتی ہیں میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے زفاف کے دن موجود تھی۔ خدا کی قسم اس دن کوئی ولیمہ کا کھانا موجود نہ تھا بجز دودھ کے ایک پیالہ کے جس میں سے کچھ تو حضورؐ نے نوش فرمایا اور بقیہ عائشہؓ کو دے دیا وہ پیالہ لینے سے شرما رہی تھیں۔ میں نے کہا نبی کے دست مبارک کو رد نہ کرو۔ پی لو۔ تب انہوں نے شرماتے ہوئے لے لیا اور تھوڑا سا پیا۔

## مدینہ منورہ میں مہاجرین کا بیمار ہونا

اسی سن میں بعض مہاجرین مدینہ کی آب و ہوا میں بیمار ہو گئے اس زمانہ تک مدینہ کی زمین، وبا اور بخار والی تھی لیکن بعد از قدوم برکت لزوم، متبدل بہ طیب وصحت وسلامت ہوگئی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا سے اس شہر پاک کی وبا اور بخار کو جحفہ میں جو شرک وطغیان کا گھر تھا منتقل کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ، بلال اور عامر رضی اللہ عنہم بھی اس کی وبا میں مبتلا ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جب بخار نے گھیرا تو وہ اس حالت میں کہنے لگے ؎

كُلُّ امْرِءٍ مُّصَبَّحٌ فِىْ اَهْلِهٖ وَالْمَوْتُ اَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ

یعنے ہر شخص اپنے اہل میں صبح کرنے والا ہے + حالانکہ موت، اس کی جوتی کے بندھن سے زیادہ قریب ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کی مزاج پرسی کے لئے آئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں خدا کی قسم میرے والد ہوش میں نہیں ہیں۔ انہیں خبر نہیں کہ وہ اپنی زبان سے کیا کہہ رہے ہیں، اور حضرت بلال وعامر رضی اللہ عنہما کو دوسرے گوشہ میں مبتلا دیکھا۔ وہ کفار مکہ پر لعنت بھیج رہے تھے کہ انہوں نے مکہ سے نکال دیا۔ وہ مکہ کے چشموں، باغوں اور مرغزاروں کی یاد میں اشعار پڑھ رہے تھے اور بحکم طبع واویلا اور بخار کی مدہوشی میں ہذیان میں مبتلا ہیں سیدہ عائشہؓ نے ان کے احوال کی شکایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کی۔ حضورؐ نے فرمایا "خداوندا ہمارے دلوں میں مدینہ منورہ کو ایسا محبوب بنادے جیسا کہ ہم مکہ مکرمہ محبت رکھتے ہیں یا اس سے زیادہ۔ اور مدینہ کی ہوا کو ہمارے جسموں کے

لئے صحیح و درست بنادے۔ اور ہمارے صاع اور یعنی ناپنے تولنے کے پیمانوں میں بھی برکت دیدے۔ اور اس جگہ سے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرمادے"۔

## اذان کی مشروعیت

اسی سنِ اول ہجری کے واقعات میں سے اُذان کی مشروعیت ہے۔ اس کا تذکرہ عبادات کے باب میں تفصیل سے گزرچکا ہے اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ بعض ارباب سیر اسے سن دوم ہجری کے واقعات میں شمار کرتے ہیں (واللہ اعلم)

## سلمان فارسیؓ کا اسلام لانا

اسی سنِ اول ہجری کے واقعات میں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ہے۔ یہ اصفہان کے رہنے والے تھے اور وہ اس قوم سے تعلق رکھتے تھے جو ابلق گھوڑوں کی پرستش کرتی ہے۔ انہوں نے دین کی تلاش میں مسافرت اختیار کی۔ سب سے پہلے انہوں نے دین نصرانی اختیار کرکے انجیل پڑھی۔ اس کے بعد انہیں عرب کی ایک قوم نے گرفتار کرلیا اور انہیں ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کردیا۔ پھر اس یہودی نے انہیں مکاتب کردیا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بدل کتابت میں ان کی اعانت فرمائی۔ بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ آزادی کی شرط پر انہیں خرید لیا۔ وہ دس جگہ فروخت ہوچکے تھے یہاں تک کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچے جب، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو اسی وقت اسلام لے آئے تھے۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ یہ ہے کہ ایک دن انہوں نے ایک طباق تر کھجوروں کا حضورؐ کی خدمت میں لاکے رکھا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا۔ اے سلمانؓ! یہ کھجوریں کیسی ہیں؟ عرض کیا یہ آپؐ کے لئے اور آپؐ کے صحابہ کے لئے صدقہ کا مال ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اسے اٹھالو ہم صدقہ نہیں کھاتے۔ تو وہ اٹھا کر لے گئے دوسرے دن پھر ایک طباق تر کھجوروں کا لا کے حضورؐ کے آگے رکھا۔ فرمایا اے سلمانؓ! یہ کیسی ہیں؟ عرض کیا یہ آپؐ کے لئے اور آپؐ کے صحابہ کے لئے ہدیہ ہیں۔

صدقہ اور ہدیہ میں فرق یہ ہے کہ صدقہ محتاجوں کو مہربانی کے طور پر دیا جاتا ہے اور اس میں دینے والے کی بلندی ہے۔ اور ہدیہ بڑوں کی خدمت میں بطور پیش کش اور نذرانہ لایا جاتا ہے اس میں دینے والے کی پستی اور لینے والے کا ادب واحترام ملحوظ ہوتا ہے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اپنے ہاتھ بڑھاؤ اور کھاؤ۔ اس وقت حضرت سلمانؓ کی نظر، حضورؐ کی پشت مبارک میں مہر نبوت پر پڑی۔ وہ حضورؐ کی اس نشانی کو پہچانتے ہی اسلام لے آئے حالانکہ وہ اس وقت یہودی کے غلام تھے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ان کو اس یہودی سے خرید لیا اور آزاد فرمایا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی عمر کے بارے میں جو اقوال ہیں ان میں سے ایک قول تین سو

پچاس سال کا ہے اور اکثر کے نزدیک دو سو پچیس ۲۲۵ سال ہے اور قول صحیح یہی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمانہ پایا ہے (واللہ اعلم)

وہ غزوۂ خندق کے موقعہ پر اول شاہد ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے ہی خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ اور کہا کہ ہمارے ملک میں دستور ہے کہ جب دشمن چڑھائی کرتا ہے تو خندق کھود کر حفاظت کرتے ہیں۔ خندق کی کھدائی کے وقت مہاجرین وانصار میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ سلمانؓ ہمارے ساتھ ہوں۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سَلْمَانُ مِنَّا مِنْ اَھْلِ الْبَیْتِ یعنے سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں اور وہ ان شخصوں میں سے ایک ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں انہیں "مداین" کا امیر (گورنر) مقرر فرمایا۔ حضرت سلمانؓ اپنی محنت سے کھاتے تھے بیت المال سے جو کچھ ملتا وہ سب صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ وہ حاجتمندوں سے محبت رکھتے تھے۔ "اصحاب صفہ" میں سے ہیں اور ان کے مناقب بکثرت مروی ہیں۔ انہوں نے "مداین" میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں وفات پائی۔ اور بعض کہتے ہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وفات پائی لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے اور وہ خود کو فرمایا کرتے "اَنَا سَلْمَانُ بْنُ الْاِسْلَامِ" یعنے میں اسلام کا بیٹا سلمانؓ ہوں" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ قریش خوب جانتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں خطاب عزیز تھا لیکن عمرؓ بن الاسلام، سلمانؓ بن الاسلام کا بھائی ہے۔

## عقد مواخات

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مہاجرین وانصار کے درمیان عقد مواخات باندھنا ہے۔ یہ رشتۂ مواخات پینتالیس ۴۵ پینتالیس اور ایک قول کے بموجب پچاس پچاس انصار اور مہاجرین کے درمیان باندھا گیا تھا۔ یہ عقدِ مواخات، باہمی یگانگت اور حق توارث میں مربوط کرنا تھا۔ یہ سب آیۂ کریمہ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُھُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ۔ (رحمی رشتہ والے، اللہ کے فرائض میں ایک دوسرے کے درمیان زیادہ قریب ہیں) کے نازل ہونے سے پہلے تھا۔ اس آیۂ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد عقدِ مواخات منسوخ ہو گئی۔

روضتہ الاحباب میں شیخ ابن حجر سے (فتح الباری میں ابن عبد البر سے) منقول ہے کہ مواخات ایک جدا چیز ہے جو مہاجرین کے درمیان ایک دوسرے کے ساتھ عقد باندھنے میں مخصوص ہے۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ اور حضرت طلحہؓ وزبیرؓ اور حضرت عثمانؓ بن عفان وعبد الرحمنؓ بن عوف کے درمیان عقد مواخات باندھا گیا۔ اس پر حضرت علی مرتضےؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپؐ نے صحابہ کے درمیان تو برادری

کا رشتہ باندھ دیا اور مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ میرا بھائی کون ہے؟ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا بھائی میں ہوں۔ اور فرمایا اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ تم دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہو۔"

## تعداد نماز میں اضافہ

اسی سنِ اوّل ہجری کے واقعات میں سے نمازِ حضر یعنی حالتِ اقامت میں نمازوں کا اضافہ ہوا۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے جب دو مہینے گزر گئے اور بعض روایتوں میں ایک سال کا گزرنا آیا ہے۔ تو اقامت کی نمازوں میں اضافہ کر دیا گیا۔ اس سے پہلے مغرب کی تین رکعت کے سوا تمام نمازیں دو۔ دو رکعت تھیں۔ اس کے بعد نماز ظہر، نماز عصر اور نماز عشاء میں دو۔ دو رکعت کا اضافہ ہو گیا اور نماز فجر کی دو رکعتیں بدستور برقرار رہیں۔ کیوں کہ ان میں قرارت طویل ہے۔ اور نماز مغرب کو بھی اسی طرح برقرار رکھا کیوں کہ وہ دن کے وتر ہیں

صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ دو دو رکعت نماز فرض کی گئی پھر جب حضورؐ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو دو اور چار رکعت فرض کی گئیں۔ اور سفر کی نماز کو پہلے فریضہ پر برقرار رکھا گیا۔" یہ حدیث، نماز قصر کے وجوب میں احناف کی دلیل و حجت ہے۔ مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چار رکعت فرض تھی بعد کو مسافر پر کمی کر دی گئی۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ فرمایا اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ نِصْفَ الصَّلٰوۃِ بیشک اللہ نے اپنی نماز کو مسافر پر آدھی فرض فرمائی، بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضر میں نمازیں چار رکعت مشروع ہوئیں اور سفر میں دو رکعتیں۔ اسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے غرضکہ مذہب حنفی میں قصر کا وجوب ہے اور مذہب شافعی میں رخصت و اجازت ہے اور اگر چار پڑھے تو عزیمت ہے اور احناف کے نزدیک رخصت کا اطلاق مجازاً ہے اس کی مفصل تحقیق و تفصیل فقہ کی کتابوں میں ہے۔

## بھیڑیئے کا کلام کرنا

اسی سن اول ہجری کے واقعات میں سے بھیڑیئے کا کلام کرنا ہے۔ منقول ہے کہ مدینہ منورہ کے باہر ایک بھیڑیا ریوڑ سے ایک بکری لے بھاگا۔ چرواہا اس بھیڑیئے کے تعاقب میں گیا اور اس سے بکری چھین لی۔ بھیڑیئے نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق دیا تھا اور تو نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہا حیران رہ گیا اور کہنے لگا تعجب ہے کہ بھیڑیا بات کرتا ہے۔ بھیڑیئے نے کہا یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایک شخص مدینہ کے سنگستان اور نخلستان کے درمیان گزشتہ اور آیندہ کی خبریں دے رہا ہے اور تو اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ اس کے بعد وہ چرواہا جو یہودی تھا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے حضورؐ سے بھیڑیئے کے کلام کرنے کا قصہ بیان کیا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ بہت جلد وہ

وقت آنے والا ہے جبکہ آدمی اپنے گھر سے نکلے گا اور ابھی گھر لوٹ کر نہ آئے گا کہ اس کی جوتیاں اور اس کا کوڑا، اس کے جانے کے بعد جو کچھ گھر میں ہوا ہے سب کی خبریں دے گا۔

اس واقعہ کو علماء صدق نبوت کے معجزات کے ضمن میں بیان کرتے ہیں کیوں کہ بھیڑیئے کا کلام کرنا حقیقت میں معجزہ ہے۔

## عاشورہ کا روزہ

اسی سن اول ہجری میں یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کے دن صحابۂ کرام کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے تو یہود کو دیکھا کہ وہ روز عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے شر سے نجات پائی اور تمام قبطی لشکر دریائے نیل میں غرق ہوا تھا۔ اس نعمت کے شکرانہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام باقی تمام عمر اس دن روزہ رکھتے رہے۔ اس پر سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی سنت کو زندہ رکھنے اور اس کا اتباع کرنے کے زیادہ حقدار اور مستحق ہیں۔ اور منادی کو بلا کر حکم دیا کہ اعلان کر دیں کہ اس دن روزہ رکھا کریں۔ اس کے بعد آپ نے بھی روزہ رکھا اور تمام صحابہ نے بھی روزہ رکھا۔

علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو یہود کی اس خبر کی سچائی کا علم وحی کے ذریعہ تھا۔ جب ماہِ رمضان کا روزہ فرض ہوا تو روزِ عاشورہ کے روزہ رکھنے میں جو اہتمام و مبالغہ برتا جاتا تھا باقی نہ رہا آپ نے فرمایا کہ جو چاہے اس دن روزہ رکھے اور جو چاہے نہ رکھے۔ بعض کتابوں سے یہ مفہوم ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے عاشورہ کا روزہ فرض تھا لیکن رمضان کے روزے کی فرضیت کے بعد اس کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

بخاری، مسلم، موطا، ابو داؤد اور ترمذی میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی روزہ رکھا کرتے تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ قریش کا عاشورہ کے روزے کی پابندی کرنا غالباً شرائع سابقہ کی تلقین کے سبب ہو اسی لئے وہ اس دن کی عظمت کرتے تھے اور خانۂ کعبہ پر غلاف چڑھاتے تھے۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں قریش سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا اور ان کے دلوں میں اس کا خوف بیٹھ گیا تھا تب ان سے کہا گیا کہ عاشورہ کا روزہ رکھو تاکہ اس گناہ کا کفارہ ہو جائے۔ (کذا فی فتح الباری)

سفر السعادۃ میں کہا گیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم عاشورہ کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے

تھے۔ اور جامع الاصول میں نسائی سے منقول ہے کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کو حضورؐ کبھی ترک نہ فرماتے تھے عاشورہ کا روزہ، عشرۂ ذی الحجہ کے روزے، ایام بیض کے روزے اور فجر کی فرض سے پہلے کی دو سنتیں نیز علماء عاشورہ کے روزے کے مراتب میں فرماتے ہیں کہ اس کی تین صورتیں ہیں۔ افضل و اکمل یہ ہے کہ تین روزے رکھے جائیں یعنی نویں، دسویں اور گیارہویں کا اور دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ دو روزے رکھے جائیں نویں اور دسویں کا۔ اور تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ صرف دسویں کا روزہ رکھا جائے۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے فرمایا اگر میں نے آیندہ سال پایا تو نویں کا روزہ بھی رکھوں گا یعنی یوم عاشورہ کے ساتھ نویں کا روزہ بھی رکھوں گا اس سے اہل کتاب کی مخالفت مقصود تھی اور مسندِ امام احمد اور بزار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عاشورہ کا روزہ رکھو اور اس میں یہود کی مخالفت اس سے پہلے اور اس کے بعد روزہ رکھ کر کرو۔ جیسا کہ سفر السعادۃ میں مذکور ہے۔

یوم عاشورہ کی فضیلت میں وارد ہوا ہے کہ یوم عاشورہ کا ایک روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس سے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ اور یوم عرفہ کے روزے کے بارے میں دو سال کے برابر واقع ہوا ہے۔

بعض علماء نے اس ضمن میں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ عاشورہ کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت سے ہے اور یوم عرفہ کا روزہ حضور اکرمؐ کی شریعت سے ہے۔

## براءؓ بن معرور کی رحلت

اسی سنِ اول ہجری میں حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے وفات پائی۔ یہ نقباءِ انصار میں سے خزرجی اور سلمی ہیں اور ان پہلے مسلمانوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کے کہنے پر عقبۂ ثانیہ کی رات میں بیعت کی۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تہائی مال کی وصیت کی۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جس نے نقباء میں سب سے پہلے وفات پائی۔ وہ انصار کے سردار اور ان کے بڑے تھے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سفر میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے سے ایک ماہ پہلے وفات پائی۔ اور حضورؐ نے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے کے بعد صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ ان کی قبر کے کنارے نماز پڑھی اور دعاء فرمائی کہ:۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَارْضَ عَنْہُ وَقَدْ فَعَلْتَ۔

## اسعد بن زرارہ کی وفات

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی اسی سال واقع ہوئی ہے یہ بھی نقباءِ انصار میں سے ہیں اور یہ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ دونوں ہی میں موجود تھے اور بیعت کی تھی یہ بنی ساعدہ کے نقیب تھے۔ اور یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے

مدینہ منورہ میں انصار کے جمع کرنے کی کوشش کی۔ اور دین اسلام کی تائید میں سعی فرمائی اور ان کی ہی کوشش سے بکثرت انصار ایمان لائے۔ انہوں نے کوئی گھر ایسا نہ چھوڑا جہاں جاکر اسلام کی تبلیغ نہ کی ہو۔ ان کی وفات سن اول ہجری کے ششماہی کی ابتداء میں تعمیر مسجد شریف کے دوران ہوئی۔ اور بقیع الغرقد میں مدفون ہوئے۔ انصار کہتے ہیں کہ سب سے پہلے بقیع میں یہی مدفون ہوئے۔ لیکن مہاجرین کہتے ہیں کہ عثمانؓ بن مظعون ہیں۔

اسی سال کلثومؓ بن الہدم اور مہاجرین میں سے عثمانؓ بن مظعون نے وفات پائی۔ اور مشرکوں کی ایک جماعت بھی اسی سال مری، ان میں سے عاص بن وائل سہمی عمروؓ بن العاص کے باپ اور ولید بن مغیرہ، خالدؓ بن ولید کے باپ ہیں۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ، نزع کی حالت میں بہت چیخ و چلا رہا تھا ابوجہل نے اس سے کہا اے چچا اتنا کیوں چیختے چلاتے ہو؟ اس نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ ابن ابی کبشہ کا دین مکہ میں غالب ہوگا۔ ابوسفیانؓ نے کہا خوف مت کرو کیوں کہ میں ضامن ہوں کہ ان کا دین غلبہ نہ پائیگا مشرکین مکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہا کرتے تھے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ابوکبشہ زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص تھا جو عبادت کرتا تھا عبادت میں اس کی مشابہت کی غرض سے یہ لوگ حضورؐ کو اس سے منسوب کر کے ابن ابی کبشہ کہنے لگے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابوکبشہ حضورؐ کے رضاعی اجداد میں سے تھا۔

## ۲ھ ہجری کے واقعات کا ذکر

### تحویل قبلہ

دوسرے سال تحویل قبلہ عمل میں آئی ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں رونق افروزی سے تقریباً سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی جانب نماز پڑھی جاتی رہی، اس طرف استقبال کرنے کے حضورؐ مامور من اللہ تھے اس کے باوجود یہ اسلام اور اتباع دین میں یہود کی تالیف قلوب کو بھی متضمن ہے۔ حضورؐ کی تمنا یہی تھی کہ آپؐ کا قبلہ مسجد حرام جو حضرت ابراہیم علیہ السلامؑ کا قبلہ ہے وہی ہو۔ اور ہمیشہ اس بارے میں نزول وحی کے منتظر رہے۔ چنانچہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ:۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔

اے محبوب بے شک ہم نے آپ کو آسمان کی جانب اپنا چہرہ بار بار پھیرتے دیکھا تو ضرور ہم اسی قبلہ کی طرف آپ کو پھیر دیں کے جس سے آپ راضی ہیں۔ تو اے محبوب اپنا رخ مسجد حرام کی جانب پھیر لو۔

اس سے بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہوگیا اس میں اختلاف ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے اس وقت آپ کا قبلہ بیت المقدس تھا یا کعبہ معظمہ، اکثر کا خیال یہ ہے کہ بیت المقدس ہی قبلہ تھا لیکن حضورؐ نماز میں اس طرح رخ فرماتے کہ کعبہ آپ کے درمیان ہوتا اور قبلہ بیت المقدس ہوتا اور آپ اسی حال پر قایم رہے یہاں تک کہ مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ اس کے بعد مسجد حرام کی طرف رُخ پھیرنے کا حکم ہوا۔ دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ قبلہ ہی تھا اور مکہ میں ہی بیت المقدس قبلہ بنا دیا گیا تھا اور اس کی طرف آپ تین سال تک نمازیں پڑھتے رہے اور مدینہ منورہ میں رونق افروزی کے سترہ مہینے کے بعد کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کسی صحابیہ کے یہاں تشریف فرما تھے کہ ظہر کی نماز کا وقت آگیا تو حضورؐ نے ان صحابہ کے ساتھ جو اس وقت موجود تھے نماز شروع فرما دی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ بنی سلمہ کی ایک مسجد بنی ہوئی تھی آپ اس میں نماز پڑھ رہے تھے اور دوسری رکعت کے رکوع میں تھے کہ تحویل قبلہ کی وحی نازل ہوئی آپ اسی وقت کعبہ معظمہ کی جانب پھر گئے اور جو صفیں آپؐ کے پیچھے تھیں وہ بھی پھر گئیں اور اس طرح نماز کو پورا کیا۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کی وحی خارج نماز میں ہوئی تھی ایک قول یہ ہے کہ وہ نماز ظہر تھی جس میں تحویل قبلہ واقع ہوا۔ اور حضورؐ اپنی مسجد شریف میں صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ پہلا قول زیادہ ثابت ہے۔

صحیح بخاری میں یہ مروی ہے کہ سب سے پہلی نماز جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کی جانب پڑھی وہ نماز عصر تھی۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ تمام وکمال جو نماز کعبہ کی جانب پڑھی ہو وہ نماز عصر تھی۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔

مدینہ منورہ میں جانب غرب میں مسجد فتح آدھے میل کے فاصلہ پر وادی عقیق اور بیر رومہ کے قریب ایک مسجد ہے جسے "مسجد القبلتین" کہتے ہیں، اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ تحویل قبلہ اسی جگہ واقع ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ گھر اس صحابیہ کا ہوگا جہاں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، یہ جگہ ایسی ہے کہ بیت المقدس اور کعبہ معظمہ کی سمت ایک دوسرے کے مقابل واقع ہیں چنانچہ اگر بیت المقدس کی جانب رخ کریں تو کعبہ معظمہ کی طرف پشت ہوتی ہے اور اگر کعبہ معظمہ کی جانب رخ کریں تو بیت المقدس کی طرف پشت ہوتی ہے۔

جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو کچھ یہود و منافقین کے ——— دل میں شک اور کھوٹ پیدا ہوا۔ اس پر حکم رب نازل ہوا کہ:۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے۔

مطلب یہ کہ یہ حکم الٰہی سے ہے جس طرف چاہے پھیر دے۔ بعض مسلمانوں نے ان لوگوں کے بارے میں (جو تحویل قبلہ سے پہلے ہی اس جہان سے رخصت ہو گئے تھے جیسے براءؓ بن معرور اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما وغیرہ) دریافت کرنے لگے کہ ان کی نمازوں کا کیا حال ہے کیوں کہ انہوں نے تو بیت المقدس کی جانب نمازیں پڑھی ہیں۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ ۔ نہیں ہے اللہ کہ تمہارے ایمان کو رائیگاں فرمائے۔

اس آیۂ کریمہ میں ایمان سے مراد، نماز ہے کیوں کہ نماز ایمان کے اعمال میں اقویٰ و اعظم ہے۔ اور رہ گیا خود یہ کون سے توقف کی جگہ ہے۔ وہ بھی حکم الٰہی سے تھا اور یہ بھی حکم الٰہی سے ہے۔ کسی حکم کا منسوخ ہونا حکم سابق کے بطلان کا موجب نہیں ہے دونوں حکم حق ہیں۔

جب تحویل قبلہ واقع ہوا تو مسجد نبوی شریف کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور مسجد قبا شریف کو بھی بدلا گیا۔ حضورؐ خود بنفس نفیس اور صحابہ کرام پتھر اٹھاتے تھے۔

**نکاح فاطمۃ الزہراء** ۲ھ ہجری میں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ولادت بقول صحیح، اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہے جس وقت کہ قریش خانہ کعبہ کی دراڑ آنے کی وجہ سے تعمیر کر رہے تھے۔ اور حضرت علی مرتضیٰؓ سے ان کا نکاح ۲ھ کی ماہ رمضان مبارک میں ہوا اور اس کی بناء ماہ ذوالحجہ میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ماہ رجب میں نکاح ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ ماہ صفر میں اور بعض کہتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے بعد ہوا جیسا کہ جامع الاصول میں ہے۔ بوقت نکاح سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر شریف ۱۶ سولہ سال اور بعض کے نزدیک ۱۸ اٹھارہ سال تھی۔ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی عمر مبارک اس وقت اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ روایتوں میں آیا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پیام دیا تھا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے علت بیان کرتے ہوئے فرمایا میں ان کے نکاح میں وحی کا انتظار کر رہا ہوں اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پیام دیا ان کو بھی اسی طرح جواب مرحمت فرمایا۔ مشکوٰۃ میں مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے لئے پیام دیا تو حضورؐ نے فرمایا وہ خورد سال ہیں۔ پھر ام ایمنؓ نے حضرت علی کو ترغیب دی۔ روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ صحابہ نے ان سے کہا آپ حضورؐ کے اہل اور خواص میں سے ہیں آپ جا کر ان کے لئے حضورؐ کو پیام دیں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں شرم رکھتا ہوں اور فرمایا جب حضورؐ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا پیام رد فرما دیا تو میرا پیام کیوں قبول فرمائیں گے

صحابہ نے کہا آپ حضورؐ کی بارگاہ میں بہت زیادہ مقرب اور حضورؐ کے چچا کے صاحبزادے اور حضرت ابوطالب کے فرزند ہیں۔ جاؤ اور شرم نہ کرو۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو سلام کیا۔ اور حضورؐ نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اے ابوطالب کے فرزند کیا بات ہے کیسے ہمارے پاس آنا ہوا۔ عرض کیا میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میں فاطمہؓ کا پیام اپنے لئے پیش کروں۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مرحبا و اہلاً فرمایا۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا حضرت انس رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ اس وقت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا اس وقت حضورؐ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت طاری ہوتی ہے اور حضورؐ اس میں مستغرق ہو گئے۔ اس کے بعد جب وہ کیفیت دور ہوئی اور حضورؐ اپنے حال میں آئے تو فرمایا اے انسؓ! رب العرش کے پاس سے میرے حضور جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ فاطمہؓ کا نکاح علی مرتضیٰؓ کے ساتھ کر دو۔ تو اے انسؓ جاؤ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و طلحہؓ و زبیرؓ اور جماعت انصار کو بلا لاؤ۔ جب یہ سب حاضر ہو گئے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بلیغ خطبہ پڑھا پھر حمد الٰہی میں فرمایا اس پر رب العزت کی حمد و ثنا ہے اور نکاح کی ترغیب دی۔ اس کے بعد فاطمہؓ کا نکاح حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ چار سو مثقال چاندی پر مہر عقد باندھا اور فرمایا " اے علیؓ! تم قبول کرتے ہو اور راضی ہو ؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا میں نے قبول کیا اور میں راضی ہوا۔ پھر حضورؐ نے ایک طباق کھجوروں کا لیا اور جماعت صحابہ پر بکھیر کر لٹایا۔ اسی بنا پر فقہا کی ایک جماعت کہتی ہے کہ شکر و بادام وغیرہ کا بکھیر کر لٹانا عقد نکاح کی ضیافت میں مستحب ہے۔

مواہب لدنیہ نے خطبہ نکاح کو نقل کیا ہے وہ یہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُوْدِ بِنِعْمَتِهِ الْمَعْبُوْدِ بِقُدْرَتِهِ الْمُطَاعِ بِسُلْطَانِهِ الْمَرْهُوْبِ مِنْ عَذَابِهِ وَسَطْوَتِهِ النَّافِذِ اَمْرُهُ فِيْ سَمَائِهِ وَاَرْضِهِ الَّذِيْ خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهِ وَمَيَّزَهُمْ بِاَحْكَامِهِ وَاَعَزَّهُمْ بِدِيْنِهِ وَاَكْرَمَهُمْ بِنَبِيِّهِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ اسْمُهُ وَتَعَالَتْ عَظَمَتُهُ جَعَلَ الْمُصَاهَرَةَ سَبَبًا لَاحِقًا وَاَمْرًا مُفْتَرَضًا وَشَبَّحَ بِهِ الْاَرْحَامَ وَاَكْرَمَ الْاَنَامَ فَقَالَ عَزَّ مَنْ قَالَ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا وَّكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا۔ فَاَمْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى يَجْرِيْ اِلٰى قَضَائِهِ وَقَضَاؤُهُ يَجْرِيْ اِلٰى قَدَرِهِ وَلِكُلِّ قَضَاءٍ قَدَرٌ وَّلِكُلِّ قَدَرٍ اَجَلٌ وَّلِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ اُمُّ الْكِتَابِ ثُمَّ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَنْ اُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ۔ الخ۔

جزری نے "حصن حصین" میں ابن حبان سے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے کہ جب حضورؐ نے حضرت علیؓ کا نکاح سیدہ فاطمہؓ سے کر دیا تو حضورؐ اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا تھوڑا سا پانی لاؤ پھر سیدہ فاطمہؓ نے لکڑی کا پیالہ لیا اور اس میں پانی بھرا۔ اور حضورؐ نے ان سے پانی لے کر اپنا لعاب دہن مبارک اس میں ڈالا۔ اور سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا قریب آؤ وہ قریب آئیں تو حضورؐ نے اس پانی کو ان کے سینہ کے درمیان اور سر پر چھڑکا۔ اور فرمایا اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے بعد فرمایا "اے فاطمہؓ! میری طرف پشت کرو۔ پھر حضورؐ نے ان کے شانوں کے درمیان پانی کے چھینٹے دیئے اور فرمایا اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ پھر فرمایا پانی اور لاؤ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں سمجھ گیا تھا کہ اب حضورؐ کیا کریں گے۔ تو میں کھڑا ہوا اور پانی بھر کر لایا۔ حضورؐ نے اس پانی کو لیا اور اس میں لعاب دہن مبارک ڈالا اور مجھ سے فرمایا میرے سامنے آؤ میں حضورؐ کے آگے کھڑا ہو گیا۔ حضورؐ نے پانی کے چھینٹے میرے سر اور میرے چہرے پر دیئے۔ اور فرمایا:- اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُعِیْذُكَ وَ ذُرِّیَّتَهٗ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ اے خدا میں ان کو اور ان کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتا ہوں شیطان رجیم سے۔ اس کے بعد فرمایا "بِسْمِ اللّٰہِ وَالْبَرَکَۃِ۔ کہہ کر اپنی زوجہ کے پاس جاؤ۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم روز نکاح، سیدہ فاطمہؓ کو بعد نماز عشاء حضرت علیؓ کے گھر لائے۔ پھر پانی کا پیالہ اٹھا کر اس میں اپنا لعاب دہن شریف ڈال کر معوذتین اور دعا پڑھی۔ اور حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اس پانی کو پی جاؤ۔ اس کے بعد حضورؐ نے وضو کیا اور سیدہ فاطمہؓ سے فرمایا اس پانی کو پی جاؤ۔ اس کے بعد حضورؐ نے پھر وضو کیا اور فرمایا "اے خدا یہ دونوں جانیں مجھ سے ہیں اور میں ان کا ہوں۔ اے رب جس طرح تو نے مجھ سے　　ی کو دور کر کے پاک بنایا ہے اسی طرح ان دونوں کو پاک بنا۔" اس کے بعد دونوں سے فرمایا "جاؤ اپنی خواب گاہ میں۔ اور فرمایا" اے خدا ان کے درمیان محبت و الفت شامل فرما اور ان میں اور ان کی اولاد میں برکت دے۔ اور ان سے پریشانی کو دور فرما۔ ان کے نصیبہ کو نیک گردان! ان پر برکت نازل فرما اور ان سے بکثرت پاک اولاد پیدا فرما۔"

خطیب بغدادی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدتنا فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا تو سیدہ فاطمہؓ رونے لگیں اس پر حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا "میری لخت جگر کس بات سے تم رونے لگیں۔" انہوں نے کہا "یا رسول اللہ آپ نے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کر دیا ہے جس کے پاس نہ مال ہے اور نہ کوئی چیز۔" اس پر حضورؐ نے فرمایا کیا تم اس سے

راضی نہیں کہ حق تعالیٰ نے زمین سے دو شخصوں کو برگزیدہ فرمایا جن میں سے ایک تمہارا والد ہے اور دوسرا تمہارا شوہر۔" اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ فرمایا کیا تم راضی نہیں کہ میں نے اس سے نکاح کیا ہے جو از روئے اسلام سب سے پہلے مسلمانوں میں سے ہے۔ اور علم کے اعتبار سے ان سب میں داناترین ہے۔ تم میری امت کی عورتوں میں سب سے بہترین ہو جس طرح کہ مریم علیہا السلام اپنی قوم میں تھیں۔ طبرانی کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں نے اس کے ساتھ تمہارا نکاح کیا ہے جو دنیا میں نیک بخت اور اور آخرت میں صالحین میں سے ہے۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس کچھ ہے۔" علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ایک گھوڑا اور ایک زرہ رکھتا ہوں۔" فرمایا۔ "گھوڑا تو تمہارے لئے ضروری ہے لیکن زرہ کو فروخت کر دو اور اس کی قیمت میرے پاس لے آؤ۔" انہوں نے اسے چار سو اسی درہم میں فروخت کر دیا اور قیمت حضور کی خدمت میں لے آئے۔ حضور نے اسے لے کر بلال رضی اللہ عنہ کو دیدیا کہ اس سے عطر و خوشبو خرید لائیں۔ اور باقی رقم ام سلیم کو دی کہ اس سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے جہیز کا سامان فراہم کریں اور امورِ خانہ داری کا ساز و سامان مہیا کریں۔ انہوں نے دو چادریں، دو کتان کی نہالی، چار بالشت کپڑا، دو چاندی کے بازوبند، گدا، تکیہ ایک پیالہ، ایک چکی، ایک مشکیزہ، اور کچھ مشروبات وغیرہ خریدے، اور ان کو ترتیب کے ساتھ رکھ دیا۔

مروی ہے کہ حضور نے امورِ خانہ داری کو اس طرح مقرر فرمایا کہ گھر کے کام مثلاً روٹی پکانا، جھاڑو دینا، چکی پیسنا وغیرہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا انجام دیں اور باہر کے کام مثلاً اونٹ کو پانی چارہ دینا اور بازار سے سودا وغیرہ خرید کر لانا یہ علی مرتضیٰ یا ان کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت اسد کریں۔

مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا خود آگ کے سامنے بیٹھ کر روٹی پکاتیں، گھر میں جھاڑو دیتیں اور چکی پیستی تھیں جس سے ان کا رنگ مبارک متغیر ہو گیا تھا اور ہاتھوں میں ٹھیٹ پڑ گئے تھے۔ اور ان کے کپڑے گرد آلود ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ کسی خادمہ کی طلب میں حضور کے پاس پہنچیں۔ حضور نے فرمایا "میں تمہیں ایسی چیز بتاتا ہوں جو خادم سے بہتر ہے۔ جب تم سونے کا ارادہ کرو تو ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد للہ، ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صفین کی رات کے سوا کبھی بھی اس ورد کو نہ چھوڑا۔

مواہب لدنیہ میں اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ولیمہ کیا۔ اس وقت ان کے پاس ولیمہ کے لئے کچھ موجود نہ تھا مگر انہوں نے ولیمہ کیا اور اپنی زرہ کو ایک یہودی کے پاس جو پر گروی رکھا۔ ان کے ولیمہ میں چند صاع جو، کھجوریں اور حیس کا کھانا تھا۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

## زکوٰۃ، روزہ رمضان، نماز عید فطر اور صدقہ فطر

۲ھ ہجری کے واقعات میں سے ماہِ رمضان کے روزے کی فرضیت اور نماز عید اور صدقہ فطر ہے۔ یہ واقعہ اٹھارہ ۱۸ ماہ گزرنے کے بعد کا ہے جب سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے زکوٰۃ کی فرضیت ہو چکی تھی۔ اور زکوٰۃ کی فرضیت بھی اسی سال ہوئی ہے لیکن بعض ہجرت سے پہلے کہتے ہیں۔ انتہی۔

## جہاد و قتال کا حکم

۲ھ ہجری کے واقعات میں سے امرِ جہاد و قتال کا واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ط

ان لوگوں کو قتال کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان کے ساتھ ظلم کیا گیا ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد کرنے پر یقیناً قادر ہے۔

اس کے سوا اور بھی آیتیں ہیں جن میں جہاد و قتال کا حکم واقع ہوا ہے۔ اس سے پہلے حضورؐ کو قتال سے منع کیا گیا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے صحابہ کرام مجروح و مضروب آتے تھے۔ ان سے حضورؐ فرمایا کرتے کہ مجھے قتال کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ یہاں تک کہ جب ہجرت فرمائی تو اس کی اجازت دی گئی۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ چوں کہ مکہ مکرمہ میں مشرکین بہت زیادہ تھے اور ان کو غلبہ حاصل تھا مسلمان بہت کم خال خال اور کمزور تھے اس بنا پر رب العزت کی حکمت کا اقتضاء ہوا کہ قتال کی مشروعیت کو اس وقت تک موخر رکھا جائے جب تک کہ حضورؐ مدینہ منورہ میں رونق افروز نہ ہوں اور صحابہ کی جمعیت قائم نہ ہو۔ چنانچہ جب حضورؐ مدینہ تشریف لے آئے اور صحابہ کی جمعیت ہو گئی تو نصرتِ الٰہی قائم ہوئی اور ان کے لئے مدینہ منورہ ملجا و ماویٰ بن گیا اور اعداء دین کے ساتھ جہاد و قتال مستقل طور پر مشروع ہو گیا۔

## غزوہ اور سریہ کی تعریف

اس میں ارباب سیر کی یہ اصطلاح جاری ہو چکی ہے کہ ہر وہ لشکر جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود موجود ہوں اسے غزوہ اور غزوات کہتے ہیں اور جس لشکر میں خود موجود نہ ہوں بلکہ کوئی فوج روانہ فرمائی ہو اسے بعث اور سریہ کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سَرِیہ یعنی رات میں سیر کرنا ہے۔ اور اہل سیر کی اصطلاح میں لشکر کا وہ ٹکڑا جسے دشمن پر تاخت کے لئے بھیجا گیا ہو سَرِیہ کہتے ہیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سَرِیہ لشکر کا وہ ٹکڑا ہے جو لشکر سے جدا ہو کر جائے پھر اسی لشکر میں لوٹ کر شامل ہو جائے اور ان کی تعداد سَو سے پانچسو تک ہو۔ اور اگر پانچسو سے زیادہ ہو تو اسے "منسر" (بروزن منبر) کہتے ہیں اور جو آٹھ سَو سے

زیادہ ہو اسے "جیش" کہتے ہیں اگر چار ہزار سے زیادہ ہو جائے تو "جحفل" (بتقدیم جیم برحا) اور لشکر عظیم کو "خمیس" کہتے ہیں جس میں پانچ ٹکڑے ہوں، مقدمہ[۱]، قلب[۲]، میمنہ[۳]، میسرہ[۴] اور ساقہ[۵]۔ اور کتیبہ اور لشکر وہ ہے جو مجتمع ہو بکھرا ہوا نہ ہو۔

اُن غزوات کی تعداد جس میں حضورؐ بنفس نفیس شریک ہو کر تشریف لائے ستائیس[۲۷] ہے۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔ اور صاحب روضۃ الاحباب کے قول کے بموجب اکیس[۲۱] اور ایک اور قول کے بموجب چوبیس[۲۴] بھی منقول ہے۔ اس کی وجہ تطبیق بھی بیان کی گئی ہے اور تعجب ہے کہ وہ قول جو صحیح بخاری میں زید بن ارقم رضؓ سے مروی ہے جو انیس[۱۹] غزوات کا ہے ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ نو[۹] غزوات ایسے ہیں جن میں قتال واقع ہوا ہے وہ یہ ہیں غزوۂ بدر[۱]، احد[۲]، احزاب[۳]، بنو قریظہ[۴]، بنو المصطلق[۵]، خیبر[۶]، فتح مکہ[۷]، حنین[۸]، اور طائف[۹]۔

اور سرایا کی تعداد سینتالیس[۴۷] تھی اور بعضے چھپن[۵۶] کہتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ابن اسحاق سے مروی ہے کہ سب سے پہلا غزوہ جو حضورؐ نے کیا "ابوا" کا تھا اس کے بعد "بواط" کا اس کے بعد عشیرہ، اور "ابوا" ایک جگہ کا نام ہے جو جحفہ کے قریب ہے "ابوا" کی اصل "اوبا" تھی جو وبا سے ہے۔ اس کو بدل کر ابواء نام پڑگیا۔ اور ابوا کو ودّان (بتشدید دال) بھی کہتے ہیں۔ بعض کتابوں میں غزوۂ ودّان بھی واقع ہوا ہے۔ اور صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ ابوا اور ودّان دو قریب قریب جگہوں کے نام ہیں ان کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے اور "بواط" جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے جو ینبع کے قریب ہے۔ اور عشیرہ، تصغیر کے صیغہ پر ہے اور آخر میں ہا ہے بخاری میں عسیرہ سین سے بھی آیا ہے اور عشیر شین سے بھی مروی ہے۔ لیکن غزوۂ عُسرۃ (بضم عین وسکون سین) بمعنی دشواری غزوۂ تبوک کا نام ہے جو آخری غزوہ ہے۔ لوگوں نے اس میں بڑی دشواریاں دیکھیں اور بہت تکلیفیں اٹھائیں ان کا تذکرہ آگے آئے گا۔ اب ہم ان تین غزوات کو اسی ترتیب کے ساتھ بیان کرتے ہیں یہاں تک کہ سریہ جات کو بھی جو درمیان میں واقع ہوئے بیان کرتے جائیں گے۔ اسی ترتیب سے کتابوں میں ان واقعات کا تذکرہ ہے۔

## غزوۂ ابوا

سب سے پہلا غزوہ ابوا کا ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ یہ غزوہ دوسرے سال کے اول میں یا پہلے سال کے آخر میں واقع ہوا ہے۔ کیوں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا۔ اور خود صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ بنی ضمیرہ کے قافلہ پر جو قریش کا ایک قبیلہ ہے تاخت کرنے کے قصد سے باہر تشریف لائے۔ اور حامل لواء یعنی جھنڈا اُٹھانے والے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب حضورؐ مقام ابوا پہنچے تو قبیلہ بنی ضمیرہ کا سردار مخشی بن عمر ضمیری صلح کے ساتھ پیش آیا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی صلح پر راضی ہو گئے اور

صلحنامہ لکھا گیا۔ پھر وہ قافلہ پندرہ دن کے بعد مکہ مکرمہ لوٹ گیا۔ اس کے بعد اسی منزل ابواء میں اور ایک قول کے بموجب اس سے پہلے، ابو عبیدہؓ بن الحارث بن عبد المطلب جو کہ حضورؐ کے ابن عم، چچازاد بھائی تھے اور حضورؐ سے ان کی عمر دس سال زیادہ تھی اسلام لائے۔

**سریہ دار ارقم**

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس غزوہ سے واپسی میں مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عبیدہؓ بن الحارث بن عبد المطلب کی سرکردگی میں ساٹھ مہاجرین کے ساتھ "دارِ ارقم" کی جانب قریش کی اس جماعت کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا جو کسی مہم کے لئے مکہ سے نکلی تھی۔ اور اس کا سردار ابوسفیانؓ بن حرب تھا۔ اور ایک قول کے بموجب عکرمہؓ بن ابوجہل تھا۔ مسلمانوں نے اس "سریہ" کے لئے ایک سفید عَلَم تیار کیا جسے مسطحؓ بن اثاثہ (بضم ہمزہ) بن عباد بن المطلب بن عبد مناف قرشی مطلبی صاحب افکِ عائشہ رضی اللہ عنہا، اور اس قضیہ میں وہ مجلود ہوئے تھے انہوں نے اٹھایا۔

روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلا عَلَم جو لشکر اسلام کے لئے مرتّب ہوا اکثر اہل سیر کے نزدیک یہی تھا۔ اس قول سے وہ تقدیر درست بنتی ہے کہ حضرت عبیدہؓ بن الحارث کا "سریہ" غزوۂ ابواء سے پہلے تھا ورنہ صاحب مواہب کہتے ہیں کہ غزوۂ ابواء میں جو پہلے ہے اس غزوہ میں بھی عَلَم تھا جسے حضرت حمزہ بن عبد المطلب اٹھائے ہوئے تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ سب سے پہلا عَلَم جو تیار کیا گیا وہ حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے سریہ میں ہے جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ (واللہ اعلم)

اس کے بعد دونوں طرف سے تیراندازی ہوئی۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جو لشکر اسلام میں تھے انہوں نے بھی تیراندازی کی۔ سب سے پہلا تیر جو راہِ خدا میں پھینکا گیا وہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ہی تیر تھا۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کے پاس آٹھ تیر تھے انہوں نے چلا دیئے اور ان کا کوئی تیر خطا نہ گیا یا تو وہ کسی شخص کے لگا یا کسی سواری کے۔ اور ان دونوں لشکروں کے درمیان تلوار کی جنگ نہ ہوئی اور کفار اس تصور سے کہ لشکر اسلام ان کے پیچھے موجود ہے ڈر کر راہِ فرار اختیار کر گئے۔ مسلمان ان کے تعاقب میں نہ گئے اور مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ حضرت مقدادؓ بن الاسود اور عتبہ بن غزوان (یہ دونوں جلیل القدر صحابی اور قدیم الاسلام ہیں) یہ دونوں کفار کے ہمراہ بغرض تجارت سفر میں تھے لشکر اسلام کے ساتھ شامل ہو گئے۔

**بعثِ حمزہؓ بن عبد المطلب**

انہیں دنوں جبکہ حضرت عبیدہ بن الحارث کو بھیجا گیا تھا مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریشی تاجروں کی ایک جماعت مکہ مکرمہ لوٹ رہی ہے۔ تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب کی سرکردگی میں اسّی مہاجرین کا رسالہ

مرتب فرماکر قافلہ کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا بعض لوگ کہتے ہیں کہ انصار کے لوگوں سے یہ رسالہ مرتب فرمایا تھا حالانکہ تحقیق یہی ہے کہ انصار کو غزوۂ بدر سے پہلے کہیں اور روانہ نہیں کیا گیا تھا۔ ایک سفید علم ان کے لئے تیار کیا اور ابو مرثدؓ غنوی کو اس لشکر کا علمدار بنایا۔ بعض اہل سیر کے قول کی بنا پر لشکر اسلام میں سب سے پہلے جو علم تیار کیا گیا وہ یہی تھا۔ حالانکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سب سے پہلا سریہ لشکر عُبیدؓ بن الحارث کا تھا اکثر کا مذہب یہی ہے۔ صاحب مواہب ابن اسحٰق سے نقل کرتے ہیں کہ سب سے پہلا علم جو اسلام میں تیار کیا گیا وہ حضرت حمزہؓ کا علم ہے۔ لوگوں میں علم کے بارے میں جو یہ اشتباہ اور اختلاف واقع ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں لشکروں کی روانگی ساتھ ساتھ اور قریب قریب ہوئی تھی۔ اس بنا پر لوگوں کو شبہ ہو گیا کہ ان میں پہلا کون سا لشکر ہے۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت حمزہ کا لشکر سترھویں مہینہ میں اور حضرت عبیدؓ کا لشکر اٹھارہویں مہینہ کے شروع میں روانہ ہوا تھا وہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے دونوں لشکروں کے لئے علم ایک ساتھ ہی تیار کئے گئے ہوں۔ پھر ابو عبیدؓ کے لشکر کو اٹھارہویں ۱۸ مہینہ کے شروع تک کسی سبب سے روک رکھا ہو اور ارادۂ الٰہی کا یہی اقتضاء ہوا۔ (واللہ اعلم)

پھر حضرت حمزہؓ کا لشکر ساحلِ دریا کے قریب تک گیا وہاں لشکر کفار انہیں مل گیا یہ تقریباً تین سو ۳۰۰ کفار تھے اور مسلمانوں کی تعداد صرف تیس ۳۰۔ کفار کے اس لشکر میں ابوجہل بھی تھا۔ جانبین قتال کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ مگر مجدی بن عمرو جہنی نے جو فریقین کا حلیف تھا دونوں کو جنگ سے باز رکھا۔ بالآخر ابوجہل لعین اور اس کا قافلہ مکہ مکرمہ چلا گیا اور حضرت حمزہؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

## سریہ سعد بن ابی وقاص

اس کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی سرکردگی میں ایک لشکر خرار (بفتح خاء و رائے مشددہ) کی طرف روانہ کیا۔ خرار پتھروں کی ایک وادی کا نام ہے جو جحفہ کے قریب ہے۔ یہ لشکر بیس ۲۰ مہاجرین پر مشتمل تھا۔ اور انیسویں ۱۹ مہینہ کے شروع میں قریش کے ایک اور قافلہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا۔ اس کے لئے سفید علم تیار کیا گیا۔ حضرت مقدادؓ بن الاسود اس کے علمدار تھے۔ جب لشکرِ اسلام وہاں پہنچا تو ان سے ایک روز پہلے ہی کفار کا قافلہ وہاں سے گزر گیا تھا مسلمانوں کا لشکر مدینہ منورہ لوٹ آیا۔

**فائدہ ۱:۔** احادیث میں لواء یعنی علم کا ذکر آیا ہے۔ علم اس جھنڈے کو کہتے ہیں جو جنگوں میں کھڑا کیا جاتا ہے اور اس سے سپہ سالار (صاحبِ لشکر) کے مقام کا پتہ چلتا ہے۔ بسا اوقات علم کو مقدمۃ الجیش اٹھاتا ہے۔ اہل لغت کی ایک جماعت نے یہ صراحت کی ہے کہ "لواء" اور "رائیت" ہم معنٰی ہیں۔ لیکن مسند

امام احمد اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث ان لفظوں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا "رائیت" سیاہ تھا اور آپ کا "لوار" سفید۔ اور طرانی کے نزدیک بھی حضرت بریدہؓ سے ایسا ہی مروی ہے۔ اور ابن عدی کے نزدیک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے اتنا زیادہ مروی ہے کہ اس میں لکھا ہوا تھا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ظاہر ہیں یہ روایتیں مختلف اور متغایر ہیں۔ ممکن ہے کہ ان دونوں کے درمیان فرق عرفی ہو۔ ابن اسحٰق اور ابوالاسود، عروہ سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جھنڈے کی ایجاد غزوۂ خیبر میں ہوئی۔ اس سے پہلے کوئی نہیں جانتا تھا مگر "لوار" کو۔ ان سب باتوں کو صاحب مواہب نے بیان کیا ہے لیکن ان کے درمیان فرق کو نہیں بیان کیا۔ مگر بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "لوار" چھوٹے جھنڈے کو اور رائت بڑے جھنڈے کو کہتے ہیں اور قاموس میں ہے کہ:۔ اَللِّوَاءُ بِالْمَدِّ اَلْعَلَمُ۔ اور صراح میں ہے کہ لواء چھوٹا جھنڈا ہے، رایت کا اس میں ذکر نہیں کیا ہے۔

## غزوۂ بواط

دوسرے سال کے ربیع الاول کے مہینہ، اور ہجرت کے تیرہویں ۱۳ مہینہ کے شروع میں "غزوۂ بواط" واقع ہوا۔ حضورؐ نے عَلَم سفید حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اور مدینہ طیبہ میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو دیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سائبؓ بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو دیا اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا اور دیگر سو اصحاب کو لیکر قریش کے اس قافلہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے جس میں امیہ بن خلف جمحی تھا۔ روضتہ الاحباب میں ہے کہ اس کے ساتھ قریش کے سو آدمی تھے اور ڈھائی ہزار اونٹ اس کے پاس تھے۔ مگر دشمنان دین سے مڈ بھیڑ نہ ہوسکی اور بواط پہنچکر واپس تشریف لے آئے۔

## غزوۂ عشیرہ

اس کے بعد غزوۂ عشیرہ واقع ہوا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے جمادی الاولیٰ میں اور ایک روایت میں ہے جمادی الاخریٰ میں ہجرت سے سولہویں سال کے شروع میں ڈیڑھ سو صحابہ کے ساتھ ایک اور روایت میں ہے کہ دو سو صحابہ کے ساتھ باہر تشریف لائے اور سفید عَلَم درست کرکے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، کے سپرد فرمایا اور ابوسلمہؓ بن عبد الاسد کو مدینہ منورہ کا عامل بناکر اس قافلہ کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے جس میں ابوسفیان ایک کثیر جماعت کے ساتھ تجارت کی غرض سے جارہا تھا اور مقام عشیرہ تک پہنچ چکا تھا۔ چند روز حضورؐ نے اس جگہ قیام فرمایا جب متحقق ہوگیا کہ ابوسفیان کا قافلہ پہلے گزر چکا ہے تو بنی مُدلج، کنانہ کی جماعت سے صلح اور معاہدہ کرکے واپس تشریف لے آئے۔ روضتہ الاحباب میں مذکور ہے کہ صلحنامہ تحریر کرکے مدینہ طیبہ واپسی ہوئی۔

## کنیت ابو تراب کی وجہ

روضتہ الاحباب اور معارج النبوت میں مذکور ہے کہ اسی سفر میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابو تراب رکھی۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت علی مرتضیٰ غزوۂ عشیرہ میں کھجور کے ایک درخت کی جڑ میں سو رہے تھے۔ وہ زمین ریتلی تھی اور ہم گرد آلود ہو گئے تھے۔ پھر حضورؐ ہمارے سرہانے تشریف لائے اور ہمیں جگایا اور علی مرتضیٰؓ سے فرمایا "یا ابا تراب" اس کے بعد فرمایا "اے علیؓ میں تمہیں اس کی خبر نہ دوں کہ تمام لوگوں میں بدبخت کون ہے؟" حضرت علی مرتضیٰؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ضرور خبر دیجئے"۔ حضورؐ نے فرمایا "تمام لوگوں میں دو شخص سب سے زیادہ بدبخت ہیں ایک وہ جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ اور دوسرا وہ جو تمہارے محاسن (یعنی داڑھی) کو گلگوں کرے گا اور خون سے رنگے گا"۔ حضورؐ یہ فرماتے جاتے اور اپنے دست مبارک سے ان کے سر اور چہرے سے گرد جھاڑتے جاتے تھے ان دونوں کتابوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے لیکن مشہور قصہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کنیت ابو تراب ہونے کی وجہ یہ ہے جسے بخاری و مسلم نے حضرت سہل بن سعدؓ ساعدی سے نقل کیا ہے کہ حضورؐ حضرت علی مرتضیٰؓ کے گھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اس سے پہلے وہ گھر سے باہر تشریف لے جا کر مسجد میں سو گئے تھے۔ حضورؐ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو فرمایا کہ تمہارے ابن عم یعنی علی مرتضیٰؓ کہاں ہیں؟ اہل عرب کی عادت ہے کہ وہ اسی طرح کہتے ہیں اور شوہر وغیرہ نہیں کہتے ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ نے عرض کیا "میرے اور ان کے درمیان کچھ شکر رنجی ہو گئی ہے اور وہ غصہ میں باہر چلے گئے ہیں اور انہوں نے میرے پاس قیلولہ (دوپہر کا آرام) نہیں کیا۔" اس کے بعد حضورؐ نے کسی سے فرمایا کہ دیکھو وہ کہاں ہیں تو وہ شخص آیا اور اس نے بتایا کہ یا رسول اللہؐ وہ مسجد میں آرام کر رہے ہیں پھر حضورؐ مسجد میں ان کے سرہانے تشریف لائے اور ان کو پہلو پر سوتے ہوئے ملاحظہ فرمایا ان کے پہلو پر نشانات پڑے ہوئے تھے اور ان کا بدن شریف خاک آلودہ ہو گیا تھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "قم ابا تراب" ابو تراب اٹھو۔ اس روز سے ان کی کنیت ابو تراب ہو گئی۔ اور حضورؐ کی رکھی ہوئی یہ کنیت اپنی اصل کنیت ابو الحسن کے مقابلہ میں بہت محبوب اور گرامی تر جانتے تھے۔ ان کے مخالفین و معاندین اس کنیت کو بغرض تنقیص و تحقیر بولتے تھے حالاں کہ اس میں ان کی کمالِ تعظیم و تکریم ہے (رضی اللہ عنہ)

## غزوۂ بدر اولیٰ یا سفوان

اسی سال مدینہ منورہ کی چراگاہ سے کرز بن جابر فہری ان اونٹوں کو ہنکال کر لے گیا جن میں حضورؐ کے بھی اونٹ تھے۔ جب حضورؐ کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے ایک لوا مرتب فرمایا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے سپرد کیا۔ اور پھر زید بن حارثہؓ کو

مدینہ منورہ میں خلیفہ مقرر فرما کے خود ایک جماعت صحابہ کے ساتھ اس وادی تک پہنچے جسے سفوان (بفتح سین وسکون فا) کہتے ہیں اور بدر کے نواح میں ہے لوگ اسی سبب سے اس کو غزوۂ بدر اولیٰ کہتے ہیں۔ جب حضورؐ اس جگہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ کرز یہاں سے گزر چکا ہے وہ ہاتھ نہیں آیا۔ پھر یہ لشکر وہاں سے مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ لیکن اس کو بھی غزوات میں شمار کیا جاتا ہے اور بعض اس کو غزوۂ بدر اولیٰ کا نام دیتے ہیں۔ روضۃ الاحباب کے حاشیہ پر غزوات کے جو نام لکھے گئے ہیں اس میں اس غزوہ کا نام "طلب کرز بن جابر فہری" دیا گیا ہے اور مواہب میں غزوۂ بدر اولیٰ کہا گیا ہے۔

## سریہ عبداللہ بن جحش

اسی سال سریہ عبداللہ بن جحشؓ واقع ہوا یہ حضورؐ کی پھوپھی کے صاحبزادے اور سیدنا زینب بنت جحش ام المومنینؓ کے بھائی ہیں۔ ان کو آٹھ افراد کے ساتھ اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ اکابر صحابہ کے ساتھ (سعدؓ بن ابی وقاص، عکاشہ بن محصن، عتبہ بن غزوان، واقدؓ بن عبداللہ تمیمی وغیرہ) روانہ فرمایا اور یہ لشکر عبداللہؓ بن جحش "امیر المومنین" کے نام کے ساتھ موسوم ہوا۔ اہل سیر جو یہ کہتے ہیں کہ سیدنا عمرؓ بن الخطاب کا سب سے پہلے امیر المومنین لقب مقرر ہوا اس کا یہ مطلب ہے کہ تمام خلفا میں سب سے پہلے جس خلیفہ کو امیر المومنین کے لقب سے ملقب کیا گیا وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھا ہوا ایک خط حضرت عبداللہؓ بن جحش کو دیا اور فرمایا دو روز تک اسے نہ پڑھنا۔ اور دو دن کے بعد اسے پڑھنا خدا کو ہی بہتر معلوم ہے کہ دو دن تک خط کے مضمون کو چھپانے کا مقصد کیا تھا۔ اور اس میں کیا حکمت پنہاں تھی۔ غرض کہ دو دن کے بعد حضرت عبداللہؓ نے اس خط کو پڑھا اور اس پر عمل کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا "اے عبداللہؓ خدائے عزاسمہ کے نام اور اس کی برکت کے ساتھ اپنے ساتھیوں کو لے کر اس جگہ تک جاؤ جس کا نام "بطن نخلہ" ہے۔ وہاں قیام کرو اور قریش کے قافلہ کی گھات میں بیٹھ جاؤ۔ اور تمہیں لازم ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ جبراً نہ لے جانا جو جانا چاہے جائے اور جو نہ چاہے لوٹ آئے"۔ جب حضرت عبداللہؓ خط کے مضمون سے باخبر ہوئے تو فرمان نبوی کے بموجب بطن نخلہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان جو ان کے ساتھیوں میں سے تھے اپنا وہ اونٹ جس پر یہ دونوں باری باری سوار ہوتے تھے گم کر بیٹھے اور حضرت عبداللہؓ سے اجازت طلب کر کے اونٹ کی تلاش میں چل دیئے اور پیچھے رہ گئے۔ جب حضرت عبداللہؓ بطن نخلہ پہنچے اور اس منزل میں قریشی قافلہ کی گھات میں بیٹھ گئے۔ اچانک قریش کا قافلہ طائف کی جانب سے مویز منقی، خشک چمڑا اور طائف کا دیگر سازوسامان لئے ہوئے وہاں پہنچا۔ کفار کے اس قافلہ میں عمرو بن الحضرمی، حکم بن کیسان عثمان بن عبداللہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ مخزومی تھا۔ اس دن رجب کی پہلی تاریخ تھی مگر مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ یہ جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ ہے۔ انہوں نے جلدی

کی کہ مبادا ماہِ رجب آجائے اور شہر حرام کی بے حرمتی لازم آئے۔ انہوں نے قافلہ والوں پر حملہ کر دیا اور واقد رضؓ بن تمیمی نے ایک تیر عمرو بن الحضرمی کے مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا۔ حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو قید کر لیا گیا۔ باقی کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور اس قافلہ کا کل مال اور تمام مال و متاع غنیمت میں ہاتھ آیا۔ اسلام میں یہ سب سے پہلا مال غنیمت اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان پہلے قیدی تھے۔ حضرت عبداللہ رضؓ بن جحش مالِ غنیمت اور ان قیدیوں کو بارگاہِ رسالت میں لائے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ انہوں نے مالِ غنیمت کو اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر لیا اور پانچواں حصہ (خمس) حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے جدا کر لیا۔ اس وقت تک خمس کی آیت نازل نہ ہوئی تھی۔ جب مشرکین اور یہود کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے طعنہ زنی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے ماہِ حرام کو حلال بنا لیا اور خون بہایا ہے اور انہوں نے ماہِ حرام کی بیحرمتی کی ہے۔ چنانچہ حضورؐ نے مال غنیمت اور قیدیوں کو موقوف رکھ کر فرمایا کہ کوئی مال غنیمت میں تصرف نہ کرے اور حضرت عبداللہ رضؓ بن جحش سے فرمایا کہ میں نے تم کو خبردار نہیں کیا تھا کہ ماہِ حرام میں قتال نہ کرنا آپ نے تنبیہ فرمائی۔ اور ان کے ساتھیوں پر بھی ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ رضؓ اور لشکر کے تمام ساتھی ملول و غمزدہ ہو گئے اور اپنے کئے پر بے حد پشیمان ہوئے ہر چند کہ انہیں اس میں اشتباہ لاحق ہوا تھا پھر بھی انہیں یہ ڈر تھا کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ان پر کہیں غضب نہ نازل ہو اور ساتھ ہی یہ بھی اُمید تھی کہ حق تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول فرما کر شاید درگزر فرمائے۔ یہاں تک کہ یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

| | |
|---|---|
| يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَّصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط ۔ | اے حبیب تم سے حرمت والے مہینہ کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہ اس میں قتال کیسا ہے؟ تو فرما دو اس میں قتال بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روک کر وہاں کے رہنے والوں کو نکالنا اس سے بہت بڑا گناہ اللہ کے نزدیک ہے اور فتنہ قتل سے بہت بڑا ہے۔ |

مطلب یہ کہ ہاں! حرمت والے مہینہ میں قتال کرنا گناہ ہی نہیں بلکہ بڑا گناہ ہے لیکن تمہارے (کفار کے) گناہ اس سے بھی بڑے ہیں تم لوگوں کو اسلام سے روکتے اور انہیں پھیرتے ہو اور انھیں ان نیکیوں سے باز رکھتے ہو جو خدا سے ملانے والی ہیں، تم خدا کے ساتھ کفر کرتے ہو اور مسلمانوں کو مسجد حرام سے روکتے ہو اور اس مسجد سے نبی اور مسلمانوں کو نکالتے ہو یہ اس سے بھی بڑا گناہ ہے جو اہل سریہ نے کیا ہے وہ بھی اہل حرمت

کا گناہ گمان واشتباہ اور التباس پر مبنی تھا جان بوجھ کر نہ تھا) مگر تم جو شرک واخراج وغیرہ کا ارتکاب جان بوجھ کر کر رہے ہو وہ ابن حضرمی کے قتل اور ابن کیسان کی قید سے زیادہ بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا تم ان پر طعن و تشنیع کی زبان کیوں کر دراز کر سکتے ہو۔" اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش کے دل پر سے غم کا بوجھ اتر گیا۔ اور ان کے ساتھیوں نے خوشی ومسرت کا اظہار کیا۔ اور حضور نے موقوف شدہ مال غنیمت کو تقسیم کر کے خمس کو قبول فرمایا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ اس مال غنیمت کو غزوۂ بدر کے بعد اس کے اموال غنیمت کے ساتھ تقسیم فرمایا۔

اس کے بعد اہل مکہ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اُن کے قیدیوں کے لئے حکم و عثمان کا فدیہ بھیجا مگر حضور نے فرمایا ان کو اس وقت تک نہ چھوڑا جائے گا جب تک کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اور عتبہ رضی اللہ عنہ بن غزوان سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ نہ آجائیں گے ان کے اونٹ گم ہو گئے تھے اور یہ دونوں ان کی تلاش میں جانے کے بعد اب تک مدینہ طیبہ واپس نہ آئے تھے۔ پھر جب یہ دونوں مدینہ طیبہ آگئے تو حضور نے "حکم" کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو کر نیکو کار بن گئے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے "بیر معونہ" کے روز شہادت پائی۔ اور عثمان بن عبداللہ مکہ چلا گیا اور حالتِ کفر میں ہی مرا۔

## غزوۂ بدر

ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ اس غزوہ کو "غزوۂ بدر کبریٰ" اور "غزوۂ بدر عظمیٰ" بھی کہتے ہیں۔ بدر ایک بستی کا نام ہے جو بدر بن مخلد بن نضر بن کنانہ سے منسوب ومشہور ہے اس نے اس جگہ پڑاؤ کیا تھا۔ یا یہ بستی بدر بن حارث سے منسوب ہے جس نے یہاں کنواں کھودا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہاں ایک بوڑھا شخص مدتوں سے رہتا تھا جس کا نام بدر تھا۔ اس بنا پر اس بستی کو اسی کے نام سے منسوب کر دیا۔ یا اس کا نام اس بنا پر ہے کہ اس کا دائرہ وسیع تھا اور اس کا پانی اتنا صاف وشفاف تھا کہ اس میں بدر کامل نظر آتا تھا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات میں یہ بہت عظیم غزوہ تھا کیوں کہ اس کے ذریعہ دین کی عزت وشوکت روشن ہوئی اور اسلام کا ناموس تاباں ہوا۔ اس دن کو "یوم الفرقان" سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ اس سے حق وباطل کے درمیان فرق وامتیاز رونما ہوا تھا فرمایا:۔ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ۔ مطلب یہ کہ مسلمان اور کافر اس دن جمع ہوئے اور اس دن حق تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کو غالب

فرمایا اور کفر کی بنیادوں کو شکست و پائمال کر کے ذلیل و خوار بنایا حالانکہ مسلمانوں کی تعداد کم اور دشمنان دین کی تعداد زیادہ تھی اور کفار جنگ کے پورے ساز و سامان سے لیس ہو کر اتراتے اور تکبر کرتے آئے تھے۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو عزت دی اور اپنے دین کو مضبوط و قوی فرمایا اور اس کے جاہ و جلال کے چہرے کو منور و روشن بنایا۔ اور شیاطین کو ذلیل و خوار کر کے ان کو رو سیاہ کیا۔ اور اپنے مسلمان بندوں پر اس کا احسان ظاہر کرتے ہوئے فرمایا لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ۔ یقیناً اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی درانحالیکہ تم بے سرو سامان تھے، تاکہ جان لیں کہ مدد خدا ہی کی طرف سے ہے۔ نہ کثرت و قلت کی بنا پر وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ کوئی مدد نہیں مگر عزت والے حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے۔

اس غزوہ کے لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کے انیسویں مہینہ میں بارہ ۱۲ رمضان مبارک کو روانہ ہوئے تھے۔ بعضوں نے آٹھ رمضان کہا ہے اور قتال سترہ ۱۷ رمضان مبارک روز جمعہ واقع ہوا بعض نے کہا کہ شنبہ تھا آپ نے حضرت ابولبابہ انصاری رضؓ کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ بنایا تھا۔ اس غزوہ میں حضورؐ کے ساتھ جماعت انصار بھی تھی۔ اس سے پہلے کسی غزوہ یا کسی سریہ میں انصار نے شرکت نہ کی تھی۔ کیوں کہ بیعت عقبہ میں ان کے ساتھ یہ عہد و پیمان ہوا تھا کہ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اور دشمنان دین سے مدافعت اپنے گھروں میں کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے واقعی کبھی حضورؐ کو اس حال میں نہ چھوڑا کہ کوئی آپ کے حال سے تعرض کرتا اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ تھی جن میں سے ستتر ۷۷ مہاجرین اور دو سو چھتیس (۲۳۶) انصار تھے۔ مگر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہم رکابی میں صرف تین سو پانچ اصحاب تھے۔ اسی ۸۰ مہاجرین اور بقیہ انصار تھے۔ اور بقیہ آٹھ اصحاب وہ تھے جو کسی عذر کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے تھے مگر اموال غنیمت میں سے ان کو بھی حصہ عطا فرمایا گیا تھا اہل سیر ان کو بھی اہل بدر میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے تین مہاجرین میں سے ہیں ایک حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے جو حضورؐ کے حکم سے اپنی زوجہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت اور تیمارداری کے لئے رکے تھے۔ دوسرے طلحہؓ اور تیسرے سعید رضؓ بن زید ہیں جو مشرکین کے قافلہ کی جستجو میں گئے ہوئے تھے۔ اور پانچ انصار تھے جن کے نام سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کے پاس تین ۳ گھوڑے، ستر اونٹ، چھ زرہیں اور آٹھ شمشیریں تھیں، اور ایک ایک اونٹ پر کئی کئی مسلمان سواری کرتے تھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری میں حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہما شریک تھے اور جب حضورؐ کے پیدل چلنے کی باری آئی تو دونوں عرض کرتے

یارسول اللہؐ آپ سوار ہی رہیئے ہم آپ کے رکاب کی سعادت میں پیدل چلیں گے حضور فرماتے، "تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو اور میں اجر میں تم سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔"

مشرکوں کی تعداد، ایک ہزار یا نوسو یا پانچسو پچاس ۹۵۰ جنگی مردوں کی تھی۔ ایک قول کے بموجب ایک ہزار سے کم اور نوسو سے زیادہ تھی۔ اور ان کے ساتھ سَو گھوڑے اور سات سو یا کچھ زیادہ اونٹ تھے جو، پورے شوکت و کروفر اور مکمل ساز و سامان اور بڑے غرور و تکبر میں تھے۔ ان کے سوار بھی زرہ پوش تھے اور پیادہ بھی زرہ پوش تھے۔ ان کے ہمراہ گانے والی عورتیں اور آلات طرب بھی تھے۔ یہ جس پانی کے کنارے پڑاؤ کرتے وہاں ان کی ڈومنیاں اور طوائفیں ساز بجا کر اور گا گا کر اہل اسلام پر زبان طعن دراز کرتی تھیں۔ قریش کے سرداروں میں سے ہر روز کوئی نہ کوئی سب کو کھانا دیتا اور ہر روز گیارہ اونٹ ذبح کئے جاتے تھے۔

بدر کا واقعہ مسلمانوں کے بغیر قصد و ارادہ اور منصوبہ بندی کے واقع ہوا تھا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان اس جنگ کے لئے پہلے سے تیار نہ تھے۔ وہ تو قریش کے اس بڑے قافلہ کی سرکوبی کے لئے مدینہ سے نکلے تھے جو شام سے آرہا تھا اس میں قریش کا کثیر مال تجارت تھا اور اس کا امیر قافلہ ابو سفیان تھا۔ اس میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے۔ یہ قافلہ تیس سواروں پر مشتمل تھا یہ لوگ جب بدر کے قریب پہنچ گئے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی آپ نے صحابہ سے فرمایا وہ "قافلہ آرہا ہے جس کے ساتھ اموالِ کثیرہ بھی ہے اور دشمنوں کی تعداد بھی بہت کم ہے۔ لہٰذا اس کی سرکوبی کے لئے چلو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اس طرح تمہیں سامان عطا فرمائے"۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے رب! مسلمان پیادہ ہیں، اپنے فضل سے انہیں سوار کر، یہ بھوکے ہیں ان کو شکم سیری عطا فرما، یہ عریاں ہیں انہیں لباس دے، یہ فقیر ہیں انہیں تونگری دے"۔ چنانچہ جب یہ مدینہ منورہ واپس ہوئے تو ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جسے بکثرت اونٹ، کپڑے، رزق اور اموال نہ ملا ہو حضورؐ نے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور سعیدؓ بن زید کو قافلہ کے حالات کی جستجو کے لئے بھیجا انہوں نے مدینہ منورہ واپس آکر قافلہ کے حالات بتائے۔ جب ابو سفیان اس جگہ پہنچا تو وہاں کے لوگوں سے اس نے دریافت کیا کہ کیا تم کوئی خبر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے جاسوسوں کی رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا "دو شتر سوار فلاں جگہ آکے اترے تھے۔ ابو سفیان نے بسرعت اس جگہ پہنچکر اونٹوں کی مینگنیوں کو چیر کر دیکھا کہ اس میں کھجور گٹھلیوں کے ریزے ہیں یا نہیں، وہ کہنے لگا "خدا کی قسم ان اونٹوں نے یثرب کی کھجوروں کا چارہ کھایا ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے جاسوس تھے، چنانچہ اس نے اس راستہ کو چھوڑ دیا اور

بدر کی طرف ساحلی راستہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوا اور تیزی کے ساتھ وہاں سے نکل گیا جب وہ حضورؐ اور ان کے صحابہ کے ارادوں سے باخبر ہوا تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو مکہ مکرمہ اپنی مدد کے لئے روانہ کیا تاکہ وہ مکہ والوں کو بتائے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم پر تاخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور جتنی جلد ممکن ہو وہ قافلہ کی مدد کے لئے پہنچیں اور اپنے اموال کی حفاظت کریں۔ ضمضم غفاری بسرعت تمام مکہ مکرمہ پہنچا اور کفار قریش کو حالات سے باخبر کیا جب ابوجہل لعین نے یہ خبر سُنی تو کہنے لگا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب اس خیال میں ہیں کہ یہ قافلہ عمرو بن الحضرمی جیسا ہے۔ خدا کی قسم ایسا نہیں ہے"۔

مروی ہے کہ ضمضم غفاری کے مکہ پہنچنے سے پہلے ہی عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا کہ کچھ شتر سوار آئے ہیں اور مقام "ابطح" میں کھڑے باآوازِ بلند کہہ رہے ہیں کہ اے قریش کے لوگو! جلدی کرو اور اپنے قتل کی جگہ آؤ"۔ جب ابوجہل لعین کو اس خواب کی خبر ملی تو وہ حضرت عباسؓ سے کہنے لگا" اے ابوالفضلؓ! یہ عورت تم میں کب سے نبی ہوئی ہے"۔ اور کہا "کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تمہارے مرد ہی نبوت کا دعوی کریں اب یہ عورت بھی نبوت کا دعوی کرنے لگی ہے۔ تین دن تک میں انتظار کرتا ہوں اگر اس واقعہ پر کوئی اثر مترتب نہ ہوا تو میں عرب کے تمام قبائل کو لکھ کر بھیجدوں گا کہ تم یعنی بنی ہاشم عرب میں سب سے زیادہ دروغ گو ہیں"۔ ضمضم غفاری سے بھی اہل سیر نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ جس وقت میں قافلہ سے جدا ہو کر مکہ کی طرف چلا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک اونٹ پر سوار ہوں اور ایک ایسی گھاٹی سے گزر رہا ہوں جو خون سے لبریز ہے چنانچہ جب میں بیدار ہوا تو میں نے جان لیا کہ قریش کو کسی بڑی مصیبت سے دوچار ہونا پڑے گا"۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ضمضم غفاری کے اس خواب سے بنی ہاشم از حد مسرور و خرم ہوئے کیونکہ یہ خواب، عاتکہ کے خواب کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کے بعد اہل مکہ نے تیاری شروع کردی اور مقرر کیا کہ ہر وہ شخص جن کو مکہ میں کوئی کام ہے ان میں سے ایک باہر آجائے یا اپنی طرف سے کسی اور کو بھیجدے، قریش کے سرداروں میں سے ابولہب کے سوا کسی نے اس میں توقف و تخلف نہ کیا۔ اس نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن المغیرہ کو بھیجا اور امیہ بن خلف جمحی نے بھی چاہا کہ مکہ سے باہر جائے اس بنا پر کہ اسے خبر ملی تھی کہ ایک وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو خبر دی تھی کہ امیہ بن خلف کو میرے صحابہ ماریں گے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کفار قریش کے نزدیک بلاشک و تردد صادق تھی۔ اس پر ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہنے لگا اے ابوصفوان! تو وادی مکہ والوں کا سردار ہے جب لوگ جانیں گے کہ تو پیٹھ دکھا رہا ہے تو سب ہمت ہار بیٹھیں گے اور یہ مہم پوری نہ ہوسکے گی اور اس نے اتنا اصرار کیا کہ وہ جانے پر راضی ہوگیا۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوجہل لعین نے خانۂ کعبہ کے اوپر کھڑے ہو کر آواز لگائی کہ "اے مکہ والو جلدی کرو جلدی نکلو اور اپنے اموال اور اپنے قافلہ کے پاس پہنچو اگر تم سے پہلے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب پہنچ گئے تو پھر تمہاری خیر نہیں ہے۔" اس پر ایک ہزار جنگی لوگ نکل آئے اور بصد کروفر غرور وتکبر اور پورے سازوسامان، آلات غنا اور ملاہی کے ساتھ چل پڑے جیسا کہ مذکور ہوا۔

اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور حضورؐ کو قریش کے نکلنے کی خبر دی۔ حضورؐ نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے یا تو قافلہ ہو یا قریش کا لشکر مگر حضورؐ کے صحابہ کے نزدیک قافلہ زیادہ عزیز تھا۔ وہ کہنے لگے یا رسول اللہ! آپؐ نے جنگ کرنے کا ہم سے ذکر کیوں نہ فرمایا۔ تاکہ ہم اس کی تیاری کرتے اور سازوسامان فراہم کرتے۔ حضورؐ نے فرمایا قافلہ تو ساحلی راستہ سے گزر گیا۔ اور اب ابوجہل تمہارے مقابل آرہا ہے۔ صحابہ کہنے لگے، یا رسول اللہ! قافلے ہی کا پیچھا کیجئے اور قتال سے بچئے۔" اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غضب میں آئے۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے کھڑے ہو کر نہایت عمدہ باتیں کہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نے بھی نفیس ترین باتیں کیں اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور انہیں دعائے خیر دی اس کے بعد حضرت سعدؓ بن عبادہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! اپنے کام میں غور و فکر فرمائیے ان باتوں کو چھوڑیئے، خدا کی قسم اگر آپ ہمیں "عدن" (ایک مقام کا نام ہے) تک لیجائیں گے تو ہم انصار میں سے کوئی ایک بھی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔" اس پر حضورؐ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ ان کے بعد حضرت مقدادؓ بن عمرو کھڑے ہوئے انہوں نے کہا "یا رسول اللہ ہم آپ کے ساتھ ہیں آپؐ جہاں چاہیں ہمیں لے جائیں ہم کبھی بھی وہ بات منہ سے نہ نکالیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا الخ ........ حضورؐ آپ اور آپ کا رب دونوں جاکر لڑیں اور ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر لڑنے والوں میں سے ہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور جہاں آپ جائیں گے آپ کے ساتھ مل کر مردانہ وار لڑیں گے۔ اگرچہ آپ "برگ غماد" تک جائیں۔" "برگ غماد" حبشہ کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ اس پر حضورؐ نے تبسم فرمایا اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا تم مجھے مشورہ دو، یہ خطاب انصار کی طرف تھا اور اس سے مقصود ان سے استمزاج واستکشاف حال تھا۔ اس کلام کی شرح میں مفسرین کہتے ہیں کہ چونکہ بیعت عقبہ کے وقت انصار نے کہا تھا کہ ہم آپ کے اس عہد سے اس وقت تک باہر ہیں جب تک کہ آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز نہیں ہوتے اور جب آپ ہمارے گھروں میں رونق افروز ہو جائیں گے تو یہ ہمارا عہد

پیمان ہے کہ ہم آپ کی دشمن سے حفاظت اور ان سے مدافعت کریں گے اور آپ کی ہر اس چیز سے حمایت کریں گے جس چیز سے اپنی جانوں، اپنی اولاد، اور اپنی بیبیوں کی حمایت کرتے ہیں"۔ ان کی اس بات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضورؐ کے ساتھ ان کی حمایت اس وقت تک مخصوص ہے جب تک آپ مدینہ میں تشریف فرما ہوں اور چونکہ مذکورہ حالات میں حضورؐ مدینہ میں تشریف فرما نہیں تھے اس لئے انصار کی حمایت شامل حال نہیں رہتی حالانکہ انصار کی مراد یہ تھی کہ حضورؐ کے تشریف لانے اور ان کے یہاں اقامت فرمانے کے بعد ہمیشہ اور ہر حالت میں آپ کی خدمت وحمایت میں رہیں گے۔
اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! کیا یہ خطاب ہماری طرف ہے؟" حضورؐ نے فرمایا "ہاں!" حضرت معاذؓ نے عرض کیا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم تو آپ پر ایمان لائے ہیں، آپ کی تصدیق کی ہے اور ہم نے ہر اس چیز کی گواہی دی ہے جو آپ خدا کی طرف سے لائے ہیں اور اپنے عہدوپیمان کے ذریعہ ہم نے آپ کو تصدیق فراہم کی ہے۔ اور آپ کی سمع وطاعت اور فرمانبرداری پر آپ کو اعتماد اور بھروسہ دلایا ہے۔ لہٰذا اے اللہ کے رسولؐ! چلئے جہاں آپ کی مرضی ہو، قسم ہے اس ذات کریم کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا، اگر آپ چلیں اور ہمیں دریا میں ڈال دیں تو ہم دریا میں بھی پھاند جائیں گے۔ اور ہم میں سے ایک شخص بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں اپنے دشمنوں کے ساتھ مڈبھیڑ کرنے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ ہم دشمن سے مڈبھیڑ ہو جانے پر صبر کرنے والوں اور صادقوں میں سے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ، دشمنوں سے مقابلہ کے وقت ہماری طرف سے آپ کو ایسا دکھائے گا جس سے آپ کے قلب ونظر کو روشنی اور ٹھنڈک حاصل ہو۔ لہٰذا آپؐ جہاں چاہیں ہمیں لے جائیے"! حضرت سعدؓ کی اس گفتگو سے حضورؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا "اللہ تعالیٰ اپنی برکت کے ساتھ تمہیں خوش رکھے تمہیں مژدہ ہو کہ فتح ونصرت تمہاری ہی ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی ایک پر غالب فرماؤں گا خواہ قریش کا قافلہ ہو یا قریش کا لشکر، خدا کی قسم! گویا میں ان کے ہلاک ہونے کی جگہ اور ان کا مقتل دیکھ رہا ہوں۔ اور اس کے بعد آپؐ نے کفار قریش کے بدر میں مارے جانے کے مقامات کی طرف اشارہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم۔ نے زمین پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا "یہ فلاں کے مرکر گرنے کی جگہ ہے، یہ فلاں کے مرکر گرنے کی جگہ ہے۔ یہ فلاں کا مقتل ہے اور یہ فلاں کی جائے کشتن ہے اور ایک ایک مارے جانے والے کا نام اور اس کے مقتل کا نشان بتایا۔ اور ان میں سے کوئی ایک بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی جگہ کے برخلاف نہ مارا گیا۔

**تنبیہ!** صاحب مواہب کا کہنا ہے کہ ابن سید الناس سے (جو "عیون الاثر" میں ہے) مروی ہے کہ بطریق مسلم ہم نے اسے بیان کیا ہے کہ یہ قول سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ہے، حالانکہ یہ سعدؓ بن عبادہ کے روایت کردہ ہے۔ لیکن مشہور سعدؓ بن معاذ سے ہے۔ ابن اسحٰق وغیرہ بھی ایسا ہی روایت کرتے ہیں اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کے بدریین حاضر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور ابن عقبہ نے بدریین میں ان کا ذکر نہیں کیا اور نہ ابن اسحٰق نے ذکر کیا ــــ واقدی، مدائنی اور ابن کلبی ان کو بدریوں میں شمار کرتے ہیں انتہی

جب قریش کا لشکر منزلِ جحفہ میں اترا تو جہم بن الصلت بن مخزوم بن المطلب بن عبد مناف نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص گھوڑے پر سوار آرہا ہے اس کے ساتھ ایک اونٹ ہے وہ کہہ رہا ہے کہ عقبہ شیبہ، ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل لعین) امیہ اور فلاں فلاں مارے گئے ہیں اس کے بعد ایک چھری اس نے اپنے اونٹ کی گردن میں ماری اور لشکر کے خیموں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جس میں اس کا خون نہ ٹپکا ہو۔ اور وہ شخص وہاں سے چلا گیا۔" اس واقعہ کی خبر جب ابوجہل کو ہوئی تو کہنے لگا کہ بنی المطلب میں سے یہ ایک اور نبی پیدا ہوا ہے عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مقتول کون ہیں۔ جیسا کہ ہم نے جمعیت وطاقت فراہم کی ہے۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوجہل سرگروہ ملاعنہ، ہمیشہ ہی انکار و استہزاء میں گرفتار اور بارگاہ نبوت کے ساتھ بیہودہ گوئی میں مشغول رہا ہے۔ جیسا کہ اس ناپاک کی زبان سے نکلا ہے" کہ عنقریب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ مقتول کون ہیں"۔ وہ خود دیکھ لے گا۔ کہ اسے کس نے ہلاک کیا ہے وہ عفراء کے دونوں فرزند معاذ و معوذ ہیں جنہوں نے اسے زخمی کر کے ذلت و خواری کے ساتھ خاک و خون میں لتھیڑا ــــ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے آکر اس شقی کے سینہ پہ بیٹھ کر اس کے سر کو اس کے ناپاک جسم سے جدا کیا۔ (نعوذ باللہ من الشقاوۃ)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان اپنے قافلہ کو خطرے سے نکال لے گیا تو اس نے کسی کو قریش کے پاس بھیجا کہ قافلہ اب خطرے سے نکل آیا ہے لہٰذا تم لوگ لوٹ آؤ اور محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درپے نہ ہو۔" قریش کے عقلاء اور ان کے مدبرین بھی انہیں اس سے منع کرتے اور باز رکھتے تھے۔ عتبہ و شیبہ بھی انہیں مانعین خروج میں سے تھے۔ عداس نصرانی جو عتبہ و شیبہ کے غلام تھے اور حضورؐ پر ایمان لا چکے تھے وہ بھی اپنے مالکوں کو یہی رائے دے رہے تھے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ ان کے ساتھ جنگ نہ کرو اور شقاوت و بدبختی میں مبتلا ہونے سے باز آجاؤ۔ لیکن ابوجہل خون گرفتہ مصر تھا جو اس فتنہ و فساد سے باز نہ آتا تھا وہ کہتا تھا کہ "ہم حضورؐ سے جنگ کرنے سے باز نہیں رہیں گے۔ خدا کی

قسم ہم بدر میں پہنچنے سے پہلے واپس لوٹ نہیں سکتے۔ وہاں ہم تین دن ٹھیریں گے، اپنے اونٹوں کو ذبح کریں گے، جشن منائیں گے، شرابیں پئیں گے گانے سنیں گے اور خوب لطف اندوز ہوں گے۔ تاکہ ہماری عظمت و شوکت کا غلغلہ ہر طرف کے قبائل عرب میں پھیل جائے۔ اس کے بعد وہ ہم سے ڈرا کریں گے"۔ بدر میں ہر سال قبائل عرب کا ایک میلا لگا کرتا تھا۔ اس ابوجہل لعین نے جو کچھ اپنی زبان سے کہا وہ گویا اپنی زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ ہم بدر میں پہنچے بغیر واپس نہ لوٹیں گے اور وہاں فسق و فجور اور کفر و شرک کے فساد کی گرم بازاری کے لئے جمع ہوں گے اور ذلت کی خاک میں سو کر جہنم میں جائیں گے تاکہ ہماری شقاوت و بدعاقبت کا غلغلہ سارے جہان میں قیامت تک دائم و باقی رہے اور اہل عالم اس سے عبرت و بصیرت حاصل کریں (نعوذ باللہ من سوء العاقبہ)

ابوسفیان اگرچہ قریش کو بدر جانے سے منع کرتا تھا اور انہیں روکتا تھا لیکن جب قافلہ مکہ میں پہنچ گیا تو فوراً ہی لوٹ پڑا اور یہ بھی لشکر قریش میں شامل ہو گیا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر کی جانب کوچ فرمایا اور بدر کے قریب پہنچ کر نزول فرمایا۔ لشکر قریش نے دوسری جانب پڑاؤ کیا۔ قرآن کریم میں اسے اس طرح ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اَنۡتُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ بِالۡعُدۡوَةِ الۡقُصۡوٰى۔ عدوہ کے معنے وادی کا کنارہ ہے اور دنیا' دنو سے ہے جس کے معنے ہیں مدینہ سے قریب۔ اور قصوہ کے معنے بعید کے ہیں یعنی مدینہ سے دور۔ گویا مسلمانوں نے مدینہ کے قریب وادی کے کنارے نزول کیا اور کفار نے اس سے دور کنار کی طرف جو مکہ کی جانب ہے پڑاؤ کیا۔ جس جانب مسلمان اترے تھے وہ علاقہ ریگستان کا تھا جس میں ان کے پاؤں اور سواریوں کے سُم زانو تک دھنستے تھے' اور ان پر پیاس کا بھی غلبہ تھا۔ اور جس جانب کافروں نے پڑاؤ کیا تھا اس جگہ پانی تھا جس کو انہوں نے قبضہ میں کر رکھا تھا۔ انہوں نے متعدد کنویں بھی کھود رکھے تھے۔ بعض مسلمانوں نے جنبی یعنی ناپاکی کی حالت میں صبح کی تھی۔ اس وقت شیطان نے کچھ مسلمانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم حق پر ہو اور تمہارے ساتھ خدا کا نبی ہے اور تم خدا کے محبوب ہو حالانکہ حال یہ ہے کہ مشرکوں نے پانی پر قبضہ کر رکھا ہے اور تم پیاس سے جاں بلب ہو اور اب جنبی و ناپاک بھی ہو گئے ہو اور تمہارے دشمن منتظر ہیں کہ تم تشنگی سے کمزور اور تمہارے قویٰ مضمحل ہو جائیں تو وہ جس طرح چاہیں تمہیں نیست و نابود کرنے کا حکم دیں"۔ اور اس وسوسۂ شیطانی کے دوران حق تبارک و تعالیٰ نے ایسی بارش نازل فرمائی کہ پوری وادی جل تھل ہو گئی۔ سب پانی سے سیراب ہوئے، غسل کیا، وضو کیا' اونٹوں کو پانی پلایا اور مشکیزے بھر کر رکھ لئے اور مسلمانوں کی اقامت گاہ جو ریگزار تھی مضبوط و سخت ہو گئی اور کفا

کی زمین میں کیچڑ ہوگئی۔ شیطان کا وسوسہ جاتا رہا اور مسلمانوں کو اطمینان و سکون حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کی خبر اس طرح بیان فرماتا ہے کہ

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ۔

اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تاکہ اس سے تم پاکی حاصل کرو، اور حق تعالیٰ تمہارے دلوں سے شیطان کا وسوسہ دور فرمائے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے ساتھ میدان جنگ کو ملاحظہ فرمایا آپ اپنے دست مبارک کو زمین پر رکھ کر مشرکوں کے قتل ہو کر گرنے کے نشانات لگاتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے کہ فلاں فلاں اس جگہ قتل ہو کر گرے گا۔ اس طرح حضورؐ نے ہر ایک کی نشاندہی فرمادی چنانچہ اس جگہ سے ایک بالشت بھی تفاوت و تجاوز نہ ہوا۔

منقول ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہم آپ کے لئے ایک عریشہ تیار کرتے ہیں جس میں آپ اقامت فرمائیں" عریشہ اس چھوٹے سے گھر کو کہتے ہیں جو باغوں میں ٹہنیوں اور پتوں سے بناتے ہیں اور اس کے سایہ میں آرام کرتے ہیں (اسے عام طور پر جھونپڑی بھی کہتے ہیں) اسے اکثر کھجور کی ٹہنیوں اور اس کے پتوں سے بناتے ہیں نہایہ میں ہے کہ: اَلْعَرِيْشُ كُلُّ مَا يُسْتَظَلُّ بِهٖ عریش ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے سایہ میں آرام کیا جائے۔ حضورؐ نے خود مسجد شریف کے دروازے میں بنایا جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عریش کی مانند میں ایک عریش تیار کردں۔ اور خود مسجد شریف بھی ابتدائی حالت میں کھجور کی ٹہنیوں اور اس کے پتوں کی تھی۔ حدیث میں ہے کہ خود حضرت سعدؓ بن معاذ انصار کی ایک جماعت کے ساتھ عریش کے باہر پہرہ دیتے تھے اور حضورؐ کی نگہبانی و حفاظت کرتے تھے۔ نیز حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ آپ عریش میں ہی رہیئے آپ کی سواری آپ کے قریب موجود رہے گی۔ اور ہم سب جنگ میں برسرپیکار ہوتے ہیں۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں غلبہ عطا فرمایا تو فبہا اور اگر کوئی اور صورت ہو تو آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ جو مدینہ منورہ میں ہیں مل جائیے گا کیوں کہ وہ آپ کی محبت میں ہم سے کم نہیں ہیں"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو بہت دعائے خیر دی۔ اس کے بعد انہوں نے عریش بنایا آج اس عریش کی جگہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ جیسا کہ دیگر مقامات اور آثار شریفہ کے جگہوں میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔

اس کے بعد لشکر کفار نمودار ہوا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں دیکھا تو بارگاہِ الٰہی میں

مناجات کی کہ اے رب قریش کی یہ قوم بڑے تکبر و غرور کے ساتھ آئی ہے یہ چاہتے ہیں کہ تیرے اور تیرے رسول کے ساتھ جنگ کریں۔ اے خدا، میں تیری اس مدد کا منتظر ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے۔" اس وقت مسلمانوں کا لشکر بھی میدان میں آگیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قریش نے ایک لشکری بھیجا تاکہ وہ اندازہ لگائے کہ مسلمانوں کی تعداد کتنی ہے۔ اس لشکری نے مسلمانوں کا چکر لگا کر بتایا کہ مسلمان کم و بیش تین سو ہیں۔ پھر اس نے ادھر اُدھر بھی نظر دوڑائی مگر اسے کچھ اور نظر نہ آیا اس نے کہا اے گروہ قریش میں نے اُن بلاؤں کو دیکھا ہے جو اموات کو اٹھائے ہوئے ہیں اور یثرب کے اُن اونٹوں کو دیکھا ہے جو زہر قاتل کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں" مطلب یہ کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا تمہاری ہلاکت کا موجب ہے جب تم سب ہلاک ہو جاؤ گے تو پسماندگان کے باقی رہنے کا کیا فائدہ؟ تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم لوٹ چلو اور جنگ نہ کرو۔ حکیم بن حزام جو اس وقت کفار کے درمیان میں تھا اس نے جب یہ بات سنی تو وہ عتبہ کے پاس گیا اور کہنے لگا اے ابوالولید! تو قریش کا بزرگ اور ان کا سردار ہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ تیرا ذکر خیر آخر زمانہ تک رہے۔" عتبہ نے کہا" اے حکیم بتاؤ کیا چاہتے ہو؟" حکیم نے کہا" یہ کرو کہ لوگ واپس ہو جائیں" عتبہ نے کہا" مجھے تمہاری بات منظور ہے لیکن ابن حنظلہ یعنی ابوجہل کے پاس جاؤ، اور یہ اس سے کہو ممکن ہے کہ وہ آمادہ ہو جائے اور لوگوں کو واپس لے چلے" حکیم بن حزام بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں ابوجہل کے پاس گیا اور عتبہ کا پیام پہنچایا تو ابوجہل ..... نے عتبہ کے پاس آکر اس سے کہا اِنْتَفَخَ سَحْرُكَ۔ یعنی "تیرے پھیپھڑے میں ہوا بھر گئی" یہ محاورہ بزدلی، نامردی اور بد دلی کے لئے بولا جاتا ہے۔ یعنی تو نامرد و بزدل ہو گیا ہے۔ اس پر عتبہ نے کہا عنقریب پتہ چل جائے گا کہ کس کا پھیپھڑا پھولا ہے اور کون بزدل بنا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ عتبہ نے ابوجہل سے کہا" اے اپنے سرین کو زرد کرنے والے تو مجھے سرزنش کرتا اور مجھے بزدل بتاتا ہے۔ اس نے جو ابوجہل کو" سرین کا زرد کرنے والا" کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوجہل لعین کے چوتڑوں پر برص تھا اور وہ برص کے داغ پر زعفران کے ساتھ زرد رنگ کیا کرتا تھا۔

**بدر کا میدان کارزار** جب لشکر اسلام میدان کارزار میں اتر آیا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صفوں کو برابر کر کے فرمایا "جب تک میں حکم نہ دوں دشمنوں پر حملہ نہ کرنا اور اگر وہ تمہارے قریب آجائے تو تیر اندازی شروع کر دینا لیکن اتنے اندازے سے تیر پھینکنا کہ تیر ختم نہ ہو جائیں"

اس جگہ ارباب سیر ایک عجیب و غریب حکایت بیان کرتے ہیں کہ جب حضورؐ اپنے صحابہ کی صفیں سیدھی

فرما رہے تھے تو آپ کے دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی اسے سواد بن عزیہ پر جو خوش طبع اور خوش فہم صحابی ہوئے ہیں وہ صفوں سے آگے نکل کر کھڑے ہو گئے تھے حضورؐ نے اس چھڑی کو ان کے سینہ پر مار کر فرمایا:۔ اِسْتَوِ یَا سَوَادُ۔ اے سواد، صف کو برابر کرو۔" سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تکلیف دہ مار مجھ پر لگائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اور عدالت و انصاف آپ کے دستِ اقدس میں ہے میرا قصاص دیجئے؟" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے لباس مبارک کو اپنے سینہ اقدس سے دور کر کے فرمایا" اے سواد اسی وقت اپنا قصاص لیلو۔ سواد نے فی الفور اپنا چہرہ حضورؐ کے سینہ اقدس پر رکھ کر اس کا بوسہ لے لیا۔ حضورؐ نے فرمایا" ایسا کیوں کرتے ہو؟" عرض کیا۔" یا رسول اللہ یہ میرا آخری وقت ہے میں اس ہنگام میں شہید ہو جاؤں گا میں نے چاہا کہ آخرِ عمر میں میرا جسم آپ کے جسم مبارک سے مَس ہو جائے" حضورؐ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

اس کے بعد لشکرِ کفار میں سے عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ نکل کر باہر آئے اور تینوں نے اپنا مقابل طلب کیا۔ مسلمانوں کے لشکر میں سے بھی تین شخص مقابلہ کے لئے نکلے۔ حضرت عوفؓ و معاذؓ پسران حارث اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ۔ کفار نے پوچھا تم کون ہو انہوں نے جواب دیا ہم انصاری ہیں۔ ان کافروں نے کہا تمہارے ساتھ ہمیں کوئی سروکار نہیں ہم اپنے چچاؤں کے بیٹوں کو بلاتے ہیں۔ اور ان میں سے ایک نے آواز دے کر کہا" اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم میں سے ہمارے ہم کفو کو بھیجو، اس پر حضورؐ نے حضرت عبیدؓ بن الحارث اور حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے فرمایا جاؤ ان کے ساتھ مبارزت یعنی مقابلہ کرو۔ پھر یہ تینوں نکلے اور میدان میں آئے اس بار ان کافروں نے کہا۔" ہاں تم ہمارے برابری کے ہو۔ پھر حضرت عبیدؓ جو بہت بوڑھے تھے اور ان کی عمر اسّی سال کی تھی عتبہ کے مقابل آئے۔ حضرت حمزہؓ شیبہ کے مقابل ہوئے۔ ایک روایت میں اس کے برعکس آیا ہے اور حضرت علیؓ مرتضےٰ نے ولید بن عتبہ سے مقابلہ کیا حضرت علیؓ نے ولید کو قتل کر دیا حضرت حمزہؓ نے اپنے مقابل کو ہلاک کر دیا۔ لیکن حضرت عبیدؓ اور ان کے مقابل کے درمیان ہتھیار چلے اور ایک ضرب حضرت عبیدؓ کے زانو پر پڑی۔ اس کے بعد حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ بھی حضرت عبیدؓ کی مدد کے لئے ان کے مقابل پہنچ گئے اور قتل کرنے میں حضرت عبیدؓ کی مدد کی۔ اور حضرت عبیدؓ کو اٹھا کر حضورؐ کی خدمت میں لائے اس حال میں کہ ان کی پنڈلیوں کا مغز بہہ رہا تھا۔ حضرت عبیدؓ نے حضورؐ سے عرض کیا" یا رسول اللہ! کیا میں شہید نہیں ہوں؟" حضورؐ نے فرمایا" ہاں تم شہید ہو۔" حضرت عبیدؓ کا حضورؐ سے یہ دریافت کرنا اس بنا پر تھا کہ ان کی شہادت میں دیر واقع ہوئی تھی اور میدان جنگ میں فی الفور جان نہ دے سکے تھے۔ اس

میں فقہار کا اختلاف ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت عبیدؓ نے بدر سے واپسی کے وقت وادی صفراریں یا وادی روحا میں وفات پائی اور وہ وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت معوذ و معاذؓ دو بھائی تھے جو عفرار کے بیٹے تھے یہ دونوں بھائی ابوجہل کو تلاش کرتے پھر رہے تھے جب انہوں نے اسے دیکھا تو انہوں نے چرخ کی مانند اپنی جگہ سے زقند لگا کر تلوار کی ضرب لگائی یہاں تک کہ اسے گرا لیا۔ حضرت معاذؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوجہل کو زخمی کر کے اس کی پنڈلی جدا کر دی اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے مجھے زخمی کر دیا جس سے میرا ہاتھ میرے کندھے سے کٹ گیا۔ چنانچہ وہ ہاتھ ایک جانب لٹک گیا اور میں اس کے باوجود جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ میں اس ہاتھ سے تنگ آگیا۔ اور اس ہاتھ کو دونوں پاؤں سے دبا کر اپنے پہلو سے جدا کر دیا۔ اس کے بعد حضرت معوذ بن عفرار نے تلوار کی ایک ضرب ابوجہل کے لگائی اور اسے زمین پر گرا لیا۔ لیکن ابھی اس میں جان کی کچھ رمق باقی تھی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ دونوں بھائی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور ابوجہل کے مار ڈالنے کی خبر پہنچائی۔ حضورؐ نے فرمایا تم دونوں میں سے کس نے اسے مارا ہے ہر ایک بھائی مدعی تھا کہ میں نے اسے مارا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم نے اپنی تلواریں صاف کر لی ہیں؟ انہوں نے عرض کیا نہیں! آپ نے فرمایا اپنی تلواریں دکھاؤ۔ تو حضورؐ نے تلوار کو ملاحظہ کر کے فرمایا تم دونوں نے اسے مارا ہے۔ اور فرمایا ابوجہل کا سامان معاذؓ کو دیا جائے۔

مروی ہے کہ حضرت معاذؓ اس زخم کے باوجود حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ ابن وہب سے روایت کرتے ہیں کہ معاذؓ حضورؐ کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کا ہاتھ ان کی کھال سے لٹکا ہوا تھا۔ پھر حضورؐ نے اپنا لعاب دہن مبارک اس پر لگا کر اس کی جگہ چسپاں کر دیا اور وہ ہاتھ ٹھیک ہو گیا اس کے بعد وہ حضرت عثمان ذوالنورین کے زمانہ تک زندہ رہے۔ حضرت معاذؓ کے بھائی معوذ اسی روز بدر کے معرکہ میں شہید ہو گئے۔ علمار فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ابوجہل کے سامان کو معاذؓ کے لئے حکم فرمانا اسی سبب سے تھا کہ سب سے پہلے ابوجہل انہیں کے زخمی کرنے سے گر پڑا تھا۔ اگرچہ زخمی کرنے میں دونوں شریک تھے اور حضورؐ کا یہ فرمانا کہ :- کِلَاکُمَا قَتَلَہٗ - تم دونوں نے ہی اسے قتل کیا ہے تو یہ دونوں کے دل خوش کرنے کے لئے فرمایا تھا۔ اس حیثیت سے کہ یہ دونوں اس کے قتل کرنے میں شریک تھے۔ ورنہ قتل شرعی اس کے ساتھ متعلق ہے جسے سامان کا مستحق بنایا گیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کو اس حال میں دیکھا کہ اس میں جان کی کچھ رمق موجود تھی۔ انہوں نے اس کا سر کاٹ لیا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا

ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون ہے جو جا کر ابوجہل کی خبر لائے اس پر حضرت ابن مسعودؓ گئے اور انہوں نے اسے مقتول پایا جسے عفراء کے دونوں فرزندوں نے قتل کیا تھا۔ پھر حضرت ابن مسعودؓ ابوجہل کے سینۂ پُرکینہ پر چڑھ کر بیٹھے اور اس کی ناپاک داڑھی کو پکڑ کر فرمایا "تو ہی ابوجہل ہے اللہ نے تجھے رسوا کیا اے دشمن خدا!" ابوجہل نے کہا "اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک شخص کو اس کی قوم نے مار ڈالا۔ کاش کہ مجھے کوئی غیر دہقانی مارتا۔" دہقان سے اس کی مراد انصاری تھی چونکہ انصار اہل زراعت تھے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ ابوجہل کو اس امت کا فرعون کہا گیا ہے لیکن حقیقت میں یہ فرعون سے بدتر تھا اس لئے کہ فرعون جب غرق ہوا تو اس نے جان لیا کہ اس نے بُرا کیا تھا اور اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا تھا اور دوہائی مانگی تھی لیکن یہ بدبخت آخر دم تک اسی اپنے حال میں رہا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے اس بدبخت کا سر کاٹا اور حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ حضورؐ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَخْزَاكَ یَا عَدُوَّ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے جس نے تجھے ذلیل و خوار کیا اے دشمن خدا!" ایک روایت میں یہ ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ دِیْنَهٗ یعنی اللہ ہی کو حمد ہے جس نے اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور اپنے دین کو عزت بخشی اور فرمایا مَاتَ فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اس امت کا فرعون مرگیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اسی جگہ سے بعض فقہاء نعمتِ متجددہ کے ظہور اور بلیۂ مکروہہ کے دفع ہونے کے وقت سجدۂ شکر کے مستحب ہونے کے قائل ہیں اور علماء کا خارجِ نماز سجدہ کی مشروعیت میں اختلاف ہے۔ بجز سجدۂ تلاوت کے۔ بعض نے سجدۂ تلاوت کی مانند سجدۂ شکر اور سجدۂ مناجات کو سمجھا ہے۔ مگر جمہور علماء احناف اس کے قائل نہیں ہیں اور اس حدیث میں آیا ہے اس سجدہ سے مراد نماز ہے۔ اور ایک حدیث میں یوں مروی ہے کہ حضورؐ نے دو رکعت نماز پڑھی۔

مروی ہے کہ جب آپ نے دونوں لشکروں کو باہم پیوست ملاحظہ فرمایا اور دست بدست لڑائی کا مشاہدہ کیا اور کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت دیکھی تو حضورؐ اپنے عریش میں تشریف لائے اور روبقبلہ ہو کر دست بدعا ہوئے اور رب تعالیٰ سے سوال و مناجات میں مشغول ہو گئے۔ عریش میں حضورؐ کے ساتھ بجز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے اور کوئی نہ تھا۔ اس وقت حضورؐ نے حق تعالیٰ سے اس فتح و نصرت کو مانگا جس کا اس نے وعدہ فرمایا تھا۔ اور کہا "اے خدا اپنے اس وعدہ کو پورا فرما جو تو نے مجھ سے کیا ہے اور کہا" اے خدا اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کرادیا تو روئے زمین پر کوئی تیری عبادت کرنے والا نہیں رہے گا۔" یہاں تک کہ حضورؐ نے دعا میں اتنی الحاح وزاری کی کہ آپ کے دوش

مبارک سے آپ کی چادر گر پڑی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس چادر اطہر کو اٹھا کر حضورؐ کے دوش مبارک پر ڈالا اور عرض کیا۔"یارسول اللہؐ! دعاء و مناجات اور الحاح و زاری میں بس کیجئے جو آپ نے اپنے رب سے مانگا ہے بہت جلد حق تعالیٰ اپنے وعدہ کو آپ کے ساتھ پورا فرمائے گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نے دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی آپ کی داہنی جانب آپ کے ساتھ نماز و دعاء میں شریک تھے۔ اور حق تعالےٰ سے مناجات کر رہے تھے کہ اے رب اپنے کیئے ہوئے وعدہ کو پورا فرما۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں روز بدر قتال میں مشغول تھا اور میں بار بار حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس عریش میں آتا اور دیکھتا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سجدے میں ہیں اور یہ دعاء مانگ رہے ہیں۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے عریش میں تھے کہ یکایک آپ پر غنودگی طاری ہو گئی پھر بیدار ہوئے تو متبسم ہو کر فرمایا"اے ابوبکرؓ اب خدا کی مدد آگئی اور جبریل علیہ السلام اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے آگئے ہیں اور ان کے سامنے کے دونوں دانتوں پر گرد جمی ہوئی ہے۔ پھر حضورؐ عریش سے باہر تشریف لائے اور لوگوں کو جنگ پر شوق دلایا۔ اور فرمایا جو شخص جس کافر کو قتل کرے گا اس کا سامان اسی کے لئے ہے۔ اور جان لو کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے جو حق تعالیٰ کی رضا اور طلب ثواب میں ان کافروں سے جنگ کرے گا پھر وہ خدا کی راہ میں شہید ہو جائے تو اس کے لئے بہشت جاوداں ہے۔"

عمر بن الحمام رضی اللہ عنہ چند کھجوریں ہاتھ میں لئے کھا رہے تھے۔ انہوں نے کہا مجھے خوشی و مژدہ ہو کہ میرے اور بہشت میں داخل ہونے کے درمیان اب کوئی فاصلہ نہیں بجز اس کے کہ میں ان کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر ہاتھوں سے کھجوریں پھینکدیں اور تلوار کو ہاتھ میں لیکر کفار کے ساتھ جنگ میں مشغول ہو گئے اور شہید ہو گئے۔

تنبیہ ؛۔ روضۃ الاحباب میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مناجات کرنا اور اس میں الحاح و زاری کر کے سوال کرنا، اسی طرح مذکور ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ لیکن حدیث کے شارحین کو اس میں بہت کلام ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کس طرح جائز ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آگے بڑھ کر حضورؐ کو الحاح و زاری اور دعاء و سوال میں مبالغہ کرنے سے باز رکھیں۔ اور حضورؐ کو امید بندھائیں اور آپ کے یقین کو مضبوط و مستحکم بنائیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام ارفع و اعلیٰ ہے اور

حضورؐ کا یقین، تمام یقینوں سے بلند و بالا ہے۔ اس کا جواب کئی طرح سے دیتے ہیں چنانچہ سہیلی فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس گھڑی مقامِ رجا یعنی امید میں تھے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مقامِ خوف وشہود میں۔ کیوں کہ حق تعالیٰ (بے نیاز ہے) جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور حضورؐ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ حق تعالےٰ کی عبادت کرنے والے نہ رہیں گے۔ تو آپ کا یہ خوف فرمانا اس کی عبادت ہے اور یہ کمال ہے نقص وعیب نہیں ہے اور خطابیؒ فرماتے ہیں کہ کسی کو یہ وہم نہ کرنا چاہئیے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، رب العزت حق تعالےٰ و تقدس کی معرفت میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں زیادہ فائق تھے۔ بلکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس الحاح وزاری پر برانگیختہ کرنے والی چیز صحابہ کرام پر شفقت اور ان کے قلوب کی تقویت تھی۔ اس لئے حضورؐ نے توجہ، دعا اور الحاح وابتہال میں مبالغہ فرمایا تاکہ صحابہ کرامؓ قایم رہیں اور ان کے قلوب ثابت ومستحکم رہیں۔ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ خوب جانتے تھے کہ حضورؐ کی دعا، وسوال مقبول ومستجاب ہے پھر جب حضرت صدیقؓ نے آپ سے وہ بات عرض کی جو بیان ہوئی کہ حضورؐ بس کیجئے تو معلوم ہو گیا کہ آپؐ کی دعا مستجاب ہو گئی اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے اپنے دل میں قوت وطمانیت پیدا ہو گئی تھی۔ لہٰذا حضورؐ نے فوراً ہی بعد فرمایا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ عنقریب کفار کی جماعت کو ہزیمت ہو گی اور پشت دے کر بھاگے گی۔ اور حضورؐ اس حالت میں مقامِ خوف میں تھے۔ اور یہ سب سے زیادہ کامل حالت نماز ہے۔ حضورؐ کی دعا سے پہلے ممکن تھا کہ اس دن نصرتِ الٰہی واقع نہ ہوتی اس لئے کہ نصرتِ الٰہی کا وعدہ اس واقعہ کے ساتھ معین ومخصوص نہ تھا کہ اسی روز اس کی نصرت نازل ہو، بلکہ وعدۂ الٰہی مجمل وغیر معین تھا۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ ہے وہ بات جو ظاہر ہوتی ہے اور حضورؐ کا یہ فرمانا کہ "آج کے بعد تیری عبادت کرنے والے نہ رہیں گے"۔ یہ اس لئے ہے کہ حضورؐ کو معلوم تھا کہ آپؐ خاتم النبین اور آخری نبی ہیں۔ لہٰذا اگر آپ کو اور جو آپ کے ساتھ ہیں ان کو اس ہنگام میں وہ ہلاک کردیں تو کوئی ایک بھی ایسا مبعوث نہ ہو گا جو ایمان وعبادت کی دعوت کرے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا دعا میں خوب کوشش فرمانا اور اس میں مشقت برداشت کرنا اس بنا پر ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو دیکھا وہ غمراتِ موت (یعنے موت کی گہرائیوں) میں غوطہ زن ہیں اور فرشتے میدان جنگ میں کھڑے ہیں تو حضورؐ نے چاہا کہ خود بھی جہاد میں کوشش کریں۔ کیوں کہ جہاد دو قسموں پر ہے ایک جہاد تلوار کے ساتھ اور ایک جہاد دعا کے ساتھ ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ امام لشکر کی پشت پر رہے اور ان کے ہمراہ قتال نہ کرے۔ لہٰذا سب کوشش اور مشقت میں ہے۔ اس لئے حضورؐ نے نہ چاہا کہ ان دونوں قسموں کے جہاد سے خود راحت میں رہیں (مطلب یہ کہ لشکر اسلام کفار کے ساتھ نبرد آزما ہے اور میدان قتال میں استادہ

ہیں تو حضورؐ مقامِ دعا میں سجدہ ریز ہیں اور رب تعالیٰ سے ان کی نصرت و مدد کی التجائیں کر رہے ہیں۔ امام اور ماموم دونوں جہاد میں اپنی اپنی جگہ مشغول ہیں) ان سب کو صاحب لدنیہ نے نقل کیا ہے۔

اس مقام کے لحاظ و مناسبت سے سیدی احمد مرزوق علیہ الرحمۃ جو کہ محققین علماء صوفیہ اور مشاہیر مشائخ عظام میں سے ہیں کا ایک کلام ہے جس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ "مقامِ ربوبیت کی غایتِ ادب میں سے ایک بات یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اعتماد کرنے اور اس کے وعدہ کو صادق جاننے کے باوجود یہ اعتقاد رکھنا لازمی ہے کہ اس پر کچھ واجب نہیں ہے۔ اس اعتبار سے دو اصل اور دو قاعدے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان تعارض کے وقت بطریق ایمان مطابقت کرنا واجب ہے۔ لہٰذا اگر قبولیت کا وعدہ معین وقت میں نہیں ہے تو کوئی دشواری ہے ہی نہیں اور اگر بالفرض وقتِ معین میں بھی وعدہ کیا گیا ہو اور اس کی قبولیت اس وقت میں واقع نہ ہو تب بھی صدقِ وعدہ میں شک و تردد میں نہ پڑنا چاہیئے اس لئے کہ وقوعِ وعدہ، اسباب و شرائط کے ساتھ متعلق ہے جو کہ دانائے مطلق حق عزشانہ اپنے علم کے ساتھ متاثر و مخصوص ہو اور بندہ کو ان اسباب و شروط کی اطلاع نہ دی گئی۔ "وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ۔ کوئی بھی شئے اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی جسے وہ چاہے"۔ اور حق تعالیٰ پر یہ واجب نہیں ہے کہ جو قیود و شرائط اس کے علم میں ہیں اسے بیان فرمائے اور بندہ کو اس کا علم بخشے۔ بسا اوقات اس کی حکمت بالغہ کا اقتضاء ستر و کتمان میں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے کہ بندہ کی نظر میں سطوتِ ربوبیت ظاہر ہو اور اس پر احکامِ عبودیت کا اظہار ہو جس طرح کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ صلوٰت الملک الجلیل نے غایتِ ادب کیا کیوں کہ انہوں نے پہلے تو اپنی قوم سے کہا وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ۔ یعنی جن کو تم خدا کا شریک گردانتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ فرمانا حق سبحانہ و تعالیٰ کے وعدہ پر قطعی اور حتمی یقین کی بناء پر تھا کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ رسولوں پر کوئی خوف نہیں ہے اور یہ کہ حق تعالیٰ کی مدد رسولوں کے لئے واجب ہے (کیوں کہ وہ بے نیاز ہے اس پر کچھ واجب نہیں ہے) اس بناء پر استثناء کرتے ہوئے فرمایا إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا۔ مگر یہ کہ میرا رب جس قدر چاہے،" یہ استثناء وسعتِ علمِ باری تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور بندہ کو اس کے علم کی اطلاع نہ پانے اور کسی بندہ کا حق تعالیٰ کے علم کا احاطہ کرنے کی قدرت نہ رکھنے کے سبب سے ہے اس کے بعد فرمایا۔ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا۔ میرے رب کا علم ہر شئے سے وسیع ہے۔ یہ فرمانا وعدۂ صادق پر عدمِ وثوق کا وہم پیدا نہ ہونے کے لئے ہے۔ اور علم باری تعالیٰ کی وسعت پر نظر رکھنا متحقق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے جو یہ استثناء کیا ہے اس بناء پر نہیں کیا ہے کہ مجھے اس کے وعدہ پر وثوق و

اعتماد نہیں ہے یعنی اس نے جو وعدہ فرمایا ہے کہ "رسولوں پر دشمنانِ دین کا تسلط و غلبہ نہ ہونے دے گا" بلکہ یہ استثناء علمِ حق کی وسعت پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ یہ بات حق تعالےٰ کی جناب میں اس کے حق و ادب کے قائم رکھنے کے لئے ہے۔ اسی بنا پر علماء فرماتے ہیں کہ بشارت دینے والے انبیاء مرسلین کا خوف حق تعالیٰ کی شان بے نیازی کے خوف کی بنا پر ہے۔ اس بنا پر نہیں کہ حق تعالےٰ کے وعدہ پر وثوق و اعتماد نہیں ہے۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا :- وَمَا یَکُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْھَا ہمیں یہ لائق نہیں کہ ہم تمہاری کفری ملت میں داخل ہوں، پھر فرمایا اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا - مگر میرا رب جو چاہے۔ میرے رب کا علم ہر شئے پر وسیع ہے۔" جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ فرمانا بھی علم باری تعالیٰ کی وسعت پر نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ اسی بنا پر سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے روز بدر فرمایا :- اَللّٰھُمَّ اِنْ ھَلَکَتْ ھٰذِہِ الْعِصَابَۃُ لَنْ تُعْبَدَ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ اے خدا اگر اس جماعت کو آج تو نے ہلاک کرا دیا تو روئے زمین پر ہرگز تیری عبادت نہ ہوگی"۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سرہانے آئے اور عرض کیا :- یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَاشَدَتْکَ رَبُّکَ فَاِنَّ اللّٰہَ مُنْجِزٌ لَّکَ مَا وَعَدَکَ - "اے اللہ کے رسولؐ! آپ کے رب نے آپ کی دعا کو سنا بلاشبہ اللہ تعالےٰ نے جو آپ سے وعدہ فرمایا ہے اسے ضرور پورا فرمائے گا"۔

امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اول حال، اتم و اکمل ہے مطلب یہ ہے کہ تمہیں کوئی اس قسم کا وہم نہ کرنا چاہئے کہ آپ نے وعدۂ رب پر وثوق نہ فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، وعدۂ رب کے صدق پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے یقین رکھتے تھے، حاشا۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک، اللہ رب العزت کے وسعتِ علم اور اس کے ادب کے مقام میں تھی۔ یہ مقام معرفتِ صفاتِ حق اور ملاحظۂ حقیقت میں اعلیٰ ارفع اور اتم ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر ظاہر حکم شریعت پر تھی۔ کیوں کہ شریعت میں صدق وعدۂ حق واقع ہے۔ اسی طرح حق جل وعلا نے روز احد، احزاب، حنین اور داخلۂ مکہ میں وعدہ فرمایا مگر اس کے شرائط کو مخفی رکھا۔ اس کی مثالیں، انبیاء سابقین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین کے احوال میں بھی موجود ہیں جو کہ نزول بلا اعداء دین سے جہاد کے سلسلہ میں واقع ہیں۔ ان میں وہی

اسرار و بھید ہیں جو بیان کئے گئے۔

خلاصہ مبحث یہ ہے کہ جس طرح حق سبحانہ و تعالیٰ کے اپنے وعدۂ کریمہ میں عدم اتہام واجب ہے اسی طرح اس کے فعل میں اس کی حکمت بھی لازم ہے اور یہ سب کچھ اسی کے طرف سے ہے اول ہی کی حکمت پر محمول ہے اور دوم اس کے قہر و غلبہ کے تحت ہے۔ اور دونوں مقامات میں قہر بھی ہے اور مقام معرفت بھی۔ مقربان بارگاہِ عزت کا حال یہی ہے کہ:۔ لَا یُسْاَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَلَا یُعْتَرَضُ عَلٰی مَا یَقُوْلُ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ۔ جو وہ کرتا ہے اس سے مت پوچھو اور جو وہ کہتا ہے اس پر اعتراض نہ کرو اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے"۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت دونوں لشکر مل گئے اور ایک دوسرے کے مقابل ہو کر لشکر اسلام، اور لشکر کفار گتھم گتھا ہو گئے تو حضورؐ نے ایک مٹھی ریت کی لے کر کفار کے منہ پر پھینکی۔ اور پڑھا۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ ان کے چہرے مسخ ہوں" جب وہ ریت ان کے چہروں پر پڑی۔ تو کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھوں میں اور ناک کے دونوں سوراخوں میں ان کے ریزے نہ پہنچے ہوں۔ ان کے منہ پھر گئے اور شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے صنادید قریش میں سے کسی کو ہلاک کرایا اور کسی کو قید کرایا۔ اور جو اسیر ہوئے وہ بھی ان کے سرداروں اور اشراف میں سے تھے۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ:۔ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی اے محبوب آپ نے وہ مشتِ خاک نہیں پھینکی جب آپ نے پھینکی بلکہ وہ اللہ نے پھینکی"۔ یہ آیۂ کریمہ روز بدر حضورؐ کے مشتِ خاک پھینکنے کے ضمن میں نازل ہوئی۔ اگرچہ ایسا حضورؐ نے روز حنین بھی کیا تھا جیسا کہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔

بلاشبہ ایک گروہ نے اس آیت پر یہ اعتقاد اختیار کیا کہ اس آیت سے مراد، بندوں کی جانب سے سلب فعل ہے اور اس کی اسناد رب العزت کی طرف ہے۔ اور اس آیت سے "مذہب جبر" پر دلیل بنا کر افعال کی نسبت اور قدرت بندوں کی طرف کرنا باطل ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے اور اس گروہ نے فہم قرآن میں غلطی کھائی ہے۔ اگر واقعتہً ایسا ہی تھا تو اس فعل امی کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے مثلاً مَا صَلَّیْتَ اِذْ صَلَّیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ صَلّٰی (تم نے نماز نہیں پڑھی جب تم نے نماز پڑھی لیکن اللہ نے نماز پڑھی) یا اس طرح کہ وَمَا صُمْتَ اِذْ صُمْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ صَامَ (تم نے روزہ نہیں رکھا جبکہ تم نے روزہ رکھا لیکن اللہ نے روزہ رکھا) اگر اس قاعدہ و اصول کو بندوں کے تمام افعال، طاعات اور معاصی میں پھیلایا جائے تو یقیناً یہ کھلی گمراہی ہوگی۔ اور اگر اس قاعدہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کے افعال کے ساتھ مخصوص گردانا جائے تو بھی غلط ہے۔ بلکہ یہ اس پر مبنی و منتج ہوگا کہ معجزہ فعل نبی نہیں ہے بلکہ فعل خدا ہے جسے ان کے ہاتھ سے ظاہر کرایا بخلاف دیگر افعال کے کہ ان کا کسب بندہ کی طرف سے ہے اور ان کی تخلیق خدا کی طرف سے اور معجزہ میں کسب بھی بندہ کی جانب سے نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت کے معنے یہ ہیں کہ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ صُوْرَۃً وَّلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی حَقِیْقَۃً۔ نہیں پھینکا تم نے، جبکہ ظاہر صورتہ میں تم نے پھینکا بلکہ حقیقت میں اللہ نے ہی پھینکا' اور یہ بھی مراد نہیں ہے کہ مَا رَمَیْتَ خَلْقًا اِذْ رَمَیْتَ کَسْبًا۔ تم نے پیدا کر کے نہیں پھینکا، جبکہ تم نے کسب کر کے پھینکا، اس لئے کہ یہ بھی تمام افعال میں جاری ہے'۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ رمی کی ابتداء تو تمہاری طرف سے ہے لیکن اس کی نہایت یعنے کفار کی آنکھوں اور منہ پر پہنچانا خدا کی طرف سے ہے۔ اس کی نظیر حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ تو تم نے انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو ہلاک کیا"۔

ابن اسحٰق بیان کرتے ہیں کہ عکاشہ رضؓ .................. کی تلوار ٹوٹ گئی۔ پھر وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے ایک لکڑی ان کے ہاتھ میں دے دی اور فرمایا اس کے ساتھ جنگ کرو۔ وہ چھڑی عکاشہ رضؓ کے ہاتھ میں لمبی اور سخت کمر والی لوہے کی سفید تلوار بن گئی۔ اور انہوں نے اس سے ہی قتال کیا یہاں تک کہ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ عکاشہ رضؓ نے اس تلوار کا نام "عون" رکھا۔ یہ تلوار برابر حضرت عکاشہ رضؓ کے ہاتھ میں رہی اور جملہ غزوات میں اس سے قتال کرتے رہے یہاں تک کہ جب وہ شہید ہوئے تو یہ تلوار ان کے ہاتھ میں تھی۔

## ملائکہ کی آمد اور ان کی نصرت

غزوۂ بدر کے اعظم فضائل وخصائص میں سے ملائکہ کا آنا اور مشرکوں کے ساتھ ان کا قتال کرنا ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے سوا کسی غزوہ میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا اور دیگر وقتوں میں دشمنوں کے مقابلہ میں محض امداد و اعانت تھی۔ اور ان کا قتال کرنا اسی عظیم الشان غزوہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ عماد بن کثیر اپنی تفسیر میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ بجز روز بدر کے فرشتوں نے قتال نہیں کیا۔ اس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا فرشتوں نے بجز روز بدر کے کبھی قتال نہیں کیا اور ابن مرزوق فرماتے ہیں کہ یوم بدر کے سوا فرشتوں نے قتال نہیں کیا۔ بلکہ قول مختار کے بموجب فرشتے حاضر

ہوتے رہے ہیں۔ اس قول کو بعض علماء کے اقوال میں سے ترجیح دیتے ہوئے، نہایت البیان فی تفسیر القرآن میں ارشادِ حق تعالیٰ "وَیَوْمَ حُنَیْنٍ" کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس میں اختلاف ہے کہ روز حنین فرشتوں نے قتال کیا یا نہیں۔ اس جگہ دو قول ہیں۔ قولِ جمہور یہی ہے کہ نہیں کیا۔ لیکن اس قول کو مسلم کی اس حدیث سے جسے انہوں نے اپنی صحیح میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رد کرتے ہیں کہ حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ روز احد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی داہنی اور بائیں جانب دو ایسے شخصوں کو دیکھا جو سفید لباس میں ملبوس تھے اور ان کو نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا تھا۔ یعنی جبریل و میکائیل علیہما السلام، اور یہ دونوں خوب شدید قتال کرتے تھے۔ امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اکرام و اعزاز ہے کہ فرشتوں کو آپ کے ہمراہ قتال کرنے کے لئے نازل فرمایا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ قتال ملائکہ، یوم بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہی حق و صواب ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جس نے یہ گمان کیا کہ قتال ملائکہ یوم بدر کے ساتھ مخصوص ہے۔

## فرشتوں کے دیکھنے کی تحقیق

نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کی رویت، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کو صحابہ کرام اولیاء عظام دیکھتے ہیں۔ بندہ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوۃ، ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جبریل علیہ السلام کو حضورؐ کے پاس انسانی صورت میں بیٹھے دیکھنا ثابت شدہ ہے۔ اور جبریلؑ نے حضورؐ سے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا یہ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ جبریلؑ نے کہا انہوں نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا؟ اس کے بعد جب یہ مجلس ختم ہو گئی تو حضورؐ سے حضرت ابن عباسؓ نے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ کون شخص بیٹھے ہوئے تھے؟ فرمایا جبریلؑ تھے۔ تم نے انہیں سلام کیوں نہ کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے عرض کیا مجھے ان کے جمال و جلال سے شرم و ہیبت دامنگیر ہو گئی تھی۔" ہاں اگر یہ کہا جائے کہ خاص صورت میں دیکھنا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے تو اس کی گنجائش ہے۔

# روز بدر قتالِ ملائکہ کے بارے میں آیات واحادیث کا ذکر

اب ہم ان آیات واحادیث کو بیان کرتے ہیں جو روز بدر قتال ملائکہ کے باب میں مروی ہیں چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ ؕ

جب تم اپنے رب سے مناجات کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول فرمائی، بیشک میں تمہاری مدد پے در پے ہزار فرشتوں سے کرنے والا ہوں۔

سورہ انفال میں اسی طرح ہے لیکن سورۂ آل عمران میں یوں ہے کہ۔

اِنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِیْنَ ؕ

یہ کفایت نہیں کرتا کہ تمہارا رب، تین ہزار فرشتوں کو اتار کر تمہاری مدد فرمائے۔

ان دونوں آیات کریمہ کے درمیان موافقت اس طرح ہے کہ پہلی آیت میں ایک ہزار وہ فرشتے ہیں جو مقدمۃ الجیش کے طور پر ان لوگوں کے سامنے آئے تھے یا جنہوں نے قتال کیا تھا وہ ایک ہزار تھے۔ اور ان کے مقاتلہ میں اختلاف ہے جیسا کہ بیضاوی نے کہا ہے بعض کہتے ہیں کہ ہزار کو تین ہزار کے ساتھ مرادف کیا گیا ہے۔ یعنے ایک ہزار کے بعد تین ہزار فرشتے بھیجے، لہٰذا کثیر قلیل کے مددگار بنے۔ نیز سورۂ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔

بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ؕ

ہاں اگر تم قایم رہے اور خدا سے ڈرتے رہے تو تمہارے پاس یہ فوراً آئے گی تمہارا رب تمہاری مدد نشان زدہ پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا۔

مسومین یعنی معلمین میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی پیشانیاں اظہار علامت کے لئے تاباں ہوں گی۔ ان کا یہ اظہار اس کی نشانی وعلامت ہے کہ پانچ ہزار فرشتے آئے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ نے

اس کا وعدہ فرمایا کہ اگر تم قایم رہے اور تقویٰ اختیار کیا تو وہ آئیں گے اور تمہارے خلاف کفار کو فوراً کچل دیں گے۔ اور تمہاری مدد حق تعالیٰ پانچہزار فرشتوں سے فرمائے گا۔

مواہب لدنیہ میں ربیع بن انس سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کی مدد ایک ہزار فرشتوں سے فرمائی اس کے بعد تین ہزار کر دیئے اور اس کے بعد پانچ ہزار کر دیئے۔

ابو قتادہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے روز بدر پانچہزار فرشتوں سے مدد فرمائی اس سے پتہ چلتا ہے کہ حق تعالےٰ کی امداد پانچہزار کے ساتھ وقوع میں آئی ہے۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضےٰؓ سے مروی ہے کہ روز بدر ایسی تیز ہوا چلی کہ اس سے پہلے ایسی تیز ہوا کبھی نہ دیکھی تھی اس کے بعد پھر دوبارہ ایسی ہی تیز ہوا چلی۔ پھر تیسری مرتبہ بھی ایسی ہی تیز ہوا چلی۔ اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی مرتبہ جبریل علیہ السلام ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے دوسری مرتبہ میکائیل ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے اور تیسری مرتبہ اسرافیل ہزار فرشتوں کے ساتھ آئے"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے بنی غفار کے ایک شخص نے بیان کیا کہ میں اور میرے چچازاد بھائی دونوں آگے نکل کر بدر کی ایک اونچی پہاڑی پر چڑھے۔ ہم اس زمانہ میں مشرکوں کے ساتھ تھے۔ ہم نے اس کا انتظار کیا کہ جو لشکر بھی شکست کھا کر بھاگے ہم انہیں لوٹیں۔ یکایک ہم نے دیکھا کہ اس پہاڑ پر جس پر ہم تھے ایک ابر ہمارے قریب ہوا جس میں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز تھی۔ اس وقت کسی کہنے والے کو کہتے سنا کہ "اَقْدِمْ حَیْزُومْ" حیزوم آگے بڑھ۔ تو میرا چچازاد بھائی مجھ پر آپڑا اور اس کے دل کا پردہ پھٹ گیا اور اس نے اسی وقت جان دیدی۔ اس وقت میری یہ حالت تھی کہ میں ہلاکت کے قریب تھا لیکن میں نے ضبط کیا۔ علماء فرماتے ہیں کہ "حیزوم" (بفتح حاء وسکون یا وزاء مضموم) حضرت جبریلؑ کے گھوڑے کا نام ہے۔ اور اقدم بروزن اُنصُر اور اَکْرِمْ دونوں باب سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیلؑ پانچسو فرشتوں کے ساتھ انسانی شکل وصورت میں ابلق گھوڑوں پر سوار اترے اس وقت ان کے جسموں پر سفید لباس اور ان کے سروں پر سفید عمامے اور روز حنین سبز عمامے تھے جن کے سرے (شملے) وہ اپنے کندھوں کے درمیان چھوڑے ہوئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ روز بدر فرشتوں کی پیشانیوں پر سفید عمامے اور روز حنین سبز عمامے تھے۔ اور حضرت علی مرتضےٰؓ سے مروی ہے کہ روز بدر فرشتوں کی پیشانیوں پر سفید صوف کے عمامے تھے۔ اور ان کی پیشانیاں گھوڑوں کے گوشوں میں تھیں۔ (یعنی وہ گھوڑوں پر سوار تھے) بعض روایتوں میں آیا ہے کہ روز بدر فرشتوں کی پیشانیوں پر سیاہ عمامے تھے اور روز حنین سرخ اور روایتوں میں

سفید و سُرخ اور زرد سب آیا ہے کہ کچھ فرشتے ایسے ہوں گے اور کچھ ویسے۔ اور فرشتوں کے گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنی جاتی تھیں مگر گھوڑے نظر نہیں آتے تھے اور جب مسلمان کسی کافر کا پیچھا کرتے تو قبل اس کے کہ وہ اس کے قریب ہوں وہ دیکھتے کہ ان کا سر زمین پر کٹا پڑا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ روز بدر فرشتوں کی ضرب سر یا بدن کے جوڑوں پر ہی واقع ہوئی یہ حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی تفسیر میں ہے کہ :۔ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ اَیِ الرُّؤُسِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ اَیْ مَفْصِلٍ تو گردنوں کے اوپر یعنی سر پر ضرب لگاؤ اور ان کے ہر گرہ یعنی جوڑ پر مار لگاؤ۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ "فَوْقَ الْاَعْنَاقِ" یعنی ذبح کرنے کی جگہ اور سروں پر ضرب لگاؤ اور وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ اَیِ الْاَصَابِعِ۔ اور ان کے ہر جوڑ پر مار لگاؤ یعنی انگلیوں کی گرہوں پر۔ کشاف میں ہے کہ بنان سے مراد اطراف ہے۔ مطلب یہ کہ ان کے سروں کو کاٹو اور اطراف کو توڑو۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ فرشتوں کے مقتول گردنوں اور جوڑوں میں سیاہی کی نشانی سے پہچانے گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک انصاری شخص کسی کافر کے پیچھے جا رہا تھا کہ اچانک اس نے کوڑے کے مارنے کی آواز اور ایک سوار کی آواز سُنی جو کہہ رہا تھا اَقْدِمْ حَیْزُوْم تو اس انصاری نے دیکھا کہ اس کے سامنے وہ گرا پڑا ہے اور اس کا منہ پھٹا ہوا ہے اور اسکی گردن ٹوٹی ہوئی ہے۔ اس کے بعد وہ انصاری حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور جو کچھ مشاہدہ کیا تھا عرض کر دیا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ سب مدد آسمان سیوم کی تھی۔

مروی ہے کہ جب مدینہ منورہ والے اصحاب بدر کو ان کی واپسی کے بعد تہنیت و مبارک باد دینے لگے تو انہوں نے کہا اے مدینہ منورہ والو! ہمیں کس بات کی مبارک باد دیتے ہو، کیوں کہ یہ فتح ہماری قوتِ بازو کے زور سے نہ تھی۔ بلکہ ہم نے کافروں کو دیکھا ہے کہ ان کے سر تن سے جدا پڑے ہیں اور ہم نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا، جس نے ان پر تلوار ماری ہو۔ یہ کافروں کی بدبختی ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں بندھے اونٹوں کی مانند گر پڑتے تھے ہم ان کے جسموں سے سر کو جدا کر دیتے تھے۔ یہ بات جب خواجۂ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات کے سمعِ مبارک میں پہنچی تو فرمایا وہ فرشتے تھے جو یہ کام کرتے تھے۔ ان کی مراد یہ نہیں سب کا حال یہی ہوا تھا بلکہ کچھ کافروں نے اصحاب کے ساتھ مقابلہ و مقاتلہ بھی کیا اور بعض کافروں کا سر فرشتوں نے تن سے جدا کیا۔

منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی فتح اور ان اشقیاء کے مارے جانے کی خبر مکہ میں پہنچی تو ابولہب اور دیگر کافروں نے تعجب و حیرت کا اظہار کیا۔ اور جب ابوسفیان بن الحارث

جو کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا کا بیٹا تھا مکہ پہنچا تو ابولہب نے اس سے کہا۔ اے میرے بھائی کے فرزند! آؤ تم تحقیقی خبر رکھتے ہو" ابو سفیان بن الحارث نے کہا" اے میرے چچا! جب ہم نے اصحاب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے مقابلہ کیا تو ہم سب اپنی جگہ خشک کھڑے ہو کر رہ گئے۔ اور ہم یہی دیکھتے رہے کہ ہمارے ہتھیار ہمارے جسموں پر سے وہ اتار لیتے اور ہمارے ہاتھوں کو ہمارے کندھوں سے باندھ دیتے تھے۔ اور ہم نے زمین و آسمان کے درمیان سفید لباس کے لوگ دیکھے جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور کوئی بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ ابو رافع حضرت عباسؓ کے غلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم وہ تو فرشتے تھے۔ اس پر ابولہب انتہائی غیظ و غضب میں آیا اور اس نے میرے مُنہ پر مکہ مارا مجھے اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا پھر میرے سینہ پر چڑھ کر لاتیں مارنے لگا۔ حالانکہ میں ضعیف و کمزور شخص تھا میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت ام الفضل زوجہ حضرت عباس رضی اللہ عنہا نے میرا جو یہ حال دیکھا تو انہوں نے موٹی چوب اٹھا کر ابولہب کے سر پر ماری اور وہ ذلیل و خوار ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ سات دن کے بعد "عدسہ" کی بیماری نے اس پر حملہ کیا اور وہ مر گیا۔ عرب اس بیماری کو شوم و بُرا جانتے ہیں اس کے مرنے کے بعد خوف کی وجہ سے کوئی اس کے پاس نہ گیا اور وہ تین دن تک یونہی مرا پڑا رہا۔ تین دن کے بعد اجرت پر مزدور بلائے گئے تاکہ وہ اسے اٹھالے جائیں اور مکہ سے باہر گڑھا کھود کر اس میں دبا دیں اور اس پر اور پتھر رکھ کر بند کر دیں۔

مواہب میں شیخ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ کسی نے مجھ سے پوچھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ قتال ملائکہ کے بارے میں حکمت کیا تھی۔ باوجودیکہ جبریل علیہ السلام اس پر قادر ہیں کہ طبقہ زمین کو اپنے ایک بازو پر اٹھا کر بیک دم تمام کافروں کو ہلاک کر دیتے؟ شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے جواب میں کہا کہ یہ اس لئے تھا کہ یہ فعل تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہو۔ اور ملائکہ ان کی عون و مدد کے لئے ہوں کیوں کہ دنیاوی سطح پر کمک کے طور پر لشکر ہی مدد کرتے ہیں۔

بندۂ مسکین یعنی صاحب مدارج النبوۃ ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین ورحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سوال کا بنیادی تعلق عوام سے ہے کہ وہ تدبیراتِ الٰہی، ترتیب اسباب اور اللہ جل جلالہٗ و عظم کمالہ کی غیر متناہی حکمتوں کی طرف سے صرفِ نظر نہ کریں۔ ورنہ وہ اس طرح کیوں نہیں کہتے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جہاد و قتال کی ضرورت ہی کیا تھی۔ حق تعالیٰ قادر ہے کہ اپنے قہر و جلال سے تمام کافروں کو ہلاک کر دے اور ان کے کفر و ضلال کے نشانوں کو اپنے ہدایت و کمال کے نور سے ناپید کر دے مگر بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے ثواب و جزا اور کافروں کے عذاب و عقاب کا مدار اسی پر ہے۔ ان کے سوا وہ چیزیں جو عالم اسباب

واوضاع سے متعلق ہیں وہ ضبط وحصر اور گنتی وشمار کی حد وقدرت سے باہر ہیں۔ اور اللہ ہی علیم وحکیم ہے۔

## اسیران ومقتولانِ بدر کی تعداد

بدر میں مقتولانِ کفار کی تعداد ستر تھی اور اتنے ہی اسیر ہوئے تھے۔ مسلمانوں میں سے چودہ۱۴ حضرات نے جامِ شہادت نوش کیا تھا جن میں چھ مہاجرین میں سے تھے اور آٹھ انصار میں سے تھے چھ۶ قبیلہ خزرج کے اور دو۲ قبیلہ اوس کے (رضی اللہ عنہم)

ان اشقیاءِ قریش کے ستر مقتولوں میں سے چوبیس۲۴ نعشوں کے لئے آپ نے حکم فرمایا کہ بدر کے کنووں میں سے ایک کنویں میں ڈال دیں یہ کنواں ناپاک وخراب تھا اور اس میں لوگ کوڑا کرکٹ اور نجاست ڈالا کرتے تھے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب دشمنوں پر غلبہ اور فتح پاتے تو تین روز اسی میدان میں مقام فرماتے، چنانچہ اس جگہ بھی حضورؐ نے تین۳ روز قیام فرمایا تیسرے دن حکم فرمایا کہ آپؐ کی سواری لائی جائے پھر آپ سوار ہوئے اور صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ کے ہمراہ ہوگئی۔ وہ خیال کرتے تھے کہ شاید کسی کام کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں یہاں تک کہ حضورؐ اس کنویں پر تشریف لائے جس میں کفار کی لاشوں کو ڈالا گیا تھا۔ اس کے بعد حضورؐ نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی اور فرمایا اے فلاں بن فلاں، اے فلاں بن فلاں، بعض روایتوں میں مزید صراحت ہے کہ فرمایا او عتبہ بن ربیعہ، او شیبہ بن ربیعہ او ابوجہل بن ہشام مثلاً کیا تمہیں یہ خوش معلوم نہیں ہوتا تھا کہ تم خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے اب جبکہ پردہ اٹھ گیا ہے اور خدا کے عذاب کو دیکھ لیا ہے تو تم مسلمان ہونے کی آرزو کرتے ہو" یہاں خوش سے مراد وہ خوشی ہے جس میں غم واندوہ بھی شامل ہو۔ اور بطریق استعارہ ضد کو ضد کے لئے استعمال فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا "بلاشبہ ہم نے اسے حق سے پالیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا کیا تم نے بھی اسے حق سے پالیا ہے جو تم سے عذاب کی وعید فرمائی گئی تھی" ایک روایت میں یہ ہے کہ اے کنویں میں پڑے ہوئے لوگو! تم بدخویش اور عاقبت نااندیش ہو کہ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسرے لوگ تصدیق کرتے ہیں؟" اس پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ ان جسموں کو مخاطب فرما رہے ہیں جن میں روحیں نہیں ہیں؟" حضورؐ نے فرمایا "قسم ہے اس خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم ان سے زیادہ اس بات کے سننے والے نہیں ہو جو کچھ میں خطاب کر رہا ہوں وہ خوب سن رہے ہیں لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔

## سماعِ موتیٰ و حصول علم و شعور

وصل :- جاننا چاہیئے کہ یہ حدیث صحیح اور متفق علیہ ہے اور مُردوں کے سُننے اور ان کو علم و شعور حاصل ہونے کا صریح ثبوت موجود ہے۔ کیوں کہ جو کچھ حضورؐ نے خطاب فرمایا ان کا علم ان کو حاصل ہوا۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ دفنانے والے جب مردہ کو دفن کر کے لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کی جوتیوں کی آواز سُنتا ہے۔ اسی طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان اہل بقیع کی زیارت کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ان کو سلام کرو اور اس میں ان کو خطاب کرو اور کہو کہ اے رہنے والو تم پر سلام ہو۔ اے مسلمانو! تمہیں وہ سب کچھ مل گیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اور ان شاء اللہ ہم بھی تمہارے ساتھ شامل ہونے والے ہیں۔

شیخ ابن الہمام، شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ اکثر مشائخ اسلاف کا مذہب یہ ہے کہ مردے نہیں سُنتے ہیں۔ اور وہ "کتاب الایمان" میں تصریح کرتے ہیں کہ "اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ اس سے کلام نہیں کرے گا پھر اس نے اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو وہ حانث یعنے قسم توڑنے والا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ قسم اسی پر منعقد ہوتی ہے جو فہم کی حیثیت و قابلیت رکھتا ہو، اور مردہ ایسا نہیں ہے"۔ یہ حضرات علماء مسلم کی حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ مردہ کا لوگوں کی جوتیوں کی آواز سُننا اس پر ناطق ہے کہ مردے کو قبر میں رکھنے کے وقت کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ منکر نکیر کے سوال کا پیش خیمہ ہے"۔ حالانکہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے۔ اور اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ یہ حالت مردے کو قبر میں حاصل ہے اور مُردے کو وقت سوال میں زندہ گردانتا ہے اور اس سے پہلے مقدمہ سوال کے لئے زندہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔؟ اس حدیث مذکور کا جو کہ ان کے مذہب کے خلاف میں نص ہے۔ جواب دیتے ہیں کہ یہ حضورؐ کے ساتھ مخصوص ہے اور حضورؐ کا یہ معجزہ ہے جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے کہ فرمایا، حق تعالےٰ نے ان کو زندہ کیا تا کہ وہ حضورؐ کی اس بات کو انہیں سنواتے۔ اور یہ سنوانا زیادتی توبیخ اور حسرت و ندامت کے لئے ہے۔ مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ اس پر محمول کرنا محض احتمال و تاویل ہے اور اس پر اس وقت تک محمول نہیں کیا جا سکتا جب تک امتناع، سماع پر دلیل پوری موجود نہ ہو۔ حالانکہ اللہ رب العزت اس پر قادر ہے۔ اور ادراک کے لئے حواس کی حیثیت مرئی و سمعی ہے بغیر سبب کے بھی اللہ تعالیٰ خالص طور پر یہ حالت پیدا کر سکتا ہے جیسا کہ کتب مذہب میں مسلمہ قاعدہ ہے اور کبھی اس طرح جواب دیتے ہیں کہ یہ صورت از قسم ضرب المثل اور کہاوت ہے حقیقت نہیں ہے۔ یہ جواب، پہلے جواب سے بھی بعید تر اور کمزور تر ہے۔ منکرین کی جماعت کے مضبوط ترین شبہات میں سے یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ

سے روایت کی تو انہوں نے فرمایا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسا کیوں کر فرما سکتے ہیں حالاں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ یعنے آپ مُردوں کو نہیں سُناتے اور نہ آپ ان کو سُنانے والے ہیں جو قبروں میں ہیں"۔ وہ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہؓ نے تاویل کرتے ہوئے فرمایا کہ نبی کی مراد یہ ہے کہ تم کہو، تم جانتے ہو کہ جو کچھ میں نے کہا حق ہے اور کہا کہ حضرت عمرؓ کو علم کی جگہ سماعت کا وہم ہوا، کیوں کہ موتیٰ کو انتقال کے بعد آخرت کی حقیقت کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ غرضکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سماع موتیٰ کا انکار کیا اور انہوں نے ان قرآنی دو آیتوں سے استدلال کیا جو مذکور ہوئیں۔ لیکن سیدہ عائشہؓ کے قول کا جواب دیتے ہیں اور ان کے قرآنی استدلال کو قبول نہیں کرتے۔ اور اُن کے قول کو تسلیم نہیں کرتے۔

مواہب لدنیہ میں اسمٰعیل سے نقل کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صاحب فہم و ذکا، اور صاحب کثرت روایات و غوامض علوم تھیں اس سے زیادہ اور کچھ متصور نہیں۔ لیکن کسی ثقہ روایت کے رد کرنے کے لئے کسی نص کے بغیر چارۂ کار نہیں۔ جیسے حضرت عمرؓ کی روایت یا اور کوئی ثقہ روایت۔ ایسی روایتوں کے رد کے لئے ایسی نص جو نسخ یا تخصیص یا استحالہ پر مشتمل ہو، ضرورت ہے اور آیت قرآنی محتمل ہے اس کے معنے یہ نہیں ہیں کہ تم سنوا نہیں سکتے، بلکہ مُردوں کو خدا سنواتا ہے اور ان کو جو کافر قبروں میں ہیں۔ اور مراد عدمِ سماع سے عدم اجابت حق ہے اور اسی دلیل کے لئے یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں جو کفار کو ایمان کی دعوت دینے اور ان کا حق کو قبول نہ کرنے کے سلسلہ میں ہے۔ نیز علماء فرماتے ہیں کہ آیت میں موتیٰ سے مراد دل اور قبور سے مراد ان کے جسم ہیں جس میں ان کے دل مردہ پڑے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ مواہب لدنیہ میں مذکور ہے کہ محمد ابن اسحٰق کے مغازی میں باسناد جید اور مسندِ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ میں بھی باسنادِ حسن، سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضرت عمرؓ کی حدیث کی مانند مروی ہے۔ لہٰذا سیدہ عائشہؓ نے گویا اپنے انکار سے رجوع کر لیا اس سبب سے جو ان کے نزدیک صحابۂ کبار کی روایتوں سے ثابت ہو گیا ہے۔ اس رجوع کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود اس قضیہ میں حاضر نہ تھیں۔ شرح مسلم میں بھی اسی کی مانند مذکور ہوا ہے۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اخبار و آثار، سماعِ موتیٰ اور علم و شعور میں بہت ہیں اور ان کے برخلاف کوئی دلیل قطعی پایۂ ثبوت کو شامل نہیں ہے۔ اس مقام میں مفصل بحث و گفتگو مشکوٰۃ کی شرح میں بیان کر دی گئی ہے۔ (واللہ اعلم)

جب حضورؐ نے حکم دیا کہ مشرکوں کی لاشوں کو کنوئیں میں ڈال دیا جائے تو عتبہ بن ربیعہ کو خاک مذلت سے گھسیٹ کر کنوئیں میں ڈالا جانے لگا اس کے بیٹے حضرت ابو حذیفہؓ نے جب یہ حال دیکھا تو

طبعی طور پر انہیں یہ گراں گزرا اور ناپسندیدگی چہرے سے ظاہر ہونے لگی پھر جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوحذیفہؓ کے چہرے پر نگاہ ڈالی اور ان کا رنگ متغیر دیکھا اور شکایت و حزن کا اثر چہرے پر نمایاں ملاحظہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا اے اباحذیفہؓ! گویا تمہارے دل میں اپنے باپ کے حال کو دیکھنے سے تغیّر واقع ہوگیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! میرے اسلام میں شک و تردد واقع نہیں ہوا ہے لیکن میرا باپ صائب الرائے، حلیم اور اچھے آداب واخلاق والا تھا میں تمنا رکھتا تھا کہ اس کی یہ خوبیاں اسے اسلام میں لے آئیں گی اور اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس سعادت سے محروم رہ گیا ہے اس سے مجھے حزن و ملال لاحق ہوا ہے۔" اس پر حضورؐ نے حضرت ابوحذیفہؓ کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک صفات اور عمدہ آداب واخلاق، اپنی ذات میں حصولِ ایمان کے لئے برانگیختہ کرنے والے نہیں ہیں۔ ایمان محض ہدایت وفضل وعطائے الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ مصرعہ

عشق کاریست کہ موقوف ہدایت باشد

نیز معلوم ہوتا ہے کہ طبعی ناگواری جو اپنے اختیار میں نہیں ہے اس کا اعتبار نہیں جبکہ دل، مرکزِ یقین پر قرار و ثابت ہو۔ اور مقامِ صبر و رضا وتسلیم کا مدار بھی اسی حکم میں ہے۔ اس حدیث پاک کے یہ عمدہ فوائد ہیں۔ تصور کرنا چاہیے کہ صحابہ کرام کا یقین، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر کس قدر رہا کہ اپنے اس باپ کو جو اتنی خوبیوں کا مالک تھا اسے اس حال میں خاک مذلت میں گھسیٹتے ہیں اور کنویں میں ڈال دیتے ہیں۔ اور ان کی طبیعت میں جو ملال و کراہت نے راہ پائی بھی تو وہ اس پر عتاب کرتے ہیں اور معذرت خواہی کرتے ہیں۔ کیونکہ خالص حق منکشف ہو کر مرتبۂ یقین تک پہنچ گیا تھا اور تمام موانعات وحجابات مرتفع ہوگئے تھے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جانتا ہوں مکہ معظمہ سے بنی ہاشم کی ایک جماعت کو جبر و اکراہ سے لائے ہیں تو جو کوئی تم میں سے کسی بنی ہاشم کو خاص کر حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو پائے تو لازم ہے کہ اس کو قتل کرنے میں جلدی نہ کرے یہی ابوحذیفہؓ جو عتبہ بن ربیعہ کے بیٹے ہیں انہوں نے کہا ہم اپنے باپوں اور بھائیوں کو قتل کریں اور عباسؓ کو چھوڑ دیں۔ خدا کی قسم اگر میں ان تک پہنچ گیا تو ان پر اپنی تلوار کی ضرب لگا کر ان کا کام تمام کردوں گا۔ یہ بات جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ اے ابوحفص سن رہے ہو ابوحذیفہؓ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ پہلا اتفاق ہے کہ حضورؐ نے حضرت عمرؓ کو ان کی کنیت سے مخاطب فرمایا اس پر

حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان کی گردن اُڑا دوں۔ کیوں کہ یہ منافق ہو گئے ہیں۔ حضرت ابو حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اس بات کے کہنے کے ساتھ ہی مجھ پر از حد خوف و لرزہ طاری ہوا اور میں اپنے تئیں یہ کہنے لگا کہ اس گناہ کا کفارہ یہی ہو سکتا ہے کہ میں خود کو راہِ خدا میں شہید کر دوں چنانچہ وہ روز یمامہ میں شہید ہو گئے (رضی اللہ عنہ)

**اسیرانِ بدر**

**وصل ۱:-** اسیرانِ بدر کی بھی وہی تعداد تھی جو ان کے مقتولوں کی تھی یعنی وہ بھی ستر تھے اور ان میں رسول اللہؐ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب بھی تھے۔ اور عقیل بن ابی طالب (حضورؐ کے چچا کے فرزند) اور نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب یہ بھی حضور کے چچا کے فرزند ہیں یہ سب ایمان لے آئے تھے۔ ان ستر قیدیوں میں سے معلوم نہیں کہ کون کون ایمان لایا اور کون کون کفر پر باقی رہا۔ (واللہ اعلم) اور اس وقت اُن سب کے نام بھی میری نظر میں نہیں ہیں۔

مروی ہے کہ جب قیدیوں کی گردنوں میں طوق اور ان کے پاؤں میں زنجیریں ڈال کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لایا گیا تو حضورؐ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے ان کا حال عجیب رکھا ہے کہ ان کو سلاسل و اغلال یعنے زنجیر و طوق کے ذریعے جنت کی طرف کھینچتا ہے مطلب یہ کہ از خود نہیں چاہتے کہ مسلمان ہوں اور جنت میں داخل ہوں مگر حق تعالےٰ ان کو بزور و قوت باندھ کر اپنی بارگاہ میں لاتا ہے اور ان کو جنت میں داخل کرتا ہے۔ یہی حکم تمام تکالیف شرعیہ کا ہے کہ حق تعالی بندوں کو مکلف کر کے ان کو ان کا مقید بناتا ہے اور اس طرح اپنی درگاہ میں لاتا ہے اور جنت میں داخل کرتا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ، پہلے ہی سے اسلام لائے ہوئے تھے لیکن انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ اور روز بدر مشرکوں کے ساتھ باہر نکل آئے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی عباس کے سامنے آئے اس کو چاہیئے کہ انہیں قتل نہ کرے اس لئے کہ وہ جبراً لائے گئے ہیں لیکن جس وقت انھیں فدیہ دینے کے لئے کھڑا کیا گیا اور انہوں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں اور مجھے جبراً لایا گیا ہے تو حضورؐ نے فرمایا تمہارے اسلام لانے کو حق تعالےٰ جانتا ہے لیکن بظاہر تم نے ہمارے ساتھ جنگ کی ہے تمہیں فدیہ دینا چاہیئے، اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ روز بدر اسلام لائے اور انہوں نے روزِ فتح "ابوا" میں حضورؐ کا استقبال کیا اور فتح مکہ کے دن حضورؐ کے ساتھ رہے۔ اور ان کے ساتھ ہجرت ختم کر دی گئی۔

بعض کہتے ہیں کہ فتح خیبر سے پہلے اسلام لائے۔ اور انہوں نے اپنے اسلام کو مخفی رکھا اور فتح مکہ کے دن اس کا اظہار کیا۔ حالانکہ ان کا اسلام لانا بدر سے پہلے ہے۔ اور وہ مشرکوں کی خبریں لکھ کر حضورؐ کی طرف روانہ کرتے تھے۔ حالانکہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کو محبوب رکھتے تھے اس پر حضورؐ ان کو لکھوا کر بھیجتے تھے کہ تمہارا اپنی جگہ ٹھیرے رہنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ نیز مروی ہے کہ اُن کے اسلام لانے کا سبب یہ ہوا کہ وہ اپنے ہمراہ بیس[۲] اوقیہ سونا لائے تھے تاکہ مشرکوں کو کھانا دیں۔ لیکن جنگ میں ان سے لے لیا گیا اور اسے مال غنیمت میں داخل کر دیا گیا۔ تو انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ اُس بیس[۲] اوقیہ سونے کو ان کے فدیہ میں محسوب کرلیں لیکن حضورؐ نے اسے قبول نہ فرمایا اور فرمایا کہ یہ تو وہ مال ہے جسے تم ہمارے خلاف جنگ میں کفار کی مدد کے لئے لائے تھے اب وہ مسلمانوں کی غنیمت میں ہے۔ اسے فدیہ میں محسوب نہیں کیا جا سکتا۔ تو انہوں نے کہا میں اور کوئی مال نہیں رکھتا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کا چچا لوگوں سے بھیک مانگے اور لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائے حضورؐ نے فرمایا وہ سونا کہاں ہے جب تم مکہ سے نکل رہے تھے اور اپنی زوجہ ام الفضل رضی کے سپرد کر کے آئے تھے"۔ انہوں نے کہا آپ کو اس کی خبر کیسے ملی؟ فرمایا مجھے میرے رب نے خبر دی۔ پھر وہ کہنے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صادق ہیں۔ بجز خدا کے کوئی اس سے باخبر نہیں تھا۔ اس کے بعد وہ اسلام لائے اور کہنے لگے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

بیان کیا جاتا ہے کہ جس شخص نے حضرت عباس کو اسیر کیا ہے ان کا نام ابوالیسر تھا۔ یہ ضعیف و کوتاہ قامت تھے اور حضرت عباس جسیم و بلند قامت تھے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ اپنے والد حضرت عباس کے شانہ تک، اور حضرت عباس اپنے والد حضرت عبدالمطلب کے شانہ تک پہنچتے تھے وہ بہت ہیبت والے طویل القامت تھے۔ لوگوں نے حضرت عباس سے پوچھا کہ ابوالیسر نے تمہیں کیسے اسیر کیا وہ تو بہت نحیف اور قلیل الجثہ تھے اگر تم چاہتے تو ان کو اپنی مٹھی میں لے لیتے۔ حضرت عباسؓ نے کہا ٹھیک ہے لیکن وہ میری آنکھوں میں "خندمہ" کی مانند نمودار ہوئے خندمہ مکہ کے پہاڑوں میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوالیسر سے دریافت کیا کہ تم نے حضرت عباس کو کس طرح اسیر کیا؟ انہوں نے عرض کیا میری مدد اس شخص نے کی جس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ بڑی ہیبت و عظمت والا تھا۔ فرمایا وہ عزت والا فرشتہ تھا جس نے تمہاری مدد کی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت مسلمانوں نے اسیران بدر کو باندھ کر قید کر لیا اور

رات آئی تو حضرت عباسؓ سخت بندش کی وجہ سے کراہنے لگے جب حضورؐ نے ان کے کراہنے کی آواز سنی تو آپ سو نہ سکے صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! نیند کیوں نہیں آرہی ہے؟ فرمایا اپنے چچا حضرت عباس کے کراہنے کی وجہ سے! جب انصار نے حضورؐ کی رضا حضرت عباس کے بند کو نرم کرنے میں پائی تو انہوں نے ان کے بند ڈھیلے کر دیئے اور حضرت عباسؓ سو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں عباس کے کراہنے کی آواز نہیں سنتا؟ صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! ان کے بند دل کو ڈھیلا کر دیا گیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا تمام اسیروں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں۔"

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے پابند تھے۔ فعل و ترک، لطف و قہر اور عفو و اخذ میں سے کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر نہ کرتے تھے اور کوئی بات اپنی مرضی و خواہش اور نفس کی پیروی میں نہ کرتے تھے اور جو کچھ بھی ہوتا اسے تقدیر الٰہی اور اس کا حکم قرار دیتے تھے۔ اور اسی طرف توجہ فرماتے جس طرف اس کا حکم ہوتا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسیران بدر کے سلسلہ میں صحابہ کرام کی مجلس مشاورت قائم فرمائی اور ان کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ ان قیدیوں کے بارے میں کیا کرنا چاہیئے آیا قتل کر دینا چاہیئے یا فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیئے۔" حضرت ابوبکرؓ نے رائے دی کہ ان کو باقی رکھنا چاہیئے ممکن ہے کہ حق تعالیٰ ان کو توبہ کی توفیق دے اور وہ اسلام لے آئیں۔ یارسول اللہ! ان سے فدیہ لے لیجئے تاکہ ان سے آپ کے اصحاب کی قوت و طاقت بنے۔" پھر حضورؐ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "تم کیا رائے دیتے ہو؟" حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! انہیں قتل کر دینا چاہیئے اور ان کی گردنیں اڑا دینی چاہیئے کیوں کہ یہ سب کے سب کافر اور کافروں کے پیشوا ہیں۔ حق تعالیٰ نے آپ کو مال لینے سے مستغنی بنایا ہے۔ فلاں قرابت دار کو مجھے دیجئے اور عقیل کو حضرت علیؓ کے سپرد کیجئے اور عباسؓ کو حضرت حمزہؓ کے تاکہ وہ ان کی گردنیں اڑائیں۔" مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے کی جانب میلان فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ بعض لوگوں کے دلوں کو مکھن سے زیادہ نرم اور بعض لوگوں کے دلوں کو پتھر سے زیادہ حق تعالیٰ نے سخت بنایا ہے۔ اے ابوبکرؓ! تمہارا حال حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی مانند ہے کہ انہوں نے فرمایا، فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ یعنے جو میری پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے بلاشبہ تو ہی معاف فرمانے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ اور اے عمر! تمہارا حال حضرت نوح علیہ السلام کی مانند

ہے کہ انہوں نے فرمایا:۔ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا "اے رب کسی کافر کو روئے زمین پر آباد نہ چھوڑ"۔

اس کے بعد وحی آئی کہ "اے محبوب تم اپنے صحابہ کو اس شرط کے ساتھ قتل اور فدیہ میں اختیار دیدو کہ سال آیندہ اپنے میں سے ستر کو شہید کرائیں اور ان پر کافروں کی کامیابی ہو"۔ تو صحابہ نے فدیہ میں اختیار دیدیا کہ سال آیندہ ہم اپنے میں سے ستر افراد کو شہید کرادیں گے، چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا کہ سال آیندہ غزوۂ احد میں مسلمانوں میں سے ستر اصحاب شہید ہوئے جن میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت مصعب بن عمیرہ رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ جب حضورؐ کے صحابہ فدیہ لینے میں مشغول ہوئے تو جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

کسی نبی کو سزاوار نہیں کہ اس کے قیدی ہوں یہاں تک کہ زمین میں ان کا قتل بکثرت ہوجائے اے مسلمانو! تم دنیاوی ساز و سامان چاہتے ہو اللہ آخرت کا ارادہ فرماتا ہے اور اللہ ہی عزت و حکمت والا ہے۔

---

مطلب یہ ہے کہ کسی نبی کو نہیں چاہیئے کہ اس کے قیدی ہوں جب تک کہ کافروں کا قتل بہت زیادہ نہ ہوجائے نبی کو ان کے قتل میں مبالغہ کرنا چاہیئے۔ اے مسلمانو! تم چاہتے ہو کہ فدیہ لے کر دنیاوی زندگی کا سامان فراہم کرلو مگر اللہ تعالیٰ آخرت کو اور دین کی سربلندی کو چاہتا ہے اور خدا ہی غالب ہے جو اپنے دوستوں کو دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے اور وہی حکیم و دانا ہے کہ ہر حال اور ہر وقت میں جو مناسب و لائق ہے وہی حکم فرماتا ہے۔ کبھی قتل و اثخان کا حکم فرماتا ہے جبکہ کافروں کی شوکت ہو اور کبھی قتل و فدیہ میں اختیار دیتا ہے اور کبھی احسان و فدیہ کے درمیان اختیار دیتا ہے جبکہ مسلمانوں کا غلبہ ہو۔ اور اس وقت فرماتا ہے۔

فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً

تو بعد میں یا تو ان پر احسان کرو اور یا فدیہ لیلو۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضورؐ کی بارگاہ میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضورؐ اور حضرت ابوبکرؓ دونوں گریہ کر رہے ہیں۔ اس پر حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ میں بھی گریہ کروں اگر مجھ سے ہوسکے ورنہ بکوشش گریہ کرنے میں تکلف کروں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا میں اپنے اصحاب پر روتا ہوں کہ انہوں نے فدیہ

کو اختیار کیا۔ بلاشبہ میرے سامنے ان کا عذاب اتنا قریب لایا گیا جتنا قریب یہ درخت ہے اور اس درخت کی طرف اشارہ فرمایا جو اس جگہ کے قریب تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر عذاب نازل کیا جاتا تو بجز حضرت عمرؓ اور سعد بن معاذؓ کے جو حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق تھے کوئی نجات نہ پاتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ صحابہ نے جو یہ طریقہ اختیار فرمایا وہ اسیران بدر کے اسلام لانے پر انتہائی رغبت و شوق کی بناء پر تھا کہ شاید وہ مسلمان ہو جائیں اور اسی رغبت و میلان کی وجہ سے درجہ شہادت کی طرف گئے یا قریبی عزیز ہونے کی وجہ سے نرمی و مہربانی کا سلوک کیا یا اور کوئی وجہ ہو (واللہ اعلم)

اور اسی موقع پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○

اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہوتا تو جو تم نے فدیہ لیا اس میں تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔

مطلب یہ کہ لوح محفوظ میں میرا حکم پہلے ہی سے مکتوب نہ ہوتا تو تم کو یقیناً فدیہ لینے کے بدلے میں عذاب عظیم پہنچتا۔ اور حکم سابق سے مراد یہ ہے کہ اجتہاد میں خطا کرنے والے پر عذاب و عتاب نہیں کیا جائے گا۔ یا یہ حکم پہلے سے ہی لکھا ہوا تھا کہ اہل بدر پر عذاب نہ ہوگا یا یہ لکھا ہوا تھا کہ کسی قوم پر اس وقت تک عذاب نہ کیا جائے گا جب تک صریح طور پر ممانعت نہ کر دی گئی ہو۔ یا یہ لکھا ہوا تھا کہ تمہارا فدیہ لینا تمہارے لئے حلال ہے، جیسا کہ فرمایا:۔ فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا تو جو تمہیں غنیمت میں ملا تو اسے کھاؤ حلال طیب ہے، یہ اختیار دینا اور فدیہ کا لینا اجتہاد سے تھا نہ کہ وحی سے۔ حضورؐ نے بعض احکام میں اجتہاد فرمایا تھا مثلاً اسی حکم میں یا جیسے حضرت ماریہؓ اور شہد کو حرام کرنے میں، اور کبھی خطائے اجتہادی بھی واقع ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر قایم نہ رکھتا اور آگاہ فرما دیتا یہی حکم تمام انبیاء علیہم السلام کا ہے جیسا کہ علماء بیان کرتے ہیں۔ اس موقع پر علماء ایک اعتراض کرتے ہیں کہ جب صحابہ کو قتل اور فدیہ میں اختیار دیدیا گیا تھا اور انہوں نے فدیہ کو اختیار کر لیا تو اس پر عتاب و عقاب کس بناء پر ہوا یہ تو اختیار دینے کے منافی ہے۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ اختیار دینا بر سبیل امتحان تھا جس طرح کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا گیا کہ دنیا یا آخرت کو پسند فرمالیں۔ اور اس میں امتحان یہ تھا کہ آیا وہ اس چیز کو اختیار کرتے ہیں جس میں مرضی حق ہے یا اسے اختیار کرتے ہیں جس میں اپنا ذاتی میلان ہے تو انہوں نے اس چیز کو اختیار کیا جس میں ان کا ذاتی میلان تھا۔ اور اس پر انہیں عتاب فرمایا گیا۔ اور تورپشتی اختیار دیئے جانے والی بات کی صحت کو محال جانتے ہیں۔ اس بناء پر کہ یہ اس ارشاد کے مخالف ہے جو بظاہر آیت میں ہے۔ ترمذی بھی اس کی غرابت کا حکم کرتے ہیں۔ طیبی کہتے ہیں

کہ غرابت کا حکم کرنا موجب طعن نہیں ہے۔ اس لئے کہ "غریب" بسا اوقات صحیح بھی ہوتی ہے لیکن میں خدا کی توفیق سے کہتا ہوں کہ "غریب" کا مطلب اس جگہ بمعنی شاذ ہے۔ اکثر جہاں ترمذی ایسا حکم کرتے ہیں وہ شاذ کے معنے میں ہوتا ہے اس کی تصریح صاحب جامع الاصول نے کی ہے (واللہ اعلم)

روضۃ الاحباب" میں شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ کا قول شرح بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ ترمذی نسائی ابن حبان اور حاکم نے باسناد صحیح حضرت علی مرتضےٰ سے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضورؐ آئے اور کہا کہ آپ اپنے صحابہ کو قتل اسیران اور فدیہ میں اختیار دید یجئے اس شرط کے ساتھ کہ سال آیندہ ان قیدیوں کے برابر مسلمانوں میں سے شہید کرائیں۔ چنانچہ اصحاب کو اختیار دیدیا گیا اور انہوں نے فدیہ کو اختیار کیا۔ انتہی

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب صحابہ کرامؓ نے فدیہ لینے کا مصمم ارادہ کر لیا تو ان قیدیوں میں سے ایک جماعت جو بالکل مفلس تھی اور جن سے کچھ حاصل نہ ہو سکتا تھا انہیں آزاد کر دیا گیا اور ان سے عہد لے لیا گیا کہ آیندہ کبھی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک نہ ہوں گے۔ ان میں ایک جماعت ایسی تھی جو کتابت کا ہنر جانتی تھی انہیں اس پر مقرر کیا کہ ان میں سے ہر ایک انصار کے دُو دُو بچوں کو لکھنا سکھائے۔ اور ان سے جو کچھ مال رکھتے تھے ان سے کہا گیا کہ اپنی استطاعت کے مطابق فدیہ میں سونا ادا کریں۔ عاصم بن ثابت کو حکم دیا (یہ عاصم بن ثابت عمر بن خطاب کے دادا تھے) کہ عقبہ بن ابی معیط شقی کو قتل کریں یہ وہ عقبہ ہے جس نے نماز کی حالت میں حضورؐ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ رکھی تھی۔ اور قتل کا ہی مستحق تھا۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس قضیہ سے آخر رمضان مبارک اور شوال کے پہلے روز فارغ ہو گئے تو حضرت زیدؓ بن حارثہ کو فتح کی بشارت کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ جب وہ چاشت کے وقت مدینہ پہنچے تو لوگ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ ہوئے تھے۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سیدہ رقیہؓ کے دفن میں موجود تھے بعد کو ان کی قبر پر تشریف فرما رہے اور اشک مبارک بہاتے رہے۔ (واللہ اعلم)

# اصحابِ بدر کی فضیلت میں احادیث کا بیان

فصل ۱۔ اصحاب بدر رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں احادیث بکثرت واقع ہیں ان میں سے چند حدیثیں یہ ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قَدِ اطَّلَعَ عَلٰی اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّةُ۔

اللہ تعالیٰ اصحاب بدر کو باخبر کرتے ہوئے فرماتا ہے جو چاہو عمل کرو بلاشبہ میں نے تم کو بخش دیا ہے ایک روایت میں ہے کہ میں نے تمہارے لئے جنت واجب کر دی ہے۔

اس باب میں حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کا قصہ بھی ہے جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔ نیز مروی ہے کہ حارثہ رضی ایک جوان شخص تھے جو روز بدر شہید ہوئے ان کی والدہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ حارثہ رضی کہاں ہیں اگر جنت میں ہے تو میں ثواب کی منتظر رہوں اور اگر کسی اور جگہ ہے تو میں اتنا روؤں ............ کہ آپ دیکھیں گے کہ میں کتنا روتی ہوں حضور نے فرمایا "کیا تم اس پر روؤگی اور یہ خیال کرتی ہو کہ وہ ایک جنت میں ہے؟ وہ بہت سی جنتوں میں ہے اور وہ جنت الفردوس میں ہے"۔

یہ حدیث صحت پر مشتمل ہے کہ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اپنے صحابہ میں اہل بدر کو کیسا شمار فرماتے ہیں؟ حضور نے فرمایا میں تمام مسلمانوں میں ان کو سب سے زیادہ صاحبِ فضیلت شمار کرتا ہوں"۔ اس پر جبریلؑ نے عرض کیا ہم بھی اُن فرشتوں کو جو غزوۂ بدر میں حاضر ہوئے افضل ملائکہ شمار کرتے ہیں۔

فتح سے واپسی کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وادئ صفراء میں غنیمتوں کو تقسیم فرمایا۔ اور شمشیر ذوالفقار جو غزوۂ بدر کی غنیمتوں میں سے تھی اپنے لئے خاص فرمائی۔ اس کے بعد حضور نے حضرت علی مرتضٰی رضی کو غزوۂ خندق میں عطا فرما دی۔ اس تلوار کو ذوالفقار (مہروں والی) اس بناء پر کہتے ہیں کہ اس کی پشت پر ریڑھ کی ہڈیوں کی مانند مہرے بنے ہوئے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس دن

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قریش پر غالب ہوئے اسی بدر کے دن فارسیوں پر رومی غالب آئے تھے جو کہ مسلمانوں کی خوشی و مسرت کا موجب بنا جیسا کہ پہلے ہی بیان گزر چکا ہے۔

منقول ہے کہ ابوسفیان اموی، بدر سے لوٹنے کے بعد قریش کو رونے پیٹنے اور اظہار مصیبت کرنے سے روکتا تھا تاکہ "شماتتِ اعداء" کا موجب نہ ہو باوجودیکہ اس کا ایک بیٹا حنظلہ بھی مارا گیا تھا اور ایک بیٹا عمرو نامی قید ہوا تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ وہ اس وقت تک بیبیوں کے پاس جانے اور ان سے صحبت کرنے سے مجتنب رہے گا وہ نہ تو سر میں تیل ڈالے گا اور نہ زینت والے کپڑے پہنے گا جب تک کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ سے جنگ کر کے انتقام نہ لے لے گا۔" اس کی بیوی ہندہ نے بھی اپنے باپ عتبہ اور اپنے بیٹے حنظلہ کے مارے جانے پر قسم کھائی تھی روزِ احد مشرکوں کا سرگروہ اور سردار ابوسفیان اموی تھا۔

مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے تو مدینہ منورہ کے وہ اصحاب جو کسی عذر سے پیچھے رہ گئے تھے وہ مقام "روحا" میں جو مدینہ سے چھتیس ۳۶ میل کے فاصلہ پر ہے آئے اور شرف استقبال سے مشرف ہوئے اور معذرت خواہی کی یہاں سب کی معذرت قبول فرمائی گئی اس لئے کہ یہ کسی متعین منصوبے کے تحت قتال کے لئے نکلنا نہ ہوا تھا بلکہ محض قافلہ کی سرکوبی و تاراجی منظور تھی۔ قتال تو اچانک واقع ہو گیا تھا لہٰذا کعب بن مالک سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی غزوے میں تخلف نہ کیا مگر غزوۂ تبوک میں۔ اس کے سوا میں نے غزوۂ بدر میں تخلف کیا اور کسی تخلف کرنے والے پر اس وقت یعنے بدر کے موقعہ پر عتاب نہ فرمایا گیا، اس لئے کہ حضورؐ قریش کے قافلہ کے قصد سے ہی نکلے تھے اللہ تعالیٰ نے بغیر قصد اور تعین کے اچانک مسلمانوں اور دشمنوں کو جمع کرا دیا۔ انتہی۔ اس کے باوجود امام بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کر دیا ہے کہ فرمایا:۔ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَنْ بَدْرٍ وَّالْخَارِجُوْنَ اِلٰی بَدْرٍ "بدر سے رہ جانے والے اور بدر کی طرف جانے والے مسلمانوں کے درمیان برابری نہیں ہے"۔

اس جگہ ایک عجیب و غریب حکایت لوگوں میں مشہور ہے وہ یہ کہ بدر کے پہاڑوں میں ایک جگہ ہے اس جگہ سے اس نقارہ کی سی آواز سنی گئی جو بادشاہوں کے زمانہ میں فتح و نصرت کے علامت کے طور پر بجایا جاتا ہے۔ اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ حق تعالیٰ کی جانب سے اس وادی میں مسلمانوں کی فتح و نصرت کی علامت کے لئے سنائی گئی تھی اس جگہ فتح مبین اور نصرتِ عظیم واقع ہوئی ہے۔ گزشتہ علماء سے سنا گیا

ہے کہ اس جگہ ہوا اس طرح لہراتی ہے کہ اس کی مانند آواز پیدا ہو جاتی ہے (واللہ اعلم)

صاحبِ مواہب لدنیہ جو کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عجیب وغریب آثار کے بیان کرنے کے شائق اور متلاشی رہتے ہیں اس بات کو اعتبار و اعتماد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اکثر اوقات، بہت سے ان حاجیوں سے جو اس جگہ سے گزرتے ہیں سُنا کرتا تھا کہ وہ کہتے ہیں وہاں نقارہ جیسی آواز سنائی دیتی ہے۔ مگر میں ان کی اس بات کا انکار کرتا رہتا تھا۔ اور ہمیشہ ان کی بات کی تاویل کر دیتا تھا کہ ممکن ہے وہ جگہ سخت ہو اور چوپایوں کے سُموں کی آواز گونجتی ہو۔ اس پر وہ کہتے کہ وہاں کی زمین نرم و ریگزار ہے۔ اور وہاں جو اونٹ وغیرہ چلتے ہیں تو وہاں کی سخت زمین میں بھی ان کے پاؤں کی آواز نہیں پیدا ہوتی چہ جائیکہ نرم و ریگزار جگہ میں آواز پیدا ہو۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالےٰ نے مجھ پر احسان فرمایا اور مجھے اس مقام شریف میں پہنچنے کی سعادت نصیب فرمائی تو میں سواری سے اتر کر پیدل چلنے لگا میرے ہاتھ میں کیکر کی لکڑی کی چھڑی تھی۔ فرماتے ہیں کہ میں اُن باتوں کو بالکل بھول گیا تھا جو میں لوگوں سے اس جگہ کے بارے میں سنا کرتا تھا۔ میں دوپہر کے وقت جا رہا تھا کہ ایک اونٹ والے نے مجھ سے کہا۔ کیا تم نقارہ کی مانند آواز سنتے ہو؟ جب میں نے وہ آواز سنی تو میں لرز گیا اور میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور مجھے لوگوں سے سُنی ہوئی حکایتیں یاد آگئیں۔ اس وقت فضائے آسمانی میں ہوا اچل رہی تھی میں نے پھر نقارہ کی مانند آواز سُنی جس سے میں مدہوش ہو گیا اور مجھ پر ایسی فرحت وہیبت طاری ہوئی کہ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ میری کیا حالت تھی۔ اس کے بعد مجھے شک گزرا اور میں نے خیال کیا کہ شاید میرے ہاتھ میں جو چھڑی ہے اس سے ہوا ٹکراتی ہو اور میں ایسی آواز محسوس کرتا ہوں چونکہ میں اس عظیم الشان نشانی کی جستجو کا حریص و متلاشی تھا لہٰذا میں نے اپنے ہاتھ سے چھڑی پھینک دی۔ اور زمین پر بیٹھ گیا۔ میں نے پھر نقارہ کی مانند آواز کو سنا جس سے میں حیرت و دہشت سے کھڑا ہو گیا۔ یہ آواز اتنی صاف و محقق تھی کہ میں کوئی شک وشبہ نہ کرسکا کہ یہ آواز نقارہ کی ہے یا کسی اور چیز کی ہم یمن کے نواح سے مکہ کی طرف جا رہے تھے کہ ہم نے مقام بدر میں نزول کیا اور تمام دن بار بار اس آواز کو سنتا رہا مجھے بتلایا گیا ہے کہ یہ آواز ہر ایک نہیں سن سکتا۔ انتہی

راقم السطور عفا اللہ عنہ یعنے شیخ محقق مؤلف مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ جب اس مقام شریف میں پہنچ کر اس سے مشرف ہوئے اور بدر کے اس میدان کی زیارت کی جہاں مسلمانوں نے فتح ونصرت پائی تھی اس میدان کے مشاہدے سے وہ معرکہ جس میں حضور سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام نے جنگ فرمائی اور مظفر و منصور ہوئے یاد آجاتا اور عالم تصور میں وہ منظر کھنچ جاتا میں نے اس جگہ کے

دیکھنے اور اس آواز کے سننے کا ارادہ کیا میں نے اس وادی کے لوگوں کی اس جماعت سے جو وہاں کھڑی تھی حقیقتِ حال دریافت کی تو انہوں نے کہا ہاں! ذٰلِكَ شَيْئٌ قَدْ يَكُوْنُ وَقَدْ لَا يَكُوْنُ یہ صحیح ہے کبھی سنائی دیتی ہے اور کبھی نہیں سنائی دیتی۔ انہوں نے اتنے اصرار سے کہا کہ میری طلب وشناخت نے شوق نے مزید ابھارا (واللہ اعلم) جب میں مکہ مکرمہ میں آیا اور وہاں کے علماء ومشائخ سے میں نے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی کہا (واللہ اعلم) ایک اور بات بڑی عجیب اور مضحکہ خیز یہ ہے جسے کہنا تو نہ چاہیئے بہرحال میں جب اس مقام کی جستجو وتلاش میں گیا جہاں حضور انام صلے اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر میں قیام فرمایا تھا اور ان بشارتوں کی جگہ کو دیکھنا چاہا جس کے بارے میں حضورؐ نے نشان دہی فرمائی تھی۔ جسے میں نے تاریخ مدینہ میں بھی بیان کیا ہے تو اچانک مجھے وہاں ایک جاہل اعرابی کھڑا ملا وہ بار بار یہ کہتا جاتا تھا یہ ابوجہل کا مقام ہے اور کبھی کہتا یہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا مقام ہے۔ یہ ابوجہل کا مقام ہے، جب اس نے بار بار یہی کہا تو میں نے کہا "رُح لعنۃ اللہ علیہ" یعنے تو جا ابوجہل پر خدا کی لعنت ہو! تو اس نے بحکم جاہلیت جو اس کی طبیعت میں رچی ہوئی تھی کہا" لا لا کان قریشیا" نہیں نہیں ایسا نہ کہو وہ قریشی تھا۔

## سریۂ عمیر بن عدی

دوسرے سال کے واقعات میں سے حضرت عمیرؓ بن عدی بن خرشہ خطمی کے لشکر کو روانہ کرنا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیر کو عصماء بنت مروان یہودیہ زوجہ یزید بن خطمی یہودی کے قتل کے لئے بھیجا! یہ ملعونہ عورت یعنی عصماء بڑی بے حیا اور یہودی عورتوں میں مشہور زبان دراز تھی ہمیشہ اسلام اور اہل اسلام کی برائیاں کرتی اور مذمت کرتی رہتی تھی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو برابر ایذا پہنچاتی رہتی تھی۔ حضورؐ کے ارشاد کے بموجب حضرت عمیرؓ رات کو عصماء کے گھر پہنچے اور اس کے گھر میں داخل ہو گئے۔ اس کا گھر مدینہ سے باہر تھا۔ اس عورت کے قریب بچے تھے جن میں سے ایک کو وہ دودھ پلا رہی تھی۔ حضرت عمیرؓ نے ان بچوں کو اس سے دور کیا اور اپنی تلوار اس کے سینہ پر رکھ کر پشت سے گزار دی اور اسی رات لوٹ آئے اور صبح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب حضورؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا" اس مروان کی لڑکی کو قتل کر دیا؟" عرض کیا" ہاں"۔ فرمایا۔ لَا يَنْتَطِحُ فِيْهَا عَنْزَانِ یہ کہاوت اور مثل حضور سے پہلی مرتبہ سنی گئی۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔

مواہب میں ہے کہ یہ حضرت عمیرؓ بن عدی' نابینا تھے۔ معارج النبوۃ میں کہا گیا ہے کہ عمیرؓ بن عدی نابینا قدیم الاسلام تھے۔ محبت الٰہی میں خلوصِ نیت اور صفائے عقیدت رکھتے تھے اور حضور سید عالمؐ

کی محبت میں بڑی شہرت رکھتے تھے۔ انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حق سبحانہٗ و تعالیٰ اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو بسلامت مدینہ منورہ واپس لے آیا تو اس ملعونہ کو قتل کروں گا۔ حضرت عمیرؓ نور بصر نہ رکھنے کے سبب اس سفر میں (یعنے بدر میں) حضورؐ کی ہمرکابی سے رہ گئے تھے جب حضورؐ اپنے اقامت گاہ یعنے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو حضرت عمیرؓ اسی رات کو سحر کے وقت اس ملعونہ کی طرف متوجہ ہوئے اس کے گھر میں داخل ہو کر اسے ٹٹول کر دیکھا کہ ایک بچہ اس کی چھاتی سے دودھ پی رہا تھا پھر اس بچے کو اس سے جدا کیا۔ (باقی قصہ اوپر مذکور ہو چکا ہے)

حضرت عمیرؓ اس خوف سے کہ اس میں کوئی معصیت تو نہیں ہوئی ہے انہوں نے حضورؐ سے اپنے فعل کے بارے میں دریافت کیا کہ اس سے مجھ پر کچھ واجب تو نہیں ہوتا؟ لَا یَنْتَطِحُ فِیْھَا عَنْزَانِ یہ پہلی کہاوت ہے جو حضورؐ سے سنی گئی۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا: اِذَا اَحْبَبْتُمْ اَنْ تَنْظُرُوْا اِلٰی رَجُلٍ نَصَرَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ بِالْغَیْبِ فَانْظُرُوْا اِلٰی عُمَیْرِ بْنِ عَدِیٍّ اگر تم محبوب رکھتے ہو کہ اس شخص کو دیکھو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی بے دیکھے مدد کی تو تم عمیرؓ بن عدی کو دیکھو" اس وقت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا اس نابینا کو دیکھو کہ کتنی سعی کی اور خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں کیا کام کیا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں اعمٰی یعنے نابینا نہ کہو بلکہ بصیر (دیکھنے والا) کہو (انتہیٰ) مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ معارج النبوۃ کے سلسلۂ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمیرؓ نے اپنے فعل کو حِسْبَۃً لِلّٰہِ۔ بغیر رسول اللہؐ کے فرمائے کیا ہے۔ اسی بناء پر انہوں نے سریۂ عمیر بن عدی۔ کا عنوان بھی نہیں دیا جس طرح کہ روضۃ الاحباب میں عنوان قایم کیا ہے (واللہ اعلم)

## غزوۂ قرقرۃ الکدر

دوسرے سال ہی میں غزوۂ قرقرۃ الکدر واقع ہوا ہے۔ یہ ایک مقام کا نام ہے اور قرقرۃ، زمین "ملساء مطمئنہ" کا نام اور "کدر" ایک پرندکی قسم ہے جس کا رنگ تیرگی میں ہوتا ہے۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ قبیلۂ بنی سلیم اور غطفان کے لوگ یہاں مجتمع ہو رہے ہیں، چنانچہ حضورؐ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت بنا کر اور ایک عَلَم مرتب کر کے حضرت علیؓ مرتضےٰ کے سپرد فرما کر تشریف لے چلے اور مدینہ میں حضرت سباعؓ بن غرفطہ کو خلیفہ بنایا بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابن ام کلثوم کو خلیفہ بنایا۔ جب حضورؐ اس جگہ پہنچے تو وہاں کسی کو نہ پایا۔ صحابہ کی ایک ٹولی کو ان کی تلاش میں بھیجا تا کہ حزم و احتیاط کر لی جائے۔ اور خود اپنے صحابہ کے ساتھ بطن وادی میں تشریف لے گئے۔ وہاں بہت سے

چرواہے ملے جو اونٹوں کو چرا رہے تھے ان میں ایک غلام تھا جس کا نام "یسار" تھا حضورؐ نے اس سے پوچھا بنی سلیم اور غطفان کس جگہ ٹھیرے ہوئے ہیں۔ اس نے بتایا کہ پانی کے کنارے اترے ہوئے تھے اب معلوم نہیں کہاں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا ان تمام اونٹوں کو مدینہ منورہ کی طرف لے جاؤ۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ پانچ سو اونٹ تھے۔ (واللہ اعلم) صحابہ کی تعداد دو سو تھی، تقسیم کے وقت پانچواں حصہ نکالنے کے بعد ایک ایک صحابی کے حصہ میں دو دو اونٹ آئے۔ معارج میں ہے کہ بعضوں نے تعداد زیادہ بتائی ہے۔ اس روایت کے بموجب یا تو صحابہ کی تعداد دو سو سے کم ہوگی یا اونٹوں کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہوگی۔ (واللہ اعلم) "یسارؓ" حضورؐ کے حصہ میں آیا حضورؐ نے یسارؓ کو آزاد کر دیا۔ حضورؐ کے آزاد کردہ علاقوں میں "یسارؓ" بہت مشہور رہیں۔ مروی ہے کہ جب حضورؐ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے تو حضورؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ "یسارؓ" صحابہ کے ساتھ نماز میں مشغول ہیں۔ حضورؐ کو یسارؓ کی یہ حالت پسند آئی اور اسی وقت آزاد کر دیا۔ اس مقام پر حضورؐ کی مدت اقامت تین دن تھی۔ بعض نے دو دن کہا ہے اور اس سفر کی مجموعی مدت پندرہ دن تھی۔ بعض اہل سیر اس غزوہ کو غزوۂ سویق کے بعد بیان کرتے ہیں اور بعض تیسرے سال کے واقعات میں شمار کرتے ہیں۔

## سریہ سالم بن عمیر

مواہب لدنیہ میں غزوۂ قرقرۃ الکدر کے بعد، سریہ سالمؓ بن عمیر لکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سالمؓ بن عمیر کو ابی عفک یہودی کے پاس بھیجا۔ یہ یہودی بہت بوڑھا تھا اور اس کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال کو پہنچ گئی تھی۔ یہ حضورؐ کے برخلاف لوگوں کو ورغلاتا اور ابھارتا تھا۔ اور ایسے اشعار پڑھتا تھا جس میں لوگوں کو حضورؐ سے منحرف ہو جانے کی ترغیب ہوتی تھی۔ حضرت سالمؓ اس کی طرف گئے اور اپنی تلوار اس کے جگر کے نیچے گھونپی اور اسے چرخ دیا۔ وہ دشمن خدا چیخا اور جان دیدی — روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس سریہ کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

## غزوۂ قینقاع

اس کے بعد غزوۂ قینقاع (بفتح قاف وسکون یاء وتثلیث نون، اور پیش زیادہ مشہور ہے) واقع ہوا۔ مدینہ منورہ میں یہ یہودی کی ایک بستی کا نام ہے اس بستی کے یہودی شجاعت اور صبر والے تھے۔ اور یہ غزوہ ہجرت کے بیسویں مہینہ کے شروع میں نصف شوال کو واقعہ بدر کے ایک ماہ بعد واقع ہوا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد کفار کی تین قسمیں بن گئی تھیں۔ ایک قسم کفار کی وہ تھی جنہوں نے حضورؐ سے مصالحت کر لی تھی۔ اور عہد کر لیا تھا کہ نہ تو وہ حضورؐ کے ساتھ جنگ کریں گے اور نہ حضورؐ کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد کریں گے۔ اگر

دشمن چڑھ کر آجائیں گے تو وہ حضورؐ کی مدد کریں گے۔ اس معاہدۂ صلح میں یہودیوں کے تین گروہ تھے بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع اور کفار کی دوسری قسم جنگجویوں کی تھی اور وہ حضورؐ کی دشمنی و عداوت کے مقام میں کھڑے تھے جیسے قریش ان کے حلیف و مددگار وغیرہ اور کفار کی تیسری قسم وہ تھی جو نہ دوست تھے اور نہ دشمن جیسے عرب کے طوائف و مختلف قبیلے۔ وہ انجام کار کے انتظار میں تھے کہ کیا پیش آتا ہے اور اس کا کیا نتیجہ بر آمد ہوتا ہے اور حضورؐ کا معاملہ اپنی قوم کے ساتھ کس طرح نبٹتا ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جو دل میں حضورؐ کے غلبہ و فتح کی خواہش رکھتے تھے اور کچھ لوگ اس کے برعکس تھے۔ کچھ لوگ ان میں سے ظاہر میں دوستی اور موافقت کا اظہار کرتے تھے اور باطن میں دشمن و مخالف تھے یہ لوگ منافق کہلاتے تھے۔ کیوں کہ ان کا باطن ظاہر کے خلاف تھا اور ان کا دل اور ان کی زبان ایک نہیں تھی۔ سب سے پہلے یہودیوں میں سے جس نے عہد کو توڑا وہ بنو قینقاع تھے۔ تو حضورؐ نے ان کے ساتھ نصف شوال میں واقعہ بدر کے ایک ماہ بعد جنگ کی۔

مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے واپس تشریف لائے تو بنو قینقاع کے یہودیوں نے بغض وحسد اور عناد کا اظہار کیا اور کہنے لگے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگوں کے ساتھ جنگ کی ہے جو محاربہ کا علم بخوبی نہ جانتے تھے اگر ہمارے ساتھ جنگ کریں تو معلوم ہو جائے کہ کس طرح ہم ان کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کا نقضِ عہد کا سبب یہ ہوا تھا کہ ایک مسلمان عورت بازار میں ایک سُنار کے آگے بیٹھی تھی کہ ایک یہودی اس عورت کے پیچھے آیا اور اس نے اس کا دامن اُٹھا کر اس کی پشت کی جانب سے باندھ دیا مواہب میں اس فعل کو اس زرگر (سُنار) کی طرف منسوب کیا ہے۔ جب وہ عورت کھڑی ہوئی تو اس کا ستر کھل گیا اس پر لوگ ہنسنے لگے پھر وہ عورت فریاد کرنے لگی ایک مسلمان اس جگہ کھڑا تھا اس نے تلوار کھینچ کر اس یہودی کو یا اس سنار کو قتل کر دیا۔ پھر یہود قوم جمع ہوئی اور اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس واقعہ سے باخبر ہوئے تو آپؐ نے قوم یہود کو بلا کر نصیحت فرمائی کہ اس قسم کی حرکت سے باز آجاؤ اور اے قوم یہود خدا کے غضب سے ڈرو کہ کہیں تمہیں بھی وہ کچھ نہ پہنچے جو قریش کو پہنچا ہے"۔ اس پر وہ تمام یہود حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیہودہ گوئی کرنے لگے اور نامعقول باتیں بکنے لگے۔ اس وقت حضورؐ نے جان لیا کہ یہ قوم نقضِ عہد پر آمادہ ہے۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَاۗىِٕنِيْنَ

اے محبوب اگر آپ اس معاہد قوم کے نقضِ عہد سے ان واضح نشانیوں کے باوجود جو آپ پر روشن ہو چکی ہیں ڈرتے ہیں تو ان کے عہد کو ان کی طرف بر طریق عدل و راستی لوٹا دو۔ اور جنگ کرنے میں جلدی نہ کرنا تاکہ تمہاری جانب سے خیانت لازم نہ آئے۔ بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔"

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تیاری شروع فرمادی اور حضرت ابولبابہ رضی کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا اور ایک عَلَم سفید حضرت حمزہ رضی کے سپرد فرمایا اور ان کی جانب متوجہ ہو گئے اور پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کئے رہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب و ہیبت ڈال دیا۔ اور وہ اپنے محصور ہو جانے سے تنگ آ گئے تو وہ اترے اور اس پر راضی ہو گئے کہ ان کے تمام اموال حضورؐ کے ہوں گے اور ان کی عورتیں اور بچے ان کے رہیں گے۔ اور حضورؐ نے حکم فرمایا ان کے ہاتھ ان کی پشتوں پر باندھ دیئے جائیں۔ اور حضورؐ نے چاہا کہ ان کو قتل کرنے کا حکم فرمائیں عبداللہ بن ابی بن سلول مشہور منافق نے ان کے گناہوں کے بارے میں درخواست کی کہ ان سے حضورؐ اعراض فرمائیں اور وہ سوال، گڑگڑانے، بے حیائی اور بے ادبی میں حد سے گزر گیا۔ اور حضورؐ کو ان کے چھوڑنے پر بہت تنگ کر دیا۔ چنانچہ حضورؐ نے اس پر اور اس کی قوم پر لعنت بھیج کر ان کے خون سے درگزر فرمایا اور حکم فرمایا کہ وہ جلاء وطن ہو جائیں۔ یعنے مدینہ کی آبادی سے نکل جائیں۔ ابن سلول، اس میں بھی بہت گڑگڑایا مگر حضورؐ نے قبول نہ فرمایا۔ اور بنو قینقاع کا حضرت عبادہ رضی بن الصامت کے ساتھ بھی کوئی معاہدہ و حلف تھا وہ بھی بحکم خدا اور رسول ایک ساتھ معاہدہ و حلف سے دستبردار ہو گئے اور ان کو گھروں سے نکال دیا پھر وہ "اذرعات" (بفتح ہمزہ و سکون ذال و ضم راء) علاقہ شام میں ایک زمین ہے وہاں جا کر شامل ہو گئے۔ کچھ زمانہ کے بعد وہ سب ہلاک ہو گئے اور ان کا مال و اسلحہ مسلمانوں کا مال غنیمت بنا۔ حضورؐ نے اپنے لئے ان میں سے تین کمانیں، تین تلواریں اور تین نیزے منتخب فرمائے اور ایک زرہ محمد رضی بن مسلمہ کو اور ایک زرہ سعد رضی بن معاذ کو عطا فرمائی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان میں تین سو یہودی زرہ پوش تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس مال میں سے پانچواں حصہ (خمس) جدا کریں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ پہلا خمس ہے جو حضورؐ کے حکم سے جدا کیا گیا۔

## نماز عید قربان اور قربانی

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی قینقاع سے واپس تشریف لائے تو نماز عید قربان ادا فرمائی اور اغنیاء صحابہ کے ساتھ قربانی کی۔

## امیہ بن صلت شاعر کا مرنا

اسی سال امیہ بن الصلت شاعر فوت ہوا ہے یہ زمانہ جاہلیت میں دینی جذبہ رکھتا تھا اور خدا پرستی کا خواہاں تھا اس نے پچھلی کتابیں پڑھی تھیں اور دین نصاریٰ اختیار کر لیا تھا اور بتوں کی پرستش سے اس نے کنارہ کشی کر لی تھی اور وہ نور نبوت کے ظہور کا منتظر تھا۔ اپنی ذات میں خوبیوں کو محسوس کر کے اپنی نبوت و رسالت کا خبط سما گیا۔ جب اس نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور کی خبر سنی تو حسد اور سابقہ شقاوت ازلی کی بیماری میں گرفتار ہو کر کفر و انکار کی ضلالت میں پڑ گیا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے شعروں کو سنکر جو علم و حکمت کی باتوں پر مشتمل تھے اس کے بارے میں فرمایا:۔ اٰمَنَ لِسَانُہٗ وَکَفَرَ قَلْبُہٗ اس کی زبان ایمان لاتی ہے اور اس کا دل کفر کرتا ہے، ایک اور روایت میں ہے کہ:۔ اٰمَنَ شِعْرُہٗ وَکَفَرَ قَلْبُہٗ اس کے اشعار سے ایمان چھلکتا ہے اور اس کا دل کفر کرتا ہے۔

## غزوۂ سویق

اس کے بعد ماہ ذی الحجہ کی پانچ راتیں گزرنے کے بعد غزوۂ سویق واقع ہوا محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ ماہ صفر میں یہ غزوہ واقع ہوا، اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان اموی نے غزوۂ بدر کی واپسی کے بعد قسم کھا رکھی تھی کہ وہ اس وقت تک عورتوں کو نہ چھوئے گا اور نہ تیل ڈالے گا جب تک کہ اصحاب رسولؐ سے انتقام نہ لے لے"۔ چنانچہ ابوسفیان قریش کے دو سو سوار اور ایک دوسری روایت کے مطابق چالیس سوار لے کر مکہ سے باہر نکلا اور مقام عریض تک آپہنچا یہ مقام مدینہ منورہ کے ایک گوشہ میں تین میل کی مسافت پر ہے۔ تو یہاں اس نے کھجوروں کا ایک باغ جلا دیا اور ایک انصاری کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد ابوسفیان نے یہ گمان کیا کہ اس نے اپنی قسم پوری کر لی ہے اور اصحاب رسول سے انتقام لے لیا ہے۔ وہ مکہ کی طرف لوٹ گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم دو سو مہاجر و انصار کی جماعت کے ساتھ باہر تشریف لائے ابوسفیان اور اس کے ساتھی بوجھ کم کرنے کی غرض سے راستہ میں سویق یعنے ستو پھینکتے گئے تھے۔ کیونکہ ان کا اکثر زاد راہ یہ سویق ہی تھا۔ مسلمانوں نے اس کو اٹھا لیا اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ سویق کہتے ہیں اس کے بعد حضورؐ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اس سفر میں حضورؐ پانچ دن مدینہ طیبہ سے غائب رہے تھے۔ بعض اہل سیر غزوۂ سویق کو تیسرے سال میں بیان کرتے ہیں۔

اسی سال ماہ ذوالحجہ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور ماہ شوال میں حضرت عبداللہ ابن زبیر کی ولادت واقع ہوئی۔

# ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات

ہجرت کے تیسرے سال غزوۂ غطفان واقع ہوا۔ اس کو غزوۂ بنی اَمَر (بفتح ہمزہ و میم) اور غزوۂ انمار (بفتح ہمزہ و سکون نون) بھی کہتے ہیں یہ مقام نجد کے علاقہ میں ہے یہ غزوہ بارہ ۱۲ ربیع الاول کو واقع ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خبر ملی بنی ثعلبہ اور محارب کے لوگ نجد کے علاقہ میں مقام ذی ام میں جمع ہوئے ہیں تاکہ مدینہ منورہ کے گرد و پیش غارت گری کریں۔ اور ان کو دعثور (بفتح دال و سکون عین) بن حارث محاربی نے مجتمع کیا ہے خطیب بغدادی نے اس کا نام "غوارث" (بفتح غین و سکون واؤ) بیان کیا ہے یہ ایک دلیر اور جنگجو شخص تھا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو طلب فرمایا اور پھر حضورؐ چار سو پچاس ۴۵۰ سواروں کے ساتھ باہر تشریف لے چلے۔ اور مدینہ منورہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ جب حضورؐ اس مقام پر پہنچے تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ مسلمانوں کو بنی ثعلبہ کا ایک شخص ملا اسے پکڑ کر حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ حضورؐ نے اسے دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو گیا۔ اور اس کو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ہمنشینی میں دیدیا۔

اتفاق سے بارش ہو گئی جس سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا لباس اطہر اور صحابہ کے کپڑے بھیگ گئے۔ حضورؐ نے اپنے لباس کو اتار کر خشک ہونے کے لئے ایک درخت کی شاخ پر پھیلا دیا اور خود اس درخت کے نیچے آرام فرما ہو گئے۔ وہ لوگ پہاڑ سے حضورؐ کو دیکھ رہے تھے انہوں نے دعثور سے کہا "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تنہا ایک درخت کے نیچے ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں اور حضورؐ کے صحابہ آپ سے دور ہیں۔ امید ہے کہ تو ان پر قابو پالے گا"۔ دعثور شمشیر اٹھا کر حضورؐ کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا آج کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے گا؟ حضورؐ نے فرمایا "اللہ وہی میرا محافظ ہے"۔ اس کے بعد جبریلؑ نمودار ہوئے اور ایک ہاتھ دعثور کے سینہ پر مارا وہ گر پڑا۔ حضورؐ نے اس کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور فرمایا "کون ہے جو تجھے مجھ سے بچائے گا؟" اس نے کہا کوئی نہیں اور میں کہتا ہوں "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلوار اسے دیدی۔ اور وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔ اس کی قوم نے اس سے کہا کہ تجھے کیا ہو گیا

کہ تو تلوار سونت کر ان کے سرہانے بھی پہنچ گیا مگر کوئی وار نہ کیا۔ اس نے کہا میں نے ایک مرد سفید بلند و بالا دیکھا جس نے ایک ہاتھ میرے سینہ پر مارا جس سے میں پیٹھ کے بل زمین پر گر پڑا اس کے بعد دعثور نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَّبْسُطُوْا إِلَيْكُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ۔

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی۔ جب ایک قوم نے ارادہ کیا کہ تمہاری جانب دست درازی کرے تو اللہ نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے۔

اس کے بعد حضورؐ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ اس سفر کی مدت گیارہ روز تھی۔

مواہب لدنیہ میں ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں ہوا تھا۔ انتہی۔ مگر میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں کہ جو واقعہ غزوۂ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف کی حدیث کے ضمن میں صحیح بخاری میں ہے یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک درخت کے نیچے محوِ خواب تھے اور آپ کی تلوار درخت کی شاخ سے آویزاں تھی۔ اس وقت ایک اعرابی آیا اور حضورؐ کی تلوار کھینچ کر حضورؐ کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ حضورؐ بیدار ہو گئے۔ اعرابی نے کہا مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ "مجھ سے آپ کو کون بچائے گا؟" حضورؐ نے فرمایا "اللہ!" اس کے بعد حضورؐ نے اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اسے دھکا دیدیا۔ بخاری میں اس کے ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے مگر قسطلانی نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ اسلام لے آیا اور وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گیا۔ پھر اس کے ذریعہ ایک خلق عظیم نے راہِ ہدایت پائی۔ اس کا مفصل تذکرہ غزوۂ ذات الرقاع میں انشاء اللہ آئے گا۔

## قتل کعب بن اشرف یہودی

ہجرت کے تیسرے سال کے واقعات میں سے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا قصہ ہے اور یہ چودہ ۱۴ ربیع الاول کی رات میں واقع ہوا۔ مواہب میں اس کا عنوان "سریہ محمد بن مسلمہ" رکھا ہے۔ کعب بن اشرف ایک شاعر تھا جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو میں مشغول رہتا تھا اور کفار قریش کو جنگ کی ترغیبیں دیتا تھا۔ جب فتح بدر کی خبر اسے پہنچی اور اس نے سنا کہ صنادید قریش مارے گئے ہیں تو بہت ملول ہوا وہ قریش کی مزاج پرسی کے لئے مکہ گیا اور مقتولوں پر نوحہ اور مرثیہ خوانی کی۔ اور اس ضمن میں قریش کو جنگ پر ابھارا۔ جب اس ملعون کی بری خصلت کی اطلاع حضورؐ کو ملی تو آپ نے حق تعالےٰ کی جناب میں دعا کی کہ ابن اشرف کے شر سے ہمیں محفوظ رکھ جس طرح کہ تو چاہے؛ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ارادہ فرمایا اور

اس کے حضور سے اس کے ہلاک و قتل کرنے کا حکم ہوا۔ حضورؐ نے حضرت سعد بن معاذؓ کو حکم فرمایا کہ کچھ لوگوں کو اس کے قتل کرنے کے لئے بھیجو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کون ہے تم میں سے جو ابن اشرف کے شر سے محفوظ رکھے کیوں کہ اس کی عداوت ہم پر خوب ظاہر ہو چکی ہے اور وہ ہماری اور مسلمانوں کی برائیاں کرتا ہے۔ اور وہ مشرکوں کو ابھارتا اور انہیں جنگ پر مجتمع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے اور حکم فرمایا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس آئیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ۝

کیا تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جن کو توریت کا کچھ حصہ ملا وہ نفس و شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور ان لوگوں سے کہتے ہیں جنہوں نے کفر کیا کہ یہ لوگ ایمانداروں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت بھیجتا ہے اور جس پر اللہ کی لعنت ہو، تو اس کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے محمد بن مسلمہؓ سے فرمایا کہ سعد بن معاذؓ سے اس بارے میں مشورہ کریں۔ چار اور صحابہ نے بھی محمدؓ بن مسلمہ کے ساتھ اتفاق کیا۔ یعنی ابو نائلہؓ (جس کا نام ملکان بن سلام تھا اور وہ کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی اور زمانہ جاہلیت میں اس کے مشیر تھے) عبادؓ بن بشر حارث بن اوس بن معاذ اور ابو عیسیٰؓ بن جبیر۔ یہ سب قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ روضۃ الاحباب میں اس قصہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ ہم نے بخاری کی حدیث کو ماخذ قرار دیکر اس کا ترجمہ کیا ہے اور اس کی موافقت و مخالفت اور کمی و زیادتی کو اس ترجمہ کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔ امام بخاری نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کعب بن اشرف کے بارے میں فرمایا کہ کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس لئے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو ایذائیں پہنچاتا ہے۔ اس پر محمدؓ بن مسلمہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے ہلاک کروں۔ فرمایا "ہاں"۔ پھر محمدؓ بن مسلمہ نے عرض کیا "اگر اس کے قتل میں حیلہ جوئی کی جائے اور اسے فریب دیا جائے اور ایسی باتیں اس سے کی جائیں جو بظاہر شکایت اور نقض عہد بجناب رسالت سے متعلق ہوں تو کیا اس کے کہنے کی اجازت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "جو

چاہو کہو اور اسے جس طرح چاہو قتل کرو۔ اس کے بعد محمدؓ بن مسلمہ، کعب کے پاس گئے اور اس سے کہنے لگے یہ شخص یعنی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہم سے صدقات مانگتا ہے یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں اموال طلب کرتے ہیں۔ اور ہمیں دشواری و مشقت میں ڈال رکھا ہے (یعنے صدقات لینے اور احکام شرعیہ پر عمل کرانے سے) بخاری کی حدیث میں اتنا ہی ہے مگر روضۃ الاحباب میں اس قصّہ کو اس سے زیادہ بیان کیا گیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ محمد بن مسلمہؓ نے کہا" یہ شخص یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے سراسر آفت ہیں اور اہل عرب ہم سے جنگ کرنے کے درپے ہو گئے ہیں اور تجارت و آمد و رفت کی راہ کو مسدود کر رکھا ہے۔ اور ہر وقت ہم سے صدقہ وغیرہ طلب کرتے ہیں، حالانکہ ہم اتنا بھی حاصل نہیں کر سکتے جس سے ہم گزر کر سکیں۔ ہم کو رنج و تعب میں ڈال رکھا ہے"۔ کعب نے کہا" بخدا ابھی سے تم ان سے ملول ہو گئے ہو مطلب یہ کہ ابھی کیا ہوا ہے اس سے زیادہ ملال اور محنت و مشقت ان سے اٹھاؤ گے محمدؓ بن مسلمہ نے کہا اب تو خود ہم اس کی پیروی کرتے ہیں اور انہیں قول دیدیا ہے اور ہم پسند نہیں کرتے کہ فوراً اپنے قول سے پھر جائیں۔ وہ ملعون اس بات سے بہت خوش ہوا۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ محمدؓ بن مسلمہ اور معاذؓ باہم مشورہ سے اس کام میں مامور تھے اور ابو نائلہؓ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے کہا ہمیں تم سے ایک ضرورت لاحق ہو گئی ہے کہ تم ہمیں ایک وسق یا دو وسق شک راوی ہے از قسم طعام ہمیں قرض دو۔ وسق (بفتح واؤ و سکون سین) ایک وزن ہے جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ ایک روایت میں وسق کا ذکر نہیں ہے اتنا ہی ذکر ہے کہ ہمیں از قسم طعام قرض چاہیئے جیسا کہ روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ کعب نے کہا" ہم ہاں تمہیں قرض دیدیں گے اس شرط پر کہ تم کچھ میرے پاس گروی رکھو۔ انہوں نے کہا کیا چیز گروی رکھیں۔ کعب نے کہا اپنی عورتوں کو گروی رکھدو۔ انہوں نے کہا ہم عورتوں کو کیسے گروی رکھ سکتے ہیں کیوں کہ تم بہت خوبصورت اور خوش شکل ہو اور عرب کی عورتیں خوبصورتی اور خوش شکلی پر فریفتہ ہو جاتی ہیں مبادا وہ اس میں گرفتار ہو کر مبتلا ہو جائیں"۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ تو مبتلا ہو جائے اور ان عورتوں سے بدکاری کرنے لگے۔ بناوٹی ادب و تعظیم کی بنا پر کعب کی طرف بدکاری کی نسبت کرنے سے بچے کہ کہیں وہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اس نے کہا اگر عورتوں کو گروی نہیں رکھ سکتے تو اپنے بچّوں کو گروی رکھ دو۔ انہوں نے کہا ہم بچّوں کو گروی کیسے رکھ سکتے ہیں لوگ ہمیں اس پر گالیاں دیں گے اور عیب لگائیں گے کہ ایک وسق یا دو وسق کھانے کے بدلے بچّوں کو گروی رکھ دیا یہ بات ہمارے لئے باعث شرم ہے لیکن ہم اپنے لامہ یعنی ہتھیاروں کو گروی رکھ سکتے ہیں۔ لامہ کی تفسیر اسلحہ کے ساتھ ہی کی گئی ہے مگر

اہل لغت کہتے ہیں کہ لامہ کے معنے زرہ کے ہیں۔ پھر محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے وعدہ کیا کہ اسے ہم رات میں لے کر آئیں گے۔ چنانچہ وہ رات میں آئے ان کے ساتھ ابو نائلہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابو نائلہ رضی اللہ عنہ کی طرح محمد بن مسلمہ بھی اس کے ساتھ رضاعی اخوت کی نسبت رکھتے تھے۔ بہرحال محمد بن مسلمہ اور ابو نائلہ رضی اللہ عنہ نے کعب کو آواز دی۔ اس نے ان کو اپنے مکان کے اوپر بلانا چاہا اور انہوں نے چاہا کہ وہ اتر کے نیچے آئے۔ وہ نوبیاہتا شخص تھا۔ اس کی بیوی نے اس سے کہا کہاں جا رہے ہو اور کس واسطے اس وقت تم باہر نکل رہے ہو؟" کعب نے کہا "یہ کوئی غیر نہیں ہیں محمد بن مسلمہ اور اپنے بھائی ابو نائلہ ہیں"۔ بیوی نے کہا "میں نے اس مرد کی آواز سنی ہے اس کی آواز سے خون ٹپک رہا ہے"۔ حیرت ہے کہ عورت نے اس مفہوم کو کہاں سے پالیا۔ ممکن ہے آواز بلند کرنے میں سختی ہو گئی ہو اور اس میں کرختگی پیدا ہو گئی ہو اور ظاہر یہ ہے کہ یہ بات اس نے وقت و حال کے مشاہدہ سے جانی، کیونکہ بے وقت، رات میں ان کا آنا غیر عادی بات ہے۔ اور اس خصوصیت کی بنا پر اس نے جانا جس کا اسے پہلے علم تھا کہ تمام صحابہ کرام، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صدق محبت اور صفائے عقیدت رکھتے ہیں اور یہ بدبخت کعب، اس کا شوہر، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خبث و عداوت رکھتا ہے بے ارادہ اسے وحشت لاحق ہو گئی۔ ان تمام باتوں کے باوجود معلوم ہوتا ہے وہ عورت کسی قرینہ اور استدلال کے بغیر جان نہیں سکتی۔ قسطلانی کہتے ہیں یہ کنایہ طالب شر سے ہے۔ اور ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ اِنِّیْ اَعْرِفُ فِیْ صَوْتِ الشَّرِّ (میں شر والی آواز کو پہچانتی ہوں۔) جب عورت نے اسے باہر نکلنے سے بہت زیادہ روکا تو کعب نے اس سے کہا "عزت والے بزرگ شخص کو اگر اسے نیزہ مارنے اور قتل کرنے کے لئے بھی بلایا جائے تو یقیناً وہ بات مانتا اور بلانے والے کی طرف جاتا ہے۔ اس کے بعد محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ اپنے چاروں ساتھیوں کے ساتھ جو باہم اتفاق کر کے آئے تھے اور طے پایا تھا کہ جب کعب آئے گا تو میں اس کے سر کے بالوں کو سونگھوں گا اور جب تم دیکھو کہ میں نے بال مضبوطی سے پکڑ لئے ہیں تو تم تلوار سے گردن اڑا دینا۔ کعب چادر سے سر اور جسم کو لپیٹے نیچے آیا۔ اس کے سر سے خوشبو کی لپٹیں آ رہی تھیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا "میں نے آج تک ایسی کوئی خوشبو نہیں دیکھی جیسی خوشبو تم سے آ رہی ہے۔ اس نے کہا "میں نے عرب کی اس عورت سے نکاح کیا ہے جو خوشبو کو بہت پسند کرتی ہے اور ان میں وہ بہت خوبصورت ہے"۔ محمد رضی اللہ عنہ بن مسلمہ نے کہا "کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں تمہارے سر کی خوشبو کو سونگھوں؟" اس نے کہا "اجازت ہے"۔ انہوں نے اس کے بالوں کو پکڑ کے سونگھا۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی سنگھایا۔ پھر چھوڑ دیا۔ دوسری مرتبہ پھر سونگھا اور بالوں کو مضبوطی سے ہاتھ میں لپیٹ لیا اور کہا

"اس دشمن خدا کی گردن اڑا دو" اور انہوں نے اس ملعون کو قتل کرکے اس کے ناپاک جسم سے ناپاک سر کو جدا کر دیا۔ اور مدینہ طیبہ کی طرف چل دیئے۔ اتفاق سے حارث بن اوس کو ساتھیوں کی تلوار سے زخم لگا، اور کعب کے گھر والے باہر نکل آئے۔ اور ایک دوسرے پر پل پڑے وہ اصحاب رسول کو نہ دیکھ سکے۔ جب یہ صحابہ بقیع میں پہنچے تو بلند آواز سے تکبیر کہی۔ اس وقت حضورؐ قیام لیل میں مشغول تھے جب ان کی تکبیر کی آواز سنی تو جان لیا کہ وہ اس کا کام تمام کرکے آگئے ہیں آپ نے بھی تکبیر بلند فرمائی۔ جب وہ حضورؐ کی بارگاہ میں آئے تو اس دشمن خدا کا پلید سر حضورؐ کے قدموں میں ذلت وحقارت کے ساتھ ڈال دیا۔ یہ پہلا سر ہے جو اسلام میں کاٹا گیا۔ اور حضورؐ نے شکر خدا ادا فرمایا۔ اور لعاب دہن شریف حارث بن اوسؓ کے اس زخم پر لگایا جو ساتھیوں کی تلوار سے پہنچا تھا اور اس سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ زخم اسی وقت ٹھیک ہوگیا۔ الحمد للہ۔

اس جگہ بعض ناقص الفہم کج طبع لوگوں کو خیال ہوتا ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل میں یہ حیلہ کرنا اور دغا سے بلا کر مار ڈالنا کیا بارگاہ نبوت کے لائق تھا؟ وہ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ خیال طبیعت کی کجی اور عدم فہم پر مبنی ہے۔ اس لئے کہ وہ واجب القتل تھا اور حق تعالیٰ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا تھا اور اس کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی نہ تھا۔ اسے جس طرح بھی ممکن ہوتا بہر طور قتل ہی کیا جاتا۔ اور اگر جنگ میں مارا گیا ہوتا تب بھی تو یہی بات تھی۔ کیونکہ اَلْحَرْبُ خُدْعَۃٌ جنگ ایک داؤ ہے۔ اور مشرکین کو قتل کرنا اور ان کے شر و فساد کو دور کرنا اصلاح عالم کے قصد اور اہل خیر کی بھلائی کے لئے ہے بعینہ اس کی مثال یہ ہے کہ میوہ دار درختوں کی اصلاح و افزائش کے لئے بے کار اور زائد شاخوں کو درختوں سے چھانٹا جاتا ہے تاکہ درخت کی افزائش ہو اور اگر ان کی یہ اصلاح وچھانٹ نہ ہو تو درخت نہ تو پھل دے اور نہ وہ بڑھے۔ اور کیا بجائے خود، ایمان وتصدیق حق نہیں ہے۔ کیا اس کے حق ہونے میں کوئی شک وشبہ ہے۔

## غزوۂ نجران

اسی تیسرے سال کے واقعات میں سے غزوۂ نجران ہے اس کو غزوۂ بنی سلیم بھی کہتے ہیں۔ یہ "فرع" کے نواح میں ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ وہاں بنی سلیم کے لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ حضورؐ تین سو صحابہ کی جماعت کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آپ نے وہاں پہنچکر دیکھا کہ وہ اپنے کنوؤں، تالابوں پر بکھرے ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے وہاں گشت فرمائی لیکن کوئی مقابلے کے لئے نہ نکلا اس کے بعد آپؐ نے مراجعت فرمائی اس وقت مدینہ منورہ میں حضرت ابنِ ام کلثومؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ یہ سفر دس دن کا تھا۔ جیسا کہ مواہب

میں ہے اور یہ غزوہ مواہب میں ہی تحریر ہے کسی اور کتاب میں مذکور نہیں ہے۔

## سریۂ قردہ

اسی سال قردہ کی جانب ایک لشکر روانہ کیا گیا۔ قردہ بفتح قاف و را اور بعض کے نزدیک بکسر قاف وسکون راء بھی ہے ایک چشمہ کا نام ہے جو نجد کے چشموں میں سے ہے' اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قریش کا ایک قافلہ عراق کے راستہ سے شام کو جا رہا ہے۔ اس سے پہلے قریش حجاز کے رستہ سے شام جایا کرتے تھے لیکن بدر کے واقعہ کے بعد وہ ڈرنے لگے انہوں نے وہ راستہ چھوڑ دیا۔ اور انہوں نے عراق کا راستہ اختیار کر لیا وہ ایک کثیر جماعت کے ساتھ تجارت کے لئے نکلے تھے۔ اس قافلہ میں ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ بھی تھا۔ ان کے ساتھ کثرت سے مال اور چاندی کے برتن تھے۔ حضورؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو ہجرت کے اٹھائیسویں مہینے ماہ جمادی الآخر کی پہلی تاریخ کو سوا سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ وہ اس قافلہ کے سر پہ پہنچ گئے قافلہ کے بڑے بڑے لوگ بھاگ کھڑے ہوئے بقیہ پورے قافلہ کو گرفتار کر کے حضورؐ کی بارگاہ میں لے آئے۔ حضورؐ نے فرمایا خمس اس میں سے جدا کر لیا جائے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ خمس بیس ہزار درہم اور ایک روایت میں پچیس ہزار درہم کا تھا۔ اور باقی مال غنیمت کو اہل سریہ پر تقسیم کیا گیا۔ ابن اسحٰق نے اس قضیہ کو کعب بن اشرف کے قتل کے قضیہ سے پہلے بیان کیا ہے۔

## تاجر حجاز ابو رافع کا قتل

اسی سال کعب بن اشرف کے قتل کے بعد تاجر حجاز ابو رافع کا قتل واقع ہوا۔ اس کا قتل، کعب کے قتل سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ صحیح بخاری میں اس باب میں دو حدیثیں ہیں۔ اور ان میں قدرے اختلاف مذکور ہے ہم ان دونوں حدیثوں کو نقل کرتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک قول کے بموجب اس کا قتل چوتھے سال میں ہے۔ اور ایک قول کے بموجب پانچویں سال میں۔ اور ایک قول ہے چھٹے سال میں۔ قوی ترین وہی قول ہے۔ اس واقعہ کا تذکرہ ہم اس جگہ اس طریقہ سے کرتے ہیں جس طرح کعب کے قتل کا قصہ بیان کیا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایسا ہی مذکور ہے۔ قسطلانی نے شرح میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ چھٹے سال کے ماہ رمضان میں واقع ہوا۔ ابو رافع کا نام عبداللہ بتاتے ہیں اور بعضے سلام (بتشدید لام اور بتخفیف لام) کہتے ہیں۔ اور یہ ابی الحقیق (بصیغہ تصغیر) کا بیٹا اور کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا جو صفیہ کا شوہر تھا۔ اس کا ذکر غزوۂ خیبر میں آئے گا۔ یہ ابو رافع، زمین حجاز میں ایک قلعہ کے اندر رہتا تھا۔ اور وہ بھی حضورؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ایذا

پہنچانے میں مشغول رہتا تھا۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے خلاف جنگ میں مشرکوں کی اعانت کرتا تھا' اس کا قصہ یہ ہے کہ جب محمد بن مسلمہ وغیرہ نے (جو قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے) بتوفیق الٰہی کعب کے قتل کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔ قبیلہ خزرج کے لوگوں میں بھی ولولہ پیدا ہوا کہ وہ بھی کعب کی مانند کسی اعدائِ دین کے قتل کا کام سرانجام دیں۔ باہمی مشورہ کے بعد انہوں نے ابو رافع کو منتخب کیا۔ یہ بھی پیغمبر خدا اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں مشغول رہتا تھا۔ اور حضورؐ کے خلاف جنگ میں اپنے مال و منال سے مشرکوں کی مدد کرتا تھا۔ اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ابتداء میں ابو رافع کے قتل کا شوق نہیں دلایا تھا۔ بلکہ اہلِ خزرج نے اس کے قتل کی از خود درخواست کی تھی اور حضورؐ نے ان کو اس کی اجازت مرحمت فرما دی تھی۔ خزرج والوں نے اپنی ایک جماعت اس کام کے لئے مقرر کر دی اور ان پر عبد اللہ رضؓ بن عتیک کو امیر بنایا۔ اجازت کے بعد خیبر کی جانب جہاں ابو رافع قلعہ میں رہتا تھا روانہ ہوئے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو غروب آفتاب کا وقت تھا اور قوم کے جانور چراگاہ سے لوٹ کر قلعہ میں داخل ہو رہے تھے۔ عبد اللہ رضؓ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم اس جگہ بیٹھے رہو میں قلعہ کے دربان سے میل جول پیدا کر کے، تمہیں بھی داخل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ پھر وہ قلعہ کے قریب گئے اور انہوں نے اپنے سر کو لپیٹا اور اس طرح بیٹھ گئے جیسے قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے ہیں۔ اور خود کو ایسا بنا لیا گویا وہ اسی قلعہ کے باشندے ہیں۔ اس کے بعد دربان نے کہا "او بندۂ خدا اگر تو آنا چاہتا ہے تو جلدی آ کیوں کہ میں دروازہ بند کروں گا۔ چنانچہ میں قلعہ میں داخل ہو کر جہاں گدھے بندھے ہوئے تھے وہاں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اور رہیں وقت کا انتظار کرتا رہا۔ جب لوگ ابو رافع کے پاس سے کھانا کھا کر باتیں کر کے چلنے لگے اور وہ اس کے پاس سے نکل گئے اور حرکات ساکن ہو گئے اور آوازیں بیٹھ گئیں۔ یعنے سنسان اور ہو کا عالم طاری ہو گیا میں نے دربان کو دیکھا کہ دروازے کی چابی طاقچہ میں رکھ کر سونے کے لئے چلا گیا ہے میں اٹھا اور چابی اٹھا کر دروازے کو کھول دیا۔ یہ میں نے اس لئے کیا کہ اگر بالفرض قلعہ والوں کو میری خبر ہو جائے اور وہ مجھے جان لیں تو نکل کر بھاگ سکوں، اس کے بعد میں نے ابو رافع کی جستجو کی۔ دیکھا کہ وہ بالاخانہ میں ہے اور جاگ رہا ہے اور قصہ خواں، اسے قصہ سنا رہا ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ وہ اسے افسانہ سنا رہا تھا۔ جب فارغ ہو گیا تو ابو رافع سونے کے لئے چلا گیا۔ ان کے بعد میں نے بالاخانہ کے دروازے کھولے اور اندر چلا گیا اور جس کمرہ کو میں کھولتا اسے اندر سے بند کر لیتا تاکہ اگر کسی کو میری آہٹ ہو جائے تو وہ مجھ تک نہ پہنچ سکے۔ یہاں تک کہ میں اس کمرے تک پہنچ گیا جہاں ابو رافع کا کمرہ واقع تھا میں نے اسے

دیکھا کہ وہ اندھیرے کمرے میں اپنے اہل وعیال کے درمیان سو رہا ہے۔ لیکن میں اتنا نہ جان سکا کہ وہ کمرے کے کس گوشہ میں سو رہا ہے۔ کیوں کہ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس وقت میں نے اسے آواز دی اور میں نے پکارا" او ابورافع" وہ جاگ اٹھا اور کہنے لگا "یہ کون ہے؟" پھر میں نے اس کی آواز کی طرف تلوار چلائی۔ اور اس انتہائی خوف و دہشت کی بنا پر جو اس وقت مجھ پر طاری ہو گئی تھی تلوار کا وار کارگر نہ ہوا اور ابورافع چیخنے چلانے لگا۔ اور میں کمرہ سے باہر نکل آیا۔ کچھ دیر بعد میں اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اپنی آواز کو بدل کر گویا میں اس کی مدد کرنے کے لئے آگیا ہوں میں نے کہا۔" اے ابورافع یہ آواز کیسی تھی؟" اس نے کہا" تیری ماں پر افسوس ہو کوئی شخص گھر میں ہے۔ اس نے تلوار کا مجھ پر وار کیا ہے"۔ اس مرتبہ بھی میں نے اس کی آواز پر تلوار ماری اب بھی اس کا وار کارگر نہ ہوا تو میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں گھونپ دی اور اتنا زور لگایا کہ وہ اس کی پشت سے پار ہو گئی اور ہڈیوں کے ٹوٹنے کی میں نے آوازیں سنیں۔ اس کا کام تمام ہو گیا۔ پھر میں نے کمرے کے دروازے کھول کر زینہ میں داخل ہو کر نیچے آنا چاہا۔ چاندنی رات تھی میں نے خیال کیا کہ زمین ہے قدم بڑھایا دھڑام سے گر پڑا۔ اور میرا پاؤں ٹوٹ گیا ایک روایت میں ہے کہ میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ پھر میں نے ٹوٹی ٹانگ پر اپنی دستار باندھی اور ایک پاؤں سے کودتا چلدیا اور اپنے ساتھیوں میں جا کر مل گیا۔ ہم اس وقت تک وہاں ٹھیرے رہے جب تک کہ ہم نے قلعہ کے باہر سے رونے پیٹنے اور نالہ و شیون کرنے کی آوازیں نہ سن لیں۔ ہم نے سنا لوگ کہہ رہے تھے کہ تاجر حجاز ابورافع مارا گیا۔ پھر میرے ساتھی مجھے اٹھا کر مدینہ منورہ میں حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور بشارت دیتے ہوئے فرمایا" اے عبداللہؓ! تمہیں مبارک ہو۔ اس کے بعد حضورؐ نے اپنا دست مبارک میری ٹوٹی ہوئی ٹانگ پر پھیرا وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئی۔ اور میں اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔

صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ابورافع کے قتل کے سلسلہ میں یہ روایت بخاری میں مرقوم ہے۔ سیر کی دیگر کتابوں میں اسے اور طریقہ سے بیان کیا گیا ہے۔ لیکن جو کچھ صحیح بخاری میں مذکور ہے اس کا بیان کرنا زیادہ بہتر ہے۔

## امام حسن مجتبےٰ کی پیدائش

اسی تیسرے سال میں پندرہ ماہ رمضان مبارک کو سبط رسول، فلذۂ بتول، ریحانۂ مشموم، امام مسموم، نور دیدۂ مصطفےٰ امام حسن مجتبےٰ علی جدہ وعلیہ التحیۃ والثناء کی ولادت باسعادت ہوئی۔

## نکاح سیدہ ام کلثوم بعثمان ذوالنورین

اسی سال سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نکاح، ان کی ہمشیرہ سیدہ رقیہ رضؓ بنت رسول اللہ ﷺ کے انتقال فرمانے کے بعد جن کی وفات غزوۂ بدر کے زمانہ میں ہوئی تھی، سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ منعقد ہوا۔

اسی سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو اور سیدہ زینب ؓ بنت خزیمہ کو اپنے عقد نکاح میں لائے۔

# غزوۂ احد

اسی تیسرے سال ہجرت میں غزوۂ احد واقع ہوا جو ماہ شوال کی گیارہ راتیں یا سات راتیں گزرنے کے بعد ہوا بعض لوگ نصف شوال کہتے ہیں اور مالک سے منقول ہے کہ بدر کے ایک سال بعد واقع ہوا اور انہیں سے یہ بھی منقول ہے کہ ہجرت کے اکتیسویں مہینہ کے شروع میں واقع ہوا۔ یہ غزوہ بھی غزوات عظیمہ میں سے ہے۔ غزوات اسلام اور قوت دین میں یہ غزوۂ بدر کی مانند ہے بجز اس بات کے کہ بدر میں حسن وجمال اور فضل وکمال تھا اور غزوۂ احد میں حق تعالیٰ کی کبریائی اور اس کے جلال کا کرشمہ بھی ہے۔ اس بنا پر کہ اس میں بدر کے قیدیوں کے فدیہ کا بدلہ ہے جیساکہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ بعض اصحاب اس مرکز استقامت سے جسے حضورؐ نے ان کے لئے متعین فرمایا تھا متزلزل ہوئے اور ثابت قدم نہ رہے اور مال غنیمت اور دنیاوی ساز وسامان کے اکٹھا کرنے کی طرف مائل ہو گئے جیساکہ آیت کریمہ میں ہے۔ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ۔ کچھ لوگ تم میں سے دنیا کی خواہش رکھتے ہیں اور کچھ آخرت کا ارادہ رکھتے ہیں۔" اس آیت میں اس تنزلزل ووحشت کے سوا ان چیزوں کا بھی اشارہ فرمایا گیا جو آئندہ ذکر کی جائے گی۔ معارج میں کہا گیا ہے کہ وحشت میں مبتلا کرنے والا غزوہ احد کا ہے اور آخر میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی فتح ونصرت اور عزت ورفعت واقع ہوئی۔ مواہب میں بعض علماء سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو شکست وہزیمت ہوئی اس سے توبہ کرائی جائے اور اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دینا چاہیئے۔ اس لئے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یقین کامل پر گامزن تھے لہٰذا ہزیمت کی نسبت حضورؐ کی طرف کرنا یقین کے نفی کو مستلزم ہے اور یہ موجب

کفر ہے۔

احد (بضم ہمزۂ حا) مدینہ منورہ کا ایک مشہور پہاڑ ہے۔ اور یہ توحد سے بنا ہے۔ اس بنا پر کہ یہ دیگر پہاڑوں سے علیحدہ، منفرد اور منقطع ہے یہ پہاڑ کا ایک ٹکڑا ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے شمال کی جانب ۲ دو میل یا اس سے کچھ زیادہ مسافت پر واقع ہے۔ کوئی پہاڑ اس سے ملا ہوا نہیں ہے۔ اس بنا پر اس کا نام احد ہے یہ اہلِ ایمان و توحید کی نصرت کا مقام ہے۔ اس نکتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نام کا اس پر اطلاق، اہلِ اسلام کی شہرت اور فضیلت دینے سے ہوا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اس پر اس نام کا اطلاق، وجودِ اسلام سے پہلے سے ہے۔ احادیث کریمہ میں اس پہاڑ کے بکثرت فضائل وارد ہوئے ہیں۔ اور کتاب "جذب القلوب الی دیار المحبوب[1]" میں ان سب کو بیان کر دیا گیا ہے۔

جبل احد شریف کی فضیلت میں یہ حدیث بہت مشہور ہے کہ:۔ اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ۔ احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک احد پہاڑ پر پڑی تو تکبیر بلند کر کے فرمایا۔ ھٰذَا الْجَبَلُ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ عَلٰی بَابٍ مِّنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ۔ یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں جو جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔ پھر مدینہ منورہ کے جنوب کی جانب ایک پہاڑ ہے جس کا نام "عیر" (بفتح عین و سکون یاء) ہے۔ اس کی شان میں فرمایا:۔ عِیْرٌ جَبَلٌ یُبْغِضُنَا وَ نُبْغِضُهٗ عَلٰی بَابٍ مِّنْ اَبْوَابِ النَّارِ۔ عیر وہ پہاڑ ہے جو ہم سے بغض و عداوت رکھتا ہے اور ہم بھی بغض و عداوت اس سے رکھتے ہیں یہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغض و عداوت اور سعادت۔ شقاوت جمادات میں بھی پیدا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور میں جانبین سے محبت یعنے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جبل احد کی طرف نسبت اور جبل احد کی جانب سے حضورؐ کی طرف نسبت، حقیقت پر محمول ہے۔ لہٰذا جبل احد جنت میں داخل ہو گا جہاں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوں گے۔ "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" جو جس کے ساتھ محبت رکھے گا اسی کے ساتھ ہو گا۔"

پہاڑوں میں عشق و محبت کا پیدا فرمانا، جمادات میں وجودِ تسبیح کے حکم پر ہے۔ کیوں کہ حق

---

[1] اردو ترجمہ "راحت القلوب" مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ۔ کائنات کی ہر چیز حق تعالیٰ کی حمد و تسبیح کرتی ہے؛ اور جبکہ پہاڑ اور تمام جمادات حق تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور اس کے ذکر کا محل ہیں تو اگر اس کے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے کے ساتھ بھی وہ موصوف ہوں تو کیا مشکل ہے، اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اس جلیل المنزلت پہاڑ سے فرمانا کہ: اُسْکُنْ یَا اُحُدُ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ نَبِیٌّ اَوْ شَھِیْدٌ ۔ اے احد، ساکن رہ بلاشبہ تجھ پر نبی یا شہید ہے؛ یہ ارشاد عقل و فہم اور عشق و محبت جو کہ لوازم فہم و عقل ہیں کے وجود پر دلیل ہے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو پتھروں کا سلام کرنا اور آپ کی جدائی میں استن حنانہ کا رونا اس مقصد پر دلائل واضحہ ہیں۔ اور محبت و عداوت کو وہاں کے رہنے والوں کی محبت و عداوت سے تاویل کرنا از قسم جہالت و نادانی ہے۔ اسی طرح یہ جو بعض کہتے ہیں کہ یہ ارشاد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے اس مسرت و خوشی کے اظہار کی طرف اشارہ فرمانا ہے جو سفر سے واپسی کے وقت جبل احد کے دیکھنے سے جو اعظم وارفع آثار و علامات اس شہر مدینہ طیبہ کا حامل ہے۔ مسرت و خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ زبان حال سے شہر مدینہ کے قریب ہونے اور وہاں کے رہنے والوں سے محبت کرنے کی خبر دیتا ہے۔ حضورؐ نے اس کی خبر اور بشارت دی ہے۔ اور یہ کام محبت کرنے والوں کا ہے بغیر اس قید کے کہ علم و عقل اور قیاس کے ساتھ کوئی تنگی و دشواری ہو۔ لیکن تحقیقی بات وہی ہے جو ارباب بصیرت نے فرمائی ہے جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے یہ بحث طویل ہے اب ہم اپنے مقصود کی طرف لوٹتے ہیں جو غزوۂ احد سے متعلق ہے۔

جب مشرکین قریش بدر سے بھاگ کر مکہ پہنچے اور ابوسفیان اپنے قافلہ کو مکہ لے آیا اور قافلہ کے مال کو "دارالندوہ" میں رکھا صنادید قریش اور ان کے بیٹے بدر میں مارے گئے تو ابوسفیان نے لوگوں سے کہا کہ اپنے اموال سے ہماری اعانت کرو تاکہ اس سے ایک لشکر کا سامان فراہم کریں اور اپنا کینہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے نکالیں اور ان سے جنگ کر کے اپنا انتقام لیں۔ افسوس تم لوگ کتنے بے عقل ہو، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب سے تو اپنا کینہ نکالنے کی خواہش رکھتے ہو لیکن تم سے خدا جو (شرک و کفر اور ایذا رسانی کا) بدلہ لے گا اس کا علاج تمہارے پاس کیا ہے، کیا کرو گے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۔ ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں؛

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ تمام مال ایک ہزار اونٹ کے بوجھ کا تھا۔ اور راس المال یعنی اصل

قیمت اس کی پچاس ہزار مثقال تھی اور اس کا نفع بیس ہزار مثقال تھا چنانچہ انہوں نے رأس المال تو مالکوں کو لوٹا دیا اور نفع کو لشکر کی تیاری کے لئے روک لیا۔ ان لوگوں کے بارے میں حق تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۔

بیشک جنہوں نے کفر کیا اپنے اموال کو خدا کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کرتے ہیں تو وہ ان اموال کو خرچ کریں گے اس کے بعد ان پر حسرت ہو گی پھر وہ مغلوب ہونگے

اس کے بعد انہوں نے عرب کے چرب زبانوں کی ایک جماعت کو جن میں عمرو بن العاص بھی تھے قبائل عرب کی طرف بھیجا تاکہ ان کو مدد و اعانت پر آمادہ کریں اور بہت بڑا لشکر جمع کریں اور ان کے ہم خیال ایک دل بنجائیں۔ عورتوں کی ایک ٹولی بھی ان کے ہمراہ بھیجی تاکہ وہ بدر کے مقتولوں پر جن کے زخم ابھی تازہ تھے نوحہ کریں اور ایسے گانے گائیں جن سے جوش انتقام پیدا ہو اور ان میں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا ولولہ ابھرے اور اس میں وہ مضبوط رہیں۔ اگرچہ ابوسفیان اس میں چنداں راضی نہ تھا لیکن اس کی بیوی ہندہ دختر عتبہ بن ربیعہ، عورتوں کے بھیجنے میں مصر ہی۔ جب موجودہ لشکر کی گنتی کی گئی تو یہ تین ہزار نفری پر مشتمل تھا جن میں سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے، تین ہزار اونٹ اور پندرہ سو عورتوں کے ہودج تھے۔ یہ سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے نکل پڑے۔ سبحان اللہ کہاں جا رہے ہیں اور کس کام کے لئے جا رہے ہیں کس سے جنگ کا ارادہ کر رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ من الغفلۃ والشقاوۃ)

حضرت عباس بن عبدالمطلب نے جو اس وقت مکہ میں تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط بھیجا جس میں لشکر کفار کی تعداد اور اس کی پوری کیفیت درج تھی اور قاصد کو حکم دیا کہ وہ تین دن میں یہ خبر پہنچادے۔

اس کے بعد لشکر کفار مدینہ طیبہ کی طرف چل دیا اس لشکر کی سرداری ابوسفیان کے سپرد کی گئی کیوں کہ وہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور دشمنی میں بہت سخت تھا، جب یہ لشکر کفار ذوالحلیفہ پہنچا جو مدینہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے تو اس نے وہاں تین دن قیام کیا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خبابؓ بن المنذر کو جو صاحب عزم اور رزم تھے

لشکر کفار کی تعداد اور کیفیت معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ چنانچہ حضرت عباسؓ نے جو کچھ لکھا تھا یہ بھی ویسی ہی خبر لائے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اَللّٰهُمَّ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ "ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے اے خدا تجھ سے ہی میں طاقت مانگتا ہوں اور تجھی سے میں رعب و دبدبہ چاہتا ہوں"۔ اس میں اشارہ ہے کہ اگر کسی کو ایسی خبر ملے جس میں کسی دشمن وغیرہ کی طرف سے خوف وہراس ہو تو چاہیئے کہ وہ بارگاہِ الٰہی کی طرف رجوع کرے اس پر توکل کرے اور اس سے استعانت و استمداد کی کوشش کرے۔

معارج النبوۃ میں واقدی سے منقول ہے کہ جب یہ مشرکین "ابواء" میں پہنچے جہاں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر اطہر ہے تو انہوں نے چاہا کہ حضرت آمنہ کی قبر کو کھود کر ہڈیاں نکال لیں تاکہ اگر بالفرض ہماری عورتیں ان کی قید میں چلی جائیں تو ہم کہیں کہ تمہاری والدہ کی "عظام رمیم" یعنے قبر کی ہڈیاں ہمارے قبضہ میں ہیں تو وہ لامحالہ اس کے بدلہ میں ہماری عورتوں کو واپس کردیں گے۔ اور اگر عورتیں ان کی قید میں نہ آئیں تو ہم مال کثیر کے بدلہ میں یہ ہڈیاں ان کے حوالہ کردینگے جب انہوں نے ابوسفیان سے اس بارے میں مشورہ کیا تو اس نے ان کی رائے کو بودہ اور کم عقل قرار دیا اور کہا کہ بنوبکر اور خزاعہ جو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے حلیف و دوست ہیں اگر وہ اس بات پر مطلع ہو جائیں گے تو وہ ہمارے مُردوں کی تمام قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال لیں گے۔

اس کے بعد ابوسفیان وہاں سے لشکر کفار کے ساتھ چلدیا اور احد کے کنارے بطن وادی میں مدینہ طیبہ کے مقابل پڑاؤ ڈال دیا۔ جمعہ کی رات گزار کر ہفتہ کے دن فریقین ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے۔ بعض مشاہیر صحابہ نے مثلاً حضرت سعدؓ بن معاذ، سعدؓ بن عبادہ اور اسیدؓ بن حضیر، اور دیگر ان صحابہ کی جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر رسول اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کے لئے کھڑے ہو گئے اور تمام رات جاگ کر پہرہ دیا۔ بعض اور مسلمانوں نے بھی اس رات مدینہ میں پاسبانی کی۔ اس رات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خواب دیکھا جب صبح ہوئی تو فرمایا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں گایوں کو ذبح کر رہا ہوں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار میں رخنہ پڑ گیا ہے اور میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے ہاتھوں کو زرہ میں مضبوطی سے ڈال لیا ہے۔ "مواہب لدنیہ میں خواب کو اسی طرح بیان کیا گیا ہے لیکن روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ میں نے ایک زرہ پہن رکھی ہے اور ذوالفقار میں چند رخنے پڑ گئے ہیں اور گایوں کو مار ڈالا گیا ہے اس کے پیچھے ذبح کیا ہوا دُنبہ ہے"۔ "ذوالفقار" منبہ بن حجاج سہمی کی تلوار کا نام ہے۔ جو غزوہ بدر کی غنیمت میں حاصل ہوئی تھی اور اسے حضورؐ نے اپنے

دشمنوں کے لئے لیلیا تھا اور وہ حضورؐ کے پاس رہتی تھی یہاں تک کہ غزوۂ خندق میں آپؐ نے حضرت علی مرتضےٰؓ کو عطا فرمادی۔ صحیح بخاری میں مطلقاً تلوار بیان کی گئی ہے۔ لیکن قسطلانی نے کہا ہے کہ مراد ذوالفقار ہے۔ نیز صحیح بخاری میں خواب کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تلوار کو گھمارہا ہوں تو وہ صدر یعنے درمیان سے ٹوٹ گئی ہے۔ اس سے یہ تعبیر نکلی کہ مسلمانوں کو شکستگی اور ہزیمت اٹھانی پڑی۔ فرماتے ہیں میں نے اس تلوار کو دوبارہ گھمایا تو وہ پہلے سے بہتر ہوگئی۔ اس کی یہ تعبیر تھی کہ بعد میں مسلمانوں کو فتح و اجتماع سے حق تعالےٰ نے بہرہ ور فرمایا۔ اس خبر اور خواب کو روضتہ الاحباب اور معارج النبوۃ میں بیان نہیں کیا گیا۔

اب باقی رہی وہ بات جو خواب کی بقیہ تعبیر کے سلسلہ میں بیان ہوئی ہے زرہ محکم سے مدینہ طیبہ اور ذوالفقار کے رخنہ سے مراد وہ مصیبت تھی جو حضورؐ کو پہنچی چنانچہ آپ کا لب، دندان اور رخسار شریف مجروح ہوئے۔ ارباب سیر فرماتے ہیں کہ ذوالفقار کے رخنہ سے مراد، اہل بیت رسول میں سے کسی شخص کا شہید ہوجانا ہے چنانچہ، سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، کی شہادت واقع ہوگئی اور گایوں سے مراد، صحابہ کرام کی شہادت ہوگی جو روز احد واقع ہوئی۔

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ بقر اسم جنس ہے اور مواہب، نے جو یہ کہا ہے کہ بقر سے مراد، میرے صحابہ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو شہید ہوئے ہیں، بہتر ہے لیکن کبش یعنی دُنبہ اس سے لشکر کفار مراد ہے مطلب یہ کہ ان میں کوئی بڑا شخص ہے اور ان بڑوں میں سے ایک کا نام "کبش الکتبہ" بتاتے ہیں، جو مارا گیا ہے جیسا کہ روضتہ الاحباب میں ہے۔ اور معارج النبوہ میں ہے کہ اس سے دشمنوں کے بڑے لوگ مراد ہیں ــــ (کذا قالو)

اس مسکین (یعنے مولف مدارج النبوۃ) کے ذہن میں ایسا آتا ہے کہ بقر سے عام صحابہ مراد ہوں گے اور کبش (دنبہ) سے خاص صحابیؓ، وہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حملہ کرنے میں مینڈھے کی مانند تھے (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ انصار کے وہ حضرات جو غزوۂ بدر میں حاضر نہ ہوئے تھے وہ عدم حاضری پر حسرت و افسوس کا اظہار کرتے رہتے تھے اور خواہش رکھتے تھے کہ کوئی ایسا قضیہ اور معرکہ پیش آئے جس میں اس کوتاہی کی تلافی اور جبر مافات کرسکیں۔ جس طرح کہ انہوں نے کعب بن الاشرف کے قتل کی خواہش کی تھی اس جیسی خدمت ہمارے ہاتھ سے بھی واقع ہو تاکہ ہم بھی پیچھے نہ رہیں۔

مسلمانوں کے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا تھا بعض کی رائے یہ تھی کہ مدینہ طیبہ سے باہر نہ

نکلنا چاہیئے۔ اور عورتوں اور بچّوں کو کسی محفوظ جگہ بھیجدینا چاہیئے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رائے شریف بھی انہیں کے موافق قایم ہوئی تھی اور عبداللہ بن ابی منافق بھی یہی رائے دیتا تھا۔ لیکن حضرت حمزہ رضؓ بن عبدالمطلب، مہاجرین کی ایک جماعت، حضرت سعد رضؓ بن عبادہ اور اوس وخزرج کے لوگ رائے دینے لگے کہ ہم نے مدینہ میں پناہ لے کر مقابلہ کیا تو دشمن اسے ہماری کمزوری پر محمول کرے گا جو اس کی جرأت وقوت کا موجب بنے گا۔ ہمیں حق تعالےٰ نے روز بدر باوجودیکہ ہم تین سو سے زیادہ نہ تھے اپنی نصرت سے سرفراز فرمایا تھا آج تو بحمداللہ ہمارا لشکر قوی مستحکم اور بہت زیادہ ہے۔ اور ہمارا دبدبہ اور رعب بہت ہے اور ہم مدتوں سے ایسے وقت کی آرزو میں تھے۔

مالک بن سنان حضرت ابوسعید خدری رضؓ کے والد نے عرض کیا "یارسول اللہ! خدا کی قسم ہمارے لئے دونوں صورتیں اچھی ہیں کامیاب وفتحیاب ہوں یا شہادت پائیں۔ ہمیں دونوں ہی محبوب ہیں"۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر قرآن کریم نازل فرمایا میں اس وقت تک روزہ افطار نہ کروں گا جب تک کہ میں مشرکوں کے ساتھ اپنی تلوار سے جنگ نہ کروں"۔ نعمان رضؓ بن مالک جو انصار میں جانباز اور دلاوروں میں سے تھے۔ عرض کرنے لگے "یارسول اللہ! گایوں کا ذبح ہونا جو خواب میں آپ کو دکھایا گیا ہے وہ میرا قتل ہونا ہے۔ اور قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں میں جنّت میں داخل ہوں گا"۔ حضور ؐ نے فرمایا "کس سبب سے؟" عرض کیا "اس سبب سے کہ میں خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں اور معرکۂ جنگ سے میں منہ نہیں موڑتا"۔ حضور ؐ نے فرمایا "تم ٹھیک کہتے ہو" اور حضرت نعمان رضؓ نے جنگ احد میں واقعی شہادت پائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن صادق اگر یقین کرے بلکہ قسم کھائے کہ میں جنت میں داخل ہوں گا۔ تو درست ہوگا اور اچھا ارادہ کرنا ہی چاہیئے۔ یہ حقیقت میں امید کا غلبہ اور وعدۂ حق پر وثوق اور اس کی ذات پر حسن ظن ہے۔ اَنَّہٗ لَا یُخَیِّبُ مَنْ رَجَاہُ۔ بلاشبہ حق تعالےٰ اسے ناامید نہیں فرماتا جو اس سے امید رکھے۔

غرضکہ صحابۂ کرام نے از حد مبالغہ اور اصرار کیا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم باہر نکل کر جنگ کرنے کی طرف مائل ہو جائیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے رضامندی ظاہر فرمادی اگرچہ جبر اً تھی۔ (واللہ اعلم)

اس کے بعد رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے خطبہ میں لوگوں کو پند ونصائح فرمائے اور جد وجہد کی تلقین فرمائی اور خبر دی کہ اگر تم نے صبر کیا اور ثبات قدمی دکھائی تو تمہاری نصرت ہوگی اور

حکم فرمایا کہ لشکر کی ترتیب میں مشغول ہو جائیں۔ اس پر وہ حضرات جو باہر نکل کر جنگ کرنے کے خواہش مند تھے بہت خوش ہوئے۔ جب آپ نے نماز عصر ادا فرمائی تو حضورؐ حجرہ شریف میں داخل ہوئے۔ حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت بجا لانے کے لئے حجرے میں حاضر رہے انہوں نے حضورؐ کے سر مبارک پر دستار شریف کو درست کیا اور زرہ کو زیب تن اقدس کرایا۔ اور تمام اسلحہ جسم اطہر پر لگائے۔ حجرۂ مبارکہ کے باہر ایک خلق کثیر صف باندھے حضورؐ کی تشریف آوری کے انتظار میں کھڑی تھی۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت اسیدؓ بن حضیر نے کہا حضورؐ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ زمام اختیار آپ کے دست اقدس میں ہی دیدی جائے اور آپ کو مجبور نہ کیا جائے اور نہ اصرار و مبالغہ کیا جائے۔ یہ گفتگو کر رہے تھے کہ خواجۂ کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات حجرۂ مبارکہ سے مسلح، زرہ پہنے اور سر مبارک پر دستار شریف باندھے، کمر سے پٹکا باندھے، تلوار حمائل کئے، نیزہ ہاتھ میں لئے خراماں خراماں باہر تشریف لائے۔ جب صحابہ نے حضورؐ کو اس ہیئت میں دیکھا تو سب حیران و پشیمان ہو گئے۔ سب بیک زبان عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ آپ کی رائے مبارک کے خلاف کچھ کہیں، جو بھی آپ کی مرضی مبارک ہو ہم وہی کریں گے، ہم سے غلطی ہوئی کہ اس باب میں ہم نے اصرار کیا۔ حضورؐ نے فرمایا پہلے میں تم سے کہہ رہا تھا تم نے نہ سنا اور برابر مبالغہ و اصرار کرتے رہے اب سزاوار نہیں ہے کہ جب اللہ کا نبی سلاح پہن لے تو اسے اتارے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اسکے اور اس کے دشمنوں کے درمیان حکم و فیصلہ نہ فرماوے۔ اب جو کچھ میں تم سے کہوں اور کروں سنو اور عمل کرو۔ اور صبر و استقامت پر رہو۔ تمہاری نصرت ہو گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ کی ابتدائے کار ہی اختلاف و کراہت پر تھی اور بالآخر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو یہی اختیار فرمانا پڑا کہ باہر نکلیں اور بحکم الٰہی فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (جب تم عزم کر لو تو اللہ پر توکل کرو) اس وقت تین علم مرتب کئے گئے۔ مہاجرین کا علم حضرت علیؓ مرتضےٰ کو بعض کہتے ہیں حضرت مصعبؓ بن عمیر کو دیا اور قبیلہ "اوس" کا علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کو اور قبیلہ خزرج کا علم حضرت خبابؓ بن المنذر کو دیا۔ اور حضرت عبداللہؓ بن ام کلثوم کو مدینہ میں خلیفہ مقرر کیا اور احد کی طرف متوجہ ہو گئے اسلامی لشکر بھی حضورؐ کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ ان میں سو زرہ پوش تھے۔ لشکر اسلام کی تعداد ایک ہزار تھی اور ایک روایت کے بموجب نو سو تھی۔ اور سعدین یعنے حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ دونوں زرہ پہنے حضورؐ کے آگے آگے چل رہے تھے جب یہ منزل شیخین میں پہنچے تو لشکر کا ایک غول دیکھا ان کی آواز کی سختی و کرختگی حضورؐ کے سمع مبارک میں پہنچی دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا

گیا کہ یہ عبداللہ ابن ابی حلیف، یہود کے لوگ ہیں۔ فرمایا: لَا تَسْتَنْصِرُوْا بِاَھْلِ الشِّرْکِ عَلٰی اَھْلِ الشِّرْکِ شرک والوں کے ساتھ مشرکین پر مدد نہ لو"

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ لشکر اسلام کی گنتی کی۔ اور صحابہ کے بچوں کی ایک ٹولی کو ملاحظہ فرمایا ان کو ان کی صغر سنی کی بنا پر مثلاً عبداللہ بن عمر بن خطاب، زید بن ثابت، اسامہ بن زید زید بن ارقم، براء بن عازب، ابوسعید خدری، سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج وغیرہ کو فرمایا کہ یہ سب مدینہ منورہ واپس چلے جائیں، یہ عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! رافع تیر انداز ہے" حضور نے ان کو شامل لشکر رہنے کی اجازت دے دی۔ پھر سمرہ بن جندب نے عرض کیا یا رسول اللہ رافع کو تو شمولیت کی اجازت مل گئی حالانکہ میں ان کو کشتی میں پچھاڑ سکتا ہوں۔ فرمایا اچھا تم دونوں کشتی کر کے دکھاؤ۔ جب کشتی ہوئی تو سمرہ نے رافع کو پچھاڑ لیا اس پر سمرہ کو بھی شمولیت کی اجازت مل گئی۔

جب آفتاب غروب ہو گیا تو بلال نے اذان دی۔ اور آپ نے نماز با جماعت ادا فرمائی۔ رات اسی منزل میں ہو گئی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی نجار میں قیام فرما تھے۔ آپ نے محمد بن مسلمہ کو پچاس افراد کے ساتھ لشکر کی پاسبانی کے لئے مقرر فرمایا۔ مشرکین قریب آتے اور دیکھتے کہ لشکر اسلام کیا کرتا ہے۔ لشکر کفار میں بھی عکرمہ بن ابوجہل کو مقرر کیا گیا کہ وہ لشکر کفار کی پاسبانی کریں جب رات کا پچھلا پہر ہوا تو حضور بیدار ہوئے اور راہ بر کو طلب فرمایا تاکہ وہ دشمنوں کے سر پر عمدہ راستہ سے لے جائے۔ ابوحثمہ حارثی نے اس خدمت کو قبول کیا۔ اس کے بعد حضور گھوڑے پر سوار ہوئے۔ ابوحثمہ راہ بر بنے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو احتیاط کے ساتھ احد تک پہنچا دیا۔ راہ میں ایک منافق کے احاطہ پر سے گزر ہوا جس کا نام مربع بن قبطی تھا جو ظاہر و باطن میں اندھا تھا۔ اس منافق نے لشکر اسلام پر خاک اچھالنا شروع کر دی۔ حضور سے کہنے لگا اگر آپ خدا کے رسول ہوتے تو میرے احاطہ میں داخل ہو کر میرے احاطہ کو خراب نہ کرتے۔ سعید بن زید اشہلی نے اس منافق کے سر پر کمان مار کر اس کا سر توڑ دیا۔ حضور نے فرمایا: دَعْهُ فَاِنَّهٗ اَلْاَعْمٰی اَعْمَی الْقَلْبِ اسے چھوڑ دو یہ اندھا ہے، دل کا اندھا"

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم احد میں پہنچے تو نماز صبح کا وقت ہو گیا تھا حضرت بلال نے اذان دی اور اقامت کہی۔ اور صفیں درست کی گئیں اور آپ نے نماز با جماعت ادا فرمائی۔ حضور ایک زرہ اپنے جسم مبارک پر پہنے ہوئے تھے اس کے اوپر ایک زرہ زیب تن فرمائی اور خود سر مبارک پر رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسباب کو اختیار کرنا اور اس سے لگاؤ رکھنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ کیوں کہ سید المتوکلین صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کر کے بتایا ہے۔ در حقیقت، توکل، تقدیر الٰہی

کے ساتھ اعتماد و بھروسہ رکھنا ہے۔ اور اسباب سے علاقہ رکھنا یہ بھی منجملہ تقدیر اور داخلِ بندگی ہے اور یہ کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر شجاع تھے اور جو جتنا زیادہ شجاع ہوگا وہ جنگ میں اتنا ہی بے پرواہ نہ ہوگا اور وہ آلاتِ حرب کی سب سے زیادہ نگہداشت کرے گا۔

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سرگروہ تھا اپنے غول کے ساتھ جو اندازے میں تین سو تھے اسی منزل سے یا اس سے پہلے لوٹ گیا۔ لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ احد میں پہنچنے سے پہلے وہ سب واپس چلے گئے تھے کیونکہ احد مومنوں اور موحدوں کا مقام ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے کفر و نفاق کی وجہ سے انہیں لوٹا دیا تھا۔

## معرکۂ احد

وصل :۔ جب لشکر اسلام احد میں پہنچا تو جانبین نے صفیں باندھیں۔ مسلمانوں نے احد کے نیچے یعنے اس کی جڑ میں صفیں باندھیں اور شوربختوں نے زمین شور میں صفیں باندھیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کی صفوں کو درست فرما رہے تھے۔ اور اس طرح صفیں باندھیں کہ احد پہاڑ پشت پر اور مدینہ مقابل یعنی سامنے آتا تھا۔ وہاں ایک پہاڑ ہے جسے عینین (بصیغہ تثنیہ اور بلفظ جمع بھی آیا ہے) کہتے ہیں اور یہ داہنی جانب واقع ہے یہ عینین پہاڑ میں ایک شگاف تھا۔ اور یہ خطرناک جگہ تھی۔ خطرہ تھا کہ دشمن پشت پر سے حملہ نہ کر دے۔ حضورؐ نے عبداللہؓ بن جبیر کو پچاس تیراندازوں کے ساتھ اس شگاف پر متعین فرمایا کہ وہ اس کی حفاظت کریں اور لشکر کفار مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ نہ کرنے پائے۔ اور اگر وہ گھسنے کی کوشش کرے تو ان پر تیراندازی کریں۔ اور انہیں یہ تاکید بھی فرمائی کہ کوئی حال بھی ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا خواہ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب آپ نے تاکید میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا اگر تم یہ دیکھو کہ ہمیں پرندے اٹھائے لئے جا رہے ہیں۔ تب بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کرنا۔ جب تک کہ کسی کو تمہارے بلانے کے لئے نہ بھیجوں۔ اگر تم دیکھو کہ ہم نے لشکرِ کفار کو شکست دیدی ہے اس وقت بھی تم نہ ہلنا۔ اور اگر وہ ہم سب کو قتل کر دیں تب بھی جنبش نہ کرنا۔

عکاشہؓ بن محصن اسدی کو میمنہ پر اور ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی کو میسرہ پر اور ابوعبیدہ بن جراح اور سعدؓ بن ابی وقاص کو مقدمہ یعنے ہراول پر اور مقداد بن عمروؓ کو ساقہ پر مقرر فرمایا۔

مشرکوں نے بھی اپنی صفوں کو درست کیا۔ خالد بن ولید کو میمنہ پر، عکرمہ بن ابی جہل کو میسرہ پر اور ابوسفیان کو قلب میں متعین کیا۔ اور صفوان بن امیہ کو ایک روایت میں ہے عمرو بن العاص کو پیچھے پہاڑ کے شگاف کے برابر میں مقرر کیا۔ اور عبداللہ بن ربیعہ کو تیراندازوں پر امیر بنایا اور جھنڈے کو طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد کیا۔ اسی کو کبش کتیبہ بھی کہتے ہیں۔

اور ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جو شمشیر خواجہ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تھی اس پر یہ شعر لکھا ہوا تھا ؎

فی الجبن عار وفی الاقبال مکرمۃ والمرء بالجبن لا ینجو من القدر

بُزدلی میں عار ہے اور دشمن کا سامنا کرنے میں عزت۔ اور آدمی بُزدلی کر کے تقدیر سے نجات نہیں پا سکتا۔ حضورؐ نے فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے۔ بہت سے لوگ اسے لینے کے لئے کھڑے ہو گئے مگر حضورؐ اس شمشیر کو اسی شان سے لئے رہے اور کسی کو نہ دی۔ پھر حضرت ابو دجانہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسولؐ اللہ! اس کا حق کیا ہے۔ فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس کو دشمنوں پر اتنا چلایا جائے کہ یہ گھس کر خم کھا جائے۔ ابو دجانہؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! میں اسے اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضورؐ نے ان کو وہ تلوار عنایت فرمادی۔ ابو دجانہؓ ایک مردِ شجاع تھے جو جنگ میں خراماں خراماں چل کر مقابل آتے تھے جب حضورؐ نے ان کو تبختر کی اس صفت و حال میں دیکھا تو فرمایا یہ وہ رفتار ہے جسے حق تعالیٰ دشمن رکھتا ہے مگر اس مقام میں نہیں۔ اس کے بعد ابو دجانہؓ میدانِ کارزار میں داخل ہوئے۔ وہ اپنے سر کو سُرخ پٹی سے باندھے ہوئے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ سر پر سُرخ پٹی باندھے داخل ہوئے تو انہوں نے بڑی شدت کے ساتھ جنگ کی اور مقابل آنے والا کوئی مشرک زندہ سلامت نہ بچا۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے اس ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں ہند زوجہ ابو سفیان، عورتوں کی ٹولی کے ساتھ مل کر رجزیہ اشعار گا رہی تھی اور دف بجا رہی تھی اور بدر کے مقتولوں کو رو پیٹ رہی تھی۔ انہوں نے تلوار سونت کر چاہا کہ ہند پر وار کریں مگر انہوں نے اپنے ہاتھ کو روک لیا اور فرمانے لگے یہ تلوار بڑی گراں قدر ہے۔ اس عورت کے خون سے اسے ناپاک نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد جانبین سے جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ لشکر کفار میں سے سب سے پہلے جس نے لشکر اسلام کی جانب تیر پھینکا وہ ابو عامر فاسق تھا اسے ابو عامر راہب بھی کہتے ہیں یہ اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کو لے کر آیا تھا اور اس نے یہ نعرہ لگایا تھا کہ میں ہوں ابو عامر (لعنۃ اللہ علیہ) مسلمانوں نے اس کے جواب میں کہا لا مرحبا بک ولا اھلا یا فاسق۔ یعنی نہ تجھے سلامتی ہے اور نہ تیری آمد تجھے مبارک ہے او فاسق۔ اس کے بعد اس نے اپنی قوم کے ساتھ تیر اندازی شروع کر دی اسکے ساتھ قریش کے چند بچے بھی تھے جو لشکر اسلام پر سنگباری کرتے تھے۔ مسلمان بھی اس جماعت پر تیر و پتھر پھینک رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ فاسق اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ بدبخت ابو عامر، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نورِ نبوت کے ظہور سے پہلے آپ کے حالات اور آپ کی بعثت کی خبریں دیا کرتا تھا۔ بعثت کے بعد اس نے انکار کیا اور اپنے قول سے برگشتہ ہو کر حضورؐ کے ساتھ جنگ و جدال کیا۔ اس کا پورا قصہ کتب سابقہ کی

خبروں، بشارتوں اور امم ماضیہ کے حالات کے ضمن میں پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے بعد طلحہ بن ابی طلحہ جو کفار قریش کا علمدار تھا نکلا اس نے آواز دی اور اپنا مقابل مانگا۔ اس کے مقابلہ کے لئے شیر بیشہ ہیجاء ہزبر میدانِ وغا سیدنا علی مرتضےٰ وجہہ میدان میں تشریف لائے۔ مقابلہ کیا اور تلوار اس کے سر پر ماری جو بھیجا چیرتی نکل گئی۔ پھر وہ لوٹ آئے اور اپنی صف میں شامل ہو گئے۔ صحابہ نے کہا آپ نے طلحہ کا کام تمام کیوں نہ کر دیا جواب دیا کہ جب وہ گرا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی تھی اس نے مجھے قسم دی کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ ........... اس حالت میں اس کے دوبارہ در پے آنے میں مجھے حیا آئی اور میں نے یہ جان لیا کہ وہ بہت جلد ہلاک ہو جائے گا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اسے مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر نے ہلاک کیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ کبش کتیبہ، جس کی ہلاکت کو حضورؐ نے خواب میں دیکھا تھا وہ یہی تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے مشرکوں پر پے در پے حملے شروع کر دیئے اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبد المطلب میدان میں آئے اور عثمان بن ابی طلحہ کو قتل کیا جو کفّار کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھا۔ ایک وار اس کے دونوں شانوں کے درمیان مارا اور ایک شانہ کاٹ ڈالا اس کے پھیپھڑے نمودار ہو گئے۔ پھر وہ لوٹ آئے اور نعرہ لگایا اَنَا ابْنُ سَاقِی الْحَجِیْج میں حاجیوں کو پانی پلانے والے کا فرزند ہوں۔ اس سے مراد حضرت عبد المطلب ہیں کہ حرم کا سقایہ اُن کے سپرد تھا۔

اس کے بعد ابو سعد بن ابی طلحہ نے کافروں کا جھنڈا اُٹھایا اسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہٗ نے ہلاک کر دیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار کے علم کو یکے بعد دیگرے دس اشخاص نے اٹھایا یہاں تک کہ ایک عورت جس کا نام عمرہ تھا اور وہ علقمہ حارثیہ کی بیٹی تھی علمدار قریش ہوئی۔ وہ سب مارے گئے۔ جس نے بھی اپنے لشکر سے سر نکالا وہ سر کے بل گرا۔ اس کے بعد مسلمان دشمنوں پر ایک دم ٹوٹ پڑے اور ان پر حملہ کر کے مشرکوں کو میدان سے بھگا دیا اور انہیں ہزیمت دیدی۔ وہ مغنیات جو گا رہی تھیں بجائے گانے کے رونے پیٹنے، چیخنے چلانے اور واویلا کرنے لگیں۔ انہوں نے دفوں کو ہاتھوں سے پھینک دیا اور اپنے دامنوں کو اٹھا لیا۔ یہاں تک کہ ان کی پنڈلیاں اور ان کے پازیب کھل گئے اور وہ پہاڑ کی طرف بھاگنے لگیں۔

خالد بن ولید (اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے اور کفار کے ساتھ تھے) اس نے مشرکوں کی ایک ٹولی کے ساتھ لشکر اسلام کے پیچھے، پہاڑ کے شگاف میں داخل ہونے کی کوشش کی تو ان تیراندازوں نے جن کو حضورؐ نے وہاں متعین کیا تھا تیر مار مار کے انہیں دھکیل دیا۔ خالد نے کئی حملے کئے مگر کوئی کارگر نہ ہوا بالآخر وہ لوٹ گیا اور گھات میں لگا رہا۔ بالآخر مسلمان لشکر کفار پر غالب آ گئے اور ان کو

ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔ اچانک ایک چشمِ زخم بجمال شاہدِ اقبال پہنچا۔ وہ اس طرح کہ جب تیر اندازوں نے یہ دیکھا کہ لشکر کفار کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑ گیا ہے اور مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے ہیں اور حضورؐ کے مقرر کردہ تیر انداز بھی اپنی جگہ سے ہل گئے ہیں تیر انداز دستہ کے امیر بھی بے صبری دکھائی، ہر چند کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے کلام مبارک میں بار بار مبالغہ کے ساتھ تاکید فرمائی تھی کہ یہاں سے نہ ہلنا اور مرکز کو نہ چھوڑنا، لیکن ان میں سے اکثر مال غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ عبداللہ رضؓ بن جبیر نے چند لوگوں کے ساتھ جو تعداد میں دس تھے ثابت قدمی دکھائی یہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے۔ اس وقت خالد بن ولید جو اس سے پہلے کئی مرتبہ اس رخنہ پر حملہ کر چکا تھا اور اس میں داخل ہو کر لشکر اسلام پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن ہر بار تیر اندازوں کے مقابلہ اور ان کی کثرت تیر اندازی سے خائب وخاسر ہو کر لوٹ گیا تھا۔ مگر وہ مطلقاً مایوس نہ ہوا تھا اور برابر گھات میں لگا ہوا تھا وہ غفلت کا منتظر تھا کہ کب مسلمانوں کی یہ جماعت اس طرف سے غافل ہو۔

چنانچہ جب یہ لوگ غافل ہو گئے تو وہ عکرمہ بن ابو جہل مشرکوں کی ٹولی کے ساتھ حضرت عبداللہ رضؓ بن جبیر پر حملہ آور ہو گیا۔ اور ان کو ان کے چند ساتھیوں کے ساتھ جو گنتی کے چند نفر تھے شہید کر دیا اور پھر اس نے اس شگاف سے نکل کر مسلمانوں کے عقب پر حملہ کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کو تلواروں پر رکھ لیا اور بیدریغ قتل کرنے لگا۔ لشکر اسلام میں اضطراب عظیم اور ہل چل پیدا ہو گئی اور تمام لشکر تتر بتر ہو گیا اور ان کی حالت حد درجہ پراگندہ ہو گئی۔ مسلمان ایک دوسرے پر پل پڑے اور ان میں پہچاننے کا شعور نہ رہا۔ چنانچہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسید رضؓ بن حضیر کو مسلمانوں ہی سے دو زخم پہنچے اور ابو بردہ رضؓ کو بھی مسلمانوں ہی سے دو زخم لگے۔ جب یہ معاملہ حضورؐ کے سامنے پیش ہوا تو فرمایا یہ بھی اللہ کے ہی راستہ میں ہے۔ حضرت یمان، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے والد مسلمانوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس کے بعد حضرت حذیفہ رضؓ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے اور تم پر رحمت کرے وہ ہمیشہ ہی اپنے قاتلوں کے حق میں دعائے خیر اور استغفار کرتے رہتے تھے۔ جب یہ معاملہ حضورؐ کی خدمت میں پیش ہوا تو فرمایا تم حضرت یمان کی دیت ادا کرو۔ حضرت حذیفہ رضؓ نے اپنے والد کی دیت لے کر مسلمانوں پر ہی صدقہ کر دی۔

الغرض اشرار وکفار نے غلبہ پایا اور اخیار بھاگنے لگے اور ایک دم سارا معاملہ الٹ کر رہ گیا کافروں نے میدان جلادت میں قدم رکھا اور اہل اسلام کے قتل میں مشغول ہو گئے۔ یہ بدقسمتی، نافرمانی رسول خدا کی بدولت انہیں پہنچی۔ جو تیر اندازوں کی جماعت سے صادر ہوئی تھی اور دنیاوی مال وزر کے جمع کی طمع اور میلان نے ان کو اس حال میں پہنچایا جس سے لشکر اسلام کو شکست کا سامنا کرنا

پڑا (انا للہ وانا الیہ راجعون) تاہم عنایت الٰہی ان مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئی اور سب کو معاف فرمادیا گیا، تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ حضرت حق جل وعلیٰ جس کے ساتھ نظر عنایت وقبول رکھتا ہے اس کو اپنی بارگاہ سے دور نہیں فرماتا اور اسے رد نہیں کرتا۔ یہ سب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھنے کی بدولت اور آپ کے طفیل میں ہے جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ۔

بے شک وہ ایمان دار بندے جنہوں نے دونوں گروہوں کے ملنے کے دن منہ پھیرا تھا در اصل ان کو شیطان نے نبی کے بعض حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے پھسلایا تھا بلاشبہ اللہ نے ان سب کو معاف فرمادیا اور اللہ غفور ورحیم ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس وقت صحابہ چار قسموں میں بٹ گئے تھے۔ صحابہ کی ایک قسم جنگ میں مصروف تھی اور وہ شہید ہو رہی تھی، دوسرا گروہ بھاگ رہا تھا اور پہاڑ کی گھاٹیوں اور کونوں میں چھپ رہا تھا۔ اور بعض شہر میں جاکر ٹھیر گئے تھے ان میں حضرت عثمانؓ بن عفان بھی تھے۔ جو جنگ کی آگ ٹھنڈی ہونے کے بعد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اس آیۂ کریمہ کے شامل حال ہو کر عفو ومغفرت کی تحریر حال کی پیشانی اور ان کے نامۂ اعمال میں لکھی گئی۔ اور ایک جماعت مرکز صدق پر ثابت قدم رہی، راہِ فرار سے محفوظ رہی (رضی اللہ عنہم اجمعین)

اس جگہ خیال ہوتا ہے کہ سبحان اللہ یہ وہی خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے بعد میں مسلمان ہو کر اس کثرت سے اسلامی فتوحات کیں کہ ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ "خَالِدٌ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللّٰهِ" یعنی خالد اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ اور وہ تمام حجابات جو درمیان میں حائل تھے انوار ساطعہ کے وجود اور اَلْاُمُوْرُ مَرْهُوْنَةٌ بِاَوْقَاتِهَا (تمام کام اپنے وقتوں کے ساتھ موقوف ہیں) کے اسرار کے ظہور سے مرتفع ہو گئے۔ یہ حال تھا حضرت خالدؓ کا۔ اور انہیں کے باپ ولید بن مغیرہ تھے جو کافروں میں بہت سخت اور سب سے زیادہ جھگڑالو تھے جس طرح کہ ابوجہل، عکرمہ کا باپ تھا اور انہیں دونوں نامرادوں سے دو نیک بخت اور سعادت مند فرزند پیدا ہوئے یعنی ولید بن مغیرہ سے حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ابوجہل لعین سے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور ان دونوں کے درمیان ایسے علاقہ کا اتفاق پڑا کہ ان دونوں فرزندوں کو تو اب ہم رضی اللہ عنہم کہتے ہیں اور ان دونوں کے باپوں کو لعنۃ اللہ علیہم کہتے ہیں۔ حق ہے۔ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ۔

مُردوں سے زندوں کو پیدا فرماتا ہے۔" اور بسا اوقات اس کا برعکس بھی واقع ہوتا ہے کہ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ۔ کہ زندے سے مردہ پیدا کرتا ہے اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جس وقت مسلمانوں میں افتراق وانشقاق پھیلا ہوا تھا اور وہ ابتری کی حالت میں تھے۔ ابن قمیہ نے جو کہ ان بے سعادتوں کا رئیس تھا۔ بلند آواز سے کہا "اَلَا اِنَّ مُحَمَّدًا قُتِلَ" باخبر ہو جاؤ کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) قتل ہوگئے (معاذ اللہ) ایک روایت میں ہے کہ ابلیس ملعون جعال بن سراقہ کی آواز میں پکارا تھا۔ اس کی دلیل میں خباب بن جبیر اور ابو بردہؓ روایت کرتے ہیں کہ جعال بن سراقہ ہمارے پہلو میں تھا اور وہ آواز اس کے ماسوا کسی اور کی تھی اور عجیب وغریب روایت یہ ہے جسے صاحب معارج نے بیان کیا ہے کہ شیطان کی یہ آواز کہ (معاذ اللہ) "حضورؐ قتل ہوگئے" مدینہ تک میں پہنچی۔ یہاں تک کہ مدینہ کے گھروں میں بھی سنی گئی۔ اور سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جب یہ آواز سنی تو گھر کی عورتوں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر باہر نکل کر دوڑنے لگیں اور ہاشمی عورتیں بھی رونے لگیں۔ ایسا پتہ چلتا ہے کہ سیدہ زہرہ رضی اللہ عنہا اس آواز کو سننے کے بعد مدینہ طیبہ سے احد پہنچ گئیں۔ جیسا کہ آپ کے ذکر شریف کے ضمن میں آئے گا۔

اگرچہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے اور وہ ثابت قدم نہ رہے تھے مگر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ ثابت وقایم تھے۔ اور آپ کے گرد چودہ آدمیوں کے سوا کوئی نہ رہا تھا جن میں سات انصاری تھے اور سات مہاجرین میں سے تھے۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام، حضرت طلحہ بن عبداللہ اور ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم تھے اور انصار میں سے حضرت خبابؓ بن المنذر، حضرت ابو دجانہ حضرت عاصمؓ بن ثابت، حضرت سہلؓ بن حنیف، حضرت اسیدؓ بن حضیر، حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت حارث بن صیحہ رضی اللہ عنہم۔ یہ چودہ حضرات باقی رہے۔ بعض ارباب سیر روضۃ الاحباب میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت محمدؓ بن مسلمہ بھی ان میں تھے۔

بندہ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنے شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ ان میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا گیا حالانکہ وہ بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی موجود تھے۔ اور ثابت قدم رہے تھے۔ اور جب صحابہ مجتمع ہوئے اور حضورؐ کے قریب آئے تو انہوں نے ان کو وہاں دیکھا اور جب ابوسفیان نے پکار کر کہا هَلْ فِی الْقَوْمِ مُحَمَّدٌ هَلْ فِی الْقَوْمِ ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ هَلْ فِی الْقَوْمِ ابْنُ الْخَطَّابِ یعنے کیا مسلمانوں میں محمد ہیں؟ کیا مسلمانوں

میں ابوبکرؓ ہیں؟ اور کیا مسلمانوں میں عمرؓ بن الخطاب ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا کوئی جواب نہ دو۔ بالآخر حضرت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بے چین ہو گئے اور انہوں نے اس کا جواب دیا اس سے پہلے ارباب سیر کوئی تفصیل بیان نہیں کرتے کہ وہ تیر اندازوں کے درمیان تھے یا ان لوگوں کے درمیان تھے جنہوں نے ہزیمت اٹھائی تھی یا ان لوگوں کے درمیان تھے جن کے قدم ڈگمگا گئے تھے اور حالات میں شک و اشتباہ واقع ہو گیا تھا۔ کوئی تفصیل مذکور نہیں اس طرح یہ حکایت مشکل و مشتبہ ہی رہتی ہے (واللہ اعلم) البتہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے کہ وہ روزِ احد اس وقت مدینہ منورہ چلے آئے تھے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اس نے پوچھا مجھے بتایئے کہ کیا حضرت عثمانؓ روزِ احد مدینہ چلے آئے تھے فرمایا ہاں! پھر اس نے کہا کہ کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ روز بدر بھی غائب تھے اور موجود نہ تھے فرمایا ہاں! پھر اس نے کہا کیا پتہ ہے کہ بیعتِ رضوان میں بھی پیچھے رہ گئے تھے اور موجود نہ تھے فرمایا ہاں! اس پر اس مرد نے تکبیر بلند کی۔ اس کے

بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا آمین! میں تجھے وہ بات بتاؤں جو تو پوچھنا چاہتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ روز احد جو حضرت عثمانؓ مدینہ آ گئے تھے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ نے اس میں انہیں معاف کر دیا ہے اور اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ فرمایا جو پہلے گزر چکی ہے۔ اب رہا بدر سے غائب رہنا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی زوجہ محترمہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی علالت کی بنا پر حضورؐ کے ارشاد ان کی تیمارداری کے لئے رکے تھے اور ان سے فرمایا تھا کہ تمہارا ثواب اتنا ہی ہے جتنا بدر میں حاضر رہنے والے شخص کا ہے اور ان کو برابر کا حصہ عنایت فرمایا۔ اب رہا بیعت رضوان سے ان کا غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہل مکہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کو بتائیں کہ حضورؐ عمرہ کرنے تشریف لائے ہیں جنگ کے قصد سے نہیں آئے ہیں۔ اگر حضورؐ کے نزدیک ان سے زیادہ کوئی اور عزیز ہوتا تو آپ اس کو بھیجتے لیکن حضرت عثمانؓ ہی کو بھیجا۔ اور بیعت رضوان کا وقوع، حضرت عثمانؓ کے مکہ مکرمہ روانہ ہو جانے کے بعد ہوا۔ اور حضورؐ نے اپنے داہنے دست اقدس کو اپنے بائیں دستِ اقدس پر مار کر فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے اس مرد سے فرمایا اس علم کو اپنے حال کے ساتھ شامل کر لے۔ یہ مرد حضرت عثمانؓ کے ساتھ سوء اعتقاد رکھتا تھا لہٰذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، اس جماعت میں داخل تھے جو شکست کھا گئی تھی، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حال مشخص اور مصرح بیان نہیں کیا گیا کہ وہ کس جماعت کے ساتھ تھے۔ اگر اس جماعت میں داخل تھے جو حضور کے ساتھ باقی رہے تھے تو حدیث میں ذکر کیوں نہ کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

## سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی شہادت

وصل :۔ اب رہا حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ! تو اس کا مجمل بیان یہ ہے کہ جب جنگ کے لئے صف بندی ہو گئی تو سباع بن عبد العزیٰ خزاعی نکلا اور کہا کوئی ہے جو میرے مقابل باہر نکل کے آئے؟ اس پر حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب میدان میں تشریف لائے اور اس پر حملہ کیا اور اسے کل (گزشتہ دن) کی مانند وہ جہان سے چلا گیا اور نابود ہو گیا۔ وحشی ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا جب حضرت حمزہؓ اس کے قریب پہنچے تو وحشی نے اپنا "حربہ" ان پر اس طرح پھینکا کہ اس کا سرا دوسری طرف پار ہو گیا۔ اور آپ کی شہادت واقع ہو گئی (حربہ خنجر نشانہ پر پھینک کر مارنے کو کہتے ہیں) یہ ہے اس واقعہ کی تفصیل۔

بخاری میں جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عبید اللہ بن عدی بن خیار کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے جب ہم حمص میں پہنچے تو عبید اللہ بن عدی سے کہا، کیا وحشی کو دیکھنے کی تمہیں خواہش ہے کہ ہم اس سے دریافت کریں کہ حضرت حمزہؓ کو کیسے شہید کیا؟ اس نے کہا "ہاں خواہش تو ہے۔ وحشی حمص میں رہتا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا پتہ دریافت کیا لوگوں نے کہا وہ سامنے ایک مکان کے سایہ میں بیٹھا ہے۔ جو ایک بڑی مشک کی مانند ہے۔ اس کے بعد ہم اُس کے پاس پہنچے اور اس کے سرہانے تھوڑی دیر کھڑے رہے اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ عبید اللہ بن عدی نے جو اپنے سر اور چہرے کو اپنے عمامے سے ڈھانپے ہوئے تھے وحشی سے کہا تم مجھے پہچانتے ہو؟ وحشی نے کہا میں نہیں پہچانتا۔ پھر عبید اللہ نے اپنے چہرے کو کھولا اور کہا تم مجھے حضرت حمزہؓ کے شہید کرنے کے بارے میں کچھ بتا نہیں سکتے؟ اس نے کہا "ضرور! بات یہ ہے کہ حضرت حمزہؓ نے طعیمہ بن عدی بن خیار کو بدر میں مار ڈالا تھا اس پر میرے مالک جبیر بن مطعم نے کہا اگر تو حمزہؓ کو میرے چچا، طعیمہ بن عدی کے بدلہ میں قتل کر دے تو تو آزاد ہے۔ وحشی بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد جب لوگ سال عینین میں نکلے (عینین ایک پہاڑ ہے جو احد کے برابر واقع ہے) اس سے مقصود غزوۂ احد ہے تو میں بھی لوگوں کے ساتھ جنگ کے لئے نکلا پھر جب صف بندی ہو چکی تو سباع جنگ کے لئے باہر نکلا اور اس نے پکارا کہ کوئی ہے جو میرے مقابل آئے۔ حضرت حمزہؓ بن عبد المطلب اس کے مقابلہ کے لئے تشریف لائے۔ اور انہوں نے کہا او سباع، او ام انمار مقطعۃ البظور کے بیٹے، تو خدا اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا اور اسے گزشتہ دن کی مانند کر دیا۔

وحشی بیان کرتا ہے کہ میں ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں چھپا بیٹھا تھا جب حمزہؓ میرے قریب ہوئے

تو میں نے اپنا "حربہ" (خنجر) ان پر پھینکا میں نے ناف اور عانہ کے درمیان نشانہ لگایا تھا، یہاں تک کہ وہ ان کی رانوں کے درمیان نکل آیا۔ اور یہی ان کا آخری وقت بنا۔ جب لوگ مکہ واپس آئے تو میں بھی ان کے ساتھ لوٹ آیا، اور اس وقت تک وہاں ٹھیرا رہا جب تک کہ اسلام مکہ میں پھیلا۔ اس کے بعد میں طائف کی طرف بھاگ گیا۔ جب حضورؐ نے مکہ مکرمہ فتح فرمایا اور اہل طائف نے حضورؐ کی طرف قاصدوں کو بھیجا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضورؐ قاصدوں کو کوئی گزند نہیں پہنچاتے مطلب یہ کہ تو بھی اس جماعت کے ساتھ چلا جا، سلامت رہے گا، یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے حضور آیا۔ جب مجھ کو رسول خداؐ نے دیکھا تو فرمایا "کیا تو ہی وحشی ہے؟" میں نے کہا "ہاں!" فرمایا "کیا تو نے ہی حمزہؓ کو شہید کیا ہے؟" میں نے عرض کیا "واقعہ تو یہی ہے جیسا کہ آپ کو پتہ چلا ہے" فرمایا "کیا تجھ سے ممکن ہے اپنے چہرے کو میرے سامنے سے ہٹالے"! (مطلب یہ کہ تو میرے سامنے ہو کر نہ بیٹھ، اگر پس پشت یا اِدھر اُدھر بیٹھے تو اچھا ہے) اس کے بعد میں چلا گیا۔ جب رسول اللہؐ اس دنیا سے رحلت فرما چکے تو میں نے مسیلمہ کذاب کی طرف یہ خیال کر کے خروج کیا اور باہر آیا کہ شاید میں مسیلمہ کو ہلاک کرسکوں اور اس طرح حضرت حمزہؓ کے قتل کے جرم کی مکافات کرسکوں۔ اس کے بعد میں اس کی طرف چلا۔ پھر وہی امر واقع ہوا جو کہ واقع ہو چکا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے دیوار کے درمیان گویا وہ ایک اونٹ سفید و سیاہ ہے جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں میں نے اپنا حربہ اس کی طرف پھینکا اور اس کے دونوں پستانوں کے درمیان مارا جو اس کے دونوں شانوں کے درمیان سے نکل گیا۔ اور ایک انصاری شخص نے اس کی طرف جست لگائی اور اس کے سر پر تلوار ماری اس کے بعد لونڈی جو چھت کے اوپر کھڑی تھی چیخ اٹھی کہ "امیر المومنین" یعنی مسیلمہ کذاب کو ایک سیاہ رو غلام نے مار ڈالا، یہ حدیث بخاری کا ترجمہ ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وحشی، طعیمہ بن عدی کے کہنے سے احد کی طرف حضرت حمزہؓ کے قتل کرنے کے ارادہ سے چلا تو راہ میں ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان، مادرِ معاویہ ملی یہ وحشی کے پاس جب بھی پہنچ لے اسے ترغیب دیتی کہ مردانہ شان سے رہنا۔ کیوں کہ جب تک تو ہماری خاطر داری نہ کرے گا تجھے آزادی میسر نہ آئے گی، میں بھی تجھے بہت کچھ دوں گی۔ کیوں کہ میرے باپ عتبہ کو روزِ بدر، حمزہؓ نے ہی مارا تھا۔ وحشی کہتا ہے کہ اتفاقاً میں نے میدان جنگ میں حضرت حمزہؓ کو دیکھا کہ وہ شیر مست کی مانند اپنی قوم سے نکل کے آرہے ہیں۔ اور لشکر قریش کی صفوں کو درہم برہم کر رہے ہیں۔ اچانک سباع بن عبدالعزیٰ خزاعی کفار کی صفوں سے نکل کے آیا اور اس نے اپنا مقابل مانگا

حضرت حمزہؓ اس کے مقابل ہوئے اور اسے مار ڈالا میں ایک پتھر کی اوٹ میں بیٹھا ہوا ان کی گھات میں تھا۔ میں حربہ خوب چلاتا ہوں میرا حربہ کم خطا کرتا ہے جب حضرت حمزہؓ بے خبری میں میرے پاس سے گزرے تو میں نے اپنا حربہ، ان کے عانہ پر پھینکا، وہ دوسری طرف پار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت حمزہؓ میری طرف متوجہ ہوئے ہیں میں یہ دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا پھر وہ زمین پر آرہے۔ ان کے ساتھیوں کی ایک جماعت ان کے پاس پہنچ گئی۔ اور انہوں نے مخاطب کیا کہ "اے ابو عمارہ!" مگر حضرت حمزہؓ نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے جان لیا کہ ان کا وقت آخر ہو گیا میں نے ان کے چلے جانے کا انتظار کیا یہاں تک کہ وہ لوگ ان کے پاس سے چلے گئے۔ میں ان کے پاس پہنچا اور اپنے خنجر سے پیٹ کو چیر کر ان کا جگر نکالا۔ اور اسے ہند بنت عتبہ کے پاس لے آیا اور کہا "یہ ہے تیرے باپ کے قاتل، حمزہ کا جگر!" اس نے مجھ سے لیا اور منہ میں چبا کر تھوک دیا (گویا کہ ہند نے وحشی سے کہہ رکھا تھا کہ جب تو حمزہ کو شہید کر دے تو ان کا جگر میرے پاس لانا۔ یا پھر یہ سیاہ قاسی القلب، از خود اسے اس کے پاس لے گیا تھا)

اور ہند نے اپنے کپڑے، زیور اور تمام سونا چاندی مجھے دیدیئے اور وعدہ کیا کہ جب مکہ پہنچوں گی تو تجھے سرخ سونے کی دس اشرفیاں اور دوں گی۔ ہند نے مجھ سے کہا مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں ان کی لاش ہے؟ میں اسے وہاں لے گیا۔ اس نے ناک، کان اور ہاتھ پاؤں کاٹ لئے اور اپنے ساتھ مکہ میں لے آئی۔ اسی بنا پر حضرت حمزہؓ کے جگر کو چبانے والی ہند کو آکلۃ الاکباد (جگر کھانے والی) کہا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ کافروں کے چلے جانے کے بعد مسلمان میدان جنگ میں آئے اور اپنے شہیدوں کو تلاش کرنے لگے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے چچا کیا ہوئے، حمزہؓ کیا ہوئے؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ انھیں تلاش کرتے ہوئے حضرت حمزہؓ کے پاس پہنچے۔ ان کی اس ہیئت و حالت کو دیکھ کر رونے لگے۔ واپس ہو کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو صورت واقعہ سے باخبر کیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم، حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور حضرت حمزہؓ کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا مَا وَقَفْتُ مَوْقِفًا اَغْيَظَ مِنْ هٰذَا۔ فرمایا کہ "خدا کی قسم اگر قریش میرے ہاتھ پڑ جائیں تو میں ان کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں۔" اسی وقت جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔

اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ۔

مطلب یہ کہ اگر تم عذاب کرو اور سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنا تم کو ستایا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو یقیناً صبر کرنے والوں کے لئے صبر بہتر ہے۔" حضورؐ نے فرمایا خدا کی قسم! میں نے صبر کیا۔ اور اپنے اس

جوش سے درگزرا اور اس کے بدلے ستر مرتبہ حضرت حمزہؓ کے لئے استغفار فرمائی، حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا اگر سیّدہ صفیہؓ کی خاطر درمیان میں نہ ہوتی تو میں حمزہؓ کو مدفون نہ کرتا اور انہیں سباع وطیور کے کھانے کے لئے چھوڑ دیتا' اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے شکموں سے حشر فرماتا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب سیّدہ صفیہؓ حضورؐ کی پھوپھی یعنی حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی ہمشیرہ، دور سے آتی ہوئی نظر آئیں تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ان کے فرزند حضرت زبیرؓ بن العوام سے فرمایا جاؤ اپنی والدہ کو لوٹا کر لے جاؤ تاکہ وہ اپنے بھائی کو اس حال میں نہ دیکھیں، روضۃ الاحباب میں ہے کہ آخر میں حضرت صفیہؓ حضرت حمزہؓ کے پاس آئیں وہ اور سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ ان کے رونے سے حضورؐ بھی گریہ کناں ہوئے۔ اور فرمایا حمزہؓ بن عبدالمطلب کو ساتویں آسمان والوں کے درمیان "اسد اللہ" اور "اسد رسولہ" لکھا گیا ہے اور فرمایا ان کے لئے قبر کھودیں اور دفن کریں شہداء کے دفن اور ان پر نماز پڑھنے کا ذکر آخر باب میں آئے گا۔

## صحابہ کرام کی شجاعتیں

وصل :۔ دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی اس غزوہ میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں اور انہوں نے محبت واخلاص کا حق ادا کیا ہے بعض اصحاب، شرف شہادت سے مشرف ہوئے اور بعض اصحاب باقی وزندہ رہے۔

## علی مرتضےٰ کی جوانمردی

حضرت علی مرتضےؓ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ جب کفار نے مسلمانوں پر غلبہ کیا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تو میں نے آپ کو مقتولوں اور شہیدوں میں جاکر تلاش کیا مگر نظر نہ آئے تو میں نے اپنے آپ سے کہا ممکن ہے حق تعالیٰ نے ہمارے فعل کی بناء پر ہم پر غضب فرمایا ہو اور اپنے نبی کو آسمان پر اٹھالیا ہو میں نے خود سے کہا اس سے بہتر یہی ہے کہ میں خوب جنگ کروں یہاں تک کہ میں شہید ہو جاؤں۔ میں نے تلوار سونت کر مشرکوں پر حملہ کر دیا۔ اور ان کے پرے کے پرے الٹ دیئے۔ اچانک میں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا کہ بصحیح وسلامت ہیں، میں نے جان لیا کہ حق تبارک وتعالےٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعہ آپ کی محافظت فرمائی ہے۔

منقول ہے کہ جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کو تنہا چھوڑ گئے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم جوش میں آئے اور آپ کی پیشانی ہمایوں سے پسینہ متقاطر ہوا اس حالت میں آپ نے علیؓ ابن ابی طالب کو ملاحظہ فرمایا کہ آپ کے پہلوئے مبارک پر کھڑے ہیں فرمایا

کیا ہے تم کیوں اپنے بھائیوں کے ساتھ نہیں مل گئے۔ حضرت علی مرتضےٰ نے فرمایا "اَکْفُرُ بَعْدَ اِیْمَانٍ ایمان کے بعد کفر نہیں ہے اِنَّ لِیْ بِکَ اُسْوَۃٌ بے شک میرے لئے آپ ہی کی اقتداء ہے مطلب یہ کہ مجھے تو آپ سے سروکار ہے۔ ان ساتھیوں اور بھائیوں سے نہیں جو غنیمت کے درپے ہو گئے اور ہزیمت کھا گئے ان سے مجھے کیا سروکار۔ اسی لمحہ کافروں کی ایک جماعت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب حملہ آور ہوئی۔ فرمایا اے علی میری اس ٹولی سے حفاظت کرنا اور نصرت وخدمت کا حق بجالانا کیوں کہ یہی وقت نصرت ہے۔ تو حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ اس جماعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ان کے گھیرے کو سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد سے توڑ کر انہیں متفرق کر دیا اور بہت سوں کو واصل جہنم کیا۔

مروی ہے کہ اس نازک مرحلہ میں فرشتے بھی حاضر ہوئے تھے جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام دو مردوں کی صورت میں سفید جامہ پہنے حضورؐ کے داہنے اور بائیں کھڑے تھے۔ اور آپ کی محافظت کرتے تھے اور کافروں کے ساتھ محاربہ میں مشغول تھے۔

مشہور یہ ہے کہ فرشتوں کا جنگ میں مشغول ہونا غزوۂ بدر کے ساتھ مخصوص ہے اس کے ماسوا میں ان کی موجودگی اور امداد واعانت ثابت ہے نہ کہ محاربہ ومقاتلہ جیسا کہ غزوۂ بدر میں اس کا مطلب بیان ہو چکا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نزول ملائکہ، ہزار بعد ہزار کے، قتال کفار کے لئے بدر کے ساتھ مخصوص ہو۔ لیکن رہی جبرئیل ومیکائیل کی خدمت گزاری چونکہ وہ آپ کی بارگاہ کے مخصوص خدمت گزاروں میں سے ہیں سو اس جگہ بھی ہوگی اور ان دونوں نے محاربہ کیا ہوگا اس میں کوئی منافات اور تعارض نہیں ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب علی مرتضےٰ نے کمال بہادری دکھائی اور حضورؐ کی نصرت کی تو جبرئیل علیہ السلام نے حضورؐ سے عرض کیا کہ علی مرتضےٰ نے آپ کے ساتھ کمال بہادری وجواں مردی دکھائی ہے حضورؐ نے فرمایا اِنَّہٗ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ بلاشبہ یہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں، یہ کمال اتحاد اخلاص اور یگانگی کا اظہار ہے۔ حدیث میں ہے جب حضورؐ نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا تو جبرئیل نے عرض کیا وَاَنَا مِنْکُمَا اور میں تم دونوں کا ہوں۔ بیان کرتے ہیں کہ غیب سے ایک آواز، لوگوں نے سنی جو کہہ رہا تھا لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار کوئی جوانمرد نہیں بجز علی کے اور کوئی تلوار نہیں بجز ذوالفقار کے۔ معارج النبوۃ اور کشف الغمہ میں اس واقعہ کی مانند اس سے زیادہ مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس کے آخر میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "اے علی تم نے اپنی تعریف سنی جو وہ فرشتہ جس کا نام آسمان میں رضوان ہے

کر رہا ہے وہ کہتا ہے لَافَتیٰ اِلَّا عَلِیّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار۔

روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ یہ حدیث اسی طریقہ سے بعض اکابر محدثین سے مروی ہے اور اہل سیر نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ لیکن امام ذہبی جو اسماء الرجال کے بیان کرنے کے امام ہیں۔ وہ "میزان الاعتدال" میں اس کی تصنیف وتکذیب کرتے ہیں (واللہ اعلم)

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ بمزید الصدق والیقین یعنے شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِي النَّوَائِبِ کا قصہ اسی معاملہ اور معرکہ سے متعلق ہے جو کہ احد میں واقع ہوا۔ لیکن حدیث کی کتابوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

الغرض حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے مقابلہ ومحاربہ اور مجادلہ وشجاعت کا ایسا حق ادا کر دیا کہ اس سے زیادہ تصور نہیں کیا جا سکتا بقیس سے مروی ہے وہ اپنے باپ سعد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی رض مرتضےٰ سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا احد کے دن مجھ پر سولہ۱۶ تلوار کی واریں پڑیں جن میں سے چار واروں پر تو میں زمین پر آ گیا۔ اور ہر مرتبہ مجھے ایک مرد خوبرو خوش بازو اٹھاتا اور وہ مجھے پاؤں پر کھڑا کر دیتا۔ اور کہتا کافروں پر حملہ کرو کیوں کہ تم خدا اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہو۔ اور یہ دونوں تم سے راضی وخوش ہیں۔ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس واقعہ کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم سے بیان کیا حضورؐ نے فرمایا تم اسے پہچانتے ہو میں نے عرض کیا نہیں، لیکن وحیہ کلبی کی شکل سے ملتی جلتی صورت تھی۔ فرمایا اے علیؓ اللہ تعالیٰ تمہاری آنکھوں کو خوب روشن کرے وہ جبریل علیہ السلام تھے۔

## حضرت طلحہؓ کی شجاعت

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی روز احد بڑی دلاوری دکھائی۔ اور یہی بہادری ان کے لئے داخلۂ جنت کا سبب بنی انہوں نے عظیم قتال کیا۔ حضورؐ نے فرمایا طلحہؓ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنا حق پورا پورا ادا کیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ کو حضورؐ کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ اور ابن قمیہ کی تلوار کے واروں کو آپ ہاتھ پر روکتے رہے۔ ان زخموں سے ان کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ طلحہؓ اپنے ہاتھ کو تیروں کی ڈھال بنائے رہے جب ایک کافر نے حضورؐ پر تیر پھینکا تو وہ حضرت طلحہؓ کی چھنگلیا پر لگا اور وہ بے کار ہو گئی۔ حدیث میں ہے کہ روز احد حضرت طلحہؓ نے اسی۸۰ زخم کھائے تھے۔ اس کے باوجود حفاظت کا حق ادا کرتے رہے۔ ایک مرتبہ تلوار کی دو ضربیں ان کے سر پر پڑیں اور وہ انتہائی الم کی حالت میں گر کر بیہوش ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آکر ان کے چہرے پر پانی کے چھینٹے دیئے اور ان کو ہوش میں لائے۔ ہوش میں آتے ہی انہوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کا کیا حال ہے فرمایا بخیریت ہیں،

اور آپ نے ہی مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ تو انہوں نے کہا الحمد للہ اب ہر وہ مصیبت جو اس کے بعد ہو آسان ہے۔ ان کے بقیہ حالات، ابن قمیہ ملعون کی شرارت کے احوال کے ذکر میں آئیں گے۔

## انس بن نضرؓ کی شجاعت

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ بن نضر جو انسؓ بن مالک کے چچا ہیں۔ واقعہ بدر میں حاضر نہ تھے۔ انہوں نے چاہا کہ روز احد حاضر ہو کر تلافی مافات کر کے گزشتہ عدم حاضری کا بدلہ کریں۔ جب انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ ہم نے سُنا ہے حضورؐ شہادت پا چکے ہیں اس کے بعد وہ صحابہ کے پاس پہنچے اور کہا کیا یہ جائز ہو گا کہ تم زندہ رہو اور تمہارے نبی کو شہید کر دیا جائے۔ یہ کہہ کر تلوار کشید کر کے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے اتفاقاً حضرت سعدؓ بن ابی وقاص ملے ایک روایت میں ہے کہ سعدؓ بن معاذ ملے ان سے فرمایا خدا کی قسم مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ اس کے بعد لشکر کفار کے قلب پر حملہ کیا اور خوب داد شجاعت دی یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ اور یہ بات پایہ صحت کو پہنچی کہ ان کو کچھ اوپر اسی زخم آئے تھے۔ چنانچہ ان کا جثہ شریف، شہیدوں کے درمیان معلوم نہیں ہوتا تھا ان کی بہن نے ان کی انگلی کے ایک تل سے انہیں پہچانا (رضی اللہ عنہ)

## سعدؓ بن ابی وقاص کی شجاعت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے تیر چھوڑنے کی صفت سے موصوف تھے (جیسا کہ پہلے غزوہ میں ذکر ہو چکا ہے) اور روز احد بھی تیر اندازی پر مامور تھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ سے فرماتے اِرْمِ سَعْدُ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي اے سعدؓ تیر پھینک تجھ پر میرے ماں باپ فدا، مالک بن زہیر ایک کافر تھا اور اس نے بہت سے مسلمانوں کو زخمی کر کے شہید کیا تھا اور بہت سوں کو زخمی کیا تھا حضرت سعد بن ابی وقاص نے اس کی آنکھ پر تیر مارا جو اس کی گدی سے باہر نکل گیا، اور وہ جہنم رسید ہوا۔ اور مسلمانوں نے اس کی شیطنت سے نجات پائی۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کے لئے دعائے خیر کر کے فرمایا أَجَابَ اللّٰهُ دَعْوَتَكَ وَسَدَّدَ رَمْيَتَكَ۔ "اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرمائے اور تمہارے تیر کا نشانہ درست رکھے"۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت سعدؓ ایسے مستجاب الدعوات ہوئے کہ لوگ ان کی دعا کے متلاشی رہا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ حضرت سعدؓ آخر عمر میں نابینا ہو گئے، لوگوں نے ان سے کہا آپ لوگوں کے لئے تو شفا کی دعا فرماتے ہیں اپنے لئے کیوں دعا نہیں کرتے تاکہ حق سبحانہ وتعالیٰ تمہاری بینائی لوٹا دے۔ فرماتے اللہ تعالیٰ کی قضا مجھے بینائی سے زیادہ محبوب ہے۔ حق تعالےٰ جو چاہے گا اپنے لئے

اس کا حکم، اپنی آنکھ کی بینائی سے زیادہ عزیز ہے۔

## حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری کی جانبازی

حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے تھے اور خود کو حضور کی ڈھال بنائے ہوئے تھے۔ وہ فن تیر اندازی میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ اور کمان کو بہت سخت کھینچا کرتے تھے۔ اس روز انہوں نے تین کمانیں توڑی تھیں وہ نعرہ مار کر تیر کو اپنے ترکش سے نکال کر پھینکتے تھے ان کے پاس پچاس تیر تھے اور ہر تیر پر جب دشمن کی طرف اسے پھینکتے تو نعرہ لگاتے اور کہتے یَارَسُوْلَ اللّٰہِ نَفْسِیْ اَدُوْنَ نَفْسِکَ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاکَ اے اللہ کے رسول میری جان آپ کی جان سے کم ہے اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔ اور میری جان وتن آپ پر فدا ہوں جب اُن کے تیر ختم ہو گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، زمین سے چوب۔ اٹھا کر دیتے اور فرماتے اِرْمِ یَا اَبَا طَلْحَۃَ اے ابوطلحہ اسے پھینکو، چنانچہ جب وہ اسے کمان کے چلہ میں رکھ کر کھینچتے اور دشمن کی جانب پھینکتے تو وہ تیر بنجا۔

اور جب کوئی مسلمان شخص حضور کے پاس سے گزرتا اور اس کے پاس تیر موجود ہوتے تو فرماتے ان تیروں کو ابوطلحہ رضی کے لئے چھوڑ جاؤ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس سے فرماتے لشکر اسلام میں ابوطلحہ چالیس مردوں سے بہتر ہے۔

حیرت وتعجب ہے کہ فن تیر اندازی میں ابوطلحہ کی اتنی مہارت وبصارت کے باوجود، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مشہور ہوئے اور ان کی ذات ضرب المثل بن گئی ظاہر ہے کہ ان کی یہ شہرت اس بنا پر ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں تیر چلانے میں اولیت وسابقیت اور اس میں استقامت و ثبات رکھتے تھے (واللہ اعلم)

## متعدد صحابہ کی فداکاریاں

روز احد ایک تیر حضرت قتادہ رض بن النعمان کی آنکھ میں لگا اور ان کی آنکھ نکل کر ان کے رخساروں پر آپڑی، پھر حضور نے ان کی آنکھ کو اس کے حلقہ میں لوٹا کر فرمایا اَللّٰھُمَّ اَکْسِبْہُ جَمَالًا اے خدا ان کو حسن وجمال عطا فرما! ان کی یہ آنکھ دوسری آنکھ سے زیادہ تیز روشن اور خوبصورت ہوگئی۔

حضرت عبداللہ رض بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی حضور نے ان کو کھجور کی ٹہنی عنایت فرمائی۔ یہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی جس طرح کہ بدر میں حضرت عکاشہ رض کو عنایت فرمائی تھی اور انہوں نے اس کا نام عون رکھا تھا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ رضی نے اپنی اس تلوار کا نام عرجون رکھا۔ حضرت عکاشہ کی وہ تلوار جس کا نام عون تھا، امیر معتصم باللہ کے ہاتھ دو سو دینار میں فروخت کی گئی (واللہ اعلم)

## حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ کی شہادت

بارگاہ نبوت کے دلاوروں اور جانبازوں میں سے حضرت حنظلہؓ بھی تھے ان کو حنظلۃ الغسیل اور غسیل ملائکہ بھی کہا جاتا ہے۔ وہ مدینہ منورہ میں تھے۔ اور احد کی رات ہی ان کی شادی ہوئی تھی۔ رات کو اپنی زوجہ کے ساتھ شب باشی کی تھی۔ صبح کے وقت غسل جنابت کر رہے تھے اور ایک جانب سر کو دھو رہے تھے کہ اچانک سُنا کہ صحابہ پر تنگ وقت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ غیب سے ایک آواز سنی یَا غَسِیْلَ اللّٰہِ اِرْکَبِیْ۔ اے خدا کے مغسول سوار ہو جا۔" انہوں نے اسی حالتِ جنابت میں بے چین ہو کر اور احد شریف آکر دادِ شجاعت دی اور بہت سے کافروں کو جہنم رسید کر کے خود شہید ہو گئے (رضی اللہ عنہ)

اس کے بعد حضورؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ فرشتے انہیں غسل دے رہے ہیں آپ نے ان کے اس حال پر تعجب کیا۔ اور فرمایا ان کی زوجہ جس کا نام جمیلہؓ تھا اور یہ عبد اللہؓ بن ابی کی بہن تھیں ان سے پوچھو۔" انہوں نے حقیقتِ حال واضح کی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ غسل جنابت کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ جنبی تھے بعض ائمہ مثلاً امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس حدیث سے یہ استدلال وتمسک کرتے ہیں اور اس کے قائل ہیں کہ جنبی شہید کو غسل دیا جائے۔

جمیلہؓ زوجۂ حنظلہؓ غسیل ملائکہ بیان کرتی ہیں کہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان میں ایک دریچہ نمودار ہوا اور حضرت حنظلہؓ آسمان میں اس دریچہ سے داخل ہو گئے اس کے بعد وہ دریچہ بند ہو گیا۔ اس کی میں نے یہ تعبیر لی کہ حضرت حنظلہؓ شہادت پائیں گے۔

اربابِ سیر حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سُننے کے بعد میں حنظلہؓ کے پاس گیا میں نے دیکھا کہ ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں یہ عجیب صورت دیکھ کر میں نے حضورؐ سے عرض کیا۔

## عمروؓ بن جموح انصاری کا جذبۂ شہادت

عمروؓ بن جموح انصاری کی بڑی عجیب و غریب حکایت ہے وہ لنگڑے تھے اور ان کے چار صاحبزادے حضورؐ کی خدمت میں غزوات وجہاد میں حاضری دیتے رہتے تھے۔ جب انہوں نے چاہا کہ غزوۂ احد میں اپنی قوم کی موافقت کریں تو لوگوں نے کہا کہ تم لنگڑے شخص ہو۔ وَلَیْسَ عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ۔ لنگڑے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ تمہارے چار فرزند تو حضورؐ کی خدمت میں موجود ہیں: انہوں نے کہا ان کی کتنی خوش نصیبی ہے کہ میرے فرزند تو جنت میں چلے جائیں اور میں

تمہارے سامنے بیٹھا رہوں۔ ان کی بیوی نے کہا مجھے نظر آتا ہے کہ تم بھاگ کر لوٹ آؤ گے۔ عمروؓ نے یہ بات سُن کر ہتھیار تھامے اور دعا مانگی کہ اَللّٰھُمَّ لَا تَرُدَّنِیْ اِلٰی اَھْلِیْ اے خدا گھر نہ لوٹانا۔ اور باہر نکل گئے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جا کر اپنی قوم کے منع کرنے کی بابت عرض کیا اور کہا میں تمنا رکھتا ہوں کہ اپنے اس لنگڑے پاؤں سے جنت کے باغوں میں سیر کروں حضورؐ نے فرمایا عَذَرَكَ اللّٰهُ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معذور رکھا ہے تم پر مواخذہ نہیں ہے۔ حضرت عمروؓ نے مکرر التجا کی تو حضورؐ نے اجازت دیدی۔ حضرت ابو طلحہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمروؓ کو میدان کارزار میں دیکھا کہ وہ خرام کرتے اور جنگ کرتے اور کہتے جاتے کہ خدا کی قسم میں جنت کا مشتاق ہوں۔ ان کے چاروں بیٹے بھی میدان جنگ میں اپنے باپ کے عقب میں مصروف قتال تھے۔ یہاں تک کہ وہ سب شہید ہو گئے۔

مروی ہے کہ ہندؓ زوجہ عمروؓ بن جموح، اپنے شوہر عمروؓ، اپنے بیٹوں، اور اپنے بھائی کو جو شہید ہو چکے تھے خود ان کے جسموں کو اٹھا کر اونٹ پر بار کر کے مدینہ میں لانا چاہتی تھی تاکہ انہیں دفن کرے مگر اونٹ زانو کے بل زمین پر بیٹھ جاتا۔ اور جب بھی اونٹ کو جھڑک کر اٹھانا چاہتی تو وہ سو جاتا۔ ایک مرتبہ اس نے اٹھا کر اس کا مُنہ احد کی جانب کر دیا تو وہ چلنے لگا۔ ہندؓ زوجہؓ عمروؓ نے یہ ماجرا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا حضورؐ نے فرمایا تیرا یہ اونٹ مامور ہے اور ہندؓ سے پوچھا عمروؓ نے جاتے وقت کوئی بات تو نہ کہی تھی۔ اس نے کہا ہاں — احد شریف جاتے وقت روبقبلہ ہو کر یہ دعا مانگی تھی کہ اے خدا مجھے میرے گھر کی طرف نہ لوٹانا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ اونٹ مدینہ کی طرف نہیں جاتا۔

## حضرت مصعبؓ بن عمیر کی شہادت

غزوۂ احد کے صعب ترین واقعات میں سے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ احد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تو حضرت مصعبؓ بن عمیر جن کے ہاتھ میں مہاجرین کا عَلَم تھا۔ ابن قمیہ ملعون ان کی طرف متوجہ ہوا، اور اس نے تلوار کے وار سے ان کا داہنا ہاتھ کاٹ ڈالا اور انہوں نے عَلَم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور فرمانے لگے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ اور محمد نہیں ہیں مگر اللہ کے رسول، بیشک آپ سے پہلے بہت سے رسول گزرے ہیں، تو اس ملعون نے دوسرا وار کر کے بائیں ہاتھ کو بھی کاٹ دیا۔ حضرت مصعبؓ نے دوبارہ پھر یہی کلمہ پڑھا۔ اور دونوں بازوؤں سے عَلَم کو پکڑ کے اپنے سینہ سے ملا لیا۔ اس کے بعد اس ملعون نے

ایک تیر ان پر مارا وہ زمین پر آ رہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ کلمہ جس آئیہ کریمہ کا جز ہے وہ آیت اس وقت تک نازل نہیں ہوئی تھی۔ مگر حق تعالیٰ نے ان کی زبان پر جاری کرا دی جب عَلم زمین پر آ رہا تو حضرت مصعبؓ کے بھائی ابوالرومؓ نے اس عَلم کو اٹھا لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حق تعالےٰ نے حضرت مصعبؓ کی صورت میں ایک فرشتہ بھیجا تاکہ وہ مسلمانوں کے عَلم کو اٹھائے۔ آخر وقت میں جب جنگ سے فارغ ہو گئے تو حضورؐ نے فرمایا "اے مصعبؓ آگے آؤ" اس فرشتہ نے کہا میں مصعبؓ نہیں ہوں۔ تب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جانا کہ وہ فرشتہ تھا جسے حق تعالےٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجا۔ اس کے بعد ابوالرومؓ نے اس عَلم کو لے لیا۔ اور مدینہ طیبہ تک حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتے رہے۔ (رضی اللہ عنہ)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اجلۂ صحابہ اور فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔ انہوں نے حبشہ ہجرت کی اور بدر میں حاضر رہے۔ حضورؐ نے ان کو عقبہ ثانیہ کے بعد مدینہ منورہ روانہ فرمایا۔

ایک روایت میں ہے عقبہ اولیٰ کے بعد انصار کے ساتھ دین و فقہ کی تعلیم و تربیت کے لئے انہیں روانہ فرمایا تھا۔ اور یہ لوگوں میں بہت زیادہ صاحب نعمت اور عیش و کامرانی والے شخص تھے جب اسلام لے آئے تو دنیا میں زہد اختیار فرمایا۔ ایک روز حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ وہ گوسفند کی کھال کمر میں لپیٹے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا اس شخص کو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو ایمان کے لئے روشن فرمایا ہے اور میں نے انہیں دیکھا ہے کہ اہل بدر کے لئے انہوں نے دو سو درہم کے کپڑے خرید کر دیئے۔ اس کے بعد ان کے دل میں خدا اور رسول کی محبت میں ایسی فریفتگی پیدا ہوئی کہ اس حالت کو پہنچے جسے تم نے دیکھا۔ اس حدیث کو ابونعیم نے "اربعین صوفیہ" میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور دیلمی و ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

دلاوران میدان جلاوت و سپہ سالاران معرکۂ شجاعت میں سے وہبؓ بن قابوس مزنی اور ان کے بھتیجے حارثؓ بن عقبہؓ بن قابوس تھے۔ اگرچہ اول امر میں جبکہ مسلمانوں نے اخذ غنیمت میں شغف دکھایا تھا یہ بھی غارت و تاراج میں دست درازی کے لئے نکل آئے تھے۔ لیکن جب خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل ان کے عقب میں داخل ہو گئے تو وہبؓ اور ان کے بھتیجے حارثؓ دونوں نے برابر کھڑے ہو کے داد شجاعت دی اور ثابت قدم رہے۔ اسی اثناء میں جب کافروں کا ایک غول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا تو حضورؐ نے فرمایا "من بہذہ الفرقۃ" کون ہے جو اس غول کا مقابلہ کرے اور انہیں دفع کرے اس وقت وہبؓ نے کہا انا یا رسول اللہ میں ہوں یا رسول اللہؐ

اس کے بعد تیر اندازی پر ہاتھ بڑھایا اور ان بتوں کے پجاریوں کو بھگا دیا۔ اس کے بعد دشمنوں کا ایک غول اور نمودار ہوا۔ اس وقت پھر حضورؐ نے فرمایا مَنْ لِهٰذِهِ الْكَتِيْبَةِ۔ کون ہے جو ان شیطانوں کو دور کرے۔ وہبؓ نے پھر وہی جواب دیا اور ان سب کو یا تو تلوار کی دھار پر رکھ کر واصل جہنم کیا یا بھگا دیا۔ اس کے بعد پھر ایک ٹولہ نمودار ہوا حضورؐ نے فرمایا مَنْ لِهٰؤُلَاءِ۔ ان کے لئے کون ہے؟ وہبؓ نے عرض کیا اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حضورؐ نے فرمایا قُمْ وَاَبْشِرْ بِالْجَنَّةِ۔ قایم رہو اور جنت کی بشارت لو! حضرت وہبؓ اس بشارت سے سرفراز ہو کر کفار کی صف میں داخل ہو گئے۔ کافروں نے ان کو گھیر کر شمشیر و سنان سے مجروح کر کے زمین پر گرا دیا، ان کے بعد ان کے بھتیجے حارثؓ نے بہت سوں کو واصل جہنم کر کے جام شہادت نوش کیا (رضی اللہ عنہما) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، فرمایا کرتے ہیں ایسی موت سے محبت رکھتا ہوں جیسی موت مزنی برادروں نے پائی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ میں نے روز احد جیسی دلاوری اور پامردی حضرت وہبؓ بن قابوس مزنی کی دیکھی ہے کسی معرکہ میں کسی کی نہیں دیکھی۔ کیوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مزنی کے سرہانے ان کے شہید ہونے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ فَاِنِّي عَنْكَ رَاضٍ۔ اللہ تم سے راضی ہو گیا اور میں بھی تم سے راضی ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود خود زخمی ہونے کے آپ نے اپنے قدم اقدس پر کھڑے ہو کر ان کو قبر میں اتارا۔ اور وہ علم جو حضرت وہبؓ مزنی اٹھائے ہوئے تھے اس علم سرخ سے ان کو ڈھانپا (رضی اللہ عنہ)

ان صحابہ کرام میں سے بعض حضرات ایسے ہیں جن کے حال پر اس دن عنایت الٰہی دستگیر ہوئی اور نور ہدایت ان کے دل میں جلوہ افروز ہوا جیسے کہ عمروؓ بن ثابت وقیس ہیں۔ وہ دین اسلام میں شک رکھتے تھے باوجودیکہ ان کی قوم ایمان لے آئی تھی اور وہ سب اسے ثبات و استقامت کی نصیحتیں کرتے تھے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ اتفاقاً اسی روز جس دن مسلمان غزوۂ احد کو جا رہے تھے عمروؓ بن ثابت کے دل سے غفلت کا قفل کھلا اور نور یقین ان کے دل میں جاگزیں ہوا۔ اپنے ہتھیار اٹھائے میدان جہاد میں آ گئے اور اس بہادری و شجاعت سے جنگ کی کہ زخمی و ناتواں ہو کر شہید ہو گئے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ لَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ یہ جنتیوں میں سے ہے۔

مخیریقؓ نامی ایک شخص تھا جو احبار بنی اسرائیل میں سے تھا اور بہت مال و زر رکھتا تھا اس نے کتب سابقہ میں حضورؐ کی صفتیں پڑھی تھیں۔ لیکن دین یہودیت پر قایم و برقرار تھا۔ اس دن جب

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کی طرف تشریف لائے سفتہ کا دن تھا۔ اسی روز مغریق کے دل میں اسلام جوش زن ہوا۔ اور مصمم ارادہ کر لیا پھر اس نے اپنی قوم کو بھی دعوت دی انہوں نے قبول نہ کیا۔ مغریق رضؓ نے اپنی قوم سے کہا بلاشبہ اور یقینی بات ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلّم خدا کے رسول ہیں۔ ان پر ایمان لاؤ اور ان کی نصرت و مدد کر کے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرو۔ یہودیوں نے کہا آج سفتہ کا دن ہے آج کے دن جنگ کرنا جائز نہیں ہے۔ مغریق رضؓ نے کہا یہ بات دین یہود میں ہے اور شریعت محمدیہ اس دین کی ناسخ ہے۔ اس کے بعد وہ کھڑا ہوا ہتھیار سنبھالے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور وصیت کی کہ میرے بعد میرا تمام مال حضورؐ کے غلاموں کے لئے ہے اور با اعتقادِ درست مشرکوں کے ساتھ جنگ میں مصروف ہو گیا۔ بالآخر مقابلہ کرتے ہوئے درجۂ شہادت حاصل کی اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت کے مطابق اس کے مال میں تصرف فرمایا۔ اس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا مُغَرِیقُ خَیْرُ یَھُوْدٍ یہود میں مغریق رضؓ اچھا شخص تھا۔

## مسلمان عورتوں کی خدمت گذاریاں

مردانِ اصحاب رضی اللہ عنہم کی دلاوری و شجاعت میں سے کچھ حصہ تو بیان ہو گیا مگر کچھ مسلمان عورتیں بھی ایسی ہمراہ تھیں جنہوں نے اس غزوہ میں خدمت گزاری کی اور پانی وغیرہ پہنچایا اور جہاد و قتال کیا۔ جیسے نسیبہ رضؓ بنت کعب جو معرکوں اور محفلوں میں شیر دل، بہادر اور شجاع عورت تھیں۔ جنہوں نے اپنے شوہر حضرت زید رضؓ بن عاصم، اور اپنے دونوں لڑکوں حضرت عمارہ رضؓ اور عبداللہ کے ساتھ مل کر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ نسیبہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں روز احد مشکیزہ اٹھا کر مسلمانوں کو پانی فراہم کرتی تھی۔ جب میں نے دیکھا کہ دشمنانِ اسلام کی چیرہ دستیاں بڑھ گئی ہیں اور انہوں نے مسلمانوں پر دراز دستی شروع کر دی ہے تو میں پانی دینے سے رک گئی اور کافروں کے ساتھ قتال میں مشغول ہو گئی۔ چنانچہ مجھے تیرہ زخم پہنچے ان میں سے ایک زخم تو سال بھر تک رستا رہا اور اس کا علاج کیا جاتا رہا۔ لوگوں نے ان سے پوچھا یہ زخم کس نے لگائے تھے؟ انہوں نے کہا ابن قمیہ ملعون نے۔ میں نے بھی اس پر متعدد وار کئے تھے لیکن وہ دو زرہ پہنے ہوئے تھا جس پر میری ضرب کارگر نہ ہوتی تھی جس وقت مجھے زخم پہنچا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے فرزند عمارہ رضؓ کو آواز دی کہ جلدی اپنی ماں کے پاس پہنچو اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرو۔ نسیبہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں اور میرے بچے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے مقابلہ کر رہے تھے اور صحابہ ہزیمت کھا کر آپ کے آگے سے بھاگے

جارہے تھے۔ میرے پاس ڈھال نہ تھی۔ اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک ایک شخص پر پڑی جس کے پاس ڈھال تھی۔ آپ نے فرمایا۔ اے ڈھال والے اپنی ڈھال کسی ایسے شخص کو دیدے جو مشغول قتال ہے تو اس نے اپنی ڈھال ہاتھ سے پھینک دی۔ میں نے اس ڈھال کو اٹھالیا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گرد مشرکوں کے حملوں کو روکتی رہی۔ یہاں تک کہ ایک کافر سوار نے مجھ پر تلوار کا وار کیا لیکن وہ کارگر نہ ہوا میں نے اپنی تلوار کا وار اس کے گھوڑے پر کیا اس کا گھوڑا گر پڑا اور سوار گھوڑے سے جدا ہو گیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بچشم خود یہ حال ملاحظہ فرما رہے تھے۔ آپ نے میرے لڑکے کو آواز دی کہ اے عمارہؓ جلدی اپنی ماں کے پاس آ۔ اس کے بعد میں نے اور میرے لڑکے نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کیا اور دونوں نے مل کر اس مشرک کو قتل کر دیا۔

عبداللہؓ بن نسیبہ کہتے ہیں کہ اس دن مشرکوں نے ایک زخم مجھے ایسا لگایا تھا جس سے خون نہ رکتا تھا۔ میری ماں نے میرے زخموں کو باندھا اور کہا اٹھ! اور قتال میں مشغول ہو۔ اس وقت حضورؐ نے فرمایا۔ اے عمارہؓ کی ماں! جو طاقت و ہمت تم رکھتی ہو کس میں ہے؟! اسی اثناء میں وہ شخص جس نے مجھے زخمی کیا تھا ہمارے آگے سے گزرا حضورؐ نے میری ماں سے فرمایا۔ اے ام عمارہؓ! یہی وہ شخص ہے جس نے تمہارے بیٹے کو زخمی کیا تھا؟ نسیبہ رضؓ نے اس کافر کی پنڈلی پر تلوار ماری اور وہ زمین پر حضورؐ کے قدم اقدس کے نزدیک گر پڑا۔ اس پر حضورؐ نے اتنا تبسم فرمایا کہ آپ کے نواجذ شریف نمودار ہو گئے۔ اور فرمایا اے ام عمارہؓ! تم نے اپنے بیٹے کا قصاص اور بدلہ خوب لیا۔ خدا کا شکر ہے جس نے تم کو اپنے دشمن پر ظفر مند کیا اور تمہاری آنکھوں کو تمہارے سامنے اس کو ہلاک کر کے روشن کیا۔

نسیبہ رضؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! دعا فرمائیے کہ میں جنت میں آپ کے رفیقوں میں سے اہل بیت کے ساتھ ہوں" حضورؐ نے ان کے حق میں اور ان کے فرزندوں اور شوہر کے حق میں دعا فرمائی کہ

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّۃِ۔ اے خدا ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنا۔ ام عمارہؓ کی والدہ نے کہا ہر وہ مصیبت جو اس دعا کے بعد مجھے پہنچے مضائقہ نہیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ نسیبہؓ معرکہ مسیلمہ کذاب میں بھی موجود تھیں۔ نسیبہؓ بیان کرتی ہیں کہ روز یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو تلاش کر رہی تھی، اچانک ایک شقی نے اپنی تلوار کا وار مجھ پر کیا۔ میرا ایک ہاتھ کٹ کر گر گیا۔ خدا کی قسم اس کے باوجود میں قتال سے باز نہ آئی۔ ایک لحظہ کے بعد میں نے اس ملعون کو قتل کیا ہوا پایا۔ میں نے اپنے لڑکے عبداللہؓ کو دیکھا کہ وہ اس کے سر پر کھڑا ہے اور اپنی تلوار کو اس کے خونِ ناپاک سے پاک کر رہا ہے۔

اس وقت میں نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اور اپنے زخم کی مرہم پٹی میں مشغول ہوئی۔ سبحان اللہ کیا عورت تھی جو بہت سے مردوں سے فائق تھی (رضی اللہ عنہا)

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ آدمی میں عمل چاہیئے۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ شیر جب اپنے کچھار سے نکلتا ہے تو ہر ایک یہی کہتا ہے کہ شیر نکل آیا یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ مادہ ہے یا نر۔

## خواجۂ کائنات کا زخمی ہونا

وصل! محاربہ اصحاب اور اس غزوہ میں ان کا کفار کے ساتھ جنگ کرنا، کفار کو قتل کرنا، صحابہ کا شہید ہونا، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم پر جاں نثاری کرنا اور عہد کا ایفا کر کے اس کا حق ادا کرنا جیسے واقعات سے کہیں زیادہ واقعات ہیں لیکن اسی میں سید عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کی ذات مبارکہ کو جو شدت و محنت اور ایذار و آزار پہنچا وہ جدا ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار فجار لعنہم اللہ میں سے پانچ آدمیوں نے باہم عہد کیا تھا کہ سید کائنات صلے اللہ علیہ وسلّم کو (معاذ اللہ) شہید کریں گے ان میں سے ایک عبداللہ بن قمیہ تھا جو اپنی قوم میں افجر و اغلظ اور اشد تھا۔ دوسرا عتبہ بن ابی وقاص زہری، جو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص رضی اللہ کا بھائی تھا جس کے ہاتھ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لب و دندان شریف شکستہ ہوئے تھے۔ تیسرا عبداللہ بن شہاب زہری، چوتھا ابی ابن خلف۔ بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن حمید اسدی بھی انہیں میں تھا۔

اِن اشقیائے اتنا نہ جانا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم ان کے ہاتھوں شہید ہونے والے نہیں جب تک کہ آپ کا دین مکمل ہو کر تمام دینوں پر غالب نہ آجائے اس وقت تک آپ اس جہان سے تشریف نہیں لے جائیں گے۔ يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔ یہ کفار یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے پھونکوں سے بجھا دیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو مکمل فرمانے والا ہے اگرچہ یہ کفار کتنا ہی برا مانیں۔

ابن قمیہ ملعون نے اس درج رسالت صلے اللہ علیہ وسلّم پر ایسا پتھر پھینکا کہ آپ کا رخسار مبارک خون آلود ہوگیا اور خود کی کڑیاں آپ کے رخساروں میں ایسی پیوستہ ہوئیں کہ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح نے بیٹھ کر اپنے آگے کے دونوں دانت کو خود کی ایک کڑی پر رکھ کر حضورؐ کے روئے مبارک سے کھینچا تو ان کا دانت ٹوٹ کر گر پڑا۔ پھر دوسرا دانت دوسری کڑی پر رکھ کر کھینچا تو وہ دانت بھی ٹوٹ کر گر پڑا۔ اسی بنا پر ان کو اسثم کہتے ہیں۔ حضورؐ کی پیشانی مبارک بھی زخمی ہوئی جس نے آپ کے محاسن شریف کو لہولہان کر دیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم اپنی چادر مبارک سے خون کو صاف کرتے جاتے

اور فرماتے جاتے وہ قوم کس طرح نجات پائے گی جو اپنے نبی کے ساتھ یہ سلوک کرے۔ حالانکہ وہ نبی خدا کی طرف ہی بلاتا ہے۔ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور یہ آیت لائے لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظَالِمُوْنَ ۝ آپ کو اس سے کوئی سروکار نہیں مطلب یہ کہ ہر تصرف و اختیار، سب کچھ حق تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر چاہے تو بخشدے اور رحمت کے ساتھ انہیں توبہ کی توفیق دیدے یا چاہے ان پر عذاب فرمائے۔ کیوں کہ یہ ظالم لوگ ہیں۔ اور آپ تو انذار و جہاد کے مامور بندے ہیں۔" یہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلّم کی تہذیب نفس اور حسن ادب کا تعلیم فرمانا ہے، مبادا بشریت کی جانب رجوع فرمائیں۔ اور دائرۂ عبودیت سے باہر ہو جائیں۔ اس آئیہ کریمہ کا نزول اس وقت بھی بتاتے ہیں جبکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم قبائل کفار پر قنوت میں بد دعا فرماتے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم خون کو صاف کرتے رہتے تھے اور اتنا موقعہ نہ آنے دیتے کہ خون کا قطرہ زمین پر ٹپکے۔ کیوں کہ آپ نے فرمایا اگر اس خون کا کوئی جزو زمین پر آرہے تو یقیناً اہل زمین پر آسمان سے ایسا عذاب نازل ہو جس سے وہ سب ہلاک ہو جائیں اور اس کے بعد زمین پر کوئی چیز نہ اُگے۔ آپ نے دعا مانگی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اے خدا میری قوم کو معاف فرما دے کیوں کہ وہ مجھے جانتے نہیں۔ اور وہ میری حالت کی حقیقت کو پہچانتے نہیں ہیں۔"

عتبہ بن ابی وقاص نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی جانب ایسا پتھر پھینکا جس سے آپ کا لب زیریں لہولہان ہو گیا۔ اور آگے کے نچلے دندان مبارک کو شہید کر دیا۔ عبد اللہ بن شہاب نے حضورؐ کی کہنی مبارک کو پتھر پھینک کر زخمی کر دیا۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، روایت کرتے ہیں کہ جب روئے پُر انوار سید ابرار صلے اللہ علیہ وسلّم سے خون جاری ہوا تو میرے والد مالک بن سنان اپنے منہ کو اس جگہ رکھ کر خون چکیدہ پی جاتے تھے اس پر کچھ لوگوں نے کلام کیا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جس کے خون میں میرا خون مل جائے اسے آتشِ دوزخ نہیں چھو سکتی۔ مروی ہے کہ حضرت علی مرتضےٰؓ اور سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا حضورؐ کے روئے مبارک سے خون صاف کرتے تھے۔ حضرت علی مرتضےٰؓ اپنے سر پر پانی لاتے اور سیدہ فاطمہؓ دھوتی تھیں۔ ہر چند کہ زخم دھویا جاتا مگر خون نہ رکتا۔ اس کے بعد بوریئے کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کا خاکستر زخم پر چھڑکا تب خون بند ہوا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضورؐ استخوان بوسیدہ سے اس زخم کا علاج فرماتے رہے یہاں تک کہ اس کا اثر تک نہ رہا۔ روضۃ الاحباب میں بروایت شیخ ابن حجر شرح بخاری میں نقل کرتے ہیں کہ عبدالرزاق معمر سے اور وہ زہری سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ

اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے روئے انور پر شمشیر کے ستر زخم آئے تھے مگر حق تعالےٰ نے آپ کو سب کے شر سے محفوظ رکھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ستر کے عدد سے مراد شاید واقعتہً ستر ہی ہوں یا کثرت میں مبالغہ مقصود ہو۔

منقول ہے کہ ابن قمیہ ملعون نے اپنی شمشیر سے آپ پر وار کیا مَنْ ھٰؤُلَاءِ اور آپ اس ملعون کی ضرب اور اپنے جسم اقدس کے ہتھیاروں کے بوجھ سے (آپ دو زرہ پہنے ہوئے تھے) اس غار میں آرہے جو وہاں قریب ہی تھا یا ملاعنہ نے کھود رکھا تھا۔ چنانچہ آپ لوگوں کی آنکھوں سے پنہاں ہو گئے اور آپ کے زانو ہائے شریف خراشیدہ ہو گئے۔ وہیں سے اس ملعون نے آواز لگائی کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) (معاذ اللہ) شہید ہو گئے اور شیطان لعین بھی اس کا ہم آواز ہو گیا کہ بلاشبہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے۔ (معاذ اللہ) ابوسفیان نے کہا۔ اے گروہِ قریش تم میں سے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کس نے کام تمام کیا (معاذ اللہ) ابن قمیہ ملعون بولا "میں نے" ابوسفیان نے کہا "ہم تیرے ہاتھ میں ویسے ہی کنگن پہنائیں گے جیسے عجمی لوگ اپنے بہادروں اور پہلوانوں کو پہناتے ہیں"۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غار میں آرہے تو حضرت طلحہ رضؓ اس غار میں داخل ہوئے اور سرورِ عالم کو اپنے آغوش میں لے لیا تاکہ زمین سے اٹھیں۔ حضرت علی مرتضےٰ رضؓ کرم نے اوپر سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو پکڑا اور زور لگایا یہاں تک کہ آپ اوپر تشریف لے آئے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ پانچوں اشقیاء کے بارے میں بد دعا فرمائی کہ یہ سال نہ گزار سکیں۔ چنانچہ ان میں سے کچھ تو وہیں مارے گئے اور کچھ اسی سال قعرِ جہنم میں جا گرے ابن قمیہ، اس سگِ ملعون نے حضورؐ پر تلوار کا وار کر کے کہا گویا یہ میرا وار ہے کیوں کہ میں ابن قمیہ ہوں۔" سید رسل صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم نے فرمایا اَقْمَأَكَ اللّٰهُ وَاَذَلَّكَ۔ اللہ تعالیٰ تجھے ذلیل وخوار کرے"۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اسی سال وہ اپنے ریوڑ کے قریب ایک پہاڑ کی چوٹی پر سو رہا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس پر ایک مینڈھا مسلط کیا اور اس نے اپنا سینگ اس کے پیٹ میں مارا جو اس کے حلق سے پار ہو گیا جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے اس اندازِ عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن قمیہ کے ہلاک ہونے کا قضیہ روز احد کے قریب زمانہ کا نہیں ہے بلکہ ایک عرصہ کے بعد رونما ہوا۔ مگر معارج النبوۃ کی عبارت یہ ہے کہ مشرکوں کے مکہ مکرمہ لوٹ آنے کے بعد ایک دن ابن قمیہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر سو رہا تھا کہ بفرمانِ

الٰہی ایک مینڈھا اسی وقت اس ملعون کے قریب آیا (آخر قصہ تک)

اب رہا ابی بن خلف کا قصہ! تو کسی وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا تھا کہ تیرا قاتل میں ہوں گا۔ یہ خوف اس کے دل میں یقین کے ساتھ بیٹھ گیا تھا لہٰذا قریش کے مکہ سے خروج کے وقت، احد کی جانب وہ آنا نہ چاہتا تھا کہ کہیں وہ مارا نہ جائے۔ ابوسفیان اسے اصرار کر کے لایا تھا جیسا کہ گزرا۔ اس کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ اسیران بدر میں شامل تھا جب اس کا فدیہ قبول کیا گیا تو اس نے مکہ جانے کی اجازت پائی تاکہ وہ فدیہ ادا کرے۔ اس بے حیا نے لوٹتے وقت حضورؐ کے روبرو بکواس کی کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میرا ایک گھوڑا ہے میں اسے خوب دانہ پانی دوں گا تاکہ فربہ ہو جائے پھر اس گھوڑے پر سوار ہو کر آپ سے جنگ کروں گا اور آپ کو (خاک بدہن ہو) قتل کروں گا حضورؐ نے فرمایا "بلکہ اس گھوڑے پر سوار ہونے کی حالت میں ہی میں تجھے قتل کروں گا۔ انشاء اللہ تعالےٰ" علماء فرماتے ہیں کہ بدترین خلق اور بدبخت ترین خلائق وہ ہے جسے حضورؐ قتل کریں۔

روز احد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابی ابن خلف سے ہشیار رہو کیوں کہ یہ ناخلف بے خبری میں پیچھے سے نہ آجائے۔ اگر تمہیں وہ نظر پڑ جائے تو مجھے بتا دینا" اچانک جنگ کے آخر میں وہ اپنے گھوڑے پر سوار نمودار ہوا جب اس کی نظر حضورؐ پر پڑی تو اس نے نالائقی کی باتیں کہنی شروع کر دیں۔ اس نے کہا "اے محمدؐ! آپ ابی کے ہاتھ سے نہ بچ سکیں گے، اگر آج آپ میرے ہاتھ سے بچ گئے تو" یہ کتنا بے حیا اور بے شرم تھا کہ باوجود اس اعتقاد کے کہ خود حضورؐ کے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ پھر بھی یہ لاف زنی کرتا تھا صحابہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! ہمیں اشارہ فرمائیے ہم اس پر حملہ کریں اور اسے دوزخ میں پہنچائیں"۔ جب وہ ملعون قریب پہنچا حضرت زبیرؓ بن العوام حضورؐ کے پاس قریب ہی کھڑے تھے حضورؐ نے ان سے نیزہ پکڑا۔ ایک روایت میں ہے کہ حارثؓ بن الصمہ سے نیزہ لیا۔ اور ابی کی جانب پھینکا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اسی کا نیزہ اس کے ہاتھ سے لے کر اس پر پھینکا تھا یہ اس شقی کی گردن پر پڑا۔ اسی وقت اس نے اپنے گھوڑے کی لگام پھیری اور اپنی قوم سے مل گیا اور خود کو گھوڑے سے گرا دیا اور گائے بیلوں کی مانند ڈکرانے لگا اس کی قوم نے اس سے کہا "تیرا زخم تو ایک معمولی سی خراش سے زیادہ نہیں ہے۔ اتنی چیخ و پکار اور واویلا کیوں کرتا ہے، اس نے کہا تمہیں معلوم ہے کہ یہ زخم کس کی مار کا ہے۔ میں واقف ہوں کہ اس زخم سے میری جان نہ بچ سکے گی۔ اگر یہ زخم جو مجھ اکیلے کو لگا ہے تمام حجاز والوں کو لگ جائے تو

وہ یکبارگی سب کے سب مر جائیں۔ اس لئے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مجھے خبر دیدی ہے کہ تو میرے ہاتھ سے مارا جائے گا۔ اور کہنے لگا اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میرے منہ پر کھجور کی گٹھلی بھی مار دیتے تو بھی میں مارا جاتا۔" وہ یونہی چیختا چلاتا رہا۔ پھر وہ ملعون، مشرکوں کے مکہ مکرمہ پہنچنے سے پہلے "مر الظہران" میں جو مکہ سے ایک منزل پر ہے واصل جہنم ہو گیا۔

مواہب لدنیہ میں واقدی سے منقول ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابی ابن خلف بطن رابغ میں مرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رات کا ایک پہر گزرنے کے بعد میں بطن رابغ میں جا رہا تھا، اچانک آگ کی ایک لپٹ نمودار ہوئی میں اس سے ہیبت کھا گیا۔ اس کے بعد یکایک اس آگ سے ایک شخص نمودار ہوا جو زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا اور پیاس سے چیختا چلاتا تھا اور ایک دوسرے سے کہتا تھا اسے پانی نہ دو یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قتیل ابی بن خلف ہے۔

عبداللہ بن حمید بھی میدان احد میں حضورؐ کے ارادے سے گھوڑا دوڑاتا پھرتا تھا اچانک حضرت ابو دجانہؓ نے اپنی تلوار کی ایک ضرب سے اسے زمین پر ڈالدیا، عتبہ بن ابی وقاص کی کیفیت معلوم نہیں کہ اس کی ہلاکت کس طرح ہوئی۔ عبداللہ بن شہاب کے بارے میں معارج میں مجملاً کچھ ذکر ہے کہ یہ پانچواں بدبخت بھی اسی سال انتہائی ذلت و خواری سے ہلاک ہوا۔

## میدان احد کے آخری مناظر

وصل: ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت طلحہؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی مدد سے اس غار سے باہر تشریف لائے تو صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حیات ہیں اس وقت حضورؐ نے ارادہ فرمایا کہ احد کی گھاٹی کی طرف اپنے صحابہ کے ساتھ متوجہ ہوں اور پہاڑ کی بلندی یا قلعہ پر تشریف لے جائیں۔ مگر بربنائے ضعف جو زخموں اور اس بدنی کوفت کے سبب جو ذاتِ بابرکات کو عارض ہوئی تھی آسان نہ ہوا۔

ابوسفیان نے چاہا کہ مشرکوں کی جماعت کے ساتھ پہاڑ کے کسی بالائی گوشہ پر چڑھ کر اظہار تعلی کرے اور یہ بھی چاہا کہ انھیں گھاٹی میں داخل ہونے سے روکے۔ اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دست اقدس دعا کے لئے اٹھایا اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اَنْ لَّا يَعْلُوْا اے رب ان کو نہ چھوڑ کہ یہ آگے بڑھیں"۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مشرکین کی راہ روکی۔ اور ان کے ساتھ جنگ کی اور

ان کو وہاں سے دور کیا۔

اس کے بعد وہ نامراد صحنِ معرکہ میں ادھر اُدھر کتّوں کی مانند دوڑنے لگے سیر و تفریح کرتے، رجز خوانی کرتے، خوشی و شادمانی کا اظہار کرتے تھے۔ اور ان کی عورتیں مثلاً ہند وغیرہ مسلمان شہیدوں کے پاس آئیں، حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل ملائکہ کے سوا تمام شہیدوں کا مثلہ کرنے لگیں۔ ان کے شکموں کو چاک کرتیں، کلیجے نکالتیں، ناک کان کاٹتیں ڈوروں میں منسلک کر کے ہار بناتی تھیں۔ اور اپنے گلوئے ناہنجار اور ناپاک ہاتھوں میں پہنتی تھیں۔ اور حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل ملائکہ کے مثلہ نہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ اس ابوعامر راہب کا بیٹا تھا۔ جسے ابوعامر فاسق کہتے ہیں یہ مشرکوں میں سے تھا اور یہی وہ پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے حملہ کیا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے انتہائی ضعف و ناتوانی کے سبب ظہر کی نماز بیٹھ کر ادا فرمائی

یہاں تک کہ آپ نے ارادہ فرمایا کہ پہاڑ کی بلندی پر تشریف لے جائیں ایک بڑا پتھر سامنے آیا اس پر آپ نہ چڑھ سکے اس موقع پر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ باوجود اپنے شدید زخموں کے بیٹھ گئے تاکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم اپنا پائے اقدس ان کے کندھوں پر رکھ کر وہاں تشریف لے جائیں اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اَوْجَبَ طَلْحَۃُ۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے لئے جنت واجب کر لی۔ (رضی اللہ عنہ)

اس کے بعد ابوسفیان نے چاہا کہ یقین کے ساتھ معلوم کرے کہ خواجۂ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات در زمرۂ احیاء ہیں یا از جملۂ اموات، وہ احد کے قریب آیا اور چیخ کر کہنے لگا کہ کیا اس قوم میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا اسے جواب نہ دو پھر اس نے پکار کر پوچھا کیا اس قوم میں ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ ہیں؟ حضورؐ نے پھر فرمایا اسے جواب نہ دو۔ وہ پھر پکارا کیا اس قوم میں ابن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں؟ اس بار بھی حضورؐ نے فرمایا اسے جواب نہ دو۔ پھر اس نے اپنی قوم کی طرف رُخ کر کے کہا میں نے جتنوں کے نام پکارے ہیں وہ سب مارے گئے ہیں اگر زندہ ہوتے تو جواب دیتے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بے چین ہو گئے فرمایا کَذَبْتَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ، او خدا کے دشمن تو جھوٹ بکتا ہے۔ جتنوں کے تو نے نام لئے ہیں وہ سب زندہ ہیں۔" اس کے بعد ابوسفیان بتوں کی تعریفیں کرنے لگا اس نے کہا اُعْلُ ھُبَلُ ہبل کی بلندی ہو۔ کہ تیری برکت سے ہماری ظفر و نصرت ہے۔" چونکہ ابوسفیان نے مکہ سے نکلتے وقت کہا

اس سے استمداد اور تفاؤل کیا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا تم کہو اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ ابوسفیان نے اَلْعُزّٰی لَنَا وَلَا عُزّٰی لَکُمْ۔ (بت عزیٰ ہمارا ہے تمہارا عزیٰ نہیں) اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ پھر ابوسفیان نے کہا یَوْمٌ بِیَوْمِ الْبَدْرِ وَالْحَرْبُ سِجَالٌ آج کا دن بدر کے بدلہ کا دن ہے۔ اور جنگ ڈول کی مانند ہے"۔ مطلب یہ کہ روز احد ہمارا فتح وغلبہ، روز بدر کی مانند ہے کہ اس روز فتح و نصرت تمہیں حاصل ہوئی تھی۔ اور جنگ ڈول کی مانند ہے کبھی ایک پانی سے بھری ہوتی ہے کبھی دوسری سے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تم کہو قَتْلَانَا فِی الْجَنَّۃِ وَقَتْلَاکُمْ فِی النَّارِ۔ "ہمارے شہداء جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں"۔ اس کے بعد ابوسفیان نے کہا تمہارے مقتولوں کو مثلہ کر دیا گیا ہے مگر میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا اور میں اسے ناپسند بھی نہیں کرتا۔ اس کے بعد اس نے کہا ہماری اور تمہاری ملاقات، آئندہ سال بدر میں ہوگی اس کے بعد وہ اپنے گمان میں مظفر و منصور لوٹ گیا مگر درحقیقت مخذول و مقہور لوٹا۔

## جنگ کے خاتمہ کے بعد کے حالات

وصل: جب مشرکین مکہ لوٹ گئے تو صحابہ کے دلوں میں دغدغہ ہوا کہ مبادا وہ لوٹ کر مدینہ پر تاخت و تاراج نہ کریں۔ اس بنا پر حضورؐ نے حضرت علی مرتضٰیؓ سے فرمایا وہ دشمنوں کے عقب میں جائیں اور اس خبر کی تحقیق کریں۔ حضرت علیؓ ان کے تعاقب میں گئے اور یہ خبر لائے کہ مشرکین مکہ کی طرف چلے گئے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "آج کے بعد کفار قریش ہم پر کبھی بھی کامیاب نہ ہوں گے۔ اور انشاءاللہ تعالیٰ ہمیں مکہ مکرمہ کی فتح نصیب ہوگی"۔

جب مشرکین مکہ لوٹ گئے تو مسلمان اپنے شہیدوں کی جستجو و تلاش میں مشغول ہو گئے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ کون ہے جو حضرت سعدؓ بن ربیع بن عمرو انصاری عقبی بدری کا حال تحقیق کر کے بتائے کہ وہ زندوں میں ہیں یا شہیدوں میں۔ وہ بارگاہ نبوت کے مخلصوں اور محبوں میں سے تھے ایک انصاری ان کی جستجو و تلاش میں گئے تو حضرت سعدؓ کو شہیدوں کے درمیان پایا اس وقت ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی تو ان انصاری نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا سلام ان کو پہنچایا، اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا میرا سلام رسول خداؐ کی خدمت میں پیش کرنا، اور عرض کرنا کہ سعدؓ کہتا ہے جَزَاکَ اللّٰہُ عَنَّا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَفْضَلَ مَا جَزٰی نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ

اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو یارسول اللہ جزا مرحمت فرمائے اس سے افضل جو نبی کو اپنی امت کی جانب سے جزا ملے۔ اسی طرح صحابہ کو میرا سلام پہنچانا۔ اور کہنا اگر تم نے خدا اور اس کے رسول کی فرمانبرداری میں کوتاہی کی تو بارگاہِ الٰہی میں کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ یہ کہا اور جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد وہ انصاری، رسول کریمؐ کے حضور آئے اور صورت حال حضورؐ سے بیان کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ ارْضَ عَنْ سَعْدِ بْنِ الرَّبِیْعِ۔ اے خدا سعدؓ بن ربیع سے راضی ہو جا۔" سبحان اللہ کیا محبت واخلاص ہے کہ جان دے رہے ہیں اور شکر زبان پر جاری ہے عذر خواہی کر رہے ہیں۔ جس وقت انہیں یقین کامل حاصل ہو گیا کہ جو نعمتِ حق اور دین اسلام حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم لائے ہیں درمیان سے حجابات مرتفع ہو گئے تو اب کہاں توقف واشتباہ کی گنجائش رہی۔

علماء فرماتے ہیں کہ شہید کو جس وقت جان دینا اور خود سے گزرنا ہوتا ہے اس وقت اس پر ایسی چیز منکشف ہوتی ہے اور اسے وہ چیز دکھائی جاتی ہے جو دوسروں پر منکشف نہیں ہوتی۔

مومن کا اصل مقصود یہی جان وروح کا اختیار کے ساتھ دے دینا ہے۔ دیگر اختیارات اس کی فرع ہیں اور اس سے کمتر ہیں۔ حکایاتِ مشائخ میں منقول ہے کہ جریری نے شیخ ابو عبداللہ حفیف سے فرمایا:۔ اَلشَّانُ ھُوَ الرُّوْحُ وَلَا تَغُرَّنَّ بِتُرَّھَاتِ الصُّوْفِیَّۃِ اصل چیز، درجۂ شہادت میں، روح ہی ہے تو تم صوفیہ کی بناوٹوں سے مغرور نہ ہو۔"

شہداء احد کی نماز پڑھنے کے ضمن میں محدثین کرام اور اہل سیر سے روایتیں مروی ہیں۔ بعض کا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ ان کے بعد جو جنازہ آتا رہا حضرت حمزہؓ کے قریب رکھا جاتا رہا اور نماز پڑھی جاتی رہی یہاں تک کہ ستر نمازیں حضرت حمزہؓ پر گزاری گئیں۔ اکثر ائمہ محدثین کا قول یہ ہے کہ نماز بار بار نہیں پڑھی گئی اور یہی مذہب شوافع کا مختار ہے اسی پر احناف بھی ہیں۔ یہ مبحث بطول وتفصیل، شرح سفر السعادۃ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ وہاں دیکھنا چاہیئے۔ فرمایا شہداء کے لئے غسل کا حکم نہیں ہے۔ انہیں خون آلود کپڑوں میں دفن کر دیں۔ فرمایا حق تعالیٰ روز قیامت ان کو اس حال میں اٹھائے گا کہ ان کے زخموں سے خون بہتا ہوگا۔ اور فرمایا رنگ تو خون کا ہوگا مگر اس کی خوشبو، مشک کی مانند ہوگی اور فرمایا کسی شہید کو یہاں سے کسی دوسری جگہ نہ لے جائیں۔ اور اگر کوئی

اپنے شہید کو دوسری جگہ لے گیا ہے تو وہ دوبارہ یہیں لے آئے۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ، اپنے والد عبداللہ رضؓ کو مدینہ منورہ لے گئے تھے فرمان نبوی کے بعد ان کو دوبارہ احد میں لائے۔

آپ نے یہاں تک فرمایا کہ جن شہداء کے درمیان الفت و محبت زیادہ تھی ان کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیں۔ چنانچہ حضرت حمزہؓ کے ساتھ عبداللہؓ بن جحش کو جو ان کے بھانجے تھے ایک ہی قبر میں رکھا گیا۔ اس طرح کسی کسی میں تین تین شہیدوں کو یکجا دفن کیا گیا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جو قرآن زیادہ پڑھا ہوا ہو اسے لحد میں رکھیں۔ دن کے آخری حصہ میں حضورؐ نے مدینہ منورہ واپسی فرمائی ہر قبیلہ کے مرد و عورت آپ کے استقبال کے لئے نکل آئے یہ سب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سلامتی اور بقائے ذات اقدس پر شکر خدا بجالا رہے تھے۔ اور ہر شخص جس کو جو مصیبت پہنچی تھی، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کے مقابلہ میں اس مصیبت کو آسان سمجھ رہا تھا۔

ایک عورت تھی جس کا باپ، بیٹا، شوہر اور اس کے جملہ اقارب شہید ہو گئے تھے وہ لوگوں سے دریافت کرتی پھرتی تھی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حیات ہیں؟ اگر وہ حیات ہیں تو کسی کے مرنے کا کوئی مضائقہ نہیں اور نہ کسی کا غم ہے ؎

من و دل گر فدا شدیم چہ باک غرض اندر میان سلامتِ تست

جب آپ سلامت ہیں تو گویا سب موجود ہیں۔ حضورؐ جب قبیلہ بنی عبدالاشہل میں پہنچے یہ حضرت سعدؓ بن معاذ کا قبیلہ ہے تو کبشہؓ بنت رافع (حضرت سعدؓ بن معاذ کی والدہ) باہر آئیں یہ دوڑتی ہوئی حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچیں تاکہ جمال جہاں آراء مصطفوی صلے اللہ علیہ وسلم سے آنکھوں کو روشن کریں۔ اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار تھے اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! یہ میری والدہ آرہی ہیں جو حضورؐ کی باندی و خدمتگذار ہیں"، فرمایا "مرحبا بہا"۔ پھر وہ آئیں اور قریب ہو کر حضورؐ کے دیدار مبارک سے مشرف ہوئیں۔ اور عرض کرنے لگیں "یارسول اللہؐ! جب میں نے آپ کو سلامت پالیا تو اب ہر مصیبت کا گھونٹ پی سکتی ہوں"۔ سید رسل صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے بیٹے عمروؓ بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعزیت کرتے ہوئے فرمایا "اے ام سعدؓ تمہیں بشارت ہو اور تم اپنے سب گھر والوں کو بشارت دیدو کہ جن مقتولوں نے شربت شہادت نوش کیا ہے وہ جنت کے منازل میں ہیں۔ اور وہاں سیر و تفریح کر رہے ہیں۔ ان کی شفاعت ان کے گھر والوں کے لئے قبول ہو گی"۔ کبشہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! ہم اس حال میں راضی ہیں"۔ اس بشارت کے بعد یہ تہنیت کا مقام ہے

نہ کہ تعزیت کا۔" اور عرض کیا "یا رسول اللہ! پسماندگان کے لئے دعا فرمائیے۔" حضورؐ نے فرمایا
اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ حُزْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاٰجِرْ مُصِیْبَتَھُمْ - اے خدا ان کے دلوں کے غم کو دور
فرما اور ان کی مصیبتوں کا اجر دے۔ اور حکم دیا کہ جو زخمی ہو اپنے گھر چلا جائے اور اپنا علاج کرے
اور ہمارے ساتھ نہ چلے۔ بنی الاشہل کے حضرات بہت زیادہ زخمی تھے۔ تقریباً ان کے بیس
افراد زخمی ہوئے تھے۔ حضرت سعدؓ حضورؐ کی ہمرکابی میں آپ کے کاشانۂ اقدس تک آئے۔
اور حضورؐ کو اپنے کاشانۂ اقدس میں پہنچا کر پھر اپنے گھر آئے۔

مروی ہے جب مصیبت زدگان حضورؐ کے استقبال کے لئے باہر نکلے تھے تو فاطمہؓ دختر
حضرت حمزہؓ راستہ کے کنارہ کھڑے ہو کر رسول اللہؐ کے لشکر کو دیکھ رہی تھیں۔ جوق در جوق لوگ آتے
تھے حضرت فاطمہؓ ان میں اپنے والد حضرت حمزہؓ کو تلاش کرتی تھیں مگر لوگوں میں وہ نظر نہ آئے تو حضرت
صدیقؓ سے انہوں نے دریافت کیا "میرے والد کہاں ہیں؟ ان کو میں اس لشکر میں نہیں دیکھ رہی ہوں
حضرت صدیقؓ کا دل بھر آیا اور چشم پرنم ہو گئیں۔ آپ نے فرمایا "ابھی رسول خداؐ تشریف لاتے ہیں"۔
جب سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اپنے والد کو حضورؐ کے ساتھ بھی نہ دیکھا، سواری کی
لگام تھام کر عرض کرنے لگیں "یا رسول اللہ میرے والد کہاں ہیں" فرمایا "تمہارا والد میں ہوں!" عرض کیا
"یا رسول اللہ! اس کلام مبارک سے خون کی بو آرہی ہے؟" اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری
ہو گئے، صحابہ کے بھی آنسو نکل آئے۔ اس کے بعد فاطمہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے والد
کے شہادت کی کیفیت بیان فرمائیے۔" فرمایا "اے بیٹی! اگر اس کی کیفیت بیان کروں تو تمہارا
دل قابو میں نہ رہے گا۔" اس سے فاطمہؓ (دختر حمزہؓ) کی چیخ نکل گئی۔

اس مقام پر ایک عجیب حکایت ہے جسے ارباب سیر نقل کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اکثر انصار کے گھروں سے عورتوں کے رونے کی
آواز سماعت فرمائی مگر حضرت حمزہؓ کے گھر سے رونے کی آواز نہ سنائی دی۔ فرمایا: لٰکِنَّ حَمْزَۃَ
لَا بَوَاکِیَ لَہٗ۔ مطلب یہ کہ حضرت حمزہؓ کے لئے کوئی عورت رونے والی نہیں ہے۔ انصار
نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے اپنی عورتوں سے کہا کہ پہلے حضرت حمزہؓ کے گھر جاؤ اور ان کے
لئے روؤ۔ اس کے بعد اپنے گھر آکر اپنے شہیدوں کے لئے رو۔" انصار کی عورتیں شام اور سونے
کے وقت کے درمیان حضرت حمزہؓ کے گھر آئیں اور آدھی رات تک ان کے لئے روتی رہیں، حضورؐ

خواب گاہ میں تشریف لے جا چکے تھے جب بیدار ہوئے تو حضرت حمزہؓ کے گھر سے عورتوں کے رونے کی آوازیں سماعت فرمائیں۔ دریافت فرمایا "یہ کیسی آوازیں ہیں؟" عرض کیا "یہ آپ کے چچا پر انصار کی عورتوں کے رونے کی آواز ہے"۔ پھر حضورؐ نے دعا کی اور فرمایا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْکُنَّ وَعَنْ اَوْلَادِکُنَّ وَاَوْلَادِ اَوْلَادِکُنَّ۔ اللہ تعالیٰ تم سے اور تمہاری اولاد سے اور تمہاری اولاد کی اولاد سے راضی ہو، اتنا تو معارج النبوۃ میں مذکور ہے اور روضۃ الاحباب میں اتنا زیادہ ہے کہ فرمایا "میرا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور حضرت حمزہؓ پر روئیں" اور آپ نے نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ اور اس مخالفت میں تاکید و مبالغہ فرمایا جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ فرمانا کہ: لٰکِنَّ حَمْزَۃَ لَا بَوَاکِیَ لَہٗ اس سے مقصود افسوس کے علاوہ حضرت حمزہؓ کی مصیبت و غربت پر ہمدردی اور غمخواری کرنا تھا۔ کیوں کہ وہ نہایت دردناک حالت کے ساتھ شہید کئے گئے تھے۔ اور دوسری غربت یہ تھی کہ کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے لئے روئے اور بغیر نوحہ کے رونا ممنوع بھی نہیں ہے۔ لیکن انصار چونکہ حضورؐ کی خوشنودی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اس بنا پر انہوں نے اس کا یہ مفہوم لیا۔ حالانکہ حضورؐ کا مقصد یہ نہ تھا کہ عورتیں آئیں اور روئیں۔ حضورؐ نے بھی جب ان کی جانب سے اپنی خوشنودی کی خواہش کو ملاحظہ فرمایا تو ان کے لئے دعا فرمائی۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس رونے نے نوحہ گری کی صورت اختیار کر لی ہو۔ اور اس سے آپ نے منع فرمایا اور اس مخالفت میں مبالغہ و تاکید فرمائی ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت تک نوحہ بھی مباح ہو اور اس کے بعد اس حکم کو منسوخ فرما دیا ہو (واللہ اعلم)

یہ بات پایۂ صحت کو پہنچی ہے کہ غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے۔ چار مہاجرین میں سے اور چھیاسٹھ[66] انصار میں سے۔ اور کفارِ نگونسار کے لشکر میں سے تقریباً تیس افراد جہنم رسید ہوئے تھے۔

جب مسلمانوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! یہ مصیبت ہمیں کس بنا پر پہنچی تو حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْہَا قُلْتُمْ اَنّٰی ھٰذَا قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ۔ مطلب یہ کہ جب تمہیں وہ مصیبت پہنچی یعنی قتل و جراحت اور تم میں سے ستر اصحاب روز احد شہید ہوئے تو باوجود

تم ان سے دونا روز بدر دشمنوں کو پہنچا چکے ہو کہ ستر کفار بدر میں مارے اور ستر کو قید کیا تھا۔ تو اے محبوب تم فرمادو۔ یہ جو کچھ تمہیں مصیبت پہنچی ہے تو بلاشبہ تمہارے اپنے ہی نفسوں کی طرف سے ہے" کہ تم نے مرکز کو چھوڑ کر حکم کی خلاف ورزی کی۔ اور فتح کا وعدہ، ثبات اور ہماری مطابقت کے ساتھ مشروط تھا اور تم نے اپنے اختیار سے مدینہ منورہ سے باہر جانے میں جلدی کی اور ہمارے حکم اور حضورؐ کی اجازت کا انتظار نہ کیا اور اتنی دیر توقف نہ کیا۔ جیساکہ شروع میں گزر چکا ہے۔ یا اس بنا پر کہ تم نے روز بدر، قیدیوں کے فدیہ لینے کو اختیار کیا تھا اور اس کے عوض یہ وعدہ کیا تھا کہ ان قیدیوں کے برابر یعنی ستر آدمیوں کی شہادت پیش کروگے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے مسلمانوں کی دلداری فرمائی اور فرمایا مَآ اَصَابَکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰہِ دونوں گروہوں کے ملنے کے دن جو تمہیں مصیبت پہنچی اور قتل و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا یہ حق تعالیٰ کی قضا سے تھا" اور مومن چونکہ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ اسے پہنچتا ہے وہ حق تعالیٰ سبحانہ کی طرف سے قضاء و قدر ہوتا ہے اس سے اس کی تسلی ہو جاتی ہے اور وہ اس مصیبت کو آسان کر دیتا ہے۔ جیساکہ حدیث میں آیا ہے کہ قضاؤ قدر پر ایمان و یقین رکھنا، غم و اندوہ کو زائل کرتا ہے۔

## شہداء احد کی مخصوص فضیلتیں

وصل:۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے شہداء احد کی شان میں خصوصیت کے ساتھ فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ مطلق شہادت کی فضیلت میں جو حدیثیں مروی ہیں وہ جدا ہیں۔ فرمایا جب یہ شہداء اس جہان سے منتقل ہو کر اس جہان میں پہنچے تو حق تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں داخل فرمایا۔ روزانہ یہ پرندے جنت کی نہروں میں آتے پانی پیتے، جنت کے پھل کھاتے اور جنتی مکانوں، محلوں، باغوں اور گلستانوں میں اڑتے رہتے ہیں۔ اور جنّت کی سیر کرنے کے بعد ساق عرش پر آویزاں طلائی قندیلوں میں آکر شب گزارتے ہیں۔ جب وہ ان دولتوں سے سرفراز ہوتے اور ان ناز و نعمت کو پاتے ہیں تو بارگاہِ الٰہی میں مناجات کرتے ہیں کہ کون ہے جو ہمارا پیغام ہمارے بھائیوں کو پہنچائے اور ہمارے اس قرب و حضورؐ، عیش و عشرت اور عمدہ و طیب کھانے پینے کی نعمتوں سے انہیں آگاہ کرے تاکہ وہ دنیاوی زندگانی کی مدت کو غنیمت جانیں اور غزوۂ جہاد میں خوب تندہی سے سعی و کوشش کریں اور خود کو ان سعادتوں کے حاصل کرنے اور درجہ شہادت کے پانے کا اہل بنائیں اور اس سے محروم نہ رہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارا رب ہوں، میں تمہارا پیغام

ان تک پہنچاتا ہوں پھر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔

ان لوگوں کو جو خدا کی راہ میں شہید ہوئے تم مردہ نہ گمان کرو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جو انہیں عطا فرماتا ہی خوش ہیں۔

---

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی اور فرمایا اے شہیدو! اور اے میری راہ میں جان کو قربان کرنے والو! مانگو جو چاہو؟ انہوں نے کہا اے ہمارے مولیٰ! اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ ہماری روحوں کو، ہمارے جسموں میں لوٹا دے اور ہمیں دنیا میں بھیجدے تاکہ ہم وہاں تیری رضا میں دوبارہ شہید ہوں۔ فرمان ہوا ہم جس کو قبض کرلیتے ہیں دوبارہ دنیا میں نہیں بھیجتے۔ اس جگہ شارحین کلام کرتے ہیں کہ ازروئے حیاتِ دنیا، دوسری شہادت کے حصول کی غرض سے دوبارہ بھیجنا کیا فائدہ کرتا یہی ثواب جو پہلی مرتبہ کی شہادت سے انہیں حاصل ہوا۔ دوسرا مرتبہ بھی حاصل ہوتا۔ زیادتی کس چیز کی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے انہوں نے یہ خیال کیا ہو کہ دوسری مرتبہ کا ثواب اس سے زیادہ ہوگا چونکہ اس کا ارشاد ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ۔ اگر تم نے شکر کیا تو اور زیادہ دوں گا، اور ممکن ہے کہ شہادت کی لذت اور اس کی چاشنی کا تصور ہو۔ اگرچہ ظاہر میں الم کی صورت رکھتا ہے۔ مگر اس کا ثمرہ اور اجر جو حاصل ہوا اسے حاصل کرنے کا دوبارہ شوق وجذبہ پیدا ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے یہ عرض کرنے کا مقصود اس نعمت کی نفاست، اظہار رضا اور جو کچھ جزا میں حاصل ہوا اس پر شکر کرنا ہو۔ مطلب یہ کہ ہم کسی اور چیز کی خواہش نہیں رکھتے اور نہ کسی چیز کی تمنا ہے۔ ان نعمتوں سے بالاتر اور خوشگوار تر ہم اور کوئی چیز نہیں جانتے اور اگر ہم چاہیں گے تو اسی کو چاہیں گے اور یہ حاصل ہی ہے۔

یہ تو عالم برزخ میں حاصل ہے۔ دیدار الٰہی کا وعدہ تو آخرت کے لئے ہے وگرنہ وہ اسے ہی طلب کرتے کیوں کہ دیدار الٰہی تمام نعمتوں سے بالاتر ہے۔

ظاہر حدیث وآیت کا مطلب یہ ہے کہ شہدار کی حیات حقیقی جسمانی حیات ہے محض معنوی وروحانی نہیں ہے۔ جیساکہ بعض علماء کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ باوجود حیات شہدار کے، انبیاء علیہم السلام کی حیات، ان سے اعلیٰ واتم اور اکمل ہے اور حیات انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ کتاب

"جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب[1]" میں تفصیل کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے اور اس کے تمام پہلوؤں کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر خدا نے چاہا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر وفات کے ضمن میں کچھ اس میں سے بھی بیان کر دیا جائے گا۔

تنبیہ :۔ علماء فرماتے ہیں کہ پرندوں کے قالب میں روحوں کو لانا بھی تعلق ارواح کا طریقہ ہے اور چونکہ پرندوں کے ابدان، ارواحِ انسانی کے تصرف وتدبیر کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ لہٰذا اس سے ان کی تنقیص لازم آتی ہے کیونکہ مرتبہ انسانی سے گھٹا کر مرتبۂ حیوانی میں لانا ایک قسم کی تنقیص ہے تو یہاں یہ صورت نہیں ہے بلکہ اس کی صورت ان جواہرات جیسی ہے جو صندوق و ظروف میں رکھے جاتے ہیں لیکن اس تقدیر پر یہ اعتراض لاحق ہوتا ہے کہ جنت کی نعمتوں سے ان کا لذت پانا اور وہاں نعمتوں سے لطف اندوز ہونا کیا ہے؟ یہ بات آلات وحواس کے وجود کو ظاہر کرتی ہے؟ مگر یہ کہ اسے اس طرح بیان کیا جائے کہ یہ جنتی پرندے، انسانی ابدان ہیں جن میں حواس انسانی کو رکھا گیا ہوگا۔ گویا کہ وہ آدمی ہی ہیں مگر صورت پرندوں کی ہے جس طرح کہ دنیا میں انسانوں کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں جنت میں پرندوں کی صورت میں ہوں گے۔ اس سے تناسخ یعنی آواگون کا وہم پیدا ہو جاتا ہے کہ روح ایک بدن سے نکل کر دوسرے بدن میں داخل ہو گئی۔ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہے کہ اِس بدن کی صورت، اُس بدن کی صورت سے مختلف وجُدا ہے۔ تو اس وہم کا ازالہ اور دفعیہ یہ ہے کہ تناسخ کا بطلان، دنیا میں ہے کہ وہ حشر ونشر کو باطل بناتا ہے۔ اس جگہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ بدن برزخ میں ہے جہاں وہ بطور امانت ہے اور اس کے ساتھ متعلق ہے جسے دور کر دیا جائیگا اور یہ (حشر میں) بدن اصلی میں داخل ہو جائیں گے۔

بعض علما کہتے ہیں کہ شہداء کی ارواح، ان پرندوں کے ساتھ متمثل اور متجسد ہوں گی۔ یہ قول ظاہر حدیث کے منافی ومخالف ہے۔ کیوں کہ فرمان نبوی ہے کہ یَدْخُلُ فِی جَوْفِ طُیُوْرٍ" پرندوں کے قالب میں داخل فرمایا۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید عالمِ برزخ میں مرتبۂ طیور پر رکھا ہو اور بعد از حشر ونشر ابدان اصلی پیدا کر کے مرتبۂ انسانی میں پہنچا دیا جائے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

مواہب لدنیہ میں ہے جسے حافظ عماد الدین ابن کثیر سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں مسند امام احمد میں ایک حدیث ملی ہے جس میں مسلمانوں کو بشارت دی گئی ہے کہ ان کی روحیں جنت

---

[1] یعنی راحت القلوب" (اردو ترجمہ) مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

میں رہتی ہیں اور وہاں وہ کھاتی پیتی اور اس کی سر سبزی و شادابی کو دیکھتی رہتی ہیں۔ اور جن چیزوں سے انہیں سرفراز کیا جائے گا اس کا وہ مشاہدہ کرتی ہیں۔ اور یہ حدیث باسنادِ صحیح عزیز مروی ہے اور ائمہ اربعہ مذاہب میں سے تین امام اور ان کے متبعین، اس میں مجتمع ہیں۔ اور اسے امام احمد، شافعی سے، وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبدالرحمٰن سے وہ اپنے والد کعبؓ بن مالک سے وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا مومن کی روح ایک پرندہ ہے جنت کے درختوں سے (میوے) کھاتی ہے یہاں تک کہ حق تعالیٰ اسے اس کے جسم کی طرف لوٹائے گا جس دن کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ لہٰذا یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مومن کی روح بھی پرند کی صورت میں جنت میں ہے اور شہداء کی روحیں، طائران سبز کے جوف و حواصل میں رہتی ہیں۔ لہٰذا روحِ شہداء عامۂ مومنین کی ارواح کی نسبت سے راکب کی مانند ہیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد سے فارغ ہو گئے تو خطبہ ارشاد فرمایا۔ حق تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد مسلمانوں کی تعزیت فرمائی ان کو اس اجر و ثواب کی خبر دی جو حق تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اس کے بعد یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی۔

رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ۔

بہت سے لوگ وہ ہیں جنہوں نے جو اللہ سے عہد کیا اسے سچ کر دکھایا۔ کچھ تو ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے عہد پورا کر لیا اور کچھ وہ ہیں جو منتظر ہیں۔

حضرت ابی فروہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ایک روز رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم شہداء احد کی زیارت قبور کے لئے تشریف لے گئے۔ فرمایا اے میرے رب تو ہی عبادت کا مستحق ہے بلاشبہ تیرا یہ بندہ اور تیرا رسول گواہ ہے کہ یہ جماعت تیری رضا میں شہید ہوئی ہے۔ اس کے بعد فرمایا جو شخص ان کی زیارت کرتا ہے اور ان کی تحیت و سلام بجا لاتا ہے یہ قیامت تک ان کو جواب دیتے رہیں گے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تو فرماتے:۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی اسی راہ پر گامزن رہے اور اسی طرح زیارت و سلام کرتے رہے۔

فاطمہ خزاعیہ کہتی ہیں کہ میں ایک روز صحرائے احد سے گزر رہی تھی تو میں نے کہا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ میں نے سلام کے جواب میں سنا عَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةٌ۔

اللہ وبرکاتہ۔ عطاف بن خالد مخزومی اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں شہدائے احد کی زیارت کو گیا میرے ساتھ دو غلام تھے جو میرے گھوڑے کی حفاظت کرتے تھے۔ ان کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ چونکہ میں نے سنا ہوا تھا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انہیں سلام کرو کیوں کہ یہ زندہ ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں تو میں نے سلام کیا اور سلام کا جواب سنا ۔ انہوں نے فرمایا "بلاشبہ ہم تمہیں پہچانتے ہیں۔" اس پر میں ہیبت سے لرزہ براندام ہو کر گر پڑا۔ پھر میں جلدی سے سوار ہو کر روانہ ہو گیا۔ شہدائے احد کی فضیلت میں اخبار و آثار بہت ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ چھیالیس[۴۶] سال کے بعد (کسی وجہ سے) بعض شہدائے احد کی قبروں کو کھولا گیا۔ وہ ویسی ہی تر و تازہ مثل غنچہ ہائے گل، اپنے کفنوں میں تھے۔ تم یہی کہو گے کہ انہیں آج ہی دفن کیا گیا ہے۔ ان میں سے بعضوں کو دیکھا گیا کہ زخموں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں جب زخموں سے ہاتھ اٹھایا گیا تو زخموں سے تازہ خون بہنے لگا۔ جب ان کے ہاتھوں کو چھوڑا گیا تو وہ زخموں پر ہی واپس پہنچ گئے۔

وہ واقعات جن کی بنا پر ان قبور شریفہ کو کھولا گیا ان میں سے ایک یہ تھا کہ کسی کا قریبی شخص کسی اجنبی کے ساتھ مدفون ہو گیا تھا یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح اجازت کے ساتھ یا کسی قرینہ یا قیاس و اجتہاد کے ساتھ وہ انہیں نکال کر علیحدہ دفن کرنا چاہتے تھے۔ اور بعض قبریں اس سیلاب کی وجہ سے کھل جاتی تھیں جو بعض وادیوں سے اندر ہی اندر پانی رس رس کر آجاتا تھا۔ مگر یہ قلیل الوقوع تھا۔ ورنہ اکثر قبریں اس بنا پر کھلیں کہ حضرت معاویہؓ بن ابوسفیان نے اپنی امارت کے زمانہ میں مشہد کے راستہ سے ایک نہر جاری کرائی تھی اور اکثر قبریں اسی سیل سے مکشوف ہوئیں۔ اور شہداء کو ان کی قبروں سے باہر لایا گیا۔

تاریخ مدینہ میں امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے شفاء الاسقام میں منقول ہے کہ جب امیر معاویہؓ نہر کھدوا رہے تھے اور وہ نہر ان شہداء کے قریب سے گزری تو ایک کدال حضرت سید الشہداء حمزہؓ بن عبد المطلب کے قدم اقدس پر لگا۔ اور اس سے خون بہنے لگا۔ اس زمانہ میں جبکہ یہ نہر کھودی جا رہی تھی عامل نے مدینہ میں منادی کرائی کہ امیر المومنین کی نہر آ رہی ہے جس کسی کے عزیز کی قبر ہو وہ آ کر انہیں نکال کر کسی اور جگہ منتقل کر دے (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان اور مشرکین احد کی جنگ سے مکہ واپس ہونے لگے تو وہ اپنی واپسی پر پشیمان تھے وہ کہتے تھے کہ ہم نے زحمت اٹھائی۔ لشکر جمع کیا اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے لشکر میں نہبت عظیم برپا کی۔ ان کے اخیارِ اصحاب کو شہید کیا ہنوز کام تمام بھی نہ ہوا تھا کہ لوٹ پڑے۔ مصلحت یہ ہے کہ پھر لوٹ چلیں اور ان کے اصحاب کا مکمل استیصال کر دیں (نعوذ باللہ) اس کے بعد مکہ جائیں۔ عکرمہ بن ابوجہل اس معاملہ میں ابوسفیان کے موافق تھا۔ لیکن صفوان بن امیہ کی رائے مخالف تھی۔ وہ کہتا تھا "تمہاری یہ رائے اچھی نہیں ہے ممکن ہے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) اور ان کے اصحاب اس مصیبت کی بنا پر جو انہیں پہنچی ہے۔ اب تمہارے ساتھ غضب وانتقام کے جذبے سے مقابل آجائیں اوس وخزرج کے تمام لوگ احد میں موجود نہ تھے لہٰذا اب وہ اُن سب کو جمع کر کے تمہارے مقابلہ میں لے آئیں گے۔ اور اس معاملہ میں بڑی سعی وکوشش کریں گے۔ اور تم سے مقابلہ کریں گے اور بعد از مغلوبیت، غالب آجائیں گے اور معاملہ الٹ کر رہ جائے گا۔"

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کو جب ان کے لوٹ پڑنے کے ارادے کی خبر پہنچی تو مشرکوں کے دلوں میں خوف ورعب ڈالنے کے لئے چاہا کہ انہیں ڈرائیں اور جتلا دیں کہ اہل اسلام میں ان کے ساتھ جنگ کرنے کی شوکت وقدرت اب بھی موجود ہے۔ یہ اتوار کا دن تھا۔ ابھی کل جنگ ہو چکی تھی۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اعلان کر دیں کہ حکمِ الٰہی یہ ہے کہ مشرکوں کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ اور لازم ہے کہ وہ شخص جو احد میں حاضر نہ تھا باہر نہ آئے یعنی وہی لوگ باہر آئیں جو کل احد میں موجود تھے۔ مانا کہ غرض اس سے یہ تھی کہ مشرکین جان لیں کہ وہ حضرات جو احد میں حاضر تھے اور جنہوں نے جنگ وقتال میں حصہ لیا تھا ان میں کسی قسم کی کمزوری اور سُستی طاری نہیں ہوئی ہے وہ اب بھی جنگ کر سکتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی جان لیں کہ اوس وخزرج کے وہ باقیماندہ حضرات جو جنگ احد میں حاضر نہ تھے ابھی ہم ان کی امداد واعانت کے محتاج نہیں ہیں۔ صحابہ نے جب یہ سنا کہ حکم الٰہی ایسا ہے تو انقیاد واطاعت میں کمر بستہ ہو گئے اور زخموں پر پٹیاں باندھ کر جنگ کے لئے مستعد وتیار ہو کر نکل آئے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم بھی ہتھیاروں سے مسلح تشریف لا کر برسرِ راہ کھڑے ہو گئے۔ لشکرِ اسلام بھی قریب آگیا۔ ان حضرات کی شان میں یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔ (جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہی بعد اس کے جو ان کو زخم وغیرہ پہنچے تھے اس لئے کہ انہوں نے نیکی کی اور خدا سے ڈرے، ان کے لئے بڑا اجر ہے)

حضرت جابر بن عبداللہ رضؓ نے جو اپنے والد کے گھر بار کی نگہداشت کی وجہ سے احد میں حاضر نہ ہوئے تھے عرض کیا کہ مجھے بھی اجازت دیجئے تاکہ اس غزوہ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہوں ان کو اجازت عطا ہوئی ان کے سوا کسی بھی ایسے شخص کو جو احد میں حاضر نہ تھا اجازت نہ مل سکی آپ نے ابن اُم کلثوم رضؓ کو مدینہ منورہ میں خلیفہ بنایا اور حضرت علیؓ بن ابی طالب کو عَلَم سپرد فرمایا ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو دیا۔ اور حمراء الاسد، جو ایک مقام کا نام ہے یہ مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر بائیں جانب واقع ہے اور یہاں سے ایک راستہ ذوالحلیفہ کو جاتا ہے۔

آپ وہاں تک تشریف لے گئے۔ جب رات ہوئی تو فرمایا پانچ سو جگہ آگ روشن کی جائے ظاہر ہے کہ یہ تدبیر لشکر کو دشمن کی نظر میں زیادہ بڑا دکھانے کے لئے تھی تاکہ مشرکین جب اس روشنی کی بابت سنیں اور دیکھیں تو ان پر خوف و ہیبت طاری ہو (واللہ اعلم)

معبد بن ام معبد خزاعی جو ابھی اسلام سے مشرف نہ ہوا تھا لیکن وہ حضورؐ سے بڑی محبت رکھتا تھا اس لئے کہ قبیلہ بنی خزاعہ کے لوگ حضورؐ کے حلیف و ہم سوگند تھے اس وقت مکہ جارہا تھا جب وہ "حمراء الاسد" میں پہنچا تو اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور صحابہ کرام کی تعزیت حضورؐ سے کی۔ اس کے بعد وہ سفر کی غرض سے آگے چلدیا جب وہ ابوسفیان اور مشرکوں کے لشکر میں پہنچا تو ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کیا خبر رکھتے ہو؟ معبد نے جواب دیا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) حاضرینِ معرکہ احد اور ان کے سوا بہت سے اصحاب کی جمعیت کے ساتھ تم سے انتقام لینے کے لئے مدینہ طیبہ سے باہر آگئے ہیں اور میں نے ان کو ........ "حمراء الاسد" میں چھوڑا ہے۔ کفار نے کہا "یہ کیا بات ہے"

معبد نے کہا "خدا کی قسم میں ٹھیک کہتا ہوں میرا خیال ہے کہ قبل اس کے کہ تم اس منزل سے کوچ کرو ان کے لشکر کے گھوڑوں کی پیشانیاں دیکھ لوگے اور ان کی آواز سن لوگے"، مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ حضورؐ نے غیر حاضرینِ معرکہ اُحد کو اپنے ہمراہ نہ لیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے مگر معبد نے چونکہ کہا حاضرینِ معرکہ اور ان کے سوا بڑی جمعیت کے ساتھ باہر نکلے ہیں اور اس نے اس پر جھوٹی قسم بھی کھائی تو ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اس نے یا تو دروغ مصلحت آمیز خیال کر کے قسم کھائی یا پھر اس نے ایسا ہی گمان کیا تھا اور تحقیق حال اور اس کی تفتیش نہ کر سکا تھا اور یوں ہی کہہ دیا ہو۔ یا یہ بات ہو کہ اس زمانہ میں اس میں راست گوئی کا جذبہ نہ ہو۔ بہر حال خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ اس خبر سے مشرکوں کا وہم قوی ہو گیا۔ اور ان کے دل میں ایک خوف طاری ہو گیا۔ اور پوری تیزی کے ساتھ مکہ کی جانب چل پڑے معبد نے فوراً ایک قاصد حضورؐ کی خدمت میں بھیجا اور آپ کو صورت حال سے باخبر کیا۔ ادھر ابوسفیان نے بھی

ایک جماعت مدینہ کی طرف بھیجی کہ وہ مسلمانوں کو ڈرائے کہ ہم جنگ اور تمہیں نیست و نابود کرنے کے ارادے سے آنے والے ہیں ہشیار رہیں" یہ لوگ بھی حمراء الاسد پہنچے اور ابوسفیان کی بات مسلمانوں کو پہنچادی۔ مسلمانوں نے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اسی مفہوم کی خبر یہ آیۂ کریمہ دے رہی ہے کہ

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ۔

وہ حضرات جن سے لوگوں نے کہا کہ وہ تمہارے برخلاف جمع ہو گئے ہیں ان سے ڈرو تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ ہوا۔ اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا وکیل ہے۔

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ مسلمان کو جب دشمن کی طرف سے کوئی خوف و ہراس لاحق ہو تو یہ کلمہ کہے تا کہ ان کے شر سے نجات پائے۔ ماثورہ دعاؤں میں اتنا اضافہ مروی ہے۔ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔

اسی جگہ یعنی حمراء الاسد میں ابوعزہ شاعر جو اسیران بدر میں سے تھا اور بغیر فدیہ لئے یہ عہد لے کر چھوڑ دیا گیا تھا کہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی جنگ میں شریک نہ ہو گا مگر اس نے بدعہدی کی تھی اور وہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں موجود تھا گرفتار ہوا۔ حضورؐ نے اسے قتل کر دینے کا حکم دیا اور فرمایا:۔ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَّرَّتَيْنِ مسلمان ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا"۔ دوسرا شخص معاویہ بن مغیرہ جو واجب القتل تھا۔ اور مسلمانوں کو ایذائیں دیتا تھا گرفتار ہوا۔ حضورؐ نے ان دونوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔

## سریہ رجیع

واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے جو ہجرت کے چھتیسویں مہینہ، ماہ صفر میں واقع ہوا۔ وہ سریہ رجیع ہے جو "ہذیل" کی طرف ہے۔ یہ مقام مکہ اور عسفان کے درمیان نواح حجاز میں ہے۔ چونکہ اس قضیہ کا وقوع اس کے قریب ہی ہوا تھا اس لئے اس قضیہ کا یہی نام رکھ دیا گیا۔ اس قصہ میں عضل اور قارہ کی بات ہے۔ یہ دو گاؤں کے نام ہیں۔ دوسرا سریہ بیر معونہ کا ہے۔ جو سال چہارم میں واقع ہوا ہے۔ اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔ اس میں رعل اور ذکوان کا ذکر ہے۔ محمد بن اسحٰق کہتے ہیں کہ سریہ رجیع تیسرے میں ہے اور "بیر معونہ" چوتھے سال کے شروع میں ہے۔ ان دونوں سریے کا وقوع ایک دوسرے سے قریب ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اصحاب رجیع اور بیر معونہ کی خبر ایک ہی رات میں آئی اور ترجمہ بخاری کا سیاق بھی یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ سریہ رجیع و بیر معونہ کا بھیجنا ایک ہی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ رجیع کی طرف عاصم و حبیب اور ان کے اصحاب کے سریہ کو بھیجا گیا تھا اور یہ عضل (بفتح عین وسکون ضاد اور آخر میں لام) اور قارہ (بقاف وراء) کے ساتھ ہے اور بیر معونہ، سریہ قراء ہے اور وہ رعل و ذکوان کے ساتھ

ہے۔ بخاری نے دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس بنا پر کہ دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ بخاری کی یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ دونوں ایک ہی قضیئے ہیں۔

اب رہا سریہ رجیع کی تفصیل! وہ یہ ہے کہ احد سے واپسی کے بعد سفیان بن خالدؒ ہذلی (بضم ہا و فتح ذال) لحیانی جو اشقیا زماں میں سے تھا عضل و قارہ کے قبیلہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ قریش کی تہنیت کے لئے مکہ پہنچا کیونکہ بظاہر احد میں ان کو ایک قسم کی فتح اور غلبہ نے مُنہ دکھایا تھا۔ جب وہ مکہ میں آئے تو انہوں نے سنا کہ سلافہ بنت سعد، زوجہ طلحہ بن ابی طلحہ نے جو احد میں کافروں کی علمبردار تھی اور اس کا شوہر اور اس کا بیٹا مارا گیا تھا اس نے اعلان کرایا ہے کہ جو کوئی عاصم بن ثابت (جنہوں نے اس کے شوہر اور دونوں بیٹوں کو واصل جہنم کیا تھا) کا سر لائے گا اسے سو منتخب اونٹ دئے جائیں گے۔ مدارج النبوت کی عبارت سے بھی مستفاد ہوتا ہے اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سلافہ کا اعلان خاص طور پر عاصم بن ثابت کے بارے میں تھا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ اس عورت نے شرط لگائی تھی کہ جو کوئی ان کے بیٹوں کے قاتلوں میں سے کسی ایک کا سر لائے گا اسے بہترین سو اونٹ دئے جائیں گے۔ اس کے چار بیٹے تھے ان میں سے دو کو تو حضرت عاصمؓ بن ثابت نے واصل جہنم کیا تھا اور ایک کو حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ نے اور ایک کو حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت کی شرط خاص طور سے عاصمؓ بن ثابت کے ساتھ نہ تھی۔ اور حضرت عاصمؓ کا نام خاص طور پر یوں لیا گیا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے عاصمؓ کو سریہ کے ہمراہ بھیجا تھا۔ بہر تقدیر سفیان بن خالد شقی مذکور کو اس میں یہ لالچ پڑا کہ اگر اس عورت کا مقصود حاصل ہو جائے تو سو اونٹ ہاتھ آجائیں گے۔ اس نے اس کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور اس منصوبہ کے تحت اس نے اپنی قوم کے شریر لوگوں میں سے سات کو چُنا اور ان کو مدینہ کی طرف روانہ کر دیا کہ وہ حضورؐ کے پاس پہنچ کر اسلام کا اظہار کریں۔ اور عرض کریں کہ وہ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو ہمارے ہمراہ بھیجیں تاکہ وہ ہماری قوم کو اسلامی احکام و شرائع سکھائیں۔ ممکن ہے وہ سلافہ کے لڑکوں کے تینوں قاتلوں میں سے کسی کو تمہارے ہمراہ روانہ کر دیں اس طرح ہمارا مدعا حاصل ہو جائے گا۔ چنانچہ قوم عضل و قارہ کے یہ ساتوں آدمی مدینہ آئے۔ اور کہنے لگے یا رسول اللہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور ہماری قوم کی ایک جماعت بھی اسلام میں آگئی ہے۔ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کو بھیجئے۔ تاکہ وہ ہمیں قرآن پڑھائیں اور احکام شریعت سکھائیں۔

صحیح بخاری میں اس قصہ کا ذکر نہیں ہے اور حدیث کو یہیں سے شروع کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سریہ کو بھیجا اور عاصمؓ بن ثابت کو امیر بنایا۔ پھر یہ سریہ عُسفان اور مکہ کے

درمیان روانہ ہو گیا۔ (آخر قصہ تک) اور جس طرح کہ کتب سیر میں اس قصہ کو بیان کیا گیا ہے۔
یہی ہے کہ سفیان بن خالد نے اپنی قوم کے سات شخصوں کو حضور کے پاس مدینہ منورہ بھیجا۔ اور
نفاق سے اسلام ظاہر کیا اور ایک جماعت کو ساتھ بھیجنے کی درخواست کی۔ پھر حضور
نے عاصم کو ایک سریہ کے ساتھ بھیجدیا۔ اس طریقہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اس جماعت نے ثابت رض بن
ابی الافلح (جو عاصم رضی کے والد ہیں)، کے یہاں قیام کیا اور عاصم رض کے ساتھ محبت و مودت کی بنیاد رکھی
اور صبح و شام عاصم رض سے خوشامد و چاپلوسی کی باتیں کرنے لگے اور کہتے کیا بات ہے کہ تم اپنے تمام آدمیوں
کے ساتھ ہی رہتے ہو حالانکہ ہمارے نبی ہمارے ساتھ بھیجیں گے پھر حضور نے دس صحابہ کو منتخب
فرما کر ان سات آدمیوں کے ساتھ کیا جس میں عاصم رض، خبیب رض بن عدی، مرثد رض، عبداللہ رض بن طارق، خالد رض
بن ابی البکر، زید رض بن الدثنہ تھے۔ اور عاصم رض کو بقول صحیح اور بقول مرثد امیر بنایا۔ اس کے بعد یہ دس صحابہ
ان سات عضل وقارہ کے منافقوں کے ساتھ اپنے ہتھیار لگا کر چل پڑے۔ اور اس موضع تک
پہنچے جس کا نام "ہدہ" ہے جو عسفان اور مکہ کے درمیان ہے۔ ان منافقوں میں سے ایک جدا ہو کر
سفیان بن خالد ملعون کے پاس چلا گیا۔ اور حضرت عاصم رض اور ان کے اصحاب کے آنے کی خبر دی
اور وہ جہنمی کتا، تقریباً دو سو دیگر ملعونوں کے ساتھ ایک روایت میں ہے کہ تقریباً سو تیر اندازوں
کے ساتھ مسلمانوں کی طرف آیا۔ ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ اس روایت میں
غیر تیر اندازوں کا شمار و اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔ صبح کا وقت تھا اور عاصم رض اپنے ساتھیوں کے ساتھ
اس موضع تک پہنچ گئے تھے جو رجیع کے قریب تھا وہ وہیں اتر گئے اور وہ کھجوریں جو مدینہ منورہ سے
اپنے ہمراہ لائے تھے کھاتے جا رہے تھے اور پہاڑ پر چڑھ رہے تھے۔ ابن سعد کی روایت میں اس
طرح ہے کہ جب انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے ساتھ فریب کیا گیا ہے تو عاصم رض اور ان کے ساتھی
نے فدفد کی پناہ لی۔ فدفد بروزن جعفر ہے اور اونچے ٹیلے کو کہتے ہیں۔ پہلی روایت سے یہ معلوم
ہوتا ہے ان سات منافقوں میں سے ایک کا جدا ہو جانا انہوں نے محسوس کر لیا تھا جس سے انہوں
نے یہ جان لیا کہ یہ کافر ملعون ہیں۔ اور یہ مقام فریب و دغا ہے۔ قبیلہ بنو لحیان کی ایک عورت اس
نواح میں بکریاں چرا رہی تھی جب وہ رجیع کے پانی پر پہنچی تو دیکھا کہ وہاں کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی ہیں
کہنے لگی خدا کی قسم یہ کھجوریں یثرب کی ہیں اس لئے کہ مدینہ کے کھجوروں کی گٹھلیاں باریک و پتلی ہوتی
ہیں۔ اس نشانی سے اس نے پہچانا اور کافروں سے کہا کہ اے لوگو تمہارے مطلوبوں کی جماعت نے
رات اس پانی پر گزاری ہے۔ پھر کفار رجیع سے قدموں کے نشانوں پر چلنے لگے وہ بدبخت و ملعون

شخص جو راہ سے جدا ہو گیا تھا ان کافروں کے آگے آگے آ رہا تھا۔ خالد بن ابی البکر نے عاصم رضی اللہ عنہ سے کہا "اے ابو سلیمان تمہارے مہمان نے ہمیں فریب دیا ہے عاصم رضی اللہ عنہ نے ان کی تصدیق کی اور ساتھیوں کو جنگ کرنے کی ترغیب دی اور کہا۔" اے ساتھیو! درجۂ شہادت کو غنیمت جانو اور اعدائے دین کے ساتھ جنگ کرو۔ کافروں نے جب دیکھا کہ مسلمان جنگ کرنے پر آمادہ ہیں تو وہ نصیحت کرنے لگے کہ خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو کیوں کہ تم ہمارے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے"۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم مرنے سے نہیں ڈرتے کیوں کہ ہم دین حق کے مددگاروں میں سے ہیں اور دین کی راہ میں جان دینا ہمارا کام ہے۔ کافروں نے کہا "اے عاصم رضی اللہ عنہ! جلدی نہ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو ہم تمہیں امان اور پناہ دیتے ہیں۔ عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے لوگو! میں کسی مشرک کی امان قبول نہیں کرتا اور کسی کافر کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیتا۔ میں نے خدا کے ساتھ عہد کیا ہے اور اسی سے التجا کی ہے کہ میرے کسی عضو کو کوئی کافر نہ چھوئے۔ میں نے سنا ہے کہ طلحہ کی بیوی سلافہ نے نذر مانی ہے کہ میرے سر کے پیالہ میں شراب پئے۔ اس کے بعد کہا۔" اے خدا ہمارے احوال کی خبر ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے۔ اللہ تعالے نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی اور حضور نے لوگوں کو وہ سب کچھ بتا دیا جو انہیں مصیبت پہنچی تھی انہوں نے دعا مانگ کر تیر اندازی شروع کر دی۔ جب تیر ختم ہو گئے تو نیزے سے مقابلہ شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کا نیزہ ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد تلوار نکال کر مقابلہ شروع کر دیا۔ اور دعا میں کہا۔" اے خدا! میں نے پہلے دن سے ہی تیرے دین کی حمایت کی ہے تو آخری دن میں میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ۔" اس کے بعد کافروں نے تیروں کی بارش شروع کر دی اور عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا (رضی اللہ عنہ)

یہ جو انہوں نے دعا میں کہا تھا کہ "اے خدا میں نے پہلے دن سے ہی تیرے دین کی حمایت کی ہے تو آخری دن میں میرے جسم کو مشرکوں سے محفوظ رکھ۔" اس میں اپنے عمل پر اجرت و مزدوری کی طلب اور اس کا استحقاق نہیں ہے۔ بلکہ مقصود اظہارِ تمنا و آرزو ہے۔ کیوں کہ جب اس نے اپنے فضل سے یہ بات عطا فرمائی ہے تو میں اس کا بھی امیدوار ہوں کہ تو ایسا کرے۔ اس لئے کہ اہل حقیقت کا طریقہ بابِ قرب میں طلبِ اجر نہیں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ شریعت کے معاملہ میں وعدۂ حق سبحانہ وتعالیٰ کے صدق پر پس نظر ہوتی ہے۔ اور اہلِ غار کی بات میں آیۂ کریمہ کی دلالت موجود ہے کہ فرمایا: اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ اگر تم نے اللہ کی مدد کی تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ یہ اس پر دلیل وحجت ہے، جب ان اربابِ شقاوت نے ارادہ کیا کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو ان کے

تن اقدس سے جدا کر کے سلافہ کے پاس لے جائیں اور شرط کے بموجب سو اونٹ حاصل کریں تو حق تعالیٰ نے زنبور یعنے بھڑوں کے ایک لشکر کو حضرت عاصمؓ کے تن اقدس کی حفاظت کے لیے بھیجا اور انہوں نے ان کے جسم کو اپنے گھیرے میں لے لیا جو کافر بھی آگے بڑھتا ایک دم ہجوم کر کے اس پر حملہ کرتیں اور اپنے ڈنک سے اسے کاٹ لیتیں اور اس کو حضرت عاصمؓ کے پاس سے بھگا دیتی تھیں۔ یہاں تک کہ کسی کو طاقت نہ ہوئی کہ ان کے قریب آسکتا جب رات ہوئی تو حق تعالیٰ نے پانی کا ایک سیلاب بھیجا جو ان کے جسم شریف کو بہا کر لے گیا اور انہیں دشمنوں سے اوجھل کر دیا۔

مروی ہے کہ جب سفیان بن خالد اور اس کی قوم ملاعنہ، سلافہ بنت سعد کے پاس ان اونٹوں کی طلب میں گئی۔ تو سلافہ نے کہا کہ میں نے تو یہ شرط لگائی تھی کہ جو کوئی میرے لڑکوں کے قاتلوں کو بجنسہ یا ان کا سر لائے گا تو میں اسے سو اونٹ دوں گی تم تو کچھ بھی اپنے ساتھ نہ لا سکے ہیں اونٹ کس لئے تمہیں دوں۔ چنانچہ یہ وہاں سے خائب و خاسر اور نامراد لوٹے (لعنۃ اللہ علیہم اجمعین)

اس سریے کے چھ حضرات، کفار کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے، خبیبؓ بن عدی عبد اللہؓ بن طارق اور زیدؓ بن الدثنہ کو یہ مشرک امن کا وعدہ کر کے پہاڑ سے نیچے لے آئے بعد میں ان بدبختوں نے عہد شکنی کی اور ان کے ہاتھوں کو ان کی کمانوں کے چلّے سے باندھ دیا۔ عبد اللہؓ بن طارق نے جب ان کی غداری دیکھی تو کسی حیلہ سے اپنے ہاتھوں کو بندش سے کھول لیا اور شمشیر تان کر دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ بالآخر کافروں نے سنگ باری کر کے ان کو شہادت کی سعادت سے بہرہ مند کر دیا۔ خبیبؓ اور زیدؓ کو فروخت کرنے کے لئے مکہ لے گئے۔ خبیبؓ کو حارث بن عامر بن نوفل نے خرید لیا۔ تاکہ حارث بن عامر کے بدلے میں کیوں کہ اس کو خبیبؓ نے مارا تھا قتل کرے اور حضرت زیدؓ کو صفوان بن امیہ نے پچاس اونٹوں میں خرید لیا۔ تاکہ حارث بن عامر کے بدلے میں تمام ہو کیونکہ اس کو خبیبؓ نے مارا تھا ان کو مکہ معظمہ میں ماہِ ذیقعدہ میں لایا گیا تھا۔ اس کے بعد ان دونوں کو محبوس کر دیا گیا تاکہ اشہرِ حرم یعنی حرمت والے مہینے گزر جائیں۔

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ خبیبؓ کو جب وہ محبوس تھے لوگوں نے انگور کا خوشہ کھاتے دیکھا، حالانکہ مکہ مکرمہ میں اس زمانہ میں کسی قسم کا کوئی میوہ بازاروں میں نہ ہوتا تھا اور خوشۂ انگور کا رزق دیا جانا حق تعالیٰ کی ہی جانب سے انہیں روزی پہنچانا تھا۔ جب اشہرِ حرم گزر گئے تو موضع تنعیم میں جو زمین حرم سے خارج ہے اور مکہ سے قریب ترین زمینِ حل ہے۔ وہاں خبیبؓ اور زید کو سولی

پر چڑھانے کے لئے لائے۔ اس وقت خبیبؓ نے قریش سے کہا کہ انہیں اتنی مہلت دیدی جائے کہ وہ دو رکعت نماز پڑھ لیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈالا کہ وہ ان کی اس خواہش کو مان لیں اور شہیدان حق کے درمیان ان کی یہ سنت یادگار رہے۔ حضرت خبیبؓ فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ لوگ یہ کہیں کہ وہ موت سے ڈرتا ہے تو میں نماز کو طویل کرتا۔ اس وقت چند اشعار کہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "میں مرنے سے نہیں ڈرتا جبکہ میں مسلمان ہو کر مر رہا ہوں۔ خواہ میرے جسم کے ایک ایک جوڑ کو جدا کر کے مجھے ہلاک کریں۔ میری یہ ہلاکت، ذاتِ حق تعالیٰ کی خوشنودی و رضا میں ہے اگر خدا نے چاہا تو وہ میرے جسم کے ٹکڑوں پر برکتیں نازل فرمائے گا۔"

اس کے بعد ان کافروں پر لعنت بھیجی اور دعا کی کہ "اے خدا ان میں سے کسی کو نہ چھوڑ اور ان سب کو جدا جدا کر کے ہلاک فرما۔ اور ان میں سے کسی ایک کو نہ چھوڑ"۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس وقت جتنے موجود تھے ان میں سے اکثر کو تھوڑے ہی زمانہ میں بلاؤں میں مبتلا کر کے ہلاک کر دیا۔ معاویہؓ بن ابی سفیان کہتے ہیں کہ میں اس واقعہ کے وقت موجود تھا۔ میرے باپ نے مجھے ان کی دعا کے خوف اور ڈر سے زمین پر لٹا دیا تاکہ اس کے حق میں یہ بددعا اثر نہ کرے۔ سبحان اللہ کیا جہل و عناد ہے اگر تم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی دعا کا ایسا اثر مانتے ہو اور اس سے ڈرتے ہو اور اس کا اعتبار کرتے ہو تو کیوں سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتے اور ان پر ایمان نہیں لاتے۔ یقیناً یقیناً آپ سے بھی وہ سب ڈرتے ہیں لیکن ان کی شقاوت اور ان کا عناد ان کا پیچھا نہ چھوڑتا تھا کہ وہ ایمان لائیں نعوذ باللہ من ذالک۔ اس کے بعد خبیبؓ کو سولی پر اس طرح لایا گیا کہ ان کا چہرہ مبارک مدینہ طیبہ کی طرف رہے اور کعبہ سے رُخ پھرا رہے حضرت خبیبؓ نے فرمایا مجھے اس سے کیا نقصان ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ "تو تم جدھر رُخ کرو گے اسی طرف حق تعالیٰ کا رُخ ہے"۔ اور خود مدینہ منورہ، کعبہ کا اور ان کا حقیقی قبلہ ہے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما ہیں۔ پھر کفار نے ان سے کہا دین اسلام سے منحرف ہو جاؤ تو تمہیں نجات دیدیں گے۔ فرمایا قسم ہے رب العزت کی، اگر تمام روئے زمین مجھے دیدو تو میں دین حق سے منہ نہ موڑوں گا۔ ایک جان کیا چیز ہے سو جانیں بھی ہوں تو اس پر فدا ہیں۔ کفار کہنے لگے اس وقت تمہاری خواہش تو یہ ہوگی کہ تیری بجائے اس دار پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے (معاذ اللہ) اور تو اپنے گھر میں سلامتی کے ساتھ رہتا"۔ خبیبؓ نے فرمایا "خدا کی قسم میں تو یہ بھی گوارہ نہیں کرتا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں کانٹا چبھے اور میں گھر میں بیٹھا ہوں

غرضکہ کفار نے ہر قسم کا خوف دلایا اور سختیاں کیں اور بیہودگیاں بکیں کہ ان کو دین حق سے منحرف کردیں مگر وہ منحرف نہ ہوئے یہاں تک کہ ان کو قتل کردینے ہی کا فیصلہ قرار پایا۔ اس وقت انہوں نے کہا "اے خدا! میں اس جگہ دشمنوں کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا ہوں اور دوستوں میں سے کوئی یہاں نہیں ہے جو میرا پیغام تیرے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ اے خدا! تو ہی میرا سلام بارگاہِ رسالت میں پہنچا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں ایک جماعت کے ساتھ موجود تھا کہ یکایک حضورؐ پر وحی کی علامت ظاہر ہوئی اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا و رحمۃ اللہ علیہ۔ اور فرمایا خبیبؓ کو قریش نے شہید کردیا ہے اور یہ جبریل امین ہیں جو اُن کا سلام مجھے پہنچا رہے ہیں' اس کے بعد مشرکوں نے بدر کے پسماندوں کو بلایا جن کے باپ وغیرہ بدر میں مارے گئے تھے۔ چالیس آدمی برچھیاں تانے آگے آگئے اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہٗ کے جسم اقدس میں چبھونے لگے وہ ان کی ضرب سے اضطراب میں آتے اور جنبش کرتے یہاں تک کہ ان کا چہرہ کعبہ کی جانب ہوگیا۔ اس وقت انہوں نے کہا حمد ہے اس خدا کی جس نے میرا رخ اس کعبہ کی جانب پھیرا جس سے وہ خود راضی ہے اپنے لئے، اپنے نبی کے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے۔ اگرچہ ان کا رخ بہر حال قبلۂ حقیقی کی جانب تھا۔ لیکن انہوں نے چاہا کہ حق تعالیٰ اس رُخ میں ظاہر و باطن، صورت و معنی اور حقیقت و شریعت کو جمع فرمادے' اس کے بعد ان اشقیاء میں سے ایک نے ان کے سینۂ بے کینہ پر ایسا نیزہ مارا جو ان کی پشت سے پار ہو لیا۔ اس وقت زبان پر کلمہ توحید جاری ہوگیا اور کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے اس جہان سے دارِ آخرت میں چلے گئے۔ (رضی اللہ عنہٗ وارضاہ)

اس کے بعد حضرت زید بن الدثنہ رضی اللہ عنہٗ کو لائے انہوں نے بھی حضرت خبیبؓ کی پیروی میں دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت لیکر پڑھی۔ کفار نے ان کے ساتھ بھی وہی کچھ بک بک کی جو حضرت خبیبؓ سے کرچکے تھے اور ان کے ساتھ بھی وہی کیا اور اسی طرح جس طرح حضرت خبیبؓ کو شہید کیا تھا ان کو بھی شہید کیا اور وہ اس عالم سے اُس عالم کی طرف گئے (رضی اللہ عنہٗ وارضاہ)۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان کو صفوان بن امیہ کے غلام نے جس کا نام نسطاس تھا شہید کیا۔

منقول ہے کہ جب حضرت خبیبؓ اور زید کو شہیدؓ کرچکے تو ابو سفیان کہنے لگا ہم نے کسی کے اصحاب کو ایسا نہ دیکھا جتنے جانباز اور جاں نثار، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب ہیں (صلے اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ) جب حضرت خبیبؓ کو دار پر لٹکا ہوا چھوڑ دیا تو ان اشقیاء کی فضیحت و رسوائی

اس سعادتمندی کے ساتھ بہ نسبت زیدؓ کے زیادہ سخت واشد ہوگئی۔ نیز ظاہر ہے کہ حضرت خبیبؓ کا مرتبہ بارگاہِ رب العزت میں زیدؓ سے زیادہ غالب وعالی تر تھا۔ اس وجہ سے ان کی عزت ورفعت زیادہ ہوئی۔ اور حضرت خبیبؓ کو کئی دن تک اسی طرح دار پر لٹکائے رکھا تاکہ ان کے قتل کی خبر سارے عرب میں پھیل جائے۔ ان کے حال کی حقیقت، سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ مکشوف ہوچکی تھی۔ اس وقت حضورؐ نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ کون ہے جو جائے اور خبیبؓ کو دار سے اتار کر لائے اور اس کے بدلے میں بہشت بریں پائے۔ حضرت زبیرؓ بن العوام اور مقدادؓ بن الاسود اس خدمت کو اپنے اوپر لازم کر کے روانہ ہوئے۔ دن چھپ کر گزارتے اور رات کو سفر طے کرتے۔ اس طرح قطع منازل کر کے رات کے وقت تنعیم میں پہنچے۔ جہاں حضرت خبیبؓ کو دار پر لٹکایا ہوا تھا چالیس آدمی دار کے گرد سوٹے پڑے تھے یہ خبیبؓ کو آہستگی سے اتار لائے۔ یہ چالیسؔ دن گزر جانے کے بعد بھی ہنوز تر و تازہ تھے۔ اور اُن کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا۔ اور مشک کی مانند خوشبو سے مہک رہا تھا۔ حضرت زبیرؓ کے گھوڑے پر انہیں بار کر کے دونوں رفیق لوٹ پڑے۔ جب صبح ہوئی تو قریش کو پتا چلا۔ ستر سوار ان کے تعاقب میں دوڑا دیئے۔ جب وہ ان کے قریب پہنچے تو حضرت زبیرؓ حضرت خبیبؓ کے جسم کو گھوڑے کی پشت سے اتار کر زمین پر رکھدیا زمین نے اسی وقت ان کو اپنے اندر سمولیا۔ اس سبب سے خبیبؓ کو "بلیغ الارض" یعنی زمین کے نگلنے والے" کہا جاتا ہے اس کے بعد حضرت زبیرؓ نے کفار کی طرف رُخ کر کے فرمایا میں زبیرؓ بن العوام ہوں اور میری والدہ صفیہؓ بنت عبد المطلب ہیں۔ اور یہ میرے ساتھی مقدادؓ بن الاسود ہیں ہم دو شیر ہیں جو اپنے کچھار میں جارہے ہیں۔ اور راستہ کے موانعات اور رکاوٹوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ ہمارے ساتھ سفر طے کرو تو آجاؤ اور اگر واپس مکہ جانا چاہتے ہو تو جاؤ۔ کفار مکہ لوٹ گئے اور یہ دونوں حضورؐ کی بارگاہ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ جبریل علیہ السلام اس مجلس مبارک میں موجود تھے۔ جبریلؑ نے حضورؐ سے عرض کیا " اے رسول خدا! آپ کے ان دونوں صحابہ کی وجہ سے فرشتے مباہات کرتے ہیں۔

## سرایہ ابو سلمہ مخزومی

ہجرت کے پینتیسویں ۳۵ مہینے کے شروع میں سریہ ابو سلمہ عبد اللہؓ بن عبد الاسد مخزومی پیش آگیا۔ یہ سریہ ڈیڑھ ۱۵۰ سو مہاجرین وانصار پر مشتمل تھا۔ اس میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح، سعدؓ بن ابی وقاص، اسیدؓ بن حضیر اور ارقمؓ بن ابی ارقم وغیرہ حضرات بھی شریک تھے۔ جنہیں بنی اسد پر بھیجا گیا۔

اس سریہ کا موجب یہ تھا کہ بارگاہِ نبوت میں اطلاع پہنچی کہ خویلد کے بیٹے طلحہ اور سلمہ اپنی قوم کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے خلاف جنگ کرنے پر ابھارتے ہیں اور ممکن ہے کہ مدینہ منورہ کے قرب وجوار میں آکر لوٹ مار کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ لشکر جمع کر کے مدینہ کی طرف چلدیا تھا۔ راستہ میں پشیمان ہو کر اپنے گھروں کو لوٹ گیا۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے ابوسلمہؓ عبداللہ بن عبدالاسد کو اپنے قریب بلا کر نصیحت فرمائی کہ قبل اس کے کہ وہ اس سے واقف ہوں تم لشکر جمع کر کے اُن کے سر پر پہنچ جاؤ اور ان کی ہی زمین پر انہیں تاخت وتاراج کردو۔ حضرت ابوسلمہؓ ایک لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر موضع قطن پہنچے جہاں بنی اسد کا پانی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کے نواح میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وہاں پہنچکر جو کچھ پایا غلہ اور مویشی میں سے سب کو تاراج کیا اور جو لوگ ہاتھ لگے ان کو قید کر لیا۔ باقی لوگ بھاگ کر اپنی قوم سے مل گئے۔ اور انہیں مسلمانوں کی کثرت وتعداد کی خبر دی۔ بنواسد کے لوگ اس خبر کے سنتے ہی ہر ایک گوشہ سے نکل کر بھاگ گئے۔ اور ابوسلمہؓ نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کے گھروں میں داخل ہو کر غارت کیا اور غنایم کو قبضہ میں لے لیا۔ کوئی جنگ واقع نہ ہوئی۔ اور یہ مدینہ واپس آگئے۔ غنایم سے خمس (پانچواں حصہ) نکال کر تقسیم کر لیا۔ ہر ایک کو سات اونٹ اور چند بکریاں ملیں۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ بنواسد، ابوسلمہؓ کے مقابل آئے اور صف بندی کی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، نے ایک مشرک کو قتل کر کے لشکر اسلام میں نعرہ لگایا کہ حملہ کردو۔ پھر ابوسلمہؓ اور تمام لشکر اسلام یکبارگی حملہ آور ہوئے۔ اور لشکر کفار مکہ شکست کھا کر بھاگ گیا اور یہ صحیح وسالم مال غنیمت کے ساتھ مدینہ واپس آگئے۔ ابوسلمہؓ کے غائب رہنے کی مدت دس روز تھی۔

## سریہ عبداللہؓ بن انیس

ہجرت کے پنتیسویں ۳۵ مہینہ کے شروع میں ہی حضرت عبداللہؓ بن انیس کو بھیجا تاکہ سفیان بن خالد ہذلی کو جو عرنہ میں ٹھیرا ہوا تھا اور اس کا ذکر سریہ رجیع کے قصہ میں گزر چکا ہے۔ قتل کریں اور دین اسلام کو اس کے شر و فساد سے پاک کریں۔ اس کا باعث یہ تھا کہ وہ ملعون، حضرت عاصمؓ بن ثابت اور ساتھیوں کے شہید کرنے اور ان کو فروخت کرنے اور حضرت خبیب رضی اللہ عنہ، کے سولی پر چڑھانے کا باعث تھا۔ باوجود اس شر و فساد کے اس نے یہ چاہا کہ ایک لشکر مرتب کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے مقابلہ میں آئے اور جنگ کرے۔ جب یہ خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کو پہنچی تو حضرت عبداللہؓ بن انیس (بضم ہمزہ) کو جو کہ جہنی، انصاری، مدنی، عقبی اور بطل شجاع تھے اس شریر کے شر کو فنا کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت

عبداللہ چونکہ سفیان بن خالد کو پہچانتے نہ تھے۔ بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اس کی پہچان بتائیے تاکہ اسے شناخت کر کے قتل کر دوں۔ فرمایا وہ شخص ایسا ایسا ہے اور فلاں شکل ہے جب تم اسے دیکھو تو اس سے بچنا کیوں کہ یہ شیطان ملاقات کے وقت خاطر و مدارت سے پیش آئے گا" حضرت عبداللہؓ بن انیس نے حضورؐ سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ جس طرح بھی چاہیں فریب میں مبتلا کریں حضورؐ نے اس کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اس کے بعد وہ تلوار لے کر قطع منازل کرتے ہوئے بطن عرنہ پہنچ گئے۔ انہوں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس میں وہ تمام نشانیاں تھیں جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا۔ انہوں نے ان نشانیوں سے اسے پہچان لیا۔ اور کہا صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ" یعنی اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا۔ جب سفیان کی نظر عبداللہؓ پر پڑی تو اس نے کہا یہ مرد کون ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا میں مردِ خزاعی ہوں۔ حضرت عبداللہؓ نے خود کو خزاعی ظاہر کیا تھا ممکن ہے کہ اس میں کوئی مصلحت دیکھی ہو۔ انہوں نے سفیان سے کہا میں نے سنا ہے کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کرنے کے لئے ایک لشکر فراہم کر رہا ہے میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہم رکاب ہوں۔ اور بہت سی خوشامدانہ باتیں کہیں۔ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ اس کے خیمہ میں داخل ہو گئے اور تیغ سے بیدریغ اس کا سر اڑا کر مدینہ طیبہ کی راہ لی۔ راہ میں وہ ایک غار میں پہنچ کر چھپ گئے۔ حق جل وعلیٰ نے ایک مکڑی (عنکبوت) کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانہ پر جالا تانے۔ لوگوں نے ان کی بڑی جستجو کی مگر نہ پا سکے۔ بالآخر حضرت عبداللہؓ غار سے نکلے اور منزل مقصود کی راہ لی۔ رات کو سفر کرتے اور دن کو روپوش رہتے ہوئے مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد شریف میں دیکھا۔ اور اس نامبارک وناپاک سر کو پائے اقدس کے نیچے ڈال دیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن انیس کو ایک عصا عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس عصا کے ساتھ جنت میں ٹیک لگانا۔ مقصود جنت میں داخل ہونے اور اس پر یقین کرنے کی بشارت دینا تھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ وہ عصائے مبارک ان کے ہاتھ میں ان کی وفات تک رہا۔ وفات کے وقت اپنے گھر والوں کو وصیت کی کہ اس عصائے مبارک کو ان کے کفن میں لپیٹ کر ان کے ساتھ قبر میں رکھ دینا۔ حضرت عبداللہؓ کے اس سفر کی مدت اٹھارہ ۱۸ روز تھی۔

# ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات

**سریہ بیر معونہ**

ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات میں سے سریہ بیر معونہ کا قصہ ہے جو کہ ماہِ صفر میں ہجرت کے چھتیسویں[۳۶] مہینہ کے شروع میں غزوۂ احد کے چار ماہ بعد واقع ہوا۔

بیر معونہ کے قصہ کو سریۃ المنذر بن عمرو اور سریۃ القراء بھی کہتے ہیں۔ بیر معونہ، بلادِ ہذیل کا ایک موضع ہے جو مکہ اور عسفان کے درمیان واقع ہے۔ اس کا قصہ یہ ہے جسے محمد بن اسحٰق اور دیگر اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوبراء عامر بن مالک بن جعفر جو "ملاعب الاسنہ" یعنی "سنان و بھالے کے ساتھ کھیلنے والا" کے لقب سے مشہور تھا۔ بظاہر اس کی جنگ سنان کے ساتھ زیادہ تھی۔ اور وہ قبیلۂ نجد و بنی عامر میں سے تھا۔ وہ مدینہ منورہ آیا اور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف کے شرف سے مشرف ہوا۔ حضور نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ اسلام کا قلادہ تو اس نے اپنی گردن میں نہ ڈالا لیکن دین محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعریف کی اور کہا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ کا دین مبارک، شریف اور آپ کی ملّت حنیف ہے۔ میری قوم بہت بڑی ہے اگر آپ اپنے صحابہ کی ایک جماعت میرے ہمراہ قبیلہ نجد و بنی عامر بھیجیں تو ممکن ہے کہ وہ دین متین کو قبول کرلیں۔ گویا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں چاہتا تو ہوں کہ آپ کی دعوت قبول کرلوں اور آپ کے حکم کی اطاعت کروں لیکن قوم کا لحاظ رکھتا ہوں۔ اگر آپ ایسی جماعت کو بھیجیں جو انہیں دعوتِ اسلام دے اور وہ مسلمان ہوجائیں تو میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا۔ فرمایا میں نجدیوں سے بے خوف نہیں ہوں مجھے خطرہ ہے کہ وہ سرکشی کریں گے۔ ابو براء عامر نے یہ بھی کہا کہ آپ اپنے دل میں اندیشہ نہ فرمائیں آپ کے صحابہ میری پناہ میں ہوں گے۔ میں ان کی خود حفاظت کروں گا اور میں کسی کو ایسا موقعہ نہ دوں گا کہ وہ ان حضرات سے تعرض کریں۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے فقراءِ صحابہ میں سے ستر شخصوں کو اور ایک قول کے مطابق چالیس[۴۰] کو اور ایک روایت سے تیس[۳۰] کو اس کے ہمراہ بھیجدیا۔ ان اصحاب فقراء کا کام یہ تھا کہ دن کو یہ ازواج مطہرات کے حجروں میں پانی اور لکڑیاں پہنچاتے تھے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ فروخت کرتے تھے اور اس کی قیمت سے اصحاب

صفہ کے لئے طعام خرید تے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ کے لئے آپ شیریں لایا کرتے تھے۔ اور جب رات آتی تو نماز، ذکر اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ ان حضرات کو اقراء اصحابہ یعنی صحابہ میں سب سے زیادہ قاری بھی کہتے تھے۔ ان میں زیادہ تر انصاری تھے اور جب رات آتی تو نماز، ذکر اور تلاوتِ قرآن میں مشغول رہتے تھے۔ جتنے ان کے اسمار لکھے گئے ہیں وہ ۷۰ کا مرقوم ہیں۔ ہم ان کے ناموں کو جس قدر اس سریہ کے قصہ میں مذکور ہیں اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس سریہ کا امیر، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمرو کو بنایا اور کچھ خطوط، نجد و بنی عامر کے رئیسوں کے نام لکھ کر انہیں دیئے۔

ابو برار عامر بن مالک کا ایک بھتیجا عامر بن طفیل بن مالک تھا جو سرکش، دین کا مخالف اور مسلمانوں کا دشمن تھا۔ برخلاف اس کے ابو برار عامر میں تمرد و عناد اور مسلمانوں سے دشمنی اور عداوت نہ تھی۔ جب یہ مسلمانوں کی جماعت بیر معونہ پر اتری۔ اور اونٹوں کو عمرو بن امیہ ضمری اور حارث بن صمہ کے سپرد کیا ان کے ساتھیوں میں تھے تاکہ وہ انہیں چراگاہ میں چرائیں، حضورؐ کا مکتوب گرامی ایک اور ساتھی کو دیا کہ جس کا نام حرام بن ملحان تھا۔ یہ حضرت انس بن مالک کی پھپھی ام سلیمؓ کے بھائی تھے۔ بخاری کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی بنی عامر کی جانب "مبعوث" تھے۔ لیکن اربابِ سیر حضرت منذر بن عمرو کو امیر قوم بتاتے ہیں، ممکن ہے کہ ان کی اصطلاح میں مبعوث، امیر سے زیادہ عام ہو۔ بہر تقدیر حضورؐ کا مکتوب گرامی حرامؓ بن ملحان کو دیا گیا کہ وہ عامر بن طفیل کے پاس لے جائے۔ حرامؓ دو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب ان کی قوم کے قریب پہنچے تو ان دونوں آدمیوں سے کہا، میں ٹھیرو میں جاتا ہوں اگر مجھے امن دیدی تو میں تمہیں بلالوں گا۔ اگر انہوں نے مجھے قتل کر دیا تو تم اپنے ساتھیوں سے جاکے مل جانا۔ اس کے بعد حرامؓ ان کے پاس پہنچے اور کہا، مجھے امان دو تاکہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی پہنچاؤں۔ جس دوران وہ گفتگو میں مشغول تھے عامر بن طفیل نے کسی کو اشارہ کیا۔ وہ شخص عقب میں آیا اور حرامؓ پر ایسا نیزہ مارا کہ وہ پار ہو کر دوسری طرف نکل گیا۔ اس کے بعد حرامؓ نے اپنے خون کو منہ اور سر سے صاف کیا اور کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ۔ مطلب یہ کہ میں نے مقصود پالیا کیوں کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بجاآوری ہے اور حصولِ درجۂ شہادت ہے۔ اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر سے مدد مانگی کہ اصحاب رسول سے جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ بنی عامر کو چونکہ معلوم تھا یہ مسلمان ابو برار کی اپنی امان میں ہیں۔ اور عامر بن طفیل مقصد پورا نہ کر سکتا تھا۔ انہوں نے کہا ہم ابو برار کے امان کے عہد کو توڑنا قبول نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد تمام بنی عامر نے مسلمانوں کے ساتھ

جنگ کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر عامر بن الطفیل نے دیگر قبائل سلیم، عصیہ، رعل اور ذکوان کے پاس آدمی بھیجے ان سے امداد و نصرت چاہی۔ اور ایک کثیر جماعت فراہم کر کے بیر معونہ کی طرف روانہ ہو گیا اور اس لشکرِ انبوہ کے ساتھ مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیا۔ جب مسلمانوں نے خود کو گرداب بلا میں گھرا ہوا دیکھا تو بارگاہِ الٰہی میں مناجات کرنے لگے اور کہنے لگے "ہم کسی کو نہیں دیکھتے کہ ہمارا اسلام تیرے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے حضورؐ لے جائے تو ہی ہمارا اسلام حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچا" اس پر جبریل علیہ السلام آئے اور ان دردمندوں کا سلام حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچایا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے ان شہیدوں کی خبر صحابہ کرام کو پہنچائی، اور فرمایا تمہارے ساتھی مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں اور حق تعالیٰ سے مناجات کر رہے ہیں کہ ہمارے حال کی خبر ہمارے ساتھیوں کو پہنچا ہم تیری رضا چاہتے ہیں جس میں تو راضی ہے ہم بھی راضی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اَنَّا قَدْ لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَاَرْضَانَا۔ یعنی ہماری طرف سے ہماری قوم کو خبر پہنچا دو کہ ہمارے رب نے ہم سے ملاقات کی تو وہ ہم سے راضی ہو گیا اور اس نے ہمیں راضی کیا۔" یہ آیت قرآن میں کچھ عرصہ تک پڑھی گئی اس کے بعد منسوخ التلاوۃ ہو گئی۔ غرضکہ مسلمانوں نے بڑی جوانمردی اور ثبات قدمی سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب کے سب اصحاب شہید ہو گئے۔ بجز منذر بن عمروؓ کے۔ ان سے انہوں نے کہا اگر تم چاہو تو تمہیں امان دیدیں انہوں نے ان کی امان قبول نہ کی اور مقابلہ کیا یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ اور عمروؓ بن عمیر ضمیری اور حارثؓ بن صمہ جو کہ اونٹوں کو چرانے چراگاہ لے گئے تھے جب واپس آئے اور چاہا کہ لشکر گاہ میں پہنچیں تو انہوں نے پرندوں کو لشکر کے گرد منڈلاتے دیکھا ایک غبار چاروں طرف پھیلا ہوا تھا۔ کافروں کا لشکر سوار ہو کر بلندی پر جارہا تھا اور یہ بھی دیکھا کہ ان کے تمام اصحاب شہید ہو چکے ہیں تو انہوں نے ایک دوسرے سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ عمروؓ نے کہا مناسب یہ ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حضور جائیں اور آپ کو سارا حال سنائیں۔ حارثؓ نے اس رائے کو منظور نہیں کیا اور کہا شہادت حاصل کرنے کا موقعہ ہے اسے غنیمت جاننا چاہیئے۔ اس کے بعد وہ کفار کی طرف چلدیئے اور ان سے مقابلہ شروع کر دیا ان میں سے دو کافروں کو جہنم رسید کیا بالآخر دونوں گرفتار ہو گئے۔ حارثؓ نے باوجودیکہ ان کے سر سے خون بہہ رہا تھا پھر جنگ شروع کر دی اور دو اور کافروں کو جہنم رسید کیا اس کے بعد وہ خود شہید ہو گئے۔ عامر بن الطفیل نے عمروؓ کو شہید نہیں کیا۔ ان کا سر منڈا کر انہیں آزاد کر دیا کیوں کہ اس کی ماں کو آزاد کرنے کے لئے ایک بندہ درکار تھا۔ عمروؓ کو چھوڑ دیا کہ وہ زندہ رہے اور اجازت دیدی

کہ مدینہ منورہ چلا جائے۔ عامر بن الطفیل نے کہا کیا تم اپنے تمام ساتھیوں کو پہچانتے ہو انہوں نے فرمایا ہاں میں سب کو جانتا ہوں۔ پھر وہ اٹھا اور شہیدوں کے درمیان آیا اور ایک ایک کا نام و نسب پوچھا۔ انہوں نے سب بتا دیا پھر کہا کیا کوئی تمہارے ساتھیوں میں سے ہے جس کو تم یہاں نہیں دیکھتے ہو؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ عامرؓ بن فہیرہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہمارے ساتھ تھے مگر ان میں موجود نہیں ہے۔ عامر بن الطفیل نے پوچھا وہ کیسے آدمی تھے؟ فرمایا ہم میں فاضل ترین اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اس پر عامر نے کہا جب انہیں شہید کیا گیا تو میں نے دیکھا کہ ان کو آسمان کی طرف اٹھا کر لے جایا جا رہا ہے۔

یہ حضرت عامرؓ بن فہیرہ ابتدا میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والدہ کے بھائی کے غلام تھے۔ جو ان کی خدمت کرتے تھے۔ اور وہ اس سے پہلے اسلام لے آئے تھے جب حضورؐ نے دار ارقم میں قیام فرمایا تھا۔ اس عامر بن الطفیل نجدی ملعون شقی پر تعجب ہے کہ باوجود اس کے کہ اس نے اس جماعت مقدسہ کی کرامتیں اور برکتیں دیکھیں مگر ان کے قتل پر شرمندہ نہ ہوا۔ اور ایمان نہیں لایا کسی شخص کے لئے اس سے زیادہ کیا شقاوت و عناد ہوگا۔

بنی کلاب کا ایک اور شخص جسے جبار بن سلمٰی کہتے ہیں ان کافروں کے درمیان تھا اس سے منقول ہے کہ اس نے بیان کیا جب میں نے حضرت عامرؓ بن فہیرہ کے نیزہ مارا تو وہ دوسری طرف پار ہو گیا۔ میں نے سنا کہ انہوں نے کہا "فُزْتُ وَاللّٰہِ" خدا کی قسم میں مقصود کو پہنچ گیا، میں نے دیکھا کہ اسے آسمان پر لے جایا جا رہا ہے۔ میں نے اپنے دل میں بہت غور کیا کہ "فُزْتُ وَاللّٰہِ" کا کیا مطلب تھا۔ ضحاک بن سفیان کلابی کے پاس گیا اس سے میں نے اس بارے میں دریافت کیا اس نے کہا ان کا مقصود یہ تھا کہ "فُزْتُ وَاللّٰہِ بِالْجَنَّۃِ" "میں خدا کی قسم جنت میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔" پھر میں نے کہا مجھے دعوت اسلام دیجئے۔ اس کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔ میں نے ان کا جو حال دیکھا تھا وہ میرے اسلام لانے کا موجب بنا۔ سبحان اللہ! سعادتمندوں کا یہی حال ہے کہ اس حال کو مشاہدہ کرنے اور اس کلام کو سننے سے ہی نورِ اسلام دل میں چمک اٹھا۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝

جو ذکر کی پیروی کرتے اور بے دیکھے رحمٰن سے ڈرتے ہیں انہیں کو آپ کا ڈرانا موثر ہے تو انہیں مغفرت اور اجر کریم کی بشارت دیجئے۔

---

منقول ہے کہ ضحاک بن سفیان نے ایک خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا جس میں جبارؓ بن

سلمٰی کے اسلام لانے اور ان کا حضرت عامر بن فہیرہ کو آسمان پر لے جاتے دیکھنے کا حال تحریر کیا حضورؐ نے فرمایا بلاشبہ فرشتوں نے اُن کے جسم کو دفن کیا اور ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں لے گئے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عامر بن الطفیل کہتا ہے کہ میں نے حضرت عامرؓ بن فہیرہ کو بعد قتل آسمان کی جانب لے جاتے دیکھا اور میں آسمان کی طرف ان کے درمیان اور زمین کے درمیان دیکھتا رہا پھر ان کو آسمان میں رکھا گیا۔ قسطلانی کہتے ہیں کہ واقدی روایت کرتے ہیں کہ ان کو زمین نے چھپا لیا پھر مشرکوں نے ان کو دیکھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد ابو براء اپنے بھتیجے کی غداری سے جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کی تھی بہت غمگین و افسردہ ہوا۔ اور بہت افسوس کا اظہار کیا اور اسی رنج والم کے سبب وہ آخرت کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہ ایک اور قسم ہے کہ ابو براء اسلام کی شرافت اور کمالِ نبوی کو جانتا تھا اور ایمان نہیں لایا انقیاد و اطاعت کا اظہار نہ کیا اور دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوا۔ ابو براء اور عامر بن الطفیل کا موازنہ کرو تو معلوم ہو گا کہ عامر بن الطفیل پر شیطان مسلط تھا اور ابو براء پر دنیا غالب آئی (واللہ الہادی)

ایک روایت میں ہے کہ ربیعہ بن ابو براء نے عامر بن الطفیل کا پیچھا کیا۔ اور قوم کی انجمن میں اس پر نیزہ مارا۔ اور اسے ہلاک کرنے کے در پے ہوا مگر وہ ہلاک نہ ہوا۔ لیکن اس کے بعد اونٹ کے طاعون کی مانند وہ طاعون میں مبتلا ہوا اور گھوڑے پر ہی مر گیا۔ حضورؐ نے اس کے لئے بد دعا فرمائی تھی کہ:۔ اَللّٰھُمَّ اَکْفِنِیْ عَامِرًا اے خدا عامر سے ہمیں بچا۔ اسی عامر بن الطفیل کی حماقتوں میں سے یہ بات بھی تھی کہ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین باتیں اختیار کرنے کو کہا تھا یا تو تم سہل کے مالک رہو۔ سہل نرم زمین کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ جن وادیوں میں رہتے ہو وہیں رہو یا اہل حدر بنو۔ حدر کلوخ کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ کسی شہر یا دیہات میں چلے چلو۔ یا مجھے اپنا خلیفہ بناؤ تاکہ میں غطفان والوں کے ساتھ ایک ہزار اشقر گھوڑے اور ایک ہزار اشقر اونٹ اور اشقر دواب کے ساتھ جنگ کروں، دواب، سُرخ کو کہتے ہیں اور انسانوں میں سفید و سرخ کو۔ اس پر حضورؐ نے دعا فرمائی:۔ "اَللّٰھُمَّ اَکْفِنِیْ عَامِرًا اے خدا عامر سے مجھے بچا۔"

**قنوتِ نازلہ** جب فقراءِ اصحابِ رسول کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو بہت غمزدہ اور ملول ہوئے۔ اور بہت کرب محسوس فرمایا یہاں تک کہ ایک ماہ تک اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز تک فجر کی نماز میں قنوت پڑھی۔ اور رعل و ذکوان، عصیہ اور تمام قبائل نجد پر بد دعا فرمائی۔ مسلم میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ حضورؐ کی بد دعا میں بنی لحیان کا ذکر بھی

آیا ہے۔ وہ واقعہ بیرِ معونہ میں شریک نہیں ہیں بلکہ قضیہ رجیع میں ہیں۔ لیکن حضورؐ نے ان پر بھی بددعا فرمائی۔ اور انہیں کے ساتھ شامل کیا۔ صاحبِ مواہب کہتے ہیں کہ سب کی خبریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک ہی وقت میں پہنچیں اس بنا پر ایک دعا میں تمام طوائف وقبائل کو شامل کر لیا بخاری کی حدیث میں لحیان کا ذکر ہے اس کی توجیہہ بھی یہی ہے۔

**غزوۂ بنی نضیر** اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکابر صحابہ کرام مثلاً حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، طلحہؓ اور زبیر (رضی اللہ عنہم) وغیرہ مہاجرین میں سے، اور حضرت سعدؓ بن معاذؓ، اسید بن حضیرؓ اور سعد بن عبادہؓ وغیرہ انصاری میں سے (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے ساتھ بنی نضیر یہودیوں کی بستی کی طرف تشریف لائے۔ اس ضمن میں جس کا ارباب سیر بیان کرتے ہیں۔ بنی نضیر (بفتح نون وکسرِ ضاد) یہودی قبیلوں میں سب سے بڑا قبیلہ تھا۔ اس قضیہ کا وقوع چوتھے سال میں، بیرِ معونہ کے بعد ہوا جیسا کہ اسے ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے۔ اور سہیلی کہتے ہیں کہ غزوۂ بنی نضیر، غزوۂ بدر کے چھ مہینہ بعد اور غزوۂ احد سے پہلے ہوا تھا' اور بخاری بھی غزوۂ بنی نضیر کو غزوۂ بدر کے آخری ابواب میں، کعب بن الاشرف اور ابورافع تاجر حجاز کے قتل کے ذکر اور غزوۂ احد کے بیان سے پہلے لائے ہیں۔ مگر ابن اسحٰق کا قول زیادہ صحیح ہے۔

جب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم صحابہ کبار کے ساتھ یہودیوں کی بستی میں پہنچے تو یہودیوں نے کہا اے ابوالقاسم! کچھ دیر تشریف رکھئے تاکہ ہمیں آپ کی اور آپ کے صحابہ کی مہمان نوازی کا موقعہ ملے۔ یہودی حضورؐ کو پہلے سے ہی آپ کی کنیت ابوالقاسم سے مخاطب کرتے تھے تاکہ لازم نہ آئے جو آپ کا اسم شریف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی کتابوں اور صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور اس کے ملزم نہیں، اس کے بعد حضورؐ ان کے گھر کی دیوار سے پشت کی ٹیک لگا کر تشریف فرما ہو گئے پھر یحییٰ بن اخطب یہودی جو کہ حضورؐ کا اشد ترین دشمن تھا یہود سے کہنے لگا اے گروہ یہود! ایسا اتفاق کبھی ہاتھ نہ آئے گا کہ ہمارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان ایسی تنہائی ہو۔ کوئی ایسا نہیں ہے کہ وہ گھر کے اوپر جا کر بڑا سا پتھر آپ کے سر مبارک پر گرائے اور اس سے (معاذ اللہ) آپ کو ہلاک کر دے، تاکہ ہم آپ کی زحمت سے نجات پائیں۔ عمرو بن جحاش (بضم جیم وتخفیف حاء) نے کہا میں اس کو سرانجام دوں گا۔ سلام بن مشکم اور کچھ اور لوگوں نے اس کو اس خیال بد سے منع کیا اور کہا فوراً ہی آپ کو آسمان سے تمہارے ارادے کی خبر دیدی جائے گی۔ اور یہ ہمارے اور ان کے مکر وفریب سے آگاہ کیا۔ حضورؐ بغیر اس کے کہ اپنے صحابہ سے کچھ فرمائیں اس طرح جیسے کسی شدید ضرورت

سے اٹھتا ہے کھڑے ہو گئے اور مدینہ منورہ کی طرف چلدیئے۔ صحابہ نے جب یہ دیکھا کہ حضورؐ کی واپسی میں دیر ہو گئی تو وہ بھی آپ کے عقب میں چلدیئے۔ اور حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔ حضورؐ نے ان کو حقیقت حال سے باخبر فرمایا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کے نزول کا سبب یہی واقعہ ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ۔

اے ایمان والو یاد کرو اللہ کی اس نعمت کو جو تم پر ہوئی کہ جب قوم نے ارادہ کیا کہ دست درازی کرے تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روکدیا۔

جب یہود کو حضورؐ کے تشریف لے جانے کی خبر ہوئی تو کنانہ نے جو ان کے احبار و علماء میں سے تھا ان سے کہا اے میری قوم میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہاری غداری سے خبردار کر دیا ہے۔ اے قوم تم خود کو فریب نہ دو کیوں کہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور تم طمع رکھتے ہو کہ وہ خاتم الانبیاء، حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہوں گے۔ حالانکہ حق تعالیٰ اس نعمت سے جسے چاہے نوازے اور اس سعادت سے جس کو چاہے سرفراز فرمائے۔ ہم نے توریت میں نبی آخر الزماں کے جو صفات پڑھے ہیں وہ سب حضورؐ کی ذات شریف میں موجود ہیں۔ مجھے ایسا خیال آتا ہے کہ وہ تمہیں جلاوطنی کا حکم فرمائینگے اب مناسب یہی ہے کہ تم دو کاموں میں سے ایک کام کرو۔ سب سے بہتر و افضل تو یہ ہے کہ تم سب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آؤ کیوں کہ اس میں دنیا و آخرت کی صلاح ہے اور ان شہروں سے باہر نہ نکلو۔ یا جزیہ دینا مان لو تاکہ تمہارے جان و مال محفوظ رہیں۔ یہود نے کہا ہم جلاوطنی کو قبول کرتے ہیں لیکن موسیٰ علیہ السلام کے دین کو ترک کرنا گوارا نہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور بنی نضیر کے یہودیوں کے درمیان عہد و پیمان تھا۔ بدریں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ توریت میں جس نبی کا وعدہ کیا گیا ہے یہ وہی نبی ہیں۔ اور جب روز احد مسلمانوں پر ہزیمت کی شکل بنی تو وہ شک میں پڑ گئے۔ اور انہوں نے ابوسفیان کے ساتھ حلف کیا۔ یعنے ان کے حلیف بن گئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو بنی نضیر کے پاس بھیجا کہ تم سب میرے شہروں سے نکل جاؤ اس لئے کہ تم نے غداری کی ہے۔ تمہیں دس دن کی مہلت ہے جو کوئی دس دن کے بعد یہاں پایا جائے گا۔ اس کی گردن اڑادی جائے گی۔ اس پر یہودیوں نے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی صحرا سے اپنے اونٹوں کو لائے اور کچھ کرایہ پر لے لئے تاکہ یہاں سے چلے جائیں۔ یکایک عبداللہ بن سلول منافق، جو رئیس المنافقین تھا اس نے بنی نضیر

کے پاس کسی کو بھیجا اور کہلوایا کہ تم اپنے وطنوں سے نہ نکلو اور اپنے قلعوں میں ٹھیرے رہو اور بے فکر و بے غم بیٹھے رہو۔ میں دو ہزار آزمودہ کار جنگی جوانوں کے ساتھ تمہارا پشت پناہ ہوں۔ اور بنی قریظہ اپنے حلیفوں کے ساتھ جو کہ بنی غطفان ہیں تمہارے معاون و مددگار ہوں گے۔ یہ منافق نادان، بمقتضائے نفاق انتہائی عداوت و حماقت پر اتر آیا۔ اور اس نے اپنی حماقت سے ایسی عداوت کا اظہار کیا۔ حالاں کہ وہ اتنا نہ سمجھا کہ قریش کس قدر بہادر و شجاع ہیں۔ وہ بے بس ہو کے رہ گئے۔ ان کے قلعوں کی کیا حقیقت ہے۔ بہر حال یہود بے بہبود اس احمق منافق کی بات سے مغرور و مسرور ہو گئے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں قاصد بھیجا کہ ہم از خود اپنے گھروں سے نہ نکلیں گے جو آپ چاہیں کریں جب یہ بات حضورؐ کی سمع مبارک میں پہنچی تو باآواز بلند تکبیر کہی اور صحابہ نے بھی حضورؐ کی موافقت میں تکبیر بلند کی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے غزوہ کی تیاری میں مشغول ہو گئے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام کلثومؓ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ اور علم تیار کر کے حضرت علی مرتضٰےؓ کے سپرد فرمایا۔ اور مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے آئے آپ نے عصر کی نماز بنی نضیر کی بستی کے میدان میں ادا فرمائی۔ ان کی بستی مدینہ منورہ سے قریب ہے۔ جب یہود نے لشکر اسلام دیکھا تو قلعوں کے دروازے بند کر کے سنگ باری اور تیر اندازی شروع کر دی۔ عشاء کے وقت تک یوں ہی جنگ ہوتی رہی۔ جب مسلمانوں نے نماز عشاء ادا کرلی تو حضورؐ چند اصحاب کے ساتھ قیام گاہ مبارک میں تشریف لے آئے اور تمام صحابہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما کی سرداری میں دیدیا دونوں روایتوں میں اختلاف ہے کہ صبح تک یہودیوں کا محاصرہ کئے رہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمۂ مبارک بنی حطمہ کے میدان میں نصب کیا گیا تھا۔ یہودیوں کے تیر اندازوں میں ایک شخص "عزورا" نامی تیر انداز تھا اس نے ایسا تیر پھینکا جو حضورؐ کے خیمہ اقدس میں جاگرا۔ خیمہ کو وہاں سے لیجا کر دوسری جگہ نصب کیا۔ امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ اس کی گھات میں رہے۔ اچانک دیکھا کہ وہ چند آدمیوں کے ساتھ برہنہ شمشیر لئے باہر آیا۔ حضرت علی مرتضٰیؓ نے اس پر حملہ کیا اور اس بدبخت کے سر کو اس کے ناپاک جسم سے جدا کر کے حضور کی خدمت میں لے آئے۔ حضورؐ نے حضرت سہیلؓ اور ابودجانہؓ کو ساتھ کیا کہ بقیہ ساتھیوں کو بھی قتل کریں۔ وہ سب کے سر کاٹ کر حضورؐ کی خدمت میں لے آئے۔ پھر حضورؐ نے پندرہ۱۵ دن تک یہودیوں کا محاصرہ جاری رکھا۔ ابی ابن سلول منافق اور دیگر قبائل بنی نضیر کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ابو بلوہؓ مازنی اور عبد اللہ بن سلامؓ کو حکم فرمایا کہ یہودیوں

کی کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالے جائیں ایک روایت میں ہے کہ جلا دیئے جائیں۔ اس پر ابو بلوٰ مازنی توان کو کاٹتے تھے جنہیں "عجوہ" کہا جاتا ہے اور کہتے ان کا کاٹنا یہودیوں پر نہایت شاق اور گراں ہے "عجوہ" کھجوروں میں سب سے بہتر قسم کی کھجور ہے۔ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام کمتر قسم کی کھجوروں کے درخت کو کاٹتے تھے۔ وہ فرماتے مجھے معلوم ہے کہ عنقریب یہودیوں کے تمام املاک مسلمانوں کے تصرف میں آنے والے ہیں۔ لہٰذا ان میں جو بہتر قسم ہے وہ مسلمانوں کے لئے رہنے دیتا ہوں۔

روضۃ الاحباب میں اس طرح منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے یہودیوں کے تمام درختوں کو کاٹنے کا حکم فرمایا بجز اس قسم کے درخت کے جن کو "عجوہ" کہتے ہیں صحابہ ان درختوں کے کاٹنے میں مشغول ہو گئے۔ یہ روایت پہلی روایت کے منافی و مخالف ہے۔ کیوں کہ اس روایت میں بظاہر حضورؐ کا حکم مطلق کاٹنے یا جلانے کے لئے ہے۔ اور دوسری روایت میں یہ حکم ہے۔ مگر یہ صورت ممکن ہے کہ حضورؐ نے پہلے وہ حکم دیا ہو اس کے بعد دوسری مرتبہ یہ حکم دیا ہو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی نضیر نے مسلمانوں سے کہا تم مسلمان ہو تمہیں حل نہیں ہے کہ نخلستان کو کاٹو۔ کیوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) فساد سے منع فرماتے ہیں۔ لہٰذا نخلستان کو کاٹنے کا کیسے حکم دے سکتے ہیں۔ اس پر مسلمانوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا بعض نے کہا ہم تو کاٹیں گے اور بعض نے کہا ہم نہیں کاٹیں گے۔ اس پر حکم ہوا کہ یہودیوں کے تمام آثار و نشانات کو ناپید کر دو۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ حق تبارک و تعالیٰ کی جناب سے حکم آیا۔ وَمَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ وَّتَرَکْتُمُوْھَا قَائِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ وَلِیُخْزِیَ الْفَاسِقِیْنَ۔ اور جو لینت سے کاٹتے ہو اور چھوڑتے ہو تم ان کو کہ وہ جڑوں پر قایم رہیں تو یہ اللہ کے حکم سے ہے تاکہ فاسقوں کو رسوا کرے۔

صاحب مواہب، سہیلی سے نقل کرتے ہیں کہ بعض مسلمانوں کے دل میں نخلستان کے کاٹنے اور اس کے حکم فرمانے میں شک و شبہ کی قسم سے کوئی دغدغہ لاحق ہوا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیۂ کریمہ نازل فرمائی۔ وہ فرماتے ہیں کہ لینہ ایک قسم کی کھجور ہے جو عجوہ اور برنی کے سوا ہے۔ لہٰذا آیت میں اس کا بیان ہے کہ حضورؐ نے تمام کھجوروں کو نہیں ختم کر دیا مگر صرف انہیں کھجوروں کو جو ان کی غذا تھی۔ اور ان کی غذا عجوہ اور برنی تھی۔ اسی بنا پر اللہ تعالےٰ نے "مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ" فرمایا اور "مِنْ نَخْلَۃٍ" نہ فرمایا جو عموم پر دلالت کرتا ہے۔ جو ایسے درخت کاٹنے کی کراہت پر تنبیہ ہے جس سے ثمر

سے درخت ہی ختم ہو جائے۔ اس کے برعکس ایسے درختوں کے کاٹنے کا حکم ہے جس سے دشمن غذا پاتے ہیں۔ صاحب کشاف نے تفسیر کی ہے کہ درختوں کو پست کر دو۔ بیضاوی نے بھی تفسیر میں اسی کی پیروی کی ہے۔ اور کہا ہے کہ آیت میں دلیل ہے کہ کافروں کے گھروں اور بستیوں کو ویران کرنا اور ان کے درختوں کو کاٹنا ان پر شدت تغلیظ کی غرض سے جائز ہے۔ صراح میں ہے کہ "لسینتہ" کھجور کی ایک قسم ہے قاموس میں ہے لینہ لون ہے جو کھجور کے آگے کا رنگ ہے۔

بخاری و مسلم میں بروایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلوایا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، نے اس قصہ کے بارے میں فرمایا ؎

وَهَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ۔

بویرہ بصیغۂ تصغیر اس جگہ کا نام ہے جہاں بنی نضیر کا نخلستان تھا ظاہر ہے کہ کاٹنا اور جلانا دونوں واقع ہوا ہوگا۔

اللہ حق تعالےٰ نے بنی نضیر کے دل میں ایک خوف ہیبت اور رعب طاری کر دیا انہوں نے کسی کو حضورؐ کی بارگاہ عالی میں بھیجا کہ آپ ہمیں چھوڑ دیں تاکہ ہم آپ کے شہروں سے نکل جائیں اور راہ مسافرت اختیار کریں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج تمہاری التجا نا قابل پذیرائی ہے (ہم نے تمہیں پہلے ہی دس دن کی مہلت دیدی تھی اس مہلت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے) اب یہی صورت ہے کہ تم تمام اسلحہ سے دست کش ہو کر صرف اتنا مال و اسباب جتنا جلدی و تیزی میں سواریوں پر لاد سکو لے جا سکتے ہو۔" اس پر وہ راضی ہو گئے۔ آئیہ کریمہ میں ہے هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ وَ (تاقول سبحانہ، وتعالیٰ) قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ اس یاد کو تازہ رکھتی ہے۔ چنانچہ چھ سو اونٹ بار کر کے کچھ شام کی طرف چلے گئے اور کچھ خیبر کی جانب اور کچھ کسی اور طرف جلاوطن ہو گئے۔ وہ اپنی ضلالت اور شر و فساد کی بنا پر سرگرداں ہوئے۔ اور دینی اشاعت ان کے شر و فساد سے پاک و صاف ہوئی۔ اور مضمون کریمہ اِنَّ الْمَدِيْنَةَ تَنْفِيْ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ بلاشبہ مدینہ خباثت کو صاف کرتا ہے جس طرح بھٹی لوہے کے میل کو صاف کرتی ہے۔ وجود میں آیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ ذلیل و خوار یہود نکلتے وقت خود کو بناتے سنوارتے، دف

بجاتے اور گاتے ہوئے مدینہ سے نکلے۔ اور غزا، وجہاد کا مشروعیت کا مقصد ہی اہل کفار و عناد کے شر و فساد سے دینی آماجگاہ کو پاک و صاف بنانا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ درختوں سے ان ناکارہ و خراب شاخوں کو چھانٹا جائے جو پھل آنے میں رکاوٹ پیدا کریں۔ اگر کوئی کہے کہ اگر یہی وجہ ہے تو ان کو قتل کرنا چاہیئے تاکہ شرک کے آثار مٹیں اور فساد کا مادہ ختم ہو اور جلاوطن کرنے میں تو ان کے خبث کا وجود باقی رہتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ان سے غداری اور بدعہدی واقع ہوئی تھی اس کی سزا میں ان کو جلاوطنی کا حکم دیا گیا تھا اور جو لوگ جنگ و قتال پر آمادہ ہوئے اور اس کے لئے وہ استادہ ہو گئے وہ قتل کر دیئے گئے۔ اور باقی کو جلاوطن فرما دیا۔ اور بغیر قتال کے، قتال کا حکم نہ فرمایا۔ اور چونکہ یہ سب حکم الٰہی سے ہے اس لئے اس میں گفتگو کا دامن تنگ ہے اور اتنا بھی جو کچھ کہا گیا ہے وہ مشرکوں اور مفسدوں کے قتل میں نکتہ و حکمت کے طور سے بیان ہوا ہے ورنہ اصل بنیاد حکم الٰہی ہے۔ خواہ وہ قتل میں ہو یا جلاوطنی میں۔ باقی اموال وجہات، ضیاع و عقائد اور منقولات و محصولات فَۓ کے حکم میں داخل ہیں۔ اور فَۓ کفار کا وہ مال ہوتا ہے جو بغیر جنگ کے ہاتھ آجائے اور انتصار و غنیمت وہ مال ہے جو جنگ و قتال کے ذریعہ ہاتھ آئے۔ یہ اصطلاح ارباب سیر کے درمیان خاص ہے بسا اوقات ایک کو دوسرے کے معنی میں بھی استعمال کر لیتے ہیں۔ فَیٔ کا تمام مال خاص حضورؐ ہی کی ملکیت ہوتا ہے اور خمس و قسمت کی اس میں گنجائش نہیں ہے، حضورؐ نے ایسے اموال، فدک وغیرہ کو اپنے اور اپنے اہل و عیال، متعلقین اور مسلمانوں کی ضرورتوں پر خرچ فرمایا۔ اور آپ اس کام کے لئے مہیا اور فراہم کرتے تھے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ بنی نضیر کا اسلحہ، پچاس زرہ، پچاس خود، تین سو چالیس ۳۴۰ تلواریں تھیں۔ ان میں سے جس چیز کو جس کے لئے چاہتے عطا فرماتے تھے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف آوری کے وقت مہاجرین کو انصار کے گھروں میں اقامت و رہائش کرا کے ان میں باہمی سلسلۂ اخوت قایم فرمایا تھا۔ اور انصار مہاجرین کی ہر اعتبار سے خبر گیری رکھتے تھے حتیٰ کہ اپنے مالوں میں، باغوں میں اور تمام چیزوں میں ان کو شریک بناتے تھے۔ بلکہ اگر انصار میں کسی کی کئی بیبیاں تھیں تو ان میں سے کچھ کو اپنے سے جدا کر کے اپنی رفیق کی زوجہ بنا دیا تھا۔ جب بنی نضیر کے املاک پر حضورؐ نے قبضۂ تصرف پایا تو حضورؐ نے انصار کی تعریف و مدح فرما کر دعائے خیر فرمائی۔ اور انہوں نے جو مہاجرین کے ساتھ احسان و امداد اور اعانت کا طریقہ برتا تھا اس پر ان کی شکرگزاری فرمائی اس کے بعد فرمایا" اے گروہ انصار! اگر تم چاہو تو بنی نضیر کے ان املاک کو جسے حق تعالیٰ نے مجھے عنایت فرمایا ہے تم پر تقسیم فرما دوں۔ اور مہاجرین

بدستور تمہارے گھروں میں مقیم رہیں اور اگر تم چاہو تو انہیں مہاجرین میں تقسیم کر دوں اور ان کو تمہارے گھروں سے نکال کر علیحدہ بسا دوں۔ تاکہ یہ خود اپنے معاش پر متکفل ہوں اور تم سے مستغنی ہو جائیں اس پر حضرت سعدؓ بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے جو کہ انصار کے رئیس و اکابر میں سے تھے عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہماری خواہش یہ ہے کہ ان اموال کو فقراء مہاجرین پر تقسیم فرمائیے کیوں کہ وہ حضرات دین کی خاطر، اس کی محبت میں خانما برباد ہو کر اور اپنا مال و اسباب لٹا کر اور اپنے عزیز و اقارب اور قبیلوں سے بچھڑ کر مفلسی و غربت کی زندگی گزار رہے ہیں اور اُن مہاجرین کو بدستور سابق ہمارے گھروں میں ہی متمکن و مستقر رہنے دیجئے۔ کیوں کہ ہمارے گھروں میں خیر و جمعیت اور دشمنی، انہیں کے وجود کی برکت سے ہے۔ جب اِن دو نیک بختوں نے حضورؐ سے یہ عرض کیا تو باقی انصار نے بھی انہیں کا اتباع اختیار کیا۔ خواجۂ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ان باتوں سے بہت خوش اور محظوظ ہوئے اور ان کو دعائے خیر میں مشمول و مخصوص فرما کے فرمایا:۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَاَبْنَاءَ الْاَنْصَارِ وَاَبْنَاءَ اَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ (اے خدا انصار پر اور ان کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحمت نازل فرما) اس کے بعد بنی نضیر کے املاک کو مہاجرین پر تقسیم فرمادیا بعض اکابر مہاجرین کو اراضی عنایت فرمائی اور بعض تہیدست و ضرورت مند انصار کو کچھ سامان عطا فرمایا۔ اور اسلحہ میں سے شمشیر ابن ابی الحقیق کو جو نہایت عمدہ و نفیس تھی حضرت سعد بن معاذؓ کو مرحمت فرمائی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین)۔

## حضرت عبداللہؓ سبط رسول کی وفات

اسی سال حضرت عبداللہؓ فرزندِ حضرت عثمان بن عفان، نواسۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات واقع ہوئی۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک مرغ نے ان کی چشم مبارک میں چونچ ماری تھی جس سے وہ بیمار ہو گئے اور اسی بیماری میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اسی سال حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی جو کہ امہات المومنین اور ازواج مطہرات میں تھیں وفات واقع ہوئی۔

اسی سال حضورؐ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور اسی سال ان کے پہلے شوہر ابو سلمہؓ بن عبد الاسد مخزومی نے وفات پائی اور اسی سال فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف والدہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ مروی ہے کہ جب فاطمہؓ بنت اسد کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ جب وہ گزر جائیں تو مجھے اطلاع دینا۔ چنانچہ آپ نے

فرمایا ان کے لئے بقیع میں قبر کھودی جائے اور لحد بنائی جائے۔ جب قبر کھُد کر تیار ہوگئی تو سرور انبیاء صلّی اللہ علیہ وسلّم قبر میں داخل ہوئے لحد میں لیٹے اور کچھ قرآن پڑھا اور ان کی قبر کے پاس نَو اور ایک روایت میں ہے ستّر تکبیروں کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور ان کے مناقب میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کوئی شخص ضغطۂ قبر یعنی قبر کی سختی سے محفوظ نہیں ہے بجز فاطمہؓ بنت اسد کے صحابہ نے عرض کیا "اور قاسم بھی نہیں ؟" یعنے آپ کے وہ فرزند جن کا نام قاسمؓ تھا اور وہ صغر سنی میں ہی اس عالم سے تشریف لے گئے تھے۔ فرمایا " ابراہیمؓ بھی نہیں !" مطلب یہ کہ تم قاسم کے بارے میں کیا پوچھتے ہو ان سے چھوٹے فرزند ابراہیم بھی اس سے محفوظ نہیں ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ، روایت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے خبر دی کہ ام جعفرؓ و علیؓ و عقیلؓ فوت ہوگئیں فرمایا اٹھو ہم اپنی ماں کے پاس جاتے ہیں۔ پھر حضور اٹھے اور صحابہ بھی اٹھے اور نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ جیسا کہ صحابہ کی شان تھی کہ کَانَ عَلٰی رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرُ۔ گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ حضورؐ کی ہمراہی میں چلد یئے۔ جب فاطمہؓ بنت اسد کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو اپنے بدن مبارک سے قمیص اتاری اور ان کو دے کر فرمایا غسل کے بعد اس سے ان کا کفن بنانا۔ جب ان کا جنازہ تیار ہو کر باہر آیا تو حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جنازہ کا پایہ اپنے مبارک کندھوں پر رکھا۔ اور تمام راستوں میں کبھی آگے سے اور کبھی پیچھے سے کاندھا دیتے رہے۔ جب ان کی قبر پر پہنچے تو لحد میں داخل ہو کر لیٹے۔ اس کے بعد آپ باہر تشریف لے آئے اور فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰی اِسْمِ اللّٰهِ کہہ کر انہیں لحد میں اتارو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ہم نے فاطمہؓ بنت اسد کے بارے میں دو چیزیں آپ سے ایسی دیکھی ہیں جو کسی کے بارے میں ہم نے نہیں دیکھیں ایک تو یہ کہ آپ نے اپنی قمیص مبارک اتار کر اس سے ان کا کفن بنایا۔ دوسرے یہ کہ آپ نے ان کی لحد میں اتر کر کچھ دیر آرام فرمایا۔ حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا قمیص مبارک پہنانے کا مطلب یہ تھا کہ ان کو دوزخ کی آگ نہ چھوئے۔ اور لحد میں لیٹنے کا مقصود یہ تھا کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان کی قبر میں وسعت دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ابوطالب...... کے بعد ان کے سوا کوئی نہ تھا جس نے میرے ساتھ نیکوکاری کی ہو۔ میں نے ان کو اپنی قمیص مبارک پہنائی تاکہ بہشتی حلہ انہیں حاصل ہو اور ان کی قبر میں لیٹا تاکہ وہ قبر کی

مصیبتوں سے نجات پائیں۔

حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جب فاطمہ رض بنت اسد فوت ہوئیں تو حضور ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کے سرہانے بیٹھ کر فرمایا۔"اے میری ماں! میری والدہ کے بعد" اور ان کی بہت تعریف فرمائی اور اپنی قمیص کا انہیں کفن دیا۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رض بن زید اور حضرت ابو ایوب رض انصاری اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ان کے لئے قبر کھودو اور لحد کو اپنے دست مبارک سے بنایا۔ اور اپنے دست مبارک سے اس کی مٹی نکالی لحد کی فراغت کے بعد اس میں داخل ہوئے اور فرمایا اَللّٰهُ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَّوَسِّعْ عَلَیْهِ مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاۤءِ قَبْلِیْ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۝ اور چار تکبیریں پڑھ کر لحد میں اتارا۔ حضرت عباس رض اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کسی کی قبر میں داخل نہ ہوئے مگر پانچ شخصوں کے۔ تین عورتوں کی قبروں میں اور دو مردوں کی۔ ایک سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ کی قبر میں اور چار مدینہ میں۔ چنانچہ سیدہ خدیجہ رض کا لڑکا تھا جس نے حضور کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی۔ اس کی قبر میں داخل ہوئے اور تیسرے عبد اللہ رض مزنی جنہیں ذو البجادین کہتے ہیں اور چوتھے ام رومان جو سیدہ عائشہ رض کی والدہ تھیں اور پانچویں فاطمہ رض بنت اسد کی قبر میں۔

اسی سال چوتھی شعبان کو ریحانۃ الرسول، نور دیدۂ بتول، امام شہید سعید، ابو عبد اللہ حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رض، حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے پچاس دن بعد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نخل امید سے بارور ہوئی تھیں۔ اور یہ جو عورتوں کو حیض و نفاس لاحق ہوتا ہے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی ذات مبارکہ میں ایسی کوئی پلیدی نہ تھی۔ اسی بنا پر ان کا "حور جنت" نام رکھا گیا (رضی اللہ عنہا)

## غزوۂ بدر صغریٰ

اسی سال وہ غزوۂ بدر واقع ہوا جس کا ابو سفیان نے غزوۂ احد سے واپسی کے وقت وعدہ کیا تھا۔ اسے بدر صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ابو سفیان نے احد سے لوٹتے وقت مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہم آیندہ سال بدر میں تم سے ملیں گے اور حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے

جواب دیا کہ ہاں انشاء اللہ! اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ کسی صحابی نے جواب دیا تھا۔ بیضاوی کی عبارت سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا "ہاں!"

چنانچہ وعدہ کے موافق دوسرے سال ہی ابوسفیان سامان جنگ فراہم کرنے اور قتال کی تیاری کرنے میں مشغول ہو گیا۔ اور قریش کو مکہ سے نکلنے کی ترغیب و تحریص دینے لگا۔ لیکن یہ بہ تکلف اور بے دلی سے کرتا تھا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ ابوسفیان ڈر گیا ہے اور وہ میدان جنگ میں آنے سے گھبراتا ہے نعیم بن مسعود اشجعی نے جو مدینہ سے مکہ پہنچا تھا قریش کو شوکت اسلام، اور سامان جنگ کی تیاری و فراہمی اس وعدہ کے موافق جو اس سال کے لئے تھا بتائی اور کہا کہ مدینہ لشکر اسلام سے ایسا کھچا کھچ بھرا ہوا ہے جیسا کہ انار میں دانا ہوتا ہے۔

ابوسفیان نے نعیم بن مسعود سے ملاقات کی اور کہا ہم نے غزوۂ احد میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ وعدہ کیا تھا لیکن اس سال قحط اور خشکی اس بلا کی ہے کہ ہمارے جانوروں کو جنگل میں چارہ نہیں ملتا۔ اگر تم ایسا کرو کہ مدینہ جا کر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے اور ان کے اصحاب کو ڈراؤ تاکہ وہ جنگ کی غرض سے باہر نہ آئیں تاکہ فسخ وعدہ اور خوف ان کی جانب سے ہو اگر یہ کام انجام دے دیا تو ہم تجھے سہ سالہ بیس اونٹ دیں گے۔ نعیم مدینہ پہنچا اور اپنے سر کو ایسا منڈایا گویا کہ وہ عمرہ کر کے آیا ہے۔ کشاف سے پتہ چلتا ہے کہ واقعۃً وہ عمرہ کرنے گیا تھا۔ لشکر اسلام کو، قریش کے لشکر کی تیاری اور اس کی شان و شوکت اور اس کے نکلنے کے بارے میں بتایا اور کہا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ مدینہ سے باہر نہ نکلو۔ میرا گمان ہے کہ اگر تم نے ان سے مقابلہ کیا تو ایک واپس نہ آئے گا بجز اس کے جو بھاگ کر جان بچالے۔ نعیم کی بات سچ جان کر مسلمانوں نے باہر جانے میں کچھ گرانی محسوس کی یہاں تک کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ کوئی اس غزوہ میں نہ نکلے گا۔ یہ خبر جب حضورؐ کی سمع شریف میں پہنچی اور اصحاب کا خوف معلوم ہوا اور گمان فرمایا کہ کوئی ان میں سے باہر نہ نکلے گا۔ مگر جب حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور غزوہ کے حالات کے بارے میں عرض و معروض کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور فرمایا قسم ہے اس ذات کریم کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے میں جنگ کے لئے ضرور نکلوں گا خواہ اس غزوہ میں میرے ساتھ کوئی نہ نکلے جب حضورؐ نے یہ فرمایا تو تمام مسلمان خوش ہو گئے اور ان کے دل میں شیطان کا پیدا کردہ خوف و وسوسہ جاتا رہا اور ان کے باطن میں قوت و شوکت غالب ہو گئی۔ پھر حضورؐ نے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو مدینہ مطہرہ میں خلیفہ مقرر فرمایا اور علَم حضرت علی مرتضیٰ کو عنایت فرمایا اور آپ پندرہ سو ۱۵۰۰ جوانمردوں کو ساتھ لے کر تشریف لے چلے۔

سیر کی کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے مگر صاحب کشاف نے ستر کہا ہے اور بیضاوی نے اسی کی پیروی کی ہے۔ حالانکہ یہ بات قطع نظر صحت روایت کی معقولیت سے بھی بعید ہے۔ کہ ایسے اہم موقعہ پر ستر افراد کے ساتھ نکلیں۔ البتہ یہ کہ پہلا جتھہ ستر کا نکلا ہو اس کے بعد پے در پے اور نکلے ہوں۔ اس لشکر میں دس گھوڑوں سے زیادہ نہ تھے۔ اور مسلمانوں نے بہت سامال غنیمت اپنے ساتھ لیا تھا اور بدر میں اتر کر آٹھ روز تک وہاں قیام کیا تھا اور سامان تجارت کو خوب نفع کے ساتھ فروخت کیا یہاں تک کہ ایک درہم سے دو درہم حاصل ہوئے اور خوش وخرم اور اطمینان وسکون کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ اور مشرکوں کے ساتھ ملاقات اور جنگ کا اتفاق نہ پڑا۔ اس موقعہ پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۝ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ۔

وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا کہ کفار تمہارے برخلاف جمع ہو چکے ہیں تو ان سے ڈرو تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے کتنا اچھا وکیل ہے۔ پھر وہ خدا کی نعمت وفضل کے ساتھ لوٹے اور انہیں کوئی برائی نہ چھوئی......

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیان دو ہزار اشقیاء کو لے کر مکہ سے چلا تھا جس میں پچاس گھوڑے تھے۔ اور "مر الظہران" جو کہ مکہ سے سات آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ کر یہ بہانہ کرتا ہوا واپس ہوا کہ جنگل خشک ہیں جانوروں کے لئے چارہ اور لوگوں کے لئے دودھ میسر نہیں ہے۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے کہ لشکر اسلام کی شوکت وتمکنت کی وجہ سے اس پر رعب وخوف طاری تھا۔ صفوان بن امیہ نے ابوسفیان سے کہا یہ کیا کرتے ہو، تم نے محمدؐ اور ان کے اصحاب سے جنگ کا وعدہ کیا ہے اگر ایسا نہ کروگے تو وہ ہم پر دلیر ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ خندق کی جنگ کی تیاری میں مشغول ہو گئے جیسا کہ آگے بیان آرہا ہے۔ مکہ والوں نے اس سفر کا نام "جیش السویق" نام رکھا کیوں کہ وہ ستو کے سوا کوئی طعام نہ رکھتے تھے وہی کھاتے تھے۔ مکہ والے ابوسفیان پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے کہ کیا تم ہمیں ستو کھلانے کے لئے لے گئے تھے۔ غزوۂ سویق جو دوسرے سال کے واقعات میں مذکور ہوا وہ اور ہے۔ اس وقت وہ اپنے ہمراہ ستو لے کر گئے تھے۔ اور بھاگ پڑے تو ستو کو راہ میں پھینک گئے۔

## رجم

اسی سال ایک مرد نے یہودی عورت کے ساتھ زنا کیا اس پر حضورؐ نے اپنی شریعت کے حکم کے مُطابق دونوں کو رجم کرنے یعنی سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں ذمی تھے انہوں نے کہا کہ ہم اپنے دین پر عمل کریں گے اور توریت میں زنا کا حکم یہ ہے کہ زانی اور زانیہ کا مُنہ کالا کر کے دونوں کو اونٹ پر بٹھا کر شہر میں پھرایا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا تم جھوٹ بکتے ہو زانی اور زانیہ کا حکم توریت میں بھی رجم ہی ہے۔ اور قرآن و توریت اس حکم میں موافق ہیں۔ عبداللہ بن سلامؓ جو کہ احبارِ یہود میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے ابتدائے زمانہ میں ہی اسلام لے آئے تھے انہوں نے بھی ان کو جھٹلایا حضورؐ نے فرمایا توریت لے کے آؤ۔ چنانچہ وہ توریت کو لاکر پڑھنے لگے یہودی جب رجم کی آیت پر پہنچے تو ہاتھ رکھ کر رجم کی آیت کو چھپالیا حضرت ابن سلام نے اسے پڑھا اور وہ زانی سنگسار کئے گئے۔

اسی سال حضورؐ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ وہ توریت کے سواد خط کو سیکھیں مبادا کہ یہودی اپنے رسائل و کتب میں تغیّر و تبدّل اور تحریف و تبدیل عمل میں لائیں۔ چنانچہ انہوں نے پندرہ دن میں اسے سیکھ لیا۔ جیسا کہ روضۃ الاحباب میں ہے۔ گویا کہ حضرت زیدؓ کو توریت سیکھنے کا حکم فرمانا اسی قصۂ رجم کے بنا پر واقع ہوا تھا۔ لیکن ایک اور حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضورؐ نے زید بن ثابتؓ سے فرمایا کہ یہود ہمیں خطوط لکھ کر بھیجتے ہیں اور ہم بھی ان کو مراسلے لکھتے ہیں اور انہیں فرامین بھیجتے ہیں ان کو حکم دیتے ہیں کہ خط لکھیں اور انکے خط پڑھیں مگر ہم ان کی دیانت پر اعتماد نہیں رکھتے اور ان سے مطمئن نہیں ہیں کہ کیا لکھیں اور کیا پڑھیں اس لئے تم ان کے سوادِ خط کو سیکھ لو تاکہ ہم ان کے مکر و فریب سے محفوظ رہیں۔ پھر حضرت زیدؓ نے ان کی خط و کتابت کو پندرہ دن میں سیکھ لیا۔

## چوری پر ہاتھ کاٹنا

اسی سال طعمہ بن ابیرق کے چوری کرنے کا واقعہ ہے جو کہ قبیلۂ بنی ظفر سے تھا اور اس نے حضرت قتادہؓ بن نعمان انصاری کے گھر سے جو ان کا ہمسایہ تھا ایک زرہ چرائی تھی۔ اور آٹا چمڑے کی تھیلی میں ڈال کر لے جانے لگا تھا مگر آٹا سوراخوں سے گرنے لگا اس سے وہ ڈرا کہ اس سے حال ظاہر ہو جائے گا اور اس نشان سے اس کا پتہ چل جائیگا پھر اس نے زید ابن سمین یہودی کے گھر میں اسے پھینک دیا۔ ایک روایت میں ہے اس کے سپرد کر دیا۔ دوسرے دن ابن سمین یہودی کے گھر کا سراغ ملا۔ اور زرہ اور آٹے کے چمڑے کی تھیلی اس کے یہاں سے برآمد ہو گئی۔ اور اس سے مواخذہ اور پوچھ گچھ کرنے لگے۔ زید نے کہا یہ کام طعمہ کا ہے وہی اسے میرے گھر لاکر ڈال گیا ہے۔ یا یہ کہا کہ میرے پاس بطور امانت رکھ گیا ہے۔ یہود کی ایک جماعت

اس پر گواہی دینے لگی۔ اس کے بعد قتادہؓ اور زید دونوں طعمہ کے پاس آئے اور کہنے لگے کیا یہ کام تیرا ہے؟ اس نے انکار کیا۔ باوجودیکہ اس کی قوم اس سے واقف تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ اس کی عادت تھی۔ اسے پکڑ کر جب حضورؐ کی بارگاہِ عدالت میں لائے تو لوگوں نے کہا طعمہ اس خیانت سے بری ہے اور یہ گناہ یہودی نے کیا ہے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ چونکہ طعمہ مسلمان ہے حضورؐ اس کی حمایت کریں گے حضورؐ نے قصد فرمایا کہ اس یہودی کو سزا دی جائے فوراً آیت نازل ہوئی۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا۔ بے شک ہم نے آپ پر کتاب نازل فرمائی تاکہ لوگوں کے درمیان جو اللہ آپ کو دکھائے فیصلہ فرمائیں اور خائنوں کے دشمن نہ ہو۔

اس کے بعد حضورؐ نے ابن سیمیں سے دست کشی اختیار فرمائی اور طعمہ کا ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا اس پر طعمہ بھاگ گیا اور مکہ چلا گیا۔ وہاں بھی اس نے چوری کی جب لوگ اس سے باخبر ہوئے تو انہوں نے اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس نے ایک دیوار میں نقب لگائی دیوار اس پر گر پڑی اور وہ مر گیا۔ صاحب کشاف نے کہا کہ وہ مرتد ہو گیا اور اپنی جان چوری میں برباد کی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ وہاں سے بھاگا اور ایک کشتی میں سوار ہو گیا۔ کشتی میں بھی اس نے تھیلی چرائی اور اسے لوگوں نے دریا میں ڈال دیا اس سے معلوم ہوا کہ چوری ایسی بد عادت ہے کہ وہ جدا نہیں ہوتی۔ اور جان و سر اس کام میں چلا جاتا ہے۔ اکثر گناہ اور بدعادتوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

## شراب کی حرمت

بقول مشہور اسی سال میں ایک قول سے چھٹے سال میں اور ایک قول سے آٹھویں سال میں۔ بعض اس قول کو ترجیح دیتے ہیں شراب کی حرمت واقع ہوئی۔ مفسرین کہتے ہیں کہ حرمت شراب کے بارے میں سب سے پہلی یہ آیت یہ نازل ہوئی۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا۔ کھجور و انار کے کچھ پھلوں میں سے تم اس سے نشہ بناتے ہو اور عمدہ رزق۔ یہ آیت اباحت میں عام تھی کیونکہ لوگ اس کو کھانے پینے میں عام طور پر استعمال کرتے تھے۔ لیکن بعض وہ صحابہ کرام جو کمال عقل اور وفور رائے سے آراستہ تھے اس مفاسد کی بنا پر جو اس کے پینے سے مرتب ہوتا ہے اس سے اجتناب کرتے تھے جیسے حضرات ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں کبھی اس کا ارتکاب نہ کیا۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ اے محبوب تم سے شراب اور جوئے کے بارے

يَسْئَلُوْنَكَ ... فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ میں پوچھتے ہیں تم فرما دو ان دونوں میں بہت بڑا گناہ اور لوگوں کے منافع ہیں۔ اور ان دونوں کا گناہ، ان دونوں کے نفع سے بہت بڑا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ حرمت شراب کا پیش خیمہ ہے جب یہ آیت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پڑھی تو کہنے لگے اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا فِي الْخَمْرِ اے خدا ہمارے لئے شراب کے بارے میں بیان واضح فرما: اس کے بعد بعض صحابہ اس آیت کی بنا پر شراب سے مکمل طور پر بچنے لگے اور کہنے لگے وہ چیز جس میں بہت بڑا گناہ ہو اس سے بچنا ضروری ہے۔ اور کچھ لوگ اس لحاظ سے کہ اس میں نفع ہے کبھی ارتکاب کر لیتے تھے یہاں تک کہ ایک روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے محفل ضیافت قایم کر رکھی تھی اور شراب پی کر حد سکر یعنی نشہ میں پہنچ گئے تھے۔ اس وقت شام کی نماز کا وقت آ گیا۔ اس نماز میں ان کے امام نے قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کو اس طرح پڑھا کہ کلمہ "لا" جہاں جہاں ہے اسے چھوڑ گئے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم جانو جو تم پڑھتے ہو۔

اس پر صحابہ کی ایک جماعت نے کہا وہ چیز جو نماز کے ترک کی طرف لے جائے اور نماز میں وہ جائز نہ ہو اسے کس طرح استعمال کر سکتے ہیں۔ پھر وہ اس کے استعمال سے باز آ گئے۔ اور کچھ لوگ اس کو اسی وقت پیتے تھے کہ نماز کا وقت نہ آئے اور اتنا کہ اس سے نشہ نہ ہو۔ یہ طریقہ اس وقت تک رہا کہ ایک انصاری نے محفل ضیافت قایم کی اور بھنے ہوئے اونٹ کے پارچے کھلائے جب کھانا کھا چکے تو انہوں نے شراب پی اور مست ہو کر ایک دوسرے پر تفاخر کا اظہار کرنے لگے اور ایسے اشعار جو تفاخر و مباہات پر مبنی ہوں پڑھنے لگے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار کی مذمت اور اپنی قوم پر تفاخر تھا۔ ایک انصاری نے بھنے ہوئے اونٹ کے گوشت کی ہڈی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے سر پر دے ماری جس سے ان کا سر پھٹ گیا۔ حضرت سعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انصار کی شکایت کی۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس حال کا پتہ چلا تو پھر دوبارہ یہی دعا مانگی اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا بَيَانًا شَافِيًا فِي الْخَمْرِ۔ تو اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ۝

اے ایمان والو بلاشبہ شراب، جوا، پانسہ پھینکنا اور تیر سے فال لینا سب ناپاک شیطانی عمل ہے۔ تو اس سے بچو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ بلاشبہ شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ تم میں دشمنی اور بغض شراب پینے اور جوئے سے پڑے۔ اور وہ تم کو اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتا ہے تو کیا تم باز آؤ گے۔

اس آیت میں حرمتِ شراب میں بہت زیادہ مبالغہ وتاکید ہے اور یہ ان دس دلیلوں پر مشتمل ہے۔ جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مدینہ طیبہ کے بازاروں میں اعلان کر دو تاکہ لوگ جان لیں اور باخبر ہو جائیں کہ بلاشبہ شراب حرام کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد تمام مسلمان اس سے باز آگئے اور جن گھروں میں شراب کے مٹکے تھے انہوں نے ان کو بہا دیا۔ چنانچہ شراب مدینہ کی گلی کوچوں میں بہ رہی تھی۔ حرمتِ شراب اور اس کے پینے والے کی وعید وسزا میں بکثرت احادیث ہیں جو پایۂ ثبوت کو پہنچی ہیں۔ اور حدیث کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں۔

# سالِ پنجم کے واقعات

ہجرت کے پانچویں سال، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحکم الٰہی ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نکاح میں لائے اور بقول اہلِ سیر ان کے زفاف میں آیت حجاب نازل ہوئی۔ چنانچہ اس کا قصہ ازواج مطہرات کے ضمن میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہو گا۔

## غزوۂ مریسیع

اسی سال غزوۂ مریسیع (بضم میم وفتح را وسکون یا) واقع ہوا۔ یہ بنی خزاعہ کے چشمہ کا نام ہے اس کو غزوۂ بنی المصطلق (بضم میم وسکون صاد وفتح طا وکسر لام) بھی کہتے ہیں۔ مصطلق ایک شخص کا لقب ہے جس کا نام خزیمہ بن سعد بن عمرو ہے، جو بنی خزاعہ کے بطن سے ہے۔ اور صلق، سخت وکرخت آواز کو کہتے ہیں۔ اس غزوہ کا وقوع دوشنبہ کے دن پانچ ہجری کے ماہ شعبان کی دو راتیں گزرنے کے بعد ہوا۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ شنبہ کا دن تھا اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا ہے کہ یہ چوتھے سال میں ہوا ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں، کہ یہ سبقتِ قلم ہے کہ بجائے پانچ کے چار لکھ

گئے۔ مختار یہ ہے کہ ۵ھ میں ہوا ہے اس غزوہ کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ حارث بن ابی ضرار نے جو کہ اس قبیلہ کا سردار تھا بعض قبائل عرب کو مدعو کیا تاکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لئے لشکر فراہم کرے۔ جب یہ خبر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ تو حضورؐ نے حضرت بریدہؓ بن الحصیب (بحاء و صاد بر صیغۂ تصغیر) اسلمی کو جو کہ مشہور صحابی ہیں اس جماعت کی طرف بھیجا تاکہ تحقیق کر کے لائیں۔ اور انہیں اجازت دی کہ "اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ" (جنگ ایک داؤ ہے) کے تحت جو مقتضائے حال ہو ان سے گفتگو کریں۔ تو حضرت بریدہؓ اس جماعت کی طرف گئے اور انہوں نے گفتگو میں فرمایا کہ سنا گیا ہے کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ کا ارادہ رکھتے ہو؟ اگر یہ بات واقع کے مطابق ہے تو میں تمہاری معاونت کروں گا اور تمہارے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گا۔ اس جماعت نے حضرت بریدہؓ سے بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ سلوک کیا۔ انہوں نے کہا۔ ہاں! ہمارا ارادہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کا پختہ عزم کے ساتھ ہے۔ اس پر حضرت بریدہؓ نے فرمایا تب تو مجھے اجازت دو تاکہ جا کر اپنے لوگوں کو مجتمع کر کے لا سکوں۔ اس بہانہ سے وہ ان کے پاس سے آئے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ قدس میں تمام حال پیش کیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام مجتمع کر کے تشریف لے چلے۔ مدینہ منورہ میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کو خلیفہ بنایا اور مہاجرین کا عَلَم حضرت علیؓ مرتضیٰ کو دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا کو دیا اور انصار کا عَلَم حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو مقدمۂ لشکر پر متعین فرمایا۔ اس لشکر میں تیس ۳۰ گھوڑے مہاجرین کے تھے اور بیس ۲۰ گھوڑے انصار کے۔ بہت سے منافقوں نے بھی غنیمت اور دنیا کی سامان کے لالچ میں لشکر اسلام کے ساتھ موافقت کی اور راہ میں کافروں کے جاسوسوں کو پکڑا اور ان کے لشکر کے بارے میں پوچھا پہلے تو وہ انکار کرتے رہے بعد ازاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ڈرانے دھمکانے سے انہوں نے اعتراف کیا۔ پھر حضورؐ کے حکم سے انہیں قتل کیا گیا۔ جب حارث کو خبر پہنچی کہ حضورؐ ایک لشکر کے ساتھ اس کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں تو بنی مُصطلق کے دلوں میں اس سے رعب و خوف پڑ گیا۔ اور بہت سے وہ لوگ جو اطراف اکناف سے حارث بن ضرار کی جماعت میں جمع ہوئے تھے جدا ہونے لگے۔ ہر ایک نے اپنی اپنی منزل کی راہ لی۔ اور حارث کے پاس بجز بنی مُصطلِق کے کوئی نہ رہا۔ حضورؐ نے وہاں پہنچ کر چشمہ مریسیع پر قیام فرمایا۔ اس سفر میں امہات المومنین میں سے سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہما ہمراہ تھیں۔ کفار نے اپنے لشکر کو مرتب کر کے میدان جنگ میں مقابلہ کے لئے پاؤں رکھا۔ جب دونوں طرف سے صفیں درست ہو گئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ وہ کفار کو خبردار کریں کہ اگر وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہہ دیں تو ان کا

خون اور تمام مال و اسباب محفوظ رہیں گے"۔ انہوں نے اس کا انکار کیا۔ لشکرِ اسلام نے یکبارگی ان پر حملہ دیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں مشرکوں کے علمبردار کو قتل کر دیا۔ اور انہیں شکست ہو گئی۔ اُن کے دس آدمی مارے گئے باقی تمام مردوں اور عورتوں کو اسیر بنا لیا۔ اور بہت سا مالِ غنیمت از قسم چوپائے، انعام اور سپاہ ہاتھ آیا۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص شہید ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ان کی غفلت کی حالت میں حملہ کا حکم دیا جبکہ وہ جانوروں کو پانی پلا رہے تھے۔ اس کے بعد جنگ کرنے والوں کو قتل کیا اور بچوں کو قید کر لیا۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ کی آگ ٹھنڈی ہو جانے کے بعد بنی مصطلق کا ایک شخص آیا اور وہ شرفِ اسلام سے مشرف ہوا۔ اس نے کہا ہم جنگ کے دوران مردانِ سفید جامہ کو ابلق گھوڑوں پر سوار لشکرِ اسلام کے درمیان دیکھتے رہے ہیں وہ ایسے تھے کہ ہم نے ان جیسے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے اور جویریہ جو امہات المومنین میں سے ہیں اسی غزوہ کی قیدیوں میں سے تھیں۔ اور اسی حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تقسیم غنایم اور اسیروں سے فارغ ہوئے اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ ایک چشمہ پر تشریف فرما تھے اچانک جویریہ بنت الحارث بن ضرار داخل ہوئی یہ عورت بہت ملیح اور صاحب حسن و جمال تھی جو کوئی اسے دیکھتا اس پر فریفتہ ہو جاتا۔ اس وقت میرے دل میں آتشِ غیرت پیدا ہو گئی کہ مبادا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مائل ہو جائیں اور ان کو اپنے ازواج میں داخل فرما لیں اور بالآخر وہی ہوا جب جویریہ رضی آئی تو سب سے پہلی بات اس نے یہ کہی "یا رسول اللہ میں مسلمان ہوتی ہوں اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُهٗ پڑھتی ہوں۔ اور کہا کہ میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں اور اس قبیلہ کی سردار اور پیشوا ہوں اور اب میں لشکرِ اسلام کے ہاتھ میں قید ہوں۔ اور ثابت رض بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں۔ اس نے مجھے مکاتب بنایا ہے اور میں اتنے مال کی طاقت نہیں رکھتی کہ بدل کتابت ادا کر سکوں۔ میں امید رکھتی ہوں کہ آپ میری مدد فرمائینگے تاکہ میں ادائے کتابت کر سکوں"۔ حضور نے فرمایا "میں ایسا کروں گا اور اس سے بھی زیادہ میں تیرے ساتھ حسن سلوک کروں گا"۔ اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ اس سے بہتر سلوک کیا ہو گا؟" فرمایا "میں ادائے کتابت کر کے تجھے اپنے حبالہ عقد میں لا کر اپنی زوجیت سے سرفراز کروں گا"۔ اس کے بعد حضور نے حضرت ثابت رض بن قیس کے پاس کسی کو بھیجا اور مکاتبت کی رقم ان کو سپرد کرائی۔ آزاد ہونے کے بعد ان کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ صحابہ عظام، جب اس حقیقت سے مطلع ہوئے تو انہوں نے باہم خیال آرائی فرمائی اور کہا کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم پاک کے عزیزوں اور رشتہ داروں کی اسیری اور قید میں رکھ کر

غلام بنائیں، اور سب نے اُن سب کو آزاد کر دیا۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ بنی المصطلق کے قیدیوں کی تعداد ایک سو نوے ۱۹۰ سے زیادہ تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ کوئی عورت اپنی خیر و برکت میں سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بزرگ ہو۔

ارباب سیر سیدہ جویریہ رضی سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا کہ گویا "ایک ماہتاب عالم تاب، یثرب سے طلوع ہو کر اُتر رہا ہے یہاں تک کہ وہ ماہتاب میری آغوش میں آگیا۔ میں نے اپنے اس خواب کو کسی سے نہ کہا۔ یہاں تک کہ اس کی تعبیر سامنے آگئی۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کا نام اسیری سے پہلے "برہ" بمعنی نیکوکار تھا۔ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام "جویریہ" رکھا۔ نام کی یہ تبدیلی اپنی عادت شریف کی بنا پر تھی کہ آپ ناموں کو بدلدیا کرتے تھے۔ اگرچہ نام اچھا ہی ہو۔ لیکن اس میں آنحضرت یہ کراہت محسوس کرتے تھے کہ مثلاً کوئی کہے کہ گھر میں "برہ" ہے؟ اور اس کا جواب ہے کہ "برہ" نہیں ہے یعنی نیکی و بھلائی نہیں ہے۔" جس طرح کہ مفلح و یسار بمعنی جائے فلاح اور فراغت وغیرہ میں حضورِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مطلب یہ کہ ایسا نام رکھا جائے جس کے پکارنے میں کوئی بے برکتی اور بدشگونی نہ ہو۔

اسی غزوہ میں اس منافق ملعون ابو الفضل نے جس کا نام عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا اور جو منافقوں کا سردار تھا اس نے کہا لَئِنْ رَّجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ ۔ (اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور عزت والے لوگ، ذلیلوں کو وہاں سے نکال دیں گے) اس طرح اس نے مسلمانوں کی تذلیل و تحقیر کی۔ اس ملعون نے یہ بات اس بنا پر کہی تھی کہ سنان (بکسر سین) بن وَبَر (بفتح واؤ و سکون با) جہنی جو قبیلہ خزرج کی طرف سے عمرو بن عوف کا حلیف و ہم سوگند تھا اور جہجاہ بن سعید غفاری جو کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، کے اجیر و مزدور تھے ان دونوں کے درمیان کسی ادنیٰ سی بات پر جھگڑا واقع ہوا۔ وہ جھگڑا یہ تھا کہ دونوں کے ڈول کنویں میں گر پڑے تھے اور یہ دونوں ڈول ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور مشابہ تھے۔ ان دونوں میں سے ایک ڈول نکل آیا۔ سنان نے کہا "یہ میرا ڈول ہے۔" اور جہجاہ نے کہا "یہ میرا ڈول ہے۔" ارباب سیر کہتے ہیں کہ واقع میں یہ ڈول سنان کا تھا۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ جہجاہ نے ایک گھونسہ سنان کے منہ پر مار دیا۔ اس کے منہ سے خون بہنے لگا۔ اس کے بعد سنان نے جو انصار کا حلیف تھا انصار سے استغاثہ کیا اور جہجاہ نے مہاجرین کی طرف رخ کیا۔ دونوں طرف کی جماعتیں ہتھیار باندھ کر نکل آئیں۔ قریب تھا کہ فتنے کی آگ بھڑک اٹھے کہ مہاجرین کے ایک گروہ نے سنان سے درخواست کی کہ وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جائے سنان ان کے کہنے کی بنا پر اپنے حق سے دستبردار ہو گئے۔ یہ خبر جب عبداللہ ابن ابی منافق کو پہنچی اور یہ پہلے ہی گزر چکا ہے کہ اس غزوہ میں منافقین

بھی ہمراہ تھے۔ اور یہ منافق ملعون ابن اُبی بھی از قبیلہ انصار تھا جب اس نے سنا کہ جہجاہ نے جو مہاجرین سے منتسب ہے سنان کے ساتھ جو انصار کا حلیف تھا ایسا سلوک کیا ہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عداوت کی بنا پر کفر و نفاق کی رگ پھڑکی اور ان منافقوں سے جو اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس نے کہا مہاجرین کے ہاتھوں میں جو اتنی قدرت و طاقت پیدا ہوئی ہے وہ ہمارے واسطہ سے ہے اور ان کے وجود کی بقا ہم سے وابستہ ہے وہ ایسا سلوک کرتے ہیں جس طرح کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کہاوت مشہور ہے کہ سَمِّنْ کَلْبَکَ یَاْکُلْکَ ۔ اپنے کتے کو فربہ کرتا کہ وہ تجھے کھائے"۔ اور اس نے کہا اگر ہم مدینہ لوٹے تو ضرور بہت زیادہ عزت والے وہاں سے ان کو جو بہت خوار ہیں نکال دیں گے۔ جیسا کہ قرآن مجید فرماتا کر یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَۃِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ — اس ملعون نے "اعز" سے مراد اپنے آپ کو لیا اور "اذل" سے مراد ذات بابرکات رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو لیا۔ (نعوذ باللہ منہا) ممکن ہے کہ "اعز" سے خود کو اور اپنے متبعوں کو لیا ہو اور "اذل" سے حضورؐ اور آپ کے صحابہ کو مراد لیا ہو۔ جیسا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ اور اللہ ہی کے لئے عزت اور اس کے رسولؐ اور تمام مسلمانوں کے لئے؛ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ' لیکن منافقین نہیں جانتے"! اسی پر شاہد ہے (واللہ علم)

جس مجلس میں اس ملعون نے یہ بات منہ سے نکالی تھی، حضرت زیدؓ بن ارقم انصاری اس میں تشریف فرما تھے انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ سنا تھا نقل کر دیا اکابر صحابہ مثلاً حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی حضورؐ کی اس مجلس مبارک میں حاضر تھے، حضورؐ نے زیدؓ کے قول کو منسوب بغرض رکھا۔ اور فرمایا ممکن ہے کہ ان کے سننے میں غلطی واقع ہوئی ہے۔ اس پر حضرت زیدؓ نے قسم کھا کر اپنی بات کی سچائی کا یقین دلایا اس کے بعد اس منافق ملعون کی یہ بات پورے لشکر اسلام میں پھیل گئی۔ اور انصار کی ایک جماعت نے حضرت زیدؓ بن ارقم کی سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ "تم نے ایک قوم کے سردار پر جھوٹ باندھا ہے"۔ زیدؓ نے کہا" خدا کی قسم میں نے یہ بات اس سے خود سنی ہے اور مجھے امید ہے کہ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سلسلہ میں ضرور وحی بھیجے گا"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا" یا رسول اللہؐ اجازت دیجئے کہ میں اس منافق ملعون کی گردن اڑا دوں"۔ حضورؐ نے فرمایا" اگر میں نے اس کے قتل کا حکم دیا تو لوگ کہیں گے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کو قتل کراتے تھے"۔ اس کے بعد حضورؐ نے سب کو کوچ کرنے کا حکم فرمایا باوجودیکہ دھوپ اور ہوا بہت گرم و شدید تھی۔ مگر مقصود یہ تھا کہ صحابہ کرام، منافقین کے بارے میں سوچ بچار نہ

کر سکیں۔ اور اس گفتگو میں نہ پڑیں۔ اس پر حضرت اسید بن حضیر رضؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ کیا بات ہوئی جو آپ نے اتنی شدت و تمازت میں کوچ کا حکم فرما دیا۔" حضورؐ نے فرمایا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے ساتھی یعنی عبداللہ بن ابی نے کیا کہا ہے؟" حضرت اسیدؓ نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ اگر آپ چاہیں تو ہم اسے مدینہ سے نکال دیں کیوں کہ اعز آپ ہیں اور اذل وہ ملعون ہے۔ اور عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسولؐ کے لئے ہے اور مسلمانوں کے لئے ہے۔" اس کے بعد انہوں نے عرض کیا۔ "یا رسولؐ اللہ! اس کے ساتھ نرمی اور مدارات فرمائیے کیوں کہ آپ کے مدینہ منورہ تشریف لانے سے پہلے مدینہ کے تمام لوگ اس پر متفق تھے کہ مدینہ کی بادشاہی کا تاج اس کے سر پر رکھیں۔ اور اسے مدینہ کا سردار اور امیر بنائیں لیکن آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے اس کی امارت و حکومت کا امکان ختم ہو گیا اور اب اس کی بیچارگی اور حسد اسے ایسی بیہودہ باتیں کہنے پر مجبور کرتی ہے۔" بعض انصار نے حضورؐ کی مجلس شریف سے نکل کر اس ملعون منافق سے کہا کہ "اس قسم کی باتیں تیرے بارے میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ہوئی ہیں اگر تو نے ایسا کہا ہے تو چل کر معافی مانگ لے اور اگر نہیں کہا ہے تو انکار کر دے اور قسم کھالے مگر خبردار جھوٹ نہ کہنا کیوں کہ قرآن تیری مذمت میں نازل ہو جائے گا۔" اس پر وہ ملعون منافق آیا اور اس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے جسے زیدؓ میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں بہت غمزدہ اور دل شکستہ ہو گیا اس کے بعد سورۂ منافقین نازل ہوئی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا "تمہیں بشارت ہو کہ حق تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرمائی اور اس منافق کی تکذیب کی۔ پھر حضرت عبداللہ بن الصامت رضی اللہ عنہ ابن ابی کے پاس آئے اور اس کی خوب مذمت فرمائی۔ اور فرمایا "اٹھ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس چل۔ تاکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تیرے لئے استغفار کریں۔" وہ سیاہ باطن، کور دل اپنی گردن جھٹکنے لگا۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

اور جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے چلو تاکہ رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کریں تو وہ سروں کو جھٹکتے ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ حاضر ہونے سے کتراتے ہیں یہ لوگ متکبر و گردن کش ہیں۔

مروی ہے کہ ابن ابی ملعون کا ایک لڑکا تھا جو مسلمان، موحد، مخلص اور محب بارگاہِ نبوت تھا۔ لوٹتے وقت جب مسلمان وادی عقیق پر پہنچے تو وہ لڑکا سرِ راہ کھڑا ہو گیا یہاں تک کہ جب اس کا باپ پہنچا اور

اس نے شہر میں داخل ہونا چاہا تو وہ اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ کر اسے روک کر کہنے لگا کہ "کہو بنی آدم میں سب سے زیادہ عزت والے حضورؐ ہیں اور سارے عالم میں سب سے زیادہ ذلیل و خوار تو ہے"۔ جو بھی اس کیفیت کو دیکھتا تعجب کرتا۔ جب حضورؐ پہنچے اور یہ ملاحظہ فرمایا کہ ابن ابی کا بیٹا اسے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے تلوار کھینچ کر روک رہا ہے اور اس کا باپ کہہ رہا ہے کہ:- اَنَا اَذَلُّ مِنَ الصِّبْیَانِ وَاَنَا اَذَلُّ مِنَ النِّسَاءِ میں بچوں سے زیادہ ذلیل ہوں اور میں عورتوں سے زیادہ خوار ہوں"۔ مگر وہ بیٹا بدستور داخل ہونے میں مانع ہے۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "چھوڑ دو کہ وہ داخل ہو جائے" پھر اس نے باپ کا راستہ چھوڑ دیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی کے وقت، مدینہ منورہ کے قریب اتنی شدید اور تیز آندھی چلی کہ لوگوں نے گمان کیا شاید دشمنوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کر دیا ہے اور وہ لوٹ مار کر رہے ہیں، حضورؐ نے فرمایا خوف نہ کرو، مدینہ طیبہ ہر آفت و خوف سے محفوظ ہے۔ اور اس کا کوئی گوشہ اور کوئی گھاٹی ایسی خالی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ پاسبانی و محافظت میں مقرر نہ ہو۔ لیکن آج کوئی عظیم النفاق منافق مر گیا ہے۔ وہ زید بن رفاعہ تھا جو ابن ابی کا دوست تھا۔ اور اس منافق کے مرنے سے ابن ابی کو بڑا رنج و ملال ہوا تھا کیوں کہ یہ دونوں منافقین آپس میں بڑی محبت رکھتے تھے۔ حدیث میں اسی طرح ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ تیز آندھی چلنے سے مدینہ کے لوٹ مار ہونے کا خدشہ کہاں سے پیدا ہوا۔ تیز تیز آندھی کے چلنے سے اس منافق کے مرنے کا کیا تعلق ہے؟ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس غزوے میں حضورؐ کے اٹھائیس ۲۸ دن صرف ہوئے۔

**آیۂ تیمم**

اسی سال تیمم کی آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ بخاری و مسلم میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ ایک سفر میں تھے اس کے بعد تیمم کی حدیث بیان کی۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ فتح الباری میں ابن عبد البر کا قول ہے کہ جو تمہید سے منقول ہے کہ آیت تیمم کا نزول غزوۂ بنی المصطلق میں ہوا تھا جو غزوۂ مریسیع ہے۔ اور استذکار میں اسی پر جزم کیا ہے۔ اور ابن سعد اور ابن حبان نے اسی کی طرف سبقت کی ہے۔

**ہار کی گمشدگی**

روضۃ الاحباب میں ارباب سیر نقل کرتے ہیں کہ اسی سفر میں یا کسی اور سفر میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہار مدینہ طیبہ کی قریبی منزل میں گم ہو گیا تھا۔ اس منزل کا نام صُلصُل بروزن بلبل ہے یہ منزل مدینہ کے قریب ہی واقع ہے۔ اس ہار کے گم ہو جانے کے سبب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس منزل میں توقف فرمایا تاکہ گمشدہ ہار مل جائے۔ اس منزل میں پانی نہ تھا

اور لوگوں کے پاس بھی پانی موجود نہ تھا اور نماز کا وقت فوت ہونے کے قریب پہنچ گیا۔ اس وقت لوگ، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے پاس گئے اور حضرت عائشہؓ کی شکایت کرنے لگے کہ ان کی وجہ سے لوگ اس بلاء میں مبتلا ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ سیدہ عائشہؓ کے پاس آئے۔ اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم ان کے آغوش میں اپنا سر مبارک رکھے محوِ استراحت تھے۔ حضرت صدیقؓ نے سیدہ صدیقہؓ پر غصہ کا اظہار شروع فرمایا اور سختی کا اظہار کیا۔ اور اپنے ہاتھ کو نیزے کی مانند سیدہ عائشہؓ کی کوکھ میں مارا۔ لیکن سیدہ عائشہؓ نے اس خوف سے جنبش تک نہ کی کہ مبادا حضورؐ کی چشم مبارک خواب سے بیدار ہو جائے۔ چنانچہ صبح ہو گئی پانی موجود نہ تھا کہ وضو کر کے ادائے فرض کرتے۔ اس وقت حق تعالےٰ نے اپنے لطف و کرم سے آیتِ تیمم نازل فرمائی۔ اور لشکر اسلام نے صبح کی نماز تیمم کے ساتھ ادا کی۔ حضرت اسید بن حضیرؓ نے فرمایا مَا هِيَ بِاَوَّلِ بَرَكَتِكُمْ يَا اٰلَ اَبِيْ بَكْرٍ۔ اے اولادِ ابو بکر یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ مسلمانوں کو تمہاری بہت سی برکتیں پہنچی ہیں۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہار اونٹ کے نیچے سے برآمد ہو گیا۔ گویا کہ اس میں یہی حکمت الٰہی تھی کہ شریعت کے احکام میں مسلمانوں کے لئے آسانی اور سہولت مہیا کی جائے۔

**عزل کا مسئلہ**

اسی غزوۂ بنی المصطلق میں جب مسلمانوں کو باندیاں ملیں۔ اور خواہش نے ان پر غلبہ کیا اور مسافرت نے طول کھینچا تو بطریق ملکِ یمین باندیوں کے ساتھ ہمبستری کرتے تھے۔ عزل، مادۂ تولید کو عورت کی شرمگاہ سے باہر نکالنے کو کہتے ہیں تاکہ وہ حاملہ نہ ہو جائیں۔ اور صحابہ باہم کہا کرتے کہ ہم عزل کیا کرتے تھے درآنحالیکہ رسولؐ اللہ ہم میں تشریف فرما تھے۔ اور ہم نے آپ سے مسئلہ دریافت نہ کیا تھا اس کے بعد انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے دریافت کیا کہ عزل جائز ہے یا نہیں؟ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "تم عزل کرو یا نہ کرو جسے پیدا ہونا ہے پیدا ہو کے رہیگا"۔ اس سے اباحت کے معنے بھی نکلتے ہیں اور حرمت کے بھی۔ اور فقہ میں مذہب یہ قرار پایا ہے کہ باندی میں تو عزل جائز ہے مگر حرہ یعنی آزاد عورت (بیوی) میں اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے اور منکوحہ باندی کے بارے میں مروی ہے کہ مولیٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

**قضیہ افک**

اسی سال اور اسی غزوۂ بنی المصطلق میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے "افک" کا قضیہ پیش آیا۔ افک (بکسر و فتح الف) کذب کے معنے میں ہے بعض کہتے ہیں کہ افک، دروغِ بالغ کامل کو کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ افک بہتان ہے اور پھیرنے اور لوٹانے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اور کذب میں بھی اپنی جگہ سے پھیرنا پایا جاتا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا کے افک کا قصہ عجیب و غریب قصوں میں سے ہے اور غصہ سے خونِ جگر ٹپکتا ہے۔ صحیح بخاری میں اس قصہ کو متعدد جگہوں میں بیان کیا ہے۔ ایک کتاب غزوات میں ہے جس کا ترجمہ کیا جائے گا۔ جو کمی بیشی نظر میں آئے گی۔ اسے کسی دوسرے باب میں درج کیا جائے گا۔ (و انعون من اللہ تعالیٰ)۔

زہری عروہ سے اور دوسری جماعت سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کسی سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ قرعہ میں ان میں سے جس کا نام نکل آتا آپ اسے اپنے سفر میں ہمراہ لے جاتے۔ سیدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ نے ہمارے درمیان اس غزوہ میں بھی قرعہ اندازی فرمائی جس میں آپ نے غزوہ فرمایا۔ حدیث بخاری میں ایسا ہی مبہم واقع ہوا ہے مگر شارحین نے بیان کیا ہے کہ مراد، غزوۂ مریسیع ہے جسے غزوۂ بنی المصطلق بھی کہتے ہیں تو قرعہ میرے نام کا نکل آیا۔ میں حضورؐ کے ساتھ سفر میں گئی۔ چونکہ یہ واقعہ بعد نزولِ آیتِ حجاب تھا اس لئے میرے لئے ہودج بنایا گیا۔ میں ہودج میں اٹھائی جاتی اور اس میں اتاری جاتی تھی۔ پھر ہم نے سفر کی مسافت طے کی یہاں تک کہ حضورؐ اس غزوہ سے فارغ ہو کر واپس ہوئے اور ہم مدینہ کے قریب آئے تو حضورؐ نے رات کے وقت ہی کوچ کا اعلان فرما دیا۔ پھر میں اعلان کے وقت کھڑی ہوئی اور ہودج سے نکل کر قضائے حاجت کے لئے تنہا چلدی یہاں تک کہ میں لشکر سے باہر نکل گئی جب قضائے حاجت سے فارغ ہو کر اپنی جائے قیام پر واپس آئی اور اپنے سینہ پر ہاتھ پھیرا تو میں نے دیکھا کہ میرا گردن بند یعنی ہار جو مہرہائے ظفار سے بنا ہوا تھا ٹوٹ گیا ہے۔ پھر میں دوبارہ وہاں پہنچی جہاں میں نے قضائے حاجت کی تھی اور وہاں ہار کو تلاش کرنے لگی۔ اور مجھے اس کی تلاش میں دیر ہو گئی۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ لوگ آئے جو میرے ہودج کو اٹھا کر اونٹ پر رکھتے تھے اور مجھے اٹھاتے تھے۔ انہوں نے میرے ہودج کو اٹھا کر میرے اونٹ پر کس دیا۔ اور وہ اس گمان میں رہے کہ میں ہودج میں ہوں۔ اس زمانہ میں عورتیں سبک اور ہلکی ہوتی تھیں۔ ان لوگوں کو ہودج کے خالی ہونے کا پتہ نہ چلا ویسے بھی میں اس زمانہ میں کم عمر اور ہلکی پھلکی تھی۔ انہوں نے ہودج کے ہلکے پن کو محسوس نہ کیا اور اونٹ کو اٹھا کر روانہ ہو گئے۔ اور میں وہیں تھی جہاں میرا ہار گم ہوا تھا۔ میں اسے تلاش کر رہی تھی۔ اور سارا لشکر نکل گیا۔ جب میں واپس آئی تو میں نے وہاں کسی کو نہ پایا۔ نہ کسی بلانے والے کو اور نہ کسی جواب دینے والے کو۔ اس کے بعد میں اسی منزل میں جس میں تھی ٹھہر گئی۔ میں نے خیال کیا کہ جب وہ مجھے نہ دیکھیں گے تو تلاش کریں گے اور میری

جستجو میں واپس آئینگے۔ پھر اسی دوران جب کہ میں اپنی منزل میں بیٹھی ہوئی تھی مجھ پر نیند کا غلبہ ہوا اور میں سوگئی۔ صفوانؓ بن المعطل سلمی ذکوان، لشکر کے پیچھے رہتے تھے اور ان کو اس پر مقرر کیا تھا کہ کسی کی گری پڑی اور بھولی ہوئی چیز اٹھا کر اس کے مالک کو پہنچائیں۔ مثلاً پیالہ، کپڑا وغیرہ۔ سیدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب صبح ہوئی تو صفوانؓ نے منزل میں مجھے دیکھا اور سمجھا کہ کوئی لشکری سوتا ہوا رہ گیا ہے۔ پھر انہوں نے مجھے پہچانا۔ چونکہ انہوں نے مجھے حجاب سے پہلے دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے پہچانتے ہی کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کا یہ کہنا یا تو اس بنا پر تھا کہ سیدہ عائشہؓ کا صحرا میں تنہا رہ جانا ایک مصیبت اور عظیم واقعہ ہے کہ ان کو چھوڑ دیا۔ یا یہ مسلمانوں کے لئے ان کی وجہ سے مصیبت ہے۔ یا یہ استرجاع کرنا اس خیال سے ہے کہ کسی آفت و ہلاکت میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے یا اس قوت کی بنا پر جو بعد میں رونما ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ صفوانؓ نے یہ خیال کیا کہ عائشہؓ مرچکی ہیں اس بنا پر استرجاع کیا۔ فرماتی ہیں ان کے استرجاع پڑھنے پر میں بیدار ہوئی۔ اور میں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ خدا کی قسم انہوں نے مجھے ایک بات تک نہ کہی اور نہ اس سے زیادہ کچھ اور ان سے میں نے سنا جو انہوں نے کلمہ استرجاع ادا کیا تھا۔ اس کے بعد صفوانؓ اونٹ کو لائے اور اپنے اونٹ کو زمین پر بٹھایا اور اونٹ پر پاؤں رکھا تاکہ حضرت عائشہؓ کے لئے سوار ہونا آسان ہو جائے اور سہارا دینے کی احتیاج نہ رہے۔ میں کھڑی ہوئی اور اونٹ کی طرف چلدی اور اس پر سوار ہو گئی۔ اس کے بعد وہ اونٹ کی نکیل پکڑ کر روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہم آئے اور لشکر میں پہنچے اس حالت میں کہ لوگ اترے ہوئے تھے۔
اس کے بعد اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس وقت اچانک منزل گاہ میں ان منافقین کی طرف گذر ہوا جہاں ابن ابی اور اس کے موافق و پیروکار اترے ہوئے تھے۔ پھر ان اہلِ افک یعنی کذابوں نے زبان درازی اور ہلاک ہوئے جن کو ہلاک ہونا تھا۔ اس افک میں سب سے زیادہ یاوہ گو اور درپے ہونیوالا عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ وہ ہر جگہ اس کا چرچا کرتا اور پھیلاتا پھرتا تھا اور طرح طرح کی باتیں اپنی طرف سے ملا کر لوگوں میں شک و تردد پیدا کرتا تھا۔ اور سب سے عجیب و غریب بات یہ کہ چند مسلمان بھی اس افک میں ان منافقوں کے ہم نوا بن گئے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ مسطحؓ (بکسر میم و سکون سین و فتح طاء) بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ کی بیٹی کا بیٹا تھا اور حمنہؓ بنت جحش، جو سیدہ زینبؓ بنت جحش ام المومنین کی بہن تھیں اور کچھ اور لوگ بھی جن کے نام مذکور نہیں ہیں اس بھنور میں پھنس گئے اور حضرت عروہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں۔ مجھے ان ناموں کا علم نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ عصبہ تھے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمان باری ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے افک کیا وہ تم ہی میں سے عصبہ تھے اور عصبہ دس سے چالیس تک کے گروہ کو کہتے ہیں سیّد

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں مدینہ منورہ پہنچی تو میں بیمار ہو گئی اور میری بیماری نے ایک ماہ تک طول کھینچا۔ حالانکہ لوگ اہلِ افک کے قول میں مبتلا ہو گئے تھے اور یہ بات لوگوں میں خوب پھیل گئی تھی۔ مجھے اس کا بالکل پتہ تک نہ ہوا۔ لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک اس دوران بہ نسبت اپنی بیماری کے بدلا ہوا پاتی تھی اور میں حیران تھی اس کی کیا وجہ ہے؟ اور اس بیماری میں رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ لطف وعنایت نہ پاتی تھی جو اپنی دوسری بیماریوں میں دیکھتی تھی۔

صرف اتنا ہی عمل مبارک تھا کہ گھر میں تشریف لاتے اور گھر والوں سلام کرتے جیساکہ سنّتِ مستمرۂ شریفہ تھی، اور دریافت کرتے کہ اس عورت کا کیا حال ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ "تمہارے بیمار کا کیا حال ہے"۔ صرف اتنا ہی دریافت کرتے اس کے بعد لوٹ جاتے اور میرے پاس نہ آتے اور نہ تشریف رکھتے۔ حضورؐ کی اس بے التفاتی سے میرا دل ٹوٹ جاتا۔ حالانکہ حقیقتِ حال کا مجھے پتہ تک نہ تھا۔ یہاں تک کہ بیماری نے مجھے بہت کمزور کر دیا۔ اس کے بعد ایک رات میں مسطحؓ کی والدہ کے ساتھ "مناصع" یعنی اس جگہ کی طرف گئی جہاں لوگ قضائے حاجت کے لئے جاتے تھے۔ چونکہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ قضائے حاجت کے لئے صحرا میں جاتے تھے اور اس زمانہ میں "بیت الخلا" نہ ہوتا تھا اور میں رات ہی کو قضائے حاجت کے لئے باہر نکلا کرتی تھی۔ اس کے بعد قضائے حاجت سے فارغ ہو کر مسطحؓ کی والدہ کے ساتھ لوٹ رہی تھی تو ام مسطحؓ کا پاؤں اپنی چادر میں الجھ گیا اس وقت کہا ہلاک ہو اور منہ کے بل مسطحؓ گرے۔" اس پر میں نے کہا تم ایسی بات کہتی اور اس شخص کو گالی دیتی ہو جو بدر میں حاضر رہا ہے۔ ایک روایت میں ہے وہ شخص جو اول مہاجرین میں سے ہے پھر ام مسطحؓ نے کہا "اے عائشہؓ اے بے سمجھ کیا تم نے نہ سنا کہ مسطحؓ نے کیا کہا ہے اور کیا کہتا پھر رہا ہے"۔ اس پر انہوں نے اہلِ افک کی باتیں بیان کیں۔ سیدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میری بیماری اور بڑھ گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دھواں سا میرے سر میں چڑھا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ جب میں گھر آئی تو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور فرمایا تمہارے اس بیمار کا کیا حال ہے؟ اس پر میں نے عرض کیا "کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں؟" میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ میں اس حکایات اور اس خبر کے بارے میں دریافت کر دوں۔ پھر حضور نے مجھے اجازت مرحمت فرمادی اور میں نے اپنی والدہ سے کہا "اے امّاں کیسی باتیں میں سُن رہی ہوں جو لوگ کہتے پھر رہے ہیں۔؟" میری والدہ نے کہا بیٹی! حوصلہ رکھو!

تمہارا معاملہ ٹھیک ہوجائے گا۔ غم نہ کرو۔ خدا کی قسم کسی مرد کے پاس ایسی عورت کم ہوگی جو خوبرو۔ نیک خصلت اور بزرگ وذی مرتبت ہو اور وہ اس سے محبت رکھتا ہو اور وہ عورت اس سے محبت رکھتی ہے اور اس پر جان چھڑکتی ہو۔ مگر یہ کہ لوگ اس پر طرح طرح کی باتیں بنایئں اور اشرار ان پر غالب آئیں"۔ اس پر میں نے کہا "کیا واقعتہً لوگوں نے ایسا کہا ہے۔ اور لوگوں میں اس کا چرچا ہوا ہے۔ اور ایسی افواہیں حضورؐ کی سمع مبارک تک پہنچی ہیں۔ اور انہیں میرے باپ نے بھی سنا ہے؟" اس کے بعد مجھ پر رونا غالب آیا اور میں تمام رات روتی رہی۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ نہ میں نے سُرمہ لگایا۔ اور نہ میں رات کو سو سکی۔ دن بھی یوں ہی روتے گزر گیا مگر آنسو نہ رُکے اور نہ نیند آئی۔ میرے والد ماجد دوسرے کمرے میں قرآن کریم کی تلاوت کررہے تھے۔ انہوں نے جو میرے رونے کی آواز سُنی تو وہ بھی روتے ہوئے نکل آئے اور مجھے تسلّی وتشفّی دی۔ اور فرمایا اے عائشہؓ صبر کرو، روؤ نہیں اور دلفگار نہ ہو۔ اور انتظار کرو کہ حق تعالیٰ کیا حکم فرماتا ہے۔ سیدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو میرے بارے میں پریشانی ہوئی اور میری خستہ حالت کو ملاحظہ فرمایا تو اکثر ان اوقات میں حضور گھر میں غمزدہ بیٹھے رہا کرتے تھے۔ اس باب میں نزول وحی نے بھی طول کھینچا تو حضرت علی مرتضےٰؓ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا تاکہ ان سے مشورہ فرمائیں اور استفسار کریں اور میرے حال کے بارے میں ان سے حقیقت واضح کرائیں۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حضورؐ کی اہل کی پاکی کے بارے میں جو وہ خیال رکھتے تھے اور جو محبت وعنایت حضورؐ کے دل اقدس میں ان کی طرف سے تھی جانتے تھے عرض کیا۔ یارسولؐ اللہ! ہم آپ کے اہل میں بجز خیر وخوبی کے کچھ نہیں جانتے۔ لیکن حضرت علیؓ مرتضیٰ نے کہا "یارسولؐ اللہ! حق تعالیٰ نے آپ کے لئے عورتوں کی تنگی نہیں فرمائی ہے۔ عائشہؓ کے سوا بہت سی عورتیں ہیں اس باندی سے دریافت کیجئے؟ مطلب یہ کہ اس بریرہؓ باندی سے پوچھئے جو حضرت عائشہؓ کی خدمت میں رہتی ہے وہ صحیح صحیح حالات بیان کردے گی۔ اس کے بعد حضورؐ نے بریرہؓ کو طلب فرمایا۔ اور فرمایا اے بریرہؓ کیا تم نے کوئی چیز عائشہؓ کے بارے میں دیکھی ہے جس سے تمہیں کچھ شک وشبہ ہوا ہو؟ بریرہؓ نے حضورؐ سے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نے حضرت عائشہؓ میں اس سے زیادہ کوئی بات نہ دیکھی کہ وہ ایک خردسال، بے سمجھ لڑکی ہے۔ جو سوتی رہتی ہے، بکری آتی ہے اور آٹا کھا کر چلی جاتی ہے اسے کوئی خبر نہیں ہوتی۔ مطلب یہ کہ میں نے اس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہ

دیکھا۔ بتقاضائے عمر، بچپنے کی غفلت و بے پرواہی ہے۔ صحیح بخاری میں اتنا ہی ہے کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ، حضرت اسامہؓ اور بریرہ رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا اور یہ جواب دیا۔

لیکن بعض علماء سیر حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے ساتھ مشورہ کرنے اور ان کے جواب دینے کا قصہ بھی بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی حضرت علی مرتضےٰؓ کا جواب اسی طرح نقل کیا ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ کے جسم اقدس پر جبکہ مکھی تک نہیں بیٹھتی کیوں کہ وہ نجاستوں پر بیٹھتی ہے اور اس کے پاؤں اس سے آلودہ ہوتے ہیں اور حق تعالےٰ آپ کے لئے کیسے گوارہ کرے گا کہ جو اس سے کہیں زیادہ بدترین ہو اس سے آپ کی حفاظت نہ فرمائے" حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کا سایہ شریف تک زمین پر نہیں گرتا مبادا کہ وہ زمین نجس و ناپاک ہو۔ حق تعالیٰ جب آپ کے سایہ کی اتنی حفاظت کرتا ہے تو آپ کے حرم محترم کی ناشائستگی سے کیوں نہ حفاظت فرمائے گا۔" حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ حق تعالےٰ نے اتنا گوارہ نہیں فرمایا کہ نماز کی حالت میں آپ کے پائے اقدس کی نعلین مبارک میں آلودگی ہو اور اس کی آپ کو خبر دیدیتا ہے کہ آپ اپنے نعلین کو پائے اقدس سے اتار دیں تو اگر یہ واقعہ نفس الامر میں وقوع پذیر ہوتا تو یقیناً آپ کو اس کی خبر دیدیتا۔ خاطر جمع رکھئے حق تعالیٰ آپ کو حقیقت حال کی ضرور خبر دے گا۔" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ باتیں سماعت فرمائیں تو مسجد شریف میں تشریف لے گئے، خطبہ دیا اور فرمایا "کون ہے جو میری مدد کرے اور اس شخص سے انتقام لے جس نے بلاشبہ مجھے اور میری اہل کو ایذا پہنچائی۔" اس سے عبداللہ بن ابی مراد تھا۔ اور فرمایا "قسم ہے خدا کی میں اپنی اہل سے پارسائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ بلاشبہ لوگوں نے اس شخص کے بارے میں بیان کیا ہے جس سے میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اس سے حضرت صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ مراد لیا۔ کیوں کہ منافقوں نے ان کو اس فعل شنیع کے ساتھ متہم کیا تھا۔ حالانکہ حضرت صفوان بجائے خود فاضل و عابد شخص تھے۔ چہ جائے کہ ان پر یہ اتہام لگایا جائے۔ جو شخص ذرا بھی عقل و فہم رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس شخص میں اس وہم و فہم کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ مگر یہ کہ وہ منافق ہو اور غایتِ نفاق و حسد میں شیطان نے اس کی راہ بند کر رکھی ہو اور یہ ابن ابی تو کھلم کھلا منافق ہی تھا۔ اور عجب نہیں کہ حمنہؓ بھی قیدِ نفاق و حسد میں گرفتار ہو۔ مگر تعجب حسانؓ اور مسطحؓ پر ہے کہ وہ اس بلا، خبط اور جنون میں کیسے گرفتار ہو گئے۔

القصہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس منافق ملعون کی تہدید و توبیخ فرمائی وہ قبیلہ

خزرج سے تعلق رکھتا تھا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کی مدد کروں گا اور اس سے انتقام لوں گا اگر وہ قبیلہ اوس سے ہوا جو ہمارا قبیلہ ہے تو میں خود اس کی گردن اڑاؤں گا اور اگر ہمارے بھائیوں کے قبیلہ سے ہے یعنی خزرج سے ہے تو آپ مجھے فرمائیے تاکہ میں آپ کا حکم بجالاؤں" اس کے بعد حضرت سعدؓ بن عبادہ جو قبیلۂ خزرج کے سردار تھے کھڑے ہوئے اور سعدؓ بن معاذ سے کہا "تم دروغ کہتے ہو" اس پر حضرت اسیدؓ بن حضیر جو کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے چچا کے بیٹے تھے کھڑے ہوئے اور سعدؓ بن عبادہ سے کہا "تم دروغ کہتے ہو منافقوں کی طرفداری کرتے ہو اور منافقوں کی جانب سے جھگڑا کرتے ہو" اس کے بعد یہ خطرہ پیدا ہو گیا کہ قبیلہ اوس و خزرج کے درمیان شیطان کے وسوسہ سے جنگ واقع ہو جائے اور قدیمی عصبیت کی رگ بھڑک اٹھے۔ حضورؐ نے ان سب کو باز رکھا اور خاموش کر دیا۔ سیدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں اپنے والد کے گھر میں تھی وہیں یہ باتیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں میں گریہ وزاری کرنے لگی میں اتنی بے طاقت ہو گئی کہ میں نے یہ خیال کیا کہ یہ رونا میرے جگر کو پھاڑ دے گا۔ یہاں تک کہ دو دن اور دو راتیں اسی طرح گزر گئیں۔ میرے لئے بجز جاگنے اور رونے کے کوئی کام نہ تھا میرے والد اور والدہ دونوں میرے پاس ہوتے میں بھی روتی تھی اور میرے ساتھ وہ بھی روتے رہتے تھے۔ ایک انصاری عورت تھی جو مجھ سے محبت رکھتی تھی وہ میرے پاس آئی۔ وہ بھی رونے لگی ہم اسی حال میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے ہمیں سلام کیا اور میرے پاس آکر بیٹھ گئے۔ جب سے یہ قضیہ درپیش آیا تھا جسے ایک ماہ گزر گیا تھا وہ میرے پاس نہ بیٹھے تھے۔ اور نہ اس سے پہلے کوئی وحی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے بارے میں آئی تھی۔ اس کے بعد حضورؐ نے پوچھا "کیا حال ہے؟" میری والدہ نے کہا "تپ ولرزہ ہے" اس وقت حضورؐ نے اسی نشست کی حالت میں کلمۂ شہادت پڑھ کر فرمایا کہ "اے عائشہؓ! میرے حضور تمہارے بارے میں ایسی ایسی باتیں پہنچی ہیں۔ لہٰذا اگر تم بری و پاک ہو تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری پاکی بیان فرمائے گا اور تمہاری برأت کی خبر نازل فرمائے گا۔ اور اگر تم کسی گناہ میں آچکی ہو اور کوئی چیز تم سے صادر ہو گئی ہے تو خدا سے استغفار کرو اور اس سے توبہ و رجوع کرو۔ بلاشبہ جب بندہ گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور اس سے توبہ کرتا ہے تو وہ یقیناً اسے بخش دیتا ہے"۔ اس کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گفتگو ختم فرمائی۔ تو میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ میری آنکھوں میں ایک قطرہ تک نظر نہ آتا تھا۔ یہ اس خوشی کی بنا پر تھا جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارک سے بشارت پائی تھی۔

میں نے اپنے والد سے کہا کہ میری طرف سے حضورؐ کو جواب دیجئے۔ والد محترم نے فرمایا میں ہمت نہیں پاتا کہ حضورؐ سے کیا عرض کروں۔ اس کے بعد میں نے اپنی والدہ سے کہا جو کچھ حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے آپ جواب دیجئے انہوں نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں حضورؐ سے کس طرح عرض کروں۔ اس کے بعد میں نے حضورؐ سے کہا کہ میں خورد سال لڑکی ہوں میں نے قرآن کریم - زیادہ نہیں پڑھا ہے بلا شبہ خدا کی قسم اس سلسلہ میں جتنا کچھ آپ نے سنا ہے اور جتنا کچھ آپ کے دل میں جاگزیں ہوا ہے اور آپ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے اب اگر میں آپ سے عرض کروں کہ میں اس سے پاک و منزہ ہوں تو آپ اس کی تصدیق نہیں کریں گے اور میری بات کا یقین نہ فرمائیں گے اور اگر میں اس بات کا اعتراف کروں جس کے بارے میں خدا خوب جانتا ہے کہ میں پاک ہوں تو آپ اس کی تصدیق کریں گے لہٰذا میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں میں اپنے بارے میں اور آپ کے بارے میں کوئی مثال نہیں پاتی بجز۔ اس مثل و کہاوت کے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے والد نے فرمائی ہے کہ انہوں نے فرمایا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ (اب صبر جمیل ہی ہے اور اللہ ہی مدد کرنے والا ہے اس پر جو کچھ تم بیان کرتے ہو۔)

حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو انتہائی حزن و ملال کی حالت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام حافظہ میں نہ آیا۔ ایک روایت میں ہے اس وقت منہ سے بجائے حضرت یعقوبؑ کے یوسف علیہ السلام کا نام نکل گیا اور کہا کہ حضرت یوسف نے کہا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ یہ انتہائی حزن و اضطراب کی غمازی کرتا ہے کہ پدرِ یوسفؑ بھی نہ کہا اور بعض نسخوں میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ یعقوب کے والد نے فرمایا.... لیکن بخاری کی بعض روایتوں میں یعقوب بھی آیا ہے اور یہ بالکل صحیح ہے ممکن ہے کہ راوی نے اپنی طرف سے درستگی کی ہو (واللہ اعلم)

بہر حال سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے اتنا عرض کرنے کے بعد اپنے رُخ کو پھیر لیا۔ اور میں نے خدا پر توکل کر لیا۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ میں پاک ہوں، اور میں جانتی تھی کہ حق تعالیٰ میری پاکی بیان فرمائے گا اور میری پاکی کی خبر دے گا۔ لیکن خدا کی قسم میرا یہ خیال تک نہ تھا کہ میرے بارے میں وحی اترے گی اور اسے پڑھا جائے گا۔ کیوں کہ اپنے وجود میں میری شان بہت کمتر ہے کہ خاص میرے بارے میں حق تعالیٰ کلام فرمائے۔ البتہ میں اتنی ضرور امید رکھتی تھی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسا خواب ضرور دکھائے گا جس سے میری پاکی آپ پر ظاہر ہو جائے گی۔ اس کے بعد خدا کی قسم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ابھی اس مجلس شریف میں میرے پاس سے اٹھے بھی نہ تھے اور میرے گھر والوں میں سے ہی کوئی

اٹھ کر باہر گیا تھا کہ یکایک حضورؐ پر نزولِ وحی کے آثار نمودار ہوئے اور آپ اس شدید کیفیت میں مبتلا ہو گئے جو نزولِ وحی کے وقت آپ پر طاری ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کی پیشانی مبارک سے موتیوں کی مانند پسینہ نمودار ہو جاتا تھا۔ اور یہ اس گرانی و بوجھ کی وجہ سے ہوتا تھا جو کلام آپ پر اترتا تھا۔ اس کے بعد جب حضورؐ اس کیفیت سے باہر آئے اور اپنی حالت میں آگئے اس وقت آپ کا حال مبارک یہ تھا کہ آپ تبسم فرما رہے تھے۔ سب سے پہلی بات، جو حضورؐ نے فرمائی یہ تھی کہ "اے عائشہؓ! حق تعالیٰ نے بری قرار دے کر تمہیں پاک گردانا ہے اس تہمت سے تمہاری پاکی بیان فرمائی ہے اور تمہاری شان میں قرآن بھیجا ہے"۔ اس کے بعد مجھ سے میری والدہ نے کہا "اٹھو اور حضورؐ کے پاس جاؤ" میں نے عرض کیا "خدا کی قسم میں آپ کی طرف نہیں جاؤں گی"۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ میرے والد نے فرمایا "اے عائشہؓ! رسولِ خدا کا شکریہ ادا کرو"۔ میں نے کہا "میں شکر نہیں کروں گی، شکر صرف اپنے اس رب کا ادا کروں گی جس نے مجھے پاک قرار دیا اور میرے حق میں قرآن اتارا"۔ یہ حال کی مستی اور از خود رفتگی تھی جو حضرت عائشہؓ پر اس وقت طاری تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے میرا ہاتھ پکڑا اور میں نے اپنا ہاتھ، آپ کے دستِ مبارک سے کھینچ لیا۔

الحمد للہ کہ منافقوں اور دروغ گویوں کا منہ کالا ہوا۔ اس کے بعد حضورؐ نے قرآن پڑھا جو اس وقت نازل ہوا تھا اور کہا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۔ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔

بیشک جنہوں نے بہتان اٹھایا وہ تم میں سے عصبہ ہیں۔ اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو بلکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس کے بعد آپؐ نے سورۂ نور کی دس آیتوں تک تلاوت فرمائی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش و خرم مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کو جمع فرما کر خطبہ دیا اس کے بعد نازل شدہ آیتوں کو صحابہ کے سامنے پڑھا۔

مروی ہے کہ جب حضورؐ برأتِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں نازل شدہ آیتوں کو پڑھ چکے تو تہمت لگانے والوں کو طلب فرمایا اور ان پر حدِ قذف جاری فرمائی اور ہر ایک کو اسی اسی کوڑے لگوائے۔ اور یہ چار آدمی تھے حسان بن ثابتؓ، مسطح بن اثاثہؓ، حمنہ بنت جحشؓ اور عبداللہ بن ابی بعض روایتوں میں عبداللہ بن ابی منافق پر اجراءِ حد کا ذکر نہیں کیا گیا ہے (واللہ اعلم)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین زینب

بنت جحش سے میرے حال کے بارے میں دریافت کیا اور فرمایا ان کو تم کیسا جانتی ہو یا تم کس طرح دیکھتی ہو ان کو۔" ام المومنین زینب رضی اللہ عنہا نے عرض کیا "یارسول اللہ! میں اپنے کان اور آنکھ کی اس سے حفاظت کرتی ہوں کہ میں ان کے بارے میں کچھ سنوں حالاں کہ میں نے کچھ سنا نہ ہو اور دیکھوں حالانکہ میں نے دیکھا نہ ہو۔ خدا کی قسم میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتی بجز خیر و خوبی کے۔" سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ وہی زینب رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے درمیان مجھ سے برابری کرتیں اور خود کو میرے حسن و جمال اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں میری قدر و منزلت میں مشابہ بنا دیتی تھیں۔ مگر حق تعالیٰ نے ان کے اپنے ورع و تقویٰ کی بنا پر ان کو محفوظ رکھا کہ وہ رشک و حسد کریں اور بری بات منہ سے نکالیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "لیکن ان کی بہن حمنہ رضی اللہ عنہا بنت جحش ان سے لڑتی تھی کہ وہ اس بارے میں کیوں کچھ نہیں کہتیں۔ تو وہ ہلاکت میں پڑی اور ان لوگوں میں شامل ہو گئیں، جو ہلاکت میں پڑے۔ راوی حدیث عروہ بیان کرتے ہیں کہ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لیکن وہ شخص جس کے بارے میں ایسی ناگفتہ بہ باتیں کہی گئیں یعنی حضرت صفوان رضی اللہ عنہ بن معطل وہ فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں نے کسی عورت کا پردہ نہیں اٹھایا مطلب یہ کہ میں نے کسی بھی عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا۔" قسطلانی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں کہ "یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ نامرد تھے اور ان کا آلۂ تناسل ناکارہ تھا۔ اور وہ ریشہ اور کپڑے کی دھجی کی مانند تھا۔

عروہ سے مروی ہے کہ صفوان رضی اللہ عنہ حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کو برا کہتا تھا۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے بھی حسان رضی اللہ عنہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے مذمت کی۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "اسے برا نہ کہو کیوں کہ وہ خدا کے رسول ﷺ کی مدح میں مشرکوں کی ہجو اور مذمت کر کے مخاصمت و مفاخرت کرتا ہے۔"

بندۂ مسکین عفا اللہ عنہ یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ پر حیرت و تعجب ہے کہ باوجودیکہ ان کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا دَامَ یُنَافِحُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ (بیشک اللہ حسان کی روح القدس سے تائید فرماتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منافحت و مخاصمت کرتا رہتا ہے) پھر بھی وہ پر خطرناک جان لیوا بھنور میں پھنس گئے۔ اور نفس و ہوا اور شیطان کے پھندے میں مبتلا ہو گئے۔ اور حدیث میں بھی ان کی روح القدس سے تائید پانا منافحت کی حالت کے ساتھ مشروط ہے۔ تمام احوال کے ساتھ شامل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ شاعرپنے نے ان کو اس شناعت اور بلا میں مبتلا کیا۔ نعوذ

بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد حضرت حسان رضؓ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مدح و ستائش شروع کردی تاکہ گزشتہ غلطیوں کی تلافی ہو جائے لیکن اُس غلطی و قصور کی کس طرح تلافی ممکن ہے جو حد سے بڑھ جائے۔ البتہ توبہ و ندامت باقی ہے۔

مسروق جو کہ اکابر تابعین میں سے ہیں اور سیدہ صدیقہ رضؓ کے راویوں میں سے ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسان رضؓ نے سیدہ عائشہ رضؓ کی مدح میں بہت سے اشعار کہے ہیں ان میں ایک شعر یہ ہے " جس کا مضمون یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضؓ عفیفہ، پاک دامن، صاحب، منزلۃ اور عقل و فراست ہیں جن کو کسی شک و شبہ سے متہم قرار نہیں دیا جاسکتا اور وہ بھوکی صبح کرتی ہیں اُن عورتوں کے گوشت سے جو غافل ہیں"۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کی غیبت نہ کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ بحکم قرآن، غیبت کرنا مسلمان بھائیوں کے گوشت کو کھانا ہے۔ اس لئے کہ حضور ؐ نے فرمایا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتًا " کیا تم میں سے کوئی اسے پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے"۔ اس پر سیدہ صدیقہ رضؓ نے فرمایا لٰکِنَّکَ لَسْتَ کَذٰلِکَ "لیکن اے حسانؓ تم غیبت کرنے والے کی مانند نہیں ہو"۔ مطلب یہ کہ تم نے جیسی غیبت کی ہے اُس کی مانند کوئی غیبت گری نہ ہوگی۔ مسروق بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ سے عرض کیا پھر آپ کیوں حضرت حسانؓ کو اپنی بارگاہ میں آنے دیتی ہیں؟ حالانکہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے' وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ سیدہ عائشہ رضؓ نے فرمایا" اندھا ہو جانے سے زیادہ سخت کون سا عذاب ہے" اور حضرت حسان رضؓ اس قضیہ کے بعد نابینا ہو گئے۔ یہ بدلہ ہے اس کا کہ انہوں نے حق کو نہ دیکھا حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا" وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منافحت اور ہجاجات کرتے تھے"۔ اے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کی کیا شان حق شناسی اور حسنِ خلق ہے۔

اب رہے مسطح بن اثاثہ رضؓ تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ کی بیٹی کے بیٹے تھے اور ان کی صغر سنی میں ہی ان کے والد وفات پا گئے تھے اور حضرت صدیق رضؓ نے ان کو محتاجی اور قرابت داری کی وجہ سے پال رکھا تھا۔ وہ ان کی غمخواری کرتے اور کھانے پہننے کی دیکھ بھال رکھتے تھے۔ جب انہوں نے افک کے قضیہ میں ابن ابی منافق کی موافقت کی تو حضرت صدیق رضؓ نے بحکم بشریت قسم کھائی کہ آئندہ کبھی مسطح رضؓ پر خرچ نہیں کروں گا۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ ۔ یعنی دین میں صاحبانِ فضیلت اور مال کی فراخی میں صاحبان وسعت قسم نہ کھائیں کہ :۔ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى اپنے خویشوں کو نفقہ نہ دیں گے"۔

مطلب یہ کہ اس بات پر قسم نہ کھائیں کہ اپنے اقارب، مسکینوں، مفلسوں، محتاجوں اور خدا کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نفقہ نہیں دیں گے۔ اور مسطح رضی اللہ عنہ بھی خویش، مسکین، اور مہاجر ہے وَالْيَصْفَحُوْا ۔ چاہیئے کہ درگزر اور عفو سے کام لیں۔ اور جو جرم ان سے صادر ہوا اس سے روگردانی کر کے چشم پوشی سے کام لیں اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۔ کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخشے۔ لہٰذا تم بھی دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرو وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ اور اللہ باوجود انتقام پر کمال قدرت کے مجرموں کو بخشنے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ لہٰذا تم بھی اخلاق الٰہی سے اپنے آپ کو متصف بناؤ کیوں کہ اسی میں ایمان کا کمال ہے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "یہ حق ہے ہم اسی کو پسند کرتے ہیں جس کو ہمارا رب پسند کرتا ہے" اس کے بعد مسطح کا جو روزینہ مقرر تھا اسے جاری فرما دیا۔ اور فرمایا "اسے اس سے کبھی نہ روکوں گا"۔

مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ لوگ دنیا و آخرت کی محبت میں چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو شروع سے ہی ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انہیں کوئی ایذا پہنچائے یہ قسم ان سب میں ذلیل تر اور ادنیٰ ترین ہے۔ اور دائرۂ اعتبار سے خارج ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو بدلے میں ایذا و آزار پہنچاتے ہیں اور شریعت کے فرمان کے مطابق اس کی سزا دیتے ہیں یہ عوام مسلمان ہیں اور تیسری قسم وہ ہے جو عفو و درگزر سے کام لیتے ہیں اور انتقام سے کام نہیں لیتے یہ خواص مسلمان ہیں اور چوتھی قسم میں وہ ہیں جو برائی کے بدلے میں نیکی اور ظلم و جفا کے بدلے میں ایثار و وفا سے کام لیتے ہیں یہ اخص خواص اور صدیقوں کا مقام ہے۔ اس آیۂ کریمہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تنبیہ و تربیت فرمانا مقصود ہے کہ وہ مقام صدیقیت میں قایم رہیں اور دائرۂ کمال سے باہر نہ نکلیں اس تنبیہ کے باوجود یہ بات بھی ہے کہ صاحبِ صفاتِ حمیدہ اگرچہ ذمایم اور شنائع میں گرفتار ہو گیا ہے وہ پھر بھی رحم و شفقت کے لائق ہے گویا مسطح رضی اللہ عنہ کی ان کی بدریت نے شفاعت کی اور حق تعالیٰ ان کا حامی ہوا کیوں کہ :۔ اِنَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰٓى اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ ۔ بیشک اللہ بدر والوں کو آگاہ فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ جو چاہو

عمل کرو بیشک میں نے تم کو بخشدیا ہے؛ اسی واسطے سیدہ عائشہؓ نے بھی ام مسطحؓ کو اس وقت منع کیا تھا جب انہوں نے مسطحؓ کو بُرا کہا تھا کہ تم اُسے بُرا کہہ رہی ہو جو بدر میں حاضر ہوا اور اولین مہاجرین میں سے ہے۔ لہٰذا انہیں ان مفہومات کلیہ کے ضمن میں داخل کرکے ان پر رحم وشفقت کرتے ہیں اور اہل سنت وجماعت اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر استدلال کرتے ہیں جیساکہ حکیم ثنائی نے کہا ہے ؎

بود چنداں کرامت وفضلش — کہ اولوا الفضل خواند ذوالفضلش

اور اگر فضل کو مال ومنال کی زیادتی پر محمول کریں جیساکہ فرمان باری تعالےٰ میں ہے کہ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ وہ زمین میں پھرتے ہیں اور اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہیں، اور فضل اس معنیٰ میں قرآن کریم میں بکثرت آیا ہے۔ اس کا قول "والسعۃ" مستدرک قرار پائے گا، کما لایخفیٰ۔

## رفع شبہات

تنبیہ:- لوگوں کے ذہنوں میں ایسا بیٹھا ہوا ہے کہ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قضیہ افک میں سہل انگاری سے کام لیا (واللہ اعلم) لیکن بعض کتب سیر میں جس طرح حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما سے سایہ کی حالت سے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی تسلّی وتسکین مذکور ہے اسی طرح علی مرتضیٰ سے نعلین شریفین کا قصّہ بھی مذکور ہے۔ البتہ ابتدائے قصہ میں جب حضورؐ نے ان سے اور حضرت اسامہؓ بن زید سے پوچھا تو کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کام تنگ نہیں فرمایا ہے اور ان کے سوا بہت سی عورتیں ہیں جب انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو تنگی، حرج، حیرت پریشانی اور تنگدلی لاحق ہے تو حضورؐ سے اس غم واندوہ کو رفع کرنے کے لئے بعد کو وہ راہ اختیار فرمائی ان کا یہ طریقہ اخوت، محبت اور خیرخواہی میں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ جو محبت وخیرخواہی حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تھی وہ سیّدہ عائشہؓ سے نہ ہوگی۔ اس بنا پر حضورؐ کی رعایت سے ایسی بات کہی لیکن تعجب ہے جو علاقہ محبت حضرت عائشہ کو سیّد عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے تھا حضرت امیر نے اس کا لحاظ وپاس نہ فرمایا اور اس طرف توجہ نہ کی "لاواللہ" فرمایا جیساکہ عرب کی بول چال ہے اور کہا کہ بریرہؓ سے دریافت کیجئے وہ دن رات ان کی خدمت میں رہتی ہیں وہ ان کے احوال کی خبر رکھتی ہوں گی۔ اور جس وقت حضورؐ نے مشورہ کا ارادہ فرمایا تو تمام صحابی حضرت عائشہؓ کی خیروخوبی میں متفق ہوگئے اس جگہ اخبار واحادیث بھی بکثرت موجود ہیں مگر کتب صحاح میں جو کچھ مذکور ہے

ہیں نے اسے نقل کیا ہے۔ اور ہم پر بجز نقل کے کچھ لازم نہیں ہے۔ "والعہدۃ علی الراوی" ساری ذمہ داری روایت کرنے والوں پر ہے۔ ہم بصفائے مودت وخلوص محبت، باعتبار نسبت، بہر دو جانب موصوف ہیں (وللہ الحمد)۔ صحیح بخاری، زہری سے روایت کرتے ہیں اور اس باب میں اصل، زہری کی حدیث ہے۔ اور کتاب "صغیر" کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اور وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اکابر تابعین میں سے ہیں۔ تمام حدیثوں کو روایت کرکے اور ان سب کو جمع کرکے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جو مذکور ہوئی۔ ایک اور بھی ہے جو زہری سے روایت کی گئی ہے زہری کہتے ہیں کہ مجھ سے ولید بن عبدالملک بن مروان نے پوچھا کہ کیا تمہیں ایسی کوئی روایت پہنچی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں داخل ہیں جنہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی ہے؟ میں نے کہا ایسی کوئی روایت نہیں پہنچی اور وہ ان میں داخل نہیں ہیں۔ لیکن مجھے تمہاری قوم یعنی قریش کے دو شخصوں نے خبر دی ہے ایک ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، دوسرے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام ہیں۔ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن خود مشہور تابعی، ائمہ وعلماء ذی شان میں سے ہیں اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن بھی علماء وفقہاء سبعہ میں سے ہیں۔ زہری کہتے ہیں کہ ان دونوں شخصوں نے مجھے بتایا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہم سے فرمایا کہ "علی رضی اللہ عنہ میری شان میں مُسلّم رہے یعنی ساکت وخاموش رہے"۔ (مسلّم بکسر لام مشدّدہ ماخوذ از تسلیم بمعنی ساکت ہے) اور ابوذر نے جو بخاری کے راویوں میں سے ایک راوی ہے اس نے فتح لام کے ساتھ روایت کیا ہے جو سلامت سے ہے مطلب یہ کہ اس قضیہ میں غور وفکر کرے، اور اس میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ بخاری کی ایک اور روایت میں اتنے لفظ اور زیادہ ہیں کہ فَرَاجَعُوْہُ فَلَمْ یَرْجِعْ اس کے بعد لوگوں نے ان کی طرف اس مسئلہ میں رجوع کیا تو وہ اپنے ایک حرف سے رجوع نہ ہوئے۔ یعنی لفظ مسلّم کے بغیر کوئی جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ روایت میں اسی طرح "مسلّم" مروی ہے بلاشبہ زہری کا مقصود اپنی روایت کی تقویت وتائید ہے یا بعض ان روایتوں سے احتراز ہے جس میں "مسیئًا" بجائے "مسلمًا" کے مروی ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ بخاری کے پرانے ورقدیمی نسخہ میں لفظ "مسیئًا" پایا گیا ہے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

اس جگہ ایک اور حدیث ہے اور وہ بھی بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن شریف بھاری ہوا اور درد وتکلیف نے شدت اختیار کی تو آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے باریاں موقوف کرنے کی اجازت چاہی

تاکہ حضورؐ میرے گھر میں تیمار داری کرا سکیں۔ اس پر تمام ازواج مطہرات نے آپ کو اجازت دیدی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ اپنے کاشانۂ اقدس سے مسجد شریف کی جانب اس طرح تشریف لے جاتے کہ آپ دو شخصوں کے درمیان سہارا لئے ہوئے ہوتے اور آپ دونوں پر اپنا بوجھ دیئے ہوئے ہوتے اور آپ کے دونوں پائے اقدس زمین میں لے کر کھینچتے جاتے۔ یہ انتہائی ضعف و نقاہت کی وجہ سے تھا۔ ان دو شخصوں میں سے ایک حضرت عباسؓ حضورؐ کے چچا ہوتے اور دوسرے حضورؐ کے اہل بیت میں سے۔ اس حدیث کے راوی عبید اللہ بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے جو کچھ سیدہ عائشہؓ سے سنا: میں نے جب حضرت ابن عباسؓ سے بیان کیا تو حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے فرمایا تم جانتے ہو کہ وہ دوسرا شخص کون ہے؟ سیدہ عائشہؓ نے ان کا نام لیا نہیں۔ عبید اللہ کہتے ہیں میں نے کہا میں نہیں پہچانتا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ حضرت علیؓ ابن ابی طالب ہیں۔" اب شارحِ حدیث، سیدہ عائشہؓ کا حضرت علیؓ کا نام نہ لینے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ بعض کا یہ وہم ہے کہ یہ اس نزاع کی وجہ سے ہے جو ان کے مابین تھے۔ اس وجہ سے ان کا نام نہ لیا۔ حالانکہ حق و صواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا حضرت علیؓ کا نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ ایک جانب تو متعین تھا کہ وہ حضرت عباسؓ تھے اور دوسری جانب متعین نہ تھا کبھی کوئی ہوتا اور کبھی کوئی، کبھی حضرت علیؓ ہوتے، کبھی حضرت فضلؓ بن عباس ہوتے، کبھی اسامہ بن زیدؓ ہوتے۔ اور یہ سب اہلِ بیت نبوت میں سے ہیں اس بنا پر سیدہ عائشہؓ نے حضرت علیؓ کا نام متعین و مشخص کر کے نہ لیا (واللہ اعلم)

# غزوۂ خندق

ہجرت کے اسی پانچویں سال کے واقعات میں سے، غزوۂ خندق کا واقعہ ہے۔ اس کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ خندق اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ اس غزوہ میں مدینہ طیبہ کے گرد خندقیں کھودی گئی تھیں۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ قاموس میں ہے کہ خندق، کندہ کا معرب ہے اور غزوۂ احزاب اس بنا پر کہا جاتا ہے کہ قریش کے ساتھ دشمنی کی بنا پر یہود کے متعدد قبائل اور ان کے گروہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ و قتال میں مجتمع ہوئے تھے، اور سب متفق ہو کر آئے تھے۔ خندق بنانا عرب کی عادت نہ تھی لیکن حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف اشارہ کیا اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ! فارس والوں کو جب دشمن گھیرتے ہیں تو خندق کھودتے ہیں۔ تو حضورؐ نے حضرت سلمان کا مشورہ قبول فرمایا اور سلع کی جانب خندق کھودنے کا حکم فرمایا اور بذات شریف حضورؐ

خود مصروف عمل ہوئے۔ حالانکہ بھوک کی وجہ سے شکم اطہر پر پتھر باندھے ہوئے تھے، جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی۔ یہ بات طعام کے ضمن میں عادت شریفہ کے باب میں گزر چکی ہے۔ اور اس وجہ سے صحابہ میں ذوق وشوق پیدا ہوتا تھا۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے سورۂ احزاب میں ابتدائی آیتیں اس باب میں نازل فرمائی ہیں۔ اس غزوہ کے وقوع کی تاریخ میں ارباب سیر اختلاف کرتے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ اس کا وقوع سال چہارم کے ماہ شوال میں ہوا۔ اور ابن اسحٰق نے کہا ہے کہ سال پنجم میں ہوا۔ دیگر اہل مغازی نے بھی اسی پر جزم کیا اور بخاری نے موسیٰ بن عقبہ کے قول کی جانب میلان کیا ہے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے استدلال کیا جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روز احد عرض کیا تھا کہ حضور! احد میں غزوہ کی شرکت کی اجازت دیجئے اس وقت ان کی عمر چودہ برس کی تھی تو حضور نے ان کو جہاد کی اجازت نہ دی۔

اور روز خندق ان کو جہاد کی اجازت دیدی کہ وہ پندرہ سال کے ہو گئے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ غزوۂ احد اور خندق کے درمیان ایک سال سے زیادہ کا زمانہ نہ تھا۔ اور احد تیسرے سال میں واقع ہوا تھا۔ اس لئے خندق چوتھے سال میں ہوگا۔ ان کی یہ حجت مکمل نہیں ہے ویسے یہ ثابت شدہ ہے کہ غزوۂ خندق سال پنجم میں ہوا، ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر نے غزوۂ احد کے وقت چودھویں سال میں قدم رکھا ہو اور احزاب میں پندرہ سال مکمل کر چکے ہوں بیہقی نے یہی جواب دیا ہے اور شیخ ولی الدین عراقی کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے یہ غزوہ چوتھے سال میں ہوا۔ ہم نے چونکہ روضۃ الاحباب کی روش پر سنوات کو قایم رکھا ہے اور انہوں نے پانچواں سال لکھا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی یہی لکھا۔

اس غزوہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے یہودیوں کی جماعت کو جلاوطن کر دیا تھا اور وہ مختلف شہروں میں جا بسے تھے ان ایک ٹولی جو خیبر میں جا بسی تھی وہ مکہ پہنچی اور قریش سے کہنے لگی ہم اس لئے آئے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت اور ان کی قوت شکنی میں عہد و پیمان کریں۔ ابوسفیان نے کہا مَرْحَبًا بِکُمْ وَاَھْلًا۔ ہمارے نزدیک اس سے بہتر کیا بات ہوگی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عداوت و دشمنی پر ہماری مدد کی جائے۔ اس کے بعد کعبہ کے پردوں کے قریب آئے اور عہد باندھا۔ ابوسفیان کہنے لگا۔ اے گروہ یہود! تم اہل کتاب ہو۔ اور علماء و احبار میں سے ہو۔ بتاؤ کہ ہمارا دین بہتر ہے یا محمدؐ کا دین ہم وہ لوگ ہیں جو خانہ کعبہ کی تعمیر میں کوشش کرتے اور بڑے بڑے کوہان والے اونٹوں کو ذبح کرتے

اور بیت اللہ کے حاجیوں کو کھانا پانی اور دودھ دیتے ہیں۔ اور بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو ہمارے باپ دادا کی رسم ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نیا دین ظاہر کیا ہے اور نئی باتیں پیدا کی ہیں بتاؤ ہم راہ راست پر ہیں یا وہ"۔ یہود جو دین و دنیا دونوں کو بیچ ڈالنے والے ہیں کہنے لگے "تم بہ نسبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زیادہ راہِ راست پر ہو۔ اس وقت یہ آیت اتری ہے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا o اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۖ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا o

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا وہ ایمان لاتے بتوں پر اور شیطان پر اور کہنے لگے ان سے جنہوں نے کفر کیا کہ یہ ایمان داروں سے زیادہ سیدھا راستہ ہے۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت کرتا ہے اور جس پر اللہ کی لعنت ہو اس کا ہرگز کوئی مددگار نہیں۔

وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا o

جب یہود کا قریش کے ساتھ عہد استوار ہو گیا اور قول و قرار ہو چکے اور وہ ان کی طرف مجتمع ہو گئے تو مکہ سے یہود باہر نکلے اور قبیلہ غطفان کی طرف چل دیے جو قیس کا قبیلہ ہے ان کو بھی برانگیختہ کیا اور معاہدہ کیا کہ ایک سال کی خیبر کی کھجوریں ان کو دیں گے۔ اس کے بعد لشکر قریش باہر نکلا ان کا سردار ابو سفیان بن حرب تھا اس کے ساتھ تین سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ یہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مر الظہران میں قبائل عرب، اسلم، اشجع، ابو مرہ، کنانہ فزارہ، اور غطفان بڑی تعداد کے ساتھ آکے مل گئے۔ ان سب کی مجموعی تعداد دس ہزار کی ہو گئی ان کے برعکس مسلمانوں کے لشکر کی مجموعی تعداد تین ہزار تھی۔ ان میں چھتیس ۳۶ گھوڑے تھے اس سبب سے اس غزوہ کو غزوۂ احزاب کہتے ہیں۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی جاہ میں یہ خبر پہنچی تو مہاجرین و انصار کو طلب فرمایا اور احزاب کے بارے میں مشورہ کیا۔ پھر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر خندق کھودنے پر اتفاق ہوا۔ اس کے بعد آپ ان مقامات پر پہنچے جہاں خندقیں کھودنے کی ضرورت تھی۔ چونکہ مدینہ منورہ کے بعض گوشے عمارتوں اور بازاروں سے مسدود و محفوظ تھے لہٰذا ان مقامات کو جو کوہِ سلع کی طرف جانب شرق کھلا میدان تھا خندقیں کھودنے کے لئے اختیار کیا گیا۔ اور لشکر کوہِ سلع کے دامن میں ٹھہر گیا

اور سرخ چمڑے کا خیمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نصب کیا گیا۔ سب سے پہلے خندقوں کے لئے نشانات لگائے گئے اور ہر دس آدمیوں کے لئے چالیس گز تقسیم فرمائے گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر دس آدمیوں کے لئے دس گز حصہ میں آئی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، دس آدمیوں کے برابر کام کرتے تھے ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ روزانہ پانچ گز کھودتے تھے اور اس کی گہرائی بھی پانچ گز ہوتی تھی۔ مہاجرین و انصار حضرت سلمانؓ کے بارے میں نزاع کرنے لگے ہر ایک یہی چاہتا کہ سلمانؓ ہمارے ساتھ شامل ہو کے کام کریں، اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَیْتِ سلمانؓ ہمارے اہل بیت میں سے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قیس بن صعصعہ ایک شخص تھا جو بدنظری میں مشہور تھا اور اس کی بدنظر لوگوں کو لگتی تھی۔ حضرت سلمانؓ کو اس نے نظر لگائی تو حضرت سلمان بحکم "العین حق" بدنظری حق ہے بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔ یہ خبر جب حضورؐ کو پہنچی تو فرمایا کہ قیس بن صعصعہ کو وضو کرانا چاہیئے اور وضو کے پانی کو ایک برتن میں جمع کر کے اس آب وضو کو حضرت سلمانؓ پر بہائیں اور برتن کو ان کی پشت کی طرف سے ٹیڑھا کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ ایسا ہی واقعہ ایک اور موقع پر کسی دوسری جگہ بھی واقع ہوا ہے کہ عامرؓ بن ربیعہ نے سہلؓ بن حنیف کو غسل کرتے دیکھا تو عامر کی نظر سہلؓ کو لگ گئی۔ انہوں نے کہا میں نے ایسا نرم نازک اور حسین وجمیل جسم والا شخص نہیں دیکھا۔ اگرچہ وہ پردہ نشین عورت ہی ہو۔ عامرؓ کا اتنی بات کہنا تھا کہ سہلؓ زمین پر گر پڑے لوگوں نے حضورؐ کو خبر دیتے ہوئے کہا یا رسول اللہ! سہلؓ بن حنیف زمین پر گر پڑے ہیں اور وہ سر نہیں اٹھا سکتے۔ فرمایا کسی نے ان کے بارے میں کچھ کہا ہے جس کی وجہ سے یہ ہوا۔ لوگوں نے کہا ہاں عامرؓ نے ایسا کہا تھا جس سے سہلؓ زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ان کا علاج اس طرح بتایا کہ عامر کو غسل کراؤ وہ منہ دھوئے، دونوں ہاتھ، دونوں کہنیاں، دونوں رانیں، دونوں پاؤں اور اس کی انگلیاں اور زیر تہبند کو دھوئیں۔ پھر اس غسالہ کو سہلؓ پر بہایا جائے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ اسی وقت ٹھیک ہو گئے۔ القصہ صحابہ کرام خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ کھدائی کا سامان مثلاً کدال، پھاوڑہ، چھینی اور ہتھوڑہ وغیرہ بنو قریظہ کے یہودیوں سے عاریتہً لیا تھا۔ بنو قریظہ مسلمانوں کے ساتھ اس وقت صلح سے رہتے تھے۔ اور اپنے عہد و پیمان پر قایم تھے۔ قریش کا مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنا انہیں ناگوار تھا۔ ہوا اس وقت بہت ٹھنڈی چل رہی تھی۔ اور صحابہ پر بھوک کا غلبہ تھا با ایں ہمہ کھودنے میں مشغول تھے اور کندھوں پر اور سروں پر مٹی ڈھوتے تھے

ان کے پاس غلام نہ تھے کہ وہ کام کرتے۔ جب حضورؐ ان کی یہ محنت و مشقت اور کھدائی میں رنج و تعب اور بھوک کی نقاہت کو ملاحظہ فرماتے تو با آواز بلند فرماتے :- اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ قول حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ہے جو فضلائے صحابہ اور ان کے شعراء میں سے تھے تو حضورؐ نے ان کے شعر کو قبول فرما کر پڑھا۔ اور اسی طرح صحابہ بھی حضورؐ کے ہم آواز ہو کر کہتے نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا، عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا۔ یعنی ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جہاد پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں ہمیشہ قایم رہیں گے۔ بعض روایتوں میں آخر میں اتنا زیادہ مروی ہے کہ

وَالْعَنْ عَضْلًا وَ اَنْصَارَہٗ هُمْ كَلَّفُوْنَا نَقْلَ الْحِجَارَۃِ

اے خدا اعضل وقارہ اور اس کے مددگاروں پر لعنت کر کہ انہوں نے ہمیں پتھروں کے بوجھ کی تکلیف دی ہے۔"

صحیح بخاری میں براء بن عاذبؓ سے مروی ہے کہ جب روز احزاب ہوا اور حضورؐ نے خندق کو کھودا تو لوگوں نے دیکھا کہ خندق کی مٹی کو اٹھاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے بطن اقدس کی تابانی کو مٹی نے ڈھانپ لیا تھا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کثیر الشعر تھے اس وقت آپ کے یہ اشعار لوگوں نے سنے جو ابن رواحہ کے کلمات ہیں آپ فرماتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَاَنْزِلَنْ سَكِيْنَةً عَلَيْنَا وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَاقَيْنَا
اِنَّ الْاُوْلٰى بَغَوْا عَلَيْنَا اِنْ اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَيْنَا

اور "ابینا ابینا" کے کلمہ کو بلند آواز سے فرماتے۔ مطلب یہ کہ اے خدا اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے۔ نہ ہم تصدیق لاتے اور نہ نماز پڑھتے۔ تو ہم پر سکینہ نازل فرما۔ اور دشمنوں سے جنگ کرتے وقت قوموں کو برقرار رکھ۔ بے شک پہلے گروہ نے ہم پر چڑھائی کی۔ اگر وہ فتنہ کا ارادہ رکھتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔"

یہ جو حدیث میں مروی ہے کہ حضورؐ کثیر الشعر تھے قسطلانی کہتے ہیں یہ سینہ مبارک کے موئے شریف تھے۔ اور کہا کہ یہ اس کے معارض ہے جو حضورؐ کے حلیہ شریف میں بیان کیا گیا ہے کہ كَانَ دَقِيْقُ الْمَسْرُبَۃِ یعنی سینہ اطہر میں مجتمع بالوں کی ایک لکیر تھی۔ تو ان کا دقیق ہونا کثرت

کے منافی نہیں ہے مطلب یہ کہ منتشر نہ تھے بلکہ مستطیل تھے۔

روزِ خندق حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی نبوت کی بیشمار نشانیاں اور علامتیں ظاہر ہوئیں چنانچہ ان میں سے ایک وہ ہے جسے صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم خندق کھودنے میں مصروف تھے کہ اچانک ایک بڑا پتھر بہت سخت نکل آیا جس پر چھینی اور ہتھوڑا کچھ اثر نہ کرتا تھا۔ پھر حضورؐ کے پاس صحابہ پہنچے اور عرض کیا یارسول اللہؐ ایک پتھر کی چٹان نکل آئی ہے جو خندق کی کھدائی میں رکاوٹ ڈال رہی ہے اس پر حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کھڑے ہوگئے حالانکہ حضورؐ کے شکم اطہر پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا۔ اور ہم نے بھی کافی وقفے کوئی چیز چکھی تک نہ تھی حضورؐ نے ہتھوڑا لیکر اس چٹان پر مارا تو وہ ریت کی مانند ریزہ ریزہ ہوگیا۔ یہ روایت بخاری کی ہے۔ مسند احمد نسائی میں باسنادِ حسن، براءؓ سے اس سے زیادہ روایت کی گئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب حضورؐ نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم فرمایا تو ہمارے سامنے پتھر کی ایک چٹان ایسی برآمد ہوئی جس پر ہتھوڑا چھینی کچھ اثر نہ کرتے تھے۔ اس کے لئے ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے عرض کیا آپ تشریف لائے اور ہتھوڑا لے کر بسم اللہ کہہ کے اس پر ایک ضرب لگائی تو وہ ایک تہائی ریزہ ریزہ ہو کے بکھر گیا۔ اور فرمایا اللہ اکبر مجھے شام کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں خدا کی قسم! بلاشبہ میں نے شام کے سرخ محلات کو اس ضرب میں دیکھ لیا ہے اس کے بعد دوسری ضرب لگائی اور دوسری تہائی کو توڑ دیا اور فرمایا "اللہ اکبر مجھے فارس کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں خدا کی قسم میں نے مداین کے سفید کنگورے اس گھڑی دیکھے ہیں" اس کے بعد حضورؐ نے مداین کے کنگروں کی نشانیاں بیان فرمائیں اس پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا "قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا بلاشبہ وہ کنگرے ایسے ہی ہیں جیسے آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ مدائن فارس کا ایک شہر ہے جسے نوشیرواں نے آباد کیا ہے اس کے بعد تیسری ضرب لگائی تو بقیہ پتھر بھی ریزہ ریزہ ہوگیا۔ اور فرمایا" اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئیں خدا کی قسم میں صنعا کے دروازوں کو یہاں سے جہاں اس وقت کھڑا ہوں دیکھ رہا ہوں"۔ اور ان معجزات میں سے جو ان دنوں رونما ہوئے وہ حضرت جابرؓ کے گھر کھانے میں زیادتی فرمانا ہے جس کا ذکر باب معجزات میں گزر چکا ہے۔

ایک معجزہ یہ ہے کہ ایک لڑکی ہاتھ میں کچھ کھجوریں لئے حضورؐ کے سامنے سے گزری حضورؐ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا تھوڑی سی کھجوریں ہیں جسے میری ماں نے میرے باپ کے

ناشتہ کے لئے بھیجا ہے۔ فرمایا ان کھجوروں کو سامنے لاؤ۔ اس نے انھیں حضورؐ کے دست مبارک میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ نے ایک کپڑا منگایا اور یہ کھجوریں اس میں ڈال دیں۔ پھر ایک شخص کو حکم دیا کہ تمام اہل خندق کو آواز دو۔ اس کے بعد تمام اہل خندق حاضر ہوئے اور اُن سب نے خوب دل بھر کے کھایا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ خندق کا کام بیس روز تک جاری رہا۔ واقدی کہتے ہیں کہ چوبیس روز تک رہا۔ امام نووی نے روضہ میں پندرہ دن فرمائے ہیں۔ اور بعض روایتوں کے مطابق کامل ایک مہینہ تک کھدائی ہوتی رہی ہے۔ روضتہ الاحباب میں ہے کہ چھ دن میں کام مکمل ہو گیا تھا۔

خندق کی کھدائی سے فارغ ہو چکے تب لشکر کفار نمودار ہوا اور وہ قبائل جو ان کی حمایت اور موافقت میں تھے وہاں آن اترے یہ دس ہزار تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے کوہ سلع کے دامن میں تین ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ قیام فرمایا۔ لشکر اسلام اور لشکر کفار کے درمیان خندق حائل تھی۔ اس کے بعد دشمن خدا، حی بن اخطب، ابوسفیان کے کہنے سے اور اپنی اس ذاتی عداوت سے جو اسے حضورؐ سے تھی اور اس عداوت سے جو بنی نضیر کی جلاوطنی سے اسے حاصل ہوئی تھی کعب کے پاس آیا جو بنو قریظہ کی طرف سے صاحب عہد و پیمان تھا۔ اسے قریش کی طرف بلایا چونکہ بنی قریظہ، حضورؐ کے ساتھ عہد کے پابند تھے انہوں نے اس سے انکار کر دیا۔ اور اس پر دروازہ بند کر دیا۔ اور کعب نے حیی کو گالی دے کر کہا او بدبخت ہم نے محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) سے عہد کر رکھا ہے ہم اس عہد کو توڑ نہیں سکتے۔ اس نے پھر دروازہ کھولنے پر اصرار کیا اور حیلے بہانے بنائے اور کعب پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا "شاید تو اس ڈر سے دروازہ نہیں کھولتا کہ کہیں میری ضیافت نہ کرنی پڑے۔" چونکہ عرب کے درمیان، بخل و خست سے زیادہ شنیع کوئی اور خصلت نہ تھی۔ کعب پر یہ بات بہت دشوار و گراں گزری اس نے دروازہ کھولدیا اور اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہر چند حیی، اس کو حضورؐ کی مخالفت اور عہد شکنی پر ابھارتا مگر وہ نہ مانا اور انکار کر دیا۔ لیکن حیی بھی حیلہ گری میں آدھا شیطان تھا مکر و فریب میں پھانس کر اپنا مدعا نکال لیا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ بنی قریظہ کی خبر لائیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ اور دیگر صحابہ کرام کی جماعت کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ بنو قریظہ کو پند و نصیحت کر کے خلاف ورزی اور عہد شکنی سے باز رکھیں۔ لیکن انہوں نے ان سب کو خبیث ترین اور بدترین حالت اور افعال میں مبتلا پایا۔

جب قریش اور قبائل عرب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور مسلمانوں کے استیصال پر اُٹھ کھڑے ہوئے اور بنو قریظہ کے نقضِ عہد کی خبر نے اس میں اور شدت پیدا کر دی اور مسلمانوں کو شدید خوف لاحق ہوگیا اور وہ بلائے عظیم میں مبتلا ہو گئے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ" لیکن کمزور دل مسلمانوں کی حالت، خوف اور کفار کی شوکت سے قابو سے باہر ہو گئی اور انتہائی رعب و خوف سے ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ○

یاد کرو جب تم پر تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے کفار امنڈ کر آئے اور تمہاری آنکھیں خیرہ ہوگئیں اور تمہارے دل خنجروں میں اٹک گئے اور اللہ کے ساتھ قسم قسم کا گمان کیا۔ اس جگہ مسلمانوں کو آزمائش میں مبتلا کیا اور ان کو خوب شدت کے ساتھ جھنجھوڑا گیا......

اور منافقین اور ضعیف الایمان لوگ کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں وعدہ دیتے تھے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے ہمارے ہاتھوں میں ہوں گے۔ اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہم لاچار و مجبور ہو کے رہ گئے ہیں اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ○

یاد کرو جب منافقوں نے ضعیف الاعتقاد لوگوں سے کہا اللہ اور اس کے رسول نے نہیں وعدہ کیا مگر دھوکہ کا۔

ان میں سے کچھ لوگوں نے اجازت چاہی اور بہانے تراشے کہ ہمارے گھر خالی ہیں اور کوئی ان کی محافظت کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا وَیَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِیَ بِعَوْرَةٍ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ○

یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب والو تمہارے لئے ٹھیرنے کی جگہ نہیں لوٹ چلو۔ اور ان میں سے ایک فریق نے نبی سے اجازت مانگی کہ ہمارے گھر خالی ہیں حالانکہ وہ خالی نہیں، نہیں چاہتے مگر وہ فرار ہونا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو تین سو افراد کے

ساتھ مدینہ منورہ کے مکانات، قلعوں اور گھروں کی حفاظت کے لئے روانہ کر دیا۔ اور قریش نے بیس ۲۰ روز یا چوبیس ۲۴ روز یا ستائیس ۲۷ روز تک باختلافِ اقوال، مسلمانوں کا محاصرہ جاری رکھا۔ یہاں تک کہ اس محاصرہ سے تنگ آ گئے۔ اس محاصرہ کے دنوں میں روزانہ رات کو حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے خیمہ کی پاسبانی کرتے تھے۔ مشرکین آتے تھے اور حضورؐ کے خیمہ کی طرف رُخ کرتے تھے لیکن اتنی طاقت نہ پاتے تھے کہ خندق کو عبور کر سکیں۔

القصّہ، دونوں لشکروں کے درمیان خوب مقاتلہ و محاربہ واقع ہوا۔ خصوصاً حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے اس غزوے میں ایسا مقابلہ و مقاتلہ کیا جو عقل و فہم کی حدود سے ماوراء ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ :- لَمُبَارَزَةُ عَلِيِّ ابْنِ اَبِيْ طَالِبٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ اَفْضَلُ مِنْ اَعْمَالِ اُمَّتِيْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۔ یعنی حضرت علی مرتضیٰؓ کا یوم خندق مقابلہ کرنا قیامت تک کی میری امت کے اعمال سے افضل ہے۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے حق میں دعا فرمائی اور اپنی وہ تلوار جس کا نام ذوالفقار تھا ان کو عطا فرمائی جتنی مشقت و محنت حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مسلمانوں کو رنج و تعب اس غزوے میں پہنچا کسی غزوے میں نہ پہنچا تھا۔ اگرچہ احد میں بھی شدتیں، تکلیفیں اور مشقتیں تھیں لیکن وہ سب ایک دن کے لئے تھیں اس دن قریش تنہا تھے لیکن روزِ خندق تو تمام قبائل عرب مجتمع ہو کر اپنے آپ کو ہلاک کرنے اور استیصال کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اس غزوۂ عظیمہ کے واقعات میں سے ایک قصہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے مجروح ہونے کا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں۔ خندق کے دنوں میں ایک روز رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خیمہ کے برابر کفار نے جنگ شروع کر رکھی تھی۔ اور حضورؐ زرہ پہنے پیادہ، یا سوار کھڑے تھے دَور واتیں ہیں۔ سیّدہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ "میں ان دنوں حضرت سعدؓ بن معاذ کی والدہ کے ساتھ مدینہ کے قلعہ میں سے ایک قلعہ میں تھی کہ حضرت سعدؓ بن معاذ تنگ و چھوٹی زرہ پہنے ہوئے گزرے یہ زرہ ہاتھ اور پاؤں کے لئے پوری اور کافی نہ تھی کیوں کہ حضرت سعدؓ بن معاذ مردِ عظیم اور طویل القامت تھے۔ ام سعدؓ نے کہا اے میرے بیٹے! جلدی جاؤ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور پہنچو۔ میں نے کہا اے ام سعدؓ! اگر وہ اس سے بڑی زرہ پہنتے تو بہتر ہوتا۔ مجھے خوف ہے کہ ان کے ہاتھوں میں کوئی تیر نہ لگ جائے۔ ام سعد

نے کہا خدا وہی حکم کرتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔" جب حضرت سعدؓ خندق کے کنارے پہنچے تو حبان بن العرق نے لشکرِ کفار کی صف سے نکل کر ان پر ایک تیر پھینکا اور کہا خُذوا اَنا بن العَرِقَہ یعنے لو اس تیر کو روکو، میں عرقہ کا بیٹا ہوں"۔ وہ تیر حضرت سعدؓ نے اکحل پر کھایا۔ حضورؐ نے فرمایا حَرَّقَ اللّٰہُ وَجْھَکَ فِی النَّار۔ جہنم کی آگ میں تیرا منہ جھلسے" اکحل ایک رگ کا نام ہے جو کہنیوں کے جوڑ میں ہوتی ہے جب وہ کٹ جائے تو آدمی کے جسم کا سارا خون نکل جاتا ہے۔ اس رگ کو "عرق الحیٰوۃ" اور "ہفت اندام" بھی کہتے ہیں۔ ہر عضو میں اس کی شاخیں ہیں۔ ہاتھ میں اس رگ کا نام اکحل ہے اور پشت میں ابہر اور ران میں نَساء (بفتح نون) "عرق النسا" جو ایک مرض کا نام ہے اس کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے۔ جب حضرت سعدؓ زخمی ہو گئے اور انہوں نے جانا کہ اس زخم سے میری زندگانی دشوار ہے تو دعا کی اے خدا اگر تیرے رسولؐ کو قریش کے ساتھ اور بھی جنگ لڑنی ہے تو تو مجھے نہ مارتا کہ ان کے ساتھ میں مقاتلہ کروں۔ ورنہ اس تیر کو جو مجھے لگا ہے میری شہادت کا ذریعہ بنا لیکن اتنی مہلت دے کہ میں بنو قریظہ کی عہد شکنی کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھوں"۔ اسی وقت ان کے زخم سے خون بہنا موقوف ہو گیا اور حضرت سعدؓ کھڑے ہو گئے۔ بنی قریظہ کا انجام اس کے بعد معلوم ہوگا۔ صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی۔ "اے خدا، تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک کوئی قوم اس قوم سے زیادہ محبوب نہیں ہے جس سے میں جہاد کروں تیرے دین کی خاطر، جس قوم نے تیرے رسولؐ کو جھٹلایا اور ان کو گھر سے نکالا، اے خدا، ابھی قریش سے اور لڑنا باقی ہے تو مجھے ان کے لئے باقی رکھ کہ میں ان کے ساتھ جہاد کروں اور اگر جنگ اٹھالی گئی ہے اور باقی نہیں ہے تو مجھے اس زخم سے مار دے، اس کے بعد زخم کھلا اور خون جاری ہو گیا اور ان کی دعا مستجاب ہوئی (رضی اللہ عنہ)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک روز کفار نے متفق ہو کر خندق کی ہر جانب یکبارگی جنگ شروع کر دی۔ اس دن، رات تک جنگ جاری رہی، چنانچہ ظہر، عصر اور مغرب کی نماز حضورؐ سے اور تمام صحابہ سے فوت ہو گئی۔ اس کا وقوع "صلوٰۃ خوف" کی مشروعیت سے پہلے ہے۔ یا بہ سبب نسیان کے ہو۔ مقابلہ بند ہو جانے کے بعد حضورؐ نے بلالؓ کو حکم فرمایا کہ اذان و اقامت کہیں اور ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد ہر نماز کے لئے اقامت کہی اور اسی ترتیب کے ساتھ قضا کو ادا فرمایا۔ اور کافروں پر بد دعا کی مَلَأَ اللّٰہُ بُیُوْتَھُمْ وَقُبُوْرَھُمْ نَارًا کَمَا شَغَلُوْنَا

عَنْ صَلٰوۃِ الْوُسْطٰی - اللہ ان کافروں کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے جنہوں نے نماز وسطیٰ سے ہمیں باز رکھا"۔ نماز وسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے۔ یہ حدیث اس میں ناطق و صریح ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد، نماز عصر ہے۔ اور وہ اختلاف جو صحابہ اور علماء میں صلوٰۃ وسطیٰ کی تعیین میں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس کا وقوع بر بنائے اجتہاد ہے جو اس حدیث کے اطلاع پانے سے پہلے ہے۔ لیکن مطلع ہونے کے بعد اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور ظاہر حدیث یہ ہے کہ آفتاب غروب ہو گیا تھا۔ اور صراحت بھی موجود ہے کہ "حتیٰ غابت الشمس" یہانتک کہ سورج غروب ہو گیا۔ اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ: حَتّٰی اَحْمَرَّتِ الشَّمْسُ اَوِاصْفَرَّتْ یہاں تک کہ سورج سرخ ہو گیا یا زرد پڑ گیا۔ اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ بَعْدَ مَا کَادَ الشَّمْسُ یَغْرِبُ - اس کے بعد قریب تھا کہ سورج غروب ہو جائے، اور ممکن ہو کہ مشغولیت کی بنا پر نماز کا وقت گزر گیا ہو اور بعد مغرب نماز پڑھی ہو جیسا کہ شیخ تقی الدین بن دقیق العید نے فرمایا، اور مؤطا میں ظہر بھی مذکور ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ مشرکوں نے انھیں چار نمازوں کے اوقات میں مشغول رکھا۔ اور نماز عصر کے فوت ہونے کا خصوصیت سے ذکر فرمانا اس کی کثرت فضیلت کی بنا پر ہوگا۔ (واللہ اعلم)

کفار قبیلوں میں تفرقہ و اختلاف برپا ہوا اس اختلاف و تفرقہ کا سبب یہ تھا کہ نعیمؓ بن مسعود اشجعی غطفانی، حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ اور اس نے کہا "یا رسول اللہ! میں مومن و مسلمان ہو کر حاضر ہوا ہوں۔ اور کوئی ایک شخص بھی میرے اسلام کی خبر نہیں رکھتا میری خواہش ہے کہ حقِ خدمت و اعانت، آپ کے صحابہ اور غلاموں کی نسبت کے ساتھ بجا لاؤں۔ اور ان قبیلوں کے درمیان تفرقہ و جدائی اور اختلاف پیدا کر دوں کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ میں جو چاہوں کہوں؟" فرمایا کہو فَاِنَّ الْحَرْبُ خُدْعَۃٌ کیوں کہ جنگ ایک داؤ ہے۔ اس کے بعد نعیمؓ بن مسعود، قریش اور قبائل کے پاس گئے اور ہر ایک سے ایسی باتیں کہیں جن سے ان میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ ایک دوسرے سے متنفر اور بیزار ہو گئے ان میں باہمی اختلاف پیدا ہو گیا اور سب کے سب مرکز اتفاق و استقامت سے متزلزل ہو گئے۔ نعیم سب سے پہلے بنی قریظہ کے پاس پہنچے اور کہا "تم جانتے ہو کہ تمہارے ساتھ میری دوستی اور محبت کتنی ہے۔ ذرا غور کرو کہ قریش اور غطفان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف لڑنے نکلے ہیں اور تم اس میں ان کی مدد کر رہے ہو اور تم نہیں جانتے کہ یہ کچھ نہ کر سکیں گے لاچار ہو کر

اور غم اٹھا کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے اور تم کو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ کے حوالے کر جائیں گے تم ان کے ساتھ مقابلہ کی قوت نہیں رکھتے وہ تم سب کو کچل دیں گے"۔ اس کے بعد وہ قریش اور غطفان کے پاس گئے اور ان سے بھی اسی قسم کی باتیں کیں اور ان کے اتفاق واتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر ہے جو لشکر احزاب پر آپ نے فرمائی تھی آپ نے فرمایا:۔ اَللّٰھُمَّ مُنْزِلَ الْکِتٰبِ وَسَرِیْعَ الْحِسَابِ اِھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ وَانْصُرْنَا عَلَیْھِمْ۔ اے خدا! تو قرآن کا نازل فرمانے والا ہے اور جلد حساب کرنے والا ہے۔ ان قبیلوں کو شکست دے"۔ اے خدا ان کو شکست دے، اور ان کو لڑکھڑا دے اور ان پر ہماری مدد فرما"۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی جنگ کے آخری تین دنوں میں ظہر و عصر کے درمیان مسجد فتح میں مسلسل دعا مانگی یعنی روز دوشنبہ، سہ شنبہ اور چہار شنبہ۔ چنانچہ حضورؐ کی دعا مستجاب ہوئی حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی واقعہ پیش نہ آیا مگر یہ کہ اس گھڑی میں نے دعا کی اور وہ مقبول ہوئی۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ چہار شنبہ کے دن ظہر و عصر کے مابین دعا مانگنا وقت قبولیت دعا ہے اور اس وقت میں دعا مانگنی چاہیئے۔ گویا کہ انہوں نے اس وقت کو اسی جگہ سے اخذ کیا ہے۔ سیدنا امام احمد، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے روز خندق عرض کیا یا رسول اللہ! کوئی دعا ہے جسے میں پڑھوں کیوں کہ ہمارے دل منہ کو آرہے ہیں۔ فرمایا یہ پڑھو اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا۔ اور ابن ظفر کی کتاب "ینبوع الحیوٰۃ" میں ہے کہ حضورؐ نے یہ دعا مانگی یَا صَرِیْخَ الْمَکْرُوْبِیْنَ یَا مُجِیْبَ الْمُضْطَرِّیْنَ اِکْشِفْ ھَمِّیْ وَغَمِّیْ وَکَرْبِیْ تَرٰی مَا نَزَلَ بِیْ وَبِاَصْحَابِیْ۔ آپؐ کی دعا مقبول ہوئی اور حق تعالیٰ نے آندھی اور زلزلہ بھیجا جس سے لشکر کفار تلپٹ ہو گیا اور ان کی دیگیں اوندھے منہ گر پڑیں۔ ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ اور حق تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت بھیجی جنہوں نے خیموں کی طنابیں کاٹ دیں اور ان میں آگیں لگا دیں اور ان کے دلوں میں ایسا خوف اور رعب ڈالا جس سے فرار کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھا جس طرح کہ قرآن کریم ان کی حالت کی خبر دے رہا ہے کہ:۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ۝ وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ وَکَانَ اللّٰہُ قَوِیًّا عَزِیْزًا۔ یعنی اے ایمان والو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر

ہوئی جبکہ تمہارے پاس لشکر آیا تو اللہ نے ان پر آندھی بھیجی اور وہ لشکر جو تمہیں نظر نہیں آتا تھا اور اللہ دیکھ رہا تھا جو تم کر رہے تھے۔ اور اللہ جنگ میں مسلمانوں کو کافی ہے۔ اور اللہ قوی غالب ہے۔

اس کے بعد بادِ صبا نے میخوں کو اکھاڑ دیا اور ان کو گرادیا۔ دیگیں زمین پر الٹ گئیں۔ کفار کے چہرے خاک آلود ہو گئے اور سنگریزوں نے ان پر مار لگائی۔ اور انہوں نے اپنے لشکر کے ہر گوشہ سے تکبیروں کی آوازیں سنیں۔ پھر وہ راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے اور روزی دیگیں سامان پھینکتے چلے گئے۔

شیخ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کو رحمۃ للعٰلمین نہ بناتا تو وہ آندھی ان کے اوپر اس بادِ عقیم سے زیادہ سخت ہوتی جو قوم عاد پر بھیجی گئی تھی اور ابن مردویہ اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عجیب نکتہ بیان کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ احزاب والی رات میں بادِ صبا نے بادِ شمال سے کہا آؤ ہم دونوں رسول خدا کی مدد کریں بادِ شمال نے جواب میں بادِ صبا سے کہا اِنَّ الْحُرَّۃَ لَا تَسِیْرُ بِاللَّیْلِ حرہ یعنی اصیل و آزاد عورت رات کو نہیں چلا کرتی۔ بادِ صبا نے کہا حق تعالیٰ تجھ پر غضب فرمائے اور اسے عقیم یعنی بانجھ بنادیا۔ تو جس ہوا نے اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی وہ بادِ صبا تھی۔ اسی لئے حضور نے فرمایا نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔ میری مدد بادِ صبا سے کی گئی اور قوم عاد دبور یعنی بادِ شمال سے ہلاک کی گئی۔ صبا وہ ہوا ہے جو مطلع ثریا سے اٹھتی اور بنات النعش تک چلتی ہے اور اس کے مقابل دبور اور بادِ شمال ہے۔ اور یہ وہ ہوا ہے جب تم قبلہ رو کھڑے ہو تو تمہارے سامنے آتی ہے اور تمہارے داہنے ہاتھ ہوتی ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ ہوا وہ ہے جو مطلع شمس اور بنات النعش کے درمیان یا مطلع شمس سے نسرِ طائر کے مسقط تک چلتی ہے اور قریب یہ ہے کہ وہ رات میں چلتی ہے۔ اسے قاموس میں ذکر کیا گیا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اس رات جس رات وہ بھاگ گئے ہیں کافروں کی خبر لینے گئے اور وہ اندھے گر پڑے ان ہوا کا طوفان ان میں ظاہر ہوا جس نے انہیں ہنکال کر لئے جا رہے تھے ان کے گھوڑے لشکر کے درمیان کر خیمے گر گئے اور اپ بلوکے (؟) دوڑنے کودنے اور بھرنے لگے، سنگریزوں کی آوازیں آنے لگیں جو ان پر پڑ رہے تھے۔ ابوسفیان کو

دیکھا کہ وہ اپنے خیمہ سے باہر آیا وہ آگ سے تاپ رہا تھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے تیر کو کمان میں رکھا اور چاہا کہ اس پر پھینکیں لیکن چونکہ انہیں حکم رسول تھا کہ کسی پر دست درازی نہ کرنا چنانچہ انہوں نے تیر کو کمان کے چلے سے نکال لیا۔ کاش کہ وہ مار دیتے اور لوگوں کو اس کے شر سے نجات دیتے۔ مگر اس نے آپ ہی چھٹکارا حاصل کیا۔ کیونکہ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کفار اب دوبارہ ہم پر حملہ کرنے نہیں آئیں گے اب ہم ہی ان پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس غزوہ کے بعد نہیں اتنی فرصت اور طاقت ہی نہ ہوئی کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے آتے۔ اور ان کے مقابل لشکر کو لاتے۔ سالِ آئندہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم عمرہ کے ارادہ سے حدیبیہ تشریف لے گئے جو فتح مکّہ کا پیش خیمہ اور ابتدا تھی۔ اور تمام فتوحات کا دروازہ تھا۔ کیوں کہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (بیشک ہم نے تمہیں واضح فتح دی) کا اسی طرف اشارہ ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں لشکر کفار سے واپس آیا تو راستہ میں بیس سواروں کو دیکھا جو سفید عمامے باندھے ہوئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا تم اپنے آقا کو خبر دیدو کہ حق تعالےٰ نے کفار کے لشکر سے آپ کو رو خلاصی عنایت فرمادی۔ جب میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قیام گاہ پہنچا تو آپ نماز میں مشغول تھے۔ حضور کی عادت یہ تھی کہ جب کوئی اہم معاملہ درپیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے۔ پھر حضور نے قریب آنے کا اشارہ فرمایا۔ میں قریب گیا اور آپ نے مجھے بشارت دی اور تبسم فرمایا اس طرح کہ آپ کے دندان مبارک کا نور درخشاں ہو گیا۔

الحمد للہ قریش نافرجام کا یہ انجام تھا۔ اور ابوسفیان ناعاقبت اندیش جو لشکر اس مقصد سے لایا تھا کہ وہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا معاذ اللہ استیصال کردے وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا کس طرح استیصال کر سکتا تھا کیوں کہ حق تعالےٰ تو آپ کو اور آپ کے اقبال کو بڑھانا چاہتا ہے۔

لکھ ارباب سیر کہتے ہیں کہ ابوسفیان غزوۂ خندق سے لوٹنے کے بعد اپنی قوم میں بیٹھا ہوا تھا کہنے
وسلّم) سے ہمارا انتقام لے جو مدینہ طیبہ جائے اور گھات میں لگا رہے تاکہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ
دشمن سے بے خوف ہو کر کرتے رہتے ہیں۔ اس پر ایک بدوی ... آتے جاتے اور تبلیغ رسالت، دوست و
کرے تو میں اس کام کو انجام دوں گا۔ چنانچہ میں ایک تیز و برّاں خنجر رکھتا ہوں، ... نے کہا اگر تو میری تقویت
کا کام تمام کر دوں گا۔" ایک حصیر
پھر ابوسفیان نے اس کی سواری کے لئے ایک اونٹ دیا۔ اور زادراہ

بھی سپرد کیا اور اسے اس راز کو چھپانے کی نصیحت کی۔ وہ مدینہ کی جانب چلدیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کسی قبیلہ کی مسجد میں تشریف فرما نصیحت میں مشغول تھے۔ وہ بدوی وہاں پہنچ گیا اس نے کہا "یہ ابن عبدالمطلب ہیں؟" حضورؐ نے فرمایا "ہاں میں ابن عبدالمطلب ہوں!" وہ بدوی حضورؐ کی طرف بڑھا۔ حضورؐ نے فرمایا "یہ وہ شخص ہے جو میری ہلاکت کا درپے ہے" اور فرمایا "سچ بول! کیوں کہ سچائی ہی تجھے چھڑا سکتی ہے" اس پر اس نے ساری حقیقت حال بیان کر دی حضورؐ نے اسے امان دیکر فرمایا "جا جہاں تیرا جی چاہے" اس بدوی نے کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اس کے بعد اس نے کہا یا رسول اللہ! جب میں نے آپ کو دیکھا تو میرا طائرِ عقل پرواز کر گیا اور میرا جسم لرزنے اور کانپنے لگا کہ کوئی بھی میرے دلی ارادے سے واقف نہیں تھا بجز میرے اور ابوسفیان کے۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ ابوسفیان کی جنگ اور شیطان کی جنگ سے آپ کا محافظ و نگہبان خدا ہے۔ وہ بدوی یہ باتیں کہتا جاتا تھا اور حضورؐ تبسم فرماتے جاتے تھے (صلے اللہ علیہ وآلہ واصحٰبہ وسلّم)

## غزوۂ بنو قریظہ

اسی سال غزوۂ خندق کے متصل ہی غزوۂ بنو قریظہ واقع ہوا۔ بنی قریظہ کا قبیلہ یہودیوں کا تھا اور یہ قبیلہ بنی نضیر کا ہم پلّہ بہت بڑا قبیلہ تھا۔ بادی النظر میں لوگوں کو ایسا وہم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ اس بنا پر واقع ہوا کہ انہوں نے نقض عہد کیا تھا اور قریش کی حمایت میں کمربستہ ہو کر آ گئے تھے۔ ان میں حی بن اخطب جس نے بنو قریظہ کو نقض عہد پہ آمادہ کیا تھا یہ ان کے ساتھ ہی رہ پڑا تھا۔ انہیں چاہیئے تو یہ تھا کہ بانی شر و فساد سے قطع تعلق کر کے نکال باہر کرتے مگر حقیقتاً اس غزوہ کا باعث یہ نہ تھا بلکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے غزوۂ خندق سے واپسی کے فوراً بعد جبریل علیہ السلام کاشانۂ نبوت میں آئے۔ اور عجلت دکھاتے ہوئے کہا کہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ فوراً اور اسی وقت بنی قریظہ پر پہنچنا چاہیئے اور انہیں مہلت نہ دینی چاہیئے اور یہ کہ میں (جبریلؑ) نے اور میرے ساتھ بہت سے فرشتوں نے ابھی جسموں سے ہتھیار نہیں اتارے ہیں۔ جیسا کہ قصہ کے بیان کے ضمن میں تفصیل کے ساتھ معلوم ہو جائے گا اگر ایسا نہ بھی ہو بلکہ بظاہر حضورؐ کی تدبیروں میں سے ہو تب بھی حقیقت میں یہ حکم الٰہی کے تحت ہو گا۔ اور یہی تقدیر الٰہی ہے اور تمام غزوات کا یہی حال ہے لیکن اس غزوہ میں جبریلؑ بھی آئے۔ اور حکم الٰہی پہنچایا۔ اور ایسا حکم جو اس قوم کے قتل سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے یہ سب باتیں اسی باب سے متعلق ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو اسی روز غزوۂ بنی قریظہ واقع ہوا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں رونق افروز تھے اور سر و تن مبارک سے گرد و غبار کو جھاڑ کر جسم اقدس سے ہتھیار اتار کر غسل فرما رہے تھے ایک روایت میں ہے کہ سر مبارک کے ایک جانب کو دھو لیا تھا اور دوسری جانب کو ابھی دھویا نہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے چونکہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب غزوہ سے یا کسی سفر سے تشریف لاتے تو پہلے سیدہ فاطمہؓ کے گھر آتے اور ان کو بوسہ دیتے۔ اچانک ایک شخص نے گھر کے باہر سے سلام عرض کیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور باہر تشریف لائے میں بھی ان کے پیچھے دروازہ پر چلی گئی۔ یہ دحیہ کلبی تھے جن کے چہرے پر اور ان کے سامنے کے دانتوں پر غبار جما ہوا تھا اور سفید اونٹ پر سوار تھے۔ حضورؐ نے اپنی چادر مبارک سے ان کے سر سے گرد کو جھاڑا انہوں نے حضورؐ سے کچھ باتیں کیں۔ جب گھر میں تشریف لائے تو فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے اور انہوں نے مجھے حکم رب پہنچایا ہے کہ میں فوراً بنو قریظہ کی جانب متوجہ ہو جاؤں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ سر پر استبرق کا عمامہ باندھے خچر پر سوار جس پر قطیفۂ دیبا کی چادر تھی سوار ہو کر آئے تھے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ جب حضورؐ واپس تشریف لائے اور ہتھیار اتار کر غسل فرمایا تو جبریل علیہ السلام آئے اور کہا آپ نے تو ہتھیار اتار دیئے مگر ہم نے ابھی تک نہیں اتارے چلیئے اللہ تعالیٰ آپ کو حکم فرماتا ہے کہ بنو قریظہ کی طرف چلیں۔ خدا کی قسم میں جا کر ان کے قلعوں میں تہلکہ ڈالتا ہوں اور ان کو پامال کرتا ہوں اور ان میں زلزلہ ڈالتا ہوں جس طرح کہ مرغی کے انڈے کو پتھر پر مارتے ہیں۔ جبریل علیہ السلام فرشتوں کے ساتھ واپس چلے گئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ گویا میں نے کوچۂ بنی غنم میں جبریلؑ کی سواری سے گرد و غبار کو اڑتا ہوا دیکھا۔ اس کے بعد حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ وہ مدینہ میں اعلان کر دیں اور کہہ دیں کہ اے خدا کے شہسوارو اسوار ہو جاؤ اور ان کو بتا دو کہ جو خدا کے حکم کا فرمانبردار اور ماننے والا ہے اسے چاہیئے کہ نماز عصر بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھے حضرت علی مرتضیٰؓ کو مقدمۃ الجیش پر مقرر فرمایا اور ان کے ہاتھ میں علم دیا اور حضرت ابن ام کلثوم کو مدینہ میں خلیفہ بنایا۔ اور اپنے گھوڑے پر جس کا نام لحیف تھا سوار ہوئے ۲ دو گھوڑے کوتل کے ساتھ تھے۔ آپ مسلمانوں کو تیار کر کے تشریف لے چلے۔ آپ کے داہنے ہاتھ پر حضرت ابو بکر صدیقؓ اور بائیں ہاتھ پر حضرت عمر فاروقؓ اور آگے آگے مہاجرین و

انصار کے اکابر حضرات تھے۔ یہ سب تین ہزار کا لشکر تھا۔ ان میں چھتیس[۳۶] گھوڑے تھے۔ راہ میں بنی نجار کو ملاحظہ فرمایا کہ سوار ہو کر انتظار میں کھڑے ہیں۔ دریافت فرمایا تم سے کس نے کہا کہ ہتھیار پہن کر انتظار میں کھڑے رہنا۔ انہوں نے کہا دحیہ کلبی نے کہا تھا، فرمایا "وہ جبریل علیہ السلام تھے جو پہلے روانہ ہوئے ہیں۔" جب عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو بعض صحابہ نے راستہ ہی میں نماز پڑھ لی اور حضورؐ کے اس ارشاد کو کہ "عصر کی نماز نہ پڑھیں مگر بنو قریظہ میں" تو اسے تاکید و مبالغہ اور جلد تر پہنچنے پر محمول کیا۔ اور بعض صحابہ نے نماز عصر نہ پڑھی مگر جب بنو قریظہ پہنچ گئے اور انہوں نے عشاء کے وقت بعد نماز عشاء ادا کی۔ اور ان کا یہ عمل حکم ظاہر پر عمل کرنے میں تھا۔ کیوں کہ حضورؐ نے اپنے ارشاد میں نماز عصر نہ پڑھنے کا حکم دیا تھا کہ بنو قریظہ میں پہنچکر پڑھیں۔ حضورؐ نے دونوں جماعتوں کے عمل کو مسلم و برقرار رکھا۔ اور کسی ایک کو زجر و توبیخ نہ فرمائی۔ اور یہ قضیہ ان مجتہدین کرام کے لئے بھی حجت بنتا ہے جو اپنی رائے اور اپنے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں اور اہل ظواہر محدثین کی جماعت کے لئے بھی حجت بنتا ہے جو ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہیں اور رائے اور اجتہاد کو داخل نہیں کرتے۔

نماز عصر کا ذکر بخاری کی روایت میں ہے مسلم کی روایت میں نماز ظہر آیا ہے۔ اور بخاری و مسلم دونوں ایک شیخ اور ایک سند کے ساتھ متفق و موافق ہیں اور مسلم کی موافقت ابویعلیٰ ابن سعد، اور ابن حبان نے کی ہے۔ ان دونوں روایتوں کی جمع و تطبیق میں بہت سے احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ظہر کا حکم ان لوگوں کے لئے دیا جنہوں نے ابھی ظہر نہ پڑھی تھی انہیں فرمایا کہ تم ظہر وہاں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھو۔ اور جو حضرات ظہر پڑھ چکے تھے ان سے حکم فرمایا کہ عصر کی نماز بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے نہ پڑھیں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں پہنچکر نماز پڑھی۔ اور جمع و تطبیق میں بعض یہ کہتے ہیں کہ ظہر کا حکم طاقتور لوگوں کے لئے اور ان کے لئے جو بنی قریظہ کے قریبی منزلوں میں رہتے تھے کہ وہ وہاں پہنچنے سے پہلے ظہر نہ پڑھیں اور ضعیفوں اور کمزوروں کے لئے حکم فرمایا کہ نماز عصر وہاں پہنچنے سے پہلے نہ پڑھیں جیسا کہ امام قسطلانی نے بیان کیا (واللہ اعلم)۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی بستی میں شام اور سونے کے وقت کے درمیان پہنچے اور بقول ابن اسحٰق پچیس[۲۵] روز محاصرہ کیا ابن سعد کی روایت میں پندرہ[۱۵] روز ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ دن سے رات تک ان پر تیر برساتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ان ایام محاصرہ میں کھانا، کھجوروں کا تھا۔ اور حضورؐ نے فرمایا "یہ کتنا اچھا کھانا ہے۔" جب محاصرہ نے طول کھینچا تو حق

تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب وخوف ڈالا۔ اور وہ کہنے لگے ہم بنی نضیر کی مانند جلاوطنی اختیار کرتے ہیں اور ہمیں چھوڑ دیجئے تاکہ ہم اپنے بال بچوں کے ساتھ نکل جائیں اور جتنا کچھ ہمارے اونٹ سامان اور ہتھیار اٹھا سکیں لے جائیں۔ حضورؐ نے اسے قبول نہ فرمایا۔ پھر وہ کہنے لگے ہم مال واسباب اور ہتھیاروں سے بھی دستکش ہوتے ہیں ہمیں اجازت دیجئے کہ اپنے بیوی بچوں کا ہاتھ پکڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ حضورؐ نے فرمایا اَلَّا اَنْ تَنْزِلُوْا عَلَیَّ۔ مگر یہ کہ تم سب میرے حضور حاضر ہو۔ اس پر وہ سب حیران ہو کے رہ گئے۔ اس کے بعد کعب بن اسد جو یہودیوں کا سردار تھا اور حی بن اخطب ملعون جو کعب کی امان میں اس سے عہد باندھ کر اس کے قلعہ میں گھس آیا تھا اور وہ بھی اس مجلس میں موجود تھا دونوں نے اپنی قوم سے کہا "اے گروہ یہود محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آؤ کیوں کہ یہ وہی خدا کے رسول ہیں جن کے اوصاف توریت میں بتائے گئے ہیں اور تم بھی جانتے ہو کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں۔ ہم نے ان کی تکذیب اور ان کا انکار، حسد اور عناد کی بنا پر کیا ہے۔ اگر تم ایمان لے آئے تو تمہارے مال تمہاری جانیں سب سلامت رہیں گی"۔ یہودیوں نے اس سے انکار کیا اور کہنے لگے ہم اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتے اور توریت پر کسی اور کتاب کو فوقیت نہیں دے سکتے۔ سبحان اللہ کتنی جہالت، عناد، اور شقاوت ہے کہ باوجود علم ومعرفت کے اور یہ جانتے ہوئے کہ دنیا وآخرت کی سلامتی اسی میں ہے قبول نہیں کر سکتے۔

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ۔

وہ آپ کو خوب جانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں انہوں نے آپ کا انکار کیا اور ان کے نفسوں نے ان کو در غلایا۔

---

توریت بھی ان کو یہی حکم دیتی ہے مگر اس کے باوجود ان کا سردار کعب بھی ایمان نہ لایا اور انقیاد واطاعت نہ کی اور ان کی پیروی میں جہنم رسید ہو گیا محض اس خوف سے کہ لوگ کہیں گے کہ جان کے ڈر سے ایمان لے آیا۔ اور اس کی قوم اسے برا کہے گی۔ اس کے بعد کعب نے اپنی قوم سے کہا میں تم کو تین باتوں کا اختیار دیتا ہوں ایک یہ کہ تم ایمان لے آؤ جیسا کہ میں نے کہا دوسرے اگر تم اس سے انکاری ہو تو آؤ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے باہر نکلیں اور محمد واصحاب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کریں اور پھر دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔ اگر مارے جائیں اور ہلاک ہو جائیں تو کسی کو اپنے پیچھے نہ چھوڑیں گے جو ذلیل ورسوا ہوں۔ اور اگر ہم کامیاب پا گئے تو عورتیں اور بچے پھر پیدا ہو جائیں گے۔ یہود کہنے لگے "یہ کیسے گوارہ کریں کہ بیگناہوں کو مار ڈالیں

اور وہ زندگانی بھی کوئی زندگانی ہے جو بیوی بچوں اور عزیزوں کے بغیر گزاری جائے"۔ پھر اس نے کہا "اگر تم یہ بھی نہیں کر سکتے تو آؤ آج رات ہفتہ کی رات ہے محمدؐ اور اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے بے خوف ہوں گے اچانک رات میں ان پر حملہ کریں اور شب خون ماریں اور دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے"۔ یہود نے کہا اس رات کی تعظیم ہمارے دین میں ہے کس طرح ہم پچھلوں کی مانند اس کی بیحرمتی کریں اور اس سزا کے مستوجب بنیں جو مسخ و خسف وغیرہ کی ہے۔

اس غزوہ کے عجیب و غریب واقعات میں سے ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر اوسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ کیوں کہ وہ ان کے دوست اور حلیف تھے۔ حضورؐ نے ان کو بلایا تاکہ ان کے پاس جائیں اور وہ اپنے کام میں ان کے ساتھ مشورہ کریں۔ چنانچہ حضورؐ نے ابولبابہؓ کو ان کے پاس بھیجا۔ جب قلعہ میں ابولبابہؓ داخل ہوئے تو یہود ان کے استقبال کے لئے آئے۔ اور یہود کی عورتیں اور بچے ان کے آگے رونے پیٹنے لگیں اور محاصرہ کی شدت اور اپنے حال کی پریشانی کی شکایت کرنے لگے اس طرح پر کہ ابولبابہ کو رحم آگیا۔ یہود ان سے پوچھنے لگے کہ تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم اتر جائیں۔ انہوں نے کہا ہاں اتر جاؤ اور ساتھ ہی ابولبابہؓ نے اپنے حلق پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا مطلب یہ کہ اگر تم اترو گے تو تم ذبح کر دئے جاؤ گے۔ معاً اس بات کے کہتے ہی ابولبابہؓ پشیمان ہوئے اور استرجاع پڑھنے لگے اور کہنے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خیانت کی ہے۔ اس کے بعد ابولبابہؓ قلعہ سے شرمندہ اور گریہ کناں نکلے بغیر اس کے کہ وہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنے ساتھیوں سے ملیں، مسجد نبوی شریف میں پہنچ کر مسجد کے ستون کے ساتھ خود کو باندھ دیا۔ (آج بھی وہ ستون مسجد نبوی شریف میں "ستون ابولبابہؓ" کے نام سے موسوم اور متعین ہے اور اس پر لکھا ہوا ہے کہ "اسطوانہ ابولبابہؓ") اور کہنے لگے میں یہاں سے اس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک کہ حق تعالیٰ میرے اس گناہ کو نہ بخشدے، اور لازم ہے کہ کوئی شخص مجھے اس ستون سے نماز کے سوا غیر وقت نماز میں نہ کھولے اس وقت تک جب تک کہ میری توبہ قبول نہ ہو۔ جب حضورؐ کو اس کی خبر ملی تو فرمایا میں کیا کر سکتا ہوں اگر میرے پاس آتے تو میں استغفار کرتا چونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ - اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اے حبیب تم بھی ان کے لئے استغفار کرو تو یقیناً وہ اللہ کو بہت توبہ کا قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

اب جبکہ انہوں نے خود درگاہِ حق میں حاضر ہو کر خود کو باندھ لیا ہے تو میں اس وقت تک انہیں نہیں کھول سکتا جب تک کہ حق تعالیٰ ان کے گناہ کو نہ بخشے اور ان کی توبہ کو قبول نہ فرمائے"۔ ان کی بیٹی آتی وہ کھجوریں ان کے منہ میں دیتی اور چند گھونٹ پانی پلا جاتی تھی، نماز کے وقت ان کو کھولا جاتا تاکہ نماز پڑھیں یا قضائے حاجت کریں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خود کو بڑی بھاری زنجیر سے باندھا تھا۔ یہاں تک کہ پندرہ دن اسی طرح گزر گئے حتیٰ کہ ان کی سماعت جاتی رہی اور وہ نہ سُن سکتے تھے اور قریب تھا کہ ان کی بینائی بھی جاتی رہے اسی طرح پندرہ دن گزرے اور ان کی توبہ کی قبولیت کی وحی آئی۔ اور یہ اس طرح کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سیدہ ام سلمہؓ کے گھر رونق افروز تھے سحری کا وقت تھا کہ سیدہ ام سلمہؓ نے سُنا کہ حضورؐ تبسم فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کس بات پہ آپ کو ہنسی آئی؟ اللہ تعالےٰ آپ کو ہمیشہ شاد و خنداں رکھے" حضورؐ نے فرمایا "ابولبابہ کی توبہ قبول کی گئی اور ان کے گناہ کو بخشدیا گیا"۔ ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! اگر آپ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں جا کر انہیں بشارت دیدوں" فرمایا "اگر تمہاری خواہش ہے تو جا کر بشارت دیدو"۔ اس کے بعد سیدہ ام سلمہؓ اپنے حجرہ کے دروازہ پر کھڑی ہوئیں یہ واقعہ آیتِ حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ پھر سیدہ ام سلمہؓ نے کہا "اے ابولبابہؓ! تمہیں بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہو گئی"۔ اس کے بعد مسجد میں موجود حضرات دوڑے تاکہ انہیں کھولیں۔ انہوں نے کہا "اس وقت تک نہ کھولو جب تک حضورؐ خود تشریف لا کر اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں"۔ جب حضورؐ نماز صبح کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو ان کی بندشوں کو کھولا۔ صاحب مواہب لدنیہ کہتے ہیں کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں مجاہد کی سند سے روایت کیا ہے کہ حق تعالےٰ کا ارشاد فَاعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ (تو انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا) حضرت ابولبابہؓ کی شان میں ہے جس وقت کہ انہوں نے یہود کے کہنے پر اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تم کو ذبح کر دیں گے اگر تم میرے حکم سے نیچے اترو گے۔ اور بیہقی نے کہا اور محمد ابن اسحٰقؒ نے بھی یہی گمان کیا کہ ان کا بندھنا اسی دوران میں تھا۔ اور ہمیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسی روایت پہنچی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد نبوی میں ان کا بندھنا ان کے تخلف یعنی پیچھے رہ جانے کی وجہ سے غزوہ تبوک سے تھا، جیسا کہ ابن المسیب نے کہا ہے۔ اور اسی وقت مذکورہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی ہے۔ پوشیدہ نہ رہنا چاہیئے کہ مشہور وہی پہلا قول ہے اور کتب سیر میں یہی لکھا ہے۔ اب رہا تبوک سے تخلف کا واقعہ تو وہ ان تین شخصوں کے ساتھ منحصر و موقوف ہے جس کو قرآن نے بیان کیا ہے کہ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ۔

خُلِّفُوْا۔ مگر وہ حضرات جو تخلف کو تین شخصوں پر منحصر نہیں کہتے اور کچھ ان کے ماسوا بھی بتاتے ہیں جن میں ابو لبابہؓ بھی ہیں تو ان میں سے توبہ کی مقبولیت اُن تین شخصوں کے ساتھ ہے (واللہ اعلم)۔

حضرت ابو لبابہؓ کا خود کو باندھنا سرمستی اور مدہوشی کے سبب تھا۔ جیسا کہ ارباب حال کو ہوتا ہے ورنہ توبہ تو ندامت اور پشیمانی ہی کا نام ہے۔ یہ جان کو گھلانا اور نفس کو عذاب دینا توبہ کی شکل نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ پر بھی اپنے احوال میں مستی اور مدہوشی طاری ہو جایا کرتی تھی حضورؐ کا ان کو برقرار رکھنا ثابت و صحیح ہے۔ اور مشایخ صوفیہ کے لئے اس میں حجت و دلیل ہے اور ان کے منکرین پر رد و ابطال ہے۔ حضرت بلالؓ کا اس آیۂ کریمہ کے نزول کے وقت جھومنا اور وجد کرنا کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ - (بیشک تم اس کو جس کو تم چاہتے ہو ہدایت نہیں دے سکتے ہو) اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ کا وبا کے ذکر کے وقت یہ کہنا کہ: لَا تَحْرِمْ مُعَاذًا وَّاَهْلَهٗ هٰهُنَا - (معاذ کو اور اس کے گھر والوں کو اس سے محروم نہ رکھنا) اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا برأت اور پاکیزگی کے نزول کے وقت جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے کہا یَا عَائِشَۃُ اُشْكُرِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ (اے عائشہؓ رسول اللہ کا شکر بجالاؤ) اور اس کے جواب میں انہوں نے کہا اَنَا لَا اَشْكُرُ اِلَّا رَبِّیْ - (میں شکر نہیں بجالاتی بجز اپنے رب کے) اس قسم کی اور بھی باتیں دیگر اصحاب کی ملتی ہیں یہ سب اسی سرمستی اور مدہوشی کے زمرہ میں ہیں۔

القصہ جب بنو قریظہ محاصرہ سے تنگ آگئے تو وہ مطیع ہو کر قلعہ سے اتر کر باہر آنے پر راضی ہو گئے اور وہ بارگاہ نبوت کے حکم پر عاجز و مجبور ہو گئے۔ اور طے پایا کہ حضرت سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں گے تسلیم ہے۔ پھر حضورؐ نے محمدؓ بن مسلمہ کو حکم دیا کہ ان یہودیوں کے مردوں کے ہاتھوں کو ان کی گردن سے باندھ دو۔ اور حضرت عبد اللہؓ بن سلام کو حکم دیا کہ ان کی عورتوں، بچوں اور ان کے مال و متاع کو جمع کرو۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس قلعہ سے پندرہ سو تلواریں، تین سو زرہ، دو ہزار نیزے، پندرہ سو ڈھالیں برآمد ہوئیں اور بکثرت مال و متاع نکلا۔ گائے بھینس، بکری اور جانوروں کا تو شمار ہی نہیں۔ اس پر قبیلہ اوس کے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس طرح بنی قینقاع کے بارے میں جو کہ عبد اللہ بن ابی منافق کے حلفا تھے رحم و کرم فرمایا تھا اور ان کے سات سو آدمیوں کو جن میں چار سو زرہ پوش تھے بخش دیا تھا اب بنی قریظہ کے بارے میں جو ہمارے حلیف ہیں۔ اور عہد شکنی پر پشیمان و شرمندہ ہیں مرحمت و کرم گستری فرمائیں۔ اور ان کے جرموں سے درگزر فرمائیں حضورؐ نے اوسیوں کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ اور شان بے نیازی دکھائی۔ اس کے بعد

کسی کو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جو زخمی ہونے کی وجہ سے اس غزوہ کی شرکت سے پیچھے رہ گئے تھے بلانے کے لئے بھیجا اور ان کو دراز گوش پر سوار کر کے لائے جب یہ بنی قریظہ کے نواح میں پہنچے تو اوسیوں کی جماعت نے ان کو جالیا اور کہنے لگے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا فیصلہ آپ پر چھوڑا ہے اور بنی قریظہ آپ کے حلیفوں میں سے ہیں انہوں نے سب سے منہ موڑ کر اپنی امیدیں آپ سے وابستہ کر رکھی ہیں۔" آپ نے عبداللہ بن ابی کو دیکھا ہے کہ اس نے اپنے حلیفوں کو جو بنی قینقاع تھے کس طرح کوشش کر کے چھڑایا ہے آپ بھی بنی قریظہ کے حق میں شفقت و مرحمت کا مظاہرہ فرمائیں۔ تاکہ وہ قتل کی مصیبت سے نجات پائیں"۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے طرح طرح سے منت وسماجت کی مگر حضرت سعدؓ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا۔ جب ان کی منت وسماجت حد سے بڑھ گئی تو حضرت سعدؓ نے فرمایا "یہ وقت ایسا نہیں ہے کہ راہ خدا میں مجرموں کی سفارش کی جائے"۔ اس پر وہ ناامید ہو گئے اور سمجھ لیا کہ ان کے قتل کا حکم ہوگا۔ اور جب حضرت سعدؓ مجلس مبارک کے قریب پہنچے بخاری میں آیا ہے کہ جب مسجد کے قریب آئے تو حضورؐ نے فرمایا:۔ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِ کُمْ۔ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اوس کی جماعت کھڑی ہو گئی اور حضرت سعدؓ کو دراز گوش سے اتار کر لائے۔ اور ان کے نیچے چمڑے کا فرش بچھایا گیا۔ بعض لوگ اس سے قیام کے ثبوت پر استدلال کرتے ہیں کہ مجلس میں داخل ہونے والے کے لئے کھڑا ہوا جائے۔ جیسا کہ آج بھی متعارف ہے۔ مگر ان کا استدلال نامکمل ہے اس لئے کہ یہ قیام حضرت سعدؓ کو دراز گوش سے اتارنے کے لئے تھا کیوں کہ وہ زخمی تھے اور وہ جسیم اور عظیم الجثہ شخص تھے تعظیم و تکریم غرض نہ تھی۔ اس لئے فرمایا قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِ کُمْ۔ جیسا کہ بخاری کی حدیث میں مروی ہے اور لسیدکم نہ فرمایا تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں بسیدکم نقل کیا ہے اور اس نکتہ کا انہوں نے لحاظ نہ رکھا۔ اور اس حدیث کے شارحین فرماتے ہیں کہ اگر بقصد تعظیم و تکریم بھی ہو تو اس دن اس میں مصلحت تھی کیوں کہ ان کو فیصلہ اور حکم دینے کے لئے بلایا گیا تھا۔ اور ان کے لئے اتنا اہتمام کرنا کہ فرش بچھایا گیا اور ان کی اتنی تعظیم و توقیر کی گئی۔ یہ سب ان کے حکم کو ماننے اور ان کے آگے سر اطاعت جھکا دینے کے لئے تھا۔ اب رہا مسجد کا مطلب! جو بخاری کی روایت میں آیا ہے تو یہ وہ جگہ ہے جہاں حضورؐ نے بنی قریظہ کے علاقہ میں نماز کے لئے ایک جگہ خط کھینچ دیا تھا اور اقامت کے دوران اس میں نمازیں پڑھتے تھے اس سے مسجد نبوی شریف مراد نہیں ہے

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جب حضورؐ کی مجلس مبارک میں بیٹھ گئے تو ان کے زخم کا خون رک گیا۔ قبیلہ اوس کے لوگوں نے پھر وہی نرمی و شفقت کرنے کی بات حضرت سعدؓ سے بنی قریظہ کے یہود کے لئے شروع کر دی۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کا عہد و میثاق تم سے ہے کہ جو کچھ میں حکم کروں گا تم سب راضی ہو گے"۔ سب نے جواب دیا "ہم راضی ہوں گے"۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے حضورؐ کی تعظیم و توقیر اور آپ کے ادب و احترام کو ملحوظ رکھ کے آپ کو خاص طور پر خطاب کرنے اور آپؐ کی طرف رخ کو متوجہ کرنے سے اجتناب کیا اور کہا کہ "جو کوئی بھی یہاں موجود ہے میرے حکم پر راضی ہے؟" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "حکم وہی ہے جو تم حکم کرو گے"۔ حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ "بنی قریظہ کے مردوں کو قتل کیا جائے اور ان کی عورتیں اور بچے غلام و باندی بنائے جائیں اور ان کے ساز و سامان اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم کیا جائے"۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اے سعدؓ! ان کے بارے میں تم نے وہ حکم دیا ہے جو حق تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے حکم کیا تھا"۔ ایک روایت میں ہے کہ "فرمایا تم نے حکمِ خدا کے ساتھ حکم دیا ہے"۔ ایک روایت میں ہے کہ بحکم ملک یعنی تم نے ملک کے حکم سے حکم دیا ہے۔ ملک بکسر لام بمعنی حق تعالیٰ اور بفتح لام بمعنی جبریل علیہ السلام۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اے سعدؓ ان کے بارے میں حکم دو۔ اس پر حضرت سعدؓ نے کہا "خدا اور اس کا رسولؐ ہی حکم دینے کا سزاوار ہے۔ حضورؐ نے فرمایا بلاشبہ تمہیں حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ "ان کے بارے میں تم حکم کرو"۔

اس کے بعد حضورؐ نے حکم فرمایا کہ "بنی قریظہ کے ہاتھوں کو گردن میں بندھے ہوئے مدینہ طیبہ لے جاؤ۔ اور قید کر دو"۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ قید کی حالت میں ان کے آگے کھجوریں ڈالدی جاتیں چونکہ ان کے ہاتھ بندھے ہوتے تھے وہ انہیں دانتوں سے اٹھا کر کھاتے تھے۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے حکم دیا کہ زمین میں خوب گہرا گڑھا کھودا جائے خندق کی مانند اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت زبیرؓ نے حضورؐ کے حکم سے تلواریں کھینچکر ان کی گردنیں اڑائیں اور خون کو خندق میں بہادیا۔ جب حی بن اخطب کو ہاتھ باندھے حضورؐ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا "او دشمن خدا! بالآخر حق تعالیٰ نے تجھے میرے ہاتھ میں قید کرا دیا۔ اور تجھ پر ذلت و خواری مسلط کر دی اور مجھ کو تجھ پر غالب کر کے حاکم بنایا"۔ اب بھی

وہ شقی، شوخی اور بے ادبی سے باز نہ آیا کہنے لگا "میں اپنے آپ کو آپ کی دشمنی و عداوت میں ملامت نہیں کرتا لیکن، مَنْ یَخْذُلِ اللّٰہُ مَالَہٗ مِنْ عِزٍّ۔ جس کو اللہ رسوا کرے اسے کوئی عزت نہیں ملتی، میں نے اپنی عزت تلاش کی حق تعالیٰ نے آپ کو ظفر مند فرمادیا"۔ یہ ملعون، حضورؐ سے انتہائی عداوت و عناد رکھتا تھا اور یہ حضورؐ کی عداوت پر بے اختیار تھا جس وقت حضورؐ ہجرت فرما کے مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو یہ حی بن اخطب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صبح سے شام تک رہتا تھا اور منافقت برتتا تھا۔ جب شام کو اپنے گھر جاتا تو اس کا بھائی یاسر بن اخطب اس سے پوچھتا کہ کیا یہ وہی ہستی مقدس ہے جن کے اوصاف توریت میں ہم پڑھتے ہیں وہ کہتا "ہو ہو" یعنی یہ وہی ہیں لیکن میں اپنے دل میں بجز عداوت کے کچھ نہیں پاتا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جو امہات المومنین میں سے ہیں اسی کی بیٹی ہیں۔ جو غزوہ خیبر میں اسیر ہوئیں۔ بعد میں حضورؐ ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لائے۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حیدر کرار نے حی بن اخطب کے لئے ذوالفقار کھینچی تو حی نے گردن سامنے کر دی یہاں تک کہ امیر المومنین نے تیغ مار کر اسفل السافلین پہنچا دیا اس کے بعد کعب بن اسد بستہ لائے۔ حضورؐ نے فرمایا "اے کعب! ایمان لے آ۔ تو تو خوب جانتا ہے کہ میں رسول برحق ہوں" کعب نے کہا "میں آپ کی تصدیق تو کرتا اور آپ کی اطاعت کرتا لیکن اس شرم سے کہ لوگ کہیں گے کہ عاجز ہو کر جان کے خوف سے ایمان لے آیا میں دین یہود پر مرتا ہوں"۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسے بھی اس کے ساتھیوں سے ملا دو" اس دن، رات تک حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت زبیرؓ بنی قریظہ کے قتل میں مشغول رہے جب رات ہوگئی تو ان کے بقیہ کو مشعل کی روشنی میں جہنم رسید کیا گیا۔

ارباب سیر کہتے ہیں ان کی مجموعی تعداد چار سو تھی۔ ایک فرقہ نے چھ سو کہا ہے اور ایک جماعت نے سات سو کہا ہے ایک گروہ نے نو سو کہا ہے۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ بطریق جمع علماء نے کہا کہ ممکن ہے کہ چار سو اصل ہوں اور باقی ان کے متبوع یعنی ان کے خدام و موالی وغیرہ ہوں۔ ان کے اموال کو مسلمانوں پر تقسیم فرمایا اور بعض قیدیوں کو آزاد کر دیا اور بعض کو ہبہ فرمایا۔ اور ریحانہ بنت عمرو کو خاص اپنے لئے اختیار فرمایا اور ملک یمین کے طور پر ان میں تصرف فرمایا۔ آپ نے چاہا کہ انہیں آزاد کر کے زوجہ بنالیں مگر انہوں نے اسی کو پسند رکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے اور آپ کو اسی میں زیادہ آسانی ہے (واللہ اعلم)

اس مقام میں دو عجیب و غریب حکایتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ بنی قریظہ کے یہودیوں میں ایک بوڑھا تھا جس کا نام زبیر بن باطارہ تھا۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کسی سابقہ حق کی بنا پر جو زبیر ان پر رکھتا تھا۔ ثابت رضؓ نے حضورؐ سے عرض کیا "اسے مجھے عنایت فرما دیجئے۔ فرمایا "بخشدیا" پھر عرض کیا کہ "اس کے بیوی بچّوں کو بھی قیدِ غلامی سے آزاد فرما دیجئے"۔ حضورؐ نے ان کی یہ عرض بھی قبول فرمائی۔ ثابت رضؓ نے پھر عرض کیا "اس کے ساز و سامان اور املاک بھی اسے عطا فرما دیجئے" حضورؐ نے یہ بھی منظور فرمالیا۔ اس کے بعد زبیر نے کعب بن اسد کا حال پوچھا کہ "کہاں ہے اور ابن اخطب کیا ہوا اور فلاں کہاں اور فلاں کیا ہوا"۔ جواب دیا کہ سب کے سب راہِ عدم کو سدھار گئے۔ وہ سب مارے گئے۔ زبیر نے کہا "خدا کی قسم ان ساتھیوں کی جدائی اور ان کی مفارقت موت سے زیادہ تلخ ہے تو اب اس سابقہ خدمت کے حق میں جو میری تمہارے ساتھ ہے۔ مجھے بھی ان کے ساتھ پہنچا دو۔ اس کے بعد ثابت رضؓ نے تلوار کھینچکر اس واجب القتل کو پہنچا دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ثابت رضؓ نے زبیر کو زبیر ہی کے سپرد کر دیا تاکہ وہ خود اپنا سر اپنے آپ ہی جدا کرے؛

دوسری حکایت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ بنی قریظہ کی عورتوں میں سے ایک عورت تھی جس نے اپنے شوہر کی یاد میں اپنے آپ کو ہلاک کیا۔ وہ اس کے فراق میں روتی تھی اور اس کی محبت میں جلتی تھی یکایک کسی نے اس کو آواز دی وہ ہنسی خوشی اس کے پاس گئی اس نے کہا کیا مجھے قتل کرنے کے لئے بلایا ہے؟ اس سے کہا گیا کہ اسلام میں قاعدہ نہیں ہے کہ عورتوں کو مارا جائے۔ اس نے کہا بنی قریظہ کی ہی شادی شدہ عورت ہوں میں اور میرا شوہر دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ جب محاصرہ نے شدت اختیار کی۔ تو میرے شوہر نے مجھ سے کہا "اگر محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے ہم پر قابو پالیا تو مردوں کو تو وہ قتل کردیں گے اور عورتوں کو قیدی بنا کر باندی بنالیں گے۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا افسوس وصال کے دن ختم ہو رہے ہیں۔ اور میں تیرے بغیر خوش نہیں رہ سکتی۔ شوہر نے کہا اگر تو سچ کہتی ہے اور تیرا یہی حال ہے تو تیرے مارے جانیکی ایک تدبیر اور حیلہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو زبیر بن باطارہ کے قلعہ کے سایہ میں بیٹھے ہیں چکّی کا پاٹ اٹھاکر ان کے سروں پر لڑھکا دے۔ ممکن ہے کہ کوئی مارا جائے اور تجھے اس کے قصاص میں قتل کردیں۔ اس نے اس پتھر کو لڑھکا دیا اور وہ خلاد رضؓ بن سوید کے لگا اور اس سے وہ مارا گیا۔ اس بنا پر اسے قصاص میں طلب کیا۔ سیّدہ عائشہ رضؓ فرماتی ہیں مدت گزر گئی مگر میں قصاص میں مارے جانے پر اس کے ہنسنے اور خوش ہونے کو بھول نہ سکی

چہ خوب۔ باطل عشق و محبت کی فریب کاریاں اس حد کو بھی پہنچتی ہیں کہ اپنی جان کو قربان کرتے وقت اس پر مسرت و خوشی کا اظہار کرتی ہیں۔ جس طرح کہ وہ یہودی بوڑھا زبیر بن باطا نامی تھا اور یہ ناپاک و نافرجام عورت تھی۔ ان بدبختوں کو ایمان لانا اور اسلام میں داخل ہونا ان کے نزدیک اس سے بہت دشوار اور مشکل تھا (نعوذ باللہ من الجھل و الغوایۃ)

جب مسلمان بنو قریظہ کے یہود کے قتل سے فارغ ہو گئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے زخم کھل گئے اور خون بہنے لگا یہاں تک کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو گئے (رضی اللہ عنہ) حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ اور ان کے سر کو اپنے زانوئے مبارک پہ رکھے ہوئے تھے۔ فرمایا "اے خدا سعدؓ کو تو اپنی رحمتوں میں ڈھانپ لے۔ انہوں نے تیرے رسولؐ کی تصدیق کی اور اسلام کے جو حقوق ان پر عائد تھے ادا کئے اور ان کی روح کو بہترین طریقہ سے جس طرح تو اپنے محبوبوں کی روحوں کو قبض فرماتا ہے۔ قبض کر۔" جب حضرت سعد نے حضورؐ کی آواز سنی تو آنکھیں کھولیں اور کہا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ چاہیئے آپ نے تبلیغ رسالت ادا فرمائی" پھر اپنے سر کو حضورؐ کے زانوئے مبارک سے اٹھالیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے رخصت کی اجازت مانگی چند لمحہ بعد حضرت سعدؓ رحمت الٰہی سے واصل ہو گئے۔ (رضی اللہ عنہ) استبرق کا عمامہ باندھے جبریل علیہ السلام آئے اور کہا "اے حضورؐ! آپ کے اصحاب میں سے کسی نے وفات پائی ہے جس کی روح کے استقبال کے لئے آسمانوں کے دروازے کھلے ہیں"۔ پھر حضورؐ ان کے مکان میں تشریف لے گئے اور ان کی تجہیز و تکفین فرمائی۔ فرمایا "ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ میں موجود ہیں۔ حضرت سعدؓ طویل القامت اور بڑے تنومند تھے لیکن ان کا جنازہ بہت ہی ہلکا تھا۔ لوگ اس پر بہت حیران ہو رہے تھے حضورؐ نے فرمایا" ان کے جنازہ کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں اس بنا پر یہ ہلکا ہے"۔

نیز حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی قبر کے دباؤ سے محفوظ رہتا تو وہ حضرت سعدؓ بن معاذ ہوتے۔ لیکن قبر نے اس بندۂ صالح پر تنگی کی اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان پر کشادگی اور فراخی فرمائی۔ اور فرمایا ان کی موت کی وجہ سے عرش الٰہی جنبش میں آیا۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے علماء اس کی تاویل میں مختلف الرائے ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ حدیث ظاہر پر محمول ہے، اور اہتزاز عرش یعنی اس کا حرکت کرنا...... یا تو حضرت سعدؓ کی روح آنے کی خوشی میں یا ان کے مرنے کے حزن و ملال میں۔ اور حق تعالیٰ نے عرش میں تمیز و ادراک کو پیدا فرمایا جس کی بنا پر اسے فرح و خوشی

اور غم و اندوہ حاصل ہوا جیسا کہ پتھروں کے بارے میں فرمایا:- وَاِنَّ مِنۡهَا لَمَا يَهۡبِطُ مِنۡ خَشۡيَةِ اللّٰهِ - بیشک کچھ پتھر ایسے ہیں جب وہ اللہ کے خوف سے نیچے اترتے ہیں"۔ اور یہی ظاہر حدیث ہے۔ اور یہی مذہب مختار، مارزمی کا ہے انہوں نے کہا کہ ظاہرِ عرش کی حرکت ہیں ہے۔ اور عقل کے اعتبار سے بھی یہ بعید نہیں ہے کیوں کہ عرش ایک جسم ہے اور اجسام حرکت وسکون کو قبول کرتے ہیں۔ اور بعض علماء اہتزاز، سے بشارت اور سرور کا حاصل کرنا مراد لیتے ہیں۔ نہ کہ حرکت و جنبش۔ عرب کا محاورہ ہے کہ فلاں شخص مکارم سے اہتزاز کرتا ہے۔ اس سے ان کی یہ مراد نہیں ہوتی کہ فلاں جسم حرکت و اضطراب میں آگیا۔ بلکہ اس سے خوشی و سرور مراد لیتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ان کی وفات کی تعظیم سے کنایہ ہے اور عرب کسی عظیم شئی کو عظیم اشیاء سے منسوب کرتے ہیں مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جہان تاریک ہوگیا اور اس کے مرنے سے قیامت قایم ہوگئی۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اہتزاز سے مراد، جنازہ اور نعش ہے۔ یہ بات باطل ہے اور اس کی مذکورہ صریح روایتیں رد کرتی ہیں۔ اور یہ مسلّم ہے کہ اِهۡتَزَّ لِمَوۡتِهٖ عَرۡشُ الرَّحۡمٰنِ - ان کی موت سے عرش الٰہی جنبش میں آیا، بعض کہتے ہیں کہ مراد، حاملین عرش ہیں۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے لئے حریر کا جوڑا پیش کیا گیا۔ جسے صحابہ چھوتے اور اس کی نرمی پر حیرت و استعجاب کرتے تھے۔ اور اعرابی کہتے تھے کہ یہ آسمان سے حضورؐ کے لئے بھیجا گیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کا رومال جنت میں، اس سے بہتر اور نرم تر ہے یہ غایتِ مبالغہ ہے اس لئے کہ رومال ادنیٰ اور کمتر کپڑا ہے جو بدن کو خشک کرنے اور میل وغیرہ پونچھنے کے کام آتا ہے۔ لہٰذا جب یہ کپڑا اتنا نفیس و اعلیٰ ہے تو ان کے دیگر لباس کے کپڑے کا کیا حال ہوگا۔ یقیناً وہ اس سے بھی زیادہ نفیس و اعلیٰ ہوں گے"۔

ابو نعیم بروایت محمد بن المنکدر بیان کرتے ہیں کہ کسی نے حضرت سعدؓ بن معاذ کی قبر سے ایک مٹھی مٹی لی اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا اس کے بعد اس نے دیکھا کہ وہ مٹی تو مشک اذخر ہے"، اس پر حضورؐ نے فرمایا "سُبۡحَانَ اللّٰهِ، سُبۡحَانَ اللّٰهِ" یہاں تک کے آپ کے چہرۂ انور پر حیرت و تعجب کا اثر نمودار ہوا۔ ابن سعد، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے حضرت سعدؓ کی قبر کھودی تھی تو اس سے مشک کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ یہ کرامت و بزرگی، اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی و رضا حاصل کرنے کی بدولت ہے۔ اور اسی ضمن میں حضرت سعدؓ کا وہ حکم فرمانا ہے جو حق تعالیٰ نے ان کی زبان حق ترجمان سے

فرمایا جسے قبیلہ اوس کے لوگ ظاہر حال پر نظر کرکے اور عرف و عادت میں مبتلا ہو کے اس کو نہ پاسکے اسی بنا پر حضورؐ نے فرمایا تھا کہ "تم نے وہ حکم دیا جو سات آسمان سے خدا کے حکم کے مطابق ہے"۔ اور انہوں نے اوس کے لوگوں کی منت و سماجت کی طرف التفات نہ فرمایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مخصوص کیفیت اور اس ذلت و خواری کے ساتھ بنی قریظہ کے قتل کے قضیہ نے کہ ایک دن میں اتنے شخصوں کی گردن ماری گئی جس سے وہ خندق خون سے لبریز ہوگئی۔ غرابت و ندرت سے خالی نہیں ہے۔ اور اس میں کوئی غرابت بھی نہیں ہے چونکہ بحکم الٰہی تمام کافر واجب القتل ہیں۔ اگر ہزار بارہ سو کو کسی جگہ قتل کردیا جائے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً تمام مشرکوں کو قتل کردو۔ ہیں ان کو ذلیل و خوار کرنا شوکت اسلام اور عزت مسلمین کے لئے ہے۔ ممکن ہے کہ بعض کمزور طبیعتوں میں یہ خیال گزرے کہ یہ رفق و مہربانی کی صفت کے خلاف ہے تو یہ خیال آرائی طبیعت کی کجی اور جادۂ مسلمانی سے انحراف کی وجہ سے ہے جبکہ یہ متحقق و ثابت ہے کہ ایمان و اعتقاد کی صفت یہ ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حکم دیں اور عمل فرمائیں، وہ سب فرمودہ خدا اور حق ہے تو یہ وسوسے اور خلجان، نامعقول اور باطل ہیں اور عدم صدقِ ایمان کی علامت ہے۔ اگر حکمِ الٰہی بنو نضیر کے لئے جلاء وطنی کا اور بنو قریظہ کے لئے قتل کا تھا تو اس میں کیا نزاع ہے جو کوئی یہ کہے کہ وہاں کیوں جلاء وطن کیا اور یہاں کیوں قتل کیا یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔" کسی کو خدا کے فعل و حکم میں چون و چرا کا کیا حق ہے۔ اگر کوئی حکمت تلاش کرے اور فرق کی جستجو کرے تو وہ بات دوسری ہے۔ ممکن ہے کہ بنو قریظہ کا خبث و شرک کہ انہوں نے نقض عہد کیا اور اُن قریشیوں کے ساتھ جو اللہ اور اسلام کے دشمن ہیں شامل ہو کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقاتلہ و مقابلہ پر کمربستہ ہو کر کھڑے ہوئے۔ اور حیی بن اخطب جو اعدائے دین میں اشد تھا کے ساتھ رشتہ محبت باندھا اس بنا پر مستحق قتل اور زیادہ عذاب کے مستوجب بنے ہوں۔ یہ توجیہہ اس کی خاطر سے جو عقل و طبیعت میں گرفتار ہے ہم نے بیان کی ہے ورنہ حکمت کے جاننے کی بھی کیا حاجت ہے حکمت کو بھی حکیم مطلق پر چھوڑنا چاہیئے اور ایمان رکھے کہ اس میں جو بھی حکمت ہے اس حکمت پر تمہارا باخبر ہونا شرطِ ایمان نہیں ہے۔ حالانکہ اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ حق تعالیٰ پر حکمت کی رعایت واجب نہیں ہے کیوں کہ وہ مختار مطلق ہے۔ اگرچہ ہر فعل میں بیشمار حکمتیں پنہاں ہیں، لیکن اگر حکمت کی رعایت نہ فرمائے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور کسی کو حق نہیں ہے کہ وہ کہے کہ ایسا کیوں نہیں کیا۔ عقل

کا دستِ تعرض اس کے عزوجلال کے دامن سے کوتاہ ہے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ۔ کا مطلب یہی ہے اور یہی اعتقاد رکھنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کے حکم دینے سے پہلے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کو معلوم تھا کہ حکمِ الٰہی اس قضیہ میں یہی ہے۔ انہوں نے خود ہی حضرت سعدؓ کے حکم میں رضامندی ظاہر کی تھی۔ اور حضرت سعدؓ کے دل میں الہام ہوگیا تھا کہ اس قضیہ میں خدا کا حکم یہی ہے اور رسول خدا کی اسی میں رضا ہے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ "تم نے وہی حکم دیا ہے جو ساتوں آسمان سے حق تعالیٰ کا ہے"۔ اس مقام میں اوس کے لوگوں کی نظر ظاہر بین قاصر تھی۔ کیوں کہ انہوں نے ان کے لئے منت وسماجت کی تھی اور انہوں نے سابقہ عہدوں اور اس کے حقوق کو ملحوظ رکھا تھا وہ حق کو کیسے دیکھتے کہ یہی حق ہے۔ ظاہر کو دیکھتے ہوئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے ظاہری کرم اور آپ کی چشم پوشی پر اعتماد کرتے ہوئے عرض کیا اسی بنا پر حضورؐ نے بھی ان کو جواب نہیں دیا اور خاموشی و تغافل کو اختیار فرمایا۔ عفا اللہ عنہم ان کے سوا اور کسی صحابی نے اس باب میں دم نہ مارا۔ ایمان کامل اور اسلام صادق یہی ہے جو حضرت علی مرتضےٰ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما حضورؐ کے صحابی نے کیا کہ تمام دن اور رات کے کچھ حصہ تک قتل کرنے اور خون بہانے میں مشغول رہے۔ بعض طبیعتیں، ناقص اور ٹیڑھی ہوں گی اگرچہ ان میں کفر کی کوئی رگ نہ ہو لیکن جہالت اور کفار کی بستیوں کے ہمسایہ رہنے کی وجہ سے ان کی خونریزی سے ان کی طبیعتوں میں ناگواری پیدا ہوئی ہوگی حتیٰ کہ اگر ایسے لوگوں سے کسی جانور کے ذبح کرنے کو کہا جائے تو وہ یہ بھی نہیں کرسکتے اگرچہ وہ جانور مرجائے۔ بعض درویشوں سے ایسی باتیں دیکھی گئی ہیں ان کو بھی شاید یہی عارضہ لاحق ہوتا ہوگا۔ اور وہ اس پر قدرت نہ رکھتے ہونگے لیکن یہ گوشۂ جہالت کے بغیر نہیں ہے۔ اور جہالت عذر نہیں ہے۔ اتباع چاہیئے ؎

نہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست　　دگر خوں بفتوی بریزی رواست

اور اگر تم یہ کہو کہ اگر حکم الٰہی یہی تھا کہ اس قوم کے تمام لوگوں کو قتل کردیا جائے تو زبیر بن باطاء کو حضرت ثابتؓ بن قیس کی عرض پر بخشدینا کیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں سے زبیر بن باطاء کو بخش دینے کا حکم ہوا چونکہ بخشدینا اور اہلِ حرب کو فدیہ لیکر یا احسان کرکے امان دے کر چھوڑنا یہ بھی حکم شرع میں سے ہے۔

## احکام شرع میں حضورؐ مالک ومختار ہیں۔

مذہب صحیح ومختار یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کو احکام مفوض ہیں جس کو

جو چاہیں حکم فرمائیں۔ کسی فعل کو کسی پر حرام قرار دیں اور اسی فعل کو کسی پر مباح قرار دیں۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ جیسا کہ متبعین حق سے مخفی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ جل و علیٰ نے پیدا کر کے ایک شریعت لازم فرمائی۔ اور وہ سب اپنے رسول، اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلّم کے سپرد فرما دی۔ (صلے اللہ علیہ وسلّم۔)

## قبیلہ مزنیہ کا مشرف بہ اسلام ہونا

اسی سال کے واقعات میں سے یہ ہے کہ بلال رضؓ بن حارث مزنی، اپنے قبیلۂ مزنیہ کے چار سو افراد کیساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ان کو ان کی بستی کی طرف لوٹا دیا اور فرمایا تم جہاں بھی رہو گے مہاجرین میں داخل ہو گے۔ وہ حضورؐ کے فرمان کے بموجب اپنے شہروں کی طرف لوٹ گئے۔ یہ بلالؓ بن حارث، فرع کے نواح میں عامل تھے۔ جو کہ مدینہ طیبہ سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے اور یہ فتح مکہ کے دن مزنیہ کی طرف سے حامل لواء تھے۔ اور انہیں سے ان کے بیٹے حارث اور علقمہ بن وقاص نے روایت کیا ہے۔ اور انہیں سے بخاری و مسلم کے سوا چار راویوں کے واسطہ سے حدیث روایت کی گئی ہے اور ان کا ایک فرزند جن کا نام حسان تھا وہ بصرہ کے محدث گزرے ہیں جو ایک سو ساٹھ ہجری میں تھے اور ان کی عمر اسّی سال کی تھی۔

## چاند گرہن

اور اسی سال چاند گرہن واقع ہوا۔ روضتہ الاحباب میں چاند گرہن کو اسی سال میں بیان کیا گیا ہے۔ اور کہا کہ مدینہ طیبہ کے یہودیوں نے طشت بجائے، وہ کہتے تھے کہ ہم پر جادو کیا گیا ہے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے نماز خسوف پڑھی۔ جب تک کہ چاند روشن نہ ہو گیا۔

## سورج گرہن

اور ہجرت کے دسویں سال میں حضرت ابراہیم فرزند جلیل حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے دن سورج گرہن ہوا۔ جیسا کہ اپنی جگہ ذکر آئے گا۔ لوگوں نے گمان کیا کہ حضرت ابراہیمؓ کی وفات کی بنا پر سورج گرہن میں آیا۔ یہ گمان اس اعتقاد کی بنا پر تھا جو ان میں مشہور تھا کہ چاند گرہن یا سورج گرہن یا تو کسی عظیم موت پر واقع ہوتا ہے یا کسی عظیم حادثہ پر۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ چاند و سورج خدا کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت پر یہ گہناتے نہیں ہیں۔ تم نماز پڑھو، صدقہ دو اور استغفار کرو۔ ان کی نمازوں کی کیفیت بیان کی جا چکی ہے۔

## غزوۂ دومتہ الجندل

اسی سال غزوۂ دومتہ الجندل (بضم دال یا بفتح دال) واقع ہوا۔ یہ اس پہاڑ کا نام ہے جو وہاں سے کوفہ تک دس منزل پر ہے اور دمشق تک

بھی دس منزل ہیں۔ (کذا قیل)

ارباب سیر کہتے ہیں کہ دومتہ الجندل ایک قلعہ کا نام ہے اس کی بنیاد پتھر پر رکھی گئی ہے یہاں کی پیداوار کھجوریں اور جَو ہیں۔ مواہب میں کہا گیا ہے کہ یہ ایک شہر ہے اس کے اور دمشق کے درمیان پانچ رات کی مسافت ہے۔ اور مدینہ منورہ سے پندرہ و سولہ راتوں کی مسافت ہے۔ یہ نام، دومی بن اسمٰعیل کے نام پر ہے جس نے وہاں قیام کیا تھا۔ قاموس میں کہا گیا کہ اسے دوماجندل بھی کہتے ہیں۔

اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ قدس میں خبر پہنچی کہ اس سرزمین میں بہت بڑی جمعیت اکٹھی ہوئی ہے جو مسافروں کو بہت تنگ کرتی ہے۔ اور ظلم و تعدی کے ساتھ پیش آتی ہے۔ اکیدر جو اس جگہ کا حاکم ہے نصرانی ہے وہ بہت بڑا لشکر جمع کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ و مقاتلہ کے لئے کھڑا ہو گیا ہے اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے چلے سباعؓ بن عرطفہ کو مدینہ میں خلیفہ بنایا، اور راہ بتلانے کے لئے "راہبر" کا تعین فرمایا اور سرکشوں کے قلع قمع فرمانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ رات کو قطع مسافت فرماتے اور دن کو قیام فرماتے اور راستہ چھوڑ کر نزول فرماتے تھے جب ان شہروں کے نواح میں پہنچے تو "راہبر" نے عرض کیا کہ دشمنوں کے جانور اور مویشی قریب ہیں۔ وہ ان سب کو گھیر کے لے آئے ان کے چرواہے بھاگ کھڑے ہوئے اور جدھر منہ اٹھا منتشر ہو گئے۔ اور حضورؐ نے ان کے میدان میں اقامت فرمائی اور وہاں کوئی باقی نہ رہا حضورؐ نے وہاں کئی دن توقف فرمایا اور ہر طرف لشکر کے چھوٹے چھوٹے رسالے (سرایا) بھیجے۔ وہ ہر طرف پھیل گئے مگر کسی کو نہ پایا البتہ محمدؓ بن مسلمہ نے ایک شخص کو پکڑا اور اسے حضورؐ کی بارگاہ میں لے آئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس قوم کی خبر پوچھی اس نے کہا جب لشکر اسلام کے آنے کی خبر یہاں کے رہنے والوں کو پہنچی۔ تو وہ تیزی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور یہ شخص ایمان لے آیا۔ اس کے بعد حضورؐ صحیح و سالم اطمینان و سکون کے ساتھ غنیمت لیکر واپس آئے۔ اس سفر کی مدت ایک ماہ سے زیادہ تھی۔

روضتہ الاحباب میں ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس سفر کے دوران، حضرت سعد بن عبادہؓ کی والدہ نے وفات پائی حضورؐ نے ان کی قبر پر نماز پڑھی تھی۔ حضرت سعدؓ نے حضورؐ سے عرض کیا یارسول اللہ! میری والدہ کی وفات اچانک واقع ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ مہلت پاتیں تو کچھ مال صدقہ کرتیں۔ اگر میں مال صدقہ کروں تو کیا اس کا ثواب ان کو پہنچے گا یا نہیں؟ فرمایا یقیناً پہنچے گا۔ اس کے

بعد حضرت سعدؓ نے پوچھا کہ کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا پانی۔ اس پر حضرت سعد بن عبادہ نے ایک کنواں کھودا اور اس کو اپنی والدہ کے نام پر وقف کر دیا اور کہا ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔ یہ کنواں ام سعدؓ کے لئے ہے۔

**میت کو صدقہ کا ثواب پہنچنا** علماء کا عبادت بدنی کا ثواب میت کو پہنچنے میں اختلاف ہے اور عبادت مالی میں نہیں ہے۔ یہ باتفاق جائز ہے۔

علماء بیان کرتے ہیں کہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام کے اس جہان سے رخصت ہونے کے بعد لوگوں نے خواب میں دیکھا اس باب میں ان سے پوچھا کہ ہم مُردوں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے قرآن پڑھتے ہیں کیا حال ہے کیا تمہیں پہنچتا ہے؟ فرمایا ہم دنیا میں اس کے خلاف فتویٰ دیتے تھے اب معلوم ہوا کہ پہنچتا ہے (واللہ اعلم)

**سریہ ابو عبیدہؓ بن الجراح بجانب سیف البحر** اسی سال ماہ ذی الحجہ میں حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کا سریہ تھا۔ معارج النبوۃ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ سیف البحر کی جانب بھیجا۔ اس سفر میں زادِ راہ کھجوریں تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر شخص روزانہ ایک کھجور پر بسر کرتا تھا۔ اور آخر میں یہ حال ہوا کہ آدھی کھجور پر قناعت کرنی پڑی اور ایک عرصہ اسی حالت میں گزرا۔ جب اس پر انہیں بہت دشواری لاحق ہوئی تو حق تعالیٰ نے ایک بڑی مچھلی دریا سے ساحل پر پھینک دی تین سو آدمیوں نے ایک ماہ تک اس کا گوشت کھایا۔ اور کتاب "مستقصی" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے اونٹ کے ساتھ اس مچھلی کی ایک پسلی کے نیچے سے گزر جاتا تھا۔ انتہی

مشکوٰۃ شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ سے اس طرح مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم جیش الخبط پر جہاد کر رہے تھے اور ہم پر حضرت ابو عبیدہؓ کو امیر بنایا گیا تھا۔ پھر ہمیں سخت بھوک سے دوچار ہونا پڑا تو حق تعالیٰ نے دریا سے ایسی مچھلی عطا فرمائی کہ ہم نے اس جیسی مچھلی کبھی نہ دیکھی تھی بعض روایتوں میں ہے کہ ہم نے دریا کے کنارے ایک آبی جانور پایا" بغیر اس کے کہ ہم اسے مچھلی کہیں کچھ اور کہہ سکتے ہیں۔ ایک روایت میں" دابۃ العنبر" آیا ہے یعنی وہ آبی جانور جس کو عنبر کہتے ہیں۔ وہ ایک بڑی مچھلی ہوتی ہے جس کے پوست سے ڈھال بناتے ہیں اور اس ڈھال کو بھی عنبر کہتے ہیں، ممکن ہے کہ" دابۃ العنبر" اس بنا پر اس کا نام ہو کہ عنبر جو ایک پاکیزہ مشہور خوشبو

کا نام ہے اس سے نکلتی ہو تقاموس میں ہے کہ عنبر ایک بحری جانور کا فضلہ ہے۔ یا کسی ایسے چشمہ سے ہے جو بحر میں ہے۔ اور نام مسمکۂ بحریہ ہے اس کے پوست سے ڈھال بناتے ہیں۔ تو ہم نے اس سے نصف ماہ تک گوشت کھایا۔ اس کے بعد حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کی ایک ہڈی لی۔ طیبی نے کہا کہ اس ہڈی سے مراد پسلی ہے پھر ایک سوار اس ہڈی کے نیچے سے گزر گیا۔ اور سنن میں مروی ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کی ہڈی کو کھڑا کر کے دیکھا تو اس کے نیچے سے ایک اونٹ گزر گیا۔ جب ہم واپس آئے تو ہم نے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس قصہ کو بیان کیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا جس رزق کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف بھیجا ہے اسے کھاؤ اور اگر اس میں سے کچھ حصہ تمہارے پاس باقی ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ حضورؐ نے یہ ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے فرمایا تھا۔ اور اس کے حلال ہونے کی تاکید میں مبالغہ فرمایا، یا اس بنا پر فرمایا کہ یہ رزق بطریق خارق عادت یعنی بطور کرامت، انہیں حاصل ہوا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم اس میں سے کچھ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لائے۔ اور حضورؐ نے اسے تناول فرمایا۔ (متفق علیہ)

"خبط" درخت سے پتوں کو لکڑی کے ذریعہ جھاڑنے کو کہتے ہیں۔ اور اس سریہ یعنی لشکر کے رسالہ کو "جیش خبط" بھی کہتے ہیں اس بنا پر کہ بھوک سے بیتابی کی حالت میں پتوں کو جھاڑ کر اور اسے ابال کر کھانا پڑا۔ اور ان پتوں کی گرمی کی وجہ سے ان کے منہ میں چھالے اور زخم پڑ گئے تھے۔ ان کے لب اونٹ کے لبوں کی مانند ہو گئے تھے۔ روضۃ الاحباب میں اس سریہ کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ البتہ چھٹے سال کے آخر میں محمدؓ بن مسلمہ کے سریہ کا ذکر کر کے اتنا ہی لکھا ہے کہ نبی کریمؐ صلے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو چالیس شخصوں کے ساتھ ان کے مقتل کی جانب بھیجا تاکہ اس جماعت سے انتقام لیں۔ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

# ہجرت کے چھٹے سال کے واقعات

## فرضیت حج

ہجرت کے چھٹے سال میں بقول جمہور حج اسلام فرض ہوا۔ اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ حج اسلام کی فرضیت نویں سال میں ہے۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا:۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ اور تم اللہ کے لئے حج وعمرے کو پورا کرو۔ اس آیت کا نزول چھٹے سال میں ہے اور فرماتے ہیں کہ اتمام حج سے مراد، اس کے مبادیات کو سرانجام دینا ہے۔ اس کی تائید، علقمہ، مسروق اور ابراہیم نخعی جو اجلۂ تابعین میں سے ہیں کی قرأت بلفظ "اقیموا" کرتی ہے۔ اور طبرانی نے باسانید صحیحہ اس قرأت کو روایت کیا ہے۔ اور دیگر علماء کی جماعت جو یہ کہتی ہے کہ اس کی فرضیت نویں سال میں ہے ان کی دلیل وہ آیت ہے جو سورۂ آل عمران کے شروع میں ہے اس آیۂ کریمہ میں ہے کہ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ اور اللہ کے لئے لوگوں پر فرض ہے کہ بیت اللہ کا حج کریں جو اس کی طرف جانے کی طاقت رکھتا ہے۔" یہ آیت سال نہم میں نازل ہوئی جسے "عام الوفود" کہتے ہیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج بنا کر مکہ مکرمہ بھیجنا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بعد میں مشرکوں کو سنانے کے لئے سورۂ برأت لیکر بھیجنا یہ سب نویں سال میں ہے۔ دلیل وحجت کے اعتبار سے بعض علماء کے نزدیک یہی قول راجح ومختار ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اسباب سفر مہیا کرنے میں مشغول ہو گئے مگر غزوات کے اہتمام کی بنا پر اس سال حضور کا جانا ممکن نہ ہوا، اور غزوات کے اہتمام اور وفود کے بھیجنے میں مصروف رہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ لوگوں کو حج کرائیں۔ یہ علماء فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ:۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ اگرچہ ہجرت کے چھٹے سال میں نازل ہوئی لیکن یہ آیت حج وعمرہ کی فرضیت پر دلالت نہیں رکھتی۔ اس لئے کہ "اتموا الحج" کے ظاہری معنی، مبادیات کو پورا کرنے کا حکم ہے حج وعمرہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا حکم ہے کہ حج وعمرے کے مبادیات کو شروع فرما کر

اس کی ادائیگی تک اسے مکمل کرلو۔ لہٰذا ممکن ہے کہ بعد از شروع، اتمام حج کا حکم چھٹے سال میں نازل ہوا ہو اور اس کی فرضیت کی ابتدا، نویں سال میں ہوئی ہو۔ اور فتح الباری میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت تقاضا کرتی ہے کہ فرضیت حج اس سے مقدم ہو مطلب یہ کہ "اتموا" سے مراد، بعد از شروع، اتمام استکمال حج وغیرہ ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ حج وعمرہ اس سے پہلے شروع ہوگا۔ اور اگر اس سے پہلے حج وعمرہ نہ ہو تو بعد از شروع اس کے اتمام واستکمال کے کیا معنی ہوں گے؟ (انتہی) اور یہ بات ظاہر ہے کاتب الحروف کو فتح الباری کے دیکھنے سے پہلے ایسا توارد ہوا تھا۔ لیکن اب خیال آتا ہے کہ بعد از شروع، اتمام حج وعمرہ سے فرضیت مستلزم نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ نفل ہو اور اس کے اتمام کا حکم بعد از شروع صادر رہا ہو۔ جیسا کہ اہل مکہ کی قدیم رسم ہے۔ اور حضورؐ نے بھی ہجرت سے پہلے حج ادا کئے ہیں۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کتنے ادا کئے ہیں۔ ان کی تعداد معلوم نہیں ہوسکی۔ اس کے اتمام کے ساتھ حکم دینے میں یہی بات کافی ہے اور اس کی فرضیت زمانۂ اسلام میں ہوئی اگرچہ یہ توجیہہ دوری رکھتی ہے (واللہ اعلم)

## غزوۂ ذات الرقاع

اسی سال میں جمہور مورخین واہل سیر کے قول سے غزوۂ ذات الرقاع، واقع ہوا۔ اور ابن اسحٰق کے نزدیک چوتھے سال میں بعد از واقعۂ بنی نضیر ہے اور ابن سعد وابن حبان کے نزدیک بعد از غزوۂ خندق و بنو قریظہ ہے۔ بخاری نے اس کو غزوۂ خیبر کے بعد کہا ہے۔ اس کے باوجود اس کا ذکر غزوۂ خیبر سے پہلے اور غزوۂ خندق کا بنو قریظہ کے بعد کیا ہے یا ممکن ہے کہ متعدد بار ہوا ہو ایک خیبر سے پہلے اور دوسرا اس کے بعد۔ مواہب میں اس جگہ کلام طویل لاطائل کیا ہے لیکن سبب وقوع اور اسے اس نام سے موسوم کرنے میں جتنا ضروری ہے اسی قدر یہاں بیان کرتے ہیں۔

اب رہا اس کے وقوع کا سبب! وہ یہ ہے کہ ایک شخص مدینہ منورہ میں بکریاں فروخت کرنے کے لئے لایا اس نے اصحاب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ غطفان کے بنی انمار، اور بنی ثعلبہ نے ایک لشکر جمع کیا ہے اور وہ مدینہ منورہ کا قصد رکھتے ہیں۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم۔ چھ سو صحابہ کے ساتھ ایک روایت میں ہے سات سو صحابہ کے ساتھ تشریف لے چلے۔ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، کو خلیفہ بنایا بعض کہتے ہیں کہ ابو ذر غفاریؓ کو بنایا۔ پھر حضورؐ نے موضع نخل میں قیام فرمایا یہ مقام غطفان کی آراضی میں سے نجد میں ہے جو مدینہ منورہ سے دو دن کی مسافت پر ہے۔ تو اس کے مواضع اور بستیوں میں بجز عورتوں کے کسی کو نہ پایا۔ ان کے مرد، حضورؐ کی آمد کی

سنتے ہی بھاگ کر پہاڑوں اور ٹیلوں میں روپوش ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کے اموال کو تاراج کیا کوئی متعرض نہ ہوا۔ ایک روایت میں آیا ہے بعض ان عورتوں کو جو گھروں میں رہ گئی تھیں اسیر کر لیا۔ اس غزوہ میں مدت سفر پندرہ روز تھی۔ اور جب نماز کا وقت آتا تو متوقع خوف کی بنا پر کہ اگر نماز میں سب مشغول ہوتے تو وہ حملہ نہ کر دیں صلوٰۃ خوف گزاری۔ نماز خوف متعدد وجوہ سے مروی ہے کتاب سفر السعادۃ میں ان سب کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے یہ پہلی نماز خوف تھی جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائی۔ اس کے بعد بغیر لڑے مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

اب رہا اس غزوہ کا ذات الرقاع نام رکھنا! تو اس کی وجہ یہ ہے جو صحیح بخاری سے معلوم ہوتی ہے اور ابو موسیٰ رضؓ سے مروی ہے کہ ہم حضورؐ کے ساتھ غزوہ میں باہر نکلے، ہم چھ آدمی تھے ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ ہم سب کے پاؤں زخمی ہو گئے اور میرے پاؤں اس طرح زخمی ہوئے کہ ان کے ناخن اتر گئے تھے۔ ہم سب اپنے پاؤں پر رقعے یعنی پٹیاں اور کپڑے لپیٹے ہوئے تھے۔ اس بنا پر اس غزوہ کا نام "ذات الرقاع" یعنی پٹیوں والا، ہو گیا۔ نیز صحیح بخاری میں کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ رضؓ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد ناگوار جانا کہ اس کو بیان کریں تاکہ عمل اور تزکیہ نفس میں فساد لازم نہ آئے۔

اہل مغازی اس غزوہ کو "غزوۂ ذات الرقاع" کی تسمیہ کی کئی وجہ بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ سب کسی ایسے پہاڑ پر اترے جس کے ہر رقعہ اور ہر قطعہ رنگ برنگا تھا۔ اور دوسری یہ ہے کہ اس جگہ کچھ درخت تھے جن کو ذات الرقاع کہتے تھے تیسری یہ کہ یہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ مگر مختار وجہ اول ہی ہے۔

اس غزوے کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ ایک اونٹ پر سوار تھے وہ چاہتے تھے کہ اونٹ تیز چلے مگر وہ اونٹ بہت کمزور اور سست رفتار تھا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا عصا شریف مارا تو وہ اونٹ تند و تیز رفتار ہو گیا۔ حضورؐ نے حضرت جابرؓ سے پوچھا اتنی تیز کیوں چلتے ہو عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے نئی شادی کی ہے۔ فرمایا باکرہ سے کی ہے یا ثیبہ سے۔ فرمایا باکرہ سے کیوں نہ کی تاکہ وہ تم سے کھیلتی اور تم اس سے کھیلتے۔ حضرت جابرؓ نے عرض کیا میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے اور ۹ بیٹیاں یا سات بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ اس لئے میں نے زن ثیبہ کی ہے تاکہ ان کی خدمت و تربیت کر سکے۔ اس وقت حضورؐ نے حضرت جابرؓ سے اونٹ کو اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک اس پر سوار

ہو کر جائیں اور شہر مدینہ میں سپرد کر کے اس کی قیمت وصول کر لیں۔ جب مدینہ منورہ پہنچ گئے تو اونٹ کی قیمت ان کو دیدی اور اونٹ کو بھی انہیں ہی عطا فرما دیا۔ اس حدیث سے بیع مشروط معلوم ہوتی ہے اور فقہا اس سے منع کرتے ہیں۔ مگر یہ کہ کسی دوسری حدیث سے ہو۔ بعض کہتے ہیں اس حدیث میں اضطراب ہے اور اس میں طویل بحث ہے جو اپنی جگہ مذکور ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس غزوہ میں ایک درخت کے سایہ میں محو خواب تھے ایک اعرابی آیا اور اپنی تلوار کھینچکر حضورؐ کے سرہانے کھڑا ہو گیا حضورؐ بیدار ہو گئے اعرابی نے کہا کون ہے جو آپ کو مجھ سے بچائے فرمایا اللہ! اس کے بعد حضورؐ اٹھے اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ پڑی حضورؐ نے اپنے ہاتھ میں تلوار لیکر فرمایا کون ہے جو تجھے مجھ سے روکے گا؟ اعرابی نے کہا مجھے بخشدیجئے۔ فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ اعرابی نے کہا میں عہد کرتا ہوں کہ آپ سے کبھی جنگ نہ کروں گا اور نہ اس جماعت میں شریک ہوں گا جو آپ سے لڑے۔ اس کے بعد حضورؐ نے اس کا سر اسے بخشدیا اور وہ اعرابی لوٹ کر اپنی قوم میں گیا اور کہا میں تمہارے پاس سب سے بہتر شخص کے پاس سے آیا ہوں۔ واقدی نے اس کا اسلام لانا اور پھر اپنی قوم کے بہت سے لوگوں سے اسلام قبول کرانا بیان کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ اعرابی کی پیٹھ میں درد ہوا۔ بلاشبہ اس کی مانند ایک اور قصہ غزوۂ غطفان میں گزر چکا ہے۔

## غزوۂ بنو لحیان

اسی سال غزوۂ بنو لحیان ماہ ربیع الاول میں واقع ہوا اور ابن اسحٰق کے نزدیک جمادی الاولیٰ میں بنو قریظہ کے چھ ماہ بعد واقع ہوا تھا ابن حزم کہتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ پانچویں سال میں واقع ہوا۔

اس کا سبب یہ تھا کہ جب حضرت عاصمؓ بن ثابت اور حضرت خبیبؓ بن عدی اور ان کے دیگر ساتھیوں کا واقعہ پیش آیا جس کا ذکر تیسرے سال میں گزر چکا ہے تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر رنج و غم کا اظہار فرماتے رہے۔ مگر پیہم غزوات کے باعث اتنی مہلت نہ مل سکی تھی کہ حضورؐ اپنے صحابہ کو لیجا کر بنی لحیان کی سرکوبی فرما سکتے اور ان صحابہ کا بدلہ لے سکتے یہاں تک یہ سال یعنی ہجرت کا چھٹا سال آگیا۔ اس وقت آپ دو سو مہاجرین اور انصار کی جمعیت لے کر جن میں بیس سوار تھے بنی لحیان کی سرکوبی کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ایسا طریقہ اختیار فرمایا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ آپ شام کی جانب تشریف لئے جا رہے ہیں۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ اچانک ان پر پہنچ جائیں اور انہیں ہلاک کریں۔ مدینہ منورہ میں حضرت ابن ام مکتومؓ کو خلیفہ بنا کر تیزی کے ساتھ اس مقام میں

پہنچ گئے جہاں (سریہ رجیع کے) مسلمانوں کو شہید و اسیر کیا گیا تھا۔ ان کے لئے استغفار کے بعد دعائے خیر فرمائی۔ بنو لحیان نے حضورؐ کی تشریف آوری کی خبر پاتے ہی راہِ فرار اختیار کی۔ اور پہاڑوں پر چڑھ کر روپوش ہو گئے۔ اور اپنی جانوں کو گرداب ہلاکت سے بچالیا۔ حضورؐ ایک دو روز وہاں مقیم رہے اور چاروں طرف لشکر کی ٹولیوں کو یعنی سرایا کو بھیجا۔ اس کے بعد عسفان پہنچے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہم اور ایک قول کے مطابق حضرت سعدؓ بن عبادہ کو ایک جماعت کے ساتھ، ایک روایت میں ہے کہ دس۱۰ سواروں کے ساتھ "کراع الغمیم" روانہ فرمایا۔ تاکہ لشکرِ اسلام کا غلغلہ و دبدبہ قریش کے کانوں میں پڑے اور ان میں گھبراہٹ اور خوف پیدا ہو۔ یہ حضرات مقررہ مقام تک پہنچے مگر کسی مخالف یا دشمن سے مڈبھیڑ نہ ہو سکی۔ اس کے بعد وہاں سے لوٹ آئے اور حضور کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس سفر کی پوری مدت چودہ۱۴ شبانہ روز تھی۔

## سریہ محمدؓ بن مسلمہ بر سرِ بنی کلاب

اسی سال حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو تیس۳۰ سواروں کے ساتھ ربیع الاول میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے بمقام ضُرَیَّہ (بضم ضاد و تشدید یاء) روانہ فرمایا۔ جو کہ مدینہ طیبہ سے چوبیس۲۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور فرمایا کہ اچانک ان کے سر پر پہنچو۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ دن کو پوشیدہ رہتے اور رات کو قطع مسافت کرتے تھے۔ وہ رات کو اچانک ان پر جا پہنچے اور ان پر شب خون مارا۔ چند کافروں کو قتل کیا تھا کہ باقی بھاگ کھڑے ہوئے۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ ان لوگوں کی اونٹ بکریاں مدینہ منورہ لے آئے۔ حضورؐ نے پانچواں حصہ نکال کر تقسیم فرمادیا۔ ایک سو پچاس اونٹ اور تین ہزار بکریاں تھیں۔ اس سفر کی مدت پندرہ روز تھی ایک روایت میں ہے کہ انیس۱۹ روز تھی۔

واضح رہنا چاہئے کہ سریہ محمدؓ بن مسلمہ دو ہیں۔ اور اس کو روضۃ الاحباب میں حاشیہ پر "سریہ محمدؓ بن مسلمہ بقرطا" (بضم قاف و فتح را و طاء) لکھا ہے۔ اس میں اتنا ہی لکھا ہے جتنا بیان کیا گیا۔

## سریہ محمدؓ بن مسلمہ بر سرِ بنی ثعلبہ

نیز دوسرا سریہ بھی حضرت محمدؓ بن مسلمہ کی طرف منسوب کر کے ذی القُصَّہ (بضم قاف و فتح صاد مشددہ) بھیجا گیا۔ منقول ہے کہ حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو دس۱۰ شخصوں کے ساتھ بنی ثعلبہ کی بستیوں میں سے موضع ذی القصہ کی طرف بھیجا۔ رات کا وقت تھا کہ حضرت محمد بن مسلمہ ان پر جا پہنچے۔ قریب سو آدمی تھے سب جمع ہو گئے اور اسی وقت دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہو گئی۔ بالآخر کفار نے یک بارگی حملہ کیا اور نیزوں پر اٹھا کر ان کو شہید کر دیا۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ ان کے ٹخنوں پر زخم آیا تھا۔ ایک

مسلمان مرد محمدؓ بن مسلمہ کے پاس پہنچا اس نے ان کو اٹھایا اور اپنے کندھوں پر بٹھا کر مدینہ طیبہ لے آیا اس کے بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو ربیع الآخر میں چالیسؓ مردوں کے ساتھ بھیجا۔ اس مرتبہ ان کی تباہی ہوئی اور کفار بھاگ کر پہاڑوں پر جا چھپے بس ایک شخص ملا اس نے اسلام قبول کر لیا اسے چھوڑ دیا گیا۔ بعد میں ان کے مویشیوں اور مال و اسباب کو ان کے گھروں سے جمع کر کے مدینہ منورہ لے آئے۔ خمس نکالنے کے بعد حضورؐ نے ان پر تقسیم فرما دیا۔ معارج النبوۃ میں ثمامہؓ کے ہاتھ باندھنے اور قید کرنے کا قصہ غرابت سے خالی نہیں ہے۔ اور اسے بھی چھٹے سال کے واقعات میں شمار کر کے حضرت محمدؓ بن مسلمہ سے منسوب کیا ہے۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ

**سریہ محمدؓ بن مسلمہ بجانب نجد** حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت کو حضرت محمدؓ بن مسلمہ کے ساتھ نجد کی جانب روانہ فرمایا۔ وہ قبیلہ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو جو اہل یمامہ کا سردار تھا اور اس کا نام ثمامہؓ بن اثال تھا ہاتھ باندھ کر قید کر کے بارگاہِ نبوت میں لے آئے۔ حضورؐ نے حکم دیا کہ مسجد کے کسی ایک ستون سے باندھ دو۔ اس کے بعد حضورؐ اس کے پاس تشریف لے گئے فرمایا "اے ثمامہؓ! کیا حال ہے اور تیری رائے اپنے بارے میں کیا ہے؟" اس نے جواب دیا "اے محمدؐ! میں ٹھیک ہوں اگر آپ مجھے قتل کریں تو آپ ایک خونی کو ماریں گے" مطلب یہ کہ آپ ایسے شخص کو قتل کریں گے جو مستحق قتل ہے۔ اور اگر آپ احسان فرمائیں گے تو آپ ایک شکر گزار پر احسان فرمائیں گے"۔ مطلب یہ کہ آپ اگر جاں بخشی فرمائیں گے تو میں احسان مند ہوں گا اور اگر آپ مجھ سے فدیہ میں مال چاہیں گے تو میں آپ کو جتنا مال چاہیں گے پیش کر دوں گا۔ اس کے بعد حضورؐ اس کے پاس سے تشریف لے آئے۔ جب دوسرا دن ہوا تو یہی سوال فرمایا اور یہی جواب اس نے دیا یہاں تک کہ تیسرے دن بھی اس نے یہی جواب دیا۔ تیسرے دن حکم فرمایا "اسے کھول دو اور رہا کر دو"۔ اس کے بعد ثمامہؓ کھجور کے ایک درخت کے پاس گیا جو مسجد کے قریب ہی تھا۔ وہاں اس نے غسل کیا اور مسجد میں داخل ہو کر بلند آواز سے کہا "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" اور اس نے کہا "اے محمد! (صلے اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم روئے زمین پر کوئی آپ سے زیادہ میرے نزدیک دشمن نہ تھا اب آپ کا روئے انور میرے نزدیک تمام لوگوں کے چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اور کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ میرے نزدیک برا نہ تھا۔ اب تمام دینوں سے زیادہ مجھے آپ کا دین محبوب بن گیا ہے۔ اور کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مجھے مبغوض نہ تھا۔ اب آپ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہو گیا ہے"۔ اس نے کہا "آپ کے لشکر نے مجھے پکڑ لیا۔ میں چاہتا تھا کہ عمرہ بجا لاؤں

تو اب آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟" اس پر اسے حضورؐ نے بشارت دی اور حکم دیا کہ عمرہ بجالاؤ۔ جب ثمامہؓ مکہ کے قریب پہنچے تو کسی نے کہا تو صابی یعنی اپنے دین سے برگشتہ ہوگیا ہے اور دوسرے دین میں داخل ہوگیا ہے کفار مسلمانوں کو "صابی" کہا کرتے تھے۔ ان کا مقصود و مطلب یہ ہوتا تھا کہ دین حق سے نکل کر دین باطل کو اختیار کرلیا ہے۔ اس پر ثمامہؓ نے کہا خدا کی قسم میں صابی نہیں ہوا ہوں لیکن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر اسلام لے آیا ہوں۔ پھر کہا "خدا کی قسم تم ثمامہؓ سے گندم کا ایک دانہ نہ پاؤگے جب تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں گے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے اور بخاری نے اختصار کرکے بیان کیا ہے۔

## غزوۂ ذی قرد

اسی سال غزوۂ ذی قرد (بفتح قاف و راء و دال) واقع ہوا۔ ذی قرد ایک چشمہ کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے ایک برید (ایک پیمائش ہے) کے فاصلہ پر ہے۔ جیسا کہ اثنائے قصہ میں معلوم ہوگا۔ اس کو غزوۂ غابہ بھی کہتے ہیں یہ بھی ایک موضع کا نام ہے۔ غابہ دراصل ایک جنگل ہے۔ اس غزوہ کا وقوع حدیبیہ سے پہلے ہے۔ اس پر اہل سیر کا اتفاق ہے۔ اور بخاری نے کہا ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے ہے۔ مسلم نے بھی اس کی مانند کہا ہے۔ اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ غزوۂ ذی قرد کے بارے میں تاریخ میں جو کچھ صحیح میں مروی ہے وہ بہ نسبت اہل سیر کے زیادہ صحیح ہے۔ (واللہ اعلم)

اس غزوہ کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیس۲۰ بغچے تھے یعنی ایسے دودھ والے اونٹ جو بچہ جننے کے قریب تھے۔ وہ غابہ میں چرتے تھے۔ اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بھی وہاں رہتے تھے۔ اتفاق سے ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ چند روز کے لئے وہاں سے چلے آئیں اس کے لئے انہوں نے حضورؐ سے اجازت چاہی باوجود اس کے کہ حضورؐ نے اجازت نہ دی تھی انہوں نے منت سماجت میں اصرار و مبالغہ کیا۔ تاآنکہ حضورؐ اجازت دیدیں۔ حضورؐ نے فرمایا میں غطفان سے مطمئن نہیں ہوں مبادا کہ وہ تم پر حملہ آور ہوں۔ اور اجازت دیدی مزید فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا غطفان تم پر حملہ آور ہیں اور انہوں نے تمہارے بیٹے کو شہید کردیا ہے۔" حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنے حال پر تعجب ہوا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ایسا فرما رہے ہیں۔ اور میں اصرار کرتا رہا بالآخر وہی ہوا جو حضورؐ نے فرمایا تھا۔ یہ واقعہ عجیب ہے کہ حضرت ابوذرؓ سے ایسا واقعہ ہوا باوجودیکہ وہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی طلب کے ہمیشہ خواستگار رہے ہیں اور ان سے اس معاملہ میں جس میں حضورؐ توقف فرما رہے تھے اصرار و مبالغ

کی جرأت سرزد ہوئی۔ تقدیر الٰہی یہی تھی۔

القصہ عتبہ بن حصین فزاری چالیس کافروں کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ اونٹوں کو لوٹ کرلے گیا اور ان کے دونوں چرواہوں کو شہید کرکے حضرت ابوذرؓ کے بیٹے کو بھی شہید کردیا۔ اتفاقاً سلمہؓ بن الاکوع اور حضورؐ کے غلام رباحؓ سحری کے وقت اس طرف گئے ہوئے تھے۔ سلمہؓ نے رباحؓ سے کہا تم جاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دیدو اور میں ان کے تعاقب میں جاتا ہوں جب حضورؐ کو اس کی اطلاع ملی تو ندا فرمائی یَاخَیْلَ اللّٰہِ اِرْکَبِیْ اے خدا کے لشکریو سوار ہوجاؤ۔ یہ کلمہ اعلان کا پہلا جزو ہے۔ اس کے بعد حضورؐ پانچسو صحابہ کے ساتھ ایک روایت میں ہے سات سو صحابہ کے ساتھ سوار ہوئے اور مدینہ طیبہ میں حضرت ابنؓ ام کلثوم کو خلیفہ مقرر فرمایا اور حضرت مقدادؓ کے نیزے پر علم لہرایا۔ اور فرمایا آگے بڑھو تمہارے ساتھی بھی تم سے مل جائینگے مطلب یہ کہ لشکری بھی تمہارے پیچھے آرہے ہیں۔ حضرت سلمہؓ بن الاکوع تو پہلے ہی ان کے تعاقب میں جاچکے تھے یہ سلمہؓ بڑے بہادر اور شجاع شخص تھے جنگوں میں پیدل رہ کر سواروں پر حملے کرتے تھے۔ اور سواروں کو نیچے گرالیا کرتے تھے۔ اور تیر اندازی میں تو یگانۂ روزگار تھے۔ اور درخت کے نیچے (بیعت رضوان) انہوں نے تین مرتبہ بیعت کی۔ ابتداء میں، درمیان میں اور آخر موت میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رباحؓ کو حضورؐ کی خدمت میں اطلاع دینے کے لئے بھیجنے کے بعد میں ایک ٹیلہ پر کھڑا ہوا اور تین مرتبہ باآواز بلند کہا "وَاصَباحَاہُ" یہ کلمہ غارتگری کی خبر دینے کے لئے ہے۔ اس کے بعد میں کفار کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ شمشیر وکمان میرے پاس تھی۔ تیروں کو ان کی جانب پھینکتا اور ہر تیر سے کوئی نہ کوئی زخمی گرتا رہا۔ اس جنگل میں درخت بہت تھے جب کوئی سوار مجھ پر تیر چلاتا تو میں کسی درخت کی اوٹ میں ہوجاتا اور تیر کے زخم سے محفوظ رہتا۔ اور کبھی کسی اونچی چوٹی پر چلا جاتا اور وہاں سے ان پر پتھر برساتا۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے تنگ آگئے اور مجھ سے اپنی جان بچانے کے لئے حضورؐ کے اونٹوں کو چھوڑ کر میرے آگے سے بھاگ گئے۔ پھر میں اونٹوں کو مدینہ طیبہ کی جانب ہنکا کر دوبارہ ان کافروں کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ اور میں نے تیروں کے زخموں سے سب کو عاجز و سراسیمہ کردیا۔ چنانچہ وہ اپنے نیزوں اور کپڑوں کو پھینکنے لگے تاکہ میں ان کے جمع کرنے میں مشغول ہوجاؤں اور جنگ سے ہاتھ کھینچ لوں۔ جو بھی ان میں سے پھینکتا میں ایک پتھر اس کے اوپر رکھ کر ان کے تعاقب میں بڑھتا رہتا۔ یہاں تک کہ تیس نیزے اور تیس چادریں اس طرح ان سے لیتا رہا۔ جب دوپہر کا وقت ہوگیا تو فزارہ کے کفار کی ایک جماعت اپنی قوم کی مدد کو پہنچ گئی اور ان سب نے

میری طرف رخ کرلیا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ سوار جن کو مقدمہ پر متعین فرمایا تھا درختوں کے درمیان سے نمودار ہو گئے سب سے آگے اخرم اسدی (تھا) جو بہت بہادر جوانمرد اور حضورؐ کے سعادتمندوں میں سے تھے اور ان کے پیچھے حضرت ابو قتادہؓ جن کو " فارس رسول اللہ" بھی کہتے ہیں یہ اسی قصہ کے آخر میں آئے گا کہ حضورؐ نے فرمایا وَخَيْرُ فُرْسَانِنَا الْيَوْمَ اَبُوْقَتَادَةَ (گھوڑ سواروں میں آج سب سے بہتر ابو قتادہ ہیں) وَخَيْرُ رِجَالِنَا سَلَمَةُ (اور پیدلوں میں سب سے بہتر سلمہ ہیں) ان کے پیچھے حضرت مقدادؓ بن اسود کندی تھے۔ اس کے بعد جب مشرکوں کی نظر مسلمانوں پر پڑی تو بھاگنے کا رخ اختیار کیا اخرمؓ ان کے پیچھے روانہ ہوئے، میں نے پہاڑ سے اتر کر ان کے گھوڑے کی لگام پکڑلی اور کہا صبر کرو کہ حضورؐ کے باقی صحابہ بھی پہنچ جائیں اخرمؓ نے کہا اے سلمہؓ! اگر تم خدا اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہو اور یقین رکھتے ہو کہ جنت و دوزخ حق ہے تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ ہو اس پر میں نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی اور اخرمؓ نے خود کو عبد الرحمٰن پسر عتبہ بن حصین کے قریب پہنچایا اور اس پر نیزے کا وار کیا لیکن کارگر نہ پڑا۔ اس کے بعد عبد الرحمٰن نے نیزہ اخرم پر مارا اور ان کو شہید کر دیا۔ اور ان کے گھوڑے پر وہ سوار ہو گیا۔ پھر حضرت ابو قتادہؓ، عبد الرحمٰن کے قریب پہنچے اور اسی نیزے سے جس سے حضرت اخرمؓ کو شہید کیا تھا اس پر ضرب لگائی اور یہی ایک ضرب کارگر ثابت ہوئی اور انہوں نے اسے دوزخ پہنچا دیا وہ اس کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اور کَمَا تَدِيْنُ تُدَانُ (جیسا کرو گے ویسا بدلہ پاؤ گے) کا قضیہ درست ہوا۔ سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ جب عبد الرحمٰن مارا گیا تو ہم کفار کے تعاقب میں روانہ ہوئے وہ سب اس گھاٹی میں داخل ہوئے جہاں پانی کا چشمہ تھا جس کو ذی قرد کہتے ہیں، اور یہ غزوہ اسی کی طرف منسوب ہے۔ کفار نے چاہا کہ اس چشمہ سے پانی پئیں چونکہ ہم ان کے قریب پہنچ گئے تھے اس لئے وہ خوف سے پانی نہ پی سکے۔ اور وہ کنارہ سے ہی تیزی کے ساتھ بھاگنے اور راہ فرار اختیار کرنے لگے۔ میں نے تنہا اس پوری جماعت کا غروب آفتاب تک تعاقب جاری رکھا اور میں ان کے دو گھوڑے لیکر واپس لوٹا۔

سبحان اللہ وماشاء اللہ حضرت سلمہؓ کی کیا مردانگی اور کیسی جوانمردی ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا ایمان و محبت ہے۔ یہ شجاعت نہ اونٹوں کی وجہ سے اور نہ ان کے گم ہونے کی بنا پر ہے۔ بلکہ تمام مال و متاع کی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک میں کیا قدر و قیمت ہے کہ اس کی خاطر لشکر کشی فرمائیں اور خود بنفس نفیس تشریف لے جائیں۔ مقصود تو دفع فساد، دین اسلام

کی شوکت کا اظہار اور کفار کو نگونسار کرنا ہے۔

القصہ، حضرت سلمہ فرماتے ہیں کہ جب میں لوٹ کر ذی قرد میں آیا تو میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم لشکر کے ساتھ اس جگہ قیام پذیر ہیں اور حضرت بلالؓ اس اونٹ کو جو دشمنوں کے اونٹوں میں سے مسلمانوں کے مال غنیمت میں پہنچا ہے ذبح کر کے اس کا جگر اور اونٹ کا کوہان حضورؐ کے لئے بھون رہے ہیں۔ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! کفار کی قوم پیاسی، بیتاب اور سراسیمہ بھاگی جارہی ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے صحابہ میں سے سو آدمیوں کا انتخاب کر کے ان کا تعاقب کروں اور کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑوں۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تم ایسا کروگے میں نے عرض کیا قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو معزز و مکرم بنایا میں ایسا کروں گا۔ اس پر حضورؐ نے ایسا تبسم فرمایا کہ آپ کے دندانہائے مبارک کی تابانی نظر آنے لگی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا "اے اکوع کے بیٹے اِذَا مَلَکْتَ فَاسْجَحْ۔ جب تم قابو پالو تو رفق و نرمی برتو! مطلب یہ کہ شدت و سختی نہ برتو مقصود تو اعدائے دین کی ذلت و خواری ہے۔ بحمد اللہ وہ حاصل ہو گئی ہے اور فرمایا ان لوگوں کی غطفان میں مہمانی ہو رہی ہے۔ اس کے بعد ایک شخص غطفان سے آیا اور وہ خبر لایا کہ انہوں نے ایک اونٹ ذبح کر لیا تھا اور اس کی کھال اتار رہے تھے کہ ایک جانب سے گرد و غبار نمودار ہوئی انہوں نے تصور کیا کہ یہ گرد لشکر اسلام کی ہے۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس کے بعد مدینہ منورہ سے بنی عمرو اور بنی عوف کے لوگوں کی کمک آئی جن میں سوار و پیادہ سب تھے۔ مگر یہاں تو کام تمام ہو گیا تھا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے سواروں میں آج بہترین شخص ابو قتادہؓ ہیں اور پیادوں میں بہترین شخص سلمہؓ ہیں اور پیادہ اور سوار کا حصہ حضورؐ نے مجھے عطا فرمایا۔ اور مجھے اپنا ردیف بنایا یعنی اپنی سواری پر اپنے پس پشت مبارک بٹھایا۔ زہے قسمت و زہے نصیب، اس جگہ حضورؐ نے ایک دن ایک رات قیام فرمایا اس کے بعد مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ اس غزوہ کی مدت سفر پانچ راتیں تھیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اس سفر میں بھی نماز خوف گزاری وہ کہتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضورؐ گھوڑے سے زمین پر آرہے جس کی وجہ سے آپ کی پنڈلی یا ران زخمی ہو گئی۔ اور جب مدینہ پہنچے تو اس بناء پر نماز بیٹھ کر پڑھی۔ اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ امام کی متابعت کی خاطر نماز بیٹھ کر پڑھیں۔ لیکن بہت سے علماء کے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے۔ اس لئے کہ یہ پایۂ صحت کو پہنچا ہوا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت میں نماز بیٹھ کر پڑھی اور صحابہ نے کھڑے ہو کر اقتداء میں پڑھی

اور حضورؐ نے اسے برقرار رکھا۔

## سریہ عکاشہ بن محصن اسدی بر سر بنی اسد

اسی سال عکاشہ بن محصن اسدی کو چالیس مردوں کے ساتھ بنی اسد کی قوم کی جانب اس مقام کی طرف جس کو موضع عمر (بغین) کہتے ہیں بھیجا۔ جب یہ اس بستی کے نواح میں پہنچے اور وہاں کے لوگوں کو عکاشہ (بضم عین وکاف مخفف) کے آنے کی خبر پہنچی تو راہ فرار اختیار کر کے اپنے گھروں کو خالی چھوڑ گئے۔ جب ان کی بستی میں داخل ہوئے تو وہاں کسی کو نہ دیکھا۔ البتہ ان میں سے ایک شخص ہاتھ آیا اسے امان دے کر اسے اس جگہ کا "رہبر" بنایا جہاں ان کے مویشی اور جانور رکھے وہ وہاں لے گیا اور ان میں سے دو سو اونٹ ہاتھ لگے۔ وہ لیکر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

## سریہ زیدؓ بن حارثہ بر موضع جموم

اسی سال حضرت زیدؓ بن حارثہ کو جمعیت کے ساتھ بنی سلیم میں موضع جموم کی طرف جو بطن نخلہ کے قریب ہے بھیجا۔ وہاں پہنچکر ان کے مویشیوں پر قبضہ کیا اور کچھ لوگوں کو اسیر کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ روضۃ الاحباب میں اتنا ہی لکھا ہوا تھا۔ مواہب لدنیہ میں اس طرح ہے کہ زیدؓ بن حارثہ کے سریہ کو بنی سلیم کی طرف جو موضع جموم میں تھا اور اسے جموح بھی بولتے ہیں مدینہ طیبہ کے چار کوس کے فاصلہ پر بطن نخلہ کے گوشہ میں ہے چھٹے سال کے ماہ ربیع الاول میں بھیجا۔ انہوں نے وہاں مدینہ کی ایک عورت کو پایا جس کا نام حلیمہ تھا۔ اس عورت نے بنی سلیم کے محلوں میں سے ایک محلہ کی رہنمائی کی۔ وہاں انہوں نے اونٹوں، بکریوں اور قیدیوں کو پایا۔ ان قیدیوں میں اس عورت کا شوہر بھی تھا ان سب کو لیکر حضرت زیدؓ لوٹ پڑے اور حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچے۔ پھر حضورؐ نے اس عورت اور اس کے شوہر کی جاں بخشی فرمائی۔

## سریہ دیگر زیدؓ بن حارثہ بر موضع عیص

اسی سال دوسری مرتبہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو موضع عیص (بکسر عین وسکون یا) کی طرف جو مدینہ طیبہ سے چار میل کے فاصلہ پر ہے ماہ جمادی الاولیٰ میں ستر سواروں کے ساتھ قریش کے کاروان کی طلب میں جو شام سے آرہا تھا بھیجا۔ انہوں نے کاروان کو جا پکڑا اور جو کچھ ان کے پاس تھا لے لیا اور بہت سی چاندی جو صفوان بن امیہ کے پاس تھی قبضہ میں کرلی۔ اور ان سب کو قید کرلیا۔ ان اسیروں میں ابو العاص بن الربیع، شوہر سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔ اس کے بعد ان کی زوجہ سیدہ زینبؓ نے ان کو امان دے کر اپنی پناہ میں لے لیا۔ پھر حضورؐ نے ان کی

امان کو جائز رکھا۔ اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور ایمان لاکر مدینہ لوٹ آئے۔ حضرت ابوالعاص کا مکمل قصہ یہ ہے کہ پہلے وہ بدر کے قیدیوں میں سے تھے۔ مکہ والوں نے جب اپنے قیدیوں کے فدیئے بھیجے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ اس وقت انہیں کے پاس تھیں اور اس زمانہ میں مومنہ عورت کا نکاح مشرک کے ساتھ درست تھا انہوں نے ابوالعاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گلوئے مبارک میں بندھا تھا اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے جہیز میں دیا گیا تھا حضور نے جب اس ہار کو دیکھا تو سیدہ خدیجہ کی یاد آئی اور آپ پر رقت طاری ہو گئی۔ صحابہ سے فرمایا اگر تم ابوالعاص سے فدیہ نہ لو اور ان پر احسان کرو اور چھوڑ دو تو بہتر ہوگا۔ صحابہ نے قبول کر لیا۔ حضور نے ان کو آزاد کرتے وقت ان سے عہد لیا کہ سیدہ زینب کو مدینہ طیبہ بھیجدیں۔ پھر سیدہ زینب کو لانے کے لئے لوگوں کو بھیجا۔ اور سیدہ زینب رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ آگئیں۔ ہنوز ابوالعاص مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے سال بغرض تجارت شام گئے اور قریش کے کاروان کے ساتھ واپس آرہے تھے کہ مسلمانوں نے کاروان کو جا پکڑا اور تمام قافلہ والوں کو قید کر لیا۔ ان میں ابوالعاص بھی قید ہو گئے۔ انہوں نے کسی کو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا کہ وہ اپنی امان اور پناہ میں لیلیں۔ پھر سیدہ زینب نے حضور سے عرض کیا اور حضور نے سیدہ زینب کی عرض کو قبول فرمالیا۔ اور انہیں رہائی مل گئی۔ اس پر لوگوں نے ابوالعاص سے کہا مسلمان ہو جاؤ تاکہ جو تمہارے ہمراہ مال ہے وہ تمہارا ہو جائے انہوں نے کہا حاشا پناہ بخدا میں اپنے اسلام کو اس مال سے آلودہ کروں۔ اس کے بعد ابوالعاص مکہ چلے گئے۔ اور لوگوں کو مال سپرد کر کے کہا اے مکہ والو اپنا پورا مال سنبھال لو۔ اور کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اسد الغابہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ان کو گھیرنا اور سیدہ زینب کی امان میں آنا۔ شام کے سفر میں جاتے وقت کا ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ شام کی تجارت سے واپسی کے وقت یہ واقعہ ہوا۔ جیسا کہ اہل سیر نے بیان کیا ہے اور شیخ نے بھی اصابہ میں یہی تحقیق کی ہے۔

## سریہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بوادی القریٰ

اسی سال زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کو رمضان مبارک میں "وادی القریٰ" کی طرف روانہ فرمایا۔ اس واقعہ کا سبب یہ تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ بغرض تجارت شام کی جانب جا رہے تھے ان کے ساتھیوں نے بہت سا مال انہیں سپرد کر رکھا تھا جب وہ وادی القریٰ کے قریب پہنچے تو قبیلہ فرازہ کی شاخ بنی بدر نے ان کی راہ روکی۔ اور ایک دوسرے کے درمیان خوب جنگ و قتال ہوا۔ وہ

لوگ بہت تھے اور مسلمان کم۔ کفار غالب آئے مسلمانوں کو بہت زدو کوب کیا اور ان کا مال لوٹ لیا۔ مسلمان بالآخر شکست کھاکر مدینہ طیبہ لوٹ آئے اور اس واقعہ کی ساری کیفیت بارگاہ رسالت میں پیش کی۔ سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک اور جمعیت ان کے ہمراہ بھیجی۔ یہ دن میں چھپے رہتے اور رات کو سفر طے کرتے۔ اس کے بعد زیدؓ اور ان کے ساتھیوں نے وہاں صبح کے وقت پہنچکر ان سے بدلہ لے لیا بعض لوگوں کو قتل کیا اور بہت سی عورتوں کو اسیر کیا اور باقی لوگ بھاگ گئے۔ یہ چند سریئے حضرت زیدؓ بن حارثہ کے روضۃ الاحباب میں بیان کئے گئے ہیں۔ مواہب لدنیہ نے کچھ اور بھی بیان کئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

## سریہ زیدؓ بن حارثہ بسوئے ام قرفہ

حضرت زیدؓ بن حارثہ کو رمضان مبارک میں ام قرفہ فاطمہ بنت ربیعہ بن زید فراریہ کے لئے روانہ کیا یہ ام القریٰ کے نواح میں تھی یہ مدینہ سے سات رات کی مسافت پر ہے یہ وہاں کی ملکہ اور سردار تھی اس جگہ بھی سریہ وادی القریٰ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ میں نے ام قرفہ کو گرفتار کیا جو بہت بوڑھی تھی۔ اسے بہت سخت مار لگائی اور اس کے دونوں پاؤں کو رسّی سے باندھ کر ۲ دو اونٹوں کے پاؤں سے باندھ دیا اور پھر دونوں اونٹوں کو بھگایا جس سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ جب زیدؓ بن حارثہ مدینہ طیبہ آئے اور حضورؐ کے دروازہ مبارک پر دستک دی تو حضورؐ کا شانۂ اقدس سے بغیر قمیص مبارک پہنے اسی حال میں باہر تشریف لائے آپ کا لباس مبارک آپ کے بغل میں تھا۔ پھر حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے زیدؓ کو آغوش میں لے کر ان کا بوسہ لیا اور اس عورت کا حال پوچھا انہوں نے اپنی ظفرمندی کی داستان سنائی۔

## سریہ زیدؓ بن حارثہ بسوئے طرف

ایک اور سریہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کا بسوئے طرف واقع ہوا ہے۔ یہ ایک چشمہ ہے جو مدینہ سے چھتیس ۳۶ میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہ پندرہ مردوں کے ساتھ بنی ثعلبہ میں پہنچے وہاں انہوں نے اونٹوں اور بکریوں کو پایا تمام بدوی بھاگ گئے تھے۔ زیدؓ بن حارثہ نے بیس ۲۰ اونٹوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں صبح کی۔ کسی جنگی آدمی سے ملاقات نہ کی۔ وہ چار راتیں سفر میں رہے۔

## سریہ زید بن حارثہ بسوئے بخشی

حضرت زیدؓ کا ایک اور سریہ بخشی کی جانب ہے جو وادی القریٰ کے پیچھے ہے۔ یہ جمادی الآخریٰ میں ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت دحیہؓ بن خلیفہ کلبی قیصر کے پاس گئے تھے کیوں کہ حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم

نے ان کو اس کی جانب روانہ کیا تھا۔ قیصر نے ان کو تحائف اور خلعت دی تھی۔ راہ میں ہنید بخشی کے غلاموں کے ساتھ مل گیا اور اس نے ان پر راہزنی کی۔ پھر جب بنی الطیب کے لوگوں نے سنا تو وہ دوڑ کر ان پر حملہ آور ہو گئے اور سامان لوٹ کر لے گئے۔ اور حضرت وحیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوئے اور ساری حقیقت بیان کی۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضؓ بن حارثہ کو پانچ سو آدمیوں کے ساتھ اور وحیہ رضؓ کو دوبارہ ان کے ہمراہ بھیجا۔ یہ دن کو پوشیدہ رہتے اور رات کو قطع سفر کرتے اسی طرح صبح کے وقت اس قوم پر تاخت کی۔ ان کو قتل کیا اور سختیاں کیں اور ہنید اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے ایک ہزار بکریوں اور ایک سو عورتوں بچوں کو قابو میں کر لیا۔ ادھر زید بن رفاعہ حذامی اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں آیا اور اپنا ایک خط پیش کیا جس میں اس نے اپنے اور اپنی قوم کے لئے لکھا کہ چند رات پہلے اسلام لے آئے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو حضرت زید رضؓ بن حارثہ کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ ان سب کو ان کے اموال کے ساتھ چھوڑ دو۔ انہوں نے انہیں ان کے مال واپس کر دیئے۔

## سریہ زید رضؓ بن حارثہ لسوئے وادی القریٰ

ایک اور سریہ زید رضؓ بن حارثہ کا وادی القریٰ کی جانب ماہِ رجب میں بھیجا گیا۔ اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے اور حضرت زید رضؓ کو معرکہ کارزار سے زخمی اٹھا کر لایا گیا۔ کیوں کہ ان میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید رضؓ کی لشکر کشیاں بہت ہیں۔ بعض میں وہ غالب رہے اور بعض میں مغلوب۔ روضۃ الاحباب میں ان سرایا کے ذکر نہ ہونے کی وجہ معلوم نہیں۔ اور مدارج النبوۃ میں بھی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

## سریہ عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف لسوئے بنی کعب

اسی سال حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کو قبیلہ بنی کعب کی جانب اس مقام میں جسے دومتہ الجندل کہتے ہیں بھیجا گیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنے سامنے بٹھایا اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا۔ ایک اور روایت میں غزدہ کا ذکر بھی آیا ہے اور فرمایا اُغْزُ بِسْمِ اللّٰہِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خدا کے نام سے راہ خدا میں جہاد کرو؛ اور جنگ کرو ہر اس سے جو کافر ہو

نام خدا کے ساتھ اور غنیمت میں خیانت نہ کرنا اور فریب نہ کرنا اور بچوں کو قتل نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ عورتوں کو قتل نہ کرنا۔ اور فرمایا اگر وہ دعوت اسلام قبول کرلیں تو ان کے سردار کی لڑکی کو طلب کرنا۔ اس کے بعد وہ روانہ ہوئے اور دومتہ الجندل پہنچے وہاں تین روز توقف کیا اور ان کو دعوتِ اسلام دیتے رہے۔ پھر اصبغ بن عمرو کلبی جو ان کا سردار تھا اسلام لے آیا اور بہت سے لوگ اس کے ساتھ اسلام لائے۔ اور جن کو اسلام کی توفیق نہ ہوئی انہوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔

ظاہر ہے کہ تمام غزوات اور لشکر کشیوں میں یہی طریقہ رہا ہوگا۔ اگرچہ سب جگہ اس کی تصریح مذکور نہیں ہے اس لئے کہ حکم شریعت یہی ہے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن نے اصبغ کی لڑکی سے جس کا نام تماضر تھا نکاح کیا۔ اور مدینہ منورہ واپس آگئے۔ ان سے ابوسلمہؓ بن عبدالرحمٰن پیدا ہوئے جو امام دین، اکابر تابعین اور مدینہ کے فقہائے سبعہ میں سے تھے۔

## سریہ علیؓ مرتضیٰ بسوئے فدک

اسی سال حضرت علیؓ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو سو افراد کے ساتھ قبیلہ بنی سعد بن بکر کی جانب موضع فدک بھیجا گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ بنی سعد بن بکر کے لوگ ایک لشکر جمع کر رہے ہیں تاکہ خیبر کے یہودیوں کو کمک پہنچائیں۔ اور وہ سب مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کریں۔ اس بنا پر ان کو بھیجا گیا۔ رات قطع مسافت کرتے اور دن کو پوشیدہ رہتے۔ یہاں تک کہ فدک اور خیبر کے درمیان ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ بنو سعد نے شکست کھائی۔ پانچ سو اونٹ اور ایک ہزار بکریاں قبضہ میں آئیں۔ اس کے بعد علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بغیر اس کے کہ کوئی نقصان ہو مدینہ طیبہ واپس آگئے۔

## قضیہ عکل

اسی سال عکل (بضم عین) اور عرینہ (بضم عین) کا قضیہ واقع ہوا۔ اس کو سریہ کرز (بضم کاف) بن جابر فہری بھی کہتے ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا کہ یہ بعد غزوۂ ذی قرد ماہ جمادی الاخریٰ میں واقع ہوا تھا۔ اور بخاری نے اس کا ذکر حدیبیہ کے ماہ ذیقعدہ میں کیا ہے اور واقدی نے ماہِ شوال میں ذکر کیا ہے۔ ابن سعد و ابن حبان نے انہیں کا اتباع کیا ہے۔

صحیح بخاری میں کتاب المغازی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عکل اور عرینہ کے لوگ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور زبان سے اسلام کا اظہار و اقرار کیا۔ پھر وہ کہنے لگے "یا نبی اللہ ہم اونٹ اور بکریوں والے ہیں اور ہم اہلِ زراعت نہیں

ہیں۔ ہماری زمینیں چارہ اور کھجوریں نہیں اگاتی ہیں۔ ہم شہری زندگی کے بھی عادی نہیں ہیں۔ انہوں نے مدینہ کی آب و ہوا کو ناگوار اور گراں جانا یہ ان کے مزاج کے موافق نہ آئی۔ اور وہ بیمار ہو گئے ان کے پیٹوں پر ورم آگیا اور ان کا رنگ و روپ پیلا پڑ گیا۔ اس پر حضورؐ نے حکم فرمایا کہ ان کو اونٹ دیدو، دو یا تین یا دس تک حکم فرمایا۔ اور فرمایا ان کا دودھ اور ان کا پیشاب پیو۔ حضورؐ کے اونٹ مسجد قبا کے نواح میں جبل "عیر" کے قریب تھے۔ انہوں نے حضورؐ کے فرمان کے بموجب اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا۔ وہ سب صحت مند اور تندرست ہو گئے۔ اس مسئلہ میں علماء کے کئی قول ہیں ایک یہ کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کا پیشاب، پاک ہے اگر وہ پاک، نہ ہوتا تو حضورؐ پینے کا حکم نہ دیتے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ پینا علاج کی غرض سے تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ وہ نجس و حرام تو ہے لیکن حضورؐ کا فرمانا وحی کے ذریعہ اس قوم کے لئے مخصوص تھا۔ تو جس سے وہ تندرست ہو کر اپنے حال پر آگئے لیکن پھر وہ اظہار اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔ اور حضورؐ کے چرواہے کو شہید کر کے اونٹ لے گئے۔ جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو ان کے تعاقب و تلاش میں بھیجا اور حکم دیا ان کی آنکھوں میں سلاخ پھیر کے دھوپ میں ڈال دیں تاکہ مرجائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ مقطوع الاعضاء کو داغا نہ جائے۔ جیسا کہ عام عادت ہے دست بریدہ کو داغ دیتے ہیں تاکہ خون بند ہو جائے۔ اور ہلاکت کی طرف نہ لے جائے۔ بخلاف ان لوگوں کے کہ انہیں داغ نہ دیں تاکہ خون جاری رہے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک کو دیکھا ہے جو دانتوں سے زمین کو کاٹتا تھا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ مروی ہے کہ وہ پانی مانگتے تھے مگر حضورؐ فرماتے تمہارے لئے جہنم کی آگ ہے۔ آنکھوں میں سلاخ پھیرنا اور ہاتھ کاٹنا اور دھوپ میں ڈالنا اور داغ نہ دینا بطریق قصاص تھا چونکہ انہوں نے حضورؐ کے چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ لوگ اونٹ لے جانے سے پہلے اصحاب صفہ کی جانب آ کے بیٹھے تھے۔ اس مقام میں ممکن ہے کہ بعض نادان اور کم فہم لوگ یہ خیال کریں کہ حضورؐ پر ان کی حرکتیں اور ان کا کفر پہلے ہی کیوں نہ منکشف ہوا؟ اور ان کو کیوں مسلمانوں کے درمیان چھوڑ دیا اور کیوں نہ انہیں ان کے پاس سے نکال دیا یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں اس لئے کہ حضورؐ کا احوال سے باخبر ہونا اور ان کے انجام سے مطلع ہونا وحی اور اعلام الٰہی سے ہوتا ہے اور اس وقت ایسا نہ ہوا تھا اس میں ایسی حکمتیں ہوں گی جسے بجز علام الغیوب کے کوئی نہیں جانتا یہی حکم تمام اہل کشف اور ارباب خبر اولیاء کا ہے۔ ان ناپاکوں کی تعداد آٹھ تھی اور اونٹوں کی تعداد پندرہ تھی۔ اور لشکر بیس سواروں کا تھا۔

ابن مردویہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام تھا جس کا نام یسارؓ تھا۔ ایک دن حضورؐ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ خوب اچھی طرح نماز ادا کر رہا ہے آپ نے اس کو آزاد کر کے ان اونٹوں کی حفاظت اور اس کی خدمت کے لئے بھیجدیا۔ یہ وہیں رہتے تھے۔ پھر عرنیہ کی ایک قوم آئی اور انہوں نے اظہار اسلام کیا۔ اسی دوران انہیں بیماری تپ ولرزہ لاحق ہو گیا اور ان کے پیٹ ۔۔ گئے۔ تب انہوں نے یسارؓ پر تعدیاں کیں اور ذبح کر کے ان کی آنکھوں میں کانٹے چبھوئے اور اونٹوں کو چرا کر ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ان کے تعاقب میں مسلمانوں کی ایک جماعت بھیجی اور کرزؓ بن جابر فہری کو ان پر امیر مقرر فرمایا وہ ان کو پکڑ کر لے آئے۔ ان کے ہاتھ کاٹے گئے اور آنکھوں میں سلائیں بھری گئیں یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گئے۔ لعنۃ اللہ علیہم۔ "حق تعالیٰ نے آنکھوں میں سلائیں پھیرنے کو مکروہ جانا" اور یہ آیت نازل فرمائی إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ مردویہ یہ بھی۔ حق تعالیٰ نے آنکھوں میں سلائیں پھیرنے کو مکروہ جانا" مسلم کی روایت کے مخالف ہے کیوں کہ آنکھوں میں سلائیں پھیرنا یا اس قسم کی اور باتیں قصاص کے طریقہ پر تھیں۔ تو حق تعالیٰ کے نزدیک یہ کیسے مکروہ ہوں گی۔ اور فتح الباری میں ہے کہ ابن التین نے گمان کیا ہے کہ عرنیہ اور عکل ایک ہی قبیلہ کے نام ہیں حالاں کہ ان کا یہ گمان غلط ہے بلکہ یہ دو جداگانہ قبیلے ہیں۔ عکل، عدنان سے ہیں اور عرنیہ قحطان سے۔

## سریہ عبداللہؓ بن رواحہ

اس سال کے واقعات میں سے سریہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بسوئے اسیر بن رزام یہودی خیبر کی جانب ہے اس کا سبب یہ تھا کہ جب ابو رافع بن ابی الحقیق مارا گیا تو یہود نے اسیر کو امیر بنا لیا۔ اس نے غطفان وغیرہ قبائل میں گشت کی تاکہ ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کے لئے جمع کرے۔ جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو تین شخصوں کے ساتھ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ وہ خبر لائے پھر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ کو انہی حضرات کے ساتھ بھیجا۔ یہ اسیر کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تیری طرف بھیجا ہے تاکہ تو بارگاہ رسالت میں پہنچے اور تجھے خیبر پر عامل بنائیں اور تجھ پر احسان فرمائیں۔ وہ ان کی اس طمع میں آگیا اور اپنے ساتھ تین یہودیوں کو لیا تاکہ ایک مسلمان کے ساتھ ایک یہودی ہو اور چلدیا۔ جب موضع قرقرہ میں پہنچے تو لشکر اسلام میں سے عبداللہؓ بن انیس نے تلوار سے اسے قتل کر دیا اور اپنے اونٹ سے کود پڑے۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے اس کے ساتھیوں

کو مار ڈالا بجز ایک شخص کے مسلمانوں میں سے کوئی بھی شہید نہ ہوا۔ پھر یہ لوگ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو ظالم قوم سے نجات دی۔

**عمروؓ بن امیہ کا مکہ بھیجنا** اسی سال کے واقعات میں سے عمروؓ بن امیہ ضمیری کا ابوسفیان بن حرب کی طرف مکہ بھیجنا ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ابوسفیان نے ایک شخص کو حضورؐ پر دست درازی کے لئے مدینہ بھیجا تاکہ دھوکہ سے اپنے خنجر کے ساتھ دست درازی کرے۔ پھر وہ مدینہ آیا اور حضورؐ کو دیکھتے ہی مسلمان ہو گیا جس کا ذکر آخرِ غزوۂ خندق میں گزر چکا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمروؓ بن امیہ ضمیری کو بھیجا اور سلمہ بن اسلم کو ان کے ہمراہ کیا۔ ایک روایت میں ہے جبارؓ بن صخر کو ابوسفیان کی طرف بھیجا کہ اگر ہاتھ لگے تو اس کو قتل کر دیں۔ چنانچہ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ وہ ایک رات سواف کر رہے تھے کہ اچانک معاویہ بن ابوسفیان بن حرب کی نظران پر پڑگئی۔ معاویہ نے قریش کو ان کے وجودِ گرامی کی خبر کر دی۔ قریش نے ان کے بارے میں پوچھ گچھ کی اور تلاش کیا اور کہنے لگے مکہ والو عمروؓ بن امیہ آگیا ہے اس سے غافل نہ رہنا چونکہ زمانۂ جاہلیت میں عمرو بن امیہ اچانک قتل کر دینے میں مشہور تھے۔ مکہ والوں نے ان کی جستجو اور قتل کرنے میں اجتماع کیا جب مکہ والے عمروؓ اور سلمہؓ کے حال سے باخبر ہو گئے تو یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ اور سلمہ بن اسلم مدینہ لوٹ گئے اور عمروؓ بن امیہ پہاڑوں اور مکہ کی گھاٹیوں میں چھپ گئے۔ عمرو بن امیہ بیانؓ کرتے ہیں کہ اس دوران مجھے عثمان بن مالک ملا میں نے خنجر اس کے سینہ میں گھونپ دیا۔ وہ اتنی زور سے چیخا کہ بہت سے لوگوں نے اس کی آواز سنی اور اس طرف متوجہ ہو گئے۔ اور میرے پکڑنے کے درپے ہو گئے۔ میں ایک غار میں گھس گیا اور پھر اس غار سے دوسرے غار میں چلا گیا۔ اس غار میں میں نے ایک کانے شخص کو دیکھا جو اپنی بکریوں کو دھوپ سے سایہ میں لے آیا تھا۔ اس نے ٹیک لگاتے ہوئے یہ شعر پڑھا۔

فلست بمسلم مادمت حیا  ولست ادین دین المسلمین

میں جب تک زندہ ہوں مسلمان نہ ہوں گا اور میں مسلمانوں کے دین کو اختیار نہ کروں گا۔" پھر وہ شانِ رسالت میں بکواس کرنے لگا۔ میں نے اتنی دیر صبر کیا کہ وہ ملعون سو جائے۔ پھر میں نے کمان کی نوک کو اس کی صحیح آنکھ پہ رکھ کر اتنی زور سے دبایا کہ اس کے دماغ تک گھس گئی۔ اور

اپنی جان داروغہ دوزخ کو دیدی (لعنۃ اللہ علیہ)۔ پھر جب میں غار سے باہر نکلا تو قریش کے دو جاسوس میرے پاس آگئے۔ ایک کو تو میں نے تیر مارا اور دوسرا بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد میں صحیح و سلامت حضورؐ کی قدمبوسی سے مشرف ہو گیا۔ میرا وہ ساتھی بھی عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گیا تھا۔ جب ابوسفیان نے حقیقت حال سے باخبری پائی تو اپنی حفاظت میں کوشش کرنے لگا اور اس میں مبالغہ سے کام لینے لگا۔ حضرت عمروؓ بن امیہ ضمیری فرماتے تھے افسوس کہ ابوسفیان کی موت نہ آئی تھی اور وہ میرے ہاتھ سے بچ گیا۔

**دعائے استسقاء**

اسی سال حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعائے طلب باراں فرمائی ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے چھٹے سال رمضان مبارک میں مدینہ منورہ میں قحط پڑا۔ لوگوں نے بارگاہِ رسالت میں استسقاء اور استغاثہ کے لئے عرض کیا۔ پھر حضورؐ نے دعا فرمائی اور حق تعالیٰ نے بارش فرمائی۔

صاحب سفر السعادت فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے دعائے استسقاء چھ صورتوں میں واقع ہوئی ہے اول وجہ یہ کہ جمعہ کے دن خطبہ کے دوران بارش کی دعا مانگی اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا، اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا، اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا، اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا - جیسا کہ بخاری و مسلم، موطا و ابوداؤد اور نسائی میں بروایاتِ متنوعہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قحط پڑا تو حضورؐ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ لَنَا۔ مال ہلاک ہوگئے بچے بھوکے مر گئے ہمارے لئے دعا فرمائیے، ایک روایت میں ہے قَحَطَ الْمَطَرُ وَاحْمَرَّتِ الشَّجَرُ وَهَلَكَتِ الْبَهَائِمُ - بارش نے خشکی ڈالی، درخت سوکھ گئے اور جانور تباہ ہوگئے ایک روایت میں ہے هَلَكَتِ الْمَوَاشِي وَهَلَكَتِ الْعِيَالُ هَلَكَتِ النَّاسُ - مویشی تباہ ہوگئے گھر والے ہلاک ہوگئے اور لوگ ہلاک ہوگئے۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے اور فرمایا اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا - اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا چار مرتبہ کہا۔ ایک روایت میں ہے تین مرتبہ کہا اور ایک روایت میں ہے کہ اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا دو مرتبہ یا تین مرتبہ کہا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اس وقت آسمان میں ہم بادل کا ٹکڑا تک نہ دیکھ رہے تھے لیکن ابھی حضورؐ اپنے دست مبارک نیچے بھی نہ لائے تھے کہ بادل پہاڑوں کی مانند امنڈ کر آگئے اور برسنے لگے۔ اس دن بھی دوسرے دن بھی اور تیسرے دن بھی حتیٰ کہ دوسرا جمعہ آگیا اور بارش برابر

ہوتی رہی۔ دوسرے جمعہ پھر وہی اعرابی آیا اور اس نے کہا "یارسول اللہ ھَدَمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ مکانات گر گئے اور مال غرق ہو گئے" ایک روایت میں ہے ھَلَکَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السَّبِیْلُ مال تباہ ہو گئے راستے بند ہو گئے، دعا فرمائیے تاکہ اللہ تعالیٰ بادل کھول دے۔ اس پر حضورؐ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے ایک روایت میں ہے حضورؐ نے بنی آدم کی زود رنجی پر تبسم فرمایا اور دعا کی اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا اے خدا ہمارے گرداگرد بارش فرما ہم پر نہیں" ایک روایت میں اتنا زیادہ ہے اَللّٰھُمَّ عَلَی الْاٰکَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِیَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ۔ اے خدا کھیتوں پر، باغوں پر، چشموں پر اور درختوں کی جڑوں پر بارش فرما، اور جس طرف حضورؐ انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے جاتے اس طرف سے بادل چھٹتا جاتا۔ یہاں تک کہ مدینہ کے اوپر سے بادل صاف ہو گیا۔ اور وادیاں جل تھل ہو گئیں۔ گرداگرد بارش ہوتی رہی۔ اور یہ سلسلہ ایک مہینہ تک جاری رہا جس نواح سے بھی کوئی آتا بارش کی خبر دیتا۔ ایک روایت میں ہے کہ مدینہ پر سے بادل چھٹ گیا۔ اور یہاں ایک قطرہ تک نہ برسا یہ واقعہ مسجد نبوی شریف میں جمعہ کے دن خطبہ کے دوران کا ہے۔

دوسری صورت وہ ہے جسے ابوداؤد و ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قحط اور خشک سالی کی شکایت کی اس پر حضورؐ نے حکم دیا کہ عیدگاہ کے میدان میں منبر رکھا جائے اور صحابہ کو ایک خاص دن معین کر کے بتایا کہ وہاں پہنچ جائیں۔ چنانچہ معینہ دن میں صحابہ وہاں پہنچ گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طلوع آفتاب کے بعد نہایت تواضع و خشوع اور انکساری کے ساتھ باہر تشریف لائے جب عیدگاہ پہنچے تو منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ اس خطبہ کا اتنا حصہ محفوظ ہے فرمایا:

| | |
|---|---|
| بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِیْدُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِیُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ اَنْزِلْ عَلَیْنَا الْغَیْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَّبَلَاغًا اِلٰی حِیْنٍ۔ | اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن و رحیم ہے۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو جہانوں کا رب ہے رحمت والا مہربان، مالک قیامت کے دن کا۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں۔ ہم پر بارش بھیج اور بنا ہمارے اس بارش کو قوت اور بلاغ اس پریشانی میں |

اس کے بعد حضورؐ نے اپنے دست مبارک کو اٹھایا اور تضرع و ابتہال شروع فرمایا۔ اور دستہائے مبارک کے اٹھانے میں خوب مبالغہ کیا حتیٰ کہ آپ کے دونوں بغل شریف کی سفیدی ظاہر ہوگئی پھر روبقبلہ ہو کر حاضرین کی طرف سے پشت کی اور چادر مبارک کو اس طرح پلٹا کہ داہنا کنارہ بائیں کو اور بایاں کنارہ داہنے کو اور اندر کا حصہ باہر کو اور باہر کا حصہ اندر کی طرف ہوگیا۔ آپ کی چادر شریف سیاہ رنگ کی تھی۔ اسی طرح قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ اس کے بعد منبر سے نزول فرمایا اور نماز شروع فرمائی اور بغیر اذان واقامت کے دو رکعتیں پڑھیں۔ اور قرات میں جہر فرمایا پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھی اور دوسری رکعت میں هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ تلاوت فرمائی۔ سورۂ قاف اور اقتربت الساعۃ بھی مروی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے آخر میں ہے کہ جب حضورؐ نماز سے فارغ ہوئے تو حق تعالیٰ نے بجلی اور کڑک کے ساتھ بادل بھیجے جو برسنے لگے یہاں تک کہ مسجد نبوی شریف میں پہنچنے تک سیل رواں ہوگیا جب لوگوں کی جلدی اور پریشانی مشاہدہ فرمائی تو تبسم فرمایا یہاں تک کہ آپ کے دندانہائے مبارک ظاہر ہوگئے اور فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی مسجد میں جمعہ کے علاوہ استسقاء فرمائی۔ جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بروایت یزید بن عبداللہ سلمی نقل کیا ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو قبیلہ بنی فرازہ کا وفد عورتوں اور بچوں کے ساتھ تباہ حال آیا۔ اور قحط کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا "یارسول اللہ! اپنے رب سے ہمارے لئے بارش کی دعا کیجئے اور اپنے رب سے ہماری شفاعت فرمائیے تاکہ آپ کی وجہ سے وہ شفاعت فرمائے۔ فرمایا سبحان اللہ! افسوس ہے تم پر! اسب شفاعت رب تعالیٰ سے کرو۔ ایسا کون ہے جس سے رب تعالیٰ شفاعت کرے آلا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ اور فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری آہ وزاری اور تمہاری فریاد واستغاثہ پر اپنی شان کے لائق تبسم فرماتا ہے۔ اعرابی درمیان میں کھڑا تھا اس نے کہا کیا رب العزت تبسم فرماتا ہے؟ حضورؐ نے فرمایا ہاں! تبسم فرماتا ہے اس پر اعرابی نے کہا پھر تو ہرگز رب تعالیٰ سے طلب خیر نہ کریں گے وہ تو تبسم فرماتا اور خوش ہوتا ہے۔ اعرابی کی اس بات سے حضورؐ کو ہنسی آگئی پھر منبر پر تشریف لائے اور دست مبارک دعا کے لئے دراز فرمائے اور بارش کے لئے دعا فرمائی یہاں تک کہ ایک ہفتہ تک بارش ہوتی رہی۔ الحدیث۔

اس تیسری صورت میں نماز استسقاء اور خطبہ محفوظ نہیں ہے۔ بلکہ محض دعا فرمانا ہے۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی شریف میں دعا فرمائی اور بیٹھ کر استسقاء کی منبر پر بھی نہ چڑھے۔ اس روز کی دعا میں سے صرف اتنا محفوظ ہے کہ فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مَّرِیْعًا۔ عَاجِلًا غَیْرَ رَائِثًا ایک روایت میں غَیْرَ اٰجِلٍ نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ۔

پانچویں صورت یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے ایک مکان میں دعا فرمائی۔ جو مسجد کے باہر" زوراء" کے قریب ہے جسے احجار الزیت بھی کہتے ہیں۔ اور وہ مسجد نبوی کے باب السلام کے قریب واقع ہے۔ اس جگہ ایک مرتبہ استسقاء فرمائی۔

چھٹی صورت غزوات میں واقع ہوئی ہے کہ بعض غزوات میں مشرکوں نے چشموں پر قبضہ کرلیا اور پانی کے کنارے پڑاؤ ڈالا اور مسلمان بے آب رہ گئے اور جب ان پر تشنگی غالب ہوئی تو بارگاہ رسالت میں عرض حال کیا۔ اور منافقوں اور مشرکوں نے کہا کہ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے (معاذاللہ) تو مسلمانوں کے لئے بارش کی دعا مانگتے جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے استسقاء کیا۔ ان کی مراد ظاہر ہے کہ پتھر پر عصا مار کر اس سے بارہ چشمے نکالنے سے رہی ہوگی یہ خبر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا وہ ایسا کہتے ہیں تو اے مسلمانو! تم ناامید نہ ہو ممکن ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں بھی پانی عطا فرمائے۔ اس وقت آپ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے اور دعا کی۔ اسی وقت بادل نمودار ہوا جس سے عالم تاریک ہوگیا اور بارش ہونے لگی، جس سے بڑی بڑی وادیاں لبریز ہوگئیں۔ یہ وہ چھ صورتیں ہیں جن کو سفر السعادت میں بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قریش پر قحط میں مبتلا ہونے کی دعا فرمانا ہے اس دعا میں فرمایا اَللّٰھُمَّ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ ایک روایت میں ہے سَبْعًا کَسَبْعِ یُوْسُفَ مطلب یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی مانند اتنے ہی سال یا سات سال تک ان پر مسلط رہا قحط، پھر ان کا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آکر گڑگڑانا اور آہ وزاری کرنا بھی مشہور ومعروف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جب بھی آپ بارش کی دعا کا آغاز فرماتے تو اپنے بدن اقدس کے کچھ حصے سے لباس کو اتار دیتے۔ تاکہ بارش کا پانی اس پر پڑے اور فرماتے اِنَّہٗ حَدِیْثُ عَھْدٍ بِرَبِّہٖ۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک استسقاء میں کوئی نماز مسنون نہیں ہے۔ وہ یہی

دعا و استغفار ہے بموجب فرمان باری تعالیٰ عز اسمہٗ کے۔

اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۔ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۔ اپنے رب سے استغفار کرو کیوں کہ وہ غفار ہے جو تم پر آسمان سے موسلادھار بارش برساتا ہے۔

نیز اکثر حدیثوں میں وجوہ استسقاء مذکور رہیں نماز نہیں ہے۔ بجز ایک صورت اور روجہ کے کہ آپ عیدگاہ تشریف لے گئے دو رکعت نماز پڑھی اور خطبہ دیا۔ یہ حدیث اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ پایۂ صحت کو نہیں پہنچی ہے یا یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز سنت تو جب ہوتی جبکہ آپ اس پر سختی کے ساتھ مواظبت فرماتے یا باوجود بعض دفعہ ترک فرمانے کے اکثر اوقات اس پر عمل فرمایا ہو، حالانکہ بجز ایک مرتبہ کے پھر کبھی ایسا نہ کیا۔ اور یہ بات پایۂ صحت کو پہنچی ہے کہ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ نے استسقاء کی اور وہ یہی دعا و استغفا تھی۔ اور اگر استسقاء میں نماز مسنون ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ ہوتا جبکہ عام مشہور ہو اور زمانہ نبوت سے بھی وہ بہت قریب تھے ان سے اس کا ترک صادر ہونا ان کے علم کے باوجود، ناممکن تھا۔ اور ان کی مراد جو یہ کہتے ہیں کہ استسقاء میں نماز واجب نہیں ہے اصل مراد یہ ہے کہ جماعت اور دیگر خصوصیات کے ساتھ نماز مسنون نہیں ہے۔ وگرنہ اگر کوئی تنہا تنہا نماز پڑھے اور تضرع وزاری کرے اور دعا و استغفار کے طریقہ کو اس طرح ظاہر کرے تو نہ صرف درست بلکہ احسن ہے۔ غرضکہ استسقاء کے بارے میں جتنی حدیثیں مروی ہیں وہ اضطراب سے خالی نہیں ہیں۔ بہت سی وہ حدیثیں جو ان خصوصیات، اور کیفیات پر مشتمل ہیں ان کی سندیں ضعف کے بغیر نہیں ہیں۔ لہٰذا امام اعظم رحمہ اللہ نے اس کے خلاصہ و مقصود کو اخذ فرمایا اور وہ دعا و استغفار ہے۔ اور نماز کو بھی جائز رکھا اور جماعت و خطبہ وغیرہ کا بھی اثبات فرمایا جبکہ ان کا ماخذ یقینی اور حتمی ہو۔ صاحبین اور تینوں ائمہ کے نزدیک استسقاء میں جماعت اور خطبہ کے ساتھ نماز مسنون ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قول امام محمد کا ہے۔ اور امام ابو یوسف امام ابی حنیفہ رحمہم اللہ کے ساتھ ہیں۔ مگر اب مذہب حنفیہ میں صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ استسقاء میں مقصودِ اصلی اتباع سنت اور اقامت مراسمِ عبودیت چاہیئے بارش ہونا اور دعا کا مقبول ہونا اس کے فضل پر موقوف ہے۔

# عمرۂ حدیبیہ کے واقعات

ہجرت کے چھٹے سال ماہ ذی قعدہ کی چاند کو دوشنبہ کے دن آپ کا عمرہ کے قصد سے حدیبیہ جانا ہوا۔

حدیبیہ ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے یہ مقام حل وحرم کا جامع ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ زیادہ تر علاقہ حرم ہے۔ اصل میں حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے یا کسی درخت کا جو اس مقام میں ہے۔ اب یہ اس مقام کا نام ہی ہوگیا ہے۔ وہ خاص جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں متعین و معلوم تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں وہ جگہ مبہم ومجہول ہوگئی۔ لوگ اس کے پانے اور زیارت کرنے سے محروم ہوگئے۔ آپ کے سفر کی سمت تو معلوم ہے لیکن مخصوص جگہ غیر یقینی ہوگئی ہے۔ صحیح بخاری میں سعید بن المسیب، جو اکابر تابعین سے ہیں اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ان حضرات میں سے تھے جنہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی تھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب دوسرے سال گئے تو ہم نے بتایا لیکن اس جگہ کو پہچان نہ سکے۔ طارق بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا تو میں نے ایک جماعت کو پایا جو حدیبیہ میں نماز پڑھ رہی تھی۔ اس زمانہ میں مکہ مکرمہ آنے کا راستہ یہی حدیبیہ تھا اب حدیبیہ داہنے ہاتھ پر رہ جاتا ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک جماعت دیکھی جو اس مقام کی مسجد میں نماز پڑھ رہی تھی۔ میں نے پوچھا "یہ مسجد کیسی ہے اور کیوں اس جگہ بنائی گئی ہے"۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ جگہ اس درخت کی ہے جہاں صحابہ کرام نے رسول اللہ سے اس درخت کے نیچے بیعت کی تھی جسے بیعت رضوان کہتے ہیں۔" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ۔ | بے شک اللہ ان مسلمانوں سے راضی ہوگیا، جو آپ کے دستِ اقدس پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ |

مطلب یہ کہ حدیبیہ میں وہ جگہ جس درخت کے نیچے بیعت واقع ہوئی یہ ہے۔ لوگوں نے اس جگہ

مسجد بنالی ہے۔ جس طرح مدینہ منورہ میں تمام آثار مصطفویہ ہیں اور آپ کے راستوں میں مسجدیں بنی ہوئی ہیں۔ اور لوگ اس جگہ کو متبرک جان کر حصول برکت کرتے ہیں۔ اور نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت طارق فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں مدینہ منورہ میں حضرت سعید بن المسیب کے پاس آیا اور ان سے یہ حال بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ ہم سے اس جگہ کو جہاں درخت واقع تھا بھلادیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم اس جگہ کو پانے کی قدرت نہیں رکھتے وہ جگہ ہم پر مبہم ہوگئی ہے۔ اور حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا حضورؐ کے صحابہ کرام تو اس جگہ کو پا نہ سکے پھر تم نے کیسے جان لیا اور پالیا؟ گویا تم ان سے زیادہ جاننے والے ہو حالانکہ ان کا علم و معرفت بقرائن امالات کہ وہ حضورؐ کی صحبت میں تھے تم سے بیشتر اور زیادہ تر تھا۔ البتہ لوگوں نے اپنے قیاس و گمان سے اس جگہ کے قریب مسجد بنالی ہوگی۔ لیکن رہا خاص اس جگہ کا تعین، تو یہ کسی کو میسر نہیں ہے حضرت سعید بن المسیب کے کلام میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ بزرگوں اور مقربوں کے مقابلہ میں زیادہ جاننے اور علم رکھنے کا دعویٰ، نامعقول اور نامقبول ہے۔ جو کچھ انہوں نے فرمایا اور بتایا اسی پر اکتفا کرنی چاہیئے اور اسے مان لینا چاہیئے۔ باب آداب و تواضع اور انکسار میں یہ عظیم اصول اور قاعدہ ہے اسے یاد رکھنا اور ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ لشکر اسلام کی تعداد میں مختلف روایتیں مروی ہیں۔ ایک روایت میں چودہ سو ہے ایک روایت میں پندرہ سو ایک روایت میں تیرہ سو ہے۔ ان روایتوں کی جمع و توفیق میں کہتے ہیں کہ واقعتہً چودہ سو سے زیادہ تھے لیکن جنہوں نے پندرہ سو کہا انہوں نے کسر کو بڑھادیا ہوگا۔ اور جنہوں نے چودہ سو کہا انہوں نے کسر کو حذف کردیا۔ حساب میں یہ عرب کی عادت اور سہل انگاری ہے۔ وہ کسر کا لحاظ و پاس نہیں کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب مواہب نے بیان کیا۔ ایک روایت میں پندرہ سو بیس واقع ہے۔ ان تمام روایتوں کو اس طرح جمع کرنا چاہیئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال کچھ اوپر چودہ سو صحابہ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چلے۔ اسی جمع پر امام نووی نے اپنی کتاب میں اعتماد کیا ہے اب رہی تیرہ سو کی روایت، ممکن ہے کہ راوی اتنی ہی تعداد سے باخبر ہوا ہو اور زیادہ کی اسے خبر نہ ہوئی ہو لیکن جس نے ان سب کو دیکھا اس نے مجموعہ کو نقل کردیا اور اصول حدیث میں مقرر و روایت کردیا۔ اور کچھ عرصہ بعد اور جماعت آکر شامل ہوگئی ہو جس کی اس راوی کو خبر نہ ہوئی ہو لیکن جس نے ان سب کو دیکھا اس نے مجموعہ کو نقل کردیا۔ اور اصول حدیث میں مقرر و مبین ہوگیا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادتی قابل تسلیم ہے۔ مخفی نہ رہنا چاہئے کہ اسی توجیہہ و تاویل کو سولہ سو

اور سترہ سو کی روایت میں جیساکہ بعض روایتوں میں آیا ہے ان پر بھی اطلاق کر سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم) لیکن اس میں ایک بات یہ ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے اس کی ظاہر عبارت اسی طرح متعارف ہے کہ ہزار اور چار سو تھے یا ہزار اور پانچسو تھے۔ یا ہزار اور تین سو تھے۔ اس طرح نہیں ہے کہ چودہ سو، پندرہ سو اور تیرہ سو تھے۔ اس کی تاویل اس طرح کی گئی ہے کہ سَو سَو کی جماعتیں جدا جدا بنی ہوئی تھیں ان پر تیرہ سو یا چودہ سو یا پندرہ، کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس بنا پر یہ نکتہ ظاہر کرتے ہیں۔ کذا قیل یہ غزوہ حدیبیہ، ان فتوحات اور فیوضات عظیمہ کا مبداء و سرچشمہ واقع ہوا ہے جو اس کے بعد حاصل ہوئیں۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ تم فتح کو فتح شمار کرتے ہو یعنی وہ فتح جو اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا میں واقع ہوا ہے۔ اسے فتح مکہ پر محمول کرتے ہو بلا شبہ فتح مکہ یقیناً فتح ہے ہم تو بیعت رضوان کو فتح شمار کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ فتح مکہ تو فتح ہے ہی۔ لیکن بیعت رضوان فتح عظیم ہے۔

مفسرین کا آیۂ کریمہ "انا فتحنا" میں فتح کی مراد میں اختلاف ہے آیا یہ فتح مکہ ہے یا فتح حدیبیہ یا وہ دیگر فتوحات جو بعد از حدیبیہ واقع ہوئیں۔ بیضاوی فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فتح مکہ کا وعدہ کیا گیا ہے اور اسے بصیغہ ماضی تعبیر فرمانا تحقق وقوع کی بنا پر ہے۔ یا اس فتح کے ساتھ ہے جو باتفاق حضورؐ کو اس سال میں حاصل ہوئی جیسے فتح خیبر اور فدک۔ یا صلح حدیبیہ کی خبر دینا ہو اور اس کو فتح سے تعبیر و تسمیہ فرمایا ہے اس بنا پر کہ اس کے وقوع سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں پر غلبہ و فتحمندی حاصل ہوئی ہے کہ مشرکین صلح کے متلاشی ہو گئے (ان میں جارحانہ حملوں کی اب سکت نہیں رہی ہے۔ اسلام کی قوت و طاقت کا احساس ہو گیا ہے۔ اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا ہے۔ اب سلامتی صلح میں ہی ہے فافہم) اور یہ صلح فتح مکہ کا سبب اور زینہ ہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس کے بعد تمام عرب کے لئے فارغ ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد حضورؐ نے غزوات فرمائے اور بہت سے مقامات کو فتح کیا۔ اور بہت بڑی خلقت اسلام میں داخل ہو گئی۔ حدیبیہ میں بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوئیں۔ روم کی فتح اور اس کا فارس پر غلبہ اسی سال ہوا۔ سورۂ روم میں حضورؐ کی فتح ہونے کو پہچنوایا گیا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتح کی تعبیر میں یہ اختلاف پرانا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ آیتوں میں اس کی مراد مختلف ہے۔ چنانچہ آیۂ کریمہ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا میں مراد حدیبیہ ہے اس لئے کہ وہ فتح کا مبدأ اور سرچشمہ ہے۔ اور اس پر ایسی صلح مرتب ہوئی جس میں امن اور رفع

جنگ واقع ہے۔ اور حضرت حق سبحانہ کے قول "وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا" سے فتح خیبر مراد ہے اور اس ارشاد باری سے کہ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا۔ اس سے بھی فتح حدیبیہ مراد ہے۔ اور اس فرمان سے کہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ اس سے فتح مکہ ہی مراد ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے ایک خواب دیکھا کہ "اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ معظمہ کی زیارت اور عمرہ کرنے گئے ہیں اور خانہ کعبہ کی کنجی آپ کے دست مبارک میں ہے"۔ اور کچھ صحابہ نے سر منڈائے ہیں اور کچھ صحابہ نے بال ترشوائے ہیں۔ حضورؐ نے جب صحابہ کو اپنا یہ خواب سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے اور خیال کیا کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال ظہور پذیر ہوگی۔ جب حدیبیہ کا قضیہ ایک اور نہج پر قرار پایا تو حضورؐ نے فرمایا میں نے یہ کب فرمایا تھا کہ اسی سال واقع ہوگا۔ (یہ تو تمہاری اپنی تعبیر اور اپنا خیال تھا) اب میں حدیبیہ کے پورے قصہ کو بیان کرتا ہوں۔

## واقعہ غزوہ حدیبیہ

واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اس خواب کے دیکھنے کے بعد اسباب سفر کی فراہمی میں مشغول ہو گئے۔ اور صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ میں عمرہ کے لئے جاؤں گا تم بھی مستعد و تیار ہو جاؤ۔ اس کے بعد حضورؐ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضؓ کو مدینہ طیبہ میں خلیفہ مقرر فرما کر چھوڑ دیا اکثر صحابہ نے بجز تلوار کے اور کوئی ہتھیار نہ لیا۔ کیوں کہ وہ تلوار کو مسافروں کا ہتھیار کہتے ہیں۔ کچھ صحابہ نے (مثلاً حضرت عمر بن الخطاب، حضرت سعد بن عبادہ وغیرہ رضی اللہ عنہما) اپنے جسموں پر پورے ہتھیار آراستہ کرنے کا اہتمام کیا لیکن حضورؐ نے اسے جائز قرار نہ دیا۔ اور ہدی کے اونٹوں کو جمع فرمایا۔ ستر اونٹ تھے۔ ابوجہل کا وہ اونٹ جو غزوۂ بدر میں غنیمت میں ہاتھ آیا تھا اور اسے حضورؐ اپنی ملک خاص میں لے آئے تھے وہ اس میں تھا۔ صحابہ میں سے جن کو استطاعت تھی ہدی کو ساتھ لے لیا۔ اس کے بعد ظہر کی نماز ذوالحلیفہ میں پڑھی اور اونٹوں پر قلاوے ڈالے اور اشعار فرمایا حضورؐ نے جو کچھ عمل فرمایا تھا صحابہ نے بھی وہی کیا۔ اشعار، اونٹ کے کوہان کو دونوں جانب سے چیرنے کو کہتے ہیں۔ تاکہ اس سے خون جاری ہو جائے۔ یہ سنت ہے۔ لازم ہے کہ اس میں گہرا زخم نہ لگائے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ، سے اشعار کا مکروہ ہونا منقول ہے۔ بلاشبہ دیگر ائمہ نے اس پر طعن کیا ہے صحیح حدیث میں حضورؐ سے اشعار کرنا مروی ہے۔ پھر اسے مکروہ قرار دینے کے کیا معنی ہیں؟ لیکن امام اعظم کا مکروہ قرار دینا مبالغہ کرنے اور گہرا زخم پہنچانے میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام لوگ

اسی طرح گہرا زخم لگاتے ہیں۔ اور اشعار سے مقصود خبردار کرنا ہے کہ یہ ہدی کا جانور ہے۔ اور گردن میں جوتیوں کا لٹکانا وغیرہ بھی اسی غرض مذکور کی بنا پر سنت ہے۔

جب حضورؐ کی تشریف آوری کی خبر قریش کو پہنچی تو ان سب نے اتفاق کیا کہ حضورؐ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔ اور قرب وجوار کے قبائل اور دیگر اطراف سے جماعتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر متفق کر کے لے آئے۔ اور جنگ کی تیاری کر کے مکہ سے نکل آئے۔ موضع بلدہ میں جو مکہ کے باہر جدہ کے راستہ میں ہے لشکرِ کفار نے پڑاؤ ڈال لیا۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابوجہل کا ہراول دستہ بنایا گیا۔ حضورؐ کو جب معلوم ہوا کہ قریش سدِ راہ ہیں اور مکہ میں داخل ہونے میں مانع ہیں۔ تو صحابہ کو مشورہ کے لئے جمع فرمایا۔ اور فرمایا کہ "کیا یہ مناسب ہے کہ ہم ان لوگوں کے اہل وعیال پر حملہ کر دیں جو قریش کی مدد کے لئے گئے ہیں۔ وہ لوگ اپنے اہل وعیال کی مدد کے لئے قریش سے جدا ہو جائیں پھر قریش سے ہم بآسانی جنگ کر سکتے ہیں؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا "یارسول اللہ ہم اس سال عمرہ کی نیت سے نکلے ہیں اور کسی سے جنگ کرنے کی تیاری یا اس کے ارادہ سے نہیں آئے ہیں ہمیں اس ارادہ پر قایم رہنا چاہیئے۔ البتہ اگر حضورؐ کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے میں بالفعل قریش مانع آئے تو اس وقت ہم ان سے جنگ کریں گے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت صدیق رضؓ کی بات اچھی لگی اور ان کی رائے کو درست فرمایا۔ اور فرمایا خدا کا نام لے کر چلو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی مرضی مبارک تھی لیکن صحابہ کے دلوں کا حال اور ان کی رائے معلوم کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا۔ مسند امام احمد کی حدیث میں اتنا زیادہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے والا اور کسی کو کبھی نہیں دیکھا پھر حضورؐ نے فرمایا مقام غمیم میں خالد بن ولید قریش کے لشکر کا ہراول دستہ لئے بیٹھا ہے۔ تم داہنے راستہ سے چلو تاکہ صبح کو اچانک ان پر پہنچیں"۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جو راستہ اختیار کیا وہ نہایت دشوار گزار اور سخت ترین تھا وہاں سے گزرنا انتہائی دشوار اور مشکل تھا جب حضورؐ نے ریگزار کی صعوبتیں ملاحظہ فرمائیں تو آپ نے صحابہ کے زخموں پر مرہم رکھتے ہوئے فرمایا "یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے"۔ "یہ عبارت معارج النبوۃ کی ہے۔ اور حقیقت میں بحکم حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ ہے فرمایا راہِ خدا میں جس قدر صعوبتیں برداشت کی جائیں اور خود جنت ودوزخ کی بار ہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مثالیں دیا کرتے تھے جیسا کہ فرمایا رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فِي عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ میں نے

جنت کو اس دیوار میں دیکھا ہے کچھ ایسا ہی معاملہ اس جگہ بھی درپیش ہوا ہوگا۔

جب پہاڑیوں سے گزرے اور ہموار زمین پر پہنچے تو فرمایا نَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ نَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ گویا اس راہ کی دشواریوں کے سلسلہ میں کسی دل میں کوئی خیال گزرا ہوگا اس پر آپ نے استغفار کرکے تنبیہ فرمائی۔ راوی بیان کرتا ہے کہ خدا کی قسم ان مجاہدین کے وجود گرامی کا خالد کو اس وقت تک پتہ نہ چلا جب تک کہ لشکر اسلام کا گردوغبار اس کی آنکھوں میں نہ گھس گیا۔ اسی وقت بھاگ کر قریش سے مل گیا۔ اور ان کو حقیقت حال سے باخبر کیا۔ جب حضورؐ مقام ثنیہ میں پہنچے جو حُدیبیہ کے قریب ہے (اسے ثنیۃ المرار بضم میم یا بکسر میم کہتے ہیں) تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی اونٹنی قصوا زانو کے بل بیٹھ گئی۔ ہر چند اسے جھڑکا گیا اور لوگوں نے حل حل کی آوازیں بلند کیں (یہ آواز اونٹ کو اٹھانے کے لئے نکالی جاتی ہے۔ اسی طرح نخ نخ اونٹ کو بٹھانے کے لئے بولتے ہیں) مگر وہ اونٹنی نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا "خلارت القصوی" اونٹنی تھک گئی ہے۔ حضور نے فرمایا مَا خَلَاتَ الْقَصْوٰی وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ۔ "یعنی قصوی چلنے سے تھکی نہیں ہے اور نہ اس کی یہ عادت ہے۔ لٰکِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِیْلِ — لیکن اسے ہاتھی کے روکنے والے نے روک دیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ نے ان ہاتھیوں کو جو خانہ کعبہ کو منہدم کرنے کے لئے لائے گئے تھے جس طرح روک دیا تھا اور اسے بٹھا دیا تھا اس حکم ربی کا یہاں بھی احتمال ہے۔ چونکہ صحابہ مکہ میں داخل ہونا چاہتے تھے اور قریش داخل ہونے میں مانع اور حارج تھے لامحالہ ان میں قتال واقع ہوتا جو حرمتِ حرم کے منافی تھا۔ اگرچہ ان کا ارادہ نہ تھا مگر حق تعالیٰ نے ان کو اس سے باز رکھا جب حضورؐ پر یہ حالت منکشف ہوئی اور آپ کے فہم عالی میں یہ نکتہ آیا۔ فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے ہر وہ بات جو قریش حرمت و تعظیم کعبہ کے سلسلہ میں کہیں گے میں اسے قبول کروں گا۔ اس کے بعد اونٹنی کو اشارہ فرمایا وہ کھڑی ہوگئی اور چلنے لگی پھر حضورؐ نے راہ کو چھوڑ کر حدیبیہ کے میدان میں کنویں کے کنارے نزول فرمایا۔ اس کنویں میں بہت کم پانی تھا لوگوں نے اس سے تھوڑا تھوڑا پانی کھینچا۔ بالآخر تھوڑی دیر میں پانی ختم ہوگیا اور کنواں خشک ہوگیا صحابہ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں تشنگی کی شکایت کی۔ اس پر آپ نے ایک تیر کو کمان کے چلّہ میں رکھ کر کھینچا اور کنویں میں چھوڑا۔ جب وہ تیر کنویں میں پہنچا تو پانی جوش مارنے لگا اور تمام لشکر سیراب ہوتا رہا۔ چونکہ اس منزل میں پانی کی کمی تھی اس لئے یہاں کئی معجزے ظہور میں آئے ان میں سے ایک تو یہی تھا۔ ایک اور مرتبہ پانی کی کمی کی شکایت کی گئی

آپؐ نے کنویں کے کنارے وضو فرمایا اور وضو اور کلّی کے پانی کو کنویں میں ڈال دیا۔ کنویں میں پانی جوش مارنے لگا، تمام لوگوں اور جانوروں نے خوب سیر ہو کے پیا۔ ایک اور مرتبہ لوگ آئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! اس منزل میں بالکل پانی نہیں ہے بجز آپ کے پیالہ کے حضورؐ نے وضو کیا پھر دست مبارک کو پانی کے پیالے میں رکھ دیا۔ اس کے بعد آپ کے انگشتہائے مبارک سے چشمہ کی مانند پانی جوش مارنے لگا۔ حضرت جابرؓ سے جو اس حدیث کے راوی ہیں لوگوں نے دریافت کیا۔ تم کتنے لوگ تھے فرمایا پندرہ سو تھے اگر ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہم سب کو کافی ہوتا اور کم نہ ہوتا۔ اسی دوران لوگوں نے بے آبی کی شکایت کی۔ حضورؐ نے دعا فرمائی جس سے بارش ہوئی اور سب جل تھل ہو گئے۔ یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رات کو بارش ہوئی اور حضورؐ صبح کی نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ سے فرمایا "تم جانتے ہو کہ تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا "خدا اور اس کا رسول ہی داناتر ہیں۔" فرمایا "حق تعالےٰ فرماتا ہے میں نے بارش بھیجی تو میرے بندوں نے اس حال میں صبح کی کہ بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ مطلب یہ کہ اگر وہ یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بارش بھیجی ہے تو وہ میرے مومن بندے ہیں۔ اور جو یہ کہیں کہ ستاروں کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ میرے کافر بندے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ چاند کا فلاں منزل میں آنا بارش کا سبب ہوتا ہے اور وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جب چاند فلاں منزل میں آجاتا ہے تو یقیناً بارش ہوتی ہے اور ناممکن ہے کہ بارش نہ ہو لیکن اس کے برخلاف اگر یہ فلاں منزل میں نہ آئے تو ہرگز بارش نہ ہوگی یہ اعتقاد اور یہ لفظ کفر ہیں، لیکن اگر یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب چاند اس منزل میں آجاتا ہے تو تقدیر الٰہی اور حق تعالےٰ کی تخلیق سے بارش ہوتی ہے اور اگر حق تعالےٰ نہ چاہے تو نہیں ہوتی اور اگر چاند اس منزل میں نہ آئے اور حق تعالےٰ چاہے کہ بارش ہو تو ہو جاتی ہے جس طرح کہ اسباب علوی و سماوی فراہم ہونے پر ہوتی ہے تو یہ کفر نہ ہوگا۔ اور زبان سے نہ کہیں تو ایمان و توحید سے اور زیادہ قریب و مناسب ہوگا۔ بعض روایتوں میں دیکھا گیا ہے۔ واللہ اعلم بصحتہا۔ ایک مرتبہ امیر المومنین رضی اللہ عنہ، کے زمانہ میں لوگ استسقاء کرتے تھے فرمایا اگر چاند کی منزل کا لحاظ کرکے دعا کرو تو بہتر ہے مطلب یہ کہ سبب حقیقی جو حق تعالیٰ کا فضل ہے اور سبب عادی جو چاند کا اس منزل میں ہونا ہے دونوں کی رعایت جمع ہو جائے۔ اور اگر چاند کا اس منزل میں آنا حقیقی سبب اور یقینی علت ہو تو استسقاء یعنی بارش کی دعا مانگنے کی کیا حاجت ہے۔

## کفار قریش کا مغرور ہونا

وصل:۔ جب مشرکوں نے یہ دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حرم کی حرمت کو ملحوظ رکھ رہے ہیں اور جنگ و محاربہ اور ان کے قلع وقمع کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے تو مشرکین مغرور ہو گئے۔ اور اپنی جہالت، بیوقوفی بدخوئی اور بدبختی میں قایم ہو کر تمرد و سرکشی میں مضبوط و مستحکم بن گئے۔ اور اپنا مدعا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ثابت کرنے کے لئے لوگوں کو درمیان میں لے آئے۔ سب سے پہلے بدیل بن ورقا خزاعی کو ان کے قبیلہ کے چند لوگوں کے ساتھ بھیجا یہ بدیل کا قبیلہ عہد جاہلیت اور اسلام میں بارگاہِ نبوت کے مخلصوں اور محبوں میں سے تھا اور ہمیشہ مکہ والوں کی خبریں اور ان کے بھید مدینہ طیبہ بھیجا کرتے تھے۔ اور یہ بدیل بن ورقہ اس وقت تک مسلکِ اسلام سے وابستہ نہ ہوئے تھے۔ اور بعض ان کو صحابی متقدم الاسلام لکھتے ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ اور ان کے بیٹے عبد اللہ اور حکیم بن حزام روز فتح مکہ اسلام لائے تھے۔ اور حنین و طائف اور تبوک میں وہ اور ان کے بیٹے حاضر ہوئے اور عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں شہید ہوئے بعض کہتے ہیں کہ جنگِ صفین میں شہید ہوئے۔ القصہ بدیل حضورؐ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ قریش اور دیگر قبائلِ عرب کے لوگ متفق ہو کر حدیبیہ کے کنوؤں کے کنارے اترے ہوئے ہیں اور ان کا مقصود یہ ہے کہ آپ سب کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور خانہ کعبہ کی زیارت سے باز رکھیں۔ اور آپ نہ مانینگے تو یہ مقام قتال پر اتر آئیں گے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کسی کے ساتھ قتال وجدال کے لئے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا مقصد زیارت کعبہ اور عمرہ ادا کرنا ہے۔ اور فرمایا قریش جنگ کی طرف بہت مائل ہیں یہ ان کے لئے نقصان کا موجب ہے۔ اگر وہ چاہیں تو ہم ایک مدت معین کرتے ہیں اس مدت میں ہمارے اور ان کے درمیان جنگ نہ ہوگی۔ اور مجھے دیگر تمام مشرکوں کے لئے چھوڑ دیں کہ میں ان سے جہاد کروں۔ اگر میں مغلوب ہو گیا تو ان کا مقصود یہی میرا مغلوب ہونا اور میرا زبوں ہونا ہے وہ حاصل ہو جائیگا۔ اور اگر میں ان پر غالب آگیا تو اگر وہ چاہیں تو دیگر تمام لوگوں کی مانند میری پیروی اور متابعت کر لیں اور اگر نہ کریں گے تو صلح کی مُعینہ مدت تک جنگ وجدال اور حرب و قتال سے دور بیٹھے رہیں۔ اور اگر قریش میری ان باتوں سے جو میں نے کہی ہیں انکار اور روگردانی کریں تو قسم ہے اس خدائے پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں اس وقت تک ان سے جنگ کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھ سے میری گردن جُدا نہ ہو جائے۔ بلاشبہ رب العزت اپنا حکم نافذ فرمائے گا اور اپنے دین کی مدد فرمائے گا۔ بدیل نے کہا میں بہت جلد آپ کی ان باتوں

کو قریش تک پہنچاتا ہوں۔ اس کے بعد وہ مجلس شریف سے اٹھا اور مشرکین کے لشکر کی جانب چلا گیا اور ان سے کہا میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں سنی ہیں اگر تم اجازت دو تو میں تمہیں سناؤں ان کے بیوقوف لوگ جیسے عکرمہ بن ابی جہل اور حکم بن العاص وغیرہ کہنے لگے ہمیں اُنکی باتیں سُننے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن مشرکوں کے عقلمند اور صائب الرائے لوگوں نے کہا کہو جو کچھ تم نے ان سے سنا ہے۔ پھر بدیل نے جو کچھ حضورؐ سے سُنا تھا بیان کر دیا۔ اور کہا اے گروہ قریش! تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ جنگ وقتال میں جلد بازی نہ کرو۔ وہ خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔ ان کا تمہارے ساتھ جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ تمہیں یہی زیب دیتا ہے کہ تم جدال و قتال سے ہاتھ اٹھالو۔ قریش نے بدیل کی باتوں کا یقین نہ کیا اور گمان کیا کہ بدیل نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ سازش کرلی ہے۔ اس لئے کہ قبیلہ خزاعہ کے لوگ ہمیشہ حضورؐ کے مخلصوں میں سے رہے ہیں۔ اس اثنا میں عروہ بن مسعود ثقفی کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے گروہ قریش میں تمہارے بیٹوں کے مانند ہوں اور تم سب بمنزلہ باپ کے ہو۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے ایسا ہی ہے۔ پھر کہا "کیا میرے ساتھ تم خیانت وعداوت کے اتہام کا شبہ رکھتے ہو انہوں نے کہا نہیں۔ اس وقت عروہ نے اپنے سابقہ حقوق جو ان کے ساتھ پہلے سے موجود تھے بیان کئے یہ عروہ وہ شخص تھا جو لوگوں کے ساتھ پہلے ہی بہت سے حقوق اور معاہدے رکھتا تھا۔ جیسا کہ اثنائے بیان میں ظاہر ہوگا یہ خیال نہ کرنا کہ یہ عروہ ابن مسعود، حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بھائی ہوں گے بلکہ یہ عروہ ابن مسعود ثقفی ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی ہیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا۔ آخر میں مسلمان ہو کر حاضر ہوا اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں۔ اس پر حضورؐ نے اسے حکم دیا کہ ان میں سے چار کو رکھ لو باقی کو رخصت کر دو' اس کے بعد حضورؐ کی اجازت سے اپنے وطن لوٹا۔ اور اپنے وطن پہنچ کر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ مگر انہوں نے انکار کیا اور سرکشی پر اتر آئے یہاں تک کہ نماز فجر کا وقت تھا اس کے مکان میں کھڑکی تھی اس نے کھڑکی کے دروازوں کو کھول کر اذان کہی۔ کلمہ شہادت پڑھتے کہ کسی ثقفی نے ان پر تیر پھینکا اور وہ شہید ہوگئے۔ جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو حضورؐ نے فرمایا ابن مسعود کی داستان اور ان کا قصہ، صاحب لیس کی داستان اور ان کے قصہ کی مانند ہے کہ وہ اپنی قوم کی طرف گیا اور اسے قوم نے شہید کر دیا' القصہ عروہ نے قریش سے کہا کہ جو بات تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنی ہے پسندیدہ اور مستحسن ہے۔ اس کا ماننا لازم ہے۔ اگر مجھے اجازت دو میں جاؤں اور ان سے

باتیں کروں تاکہ میں دیکھوں وہ کیا کہتے ہیں اور کیا مصلحت ہے۔ اس کے بعد عروہ، سرور کائنات علیہ افضل الصلوات کی خدمت میں آیا اور حضورؐ نے وہی بات جو بدیل سے فرمائی تھی ارشاد فرمائی عروہ نے کہا اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مجھے بتاؤ اگر تم نے اپنوں کا استیصال کر دیا تو کیا کام سرانجام دیا۔ آپ سے پہلے کسی اہل عرب نے اپنی اصل کو ہلاک و فنا نہیں کیا۔ اور اپنی قوم کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کیا جیسا تم کرو گے۔ اگر انہوں نے مغلوب کر دیا تو معلوم ہے کہ کیا حال اور کیا انجام ہوگا بلاشبہ آپ کے گرد اوباش لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ جب ایسا وقت آئے گا تو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ عروہ نے یہ بیہودہ اور معقولیت آمیز بات زمانہ کے عرف و عادت پر قیاس کر کے کہی تھی کہ جس طرح دنیاوی ارباب دولت اور طالبان دنیا غداری کرتے ہیں اور مغلوب سلاطین و ملوک کے ساتھ قہر و غضب اور جبر و تشدد کا سلوک کرتے ہیں ایسا ہی یہاں بھی ہوگا لیکن یہاں نبوت۔ و رسالت، دعوت الی الحق، امر الٰہی اور وحی آسمانی میں ان باتوں کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس مجلس میں موجود تھے عروہ کی بات پر غیظ و غضب میں آگئے اور اس کے بتوں کی اہانت کے درپے ہو گئے انہوں نے اسے عام عرب کے عرف کے مطابق گالی دی اور فرمایا اُمصص بظر اللات۔ (لات کی شرمگاہ کو چاٹ) مص کے معنی ہیں چاٹنا اور بظر اس گوشت کے لوتھڑے کو کہتے ہیں جو عورتوں کے ختنہ کرنے کے بعد اس کی شرمگاہ میں لٹکی رہ جاتی ہے اور "لات" قریش و ثقیف کے مشہور بت کا نام ہے جس کو وہ پوجتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ جب کسی کو غلیظ گالی دینی ہوتی تو اُمصص بظر امّک (اپنی ماں کی شرمگاہ چاٹ) کہتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت صدیقؓ نے عروہ کو گالی دینے میں مبالغہ کیا اور ماں کی جگہ لات کا نام استعمال کیا۔ حضرت صدیقؓ کو ایسی غلیظ گالی دینے کی ضرورت نہ پیش آتی آپ کو غصہ اس بات پر آیا کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضورؐ میں غرور و تکبر سے کام لے رہا تھا اور آپ کے صحابہ کو بیوفا اور بھاگنے والا قرار دے رہا تھا۔ لہٰذا حضرت صدیقؓ نے فرمایا اَنَحْنُ نَفِرُّ مِنْهُ وَنَدَعُهٗ کیا ہم بھاگ جائیں گے اور آپ کو تنہا چھوڑ دیں گے؟ عروہ نے حضرت صدیقؓ کی بات پر سر اٹھایا اور کہنے لگا "یہ کون ہے جو ایسی بات کہتے ہیں؟" صحابہ نے بتایا کہ "یہ ابوبکر صدیق ہیں (رضی اللہ عنہ) عروہ کہنے لگا "اے ابوبکر آگاہ رہو قسم ہے خدا کی تمہارا ایک حق مجھ پر ثابت ہے اور میں اسے اتار نہ سکا ہوں اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تمہیں جواب دیتا اور تمہیں سزا دیتا" عروہ پر حضرت صدیقؓ کا حق یہ تھا کہ زمانہ

جاہلیت میں عروہ پر دیت لازم ہوگئی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور عقبہ کے بھائیوں نے اس کی مدد کی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیقؓ نے اسے دس جوان اونٹ دیئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس موقع پر عروہ نے اپنے تمام ساتھیوں اور دوستوں سے مدد مانگی تھی لیکن کسی نے ایک گائے یا دو گائے سے زیادہ نہ دیا تھا مگر حضرت صدیق نے دس گائے عنایت فرمائی تھیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عروہ بات کرنے کے دوران بار بار حضورؐ کے محاسن مبارک یعنی داڑھی شریف تک ہاتھ پہنچاتا تھا جیسا کہ کمینہ خصلت عربوں کی عادت تھی۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کے کندے کو اس کے ہاتھ پر مار کر فرمایا "او بے ادب! اپنے ہاتھ کو بچا کے رکھ، حد ادب سے تجاوز نہ کر" عروہ نے پوچھا "یہ کون ہے جو مجھے ایذا پہنچاتا ہے میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ میں اس سے زیادہ گستاخ نہیں دیکھا (معاذاللہ) لوگوں نے بتایا" یہ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ہیں۔" عروہ نے کہا "اے غدار! میں نے نفاذِ حکم اور اصلاحِ غدر میں تمہاری سعی کی ہے اور تمہیں راہ دکھائی ہے تم میرے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو۔"

حضرت مغیرہؓ کے غدر اور عروہ کا اس کی اصلاح میں سعی کرنا کیا ہے؟ اگرچہ بات میں بات نکل رہی ہے اور واقعہ طول پکڑتا جاتا ہے لیکن چونکہ ارباب سیر نے بیان کیا ہے اس لئے ہم بھی بیان کرتے ہیں اس کا قصہ یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں کسی وقت مغیرہؓ قبیلہ ثقیف کے بنی مالک کے تیرہ شخصوں کے ساتھ اسکندریہ کے بادشاہ مقوقس کے پاس گئے تھے، مقوقس نے مغیرہؓ پر بنی مالک کو ترجیح دی اور انھیں خطایائے شائستہ اور ہدایائے بائستہ سے نوازا۔ جب یہ جماعت اسکندریہ سے لوٹی تو راستہ میں ایک رات شراب میں بدمست ہو کر پڑ گئے مغیرہؓ نے اپنے اس حسد اور عداوت کی بنا پر جو اس جماعت کے خلاف پیدا ہو گئی تھی۔ ان سب کو قتل کر دیا اور ان کا مال و متاع لے کر مدینہ آگئے۔ اور اس کو غنایم میں شمار کیا اور مسلمان ہو گئے حضورؐ نے فرمایا "اے مغیرہؓ تمہارا ایمان لانا تو صحیح ہے لیکن تمہارے اس مال کی ہمیں ضرورت نہیں ہے ہم اس میں سے خمس نہ لیں گے۔" جب یہ خبر مکہ میں پہنچی تو بنی مالک کے سردار مسعود بن عمرو سے اسی عروہ نے ان کے بارے میں گفت و شنید کی اور معاملہ کی درستی و اصلاح میں بڑی کوشش کی۔ مغیرہؓ پر دیت تیرہ ۱۳ مقتولوں کی واجب تھی جو ان کے ورثار کو ادا کرنی تھی۔ جب مقتولوں کے ورثاء دیت لینے پر آمادہ ہو گئے تو مغیرہؓ کا خاندان اور اس کی قوم جنگ و جدال

پر نکل آئی، عروہ نے کوشش کر کے مختلف حیلوں اور بہانوں سے معاملہ رفع دفع کر دیا۔ عروہ کا اپنی گفتگو میں اس واقعہ کی طرف اشارہ تھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عروہ بن مسعود گوشۂ چشم سے حضورؐ کی مجلس میں صحابۂ کرام کو دیکھ رہا تھا۔ اور ان کے آداب و تعظیم اور حضورؐ کے احترام و عظمت کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اور حیران تھا جب مشرکوں میں واپس گیا تو عروہ نے کہا "اے گروہِ قریش! میں بڑے بڑے متکبر و مغرور سلاطین و بادشاہوں کی مجلسوں میں رہا ہوں اور ان کی صحبتیں اٹھائی ہیں۔ اور قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار میں پہنچا ہوں اور ان کے درباروں میں رہا ہوں لیکن ان میں سے کسی بادشاہ کے کسی خدمتگار کو ایسا ادب و احترام کرتے نہیں دیکھا۔ جیسا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے اصحاب، محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کا کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے دہنِ مبارک سے لعاب شریف نکالتے ہیں تو صحابہ اسے اپنے ہاتھوں میں لیکر اپنے رخساروں پر ملتے ہیں۔ جب کسی ادنیٰ اور معمولی کام کی تعمیل کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کے لئے وہ بزرگ ترین صحابہ سبقت کرتے ہیں۔ جب ان کے حضور کوئی بات کرتا ہے تو وہ آواز کو دبا کے بات کرتے ہیں۔ اور جب وہ گفتگو فرماتے ہیں تو انتہائی ادب و احترام کے ساتھ سنتے ہیں اور نگاہ ملا کر بات نہیں کرتے۔ ان کے روئے مبارک پر کوئی نگاہ نہیں جما سکتا جب وضو کرتے ہیں تو وضو کا پانی لینے میں جھگڑتے ہیں۔ چنانچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پر خونریزی شروع ہو جائے گی۔ جب داڑھی شریف اور سر میں کنگھی کر کے آراستہ فرماتے ہیں اور کوئی موئے مبارک ہوتا ہے تو عزت و احترام کے ساتھ تبرک جان کر لے لیتے ہیں اور اس تبرک کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہ وہ حالات ہیں جن کا میں نے مشاہدہ کیا ہے۔ پھر صحابہ کرام کی شجاعت مردانگی یک جہتی، اور ایک دوسرے سے محبت و ایثار بیان کرتے ہوئے کہا اس سے زیادہ خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ خدا کی قسم میں نے ایسا لشکر دیکھا ہے جو تم سے کبھی کبھی منہ نہ موڑے گا جب تک کہ تم سب کو مار نہ ڈالے، یا تم پر غالب نہ آجائے۔ عروہ چونکہ آخر کار ایمان لانے والا اور مردِ پختہ کار اور قدر شناس تھا اور جتنا تعصب دیگر مشرکوں میں تھا اس میں نہ تھا۔ اس لئے اس نے جو کچھ دیکھا تھا بے کم و کاست بیان کر دیا۔ لیکن یہ اشقیا پھر بھی انکار پر قایم رہے اور کہنے لگے یہ نصیحت کی باتیں ہمارے کانوں کو اچھی نہیں لگتیں۔ ہم اسی ارادہ پر قائم اور مستحکم ہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) اور ان کے صحابہ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ اور خانہ کعبہ کی زیارت نہ کرنے دیں گے۔ اس وقت تو لوٹ جائیں اور سال آیندہ آئیں۔ جب عروہ کی کوشش اور اس کے آنے جانے سے صلح کی بنیاد رکھی گئی

تو قبیلہ احابیش کا ایک آدمی جس کا نام حُلَیس تھا حضورؐ سے ملاقات کرنے کی غرض سے کھڑا ہوا اور قریش سے اجازت لے کر لشکر اسلام کے نزدیک پہنچا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اس قوم سے تعلق رکھتا ہے جو" بدنہ" یعنی قربانی کے جانوروں کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ قربانی کے اونٹوں کو اپنی جگہ کھڑا کر کے اس کے آگے سے گزارو۔ اس کے بعد آپ لبیک کہتے ہوئے صحابہؓ نے ساتھ حُلَیس کے استقبال کو آئے جب اس نے اس حالت کا مشاہدہ کیا کہ یہ حضرات زیارت کرنے والے ہیں جنگ وقتال کا ارادہ نہیں ہے تو اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا اور کہنے لگا "سُبحان اللہ! اس قوم کو سزاوار نہیں ہے کہ ان کو خانۂ کعبہ کی زیارت وطواف سے روکیں۔ یہ حضرات تو عمرہ ہی کے لئے آئے ہیں۔ اور کہنے لگا هَلَكَتْ قُرَيْشٌ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ کعبہ کے رب کی قسم قریش ہلاک ہوں گے، وہ اسی وقت حضورؐ سے ملاقات کئے بغیر لوٹ گیا اور قریش کے پاس آکر کہنے لگا میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کے صحابہ کو دیکھا ہے وہ اونٹوں کا اشعار اور تقلید کر کے خانہ کعبہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں میں اچھا نہیں جانتا کہ ان کو اس سے روکا جائے قریش نے حلیس کو اس قضیہ میں ناقابل اعتبار جان کر اس کے مشورے کو نادانی اور سادہ لوحی پر محمول کیا اور انتہائی شقاوت وقساوت سے کہنے لگے "اے حلیس! تو مرد اعرابی یعنی دیہاتی ہے تو امور ملکی نہیں جانتا" حلیس ان کی اس بات سے غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا" اے قریش! ہم تم سے اس معاملہ میں موافقت نہیں کرتے۔ قسم ہے اس خدا کی حلیس کی جان جس کے قبضہ میں ہے اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خانہ کعبہ کے طواف سے روکو گے تو میں تمام احابیش کے لوگوں کے ساتھ تم سے جُدا ہو کر چلا جاؤں گا" قریش نے عذر خواہی اور اس کی دلجوئی اور تسکین دہی کرتے ہوئے کہا" اے حلیس! ان باتوں کو چھوڑو ہم اپنی مرضی کے موافق محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ صلح کر رہے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قریش کی جانب سے لوگ آرہے تھے اور قریش کی قساوت دور کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور ان اشقیاء کی شدت میں کبھی کمی نہ ہوتی تھی تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی چاہا کہ کسی کو بھیجکر اس معاملہ میں سعی فرمائیں۔ آپ نے پہلے بنی خزاعہ کے ایک شخص کو بھیجا جس کا نام حراش بن امیہ کعبی تھا۔ اسے ایک اونٹ دیا تاکہ وہ ان کے دلنشیں کرائے کہ حضورؐ کا تشریف لانا زیارت کعبہ اور عمرہ ادا کرنے کے لئے ہے جنگ وقتال نہیں ہے۔ جب وہ قریش کے پاس پہنچے تو وہ ان کے اونٹ کے درپے ہو کر حراش بن امیہؓ کے قتل کرنے

پر اتر آئے۔ ان کی قوم نے جو مکہ میں تھی ان کی حمایت کر کے چھڑایا اور انہیں حضورؐ کی طرف واپس بھیجدیا۔ اس کے بعد سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا "تمہیں مکہ جانا چاہیئے تاکہ انہیں سمجھاؤ کہ ہم جنگ کے ارادے سے نہیں بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ پر روشن ہے کہ قریش کی عداوت میرے ساتھ کس قدر ہے اور ان کی شدت وغلظت کس حد تک ہے۔ اگر وہ مجھ پر قابو پالیں تو یقیناً زندہ نہ چھوڑیں اور بنی عدی میں سے مکہ میں کوئی نہیں ہے۔ جو ان کی شرارتوں پر میری حمایت کر سکے اور میری حفاظت کر سکے۔ اگر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو بھیجیں تو بہت مناسب ہوگا۔ کیونکہ وہ قریش کے نزدیک زیادہ عزیز ہیں اور مکہ میں ان کے عزیز واقارب بہت ہیں"۔ پھر حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور مکہ مکرمہ کی جانب بھیجا۔ تاکہ ابوسفیان اور صنادید قریش کو حضورؐ کا مافی الضمیر سمجھائیں اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضورؐ کے ارشاد کے بموجب مکہ کی طرف چلے۔ اور مقام بلاح میں مشرکوں سے ملے اور ان کو حضورؐ کا پیغام پہنچادیا۔ مگر کفار اپنی اسی جہالت وتعصب پر اڑے رہے کہ اس کا کوئی امکان نہیں ہے کہ ہم حضورؐ کو گزرنے دیں۔ اور بیت اللہ کی زیارت کرنے دیں۔ "سبحان اللہ! یہ کتنے جاہل لوگ ہیں کہ اپنی شدت وجہالت پر اڑے ہوئے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نرمی فرماتے ہیں اور ان کو سمجھاتے ہیں کہ جنگ کا ارادہ نہیں ہے۔ اگر آپ شدت ومحاربہ اختیار فرماتے تو اسی وقت ان کی جانیں مُنہ کو آجاتیں۔ جیساکہ آخر قصہ میں ظاہر ہوگا۔

اس کے بعد ابان بن سعید بن العاص نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ تعظیم وتکریم کا اظہار کیا اور انہیں اپنی سواری پر بٹھا کر خود ان کے پیچھے بیٹھ کر ردیف بن گیا اور حضرت عثمانؓ کو مکہ مکرمہ لے گیا۔ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیغام ابوسفیان اور دیگر صنادید قریش کو پہنچادیا یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ یہاں پر نہیں آئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان سب کو بھی اس بات میں قوم کا ہم خیال پایا حضرت عثمانؓ نے بھی ارادہ فرمایا کہ لوٹ چلیں۔ اس وقت انہوں نے حضرت عثمانؓ کی خاطر داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہا "اگر تم چاہو تو اٹھو اور طواف کرلو۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا "میں اس وقت تک طواف نہیں کرسکتا جب تک کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم طواف نہ کرلیں"۔ مشرکین، حضرت عثمانؓ کی بات سے برہم ہوکر اور غصہ میں آکر حضرت عثمانؓ کو رخصت کی اجازت نہ دی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ مکہ مکرمہ روانہ ہوگئے تو صحابہ عرض کرنے لگے

کہ حضرت عثمان رضی کتنے خوش نصیب ہیں کہ وہ مکہ مکرمہ پہنچکر خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے رسول اللہ صلعم نے فرمایا "عثمان رض کے لئے میرا یہ خیال ہے کہ وہ ہمارے بغیر زیارت نہ کریں گے"۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دس اور مہاجرین بھی حضور ص کی اجازت سے مکہ مکرمہ گئے۔ جب حضرت عثمان کی مدتِ اقامت مکہ مکرمہ میں دراز ہوئی اور لشکر اسلام میں یہ خبر پھیلی کہ حضرت عثمان رض کو دیگران دس مہاجرین کے ساتھ جو مکہ گئے تھے مکہ والوں نے شہید کر دیا ہے اس خبر سے حضور ص کو بہت ملال ہوا۔ ایک درخت سے پشت مبارک لگا کر صحابہ کرام سے ثابت قدم رہنے پر بیعت لی کہ اگر جنگ واقع ہوئی تو منہ نہ پھیریں گے۔

قرآن کریم میں اس بیعت کی خبر اس آیت میں دیجاتی ہے کہ

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ — بلاشبہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوگیا۔ جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کرتے تھے۔

اسی بنا پر اس بیعت کو "بیعت رضوان" کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی بیعت رضوان میں حاضر ہوا اسے آگ نہ پہنچے گی۔ ایک روایت میں ہے جو کوئی حدیبیہ میں موجود تھا۔ اسی طرح اہل بدر و احد کے بارے میں مروی ہے۔ اس بیعت میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ عثمان رض کا ہاتھ ہے اس کے بعد آپ نے داہنے ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمان رض کی جانب سے آپ نے خود بیعت فرمائی۔ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ' کی حکمت حضرت عثمان رض کی شہادت کی خبر پھیلانے سے بیعت لینا مقصود ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب قریش نے اس بیعت کی خبر سنی تو ان میں ایک خوف اور ان کے دلوں میں ہراس پیدا ہوا کہ حضور ص اکرم صلے اللہ علیہ وسلم انکے ساتھ جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اس پہ وہ پریشان ہو گئے اور صلح اختیار کی۔ اور اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو اس مہم کے لئے بھیجا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سہیل بن عمرو کے آنے سے پہلے حلیس کے واپس جانے کے بعد کرز بن حفص قریش کی اجازت سے لشکر اسلام میں داخل ہوا تھا۔ حضور ص نے اسے دور سے دیکھ کر ہی فرمایا تھا کہ یہ کرز بن حفص جو آرہا ہے مردِ فاجر ہے ایک روایت میں ہے کہ وہ مردِ غادر ہے یعنی مکار و فریبی شخص ہے۔ اس نے حضور ص سے گفتگو شروع کی۔ اسی گفتگو کے دوران اچانک سہیل بن عمرو حضور ص کی بارگاہ میں داخل ہو گیا۔ حضور ص نے فرمایا "سہل امرنا" ہمارا کام آسان ہو گیا"۔ ایک روایت میں ہے فرمایا قَدْ سَهُلَ لَكُمْ اَمْرُكُمْ اب تمہارا کام تمہارے لئے آسان ہو گیا' اور کرز بن حفص اور خویطب بن عبد العزیٰ بھی سہیل کے

ہمراہ تھے لیکن اس مہم کی ذمہ داری سہیل پر تھی۔ یہ سہیل بن عمرو روز بدر کفار کے درمیان امیر بنا تھا اور قریش کا خطیب تھا۔ اس پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا تھا۔ "یارسول اللہ! اس کے دانتوں کو توڑ ڈالئے تاکہ اس کے بعد یہ آپ کے برخلاف خطبہ نہ دے سکے۔ حضورؐ نے فرمایا امید ہے کہ وہ اُس مقام میں کھڑا ہوگا اور ایسا خطبہ دے گا جو محمود و پسندیدہ ہوگا۔ چنانچہ وہ فتح مکہ کے بعد اسلام لایا اور اس مقام میں جس کی حضورؐ نے اس کے کھڑے ہونے اور خطبہ دینے اور اس کے محمود ہونے کی خبر دی تھی وہ مقام وہ تھا جبکہ حضورؐ اس جہان سے تشریف لے گئے اور مکہ میں بعض لوگ مرتد ہو گئے اس وقت سہیل کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا خطبہ دیا گویا کہ حضرت ابوبکرؓ خطبہ کو سُن رہے تھے۔ اور لوگوں کو تسکین دی لوگوں کو اختلاف سے باز رہنے کی تلقین کی۔ پھر سہیل نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عمواس کے طاعون میں سن اٹھارہ ہجری میں وفات پائی۔ اور ان کی اولاد میں سے کوئی باقی نہ رہا اور ابوجندل جو سہیل کے بیٹے تھے وہ بھی اسی طاعون میں وفات پا گئے تھے۔

القصہ، سہیل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلح کی تمہید میں گفتگو کے آغاز کرنے کی پہل کی اور کہا" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری ایک جماعت، آپ کی قید میں ہے ان کو آزادی اور رہائی دیجئے۔ اس کا واقعہ یہ تھا کہ روز حدیبیہ، لشکر اسلام کی تعداد کا اندازہ کرنے کے لئے کہ مسلمان کتنے ہیں اور شاید کہ مسلمانوں سے جنگ کی نوبت آجائے اس کے لئے کفار نے پچاس آدمیوں کو بھیجا۔ اتفاق سے ان پچاسوں آدمیوں کو حضرت محمد بن مسلمہؓ اور ان کی اس جماعت نے جن کو حضورؐ نے ان کے ساتھ بھیجا تھا گرفتار کرلیا اور بارگاہ نبوت میں لے آئے۔ حضورؐ نے ان کو قید کرنے کا حکم فرمایا تھا جب سہیل نے ان کی بازیابی کا مطالبہ کیا تو حضورؐ نے فرمایا تم میرے صحابہ کو یعنی حضرت عثمان اور ان کے ساتھ دس مہاجرین کو جو مکہ گئے تھے اور رات سے گھیر رکھا ہے بھیجدو تاکہ میں بھی تمہارے قیدیوں کو چھوڑ دوں۔ اس پر خویطب بن عبدالعزیٰ اور کرز بن حفص نے سہیل کے اتفاق سے کسی کو مکہ بھیجا تاکہ حضورؐ کے ان صحابہ کو جنہیں مکہ مکرمہ میں روک رکھا ہے بھیجدیں اس کے بعد ان قیدیوں کی بھی رہائی ہو جائے گی۔ چنانچہ حضرت عثمان بن عفانؓ اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ لوٹ آئے۔ معارج النبوۃ میں اسی طرح لکھا ہے۔ لیکن روضۃ الاحباب میں اس طرح ہے کہ کفار قریش کے اُن پچاس آدمیوں کو جن کو محمد بن مسلمہؓ لائے تھے۔ حضورؐ نے اسی وقت ان کے ساتھ مہربانی فرمائی اور سب کو مکہ مکرمہ بھیجدیا اس روایت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آنا اس وقت مذکور ہے جب وقوع صلح اور صلحنامہ

کی کتابت سے فراغت کے بعد حضورؐ نے سہیل بن عمرو کو اپنے پاس روک لیا اور فرمایا کہ جب تک حضرت عثمانؓ نہ آجائیں ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ اس کے بعد اس نے قریش کو لکھا کہ عثمانؓ کو بھیجدو تاکہ میں خلاصی پاؤں۔ جب حضرت عثمانؓ آگئے تو حضورؐ نے سہیل کو رخصت کر دیا۔ اسی طرح مواہب میں بھی مرقوم ہے (واللہ اعلم)

## صلحنامہ حدیبیہ

اس کے بعد حویطب بن عبدالعزیٰ اور کرز بن حفص اور سہیل بن عمرو نے صلح کے سلسلہ میں گفتگو کی سب سے پہلی شرط جو سہیل نے رکھی یہ تھی کہ اس سال تو یہاں سے آپ لوٹ جائیں اور آیندہ سال عمرہ کے لئے تشریف لائیں۔ اور دس سال تک ہمارے اور آپ کے درمیان صلح رہے گی اور جنگ و مقابلہ اور جدال مرتفع رہے گا اور ایک دوسرے کے شہری امن و سلامتی سے رہیں گے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعرض نہ کریں گے۔ حلیف اور ہم عہد ایک دوسرے کو نقصان نہ پہنچائیں گے۔ مشہور یہ ہے کہ مدت مصالحت دس سال تھی جیسا کہ سیر کی کتابوں میں مذکور ہے۔ لیکن ابو داؤد میں بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابو نعیم مسند میں حضرت عبداللہ ابن دینار رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ مدت مصالحت چار سال تھی۔ اسی طرح حاکم نے مستدرک میں روایت کیا جیسا کہ مواہب لدنیہ میں منقول ہے۔

دوسری شرط یہ تھی کہ سال آیندہ جب آئیں تو تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں گے اور یہ کہ تلواریں نیام میں رہیں گی۔ اور تیسری شرط عجیب شنیع تھی وہ یہ کہ جو کوئی ہماری جانب سے بغیر اجازت کے از خود تم میں چلا جائے اسے ہماری طرف لوٹا دیں گے اگرچہ مسلمان ہو کر ہی پہنچے۔ اور جو کوئی آپ کی طرف سے آجائے گا اسے ہم نہ لوٹائیں گے۔ مسلمانوں نے اس شرط پر تعجب کیا اور کہنے لگے ہم کس طرح اسے لوٹائیں گے جو مسلمان ہو چکا ہو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب سہیل نے اس شرط کا ذکر کیا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ایسا ہی ہوگا۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ اس شرط پر راضی ہوتے ہیں؟ حضورؐ نے تبسم فرمایا اور فرمایا اے عمرؓ! جو کوئی ان کے پاس سے ہمارے پاس مسلمان ہو کر آئے گا اور ہم اسے لوٹائیں گے تو حق تعالےٰ اس کے لئے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرما دے گا۔ اور جو کوئی ہم میں سے انحراف کر کے مشرکوں کی طرف جائے گا ہمارا اس سے کیا سروکار ہے وہ کفار کی صحبت کے ہی لائق ہے۔ اور اس آخری شق کا وقوع بہت کم ہوگا اور یہ کمتر واقع ہوگا۔ لیکن شق اول وقوع پذیر ہوگا لیکن بالآخر عاقبت بخیر اور

معاملہ احسن وجوہ میں آئے گا جیسا کہ ابوبصیرؓ کا قصہ آخر قضیہ میں مذکور ہوگا۔ اور خوب واضح ہو جائیگا
اسی گفتگو کے دوران ابوجندلؓ جو سہیل بن عمرو کے لڑکے تھے اور وہ پہلے سے مسلمان تھے اور ان کو ان کے باپ نے قید خانہ میں بیڑیاں پہنا کر محبوس کر رکھا تھا وہ کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے خود کو مسلمانوں کے درمیان ڈال دیا۔ سہیل نے کہا "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلا امر ہے جس پر صلح قرار پا چکی ہے۔ ان کو میرے سپرد فرمایئے اور ہماری طرف لوٹایئے" حضورؐ نے فرمایا "صلحنامہ کی کتابت سے ابھی ہم فارغ نہیں ہوئے ہیں۔ یہ شرط صلح کے تمام ہونے کے بعد سے نافذ ہوگی"۔ مگر اس نے مکابرہ و مجادلہ اور ضد و ہٹ دھرمی دکھائی اور کہنے لگا "اگر آپ ایسا نہیں کرتے تو ہم صلح نہیں کرتے۔ اور کسی بات میں بھی ہمارے اور تمہارے درمیان صلح نہیں ہے"۔ حضورؐ نے پھر فرمایا "اس ایک معاملہ کو میری خاطر سے مستثنیٰ رکھو اور نرمی و آسانی پیدا کرو"۔ اس نے کہا "میں نہیں کرتا"۔ پھر فرمایا "مان لے"، اس نے کہا "میں نہیں مانتا"۔ ہر چند حضورؐ نے اصرار فرمایا اور منوانے میں مبالغہ کیا مگر سہیل سے قساوت و عداوت کی بنا پر جو بیٹے کے مسلمان ہو جانے سے پیدا ہوئی تھی قبول نہ کیا۔ کرز ابن حفص باوجودیکہ وہ فاجر و غادر تھا اس نے کہا ہم مانے لیتے ہیں مگر سہیل نے قبول نہ کیا۔ آخر کار حضورؐ نے ابوجندلؓ کو اس کے سپرد کر دیا اور فرمایا "اب ان پر عذاب و ایذا نہ کرنا"۔ کرز اس کا ضامن ہو گیا۔ ابوجندلؓ نے کہا "اے مسلمانو! مجھے مشرکوں کے سپرد نہ کرو۔ میں مومن و مسلمان ہو کر تمہاری پناہ میں آیا ہوں۔ تمہیں معلوم نہیں ان کافروں نے مجھ پر کس کس طرح کے عذاب پہنچائے ہیں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابوجندلؓ صبر کرو۔ اور دل کو خوش رکھو اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد رکھو یقیناً وہ تمہارے لئے کشادگی اور آزادی کی راہ پیدا فرمائے گا۔ اب ان لوگوں کے ساتھ شرط واقع ہو چکی ہے اور عہد باندھا جا چکا ہے۔ غدر و بیوفائی ہمارا کام نہیں ہے۔ صبر کرو:۔ فَاِنَّ الصَّبْرَ مِفْتَاحُ الْفَرَجِ بلاشبہ صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

اس مقام میں علماء دو وجہیں بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ ایسی حالت میں جیسی ان کی ہے اجر و ثواب نقد ہے اور اس کا حصول عزیمت ہے۔ باقی اگر رخصت پر عمل کرے اور ظاہر کو باطن کے موافق نہ بنائے اور اپنے اسلام کو کافروں پر ظاہر نہ کرے تو بھی جائز ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ باپ کتنی ہی دشمنی اور بے مہری کرے نسبت پدری کا علاقہ نہیں ٹوٹتا جب تک کہ وہ مر نہ جائے۔ اسی بنا پر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابوجندلؓ کو ابھارا کہ وہ باپ کو قتل کر دے اور خوب ظاہر و وضاحت کے ساتھ اسے سمجھایا کہ یہ مشرکین نجس ہیں ان کا خون کتوں کے خون کی مانند ہے تم اپنے

باپ کو قتل کر دو۔ مگر ابو جندلؓ باپ کو قتل نہ کر سکے اور اپنے باپ کو مارنے اور اس کے ہلاک کرنے میں بخیلی دکھائی اور باپ سے بھی اس کا وجود سرزد نہ ہو سکا۔ اور وہ بھی اپنے بیٹے کو ہلاک و قتل کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔

غرضکہ گفت و شنید سے جب صلح کی شرائط طے پا گئیں تو حضورؐ نے قلم دوات اور کاغذ حضرت اوسؓ بن خولی انصاری کو دیا تاکہ وہ صلحنامہ لکھیں یہ خط و کتابت میں مہارت رکھتے تھے سہیل نے کہا "اے محمد! (صلے اللہ علیہ وسلم) صلحنامہ آپ کے چچا کے فرزند علی مرتضےؓ کو لکھنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات اس بنا پر ہو گی کہ مصالحت، معاہدہ اور اس کے نقص کے معاملہ میں احق و اولیٰ شخص عصبات اور اس کے گھر والے ہی ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر سورۂ توبہ کے پڑھنے کے لئے جس میں نقض عہد اور منافقین کی توبہ تھی۔ حج کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر الحاج کر کے بھیجنے کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بھیجا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یا حضرت عثمان لکھیں۔ چونکہ حضرت عثمانؓ بھی عصبات میں سے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے۔ اس پر حضورؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو بلا کر فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سہیل نے کہا ہم "رحمٰن" کو نہیں پہچانتے اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا "الرحمٰن الرحیم" کیا ہے؟ ہم اسے نہیں جانتے لکھو "بسمک" جیسا کہ عام طور پر لکھا جاتا ہے اور جاہلیت میں متعارف و معہود تھا کہ خط کے عنوان پر "بسمک" لکھتے تھے۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کا کلمہ نہ تھا اسے تو دین اسلام نے وضع کیا ہے۔ اس پر مسلمانوں نے کہا واللہ ہم نہیں لکھیں گے مگر "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پھر حضورؐ نے فرمایا "اے علی! لکھو" بسمک اللّٰھم "حضرت علی مرتضیٰ کرم نے عرض کیا میں نے ایسا ہی لکھا ہے یعنی "بسمک اللّٰھم" حالانکہ یہ سہیل کا جھگڑا پن ہے اس لئے کہ دونوں کلاموں کا مضمون ایک ہی ہے اور جو کچھ کافروں نے چاہا اس میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے۔ خرابی تو اس صورت میں تھی اگر وہ اپنے شیطانوں اور بتوں کے نام کا مطالبہ کرتے۔

اس کے بعد فرمایا لکھو ھٰذَا مَا قَاضٰی عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ (اللہ کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا ہے یہ وہ ہے) حضرت علی مرتضیٰؓ نے اسے لکھ لیا۔ سہیل نے کہا "ہم آپ کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ خدا کی قسم اگر ہم جانتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو اس کے گھر کی زیارت سے ہم آپ کو نہ روکتے۔ اس میں لکھئے "محمد بن عبداللہ" سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں محمد رسول اللہ بھی ہوں اور محمد بن عبداللہ بھی ہوں۔

لکھو محمد بن عبد اللہ۔ اور لفظ رسول اللہ کو محو کر کے اس کی جگہ ابن عبد اللہ لکھدو، حضرت علی مرتضیٰ نے کہا میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا کہ میں وصف رسالت کو محو کر دوں۔ روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے کاغذ کو ہاتھ سے رکھ دیا اور ہاتھ تلوار پر لے گئے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا لفظ رسولؐ اللہ کے محو کرنے سے انکار کرنا از باب ترکِ امتثال نہیں ہے جو مستلزم ترک ادب ہے بلکہ عینِ امتثال وادب ہے جو انتہائی عشق ومحبّت پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے بعد حضورؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کے ہاتھ سے تحریر لے کر لفظ رسول اللہؐ کو محو کر کے اس کی جگہ ابن عبد اللہ لکھدیا۔ واضح رہنا چاہیئے کہ اس حدیث کی ظاہر عبارت ایسی ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس لفظ کو حضورؐ نے اپنے دست اقدس سے لکھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اسکے لکھنے کا حکم فرمایا۔ جیسا کہ قیصر وکسریٰ کو خطوط لکھنے کے بارے میں مروی ہے۔ اور کلام عرب میں ایسا مجاز متعارف ہے۔ اس باب میں بحث طویل ہے آخر مبحث میں اس پر ہم خبردار کریں گے۔

معارج النبوۃ میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "اے علیؓ! تمہیں بھی ایسا ہی معاملہ آگے درپیش ہوگا۔ بیان کرتے ہیں کہ جب قضیہ صفین میں صلح قرار پائی تو صلحنامہ میں لکھا گیا کہ یہ کتابت، امیر المومنین علیؓ کی مصالحت معاویہ بن ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ حضرت معاویہؓ نے کہا لفظ امیر المومنین کو کاٹ دو اور لکھو علیؓ بن ابی طالب۔ اگر میں ان کو امیر المومنین جانتا تو ان کے ساتھ جنگ نہ کرتا اور ان کی پیروی و اطاعت کرتا۔ اس پر علی مرتضیٰؓ نے فرمایا" اللہ کے رسولؐ نے سچ فرمایا تھا اور جس طرح حضرت امیر معاویہ نے کہا لکھا گیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن صحابہ کرام انتہائی اندوہناک اور غمگین ہو گئے تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے تصوّر میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے خواب کا نتیجہ اسی سال ظاہر ہوگا اور مکہ کی فتح حاصل ہو گی۔ اور مسلمان مسجد حرام میں داخل ہوں گے تاریخ میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ اس دن میرے دل میں بڑا ہیجان برپا تھا۔ اور میں حضورؐ کے ساتھ اس طرح سامنے آیا کہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہ آیا تھا میں نے حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا "کیا آپ نبی برحق نہیں ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا "میں نبی برحق ہوں"، میں نے عرض کیا، "کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ اور مخالفین باطل پر نہیں ہیں؟" فرمایا! "ہاں۔ تم حق پر ہو اور مخالف باطل پر ہیں"۔ میں نے عرض کیا:" پھر کس لئے ہم ایسی ذلت وحقارت برداشت کریں؟ اور ایسی صلح کر کے لوٹیں؟" حضورؐ نے فرمایا" اے خطاب کے بیٹے! بلاشبہ میں خدا کا بھیجا ہوا رسول

ہوں۔ اور خدا کے حکم کے بغیر میں کچھ نہیں کرتا۔ وہی میرا معین و مددگار ہے۔ وہ مجھے یونہی نہ چھوڑے گا۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلح، وحی کے ساتھ واقع ہوئی تھی اور رائے اور اجتہاد کی نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "کیا آپ نے ہم سے وعدہ نہیں فرمایا تھا کہ عنقریب ہم مکہ میں داخل ہوں گے اور خانہ کعبہ کا طواف بجالائیں گے؟" فرمایا "ہاں میں نے وعدہ کیا ہے۔ لیکن میں نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اسی سال۔ اے عمرؓ تم غم نہ کرو تم ضرور خانۂ کعبہ کی زیارت کرو گے اور طواف بجالاؤ گے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اسی طرح غم و اندوہ میں مبتلا حضورؐ کی مجلس مبارک سے اٹھ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا ان سے ایسی ہی گفتگو کی جس طرح کہ میں نے حضورؐ سے عرض کی تھی۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضورؐ نے مرحمت فرمایا تھا۔ یہ حکایت، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کمال علم، وفور صدق و یقین اور متابعت پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے مَا صَبَّ اللّٰهُ فِیْ صَدْرِیْ شَیْئًا اِلَّا وَصَبَبْتُ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ میرے سینہ میں بھرا، میں نے وہ سب ابوبکر صدیق کے سینہ میں بھر دیا۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اے عمرؓ جاؤ، حضورؐ کی رکاب سعادت ہاتھ میں لو کسی قسم کا اعتراض نہ کرو۔ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں جو کچھ کرتے ہیں وحی سے کرتے ہیں۔ اس میں مصلحت ہوگی اور خدا ان کا ناصر و مددگار ہے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول، دریافت کرنے اور معلوم کرنے کے لئے تھا نہ کہ بر سبیل شک و انکار، حاشا وہ اس سے پاک ہیں۔" اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر گزر گئی اس دن جو وسوسۂ شیطانی اور نفس کا دھوکہ میرے دل میں لاحق ہوا تھا اس پر میں برابر استغفار میں مشغول ہوں، اعمال صالحہ مثلاً روزہ، نوافل، غلاموں کو آزاد کرنا اور صدقہ و خیرات کے ذریعہ توسل کرتا ہوں تاکہ اس کا کفارہ ہو اور میں بری ہو جاؤں۔"

منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کی مدت میں اتنے مشرکین مسلمان ہوئے جو ابتدائے بعثت سے وقت مصالحت تک کی تعداد کے مساوی ہو گئے تھے۔ اور صدیقؓ فرمایا کرتے اسلام میں صلح حدیبیہ کے برابر کوئی فتح نہ تھی لیکن یہ بات عقل کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ ایسا بھید ہے جو حضورؐ کے اور رب تعالیٰ کے درمیان تھا، لیکن لوگ عجلت پسند ہیں اور حق تعالیٰ عجلت سے منزہ و پاک ہے۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ اس صلح پر جو مصالح مترتب ہوئے اور روشن واضح ثمرات و فوائد ظاہر ہوئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں مکہ فتح ہوا۔ اور مکہ والے اسلام میں داخل ہوئے اور عام لوگ خدا کے دین میں داخل ہوئے۔ اس لئے کہ صلح سے پہلے کفار مسلمانوں کے ساتھ مختلط اور ملے جلے نہ تھے۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے اوضاع واطوار اور آپ کے حالات ان پر ظاہر نہ تھے، جیساکہ چاہیئے۔ اور صحبت وخلوت کسی کے ساتھ نہ رکھتے تھے جو وہ جانتے اور علم حاصل کرتے اور حضورؐ کے احوال وصفات کی خبر ہوتی اور ان پر حقیقت واضح و روشن ہوتی جب صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو کفار مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے اور مدینہ طیبہ آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم اور آپ کے صحابہ کے احوال سے باخبر ہوئے، اور صحابہ کفار کے سامنے بیدھڑک قرآن پڑھتے اور بے خوف مباحثہ ومناظرہ کرتے اور مسلمان بے جھجک مکہ مکرمہ جاتے اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ تنہائیوں میں بیٹھتے اور اپنے یاروں، دوستوں میں بیٹھتے ان کو نصیحتیں کرتے، جب اہلِ مکہ نے حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم کے احوالِ شریفہ، معجزاتِ ظاہرہ، آثار بینہ کو سنا اور آپ کی نبوت کی نشانیوں اور آپ کے حسنِ سیرت اور جمال طریقت سے وہ باخبر ہوئے تو ان کے دلوں میں حضورؐ کی محبت پیدا ہوئی اور ان کے باطن، ایمان واحکام کی طرف مائل ہوئے، حالانکہ یہ وہی لوگ تھے جو اس سے پہلے اہل کفر وطغیان کی باتوں اور نفس وشیطان کی فریب کاریوں کے سوا کچھ نہ سنتے تھے، پھر صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان بہت بڑی جماعت اسلام لے آئی، اور اسلام اور مسلمانوں سے خاص لگاؤ پیدا ہوا، یہاں تک کہ نورِ فتح مکہ طلوع ہوا۔ اور دین کے براہین روشن ہوئے اور اہل عرب، قبائل قریش کے سوا جو وادیوں اور پہاڑوں میں رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے اسلام کو فتح مکہ اور وہاں کے رہنے والوں کے مسلمان ہونے پر موقوف کر رکھا تھا، جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور قریش اسلام لے آئے تو حق تعالیٰ کا یہ فرمان حق ظاہر ہوا کہ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ○

جب اللہ کی مدد اور فتح آئی اور تم نے دیکھا کہ لوگ خدا کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں۔

---

ان تمام امور وفتوح کا مبدا، وسرچشمہ یہی صلح حدیبیہ تھی۔ اور مفسرین کی بیشتر جماعت حق سبحانہ کے قول اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا۔ میں فتح سے یہی صلح حدیبیہ کا قصہ مراد لیتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ اقوال بھی ہیں جو پہلے ذکر کئے گئے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا مشرکوں کے ساتھ ایسی صلح (کسی مسلمان کے لئے نبی کے سوا) جائز ہے کہ جو کوئی مسلمان ان کی طرف آئے اس کو انہیں لوٹا دیں گے۔ علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ جائز ہے بربنائے قصۂ ابوجندل اور ابوبصیر رضی اللہ عنہما اور ایک جماعت علماء کی یہ کہتی ہے یہ جو کچھ واقع ہوا منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ یہ حدیث ہے کہ فرمایا:۔ اَنَا بَرِیْءٌ مِّنْ مُّسْلِمٍ بَیْنَ الْمُشْرِکِیْنَ یعنی میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہی ہے، اور امام شافعی کے نزدیک، عاقل و مجنون اور بچوں کے درمیان حکم میں فرق ہے مطلب یہ کہ مجنون اور بچے تو لوٹائے نہ جائیں گے اور عاقل کو لوٹایا جائے گا۔

## دست اقدس سے کتابت فرمانے کی بحث

تنبیہ :۔ پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ علماء سیر اور تواریخ کے درمیان اختلاف ہے کہ حضورؐ نے اپنے اسم شریف کی خود کتابت فرمائی جیسا کہ قریش نے چاہا یا حضرت علی مرتضیٰؓ کو حکم فرمایا کہ لکھو۔ پہلے قول کے قائلین ظاہر حدیث سے استدلال و تمسک کرتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں "محمد رسول اللہ" تحریر ہے۔ تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے وہ جگہ بتائی۔ پھر آپ نے "رسول اللہ" کو محو فرما کے محمد بن عبداللہ کو اس کی جگہ لکھا۔ اسی طرف ابوالولید باجی جو علماء مغرب کے اعاظم میں سے ہیں گئے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے باوجود اس کے کہ آپ لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اسے تحریر فرمایا۔ اور ان کے زمانہ کے اندلس کے علماء نے ان کو برا کہا اور ان کی طرف کفر و زندقہ کی نسبت کی۔ بایں سبب کہ ان کا قول نص قرآنی کے مخالف ہے۔ اسی معنی میں ان علماء میں سے ایک نے یہ شعر کہا۔ شعر

برئت عن شریٰ دنیا باٰخرتہ وقال ان رسول اللہ قد کتبہ

مطلب یہ کہ میں اس شخص سے بیزار ہوں جس نے دنیا کے بدلے اپنی آخرت بیچی اور کہا کہ رسول اللہ نے بلاشبہ خود لکھا۔

علماء اندلس نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تحریر و کتابت اور دیکھ کے پڑھنے سے مبرا و منزہ بنایا اور آپ کو نبی اُمّی پیدا فرمایا۔ اور اسے آپ کی نبوت کا برہان قرار دیا، اور فرمایا وَمَا کُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ اور آپ نے اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھی تھی اور نہ اپنے دست مبارک سے اسے آپ نے لکھا اس وقت یقیناً باطل لوگ شک میں پڑتے۔ لہٰذا حضورؐ کے لئے کتابت ثابت کرنا اس برہان کے

ابطال کا موجب ہوگا، اور موجب کفر ہوگا۔ جب علماء کے درمیان یہ مناظرہ اور مجادلہ برپا ہوا تو امیر وقت نے ان سب کو جمع کیا۔ اور ان علماء پر امیر وقت نے اپنے علم و معرفت کا اظہار باجی کی حمایت میں کیا۔ اور کہا کہ یہ قرآن کے منافی نہیں ہے بلکہ مفہوم قرآن سے ماخوذ ہے۔ اس لئے کہ نفی کو نزول قرآن سے ماقبل کے ساتھ مقید کیا گیا ہے جب حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی امیت متحقق و ثابت ہوگئی اور اس کا ظہور آپ کے معجزہ کے طور پر ہوا۔ تو شک و ارتیاب سے محفوظی حاصل ہوگئی۔ اس میں کوئی مانع اور حارج نہیں ہے کہ بغیر سیکھے تحققِ امیت کے بعد کتابت سے واقف ہو جائیں۔ حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم کا یہ ایک اور معجزہ ہے۔ ابن وحیہ نے بیان کیا ہے کہ افریقہ کے علماء کی جماعت نے اس معنی میں باجی کی موافقت کی ہے۔ اور ابن وحیہ اکابر علماء میں سے ہیں۔ ابو ذر جو امام بخاری کے راویوں میں سے ایک ہیں، اور ابو الفتح نیشاپوری اور دیگر علماء عصر سب موافقت کرتے ہیں اور بعض علماء، تو ابن ابی شیبہ کی اس روایت سے جو بطریق مجاہد از عون بن عبداللہ مروی ہے استدلال کرتے ہیں کہ کہا مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی کَتَبَ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی رحلت نہ ہوئی یہاں تک کہ کتابت فرمائی، مجاہد نے کہا میں نے اس مقولہ کو شعبی سے بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ عون نے ٹھیک کہا۔ بلاشبہ میں نے بھی کسی سے ایسا ہی سُنا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایسے آثار و اخبار مروی ہیں کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی معرفتِ حروف و تحریر اور حسنِ تصویر پر دلالت کرتی ہیں مثلاً یہ کہ حضورؐ نے اپنے کاتب سے فرمایا قلم کو اپنے کان پر رکھو یہ تمہاری یادداشت کے لئے زیادہ معاون ہے۔ اور حضرت امیہ سے فرمایا جبکہ وہ حضورؐ کے پاس تحریر کر رہے تھے سیاہی کو سیاہ رکھو (یعنی پھینکی نہ ہو) اور قلم کو بناؤ۔ اور باء کو پورا لکھو اور سین کو کھینچ کر لکھو، اور میم کو گول بناؤ۔ (یعنی بسم اللہ کو اس طرح لکھو) وہ فرماتے ہیں کہ اس بات سے اگرچہ یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ حضورؐ نے اپنے دستِ اقدس سے لکھا لیکن بعید نہیں ہے کہ آپ کو صنعت و اندازِ کتابت بھی مرحمت فرمایا گیا ہو۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز کا علم مرحمت فرمایا ہے۔ جمہور نے جواب میں ان تمام حدیثوں کو ضعیف قرار دیا اور قضیہ حدیبیہ کے جواب میں کہا کہ یہ قصہ ایک ہی ہے اور کاتب حضرت علیؓ ہی ہیں اور مسور بن مخرمہ کی حدیث میں جو صلح حدیبیہ کے باب میں اصل ہے تصریح کی گئی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان حروف کو حضورؐ کے حکم سے لکھا۔ اب رہا وہ نکتہ جو راوی کے قول میں ہے کہ حضورؐ نے کاغذ کو لیکر فرمایا اس کلمہ کی جگہ بتاؤ جس کے محو کرنے سے حضرت علی مرتضیٰؓ نے انکار کر دیا

تھا تو یہ اس قدر ہے کہ آپ نے خود محو فرمایا نہ کہ اس کی جگہ خود لکھا۔ گویا راوی کے قول میں حذف کتابت ہے۔ اور تقدیر کلام یہ ہے کہ حضورؐ نے حذف فرما کر علی مرتضیٰؓ کو دیدیا پھر علی مرتضیٰؓ نے اس جگہ لکھا۔ لہٰذا "کتب" کے معنے احکم کتابت ہوگا۔ یہ بات کلام میں بہت ہے جیسا کہ قیصر و کسریٰ کی طرف خطوط لکھنے میں ہے، اور حدیث کو ظاہر پر محمول کرنے کی تقدیر پر لازم نہیں آتا کہ اس روز حضورؐ نے اپنے دستِ اقدس سے لکھا ہو۔ بغیر اس بات کے کہ لکھنا جانتے ہوں اور صفتِ کتابت سے واقف ہوں اور اس کتابت کے بعد اپنی صفتِ اُمیت سے باہر آگئے ہوں۔ اس لئے کہ بکثرت ایسے لوگ ہیں جو لکھنا نہیں جانتے مگر بعض کلمات کی صورتوں اور ان کی وضعوں کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ اپنے ناموں کو۔ اس کے باوجود ان سے اُمیت خارج نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بہت سے بادشاہ ایسے گزرے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت حضورؐ کے دستِ اقدس سے کتابت جاری ہوئی ہو باوجود عدمِ علم بکتابت کے۔ لہٰذا خواہش کے موافق بطریق اعجاز ظہور میں آیا ہو خصوصاً اس خاص وقت میں، اس بات سے آپ اُمی ہونے سے باہر نہیں آتے۔ یہ جواب ابو جعفر سمنانی نے دیا ہے جو ائمۂ اصول میں سے ہیں۔ اور ابن جوزی نے ان کے اتباع میں ان سب کو بیان کیا ہے۔

بندۂ مسکین عبدالحق بن سیف الدین خصہٗ اللہ بمزید الصدق والیقین یعنی صاحب مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اپنے دست مبارک سے اسم شریف کی کتابت میں خصوصیت کے ساتھ بحث کرنے میں خلاف اور تنگی کو گنجائش دیتا ہے۔ حالانکہ حدیث شریف کی ظاہر عبارت بھی اس کی نظیر و دلیل ہے۔ اس لئے کہ اس کا واقع ہونا بطریق معجزہ ہے اور اس اُمیت کے جو مدار اعجاز اور برہانِ نبوت ہے اس کے منافی نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ اُمیت اور عدم وجودِ خط و کتابت جب تک نزول قرآن اور اقامت حجت متحقق ہے مادۂ شبہ کی جڑ ختم ہوگا؟ بعد ازاں اگر وجود کتابت حاصل ہو تو کوئی موجب ضرر نہیں ہے اور شک وارتیاب کے گرداب میں نہیں پڑے گا۔ یہ بات محلِ نظر ہے اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو شبہ لوٹ سکتا ہے اور معاند کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ خط و کتابت کو جانتے تھے مگر چھپائے ہوئے تھے۔ اور قرآن کریم میں جو فرمان باری ہے کہ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ ۔ معاند کو کیا فائدہ دیتا۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ حق و صواب یہی ہے کہ "کتب" کے معنی لکھنے کا حکم فرمانا ہے (واللہ اعلم)

## بعد صلح حدیبیہ قربانی کرنا

جب صلحنامہ کی کتابت مکمل ہوگئی اور تمام اکابر صحابہ کرام اور بعض مشرکین نے بھی اپنی گواہیاں لکھدیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ سے فرمایا کہ اب اٹھو اور اپنے ہدی کے اونٹوں کو ذبح کردو۔ اور اپنے سر کے بال ترشوالو۔ اور احرام سے باہر آجاؤ۔ صحابہ کو چونکہ عمرہ ادا کئے بغیر لوٹنے کی وجہ سے حد درجہ رنج وملال لاحق تھا کوئی ایک صحابی نہ اٹھا اور حضورؐ کا حکم پورا کرنے کے لئے کھڑا نہ ہوا۔ حضورؐ غضبناک ہوکر حضرت ام سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لائے اور صحابہ کا امتثال حکم شریف میں توقف کرنیکی شکایت فرمائی۔ سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! انہیں معذور جانئے کیوں کہ ان کو عظیم صدمہ اور ملال پہنچا ہے۔ ان کے دل فتح مکہ کی آس لگائے ہوئے تھے اور یقین کئے ہوئے تھے کہ عمرہ کرکے لوٹیں گے۔ باوجود فقدانِ مطلوب آپ نے قریش کے ساتھ صلح کرلی۔ اور جو کچھ ان کو آپ سے خواہش تھی قبول نہ فرمایا۔ اگر آپ کی خاطر مبارک میں یہ ہے کہ صحابہ قربانی کریں اور اپنے سر منڈائیں تو آپ اٹھیئے اور کسی سے کچھ نہ فرمائیے اور اپنے اونٹوں کا نحر فرمائیے اور اپنے سر مبارک کو مونڈ دیجئے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ آپ ایسا کر رہے ہیں تو ان کو بجز آپ کی متابعت کوئی چارہ نہ ہوگا۔ وہ سب بھی وہی کرنے لگیں گے۔ جو آپ کریں گے۔" اس کے بعد حضورؐ سیدہ ام سلمہؓ کے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور حلق فرمایا۔ صحابہ بھی کرنے لگے۔ لیکن غم واندوہ سے صحابہ کا حال اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ وہ خود کو ہلاک کردیں اور مار ڈالیں۔ اس کے بعد کچھ صحابہ نے سر منڈایا اور کچھ صحابہ نے بال ترشوائے۔ حضورؐ نے دعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اغْفِرِ الْمُحَلِّقِیْنَ ۔ اے خدا سر منڈانے والوں کو بخشدے: اس پر صحابہ نے عرض کیا وَالْمُقَصِّرِیْنَ یَارَسُوْلَ اللہِ یعنی بال ترشوانے والے بھی بخشے جائیں۔ دوسری اور تیسری مرتبہ بھی حضورؐ نے اَللّٰھُمَّ اغْفِرِ الْمُحَلِّقِیْنَ ۔ ہی کہا۔ صحابہ نے عرض کیا وَالْمُقَصِّرِیْنَ چوتھی مرتبہ وَالْمُقَصِّرِیْنَ فرمایا۔ بار بار یہی دعا فرماتے رہے اور سر منڈانے والوں کی فضیلت کی زیادتی کو ملحوظ رکھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل کا وہ اونٹ جو حضورؐ کے اونٹوں میں تھا مشرکوں نے چاہا کہ آپ کو اس کے ذبح سے باز رکھیں۔ سہیل بن عمر جو صلح میں مرتب ومسبب تھا اس نے مشرکوں کو بہت جھڑکا اور برا کہا اور کہا کہ اگر ایسی ہی تمہاری خواہش ہے تو اس اونٹ کے عوض سو اونٹ دیدو شاید کہ حضورؐ مان جائیں۔ پھر وہ سو اونٹ حضورؐ کی خدمت میں لائے حضورؐ نے قبول نہ فرمایا۔ اور فرمایا "اگر اس اونٹ کو اس کے لئے مقرر نہ کردیا ہوتا تو تمہاری

عرضداشت قبول کرلی جاتی۔" عجب ہے ان بدبختوں نے اس اونٹ کو شرائط میں داخل کیوں نہ کیا یا ممکن ہے کہ قبول نہ فرمایا ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ ابوجہل ملعون کے اس اونٹ کو ذبح کرنے کا مقصد کفار کو غیظ میں لانا اور ان کے دلوں کو توڑنا تھا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے بیس۲۰ اونٹوں کو جن میں ابوجہل کا اونٹ بھی تھا اپنے دست مبارک سے نحر فرمایا۔ باقی کو ناجیہؓ بن جندب کو دیا کہ مکہ مکرمہ لے جاکر مروہ میں ذبح کریں اور ان کے گوشت کو وہاں کے فقراء و مساکین میں تقسیم کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہدی کے تمام اونٹوں کو حدیبیہ میں ہی نحر کیا گیا۔ اسی جگہ سے امام شافعی کے نزدیک نحر کے لئے حرم شرط نہیں ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ کا کچھ حصہ حرم تھا اور کچھ غیر حرم اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قربانی اور بالوں کے نزدیک اور کاٹنے سے سب فارغ ہوگئے تو حق تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی یہاں تک کہ مسلمانوں کے بالوں کو وہ آندھی مکہ مکرمہ لے گئی اور انھیں حرم میں پھیلا دیا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر مبارک کے بالوں کو کھجور کے درخت پر جو کہ قریب تھا رکھا اور صحابہ کرام ان موہائے مبارک کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر اژدھام کرکے آئے۔ ام عمارہؓ کہتی ہیں کہ میں بڑی سعی و کوشش سے ان میں سے چند موہائے مبارک کی حصول یابی میں کامیاب ہوئی جو میرے پاس ہیں میں بیماروں کے لئے پانی میں غسل دے کر اس غسالہ کو پلاتی ہوں اور وہ شفایاب ہوتے ہیں۔

حدیبیہ کے مقام میں لشکر اسلام کی اقامت تقریباً بیس۲۰ روز رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب واپس ہوکر منزل "ضجنان" ایک روایت میں "کراع الغمیم" کے قریب پہنچے تو سورۂ "انا فتحنا" جو دینی و دنیوی مقاصد اور ظاہری و باطنی کمالات کی جامع ہے نازل ہوئی۔ چنانچہ حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا آج رات مجھ پر ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جس کو میں ہر اس چیز سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں جس پر سورج طلوع کرے۔ صحابہ پر سورۂ انا فتحنا کی تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد حضورؐ نے صحابہ کو مبارک باد دی اور صحابہ نے حضورؐ کی تہنیت ادا کی۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مفسرین کی مراد، اس فتح سے صلح حدیبیہ ہے۔ جو کہ فتوحات کثیرہ اور فیوضات عظیمہ کا مبداء و مقدمہ ہے۔ اس امر کی وضاحت خوب اچھی طرح ہو چکی ہے۔ مفسرین کی ایک جماعت اس سے فتح مکہ مراد لیتی ہے اور بعض لوگ فتح خیبر مراد لیتے ہیں۔ اگرچہ یہ فتوحات اس وقت تک وجود میں نہیں آئی تھیں اور ان کا وقوع نہ ہوا تھا مگر اس کا تحقق صیغۂ ماضی کے ساتھ ذکر کرکے کر دیا۔ جیسا کہ اہل زبان عرب کی عادت اور قرآن مجید کی روش ہے (واللہ اعلم)

اس قصہ کے عجائب وغرائب میں سے ابوبَصِیر کا قصہ ہے جو عتبہ بن اسد ثقفی کے بیٹے اور بنی زہرہ کے ہم سوگند وحلیف تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب صلح فرما چکے اور حدیبیہ سے مدینہ طیبہ تشریف لے آئے تو یہ ابو بصیر رضی مسلمان ہو کر مکہ مکرمہ سے فرار ہو کر سات دن پیدل مسافت طے کر کے حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچے۔ کفار قریش نے ان کے مطالبہ کے لئے دو شخصوں کو بھیجا ان میں سے ایک تو بنی عامر میں سے تھا اس کا نام معلوم نہ ہوا اور دوسرا کوثر نامی اس کا ملازم وساتھی تھا ان دونوں نے ایک خط حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو چاہیئے کہ بمقتضائے صلح، جو حدیبیہ میں طے ہو چکا ہے ابو بَصِیر رضی کو لوٹا دیں۔" ابی ابن کعب رضی نے مشرکوں کا خط پڑھ کر حضورؐ کو سنایا اس پر حضورؐ نے ابو بَصِیر کو ان کے سپرد کر دیا۔ ابو بصیر نے عرض کیا "یا رسول اللہ آپ مجھے مشرکوں کی طرف بھیجتے ہیں" حضورؐ نے فرمایا اس قوم نے ہمارے ساتھ عہد باندھا ہے اور تم جانتے ہو کہ ہمارا کام غدر وبیوفائی نہیں ہے۔ جاؤ اللہ تعالے تمہارے کام میں کشادگی فرمائے گا اور فراخی وآزادی کی کوئی سبیل پیدا کر دے گا" پھر وہ دونوں مشرک ان کو لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب انہوں نے ذوالحلیفہ پر پڑاؤ کیا تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ وہاں کی مسجد میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی اور راستہ کا کھانا جو وہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اپنے سامنے رکھا اور ان دونوں ساتھیوں کو بھی اپنے سامنے بلایا تاکہ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائیں اور ایک دوسرے سے انسیت پیدا ہو۔ ابو بصیر رضی نے عامری کا نام ونسب پوچھا اور کہا کہ یہ تیری تلوار تو بڑی عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ عامری نے تلوار کو نیام سے نکال کر کہا تم ٹھیک کہتے ہو میں نے بارہا اس کو آزمایا ہے اور اس نے بہت کام دیا ہے۔ ابو بصیر رضی نے کہا مجھے دینا میں دیکھوں؟ عامری نے غفلت وبے پرواہی سے تلوار ابو بصیر رضی کے ہاتھ میں دیدی۔ ابو بصیر رضی نے ہاتھ میں تلوار لیتے ہی ایک ضرب سے اس کو جہنم رسید کر دیا۔ کوثر نے جو یہ حال دیکھا الٹے قدم مسجد سے نکل کر بارگاہِ نبوت کی جانب بھاگا۔ حضورؐ نے جب اس کو دور سے بھاگتے ہوئے ملاحظہ فرمایا اور جب یہ قریب آیا تو اس نے کہا میرے ساتھی کو قتل کر دیا گیا ہے اور میں خطرے میں ہوں۔ اتنے میں ابو بَصِیر رضی بھی عامری کی تلوار حمائل کئے اس کی سواری پر سوار اسی وقت مدینہ منورہ پہنچ گئے اور بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! آپ نے تو مجھے سپرد کر کے اپنے عہد کا ایفا فرما دیا۔ اب مجھے حق تعالے نے ان سے آزادی بخشی اور ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ حضورؐ نے فرمایا "وَیْلُ لِاُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ لَهٗ اَحَدٌ" یعنی یہ ابو بصیر جنگ کی آگ کو بھڑکانے والا اور تیز کرنے والا ہے، اور کوئی

جو اس کی امداد و اعانت کرے؟ حضورؐ کا یہ کلام اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ابو بصیرؓ کو چاہیئے کہ وہ بھاگ جائے۔ اور جو مسلمان مکہ مکرمہ میں محبوس و ممنوع ہیں۔ ان کے ساتھ مل جائے۔ شارحین کے نزدیک اس کا یہی مطالبہ ہے۔ اس عبارت کا مطلب ابو بصیرؓ کے عمل کی مذمت و برائی کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مراد تعجب ہے کہ یہ شخص عجیب مرد فرزانہ اور بہادر ہے۔ اگر کوئی اس کی نصرت و اعانت کرے تو یہ بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔ اگرچہ سیاق کلام اور اقتضائے مقام سرزنش اور شکایت کے غماز ہیں کہ یہ شخص جنگ اور فتنہ کی آگ کو بھڑکائے گا اور کوئی ہے جو اسے سمجھائے کہ یہ ہمارے پاس نہ آئے اور یہ یہاں سے چلا جائے۔ کیوں کہ اس کی ہمارے پاس موجودگی، فتنہ اور جنگ کا باعث بن سکتی ہے اور یہ کوئی ہے جو انہیں پکڑ کر دوبارہ قریش کے سپرد کر دے۔ اس میں فرار کی طرف بھی تلقین و تعلیم ہے۔ (فافہم)۔

ابو بصیرؓ نے حضورؐ سے جب یہ بات سنی تو فوراً واپس ہوئے اور مسجد سے نکل کر بھاگ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ساحل دریا پر پہنچ کر "منزل عیص" میں ٹھہر گئے۔ اور یہ منزل قریش کے شام کی طرف تجارت کی غرض سے جانے والے قافلوں کی گزرگاہ تھی۔ پھر تو رفتہ رفتہ ایسا ہوا کہ جو کوئی اہل مکہ میں سے مسلمان ہوتا وہ اُن کے پاس آجاتا۔ اور یہ لوگ اسی طرح مجتمع ہوتے جاتے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نے ابو جندلؓ کو جو سہیل بن عمرو کا بیٹا تھا اور جو حدیبیہ میں مسلمان ہو کر آیا تھا اور حضورؐ نے اس کو اس کے باپ کے سپرد کر دیا تھا۔ پیغام پہنچایا۔ اور ابو بصیرؓ کے قصہ کی خبر پہنچائی۔ تو وہ بھی باپ کے پاس سے بھاگ کر ابو بصیر کے پاس آگئے یہاں تک کہ ایسے لوگوں سے ایک بہت بڑی جماعت بن گئی۔ اور یہ قریب تین سو کے ہو گئے۔ قریش کا جو قافلہ بھی شام کی طرف جاتا۔ یہ حضرات اس قافلہ کو سرِ راہ پکڑ لیتے۔ قافلہ کے لوگوں کو قتل کر دیتے اور ان کے اموال پر قبضہ کر لیتے تھے۔ چنانچہ قریش اس صورتِ حال سے تنگ آگئے اور اپنے کئے پر پشیمان ہونے لگے۔ ابو سفیانؓ بن حرب کو قریش نے حضورؐ کی خدمت میں بھیجا اور خدا کی قسم دی کہ اس جماعت کو اپنے پاس بلالیں اور ہم اس شرط کو اٹھاتے ہیں ہم میں سے جو کوئی آپ کے پاس آئے گا امان میں رہے گا، ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد خواجۂ کائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التسلیمات نے کسی کو ان کی طرف بھیج کر انہیں اپنے ظلِ عاطفت میں بلا لیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک خط ابو بصیرؓ کے نام لکھا کہ تم اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ ہمارے حضور آجاؤ۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی ابو بصیرؓ کو پہنچا تو وہ نزع کے عالم میں تھے حضورؐ کا نامہ گرامی ہاتھ میں لیا سر

اور آنکھوں پہ رکھا اور رجاں بحق تسلیم ہو گئے ۔اس کے بعد ابو جندل رضی نے ان کو غسل دیکر تجہیز و تکفین کر کے دفن کیا اور ان کی قبر کے پاس ایک مسجد بنائی ۔ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ آگئے ۔

# بادشاہوں کی طرف وفود و فرامین کی ترسیل

اسی سال حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اطراف واکناف کے سلاطین اور بادشاہوں کی طرف وفود اور فرامین ارسال فرمائے ۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ ترسیل فرامین کا عمل ہجرت کے ساتویں سال ماہ محرم سے تعلق رکھتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ چونکہ یہ چھٹے سال کے آخر اور ساتویں سال کے شروع میں تھا یا یہ کہ چھٹے سال میں ارادہ فرمایا اور ساتویں سال اس پر عمل ہوا ۔ یا یہ کہ کچھ کو چھٹے سال میں بھیجا اور کچھ کو ساتویں سال میں ۔ اس بنا پر ان کو اشتباہ لاحق ہو گیا ۔ (واللہ اعلم)

## انگشتری مبارک

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ارادہ فرمایا کہ ان بادشاہوں کو فرمان ارسال فرمائیں تو صحابہ نے عرض کیا ۔ بادشاہ لوگ جس خط پر مہر نہ ہو اسے درخورِ اعتناء نہیں گردانتے اور نہ اسے پڑھتے ہیں ۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگشتری بنوائی اور صحابہ میں سے جن کو مقدرت تھی انہوں نے بھی اپنے لئے سونے کی انگشتری بنوائی ۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا کہ مردوں کو (دنیا میں) سونا پہننا حرام ہے ۔ اس پر حضور نے اپنے دستِ مبارک سے انگشتری نکال دی ۔ صحابہ نے بھی نکال دی اور فرمایا چاندی کی انگشتری بناؤ جس کا حلقہ اور نگینہ بھی چاندی کا ہو ۔ اور نگینہ پر "محمد رسول اللہ" نقش ہو ۔ اس طرح کہ اللہ ایک سطر میں ، رسول دوسری سطر میں اور محمد تیسری سطر میں ۔

اسی مہر کے ساتھ جن بادشاہوں کے نام فرامین نبوی بھیجے گئے ان میں سے ایک نجاشی شاہ حبشہ ، دوسرا ہرقل شاہ روم ، تیسرا کسریٰ شاہِ فارس مداین کے نام چوتھا مقوقس حاکم اسکندریہ ، پانچواں حارث بن ابی شمر غسانی حاکم شام کے نام ، چھٹا ہودہ بن علی حنفی والی یمامہ کا تھا ۔ یہ چھ اشخاص ہیں جن کی طرف حضور نے خطوط ارسال فرمائے ۔ بعض اہل سیر ساتویں شخص کا نام بھی

بتاتے ہیں وہ منذر بن ساوی حاکم بحرین ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہر ایک قاصد جس بادشاہ کی طرف بھیجا گیا حق تعالیٰ نے اسے اس بادشاہ کی زبان الہام فرمادی یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا۔

## مکتوب گرامی بجانب نجاشی شاہ حبشہ

نجاشی (بفتح نون یا بکسر نون وجیم مخفف) کا نام اصحمہ بن الحر ہے۔ اور ان کی طرف عمرو بن امیہ ضمری کو قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا یہ حضورؐ کے سعادتمندوں میں سے تھے۔ جب حضور کا مکتوب گرامی انھیں پہنچا تو انہوں نے اس کا احترام کیا اور تخت سے اتر کر زمین پر آئے اور ادب و تعظیم کے ساتھ مکتوب گرامی کو لے کر بوسہ دیا اور آنکھوں سے لگالیا۔ حکم دیا کہ حضورؐ کے گرامی نامہ کو پڑھیں۔ اس کا مضمون اس مفہوم کا تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" محمد رسول اللہ کی جانب سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف میں تمہاری طرف اس خدا کی حمد وثنا بھیجتا ہوں جو بادشاہ برحق اور مالک مطلق ہے۔ اور وہ ہر عیب و نقص سے پاک ومنزہ ہے۔ وہ ہر آفات وعیوب سے محفوظ، آیات ومعجزات کے ذریعہ اپنے نبیوں کا مصدق اور اپنے بندوں کو قیامت کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھنے والا ہے۔ وہی ان کو درجات رفیعہ پر فائز کرنے والا ہے۔ وہ ہر شئے پر غالب اور جبار، متکبر اور علیم ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ روح اللہ اور اس کے کلمہ ہیں۔ اور اس کلمہ کو مریم بتول، طیبہ اور حصینہ کی طرف القا فرمایا۔ اور وہ عیسیٰ سے وابستہ ہوئیں، پھر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اپنی روح سے پیدا فرمایا اور اس روح کو ان میں پھونکا۔ جس طرح کہ آدم علیہ السلام کو دست قدرت سے پیدا کیا تھا اور ان میں اپنی روح پھونکی تھی اما بعد بلاشبہ میں تمہیں دین اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اور اس سے پہلے تمہاری طرف اپنے چچا کے فرزند حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کو اور ان مسلمانوں کو جو ان کے ساتھ تھے بھیجا ہے۔ تمہیں سزاوار ہے کہ تجبر وتکبر کو اختیار نہ کرنا اور سمع قبول سے میری نصیحت سُننا۔ اور انقیاد و اطاعت کے زمرے میں داخل ہونا وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی"

نجاشی نے کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت زبان پر جاری کیا۔ اور کہا کہ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو خود چل کر حضورؐ اکرم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا۔ اور شرف حضوری کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا۔

حضورؐ کے گرامی نامہ کا جواب اس مضمون کا لکھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب نجاشی شاہ حبشہ کی طرف سے اے خدا کے نبی تم پر سلام ورحمت اور اس خدا کی برکتیں

ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی مجھے اسلام کی راہ دکھانے والا ہے۔ اما بعد بلاشبہ آپ کا گرامی نامہ مجھے ملا۔ جو کچھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق آسمان و زمین کے رب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ کھجور کی گٹھلی پر جو چھلکا ہوتا ہے اتنا بھی (اس سے زیادہ) نہیں ہے۔ یقیناً میں نے آپ کی لائی ہوئی شریعت کی حقیقت کو جانا۔ اور آپ کے چچا کے صاحبزادے اور آپ کے صحابہ کا اعزاز و احترام کیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے راست گو رسول ہیں۔ اور گزشتہ نبیوں نے اور پچھلی کتابوں نے آپ کی تصدیق کی ہے۔ میں آپ کے چچا کے صاحبزادے کے واسطے سے آپ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کے دست اقدس پر اسلام قبول کرتا ہوں والحمد للہ رب العالمین اور میں آپ کی خدمت اقدس میں اپنے بیٹے ارحی بن اصحمہ کو حاضر کرتا ہوں۔ اے خدا کے رسول اگر آپ حکم فرمائیں تو میں بھی آپ کی خدمت مبارک میں حاضر ہو جاؤں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ آپ نے فرمایا حق و صدق ہے والسلام علیک یارسول اللہ۔"

## دوسرا مکتوب گرامی بنام نجاشی

منقول ہے کہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک اور مکتوب نجاشی کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان کو جو کہ حبشہ کے مہاجرین میں سے ہیں ہمارا پیغام نکاح دے کر مدینہ منورہ روانہ کردو جس قدر مہاجرین حبشہ میں ہیں ان سب کو بھیجدو۔" چنانچہ نجاشی نے ام حبیبہ رضؓ کو حضورؐ کا خطبہ دیا۔ اور حضرت خالد رضؓ بن سعید بن العاص کو وکیل بنایا تاکہ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں انہیں دیدیں اور چار سو مثقال سونا مقرر کیا۔ اور تمام مہاجرین کو ساز و سامان مہیا کر کے دو کشتی میں بٹھا کر عمرو رضؓ بن امیہ ضمری کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے ہاتھی دانت کی ایک صندوقچی طلب کی اور حضورؐ کے دونوں خطوط مبارک کو اس صندوقچی میں رکھ کر محفوظ کر کے کہا کہ جب تک یہ دونوں گرامی نامے اہل حبشہ میں رہیں گے ان میں خیر و برکت رہے گی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامے حبشہ کے بادشاہوں کے ہاتھوں میں اب تک باقی ہیں اور وہ ان کی تعظیم و تکریم بجالاتے ہیں۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ یہ نجاشی اصحمہ تھا جس کی طرف مسلمان ہجرت کر کے نبوت کے پانچویں سال گئے تھے حضورؐ نے ان کو ہجرت کے چھٹے سال فرمان عالی وقار لکھا تھا۔ اصحمہ نجاشی ہجرت کے نویں سال رحلت کر گئے اور حضورؐ نے مدینہ منورہ میں انکی نماز جنازہ پڑھی۔ لیکن ان کے بعد نجاشی

والی حبشہ ہوا آپ نے اس کی طرف بھی مکتوب شریف بھیجا تھا اور دعوت اسلام دی تھی لیکن معلوم نہ ہوا کہ وہ اسلام لایا یا نہیں۔ مورخین نے ان دونوں نجاشیوں کے درمیان خلط ملط کیا ہے اور فرق ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ صحیح میں جو یہ منقول ہے کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو خط لکھا تو یہ وہ نجاشی نہیں ہے جس کی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی ہے۔ انتہی (واللہ اعلم)

## مکتوب گرامی بنام ہرقل شاہ روم

لیکن ہرقل مشہور بکسر ہا، وفتح را وسکون قاف ہے اور بسکون را وکسر قاف بھی کہتے ہیں۔ یہ قیصر روم کا نام ہے۔ قاموس میں ہے کہ یہ پہلا بادشاہ ہے جس نے سکّے اور اشرفیاں بنائیں۔ اور دیناروں پر ٹھپہ لگایا۔ یہ پہلا شخص ہے جس نے احداثِ بیعت کیا۔ اس کی طرف مشہور صحابی حضرت دحیہؓ کلبی (بفتح دال) کو قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا یہ حضرت دحیہؓ کلبی وہی ہیں جن کی شکل وصورت اختیار کر کے جبریل علیہ السلام بارگاہِ نبوت میں اکثر حاضر ہوتے رہے۔ یہ بڑے حسین وجمیل اور خوبصورت تھے۔ حضرت دحیہؓ کو یہ حکمِ عالی از بارگاہِ رسالت پہنچا کہ مکتوب گرامی کو حاکم بصریٰ کے پاس لے کر جاؤ۔ وہ کسی کو تمہارے ساتھ بھیجے گا تاکہ وہ تمہیں ہرقل کے پاس لے جائے۔ اس پر حضرت دحیہؓ بموجب حکم عالی وقار جب ملکِ شام میں بصریٰ پہنچے یہاں سے حارث بن ابی شمر کو جو اس خطہ کا ایک معزز شخص تھا اور عدیؓ بن حاتم طائی کی صحبت میں رہا تھا اس کو ساتھ لیکر ہرقل کے دار السلطنت کی طرف روانہ ہوگئے۔ اتفاق سے ہرقل اس وقت بیت المقدس کی زیارت کے لئے گیا ہوا تھا۔ چونکہ اس نے نذر مانی تھی کہ جب خسرو پرویز کے قبضہ سے روم کے بعض وہ ملاقے جو رومیوں کے ہاتھ سے نکل کر فارسیوں کے قبضے میں چلے گئے تھے جب دوبارہ واپس مل جائیں گے تو وہ قسطنطنیہ سے برہنہ پا، بیت المقدس حاضری دے گا اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھے گا۔ اور عبادت کرے گا۔ چنانچہ جب رومی، فارسیوں پر غالب آگئے تو اس نے حکم دیا کہ راستہ میں فرش بچھایا جائے اور اس پر گل وریاحین ڈالے جائیں۔ جب یہ بچھائے جا چکے تو وہ ان پر پاؤں رکھتا ہوا بیت المقدس گیا۔ اور اپنی منت پوری کی۔ اسی زمانہ میں جبکہ وہ بیت المقدس میں تھا اس نے ایک رات ستاروں کی روش اور ان کے احکام اور اثرات پر غور کیا اور اسے ایسا معلوم ہوا کہ ان کے اثرات اور احکام کے زیر اثر اس کی ذات میں ایک تغیر وتبدل واقع ہوگا۔ چنانچہ وہ خبیث النفس اور متفکر الطبیہ ہو کر اٹھا۔ اس کے مصاحبوں نے اس سے پوچھا کہ آج ہم تجھے مکدر اور غمگین دیکھ رہے ہیں اسکی وجہ کیا ہے؟" اس نے کہا کہ فلکی اوضاع کی روش سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ملک الختان نے ظہور کیا ہے یعنی

اس قوم کے بادشاہ نے ظہور کیا ہے جس قوم میں ختنہ کرنے کی سنت ہے۔ اور قریب ہے کہ ان کا دست تسلط ہماری مملکت کے علاقہ میں داخل ہو جائے اور ان شہروں کے رہنے والوں پر وہ غلبہ و فتح پا لیں۔ تم لوگ مجھے بتاؤ کہ ایسی کونسی قوم ہے جن میں ختنہ کرنے کی سنت ہے؟" مصاحبوں نے کہا "اس زمانہ میں تو یہودی ہی ہیں جو ختنہ کرتے ہیں"۔ اس پر اس نے حکم دیا کہ "جہاں بھی یہودی ہیں انہیں قتل کر دو"۔ اسی دوران قیصر کے کان میں لوگوں نے یہ بات پہنچائی کہ "ایک شخص عرب میں ظاہر ہوا ہے جس کے عجیب و غریب واقعات اور نرالے واقعات کے ظہور کی اطلاعیں آ رہی ہیں اور نقل کرنے والے اسے نور نبوت کے ظہور سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور نبی آخر الزمان صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال شریف بیان کرتے ہیں۔ اور یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ وہ شخص مختون ہے"۔ ہرقل نے کہا "ستاروں کی رہنمائی سے مجھ پر جو منکشف ہوا ہے اور جس جماعت کے بادشاہ کے ظہور کا پتہ چلا ہے وہ یہی جماعت ہے"۔ اسی اثناء میں حضرت دحیہ کلبی رضی حضور کا مکتوب گرامی لیکر عدی رضی بن حاتم بصری کے مصاحب کے ساتھ پہنچ گئے۔ انہوں نے وہ مکتوب گرامی ہرقل کو پہنچایا۔ اس مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ بندۂ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے ہرقل عظیم روم کی جانب سلام ہو اس پر جو راہ راست کی پیروی کرے۔ اما بعد میں تمہیں کلمۂ اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو تم سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دونا اجر دے گا۔ اور اگر تم اس بات سے پہلو تہی اور روگردانی کرو گے۔ اور میرے دین کو قبول نہ کرو گے تو تم پر مزارعوں اور رعایا کا گناہ ہو گا۔ اے اہل کتاب! تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْہَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ آؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیرائیں اور ایک دوسرے کو خدا کے سوا ارباب نہ بنائیں۔ اب اگر تم اعتراض کرو تو کہدو کہ تم گواہ رہو ہم مسلمان ہیں"۔

ہرقل جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گرامی نامہ کے مضمون سے باخبر ہوا تو اس کی ہیبت سے اس کی پیشانی پر پسینہ جاری ہو گیا۔ اور اس کی مجلس میں شور و غوغا برپا ہو گیا۔ اس نے اپنے ارکان دولت سے کہا "تلاش کرو کہ میری سلطنت میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس دعوئے نبوت کرنے والی ہستی کی قوم میں سے ہو۔ تاکہ میں اس کے حالات اس سے دریافت کروں"۔ اتفاق سے ابوسفیان بن حرب صلح حدیبیہ کے بعد تجارت کی غرض سے شام گیا ہوا تھا۔ جو حضور سے کئی

لڑائیاں کر چکا تھا۔ لوگ ہرقل کے حکم سے اسے اس کے پاس بیت المقدس لے گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابوسفیان سے نقل کرتے ہیں اس نے بیان کیا کہ جب ہم قیصر روم کے دربار میں پہنچے تو اس نے پوچھا "تم میں سے کون ہے جو قرابت داری کے اعتبار سے اس سے بہت قریب تر ہو۔" میں نے کہا "میں اس سے نزدیک تر ہوں کیوں کہ وہ میرے چچا کے فرزند جلیل ہیں۔" ابوسفیان کی یہ بات بظاہر درست نہ تھی۔ اس کا اس رشتہ سے یہ مقصد تھا کہ اس کے اور آنحضرتؐ کے آباء واجداد کے درمیان اس کی نسبت ثابت تھی کیوں کہ ابوسفیان کا جد امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف اور حضورؐ کے جد عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف کے بیٹے تھے اس نسبت سے کئی پشتوں کے بعد دونوں کا خاندان ایک ہو جاتا تھا۔ ابوسفیان نے مزید بیان کیا کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھے اپنے سامنے بلایا۔ اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے کھڑا کر دیا۔ ترجمان سے کہا "اس کے ساتھیوں سے کہدو کہ میں ابوسفیان سے اس ہستی مقدس کے حالات میں سے کچھ چیزیں دریافت کروں گا۔ اگر یہ خلاف واقعہ جواب دے تو تم اس کی تکذیب کر دینا۔" ابوسفیان نے کہا "خدا کی قسم اگر میں اس بات کی شرم وحیا نہ رکھتا کہ مجھ سے جھوٹ نقل ہو تو میں بہت سی باتیں حضورؐ پر جھوٹ اور بہتان کی باندھتا۔ ابوسفیان نے سچ کہا وہ عداوت اور اختلاف جو اسے بارگاہِ نبوت سے تھا اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ حضورؐ پر جھوٹ باندھتا۔ اور یہ جو اس نے تکلفاً کہا کہ حیاو شرم مانع آئی تھی غلط ہے کیوں کہ حیا تو ایمان کا شعبہ ہے اور ایمان ہی اس میں نہ تھا۔ ہاں لوگوں کے سامنے ذلت ورسوائی کا البتہ خوف تھا۔ اور یہ کہ ہرقل نے اس پر اس کے ساتھی مقرر کر رکھے تھے کہ اگر یہ جھوٹ بولے تو مجھے بتانا تاکہ میں اسے سزا دوں۔ اس کو انہی کا ڈر تھا۔ ورنہ کوئی اور امر مانع نہ تھا۔

ابوسفیان نے بیان کیا کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھ سے پوچھا کہ "اس ہستی مقدس کا اصل ونسب تمہارے درمیان کیا ہے؟" میں نے کہا "وہ ہمارے درمیان صاحب نسب، شریف عظیم ہیں۔ اس لئے کہ بنی ہاشم، عبد مناف میں عظمت وشرافت والے گزرے ہیں یہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے اولادِ ابراہیمؑ میں سے اسمٰعیلؑ کو برگزیدہ فرمایا اور اولادِ اسمٰعیلؑ میں سے قریش کو، اور قریش میں سے ہاشم کو، اولادِ ہاشم میں سے عبدالمطلب کو برگزیدہ فرمایا چنانچہ میں ان تمام برگزیدگان میں سب سے برتر برگزیدہ ہوں، ہرقل نے کہا "انبیاء مرسلین علیہم السلام اسی طرح شریف النسب ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کے پیروکاروں کو ان کی پیروی واتباع میں کسی قسم کی جھجک اور شرم وعار لاحق نہ ہو۔"

پھر ہرقل نے پوچھا "کیا کسی نے ان سے پہلے بھی قریش کی قوم اور عرب میں سے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟" میں نے کہا "نہیں"۔ اس نے کہا "اگر کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہوتا تو اس کا وہم لاحق ہو سکتا تھا اور میں کہتا کہ اس نے اپنے پیشرو کی بات کی تقلید کی ہے"۔ بیان کرتے ہیں کہ ہرقل نے پوچھا "ان کے آباء میں سے کسی نے بادشاہی کی ہے؟" میں نے کہا "نہیں"۔ اس نے کہا "اگر ایسا ہوتا تو میں کہتا کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنے باپ کی بادشاہت چاہتا ہے اور نبوت کو اس کا ذریعہ بنا کر اپنے باپ کی مملکت حاصل کرنا چاہتا ہے"۔ ہرقل نے پوچھا "قومی اور بڑے لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور و محتاج لوگ؟" میں نے کہا "محتاج لوگ"۔ اس نے کہا "انبیاء علیہم السلام کی زیادہ تر ضعیف و محتاج لوگ ہی پیروی کرتے ہیں"۔ ہرقل نے پوچھا "ان کے پیروکار روز بروز بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں؟" میں نے کہا "زیادہ ہوتے جاتے ہیں"۔ اس نے کہا "اسی طرح ایمان کا کام بتدریج زیادہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ حدِ کمال کو پہنچ جاتا ہے"۔ ہرقل نے پوچھا "کیا کوئی شخص ان کے دین سے برگشتہ ہوا ہے اور ان کے دینِ مبین کو مکروہ و ناپسندیدہ جان کر اس سے پھرا ہے؟" میں نے کہا "نہیں"۔ اس نے کہا۔ "ایمان کی چاشنی ایسی ہی ہوتی ہے جب یہ دل میں سرایت کر جاتی ہے تو جان و روح سے پیوستہ ہو جاتی ہے اور دل سے نہیں نکلتی"۔ ہرقل نے پوچھا "دعویٰ نبوت سے قبل کیا لوگ اسے کذب و دروغ کے ساتھ متہم قرار دیتے تھے؟" میں نے کہا "نہیں"۔ اس نے کہا "ٹھیک ہے اور اب یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ لوگوں پر جھوٹ باندھے اور خدا سے جھوٹ منسوب کرنے"۔ ہرقل نے پوچھا "کیا وہ غدر کا دعویٰ کرتا ہے مطلب یہ کہ وہ جنگ وغیرہ میں جو عہد و پیمان کسی کے ساتھ کرتا ہے کیا اسے توڑتا اور خلافِ عہد کرتا ہے؟" میں نے کہا "نہیں"۔ اس نے کہا "نبیوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ غدر نہیں کرتے اس لئے کہ غدر و بد عہدی دنیا کے طالبوں سے سرزد ہوتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام طالبِ دنیا نہیں ہوتے"۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے اتنا اور زیادہ کہہ دیا کہ "ان دنوں ہمارے اور ان کے درمیان ایک قسم کی صلح واقع ہو چکی ہے۔ اور عہد و پیمان قائم ہو چکا ہے۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں نے یہ گمان کیا تھا کہ ان باتوں کے درمیان میری اس بات سے شاید ایک قسم کی منقصت لازم آئے گی اور اس میں تنقیص کا پہلو نکل آئے گا مگر یہ بات بطریق امکان و احتمال تھی۔ اور خدا کی قسم ہرقل نے اس بات کی طرف التفات ہی نہ کیا۔ اور اس نے جان لیا کہ یہ ایسا احتمال ہے جو اپنی طرف سے اٹھایا گیا ہے۔ اس کے بعد ہرقل نے پوچھا "تمہارے اور ان کے درمیان جنگ واقع ہوئی ہے یا نہیں؟" میں نے کہا "ہاں"۔ اس نے کہا "جنگ کی کیفیت اور اس کی حالت بیان کرو؟" میں نے کہا "کبھی

وہ ہم پر غالب ہوئے ہیں جیسے بدر میں اور کبھی ہم ان پر غالب ہوئے ہیں یعنی احد میں"۔ اس نے کہا "انبیاء کا حال ایسا ہی تھا کبھی دشمن کے غلبہ سے مغلوب ہو جاتے لیکن بالآخر اور انجام کار غلبہ و نصرت انہیں کا ہوتا۔" ہرقل نے پوچھا "وہ تمہیں کس چیز کا حکم دیتے ہیں؟" میں نے کہا "وہ حکم فرماتے ہیں کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔ اور جو کچھ تمہارے آباؤ اجداد کہتے اور کرتے ہیں اسے چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز، روزہ، صدقہ، راست گوئی، پارسائی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں"۔ اس نے کہا "جو کچھ تم نے بیان کیا یہی سب انبیاء علیہم السلام کی صفات حمیدہ اور عادات محمودہ ہیں"۔ تعجب ہے کہ ہرقل نے ابوسفیان سے یہ کیوں نہ پوچھا کہ پھر تم ان کی اطاعت کیوں نہیں کرتے اور ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ممکن ہے کہ اس نے یہ خیال کیا ہو کہ وہ یہی جواب دیں گے کہ وہ ہمارے باپ دادا کے خلاف حکم دیتے ہیں۔ لیکن ہرقل نے یہ نہ پوچھا اس لئے کہ اسے معلوم تھا کہ یہ کافر و معاند ہیں۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ہرقل نے حضورؐ کے گرامی نامہ کو ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر صندوق میں محفوظ رکھا اور وہ مکتوب اس کی اولاد میں رہا اور کسی بادشاہ نے اپنے محل سے اسے باہر نہ کیا۔

اس کے بعد قیصر روم ہرقل نے ابوسفیان سے کہا "جو کچھ تم نے حضورؐ کے صفات بیان کئے ہیں اگر یہ واقع کے مطابق ہیں تو عنقریب وہ اس مملکت پر غلبہ پائیں گے اور ان شہروں پر فرمانروائی کریں گے۔ اور میں وثوق سے جانتا ہوں کہ ایک نبی ان اوصاف کا ضرور پیدا ہوگا۔ لیکن یہ یقین سے نہیں جانتا کہ وہ نبی تمہاری قوم میں سے ہوگا۔ اگر میں جانتا اور ممکن ہوتا تو میں ضرور ان کے پاس حاضر ہونے کی سعی و کوشش کرتا۔ اور اس سعادت سے بہرہ مند ہوتا۔"

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہرقل، حضرت دحیہ کلبیؓ کو خلوت میں لے گیا اور اس نے کہا "خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ وہ نبی مرسل ہیں اور وہ وہی ہیں جس کے ہم منتظر تھے۔ اور جن کی صفتیں آسمانی کتابوں میں ہم نے پڑھی ہیں۔ مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں نے ان کی پیروی کی تو رومی مجھے ہلاک کر دیں گے۔" اس کے بعد ہرقل نے حضرت دحیہؓ کو ایک اور شخص کے پاس بھیجا جو رومیوں میں سے تھا اور اس کا نام "صنعاطر" تھا یہ نصاریٰ کا پیشوا اور دین عیسوی کا امام تھا۔ جب حضرت دحیہؓ ان کے پاس گئے تو اس نے بھی یہی کہا کہ خدا کی قسم محمد برحق ہیں اور تم نے جو صفتیں بیان کی ہیں ان کو ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے اور ان کی نبوت میں کوئی شبہ نہیں رکھتے۔" اس کے بعد صنعاطر کھڑا ہوا اور کنیسہ میں آیا اس نے کہا "اے روم کے لوگو! احمد عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے ہمارے پاس ایک خط

آیا ہے اس خط میں ہمیں دین حق کی دعوت دی ہے۔ ان کے رسالت کی حقیقت آفتاب کی مانند روشن ہے۔ تم اقرار کرو کہ اللہ ایک ہے۔ اور احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کے رسول ہیں"۔ نصاریٰ نے جب صنعاطر سے یہ شہادت وگواہی سُنی تو رومیوں نے نیزوں اور تلواروں سے اسے شہید کر دیا۔ اس کے بعد حضرت دحیہؓ لوٹ آئے اور سارا حال ہرقل سے بیان کیا ہرقل نے کہا "میں نے تم سے کہا تھا کہ میں نصاریٰ سے ڈرتا ہوں۔ خدا کی قسم صنعاطر قوم میں مجھ سے زیادہ بزرگ اور اہل روم مجھ سے زیادہ ان کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے"۔ یہ پایۂ صحت کو پہنچی ہے کہ جب ہرقل کو صنعاطر کی خبر پہنچی تو وہ بیت المقدس سے حمص آیا جو اس کا دارالسلطنت تھا۔ اور روم کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنے دربار میں بلایا اور ان کو سکرہ میں ٹھہرایا۔ سکرہ ایسے محل کو کہتے ہیں جس کے گرداگرد دیہات کی مانند چھوٹے چھوٹے گھر ہوں۔ اس نے حکم دیا کہ ان کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد اس محل کے ایک دریچہ سے نمودار ہوا اور کہنے لگا "اے روم کے لوگو! اگر تم اپنی بھلائی، اپنی نجات اور راہ راست کی خواہش رکھتے ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارا ملک برقرار رہے تو اس نبی کی متابعت اور پیروی اختیار کرو جو مبعوث ہوا ہے"۔ رومیوں نے جب اس سے یہ بات سنی تو الگ الگ ہو کر بھاگنے اور لاتیں مارنے لگے جس طرح گدھا دولتیاں مارتا ہے۔ انہوں نے اپنے مُنہ دروازے کی طرف پھیر لئے لیکن ان دروازوں کو بند پایا۔ ہرقل نے جب ان کی اس نفرت کو دیکھا تو وہ ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔ حکم دیا کہ "وہ سب لوٹ آئیں"۔ جب وہ لوٹ آئے تو اس نے ان کو تسلی دی۔ اور کہنے لگا "میں نے یہ بات تمہاری آزمائش اور دین میں تمہاری سختی وصلابت کے امتحان کے لئے کہی تھی۔ میں نے یہ جان لیا ہے کہ تم ثابت قدم ہو"۔ اس پر سب راضی ہو گئے اور سجدہ کر کے واپس چلے گئے۔

امام بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں کہ ہرقل آخر کار یہ تھا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ہرقل دنیا سے مسلمان گیا ہے یا نہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ ہرقل نے دنیا کو عقبیٰ پر ترجیح دی۔ اور شرف اسلام سے مشرف نہ ہوا۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ظاہر ہوا کیوں کہ اس کے دو سال بعد غزوۂ موتہ میں مسلمانوں کے ساتھ اس نے جنگ کی۔ اور اس جنگ میں کثرت سے مسلمان شہید ہوئے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔ نیز مروی ہے کہ لشکر کو لیس کر کے تبوک کی جانب جنگ کے لئے آیا۔ اور علماء کی دوسری جماعت کا یہ خیال ہے کہ ممکن ہے کہ پوشیدہ طور پر ایمان لے آیا ہو۔ اور اپنی ہلاکت اور اپنی بادشاہت زائل ہونے کے خوف سے یہ معاصی ظہور پذیر ہوئے ہوں۔ لیکن مسند امام احمد بن حنبل میں مروی ہے کہ اس نے تبوک سے حضورؐ کی خدمت میں ایک خط لکھا

کہ "میں مسلمان ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "جھوٹ کہتا ہے۔ بلکہ وہ اپنی نصرانیت پر ہے"۔ (واللہ اعلم)۔ مؤرخین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خود اسے یا اس کے بیٹے کو مسلمان پکڑ لائے۔ ظاہر یہی ہے کہ اسی کو یعنی ہرقل ہی کو لائے تھے۔ کذا فی فتح الباری (واللہ اعلم)

# احوال کسریٰ شاہِ فارس

رہا کسریٰ شاہِ مداین (فارس) کا حال! تو کسریٰ بکسرِ کاف اور بفتحِ کاف و سکون سین، بصیغۂ بکثر مصغّر، خسرو کا معرب ہے اور یہ شاہِ فارس کا لقب ہے اُس زمانہ میں کسریٰ یعنی شاہِ فارس پرویز بن ہرمز بن نوشیروان تھا۔ مورخین کہتے ہیں کہ نوشیروان بادشاہ تھا حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ نوشیروان، حضور اکرم سید البشر صلے اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ ولادت کے وقت تھا۔ جیسا کہ زبانوں پر مشہور ہے کہ وُلِدْتُ فِی زَمَنِ الْمَلِکِ الْعَادِلِ میں بادشاہ انصاف پسند کے زمانہ میں پیدا ہوا" مگر محدثین کے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ اور یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ شرک کی صفت کے ساتھ عدل کی صفت کی جائے۔ حالانکہ شرک بذات خود ظلم عظیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے"۔ مورخین کہتے ہیں کہ عدل سے مراد، رعایا کی دیکھ بھال، فریاد رسی اور داد رسی ہے جسے محاورہ میں عدل کہتے ہیں۔ لیکن اسم عادل کی ادائگی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی زبانِ سے ہو بہت بعید ہے۔

شاہِ فارس کے پاس مکتوب گرامی لیجانے والے قاصد حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ تھے۔ جو قدیم الاسلام صحابی اور سابقین اولین مہاجرین میں سے ہیں، اور، سہم بن عمرو بطنی کی طرف منسوب ہیں جو قریش کی شاخ ہے۔ انہیں حکم فرمایا کہ بحرین کے حاکم کے پاس لیجاؤ وہ کسریٰ تک پہنچادے گا مکتوب گرامی کا مضمون یہ تھا:

**مکتوب گرامی بنام کسریٰ پرویز**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہ کی جانب سے بنام کسریٰ شاہِ فارس۔ سلام ہو اس پر جو راہِ راست

کی پیروی کرے اور خدا پر ایمان رکھے۔ اور گواہی دے کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، بلاشبہ میں خدا کا رسول ہوں۔ تمام لوگوں کی طرف تاکہ میں خوف دلاؤں، ڈراؤں اور کافروں پر حجت قائم کردی۔ مسلمان ہو جاؤ گے تو سلامت رہو گے اور اگر انکار و سرکشی کرو گے تو مجوسیوں کا وبال تم پر ہوگا۔"

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضورؐ کا مکتوب گرامی پہنچا تو اس نے کہا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مجھ کو ایسا خط لکھتے ہیں حالانکہ وہ میرے بندے اور رعایا ہیں۔ (نعوذ باللہ) کیا پرویز اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ حضورؐ خدا کے بندۂ خاص ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں پر سردار اور حاکم بنایا ہے۔ مورخین کہتے ہیں کہ اس نے گستاخانہ یہ بھی کہا کہ "محمد نے اپنے نام کو میرے نام کے اوپر لکھا ہے۔" حالانکہ وہ جاہل کیا اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ خط کا اندازِ تحریر ہی ایسا ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں اور پھر حضورؐ کا اسم گرامی تو بالائے عرش لکھا ہوا ہے تو کیا ہے اور تیرا نام کیا ہے۔ اس پر وہ کافر غصہ میں آگیا اور حضورؐ کے مکتوب گرامی کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور پاگل پنے کی باتیں کرنے لگا۔ حضرت عبد اللہ رضی بن حذافہ کی طرف اس نے التفات تک نہ کیا اور مکتوب گرامی کا جواب تک نہ لکھا۔ جب یہ خبر سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں پہنچی تو فرمایا مَزَّقَ كِتَابِي مَزَّقَ اللّٰهُ مُلْكَهٗ۔ اس بدبخت نے میرے خط کو کیا پارہ پارہ کیا ہے حق تعالےٰ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔" اس کے بعد خسرو نے باذان اپنے یمن کے حاکم کو لکھا کہ "ایسا سنا گیا ہے کہ ایک شخص ملک عرب حجاز میں، نبوت کا دعویٰ کرتا ہے لازم ہے کہ دو معتمد علیہ شخصوں کو اپنی طرف سے بھیجو تاکہ انہیں باندھ کر میرے سامنے لے آئیں"۔ باذان نے اس کے حکم سے اپنے خزانچی کو جس کا نام بانویہ تھا اور فارس کے عقلمندوں اور بہادروں میں سے تھا ایک اور فارسی شخص کے ساتھ جس کا نام خرخرہ تھا اور وہ بھی فارسیوں میں امتیازی شان رکھتا تھا حضورؐ کے حالات کی تفتیش و تحقیق کے لئے بھیجا اور ایک خط لکھا کہ ان دو شخصوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس پہنچو کیوں کہ اس نے تم کو بلایا ہے۔ یہ دونوں طائف پہنچے اور وہاں کے صنادید قریش سے مثلاً ابوسفیان اور صفوان بن امیہ وغیرہ سے حضورؐ کے احوال شریف کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یثرب میں رہتے ہیں اور یہ صنادید قریش اپنے دل میں بہت خوش ہوئے کہ فارس جیسے بادشاہ کے ساتھ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا بگاڑ ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ اب ہماری خواہشات کے مطابق کام ہو جائے گا۔

القصہ یہ دونوں مدینہ منورہ پہنچ کر سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس مقدس میں پہنچے

اور گفتگو شروع کی یہ کہنے لگے کہ شاہنشاہ کسریٰ نے ملک یمن کے حاکم باذان کو خط لکھا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ اپنے معتمد مصاحبوں میں سے دو شخصوں کو آپ کے پاس بھیجا جائے چنانچہ حاکم یمن باذان نے اس بنا پر ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ہم آپ کو شاہنشاہ خسرو کے پاس لیجائیں۔ اگر ہمارے ساتھ آپ خوشی و رغبت سے چلیں تو باذان، شاہنشاہ کو سفارش لکھدے گا، تاکہ وہ گذشتہ جرم سے معافی دیدے۔ اور اگر آپ انکار و منع کریں تو کسریٰ کی صولت و سطوت آپ کو معلوم ہے اور آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ کس طرح کا بادشاہ ہے وہ آپ کی قوم کو ہلاک کر دے گا اور آپ کے شہروں کو تباہ و برباد کردیگا۔" اس کے بعد باذان کا خط حضورؐ کو دے دیا۔ جب ان کی بکواس اور بیہودہ باتوں سے مطلع ہوئے تو تبسم فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ بابویہ اور خرخرہ اپنی کلائیوں میں سونے کے کنگن ڈالے، ریشمی لباس پہنے، کمر میں زریں و سیمیں پٹکہ باندھے، داڑھیاں منڈائے موچھیں چھوڑے ہوئے جس سے ان کے لب ڈھکے ہوئے تھے جیساکہ مجوسیوں کی روش ہے آئے تھے۔ حضورؐ نے جب ان کو اس ہیئت اور شکل میں دیکھا تو اسے مکروہ جانا اور فرمایا "افسوس ہے تم پر تم کو ایسی وضع کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کس نے تم کو حکم دیا ہے کہ داڑھی منڈواؤ اور موچھیں بڑھاؤ؟" انہوں نے کہا "ہمارے رب یعنی کسریٰ نے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیکن میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ داڑھی لمبی کروں اور موچھوں کو پست کروں۔" اس کے بعد فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اس پر وہ دونوں دو زانو ہو کے بیٹھ گئے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام دی اور ثواب و عتاب کی ترغیب و ترہیب فرمائی۔ وہ کہنے لگے۔ "اے محمد اٹھو راہِ سفر اختیار کرو تاکہ آپ کو شہنشاہ کے سامنے لے جائیں۔ اور اگر تخلف کروگے تو شہنشاہِ عجم ایک ضرب سے آپ کو اپنے حال پر لے آئے گا سب کو قتل کر دے گا یا جلا وطن کر دے گا۔" مروی ہے کہ یہ دونوں ناپاک کافر باوجودیکہ نازیبا رویہ اختیار کیا تھا اور بے ادبی سے بات کرتے تھے لیکن ان پر عظمت نشانِ نبوت اور مجلس اقدس کی ہیبت اتنی طاری تھی کہ ان کا جوڑ جوڑ لرز رہا تھا۔ اور قریب تھا کہ خوف و دہشت سے پگھل جائیں اور ان کا جوڑ جوڑ کھل جائے۔ کیونکہ وہ بارگاہ نبوت میں بے ادبی سے پیش آرہے تھے۔ حضورؐ نے ان کو معاف رکھتے ہوئے ارادہ فرمایا کہ باذان کے خط کا جواب لکھا جائے۔ آپ نے فرمایا "آج تو تم دونوں اپنی قیام گاہ میں جاکر ٹھیرو۔ کل آنا۔ پھر دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔ جب یہ دونوں قاصد مجلس شریف سے باہر آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا "اگر اس مجلس مبارک میں ہم کچھ دیر اور ٹھیرتے تو اندیشہ تھا کہ ہیبت سے ہلاک ہو جاتے۔" دوسرے نے کہا ساری عمر میں مجھ پر اس قسم کی ہیبت کبھی بھی غالب نہ ہوئی تھی جتنی آج اس شخص

کی مجلس میں غالب ہوئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تائیداتِ الٰہیہ سے تائید یافتہ ہے اور اس کا کام، خدا کا کام ہے۔ جب یہ دونوں قاصد دوسرے دن حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں آئے تو حضورؐ نے فرمایا "اپنے صاحب یعنی باذان کو خبر دو کہ میرے رب نے تیرے شہنشاہ کا بوجھ اتار دیا ہے یعنی خسرو قتل کر دیا گیا ہے سات گھنٹہ پہلے رات کا وقت تھا کہ اس کے بیٹے "شیرویہ" کو اس پر مسلط کیا گیا یہاں تک کہ اس نے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ یہ منگل کی رات تھی اور جمادی الاخریٰ کی دس تاریخ ۷ھ ہجری تھا۔ اسی طرح باذان کے قاصدوں سے فرمایا "اپنے صاحب سے کہدو کہ بہت جلد میرا دین کسریٰ کی مملکت پر غالب آئے گا۔ اور اگر تو مسلمان ہو جائے تو جتنا علاقہ تیرے قبضۂ تصرف میں ہے تجھے ہی دیدیا جائے گا۔ اور تجھے فارسیوں پر حاکم مقرر کر دوں گا۔ اس کے بعد یہ دونوں رخصت پا کے لوٹے اور مدینہ طیبہ سے باہر آئے۔ اور جب یمن پہنچے تو جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا باذان کو پہنچا دیا۔ اور جو کچھ مجلس اقدس میں مشاہدہ کیا تھا وہ سب باذان سے کہدیا۔ اس نے پوچھا کہ کیا ان کے پہریدار اور محافظ ہیں؟ انہوں نے کہا "نہیں۔ وہ تو بازاروں اور کوچوں میں بے تردد چلتے پھرتے ہیں"۔ باذان نے کہا "خدا کی قسم جو کچھ تم نے نقل کیا ہے وہ بات بادشاہوں کے کلام میں نہیں ہوتی۔ میرا خیال یہ ہے کہ وہ نبی و رسول ہیں۔ اور ان کی نبوت میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ کوئی بادشاہ ان پر ایمان لانے میں مجھ پر سبقت اور پہل نہ کرے گا"۔ اسی دوران شیرویہ پسر پرویز کا خط باذان کو پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ "کسریٰ" فارس کے بڑے بڑے لوگوں اور اعیان سلطنت کو بغیر جرم و خیانت کے مار ڈالتا تھا۔ اور مملکت کی جماعت عظیمہ کے درمیان تفرقہ اندازی کرتا رہتا تھا۔ اس بنا پر میں نے اسے قتل کر دیا ہے اور لوگوں کو اس کے شر سے محفوظ کر لیا ہے۔ لازم ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور لوگوں کو میری اطاعت و فرمانبرداری کی دعوت دو۔ اور خبردار! اس صاحب دولت سے جنہوں نے زمین عرب و عجم میں دعوئ نبوت فرمایا ہے قطعاً تعرض نہ کرنا اس وقت تک جب تک کہ میرا فرمان ان کی شان میں تمہیں نہ ملے باذان جب اس تمام قصہ سے باخبر ہوا تو بلا توقف و تاخیر صدق و اخلاص کے ساتھ کلمۂ شہادت زبان پر لایا اور تمام فارسی لوگوں نے جو اس مملکت میں رہتے تھے اس کے ساتھ موافقت کی اور دولت ایمان سے مشرف ہو گئے۔ فارسیوں کے باقی حالات جو شیرویہ کی حکومت کے بعد رونما ہوئے اور اس کا جیسا معاملہ حضورؐ کے ساتھ ہوا تاریخ کی کتابوں میں دیکھنا چاہیئے۔

# مقوقس شاہِ مصر واسکندریہ کا حال

اب رہا مقوقس کا حال! (مقوقس بضم میم وفتح قاف اول وسکون واو وکسر قاف ثانی وسین مہملہ) یہ حاکم مصر واسکندریہ تھا اس کی طرف حضرت حاطبؓ بن ابی ملتعہ قاصد تھے جو مشہور صحابی ہیں۔ اس کے نام مکتوب گرامی کا مضمون، ہرقل کے نام مکتوب گرامی کے مطابق ہے۔ جب حضرت حاطبؓ نے حضورؐ کا گرامی نامہ اسے پہنچایا تو اس نے اس مکتوبِ مقدس کا ادب و احترام کیا۔ اور اس کے حق میں اچھی باتیں کہیں۔ اور حضرت حاطبؓ کو خلوت میں بلایا اور اس نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صفات ونعوت کو حضرت حاطبؓ سے سُنا وہ سب ان صفات کے مطابق تھیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بیان فرمائی تھیں۔ وہ کہنے لگا یہ وہی رسول ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ بلاشبہ وہ غالب ہوں گے اور ان ممالک میں ان کے صحابہ کا قبضہ ہوگا لیکن وہ ایمان نہیں لایا اور انقیاد واطاعت قبول نہ کی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ جب حضرت حاطبؓ مقوقس کے پاس پہنچے تو فرمایا "اے مقوقس! تجھ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص گزرا ہے جو گمان کرتا اور دعویٰ کرتا تھا کہ "اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی" میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ فَاَخَذَ اللّٰہُ نَکَالَ الْاٰخِرَۃِ وَالْاُوْلٰی تو اللہ تعالیٰ نے اس سے انتقام لیا تو تو اپنے غیر سے عبرت لے تاکہ تجھ سے کوئی دوسرا عبرت نہ لے"۔ مقوقس نے کہا "ہمارا ایک دین ہے۔ ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے بجز اس صورت میں کہ کوئی اور دین اس سے بہتر ہو"۔ حضرت حاطبؓ نے فرمایا "میں تجھے خدا کے دین کی طرف بلاتا ہوں جو دین اسلام ہے اللہ اس دین کے ذریعہ دوسرے دینوں سے بے نیاز کر دے گا۔ بلاشبہ اس نبی مکرم نے لوگوں کو دعوت اسلام دی۔ مگر قریش سخت ترین لوگ تھے، اور دشمن ترین لوگ یہود اور ان سے قریب ترین لوگ نصاریٰ ہیں۔ قسم ہے مجھے اپنی زندگی کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ایسی نہیں ہے جیسی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت، نبی آخر الزماں محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ اور ہمارا تمہیں قرآن

کی طرف بلانا ایسا ہی ہے جیسے تم لوگ اہل توریت کو انجیل کی طرف بلاتے ہو اور ہر نبی نے جس قوم کو پایا تو وہ قوم ان کی امت بن گئی۔ لہٰذا اس قوم پر حق وثابت ہے کہ وہ قوم اس نبی کی اطاعت کرے اور تو نے اس نبی کو پایا ہے۔ لہٰذا ایمان لا کر ان کی امت میں داخل ہو جا۔ ہم تجھے دین مسیح سے منع نہیں کرتے بلکہ دین مسیح کا حکم تجھے بتاتے ہیں (کہ اس کا حکم ہے کہ نبی آخر الزماں پر ایمان لانا)" اس پر مقوقس نے کہا "میں نے اس نبی کے بارے میں غور و فکر کر لیا ہے، اور مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کسی قابل نفرت چیز کا حکم نہیں دیتے اور نہ کسی ایسی چیز سے روکتے ہیں جو رغبت و شوق سے متعلق ہو۔ اور میں باخبر ہو گیا ہوں کہ وہ نہ ساحر قتال ہیں اور نہ کاہن کاذب، ابھی میں مزید غور و فکر کر رہا ہوں"۔

اس کے بعد اس نے حضور کے گرامی نامہ کو لیا اور ہاتھی دانت کی صندوقچی میں رکھ کر محفوظ کر لیا اور کاتب کو حکم دیا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خط لکھے۔ اس کا مضمون یہ تھا "محمد بن عبداللہ کے حضور منجانب مقوقس عظیم القبط۔ امابعد میں نے آپ کا گرامی نامہ پڑھا اور جو کچھ اس میں تحریر تھا اور جس کی آپ نے دعوت دی میں نے سمجھا، بلاشبہ میں جانتا ہوں۔ ایک ایسا نبی باقی رہا ہے جو خاتم الانبیاء ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ اس کا ظہور ملک شام سے ہوگا۔ اور میں نے آپ کے قاصد کی آمد کو گرامی جانا، میں آپ کی طرف ماریہ اور سیرین رضی کو بھیجتا ہوں جو کہ قبط میں عظیم المرتبت ہیں۔ اور کچھ لباس و تحائف اور ایک اونٹ آپ کی سواری کے لئے پیش خدمت کرتا ہوں۔ والسلام" مقوقس نے اس سے زیادہ نہ لکھا اور اسلام نہیں لایا۔ انتہی۔

استیعاب میں اس طرح منقول ہے کہ حضرت حاطب رضی بیان کرتے ہیں کہ "جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے مقوقس شاہ اسکندریہ کی طرف بھیجا، اور میں نے اسے حضور کا گرامی نامہ دیا تو اس نے مجھے اپنے محل میں اتارا اور میں نے کئی راتیں اس کے پاس گزاریں۔ پھر اپنے بطاقہ کو جمع کر کے کہا "مجھے اپنے آقا کے بارے میں بتاؤ کہ کیا وہ خدا کے رسول ہیں؟" میں نے کہا "ہاں وہ خدا کے رسول ہیں"۔ اس نے کہا "کیا بات ہے کہ انہوں نے اپنی اس قوم پر بددعا نہ کی جنہوں نے ان کو اپنے شہر سے نکالا؟" میں نے کہا وہ کیا بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم نے پکڑا اور بقول نصاریٰ سولی پر چڑھایا، اور بددعا نہ کی کہ حق تعالیٰ ان کو ہلاک کر دیتا"۔ مقوقس نے کہا "تم ٹھیک کہتے ہو۔ حق تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہی حکم آیا تھا"۔ جب حضرت حاطب رضی، مقوقس کے پاس سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے تو فرمایا "خبیث نے اپنی بادشاہت کی وجہ سے بخیلی کی حالانکہ اس کی بادشاہت باقی نہ رہے گی"۔ مقوقس نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت

میں وفات پائی۔ حضورؐ نے اس کے تحفوں کو قبول فرمایا۔ ان میں سے سیدہ ماریہ قبطیہؓ کو ایمان لانے کے بعد اپنے لئے خاص فرمایا اور ملکِ یمین کے طور پر ان سے تصرف فرمایا۔ ان سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہما وسلم پیدا ہوئے اور سیرین کو حضرت حسانؓ بن ثابت کو مرحمت فرمادیا اور ان سے عبدالرحمٰن بن حسان پیدا ہوئے۔

تنبیہ!۔ روضۃ الاحباب سے معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس نے چار تحفے باندیاں تحفے میں بھیجی تھیں۔ ایک ماریہ، دوسری ان کی بہن سیرین، ایک خواجہ سرا، ایک سفید اشتر جسے دلدل کہتے ہیں اور ایک دراز گوش جسے عفیر یا یعفور کہتے ہیں۔ ایک نیزہ، بیس قد کا لباس اور ہزار مثقال سونا۔ یہ تحفے حضورؐ کے لئے تھے اور حضرت حاطبؓ کو سو مثقال سونا، پانچ کپڑے، انعام میں دیئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے حضرت ماریہ کو بطور ملکِ یمین اپنے تصرف میں رکھا اور ان سے حضرت ابراہیم بن رسول اللہ علیہما السلام پیدا ہوئے اور سیرینؓ کو حسانؓ بن ثابت کو دیا بقیہ دو کنیزوں کا نام اور ان کا حال معلوم نہیں۔ دراز گوش پر حضورؐ کبھی کبھی سواری فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں وہ مرگیا۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح ہے۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ اس دراز گوش نے اپنی جان حضورؐ کی رحلت کے غم و فراق میں ایک کنوئیں میں ڈوب کردے دی اور اس کنوئیں میں اس کی قبر بنی۔ دلدل کو اپنی سواری کے لئے خاص فرمایا۔ بعد ازاں حضرت علی مرتضیٰؓ اس پر سواری کرتے تھے، چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مصرع

"چہارم علی شاہ دلدل سوار"

دلدل سے مراد وہی سفید اونٹ ہے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کے بعد اس پر امام حسن مجتبیٰؓ نے سواری کی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں وہ مرگیا کہتے ہیں کہ اس کے دانت گر گئے تھے آٹے کو پانی میں گھول کر اسے دیتے تھے۔

خواجہ سرا کا حال، دسویں سال میں حضرت ابراہیم بن رسول اللہ علیہما السلام کی وفات کے بیان میں معلوم ہوگا۔ مواہب لدنیہ میں تحائف میں شہد کا بھی بیان ہے جو "بنہان" کا تھا۔ یہ شہد حضور کو بہت پسند آیا اور بنہان کے شہد میں برکت کی دعا فرمائی۔ بنہان مصر کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَارَكَ اللّٰهُ فِي عَسَلِ بَنْهَانَ اللہ بنہان کے شہد میں برکت دے؛ سیر کی کتابوں میں سیدہ ماریہ قبطیہ اور دلدل کا ذکر مشہور ہے۔ (واللہ اعلم)

## مکتوب گرامی بنام حارث بن ابی شمر غسّانی

حارث بن ابی شمر غسّانی (بفتح غین و تشدید سین) کا حال یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے شجاعؓ بن وہب اسدی کو اس کے پاس قاصد بنا کر بھیجا جب وہ شام کی سرحد میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حارث شامی دمشق کے غوطہ گیا ہے تاکہ ہرقل کے لئے جو ایلیا یعنی بیت المقدس میں تھا تحائف مرتب کر کے بھیجے۔ شجاعؓ کئی روز غوطہ میں رہے لیکن حارث سے ملاقات نہ ہوسکی۔ حارث کا ایک پہریدار تھا جس کے دل میں اسلام کی محبت جاگزیں ہوگئی تھی۔ شجاعؓ نے اس کا ذریعہ حاصل کرنا چاہا تاکہ حضورؐ کا مکتوب گرامی حارث کو پہنچائیں۔ کئی دن گزر گئے مگر وہ نظر نہ آیا اتفاق سے ایک دن حارث برآمد ہوا جو تخت پر بیٹھا تھا اور تاج سر پر رکھا تھا شجاعؓ نے آکر اس سے ملاقات کی جب حضورؐ کا مکتوب گرامی اسے دیا گیا تو اس نے اسے پڑھ کر زمین پر ڈال دیا اور ناواجب باتیں زبان پر لایا اور حکم دیا کہ گھوڑوں کی نعلبندی کی جائے تاکہ حضورؐ سے جنگ کرنے کے لئے چلیں"۔ اور ایک عرضداشت ہرقل کو بھیجی جس میں حضورؐ کا مکتوب گرامی آنے اور خود کا حضورؐ سے جنگ پر آمادہ ہونے کا قصہ لکھ کر بھیجا۔ قیصر نے کہلا بھیجا کہ "کچھ دیر ٹھیرو۔ پہلے میرے پاس آکر مقتضائے حال کے بموجب گفتگو کرو پھر عمل کرو"۔ جب ہرقل کا خط حارث کو پہنچا تو شجاعؓ کو بلایا اور پوچھا "تم اپنے آقا کے پاس کب جاؤ گے؟" انہوں نے کہا "کل جاؤں گا"۔ اس کے بعد انہیں سو مثقال سونا دے کر رخصت کر دیا۔ اس کے پہریدار نے شجاعؓ سے جب یہ حال سنا تو اس پر رقت طاری ہوگئی اور وہ رو رو کر کہنے لگا کہ میں نے انجیل میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) اور ان کے دین و شریعت کے بارے میں وہی توصیف پڑھی جو تم نے بیان کی ہے اب میں ایمان لاتا ہوں اور ان کی تصدیق کرتا ہوں لیکن حارث سے میں خوفزدہ ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دے گا۔ حاجب یعنی اس پہریدار نے شجاعؓ کی دعوتیں کیں اور عزت و احترام بجا لایا۔ چند کپڑے اور کچھ زادِ راہ ان کے ہمراہ کیا۔ اور وہ لوٹ آئے۔ جب شجاع مدینہ میں آئے اور حضورؐ سے صورتِ حال بیان کی تو حضورؐ نے فرمایا "ھلکہ" یعنی ہلاک ہوا یا اس کا ملک تباہ ہو۔ اس کے بعد فتح مکہ کے سال میں حارث واصل جہنم ہوا اور اس کی مملکت جبلہ بن ایہم غسّانی کے قبضہ میں آئی۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ حارث مسلمان ہوگیا تھا لیکن قیصر کے خوف سے اظہار نہ کیا جس طرح کہ قیصر کے بارے میں کہتے ہیں کہ ایمان لے آیا تھا مگر اس نے اسے چھپایا۔ (واللہ اعلم)

## مکتوب گرامی بنام ہودہ بن حنفی والی یمامہ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا مکتوب گرامی، ہودہ بن حنفی یمامہ کے حاکم کے نام بھیجا اس کی طرف سلیطؓ بن عمرو عامری کو قاصد بنایا۔ جب حضورؐ کا مکتوب گرامی ہودہ کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھا تو سلیط کا اعزاز و اکرام کیا اور اپنے محل میں ٹھیرایا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: محمد رسول اللہ کی جانب سے ہودہ بن حنفی کے نام۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ واضح رہنا چاہیئے کہ میرا دین عنقریب منتہائے خف وحافر تک ظاہر ہوگا۔ خف' اونٹ بکری وغیرہ کے سموں کو اور حافر گھوڑے خچر اور گدھے وغیرہ کے کھروں کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جہاں تک چارپایوں کے پاؤں پہنچتے ہیں اور آبادی کا آخری کنارہ ہے۔ وہاں تک میرا دین پہنچے گا۔ لہٰذا مسلمان ہو جا تا کہ دنیا و آخرت کے خوف و آفتوں سے سلامت رہے"۔

ہودہ نے حضورؐ کے مکتوب گرامی کے جواب میں اس مضمون کا خط لکھا کہ "کیا عمدہ طریقہ کسی قوم کو دعوت دینے کا ہے میں اپنی قوم کا شاعر و خطیب ہوں۔ اہل عرب مجھ سے ڈرتے ہیں۔ اور میری ہیبت ان کے دل میں ہے۔ وہ میرے مقام کو عظیم جانتے ہیں۔ لہٰذا میرے لئے چند کام انجام دیجئے تاکہ میں آپ کی متابعت کروں۔ آپ اپنے بعض شہروں کا حل و عقد میرے سپرد کیجئے اور انہیں میرے اقتدار میں دیدیجئے تاکہ میں آپ کی متابعت کروں اور آپ کی طرف آؤں"۔ اس نے سلیط کو جائزہ دیا اور ہجر کا بنا ہوا نفیس جوڑا پہنایا اور پھر ان کے لائق انعام دیکر روانہ کر دیا۔ جب سلیط لوٹ کر مدینہ طیبہ آئے اور اس کا خط جس میں امارت و حکومت کا مطالبہ کیا گیا تھا حضورؐ کو پیش کیا تو حضورؐ نے فرمایا لَوْ سَاَلَنِیْ سَبَابَۃً مِّنَ الْاَرْضِ مَا فَعَلْتُ بَادَ وَبَادَ مَا فِیْ یَدِہٖ ۔ "اگر مجھ سے زمین سے ایک خوشہ کھجور کے برابر بھی مانگے تو میں اسے نہ دوں اور جائز نہ رکھوں۔ جو کچھ اس کے ہاتھ میں ملک ہے ہلاک ہو جائیے"۔ سبابہ بفتح سین و تخفیف با کھجور کے خوشہ کو کہتے ہیں اسے ملح بھی کہتے ہیں کھجور کے اول حصہ کو طلع، پھر ملح پھر بسر پھر رطب اس کے بعد تمر کہتے ہیں۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ فن سیر کے بعض اکابر نے سبابہ کو انگشت سبابہ لکھا ہے اور ترجمہ کیا گیا ہے کہ اگر زمین سے ایک انگلی کی برابر بھی مانگے تو میں نہ دوں (واللہ علم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو جبریل علیہ السلام ہودہ کے مرنے کی خبر لائے۔ حضورؐ نے فرمایا اس کے بعد یمامہ میں ایک کذاب پیدا ہوگا جو نبوت کا دعوی کرے گا اس کے بعد وہ قتل ہوگا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے مسیلمہ کذاب لعنۃ اللہ علیہ کے

قصہ کی طرف اشارہ فرمایا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مارا گیا۔ چنانچہ اس کا قصہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ اپنے محل میں مذکور ہوگا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ چھ مکتوبات گرامی ہیں جو اس وقت کے بادشاہوں کے نام لکھے گئے تھے۔

## ساتواں مکتوب گرامی بحرین کی جانب

بعض ارباب سیر، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک اور مکتوب بھی بیان کرتے ہیں جو منذرؓ بن ساوی والی بحرین کی جانب بھیجا گیا تھا یہ علاءؓ بن الحضرمی کے ہاتھ بھیجا گیا تھا۔ مواہب لدنیہ میں ہے جسے واقدی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے اس مکتوب گرامی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی کتاب میں ان کی وفات کے بعد پایا۔ اور میں نے وہاں سے اس کے مضمون کو نقل کیا۔ وہ یہ کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے علاءؓ بن حضرمی کو منذرؓ بن ساوی کی طرف ایک مکتوب گرامی کے ساتھ لکھا۔ جس میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ اور منذرؓ نے حضورؐ کو اس مضمون کا جواب دیا تھا کہ "یا رسول اللہ! میں نے آپ کے اس گرامی نامہ کو پڑھا جو بحرین والوں کے لئے لکھا گیا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے اسلام سے محبت کا اظہار کیا اور خوش ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے، اور کچھ لوگوں نے ناپسند کیا اور اسلام میں داخل ہونے سے راضی نہ ہوئے۔ جیسے یہود و مجوسی۔ لہٰذا اب آپ جو حکم فرمائیں گے میں اس پر عمل کروں گا۔" اس کے بعد حضورؐ نے دوبارہ انہیں لکھا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد رسول اللہؐ کی جانب سے منذر کے نام، سلام ہو تم پر میں تمہاری طرف سے اس خدا کی حمد بجالاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اما بعد میں تمہیں اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں، جو شخص کسی کو نصیحت کرتا ہے اور کسی کے ساتھ خیر خواہی کرتا ہے۔ وہ کسی کی خیر خواہی نہیں کرتا مگر اپنے لئے۔ اور جو کوئی میرے قاصدوں کی اطاعت کرتا ہے اور ان کا اتباع کرتا ہے بلاشبہ وہ میرا ہی اتباع و اطاعت کرتا ہے۔ اور جو میرے قاصدوں کی خیر خواہی کرتا ہے وہ میری ہی خیر خواہی کرتا ہے۔ میرے قاصدوں نے تمہاری خیر خواہی کی تعریف کی ہے میں تم سے تمہاری قوم کے بارے میں شفاعت و سفارش کرتا ہوں لہٰذا مسلمانوں کو تعلیم دین اور احکام شریعت کے سیکھنے میں مشغول رکھو اور ان کی خطاؤں پر عفو و درگزر سے کام لو۔ جب تک راہ صلاح پر رہو گے ✧

اور جو اپنی یہودیت اور مجوسیت پر قایم ہے اس پر جزیہ قایم کرو۔ اور مسلمانوں کو چاہیئے کہ نہ ان کا ذبیحہ کھائیں اور نہ ان سے رسم مناکحت رکھیں۔ اور جزیہ لینے کا منصب، علاء الحضرمی کے سپرد کیا جاتا ہے۔"

اور علاء الحضرمی جزیہ کا مال وصول کر کے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ میں بھیجا کرتے تھے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے لیے مکاتیب وخطوط جو دینی و دنیوی معاملات میں اقوام و اعیان اور مختلف اشخاص کو لکھ کر بھیجے گئے تھے بہت زیادہ ہیں اس جگہ ان مکاتیب وخطوط کا بیان مقصود نہ تھا جو بادشاہوں کو لکھے گئے بلکہ وہ جو ہجرت کے چھٹے سال میں لکھے گئے ہیں۔ اسی بنا پر منذر بن ساوی حاکم بحرین کا مکتوب جو اوپر مذکور ہوا۔ روضۃ الاحباب میں ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں بیان کیا گیا ہے۔ جو فتح مکہ کے بعد ہے۔ اور جبلہ بن ایہم غسانی کے نام مکتوب گرامی جو حارث بن آل شمر غسانی مذکور کے مرنے کے بعد بادشاہ ہوا۔ ساتویں سال میں غزوۂ خیبر کے بعد لکھا گیا۔ لہٰذا معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس جگہ ان مکاتیب کا ذکر مقصود ہے جو آفاق کے بادشاہوں کے نام چھٹے سال میں لکھے گئے تھے۔

## مکتوب گرامی بجانب ملک عمان

مواہب لدنیہ میں اس جگہ ایک مکتوب گرامی مذکور ہے جسے حضورؐ نے ملک عمان کے نام حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ سے بھجوایا۔ کوئی پتہ نہیں چلتا کہ یہ اس سال میں بھیجا گیا تھا چونکہ اس مقام کے مناسب تھا اس لئے لکھدیا ہو گا۔ اس مکتوب گرامی کا مضمون یہ ہے۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ و رسولہ کی جانب سے جَیفر اور عبد جلند کے فرزندوں کے نام۔ سلام اس پر جو راہِ راست کی پیروی کرے۔ امابعد میں تجھے دعوت اسلام دیتا ہوں۔ اسلام لے آ۔ تاکہ سلامتی میں رہے۔ بلاشبہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں۔ یہاں تک کہ جب تک کوئی زندہ ہے میں ڈراتا ہوں یعنی جب تک وہ حیات قلبی کے ساتھ زندہ ہے۔ ہم نے کافروں پر حجت قایم کر دی ہے۔ تو اگر اسلام لے آئے تو میں تجھے ہی حاکم مقرر کرتا ہوں اور تیرے ملک پر تجھے ہی برقرار رکھتا ہوں اور اگر تو انکار کرتا ہے اور اسلام سے راہ فرار اختیار کرتا ہے تو تیرے ملک کو چھین لیا جائے گا۔ اور میرے گھوڑے تیرے میدانوں میں گشت کر رہے ہوں گے۔ میری نبوت تیرے ملک پر غالب ہو گی۔ اس مکتوب گرامی کو ابی ابن کعب نے لکھا اور خط پر مہر لگائی۔ اور عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں چلدیا اور عمان پہنچا جب میں وہاں پہنچا تو میں نے ارادہ کیا کہ عبد سے ملوں۔ کیوں کہ وہ

جلند کے دونوں بیٹوں عبد و جیفر سے اخلاق میں اچھا اور نرم ترین تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ میں خدا کے رسول کا قاصد ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ اور تیرا بھائی سن و سال اور ملک کے اعتبار سے تجھ پر مقدم ہے۔ اور میں تجھ کو اس کی طرف لے چلتا ہوں تاکہ وہ خط پڑھ کر تجھے بھی سنا دے۔ اس پر اس نے کہا "تم کیسی دعوت دیتے ہو؟" میں نے کہا "میں خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی طرف بلاتا ہوں کہ اس پر ایمان لاؤ اور اس کے سوا جس کی پیروی اور عبادت کرتے ہو اسے چھوڑ دو۔ اور گواہی دو کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں"۔ عبد نے کہا "اے عمروؓ! تم اپنی قوم کے سردار کے بیٹے ہو بتاؤ تو کہ تمہارے باپ نے کیا کیا تاکہ اس میں ہم ان کا اتباع و اقتدار کریں؟" میں نے کہا "میرا باپ مرگیا ہے اور وہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لایا۔ میں چاہتا تھا کہ کاش وہ مسلمان ہو جاتا اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تصدیق کرتا۔ اس وقت تک میں بھی باپ کی مانند محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان نہیں لایا تھا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے میری ہدایت فرمائی اور میں مسلمان ہو گیا"۔ اس نے کہا "تم کب مسلمان ہوئے؟" میں نے کہا "ابھی قریب ہی کے زمانہ میں"۔ اس نے پوچھا "ایمان لانے کے بعد کہاں رہے؟" میں نے کہا "نجاشی شاہ حبشہ کے پاس"۔ اور میں نے اس کو خبر دی کہ نجاشی بھی اسلام لے آیا ہے"۔ اس نے پوچھا "پھر اس کی قوم اور اس کے ملک کی رعایا نے کیا کیا؟" میں نے کہا "وہ برقرار رہے اور اس نے اس کی پیروی کی"۔ اس نے پوچھا "نصاریٰ کے دانشمندوں اور ان کے راہبوں نے کیا کیا۔ کیا وہ اس کے تابع رہے اور اس کی پیروی کی؟" میں نے کہا "ہاں!" اس نے کہا "اے عمروؓ! سوچ کے بولو کیا کہہ رہے ہو؟ کسی شخص کو جھوٹ بولنے سے بڑھ کر کوئی خصلت ذلیل و رسوا کرنے والی نہیں ہے؟" میں نے کہا "میں جھوٹ نہیں بول رہا اور جھوٹ تو ہمارے دین میں حلال بھی نہیں ہے"۔ اس کے بعد اس نے کہا "مجھے بتاؤ کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کس چیز کا حکم دیتے ہیں اور کس چیز سے منع کرتے ہیں؟" میں نے کہا "حضورؐ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی عبادت کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اس کی معصیت و نافرمانی سے منع کرتے ہیں۔ وہ صلۂ رحمی کا حکم دیتے ہیں اور ظلم و شر سے منع کرتے ہیں۔ وہ زنا شراب خوری، بتوں کی پرستش اور صلیب کے ماننے سے منع کرتے ہیں"۔ عبد نے کہا "کتنی اچھی تعلیم ہے اور کیسی عمدہ ان کی دعوت ہے۔ اگر میرا بھائی میری مانے اور میری موافقت کرے تو ہم دونوں سوار ہو کر حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی تصدیق کریں۔ لیکن میرا بھائی اپنے ملک اور اس کی بادشاہت کا حریص ہے۔ وہ کب اسے چھوڑے گا"۔ میں نے کہا "اگر وہ اسلام لے آئے تو حضورؐ اس کو اس کی قوم پر ہی حاکم برقرار رکھیں گے۔ اس کے بعد وہ اپنے مال لے

سے صدقہ لے کر اپنے فقیروں اور محتاجوں پر لوٹائے گا۔“ اس نے کہا ”خدا کی قسم یہ عادت تو بڑی عمدہ ہے۔ اور صدقہ کیا ہے مجھے اس کی تفصیل بتاؤ کہ حضورؐ نے اموال میں کس طرح صدقات کو فرض قرار دیا ہے“۔ اس کے بعد میں نے پوری تفصیل سے صدقہ کے احکام بتائے اور اونٹوں پر صدقہ کی تفصیل بتائی تو اس نے کہا ”اے عمروؓ! کیا ان اونٹوں سے بھی صدقہ لیا جاتا ہے جن کو ہم درختوں سے چراتے اور چشموں پر لیجاتے ہیں“۔ میں نے کہا ”ہاں!“ اس نے کہا ”خدا کی قسم! ہم اپنی قوم کو ایسا نہیں پاتے کہ وہ اس حکم کی اطاعت کریں“۔ عمروؓ بن العاص بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے چند روز انتظار کیا یہاں تک کہ عبد اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس نے میری آمد کی خبر کی۔ بعد ازاں ایک دن اس نے مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں اس کے پاس گیا۔ تو اس کے ندیموں نے میرے بازو پکڑ لئے۔ لیکن اس نے ان کو منع کیا اور کہا کہ ”اسے چھوڑ دو“۔ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں نے آگے بڑھ کر چاہا کہ میں بیٹھ جاؤں۔ مگر انہوں نے مجھے بیٹھنے نہ دیا اور بیٹھنے سے منع کیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا ”اپنا مقصد بیان کرو“۔ میں نے مہر شدہ مکتوب گرامی اسے دیا۔ اس نے اس کی مہر توڑ کر خط کو پڑھا جب آخر تک اس نے پڑھ لیا تو اس نے اپنے بھائی کو دیا۔ اس نے بھی پڑھا لیکن میں اس کے بھائی کو اس سے زیادہ نرم دیکھتا تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا ”مجھے بتاؤ کہ قریش کا انجام کیا ہوا؟“ میں نے کہا ”ان سب نے حضورؐ کی اطاعت و پیروی قبول کر لی ہے“۔ اس نے کہا ”کیا رغبت و شوق سے دین کو قبول کیا ہے یا تلوار سے مغلوب و مقہور ہو کر؟“ اور پوچھا ”کن لوگوں نے ان کے ساتھ موافقت کی ہے۔؟“ میں نے کہا ”لوگوں نے اسلام میں رغبت و شوق کا اظہار کیا اور بغیر جبر و اکراہ کے اسلام کو اختیار کیا۔ اور اپنی عقلوں کو حق کی ہدایت کے موافق بنایا۔ کیوں کہ وہ پہلے گمراہی میں تھے۔ اب میں نہیں جانتا کہ تیرے سوا کوئی باقی رہا ہو۔ اگر آج تو اسلام نہیں لاتا تو تجھے یونہی نہ چھوڑ دیں گے، اسلام کے گھوڑے تجھے پامال کر دیں گے۔ اسلام لے آتا کہ تو سلامتی میں رہے اور تجھی کو تیری قوم پر حاکم مقرر کیا جائے۔ ورنہ اسلام کے گھوڑے تجھ پر دوڑے آتے ہیں“۔ اس نے کہا ”آج تو مجھے مہلت دو۔ کل میرے پاس آنا۔ تاکہ میں کوئی جواب دے سکوں“۔ اس کے بعد میں اس کے بھائی کے پاس گیا۔ اس نے کہا ”اے عمروؓ! میں امید رکھتا ہوں کہ میرا بھائی سلامت رہے گا اگر اس نے اپنے ملک کی بخیلی نہ کی“۔ جب دوسرا دن ہوا تو میں اس کے پاس گیا۔ اس نے انکار کیا اور مجھے داخل ہونے کی اجازت نہ دی پھر میں واپس ہو کر اس کے بھائی کے پاس گیا اور میں نے اسے بتایا کہ میں تیرے بھائی کے پاس نہیں پہنچ سکا۔ تو مجھے اس کے پاس پہنچا۔ اس نے

کہا "میں تمہاری اس دعوت کے بارے میں غور کر رہا ہوں جس کی تم نے مجھے دی ہے میں کمزورترین عرب ہوں، اگر میں اس شخص کے مقابلہ میں اس چیز پر قادر ہوتا جو میرے ہاتھ میں ہے اور میں اس سے ڈرتا ہوں کہ اس کے گھوڑے یہاں پہنچیں اگر اس کے گھوڑے یہاں پہنچے تو میں خوفزدہ ہوں ایک ایسی جنگ سے جس کی، مانند اس کو کبھی قتال سے سابقہ نہ پڑا ہوگا" میں نے کہا "میں کل یہاں سے جا رہا ہوں" جب اسے میرے جانے کا یقین ہو گیا تو میرے نکلنے کے بعد دونوں بھائیوں نے تنہائی میں مشورہ کیا۔ جب صبح ہوئی تو کسی کو مجھے بلانے کے لئے بھیجا، اس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا، اور وہ دونوں بھائی مسلمان ہو گئے انہوں نے حضورؐ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لے آئے (والحمدللہ)

## قضیہ ظہار خولہ بنت ثعلبہ

اسی سال قضیہ ظہار خولہ رضؓ بنت ثعلبہ بن قیس بن مالک بن الجراح کا اس کے شوہر اوس بن اخرم رضؓ انصاری کے ساتھ پیش آیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ خولہ بڑی حسین وجمیل، عقلمند اور صالحہ عورت تھی۔ اور اس کا شوہر اوس بن اخرم کم فہم اور جنون میں مبتلا تھا جو آخر عمر میں ضعیف، فقیر، نابینا اور بدخلق ہو گیا تھا۔ ایک دن اس نے خولہؓ کو ہمبستری کے لئے بلایا۔ اس نے کہنا نہ مانا تو وہ جوش وغصہ میں آ گیا۔ اس نے کہا اَنْتِ عَلَیَّ کَظَهْرِ اُمِّیْ تو مجھ پر میری ماں کی کمر کی مانند ہے، یہ کہہ کر گھر سے نکل آیا۔ جب غصہ کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو پشیمان ہوا۔ اور چاہا کہ صلح ہو جائے۔ خولہ رضؓ نے کہا صلح کی کوئی صورت ممکن نہیں، جب تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حقیقت حال بیان نہ کر دی جائے۔ پھر وہ حضورؐ کی بارگاہ میں آئے اور سارا حال حضورؐ سے عرض کیا، حضورؐ نے فرمایا "ظہار، زمانہ جاہلیت میں طلاق کا حکم رکھتا تھا، مگر ابھی تک مجھ پر اس بارے میں کوئی وحی نہیں آئی ہے۔ خولہ رضؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ! میرا معاملہ نہایت دشوار ہے۔ اگر میں اس کے بچوں کو چھوڑتی ہوں تو ضائع ہو جائینگے اور اگر اپنے پاس رکھتی ہوں تو بھوکے رہیں گے۔ اس مشکل کو حق تعالیٰ ہی آسان فرمائے گا۔" منقول ہے کہ جب خولہ رضؓ نے اپنا حال عرض کر دیا تو اس کے بعد وہ سیدہ عائشہ رضؓ کے حجرے کے ایک گوشہ میں جا کر سر کو سجدے میں رکھ کر رونے لگیں۔ اور قاضی الحاجات سے اپنی حاجت عرض کرنے لگیں اور کہا کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْ اِلَیْكَ وَحْدَتِیْ وَوَحْشَتِیْ وَفِرَاقَ زَوْجِیْ وَوَجْدِیْ اے خدا میں تجھ سے اپنی بیکسی، بیچارگی، اپنے شوہر کی جدائی اور اپنی بے چینی کی شکایت کرتی ہوں۔ ابھی خولہ نے سر کو اٹھایا نہ تھا کہ جبریل امین آئے اور سورۂ مجادلہ کی ابتدائی آیتیں جن میں ظہار کا حکم اور اس کے کفارہ کا بیان ہے لائے۔ ارشاد باری ہوا قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْ

وَاللّٰہُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَکُمَا بیشک اللہ نے اس کی بات سُنی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی ہے اور اللہ سے شکایت کرتی ہے اور اللہ تم دونوں کے سوال وجواب کو سُنتا ہے...۔"

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حق تعالیٰ کی کمالِ سماعت سے حیران ہوگئی، کیوں کہ خولہ نے اپنا واقعہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بر سبیل خفیہ عرض کیا تھا چنانچہ کسی نے اس کو نہ سُنا اتنی آہستہ بات کہی کہ میں باوجودیکہ گھر میں تھی اس کا کچھ حصہ بھی نہ سن سکی ۔اور حضرت حق عزاسمہ نے سن لیا اور فی الفور آیت بھیجی اور فرمایا کہ :۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُکَ فِیْ زَوْجِھَا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات باعتبار عرف وعادت فرمائی ورنہ حق تعالیٰ کے علم وسمع میں بلند آواز ، پست آواز دونوں یکساں ہیں۔

کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد مسلمانوں میں خولہؓ کی قدر ومنزلت ، بارگاہِ رب العزت میں قرب خاص حاصل ہو جانے کے سبب بڑھ گئی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جب ان کو دیکھتے تو ان کا اعزاز واکرام فرماتے اور کہتے قَدْ سَمِعَ اللّٰہُ بِھَا ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اشراف قریش وغیرہ کی جماعت کے ساتھ جارہے تھے کہ خولہؓ پہنچی اور اپنی کوئی حاجت فاروق اعظم سے بیان کی ۔حضرت عمرؓ کھڑے رہے تمام لوگ بھی کھڑے رہ گئے ۔اور وہ تعجب کرنے لگے کہ اس بوڑھی عورت کی خاطر اتنے اشراف کو کھڑا رکھنے کے کیا معنی ہیں۔فرمایا " یہ وہ عورت ہے جس کی شکایت حق تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر سے سُنتا ہے"۔

غرضکہ ظہار کے کفارہ کا حکم جب نازل ہوا تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اوسؓ کو بلا کر فرمایا کہ ایک غلام کو آزاد کرنے کے بعد تم خولہؓ سے صحبت کرسکتے ہو۔انہوں نے عرض کیا " میں اتنی قدرت نہیں رکھتا " فرمایا " دو مہینہ پے درپے روزے مسلسل رکھو "۔انہوں نے عرض کیا " میں یہ بھی نہیں کرسکتا "۔ایک روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے عرض کیا " یارسول اللہ! میرا حال ایسا ہے کہ اگر ایک دن میں میں دو بار یا تین بار نہ کھاؤں تو میری آنکھوں تلے اندھیرا آجاتا ہے۔فرمایا " ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ "۔عرض کیا " میں اس کی بھی مقدرت نہیں رکھتا "۔اتنے میں ایک شخص مجلس میں آیا اور ایک تھیلی کھجوروں کی لایا جس میں پندرہ ۱۵ صاع کے قریب کھجوریں ہوں گی۔حضورؐ نے فرمایا " ان کھجوروں کو لے جاؤ اور فقراء میں تقسیم کردو۔تاکہ تمہارے ظہار کا کفارہ ہو جائے"۔انہوں نے عرض کیا " یارسول اللہ! میں اپنے سے زیادہ فقیر کسی کو نہیں جانتا ۔اگر حکم ہو تو اپنے اوپر اور اپنے اہل وعیال پر تقسیم کردوں"۔فرمایا " ایسا ہی کرو"۔یہاں پر علماء میں اختلاف ہے کہ اگر صاحبِ کفارہ ، فقیر ہو تو جائز ہے کہ خود پر صرف کرے ،اکثر ائمہ کا مذہب

ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے اسی پر ہے کہ جائز ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ اب تو تم اسے کھالو آئندہ کفارہ دیدینا۔

## اونٹ اور گھوڑوں کی دوڑ

ہجرت کے چھٹے سال کے واقعات میں اونٹوں اور گھوڑوں کے درمیان مسابقت یعنی دوڑ کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کو دوڑائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کریں تاکہ دیکھا جائے کہ کونسا اونٹ اور گھوڑا تیز چلتا ہے اور کونسا آگے بڑھتا ہے۔ یہ بھی جہاد کے آلات واسباب میں سے ہے۔ اور اسی باب میں اس حدیث کو بیان کیا گیا ہے اور اس دوڑانے میں شرط بھی جائز ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ کریں کہ جو آگے بڑھ جائے گا اسے اتنا مال انعام میں ملے گا۔ یہ شرط اگر ایک طرف سے ہو تو جائز ہے اور اگر دونوں طرف سے ہو تو قمار یعنی جوا ہے اور یہ حرام ہوگا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک اونٹنی تھی جس کا نام "قصوار" تھا کوئی اونٹ اس پر سبقت نہیں لیجا سکتا تھا۔ ایک اعرابی آیا جس کے پاس اونٹ بہت کمزور تھا اس نے قصوار سے دوڑانے میں بڑھا دیا۔ یہ واقعہ مسلمانوں پر بہت گراں گزرا۔ حضورؐ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا "حق تعالیٰ کی شان برحق ہے۔ دنیاوی چیزوں سے جو بلند و اونچی ہوتی ہے حق تعالیٰ اسے پست و نیچا کر دیتا ہے۔ اسی ارشاد کے موافق لوگوں کا یہ مقولہ ہے کہ "ہر کمالے را زوال" دہر شرفے را وبال" کعبہ معظمہ اپنی اس تمام عظمت و کرامت کے باوجود جو اسے حاصل اور عالم کی بقا اس کے وجود پر قائم ہے۔ جب قیامت کا زمانہ قریب آئے گا تو حق تعالیٰ ایک حبشی کو مقرر کرے گا یہاں تک کہ وہ اس کا ایک ایک پتھر اکھاڑ ڈالے گا۔ اس کے بعد قیامت قایم ہو جائے گی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اور کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ (ہر شے کو فنا ہونا ہے بجز ذات باری تعالیٰ کے) کی سطوت ظہور پذیر ہوگی۔

ایسی دوڑ میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک مسافت معین فرماتے کہ یہاں سے وہاں تک دوڑیں۔ اور مضمر و غیر مضمر گھوڑوں کے درمیان فرق رکھتے۔ مضمر یعنی سبک و تیز رفتار گھوڑوں کے لئے حصباء سے ثنیۃ الوداع تک مقرر فرماتے۔ یہ دونوں مدینہ منورہ کے قریب کے مقامات کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہے۔

مضمران گھوڑوں کو کہا جاتا ہے جن کو علف یعنی دانہ چارہ دیتے ہیں تاکہ فربہ اور قوی

ہو جائیں پھر اس علف کو کم کرتے ہیں یہاں تک کہ قوت یعنی بھوک تک رہ جائے اور اسے گھر میں محفوظ رکھتے ہیں اسے جھول اوڑھائے رکھتے ہیں تاکہ گرم ہو کر پسینہ آئے جب اس کا گوشت خشک ہو جاتا ہے۔ اور گھوڑا قوی و تیز رفتار و سبک ہو جاتا ہے۔ یہ ریاضت چالیس دن میں مکمل ہوتی ہے ضمیر لغت میں لاغری اور سبکی گوشت کے معنی میں آتا ہے۔ اور مضمار جس کے معنی میدان کے ہیں اسی سے بنا ہے۔ لہٰذا گھوڑا جب سبک و تیز رو ہو تو بہت دوڑتا ہے اسی لئے اس کے دوڑ کی مسافت زیادہ رکھی گئی ہے۔ اور غیر مضمر گراں اور سست رفتار ہو تو کم دوڑتا ہے اسی بنا پر اس کے دوڑ کی مسافت کم اور مختصر رکھی گئی حدیث شریف میں ہے کہ مَا اَسْبَقَ اِلَّا فِی نَصْلٍ اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ۔ مطلب یہ کہ مسابقت اور دوڑ نہیں ہے مگر تیر اندازی یا خف یعنی اونٹ یا حافر یعنی گھوڑے میں۔ خف کے معنے اونٹ کے سم کے ہیں اور حافر کے معنی گھوڑے کے کُھر کے ہیں اونٹ کا سم چونکہ درمیان میں چاک ہوتا ہے اس لئے خف کہتے ہیں اور گھوڑے کا کُھر چونکہ چاک نہیں ہوتا اس لئے حافر کہتے ہیں۔ اور ہاتھی اور گدھا اونٹ اور گھوڑے کے حکم میں ہوگا۔ اور اکثر جہاد اور غزوات میں زیادہ تر گھوڑے ہوتے ہیں بعض حضرات پیدل دوڑنے اور پتھر پھینکنے کو بھی اسی کے ساتھ شامل کرتے ہیں۔

## اُم رومان رضؓ والدہ عائشہ رضؓ کی وفات

چھٹے سال کے واقعات میں سے ام رومان رضؓ والدہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا واقعہ پیش آیا۔ ام رومان رضؓ کا نام زینب بنت عامر ہے۔ ان کی نسبت میں بہت زیادہ اختلاف ہے لیکن اس پر اتفاق ہے کہ وہ بنی غنم بن مالک بن کنانہ میں سے تھیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم دونوں ایک والدہ سے ہیں۔ اور محمد بن ابی بکر رضؓ کی والدہ اسماء بنت عُمیس شعمیہ ہیں۔ اور حضرت عبداللہ رضؓ بن ابی بکر جو حضرت صدیق کے بڑے فرزند ہیں ان کی والدہ قتیلہ ہیں۔ اور بعض قتلہ بغیر تصغیر کے بتاتے ہیں۔ اور اسماء رضؓ بنت ابی بکر کی والدہ شقیقہ ہیں۔ ام رومان کی وفات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات رضؓ طاہرہ طیبہ کے زمانہ میں تھی اور حضورؐ ان کے دفن کے وقت موجود تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ان کی قبر میں داخل ہوئے تھے۔ اور فرمایا جو چاہتا ہے کہ حور العین کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ ام رومان رضؓ کو دیکھے (رضی اللہ عنہا)

اسی سال کے آخر میں اور ایک قول کے بموجب ساتویں سال کے شروع میں حضرت ابوہریرہ رضؓ اسلام لائے۔ ان کے اسلام لانے کی تفصیل اور ان کے تمام حالات کے بیان میں بڑی لمبی تفصیل ہے۔

# ہجرت کے ساتویں سال کے واقعات اور غزوۂ خیبر کا ذکر

خیبر ایک بڑے شہر کا نام ہے جس میں متعدد قلعے اور بکثرت کھیتیاں ہیں۔ یہ مدینہ منورہ سے آٹھ برید کے فاصلہ پر شام کی جانب ہے۔ (کذا فی المواہب) قاموس میں ہے کہ خیبر مشہور قلعہ کا نام ہے۔ اہل سیر نے کہا ہے کہ مدینہ یعنی شہر بہت سے گھروں کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو بڑائی اور عمارتوں میں قریہ یعنی گاؤں سے بڑا ہو۔ اور مصر کے مرتبہ کو نہ پہنچا ہو۔ سب سے کمتر قریہ یعنی گاؤں ہے اور سب سے بالاتر مصر ہے۔ اور مدینہ دونوں کے درمیانی حیثیت کا نام ہے۔ بعض حضرات مدینہ کو مصر و بلد سے بالاتر کہتے ہیں اور مصر کے ہم مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ اور خیبر قلعوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ اس بنا پر ہر ایک قلعہ گاؤں کے مرتبہ میں ہوگا۔ اور مدینہ ان کے مجموعہ کا نام ہے یہ سب قلعے آٹھ ہیں، کتیبہ[1]، ناعم[2]، صعب[3]، شق[4]، غموص[5]، بطاۃ[6]، شطیح اور شالم۔

اس غزوہ کا وقوع ہجرت کے ساتویں سال میں ہے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۷ھ ہجری کے ماہ محرم کے آخری دنوں میں تشریف لے گئے اور دس یا بارہ[12] روز تک ان کا محاصرہ فرمایا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فتح کرا دیا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ آخر سن چھ ہجری میں ہے۔ یہ امام مالک سے منقول ہے اور اسی پر ابن حزم نے جزم کیا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ قول راجح وہی ہے جسے ابن اسحاق نے کہا ہے۔ ان دونوں قولوں کو جمع کرتے ہوئے کہا کہ "جس نے آخر سن کہا ہے اس نے ہجری سال کی ابتداء ماہ ربیع الاول سے مراد لی ہے۔ اور اس نے اعتبار کیا ہے کہ حقیقت میں سابق یہی ہے۔ اور اس طرح محرم آخر سال میں ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مواہب نے بیان کیا۔ ابن سعد، ابن ابی شیبہ، ابوسعید خدری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کی طرف اٹھارہ[18] رمضان کو نکلا۔ یہ غلط ہے اور صواب یوں ہے

کہ یہ بات فتح مکہ کے لئے ہے جو آخر رمضان میں ہوئی تھی غلطی سے اس کی جگہ خیبر لکھا گیا۔ چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم مدینہ طیبہ سے ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ تشریف لے گئے مواہب میں ایک ہزار ایک سو پیدل اور دو سو سوار مروی ہے۔

اس غزوہ کے وقوع کا سبب یہ تھا کہ جب حق تعالےٰ نے حدیبیہ سے واپسی کے وقت سورۂ "انا فتحنا" نازل فرمائی اور بشارت دی اور اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلّم سے وقوعِ فتح اور غنایم کا وعدہ فرمایا اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:۔ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا جنہیں تم حاصل کرو گے تو ان غنایم کو تمہارے لئے مقرر کر دیا۔" تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے اس وعدۂ غنایم کو فتح خیبر پر محمول فرمایا۔ اگرچہ حضورؐ کی عادت شریفہ توریہ کی تھی اور اشارہ میں بات فرمایا کرتے تھے لیکن اس جگہ حضورؐ نے صحابہ کو صاف صاف بتا دیا۔ اور فرمایا "لشکر کی تیاری کرو کیوں کہ ہم غزوۂ خیبر کے لئے جانے والے ہیں۔" مدینہ منورہ میں سباعؓ بن عرفطہ غفاری کو خلیفہ بنا کر چھوڑ دیا۔ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو ہمراہ لیا اور دیگر بیس۲۰ مسلمان عورتوں کو بھی تیمارداری اور مرہم پٹی اور دیگر خدمات کے لئے ساتھ لے لیا۔ اور لشکر مقدمہ پر عکاشہ بن محصن اسدی کو اور میمنہ پر حضرت عمرؓ بن الخطاب کو اور میسرہ وغیرہ پر دیگر صحابہ کو مقرر فرمایا۔ لشکر اسلام میں دو سو گھوڑے سوار تھے۔ اور تین گھوڑے تو خاص رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے تھے۔ اور کثرت سے اونٹ تھے۔ حضورؐ نے حکم دیا اس سفر میں کوئی شخص اس غرض سے ہمارے ساتھ شامل نہ ہو جسے دنیاوی مال کی طمع ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن سلول منافق نے ہمراہ جانے کی حضورؐ سے اجازت مانگی۔ حضورؐ نے اس کے جواب میں یہ بات فرمائی اس منافق نے یہود کو خبر بھیجی کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) تمہارے استیصال کا ارادہ رکھتے ہیں۔ خبردار اپنے قلعوں میں داخل نہ ہونا باہر نکل کر ان کے ساتھ جنگ کی تیاری کرو۔ کیوں کہ سامان جنگ تمہارے پاس بہت زیادہ ہے۔ اور تمہارے خدام "خذلہم اللہ" بہت کثرت سے ہیں۔"

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کا منافقوں کو اس غزوہ میں شریک ہونے سے منع فرمانے کا سبب یہ تھا چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں سے کثیر مغانم کا وعدہ کیا گیا تھا اور اس پر صراط مستقیم کی ہدایت مترتب ہوتی تھی اس بنا پر اس غزوے کو منافقوں کی ناپاکی سے پاک رکھا اور نہ چاہا کہ ان مغانم میں مخلص مسلمانوں کے ساتھ منافقین بھی شریک ہوں۔ (واللہ اعلم)۔ اس غزوے کا مکمل قصہ، جزئی اور کلی واقعات کے ساتھ کتب سیر میں مذکور ہے۔ ہماری روش چونکہ اختصار کی ہے اس لئے ہم ان بڑے

بڑے کلی واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ جن میں فوائد عظیمہ اور حجج قاہرہ مضمر و مذکور ہیں (و باللہ التوفیق)

جاننا چاہیئے کہ صحیح بخاری میں سلمہ بن الاکوع کی حدیث مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر کے لئے نکلے۔ ہم قطع مسافت کر رہے تھے کہ ایک رات ہم میں سے عامرؓ بن سنان بن الاکوع سے کہا گیا تم ہمیں اپنے ان اشعار و رجز میں سے کچھ سُناتے نہیں جو تمہیں یاد ہیں۔؟ چونکہ عامرؓ شاعر اور حدی خواں شخص تھا اور بلند آواز سے خوب پڑھا کرتا تھا۔ اور اہل عرب کی عادت تھی کہ جب ان پر راہ کی تھکن لاحق ہوتی اور ان کے چلنے سے مجبور ہو جاتے تو حدی پڑھتے یہاں تک کہ اونٹ مست ہو کر تیزی کے ساتھ مسافت طے کر لیتے۔ اس پر عامرؓ اونٹ سے نیچے اتر آئے اور حدی پڑھنے لگے اور عبداللہ بن رواحہ کے وہ اشعار جن کے شروع میں یہ ہے کہ اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا، وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا۔ خوش آوازی اور عمدہ لحن و نغمہ کے ساتھ پڑھا۔ اس کے بعد صحابہ کرام کا وقت ان کی خوش آوازی کے ساتھ نغمہ پڑھنے سے اچھا گزر گیا اور ان پر ایک رقت طاری ہو گئی اور ان کے اونٹ بھی مست ہو کر تیزی سے سفر طے کرنے لگے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "یہ کون ہے؟ جو اونٹوں کو چلاتا اور حدی گاتا ہے" صحابہ نے عرض کیا عامرؓ بن الاکوع ہیں۔ فرمایا "یَرْحَمُہُ اللّٰہُ" ایک روایت میں ہے فرمایا "غَفَرَ لَکَ رَبُّکَ" اس پر لشکر اسلام میں سے کسی نے عرض کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ان کے لئے شہادت واجب ہو گئی اور یا رسول اللہ! کس لئے انہیں کچھ عرصہ اور رہنے نہ دیا کہ ہم ان سے بہرہ مند ہوتے اور وہ ہمارے ساتھ کچھ عرصہ اور حیات رہتے؟" چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ مبارکہ یہ تھا کہ جس کے لئے حضورؐ ایسی دعا فرماتے وہ شرفِ شہادت سے مشرف ہو جاتا۔ مواہب لدنیہ میں مقید کر کے لکھا ہے کہ اس غزوہ اور جہاد میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جس کے لئے بھی ایسی دعا فرمائی بالآخر وہ شہید ہو گیا۔

واضح رہنا چاہیئے کہ روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس حدیث میں ایک ہی شعر لکھا ہے اور اس کے بعد کے اشعار کو چھوڑ دیا ہے۔ لیکن مواہب میں ان تمام اشعار کو بیان کر کے ان کی شرح بھی کی گئی ہے۔ اس مقام کا اقتضا یہ ہے کہ ہم ان سب کو یہاں نقل کر دیں کیوں کہ اس میں کچھ نکات ہیں۔ اگرچہ وہ موجب تطویل ہوں گے۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا اے خدا اگر تو نہ ہوتا یعنی اگر تیری رحمت نہ ہوتی تو ہم راہ راست

نہ پاتے۔ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا - نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نماز پڑھتے فضل وکرم یہ ہے کہ ہمیں راہ راست دکھائی اور نماز وزکوٰۃ کی توفیق دی فَاغْفِرْ فِدَاءً لَّكَ مَا اتَّقَیْنَا - تو تو ہمیں بخش دے ہم تجھ پر فدا ہوں تاکہ ہم میں تقویٰ پیدا ہو" وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا - اور ہمارے قدموں کو اپنی جگہ قایم رکھ اگر ہمارے مقابلہ میں تیرے دین کے دشمن آئیں نَاَنْزِلْ سَکِیْنَةً عَلَیْنَا - اور ہم پر سکون قرار اور آسانی کو نازل فرما۔ اِنَّا اِذَا اُصْبِحَ بِنَا اَتَیْنَا - جب ہم صبح کریں اور ہم پر قتال واقع ہو اور شدائد دشواریاں آئیں تو ہم اس سے گریز نہ کریں۔ وَبِالصِّیَاحِ عُوِّلُوْا عَلَیْنَا اور چیخ وپکار اور خوف ودہشت سے ہم متزلزل نہ ہوں" بعض روایتوں میں یہ شعر زیادہ آیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَدْ بَغَوْا عَلَیْنَا - جن لوگوں نے ظلم کیا اور ہم پر بغاوت کی اِذَا اَرَادُوْا فِتْنَةً اَبَیْنَا جب وہ آزمائش وامتحان اور فتنہ میں ڈالنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے اور فتنہ میں نہ پڑتے۔ مروی ہے کہ لفظ "اَبَیْنَا" بلند آواز سے پڑھتے اور بار بار کہتے ابینا ابینا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے اس رجز کو کسی غزوہ میں کہا تھا اور عامر بن الاکوع نے اس مقام میں پڑھا اور صحابہ کو وجد میں لے آئے۔

ان شعروں میں "فداءلک" کے قول میں علماء اعتراض کرتے ہیں کہ فداء کا اطلاق، حق تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے درست نہیں ہے۔ اور یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ "اے خدا ہم تجھ پر فدا ہوں" اس لئے کہ فدا ہونا ایسے موقعہ پر بولا جاتا ہے کہ جب کسی شخص پر آفت یا تکلیف آنے والی ہو اور دوسرا کوئی شخص اس آفت اور تکلیف کو اپنی جان یا نفس پر لے کر اسے رہا کرنا چاہے اور اپنے آپ کو اس پر فدا کر دے۔ فدیہ بھی اسی معنی کے اعتبار سے ہے۔ اور حق سبحانہ وتعالےٰ اس سے پاک ومبرا ہے علماء اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ لفظ اسی طرح واقع ہوا ہے بغیر اس بات کے کہ ——— اس کے حقیقی معنی مراد ہوں۔ جس طرح کہ یہ بولتے ہیں کہ قاتلہ اللہ یعنی اللہ سے اس نے جنگ کی۔ دعا میں حقیقۃً قتل وہلاکت مراد نہیں ہے یا جیسے کہتے ہیں تبت یمینک یا تبت یداہ وغیرہ اس قسم کے الفاظ اور مقولے عرف وعادت اور محاورہ میں عام طور سے بولے جاتے ہیں۔ مگر ان سے حقیقی معانی مراد نہیں ہوتے۔ یہ ایک قسم کا مجاز واستعارہ ہے اس لئے کہ فدا ہونے والا جس پر فدا ہو رہا ہے اس کی رضا وخوشنودی کے حصول میں مبالغہ کرتا ہے اور اپنی جان کے عوض کسی خوف وناگواری کے پہنچنے کے سبب اس سے بدلہ کرتا ہے۔ گویا شاعر کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی جان کو تیری رضا میں خرچ کرتا ہوں۔ اگرچہ جہت صحیحہ کی طرف سے معنی کا پھیرنا بھی ممکن ہے لیکن لفظاً استعارہ وتجویز کا اس میں اطلاق، ورود شرح اور اس کی اجازت پر منحصر وموقوف ہے۔ اور بعض علماء کہتے ہیں کہ

اس کلام میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے خطاب ہے۔ مراد یہ ہے کہ ہماری ان کوتاہیوں پر جو آپ کے حق میں اور آپ کی نصرت میں ہیں ہمیں نہ پکڑیئے۔ اس معنیٰ میں لفظ اللّٰہم سے مراد دعا نہیں ہے بلکہ تیمن و برکت کے لئے اس سے کلام شروع کیا گیا ہے اور "لولا انت" سے مخاطب حضور اکرم علی اللہ علیہ وسلّم ہیں لیکن اس کے بعد ان کا کہنا کہ فَأَنْزِلْ سَكِينَةً عَلَيْنَا۔ وَثَبِّتِ الْأَقْدَامَ إِنْ لَاقَيْنَا۔ بظاہر منافات رکھتی ہے۔ اس لئے کہ یہ خدا کے حضور دعا و مناجات ہے۔ اور ممکن ہے کہ اپنے رب سے سوال کرنے کے معنی میں ہو کہ حق تعالیٰ سے سکینہ نازل ہونے اور ثابت رہنے کی دعا و سوال کیجئے۔

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی صاحب مدارج النبوۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ دعا و سوال بارگاہ رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلّم سے ہے جو کہ رب العزت کی جانب سے وکیل و سفیر ہیں۔ تو تصرف و تمکن کا ہاتھ انہیں کا ہے اور تدبیر کار و زمام اختیار آپ کے ہاتھ میں ہے اگرچہ فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ درحقیقت یہ معنیٰ دوسرے احتمال و تاویل کی بنا پر راجح ہے لیکن کلام میں کسی تقدیر کی ضرورت نہیں ہے۔

روضۃ الاحباب میں کسی سیر کی کتاب سے منقول ہے کہ جب عامرؓ حدی پڑھنے سے خاموش ہوئے تو حضورؐ نے عبداللہ بن رواحہ سے فرمایا "کیا تم ہمارے لئے حدی نہیں کہو گے اور اونٹوں کی رفتار میں تیزی نہیں لاؤ گے؟" اس پر انہوں نے بھی حدی پڑھی اور وہی اشعار پڑھے جو عامرؓ نے پڑھے اور اخیر کا ایک شعر اس میں زیادہ کیا۔ حضورؐ نے فرمایا "رحمہ اللہ" چنانچہ غزوۂ موتہ میں انہوں نے بھی شہادت پائی۔ سبحان اللہ۔ عجب دربار گہربار ہے کہ اس دربار کی خدمت کا اجر و ثواب ایسی رحمت کا حصول ہے۔ کہ جان دیں اور شہید ہو جائیں۔ درحقیقت لطف و رحمت یہی ہے کہ اس جہان کی تنگ دامانی سے چھٹکارا پائے سے

اتفاقاً بسر کوئے کسی افتادہ است      کہ در آں کوئے چو من کشتہ بسے افتادہ است

اس مقام میں بجز جان قربان کرنے کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

جاننا چاہیئے کہ غنا کے اقسام میں سے ایک حدی ہے جس کا سننا باتفاق مباح ہے۔ حضور اکرم صلّے اللہ علیہ وسلّم نے اسے سنا ہے اور پسند فرمایا ہے جیسا کہ معلوم ہوا اور حضورؐ کا ایک حدی کہنے والا تھا جس کا نام انجشہ تھا۔ یہ بہت خوش آواز تھے اور حسن صوت رکھتے تھے۔ حدی کے معنی تحسین رجز مباح بصوت نرم و شیریں اور گداز کے ہیں۔ یہ سفر کی کوفت کو کم کرنے اور نفس کے سرور

جذب کو بڑھانے کے لئے ہے۔ اس سے اونٹ تیز رفتاری کے ساتھ راہ قطع کرتا اور بھاری بوجھوں کو اٹھا لیتا ہے۔ ایک قسم اور ہے جسے "رکیانی" کہتے ہیں۔ جسے سفر کی کلفت کم کرنے کے لئے سواریوں میں گاتے ہیں۔ یہ بھی مباح ہے۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سفروں میں بہت سنا کرتے تھے۔ غنا کی ایک قسم اور ہے جسے نشید کہتے ہیں۔ وہ اشعار و قصائد اور غزل کو صوتِ حسن کے ساتھ خلاف محل، اونچی آواز سے خاص اتار چڑھاؤ کے ساتھ قواعد موسیقی کی رعایت کرکے اور رعوب بنا سنوار کے گاتے ہیں۔ اس میں کلام طویل ہے۔ آخر بابِ عبادات میں اس میں سے کچھ گزر چکا ہے۔

## خیبر کے واقعات

وصل: خیبر والوں کو جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی عزیمت کی اطلاع ملی تو انہوں نے کنانہ بن ابی الحقیق کو اپنے حلیف وہم سوگند غطفانیوں کے پاس بھیجا اور ان سے مدد مانگی۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے خیبر والوں کی بات کو درخورِ اعتناء نہ جانا۔ ایک روایت میں ہے کہ ان میں سے چار ہزار جنگی مرد نکلے پہلی منزل میں آسمان سے ایک آواز سُنی کہ جن کو تم اپنے گھروں پر چھوڑ کے آتے ہو ان پر تباہی آگئی۔ اس پر وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔ نیز مروی ہے کہ غطفانیوں نے اپنے عقب سے حس وحرکت کی آواز سنی اور انہوں نے گمان کیا کہ مسلمان تاخت و تاراج اور تباہ کرنے کے لئے آگئے ہیں۔ اس پر وہ واپس چلے گئے۔ یہ بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے معجزات میں سے تھا۔ اس کے باوجود اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ دس ہزار سوار خیبریوں کے لشکر میں تھے۔ وہ تمام ذلیل وخوار ہوئے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم جب قلعۂ خیبر کے درمیان تشریف لائے اور چشم مبارک ان بستیوں پر ڈالی تو دعا پڑھی اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّیٰطِیْنِ فَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرَیْنَ اَسْئَلُکَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرَ مَا فِیْھَا وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ ھَا شَرِّ مَا فِیْھَا۔

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہ دعا پڑھی۔ اس دعا کا پڑھنا جس وقت کہ کسی شہر یا گاؤں کو دیکھے یا ان میں داخل ہو تو ماثور ومنقول ہے۔ اور فرمایا اُدْخُلُوْا عَلٰی بَرَکَتِ اللّٰہِ۔ اس کے بعد حضورؐ اس مقام پر پہنچے جسے "منزلہ" کہتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے اس منزل میں اقامت فرمائی۔ اور ایک جگہ نماز کے لئے متعین فرمائی۔ اس جگہ نماز تہجد ادا فرمائی اور فجر کی نماز بہت تڑکے پڑھی۔ اور متوجہ ہو گئے۔ چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی عادت شریفہ تھی

کہ علی الصباح آپ پیش قدمی فرماتے تھے۔

قادر مطلق نے اس رات خیبر والوں پر خواب غفلت مسلط کر دی گو وہ پہلے سے باخبر تھے کہ حضورؐ تشریف لا رہے ہیں مگر اس وقت حضورؐ کی آمد کی انہیں خبر نہ ہوئی۔ حالانکہ انہوں نے جب سے یہ سُنا تھا کہ حضورؐ خیبر کی طرف آ رہے ہیں تو وہ ان بستیوں کی حفاظت کرتے اور ہر رات چند سوار دیکھ بھال کرتے اور جستجو میں رہتے۔ لیکن اس رات وہ سب غفلت کے مارے سوتے رہ گئے۔ یہاں تک کہ ان کے مرغوں نے بھی بانگ نہ دی اور ان کے چوپائے حرکت و جنبش کرنے سے رُکے رہے۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو بیدار ہوئے اور اپنے بیلچے اور کدال لیکر نکلے کہ کھیتوں میں جائیں اچانک لشکر اسلام دور سے ان کی نظروں میں آیا سب نے بھاگنے کی راہ لی' اور کہنے لگے۔ واللہ محمدؐ والخمیس خدا کی قسم یہ محمد اور خمیس ہیں یعنی لشکر کی پانچ ٹولیوں کے ساتھ آ گئے ہیں۔ "خمیس" بہت بڑے لشکر کو کہتے ہیں جس کو پانچ حصّوں پر تقسیم کیا گیا ہو۔ یعنی مقدمہ، میمنہ، میسرہ جن کو جناحین یعنی دو باز بھی کہتے ہیں اور قلب وساقہ۔

جب حضورؐ نے یہ حال مشاہدہ فرمایا تو تکبیر بلند فرمائی اور کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ۔ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔ صحیح بخاری میں ہے جب حضورؐ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو مسلمانوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی اور کہا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "اے لوگو! اپنے نفسوں پر رفق و نرمی کرو۔ تم کسی غائب کو نہیں پکار رہے ہو جس کو پکار رہے ہو وہ تم سے نزدیک ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔" ابو موسیٰؓ اشعری جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی سواری کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ حضورؐ نے سنا کہ میں "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" پڑھ رہا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا "اے عبداللہؓ بن قیس!" میں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ!" فرمایا "میں تمہیں ایسا کلمہ بتاؤں جو جنت کے خزانوں میں سے ہے؟" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ضرور رہنمائی فرمائیے! فداک ابی وامی (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں") فرمایا وہ کلمہ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ" ہے۔

بندۂ مسکین خصہ اللہ بمزید الیقین یعنی صاحب مدارج النبوۃ فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کا جنت کے خزانوں میں سے ہونے کی تحقیق و تاویل میں شارحین بہت سی باتیں بیان کرتے ہیں۔ اور مجھے یاد ہے کہ شیخ ولی' مقتدانا عبدالوہاب حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے شارحین کے اقوال نقل کرنے اور ان کی تاویلات بیان کرنے کے بعد فرمایا ان باتوں کو یہیں چھوڑ دو۔ انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا

کہ اس کے حقیقی معنی کیا ہیں۔ انتہیٰ۔

مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس کلمہ کی تکرار اور اس پر ہمیشہ قایم رہنا عمل خیر کی توفیق کی معاون ہے۔

جب اُن کا لشکر قلعہ میں پناہ لے چکا۔ اور سلام بن مشکم کو خبر پہنچی تو سلام بن مشکم کی ترغیب و ترہیب سے جوان کا سردار اور بزرگ تھا جنگ کرنے پر ان کے دل آمادہ ہوئے۔ اور اہل وعیال کو قلعہ کتیبہ میں محفوظ کر کے کھانے پینے کی چیزوں کی جس کا پہلے سے قلعہ ناعم میں ذخیرہ کر رکھا تھا اور زیادہ شدت سے حفاظت کے انتظامات کر کے ان کے دلیر و بہادر اور جنگ آزما لوگ قلعہ عظاۃ میں اکٹھے ہو گئے۔ سلام بن مشکم باوجودیکہ وہ بہت سخت بیمار تھا اسی قلعہ میں آگیا۔ اور جہنم رسید ہوا۔

اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جنگ کا شوق دلایا اور اجر آخرت، رفع درجات اور بے حد وغایت ثواب پانے کا مژدہ سنایا۔ اور فرمایا ظفر و نصرت تمہاری ہے اگر تم ثابت قدم رہے، اس کے بعد حضورؐ نے صلاح و مشورہ فرمایا اور جنابؓ المنذر کی عرض پر جو کہ رزم و حرب کے آزمودہ کار تھے موضع رجیع میں جو لشکر کے لئے بہتر بن اور عمدہ جگہ تھی لشکر کو ٹھیرایا۔ اور قلعہ بطاق سے یہود نا بہبود نے جنگ شروع کی اور قلعہ کے اوپر سے تیر برساتے تھے۔ جب رات ہو گئی تو رجیع کے قیام گاہ میں واپس تشریف لے آئے۔ دوسرے دن، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منزل کی خلافت سپرد کر کے اور لشکر کے امور کی انجام دہی تفویض فرما کے قلعہ کے نیچے جنگ گاہ میں تشریف لے آئے۔ اسی طرح ہر روز ہوتا رہا یہاں تک کہ قلعہ نطاۃ فتح ہوا ان دنوں میں پچاس مسلمان زخمی ہوئے۔

اس غزوے میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ ان دنوں میں ہوا بہت گرم تھی محمودؓ بن مسلمہ، جو محمد بن مسلمہ کے بھائی تھے ہوا کی گرمی کی شدت اور ہتھیاروں کے بوجھ کی بنا پر قلعہ ناعم کے سایہ میں اس خیال سے لیٹ گئے کہ اس جگہ جنگ کرنے والوں میں سے کوئی نہیں ہے۔ اور وہ سو گئے یہاں تک کہ ان نامردوں میں سے ایک نے جس کا نام کنانہ بن ابی الحقیق ہے یا مرحب یہودی — "علی اختلاف القولین والصحیح الاول" اس نے قلعہ کے اوپر سے ایک پتھر محمودؓ کے سر پر پھینکا جس سے ان کا سر پاش پاش ہو گیا۔ اور انہیں دنوں میں اس زخم کی شدت میں شہادت پائی۔ اور فردوس میں جا کر آرام پذیر ہوئے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ خبابؓ المنذر نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہود کو کھجوروں کے درخت اپنی اولاد سے زیادہ پیارے ہیں، حکم ہو تو ان درختوں کو کاٹ ڈالا جائے تاکہ انکی

حسرت اور زیادہ ہو۔ اس کے بعد کچھ صحابہ اس کام میں مصروف ہو گئے چونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قلب شریف محل رفق اور آنکھ مقام رقت رکھتی تھی۔ جب انہوں نے یہ دیکھا تو حضورؐ سے آکر عرض کیا "یارسول اللہ! حق تعالےٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ خیبر فتح ہو گا۔ اور یہ وعدہ ضرور پورا ہونا ہے تو درختوں کے کاٹنے سے کیا فائدہ ہو گا۔ اگر حکم فرمائیں تو قطع نخیلات سے ہاتھوں کو روکوا دیا جائے اور یہ اچھا ہو گا۔" فرمایا "روک دو۔" ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ تقریباً چار سو درخت کاٹ ڈالے گئے تھے۔ قلعہ نطاۃ کے سوا کسی جگہ درختوں کی کٹائی واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ سب یعنی قطع اور منع قطع دونوں صحابہ کی رائے اور اجتہاد سے تھا اگرچہ حضورؐ کی رائے بھی ان کے ساتھ موافق ہو گئی تھی تاہم خدا کی جانب سے کوئی مخالفت اور عتاب واقع نہ ہوا جس طرح کہ بدر کے قیدیوں کے فدیہ کے سلسلہ میں ہوا تھا (واللہ اعلم)

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک رات حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے پہرہ پر مقرر تھے چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہر رات کسی ایک صحابی کو لشکر اسلام کی حفاظت وپہرے پر مقرر فرمایا کرتے تھے۔ مسلمان ایک یہودی کو پکڑ کر حضرت عمرؓ کے پاس لائے۔ انہوں نے اس یہودی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس یہودی نے کہا مجھے اپنے نبی کے پاس لے چلو ان سے کوئی بات کہنی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس یہودی کو حضورؐ کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے آکر حضورؐ سے کہا "اے ابوالقاسم! مجھے امان دیجئے تاکہ واقع کے مطابق کچھ عرض خدمت کروں۔ حضورؐ نے اسے امان دیدی۔ اس یہودی نے کہا خیبر والوں کی حالت یہ ہے کہ لشکر اسلام کی سختی اور اس کی صولت وہیبت سے وہ انتہائی ہراساں ہیں۔ خصوصاً آج کی جنگ کی ہیبت سے تو بہت ہی خوفزدہ ہیں اور انہوں نے ارادہ کیا ہے کہ آج رات قلعہ شق میں منتقل ہو جائیں۔ آلات حرب اور غلہ وذخائر کو ایک پوشیدہ جگہ میں چھپا دیا ہے اور میں اس جگہ کو جانتا ہوں۔ جب کل یہ قلعہ مفتوح ہو جائے تو اس جگہ کو حضورؐ کے خادموں کو دکھا دوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہودی نے کہا "میرے اہل وعیال اس قلعہ میں ہیں ان کو بھی میرے ساتھ بخشدیا جائے۔" حضورؐ نے فرمایا میں نے بخشدیا۔ دوسرے دن نطاۃ فتح ہو گیا اور اس کا قلعہ بھی مفتوح ہو گیا۔ اور یہودی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ایمان لے آیا۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ ایک حبشی غلام تھا جو ایک یہودی کی بکریوں کی رات میں نگہبانی کرتا تھا۔ اس سے پہلے کہ حضورؐ قلعہ کے دروازہ پر آئیں۔ دیکھا کہ یہود مسلح ہو کر جنگ پر تیار کھڑے ہیں۔ اس نے یہودیوں سے پوچھا تمہارا یہ کیا حال ہے؟ یہودیوں نے کہا "ہم چاہتے ہیں کہ اس شخص سے جس نے

نبوت کا دعویٰ کیا ہے جنگ کریں۔ اس بات کو سن کر اس میں ہشیاری پیدا ہوئی اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ اے محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ فرمایا "اسلام کی۔ اور تم کہدو۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس نے کہا جب میں یہ کہدوں گا تو میرا کیا ہوگا فرمایا جنت ملے گی اگر تم اس پر ثابت قدم رہے تو۔ وہ غلام اسی وقت مسلمان ہو گیا اور اس نے کہا "یا رسول اللہ! یہ بکریاں بطور امانت میرے قبضہ میں ہیں میں چاہتا ہوں انھیں اس کے مالک کے سپرد کردوں۔ فرمایا "ان بکریوں کو لشکر کے باہر لیجاؤ" اور اس کو ہنکال کر اس کے پیچھے چند کنکریاں پھینکو۔ بلاشبہ حق تعالیٰ تمہاری طرف سے اس امانت کو ادا کردے گا۔ غلام نے ایسا ہی کیا۔ تمام بکریاں دوڑتی ہوئی غلام کے مالک کے گھر پہنچ گئیں۔ یہ حضورؐ کا تصرف اور آپ کا معجزہ تھا کہ تمام بکریاں بے توقف اور بے اختیار دوڑتی ہوئی یہودی کے گھر آگئیں۔ اس کے بعد وہ حبشی ہتھیار اٹھا کر میدان جنگ کی طرف چلا گیا اور جنگ کرتا ہوا درجۂ شہادت کو پہنچ گیا مسلمان اسے اٹھا کر لشکر اسلام کے خیموں میں لے آئے اور حضورؐ کو اس کے حال کی خبر دی۔ حضورؐ نے فرمایا عَمِلَ قَلِيْلًا وَّ اُجِرَ كَثِيْرًا۔ کام تھوڑا کیا اور مزدوری زیادہ پائی مطلب یہ کہ نہ نماز پڑھی نہ روزہ رکھا اور نہ کوئی اور طاعات و عبادات کی۔ ایمان کے بعد ایک ہی عمل کیا اور وہ اسلام پر جان دینا ہے لیکن خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ جو عمل ہے ایمان کے تمام اعمال کا اصل اصول ہے۔ سب سے زیادہ شاق اور دشوار ترین عمل، عملِ جہاد اور جان کی بازی ہے، اور کیا باقی رہا، درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہٗ کا ہی فضل و کرم ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ بنفس نفیس اس کے خیمہ میں تشریف لائے اور خیمہ کے اندر اس کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا۔ حق تعالیٰ نے اس بندۂ حبشی پر کرم فرمایا اور اسے جنت میں پہنچا دیا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ دو حوریں جنت کی اس کے سرہانے کھڑی ہیں! مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ فلاں بندے کو لے گئے اور جنت میں داخل کر دیا ہے۔ چونکہ جنت اس وقت بھی موجود ہے لہٰذا جنت میں داخل کرنا درست ہوگا۔ لیکن کیا اس شخص کو جنت سے نکال کر عرصات محشر میں لائیں گے؟ حالاں کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے نکالنا واقع نہیں ہے۔ اور حدیث میں بعد نماز آیۃ الکرسی کے پڑھنے کی فضیلت میں واقع ہوا ہے کہ مَا يَمْنَعُهٗ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ جنت میں داخل ہونے سے کوئی رکاوٹ نہیں بجز موت کے اور ممکن ہے کہ جنت میں داخل ہونے کی تیاری اور مستعدی مراد ہو۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ سبز پرندوں کے جوف میں ارواح کا دخول مراد ہو جیسا کہ شہداء کی فضیلت میں وارد ہوا ہے۔

پانچواں واقعہ یہ ہے کہ ایک دن مسلمان قلعہ صعب کے محاصرہ اور جنگ میں مشغول تھے کہ مرحب یہودی قلعہ سے باہر نکلا اور میدان جنگ میں آکر اپنا مقابل طلب کرنے لگا۔ حضرت عامر بن سنان الاکوع جن کو حضورؐ نے حدی پڑھتے وقت ترحم و استغفار فرمایا تھا۔ وہ مرحب کے مقابل آئے۔ اس یہودی نے ان پر تلوار کا وار کیا۔ عامرؓ نے اس کا وار اپنی ڈھال پر روکا اور اس کی تلوار ان کی ڈھال پر جم کے رہ گئی۔ اس کے بعد عامر نے اپنی تلوار کا وار مرحب پر کیا۔ مگر ان کی تلوار مرحب سے خطا ہو کر ان کے اپنے زانو پر آ لگی اور اپنی ہی تلوار سے وہ مجروح ہو گئے اور اسی زخم سے وہ جنت کو سدھارے اور حضورؐ کی دعا "رحمہ اللہ و غفر لہ ربہ" کے مصداق بنے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ سلمہؓ بن الاکوع روتے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا "یا رسول! آپ کے صحابہ کی ایک جماعت کہتی ہے کہ عامرؓ کا عمل رائیگاں گیا کیوں کہ وہ اپنی ہی تلوار سے مارے گئے اور اپنی جان کے قاتل بنے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا وہ غلط کہتے ہیں۔ بلاشبہ ان کو دونا اجر و ثواب ہے اور اپنی دونوں انگشتِ مبارک کو ملا کر فرمایا "اَنَّہٗ لَجَاھِدٌ مُجَاھِدٌ" یقیناً انہوں نے جہاد کیا وہ مجاہد ہیں۔"

چھٹا واقعہ یہ ہے کہ قلعۂ صعب کے محاصرہ کے دوران مسلمانوں کو بڑی شدت سے بھوک کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح کہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ فاقہ کشی ہلاک نہ کر دے۔ اس پر حضورؐ نے بارگاہِ صمدیت میں سوال کیا تاکہ ان کی عسرت، آسانی و فراخی سے بدل جائے۔ اور ان کی مشقت راحت میں منتقل ہو جائے اور کوئی ایسا قلعہ جس میں غذا و طعام بہت ہو فتح کرا دے۔ پھر حضورؐ نے علَم حضرت منذرؓ بن الخباب کو دیا لشکر اسلام نے ایکدم حملہ کیا اور خود کو قلعہ صعب کے دروازہ پر پہنچا دیا اور جنگ میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ قلعہ کھل گیا اور بیشمار ساز و سامان اور غذا و طعام اس قلعہ میں سے باہر لائے۔ اور بکثرت شراب بہائی۔ عبداللہؓ بن حمار ایک مردِ مسلمان تھے لیکن کبھی کبھی شراب کی طرف ہاتھ بڑھا لیا کرتے تھے آج بھی انہوں نے خیبر والوں کی شراب کے چند گھونٹ پی لیے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں نصیحت فرمائی صحابہ نے انہیں لعنت و ملامت کی — حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی ملامت کرنے والوں میں تھے۔ حضورؐ نے فرمایا "اے عمرؓ ان پر لعنت نہ کرو یہ خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل محبت، ارتکاب معصیت کے ساتھ من وجہ جمع ہو جاتی ہے۔ ہاں محبت کامل وہ ہے جو موافقت و اتباع کے ساتھ ہو اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ۔ کامل محبت کرنے والا وہی ہے جو محبوب کا اتباع کرے۔ ہر مسلمان، خدا و رسول کی محبت کے ساتھ موصوف ہے جس طرح کہ ایمان کامل و ناقص ہوتا ہے اسی طرح محبت کا حال بھی ہے

ساتواں واقعہ یہ ہے کہ قلعہ غموص کے محاصرہ میں مسلمان مشغول تھے کہ حضورؐ کو درد سر عارض ہو گیا اس بنا پر بنفس نفیس خود لشکر اسلام کی کمان کرنے تشریف نہ لیجا سکے ہر روز کسی ایک مہاجر و انصار کے بزرگ کو کمان سپرد فرماتے اور نصرت کا علم اسے دیکر جنگ میں روانہ فرماتے تھے چونکہ قلعہ غموص دیگر قلعوں سے زیادہ مستحکم تھا اس کی تسخیر آسانی سے نہ ہو سکی۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ علم اٹھا کر لشکر اسلام کو لے کر قلعہ پر آئے ہر چند سعی و کوشش کی مگر مراد حاصل نہ ہوئی۔ دوسرے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم لے کر شجاع وصف شکن اصحاب کے ساتھ ابطال قتال وجدال ارباب ضلال کے لئے آئے اور مقاتلات عظیمہ سرانجام دیا مگر بے نیل و مرام لوٹ آئے تیسرے روز پھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ سخت ترین محاصرہ و قتال کیا مگر عنانِ مراد ہاتھ نہ آئی اور لوٹ آئے۔

## خیبر شکن علی مرتضیٰؓ کی شجاعت

وصل:۔ چونکہ ازل سے ارادۂ الٰہی اسی پر تھا کہ یہ فضل خلص فتح خیبر، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ مزید خصوصیت شامل ہو چونکہ قلعہ قموص، خیبر کے تمام قلعوں سے زیادہ سخت اور مستحکم تھا اس لئے اس کو آپ کے ہاتھ پر فتح کرایا۔ اور اسے خیبر کے تمام قلعوں اور ان کے شہروں کا مقدمہ اور اساس بنایا۔ اگرچہ ان میں سے کچھ قلعے مثلاً نطاۃ۔ اور صعب وغیرہ اس سے پہلے فتح ہو چکے تھے۔ لیکن اتمام فتح خیبر اور اکمالِ، جناب مرتضوی سے منسوب ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک رات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلَیْہِ۔

"کل میں اس شخص کو علم دوں گا"۔ یا یہ فرمایا کہ "کل وہ شخص جھنڈا لیگا جس کو اللہ اور اس کا رسول پسند فرماتا ہے۔ اور اللہ اس پر فتح فرمائے گا"۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رَجُلٌ کَرَّارٌ وَغَیْرُ فَرَّارٍ یعنی وہ مرد بار بار پلٹ پلٹ کر دشمن پر حملہ کرے گا اور پیچھے نہ ہٹے گا"۔ روضۃ الاحباب میں اس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ شخص بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہے پیچھے ہٹنے والا نہیں ہے۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر بشارت اثر اور یہ مژدۂ سعادت ثمر دیا تو تمام صحابہ راہ میں دیدۂ امید اور چشم انتظار لئے قبول درگاہ پر بیٹھ گئے۔ تاکہ یہ دولت نصیب میں آئے۔ اور اس فضیلت کے ساتھ مخصوص ہوں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضورؐ کی چشم حق بیں کے سامنے گیا اور سلام عرض کر کے دو زانو ہو کے بیٹھ گیا اور پھر اس امید کے ساتھ اٹھا کہ میں اس فضیلت کا مستحق بنوں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بجز اس روز کے امارت کو کبھی پسند نہیں کیا اور نہ کبھی خواہش کی۔ ایک روایت میں ہے کہ قریش کی جماعت ایک دوسرے سے کہتی تھی یہ تو طے سمجھو کہ علی رضی ابن ابی طالب تو اس مراد سے فائز نہ ہوں گے کیوں کہ ان کی آنکھ اس شدت سے درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک نہیں دیکھ سکتے۔"

منقول ہے کہ جب امیر المومنین علی مرتضیٰ رض نے حضور سے ایسی بشارت کو فرماتے سُنا تو ان کی خواہش میں لگن پیدا ہوئی اور دل چشم توکل میں اور امید بر فضل خدا رکھ کر دعا مانگی اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ ۔اے خدا جب تو دینا چاہے تو کوئی روکنے والا نہیں اور جب تو باز رکھے تو کوئی دینے والا نہیں۔" حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ درد چشم کی بنا پر خیبر کے سفر سے تخلف کر کے مدینہ طیبہ میں ہی رہ گئے تھے۔ انہیں سخت ترین آشوب چشم تھا۔ اور وہ اپنے سے کہا کرتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا ہو کر مشغلہ جہاد سے دور رہ کر اچھا نہیں کیا ہے۔ سفر کی تیاری کر کے مدینہ طیبہ سے چل دیئے۔ اثنار راہ میں یا خیبر پہنچنے کے بعد حضور کو ان کی آمد کی اطلاع ملی جب دن ہوا تو حضور نے فرمایا "علی رض ابن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے ہر طرف سے عرض کیا وہ یہیں ہیں لیکن ان کی آنکھ اتنی درد کرتی ہے کہ وہ اپنے پاؤں تک کو نہیں دیکھ سکتے۔" فرمایا "ان کو میرے پاس لاؤ سلمہ رض بن الاکوع گئے اور ان کو ہاتھ سے پکڑ کر حضور کے سامنے لائے۔ اس کے بعد حضور نے ان کے سر کو اپنی مبارک ران پہ رکھا اور اپنا لعاب دہن مبارک ان کی چشم مبارک میں لگایا اور دعا مانگی اسی وقت ان کی آنکھ سے درد جاتا رہا۔ اور انہیں شفائے کلی حاصل ہوگئی۔ اس کے بعد انہیں کبھی درد چشم اور درد سر لاحق نہ ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور نے یہ دعا بھی پڑھی اَللّٰھُمَّ اَذْھِبْ عَنْہُ الْحَرَّ وَالْقَرَّ۔ اے خدا ان سے گرمی و سردی دونوں کو دور رکھ۔ چونکہ اکثر ابن آدم کا اسی سے سابقہ پڑتا ہے۔ خصوصاً جنگ کے معرکوں میں۔ اور ان دنوں خیبر کی ہوا بہت گرم تھی۔ مگر حضور نے دعا میں سردی سے دور رہنے کو بھی شامل فرما دیا۔ ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی رض مرتضیٰ سخت گرمی میں روئی کا لباس پہنتے اور سخت سردی میں باریک کپڑے کا لباس پہنتے تو انھیں کوئی نقصان وضرر نہ پہنچتا تھا۔ جب حضرت علی رض مرتضیٰ نے اس بیماری سے نجات پائی تو حضور نے اپنی خاص زرہ انہیں پہنائی اور ذوالفقار ان کی میان میں باندھی، فرمایا جاؤ۔ التفات نہ کرنا جب تک کہ حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر قلعہ فتح نہ فرما دے۔ عرض کیا "یا رسول اللہ! کہاں تک میں ان سے قتال کروں؟ حضور نے فرمایا "اس وقت تک قتال کر جب تک وہ "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی گواہی نہ دیں جب وہ اس کی گواہی دیں گے تو وہ اپنے خونوں اور مالوں کو بچالیں گے۔ مگر اس کے حق کے ساتھ اور ان کا

حساب خدا پر ہے"۔

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب علی مرتضیٰؓ علم لیکر راہ میں آئے تو انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا میں اس وقت تک ان سے جنگ کرتا ہوں گا جب تک کہ وہ ہماری مانند نہ ہو جائیں یعنی مسلمان نہ ہو جائیں حضورؐ نے فرمایا "عجلت نہ کرو اور جاؤ جب میدان کارزار میں پہنچو تو پہلے ان کو دعوت اسلام پیش کرو اور حق تعالیٰ کے وہ حقوق جو اس نے اپنے بندوں پر واجب کئے ہیں یاد دلاؤ۔ خدا کی قسم اگر تمہارے سبب سے حق تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم ہزار سرخ اونٹ خدا کی راہ میں صدقہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ ہدایت کرنا موجب ثواب آخرت ہے اور اس دنیاوی متاع سے افضل و بہتر ہے جو راہِ خدا میں خرچ کیا جائے۔ راہِ حق بتانا افضل ترین اعمال ہے اور صدقہ کرنا ایسی عبادت ہے جو اس کی مانند نقدس یعنی فدیہ وکفارہ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں واقع ہوا ہے کہ ذکر کرنا، سونے چاندی کو راہ خدا میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔

اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ علم لے کر روانہ ہوئے اور قلعہ غموص کے نیچے آگئے۔ انہوں نے علم کو سنگریزوں کے ایک ٹیلے پر جو قریب تھا نصب کیا۔ احبار یہود میں سے ایک نے جو قلعہ کے اوپر کھڑا تھا پوچھا کہ "اے صاحبِ علم تم کون ہو؟ اور تمہارا نام کیا ہے؟" فرمایا "میں علیؓ ابن ابی طالب ہوں"۔ اس کے بعد اس یہودی نے اپنی قوم سے کہا: "قسم ہے توریت کی! تم اس شخص سے مغلوب ہو گے۔ یہ فتح کئے بغیر نہ لوٹے گا۔ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی صفات، اور ان کی شجاعت کو جانتا تھا، کیوں کہ توریت میں اس نے آپ کا وصف پڑھا تھا۔ اور حضورؐ کے صحابہ کرام کے اوصاف سابقہ کتابوں میں لکھے ہوئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے جو قلعہ سے باہر نکلا وہ حارث یہودی تھا جو مرحب کا بھائی تھا۔ اور اس کا نیزہ تین من کا تھا۔ اس نے نکلتے ہی جنگ شروع کر دی اور اس نے کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا اس کے بعد علی مرتضیٰؓ اس کے سر پر پہنچ گئے اور ایک ہی وار سے اسے دوزخ میں پہنچا دیا۔ مرحب کو جب اپنے بھائی کے مارے جانے کی خبر ملی تو وہ خیبر کے بہادروں کی جماعت کے ساتھ اسلحہ سے لیس ہو کر انتقام لینے کے لئے باہر نکلا۔ کہتے ہیں کہ مرحب خیبر والوں میں بڑا بہادر، بلند قد وقامت والا بڑا جنگجو شخص تھا اور خیبر کے بہادروں اور شجاعوں میں اس کی برابری کا کوئی دوسرا شخص نہ تھا۔ اس روز وہ دو زرہ پہن کر، دو تلواریں حمائل کر کے، دو عمامے باندھ کر اور اس کے اوپر خود رکھ کر یہ رجز کہتا ہوا معرکہ کارزار میں آیا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّيْ مَرْحَبُ ۔۔۔ شَاكِي السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّبُ

کسی مسلمان کو ہمت نہ ہوئی کہ اس کے مقابل آتا اور میدان قتال میں اترتا۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

بھی یہ رجز پڑھتے ہوئے آئے۔

أَنَا الَّذِي سَمَّتْنِي أُمِّي حَيْدَرَه ؛ ضِرْغَامُ آجَامٍ وَلَيْثٍ قَسْوَرَه۔

”میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ضرغام ہوں اجام ہوں اور حملہ آور لیث ہوں“ ضرغام اجام اور لیث تینوں شیر کے مترادف المعنی الفاظ ہیں۔ معرکہ کارزار میں رجز پڑھنا عرب کے شجاعوں بہادروں کی عادت ہے۔ اور اس مقام میں اپنی تعریف کرنا جائز ہے تاکہ مخالف کے دل میں رعب و ہیبت بیٹھے۔ اور شوکت و دبدبہ ظاہر ہو۔ مرحب نے پیش دستی کر کے چاہا کہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کے سر پر تیغ کا وار کرے۔ مگر حضرت مرتضیٰؓ نے سبقت کر کے اچھل کر ضرب ذوالفقار اس ملعون غدار کے سر پر ایسی رسید کی کہ خود کو کاٹتی زنجیروں کو چاٹتی حلق تک آگئی۔ ایک روایت میں ہے اس کی رانوں تک پہنچی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے زین کے قابوس تک پہنچی۔ اور اس کے دو ٹکڑے ہوگئے اس کے بعد اہل اسلام بامداد حضرت امیر میدان میں اتر آئے اور یہودیوں کو قتل کرنا شروع کردیا۔ اور یہود کے شجاعوں میں سے سات کو جہنم رسید کردیا۔ ان کے باقی ساتھی ہزیمت اٹھا کے قلعہ میں داخل ہونے لگے۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ بھی ان کے تعاقب میں بڑھتے گئے اسی حالت میں ایک یہودی نے آپ کے دست اقدس پر ایک وار کیا اور آپ کی ڈھال زمین پر گر پڑی دوسرا یہودی اس ڈھال کو اٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا حضرت امیر کو جوش آیا اس حالت میں قوت ربانی کی طرف سے ایسی روحانی قوت وارد ہوئی کہ آپ خندق کو پھاند کر قلعہ کے دروازہ پر پہنچ گئے اور قلعہ کے آہنی دروازہ کا ایک پٹ اکھاڑ ڈالا اور اس کی ڈھال بنا کر جنگ میں مشغول ہوگئے۔

سیدنا امام باقر سلام اللہ علیہ وعلی آبائہ العظام واولادہ الکرام سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب علیؓ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے درِ خیبر کو اکھاڑنے کے لئے جھنجھوڑا تو سارا قلعہ کانپنے لگا۔ چنانچہ صفیہؓ بنت حی بن اخطب تخت سے گر پڑی اور اس کا چہرہ زخمی ہوگیا۔ غالباً خصوصیت کے ساتھ صفیہؓ میں یہ جنبش سرایت کرنے میں حکمت و علامت اور خاص مناسبت ہو جس کی بنا پر وہ اسیر ہوئیں اور آخر میں سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں تاکہ وہ متنبہ ہوجائیں اور باطنی علاقہ جنبش میں آکر اس دولت وسعادت کے قبول کرنے کی صلاحیت واستعداد ان میں پیدا ہوجائے۔ جیسا کہ آئے گا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ سے فارغ ہونے کے بعد دو وجب کے فاصلہ پر آپ نے اس دروازہ کو پس پشت دور پھینکا۔ اور کہتے ہیں کہ بعد میں سات قوی و تنومند آدمیوں نے مل کر اس در کو ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر پلٹنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ اور چالیس آدمیوں نے مل کر چاہا کہ اسے اٹھالیں

مگر عاجز رہ گئے۔ روضۃ الاحباب، معارج النبوۃ اور سیر کی دیگر کتابوں میں ایسا ہی منقول ہے۔ معارج النبوۃ میں منقول ہے کہ اس در کا وزن آٹھ سو من تھا۔

مواہب لدنیہ میں مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے جس باب خیبر کو اکھاڑا تھا اسے ستّر آدمی انتہائی مشقت اور کوشش کے باوجود ہلا تک نہ سکے۔ ابن اسحٰق کی روایت میں سات آدمی مذکور ہیں اور حاکم، بیہقی نے۔ لیث بن ابی سلیم سے وہ ابوجعفر محمد بن علی بن حسین رضی سے وہ جابر رضی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی مرتضیٰ نے جس درِ خیبر کو اکھاڑ کر اٹھایا تھا اس کے بعد جب اس پر تجربہ کیا گیا تو اُسے چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے۔ اور کہا کہ لیث روایت میں ضعیف ہے۔ بیہقی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی مرتضیٰ جب قلعہ پر پہنچے تو آپ نے ایک دروازہ اکھاڑ کر زمین پر پھینکدیا۔ اس کے بعد جب ہم میں سے لوگوں نے چاہا کہ اسے اٹھا کر اپنی جگہ نصب کر دیں تو اسے چالیس آدمی بھی نہ اٹھا سکے۔ اور کہا کہ ہمارے شیخ نے فرمایا کہ یہ تمام روایتیں واہی اور لغو ہیں اور بعض علماء نے ان روایتوں کو منکر قرار دیا ہے۔ (انتہی کلام المواہب)

صحیح بخاری میں فتح امیر المومنین کی حدیث مذکور ہے اس میں باب خیبر اکھاڑنے کا ذکر نہیں ہے لیکن مشہور ہے اور کتب احادیث میں مذکور و مسطور ہے۔

معارج النبوۃ میں ایک عالم سے ایک غریب حکایت منقول ہے کہ جب چالیس آدمی اس کے اٹھانے سے عاجز رہ گئے تو حضرت امیر کے دل میں ایک شگفتگی پیدا ہوئی اور اپنی اس قوت و شوکت پر ناز فرمایا۔ اسی وقت جبریل علیہ السلام آئے اور حضور سے عرض کیا "علی رضی سے فرمایئے کہ اس در کو دوبارہ اٹھا کر اپنی جگہ نصب کرو"۔ حضرت امیر رضی گئے ہرچند کوشش وسعی فرمائی مگر وہ ہلا بھی نہ سکے۔ جبریل ؑ نے کہا حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ حکم اس لئے دیا گیا کہ علی رضی جان لیں کہ یہ کام ان کا نہ تھا بلکہ ہمارا تھا۔ اس وقت حضرت علی رضی نے فرمایا یہ کام روحانی قوت سے تھا جو میں نے اکھاڑا اور جسمانی قوت سے نہ تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ عالم قدرت سے تھا نہ کہ عادت سے۔ اور عالم حقیقت سے تھا نہ کہ مجاز سے۔

القصہ جب قموص کے قلعہ والوں نے اور خیبر کے تمام قلعے والوں نے حضرت امیر کی اس قوت و قدرت کا مشاہدہ کیا تو وہ سب فریاد کرنے لگے "الامان الامان" اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضی نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے اشارہ سے ان کو اس شرط پر امان دی کہ ہر آدمی اونٹ پر کھانا لاد کر ان شہروں سے نکل جائے اور نقد اور تمام ساز و سامان اور اسلحہ مسلمانوں کے لئے چھوڑ دیں۔ کسی چیز کو چھپا کر نہ رکھیں۔ اور اگر کوئی ایسا مال برآمد ہو جسے بتایا نہیں گیا ہے تو امان بھی ان کے عہد و پیمان کی مانند

مسلوب و ختم ہو جائے گی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے حضور میں جب فتح کی خبر پہنچی تو اس نعمت کا شکر ادا فرمایا کیوں کہ یہ سبب ظہور عبرت اسلام تھا۔ جب حضرت علیؓ مرتضیٰ کفار کی مہم کو طے کرنے کے بعد بارگاہِ رسالت میں آنے لگے تو حضورؐ انور حضرت علی مرتضیٰؓ کے استقبال و استبشار کے لئے خیمۂ مبارک سے باہر تشریف لائے۔ اور ان کو آغوش میں لے لیا۔ اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور فرمایا بَلَغَنِیْ ثَنَاءُكَ الْمَشْكُوْرُ وَصَنِيعُكَ الْمَذْكُوْرُ قَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَرَضِيْتُ اَنَا عَنْكَ۔

مجھے تمہاری مشکورانہ تعریفیں پہنچیں اور تمہاری بہادریاں بیان ہوئیں۔ بیشک اللہ ان سے راضی ہوا اور میں تم سے راضی ہوا"۔ اس کے بعد حضرت امیرؓ رونے لگے۔ حضورؐ نے فرمایا "یہ رونا خوشی کا ہے یا غم کا"۔ علی مرتضیٰؓ نے عرض کیا "نہیں یہ گریہ خوشی کا ہے میں کیوں نہ اس پر خوش ہوں کہ آپ مجھ سے راضی ہیں"۔ حضورؐ نے فرمایا "میں ہی تنہا تم سے راضی نہیں بلکہ خدا، جبریلؑ، میکائیل اور تمام فرشتے تم سے راضی ہیں"۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ قلعہ قموص سے جس کا حاکم کنانہ بن ابی الحقیق تھا سو زرہیں، چار سو تلواریں، ہزار نیزے اور پانچسو کمانیں حاصل ہوئیں اور بیشمار ساز و سامان بکثرت ہاتھ آیا۔ اور سب کو جمع کیا گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو جو خیبر کے رئیسوں میں سے تھا حضورؐ کے سامنے لائے اس نے پہلے تو بکری کے بچہ کی کھال میں سونا، زیور، موتیوں کے ہار اور جواہرات بھرا جب اس کی ثروت زیادہ ہو گئی تو گوسفند کی کھال میں بھر لیا۔ پھر جب اور زیادہ ہوئی تو اس کو گائے کی کھال میں بھرا۔ پھر جب اس میں بھی نہ سما سکا تو اونٹ کی کھال میں بھر لیا۔ جب مکہ والوں کو شادی وغیرہ میں پریشانی اور ضرورت ہوتی تو گروی رکھ کے اس سے زیور و جواہرات جس قدر ضرورت ہوتی عاریتہ لے لیتے۔ حضورؐ نے کنانہ سے دریافت کیا "ابی الحقیق کا خزانہ کہاں ہے"۔ اس نے کہا "اے ابوالقاسم اُس کو تو، جنگی سامان کی فراہمی اور دیگر ضرورتوں میں ہم خرچ کر چکے اب اس میں سے کچھ باقی نہیں ہے"۔ اور قسم کھالی۔ حضورؐ نے تہدید فرمائی اگر اس کے بعد اس کے خلاف ظاہر ہوا تو تمہارا خون مباح ہو گا۔ اور امان سے نکل جاؤ گے؟ حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروقؓ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کو اور یہود کی ایک جماعت کو اس پر گواہ بنا لیا حالانکہ جس زمانہ میں قلعہ نطاۃ فتح ہوا تھا اس مال کو اس نے ایک ویرانہ میں مدفون کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس کی خبر دیدی۔ پھر حضورؐ نے کنانہ کو طلب فرمایا اور فرمایا آسمانی خبر کے حکم سے تو جھوٹا نکل آیا ہے۔ اس کے بعد

سیّد رسل صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیرؓ ابن عوام کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ اس ویرانہ میں بھیجا یہاں تک کہ کھود کر اس مال کو وہاں سے نکال لائے۔ جب یہودیوں کی غداری ظاہر ہوگئی تو اس شرط و عہد کے رو سے جو انہوں نے کیا تھا ان سے امان اٹھ گئی۔ اس کے بعد حضورؐ نے کنانہ کو محمدؓ بن مسلمہ کے سپرد کر دیا تاکہ وہ لے اپنے بھائی محمودؓ بن مسلمہ کے عوض قتل کر دیں۔ حضورؐ نے امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کو جنگ قموص کی جانب بھیجتے وقت محمد بن مسلمہ سے فرمایا تھا کہ تمہیں بشارت ہو کہ کل تم اپنے بھائی کے قاتل کو قتل کرو گے بالآخر خیبر کے یہودیوں پر احسان کیا اور ان کے خون سے درگزر فرمایا۔ ان کی عورتوں کو قید کیا اور ان کے اموال کو غنیمت بنایا۔ اور حکم دیا کہ تمام غنیمتوں کو ساز و سامان کھانے وغیرہ کی اشیاء اسلحہ اور تمام مویشیوں کو قلعہ نطاۃ میں جمع کریں اور منادی کرائی کہ اگر ایک رسی یا سوئی بھی چھپاؤ گے تو غنیمت میں خیانت متصوّر ہوگی جو موجب عار و عیب اور آتش دوزخ ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک حبشی غلام تھا جس کے سپرد حضورؐ کا سفری ساز و سامان تھا، اور "کرکرہ" اس کا نام تھا انہیں دنوں وہ مر گیا حضورؐ نے فرمایا وہ جہنم میں ہے۔ صحابہ نے جستجو کی تو اس کے سامان میں سے ایک ریشمی چادر ملی جسے اس نے تقسیم غنیمت سے پہلے قبضہ میں لے لیا تھا نیز مروی ہے کہ خیبر کے دن ایک شخص مر گیا صحابہ نے حضورؐ سے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے عرض کیا فرمایا اپنے ساتھی کی نماز تم پڑھ لو میں نہیں پڑھوں گا۔ اس پر لوگوں کے چہرے فق ہو گئے۔ فرمایا "تمہارے اس ساتھی نے غنیمت میں خیانت کی ہے۔" اس کے بعد اس کے سامان کی تلاشی لی گئی تو یہود کے مہروں میں سے چند مہرے نکلے جن کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ تھی۔ نیز بخاری و مسلم کی حدیث میں مروی ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ کی خدمت میں ایک غلام کو بھیجا جس کا نام مدعم تھا۔ اس اثناء میں کہ وہ اپنا بوجھ اتار رہا تھا ایک تیر اسے آکر لگا جس کا پھینکنے والا معلوم نہ ہوا پھر وہ اسی زخم سے مر گیا لوگوں نے کہا یہ مستحق جنت ہو گیا کیوں کہ اس نے حضورؐ کی خدمتگذاری میں شہادت پائی ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس نے روز خیبر انقسیم غنیمت سے پہلے ایک چادر لے لی ہے۔ اب اس پر آتشِ دوزخ لپٹ مار رہی ہے۔" جب لوگوں نے یہ بات سُنی تو ایک شخص ڈول کی ایک رسی ............

........ اور دوسرا شخص ڈول کی دو رسیاں لایا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا یہ ایک رسی یا دو رسی آگ کی ہے۔ اس باب میں وعیدیں بہت کثرت سے ہیں۔ لیکن فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ کھانے پینے اور پھل کی قسم میں سے اگر کھا لے تو جائز ہے۔ اور اگر گائے یا اونٹ ذبح کر کے کھا لے تب بھی جائز ہے۔

جب تمام مال غنیمت جمع ہو گیا تو پانچواں حصہ نکال کر پیادہ کو ایک حصہ اور گھوڑے کو دو حصہ کے اعتبار سے تقسیم فرمایا۔ گویا ہر وہ شخص جو گھوڑا رکھتا تھا اسے تین حصے ملے۔ اسی طرح نافع نے اس حدیث کی تفسیر کی ہے۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ گھوڑے سوار کے دو حصے ہیں ایک اس کا اپنا اور دوسرا ان کے گھوڑے کا۔" لیکن وہ عورتیں جو لشکر اسلام کی خدمت اور ان کے مریضوں اور مجروحوں کی تیمارداری کے لئے ہمراہ لائے تھے ان کے لئے سہم یعنی حصہ نہ تھا بلکہ انہیں مال غنیمت میں سے کچھ عطا فرما دیا۔ پھر حکم فرمایا کہ خیبر کے غنایم کو فروخت کر دو اور ان کے رواج و برکت کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ تاجر لوگ ہر طرف سے آئے اور انہوں نے خوب ذوق و شوق کے ساتھ خریدا۔ دو دن میں وہ تمام مال فروخت ہو گیا۔ حالانکہ گمان یہ تھا کہ عرصہ تک اس کی فروختگی سے فارغ نہ ہوں گے۔ کیوں کہ وہ مال ہی اس کثرت سے تھا۔

منقول ہے کہ جب یہود کی غداری ظاہر ہو گئی حضورؐ نے اس کے باوجود ان کے قتل نہ کرنے سے اُن پر احسان رکھا۔ اور حکم فرمایا کہ خیبر کی زمین سے باہر نکل جاؤ۔ اس کے بعد خیبر والوں نے تضرع و زاری شروع کر دی اور کہنے لگے کہ اہل اسلام مطمئن رہیں کہ ہم ان کھیتوں اور باغوں کی خدمت بجا لائیں گے اور ان کی حفاظت کا فرض ادا کریں گے ہمیں اجرت پر رکھ لیا جائے ہم خدمت کریں گے اور مسلمان اس معاملہ میں تردد سے فارغ رہیں گے۔ مسلمانوں کو اطمینان رکھنا چاہیئے کہ ہمیں اصل و ملکیت میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ اس پر حضورؐ نے ان پر رحم فرمایا۔ اور ان کو ان پر مقرر فرما کے متعین کر دیا کہ آدھی پیداوار بیت المال میں پہنچائیں اور آدھی پیداوار اپنے عمل کی اجرت میں اٹھا لیں۔ اس معاملہ کو مخابرہ کہتے ہیں کیوں کہ یہ خیبر والوں کے ساتھ واقع ہوا تھا۔ اور خمس یعنی پانچویں حصہ میں سے بنی ہاشم اور بنی المطلب کو کچھ حصہ مرحمت فرمایا۔ اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت جبیرؓ بن مطعم رضی اللہ عنہما نے حضورؐ کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ ہم بنی ہاشم کی فضیلت کا انکار نہیں کرتے ہیں اس لئے کہ آپ کا وجود گرامی انہیں میں سے ہے لیکن ہماری قربت اور بنی المطلب کی آپ سے نسبت ایک مرتبہ میں ہے تو یہ کیسے ہوا کہ ان کو تو بنی المطلب کے سہم سے دیا اور ہم کو محروم چھوڑ دیا۔ حضورؐ نے جواب میں فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی المطلب اس طرح ہیں اور اپنی انگشتہائے مبارک کی تشبیک فرمائی یعنی ایک کو دوسرے میں ملایا۔ اور فرمایا ہم اور بنی المطلب آپس میں کبھی جُدا نہیں ہوئے نہ دور جاہلیت میں نہ زمانۂ اسلام میں حضرت جبیرؓ فرماتے ہیں کہ چنانچہ حضورؐ نے بنی عبد الشمس کو اور بنی نوفل کو کچھ نہ دیا۔ اور یہ بات ثبوت کو پہنچی ہے کہ ان غنیمتوں کو خیبر کے معرکہ میں موجود و حاضر ہونے والوں کے سوا کسی کو نہ دیا۔ بجز ان لوگوں کے

جو حبشہ کے مہاجرین تھے۔ اور یہ لوگ فتح کے دن ہی دریا کے راستہ سے وہاں پہنچے تھے۔ مثلاً حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس، اور تریپن ۵۳ یا پچپن ۵۵ اشعریوں میں سے جن کے سردار ابو موسیٰ اشعری رضؓ تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں حضورؐ کے نکلنے اور مکہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کی خبر پہنچی۔ چونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ قدیم الاسلام تھے اور ایمان لاتے ہی اپنے شہروں میں چلے گئے تھے اور اس وقت لوٹ کر آئے تھے تو وہ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں حضورؐ کے نکلنے کی خبر پہنچی تو ہم یمن میں تھے۔ اس کے بعد میں حضورؐ کی طرف ہجرت کر کے وہاں سے چلا میرے ساتھ میرے دو بھائی بھی تھے میں ان دونوں میں چھوٹا تھا ایک کا نام ابو بردہ رضؓ اور دوسرے کا نام ابو رہم رضؓ تھا جو ہماری قوم کے اکیاون ۵۱ یا باون ۵۲ یا تریپن ۵۳ افراد کے ساتھ تھے پھر ہم کشتی میں سوار ہوئے تو کشتی نے ہمیں شاہ حبشہ نجاشی کے پاس اتارا۔ مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے ہجرت کی تھی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ ابو موسیٰ اشعری رضؓ اور ان کی جماعت یمن سے نجاشی شاہِ حبشہ کی ملاقات کے لئے چلے تھے یا حضور اقدسؐ کی خدمت میں حاضری دینے کے ارادہ سے کہ یکایک کشتی، بے اختیار حبشہ کی جانب چل دی۔ اس عبارت سے کہ "ہمیں کشتی نے حبشہ نجاشی کے پاس جا اتارا" یہی دوسرے معنی ظاہر ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ پہلے معنی مراد ہوں اور مناسب حال بھی اسی معنیٰ کے ہیں۔ جب صحابہ حبشہ گئے تو انہوں نے بھی ان کے ساتھ شامل ہونے کے قصد سے ہجرت کی ہوگی (واللہ اعلم)۔ بہر تقدیر کہتے ہیں کہ ہم ان کے ساتھ شامل ہو گئے اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضؓ سے حبشہ میں ملاقات کی اور ان کے ساتھ حبشہ میں ٹھیر گئے۔ یہاں تک کہ ہم خیریت کے ساتھ حاضر ہوئے اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا نیاز ہم نے اس وقت حاصل کیا جبکہ آپ خیبر کو فتح فرما چکے تھے۔ یعنی آنا اس وقت ہوا جبکہ فتح حاصل ہو چکی تھی معرکۂ جنگ میں ہم نہیں حاضر ہو سکے تھے اور بعض اصحاب جن میں حضرت عمر فاروق رضؓ بھی تھے ہم سے کہتے تھے۔ مطلب یہ کہ اپنے آپ کو ہم پر ترجیح دیتے تھے اور کہتے تم تو ہجرت میں تھے اور ہم نے غزوات اور جہاد میں حاضری دی۔

حضرت اسماء بنت عمیس زوجۂ جعفر بن ابی طالب رضؓ ایک دن ام المومنین سیدہ حفصہ رضؓ زوجۂ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی غرض سے گئیں۔ یہ اسماء رضؓ بڑی دانا، عقلمند، صاحب فراست اور حسین وجمیل عورت تھیں۔ انہوں نے اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کی پھر وہ اپنے شوہر کے ساتھ خیبر میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئی تھیں کہ اچانک حضرت فاروق اعظم رضؓ سیدہ حفصہ رضؓ کے پاس آئے اس وقت یہ اسماء رضؓ ان کے پاس موجود تھیں۔ اسماء بنت عمیس کو دیکھ کر حضرت فاروق رضؓ نے پوچھا "یہ

کون عورت ہے جو تمہارے پاس بیٹھی ہے؟ "حضرت حفصہ رضی نے کہا "یہ اسماء رضی بنت عمیس ہیں" حضرت عمر رضی نے فرمایا "یہ حبشہ کی عورت ہیں" مطلب یہ کہ یہ وہ عورت ہے جو حبشہ سے دریا کے راستہ آئی ہیں۔ حضرت حفصہ رضی نے جواب دیا "ہاں" اور حضرت عمر رضی کے جواب میں وہ ہاں ہاں کہتی رہیں۔ ظاہر مفہوم یہ ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اتنا ہی جواب دیتیں جتنا ان سے پوچھا جاتا۔ لیکن حضرت اسماء رضی صاحب قوت و استعداد تھیں انہوں نے جواب میں کہنا شروع کیا کہ "ہم پہلے سن چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اور دیگر صحابہ اس بارے میں بہت کچھ کہتے ہیں" اس پر حضرت عمر رضی نے فرمایا ہم نے تم سے ہجرت میں سبقت کی ہے اس لئے ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بہ نسبت تمہارے زیادہ مستحق اور قریب تر ہیں۔ اس پر حضرت اسماء رضی غصہ میں آئیں اور کہا۔ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ خدا کی قسم تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس لئے تھے کہ حضور تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلاتے تھے اور تمہارے جاہلوں کو نصیحت فرماتے تھے مطلب یہ کہ تم امن و امان اور دنیاوی و دینی ناز و نعمت میں تھے۔ اور ہم دور و دراز علاقہ میں دشمنوں کی سرزمین حبشہ میں تھے اس لئے کہ وہاں سب کافر تھے بجز نجاشی کے۔ اور یہ کہ ہم سخت محنت و مشقت میں تھے اور یہ سب خدا کے لئے تھا۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی جب تک کہ میں جو کچھ تم نے کہا ہے حضور سے بیان نہ کردوں۔ اور میں کہوں گی کہ یہ ہمیں ایذا دیتے اور ہمیں خوفزدہ کرتے ہیں۔ لہٰذا میں حضور سے عرض کروں گی اور حضور سے حقیقت حال دریافت کروں گی۔ خدا کی قسم میں جھوٹ نہ بولوں گی اور کوئی غلط بات نہ ملاؤں گی۔ جو کچھ تم سے سُنا ہے اس سے زیادہ نہ کہوں گی۔ اس دوران حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف لے آئے، حضرت اسماء رضی نے حضور سے پوچھا "یا نبی اللہ حضرت عمر رضی ایسا ایسا کہتے ہیں" حضور نے فرمایا "تم نے عمر رضی سے کیا کہا" میں نے عرض کیا کہ "میں نے یہ یہ کہا ہے اور وہ تمام گفتگو بیان کردی جو ان کے اور حضرت عمر رضی کے درمیان ہوئی تھی۔ اس پر حضور نے فرمایا "عمر کو اور ان کے ساتھیوں کو میرے حضور میں تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے زیادہ استحقاق نہیں ہے ان کی ایک ہجرت ہے مکہ سے مدینہ تک اور تمہاری اے کشتی والو دو ہجرتیں ہیں ایک مکہ سے حبشہ تک اور دوسری حبشہ سے مدینہ تک۔ حضرت اسماء رضی فرماتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابو موسیٰ رضی اور دیگر اصحاب سفینہ میرے پاس فوج در فوج اور ٹولیوں کی ٹولیاں بن کر آتے اور مجھ سے یہ حدیث پوچھتے تھے اور ان کے نزدیک دنیا کی کوئی چیز اس سے زیادہ خوش کرنے والی اور بزرگ تر نہ تھی۔ اور اپنے آپ کی اس بنا پر کہ جو کچھ حضور نے ان کے لئے فرمایا بڑی عظمت کرتے اور تعریف کرتے کہ حضور نے ان کی شان کو بہت اونچا فرمایا۔ میں نے ابو موسیٰ رضی کو دیکھا کہ وہ اس حدیث کو بار بار سُنانے کا مجھ سے اصرار کرتے تھے کیوں کہ اس

میں نہیں ایک ذوق اور سرور ملتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا ہے کہ ہم حضورؐ کی خدمت میں فتح خیبر کے بعد حاضر ہوئے۔ پھر حضورؐ نے ہم پر غنیمت تقسیم فرمائی۔ ہمارے سوا کسی ایسے پر جو فتح خیبر میں حاضر نہ تھا غنیمت تقسیم نہ فرمائی۔ البتہ روضۃ الاحباب میں بعض کتب مغازی سے منقول ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ کو بھی کچھ مال دیا باوجودیکہ وہ غزوے میں موجود نہ تھے۔ لیکن اس بنا پر کہ وہ حدیبیہ میں حاضر تھے۔ انتہی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم حاکم و مختار ہیں جس کو جو چاہیں عنایت فرمائیں۔ لیکن یہ علت بیان کرنا کہ وہ حدیبیہ میں حاضر تھے اس سے ٹوٹ جاتی ہے کہ حدیبیہ میں تو بہت سے حضرات موجود تھے۔ حضرت جابرؓ کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ (واللہ اعلم) غزوۂ خیبر میں پندرہ مسلمان شہید ہوئے اور ترانوے ۹۳ یہودی مارے گئے۔

## خیبر کے قضایا و احکام

وصل:۔ غزوۂ خیبر کے حالات واقعات جہاں تک توفیق نے رفاقت کی بیان کر دئے۔ اب وہ واقعات و قضایا اور احکام بیان کرتے ہیں جو اس غزوہ میں وقوع پذیر ہوئے پہلی بات تو یہ ہے کہ ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے حضورؐ کا نکاح فرمایا۔ سیّدہ صفیہؓ حی بن اخطب کی بیٹی ہیں جس کا ذکر گزر چکا ہے خصوصاً غزوۂ خندق میں۔ اور اسی غزوہ میں وہ مارا گیا تھا۔ اب وہ کنانہ بن ابی الحقیق کی زوجیت میں تھیں جو خیبر میں مارا گیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ وہ خیبر کے قیدیوں میں تھیں۔ اور نو بیاہتا سترہ۱۷ سالہ تھیں چنانچہ لوگوں نے ان کے حسن و جمال کا حضورؐ سے ذکر کیا تو حضورؐ نے ان کو اپنے لئے منتخب کر لیا۔ اور حضورؐ غنیمت میں سے بہت سی چیزیں اپنے لئے انتخاب فرما لیا کرتے تھے۔ جیسے تلوار، گھوڑا، جانور وغیرہ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے یہودی عورتوں اور بچوں کے قیدیوں کے لئے حکم فرمایا اور ان قیدیوں میں صفیہؓ بھی تھیں تو وہ دحیہ کلبی کے حصّہ میں آئیں۔ لوگوں نے کہا کہ وہ حسینہ و جمیلہ قبیلہ کی سردار، یہود کے بادشاہوں میں کے ایک بادشاہ کی بیٹی اور حضرت ہارون نبی علیہ السّلام کی اولاد میں سے ہیں۔ مناسب ہے کہ حضورؐ کے ساتھ مخصوص ہو۔ صحابہ میں دحیہؓ کی مانند بہت ہیں اور غنیمت میں صفیہؓ کی مانند کم۔ اور اسے دحیہؓ کے ساتھ مخصوص کرنا بہت سے صحابہ کی دل آزادی کا موجب ہوگا اس میں عام مصلحت یہی ہے کہ ان کو دحیہؓ سے واپس لے کر اپنے لئے مخصوص کر لیا جائے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نے حضرت دحیہؓ سے فرمایا ان قیدی باندیوں میں سے کوئی اور لیلو۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت دحیہؓ کو سیّدہ صفیہؓ کے چچا کی لڑکی ان کے بدلے میں مرحمت فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت دحیہؓ سے سیّدہ صفیہؓ کو سات باندیوں کے بدلے خریدا اور لفظ قیدی کا اطلاق بر سبیل مجاز ہے۔ مراد ان کے ہاتھ سے لینا ہے اور سات باندیوں کو انہیں دینے میں منافات نہیں ہے دوسری روایت میں جو یہ ہے کہ ان کے بدلے ان قیدیوں میں سے کسی اور کو لیلو

اس میں زیادتی کی نفی پر دلالت نہیں ہے ممکن ہے کہ پہلے ایک فرمایا ہو اور بعد میں سات کا اضافہ کر دیا ہو۔ بہر تقدیر اس میں ہبہ سے واپسی نہیں ہے۔ مسلمانوں میں اختلاف ہوا کہ سیدہ صفیہ ازواج مطہرات امہات المومنین میں سے ایک ہوں گی یا ملک یمین میں رہیں گی۔ اور کہا کہ اگر حجاب نہ کیا تو ملک یمین میں سے ہیں۔ پھر حضورؐ نے ان کو آزاد فرمایا اور نکاح کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر بنایا۔ حضورؐ منزل صہبا میں پہنچے تو بعد از طہارت حیض ان سے زفاف فرمایا۔ اور حلیس کو ان کا ولیمہ کیا۔ اور حضرت انس سے فرمایا کہ جو بھی حضرات ملیں صفیہؓ کے ولیمہ پر بلالو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب آپ نے مدینہ طیبہ کی جانب مراجعت فرمائی۔ تو سیدہ صفیہؓ کو ردیف بنایا اور ان پر اس عبا شریف کا پردہ ڈالا گیا۔ جو اپنے اونٹ پر بچھایا کرتے تھے۔ اور حضورؐ اپنے زانو کو ان کے لئے رکھتے۔ اور سیدہ صفیہؓ آپؐ کے زانوئے مبارک پر پاؤں رکھ کر سوار ہوتی تھیں۔ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے فضائل اور دیگر حالات 'ازواج مطہرات کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے۔

منقول ہے کہ سیدہ صفیہؓ نے فتح خیبر سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ چودھویں رات کا چاند ان کے آغوش میں آگیا ہے۔ پھر اس خواب کو اپنے پہلے شوہر کنانہ سے بیان کیا اس نے کہا شاید تو یہ خواہش رکھتی ہے کہ اس بادشاہ کی بیوی بنے جو ہمارے اس میدان میں فروکش ہے اور ایک طمانچہ اس زور سے صفیہؓ کے رخسار پر مارا کہ ان کی آنکھ نیلی ہو گئی۔ شب زفاف میں بھی کنانہ کے طمانچہ کا اثر صفیہؓ کے رخسارۂ مصفیٰ پر ظاہر تھا حضورؐ نے اس کا سبب دریافت فرمایا تو ساری حقیقتِ حال بیان کر دی۔

## ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان سے زفاف

دوسرا واقعہ ام المومنین سیدہ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ سے زفاف فرمانا ہے۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ جو حضرت عثمان بن عفان کی چچی تھیں۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے عبیداللہ بن جحش جو سیدہ زینبؓ بنت جحش کے بھائی تھے، کی زوجیت میں تھیں اور ان کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اور دوسری ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف ہے۔ ان سے حبیبہؓ لڑکی پیدا ہوئی اس سے ان کی کنیت ام حبیبہ مقرر ہوئی۔ اصل نام رملہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ہند ہے مگر اول زیادہ صحیح ہے۔ اس کے بعد ان کا شوہر عبیداللہ مرتد ہو گیا اور اس نے دین نصاریٰ اختیار کر لیا۔ اور وہ حبشہ میں ہی مر گیا سیدہ ام حبیبہؓ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ جس زمانہ میں حضرت عمروؓ بن امیہ ضمیری حضورؐ کے قاصد بن کر حبشہ پہنچے اور وہ ام حبیبہؓ کے پاس گئے تو ام حبیبہؓ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ان کو "اے ام حبیبہؓ اے ام المومنین" کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو اپنے خواب کی خود ہی تعبیر لی کہ میں حضورؐ کے

شرف فراش سے مشرف ہوں گی۔ پھر جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے اور حضورؐ کے مکتوبات گرامی پہنچائے تو ایک اور مکتوب گرامی نجاشی کو لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ ام حبیبہؓ دختر ابوسفیان کو جو کہ حبشہ کے مہاجرین میں ہیں حضورؐ کے لئے پیغام دیں۔ اور مدینہ طیبہ روانہ کر دیں۔ اور دیگر مہاجرین حبشہ کو بھی بھیجدیں اس کے بعد نجاشی نے ام حبیبہؓ کو حضورؐ کا خطبہ دیا انہوں نے اسے قبول کیا اور تمام مہاجرین کو تیار کر کے دو کشتیوں میں عمروؓ بن امیہ ضمیری کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ ان حالات کا تذکرہ ۶ھ کے واقعات میں گزر چکا ہے۔

مروی ہے کہ نجاشی نے اپنی باندی کو جس کا نام ابرہہ تھا ام حبیبہؓ کے پاس بھیجا تاکہ وہ وکیل کا تعین کریں اور عقد نکاح انجام پائے۔ ام حبیبہؓ نے از حد خوشی کا اظہار کیا ہاتھ پاؤں کی انگلیوں میں جتنا زیور تھا اتار کر اس باندی کو دیدیا۔ اور حضرت خالدؓ بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل بنایا اور نجاشی نے ایک محفل مرتب کی اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور وہ تمام مسلمان جو حبشہ میں تھے جمع کیا اور خوب کھانا تیار کیا اور چار سو مثقال سونا یا چار ہزار درہم کا مہر مقرر کیا۔ اور ام حبیبہؓ کے پاس بھیجا تاکہ اپنی تیاری اور ضروریات پر صرف فرمائیں۔ سیدہ ام حبیبہؓ نے پچاس مثقال سونا اس ابرہہ باندی کو بھیجا اور عذر خواہی کی کہ اس روز جبکہ تم خوشخبری لائی تھیں واقعہ کے مطابق انعام نہ دے سکی تھی۔ اس پر نجاشی نے ان زیوروں کو جو اس نے پہلے ابرہہ کو عنایت فرمائے تھے۔ اور اس پچاس مثقال سونے کو اٹھا کر کے دوبارہ سیدہ ام حبیبہؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہلوایا کہ آپ ان چیزوں کی مستحق و سزاوار ہیں کیوں کہ اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہیں۔ اور آپ سے ایک چیز کی درخواست کرتا ہوں وہ یہ کہ بارگاہ رسالت میں میرا سلام عرض کرنا اور عرض کرنا کہ میں آپ کے صحابہ کے دین پر ہوں۔ اور ہمیشہ درود و سلام بھیجتا رہتا ہوں۔ نجاشی کی عورتوں نے ام حبیبہؓ کے لئے عطر و خوشبویات بھیجیں۔ اور یہ صحیح حدیث میں ہے کہ جب اس عقد کے استحکام سے سلسلہ کی خبر حضورؐ کو پہنچی تو حضورؐ نے حضرت شرجیلؓ بن حسنہ کو بھیجا کہ سیدہ ام حبیبہؓ کو مدینہ منورہ لائیں۔ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد حضورؐ نے ان سے زفاف فرمایا۔ اور جب انہوں نے نجاشی کا سلام پیش کیا تو حضورؐ نے فرمایا و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ سیدہ ام حبیبہؓ اس وقت کچھ اوپر تیس سال کی تھیں اور ان کا وصال ہجرت کے چوالیس سال میں ہوا۔ باقی حالات ازواج مطہرات کے ضمن میں آئیں گے (انشاء اللہ)

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دوران ایک مرتبہ ابوسفیان مدینہ منورہ آیا۔ ام حبیبہؓ کو دیکھا تو ارادہ کیا کہ بستر پر بیٹھے۔ ام حبیبہؓ نے اس بستر پر بیٹھنے کی مہلت نہ دی اور فرمانے لگیں یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا طاہر و مطہر بستر ہے۔ اور تم ابھی کفر و شرک کی نجاست سے آلودہ ہو۔

حضرت جعفرؓ بن ابی طالب اور اشعری جماعت کا آنا بھی اسی مجلس میں ہے۔ مروی ہے کہ جب حضورؐ نے حضرت جعفرؓ کو دیکھا تو فرمایا میں نہیں جانتا کہ ان دونوں خوشیوں میں سے یعنی فتح خیبر اور حضرت جعفرؓ کے آنے سے کس سے خوش ہوں۔ مطلب یہ کہ دونوں خوشیاں برابر کی ہیں۔ اور ان سب کو غنایم میں سے حصہ دیا۔ اگرچہ یہ معرکہ جنگ میں موجود نہ تھے۔

## یہود کا زہر دینا

غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے ایک واقعہ اہل خیبر کا حضورؐ کو زہر دینا ہے اور یہ زہر دینے والی زینب بنت حارث یہودیہ تھی جو مرحب کی بھتیجی اور سلام بن مشکم کی بیوی تھی۔ اس نے پہلے لوگوں سے پوچھا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بکری کا کونسا حصہ پسند کرتے ہیں۔ لوگوں نے بتایا ران اور شانے کے گوشت کو پسند کرتے ہیں، تو اس نے ایک بکری کے بچہ کو لیا اور زہر آلود کیا، اور اس میں ایسا زہر ملایا جو فوری اثر کرنے والا اور اسی گھڑی ہلاک کرنے والا تھا۔ اس نے اس بارے میں یہودیوں سے پوچھا تھا تو انہوں نے ایسے زہر کی رہنمائی کی تھی۔ پھر اس نے اس زہر کو ران اور شانے میں زیادہ کیا۔ اس کے بعد اس نے اس کو حضورؐ کے سامنے لا کے رکھ دیا۔ صحابہ کی ایک جماعت بھی اس مجلس مبارک میں موجود تھی۔ اور ان میں بشرؓ بن براء بھی تھے۔ پھر حضورؐ نے اس میں سے کچھ حصہ لے کر سامنے کے دانتوں سے کاٹا۔ اور بشر بن براء نے دوسرا حصہ لے لیا، حضورؐ نے فرمایا "اسے تھوک دو" یہ ران کہتی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے"۔ بشر بن براءؓ نے بھی عرض کیا "یا رسول اللہ میں جس وقت لقمہ کو چبا رہا تھا تو ایک کراہت و نفرت خود میں پا رہا تھا اور میں منہ سے اسے نکال کر پھینکنا نہ چاہتا تھا کہ مبادا حضورؐ کو کھانے میں بے رغبتی ہو۔ اس کے بعد بشرؓ اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے کہ ان کا رنگ سبز و سیاہ ہو گیا اور اسی وقت انتقال کر گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک سال تک بیمار رہے اس کے بعد وفات پائی۔ اس پر حضورؐ نے حکم دیا کہ یہود کے تمام سردار جو یہاں موجود ہیں حاضر ہوں۔ اور زینب بنت حارث یہودیہ بھی حاضر ہو۔ جب وہ سب حاضر ہو گئے تو حضورؐ نے فرمایا "میں تم سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں کیا سچ بولو گے؟" انہوں نے کہا "ہاں اے ابوالقاسم" حضورؐ نے ان سے فرمایا "تمہارا باپ کون ہے؟" مراد یہ کہ تمہارے قبیلہ کا جدِ اعلیٰ کون ہے اور کس کی اولاد سے ہو۔ انہوں نے کہا "فلاں ہمارا باپ ہے"۔ حضورؐ نے فرمایا "تم جھوٹ کہتے ہو، تمہارا باپ فلاں ہے"۔ انہوں نے کہا "آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور ٹھیک کہتے ہیں۔ غالباً حضورؐ کا یہ دریافت فرمانا راست گوئی پر تنبیہ کرنا اور ان کی حالت کا امتحان لینا ہوگا۔ اور زہر خورانی کے واقعہ کے سلسلہ میں ان سے سچ بولنے پر اقرار کرانا اور مجبور کرنا ہوگا۔ سوال کے جواب میں ان کا جھوٹ بولنا یا تو قصداً ہوگا۔

جیسا کہ جھوٹ بولنے کی اور افتراء کرنے کی ان کی عادت مستمرہ تھی یا جہل و نسیان کی بنا پر ہوگا۔ اگر قصداً جھوٹ بولا تو ظاہر ہے کہ یہ بات حقیقت حال پر مطلع ہونے کے بارے میں حضورؐ کا امتحان لینا مقصود ہوگا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمارا جھوٹ آپ پر کھل جائے گا اور آپ کو خدا کی طرف سے غیبی اطلاع مل جائیگی اور جب آپ پر ظاہر ہو گیا اور ان کی حالت آپ پر منکشف ہو گئی تو انہوں نے اقبال کر لیا۔ اس قضیہ کے بعد زہر کے بارے میں پوچھا۔ صحیح بخاری میں ایک اور سوال بھی بیان کیا ہے وہ یہ کہ حضورؐ نے دریافت فرمایا کیا تم سچ بولو گے اگر تم سے کچھ پوچھا جائے، انہوں نے کہا ہاں ابو القاسم۔ اگر ہم نے جھوٹ بولا تو آپ پر ہمارا جھوٹ کھل جائے گا۔ جس طرح کہ آپ پر ہمارے جدِ اعلیٰ کے بارے میں ہمارا جھوٹ کھل گیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے ان سے پوچھا جہنمی کون لوگ ہیں؟ مطلب یہ کہ دوزخ میں ہمیشہ کون لوگ رہیں گے۔ یہود نے جواب دیا ہم لوگ دوزخ میں چند روز رہیں گے لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ہمیں ہرگز آگ گنتی کے چند روز کے سوا نہ چھوئے گی۔ اس کے بعد ہمارے خلیفہ آگ میں تم لوگ رہو گے اور ہمیشہ رہو گے۔ اس میں انہوں نے مسلمانوں سے خطاب کیا۔ اس پر حضورؐ نے یہودیوں سے فرمایا اِخْسَئُوْا فِيْهَا۔ دور ہو اور جہنم میں جاؤ لَا نَخْلُفُكُمْ فِيْهَا اَبَدًا ہم تمہارے کبھی بھی آگ میں خلیفہ نہ بنیںگے لفظ "خسا" کتے کو دھتکارنے کو کہتے ہیں۔ یہ مصدر لازم و متعدی دونوں میں مستعمل ہے۔ اس کے بعد فرمایا اگر میں تم سے کچھ سوال کروں تو تم کیا راست گوئی سے کام لو گے۔ انہوں نے کہا "ہاں!" حضورؐ نے فرمایا "کیا تم اس بکری میں زہر ملا کے لائے تھے۔ انہوں نے کہا" ہاں! آپ کو کیسے یہ راز معلوم ہو گیا؟" فرمایا "مجھے اس ران نے بتایا جو کہ آپ کے دست مبارک میں تھی۔ فرمایا زہر خورانی پر تمہیں کس بات نے برانگیختہ کیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس عورت سے پوچھا اس سے تو کیا چاہتی تھی اور تیرا مقصد کیا تھا؟" اس کے جواب میں یہودیوں نے کہا یا اس عورت نے کہا اس سے ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے نبی ہیں تو ہم آپ سے نجات پا جائیں گے اور ہمیں چین نصیب ہو جائے گا۔ اور اگر نبی برحق ہیں تو آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس عورت کو آپ نے سزا دی یا رہا کر دیا اور کچھ نہ فرمایا چنانچہ بیہقی کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اس عورت سے کچھ نہ فرمایا۔ اور بروایت ابو نصرہ، حضرت جابرؓ سے بھی اسی کی مانند مروی ہے۔ لیکن دوسری روایتوں میں آیا ہے کہ اسے قتل کرا دیا۔ بیہقی نے فرمایا ممکن ہے کہ ابتدا میں چھوڑ دیا ہو اور نہ چاہا ہو کہ اپنے آپ کے بدلے میں اسے قتل کریں۔ لیکن جب حضرت بشرؓ کی اس سے وفات ہوئی تو بطریق قصاص یا بطریق سیاست و سزا اسے قتل کرا دیا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ بعض ائمہ شوافع کا مذہب یہ ہے

وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کھانے میں زہر ملا کر کسی کو دیدے یہاں تک کہ وہ مرجائے تو قصاص واجب ہو جاتا ہے۔ لیکن ائمہ احناف اور جمہور ائمہ شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک ایسی حالت میں قصاص جائز نہیں ہے لہٰذا ان کے مذہب کی بنا پر اگر قتل کی روایت صحیح ہو تو قصاص واجب ہو جاتا ہے اور صولی کا قصہ جو قتل کی روایت میں واقع ہے اس کی تائید و توجیہہ ظاہر کرتی ہے (واللہ اعلم)

زہری سے مروی ہے کہ وہ عورت اسلام لے آئی۔ اس بنا پر اس کو چھوڑ دیا۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ "مغازی سلیمان" میں اس طرح مروی ہے کہ زینب بنت حارث یہودیہ نے کہا اگر آپ (معاذ اللہ) جھوٹے نبی ہیں تو میں لوگوں کو آپ سے نجات دیدوں۔ مگر بلاشبہ مجھ پر ظاہر و روشن ہو گیا کہ آپ نبی برحق ہیں اور میں آپ کو اور تمام حاضرین کو گواہ بناتی ہوں کہ میں آپ کا دین اختیار کرتی ہوں اور پڑھتی ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس روایت میں اس کے اسلام لانے میں زہری کی موافقت ہے اور جب حضرت بشر کا انتقال ہو گیا تو اسے قتل کرا دیا اس لئے کہ اب قصاص واجب ہو گیا تھا۔ (انتہی)

لیکن اس جگہ ایک شبہ وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ چونکہ اسلام، ماقبل کے گناہوں کو ناپید کر دیتا ہے خواہ حق اللہ ہو یا حق الناس۔ تو اسلام لانے کے بعد اس سے قصاص کیوں لیا گیا؟

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے جتنا کچھ اس زہر آلود بکری سے چکھا اس کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے اپنے دونوں شانوں کے درمیان سے خون نکلوا دیا اور اپنے ان صحابہ سے بھی جنہوں نے اس کے لقمہ کو چبایا یا حلق سے اتار اتھا ان سب کو حکم دیا کہ سر کے پچھنے لگوائیں۔

بخاری نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم اپنے مرض موت میں فرمایا کرتے تھے "اے عائشہؓ میں اس گوشت کی اذیت ہمیشہ اپنے میں پاتا رہا ہوں جسے خیبر میں کھایا تھا۔ اور میں اس وقت بھی اس زہر سے اپنی ابہر کو کٹتا محسوس کر رہا ہوں۔" ابہر دل کی ایک رگ کا نام ہے جب یہ کٹ جاتی ہے تو آدمی مرجاتا ہے۔ گویا کہ اس زہر کا اثر ہمیشہ آپ کے بدن میں موجود رہا۔ اور اس نے اب سرایت کیا تھا۔

## علی مرتضیٰ کی نماز عصر کے لئے آفتاب کو لوٹانا

غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم واپسی پر منزل صہبا پہنچے اور سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا اور اسی منزل میں نماز عصر ادا فرمائی۔ نماز پڑھنے کے بعد سر مبارک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے زانو پر رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ سو گئے

یہاں تک کہ وحی کے آثار نمودار ہوئے۔ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے نماز عصر نہیں پڑھی تھی اور نزول وحی کی مدت اتنی طویل ہوگئی کہ آفتاب غروب ہوگیا جب حضورؐ پر سے وحی کی کیفیت ختم ہوئی تو حضورؐ نے حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا "کیا نماز عصر پڑھ لی؟" عرض کیا "نہیں یا رسول اللہ! میں نے نہیں پڑھی ہے۔" حضورؐ نے مناجات کی اور کہا "اے رب اگر علیؓ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھے تو آفتاب کو حکم دے کہ لوٹ آئے۔ تاکہ وہ نماز عصر ادا کریں۔ حق تبارک وتعالیٰ نے حضورؐ کی دعا کو قبول فرمایا باوجودیکہ آفتاب غروب ہو چکا تھا دوبارہ طلوع ہوا یہاں تک کہ اس کی شعاعیں پہاڑوں اور ٹیلوں پر پڑنے لگیں اور مخلوق خدا نے آنکھوں سے دیکھا حضرت علی مرتضیٰؓ نے وضو کیا اور نماز پڑھی۔

## حضورؐ کے لئے حبس شمس کے واقعات

سورج کو روکنا اور اسے لوٹانا تین مقامات میں وارد ہوا ہے ایک شب معراج کے بعد جبکہ حضورؐ نے خبر دی کہ اس رات واپسی پر قریش کے قافلہ کو میں نے راہ میں دیکھا اور یہ نشانی بھی بتائی کہ ان کا ایک اونٹ بھاگ گیا تھا اور قافلہ کے کچھ لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اس پر قریش کے لوگوں نے پوچھا "بتائیے وہ قافلہ کب تک یہاں پہنچے گا۔" فرمایا "بدھ کے دن۔" جب بدھ کا دن آیا تو قریش اس قافلہ کا انتظار کرنے لگے کہ کب پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ دن تمام ہونے لگا اور قافلہ نہیں آیا اس وقت حضورؐ نے دعا کی چنانچہ اس دن سورج کو غروب ہونے سے حق تعالیٰ نے ایک گھنٹہ کے لئے روک دیا پھر قافلہ پہنچ گیا۔ اس حدیث کو یونس بن بکر نے ابن اسحٰق کے مغازی میں بیان کیا ہے۔

دوسرا واقعہ حبس شمس کا حضورؐ کے لئے روز خندق میں بیان کیا گیا ہے جبکہ اس جنگ میں نماز عصر قضا ہوگئی پھر حضورؐ نے دعا کی اور جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے اور مشہور یہ ہے کہ بعد از غروب آفتاب قضا پڑھی تھی اور تیسرا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی نماز عصر قضا ہوگئی پھر حضورؐ نے دعا کی اور سورج لوٹا گیا۔ اور انہوں نے نماز ادا کی۔

ان حدیثوں میں محدثین کلام کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب حدیثیں، اس صحیح حدیث کے مخالف ہیں جو حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے باب میں آئی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں سورج کو روکنا حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ خاص ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے جسے مشکوٰۃ نے بخاری ومسلم سے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی علیہم السلام جہاد کے لئے نکلے۔ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یوشع بن نون علیہ السلام ہیں۔ جب وہ نماز عصر کے وقت بستی کے قریب ہوئے اور قریب تھا کہ آفتاب غروب ہو جائے۔ اس پر اس نبی نے آفتاب کو حکم دیا کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں اور خدا سے دعا کی کہ "اے خدا سورج کو رُکنے کا حکم دے کہ وہ ہمارے لئے ٹھیرا رہے" چنانچہ اس رکنے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ غروب کے بعد واپس لوٹایا جائے۔ ایک یہ کہ لوٹائے بغیر روکے رکھا جائے۔ ایک یہ کہ اس کی رفتار کو سست کر دیا جائے۔ چنانچہ آفتاب کو روک دیا گیا اور حق تعالیٰ نے اس بستی کو ان پر فتح کرا دیا۔ اگرچہ اس روایت میں حبس آفتاب یوشع علیہ السلام کے لئے خاص کر کے مذکور نہیں ہے۔ لیکن ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا لَمْ یُحْبَسِ الشَّمْسُ عَلٰی اَحَدٍ اِلَّا یُوْشَعَ بْنِ نُوْنٍ۔ کسی پر آفتاب کو نہیں روکا گیا مگر یوشع بن نون پر۔

چنانچہ مواہب میں مذکور ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام جمعہ کے دن ظالموں سے جنگ کر رہے تھے جب آفتاب کے غروب کا وقت قریب ہوا تو خوف کیا اگر آفتاب جنگ کے ختم ہونے سے پہلے غروب ہو گیا تو ہفتہ کا دن شروع ہو جائے گا۔ تو ہمیں اس دن جنگ کرنا حلال نہ ہوگا۔ انہوں نے خدا سے دعا کی اور حق تعالیٰ نے آفتاب کو رد فرمایا یہاں تک کہ وہ جنگ سے فارغ ہوئے۔

بعض علماء ان مذکورہ حدیثوں اور یوشع بن نون علیہ السلام کی حدیث کے درمیان اس طرح موافقت کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ مراد یہ ہو کہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں حضرت یوشعؑ کے سوا کسی کے لئے حبس شمس نہیں کیا گیا یا یہ مراد ہو کہ میرے سوا کسی نبی کے لئے حبس شمس نہیں کیا گیا مگر یوشع علیہ السلام کے لئے۔ دونوں احتمالات کا نتیجہ اور معنیٰ ایک ہی ہیں۔ یا یہ بات ہو کہ یہ حدیث حضورؐ کے لئے حبس شمس یا ردِ شمس کے وقوع سے پہلے صادر ہوئی ہو۔ واللہ اعلم لہٰذا معلوم ہوا کہ ردِ شمس یا حبسِ شمس کے بارے میں محدثین کا کلام حضرت علی مرتضیٰ کی حدیث کے بارے میں خاص نہیں ہے بلکہ ان تینوں مواقع میں جو مذکور ہوئیں ان میں کلام ہے۔

اب رہا حضرت علی مرتضیٰؓ کے لئے ردِ شمس کی حدیث میں کلام! تو جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے ہم بغیر تعصب و تعسف کے انہیں نقل کرتے ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔ چنانچہ مواہب لدنیہ میں ہے کہ اس حدیث کو امام طحاوی (فائق علی البخاری) جو کہ اکابر علماء احناف میں سے ہیں وہ اصل میں شافعی المذہب تھے اس سے انہوں نے مذہب حنفی کی طرف رجوع فرمایا۔ انہوں نے شرح مشکوٰۃ الآثار میں نقل کیا ہے جیسے قاضی عیاض مالکی نے نقل کیا ہے کہ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ احمد بن صالح، محدثین میں بڑے

ثقہ بزرگ و عالم ہیں وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کو جسے علم میں دسترس ہو لائق نہیں ہے کہ وہ سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کے حفظ میں تخلف و تغافل کرے اس لئے کہ ان کی حدیث نبوت کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور ابن جوزی نے تو اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ بلاشبہ اس حدیث کی سند میں احمد بن داؤد ہے اور یہ شخص متروک الحدیث اور کذاب ہے۔ جیسا کہ دارقطنی نے کہا ہے۔ اور ابن حبان بھی یہی کہتے ہیں کہ وہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ نیز ابن جوزی نے کہا ہے کہ اس حدیث کو ابن شاہین نے نقل کرکے کہا کہ یہ حدیث باطل ہے۔ اور اس کے وضع کرنے والے کی غفلت ظاہر ہے کہ اس نے فضیلت کی ظاہری صورت تو دیکھ لی اور اس کے عدم فائدہ پر غور نہ کیا اور یہ نہ جانا کہ نماز عصر غروب آفتاب سے قضا ہو جاتی ہے اور رجوع شمس سے یہ ادا نہیں ہو سکتی۔

ابن تیمیہ نے روافض کے رد میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس کتاب میں اس حدیث کو نقل کرکے اس کی سند اور اس کے راویوں کے بارے میں کہا ہے کہ یہ وضعی ہے اور کہا کہ تعجب ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ باوجود اپنی اتنی جلالت قدر اور علو مرتبت کے جو انہیں علوم حدیث میں حاصل ہے کس طرح اس میں خاموش رہے اور اس کی صحت کو مبہم رکھا اور اس کا ثبوت نقل نہیں کیا۔ کاتب حروف عفا اللہ عنہ (یعنی شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ) کہتا ہے کہ اس قائل کا یہ کہنا کہ غروب آفتاب سے نماز عصر قضا ہو جاتی ہے اور رجوع شمس سے ادا نہیں ہو سکتی محل نظر ہے۔ اس لئے کہ قضا اس صورت میں ہوتی ہے جبکہ آفتاب غیبوبیت میں قایم و باقی رہے اور وقت فوت ہو جائے لیکن اگر وقت بھی لوٹ آئے۔ تو کیوں ادا نہیں ہو سکتی کیوں کہ ادا کے معنی یہی ہیں کہ اس کے وقت میں نماز ادا کی جائے۔ اگرچہ یہ اعادۂ وقت سے ہو۔ نیز حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ کی جلالت قدر اور علو مرتبت کے اعتراف کے بعد تردد و توقف مناسب ہے؟ (مطلب یہ کہ جب ان کے مرتبہ و کمال اور مقام کا اعتراف ہے تو اب اس میں تردد و توقف کیوں کرتے ہو۔ اس میں غور و فکر کرنا چاہیئے) نہ کہ اس کے بطلان و انکار پر یقین کرنا چاہیئے۔ اس کے باوجود کہ امام طحاوی اور احمد بن صالح جیسے اکابر سے اس کی صحت ظاہر ہو چکی ہو۔ بات یہ ہے کہ ابن جوزی وضع کا حکم کرنے اور اس کا ادعا کرنے میں بڑا جلد باز ہے۔

اس باب میں اس کا قول موثق اور لائق اعتناء نہیں ہے۔ جس طرح کہ شیخ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث میں دعوی کیا ہے کہ سُدُّوا كُلَّ بَابٍ اِلَّا بَابَ عَلِيٍّ (مسجد نبوی کی طرف تمام دروازوں کو بند کر دو بجز علی رضی اللہ عنہ کے دروازے کے) ابن جوزی نے اس کو وضعی قرار دینے میں مستعد ہو کر اس طرح صحت

حدیث بیان کی ہے کہ فرمایا "سُدُّوا کُلَّ خَوخَۃٍ اِلَّا خَوخَۃَ اَبِی بَکرٍ" ہر دروازہ کو بند کرو بجز ابوبکر کے دروازے کے) تاریخ مدینہ منورہ میں ہم نے اسے بیان کیا ہے۔ اور شیخ محمد سخاوی 'مقاصد حسنہ' میں فرماتے ہیں کہ امام احمد نے کہا "لا اصل لہ" یعنی اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ اور ابن جوزی نے ان کی پیروی کرتے ہوئے اسے موضوعات میں نقل کر دیا ہے حالانکہ امام طحاوی اور قاضی عیاض رحمہا اللہ نے اسے صحیح قرار دیا اور ابن مندہ اور ابن شاہین نے اسماء بنت عمیس کی حدیث کو اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی سے حدیث نقل کی ہے۔ انتہی

نیز مواہب میں منقول ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں باسناد حسن روایت کیا ہے جس طرح کہ شیخ الاسلام بن عراقی نے شرح تقریب میں اسماء بنت عمیس سے نقل کیا ہے اور حافظ ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ یوشع کی حدیث سے معلوم نہ ہوا کہ ردشمس حضرت یوشع رض کے خصائص میں سے ہے۔ لہٰذا وہ حدیث جو حضرت علی مرتضیٰ رض کے لئے ردِ شمس میں روایت کی گئی ہے ضعف پر دلالت کرتی ہے اور اس حدیث کی صحت احمد بن صالح مصری نے بیان کی ہے۔ لیکن کتب صحاح وحسان میں نقل نہیں کیا گیا۔ باوجود تجسس وتلاش کے حسن ومنفرد ہی یہ حدیث منقول ہے کیوں کہ اہل بیت میں سے ایک مجہول وغیر معروف عورت نے نقل کیا جس کا حال کسی کو معلوم نہیں ہوا۔ انتہی۔

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ ان کا یہ کہنا کہ "کتب صحاح میں ذکر نہیں کیا گیا اور حسن ومنفرد ہے" یہ قابل غور و فکر ہے کیوں کہ جب امام طحاوی، احمد بن ابی صالح، طبرانی اور قاضی عیاض رحمہم اللہ اس کی صحت اور اس کے حسن ہونے کے قایل ہیں اور انہوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے تو اب ان کا یہ کہنا کہ کتب صحاح و حسان میں ذکر نہیں کیا گیا درست نہ ہوگا۔ اور لازم نہیں ہے کہ تمام ہی کتب صحاح وحسان میں مذکور ہو۔ نیز ان کا یہ کہنا کہ "اہل بیت میں سے ایک مجہول وغیر معروف عورت نے نقل کیا ہے جس کا حال کسی کو معلوم نہیں"۔ یہ بات سیدہ اسماء رض بنت عمیس کے حال کے بارے میں کہنا ممنوع ہے، اس لئے کہ وہ جمیلہ وجلیلہ اور عاقلہ ودانا عورت ہیں اور ان کے احوال معلوم ومعروف ہیں۔ اور وہ حضرت جعفر رض بن ابی طالب کی زوجیت میں تھیں اور ان سے عبداللہ بن جعفر رض تولد ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر صدیق رض کی زوجیت میں آئیں اور ان سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے ان کے بعد وہ حضرت علی مرتضیٰ رض کی زوجیت میں آئیں اور ان سے یحییٰ بن علی مرتضیٰ پیدا ہوئے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ علی رض مرتضیٰ کا حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے سے رہ جانا اور اس میں تاخیر کرنا بعید ہے حالانکہ اس میں کوئی بُعد نہیں ہے اور ایسے حوادث وحوائج بہت ہیں جن کی بنا پر ایسے امور رونما ہو سکتے

ہیں۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ رضی کو ظہر کی نماز کے بعد کسی کام سے بھیجا تھا غزوۂ خیبر کے کام بہت زیادہ تھے۔ ان کے جانے کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر ادا کی ہو گی۔ اور اس میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ شریک نہ ہوئے تھے اس بنا پر یہ واقعہ رُونما ہوا ہو گا (و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال)۔

**قصہ لیلۃ التعریس** اسی غزوے کے واقعات میں سے لیلۃ التعریس کا قصہ ہے۔ تعریس آخر شب میں سونے کے لئے مسافر کے اترنے اور ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر غزوۂ خیبر کی واپسی میں ایک رات سفر میں نیند کا غلبہ ہوا تو حضور نے آخر شب میں خواب و استراحت کے لئے قیام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ہم سو جائیں تو ہمارے لئے رات کی نگہبانی کرنا اور جاگتے رہنا اور صبح سے ہوشیار رہنا۔ جب صبح ہو جائے تو ہمیں بیدار کر دینا تاکہ صبح کی نماز ہاتھ سے نہ جائے لیکن نماز تہجد سونے سے پہلے ادا فرمالی تھی۔ یہاں تک کہ نیند کا اتنا غلبہ ہوا کہ اس نے مہلت نہ دی۔ حدیث میں آیا ہے کہ اگر خواب یا ضعف یا بیماری مانع ہوتی تو قیام شب قضا فرما دیتے اور ان میں زوال آفتاب سے پہلے شب کی نماز کو ادا فرماتے۔ اس واقعہ میں کوئی بھید ہو گا کہ اس کا نفع ضعفائے امت کو پہنچے اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ، شب بیداری کے لئے آمادہ و تیار ہوئے اور نماز میں مشغول ہو گئے اور اتنی نمازیں پڑھیں جتنی خدا نے ان کو توفیق دی۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم بھی تھے سو گئے۔ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رض نے بھی حضرت بلال رض سے تاکیداً فرمایا تھا کہ "اے بلال! اپنی آنکھوں کو نیند سے خبردار رکھنا۔ یہ بار گراں حضرت بلال رض کی گردن پہ پڑا۔ جب صبح کا وقت قریب ہوا تو حضرت بلال رض نے اپنے کجاوے سے ٹیک لگائی اور طلوعِ فجر کی طرف متوجہ ہوئے اور غور سے آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ اچانک حضرت بلال رض کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ اور بے اختیار نیند آ گئی۔ حالانکہ اپنے اونٹ سے تکیہ لگائے ہوئے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ اپنی دستار کو کھول کر اس سے "احتباء" کیا۔ چنانچہ نہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی بیدار ہوئے اور نہ کوئی اور صحابی۔ یہاں تک کہ سورج طلوع کر آیا۔ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور حضور سونے اور نماز کے فوت ہو جانے سے حق تعالےٰ کے قہر و جلال اور اس کی تجلّی سے ڈرے۔ حضور کے بعد اور حضرات بھی بیدار ہو گئے۔ حضور نے بلال رض کو آواز دی اور فرمایا "اے بلال! یہ کیا ہوا تم کیوں سو گئے تھے اور اس پر حضرت بلال رض نے عرض کیا

"میں کیا عرض کروں مجھے بھی اسی نے آگھیرا تھا جس نے آپ کو گھیرا تھا" اس قوت بیداری کے باوجود جو آپ کو حاصل ہے۔" دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "بلال رض کے پاس شیطان آیا حالانکہ وہ نماز میں کھڑے تھے۔ شیطان نے بلال رض کے سینہ پر ہاتھ مارا اور انہیں اس طرح تھپک تھپک کر سلا دیا جس طرح بچے کو تھپک تھپک کر سلاتے ہیں۔ اور بلال رض سو گئے۔" اس کے بعد حضور نے حضرت بلال کو بلایا اور ان سے ان کے سو جانے کی کیفیت دریافت فرمائی تو انہوں نے ویسا ہی عرض کیا جیسا کہ حضور نے حضرت صدیق رض سے فرمایا تھا۔ حضرت صدیق رض نے کہا "اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالْحَقَّ" یہ مقام تجدید ایمان اور تصدیق و شہادت رسالت کا ہے تاکہ کسی قسم کا وسوسۂ شیطانی دخل انداز نہ ہو۔ اس کے بعد حضور نے صحابہ سے فرمایا اپنے اونٹوں کو یہاں سے اٹھا کر لے چلو صحابہ نے اپنے اونٹوں کو اٹھایا اور وہاں سے چل دیئے۔ اس وادی سے چلے جانے کا سبب بیان کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ کسی نے کہا کہ چونکہ اوقاتِ ممنوعہ مکروہہ میں قضا نماز جائز نہ تھی جیسا کہ مذہب حنفیہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ وہاں سے کوچ کرنا اس لئے تھا کہ آفتاب بلند ہو جائے اور کچھ علماء اوقات مکروہہ میں نماز کی ممانعت کو نوافل کے ساتھ مخصوص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ شوافع کہتے ہیں کہ اس وادی سے حضور کے کوچ فرمانے کا سبب یہ تھا کہ وہ شیطان کی جگہ تھی۔ جیسا کہ روایت میں صراحت بھی مذکور ہے یہاں تک کہ وضو کرنے، اذان دینے اور اقامت کہنے میں آفتاب بلند ہو جاتا اور نماز ممنوعہ و مکروہہ وقت میں واقع نہ ہوتی اور وہاں سے کوچ کرنے کی حاجت نہ رہتی۔

دوسری جگہ پہنچنے کے بعد پھر حضور نے وضو فرمایا اور بلال رض کو اذان دینے کا حکم فرمایا اور اقامت کے ساتھ انہیں صحابہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ قضا نماز کے لئے اذان نہیں ہے اور مذہب شوافع کا ایک قول بھی یہی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ نہ اذان ہے نہ اقامت۔ ہدایہ میں کہا گیا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس کی صبح میں نماز فجر کی قضا اذان و اقامت کے ساتھ پڑھی۔ اور شیخ ابن الہمام اس باب میں احادیث صحیحہ لائے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اذان تنہا دخول وقت کی خبر دینے اور مسلمانوں کے بلانے کے لئے مشروع ہے۔ اس جگہ تو وہ سب موجود ہی تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اذان صرف خبر دینے کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ کلماتِ اذان کے ذکر کے ذریعہ ثواب حاصل کرنا بھی ہے۔ اور تکمیل نماز بھی اسی سے مشروع ہے۔ اسی بنا پر — افضل یہ ہے کہ ایک فرد بھی اذان و اقامت کہے جس طرح کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری چرانے والے چرواہے کو دیکھا کہ وہ اذان دیتا ہے اور نماز پڑھتا ہے فرمایا "علی الفطرۃ" یہ دین فطرت پر ہے۔ امام شافعی کا دوسرا

قول گو بڑا ہی عجیب ہے کہ نہ اذان کہے اور نہ اقامت۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس حال میں مضطرب و پریشان دیکھا تو ان کی تسلّی کے لئے فرمایا کہ "اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے ہماری روحوں کو قبض کر لیا تھا اگر وہ چاہتا تو اس کے سوا زمانہ میں بیدار کرتا۔ اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز بھول جائے تو اسے چاہیئے کہ جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لے"۔ اور احادیث میں سونے کا ذکر بھی آیا ہے۔ ایک اور روایت میں واقع ہوا ہے کہ نیند، نسیان میں داخل ہے اور اس کو مستلزم رکھا ہے۔

تنبیہ:۔ اس جگہ یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ ایک جگہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل جاگتا ہے مطلب یہ کہ میری نیند اور میرا سونا بس اتنا ہی ہے کہ میں آنکھیں تو بند کر لیتا ہوں۔ لیکن میرا دل آگاہ و خبر دار رہتا ہے اور فرمایا کہ "میں اپنی خواب کی حالت میں بھی تمہاری باتیں سُنتا ہوں"۔ چنانچہ حضورؐ کے لئے نیند ناقضِ وضو نہیں اور پہلا وضو ہی باقی رہتا ہے۔ علماء نے اس کو حضورؐ کے خصائص میں شمار کیا ہے اور بعض علماء کہتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس معاملہ میں یکساں ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے خواب اور رویا وحی ہے یہ وحی دل کی بیداری کے بغیر کیسے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جب دل بیدار رہتا ہے تو پھر طلوع فجر کی خبر کیوں نہ ہو سکی؟

اس کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ طلوع و غروب کا معلوم کرنا آنکھ کا کام ہے اور جب آنکھ بند ہو تو طلوع و غروب کا علم نہیں ہو سکتا۔ جس طرح کہ کوئی تہہ خانے میں بیدار بیٹھا ہو یا آگے پیچھے ہر طرف تہ در تہ پردے پڑے ہوں اس صورت میں طلوع و غروب کا علم نہیں ہو سکتا چنانچہ تنہا دل کی بیداری کافی نہیں ہے۔ لیکن اب بھی ایک شبہ باقی رہتا ہے کہ وحی یا الہام سے یہ کیوں معلوم نہ ہو سکا جس طرح ایک ماہرِ علمِ نجوم تہہ خانے میں ہی کیوں نہ بیٹھا ہو گھڑیوں کے حساب سے جان لیتا ہے کہ فجر طلوع ہو گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حکمت الٰہی نے یہ اقتضاء کیا کہ کشف نہ ہو اور اس بارے میں وحی نازل نہ ہوئی۔ تاکہ قضائے فوائت کی تشریع کا سبب اور شرفِ اتباع اور اک ہو جس طرح حضورؐ پر سہو و نسیان کے عارض ہونے کے سلسلہ میں کہا گیا ہے۔

بندۂ مسکین (یعنی صاحب مدارج النبوۃ رحمۃ اللہ) فرماتے ہیں کہ یقیناً دل بیدار ہوگا اور نیند و خواب کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا ہوگا۔ لیکن ممکن ہے کہ اس وقت آپ کو مشاہدۂ ربانی حاصل ہو اور آپ اس میں اتنے مستغرق ہوں کہ اس مشاہدہ کے ماسوا ہر صور و معانی سے آپ بے نیاز و غافل ہوں جس طرح کہ

بعض وقتوں میں خصوصاً وحی وغیرہ کی کیفیت میں ایسی صورت ہو جاتی ہے۔ اس کا باعث عدم ادراک نسیان، غفلت اور نیند نہیں ہے۔ بلکہ قلب نبوی صلے اللہ علیہ وسلم پر ایک عظیم حالت کا طاری ہو جانا ہے، جسے خدائے عزوجل کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ خواب اور فراموشی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ابتلاءً الٰہی تھا۔ جو تدبیر کے اختیار کرنے اور معاملہ کو خدا کے سپرد نہ کرنے کے سبب ہوا کیوں کہ آپ نے حضرت بلالؓ کو رات کی نگہبانی پر مقرر فرما کر تدبیر اختیار فرمائی تھی اور حق تعالیٰ کو نظر انداز کر دیا تھا۔ صوفیائے کرام کے نزدیک یہ بڑا بنیادی قاعدہ ہے۔ جسے وہ اسقاطِ تدبیر اور ترکِ اختیار کہتے ہیں اور یہ بات ہے بھی درست لیکن ہمیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ایسی بات اچھی نہیں لگتی۔ اس سے سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام رفعت اور بارگاہِ عزت میں اعتراض کرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے حالانکہ اسباب سے تمسک کرنا اور اس کی رعایت کرنا مرتبۂ تحقیق و تمکین کی انتہا ہے اور یہ منافی توکل تفویض نہیں ہے۔ وہاں تدبیر و اختیار ممنوع ہے جہاں نفس کی طرف سے ہو نہ کہ اس جگہ جہاں حکمِ شرع ہو جیسا کہ اپنے مقام میں تحقیق کی جا چکی ہے۔ یہاں تک کہ اس مقام میں حال کیا اقتضا کرتا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات کے حال شریف میں عقلی قیاس سے بلکہ اپنی معرفت کی دریافت سے کلام کرنا حسنِ ادب کے دائرے سے باہر ہے۔ اور اس کا حکم متشابہات میں حکم کرنے کی مانند ہے۔

## لحمِ خر کی حرمت

اس غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے گھریلو گدھوں کے گوشت کا حرام قرار دینا بھی ہے۔ چنانچہ حدیث مبارک میں مروی ہے کہ جس دن خیبر فتح ہوا اور شام کا وقت آیا تو مسلمانوں نے خوب آگ جلائی، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ آگ کیسی ہے؟ اور کیا چیز پکا رہے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا آگ پر گوشت پکا رہے ہیں۔ فرمایا "کس کا گوشت؟" عرض کیا "پالتو گدھوں کا گوشت"۔ حضورؐ نے فرمایا "زمین پر الٹ دو اور ہانڈیوں کو توڑ دو"۔ اس پر کسی نے عرض کیا "توڑ دیں یا ان کو دھو ڈالیں"۔ فرمایا "دھو ڈالو"۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حمارِ انسی یا حمارِ اہلی یعنی پالتو گدھا فرمانا۔ حمار وحشی یعنی جنگلی گدھے سے احتراز کے لئے ہے کیوں کہ حمارِ وحشی حلال ہے۔ اور پالتو گدھا بھی حلال تھا مگر اب حرام کر دیا گیا۔ (کذا فی المواہب)

ایک روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ روزِ خیبر ہمیں بھوک لگی تو ہم نے گدھے کا گوشت پکانے کے لئے ہانڈیاں آگ پہ رکھیں۔ کچھ ہانڈیاں پک گئی تھیں اور کچھ ابھی کچی تھیں

اس کے بعد اعلان ہوا کہ انہیں پھینک دو اور ہانڈیوں کو توڑ دو۔ حضرت عبداللہ ابن ابی اوفیٰ رضؓ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ اس کو حرام قرار دینا اس بنا پر تھا کہ ان میں سے خمس نہ نکالا گیا تھا۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ بوجھ لادنے کی وجہ سے تھا چونکہ اس وقت ان کی ضرورت تھی۔ اس کی تائید حضرت انس رضؓ بن مالک کی حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ گدھے کا گوشت کھا لیا گیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے سکوت فرمایا۔ پھر ایک اور شخص آیا اس نے بھی کہا کہ گدھے کا گوشت کھا لیا گیا ہے؟ یہاں بھی حضورؐ نے سکوت فرمایا جب تیسرے شخص نے آکر کہا کہ گدھوں کو ناپید وفنا کر دیا گیا ہے۔ اس مرتبہ حکم فرمایا کہ اعلان کر دو کہ خدا اور اس کا رسول گدھوں کے گوشت کو منع فرماتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ ممانعت کی وجہ حرمت ونجاست ہے چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی مروی ہے کہ ہم خیبر میں صبح کے وقت داخل ہوئے۔ اس وقت اہل خیبر کھیتی باڑی کا سامان لئے نکل رہے تھے جب انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے "واللہ محمد والخمیس" خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پنج رکنی بہت بڑے لشکر کے ساتھ آگئے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَۃِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ۔ اس کے بعد ہم نے گدھوں کا گوشت پایا۔ اس پر حضورؐ نے منادی کرائی کہ خدا اور اس کا رسول گدھوں کے گوشت سے منع فرماتا ہے۔ اس لئے کہ وہ ناپاک وپلید ہے۔ یہ حدیث حضرت انسؓ کی دوسری حدیث کے منافی نہیں ہے اور یہ تاویل کرنا کہ خمس نہ نکالنے کی وجہ سے حرام قرار دیا، یا بوجھ لادنے کی بنا پر منع فرمایا، یہ ان لوگوں کی تاویل ہے جو گدھوں کے گوشت کی اباحت کے قائل ہیں۔ جیسا کہ امام مالک سے نقل کرتے ہیں۔ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ مطلقاً حرام ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا اور رخصت دی۔ ایک روایت میں ہے کہ اجازت دی۔ ایک روایت میں ہے کہ گھوڑے کے گوشت کا حکم فرمایا۔

## گھوڑے کے گوشت کا حکم

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ گھوڑے کے گوشت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے جمہور سلف وخلف اور شوافع کا مذہب یہ ہے کہ وہ مباح ہے کہ کوئی کراہت اس میں نہیں ہے اور اسی کے حضرات عبداللہ بن زبیر، ابن مالک اور اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم قائل ہیں۔ مسلم نے سیدہ اسماء رضؓ سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں گھوڑے کو ذبح کرتے اور کھاتے تھے درآنحالیکہ ہم مدینہ طیبہ میں تھے۔ دارقطنی کی روایت میں ہے کہ ہم اور اہل بیت نبوت

کھاتے تھے۔ فتح الباری میں ہے کہ سیدہ اسماءؓ کا یہ فرمانا کہ "ہم مدینہ میں تھے" اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس کا وقوع، فرضیت جہاد کے بعد تھا۔ لہٰذا اس سے اس شخص کا رد ہوتا ہے جو آلات جہاد ہونے کی بنا پر اس کے کھانے کے منع ہونے کا استنا د کرتا ہے اور سیدہ اسماءؓ کا یہ فرمانا کہ "اور اہل بیت نبوت بھی کھاتے" اس سے اس شخص کے گمان کا رد ہے جو کہتا ہے کہ اسماءؓ کی حدیث سے معلوم نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس سے آگاہ تھے۔ اس بنا پر کہ اگر حضورؐ کو اس کی خبر نہ ہوتی تو آلِ ابوبکرؓ پر ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی چیز میں زمانہ نبوت میں ایسا اقدام کریں بجز اس بات کے کہ ان کے علم میں اس کا جواز ہو۔ کیوں کہ آل ابوبکرؓ حضورؐ سے بہت زیادہ اختلاط رکھتے اور صحابہ حضورؐ سے مسائل دریافت کرنے میں بہت زیادہ شوق وشغف رکھتے تھے۔ اس بنا پر راجح اور مختار یہی ہے کہ صحابی جب یہ کہے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کرتے تھے۔ تو ضرور ان کے پاس حکم رفع ہوگا۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس سے باخبر ہوں گے اور اسے برقرار رکھا ہوگا۔ جب یہ حکم مطلق صحابہ کے بارے میں ہے تو آل ابوبکرؓ کو کیسے علم نہ ہوگا۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ گھوڑے کے گوشت کے کھانے میں کراہت کی طرف گئے ہیں۔ اور صاحبین اور غیر صاحبین نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور اس کی حلت میں اخبار متواترہ سے استدلال کیا ہے (انتہی) بلاشبہ بعض تابعین نے اس کی مطلقاً حلت کو تمام صحابہ سے بغیر کسی استثناء کے روایت کیا ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ بسند صحیح برشرط شیخین حضرت عطاء سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا کہ ہمیشہ سلف اسے کھایا کرتے تھے اس میں صراحت ہے کہ ان سے پوچھا کیا آپ کی سلف سے مراد، اصحاب رسول ہیں۔ حضرت عطا نے فرمایا "ہاں!" لیکن یہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی کراہت منقول ہے جسے ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق دونوں نے سندِ ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول جامع صغیر میں ہے کہ گھوڑے کے گوشت کو میں مکروہ جانتا ہوں" اور ابوبکر رازی نے مکروہ تنزیہی پر محمول کرکے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے اس میں مکروہ تحریمی کا اطلاق نہیں فرمایا ہے اور ان کے نزدیک گھوڑا، حمار اہلی کی مانند نہیں ہے اور صاحب محیط وہدایہ اور ذخیرہ تحریم کی تصحیح کرتے ہیں اور یہ کہ یہ قول اکثر احناف کا ہے۔ اور قرطبی نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ امام مالک کا مذہب کراہت پر ہے۔ اور فاکہانی نے کہا ہے کہ مالکیہ کے نزدیک مشہور کراہت ہے اور ان کے محققین کے نزدیک صحیح تحریم ہے اور ابن ابی حمزہ نے کہا کہ مطلقاً جواز پر دلیل واضح ہے لیکن امام مالک کے نزدیک اس کے کھانے کی کراہت اس بنا پر ہے کہ وہ جہاد میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا کراہت خارجی سبب سے ہے نہ کہ ذات حیوان میں۔ اور اباحت پر متفق علیہ روایت

ہے۔ اگر ذبح کے وقت کوئی بات ایسی لاحق ہو جائے جو عام طور پر ذبح کے وقت ہو جاتی ہے جس کی بنا پر اس ذبیحہ کا کھانا متروک و ممنوع ہو جاتا ہے تو اس سے قول تحریم لازم نہیں آتا۔

اب رہا بعض تابعین کا یہ کہنا کہ اگر لحم فرس کا کھانا حلال ہوتا تو اضحیہ (قربانی) جائز ہوتی۔ تو یہ قول وحشی حیوانات سے ٹوٹ جاتا ہے باوجودیکہ وہ ماکول ہیں مگر ان کے ساتھ اضحیہ (قربانی) مشروع نہیں ہے لیکن ابوداؤد و نسائی کے نزدیک خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لحوم اخیال و حمر کی ممانعت فرمائی ہے ضعیف ہے۔ اگر اس کا ثبوت تسلیم کر لیا جائے تب بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معارض نہیں ہوتی جو کہ جواز پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس کے موافق اسماء رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

بلاشبہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد و بخاری دار قطنی و خطابی، ابن عبداللہ و عبدالحق اور دیگر اکابر علماء و محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور بعض محدثین نے گمان کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تحریم پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے کہا رَخَّصَ فِی الْخَیْلِ (لحوم فرس میں رخصت دی گئی) اور رخصت، بمعنی استباحت، قیام مانع کے ساتھ محظور ہے۔ (مطلب یہ کہ جہاں "رخصت" فرمایا گیا اور اس میں ممانعت کی روایت بھی موجود ہو تو اس رخصت سے مباح مراد لینا ممنوع ہے) لہٰذا یہ رخصت، اس مخمصہ کے سبب پر دلالت کرتی ہے جو انہیں درپیش تھا۔ اس لئے یہ مطلقاً علت پر دلالت نہیں کرتی۔ اس کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ اکثر روایتوں میں لفظ اذن بمعنی اجازت آیا ہے جیسا کہ مسلم میں ہے اور اسی میں ایک روایت یہ ہے کہ ہم خیبر کے زمانہ میں لحوم فرس اور لحوم حمر وحشی کھاتے تھے اور حضور نے حمار اہلی سے منع فرمایا؛ اور دار قطنی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمر اہلی سے منع فرمایا اور لحوم خیل کا حکم فرمایا۔ لہٰذا حدیث دلالت کرتی ہے کہ "رخص" بمعنی "اذن" ہے۔ اور اگر رخصت مخمصہ کے بنا پر ہوتی تو اس کے لئے بالتو گدھے زیادہ مناسب ہوتے کیوں کہ وہ ہوتے بھی کثرت سے ہیں۔ اور گھوڑوں کی اس وقت بڑی قدر و قیمت اور عزت تھی۔ اس بنا پر یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لحوم فرس کے کھانے کی اجازت و اباحت عامہ کی بنا پر تھی نہ کہ کسی خاص ضرورت کی بنا پر۔ یہ سب باتیں مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں۔ اور فتاویٰ سراجیہ میں مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک لحم فرس مکروہ ہے۔ اس میں صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ اور قاضی امام صدر الاسلام نے فرمایا کہ کراہت سے مراد تحریم ہے۔ اور ان کے بھائی فخر الاسلام شیخ امام علی بزدوی نے فرمایا کہ کراہت سے مراد تنزیہہ ہے۔ اور شیخ الاسلام امام سرخسی نے فرمایا کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جو کچھ فرمایا وہ احوط ہے اور صاحبین نے جو فرمایا وہ لوگوں کے لئے

وسع ہے۔ اور کتاب "خلاصہ" میں کہا گیا ہے کہ لحم فرس مکروہ ہے اور اصح یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے، اور کافی میں کہا گیا ہے کہ مکروہ بکراہت تنزیہی ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ اور اسی کی طرف فخر الاسلام اور ابو نعیم اپنی اپنی "جامع" میں گئے ہیں۔ اور امام اسجابی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور امام سرخسی نے فرمایا یہ لوگوں کے لئے طرف ظاہر کی بنا پر ارفق زیادہ نرمی ہے، کہ وہ بلانکیر لحم فرس بیچیں۔" کفایۃ المنتہی" میں کہا گیا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے لحم فرس کی حرمت سے اپنی رحلت سے تین دن پہلے رجوع فرمالیا تھا اسی پر فتویٰ ہے اور اس کی اباحت پر ماوراء النہر کے علماء کا اتفاق، حنفیوں کے لئے اس کے کھانے اور اس کی جرارت پر کافی ہے۔ اور احناف کے بعض اتقیاء سے ایسا سنا گیا ہے کہ وہ خود تو نہیں کھاتے تھے لیکن اس سے مہمانوں کی ضیافت کرتے تھے (واللہ علم)

## لہسن وپیاز کا حکم

اسی غزوہ کے واقعات میں سے لہسن کے کھانیکی حرمت ہے۔ صحیح یہ ہے کہ لہسن و پیاز کا کھانا حرام نہیں ہے لیکن اس کے کھانے کے بعد مساجد اور مجالس خیر میں جانا مکروہ ہے۔ کیوں کہ اس کی بو سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے۔ اور ہر ذی ناب درندوں کی حرمت واقع ہوئی۔ اور تقسیم سے پہلے غنایم کے فروخت کی حرمت واقع ہوئی۔ اور وطی پیش از استبراء یعنی حاملہ باندیوں سے بچہ پیدا ہونے سے پہلے جماع کرنے اور عورتوں سے متعہ کرنے کی ممانعت واقع ہوئی، متعہ وقت معین تک نکاح کرنے کو کہتے ہیں۔

## حرمت متعہ

اسی غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے حرمت متعہ ہے۔ ابتدائے اسلام سے غزوۂ خیبر تک متعہ مباح تھا اس کے بعد غزوے میں اسے حرام قرار دیدیا گیا پھر اس غزوے کے بعد فتح مکہ تک یعنی یوم اوطاس تک مباح کر دیا گیا۔ یوم اوطاس، فتح مکہ کے بعد ہے اسے فتح مکہ کے ساتھ اس لئے موسوم کیا جاتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بالکل متصل ہی واقع ہوا۔ اس کے تین دن کے بعد اسے ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیدیا گیا۔ اس کی حرمت ابدی و دائمی ہے اس میں بجز روافض کے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

## ایک شخص کا خودکشی کرنا

اس غزوۂ خیبر کے واقعات میں سے اس شخص کے خودکشی کرنے کا واقعہ ہے جس نے بے مثال جنگ کی۔ اور کسی مشرک کو نہ چھوڑا یہاں تک اس نے اپنی تلوار سے یا تو اسے ہلاک کر دیا یا اسے شدید زخمی کر دیا۔ چنانچہ مسلمان آپس میں کہنے لگے ایسی جرارت وکارکردگی میدان کارزار میں ہم میں سے کسی کی نہیں ہے۔ لوگوں نے حضور کو اس کی خبر پہنچائی اور عرض کیا "یا رسول اللہ! فلاں شخص ایسے کارنامہ سرانجام دے رہا ہے

جو کسی اور نے نہیں انجام دیئے۔ حضورؐ نے فرمایا "خبردار ہو جاؤ اور جان لو کہ وہ شخص بلاشبہ اہل نار میں سے ہے"۔ اس پر مسلمانوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ وہ شخص تو معرکۂ کارزار میں ایسی بے جگری سے مشرکوں کے ساتھ جنگ کر رہا ہے اور حضورؐ ایسا فرما رہے ہیں۔ دیکھنا چاہیئے کہ حقیقت حال کیا ہے۔ قریب تھا کہ شک کے گرداب میں مبتلا ہو جائیں۔ اس پر ہم میں سے ایک شخص نے کہا "آج میں اس کے ساتھ رہتا ہوں اور ساتھ ساتھ پھرتا ہوں تاکہ دیکھوں کہ حقیقت حال کیا ہے؟ دوسری روایت میں ہے کہ میں اس کے پیچھے لگ گیا۔ اور جہاں وہ جاتا میں بھی جاتا اور جہاں وہ کھڑا ہوتا میں بھی کھڑا ہو جاتا اور جہاں وہ تیزی دکھاتا میں بھی تیزی کرتا۔ اس نے بڑی شدت سے جنگ کی اور بڑی بے جگری سے لڑا۔ یہاں تک کہ وہ شدید زخمی ہو گیا۔ وہ اپنے شدید مجروح ہونے سے تنگ آگیا اور اس نے اپنی تلوار کے دستہ کو زمین پر رکھ کر اس کی نوک کو اپنے دونوں پستانوں کے درمیان رکھا اور اس پر جھول گیا۔ اس طرح اس نے اپنی جان کو ہلاک کر لیا۔ بہر تقدیر جب اس شخص نے جو اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اس کی یہ حقیقت حال دیکھی تو دوڑتا ہوا حضورؐ کے پاس آیا اور کہنے لگا "اَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ" فرمایا "کیا بات ہے اور کیوں تجدید شہادت کرتے ہو؟" عرض کیا "یارسول اللہ! اس شخص نے مشرکوں کے ساتھ خوب جنگ کی اور آپ نے خبر دی کہ وہ اہل نار میں سے ہے تو ہم لوگوں کو آپ کی یہ خبر بڑی گراں گزری۔ میں حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے اس کے پیچھے لگ گیا۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ وہ بہت شدید زخمی ہو گیا اور اس نے اپنی جان کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کر دیا اور قاتل نفس اور خودکشی کرنے والا شخص جہنم میں ہے"۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "آدمی ظاہر میں جنت کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل نار میں سے ہوتا ہے۔" مطلب یہ کہ اپنے عمل پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے۔ اور دوسرا شخص ظاہر میں اہل نار کے عمل کرتا ہے حالانکہ وہ اہل جنت میں سے ہوتا ہے۔

یہاں سے لازم نہیں آتا کہ ہر قاتل نفس اہل نار سے ہے مگر یہ کہ وہ خودکشی کو حلال جانتا ہو۔ یا یہ مراد ہو کہ وہ اہل نار میں سے ہے اگر حق تعالیٰ اسے نہ بخشے۔ قسطلانی نے ایسا ہی فرمایا ہے۔ نیز فرمایا کہ ممکن ہے کہ وہ منافقین میں سے ہو یا قتل نفس کو حلال جاننے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہو۔ اور حضورؐ کا یہ خبر دینا کہ وہ اہل نار میں سے ہے اسی بنا پر تھا۔ دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا منادی کر دو کہ مومن کے سوا جنت میں کوئی داخل نہ ہو گا۔ اور حق تعالیٰ اپنے دین کی مردِ فاجر سے بھی تائید و تقویت کرا لیتا ہے۔

## فتح فدک

اور بھی کئی واقعات ایسے ہیں جو اگرچہ خیبر کے غزوہ میں داخل نہیں ہیں لیکن ان کے ساتھ اور ان کے قریب ہی واقع ہوئے ہیں ان میں سے ایک فتح فدک ہے۔ فدک ایک موضع کا نام ہے جو خیبر کے نزدیک ہے۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خیبر کے حوالی میں تشریف لائے تو محیصہؓ بن مسعود حارثی کو جو یصہؓ بن مسعود حارثی کے بھائی ہیں فدک میں بھیجا تاکہ وہاں کے رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اور خبر دیدیں کہ خدا کے نبی تم سے جنگ کرنے تشریف لائیں گے جس طرح کہ خیبر والوں سے جنگ کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں۔ فدک کے لوگوں نے کہا خیبر والوں کے پاس دس ہزار جنگجو ہیں ہمیں گمان نہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ان کے سامنے ٹھیر سکیں محیصہؓ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ صلح صفائی کی طرف نہیں آتے تو لوٹ آئے اور حضورؐ کی خدمت میں سارا حال عرض کر دیا۔ اس کے بعد ان کے سرداروں کی ایک جماعت فدک کے کچھ یہودیوں کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں آئی تاکہ صلح کا معاملہ پختہ کرلیں۔ بحث وتحیص اور گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ آدھی زمین فدک کی حضورؐ کو دیدیں اور آدھی زمین اپنے لئے رکھ لیں، یہ سلسلہ حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، کی خلافت تک رہا۔ اس وقت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظمؓ نے ان کو زمین فدک سے نکال دیا اور شام کی طرف بھیجدیا اور وہ آدھی زمین جو ان کے پاس تھی اسے پچاس ہزار درہم بیت المال سے خرید لیا۔ فدک کا ذکر اور اس کے اموال کا حال انشاء اللہ اپنی جگہ آئے گا۔

اسی طرح اہل خیبر کو خیبر سے نکالا۔ یہودو نے کہا "اے عمرؓ! کیا وجہ ہے جس چیز کو ابو القاسم (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مقرر فرمایا تم اس کے خلاف کرتے ہو۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا "جان لو میں اس دن موجود نہ تھا اور نہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تم سے فرمایا جب تک ہماری مرضی رہی تم اس پر قایم رہے اب ہم نہیں چاہتے ہماری مرضی نہیں ہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت فاروق اعظم کھڑے ہوگئے اور اپنا مصمم اور پختہ ارادہ فرمایا کہ ان یہودیوں کو نکال کے رہیں گے۔ پھر بنی الحقیق کے ایک شخص نے آکر کہا "اے امیر المومنین ہمیں نکالتے ہو حالانکہ ابو القاسم (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں مقرر فرمایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "کیا تیرا گمان ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قول کو بھلا دوں گا جو تجھ سے کہا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جبکہ تو نکالا جائے گا اور راتوں رات اونٹ دوڑیں گے مطلب یہ کہ تم لوگ کئی راتوں میں یہاں سے نکلو گے اس یہودی نے کہا یہ بات تو ابو القاسم (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بطریق ہزل ومزاح فرمائی تھی نہ کہ بر سبیل جد وجزم۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "او دشمن خدا! تو جھوٹ بکتا ہے"۔ اس کے بعد ان کو جلاوطن کر دیا اور ان کے اموال کی قیمت دیدی جو بھی

کچھ ان کا ساز و سامان، اونٹ وغیرہ تھے حتیٰ کہ رسیوں اور پالان وغیرہ کی بھی قیمت دیدی۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس ہوئے تو وادی القریٰ کی جانب توجہ فرمائی۔ اور منزل صہبا میں قیام فرمایا اور وہیں سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف ہوا اور اسی منزل میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے ردِ شمس واقع ہوا۔ (جیسا کہ گزر چکا ہے)

## غزوۂ وادی القریٰ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب وادی القریٰ میں نزول فرمایا تو ان لوگوں کا چار دن تک محاصرہ فرمایا وہ بھی جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے اور قتال کے لئے نکل آئے حضورؐ نے بھی قتال کے لئے صف بندی فرمائی اور کسی صحابی کو علم مرحمت فرمایا (ارباب سیر کا علمبردار کے نام میں اختلاف ہے) اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے جان و مال محفوظ و مصئون رہیں گے۔ اور تمہارا احساب حق تعالیٰ پر ہوگا۔ انہوں نے حضورؐ کی یہ نصیحت قبول نہ کی اور جنگ پر ہی مصر رہے اس دن شام تک جنگ جاری رہی یہودیوں کے دس آدمی جہنم رسید ہوئے دوسرے دن صبح کے وقت فتح واقع ہوئی۔ اور بکثرت اثاثہ اور بیشمار مال و متاع مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وادئ القریٰ کے یہودیوں پر احسان فرمایا اور ان کی آراضی اور ان کے باغات کو انہیں کے قبضہ میں رہنے دیا تاکہ وہ مزدوری پر کام کریں۔ وادی القریٰ کے یہودیوں کی خبر "تیما" کے یہودیوں کو پہنچی تو وہ ڈر گئے اور صلح کرکے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ اسی طرح بہت سے سرایا (چھوٹے چھوٹے لشکر) روانہ فرمائے۔ سریہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، سریہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ سریہ بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ۔ سریہ غالب بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کا میفعہ پر، سریہ غالب رضی اللہ عنہ بن عبداللہ مذکور بنی الملوح اور ان کا سریہ فلک پر یہ تمام سرایہ اسی سال واقع ہوئے۔

## عمرۃ القضاء

اسی سال عمرۃ القضاء جو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا واقع ہوا۔ اس کا وقوع ماہ ذی القعدہ ۷ھ ہجری میں ہوا تھا۔ اس کو "عمرۃ القضا" سے موسوم کرنا شوافع کے نزدیک اس بنا پر بتاتے ہیں کہ قضا بمعنی صلح ہے یعنی وہ عمرہ جو صلح حدیبیہ میں طے پایا تھا کہ سال آئندہ آئیں اور عمرہ ادا کریں، اسی بنا پر اس کا نام "عمرۃ الصلح" و "عمرۃ القضا" اور "عمرۃ القضیہ" بھی واقع ہوا ہے۔ اور احناف کے نزدیک یہ نام اس بنا پر ہے کہ یہ قضائے عمرہ ہے۔ جو کہ روکنے اور راہ بند کرنے کی وجہ سے حدیبیہ میں فوت ہوگیا تھا۔ اس اختلاف کا مبنیٰ یہ ہے کہ کسی نے عمرہ کا احرام باندھا اور اسے بیت اللہ سے روک دیا گیا اس کے قضا کے وجوب میں اختلاف ہے۔ مذہب امام شافعی رحمہ اللہ یہ ہے کہ اس پر ہدی یعنی دم واجب ہے۔ عمرہ کی قضا اس پر واجب نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب اس کے برعکس ہے۔ یعنی قضا واجب ہے اور دم واجب نہیں۔ امام شافعی کی حجت یہ آیۂ کریمہ

یہ ہے کہ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ (پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو ہدی میں سے جو میسر ہو) امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ شروع کرنے سے عمرہ لازم ہو گیا پھر جب اسے روک دیا گیا تو ادا نہیں ہوا، مانع اور رکاوٹ ختم ہو جانے کے بعد قضا لازم ہے۔ شوافع کہتے ہیں کہ حدیبیہ کا عمرہ فاسد نہ ہوا تھا بلکہ پورا ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے عُمرے کی تعداد چار شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ حدیبیہ کا عمرہ بھی گنا گیا اور اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔ یہ بات اس میں داخل ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا اجر حصول کی بنا پر ثابت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عمرہ وجود میں نہیں آیا اور طواف وسعی واقع نہیں ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ غزوۂ خیبر سے واپسی اور اس مہم کو مکمل فرمانے کے بعد اور مدینہ طیبہ کے اطراف واکناف میں سرایا بھیجنے کے بعد ہجرت کے ساتویں سال ابتدائے ماہِ ذیقعدہ میں "عمرۃ القضا" کی تیاری میں مشغول ہوئے اور حکم فرمایا کہ جو صحابہ حدیبیہ میں موجود تھے وہ اس سفر میں موافقت کریں اور پیچھے نہ رہیں۔ ان کے ماسوا بھی جو چاہے شریک ہو جائے اس کے بعد ان میں سے جو حضرات بقید حیات تھے تیاری شروع کر دی اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے کچھ اور حضرات بھی جو بیعتہ رضوان میں حاضر نہ تھے وہ بھی ہمراہ ہو گئے اور حضورؐ کی رکاب سعادت میں چل دیئے۔ حضورؐ نے ابو رہم غفاری کو مدینہ میں خلیفہ بنایا اور حضورؐ دو ہزار صحابہ اور سو گھوڑے اَصیل اور ساٹھ ہدی (ایک روایت میں ہے اسّی اونٹ اور جنگی اسلحہ یعنی خود، زرہیں، نیزے وغیرہ ساتھ لے کر باہر نکلے جب ذو الحلیفہ میں پہنچے تو گھوڑوں کو محمد بن مسلمہ رضی کے سپرد فرمایا اور اسلحہ بشر بن سعد کو دیا اور احرام باندھا تلبیہ کہا مسلمانوں نے بھی حضورؐ کے ساتھ احرام باندھے اور تلبیہ کہی۔ گھوڑوں اور اسلحہ کو آگے بھیج دیا۔ جب مرالظہران پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے وہاں قریش کی جماعت ملی۔ محمد بن مسلمہ رضی سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں انہوں نے پوچھا کہ "کہاں ہیں؟" فرمایا کل تک تشریف لے آئیں گے اور اسی منزل میں قیام فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔ اس کے بعد حضورؐ بھی تشریف لے آئے اور بطن ماجح کے قریب نزول فرمایا۔ پھر جب قریش نے حضورؐ کی تشریف آوری کو سنا اور اسلحہ اور گھوڑوں کو دیکھا تو پوچھنے لگے یہ کیا ہے۔ کیا حضورؐ جنگ کے ارادے سے آئے ہیں اور صلح کو توڑتے ہیں؟ فرمایا صلح اپنی جگہ قایم ہے۔ یہ بطور احتیاط ساتھ لیا ہے۔ اس سے کفار کو اطمینان ہو گیا۔ پھر حضورؐ نے اس مقام میں اوس بن خولی انصاری رضی کو ــــ دو سو صحابہ کے ساتھ چھوڑا اور مکہ مکرمہ کے ارادہ سے تشریف لے چلے اور اپنی سواری قصواء پر سوار ہوئے مسلمانوں نے اپنی شمشیریں نیام میں کر کے حمائل کیں۔ رسول خدا اور تمام مسلمان تلبیہ پڑھتے ہوئے چل دیئے۔ قریش

ان خبروں کو سننے کے لئے پہاڑوں پر اور حضورؐ کے گردوپیش چل رہے تھے۔ اور حضورؐ مع "ہدایا" کے ذی طویٰ میں داخل ہوئے۔ اور کوکبۂ رسالت نے ثنیہ سے حجون پر طلوع فرمایا۔ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جو مخلصین صحابہ اور شعراء اسلام میں سے تھے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ رجز پڑھتے جا رہے تھے "خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهٖ" اے کافروں کی اولاد! حضورؐ کا راستہ چھوڑ دو اور ایک طرف ہو جاؤ، اَلْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلٰى تَنْزِيلِهٖ آج کے دن ہم تم کو ان کے قرآن پر ماریں گے" ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهٖ اور ایسی مار لگائیں گے کہ سر کے بل گرا دیں گے وَ يُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهٖ اور بھول جاؤ گے اپنے دوست کی دوستی" بعض روایتوں میں اتنا زیادہ آیا ہے کہ قَدْ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ فِي تَنْزِيلِهٖ فِي صُحُفٍ تُتْلٰى عَلٰى رَسُولِهٖ بِاَنَّ خَيْرَ الْقَتْلِ۔ فِي سَبِيلِهٖ بلاشبہ رحمٰن نے اپنے قرآن میں اور دیگر صحیفوں میں جو اس کے رسول تلاوت کرتے ہیں، اس میں نازل فرمایا ہے کہ خدا کی راہ میں قتل کرنا بہترین عمل ہے"۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اے ابن رواحہؓ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، شعر پڑھتے ہو؟" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عمرؓ! ان سے کچھ نہ کہو اور شعر گوئی سے نہ روکو بلاشبہ ان کے اشعار تیر تر جاتے ہیں اور کفار کے دلوں میں تیروں کی مانند چبھتے ہیں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلبیہ پڑھتے ہوئے کعبہ معظمہ تک تشریف لائے یہاں تک کہ حجر اسود کا استیلام فرمایا اور آپ کا استیلام فرمانا اس عصائے مبارک سے تھا جو سر کج کی لکڑی کا آپ کے دستِ مبارک میں اکثر رہا کرتا تھا جو چوگان کی مانند تھا جسے محجن کہتے ہیں۔ اور اپنی سواری پر سوار طواف فرمایا اور آپ اصطباغ کئے ہوئے تھے۔ اور اصطباغ میں حضورؐ اپنی چادر شریف کے کپڑے کو داہنے بغل شریف کے نیچے اور بائیں شانہ پر ڈالے ہوئے تھے۔ صحابہ نے بھی ایسا ہی کر رکھا تھا۔ اور جب مشرکوں نے طعنہ مارا کہ یثرب کے بخار اور وہاں کی متعفن ہوا نے صحابہ کو سست و کمزور بنا دیا ہے تو حضورؐ نے صحابہ کو فرمایا کہ قوت و شوکت کا مظاہرہ کر کے مشرکوں کو دکھائیں اور پہلے تین پھیروں میں رمل کریں یعنی اکڑ کر تیز قدم رکھیں۔ اور آخر کے چار پھیرے اپنے حال پر کریں رمل اس طرح دوڑ کر اور اکڑ کر چلنے کو کہتے ہیں جیسے پہلوان چلتے ہیں۔ اور تمام پھیروں میں رمل کا حکم نہ فرمایا اور یہ صحابہ پر شفقت و مہربانی فرمانے کی بنا پر ہے۔ اور فرمایا پہلے تین پھیروں میں بھی رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان آہستہ چلیں۔ اس لئے کہ مشرکین تم کو نہ دیکھ سکیں گے کیوں کہ مشرکین قعیقعان کے پہاڑ پر تھے جو رکن شامی اور رکن عراقی کے مقابل تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اس رجز کے اشعار حضورؐ کے طواف کے وقت پڑھتے جاتے تھے۔ حضورؐ نے

ان سے فرمایا کہ اس ذکر کو بھی پڑھو "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ نَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے اپنے بندے سے نصرت کا وعدہ فرمایا اور ان کے لشکر کو عزت دی۔ اور ایک ایک ہو کر احزاب یعنی قبائل بھاگے"۔ حضرت ابن رواحہ رضی نے یہ ذکر شروع فرمایا تو تمام صحابہ بھی ان کے ساتھ ہم آواز ہو کر پڑھنے لگے۔ طواف کے بعد مسجد سے باہر تشریف لائے اور اسی سواری پر صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔ اور حکم فرمایا کہ ہدی کو مروہ کے قریب لایا جائے یہ منحر ہے اور مکہ مکرمہ کے تمام کوچے منحر یعنی قربان گاہ ہیں۔ اور ان میں نحر و قربان جائز ہے۔ پھر حضورؐ نے مروہ کے پاس قربانی دی اور حلق فرمایا یعنی سر مبارک کے بال منڈوائیے۔ اور صحابہ نے بھی ایسا ہی کیا صحابہ کی ایک جماعت کو بطن ماجج بھیجا کہ وہ ان کے ہتھیاروں کی محافظت کریں اور ان کے پاس رہیں اور جو صحابہ وہاں ہیں آکر اپنے نسک ادا کریں۔ اور حضورؐ کا خانہ کعبہ کے اندر داخل ہونے کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ ظہر کی نماز آپ نے وہاں پڑھی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ "عمرۃ القضاء" میں حضورؐ خانہ کعبہ میں داخل نہ ہوئے اور قریش نے اندر داخلہ سے باز رکھا کیوں کہ صلح میں اس کا ذکر نہ تھا۔ واقدی نے اس روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے حکم فرمایا کہ خانہ کعبہ کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دیں اور یہ بھی ایک ہی مرتبہ حکم تھا۔ اس کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب سے فرمایا کہ میمونہ رضی بنت حارث کو حضورؐ کا پیام عقد پہنچائیں۔ میمونہ رضی نے اپنا معاملہ حضرت عباس رضی بن عبد المطلب کو سونپ دیا کیوں کہ ان کی بہن ام الفضل رضی حضرت عباس رضی کے گھر تھیں۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی نے ان کا عقد حضورؐ کے ساتھ کر دیا۔ حضورؐ احرام میں تھے بعض کہتے ہیں کہ احرام سے باہر آگئے تھے۔ اس میں اختلاف ہے یہ مبحث اصول فقہ میں مقرر و مذکور ہو چکا ہے۔ اگر ازواج مطہرات کے ذکر میں اس قصہ کے ذکر کا موقعہ آیا تو انشاء اللہ تعالیٰ بیان کر دیا جائے گا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تین دن مکہ مکرمہ میں رہے جب چوتھا روز ہوا تو قریش نے کسی کو حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، کے پاس بھیجا کہ وہ حضورؐ سے عرض کریں کہ مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لیجائیں حضرت علی رضی نے عرض کیا کہ قریش ایسا کہتے ہیں فرمایا ہاں ایسا ہی کرتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے کسی کو قریش کے پاس بھیجا کہ ان سے کہو کہ اتنی مہلت دیدو کہ سیدہ میمونہ رضی کا ولیمہ میں اس جگہ کر لوں اور تمہارے لئے کھانا تیار کر لوں"۔ کفار قریش نے کہا "ہمیں تمہارے کھانے کی ضرورت نہیں ہے ہماری زمین سے باہر چلے جاؤ"۔ چہ خوب! زمین خدا کی ہے۔ اگر ہے تو اس کے نائب و خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے کل کو پتہ چل جائے گا کہ یہ زمین ان کی کیسے ہے اور کس کے قبضہ میں آئی ہے۔ حضرت

سعدؓ بن عبادہ مجلس شریف میں حاضر تھے جب مبالغہ اور درشت خوئی ان بدبختوں کی حد سے بڑھی تو برداشت نہ کرسکے اور فرمانے لگے ہم اس وقت تک یہاں سے نہیں جائیں گے جب تک کہ ہماری مرضی نہ ہو۔ حضورؐ نے تبسم فرمایا اور حضرت سعدؓ کی تسلی و تسکین فرمائی اور حکم دیا کہ اعلان کردو کہ صحابہ میں سے کوئی شخص رات مکہ میں نہ گزارے اور اپنے غلام ابو رافعؓ سے فرمایا کہ سیدہ میمونہ کو ہمارے بعد لے آنا اور خود مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے آئے اور جو عہد و پیمان فرمایا اس پر صبر و تحمل سے کام لیا اور ذرہ بھر خلاف ورزی نہیں فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے تشریف لے جارہے تھے تو حضورؐ کے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عمارہؓ (انہیں کی نسبت سے حضرت حمزہؓ کی کنیت ابو عمارہ تھی) وہ اپنی والدہ سلمیٰؓ بنت عمیس کے ساتھ مکہ میں رہتی تھیں حضورؐ کے پیچھے پیچھے یاعم، یاعم، کہتی ہوئی آئیں انہوں نے حضورؐ کو عم یعنی چچا اس بنا پر پکارا کہ یہ عرب کی عادت ہے۔ یا اس بنا پر کہ حضرت حمزہ، حضورؐ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔ تو حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان کو جالیا اور عرض کیا "یارسول اللہ! اپنے چچا کی بیٹی کو مشرکوں کے درمیان کیوں بے باپ (یتیم) چھوڑتے ہیں۔ میں ان کو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ اس کے بعد علی مرتضیٰؓ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء سے کہا کہ "اپنے چچا کی بیٹی سے کہو کہ وہ ہودج میں آجائے"۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو ان تینوں کے درمیان جھگڑا ہوا، حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا "میں لایا ہوں میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے فرمایا میرے چچا کی بیٹی ہے اور ان کی خالہ اسماءؓ بنت عمیس میری زوجیت میں ہیں۔ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ نے فرمایا "میرے بھائی کی بیٹی ہے اور ان کے اور حضرت حمزہؓ کے درمیان مواخاۃ تھی اور یہ حضورؐ نے مہاجرین و انصار کے درمیان نسبت مواخات قایم فرمائی تھی۔ بعض رضاعی اخوت بھی بتاتے ہیں۔ اس پر حضورؐ نے حضرت جعفرؓ کے حق میں فیصلہ فرمایا اور فرمایا اَلْخَالَۃُ بِمَنْزِلَۃِ الْاُمِّ "خالہ، ماں کے قایم مقام ہے۔ ظاہر حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا مکہ مکرمہ میں واقع ہوا ہوگا۔ (واللہ علم) اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا۔ میں انہیں لایا ہوں اور مکہ مکرمہ سے لانے کا سبب میں بنا ہوں اور فاطمہؓ بنت رسول اللہؐ میرے گھر میں ہیں وہ ان کی پرورش کی زیادہ حقدار ہیں، اس پر حضورؐ نے خالہ کے لئے حکم فرمایا اور حضورؐ کے حکم فرمانے کے بعد ان کی دلجمی اور تسکین خاطر فرمائی۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰؓ سے فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے۔ اور حضرت جعفر سے فرمایا اَشْبَہْتَ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ "تم میرے اخلاق و صفت میں مشابہ ہو"۔ اور حضرت زید سے فرمایا اَنْتَ مَوْلَانَا وَاَخُوْنَا

تم دین میں میرے بھائی اور ہمارے محب و محبوب ہو۔ نیز حضرت جعفر بن ابی طالب سے فرمایا تم ان کی نگہداشت اور پرورش کے زیادہ حقدار ہو اس لئے کہ ان کی خالہ تمہارے گھر میں ہیں۔ اور خالہ بمنزلہٗ ماں کے ہے" اور فرمایا اپنی پھپھی اور خالہ پر عورت نکاح نہیں کی جاتی۔ اس کے بعد حضرت جعفر ان عنایتوں سے جو حضورؐ نے ان پر فرمائی تھیں بہت خوش ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر حضرت جعفر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف ایک پاؤں سے گھومنے لگے۔ حضورؐ نے ان سے دریافت فرمایا "یہ کیا ہے؟" انہوں نے عرض کیا کہ "میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں اور نجاشی بھی جب کسی کو اپنی کسی بات سے خوش کرتا ہے تو وہ شخص اس کے گرد ایک پاؤں سے چکّر لگاتا ہے۔ نیز ارباب سیر نقل کرتے ہیں کہ جب زید سے فرمایا اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا۔ تو زیدؓ نے تجل کیا یعنی فرح و سرور سے رقص کرنے لگے۔ تجل ایک پاؤں اٹھا کر دوسرا پاؤں رکھنے کو کہتے ہیں۔ صراح میں ہے کہ تجل اور تجلان کے معنی پرند کی مانند کود کر چلنے اور چھپانے کے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خالہ، ماں کا حکم رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس میں حضانت یعنی حق پرورش کا خاص حکم ہے۔ اور بعض اس قصہ سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ حق حضانت میں خالہ، عمہ پر مقدم ہے۔ اس لئے کہ صفیہ بنت عبدالمطلب اس زمانہ میں موجود تھیں۔ نیز یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ حضانت میں ماں کے اقارب باپ کے اقارب پر مقدم ہیں (کذا فی المواہب) مروی ہے کہ حضورؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عمارہؓ کا عقد سلمہ بن ابی سلمہ کے ساتھ جو کہ حضورؐ کے ربیب تھے کر دیا (ربیب اسے کہتے ہیں کہ جو بیوی کے ساتھ بچہ اس کے پہلے شوہر سے آئے) صحابہ نے حضورؐ سے عرض کیا "آپ نے اپنی زوجیت میں کیوں نہ لیلیا کیوں کہ وہ آپؐ کے چچا کی بیٹی ہیں۔ فرمایا "میرے رضاعی بھائی حمزہؓ کی بیٹی ہے"۔

بظاہر اس قصہ میں ایک اشکال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ قریش نے حضرت عمارہؓ کو کیوں چھوڑ دیا حالانکہ صلح نامہ میں مندرج تھا کہ جو کوئی ہمارے پاس سے نکل کر آپ کی طرف جائے۔ تو آپ کو اسے واپس کرنا ہوگا لہٰذا حضرت عمارہؓ کو کس لئے کفار کی طرف واپس نہ کیا گیا؟ مواہب میں جواب دیتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اس کو طلب نہیں کیا تھا گویا شرط یہ تھی کہ اگر وہ مطالبہ کریں تو واپس کر دیں گے۔ اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ عمارہؓ بچی تھیں۔ اور ان کی جانب سے دارالاسلام میں داخل ہونے کے لئے نکلنا صادر نہیں ہوا۔ نیز جواب دیتے ہیں کہ یہ شرط مردوں کے لئے تھی عورتوں کے بارے میں نہ تھی۔ اور اگر عام تھی تو عورتوں کے بارے میں حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے منسوخ ہو گیا۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ

اِلَى الْكُفَّارِ - اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کرنے والی آئیں تو تم ان کا امتحان کرو۔ اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جاننے والا ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کا مومن ہونا معلوم ہو جائے تو ان کو کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ۔"

اس جگہ پر روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں اس سال میں عمرۃ القضا کے بعد دو داستانیں بیان کی ہیں۔ اگرچہ ان کا ذکر بادشاہوں کے خطوط اور وفود کے بھیجنے کے باب میں چھٹے سال میں لکھنا زیادہ مناسب تھا لیکن چونکہ رعایت منظور و معتبر تھی اس لئے دونوں قصوں کو سال ہفتم میں انہوں نے لکھا ہے۔ پہلا قصہ جبلہ بن ایہم غسانی کے نام خط بھیجنے کا ہے یہ شخص حارث بن ابی شمر غسانی کے بعد غسان کا بادشاہ ہوا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا گرامی نامہ جبلہ بن ایہم کو پہنچا اور دعوت اسلام ملی تو وہ مسلمان ہو گیا اور تحائف حضورؐ کی خدمت میں بھیجے اور دین اسلام پر برقرار رہا۔ یہاں تک کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک مرتبہ حج کو آیا اور طواف میں مشغول تھا کہ اچانک ایک فرازی کا پاؤں اس کی ازار پر پڑ گیا جس سے اس کا تہ بند کھل گیا۔ اس پر جبلہ نے فرازی کے منہ پر طمانچہ مارا جس سے اس کی ناک پھٹ گئی۔ فرازی حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور دعویٰ کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جبلہ کو قصاص دینے کا حکم فرمایا یا کسی طرح اس فرازی کو اپنے حق سے دستبردار ہونے پر راضی کرنے کا حکم فرمایا۔ جبلہ نے کہا "آپ مجھے اس کا قصاص ادا کرنے کا حکم فرماتے ہیں حالانکہ میں بادشاہوں اور یہ بازاری شخص ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ "اسلام نے اس کے اور تمہارے درمیان برابری قایم فرمائی ہے اور تم کو اس پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقوے کے"۔ اس پر جبلہ نے کہا "میں اس دین سے برگشتہ ہوتا ہوں۔ اور دین نصرانی میں داخل ہوتا ہوں"۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "اگر ایسا کرو گے تو تمہاری گردن ماردی جائے گی"۔ جبلہ نے کہا "آج کی رات مجھے مہلت دیجئے تاکہ میں اپنے معاملہ میں سوچ لوں"۔ جب رات آئی تو وہ بھاگ گیا اور روم چلا گیا اور نصرانی بن گیا۔ اور وہ ارتداد پر ہی نعوذ باللہ من ذالک مرا۔

بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ پھر دوبارہ اسلام میں لوٹ آیا تھا اور اسلام پر ہی وہ دنیا سے گیا اور سابقہ حرکت پر وہ پشیمان ہو گیا تھا۔ اس کے کئی شعر منقول ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ وہ کہتا ہے۔ میں دین اسلام کے بعد نصرانی ہوا اس طمانچہ کے عار سے جس کا قصاص لیا جاتا ہے۔ حالانکہ قصاص دینے میں کوئی ضرر و نقصان نہ تھا۔ کاش! کہ میری ماں مجھے نہ جنتی۔ کاش کہ میں ربیعہ اور مضر کے ہاتھ میں قید ہوتا۔ کاش کہ میں شام کا ادنیٰ آدمی ہوتا جو اندھا بہرا بن کر قوم کے ساتھ بیٹھتا۔ کاش کہ میں چراگاہوں میں

اونٹ چراتا۔ اور میں اس کا انکار نہ کرتا جو حضرت عمرؓ نے حکم دیا۔" (واللہ اعلم)

دوسری داستان فروہ بن عمرو حذامی کے اسلام کی ہے جو شاہِ روم کی جانب سے سرزمین بلقاء میں عمان پر حاکم تھا۔ اس نے حضورؐ کو ایک خط لکھا اور ایک سفید اونٹ جسے فضہ کہتے تھے اور ایک گھوڑا، ایک گدھا چند ریشمی کپڑے، قبائے سندس اور سونا بطور تحفہ بھیجا۔ اور لکھا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور حق تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا اقرار کرتا ہوں۔ اور میں جانتا ہوں کہ آپ وہی رسول مکرم ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی ہے۔ حضورؐ نے اس کے قاصد کا جس کا نام مسعود بن سعد تھا اعزاز فرمایا اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ گھر لے جاکر مہمانداری کرو۔ اور اس کے تحفوں کو قبول فرمایا۔ ریشمی کپڑوں کو ازواج مطہرات میں تقسیم فرمایا اور سفید اونٹ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو عنایت فرمایا اور قبا مخرمہؓ بن نوفل کو مرحمت فرمائی۔ گھوڑا اور گدھا اسیدؓ ساعدی کے سپرد فرمایا تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال کریں۔ اور خط کا جواب اس مضمون کا لکھوایا "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، محمد رسول اللہ کی جانب سے فروہ بن عمرو کے نام۔ امابعد تمہارا قاصد ہمارے پاس پہنچا اور جو تحفے تم نے بھیجے ہیں وصول ہوئے۔ تم نے اپنے اسلام کو مجھ پر ظاہر کیا۔ اگر تم نے نیکی کی، خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی، نماز پڑھی مال کی زکوٰۃ دی تو حق تعالیٰ تمہیں راہِ راست پر رکھے گا۔" حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ پانچسو درہم مسعود بن سعد کو دیدو۔ اور اسے لوٹا دو۔"

منقول ہے کہ بادشاہِ روم کو جب فروہ کے اسلام کی خبر پہنچی تو اسے اپنے سامنے طلب کیا۔ اس نے کہا اپنے دین سے لوٹ جا تاکہ حکومت تیرے ہاتھ میں رہے اس نے کہا "میں کیسے لوٹوں جبکہ میں یقین سے جانتا ہوں کہ یہ وہی نبی برحق ہیں جن کی تشریف آوری کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے۔ اور یہ تو بھی خوب جانتا ہے لیکن تو اپنی بادشاہت پر مغرور ہے۔" اس پر بادشاہِ روم نے عرصہ دراز تک اسے قید میں رکھا اس کے بعد اسے قید خانہ سے نکال کر — سولی پر چڑھا دیا۔ اگر یہ بادشاہِ روم وہی ہرقل ہے تو اس پر افسوس ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنی نصرانیت پر قایم تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ اور اس کے بارے میں اختلاف اور ایمان کی گنجائش نہیں رہتی۔ نعوذ باللہ مِنْ شَرِّ الدُّنْيَا وَشَرِّ الْفِتَنِ وَشَرِّ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ یہ وہ واقعات ہیں جو روضۃ الاحباب سالِ ہفتم میں بیان کئے گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ واقدی کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جبلہ اور فروہ کی طرف مکتوب گرامی بھیجنے کی تاریخ معلوم نہیں ہے۔ چونکہ بعض اکابر اہل سیر نے ان دونوں واقعات کو سالِ ہفتم کے دوران ذکر کیا ہے اس لئے ہم نے بھی اس کتاب میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ لیکن

گمان غالب یہ ہے کہ سال ہشتم میں یا اس کے بعد یہ واقع ہوا ہوگا کیوں کہ کہتے ہیں کہ اس کی حکومت حارث بن ابی شمر غسانی کے بعد ہے اور اس نے سال ہشتم میں وفات پائی تھی (انتہی واللہ اعلم)

# ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات

آٹھویں سال کے شروع ماہ صفر میں بقول جمہور اہل سیر خالدؓ بن ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی، عمروؓ بن العاص بن وائل قرشی سہمی، اور عثمانؓ بن طلحہ عبدری حجمی جس کے قبضہ میں خانہ کعبہ کی کنجی تھی مسلمان ہوئے۔ اور بعض اہل سیر کے نزدیک ان کا اسلام ساتویں سال کے آخر میں واقع ہوا۔ اور بعض پانچویں سال بھی کہتے ہیں۔ لیکن خالدؓ بن ولید جو کہ اپنی زندگی میں قریش کی طرف سے جنگیں کرتے رہے اور بیگانگی وعناد پر قایم رہے لیکن ان کے جوہر ذاتی میں چونکہ وہ چیز موجود تھی جس سے ان کے ایمان و اسلام کی توقع تھی اور ان کے بشری حجابات اور نفسانی مکائد کا اٹھنا ایک وقت پر موقوف تھا حضرت خالدؓ خود بیان کرتے ہیں کہ جب ارادۂ ازل اس سے وابستہ ہوا کہ میں مسلمان ہو جاؤں تو اسلام کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب ہمارے اور محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کے درمیان صلح حدیبیہ واقع ہوئی تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ قریش میں کوئی قوت وشوکت باقی نہیں رہی ہے اور میں نجاشی کے پاس بھی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ وہ حضورؐ کا تابع ہو چکا تھا۔ میں نے خیال کیا کہ ہرقل روم کے پاس جا کر نصرانی ہو جاؤں۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں اپنے شہروں ہی میں رہوں اور انتظار کروں کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔ اسی دوران جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضا کی ادائیگی کے لئے تشریف لائے تو میں باہر گیا ہوا تھا۔ اور میرے بھائی ولیدؓ بن ولید حضورؐ کے ہمراہ مکہ آئے انہوں نے مجھے بہت تلاش کیا مگر میں مل نہ سکا۔ تو انہوں نے ایک خط اس مضمون کا میرے پاس بھجوایا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمہیں یاد کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خالدؓ ان میں سے نہیں ہیں جس پر اسلام کی حقیقت ابھی تک پوشیدہ ہو۔ اگر وہ مسلمان ہو جائیں اور اپنی شجاعت کو دین اسلام کی تقویت میں صرف کریں تو یقیناً ان کے لئے بہتر ہوگا۔ اور ہم ان کو دوسروں پر فوقیت

دیں گے۔ تو اے بھائی آؤ اور اس دولت سے بہرہ یاب ہو بہت بھلائی تم سے فوت ہو چکی ہے۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس خط کو پڑھا تو اسلام کی رغبت و محبت مجھ پر غالب آگئی۔ اس کے بعد میں نے مدینہ طیبہ میں حاضری دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ پھر میں صفوان بن امیہ کے پاس گیا اور اس سے کہا "اے ابو وہب! تم نہیں دیکھتے کہ ہم ایک لقمہ سے زیادہ نہیں رہ گئے ہیں۔ اور دولتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دبدبہ عالم پر چھا چکا ہے ہماری دنیا و آخرت کی بھلائی اسی میں ہے کہ ہم ان کی خدمت میں جلد سے جلد حاضر ہو کر ان کی بزرگی سے مشرف ہوں' صفوان نے میرے سینہ پہ ہاتھ مار کر شدت سے انکار کیا اور کہا کہ اگر قریش میں سے میرے سوا کوئی باقی نہ رہے تب بھی میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متابعت نہ کروں گا۔ اس کے بعد میں عکرمہ بن ابو جہل سے ملا۔ اور ان کو صراط مستقیم کی دعوت دی۔ انہوں نے بھی انکار میں سر ہلا دیا۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا یہی وقت وہاں حاضر ہونے کا ہے کیوں کہ اگر فتح مکہ مکرمہ وجود میں آگئی تو سب لاچار و مجبور ہو جائیں گے اور بھاگنے کی راہ نہ پائیں گے لامحالہ وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔ چنانچہ جب میں ان کی موافقت سے نا امید ہو گیا تو عثمانؓ بن ابی طلحہ کو دیکھا کیونکہ وہ میرے دوست تھے انہوں نے میری موافقت کی اور ان کے ہمراہ ہم مدینہ طیبہ کی طرف چل دیئے۔

جب میں موضع "ہدہ" میں پہنچا تو میں نے عمروؓ بن العاص کو دیکھا کہ وہ حبشہ سے آکر مدینہ طیبہ جانا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان ہو جائیں۔ اس کے بعد ہم سب مل کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب ہمارے آنے کی خبر ملی تو حضورؐ نے صحابہ سے فرمایا اب تو اپنے جگر گوشوں کو اللہ نے تمہاری طرف بھیجدیا ہے۔ یہ اس جماعت کے آنے کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ یہ لوگ اکابر و صنادید قریش میں سے تھے حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ جب میں مدینہ طیبہ آیا تو میں نے عمدہ کپڑے پہنے اور سید کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرف باریابی کے قصد سے چلا۔ راستہ میں میرا بھائی ولیدؓ مجھے ملا۔ انہوں نے کہا جلدی چلو حضورؐ کو تمہارے آنیکی خبر پہنچ گئی ہے۔ حضورؐ شادماں تمہارے حاضر ہونے کے انتظار میں تشریف فرما ہیں۔ جب میں مجلس ہمایوں میں حاضر ہوا اور دور سے حضورؐ نے مجھے ملاحظہ فرمایا تو تبسم فرمایا میں نے عرض کیا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ" خندہ پیشانی سے حضورؐ نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے عرض کیا "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ" فرمایا "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ہَدَاکَ اِلَی الْاِسْلَامِ" اس خدا کی حمد جس نے تمہیں اسلام کی ہدایت دی۔ اور فرمایا "اے خالدؓ! میں جانتا ہوں کہ تم عقل رکھتے ہو اور میں امید رکھتا تھا کہ تمہیں نیکی کی ہدایت ملے گی۔ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ میں نے نیکی کی راہوں میں حق کے ساتھ کیسی کچھ دشمنیاں کی ہیں۔ اب دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ انہیں معاف

فرما دے اور میرے ان گناہوں کو بخش دے۔ فرمایا اسلام سب کو مٹا دیتا ہے اور تمام گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔ اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہمیشہ دین خدا کی تائید و تقویت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بھی اور بعد وفات بھی مساعی جمیلہ انجام دیتے رہے۔ اور مسیلمہ، کذاب اور دیگر مرتدوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں کارہائے نمایاں سر انجام دیئے۔ حضرت خالدؓ زمانہ جاہلیت میں بھی رؤسا قریش اور ان کے اکابر میں سے تھے۔ اور ان کی والدہ لبابہؓ بنت حارث جو کہ سیدہ میمونہؓ بنت حارث زوجہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بہن تھیں۔ اور انہوں نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں ۲۱ھ یا ۲۲ھ ہجری میں وفات پائی۔

حضرت عمروؓ بن العاص کا واقعہ انہیں سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ جب میں جنگ احزاب سے لوٹا تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میرا خیال ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ترقی میں ہیں اور روز بروز بلند ہوتے جا رہے ہیں میں مناسب یہ سمجھتا ہوں کہ میں نجاشی کے پاس جاؤں۔ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری قوم پر غالب آگئے تو ہم نجاشی کے ملک میں رہ جائیں گے اور اگر ہماری قوم غالب آئی تو ہم اپنے وطن مالوف لوٹ آئیں گے۔ میرے تمام ساتھیوں نے میری رائے سے اتفاق کیا اور ان میں سے کچھ میرے رفیق سفر بھی بن گئے۔ اس کے بعد ہم نے سفر کی تیاری شروع کر دی اور نجاشی کے لئے کچھ تحفے لے کر حبشہ پہنچ گئے اور وہاں رہنے لگے یہاں تک کہ عمروؓ بن امیہ ضمری حضورؐ کے قاصد بن کر نجاشی کے پاس آئے۔ عمروؓ بن العاص فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نجاشی کے پاس گیا اور اس سے میں نے عمروؓ بن امیہ ضمری کو مانگا تاکہ انہیں میں قتل کر کے قریش کے سامنے سرخرو بنوں۔ نجاشی نے یہ بات سن کر اپنے گالوں کو توبہ کرنے کے انداز میں تھپتھپایا اور کہا کہ میں کیوں کر ایسی ہستی مقدس کے قاصد کو تمہارے حوالہ کر سکتا ہوں جس پر ناموس اکبر (جبریل علیہ السلام) اترتا ہے اور وہ خدا کا رسول برحق ہے۔ اے عمروؓ! میری بات غور سے سن! اور حضورؐ کی پیروی اختیار کر! اور جان لے کہ حضورؐ اپنے تمام مخالفوں پر غالب آئیں گے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب ہوئے تھے۔ اس پر میں نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اور اس کے پاس سے آنے کے بعد میں نے اپنے اسلام کو اپنے رفیقوں سے پوشیدہ رکھا اور میں مدینہ طیبہ کے ارادہ سے چل دیا۔ راستہ میں مجھے حضرت خالدؓ بن ولید ملے میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو انہوں نے فرمایا "خدا کی قسم صراط مستقیم ظاہر ہو چکی ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں میں جا رہا ہوں تاکہ مسلمان ہو جاؤں۔ میں نے کہا میں بھی اسی قصد سے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد ہم مدینہ طیبہ آئے اور حضورؐ کی بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوئے سب سے پہلے حضرت خالدؓ نے کلمہ توحید عرض کیا اس کے بعد میں حاضر ہوا

اور عرض کیا "یارسول اللہ! اپنا دست اقدس بڑھائیے تاکہ میں بیعت کروں۔ اس پر حضورؐ نے اپنا دستِ مبارک بڑھایا لیکن میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا "اے عمروؓ! کیا بات ہے۔؟ ہاتھ کیوں کھینچ لیا؟" میں نے عرض کیا" میں چاہتا ہوں کہ ایک شرط کرلوں"۔ فرمایا "کیا شرط کرتے ہو؟" عرض کیا" شرط یہ ہے کہ میرے گناہ بخشے جائیں"۔ فرمایا "اے عمروؓ! تمہیں معلوم نہیں کہ ایمان پچھلے تمام گناہوں کو معاف کردیتا ہے اور دارِ کفر سے ہجرت کرکے دارالاسلام آنا اور حج کرنا ہر ایک عمل پچھلے کئے ہوئے تمام گناہوں کو ناپید اور محو کردیتا ہے۔ لیکن عثمانؓ بن طلحہ کے اسلام لانے کے بارے میں کچھ مروی نہیں ہے۔ اتنا مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن حضورؐ نے ان سے خانۂ کعبہ کی چابی لے لی تھی۔ پھر جب حق تعالیٰ کا ارشاد اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو) نازل ہوا تو وہ چابی انہیں واپس فرمادی اور فرمایا "اے ابن طلحہ! لو، اس کو اب تم سے کوئی نہ لے سکے گا بجز ظلم وستم کے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ بن طلحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت تک مدینہ طیبہ میں رہے۔ اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی یہاں تک کہ ۴۲ھ میں وفات پائی۔

## سریہ غالب لیثی بسوئے کدید

اسی سال غالبؓ بن عبداللہ لیثی کو قبیلہ بنی الملوح پر (بضم میم و فتح لام وکسر واؤ مشددہ) بھیجا تاکہ موضع کدید (بروزن جدید) جائیں، جب رات ہوئی تو ان پر شب خون مارا اور ان کے اونٹوں کو گھیر کے لے چلے۔ اچانک ان کے عقب میں ایک جماعت نمودار ہوئی۔ جب خبر ہوئی تو دیکھا کہ وہ قریب آچکے ہیں یہاں تک کہ صرف ایک نالہ درمیان میں باقی تھا۔ اور وہ ان کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے پانی کی ایک رو بھیجی جس سے وہ نالہ بھر گیا اور کسی ایک میں بھی اس کے عبور کرنے کی ہمت نہ رہی، حالانکہ اس سے پہلے کوئی ابر وباراں نہ ہوا تھا، وہ سلامتی کے ساتھ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

## سریہ فدک

اسی سال انہی غالبؓ بن عبداللہ لیثی کو فدک بھیجا گیا تاکہ وہاں کے کفار کی سرکوبی کریں، مروی ہے کہ اس سریہ (لشکر) میں ایک شخص تھے جن کا نام اسامہؓ بن زید تھا انہوں نے ایک کافر کے تعاقب میں جس کا نام نہیک بن مرداس تھا گھوڑا دوڑایا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت اسامہؓ اس کے قریب پہنچے اور مارنے کے لئے تلوار اٹھائی تو وہ کہنے لگا۔ "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔ اسامہؓ نے اس کے ایمان لانے کو یاس و ناامیدی پر محمول کرکے معتبر نہ جانا اور تلوار کا وار کرکے اسے قتل کردیا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضورؐ کی بارگاہ میں حقیقت

حال بیان کی حضورؐ نے حضرت اسامہؓ پر بہت عتاب فرمایا اور فرمایا ھَلَّا شَقَقْتَ قَلْبَهٗ
کیا تم نے اس کا دل چیر کے دیکھ لیا تھا۔ صاحب کشاف کہتے ہیں کہ آیہ کریمہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا
اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَتَبَیَّنُوْا (اے ایمان والو جب تم زمین میں کسی کو قتل کرو تو خوب دیکھ
بھال لو) اسی قضیہ میں نازل ہوئی۔ اور بیضاوی میں مقدادؓ کے بارے میں بھی لکھا ہے وہ یہ کہ حضرت
مقداد ایک شخص کے پاس پہنچے جو بکریاں چرا رہا تھا انہوں نے چاہا کہ اسے قتل کر دیں۔ اس پر اس نے
کہا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اس کے باوجود حضرت مقدادؓ نے اسے قتل کر دیا اور فرمایا کہ وہ
اپنے مال اور اہل کو بچانا چاہتا تھا۔ غالب بن عبداللہ لیثی کے اس سریہ کو بعض اہل سیر نے ساتویں سال
میں منفعہ (بفتح میم) پر جو کہ بطنِ نخلہ کے قریب ہے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ گزرا۔ اور اسی سال بہت سے سرایا و
لشکر روانہ کئے گئے جس کا سلسلہ سریہ موتہ تک رہا۔

## سریہ موتہ

موتہ (بضم میم وسکون واو) یہ ایک موضع کا نام ہے جو بلقاء کے قریب بیت المقدس سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ اور اس کا ذکر ہرقل کے نام مکتوب گرامی بھیجنے کے ضمن میں
گزر چکا ہے۔ جملہ سرایا میں یہ سریہ بہت مشہور ہے کیوں کہ اس میں صعوبت، شدت اور سخت جنگ و
قتال واقع ہوا تھا۔ اس کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بصریٰ کے بادشاہ
کے نام ایک مکتوب گرامی لکھا اور حضرت حارثؓ بن عمیر ازدی کو دیا کہ وہ اس کے پاس لے جائیں حضرت
حارثؓ حضورؐ کے ارشاد کے بموجب روانہ ہوئے۔ جب موضع موتہ میں پہنچے تو شرجیل بن عمر غسانی، جو
قیصر کے امراء میں سے تھا ان کے مقابل آیا اس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو انہوں نے فرمایا شام جا رہا
ہوں" شرجیل نے کہا "گویا تم محمدؐ کے قاصد ہو" انہوں نے فرمایا "ہاں! میں رسول اللہؐ کا قاصد ہوں" اس
پر شرجیل نے حضرت حارثؓ کو شہید کر دیا۔ اس سے پہلے حضورؐ کے کسی قاصد کو کسی نے قتل نہیں کیا تھا اور
اس کے سوا کسی بادشاہ کے نزدیک قاصدوں کو قتل کرنے کی عادت نہ تھی اور تمام بادشاہوں کے نزدیک
قاصدوں کی امان امرِ مسلم تھی۔ ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کا ایلچی حضورؐ کی بارگاہ میں آیا باوجود اس کے کہ
اس نے بڑی گستاخیاں کیں اور کلمات کفر بکے مگر حضورؐ نے اسے قتل نہ کیا اور فرمایا "اگر تو ایلچی نہ ہوتا تو
میں تجھے قتل کر دیتا۔"

حضرت حارثؓ کی شہادت کی خبر جب سمع مبارک میں پہنچی تو بہت شاق گزرا صحابہ سے فرمایا
"دشمنوں کی سرکوبی کے لئے چلو" چنانچہ موضع "جرف" میں تقریباً تین ہزار صحابہ مجتمع ہو گئے۔ اس کے
بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا "میں حضرت زید بن حارثہؓ کو تمہارا امیر

مقرر کرتا ہوں۔ اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ امیر بنیں اگر جعفرؓ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ امیر مقرر ہوں اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمان جس کو چاہیں امیر بنالیں"۔ یہ فرمان اور یہ ترتیبِ امارت، یا تو وحی والہام الٰہی سے واقع ہوئی یا حق تعالیٰ نے زبان حق ترجمان پر ایسا ہی جاری فرمایا تھا اور ایسا ہی واقع ہوا جس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں سے فرمایا تھا۔ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَہُ الذِّئۡبُ - مجھے خوف ہے کہیں یوسف (علیہ السلام) کو بھیڑیا نہ کھالے۔" (واللہ علم)

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی حضورؐ کی مجلسِ مبارک میں موجود تھا اس نے کہا" اے ابوالقاسم! اگر آپ دعوئے نبوت میں صادق ہیں تو جن امیروں کے نام آپ نے لئے ہیں وہ سب ضرور قتل ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ انبیاء بنی اسرائیل علیہم السلام جب کسی لشکر کو کسی دشمن پر روانہ کرتے تو اگر سو شخصوں کو اس طریقہ پر امارت متعین کرتے تو وہ سب کے سب قتل ہو جاتے تھے۔" اس کے بعد وہ یہودی حضرت زیدؓ کے پاس گیا اور ان سے کہنے لگا" اے زیدؓ! میں تم سے شرط لگاتا ہوں کہ اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نبی ہیں تو تم اس سفر سے نہ لوٹو گے۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا" میں تجھے بتاتا ہوں کہ وہ راست گفتار نبی برحق ہیں، یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد ہدایت فرمانے اور لشکر کا نظم قایم رکھنے کے لئے تھا اور لفظ "اگر" جو کلمہ شکیہ ہے سے اظہار فرمانا تو یہ بربنائے احتیاط اور عدمِ اظہار جزم کے لئے تھا اور یہودی کی بات بکواس تھی اور یہ دلی خباثت اور باطنی عداوت کی بنا پر تھی جو یہودیوں میں عام تھی اور وہ اس طرح حضرت زیدؓ کے دل میں خوف و دہشت اور احتمال و اشتباہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

اربابِ سیر کہتے ہیں کہ جب حضورؐ نے حضرت زیدؓ کو امیر مقرر فرمایا تو حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے عرض کیا" یارسول اللہ! مجھے یہ توقع نہ تھی کہ حضورؐ مجھ پر حضرت زیدؓ کو امیر بنانے میں فوقیت دیں گے حضورؐ نے فرمایا" اے جعفرؓ! تم جاؤ اور رسولِ خدا کے حکم کی اطاعت کرو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہاری بھلائی کس میں ہے"۔ یہ واقعہ اس حالت کے مشابہ ہے جو دوسرے سال میں اسامہ بن زیدؓ کو جہاں ان کے والد ماجد شہید ہوئے تھے امیر مقرر کر کے بھیجا تھا تاکہ حضرت اسامہؓ اپنے والد زیدؓ کا کفار سے بدلہ و انتقام لے سکیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو حضرت اسامہؓ کے ہمراہ روانہ فرمایا تھا۔ اور لوگوں نے اس پر چہ میگوئیاں کرتے ہوئے کہا کہ یقیناً اس میں کوئی حکمت ہوگی کہ اکابر مہاجرین و انصار کو حضرت اسامہؓ کے تابع بنایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات دائمی ہے۔ اسامہؓ امارت کے مستحق ہیں، اور ان کے والد بھی اس کے سزاوار تھے

بالآخر وہ مہم حضرت اُسامہؓ سے سر ہوئی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے دن قریب آ گئے جیساکہ انشاء اللہ آگے آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ اس عنایت و محبت کا اثر تھا جو ان کے والد کو حاصل تھی کہ حضورؐ نے ان کو اپنا متبنیٰ یعنی لے پالک بیٹا بنایا تھا، یہاں تک کہ نازل ہوا کہ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ لے پالک بیٹوں کو یعنی متبنیٰ کو ان کے والد کے ناموں سے پکارو۔ اور حضورؐ نے زینبؓ بنت جحش کا جو کہ حضورؐ کی پھپھی کی صاحبزادی تھیں حضرت زیدؓ کے ساتھ عقد فرمایا اور حضرت زیدؓ کو متعدد سریوں (لشکروں) پر امیر مقرر فرمایا۔ اور وہ سابقین اولین مہاجرین میں سے تھے۔ اور ان حضرت اسامہؓ کے بارے میں اگر کوئی پوچھتا تو صحابہ "حِبِّ رسول اللہ" کہہ کر موسوم کرتے تھے۔ "حِب" کے معنی محبوب کے ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گویا اپنے دوش مبارک پر حضرت اسامہؓ اور حضرت حسنؓ ابن علی مرتضیٰ کو بٹھا کر فرمایا کرتے: "اے خدا میں ان دونوں سے محبت و شفقت کرتا ہوں تو تو بھی ان دونوں کو محبوب فرما۔ اور حضور فرماتے مَنْ اَحَبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَلْیُحِبَّ اُسَامَۃَ جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اُسامہؓ سے محبت رکھے۔ اور جب حضرت عمرؓ نے حضرت اسامہؓ کے وظیفہ کو اپنے فرزند حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے زیادہ مقرر فرمایا تو حضرت ابن عمرؓ نے اپنے والد سے کہا "آپ نے ان کا وظیفہ مجھ سے زیادہ کیوں مقرر فرمایا اور مجھ پر ان کو کیوں فضیلت دی حالانکہ کسی مشہد میں انہوں نے مجھ سے زیادہ سبقت نہیں کی حضرت فاروقؓ نے فرمایا" اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب تھے۔ گویا اس میں یہ اشارہ ہے کہ میں نے اپنے محبوب پر رسول خداؐ کے محبوب کو ترجیح دی ہے غرض کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عنایت حضرت زیدؓ و اسامہؓ پر اس مرتبہ میں تھی کہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم جیسے اکابر کو ان کے تابع بنا کر ان کے ہمراہ بھیجتے تھے۔ اور ان حضرات کو یہ حق پہنچتا ہے کہ کسی کو خاک سے اٹھا کر بلندی پر پہنچائیں جس طرح کہ حضرت آدم علیہ السلام کی برگزیدگی میں ہے کہ ان کو مسجودِ ملائک بنایا۔ اب اگر یہ تقرری وحی کے ذریعہ ہے تب بھی مجالِ سخن نہیں اور اگر اجتہاد سے ہے تب بھی حق و صواب ہوگا۔ یقیناً اس میں کوئی پسندیدہ غرض و مصلحت ہوگی۔ اسی بنا پر ہادی و مرشد طالبانِ اخلاق کی تہذیب اور انہضام نفس کے لئے مریدوں کی خواہشات نفسانی کو توڑتے ہیں۔ جیساکہ حضورؐ نے حضرت جعفرؓ سے اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایا کہ تم رسول خداؐ کے فرمان کی اطاعت کرو تم نہیں جانتے کہ تمہاری بھلائی کس میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (پھر جو حضورؐ نے فیصلہ اور حکم فرمایا تمہارے دلوں

میں کوئی تنگی واقع نہ ہو اور مکمل طور پر اسے تسلیم کرلو) تاکہ کوئی جہالت و کوتاہ نظری کے اقتضاء میں یہ گمان نہ کرے کہ یہ باب، طبیعت بشریہ کی مانند ہے۔ البتہ اس کے ذاتی جوہر میں نفس و طبیعت کا کچھ حصّہ باقی ہے لیکن اس قدر نہیں جتنا کہ دیگر افراد بشر میں ہوتا ہے کہ وہ برخلاف حق چل پڑتے ہیں۔

القصّہ حضورؐ نے سفید عَلَم تیار کر کے حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مرحمت فرمایا اور "ثنیۃ الوداع" تک ان کے ساتھ مشایعت فرمائی اور انہیں نصیحت کی کہ جب میدانِ جنگ میں اترو تو حارث بن عمر کو اور ان تمام لوگوں کو جو وہاں موجود ہوں اسلام کی دعوت دینا اگر قبول کرلیں تو فبہا ورنہ حق تعالیٰ سے نصرت و اعانت مانگنا۔ رخصت فرمایا۔ اور جب یہ لوگ چل دیئے تو مسلمانوں کے لئے دعا فرمائی اور مناجات کی کہ حق تعالیٰ تمہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ اور سالم و غانم تمہیں لوٹائے۔ اس پر ابن رواحہؓ نے عرض کیا لیکن میں خدائے رحیم و کریم سے مغفرت و شہادت کی خواہش رکھتا ہوں۔ حضرت زیدؓ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی حمایت و رعایت کے زیر سایہ رہتا تھا اور میں نے یتیموں کی پرورش میں ان جیسا کسی کو نہ دیکھا جب وہ موتہ کی جانب روانہ ہوئے تو میں بھی ردیف بن کر ان کی سواری پر قطع مسافت کر رہا تھا۔ اس سفر کی راتوں میں سے ایک رات انہوں نے کچھ اشعار کہے جن سے شہادت کی بو آرہی تھی اسے سن کر میں رونے لگا اس پر انہوں نے مجھے تسلّی و تسکین دیتے ہوئے فرمایا "اے فرزند! تمہارا کیا نقصان ہوگا اگر حق تعالےٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے۔ تاکہ میں مشارق و مغارب اور دنیاوی کدورات و حوادث سے نجات پاکر قرب حق تعالیٰ کے سایہ میں اور عالم قدس کی فضا میں راحت و چین حاصل کرلوں۔ اس کے بعد وہ اپنی سواری سے اترے اور نماز میں مشغول ہوگئے اور دعا و مناجات کرنے لگے۔ جب وہ اس سے فارغ ہوئے تو مجھ سے فرمایا "اے فرزند! غالباً حق تعالےٰ نے میری دعا قبول فرمالی اور وہ مجھے نعمت خوشگوار، شہادت سے بہرہ مند فرمائیگا۔"

جب حضرت زیدؓ بن حارثہ لشکر اسلام کے ساتھ موتہ کی جانب روانہ ہوئے اور دشمنوں کو پتہ چلا تو شرجیل نے بہت بڑا لشکر جمع کیا اور رہراول دستوں کو آگے روانہ کر دیا۔ مسلمانوں نے مقام "معان" میں پڑاؤ کیا۔ معان، ارضِ شام کی ایک جگہ کا نام ہے۔ وہاں مسلمانوں نے دشمنوں کی کثرت اور ان کے لشکر عظیم کی خبر سنی۔ شرجیل نے اپنے بھائی شدوس کو پچاس آدمیوں کے ساتھ آگے بھیجا تاکہ لشکر اسلام کی خبر لائے۔ اور مسلمانوں کی تحقیق کرے۔ مسلمانوں نے اس جماعت کو گھیر لیا اور جنگ کر کے شدوس کو قتل کر دیا۔ اس کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ شرجیل اس خبر کو سنتے ہی ہراساں ہوگیا اور قلعہ میں داخل ہو کر دوسرے بھائی کو ہرقل کے پاس بھیجا اور مدد مانگی۔ ہرقل نے بہت بڑی تعداد شرجیل

کی مدد کے لئے نامزد کی اور قبائل عرب کے مشرکین بھی بہت بڑی تعداد میں اس میں شامل ہو گئے۔ چنانچہ دشمنوں کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ سے بھی متجاوز ہو گئی۔ جب مسلمانوں کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے اسی منزل میں اقامت کر لی اور مجلس مشاورت قایم کی۔ لوگوں نے کہا ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر صورتِ حادثہ کی اطلاع دیتے ہیں تاکہ حضورؐ یا تو ہمیں واپس بلائیں یا ہماری مدد کے لئے لشکر ارسال فرمائیں۔ اس پر ان کے دلیروں میں سے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے فرمایا "اے مسلمانو! تم اس چیز کو ناپسند کرتے ہو جس کے اجر و ثواب کے حاصل کرنے کی خاطر اپنے گھروں سے نکلے ہو۔ یعنی درجۂ شہادت سے گھبراتے ہو۔ چونکہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مرتبہ شہادت کے درجہ متمنی اور خواہشمند تھے فرمانے لگے ہم نے کثرتِ تعداد کی بنا پر دشمنوں پر فتحمندی حاصل نہیں کی ہر بلکہ یہ اس دین کی قوت ہے جس نے ہم کو بدر کے دن غالب رکھا ہے۔ تم جانتے ہی ہو کہ ہماری تعداد کتنی تھی اور حق تبارک و تعالیٰ کی قدرت نے ہماری کیسی مدد فرمائی۔ اب بھی ہم دو خوبیوں سے خالی نہیں ہیں یا تو فتح مند ہوں گے یا شہادت پائیں گے۔ اگر ہم غالب آ گئے تو فہو المراد۔ ورنہ شہادت کی سعادت حاصل کر کے جنت میں اپنے ان ساتھیوں سے مل جائیں گے جو شہادت کا مرتبہ پا چکے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی ہمت و قوت دلانے سے مسلمانوں کے دل قوی و مضبوط ہو گئے۔ اور وہ دشمنوں کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ مقام موتہ پہنچ گئے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ موتہ میں حاضر تھا جب مشرکوں کا لشکر نمودار ہوا تو اتنے ہتھیار، گھوڑے، دیباج اور حریر میں نے دیکھے کہ میری آنکھیں چوندھیا گئیں۔ ثابتؓ بن ارقم انصاری نے کہا "اے ابوہریرہؓ تم غزوۂ بدر میں موجود نہ تھے اگر موجود ہوتے تو تم دیکھتے کہ حق تعالےٰ نے قلتِ تعداد کے ساتھ کس طرح مدد فرمائی۔ غرضکہ جب دونوں لشکر آمنے سامنے آئے اور صفیں سیدھی ہو گئیں تو حضرت زیدؓ بن حارثہ علم لہراتے میدان کارزار میں تشریف لائے اور خوب جنگ کی۔ یہاں تک کہ تیروں نے مجروح کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے علم سنبھال لیا اور پیادہ ہو گئے گھوڑے کو لوٹا دیا۔ اور جنگ میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کا داہنا ہاتھ کٹ کر گر گیا تو علم کو بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور جنگ کرتے رہے پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ کر گر گیا تو علم کو اپنے دونوں بازوؤں میں داب لیا اس کے بعد کسی اعداء دین نے ایک تلوار ان کی کمر پہ ماری اور وہ ۲ ٹکڑے ہو کر زمین پر آ رہے (رضی اللہ عنہ) اللہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ

فرماتے ہیں کہ میں اس جنگ میں موجود تھا مقتولوں اور شہیدوں کے درمیان جب میں نے حضرت جعفرؓ کو تلاش کیا تو ان کے جسم اقدس پر میں نے پچاس ۵۰ زخم شمار کئے اور ان میں سے کوئی ایک زخم بھی ان کی پشت کی جانب نہ تھا۔ مواہب لدنیہ میں بیان کرتے ہیں کہ ان کے جسم اطہر کے آدھے حصہ میں کچھ اوپر اسی ۸۰ زخم پائے گئے۔ اور ان میں سے سامنے کی جانب، ۷۲ ضربہ تلوار اور برچھیوں کی انی کے ستر زخم تھے۔ بخاری میں مروی ہے کہ میں نے ان کے جسم پر کچھ اوپر نوے گھاؤ نیزوں کے پائے۔

ان کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے علَم تھام لیا اور رجز پڑھتے ہوئے جنگ میں مشغول ہو گئے جس کا مضمون یہ تھا کہ "اے نفس! تو کیوں شہادت میں ذوق و شوق نہیں رکھتا اور کیوں جنت کو ناگوار سمجھتا ہے"۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تین دن سے کچھ نہ کھایا تھا۔ ان کے چچا کے لڑکے نے تھوڑا سا گوشت دیا۔ جب انہوں نے اسے دانتوں سے چبایا اسی لمحہ حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر پہنچی انہوں نے اسی دم تھوک دیا اور فرمایا "اے نفس! جعفرؓ تو دنیا سے چلے گئے اور تو ابھی دنیا میں مشغول ہے؟" اور اس وقت فرمایا "اے نفس! اگر تیرا دل عورتوں سے وابستہ ہے تو میں اپنی بیویوں کو طلاق دیتا ہوں۔ اور اگر غلاموں سے لگا ہوا ہے تو ان سب کو آزاد کرتا ہوں اور جس قدر باغ و بستان کا میں مالک ہوں ان سب کو رسول خداؐ کے حضور پیش کرتا ہوں۔ اب تو تیرے پاس کچھ نہیں ہے تو پھر شہادت کی طرف تیرا دل کیوں مائل نہیں ہوتا۔ اور اس سے کیوں بھاگتا ہے۔ خدا کے نام پر آ"۔ اس کے بعد وہ معرکہ کارزار میں داخل ہوئے اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ چونکہ حکم یہ تھا کہ جب حضرت عبداللہ بن رواحہؓ شہید ہو جائیں تو مسلمان کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جائیں، اس وقت حضرت ثابت بن ارحمؓ انصاری نے سبقت دکھائی اور علَم تھام لیا اور کہنے لگے "اے مسلمانو! کسی ایک کی امارت پر متفق ہو جاؤ سب نے کہا تم ہی اس کام کو سنبھالو"۔ انہوں نے کہا "میں اس منصب کو نہیں سنبھال سکتا"۔ اس کے بعد تمام مسلمانوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کیا اور ان کو اختیار دیا۔ حضرت خالدؓ نے کہا "اے ثابتؓ تم مجھ سے زیادہ اس کام کے مستحق ہو کیوں کہ تم بدر میں موجود تھے۔ اور مجھ سے عمر میں بھی زیادہ اور بزرگ ہو"۔ انہوں نے کہا "اے خالدؓ! شجاعت و جوانمردی تمہارا کام ہے اور میں نے اس علَم کو تمہارے لئے تھاما تھا"۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ نے علَم لیلیا ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت خالدؓ بن ولید کی نوبت آئی تو مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور مشرکین ان پر پل پڑے تھے اس وقت مسلمانوں میں سے جن کو شہید ہونا تھا شہید ہوئے ہر چند حضرت خالد ان کو روکتے رہے مگر بے سود رہا۔ اس وقت حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ

نے باآواز بلند کہا" اے مسلمانو! جنگ کرتے ہوئے مرجانا فرار ہو کر مرنے سے بہتر ہے۔" اس بات سے مسلمانوں کو تنبیہ ہوئی اور وہ رک گئے۔ اور پلٹ کر حملہ آور ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہزیمت نہ ہوئی تھی بلکہ وہ بکھر گئے تھے اور علیحدہ علیحدہ ہو گئے تھے۔ بہر تقدیر حضرت خالدؓ نے حملہ کیا اور پوری شدت کے ساتھ قتال عظیم کیا۔ صاحب مواہب حاکم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضرت خالدؓ نے حملہ کیا اور مشرکوں کی بہت بڑی جماعت کو تہ تیغ کیا، اور غنیمت پائی۔ منقول ہے کہ حضرت خالدؓ نے فرمایا اس دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹیں۔ اور میرے ہاتھ میں بجز صفحہ یمانی کے جو میرے پاس تھا کچھ نہ رہا۔ غرضکہ حضرت خالدؓ نے اس دن اپنی ان گزشتہ غلطیوں کی تلافی فرمائی جو مشرکوں کی طرف سے ہو کر روز احد وغیرہ میں لشکر اسلام کو پہنچائی تھی۔ ممکن ہے کہ جنگ موتہ میں ان کی نو تلواروں کا ٹوٹنا ان کے مطابق ہو جو مشرکوں کی ہمراہی میں میدان جنگ میں ٹوٹی تھیں۔ آخر الامر یہ فضیلت ظاہر ہو کر رہی کہ "خالد سیف من سیوف اللہ" خالد خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ یہ بات اس مقولہ کے مطابق تھی کہ "ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے"۔ چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو "سیف من سیوف اللہ" کا جو لقب حاصل ہوا تھا وہ اسی روز کے لئے تھا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ حضرت خالدؓ نے اس روز بڑی شدت کی جنگ لڑی۔ جب رات ہو گئی تو دونوں فریقوں نے ہاتھ کھینچ لئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت خالدؓ نے علم اٹھایا۔ حضرت خالدؓ نے صفوں کی ترتیب کو اور طرح سے درست کیا۔ مقدمہ کو ساقہ بنایا اور ساقہ کو مقدمہ، میمنہ کو میسرہ کیا اور میسرہ کو میمنہ۔ مخالفوں نے جب یہ حال دیکھا تو انہوں نے یہ گمان کیا کہ مسلمانوں کی امداد کے لئے کوئی اور لشکر پہنچ گیا ہے۔ اس بات سے ان کے دل میں رعب و خوف پیدا ہو گیا اور انہوں نے راہ فرار اختیار کی۔ حضرت خالدؓ نے ان کا تعاقب کیا اور دلیری و مردانگی کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس جگہ ایک قلعہ تھا جس وقت لشکر اسلام موتہ کی طرف آ رہا تھا تو انہوں نے ایک مسلمان کو اس جگہ شہید کر دیا تھا۔ اس قلعہ کو فتح کرنے کے بعد ان اشرار کی ایک جماعت اس قلعہ میں چھپی ہوئی تھی۔ ان سب کو قتل کر دیا گیا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی جانب سے اس قضیہ میں بڑی ہی کوشش و سعی وجود میں آئی وَكَانَ سَعْيُهُ مَشْكُوْرًا۔

احادیث کریمہ میں آیا ہے کہ جب سپاہ اسلام، لشکر کفار کے ساتھ مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف میں تشریف فرما تھے اور آپ کی نظر مبارک سے حجابات اٹھ گئے تھے۔ اور اہل موتہ کے تمام حالات بچشم خود اس طرح ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جس طرح

میدان کارزار میں خود تشریف فرما ہو کر معاینہ فرما رہے ہوں' اپنے صحابہ سے فرماتے جاتے کہ زیدؓ بن حارثہ نے عَلَم اٹھایا اور وہ شہید ہو گئے' ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم لیا وہ بھی شہید ہو گئے ان کے بعد حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے عَلَم تھاما وہ بھی شہید ہو گئے رضی اللہ عنہم۔ آپ یہ فرماتے جاتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار نے یعنی خالد نے عَلَم لے لیا ہے اور ان کے ہی ہاتھ پر فتح حاصل ہو گی۔ اسی دن سے حضرت خالدؓ کا لقب سیف اللہ ہو گیا (رضی اللہ عنہ)

فرماتے ہیں کہ شیطان نے حضرت زیدؓ کی نظر میں زندگانی کو آراستہ کر کے دکھایا اور چاہا کہ زندگانی کی محبت ان کے دل میں ڈالے۔ زیدؓ نے شیطان سے کہا یہ وقت ایسا ہے کہ اس وقت مومن کامل کے دل میں ایمان' راسخ اور ثابت رہنا چاہئے۔ اور تو اس لئے آیا ہے کہ دنیاوی زندگانی کی میرے دل میں محبت ڈالے۔ انہوں نے قدم آگے بڑھایا اور جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اور حضورؐ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی اور اپنے صحابہ سے بھی فرمایا کہ ان کے لئے استغفار کرو۔ بلاشبہ وہ جنت میں داخل ہو گئے۔ اور اس کے باغوں میں گلگشت فرما رہے ہیں۔ ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم اٹھایا شیطان ان کے پاس بھی آیا اور وسوسے ڈالنے لگا۔ وہ بھی اسے ٹھکرا کر معرکہ میں داخل ہوئے اور شہید ہو گئے۔ حضورؐ نے ان کے لئے بھی دعائے خیر فرمائی اور صحابہ سے فرمایا تم بھی دعا کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیطان موت کے وقت وسوسہ ڈالتا ہے۔ اور زندگانی کی محبت کو آراستہ کر کے میت کو دکھاتا ہے۔ لہٰذا احادیث میں تعلیم و تلقین کے لئے یہ دعا آتی ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ اَنۡ اَمُوۡتَ فِیۡ سَبِیۡلِکَ مُدۡبِرًا وَّاَنۡ یَّتَخَبَّطَنِیَ الشَّیۡطٰنُ عِنۡدَ الۡمَوۡتِ اور حضرت جعفرؓ کے لئے بھی فرمایا کہ وہ بھی جنت میں داخل ہو گئے اور حق تعالیٰ نے دو بازو یاقوت کے۔ ایک روایت میں ہے موتیوں کے ان دونوں ہاتھوں کے بدلے جو راہِ خدا میں کٹ کر گرے تھے انہیں عطا فرمائے جس سے وہ اڑتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جعفرؓ بن ابی طالب کو فرشتوں کے ساتھ اڑتا دیکھ رہا ہوں۔ نیز وہی یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا میرے پاس سے جعفرؓ بن ابی طالب ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کے ساتھ گزرے۔ اس حال میں کہ ان کے دونوں بازو خون سے رنگے ہوئے تھے۔ نیز مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا" میں جنت میں داخل ہوا تو جعفرؓ رات میں جنت میں آئے۔ میں نے دیکھا کہ جعفر بن ابی طالب جنت میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام

کے ساتھ اُڑ رہے تھے۔ مواہب میں سہل سے منقول ہے کہ یہ جو بازو اور پروں کے بارے میں مروی ہے اس سے پرندوں کے بازو اور ان کے پروں کی مانند ہونا مراد نہیں ہے۔ اس لئے کہ آدمی کی صورت وہیئت، اکمل واشرف صورت ہے۔ لٰہذا پرندوں کی صورت میں اس کا تبدیل ہونا مناسب نہ ہوگا۔ اس بنا پر بازوؤں اور پروں سے مراد' وہ ملکی صفت اور قوت روحانیہ ہے جو انہیں عطا فرمائی گئی ہے۔ اور قرآن کریم میں عضو کی جناح سے اس ارشاد میں تاویل وتعبیر کی گئی ہے کہ فرمایا وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ - اور اپنے ہاتھ اپنے بازو سے ملاؤ۔" اور علمار کرام فرشتوں کے بازوؤں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ صفات ملکیہ ہیں جو بغیر مشاہدہ ومعائنہ کے معلوم نہیں ہو سکتے لٰہذا یہ متحقق وثابت شدہ نہیں ہے کہ جبریل علیہ السّلام کے چھ سو بازو ہیں اور دو بازو سے زیادہ اڑنا معہود نہیں ہے چہ جائیکہ اس سے زیادہ ہوں، چونکہ اس بارے میں کوئی اثر وخبر وارد نہیں ہے لٰہذا اس پر بغیر اس کی حقیقت پر بحث وگفتگو کے ایمان لانا چاہیئے۔ (انتہی) حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ مقام احتمال ومحال میں یہ یقینی ہے کہ جو کچھ علمار سے منقول ہے۔ اور جو کچھ وہ دعویٰ کرتے ہیں اس کی دلالت میں کوئی صراحت اور نص نہیں ہے۔ اور کوئی محال ومانع نہیں ہے کہ ظاہر پر محمول کریں۔ مگر اس بنا پر کہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے کہ معہود وعادت ایسی نہیں ہے تو یہ قیاس' غائب کا شاہد پر ہے۔ اور ضعیف استدلال ہے اور صورت بشریہ کا اکمل واشرف ہونا۔ خبر کو ظاہر پر محمول کرنے سے مانع نہیں ہے اس لئے کہ صورت باقی ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

نیز صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی قبر پر تحیۃ کرتے تو فرماتے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ذَا الْجَنَاحَيْنِ اے دو بازوؤں والے تم پر سلام ہو، صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اہل موتہ کی شہادت کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور مسجد میں اتنے غمزدہ ہو کے بیٹھے کہ آپ کے روئے انور سے حزن وملال پہچانا جاتا تھا میں دروازہ کے جھریوں سے دیکھ رہی تھی کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا" یارسول اللہ حضرت جعفر کی عورتیں ان پر رو رہی ہیں۔ حضور نے اس شخص سے فرمایا" جا کر ان سے منع کر دو۔ وہ شخص اسی وقت گیا اور لوٹ آیا اور کہا کہ میں نے انہیں منع کیا وہ باز نہیں آئیں پھر فرمایا جاؤ انہیں منع کر دو وہ شخص گیا اور واپس آیا کہا کہ خدا کی قسم عورتیں غالب آگئیں وہ باز نہیں آئیں اس پر آپ نے فرمایا" خاک ان کے منہ میں ڈالو۔ یہ انکار وممانعت میں مبالغہ ہے کہ وہ باوجود منع کرنے کے باز نہیں آتیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ان عورتوں کا رونا نوحہ کے ساتھ تھا ورنہ بغیر نوحہ کے رونا ممنوع نہیں ہے ورنہ اس میں اتنا مبالغہ

کیوں فرماتے۔ بعض کہتے ہیں کہ رونا بغیر نوحہ کے تھا اور منع فرمانا تنزیہہ کے لئے ہے۔ اس لئے کہ منع کرنے کے بعد صحابیات کی سرکشی کرنا تحریمی ممانعت میں بعید ہے۔ اور اسی بنا پر عورتوں نے اس شخص کے منع کرنے کو نہ مانا۔ اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ یہ شخص ازخود گمان کرنے والا ہے اور اپنی طرف سے منع کر رہا ہے۔ نہ یہ کہ یہ حضورؐ کا قاصد ہے۔ یا اس کی وجہ یہ ہو کہ درد و مصیبت اور اس کی حرارت سے عورتیں مغلوب ہوں گی۔ جیسا کہ مجمع البحار میں قرطبی سے منقول ہے۔ اور غزوۂ احد میں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی شہادت پر رونے کے بارے میں بھی اس کے متعلق کچھ کلام گزر چکا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے حضرت جعفرؓ کے گھر والوں کو تین دن تک تعزیت کے لئے آزاد رکھا۔ اس کے بعد حضورؐ ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا آج کے دن کے بعد میرے بھائی پر نہ رونا۔ اور پھر حضرت جعفرؓ کے بچوں کی دلجوئی اور دلداری فرمائی اور فرمایا کہ محمد بن جعفر، میرے چچا ابی طالب کے ہم شبیہ ہیں۔ اور عبداللہؓ بن جعفرؓ اخلاق میں ان کے اخلاق کی مانند ہیں۔ اور ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

## تین دن سے زیادہ سوگ کی ممانعت

مسائل فقہیہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ تین دن سے زیادہ سوگ اور تعزیت نہ کرنی چاہیئے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ اس عورت پر خدا کی لعنت ہو جو اپنے شوہر کے سوا کسی دوسرے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے۔ حضرت اسماءؓ بنت عمیس سے منقول ہے جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، کی زوجہ تھیں کہ جب ان کی شہادت کی خبر حضورؐ کو پہنچی تو حضورؐ میرے گھر تشریف لائے فرمایا "ان کے بچے کہاں ہیں" میں ان کو لے کر حضورؐ کے سامنے لائی، حضورؐ نے انہیں سونگھا اور بوسہ دیا اور گود میں لے لیا۔ پھر حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! کیا حضور! نے جعفرؓ کے بارے میں کچھ سنا ہے؟" فرمایا "ہاں وہ شہید ہو گئے ہیں۔ میں اٹھی اور بیخودی میں فریاد کرنے لگی، عورتیں میرے پاس جمع ہو گئیں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "اے اسماءؓ فریاد نہ کرو اور ناشائستہ کلمات نہ بولو اور سینہ پر ہاتھ نہ مارو۔ یہ فرما کر حضورؐ اٹھے اور باچشم پرنم سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے یہاں تشریف لے گئے۔ تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ "یَا عَمَّاہُ یَا عَمَّاہُ" (اے چچا اے چچا) کہہ کر رو رہی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا "علی مرتضیٰؓ، جعفرؓ کی مانند ہیں،" "فلتبک الباکیہ" رونے والی کو رونا چاہیئے۔ اس کے بعد حضورؐ اپنے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ جعفرؓ کے گھر والوں کے لئے کھانا بھیجو اس لئے کہ انہیں مصیبت نے گھیر رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے

کھانا پکانے کی مہلت نہیں رکھتے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اہل غزوۂ موتہ جب مدینہ طیبہ واپس آئے تو لوگوں نے طعن وتشنیع شروع کر دی کہ تم بھاگ کر آئے ہو۔ یہاں تک کہ کبرائے اہل موتہ گھروں میں بیٹھ گئے اور لوگوں کی طعن وتشنیع کی بنا پر وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حاشا یہ حضرات بھاگنے والوں میں سے نہیں بلکہ اہل کرار یعنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والوں میں سے ہیں اور دشمنوں کے ساتھ جنگ کر کے فتح حاصل کرنے والے ہیں۔ انہیں چاہیئے کہ اپنے گھروں سے نکلیں۔ غرضکہ سریہ موتہ بہت سخت وصعب ترین سرایا میں سے ہے اور اس کی فتح وکامیابی میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا بہت بڑا اثر تھا۔

**سریہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بجانب ذات السلاسل** اسی سال حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا سریہ "ذات السلاسل" کی طرف واقع ہوا۔ اس لشکر کشی کو "ذات السلاسل" کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔ اس بنا پر کہ مشرکوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں سے باندھ رکھا تھا تاکہ بھاگ نہ سکیں بعض کہتے ہیں کہ سلاسل ایک چشمہ کا نام تھا جو وہاں وادی القریٰ کے پیچھے تھا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے دس روز کے فاصلہ پر تھا۔ اس قضیہ کا وقوع ماہ جمادی الاخریٰ ۸ھ ہے۔ بعض ۷ھ کہتے ہیں۔ اور ابن ابی خالد نے کتاب "صحیح التاریخ" میں اسی پر جزم کیا ہے۔ اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ یہ سریہ، غزوۂ موتہ کے بعد واقع ہوا تھا۔ مگر ابن اسحٰق نے غزوۂ موتہ سے پہلے کہا ہے۔ اس کے وقوع کا سبب یہ ہے کہ بارگاہ رسالت میں خبر پہنچی کہ قبیلہ قضاعہ، بلی (بکسر با وکسر لام و تشدید یا) اور بنو القین (بفتح قاف وسکون یا) نے متفقہ طور پر اطراف مدینہ طیبہ پر تاخت وتاراج کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس پر حضورؐ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا مسلح وآمادہ ہو جاؤ میں چاہتا ہوں کہ ایک لشکر کے ساتھ تمہیں بھیجوں تاکہ تمہارے ہاتھ غنیمت آئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! میں مال دنیا کے لئے مسلمان نہیں ہوا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ "نعم المال الصالح والرجل الصالح" نیک مال اور نیک آدمی اچھا ہوتا ہے"۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! عرصۂ دراز تک میں دین کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتا رہا ہوں اب میں چاہتا ہوں کہ تاسیس اساس اسلام میں کچھ مجھ سے خدمت ظاہر ہو اور راہ خدا میں جنگ ومعرکہ کی کوشش کروں۔ فرمایا ٹھہرو انشاء اللہ میں تمہیں اس کا موقعہ فراہم کروں گا یہاں تک کہ حضورؐ کی سمع مبارک میں اُن قبائل مذکورہ کے اجتماع کی خبر پہنچی اور ان کے فساد انگیزی کی اطلاع

ملی۔ اس کے بعد حضورؐ نے ایک سفید عَلَم تیار فرمایا اور تین سو مسلمانوں کی ایک جماعت بنائی جن میں اعیان انصار و مہاجرین میں سے حضرت سعیدؓ بن زید، سعدؓ بن ابی وقاصؓ عامر بن ربیعہؓ، حبیبؓ بن سنان رومی، سیدؓ بن حضیر اور سعدؓ بن عبادہ وغیرہ رضی اللہ عنہم شامل تھے اور حضرت عمروؓ بن العاصؓ کو امیر نامزد فرمایا تاکہ اعداءِ دین کے قلع و قمع کرنے میں کمربستہ ہو کر دلیری اور دلاوری دکھائیں۔

روضۃ الاحباب میں محمد بن اسحٰق سے منقول ہے کہ اس لشکر کا امیر، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ نامزد کرنے میں حکمت یہ تھی کہ ان کی ماں کی طرف سے قبیلۂ بلّی کے ساتھ قرابتداری تھی، حضورؐ نے چاہا کہ ان کو حضرت عمروؓ کے واسطہ سے اسلام کے ساتھ انسیت پیدا ہو (انتہی) اگر نامزدگی کی یہی وجہ تھی تو اعیان و اکابر انصار و مہاجرین کی تعیین میں کیا خصوصیت ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ سارا معاملہ، علم سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں کچھ اشارہ غزوۂ موتہ کے سلسلہ میں کیا جا چکا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ بھی ہو (واللہ رسولہ اعلم) غرضکہ جب حضرت عمروؓ مدینہ طیبہ سے نکلے اور مشرکوں کی جانب متوجہ ہوئے تو انہوں نے سُنا کہ کچھ اور بدوی قبائل کے لوگ بھی جمع ہو گئے ہیں اور مخالفت میں دشمنوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ مسلمانوں کی اتنی قلیل تعداد ان کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے ایک قاصد بارگاہِ رسالت میں بھیجا تاکہ صورتِ حال عرض کر کے مدد کی درخواست کریں۔ حضورؐ نے ایک جماعت ان کی مدد کے لئے تیار فرمائی جن میں حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے اور اس جماعت پر حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح رضی اللہ عنہ، کو امیر بنایا۔ رخصت کے وقت حضرت ابو عبیدہؓ کو نصیحت فرمائی کہ جب یکجا ہو جاؤ تو تمام امور میں متفق ہو جانا اور اختلاف نہ کرنا۔ جب یہ دوسری جماعت عمروؓ بن العاص کے ساتھ شامل ہوئی۔ اور نماز کا وقت آیا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے حضرت ابو عبیدہؓ سے کہا کہ چونکہ تم میری مدد کے لئے آئے ہو اس لئے تم میرے تابع رہو، اور میرے پیچھے نماز پڑھو۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے کہا پہلی جماعت کی سرداری تم سے متعلق ہے اور اس جماعت کی امارت میرے ساتھ وابستہ ہے۔ عمروؓ بن العاص نے اس میں حرج جانا اس وقت حضرت ابو عبیدہؓ کو حضورؐ کی نصیحت یاد آگئی اور مخالفت سے باز آگئے اور ان کے پیچھے نماز پڑھی۔

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ امارت میں یہ واجب نہیں ہے کہ امیر افضل ہو اور نماز میں ضروری ہے کہ احق امامت کرے۔ خواہ کوئی ہو جو اعلم، اقرأ۔ اور اورع ہو وہ امامت کا حقدار ہے۔ اس بنا پر سب کو لازم تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے پیچھے نماز پڑھتے۔ لیکن چونکہ حضرت عمروؓ بن العاص نے

دعویٰ کیا کہ چونکہ وہ امیر ہیں اور وہی امامت کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کے مقابلہ میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی امیر تھے انہوں نے نزاع کیا۔ بالآخر حضورؐ کی نصیحت کے بموجب اختلاف نہ کیا اور تمام امور میں متفق ہو گئے اور نزاع سے باز آ گئے۔ چونکہ حضرت ابو عبیدہؓ نیک خصلت اور نرم مزاج تھے فرمایا "اے عمروؓ! نرمی برتو سختی نہ کرو کیوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم نے آخر میں مجھے یہ نصیحت فرمائی تھی کہ جب تم مل جاؤ تو ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرنا۔ اگر تم مخالفت کی راہ چلو گے تو میں نہیں چلوں گا۔"

منقول ہے کہ جب یہ دشمن کے قریب پہنچے تو سخت سردی کی وجہ سے مسلمانوں کے اعضا شل ہو گئے۔ مسلمانوں نے چاہا کہ آگ جلا کر بدن کو تاپیں مگر حضرت عمروؓ نے ان کو اس سے منع کیا لشکری اس مخالفت سے تنگ آ گئے۔ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے انہوں نے آ کر اس کی شکایت کی۔ حضرت صدیقؓ نے حضرت عمروؓ سے اس بارے میں گفتگو کی۔ اس پر عمروؓ نے کہا "جس نے آگ جلائی ......... میں اس کو اسی آگ میں ڈالدوں گا۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عمروؓ کی اس بارے میں مخالفت کی اور ان کو تنبیہ فرمائی۔ عمرو بن العاصؓ نے کہا "اے عمرؓ تم میرے مامور و محکوم ہو میرا حکم مانو اور فرمانبرداری کرو"۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت فاروق اعظمؓ سے فرمایا "ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اس لئے کہ رسول اللہ علیہ وسلّم نے ان کو مہم پر اسی لئے امیر مقرر فرمایا ہے کہ وہ جنگی مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں۔ صبر و تحمل سے کام لو۔ اور حضورؐ کے فرمان اور آپ کے حکم کے تابع رہو۔ اور جاننا چاہیئے کہ رسول خدا نے جو کچھ حکم فرمایا ہے اور پسند کیا ہے یقیناً اس میں حکمتِ جمیلہ اور عاقبت حمیدہ ہوگی۔ اگرچہ حدیث میں صراحت کے ساتھ یہ الفاظ نہیں ہیں لیکن حضرت صدیقؓ کے کلام کا خلاصہ اور اس کی شرح یہی ہے۔ اس کے بعد سب اتفاق کے ساتھ کفار کی جانب روانہ ہوئے۔ ان قبیلوں کے کچھ لوگ تو اپنے گھروں کو خالی کر کے بھاگ گئے اور کچھ لوگوں نے جنگ کی لیکن مغلوب ہو کر بھاگے اور دوسرے شہروں کی جانب چلے گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے چند روز وہاں توقف فرمایا اور اطراف و جوانب میں سواروں کو بھیجا وہ بکریاں اور اونٹ لاتے اور ذبح کر کے کھاتے رہے۔ اس سفر میں اس سے زیادہ غنیمت حاصل نہ ہوئی۔ جو قابل تقسیم ہوتی۔ اس کے بعد وہ سب مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح لکھا ہے۔ معارج النبوۃ میں ہے کہ جب حضرت ابو عبیدہؓ کمک لیکر پہنچے اور لشکر اسلام مخالفوں کے شہروں میں داخل ہوا اور تاخت و تاراج کا طریقہ اختیار کیا تو بہت سے مویشی قبضہ میں آئے اور یہ حصولِ مقصود کے ساتھ واپس لوٹے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ واپسی کے وقت ایک رات حضرت عمرو بن العاص کو احتلام ہوا ہوا بہت سردی تھی اپنے ساتھیوں سے کہا مجھے احتلام ہو گیا ہے اگر غسل کرتا ہوں تو ہلاک ہو جاؤں گا اس کے بعد قدرے پانی طلب کیا۔ استنجا کر کے وضو کیا اور تیمم کیا۔ اور لشکر اسلام کی امامت کر کے نماز پڑھائی۔ یہ حکایت غرابت و ندرت سے خالی نہیں ہے۔ غالباً عمرو رضؓ بن العاص کو ابھی احکام شرعیہ کی تعلیم اور اسے یاد کرنے کا موقعہ میسر نہ آیا ہوگا ورنہ اتلافِ جان کے خوف سے جنابت کے لئے صرف تیمم ہے نہ کہ وضو اور تیمم دونوں۔ غرض کہ جس جگہ حضرت ابو بکر رضؓ و عمر رضؓ اور اعیان مہاجرین و انصار موجود ہوں وہاں اپنے فہم و رائے اور معلومات پر عبادت میں اکتفا کرنا بغیر ان سے فتویٰ دریافت کئے درست نہ ہوگا۔ حربی معاملات اور اس کی تدبیریں اور بات ہے۔ شرعی احکام اور اس کا علم اور چیز ہے۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کو حضرت ابو عبیدہ رضؓ اور عمرو رضؓ بن العاص کی باہمی گفتگو اور حضرت ابو عبیدہ رضؓ کی اطاعت اور حضرت عمرو رضؓ کے اکڑنے کا معاملہ پہنچا تو حضور ؐ نے فرمایا "رَحِمَ اللّٰہُ اَبَا عُبَیْدَۃَ" اللہ تعالیٰ ابو عبیدہ رضؓ پر رحم و فضل فرمائے۔ اور جب جنابت کا قصہ سنایا گیا تو حضور ؐ نے تبسم فرمایا اور فرمایا ان کے معاملہ میں غور کرو کہ اپنے لئے کیسے خلاصی پیدا کی۔ اور جب آگ جلانے سے منع کرنے کا واقعہ پیش ہوا تو حضرت عمرو رضؓ بن العاص نے فرمایا "میں نے اس لئے آگ جلانے سے منع کیا تھا کہ اگر آگ جلائی جاتی تو مشرکین ہماری قلت تعداد سے واقف ہو جاتے۔

جب حضرت عمرو رضؓ بن العاص جیش ذات السلاسل سے واپس آئے تو ان میں زعم و غرور کی بو نے راہ پالی تھی۔ اور اپنے آپ کو سمجھنے لگے تھے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم نے انہیں ایسے لشکر کا امیر بنایا جس میں حضرت ابو بکر رضؓ و عمر رضؓ جیسے اکابر صحابہ شامل تھے۔ ان پر میرا امیر بنانا اسی بنا پر ہے کہ بارگاہِ رسالت میں میری قرب و منزلت ان سے بہت زیادہ ہے۔ اپنے اس خیال کی تحقیق و ثبوت کے لئے بارگاہِ رسالت میں آئے۔ اور دریافت کیا "یا رسول اللہ! آپ ؐ کے حضور میں آدمیوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہے؟ حضور ؐ نے فرمایا عائشہ رضؓ! انہوں نے عرض کیا "میں مردوں کے بارے میں دریافت کر رہا ہوں۔ حضور ؐ نے فرمایا "ان کے والد۔ میں نے عرض کیا "ان کے بعد کون؟" فرمایا "عمر رضؓ" عرض کیا پھر کون؟" اس طرح کئی شخصوں کے نام حضور ؐ نے لئے۔ اس کے بعد وہ خاموش ہو رہے مبادا کہ سب کے آخر میں میرا نام نہ آئے۔ حضور ؐ کے اس جواب نے ان کے خیالی قلعہ کو ڈھا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا امیر بنانا تالیف قلوب کے حکم میں ہے۔ بعض حدیثوں میں ان کے مناقب کے

سلسلہ میں آیا ہے کہ فرمایا:۔ اَسْلَمَ النَّاسُ وَاٰمَنَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ لوگ اسلام لائے اور عمرو بن العاص ایمان لائے! ممکن ہے کہ یہاں ناس سے ان کے قرابتدار اور ان کے قبیلہ کے لوگ مراد ہوں (واللہ اعلم)

**سریۃ الخبط** اسی سال حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو تین سو صحابہ کے ساتھ جن میں مہاجرین وانصار تھے جیسا کہ صحیحین وغیرہ میں آیا ہے اور نسائی کی روایت میں کچھ لوگ زیادہ بھی مذکور ہے امیر بنا کے قبیلہ جہنیہ کی طرف بھیجا اور اس لشکر میں حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قبیلہ جہنیہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان پانچ روز کا فاصلہ ہے۔ اس سریہ کو سریۃ الخبط (بفتح خاء بار موحدہ) اور سریہ سیف البحر بھی کہتے ہیں خبط ان پتوں کو کہتے ہیں جو درخت سے جھڑے ہوئے ہوں۔ حضورؐ نے اس جماعت کو ایک "جراب" (تھیلا) کھجوریں دی تھیں۔ جب وہ ختم ہوگئیں تو انہوں نے درختوں کے پتے جھاڑ کر کھائے جس سے ان کے ہونٹ سوجکر اونٹوں کے ہونٹوں کی مانند ہوگئے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان پتوں کو پانی میں بھگو کر کھاتے تھے۔ یہ اس بات پر دلیل ہے کہ پتے خشک تھے۔ بخلاف پہلی روایت کے کہ اس سے پتوں کا سبز و تازہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ حضرت ابوعبیدہ نے حکم دیا تھا کہ تمام لشکری اپنے اپنے توشے جمع کردیں۔ مگر وہ بھی دو مزدور کے برابر تھا۔ اس میں سے تھوڑا تھوڑا روزانہ دیتے رہے یہاں تک کہ وہ بھی ختم ہوگیا۔ اور ایک ایک کھجور سے زیادہ نہ ملا۔ اس وجہ سے اس کا نام سریۃ الخبط رکھا گیا۔

اس لشکر کا نام سیف البحر اس بنا پر ہے کہ سیف دریا کے کنارے کو کہتے ہیں چونکہ ان کے سفر کی آخری حد دریا کا کنارہ تھا اس بنا پر اس کا یہی نام ہوگیا۔ اس سریہ کا وقوع ماہ رجب ۸ھ میں ہوا تھا۔ شیخ ابن حجر شرح بخاری میں نقل کرتے ہیں کہ آٹھویں سال میں اس کے وقوع کا قول غیر محمود ہے اس لئے کہ صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی نے سریہ کو اس لئے بھیجا تھا تاکہ قریش کے قافلہ پر تاخت کریں۔ یہ بات آٹھویں سال میں نہیں بنتی کہ اس میں ایسا ہوا ہو کیوں کہ ان دنوں میں قریش کے ساتھ صلح قایم تھی۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ یہ سریہ چھٹے سال میں قضیۂ حدیبیہ سے پہلے ہوا ہوگا۔ (انتہی)

مواہب لدنیہ میں شیخ الاسلام ابن العراقی سے منقول ہے کہ یہ سریہ فتح مکہ سے پہلے آٹھویں سال کے ماہ رمضان میں قریش کے عہد و پیمان توڑنے کے بعد واقع ہوا تھا اس بنا پر آٹھویں سال کے وقوع میں کوئی منافات نہیں ہے۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس سفر میں کسی دشمن سے مڈبھیڑ واقع نہ

ہوئی۔ اور لوٹ آئے (انتہی)

اس سفر کی عجیب و غریب بات وہ ہے جسے بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ہم جیش خبط میں جہاد کے لئے گئے ہوئے تھے ہم پر حضرت ابو عبیدہؓ امیر تھے۔ وہاں ہمیں سخت فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت دریا نے ایک مری ہوئی مچھلی پھینکی۔ ہم نے اتنی بڑی مچھلی پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ اس کا نام عنبر بتاتے ہیں۔ ہم سب اس مچھلی کو پندرہ دن تک کھاتے رہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے اس کی ایک ہڈی لیکر کھڑی کی تو اس کے نیچے سے سوار گزر گیا۔ اس کے بعد جب ہم بارگاہِ رسالت میں پہنچے اور ہم نے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے فرمایا تم نے اس رزق کو کھایا ہے جسے حق تعالیٰ نے تمہارے لئے باہر نکالا ہے۔ اگر کچھ باقی ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ اس پر ہم نے اس میں سے کچھ حصہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا حضورؐ نے اسے تناول فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ مچھلی پہاڑ کی مانند تھی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ مچھلی ٹیلہ کے مانند تھی اور اس کا نام عنبر تھا جس کی کھال سے ڈھال بنائی جاتی ہے۔ ہڈی سے مراد، پہلو یعنی پسلی کی ہڈی ہے جو دونوں طرف سے جڑی ہوئی ہوتی ہیں، کہا گیا ہے کہ ایک شخص لشکرِ اسلام میں بہت طویل القامت تھا۔ وہ پالان والے اونٹ پر سوار ہو کر ان پسلیوں کے نیچے سے گزر گیا۔ اور اس کا سر اس ہڈی سے جا لگا۔ صحیح مسلم اور مسند امام احمد سے مروی ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ نے حکم دیا کہ مچھلی کی آنکھ کے حلقہ میں بیٹھیں تو تیرہ آدمی اس میں سما گئے۔

مواہب لدنیہ میں اس جگہ دو جیش کا ذکر کیا ہے ایک جیش ابو قتادہ بسوئے ارض محارب نجد، جسے ۸ھ کے ماہِ شعبان میں روانہ کیا تھا اور ان کے ساتھ پندرہ آدمی تھے جو غطفان کی سرکوبی کے لئے گئے تھے۔ انہوں نے جو ہاتھ آیا اسے قتل کیا۔ اور بہت سی باندیوں کو قید کیا۔ اور ۲۰۰ اونٹ اور ۲۰۰۰ بکریاں غنیمت میں آئیں۔ یہ سفر پندرہ دن کا تھا۔ اور دوسرا جیش بھی ابو قتادہؓ ہی کا ہے جو اضم کی جانب گیا تھا اس میں محلمؓ بن جثامہ تھا۔ عامر بن اضبط سامنے آیا تو محلم نے اسے قتل کر دیا۔

اسی سال حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ایک جیش کا امیر بنا کر اضم کی جانب بھیجا جو مدینہ طیبہ سے ایک برید کے فاصلہ پر ہے۔ اس جیش میں محلمؓ بن جثامہ بھی تھے عامر بن اضبط راہ میں سامنے آیا اور اس نے صحابہ کو سلام کیا چونکہ صحابہ اسے مسلمان تصور نہیں کرتے تھے اس بنا پر اس کے سلام کا جواب انہوں نے نہ دیا محلمؓ نے اس کو قتل کر دیا جب یہ واقعہ حضورؐ سے عرض کیا گیا تو حضورؐ نے محلمؓ پر عتاب فرمایا۔ اور کہا کہ تم نے مسلمان کو کیوں قتل کیا۔ انہوں نے عرض کیا اس بنا پر کہ اس نے موت کے ڈر سے اظہار اسلام کیا تھا حضورؐ نے فرمایا اس

کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ اس کی نیت و ارادہ کو معلوم کر لیتے۔ اور فرمایا زبان سفیر ہے جو دل کی ترجمان ہے۔ اس پر آیۂ کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ اے ایمان والو جب تم خدا کی راہ میں جہاد کر رہے ہو تو قتل میں دیکھ بھال کر لیا کرو۔ اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو کہ وہ مومن نہیں ہے"۔ تو یہ آیت اس وقت نازل ہوئی۔ اس کے بعد محلم آیا اور حضورؐ کے آگے دو زانو ہو کے بیٹھا اور حضورؐ سے عرض کیا کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت و معافی مانگیں۔ چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس کی اس نازیبا حرکت سے کوفت و ناراضگی میں تھے حضورؐ نے فرمایا لَا غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ وَلَا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ (نہ تجھے اللہ بخشے اور نہ تجھے خدا معاف کرے) اس کے بعد محلمؓ اس حال میں کھڑا ہوا کہ اپنے آنسوؤں کو اپنی چادر سے پونچھتا تھا۔ اور محلمؓ نے اسی گھڑی اور ایک روایت میں ہے کہ سات دن کے بعد جان کو قابضِ ارواح کے سپرد کر دیا۔ جب اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے نکال باہر کیا اس طرح تین مرتبہ کیا گیا ہر بار زمین نکال باہر کرتی رہی۔ بالآخر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ دیا۔ یہ خبر جب حضورؐ کی سمع ہمایوں میں پہنچی تو فرمایا زمین نے محلمؓ کو نگل لیا۔ اور زمین اس کو نگلتی ہے جو اس سے بدتر ہو۔ لیکن حق تعالےٰ چاہتا ہے کہ تمہیں نصیحت فرمائے تاکہ تم عبرت حاصل کرو۔

روضۃ الاحباب میں ابو قتادہؓ کے اس سریہ کو فتح مکہ کے شروع میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ اس سے پہلے کہ حضورؐ مکہ مکرمہ کی جانب سفر فرمائیں ماہِ رمضان ۸ھ میں ابو قتادہؓ انصاری کو قبیلہ اضم کی جانب بھیجا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ حضورؐ اس طرف جانے کا قصد فرماتے ہیں جس طرف یہ جماعت بھیجی ہے۔ مکہ کا ارادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد اس جیش کا ذکر کیا۔ اور پھر فتحِ مکہ کا قضیہ شروع کیا۔ اور مواہب میں بھی ابو قتادہؓ کے جیش کو فتح مکہ کے ذکر سے پہلے بیان کیا گیا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محلم تین شخصوں کا نام تھا۔ اور وہ جس نے عامر بن اضبط کو قتل کیا وہ اس محلمؓ کے سوا ہے جس محلم کو زمین نے نکال باہر کیا تھا (واللہ اعلم)۔ مواہب میں ایک اور سریہ کا بھی ذکر کیا ہے جس کو سریۂ ابو العوجاء کہتے ہیں جسے بنی سلیم کی طرف ماہ ذوالحجہ ۷ھ میں بھیجا تھا۔ یہ پچاس آدمیوں کا لشکر تھا جس کو کافروں نے ہر طرف سے گھیر کر جنگ کی یہاں تک کہ ان میں سے اکثر کو انہوں نے شہید کر دیا۔ اور مقتولوں میں ابن ابی العوجاء زخمی پائے گئے تھے انہیں اٹھا کر حضورؐ کی خدمت میں لایا گیا اس پر یہ سال تمام ہوا۔

# فتحِ مکّہ مکرّمہ

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں سے مکہ مکرمہ زادہا اللہ تعظیما وتشریفا کی فتح کا واقع ہونا ہے یہ واضح فتح عظیم ہے۔ جس پر سورۃ "اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا" ناطق ہے۔ اگرچہ مفسرین کی ایک جماعت اس پر ہے کہ اس فتح مبین سے مراد فتح حدیبیہ ہے۔ جو کہ اپنی ذات میں سراپا فتح تھی اور فتوحات عظیمہ کا سرچشمہ ومبدأ تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ اعظم فتوحات ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے اس کے ذریعہ اپنے دین کو غالب وقوی بنایا اور اپنے رسول کو مظفر وفتحمند کیا اپنے لشکر کو عزیز بنایا اور اپنے حرم پاک کو امن کی جگہ قرار دیا اور اسے بلدِ امین اور اپنے بیت اقدس کو مشرکوں سے پاک کیا۔ اور ایسی فتح وظفر عنایت فرمائی جس پر تمام آسمان وزمین والے مبارک باد دینے لگے۔

اہلِ عرب، تمام اطراف واکناف میں راہِ اختیار میں چشمِ انتظار کھولے بیٹھے تھے۔ کہ اگر یہ ہستی مقدس یعنی حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں واپس تشریف لے آئے اور یہ بلدِ معظم اور بیت مکرم ان کے قبضۂ اقتدار میں آجائے تو ہم بھی داخل ہو کر توقف وتردد کی قید سے نجات پا جائیں گے جب نصر عظیم اور فتح مبین وجود میں آئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑتے بھاگتے حاضر ہو کر اسلام لانے لگے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِىْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

جب اللہ کی مدد اور فتح آئے۔ اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورۂ مبارکہ میں اکمال دین، ارتفاعِ حجاب شک وارتیاب اور صدق ویقین کے نور کے سطوع کی جانب اشارہ ہے۔ فتح مکہ کے حاصل ہونے کے بعد مشرکوں کے لئے کوئی جائے فرار باقی نہ رہی اور ان کو کوئی چارہ باقی نہ رہا۔ خواہی نخواہی اسلام میں داخل ہوئے۔ اس دن کچھ لوگوں کا اسلام پختہ ہوا۔ اور تصدیق قلبی کی علامتیں اور نشانیاں ان سے ظاہر ہوئیں۔ اور کچھ لوگوں کا نہ ہوا اور ظاہر آئیہ کریمہ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ (اے نبی فرماد و فتح کا دن ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان کے ایمان کو نفع نہیں پہنچاتا اور وہ غور وفکر سے کام نہیں لیتے ہیں) میں

اسی طرف اشارہ ہے کہ فتح کے دن ایمان لانا نہ نافع ہے اور نہ مقبول۔ جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ مراد وہ کافر ہیں جو فتح میں مارے گئے اور اس حالت میں ایمان لائے۔ لہٰذا قتل کی حالت میں ان کا ایمان لانا نفع نہیں پہنچاتا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس آیت میں یوم الفتح سے مراد روز قیامت ہے۔ کیوں کہ وہ دن کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی نصرت اور انسانوں کے درمیان حکومت کے ساتھ فیصلہ کرنے کا دن ہے۔ فتح کے معنی حکومت کے ساتھ فیصلہ کرنے کے آئے ہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد میں ہے رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ اے ہمارے رب ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما اور تو ہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ (واللہ اعلم)

اس موہب ربانی کے حصول کا باعث اور اس فتح صمدانی کے ظہور کا سبب یہ ہوا کہ وہ صلح جو حدیبیہ میں واقع ہوئی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ دونوں فریق ایک دوسرے کے حلیفوں کے ساتھ تعرض نہ کریں گے۔ اور ہر کوئی جس فریق کو چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ چاہے قریش کے عہد و حلف میں آئے خواہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد و حلف میں داخل ہو۔ چنانچہ بنی بکر قریش کے ہم سوگندی میں داخل ہوئے اور خزاعہ حضورؐ کے عہد و پیمان میں آئے، اور بنی خزاعہ پہلے ہی سے حضورؐ سے رجوع ہو رہے تھے اگرچہ وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ اور بنی بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان زمانۂ جاہلیت سے نزاع و اختلاف اور عداوت قایم تھی۔ اور آپس میں بہت کچھ جنگ و جدال واقع ہو چکا تھا۔ اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا قضیہ درمیان میں آیا تو وہ اس میں اتنے مشغول ہوئے کہ اپنے اصلاح احوال پر انہوں نے غور تک نہ کیا۔ صلح حدیبیہ کے واقع ہونے کے بعد جب وہ اپنے حال میں آئے اور دل کو اطمینان ملا اور فرصت پائی وہ پھر اپنے باہمی نزاع و عداوت کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہاں تک کہ ایک دن بنی بکر کا ایک شخص سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کر رہا تھا قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص وہاں کھڑا تھا۔ اس نے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا اس پر وہ جوش اور غصہ میں آ گیا اور اس کے سر اور منہ کو توڑ دیا اس نے بنی بکر سے جا کر فریاد و فغاں کی۔ نفاثہ (بضم نون) جو بنی بکر کی شاخ تھی خزاعہ کے ساتھ جنگ کے لئے کھڑے ہو گئے اور بنی مدلج سے مدد مانگی۔ بنی مدلج نے ان کی مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے قریش سے مدد مانگی۔ قریش کے نادان و بے وقوف لوگوں کی ایک ایسی جماعت نے جو حضورؐ کے ساتھ موروثی عداوت رکھتی تھی جیسے عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہل بن عمرو وغیرہ نے اپنی ہیئت

بدل کر اور اپنے چہروں پر موٹی نقاب ڈال کر بنی بکر کی حمایت و رفاقت میں خزاعہ پر شبخون مارا۔ اور خوب جنگ و قتال کیا یہاں تک کہ جنگ کرتے ہوئے زمین حرم میں داخل ہو گئے۔ بنو خزاعہ نے بلند آواز سے نوفل بن معاویہ سے جو بنو بکر کا سردار تھا کہا کہ خدا کا خوف کرو اور حرم کی حرمت کا پاس و لحاظ کرو۔ نوفل بن معاویہ نے کہا یہ بات اگرچہ بڑی ہے اور میں اسے جانتا ہوں لیکن آج اس پر عمل کرنے کی فرصت نہیں پاتا۔ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں بنی خزاعہ کے بیس۲۰ آدمی مارے گئے۔ قریش نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ کسی نے ان کو پہچانا نہیں ہے اور یہ معاملہ پوشیدہ رہے گا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی رات اس کی خبر دیدی گئی تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات میں بنی بکر اور بنی خزاعہ کا واقعہ ہوا تھا اس کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "اے عائشہؓ! مکہ مکرمہ میں یہ حادثہ واقع ہوا ہے اور قریش نے عہد شکنی کی ہے۔" میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ قریش عہد شکنی میں دلیری دکھائیں گے؟ حالانکہ شمشیروں نے ان کو فنا کر دیا ہے؟ فرمایا "انہوں نے عہد کو اس معاملہ کے لئے توڑا ہے جسے خدا نے ان کے ساتھ چاہا ہے۔" میں نے عرض کیا "یہ معاملہ خیر ہے یا شر؟" فرمایا "انشاء اللہ خیر ہی ہوگا۔"

طبرانی نے معجم صغیر میں سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات سنا کہ حضورؐ نے وضو کرتے ہوئے تین بار "لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ" فرمایا اور تین مرتبہ "نُصِرْتُ نُصِرْتُ" میں مدد کرتا ہوں، میں مدد کرتا ہوں" فرمایا۔ جب میں حضورؐ کے قریب آئی تو میں نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ! میں نے آپؐ کو باتیں کرتے سنا ہے کیا کوئی شخص تھا جس سے آپ گفتگو فرما رہے تھے؟ آپؐ نے فرمایا "یہ راجز بنی کعب تھا جو قبیلہ بنی خزاعہ سے ہے وہ مجھ سے مدد مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ قریش نے بنی بکر کی مدد کی یہاں تک کہ ہم پر شب خون مارا ہے۔ اس کے تین دن بعد عمرو بن سالم خزاعی، چالیس۴۰ سواروں کے ساتھ مکہ سے مدینہ منورہ آیا اور جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا حضورؐ سے عرض کر کے نصرت و اعانت کی درخواست کی۔ اس پر حضورؐ کھڑے ہوئے اس حال میں کہ آپ چادرِ مبارک زمین سے گھسیٹ رہے تھے۔ اور فرمایا "میری مدد نہ ہوگی اگر میں نے تمہاری مدد نہ کی۔ جس طرح میں اپنی مدد کرتا ہوں اسی طرح تمہاری مدد کروں گا۔" اس طرح حضورؐ نے انتہائی اتحاد و اخلاص کی طرف اشارہ فرمایا اور ان کے دلوں کی تسلی و تشفی فرمائی۔ گویا آسمان پر ایک بادل چھایا ہوا ہے۔ اس کے بعد فرمایا "یہ بادل فریاد کرتا ہے اور بنی کعب کی خبر دیتا ہے۔" پھر ان سے فرمایا "تم اپنے گھر کو جاؤ اور غم و فکر نہ کرو۔ کیونکہ فتح و نصرت کے دن قریب آ گئے ہیں" اور اپنے صحابہ سے فرمایا "گویا میں

دیکھ رہا ہوں کہ ابوسفیان آیا ہوا ہے اور وہ صلح کی مدت بڑھانے اور اس کی تجدید کی درخواست کر رہا ہے۔ اور خائب و خاسر ہو کر مکہ لوٹ گیا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب قریش اپنے فعل سے پشیمان ہوئے تو ابوسفیان کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجا کہ معذرت خواہی کر کے کہے کہ یہ فعل میرے مشورہ سے واقع نہیں ہوا ہے اب ازسرنو صلح کی تجدید و توکید کر کے اس کی مدت بڑھا دیجئے۔ چنانچہ ابوسفیان مدینہ طیبہ آیا اور پہلے اپنی بیٹی سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جو ام المومنین میں سے تھیں ان کے گھر آیا۔ اور اس نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر استراحت پر بیٹھے۔ سیدہ ام حبیبہؓ نے بستر شریف کو لپیٹ ڈالا ابوسفیان نے کہا "اس بستر کو مجھ سے بچاتی ہو؟" سیدہ ام حبیبہؓ نے فرمایا "ہاں! یہ بستر سید المطہرین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور تم مشرک و نجس ہو۔" اس پر وہ اپنی بیٹی کے پاس سے چلا آیا اور حضورؐ کی بارگاہ قدس میں حاضر ہوا ہر چند تجدید عہد کی بات کی جواب نہ پایا۔ اس کے بعد ناامید ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے پاس پہنچا وہاں سے بھی خائب و خاسر لوٹا۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہاں سے بے نیل و مرام لوٹا۔ پھر سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچا اور کہنے لگا "تمہاری بہن سیدہ زینب بنت رسول اللہؐ نے ابوالعاصؓ کو امان دی اور حضورؐ نے اس امان کو جائز رکھا اور معتبر جانا۔" سیدہ زہراءؓ نے فرمایا "یہ معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ اس کے بعد وہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے آستانہ پر پہنچا وہاں سے بھی ناامید لوٹا۔ غرضکہ وہ خائب و خاسر ہو کر مکہ کو لوٹ گیا۔ جب ابوسفیان مکہ سے لوٹ گیا تو حضورؐ سفر کی تیاری میں مشغول ہو گئے اور سیدہ عائشہؓ سے فرمایا کہ سامان سفر کی تیاری کرو اور لشکر کی ترتیب میں مصروف ہو گئے اور اس راز کی کسی کو خبر نہ کی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ سیدہ عائشہؓ کے پاس آئے انہوں نے دیکھا کہ سامان سفر کی تیاری ہو رہی ہے فرمایا "اے عائشہؓ یہ کیا ہے یہ کیسی تیاری ہے؟" انہوں نے کہا مجھے حضورؐ نے سامان سفر تیار کرنے کا حکم دیا ہے اس سے زیادہ میں نہیں جانتی اور نہ میں کچھ بیان کر سکتی ہوں۔" اس کے بعد حضور داخل ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے سامنے ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا سفر کی تیاری ہے؟ فرمایا ہاں! حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا "میں بھی تیاری کروں" فرمایا "ہاں!" صدیقؓ نے پوچھا "کیا قریش کی سرکوبی کا عزم و ارادہ فرمایا ہے؟" فرمایا ہاں! لیکن تم اس بات کو پوشیدہ رکھنا اور دعا مانگی اَللّٰهُمَّ خُذْ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ فَلَا يَرَوْنِىْ اِلَّا بَغْتَةً۔ اے خدا کفار کی بینائیوں کو لیلے کہ وہ مجھے نہ دیکھیں مگر اچانک؛ اور تمام صحابہ سے فرمایا سفر کی تیاری کر لو اور اپنے اپنے ہتھیار ساتھ لیلو۔ لیکن قصد و ارادہ کو کسی پر واشگاف کر کے بیان نہ فرمایا۔

حاطبؓ بن ابی ملتعہ نے اہل مکہ کی طرف ایک خط لکھا اور اس میں ان کو خبردار کیا کہ حضورؐ ان

لشکر تیار کر کے لا رہے ہیں۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی تیاری فرما رہے ہیں اور میرا گمان یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے سوا وہ کسی اور طرف نہیں جائیں گے۔ اپنے حال کی فکر کرنی چاہئے" والسلام"۔ اس خط کو ایک مزنی عورت کے سپرد کیا کہ وہ قریش کو پہنچا دے۔ حق تعالیٰ نے حضورؐ کو اس کی خبر دیدی۔ چنانچہ حضورؐ نے حضرت علی مرتضیٰ، حضرت زبیر بن العوام اور مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا خاخ کے باغ میں جاؤ وہاں ایک عورت ہودج میں سوار ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط اس سے لے آؤ۔ یہ تینوں اس کے پاس پہنچے اس نے بالوں کی چوٹی میں وہ خط چھپا رکھا تھا یہ تینوں وہ خط لے آئے اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس کے بعد حضورؐ نے حاطبؓ کو طلب فرمایا اور اس سے پوچھا یہ تیری کارگزاری ہے تو نے یہ کیا ہے اس سے تیرا کیا مقصد تھا؟ اس نے عرض کیا" یا رسول اللہ! مجھ پر جلدی نہ فرمایئے خدا کی قسم میں مومن ہوں اور خدا اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں ایک مرد ملصق (ملا ہوا) اور قریش میں حلیف ہوں۔ اور ان کی ذات سے نہیں ہوں۔ اور مکہ میں کوئی ایسا نہیں ہے جو میرے مال و اہل کی حمایت و حفاظت کرے۔ اور وہ حضرات جو مہاجرین میں سے آپ کے ساتھ ہیں مکہ مکرمہ میں ان کے عزیز و اقارب ہیں جو ان کے مال و اہل کی حمایت و حفاظت کرتے ہیں۔ اسی بات نے مجھے اس فتنہ میں ڈالا ہے میں نے یہ عمل نفاق و ارتداد سے نہیں کیا ہے"۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا" آگاہ اور باخبر ہو جاؤ کہ حاطبؓ سچ کہتا ہے"۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ماروں"، حضورؐ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ اَطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ وَّ قَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔ بلاشبہ اہل بدر کے لئے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو چاہو کرو بلاشبہ میں نے تمہیں بخشدیا ہے"۔ اسے طبرانی نے روایت کیا۔ ایک روایت میں ہے اِنِّیْ غَافِرٌ لَّکُمْ "میں تمہاری بخشش چاہنے والا ہوں"۔ اس پر حضرت فاروق اعظمؓ رونے لگے اور عرض کرنے لگے اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتا ہے۔ اس وقت آیۂ کریمہ نازل ہوئی:- یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ۔ اے ایمان والو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو رازدار دوست نہ بناؤ..... وہ سیدھے راستہ سے گمراہ کر دیں گے"۔ فتح الباری میں منقول ہے کہ حضرت فاروق اعظم کا یہ کہنا کہ" مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن مار دوں"۔ اس کے باوجود کہ حضورؐ نے حاطبؓ کی تصدیق فرمائی اور ان کے عذر کو مقبول قرار دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کے نزدیک منافقوں میں سے تھے اور ان کے علم میں یہ تھا کہ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حکم کی مخالفت کرے وہ واجب القتل

ہے۔ لیکن انہوں نے اپنے علم پر جزم نہ کیا اور اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ اور اس پر اسم منافق کا اطلاق اس بنا پر کیا کہ جو حرکت اس سے سرزد ہوئی تھی اس نے اس کو چھپایا تھا اور حاطب رضی اللہ عنہ نے جو عذر کیا تھا وہ اس کی تاویل تھی اور اس نے یہ سمجھا تھا کہ اس قسم کے عمل سے کوئی ضرر و نقصان واقع نہ ہوتا اور حضور کا یہ ارشاد کہ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ یا اَغْفِرُ لَكُمْ یہ مستقبل کو ماضی کے ساتھ تعبیر کرنے کے طریقہ پر ہے۔ اور تحقیق وقوع کے مبالغہ کے لئے ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اہل بدر کی اس حاصل شدہ حالت کے اکرام و اعزاز میں یہ خطاب ہے کہ ان کے گزشتہ گناہوں کو بخشدیا گیا ہے اور وہ اس قابل اور لائق ہیں کہ ان کے آیندہ گناہ بھی بخشد یئے گئے ہیں۔ اور بلاشبہ حق تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کی صداقت کو ظاہر فرمایا جو کچھ جس کے بارے میں حضور نے خبر دی۔ اس لئے کہ وہ ہمیشہ اہل جنت کے اعمال پہ رہیں گے یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائیں۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ ان سے کوئی گناہ صادر ہی ہو جائے تو توبہ کرنے اور عملِ نیک اختیار کرنے میں وہ سبقت کریں گے۔ اور قطعی طور پر ان کے احوال میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ جیسی کچھ کہ ان کی سیرتوں کے بارے میں مطلع کیا گیا اور خبر دی گئی ہے حقیقت میں وہ ویسے ہی ہیں۔ اسے صاحب مواہب نے قرطبی سے نقل کیا ہے۔

بعض اہل مغازی بیان کرتے ہیں کہ حاطب رضی اللہ عنہ نے جو خط لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ اے گروہ قریش تم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیل و سیل کی مانند ایک لشکر لیکر تشریف لا رہے ہیں۔ خدا کی قسم اگر حضور تنہا بھی تم پر تشریف لائیں تو حق تعالیٰ حضور کی مدد فرمائے گا اور اپنے وعدہ کو سچا کر دکھائیگا لہٰذا تم اپنی فکر مناؤ" سہیلی نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ (انتہی)

اس خط میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کفر و نفاق پر دلالت کرنے والی ہو بجز اس کے کہ انہوں نے بھید کو کھولا۔ اور اس امید پر عذر خواہی کی کہ شاید اسے مان لیا جائے۔ بلاشبہ حضور نے ان کے عذر کو اس وقت قبول فرمایا جبکہ حضور نے ان کی تصدیق فرمادی اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ان کے قتل سے باز رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ اسے مسجد سے نکال دو تو لوگ یکے بعد دیگرے ان کی پشت پر ہاتھ مار کر باہر نکالنے لگے مگر وہ بار بار حضور کے روئے مبارک کو مڑ مڑ کر دیکھتے جاتے تھے کہ حضور رحم و کرم فرمائیں۔ پھر حضور نے فرمایا لوٹا لاؤ اور ان سے فرمایا میں نے تو تمہارے جرم کو معاف کر دیا اب تم حق تعالیٰ سے اپنی مغفرت چاہو۔ اور آیندہ کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حاطب رضی اللہ عنہ اکابر مہاجرین اور ارباب دانش و بینش میں سے تھے۔ ان کو یہ رسوائی

اور ذلت، ان کی غفلت سے پیش آئی۔ اور حضورؐ نے ان کو مقوقس شاہِ اسکندریہ کے پاس قاصد بنا کر بھیجا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

**مکہ مکرمہ کی جانب روانگی**

وصل: جب مکہ مکرمہ کے سفر کا عزم مکمل ہو گیا تو بعض اصحاب کو قبائل عرب میں سے اسلم، غفار، جہنیہ، اشجع، سلیم وغیرہ کی طرف بھیجا جو داخل اسلام ہو چکے تھے کہ انہیں خبر کریں اور سب جمع ہو کر سامان جنگ لے کر شامل ہو جائیں۔ اس کے بعد حضورؐ دس رمضان مبارک ۸ھ بروز چہار شنبہ بعد نماز عصر مدینہ طیبہ سے تشریف لے چلے۔ جیسا کہ واقدی نے کہا ہے اور امام احمد کے نزدیک باسناد صحیح حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہم عام الفتح میں دوسری ماہ رمضان کو چلے۔ اس بنا پر جو تاریخ واقدی نے کہی ہے وہ ضعیف ہے اور تعیین تواریخ میں اور بھی کئی قول مروی ہیں مثلاً بارہ[۱۲]، سولہ[۱۶]، سترہ[۱۷]، اٹھارہ[۱۸] اور انیس[۱۹] پہلے دونوں صحت کے زیادہ قریب ہیں اور دوسرا زیادہ صحیح ہے (واللہ اعلم)

جب حضورؐ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور لشکر کو ملاحظہ فرمایا تو سات سو مہاجرین میں سے تھے جن میں سے تین سو گھوڑے رکھتے تھے اور چار ہزار انصار میں سے تھے جن میں سے پانچ سو گھوڑے رکھتے تھے۔ اسی طرح قبائل مذکورہ میں سے چار سو، پانچسو اور ایک ہزار عدد مخصوص کے ساتھ پیش خدمت ہوئے۔ اور اثنار راہ میں بھی آکر شامل ہوتے رہے یہاں تک کہ مجموعی تعداد دس ہزار کی ہو گئی۔ بعض نے بارہ[۱۲] ہزار بھی کہی ہے۔ وجہ جمع یہ ہو سکتی ہے کہ دس ہزار مدینہ سے چلے ہوں۔ اور دو ہزار بعد ازاں آکر شامل ہو گئے ہوں چنانچہ مروی ہے کہ قبیلہ بنو سلیم تقریباً دو ہزار افراد کے ساتھ جن میں سے اکثر گھوڑ سوار تھے بعد میں آکر شامل ہوئے۔ اور مدینہ طیبہ میں حضرت ابن ام مکتوم کو اور بعض کہتے ہیں حضرت ابو ذر غفاری رضؓ کو خلیفہ بنایا۔ اور ازواج مطہرات میں سے سیدہ ام سلمہ رضؓ کو ہمراہ لیا۔ جب منزلِ کدید جو ایک چشمہ کا نام ہے اور قدید و عسفان کے درمیان ......

واقع ہے علم اور جھنڈوں کو صحابہ کرام کے سپرد فرمایا۔ منزل قدید میں روزہ افطار کیا اور حکم دیا کہ روزہ افطار کر لیں اور اعلان کرایا کہ (سفر میں) جو افطار نہ کرے گا گنہ گار ہو گا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا جو چاہے افطار کرے اور جو چاہے روزہ رہے۔ سفر میں افطار و روزہ دونوں جائز و اختیاری ہیں ایک دوسرے کی فضیلت میں بحسب رعایت مصلحت و ملاحظہ اوقات حدیثیں مختلف آئی ہیں۔ تمام حدیثیں حالت سفر میں جواز افطار پر متفق ہیں۔

کچھ اہل مکہ بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ کی جانب آ رہے تھے ان میں حضرت عباس بن عبد المطلب

رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے چچا، اپنے اہل وعیال کے ساتھ تھے اور منزل سقیا میں اور ایک قول کے بموجب جحفہ میں ایک قول کے بموجب ذوالحلیفہ میں حضورؐ سے ملے۔ حضورؐ نے حضرت عباسؓ کے آنے پر اظہار مسرت فرمایا اور حکم دیا کہ اپنا سامان تو مدینہ طیبہ بھیجدو اور خود ہمراہ رہو۔ اور حضرت عباسؓ سے فرمایا تمہاری ہجرت آخری ہجرت ہے۔ جس طرح کہ میری نبوت آخری نبوت ہے۔ نیز راستہ میں ہی ابوسفیانؓ بن حارث بن عبدالمطلب جو کہ حضورؐ کے چچا حارث کے فرزند تھے اور عبداللہؓ بن امیہ جو حضورؐ کی پھپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے تھے اور حضورؐ کی ایذا و اہانت میں بہت بڑھ چڑھ کر مشغول رہتے تھے آئے اور مسلمان ہو گئے۔ حضورؐ نے ان کی طرف سے اپنا رخ انور پھیر لیا اور سیدہ ام سلمہؓ کی عرض والتجا سے ان کے گناہوں سے درگزر فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم حضورؐ کی بارگاہ رحمت وکرم میں حاضر ہو کر وہ عرض کرو جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا تھا کہ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ اس پر حضورؐ نے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ابوسفیانؓ بن الحارث نے اس کے بعد کبھی شرم وحیا کے باعث حضورؐ کے سامنے سر نہ اٹھایا۔ اس کے بعد حضورؐ روانہ ہو کر مرالظہران پہنچے وہاں سے مکہ کی مسافت چار فرسخ ہے۔ اور اب اس جگہ کو "وادی فاطمہ" کہتے ہیں۔ یہ نام فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے منسوب نہیں ہے بلکہ یونہی اس کا نام پڑ گیا ہے۔ جس طرح کہ دیگر مقامات کے نام ہیں، اس کے بعد حضورؐ نے حکم دیا کہ ہر شخص اپنے خیمہ کے آگے آگ روشن کرے اور دس ہزار یا بارہ ہزار جگہ آگ روشن ہوئی ہوگی اس وقت تک قریش کو حضورؐ کے آنے اور آپ کے حالات کی انہیں کچھ خبر نہ تھی۔ لیکن خائف و غمگین رہتے تھے اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ حضورؐ مکہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ابوسفیان بن حرب سے قریش نے کہا جاؤ اور حالات کی تحقیق کرو اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے ملاقات و باریابی کا موقعہ ملے تو ہمارے لئے ان سے امان حاصل کرو۔ پھر ابوسفیان حکیمؓ بن حزام اور بدیل بن ورقا کے ساتھ مکہ سے نکلا۔ انہوں نے دیکھا کہ تمام وادی آگ سے روشن ہے۔ انہوں نے پوچھا یہ کیسی آگ روشن ہے۔ پھر انہوں نے خیموں کو دیکھا اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سنی۔ اس طرف حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب نے کہا کہ افسوس اگر حضورؐ اس شوکت و دبدبہ کے ساتھ اچانک قریش پر حملہ کریں تو ان سب کا استیصال ہو جائے اور ان کا نام و نشان تک باقی نہ رہے۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ میں

اپنے خاص اونٹ پر سوار ہوا اور لشکر سے باہر آیا تاکہ اگر کوئی مکہ کا آدمی ملے تو میں اس سے صورت حال کہوں تاکہ وہ مکہ والوں کو خبر کرے کہ وہ اپنا انجام سوچ لیں۔ اچانک میں نے ابوسفیان کی آواز کو پہچانا اور میں نے کہا "اے ابوحنظلہ!" اس نے بھی میری آواز پہچان لی۔ اور کہا "کیا ابوالفضلؓ ہیں؟" میں نے جواب دیا "ہاں!" اس نے کہا "اے ابوالفضلؓ! میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں یہ کیا واقعہ ہے؟" میں نے کہا "افسوس ہے تجھ پر! یہ رسولؐ خدا ہیں جو بارہ ہزار کا لشکر تم پر لائے ہیں"۔ اس نے کہا "اے عباسؓ! ہمارا کیا بنے گا؟" میں نے کہا "میرے اس اونٹ پر پیچھے بیٹھ جاؤ تاکہ میں تم کو رسول خداؐ کے حضور لیجاؤں اور تمہارے لئے امان حاصل کروں۔ پھر وہ میرے اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اور بدیل بن ورقا اور حکیم بن حزام مکہ لوٹ گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بدیل اور حکیم بھی ابوسفیان کے ہمراہ بارگاہِ نبوت میں آئے۔ اور مسلمان ہو گئے۔ ممکن ہے کہ مکہ پہنچ کر دوبارہ آئے ہوں اس کے بعد ہم حضرت فاروق اعظمؓ کے خیمہ کے سامنے پہنچے۔ جب انہوں نے ابوسفیان کو دیکھا تو انہوں نے اپنی جگہ سے جست کی اور تلوار لیکر ان کے پیچھے دوڑے اور چاہا کہ حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچنے سے پہلے ابوسفیان کے قتل سے فارغ ہو جائیں۔ کیوں کہ ابھی وہ امن وامان میں نہ تھے، اور نہ ایمان لائے تھے۔ میں نے بھی اونٹ کو تیز دوڑایا یہاں تک کہ حضرت فاروقؓ کے پہنچنے سے پہلے ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خیمہ میں پہنچ گئے۔ اور میں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! میں نے ابوسفیان کو امان دے کر اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ اور عمرؓ ان کے قتل کرنے کے درپے ہیں"۔ فرمایا "اے عباسؓ آج رات ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں رکھو اور صبح کو میرے حضور پیش کرو"۔ جب صبح ہوئی اور میں ان کو حضورؐ کی بارگاہ میں لے گیا تو حضورؐ نے فرمایا "افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! ابھی وہ وقت نہیں آیا ہے کہ تو جانے کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے"۔ ابوسفیان نے کہا "میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں! آپ کتنے رحیم و کریم اور بردبار ہیں۔ باوجود اتنی ایذا وستم پہنچنے کے آپ اتنی مہربانی اور لطف فرماتے ہیں۔ اب میں نے جان لیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ کوئی ہوتا تو اب ہمیں نفع پہنچاتا۔ اور ہماری مدد و اعانت کرتا"۔ اس کے بعد فرمایا "کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو جانے کہ میں خدا کا رسول ہوں"۔ اس نے کہا "میں ابھی تک ایک شک دل میں رکھتا تھا اور مجھے تھوڑا سا توقف تھا۔

اس کا سینہ تصدیق رسالت کے لئے نہ کھلا تھا۔ حضرت عباسؓ نے کہا "خرابی ہو تیری اے ابوسفیان! بات کو طول نہ دے اور کلمۂ توحید کے ساتھ زبان کو کھول۔ ورنہ اسی گھڑی حضرت عمر فاروقؓ آجائینگے اور تیری گردن اڑا دیں گے"۔ اس وقت ابوسفیان نے کہا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

اس کے بعد حضرت عباسؓ نے حضورؐ سے عرض کیا "یارسول اللہ! ابوسفیان صاحب فخر و شرف شخص ہے اور عزت و منزلت کو پسند کرتا ہے۔ اسے کسی ایسے مرتبہ سے نوازیئے جس سے مکہ والوں کے سامنے سرفراز ہو سکے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں آجائے وہ امن سے ہے، اور اپنے ہتھیار پھینک دے امن میں ہے اور جو اپنے گھر میں رہے وہ امن میں ہے۔ اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا امن میں ہے۔"

ارباب سیر بیان کرتے ہیں ایک زمانہ میں جبکہ ابتدائے وقت میں مشرکین مکہ حضورؐ کو ایذا پہنچاتے تھے اس وقت ابوسفیان اپنی پناہ میں لیکر حضورؐ کو اپنے گھر لے آیا تھا۔ آج حضورؐ کا یہ اعزاز و اکرام فرمانا ابوسفیان کے اس دن کے بدلہ اور جزا ہیں اور ان کے غرور و تکبر کے توڑنے کے لئے تھا۔ اور دوسروں کے لئے بھی امن کا حکم ساتھ ہی دیا تاکہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ یہ فضیلت اسی کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ یہ ایسا احسان عام ہے کہ وہ بھی اس عموم میں داخل ہے۔

جب ابوسفیان جانے لگا تو حضورؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا اسے مکہ مکرمہ جانے نہ دو بلکہ اپنے ساتھ رکھو اور کسی تنگ جگہ میں رکھو تاکہ لشکر اسلام اس کی نظر کے سامنے سے گزرے۔ اور رعب و ہیبت اسلام اس کے دل میں جاگزیں ہو۔ اور اس کے نخوت و عناد کا سر کچلے۔ اس پر حضرت عباسؓ نے آواز دی، اور فرمایا "اے ابوحنظلہ ٹھہر جا، آگے نہ بڑھ اور لوٹ آ۔" ابوسفیان لوٹ آیا اور کہنے لگا "اے بنی ہاشم! کوئی غدر دل میں رکھتے ہو؟" انہوں نے فرمایا "اہل بیت نبوت غدر و بے وفائی نہیں کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ، ابوسفیان کو تنگ گزرگاہ میں لیجاکر اور اسے روک کر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ لشکر اسلام فوج در فوج باعزت و شوکت گزرتا رہا۔ اور حضرت عباسؓ ہر ایک کی ابوسفیان سے تعریف کرتے رہے اور آتش حسد و غیرت سے اس کا دل جلاتے رہے۔ سب سے پہلے سپاہ شوکت پناہ حضرت خالدؓ بن ولید گزرے جو بنی سلیم کے ہزاروں افراد کے ساتھ تھے اور اس فوج کے درمیان دو علم تھے، ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے پوچھا "یہ کون ہے؟" فرمایا "یہ حضرت خالد بن ولیدؓ ہیں۔" اور جب حضرت خالدؓ، ابوسفیان کے برابر پہنچے تو تین مرتبہ پورے جاہ و حشم کے ساتھ باآواز بلند تکبیر کہی، جس سے ابوسفیان کی روح میں زلزلہ پڑ گیا اور اس کا دل دہل گیا۔ حضرت خالدؓ کے پیچھے زبیرؓ بن العوام رضی اللہ عنہ پانچ سو پہلوانوں، اور دلاوروں کے ساتھ تکبیر بلند کرتے ہوئے سیاہ علم کے ساتھ گزرے۔ ابوسفیان نے پوچھا یہ کون ہیں؟ حضرت عباسؓ نے فرمایا یہ حضرت زبیرؓ بن العوام ہیں۔" اس نے کہا "تمہاری بہن کا فرزند؟" انہوں نے

فرمایا "ہاں"۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ کے پیچھے بنی غفار کے تین سو حضرات ظاہر ہوئے اور اس جماعت کا علَم حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا وہ بھی تکبیر بلند کرتے ہوئے گزرے۔ حضرت عباسؓ نے اس قبیلہ کی تعریف فرمائی۔ ابوسفیان نے کہا "ہمیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہے اتنے میں بنو کعب بن عمر کے لوگ پانچسو کی تعداد میں پہنچ گئے اور اس فوج کا علَم بشر بن سفیان کے ہاتھ میں تھا۔ ابوسفیان نے پوچھا "یہ کن لوگوں کی ٹولی ہے؟" حضرت عباسؓ نے فرمایا "یہ حضورؐ کے حلیف وہم سوگند لوگ ہیں۔ اس کے بعد قبیلہ مزنیہ کے ہزار آدمی گزرے جن کے درمیان تین علَم تھے۔ ابوسفیان نے ان لوگوں کی تعریف سننے کے بعد بھی یہی کہا کہ مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ اس کے بعد قبیلہ جہنیہ کے لوگ پہنچے جو آٹھ سو شجاع تھے اور ان کے چار علَم تھے۔ ان کے پیچھے قوم اشجع کے تین سو افراد گزرے حضرت عباسؓ نے جب بنی اشجع کی تعریف فرمائی تو ابوسفیان نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سب سے زیادہ دشمن یہ لوگ تھے"۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا "حق تعالےٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کی محبت ڈال دی۔ ابوسفیان نے کہا "میں نے ان کو دیکھ لیا مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج خاص نمودار ہوئی۔ اور حضورؐ اپنے ناقہ پہ سوار تقریباً پانچ ہزار اعیان مہاجرین اور اشراف انصار کے جھرمٹ میں جو کہ سب کے سب مسلح ومکمل رکاب فلک فرسا میں آراستہ وپیراستہ تکبیر کہتے ہوئے پہنچے۔ آپؐ کے ایک ہاتھ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور دوسرے دست اقدس پر حضرت اسیدؓ بن حضیر تھے اور آپؐ ان سے محو گفتگو تھے۔ ابوسفیان نے جب اس خدائی لشکر کو اس عظمت وحشمت کے ساتھ دیکھا تو اس کی چشم عقل خیرہ ہوگئی اور انتہائی ہیبت وحیرت اس پر چھاگئی۔ ابوسفیان نے کہا "اے عباسؓ! تمہارے بھتیجے کی بادشاہت تو بہت قوی وعظیم ہوگئی ہے۔ حضرت عباسؓ نے کہا" افسوس ہے تجھ پر اے ابوسفیان! یہ رسالت ونبوت ہے بادشاہت وسلطنت نہیں ہے۔ منقول ہے کہ اس روز حضرت سعدؓ بن عبادہ جن کے قبضۂ اقتدار میں انصار کا علَم تھا اپنے ہزار انصار کے ساتھ آگے پیچھے چل رہے تھے جب وہ ابوسفیان کے برابر پہنچے تو فرمایا "اے ابوسفیان! یَوْمُ الْمَلْحَمَۃِ اَلْیَوْمَ تُسْتَحَلُّ الْحُرْمَۃُ اَلْیَوْمَ اَذَلَّ اللّٰہُ قُرَیْشًا۔ آج کا دن خون بہانے اور قتل کرنے کا ہے؛ آج حرمت حرم کو حلال بنادیا گیا ہے؛ آج اللہ تعالیٰ نے قریش کو ذلیل وخوار کردیا ہے"۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف رخ پھیر کر فرمایا "اے اوس وخزرج کے لوگو! آج روزِ احد کا انتقام تم قریش سے لے لو"۔ جب حضرت سعدؓ بن عبادہ نے ابوسفیان کو خوف ودہشت کے گرداب میں ڈال دیا تو ابوسفیان فریاد وفغاں کرتا ہوا

حضورؐ کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا "یا رسول اللہؐ! کیا آپ نے اپنی قوم کے قتل کرنے کا حکم دیا ہے؟" حضورؐ نے فرمایا "میں نے تو کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے۔ ابوسفیان نے حضرت سعدؓ بن عبادہ کی بات نقل کی۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "سعدؓ بن عبادہ نے یہ بات اپنی طرف سے کہی ہے۔ اور سہو و خطا سے کہدی ہے ورنہ آج تو لطف و مرحمت کا دن ہے۔ آج تو وہ دن ہے کہ حق تعالیٰ قریش کو عزت دے گا اور آج تو وہ دن ہے کہ حق تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت اور بڑھائے گا۔ تم سب خاطر جمع رہو۔ اور ایمان لے آؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ سعدؓ نے خلاف واقعہ بات کہی ہے۔ آج تو وہ دن ہے کہ حق تعالیٰ اپنے گھر کی عظمت بڑھاتا ہے اور اسے خلعت پہناتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا "آپ تمام لوگوں میں کتنے نیکوکار ہیں اور کتنے رحیم و کریم ہیں۔ میں حق تعالیٰ کو شفیع گردانتا ہوں کہ قریش کے ساتھ جو آپ کی قرابت داری ہے اس پر نظر فرماتے ہوئے ان کے خون سے درگزر فرمائیے اور اپنے عزیز و اقربا، پر رحم و کرم اور عطوفت مبذول فرمائیے۔ پھر حضرت عثمانؓ بن عفان اور عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو اپنے عزیز و اقارب کی رعایت، دامنگیر ہوئی اور عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم حضرت سعد بن عبادہؓ سے مامون نہیں ہیں۔ مبادا کہ وہ قریش کو کوئی آزار پہنچائیں۔ اس پر حضورؐ نے قیسؓ بن عبادہ سے فرمایا کہ اپنے والد سے علَم لیلو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کو مامور فرمایا کہ وہ حضرت سعدؓ سے علَم لیلیں۔ اور نرمی و مہربانی کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ اس کے بعد حضرت عباسؓ نے ابوسفیان سے فرمایا کہ تمہیں مکہ مکرمہ جانا چاہیئے اور قریش کو ڈرانا چاہیئے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور قتل و اسیری سے نجات پائیں۔ ورنہ ہلاک ہو جائیں گے۔" ابوسفیان دوڑتا ہوا مکہ مکرمہ آیا اور خبر دی کہ حضورؐ کا حکم ہے جو گھر میں رہ کر دروازہ بند کرلے اور جو ہتھیار پھینک دے اور جو میرے گھر آجائے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے وہ امان میں رہے گا۔ قریش نے کہا قبحک اللہ (اللہ تجھے روسیاہ کرے) یہ کیسی خبر ہمارے لئے لایا ہے۔ گویا قریش کو ابھی تک حضورؐ کے پہنچنے کا یقین نہ آیا تھا۔ انہوں نے پوچھا تیرے پیچھے یہ کیسا گرد و غبار اٹھتا ہوا آرہا ہے۔ اور وہ کون ہیں؟ ممکن ہے کہ ان کا یہ پوچھنا خبط، خرابی دماغ، حیرت، سرگردانی، خبث باطنی اور تکلف و تجاہل سے ہو۔ کیوں کہ حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقا، ابوسفیان سے پہلے مکہ لوٹ آئے تھے ظاہر ہے کہ انہوں نے انہیں بتادیا ہوگا۔ ابوسفیان نے کہا "افسوس ہے تم پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے لشکر و سپاہ کے ساتھ باجاہ و حشم تشریف لے آئے ہیں۔ اب تم میں ان سے مقابلہ کرنے اور جنگ کرنے کی تاب و تواں باقی ہی نہیں رہی ہے۔ ابوسفیان کی بیوی جس کا نام ہند بنت عتبہ اکلۃ الاکباد تھا اس نے اپنے شوہر کی داڑھی پکڑ کے

اسے خوب ذلیل و خوار کیا اور کہنے لگی "اے غالب کی اولاد! اس احمق کو مار ڈالو تاکہ ایسی بات منہ سے نہ نکالے"۔ ابوسفیان نے کہا "جس طرح چاہے مجھے ذلیل و رسوا کر اور جس طرح چاہے میرے ساتھ سلوک کر، لیکن خدا کی قسم اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو تمہاری گردنیں اڑا دیں گے۔ جاؤ گھروں میں گھس جاؤ اور دروازہ کو بند کرلو۔ تم سب کی تدبیر اور علاج یہی ہے۔ (ارجعنا الی القصہ)

القصہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مرالظہران سے آگے بڑھنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت زبیر رضی بن العوام کو حکم دیا کہ مہاجرین کی جماعت کو لیکر مکہ کے بلندی کے راستہ سے جسے کدا کہتے ہیں "حجوں" میں داخل ہوں اور حضورؐ کا خیمہ مبارک بھی وہاں لے جاکر نصب کریں۔ وہاں سے آگے نہ جائیں اور حضورؐ کی تشریف آوری کا انتظار کریں۔ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو ہتھیار بند جماعت کے ساتھ حکم دیا کہ نرمی و مہربانی کے ساتھ بطن وادی کی راہ سے روانہ ہوں۔ اور حضرت خالدؓ بن ولید کو حکم دیا کہ تمام فوج کو اسفل مکہ کی راہ سے جسے کُدا کہتے ہیں داخل ہوں اور اپنے علَم کو مکہ کے منتہائے عمارت میں نصب کریں۔ اور غسل کرنے کے بعد اور بدن اقدس پر ہتھیار آراستہ کرنے اور ان جماعتوں کو متعین کرنے کے بعد آپ اپنے مخصوص صحابہ کے ساتھ سوار ہوئے جب آپ کی نظر مبارک حق تعالیٰ کی فتح و نصرت اور اقامت نعم غیر متناہی پر پڑی تو اپنی ہجرت کا وقت یاد آگیا اور تصور کیا کہ کس طرح آپ تنہا و پنہاں اور دشمنوں سے گریزاں، مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لائے تھے اور تھوڑی ہی مدت کے بعد نمایاں اور واضح طور پر بایں شوکت و عظمت باجاہ و جلال اور بیشمار لشکر کے ساتھ واپس تشریف لا رہے ہیں۔ اپنے سر مبارک کو تواضعاً للہ جھکاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ کی لحیۂ مبارکہ پالان کی لکڑی سے مل جاتی ہے اور اسی پالان کے اوپر سجدۂ شکر بجالاتے ہیں، اور حق تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ مروی ہے کہ اونٹ کے پالان کے اوپر ہی سورۂ "انا فتحنا" کی ابتدائی آیتیں باآواز بلند ترجیع و تردید صوت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

ترجیع حلق میں آواز گھمانے کو کہتے ہیں جیسے کہ آآآ۔ بعض کہتے ہیں کہ ترجیع اونٹ کی حرکت رفتار کی بنا پر پیدا ہوتی ہے کیوں کہ درست باہر نہیں آتی تھی۔ حق یہ ہے کہ بربنائے غلبۂ شوق و سرور اور اس نعمت عظمےٰ کے شکرانہ میں تھی۔ اور قرآن کو تغنی و خوش الحانی سے علی الاطلاق پڑھنے میں احادیث وارد ہیں۔ صاحب سفر السعادۃ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم نے بعض اوقات تغنی سے قرآن کریم پڑھا۔ اور اس میں ترجیع فرماتے جس طرح خوش آواز حفاظ پڑھتے ہیں۔ روز فتح مکہ بھی سورۂ فتح کو اسی طرح پڑھا (انتہی) اسی حال کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ سبحان اللہ!

کیا شریف وقت اور سعید ساعت ہے کہ نور ایمان کی تابانی کے ظہور کا وقت ہے اور ظلمت کفر کے اضمحلال و زوال کا وقت ہے اور حضورؐ کا اس وقت کیا مقام اور کیا حال ہوگا۔ اے خداوندا میں اس وقت و ساعت کی حرمت سے تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ایسا ایمان و سرور عطا فرما جو تیرے فضل و رحمت سے متعلق ہے۔ جس کے بارے میں تو نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا مفسرین کہتے ہیں کہ فضل سے ایمان اور رحمت سے قرآن مراد ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ اور تمام لشکر کو حکم دیا کہ کوئی شخص کسی اہل مکہ سے اور حرم کے مجاوروں سے جنگ و قتال کے ساتھ پیش نہ آئے۔ بجز ان نادانوں اور ناسمجھوں کے جو ان کے ساتھ جنگ کریں۔ اپنی مدافعت میں ان کو معاف نہ کریں۔

منقول ہے کہ جب حضرت خالدؓ اس مقام کی طرف روانہ ہوئے جہاں حضورؐ نے قیام کا حکم دیا تھا تو اس جگہ عکرمہ بن ابوجہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو جو کہ ابھی تک عداوت و شقاوت اور خبث باطنی میں مبتلا تھے اور ظلمت کفر و ضلالت سے نہ نکلے تھے کمال بے طاقتی سے بنی بکر و بنی حارث کے کچھ لوگوں کے ساتھ اور کچھ ہزیل و احابیش کی مدد و اعانت سے آئے اور جنگی ساز و سامان سے لیس ہو کر سرِ راہ حضرت خالدؓ کو جا پکڑا۔ یہ بیخرد و گمراہ لوگ جو ابھی تک اپنے بدبخت باپ دادا کے دین کی تقویت کی سعی میں مشغول تھے۔ اتنا نہ جانتے تھے کہ اب کس بل بوتے پر فتح و نصرت کی تمنا و توقع رکھتے ہیں۔ ابوسفیان کو نہیں دیکھتے کہ وہ بھی کلمۂ اسلام زبان سے جاری کرنیکی توفیق پا چکا ہے۔ اور حضرت خالدؓ بن ولید کو نہیں دیکھتے کہ کس طاقت اور مقام رفعت و سعادت پر فائز ہو چکے۔ مگر یہ بدبخت یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ لوگ جان لیں کہ اگر زمرۂ اسلام میں داخل ہونا بھی پڑا ہے تو جبر و اکراہ کے طور پر ہوئے ہیں رغبت و شوق سے اسلام قبول نہیں کیا ہے۔ تاکہ ان کے باپ دادا کی خبیث روحیں ان سے راضی ہوں۔

لامحالہ حضرت خالدؓ کو ضرورت پیش آئی کہ ان کے ساتھ مقابلہ کریں۔ اور خندمہ کے مقام میں جنگ عظیم واقع ہوئی۔ یہاں تک کہ "خزورہ" کے مقام تک جسے عوام اب "عزورہ" کہتے ہیں جو خانہ کعبہ کے متصل ہے جنگ نے طول کھینچا۔ اور ان ذلیل و خوار سرکشوں میں سے اٹھائیس آدمی غازیوں کی تیغ آبدار سے جہنم رسید ہوئے۔ اور دو شخصوں نے حضرت خالدؓ کے لشکر میں سے شربت شہادت نوش کیا۔ ایک حبیش بن الاشعرؓ دوسرے کرز بن جابر رضی اللہ عنہ۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس جنگ کی اطلاع پہنچی تو فرمایا میں نے خالدؓ کو جنگ

کرنے سے منع کیا تھا وہ کیوں لڑے۔ لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! بہت بڑی جماعت ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آئی تھی۔ انہوں نے اپنی مدافعت میں ان سے جنگ کی ہے۔ جیسا کہ اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا تھا۔ ان کے ساتھ مجبوراً مقاتلہ محاربہ کرنا پڑا۔ فرمایا قَضَاءُ اللّٰهِ خَيْرٌ۔ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر بہتر ہے۔

منقول ہے کہ حضورؐ نے حضرت خالدؓ پر عتاب فرمایا اور کسی کو ان کے پاس بھیجا کہ جا کر حکم پہنچائے کہ ضَعْ عَنْهُمُ السَّيْفَ یعنی ان کو تلوار کی ضرب سے باز رکھو اور ان کو قتل نہ کرو۔ مگر اس قاصد نے ان سے یہ کہا کہ ضَعْ فِيْهِمُ السَّيْفَ یعنی ان کو تلوار کی دھار پر رکھو۔ اور ان کو قتل کر دو۔" اس پر حضرت خالدؓ نے اس دن ستر آدمیوں کو مارا۔ جب حضورؐ کے علم مبارک میں یہ بات آئی تو حضرت خالدؓ سے فرمایا تم نے حکم کے خلاف کیوں کیا۔ حضرت خالدؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں کیا کرتا اس قاصد نے جسے آپؐ نے بھیجا تھا مجھے یہ حکم پہنچایا کہ ضَعْ فِيْهِمُ السَّيْفَ (ان کو قتل کر دو)

اس سلسلہ میں عجیب و غریب بات یہ ہے کہ جسے بعض مفسرین بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اس شخص کو بلایا جس کو حکم دے کر بھیجا تھا اور فرمایا "میں نے تم سے کیا کہا تھا؟" اس قاصد نے کہا "جب میں حضورؐ کے پاس سے حکم لیکر چلا تو ایک شخص مجھے ملا جس کا سر آسمان تک پہنچتا تھا اور خنجر اس کے ہاتھ میں تھا اس نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ "خالدؓ سے کہنا ضَعْ فِيْهِمُ السَّيْفَ ورنہ اس خنجر سے تجھے ہلاک کر دوں گا۔ مجبوراً میں نے خالدؓ سے یہی کلمہ کہا۔ جب حضورؐ نے یہ سنا تو فرمایا صَدَقَ اللّٰهُ وَ صَدَقَ رَسُوْلُهٗ۔ اللہ بھی سچا ہے اور اس کا رسول بھی سچا ہے۔ اُس دن جب روز احد حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تھے تو میں نے کہا تھا کہ اگر میں قریش کو پاؤں تو ان کے ستر آدمیوں کو قتل کروں گا۔ اس دن حق تعالیٰ نے مجھے منع فرما دیا تھا۔ لیکن آج خدا نے چاہا کہ جو کچھ نبی کی زبان سے ادا ہوا ہے وہ سچ کر دکھایا جائے۔ اسی غرض سے یہ بات ظہور میں آئی ہے۔ اور قریش کے ستر آدمی مارے گئے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ مکہ کے اوباش اور نادان لوگ سرکشی دکھاتے ہیں۔ اور مقاتلہ پر آمادہ ہیں فرمایا اُحْصُدُوْهُمْ حَصْدًا۔ "کاٹ دو انہیں خوب کاٹنا۔" ابوسفیان نے حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قریش ہلاک ہو گئے اس پر خواجۂ کائنات نے ان پر رحم فرمایا اور حکم دیا کہ "اب قریش کو نہ مارو۔" اس کے بعد ان اشقیاء کا وہ گروہ جو جنگ کر رہا تھا ہزیمت کھا کر بھاگ کھڑا ہوا اور پہاڑوں اور ان کی گھاٹیوں میں جا چھپا اور بعض کوہ و بیابان کو نکل گئے اور بعض گھروں میں گھس کر دروازے بند کر کے بیٹھ گئے اور قتل

ہونے سے چھوٹ گئے۔

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بسبب اژدہام کثیر یا بغرضِ تعلیم احکام سواری پر ہی مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اس بقعہ نور کو اپنے نورِ حضورؐ سے لباس نورٌ علیٰ نور پہنایا۔ اور محجن اپنے دست مبارک کے عصا سے جو ہمیشہ آپؐ کے دست مبارک میں رہا کرتا تھا حجر اسود کا استلام کیا۔ اور زبانِ حق ترجمان کو تکبیر کے ساتھ کشادہ فرمایا۔ اور مسلمانوں نے بھی موافقت اور اتباع کے قصد سے تکبیر بلند کی یہاں تک کہ تکبیر کا غلغلہ مکہ مکرمہ میں گونج گیا۔ اور مشرکین مکہ کے پہاڑوں پر چڑھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے اور سن رہے تھے۔ اور آتشِ عداوت وحسد میں جل بھن رہے تھے۔

**خانۂ کعبہ سے بتوں کو توڑنا** وصل : جب طواف سے فارغ ہوئے تو بتوں کی پلیدی سے بیت الحرام کی تطہیر کی طرف توجہ فرمائی۔ اور حرم پاک کی عزت وحرمت کو پاک کیا۔ اہلِ سِیر لکھتے ہیں کہ مشرکوں نے تین سو ساٹھ بت، خانۂ کعبہ کے اطراف وجوانب میں نصب کر رکھے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ شیطان نے ان بتوں کے پاؤں کو سیسہ سے زمین میں جما رکھا تھا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس عصائے مبارک سے جو آپؐ کے دست اقدس میں رہتا تھا بتوں کی طرف اشارہ کر کے فرماتے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا حق آگیا اور باطل فرار ہو گیا بلاشبہ باطل کو تو فرار ہونا ہی تھا؛ اور وہ بت منہ کے بل گر پڑتے۔ ایک روایت میں ہے کہ قفا یعنی گدی کے بل گر پڑتے۔ دونوں روایتوں میں مطابقت اس طرح کرتے ہیں کہ اگر عصا کا اشارہ منہ کی طرف ہوتا تو وہ گدی کے بل گر پڑتے اور اگر گدی کی طرف اشارہ ہوتا تو منہ کے بل گر پڑتے تھے۔ بعض سیر کی کتابوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روز فتح مکہ خانۂ کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت پائے جس کی طرف قبائل عرب حج کرتے اور ان کے لئے قربانی کرتے تھے۔ اس پر بیت اللہ نے خدا سے شکایت کی۔ اور مناجات کی کہ اے میرے رب! کب تک تیرے سوا، میرے ارد گرد بتوں کی پوجا ہوتی رہیگی؟ پھر خدا نے بیت اللہ کی طرف وحی بھیجی کہ عنقریب میں تیرے لئے اپنے نور کو پیدا کروں گا اور تیری طرف ایسی قوم کو بھیجوں گا جو گرگسوں کی مانند دھیمی چال سے آئیں گے اور ان پرندوں کی مانند جو ذوق وشوق کے ساتھ اپنے انڈوں کی طرف آتے ہیں ایسے تیری طرف آئیں گے۔ اور تلبیہ کے ساتھ آواز بلند کرتے ہوں گے۔ اور اساف ونائلہ اور ہُبَل کو جو بڑے بڑے بت ہیں توڑ دیں گے مروی ہے کہ اساف کوہِ صفا پر نصب تھا اور نائلہ کوہِ مروہ پر۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ دراصل یہ دونوں بت قبیلہ جرہم کے مرد وعورت تھے جنہوں نے خانہ کعبہ میں زنا کیا تھا۔ اس بنا پر حق تعالےٰ نے ان کو مسخ کر کے

دونوں کو پتھر کا کر دیا۔ اور قریش نے اپنی کمال جہالت و فرط ضلالت سے انہیں پوجنا شروع کر دیا اور ان دو پتھروں سے اپنے سر مارنے لگے۔ جس وقت ان دونوں بتوں کو توڑا گیا تو ان میں سے ایک سیاہ رنگ کی کلموئی عورت باہر نکلی حضورؐ نے فرمایا یہ ہے نائلہ جو آج کے بعد ابد تک کبھی نہیں پوجی جائے گی اور جب بت ہُبل کو توڑا گیا تو حضرت زبیرؓ بن العوام نے ابوسفیان سے فرمایا یہ ہے وہ بت ہُبل جس پہ روز احد تم ناز کرتے تھے۔ اور نعرہ لگاتے تھے کہ "اعل ہبل" (بلندی ہو ہبل کی) آج وہ توڑ دیا گیا ہے ابوسفیان نے کہا "مجھے چھوڑ دو اور میری سرزنش نہ کرو اگر خدائے محمدؐ کے سوا کوئی اور خدا ہوتا تو ضرور ہماری مدد کرتا۔ اور اس کے برخلاف صورت رونما ہوتی"۔

بعض سیر کی کتابوں میں ہے کہ چند بڑے بت اونچی جگہوں پر نصب تھے جن تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان میں سب سے اونچا اور بڑا بت وہ تھا جسے ہُبل کہتے تھے۔ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! اپنے قدم ناز کو میرے کندھوں پہ رکھئے اور ان بتوں کو گرا دیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا "اے علیؓ! تم میں بار نبوت کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہے تم میرے کندھوں پہ آؤ اور ان بتوں کو گراؤ۔ امتثالاً للامر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر آئے اور ان کو گرایا۔ اس حالت میں حضورؐ نے علی مرتضیٰؓ سے پوچھا خود کو کیا دیکھتے ہو۔ عرض کیا "یا رسول اللہ! میں ایسا دیکھتا ہوں کہ گویا تمام حجابات اٹھ گئے ہیں اور میرا سر ساق عرش سے جا ملا ہے۔ اور جدھر میں ہاتھ پھیلاؤں وہ چیز میرے ہاتھ آجاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "اے علیؓ! تمہارا کتنا اچھا یہ وقت ہے کہ تم کار حق ادا کر رہے ہو اور میرا حال کتنا مبارک ہے کہ میں بار حق اٹھائے ہوئے ہوں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب علی مرتضیٰؓ نے بتوں کو زمین پر گرایا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے تو خود کو دوش رسولؐ سے زمین پر گرا دیا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ خود کو خانہ کعبہ کے قریب گرا دیا۔ اور یہ حضورؐ کے ادب و احترام کی بنا پر تھا۔ جب وہ زمین پر گرے تو تبسم فرمایا۔ حضورؐ نے ان سے پوچھا کس چیز نے تمہیں ہنسایا۔ عرض کیا اس چیز نے مجھے ہنسایا کہ میں نے خود کو اتنی بلندی سے گرایا اور مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ حضورؐ نے فرمایا تمہیں تکلیف کیسے پہنچتی جبکہ تمہیں اٹھانے والا محمدؐ ہو اور تمہیں اتارنے والا جبرئیلؑ ہو۔ بعض علماء، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علی مرتضیٰؓ کو اٹھانے اور بتوں کے گرانے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بحکم آیۂ کریمہ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ (بلاشبہ اے کافرو تم اور وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ سب جہنم کا ایندھن ہیں) یہ بت جہنم کے ایندھن تھے۔ اگر دنیا میں ان کو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ اقدس چھو جاتا تو آخرت میں آتش دوزخ ان کو نہ پہنچتی اور اس کے ایندھن نہ بنتے۔

معارج النبوت میں اس سے زیادہ عجیب وغریب چیز روایت کی گئی ہے ایک روز حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تھے۔ سیدہ فاطمہؓ روٹیاں تنور میں لگا رہی تھیں۔ آگ کی گرمی سے ان کا بدنِ نازنین گرم ہو گیا۔ اس پر حضورؐ نے چاہا کہ چند روٹیاں تنور میں اپنے دستِ اقدس سے لگائیں۔ وہ سب کی سب کچی نکلیں۔ سیدہ فاطمہؓ حیران رہ گئیں کہ جتنی روٹیاں حضورؐ نے اپنے دستِ اقدس سے لگائیں وہ سب کچی رہ گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا "اے فاطمہؓ تعجب نہ کرو۔ ان روٹیوں کو میرا ہاتھ چھو جانے کا شرف حاصل ہو گیا ہے۔ اور جو چیز ہمارے ہاتھ سے چھو جائے آگ اس پر اثر نہیں کرتی۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے گرد و پیش کو بتوں کی نجاست و پلیدی سے پاک فرمایا تو ارادہ فرمایا کہ خانۂ کعبہ میں داخل ہوں۔ اس وقت عثمانؓ بن طلحہ کو بلایا تاکہ خانہ کعبہ کی چابی کو ان سے لیں چونکہ قدیم الایام سے اس کی چابی ان کے سپرد تھی۔ اور چابی عثمانؓ کی والدہ کے قبضہ میں تھی جس کا نام سلام بنت سعد تھا۔ عثمانؓ والدہ کے پاس گئے اور ان سے چابی مانگی ان کی والدہ نے چابی دینے سے انکار کیا۔ عثمانؓ نے کہا خدا کی قسم چابی دو ورنہ اپنی کمر سے تلوار نکالتا ہوں۔ پھر ماں کے ہاتھ سے چابی لیکر حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دی۔ حضورؐ نے اپنے دست مبارک سے کعبہ کا دروازہ کھولا۔ (رواہ مسلم) ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں عثمانؓ بن طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ایسا دستور تھا کہ خانہ کعبہ کو دوشنبہ اور پنجشنبہ کے سوا نہ کھولتے تھے۔ ایک دن حضورؐ زمانۂ جاہلیت میں میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے دروازہ کھولنے کے لئے فرمایا تاکہ اس جماعت کو جو آپؐ کے ہمراہ تھی کعبہ میں داخل کریں۔ میں نے حضورؐ کے ساتھ سختی برتی۔ مگر حضورؐ نے صبر فرمایا اور بردباری سے کام لیا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "اے عثمانؓ! ایک دن ہو گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں دیکھو گے یہاں تک کہ میں جسے چاہوں گا عطا فرماؤں گا"۔ میں نے کہا "اس دن قریش ہلاک و خوار ہو جائیں گے۔ اس دن سے یہ بات میرے دل میں جگہ کر گئی کہ ضرور ایسا ہو کے رہے گا جب فتح کا دن آیا۔ اور حضورؐ نے فرمایا کہ "اے عثمانؓ چابی لاؤ"۔ میں لایا اور میرے ہاتھ سے لے کر پھر میرے ہی ہاتھ میں دیدی اور فرمایا "لو۔ قیامت تک کوئی تمہارے ہاتھ سے نہ لے گا مگر ظلم سے۔ اے عثمانؓ! میں نے ایک دن تم سے نہ کہا تھا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہو گی اور میں جسے چاہوں گا عطا فرماؤں گا

میں نے عرض کیا "ہاں یا رسول اللہ! میں شہادت دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ کے رسول ہیں عثمان رض کی جانب سے یہ تجدید وشہادت و ایمان اس معجزے کے مشاہدے کی بنا پر ہے ورنہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت عثمان رض کا ایمان لانا حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو رض بن العاص کے ساتھ فتح مکہ کے سال سے پہلے ہے ۔ جیسا کہ گزر چکا ہے ۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رض بن طلحہ کو چابی کے لئے طلب فرمایا تو حضرت عباس رض بن عبد المطلب نے عرض کیا کعبہ کی کنجی انہیں عطا فرمائی جائے اور منصب سدانت کعبہ کو سقایہ کے ساتھ ان کے لئے جمع فرمادیں ۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رض نے عرض کیا "یا رسول اللہ! منصب حجابت کعبہ کو اپنے اہل بیت کے سپرد فرمائیں جس طرح کہ سقایہ زمزم کو انہیں مرحمت فرمایا ہے (واللہ اعلم) حضرت علی مرتضےٰ رض منصب حجابت کو اپنے لئے چاہتے تھے یا حضرت عباس رض کی تقویت فرما رہے تھے کہ جس طرح سقایہ زمزم انہیں حاصل ہے اسی طرح حجابت کعبہ بھی انہیں ہی حاصل ہو ۔ اس پر حضور ص نے حضرت علی رض مرتضیٰ کو بھیجا کہ چابی کو حضرت عثمان رض بن طلحہ کے ہاتھ سے لے آئیں اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد فرمائیں ۔ پھر حضرت علی کو حکم دیا کہ چابی عثمان رض کے ہی ہاتھ میں دیدی جائے ۔ اور ان سے معذرت کرو ۔ جب علی رض مرتضیٰ چابی لے کر ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا یہ کیا کہ زبردستی لے گئے اور معذرت کے ساتھ لے آئے ؟ حضرت علی مرتضیٰ نے فرمایا "تمہاری شان میں قرآنی آیت نازل ہوئی ہے اور جبریل ع نے آکر کہا ہے کہ جب تک روئے زمین پر یہ بیت اللہ قایم ہے اس کی چابی اور اس کی سدانت قیامت تک انہیں کے لئے ہے ۔ اور جب حضرت عثمان رض بن طلحہ نے وفات پائی تو انہوں نے اپنے بھائی شیبہ رض کے سپرد کر دی ۔ عثمان رض کا کوئی فرزند نہ تھا ۔ اور انہیں کو بنی شیبہ کہتے ہیں ۔ (واللہ اعلم)

الغرض حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اسامہ رض، بلال رض اور عثمان رض بن طلحہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور حضرت ابن عباس رض کو اس کے دروازہ پر کھڑا کیا ۔ اسامہ رض اور بلال رض اندر چلے گئے اور دروازہ کو حضور ص کے لئے بند کیا تاکہ اژدہام نہ ہو ۔ حضور ص طویل وقفہ تک اندر رہے اور خانہ کعبہ کے گوشوں میں دعا و تضرع فرماتے رہے ۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور نکلتے وقت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انبیاء و فرشتوں کی تصویروں کو جنہیں کفار نے دیوار ہائے کعبہ میں منقش کر رکھا ہے مٹا دو ۔ پھر انہوں نے تمام تصویروں کو مٹا دیا مگر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل

علیہ السلام کی اس تصویر کو باقی رکھا جس میں دونوں تیر و قمار ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا "انہیں بھی مٹا دو یہ قوم نہیں جانتی کہ انبیاء ہرگز قمار نہیں کھیلا کرتے ہیں۔ پھر حضورؐ نے ایک ڈول پانی کا طلب فرمایا اور ان دونوں تصویروں کو بھی دھو دیا۔ حضرت ابن عمرؓ حضرت بلالؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے خانہ کعبہ کے اندر دو رکعت نماز پڑھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے جو اسامہؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے اندر نماز نہیں پڑھی۔ اعتماد و بھروسہ حضرت بلالؓ کی روایت پر ہے کیوں کہ وہ مثبت ہے نہ کہ اسامہؓ کی روایت پر کیوں کہ وہ نافی ہے اور اصول فقہ کے قواعد میں سے ہے کہ مثبت، نافی پر مقدم ہے کیوں کہ اس کے ساتھ علم کی زیادتی ہے نافی میں یہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ حضرت بلالؓ حضورؐ کے احوال شریف سے واقف تھے چونکہ وہ اول سے آخر تک حضورؐ کے ساتھ رہے اور اسامہؓ کو کسی کام سے باہر بھیجا گیا تھا اس بنا پر وہ نماز سے مطلع نہ ہوئے ظاہر ہے کہ وہ کام پانی کا ڈول لانے کا تھا تاکہ اس سے تصویروں کو دھویا جا سکے۔ جیسا کہ ایک روایت میں صراحت کے ساتھ بھی آیا ہے یہ ہے وجہ تطبیق و جمع، حضرت بلالؓ اور حضرت اسامہؓ کی روایتوں کے درمیان اور اسامہؓ سے بھی ایک روایت میں ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں امام احمدؒ طبری سے منقول ہے کہ حضورؐ نے اندرون کعبہ نماز پڑھی۔ حضرت اسامہؓ کی ان دونوں روایتوں کی جمع میں علماء فرماتے ہیں کہ اسامہؓ جس روایت میں اثبات کرتے ہیں وہ اپنے غیر پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور جس میں نفی کرتے ہیں وہ اپنے علم کے بموجب نفی کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ حضورؐ نے نماز پڑھی ہے تو میں کہوں گا کہ میں نے نہیں دیکھا تو اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب خانہ کعبہ کا دروازہ کھول کر باہر تشریف لائے تو چوکھٹ کے دونوں بازو پکڑ کے کھڑے ہو گئے۔ حضرت خالدؓ لوگوں کے اژدھام کو در کعبہ سے دور ہٹا رہے تھے اس وقت آپؐ نے اس ذکر کو جو حمد ثنائے الٰہی اور ادائے شکر نعیم نامتناہی پر مشتمل تھا پڑھا اور کہا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ۔ لَا شَرِیْکَ لَہٗ۔ صَدَقَ وَعْدَہٗ۔ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَہَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ وَاَعَزَّ جُنْدَہٗ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور قبائل کو ایک ایک کر کے ہزیمت دی اور اپنے لشکر کو غالب فرمایا۔ اعیان قریش خوف و بیم کی حالت میں کھڑے ہوئے تھے کہ دیکھئے کیا حکم ہوتا ہے اور کیا فرمائیں گے۔ اس وقت اہل مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "کیا کہتے ہو اور کیا گمان رکھتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟" لوگوں نے کہا نَقُوْلُ خَیْرًا وَّنَظُنُّ خَیْرًا۔ ہم اچھا کہتے ہیں اور اچھا گمان رکھتے ہیں اَخٌ کَرِیْمٌ وَّابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ وَّقَدْ

قَدَرْتَ آپ بخشش فرمانے والے بھائی کے فرزند ہیں بلاشبہ آپ نے ہم پہ قدرت پائی ہے" جو لوگ حضورؐ کے ہم عمر تھے انہوں نے اخ کریم کر کے مخاطب کیا اور جو لوگ آپ کے والد ماجد کے ہم عمر تھے انہوں نے ابن اخ الکریم کنایہ کر کے مخاطب کیا۔ اور ان کا کہنا کہ "قد قدرت" طلب عفو کی طرف اشارہ ہے کہ قدرت کے باوجود معاف اور درگزر فرمائیں۔ چونکہ اس عبارت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے بھائیوں سے درگزر فرمایا جبکہ ان کے بھائیوں نے کہا تھا لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ تو حضورؐ نے فرمایا میں بھی وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں اللہ تمہیں بخشے۔ وہ ارحم الراحمین ہے۔ چونکہ ابتدائے سوال ان کی جانب سے ہوا تھا انہوں نے پوچھا "آپ کیا فرمائیں گے اور آج ہمارے ساتھ کیا کریں گے۔؟ اس پر حضورؐ نے فرمایا "میں وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہا"۔ اور حضورؐ کی جانب سے شروع میں ان سے دریافت کرنا یہ ایک قسم کا توبیخ و تہدید میں عتاب آلود خطاب تھا۔ جیسا کہ ظاہر و باہر ہے (واللہ اعلم) اور فرمایا اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ جاؤ اب تم آزاد ہو۔ قید سے رہائی پا چکے ہو کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بشکرِ وصل کہ حاصل بکام دل کردم ستمگران حسد پیشہ را بحل کردم

اس کے بعد حضورؐ نے انتہائی فصیح و بلیغ خطبہ دیا اور جاہلیت کی رسوم و عادات کو بیخ برکندہ کیا اور قصاص دیت کے احکام کو جو اہل جاہلیت اس میں افراط و تفریط کرتے تھے بیان فرمائے کہ تمام لوگ حضرت آدمؑ کی اولاد سے ہیں اور حضرت آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔ کسی کو کسی پر کوئی فضل و زیادتی نہیں ہے بجز تقویٰ و پرہیزگاری کے۔ اور اس آیۂ کریمہ کو پڑھا يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد ام ہانی بنت ابی طالب امیر المومنین علی مرتضیٰ کی بہن کے گھر تشریف لائے اور تازہ غسل فرما کر آٹھ رکعت ہلکی چاشت کی پڑھی اور فرمایا "ہذہ سبحۃ الضحیٰ" سبحہ نماز نافلہ کو کہتے ہیں اور سبحہ کی طرف اضافت کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وقت کے سبب سے موسوم ہے۔ بعض گمان کرتے ہیں کہ یہ نماز فتح کے شکرانہ کے طور پر تھی۔ اور نماز چاشت کی مشروعیت میں ام ہانیؓ کی یہ حدیث عمدہ ہے۔ اس نماز میں علماء کا بہت اختلاف ہے شرح سفر السعادۃ میں تفصیل و تحقیق کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے وہاں دیکھنا چاہیئے تحقیق یہ ہے کہ نماز چاشت کا حضورؐ کی جانب سے پڑھنے کا ثبوت دائمی نہیں ہے لیکن وہ نماز جسے نماز اشراق کہتے ہیں دائمی تھا۔ اور اس میں تاکید بھی تھی۔ دونوں نمازوں پر صلوٰۃ الضحیٰ کا

اطلاق احادیث میں واقع ہوا ہے۔

اس کے بعد حضورؐ قیام گاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ راہ میں شعب ابی طالب، اور خیف بنی کنانہ نظر سے گزرا وہ محنت و مشقت کی یاد آئی جو مشرکوں کے ہاتھ سے اس جگہ پہنچی تھی جس وقت کہ مشرکوں نے کفر و انکار اور بنی ہاشم کے ساتھ ترکِ مناکحت اور ان کے ہاتھ خرید و فروخت نہ کرنے پر حلف و قسم اٹھائی تھی کہ جب تک وہ حضورؐ کو ان کے حوالہ نہ کر دیں گے یہ معاہدہ جاری رہے گا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہ تمام مناظر یاد آئے اب فتح مکہ کی نعمت اور دشمنانِ دین پر غلبہ پانے پر شکر خدا بجا لائے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آیا تو بلالؓ کو حکم دیا کہ بامِ کعبہ پر چڑھ کر اذان دیں۔ یہ بھی کیسا شریف وقت اور عظیم نعمت تھی کہ جو حضورؐ کے دامانِ اجلال کے دستِ ادراک میں آئی۔ اس وقت کی حقیقت تو عرشیوں سے پوچھنی چاہیئے کہ یہ آواز وہاں تک پہنچی ہو گی۔ بلکہ وہاں سے گزر کر اور اوپر گئی ہو گی۔ اس مقام میں اذان کے کلمات بھی مروی ہیں جس طرح کہ بابِ اذان میں گزرا ہے، اے مالک الملک اس وقت مبارک اور ساعت سعید کے طفیل، مسلمانوں کو دین پر ثابت رکھ اور کلمۂ اسلام کے شہرہ کے اور زیادہ بلند فرما۔ آمین۔

مشرکوں نے جب حضرت بلالؓ کی آواز سنی تو ان میں کے کچھ لوگوں نے جیسے خالد بن اسید برادر عتاب بن اسید، حارث بن ہشام برادرِ ابوجہل، اور حکم بن العاص نے یاوہ گوئی سے کام لیا۔ اس پر جبریل علیہ السّلام آئے اور جو کچھ ان لوگوں نے بکواس کی تھی سب کی خبر دی۔ حضورؐ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور جس نے جو کچھ کہا تھا سب کی خبر دی اور انہیں ان کی باتوں سے خبردار کیا۔ یہ بات ایک جماعت کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ جیسے حارثؓ بن ہشام عتابؓ بن اسید وغیرہ۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب بھی ان لوگوں کے ساتھ یاوہ گوئی میں شامل تھا۔ اس نے کہا تھا کہ میں کچھ نہیں کہتا جو کچھ میں کہوں گا میرا خیال ہے کہ یہ سنگریزے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو اس کی خبر دیدیں گے۔ جب حضورؐ نے ان لوگوں کے سامنے ان کی کہی ہوئی باتوں کو دہرایا تو ابوسفیان نے کہا کہ میں نے اتنی بات سے زیادہ کچھ نہیں کہا ہے۔ حضورؐ نے تبسم فرمایا اور تصدیق کی۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا تھا اور اس کا اسلام حسن پذیر ہو گیا تھا۔ روزِ فتح مکہ کے بعض مسلمانوں کو "حسن اسلامہ" کہا جاتا ہے اور بعض کے بارے میں علماء اختلاف کرتے ہیں۔ بہر تقدیر ایسے مسلمانوں کو "مولفۃ القلوب" کہتے ہیں۔ اس لفظ کا مطلب اور ان کے معاملہ کے بارے میں "غزوہ حنین" اور اس کے غنایم کی تقسیم کے ضمن میں واضح ہو گا۔ معاویہ بن ابوسفیان

از مسلمانانِ فتح اور مولفۃ القلوب میں سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا اسلام لانا ان کے باپ کے اسلام سے پہلے ہے قبل اس کے کہ حضورؐ مکۃ مکرمہ میں داخل ہوں اور کہتے ہیں کہ مکہ کی راہ میں حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام لائے۔

القصہ اس کے بعد حضورؐ کوہِ صفا پر تشریف لائے اس طرح کہ آپ کی نظر مبارک کے سامنے خانہ کعبہ تھا پھر دستِ مبارک اٹھا کر شکرانۂ نعمت بجا لائے۔ اور اس جگہ بیٹھے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ حضورؐ کی خدمت میں استادہ تھے۔ قریش کا ایک ایک آدمی آتا جاتا بیعت کرتا جاتا تھا۔ مردوں کے بعد عورتیں آئیں اور انہوں نے بیعت کی اور شرف مبایعت سے مشرف ہوئیں عورتوں کے ساتھ بیعت زبانی تھی دست اقدس کے ساتھ نہ تھی۔

**عورتوں کی بیعت کا طریقہ** | ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ چادر مبارک کا ایک کنارہ دستِ اقدس میں پکڑتے اور دوسرا کنارہ ان کے ہاتھ میں دیا جاتا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک پیالہ پانی کا لایا جاتا اور حضورؐ اپنا دستِ اقدس اس میں داخل کرتے۔ اس کے بعد ان کو دیا جاتا تاکہ وہ اپنا ہاتھ اس میں ڈالیں۔ مگر صحیح یہی ہے کہ زبان سے تھی۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں صراحت سے آیا ہے۔ عورتوں سے بیعت لینے کے بارے میں یہ آیۂ کریمہ بیان فرمائی ہے کہ:۔ يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ ۔ اے نبی جب آپ کے پاس ایماندار عورتیں اس پر بیعت کرنے آئیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو نہ شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی۔

مروی ہے کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو قتل کرنے سے منع فرمایا اور ان کے ساتھ لطف و احسان فرمایا تو انصار نے غیرت کھائی اور بعض انصار کہنے لگے کہ حضورؐ اپنی قوم اور اپنے خاندان کی طرف مائل ہو گئے اور ان کے ساتھ مہربانی و کرم کا سلوک فرمایا اب ہمیں تنہا چھوڑ دیں گے اور ان کی جانب اور اپنے شہر تشریف لے آئیں گے۔ حالانکہ انصار کا گمان یہ تھا کہ چونکہ قریش نے حضورؐ کو بہت ایذا و آزار پہنچائے ہیں اور قتل و غارت اور عداوت و دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے اس لئے ان کے اعمال کا بدلہ و انتقام لیں گے۔ اور ایک سرے سے ان سب کا قتل عام فرمائیں گے جیسا کہ حضرت سعدؓ بن عبادہ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔ مگر انہوں نے اتنا نہیں سمجھا کہ حضور رحمۃ للعالمین اور ہادی الضالین یعنی گمراہوں کو راہِ ہدایت دکھانے والے بھی ہیں اور آپؐ کا مقصود اہل جہان کی ہدایت و رہنمائی ہے انتقام و بدلہ لینا تو دنیاوی بادشاہوں کا کام ہے۔ انصار اسی گفتگو میں تھے

کہ حضورؐ پر آثار وحی نمودار ہوئے جب منجلی ہوئے تو انصار سے فرمایا کہ تم ایسا ایسا کہتے ہو۔ انہوں نے اعتراف کیا۔ حضورؐ نے فرمایا حاشا وکلا۔ میں ایسا کروں۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں حکم الٰہی سے میں نے تمہاری طرف ہجرت کی۔ میری زندگی تمہارے ساتھ ہے۔ اور میری ممات بھی تمہارے ساتھ ہے۔ انصار رو کر عرض کرنے لگے۔ واللہ، یارسولؐ اللہ ہم نے یہ بات کسی بدگمانی سے نہیں کہی تھی بلکہ اس انتہائی محبت اور قلبی لگاؤ سے کہی تھی جو آپؐ کے ساتھ ہمیں ہے کہ آپؐ اب دوسروں کے ہوجائیں گے اور ہمیں چھوڑ دیں گے۔ چونکہ اس قوم کے ساتھ آپؐ کا نزاع وجدال اور حرب وقتال، اعلائے کلمۂ اسلام اور اظہار دین کے لئے تھا۔ دنیاوی جاہ وحشم مطمح نظر نہ تھا۔ جب یہ بات حاصل ہوگئی تو انتقام کس لئے لیتے۔

فتح مکہ کے دوسرے دن بھی حضورؐ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ "اے لوگو! بلاشک و شبہ حق تعالیٰ نے جب سے آسمان وزمین پیدا ہوئے ہیں مکہ مکرمہ کو حرام قرار دیا ہے۔ یہ اس کی قدیمی حرمت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اسی طرح اس کی حرمت قیامت تک رہے گی۔ کسی بندۂ مومن کے لئے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو حلال نہیں ہے کہ وہ مکہ میں خون بہائے، درخت اکھیڑے اور گھاس توڑے۔ اور اگر کوئی رخصت چاہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتال سے تمسک و استدلال کرے یعنی وہ کہے کہ رسول خدا نے قتال کیا اور اس سے راضی رہے تو جان لو اور کہدو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو اجازت دی تھی اور وہ تمہیں اجازت نہیں دیتا اور نہ تمہارے لئے حلال کرتا ہے، جس طرح مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ ہوا اسی طرح میرے بعد بھی ہے۔ اور مجھ پر بھی صرف ایک دن کی ایک گھڑی کے لئے حلال ہوا تھا اس کے بعد اس کی حرمت اپنے حال پہ لوٹ آئی ہے۔ جیسا کہ پہلے حرام تھا" یہ بات اس لئے فرمائی کہ جندب ادیع ہذلی مکہ میں آیا اور خراش بن امیہ کعبی خزاعی نے اسے قتل کر دیا۔ جب اس کی خبر حضورؐ کو پہنچی تو حضورؐ نے اس سے منع فرمایا اور اس پر زجر کیا۔ اور فرمایا قتل سے اپنے ہاتھ کو روک لو۔ اور اس شخص سے جس نے قتل کیا تھا حکم دیا کہ وہ اس کی دیت ادا کرے۔ اس کے بعد اگر کوئی کسی کو قتل کرے تو مقتول کے ورثا کو قصاص دیت کے درمیان اختیار ہے۔ اس پر خزاعہ نے سو اونٹ اس مرد کی دیت میں دیئے گویا یہ قتل بہ شبہ تھا کہ قاتل نے اس قتل کو حلال اعتقاد کیا تھا۔

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے قتال نہ فرمایا۔ اور جو قتال واقع ہوا وہ حضرت خالدؓ سے ہوا تھا۔ اور وہ حضورؐ کی اجازت سے نہ تھا۔ اور بعد از وقوع حضورؐ نے عتاب

فرمایا تھا۔ لیکن چونکہ اس کی ابتدا قریش کے اوباش لوگوں کی طرف سے ہوئی تھی تو اپنی مدافعت کے لئے اشارۃً اجازت بھی دے دی تھی۔ اور یہ جنگ ایک گھڑی سے زیادہ نہ تھی۔ اسی بنا پر علماء کا اختلاف واقع ہوا ہے کہ فتح مکہ غلبہ جنگ سے ہوئی یا امن و صلح سے۔ جو لوگ امن و صلح کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ان کو "مرالظہران" میں امن دیدی تھی۔ اور ان کے گھروں اور جائے امن کی نشاندہی فرمادی تھی۔ اور یہ کہ اموال غنیمت کو ان میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

## مجرمین کا قتل اور بعض کی معافی

وصل: اگرچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو امن دیدی تھی اور ان کے قتل کی ممانعت فرمادی تھی لیکن ایک جماعت کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا اور ان کے خون بہانے کی اجازت دی اور حکم دیا کہ حل و حرم میں جہاں پائے جائیں قتل کر دیئے جائیں۔ لیکن بعض کے قتل ہونے اور خون بہانے کے بعد ان میں سے کچھ لوگ توبہ و رجوع اور ایمان کی بدولت مامون ہوئے اور قتل سے نجات پائی۔ ایسے لوگ مردوں میں گیارہ اور عورتوں میں چھ تھے۔ مردوں میں سے چار قتل کئے گئے اور سات مامون رہے۔ مواہب میں ہے کہ عورتوں میں سے چار عورتیں ماری گئیں اور ایک میں اختلاف ہے اور دو مامون رہیں۔ اب ہم ایسے تمام مردوں اور عورتوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ حقیقت حال ظاہر ہو جائے۔

## ابن خطل کا قتل

ان میں سے ایک ابن خطل ہے۔ اس کا نام جاہلیت میں عبدالعزیٰ تھا۔ حضورؐ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ بعض لوگ بلال نام بتاتے ہیں۔ جو کہ مشتبہ و ملتبس ہے کیوں کہ اس کے بھائی کا نام ہلال ابن خطل تھا۔ اس کا قصہ یہ ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے مدینہ منورہ آیا اور مسلمان ہوا۔ اس کے بعد حضورؐ نے اسے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے بعض قبیلوں کی طرف بھیجا اس کے ساتھ ایک انصاری شخص تھا اس کے ساتھ ایک خزاعی مسلمان، خدمت گاری میں تھا۔ وہ ایک منزل میں اترا اور اس خزاعی کو حکم دیا کہ ایک بکری ذبح کر کے اس کے لئے کھانا تیار کرے۔ اور خود سو گیا۔ اس خزاعی نے بھی خدمت میں کوتاہی کی وہ بھی سو گیا اور کھانا تیار نہ کیا۔ جب دیکھا کہ کھانا تیار نہیں ہوا ہے تو غصہ میں آکر خزاعی کو قتل کر دیا۔ اور اپنے دل میں کہا کہ اگر میں مدینہ گیا تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مجھ سے قصاص لیں گے۔ اس پر وہ مرتد ہو گیا اور صدقہ کے جانوروں کو لیکر اہل مکہ سے جا ملا۔ اور ان سے کہا کہ تمہارے دین کو میں نے محمدؐ کے دین سے بہتر پایا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کی دو باندیاں تھیں جو اس کے آگے حضورؐ کی ہجو میں گاتی تھیں۔ جب مکہ

مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس نے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور غلافِ کعبہ سے لپٹ گیا۔ جس وقت حضورؐ طواف فرما رہے تھے کسی صحابی نے اسے دیکھا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ ابن خطل ہے اور غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا ہے؟ فرمایا "جہاں ہو قتل کر دو۔ تو فرمان کے بموجب وہیں قتل کر دیا گیا۔ اس کے قاتلوں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی طرف سعیدؓ بن حریث اور عمار بن یاسرؓ بڑھے اور سعیدؓ نے آگے بڑھ کر قتل کر دیا کیوں کہ سعیدؓ، عمارؓ سے زیادہ جوان تھے (الحدیث) اور ابن ابی شیبہ نے بروایت ابو عثمان نہدی سے نقل کیا ہے کہ ابو برزہؓ نے اسے اس حال میں قتل کیا کہ وہ غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا تھا۔

یہ روایت تعیین قاتل میں دیگر روایتوں سے زیادہ صحیح ہے۔ اور دیگر روایتوں کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ وہ قتل کرنے کے ارادہ سے آگے بڑھے تھے۔ لیکن ابو برزہؓ نے اسے قتل کر دیا تھا، اور ابن ہشام نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ سعیدؓ و ابو برزہؓ اس کے قتل میں شریک تھے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔

## عبداللہ بن ابی سرح

دوسرا شخص عبداللہ بن ابی سرح تھا۔ جب اس کے قتل کا حکم ہوا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، کے پاس چھپ گیا۔ یہ حضرت عثمانؓ کا رضاعی بھائی تھا۔ اور جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو حضرت عثمانؓ نے اسے حضورؐ کے سامنے لاکے کھڑا کر دیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! عبداللہ بن السرح بیعت کے لئے حاضر ہے۔ اس پر حضورؐ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور اس کی جانب نظر فرمائی، اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر عرض کیا "یا رسول اللہؐ عبداللہ بیعت کرتا ہے حضورؐ نے پھر خاموشی اختیار فرمائی۔ حضرت عثمانؓ نے تیسری مرتبہ عرض کیا حضورؐ نے اس کی بیعت سے انکار فرمایا اور صحابہ کرام کی طرف رخ انور پھیر کر فرمایا "کیا تم میں کوئی ایسا مرد رشید نہیں ہے کہ وہ کھڑا ہوتا جبکہ میں نے اس کی بیعت سے انکار کیا تھا، اسے قتل کر دیتا۔؟" اس پر صحابہ نے عرض کیا" یا رسول اللہؐ ہمیں کیا معلوم کہ آپؐ کے دل مبارک میں کیا ہے اگر آپؐ ہمیں اشارہ فرماتے تو ہم اسے قتل کر دیتے"۔ فرمایا "کسی خدا کے نبی کو سزاوار نہیں ہے کہ "خائنۃ الاعین" یعنی آنکھ کا اشارہ کرے"، آخر حدیث تک۔ مواہب لدنیہ میں اتنا ہی مذکور ہے۔ اور یہ عبداللہ بن ابی سرح ان چار شخصوں میں لایا گیا جن چار شخصوں کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا "میں ان کو امان نہیں دوں گا خواہ وہ حرم میں ہوں یا حل میں اور معلوم نہیں کہ آخر حدیث میں جو لفظ "الحدیث" ہے اس سے کیا اشارہ مراد ہے۔ اور اس کا پورا قصہ کیا ہے وہی ہے جو سیر کی کتابوں میں مذکور ہے۔ یا کچھ اور؟

بہر حال روضۃ الاحباب اور معارج النبوۃ میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ شروع میں ایمان لایا۔ چونکہ لکھنا جانتا تھا حضورؐ نے اسے کاتب وحی قرار دیا اور قرآن کریم کی کتابت میں اس سے خیانت اور تبدیل کلمات سرزد ہوئی۔ مثلاً بجائے عزیز حکیم کے علیم حکیم لکھدیتا یہاں تک کہ اس سے یہ بات سرزد ہوئی کہ وہ کہنے لگا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نہیں جانتے کہ کیا لکھتے ہیں اور میں جو کچھ بولتا ہوں وہی لکھ دیتا ہوں بلکہ جس طرح ان پر وحی آتی ہے مجھ پر بھی آتی ہے۔ جب حضورؐ اس کی خیانت سے باخبر ہوئے تو وہ مدینہ میں نہ ٹھیر سکا اور مکہ مکرمہ بھاگ گیا۔ اور فتح مکہ کے دن امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضؓ کو اپنا شفیع بنایا اور ان سے کہا میں آپ کی پناہ لیتا ہوں میرے لئے امان لے لیجئے۔ اور میرا خون حضورؐ سے معاف کرا دیجئے۔ کیوں کہ میرا جرم بہت بڑا ہے۔ اور میں اب اس سے شرمندہ ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ چند دن کے بعد اسے بارگاہِ نبوت میں لے گئے اور اس کی ماں کے حقوق جو ان پر تھے بیان کر کے بہت کچھ سفارش کی کہ حضورؐ اسے امان دیدیں۔ حضورؐ نے اعراض فرمایا اور حضرت عثمانؓ کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ بہت کچھ مبالغہ کیا اور حضورؐ کے قریب ہو کر آپؐ کے سرِ مبارک کو بوسہ دیا اور آغوشِ مبارک میں پڑ کر تضرع وزاری کی اور عرض کیا "یا رسول اللہؐ! عبداللہ کو امان دیدیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا "میں نے امان دیدی۔"

اربابِ سیر کہتے ہیں کہ عبداللہ اگرچہ ایمان لے آیا تھا اور امان پالی تھی لیکن جب بھی وہ حضورؐ کو دیکھتا شرمندگی سے منہ چھپا کر ہٹ جاتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میرا رضاعی بھائی جب بھی آپؐ کو دیکھتا ہے بھاگ جاتا ہے۔ حضورؐ نے متبسم ہو کر فرمایا "میں نے تو اسے امان دیدی ہے"۔ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا۔ "بے شک حضورؐ نے امان عنایت فرما دی لیکن جب بھی اسے اپنا جرم عظیم یاد آتا ہے شرمندہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ حضورؐ کی نظرِ شریف کی تاب نہیں لاتا۔ حضورؐ نے فرمایا اَلْاِسْلَامُ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَهٗ اسلام ماقبل کے تمام جرموں کو مٹا دیتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابی السرح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنایا تو اس کے بعد لوگ جب حضور اکرمؐ کی زیارت کو آتے تو وہ ان کے درمیان شامل ہو کر سلام عرض کرتا۔

### عکرمہ بن ابوجہل کی معافی اور اسلام

تیسرا شخص عکرمہ بن ابی جہل تھا۔ یہ شخص حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی میں بہت شہرت رکھتا تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا کہ ابوجہل ملعون کا بیٹا تھا۔ اور وہ شناعت میں

لپنے ملعون باپ کا وارث و جانشین تھا اور تمام غزوات میں ان اشقیاء کا سردار و سرگروہ تھا چونکہ سعادت کا حصہ آخر میں اس کے نام کے ساتھ لکھا ہوا تھا۔ بالآخر اس کا ظہور ہوا۔ علامہ سیوطی "جمع الجوامع" میں ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عالمِ خواب میں جنّت میں داخل ہوئے انگور کا خوشہ یا کھجور کا خوشہ آپ کے ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ خوشہ ابوجہل کی طرف سے ہے۔" حضورؐ نے فرمایا "ابوجہل کو جنت سے کیا نسبت۔ اس بات کی تاویل حضورؐ پر بالفعل ظاہر نہ ہوئی۔ جب مکّہ فتح ہوا اور عکرمہؓ بن ابوجہل زمرۂ اسلام میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر یہ تھی۔

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ روزِ فتح ایک صحابی، عکرمہؓ کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ جب اس کی خبر حضورؐ کو پہنچی تو تبسّم فرمایا۔ صحابہ نے متبسّم ہونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا "عالمِ غیب میں میں ایسا دیکھ رہا ہوں کہ یہ مقتول اپنے قاتل عکرمہؓ کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دونوں جنت میں ٹہل رہے ہیں۔

عکرمہؓ کے اسلام لانے کا قصّہ طویل ہے۔ اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جب مکّہ مکرمہ فتح ہو گیا تو عکرمہؓ خوف کی وجہ سے وہاں نہ ٹھیر سکا۔ جب اس نے سنا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس کے خون کو مباح قرار دیا ہے تو وہ بھاگ کر ساحل کی طرف چلا گیا۔ اور کشتی میں سوار ہو کر یمن کی طرف چلدیا اچانک سمندر میں طغیانی آئی۔ تمام کشتی والے بارگاہِ الٰہی میں تضرع و زاری کرنے لگے۔ لوگوں نے عکرمہؓ سے بھی کہا کہ "تم بھی خدا کو یاد کرو۔ اس نے کہا اس خدا کو جس کی طرف محمد (صلّے اللہ علیہ وسلّم) ہمیں بلاتے ہیں۔ جس سے میں بھاگتا ہوں۔" کہتے ہیں کہ اس کی نظر کشتی کے ایک تختہ پر پڑی جس پر لکھا ہوا دیکھا کہ "کَذَّبَ بِہٖ قَوْمُکَ وَھُوَ الْحَقُّ" "تیری قوم نے اسے جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے"۔ اسے مٹانے والا ساتھ تھا ہر چند چاہا کہ ان حروف کو مٹائے اور اسے چھیلدے مگر نہ چھیل سکا۔ اس پر اس کے دل میں ایک ہل چل پیدا ہوئی۔ اس کی بیوی ام حکیمؓ بنت حارث بن ہشام برادرِ ابوجہل، مسلمان ہو کر اور حضورؐ سے امان لے کر اس کی جستجو و تلاش میں نکلی ہوئی تھی۔ جب وہ اس کے پاس پہنچی تو اس سے کہا "اے میرے چچا کے بیٹے! میں خلائق میں سب سے زیادہ کریم اور لوگوں میں سب سے زیادہ رحمدل کے پاس سے آئی ہوں اٹھ اور چل کہ میں نے تمہارے لئے امان لیلی ہے۔ جب امان کی خبر اس نے سنی تو وہ حیران و متعجب ہو کر کہنے لگا کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے ان تمام ایذاؤں کے باوجود جو مجھ سے انہیں پہنچی ہیں، مجھے امان دیدی ہے"؟ ام حکیمؓ نے کہا "حضورؐ اس سے زیادہ کریم ہیں جتنی کہ تعریف کی جائے۔ اس کے بعد عکرمہؓ اپنی بیوی کے ساتھ لوٹے جب مکّہ

کے قریب پہنچے تو حضورؐ نے خبر دی کہ عکرمہؓ مومن و مہاجر ہو کر آ رہا ہے۔ اور صحابہ سے فرمایا "خبردار! ان کے والد کو دشنام نہ دینا تاکہ اسے ایذا نہ پہنچے۔ پھر عکرمہؓ اپنی بیوی کے ساتھ حضورؐ کے خیمہ کے دروازہ پر آئے ان کی بیوی نے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا کر خیمہ میں داخل ہونے کی اجازت مانگی اور عرض کیا میں عکرمہؓ کو لائی ہوں کیا حکم ہے؟

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے اس حال میں اٹھے کہ آپ کے دوش مبارک سے چادر شریف گر پڑی۔ اور انتہائی خوشی و مسرت کے ساتھ آگے بڑھے اور فرمایا آجاؤ۔ جب وہ داخل ہوئے اور حضورؐ کی چشم مبارک عکرمہؓ پر پڑی تو فرمایا "مَرْحَبًا بِالرَّاكِبِ الْمُهَاجِرِ" سوار ہو کر ہجرت کرنے والے تمہارا آنا خوشی کا موجب ہے"۔ اس کے بعد حضورؐ بیٹھ گئے اور عکرمہؓ حضورؐ کے سامنے کھڑے رہے اور عرض کیا "اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ میری بیوی کہتی ہے کہ آپ نے مجھے امان دیدی ہے حضورؐ نے فرمایا "ہاں میں نے امان دیدی ہے۔ عکرمہؓ نے کہا "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَنَّكَ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ"۔ اس وقت انتہائی شرمساری سے اپنے سر کو جھکا کر عرض کرنے لگے "یا رسول اللہؐ بلاشبہ آپ سب سے زیادہ کریم، سب سے زیادہ راست گو اور سب سے زیادہ وفادار ہیں۔ حضورؐ نے "فرمایا" اے عکرمہؓ مجھ سے مانگ جو مانگنا چاہے اگر میری قدرت میں ہوا تو عطا فرماؤں گا۔ عکرمہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہر وہ دشمنی جو میں آپ کے ساتھ کر سکتا تھا میں نے کی ہے۔ اور ہر وہ اقدام جو اہل شرک کی تقویت اور آپ کی دشمنی میں ممکن تھا میں نے کیا اور ہر وہ بے ادبی و گستاخی جو آپ کے ساتھ ہو سکتی تھی مجھ سے سرزد ہوئی ہے اور ہر وہ بات جو آپ کی غیبت اور برائی میں کہی جا سکتی ہے میں نے کہی ہے۔ اب دعا فرمائیے کہ حق تعالےٰ، مجھے معاف فرمادے اور مجھے بخشدے"۔ حضورؐ نے اپنا دست اقدس دعا کے لئے اٹھایا اور جو کچھ عکرمہؓ نے کہا تھا اس کی معافی و بخشش مانگی۔ عکرمہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! جتنا روپیہ پیسہ اور سونا چاندی زمانۂ جاہلیت میں بندگان خدا کو راہ حق سے برگشتہ کرنے میں میں نے خرچ کیا ہے میری تمنا ہے کہ اتنا ہی راہ حق میں صرف کروں۔ اور جتنی جنگ خدا کے محبوبوں کے ساتھ لڑی ہے اس سے دوگنی جنگ اب میں اس کے دشمنوں کے ساتھ لڑوں۔ اس کے بعد حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کفار کے ساتھ ہر اس عہد و دوستی کو جو وہ رکھتے تھے توڑ دیا اور دین کی تقویت اور راہ خدا میں جہاد کے لئے کمربستہ ہو گئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں غزوۂ اجنادین میں شہید ہوئے (رضی اللہ عنہ)، سبحان اللہ! ابوجہل لعین کا بیٹا ایسا صاحب ایمان و یقین ہوا یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ

مردے سے زندہ کو نکالتا ہے، کے معنے صادق ہوئے۔ یہ سب خدا کی ہی توفیق و مدد سے ہے۔

## صفوان بن اُمیہ کا حال

چوتھا شخص صفوان بن امیہ جو کفار قریش کا سربراہ اور اپنی قوم کا بڑا شخص تھا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی عداوت و مخالفت میں سخت و شدید تھا۔ جب سُنا کہ حضورؐ نے روز فتح اس کے خون کا بہانا مباح قرار دیدیا ہے تو وہ بھاگ گیا اور ارادہ کیا کہ دریا کے راستہ سے کہیں نکل جائے۔ عمیرؓ بن وہب جمحی مقربوں اور مخلصوں میں سے تھے انہوں نے سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلّم سے عرض کرکے اس کے لئے امان چاہی۔ حضورؐ نے ان کی عرض والتماس کو قبول فرما کے دو مہینہ کی امان صفوان کو دیدی۔ اس کے بعد حضرت عمیرؓ صفوان کے پیچھے گئے اور اس کے کان کو یہ مژدہ سُنایا۔ صفوان نے جب اپنے حال پہ نظر ڈالی اور اپنے قبیح افعال کو دیکھا تو اس نے تعجب کیا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں اس وقت تک نہ لوٹوں گا جب تک کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کی جانب سے میرے لئے امن کی کوئی نشانی نہ لاؤ۔ تاکہ مجھے اعتماد و وثوق حاصل ہو۔ حضرت عمیرؓ حضورؐ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! صفوان چونکہ حضورؐ کے جود و کرم سے دور رہا ہے اسے یقین نہیں آتا اور اس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک کہ حضورؐ کوئی نشانی نہ عطا فرمائیں۔ اس پر حضورؐ نے اپنا عمامہ شریف ایک روایت میں ہے کہ اپنی چادر مبارک ان کو مرحمت فرمائی کہ حضرت عمیرؓ صفوان کو پہنچائیں اس کے بعد وہ لوٹ کر آیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ عمیرؓ نے مجھے بتایا ہے کہ میرے لئے دو ماہ کی امان ہے۔ حضورؐ نے فرمایا "میں تجھے چار ماہ کی امان دیتا ہوں۔ صفوان پھر بھی اسلام لانے میں متردد و متوقف رہا اور شرک کے باوجود غزوۂ حنین و طائف میں رکاب ہمایوں میں رہا۔

اس وقت اس پر حضورؐ کی مخصوص عنایتیں اور انعام و اکرام ہوئے تو وہ اسلام لایا اور "مولفۃ القلوب" میں شامل ہوا۔ ایسے لوگوں کا ذکر حنین کے غنایم کی تقسیم میں انشاء اللہ آئے گا۔

## حویرث بن نقید کا حال

پانچواں شخص حویرث (بصیغہ تصغیر) بن نقید (بصیغہ تصغیر) تھا یہ شقی شاعر تھا اور بارگاہِ رسالت کی بڑی ہجو کیا کرتا تھا۔ روز فتح جب اپنا مباح الدم ہونا سُنا تو گھر میں بیٹھ گیا اور گھر کے دروازہ کو بند کر لیا۔ علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس کے گھر آکر اسے تلاش کیا۔ لوگوں نے کہا صحرا چلا گیا ہے۔ حویرث نے جب جانا کہ حضرت

علی مرتضیٰ اس کی طلب میں آئے ہیں تو ٹھیرا رہا یہاں تک کہ علی مرتضیٰ اس کے گھر سے دور چلے گئے تو وہ گھر سے نکلا اور چاہا کہ کسی دوسرے گھر میں جا چھپے۔ حضرت علی مرتضیٰ کو وہ ایک کوچہ میں مل گیا اور اس کی گردن اڑا دی۔

اگر کوئی یہ کہے کہ حکم تو ایسا دیا گیا تھا کہ جو گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے دروازے کو بند کرلے تو وہ مامون ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ یہ حکم اعیان قریش کے ساتھ مخصوص ہو۔ اور وہ چونکہ ان میں سے نہ تھا نیز وہ گھر سے باہر نکل آیا تھا اس لئے وہ اس حکم سے خارج ہوگیا تھا۔ نیز ان لوگوں کے خون بہانے کا حکم زیادہ تر فتحِ مکہ سے پہلے ہی سے تھا۔ اور یہی ظاہر ہے۔ اس لئے کہ ان کے جرم و گناہ جو موجب مباح الدم ہوئے پہلے سے تھے۔ جبکہ حضورؐ مدینہ میں تھے۔

## مقیس بن صبابہ کا حال

چھٹا شخص مقیس (بکسرِ میم وسکون قاف و فتح یا) بن صبابہ (بضم صاد) تھا اس کا جرم یہ تھا کہ اس کا بھائی ہشام بن صبابہ مدینہ میں آیا اور مسلمان ہوا۔ غزوۂ مریسیع میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری بنی عمرو بن عوف میں سے تھے انہوں نے گمان کیا کہ وہ یعنی ہشام بن صبابہ مشرک ہے خطا میں اسے قتل کر دیا۔ اس کا بھائی مقیس مدینہ آیا اور بھائی کا خون بہا طلب کیا چونکہ وہ خطا میں مارا گیا تھا حکم فرمایا کہ انصار اس کی دیت مقیس کو دیں۔ مقیس دیت لے کر مسلمان ہوگیا۔ دیت لینے کے باوجود اس نے انصاری پر حملہ کرکے اسے شہید کر دیا۔ اور مرتد ہوکر مکہ لوٹ گیا۔ روزِ فتح وہ مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ کسی گوشہ میں شراب پینے میں مشغول تھا۔ حضورؐ نے اس کے قتل کا حکم فرمایا اس پر تمیلہ بن عبداللہ لیثی اس کی خبر پاکر گئے اور اسے قتل کر دیا۔

## ہبار بن الاسود کا حال

ساتواں شخص ہبار (بفتح ہا و تشدید با) بن الاسود تھا اس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذائیں پہنچائی تھیں منجملہ ایک حرکت شنیعہ اس کی یہ تھی کہ ابوالعاص بن الربیع، شوہر سیدہ زینب بنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے قیدی ہوئے تھے۔ حضورؐ نے ان پر احسان فرماتے ہوئے اس وعدہ پر مکہ بھیجا تھا کہ جب وہ مکہ پہنچ جائیں تو سیدہ زینبؓ کو حضورؐ کے پاس روانہ کر دیں۔ اور حضورؐ نے اپنے غلام ابو رافعؓ کو اور سلمہ بن اسلمؓ کو بھیجا تا کہ زینبؓ کو مدینہ طیبہ لے آئیں۔ جب وہ مکہ پہنچے تو ابوالعاصؓ نے ہودج تیار کرکے اس میں سیدہ زینبؓ کو بٹھا دیا۔ اور مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ پھر جب ہبا بن الاسود کو اس کا پتہ چلا تو چند قریش کے اوباش لوگوں کو ساتھ لے کر ان کا راستہ روک کر کھڑا ہوگیا اور ایک

نیزہ سیدہ زینبؓ پر مارا وہ اونٹ سے ایک بڑے پتھر پر گر پڑیں۔ اور ان کا حمل ساقط ہو گیا' وہ بیمار ہو گئیں۔ اور اسی بیماری میں ان کی وفات ہو گئی۔ حضورؐ کو اس کی اس شنیع حرکت پر بہت غصہ تھا۔ اور اس کا خون بہانا مباح قرار دیدیا۔ ایک مرتبہ ایک لشکر کو مکہ مکرمہ کے اطراف میں بھیجا اور اہل لشکر کو حکم دیا کہ اگر تم ہبار کو پاؤ تو اسے جلا دینا اس کے بعد فرمایا" اِنَّمَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ رَبُّ النَّارِ" آگ کا عذاب خدا ہی دے سکتا ہے" اگر اسے پاؤ تو ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسے قتل کر دینا۔ مگر وہ ہاتھ نہ آیا چونکہ وہ مکہ میں تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو اسے بہت تلاش کیا گیا مگر ہاتھ نہ آیا۔ جب حضورؐ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تو ایک دن حضورؐ مجلس صحابہ میں تشریف فرما تھے کہ ہبار نمودار ہوا اور زور سے کہنے لگا اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں اسلام کا اقرار کرتا ہوا حاضر ہوا ہوں۔ بلاشبہ میں اس سے پہلے ذلیل و گمراہ تھا اب حق تعالےٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت دی ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں آپ کی نظر میں شرمسار اور گناہگار ہوں حضورؐ نے اپنا سر مبارک جھکا لیا اور اس کی معذرت خواہی پر حیا فرمائی کہ اس پر عتاب فرمائیں۔ اس کا اسلام قبول کرتے ہوئے فرمایا" اے ہبار میں نے تجھے معاف کیا۔ اور اسلام تمام جرموں کو ختم کر دیتا ہے اور گزشتہ گناہوں کی بنیادوں کو فنا کر دیتا ہے۔

## حارث بن طلاطلا کا حال

آٹھواں شخص حارث بن طلاطلا تھا یہ بھی حضورؐ کو ایذا دینے والوں میں سے تھا فتح مکہ کے دن سیدنا علی مرتضیٰ نے اس پر قابو پا کر قتل کیا۔

## کعب بن زہیر کا حال

نواں شخص کعب بن زہیر تھا جو حضورؐ کی ہجو کرتا تھا۔ اور روز فتح بھاگ گیا تھا اس کے بعد وہ اپنے بھائی بحیر بن زہیر کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پہلے اس نے اپنے بھائی کو بھیجا کہ حضورؐ اس کے ایمان کو قبول فرمالیں گے اور اس کے خون کو معاف فرمادیں گے؟ چنانچہ بحیر آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ اور کعب کو خبر پہنچائی کہ آجائے اور مسلمان ہو جائے حضورؐ تیرے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔ وہ اسی وقت دوڑتا ہوا خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور یہ قصیدہ انشاد کیا قصیدہ ے بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِی الْیَوْمَ مَتْبُوْلُ میری محبوبہ جس کا نام سعاد ہے وہ مجھ سے جدا ہوئی آج میرا دل مبتلا ہے اور یہاں تک اس نے کہا کہ:- اِنَّ الرَّسُوْلَ لَسَیْفٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ بیشک رسول ایسی شمشیر ہے جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ مُهَنَّدٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ مَسْلُوْلُ - اللہ کی تلواروں میں سے

تیز دھار والی وہ تلوار کاٹنے والی"۔ نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْعَدَنِیْ ۔ مجھے خبر ملی ہے کہ اللہ کے رسول نے معافی کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَامُوْلٌ اور اللہ کے رسول کا معاف فرمانا آپ کی خصلت کریمہ ہے"۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے ارشاد فرمایا سنو یہ کیا کہتا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس سے بہت خوش ہوئے اور اپنی چادر مبارک بطور انعام اسے پہنائی۔ یہ مانا کہ کعب بن زہیر کا اسلام لانا ہجرت کے نویں سال میں ہے لیکن اس کا ذکر آٹھویں سال میں فتح مکہ کے زمانہ میں مباح الدم قرار دینے والوں کے زمرے میں کیا گیا چونکہ توبہ پر ابھارنے والا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے پر آمادہ کرنے والا واقعہ اسی آٹھویں سال اور فتح مکہ کے ضمن میں ہے اس لئے یہاں ذکر کیا گیا۔ روضۃ الاحباب میں اسی سال میں اتنا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ نویں سال میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ ہم بیان کریں گے۔

## وحشی قاتل حمزہ کا حال

دسواں شخص وحشی، سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے۔ تمام مسلمان اس کے قتل کرنے کے بہت درپے تھے، اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم بھی فرما دیا تھا مگر وہ طائف چلا گیا اور وہیں رہنے لگا تھا یہاں تک کہ جس زمانہ میں طائف کا وفد حضورؐ کی خدمت میں جارہا تھا تو لوگوں نے کہا تو بھی وفد کے ساتھ حضورؐ کی بارگاہ میں پہنچ جا۔ کیوں کہ حضورؐ قاصدوں کو قتل نہیں کرتے ہیں۔ تو ان کے ساتھ چلا جا اور ایمان لے آ۔ اس پر وہ ان کے ہمراہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا "اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" حضورؐ نے فرمایا "کیا تو وحشی نہیں ہے؟" اس نے کہا "ہاں میں وحشی ہوں"۔ ......... فرمایا "بیٹھ جا۔ اور مجھے بتا کہ میرے چچا کو تو نے کس طرح شہید کیا ہے"۔ اس کے بعد اس نے حضرت حمزہؓ کی شہادت کی پوری کیفیت بیان کی، پھر حضورؐ نے فرمایا "میرے سامنے نہ آنا اور اپنا چہرہ مجھے نہ دکھانا"۔ وحشی کہتے ہیں کہ جب بھی میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتا تو میں آپ کے سامنے نہ آتا اور بھاگ کر آپؐ کے پس پشت بیٹھ جاتا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں مسیلمہ کذاب سے جنگ ہوئی تو میں بھی لشکر اسلام کے ساتھ اس جنگ میں چلا گیا اور وہی حربہ یعنی خنجر کا وار جس سے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا میں نے مسیلمہ کذاب پر پھینکا چنانچہ حربہ اس کی پشت سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد ایک انصاری شخص آیا اس نے تلوار سے اس پر

حملہ کیا میں نہیں جانتا کہ وہ میرے حربہ کی ضرب سے مارا گیا یا اس کی تلوار کے زخم سے۔ لیکن میں نے ایک عورت کو ایک چھت کے اوپر سے یہ کہتے سنا کہ ایک سیاہ رو غلام نے مسیلمہ کو ہلاک کر دیا۔ منقول ہے کہ وحشی کہا کرتے تھے کہ "قَتَلْتُ خَیْرَ النَّاسِ فِی الْجَاهِلِیَّةِ وَقَتَلْتُ شَرَّ النَّاسِ فِی الْاِسْلَامِ میں نے زمانۂ جاہلیت میں سب سے بہتر شخص کو قتل کیا اور زمانۂ اسلام میں سب سے بدتر شخص کو قتل کیا ہے۔" غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکا ہے کہ ایک جماعت اس کے دیکھنے کے لئے گئی تھی تاکہ حضرت حمزہؓ کے شہید کرنے کی کیفیت اس سے سنیں۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک گوشہ میں بھری مشک کی مانند کسی درد میں مبتلا بدصورت پڑا ہے۔ پھر وحشی نے ان سے وہ کیفیت بیان کی بعض سیر کی کتابوں میں بارگاہ رسالت میں وحشی کے آنے کو اس انداز سے نقل کیا ہے جو اثر سے خالی نہیں ہے۔ اور اسے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ کی خدمت میں وحشی آیا اور اس نے کہا کہ میں حاضر ہوا ہوں اور مجھے امان دیجئے تاکہ میں آپؐ سے خدا کے کلام کو سنوں۔ کیوں کہ اس میں میری مغفرت اور نجات ہے" حضورؐ نے فرمایا "میں پسند کرتا تھا کہ تجھ پر میری نظر اس طرح پڑتی کہ تو امان کا مانگنے والا نہ ہوتا۔ مطلب یہ کہ میں تجھے قتل کا حکم دیتا لیکن اب جبکہ تو نے امان مانگی ہے تو میں تجھے امان دیتا ہوں تاکہ تو خدا کا کلام سنے۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا یَزْنُوْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا یُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَیَخْلُدْ فِیْهٖ مُهَانًا

اور وہ لوگ جو عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک نہیں کرتے اور نہ کسی ایسی جان کو قتل کرتے ہیں جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور زنا نہیں کرتے اور جو ایسا کرے وہ گنہگار ہو کر ملے گا اور اس کے لئے قیامت میں دونا عذاب ہو اور اس میں وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔

---

وحشی نے کہا میں شرک میں مبتلا رہا ہوں اور میں نے ناحق خون بھی کیا ہے اور زنا کا بھی مرتکب ہوا ہوں۔ کیا ان حالتوں کے ساتھ حق تعالیٰ مجھے بخش دے گا؟ اس پر حضورؐ خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ

مگر جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے تو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کے گناہوں کو

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا اس آیت میں شرط کی گئی ہے کہ گناہوں سے مغفرت اُسے حاصل ہو گی جو گناہوں کے بعد توبہ کرے اور اس سے عمل صالح وجود میں آئیں ممکن ہے کہ مجھ سے وجود میں نہ آئے میں تو آپ کے زیر سایہ ہوں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ بیشک اللہ اسے نہیں بخشتا جو اس کے ساتھ شرک کرے اس کے ماسوا جس کو چاہے بخش دے۔ وحشی نے کہا، اس آیت میں مغفرت مشیت الٰہی کے ساتھ وابستہ ہے، ممکن ہے کہ میں ان لوگوں میں ہوں جن کے ساتھ حق تعالےٰ کی مشیت مغفرت میں وابستہ نہ ہو۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ اے محبوب فرمادو اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخشدیگا وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

وحشی نے کہا "اب میں کوئی قید اور شرط نہیں دیکھتا اور اسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کے تمام گناہوں کو بخشدیتا ہے بغیر قید مشیت اور شرط توبہ کے اگرچہ شرک ہو۔ لیکن مذہب یہ ہے کہ یہ بات واضح ہے کہ آخرت میں عذاب کا ہونا بحکم نص قرآن و حدیث متحقق الوقوع ہے۔ اگر کوئی کہے کہ بعد از وقوع جزاء عقاب و عذاب، بالآخر عفو و رحمت و مغفرت ظہور میں آئے گی اور یہ بات خلود و ابدیت کے منافی ہے کیوں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا "خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا" وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ (واللہ اعلم)

## عبداللہ بن الزبعری کا حال

گیارھواں شخص عبداللہ بن الزبعری، شعرائے عرب میں سے تھا۔ جو حضورؐ کی اور حضورؐ کے صحابہ کی ہجو کیا کرتا تھا اور مشرکوں کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر ابھارا کرتا تھا۔ روز فتح جب اس نے سُنا کہ اس کا خون بہانا لازم قرار دیدیا گیا ہے تو وہ بھاگ گیا اور یمن کے علاقہ میں نجران بن زید بن سبا کے مقام پر چلا گیا، کچھ عرصہ وہ وہاں رہا۔ اور اپنی جاہلیت کی حرکتوں سے پشیمان ہوا اور نور اسلام اس کے دل میں جگمگایا تو اس نے سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ حضورؐ نے اسے

دور سے آتا دیکھا تو فرمایا یہ ابن زبعری ہے جس کے چہرے پر نور اسلام جگمگا رہا ہے۔ ابن زبعری قریب پہنچا تو اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور آپؐ اس کے رسولؐ ہیں۔ اس خدائے وحدہ لاشریک کی حمد و ثنا ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔ یا رسول اللہ! میرے قصور بہت ہیں اور میں نے آپؐ کے ساتھ اور آپؐ کے صحابہ کے ساتھ بڑی بے ادبیاں کی ہیں اب میں ان سب سے پشیمان ہوں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَاكَ اِلَی الْاِسْلَامِ۔ اس خدا کی حمد و ثنا ہے جس نے تجھے اسلام کی ہدایت دی۔ واضح رہنا چاہیئے کہ اسلام پچھلے تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ کتب کلامیہ میں منقول ہے کہ جب یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی کہ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ (جو کچھ تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ سب جہنم کے ایندھن ہیں) اس پر ابن زبعری نے کہا تھا کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پوجتے ہیں وہ بھی (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے۔ جب وہ جہنم میں ہوں گے تو ہمارے معبود بھی جہنم میں ہوں گے۔؟ حضورؐ نے فرمایا وَیْلَكَ مَا اَجْهَلَكَ بِلِسَانِ قَوْمِكَ۔ خرابی ہو تیری تو اپنی قوم کی زبان سے کتنا جاہل ہے۔ اس میں کلمہ "ما" کی طرف اشارہ ہے جو غیر ذوی العقول کے لئے ہے جس طرح کہ نحو کی کتابوں میں مسلمہ قاعدہ ہے۔ اسی بنا پر وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنٰهَا۔ جیسے اقوال الٰہیہ میں تاویل کرتے ہیں۔

اب رہی وہ عورتیں جن کے قتل کا حکم روز فتح مکہ صادر فرمایا گیا وہ چھ ہیں ان میں سے کچھ مامون ہوئیں اور کچھ مقتول ہوئیں۔

## ہند بنت عتبہ رضؓ زوجہ ابوسفیانؓ کا حال

پہلی عورت، ہند بنت عتبہؓ، ابوسفیانؓ بن حرب کی بیوی تھی۔ اس کا قصہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے بارے میں مشہور و معروف ہے خصوصاً روز احد اس نے سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ بعد فتح جس وقت عورتیں حضورؐ سے بیعت کرنے کے لئے آئیں تو یہ بھی اپنے منہ پر نقاب ڈال کر ان کے درمیان آئی۔ اور مسلمان ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے منہ سے نقاب اٹھا کر کہا "میں ہند بنت عتبہؓ ہوں" حضورؐ نے فرمایا "جب مسلمان ہو کر آئی ہے تو اچھا ہوا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضورؐ نے آیۂ بیعت تلاوت فرمائی جس میں واقع ہے کہ "وَلَا یَسْرِقْنَ" (چوری نہ کریں) تو ہندؓ نے کہا "یا رسول اللہ! ابوسفیانؓ خرچ دینے میں بخیل و کنجوس شخص ہے۔ اگر اس کے مال میں سے

اتنا لیلوں جو بچوں کے خرچ کے لئے ضروری ہے تو جائز ہوگا؟ حضورؐ نے فرمایا: "اس قدر مال لے سکتی ہے جس سے بچوں کی جائز ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ جب فرمایا "وَلَا یَزْنِیْنَ" اور زنا نہ کریں تو ہند نے کہا "ہَلْ تَزْنِی الْحُرَّۃُ" کیا آزاد عورت زنا کرتی ہے؟ اس نے زنا سے اپنی پاکیزگی کی طرف اشارہ کیا صحیح بخاری میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ہندؓ بنت عتبہ نے کہا "یا رسول اللہ! روئے زمین پر کوئی خیمہ نشین ایسا نہیں تھا جس کی خواری کو آپ سے زیادہ محبوب رکھتی تھی۔ اب جو صبح کی ہے تو حال یہ ہے کہ روئے زمین پر کوئی خیمہ نشین ایسا نہیں ہے جس کی عزت کو آپ سے زیادہ محبوب رکھتی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا" ایضاً" یعنی ایسا ہی ہے۔ حدیث کے شارحین نے ایضاً کے دو معنی بیان کئے ہیں ایک معنی یہ کہ جتنا تیرے دل میں ایمان زیادہ جڑ پکڑے گا اتنا ہی تیرے دل میں محبت زیادہ ہوگی۔ دوسرے معنے یہ کہ تیری نسبت، میرا بھی یہی حال تھا پہلے معنیٰ زیادہ بہتر و ظاہر ہیں۔ اس کے بعد حضورؐ نے قرآن کریم کی تلاوت فرمائی ظاہر مراد آیت بیعت ہے۔ اس کے بعد ہندؓ نے کہا "میری خواہش ہے کہ ہاتھ سے ہاتھ ملا کر آپؐ سے بیعت کروں۔ حضورؐ نے فرمایا" میں عورتوں سے مصافحہ کے ذریعہ بیعت نہیں کرتا اور میرا سو عورتوں سے بیعت فرمانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک عورت سے حضورؐ کی بیعت عورتوں کے ساتھ زبانی تھی دست اقدس سے نہ تھی۔ جیسا کہ گزرا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ہندؓ جب اپنے گھر گئی تو اس نے اپنے گھر کے تمام بتوں کو توڑ ڈالا اور کہنے لگی ہم تمہارے غرور و فریب میں مبتلا تھے۔ اور دو بکریاں ہدیئے کے طور پر حضورؐ کی خدمت میں بھیجیں اور معذرت خواہی کی کہ ہمارے پاس بکریاں کم ہیں۔ حضورؐ نے بکریوں میں برکت کی دعا فرمائی۔ پھر حضورؐ کی دُعا کی برکت سے اس کی بکریاں حق تعالےٰ نے بہت زیادہ کر دیں۔ ہندؓ کہتی تھی کہ یہ حضورؐ کی دعا کی برکت ہے۔

## قُریبہ اور قرتنا کا حال

دوسری اور تیسری عورت، قُریبہ اور قرتنا دو باندیاں ابن خطل کی گانے والیاں تھیں۔ جو حضورؐ کی ہجو گاتی تھیں۔ قریبہ تو ماری گئی مگر قرتنا بھاگ گئی۔ لوگوں نے اس کے لئے حضورؐ سے امان مانگی سید عالم نے اسے امان دیدی پھر وہ آئی اور مسلمان ہوگئی۔

## ارنب کا حال

چوتھی عورت ارنب، ابن خطل مذکور کی باندی تھی۔ وہ بھی اسی روز ماری گئی۔

## سارہ بنی المطلب کی باندی کا حال

پانچویں عورت، سارہ، بنی المطلب کی باندی تھی بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن ہشام کی باندی تھی۔ یہ وہ عورت ہے جس کے ہاتھ حاطب رضؓ بن ابی ملتعہ نے قریش کے نام خط لکھ کر بھیجا تھا اس میں اختلاف ہے کہ وہ مرتد ہو کر مکہ میں آگئی تھی۔ اور روز فتح حضرت علیؓ مرتضیٰ کے ہاتھ سے وہ ماری گئی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس کے لئے امان مانگی اور اسے امان دیدی گئی تھی۔ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں موضع ابطح میں گھوڑے نے اوپر سے اسے گرا دیا تھا جس کے سبب وہ مرگئی تھی۔ شرح ابن حجر میں مروی ہے کہ وہ مسلمان ہوگئی تھی اور حمیدی نے ایک قول کیا ہے کہ وہ ماری گئی تھی (واللہ اعلم) جیساکہ روضۃ الاحباب میں مذکور ہے۔

## ام سعد کا قتل

چھٹی عورت ام سعد ہے وہ بھی قتل کی گئی۔ اسی قدر مذکور ہے۔ اور کوئی پتہ نہیں کہ وہ کون ہے اور اس کا جرم کیا تھا اور اسے کس نے قتل کیا۔

**تنبیہات:**۔ امام مالک نے کہا ہے جیساکہ بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روز فتح مکہ مکرمہ احرام کے ساتھ داخل نہ ہوئے تھے جیساکہ گمان کرتے ہیں۔ اسے عبدالرحمٰن بن مہدی نے امام مالک سے بطریق جزم روایت کیا ہے۔ اس کی شاہد وہ روایت بھی ہے جسے مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بغیر احرام کے کبھی مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوئے بجز روز فتح مکہ کے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے احرام واجب ہے یا نہیں۔ امام شافعی کا مشہور مذہب مطلقاً عدم وجوب ہے۔ اور ایک قول میں مطلقاً وجوب ہے۔ البتہ جو شخص دوبارہ داخل ہو اس کے داخلہ میں اختلاف ہے۔ ظاہر تر عدم وجوب ہے۔ اور آئمہ ثلاثہ سے مشہور، وجوب ہے۔ اور ایک روایت میں ہر ایک سے دوبارہ داخل ہونے میں عدم وجوب ہے۔ اسی پر علماء جزم کرتے ہیں۔ جس طرح کہ مکرر حاجتمندوں کے لئے استثنا ہے۔ اور احناف ان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو داخل میقات ہیں جیساکہ مواہب میں مذکور ہے۔

اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں کہ داخلۂ مکہ مکرمہ کے وقت حضورؐ کے سرِ اقدس پر خود تھا یا سیاہ عمامہ۔ علماء ان میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ داخلۂ مکہ کے وقت ممکن ہے کہ شروع میں تو خود ہو اس کے بعد اسے دور کر کے عمامہ شریف باندھا ہو۔ اس بنا پر جس نے جس طرح مشاہدہ کیا بیان کر دیا۔ حضرت عمرو بن حریث کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے جس وقت خطبہ دیا

آپ سیاہ عمامہ باندھے ہوئے تھے لیکن یہ خطبہ باب کعبہ کے قریب تھا جبکہ آپ اندرون کعبہ سے باہر تشریف لائے تھے اور یہ داخل ہونے کے بعد کا ہے۔ یہ توجیہہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے روایتوں کے جمع میں فرمائی ہے۔ بعض اس طرح جمع کرتے ہیں کہ عمامہ، خود کے اوپر لپیٹا ہوا تھا یا خود کے نیچے عمامہ تھا تاکہ خود کے لوہے کی گرمی سے سر مبارک محفوظ رہے۔ لہٰذا جس نے صرف خود کا ذکر کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ حضورؐ نے حرب کی مکمل تیاری فرمائی تھی۔ اور جس نے عمامہ کا ذکر کیا ہے اس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ حضورؐ احرام میں نہ تھے (چونکہ حالتِ احرام میں سر کھلا ہوتا ہے)

## فتح مکہ کے بعد مدتِ اقامت

وصل: پہلے معلوم ہو گیا ..... ہو گا کہ مدینہ طیبہ سے روانگی دسویں رمضان ۸ھ چہار شنبہ بعد نماز عصر ان اختلافات کے ساتھ جو تعیین تاریخ میں ہے، ہوئی تھی اور داخلۂ مکہ مکرمہ اور اس کا فتح ہونا اسی مہینہ کی بیس۲۰ تاریخ کو ہوا تھا۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے بقیہ دن اور شوال کے چھ۶ دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا۔

مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضورؐ کا قیام پندرہ دن رہا تھا۔ ایک روایت میں ہے انیس۱۹ دن، ایک اور روایت میں ہے کہ سترہ۱۷ دن اور ترمذی میں اٹھارہ دن ہے اور کہا گیا ہے کہ اصح روایت بضع عشر یعنی دس سے کچھ دن زیادہ کی ہے۔ قیام کے ان دنوں میں حضورؐ نمازیں قصر ادا فرماتے تھے۔

## قیامِ مکہ کے دوران فیصلۂ مقدمات

حضورؐ نے مکہ مکرمہ کے قیام کے دوران کئی مقدموں کا فیصلہ فرمایا جن میں سے ایک فاطمہ نامی عورت کا ہے جو اسود بن الاسود کی بیٹی اور ابو سلمہ رضؓ بن عبدالاسد مخزومی کی بھتیجی کا ہے جو بنی مخزوم کی اشراف قبیلہ میں سے تھی۔ اس نے چوری کی اور اسے حضورؐ کی بارگاہ میں لائے بعد از ثبوت، چوری اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس کی قوم کو اس حکم سے بڑی وحشت ہوئی۔ انہوں نے چاہا کہ کوئی سفارشی مل جائے اور ممکن ہے کہ اس کی سفارش سے حضورؐ ہاتھ کاٹنے سے درگزر فرمائیں۔ اس پر حضرت اسامہ رضؓ بن زید کو جو محبوب و مقرب بارگاہ تھے سفارشی بنا کے لائے اور انہوں نے اس قوم کی از حد منت و سماجت سے متاثر ہو کر حضورؐ سے عرض کیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اسامہ رضؓ تم خدا کے حدود کے نفاذ میں سفارش کرتے ہو"۔ اسامہ رضؓ نے جب حضورؐ کا جلال اور غضب دیکھا تو عرض کرنے لگے "یارسول اللہ! میرے لئے استغفار فرمائیے مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے"۔ اس کے بعد حضورؐ نے

خطبہ دیا اور فرمایا "اے لوگو! خبردار ہو جاؤ پچھلی امتیں اسی بنا پر ہلاک ہوئیں کہ جب ان کے کسی بڑے آدمی سے چوری سرزد ہوتی تو اسے چھوڑ دیتے اور اس پر حد قایم نہ کرتے۔ اور جب کسی کمزور آدمی سے یہ سرزد ہوتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ قسم ہے اس رب العزت کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹتا۔" پھر اس مخزومی عورت کے ہاتھ کاٹے گئے۔ اللہ تعالےٰ، امام تاج الدین سبکی کو جزائے خیر دے جو مذہب شوافع کے ایک امام ہیں انہوں نے حضورؐ کے اس خطبہ کے نقل کرنے میں جس میں سیدہ فاطمہؓ کا نام نامی صراحت کے ساتھ ہے ان کا اسم گرامی نقل نہیں کیا اور ادب ملحوظ رکھا اور پسند نہ کیا کہ اس مقام میں ان کے اسم گرامی کا ذکر کیا جائے۔ اور لکھا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ "اگر فلاں بھی چوری کرے (اور اپنے اہل بیت میں سے ایک کا نام لیا) تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں۔" بارک اللہ فی تعظیمہ ورعایۃ ادبہ مع الزہراء سلام علیہا وعلی سائر بیت النبوۃ اجمعین۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود الٰہیہ میں شفاعت کرنا حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جانے کے بعد حرام ہے۔ اور حاکم کے پاس مقدمہ پیش ہونے سے پہلے اگر اس کے لئے سفارش کی جائے اور وہ شریر اور موذی نہ ہو تو جائز ہے۔ لیکن تعزیر میں دونوں صورتوں کے اندر سفارش جائز ہے۔ خصوصاً اشراف کے معاملہ میں۔

دوسرا مقدمہ جو قیام مکہ کے دوران پیش ہوا وہ ایک ایسے شخص کا ہے۔ جس نے بارگاہ نبوت میں آکر عرض کیا تھا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جب حق تعالےٰ اپنے رسول پر مکہ مکرمہ کو فتح کرا دے گا تو میں بیت المقدس جا کر وہاں نماز پڑھوں گا۔ حضورؐ نے فرمایا "یہاں ہی پڑھ لو یعنی مسجد الحرام میں۔ اس نے تین مرتبہ عرض کیا حضورؐ نے تیسری مرتبہ میں فرمایا "بیت الحرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری جگہ کسی اور شہر میں ہزار نمازوں سے افضل ہے۔" اس حدیث میں ایسا ہی واقع ہوا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ بیت الحرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجدوں میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ نیز مروی ہے کہ مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے اور مسجد نبوی شریف مدینہ طیبہ میں دس ہزار اور مسجد حرام مکہ مکرمہ میں ایک لاکھ کے برابر ہے۔ لہٰذا مسجد حرام میں نماز اس کے غیر سے زیادہ ہے، امام مالک رحمہ اللہ چوں کہ مکہ سے مدینہ کی فضیلت کے قائل ہیں تو مسجد مدینہ کی نماز کو اس کے سوا نماز پڑھنے سے افضل کہتے ہیں۔ اگرچہ باعتبار عدد کمیت زیادہ ہو لیکن مسجد مدینہ میں باعتبار کیفیت و نفاست اور برکت جوار

سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم افضل ہے۔ تعداد کی زیادتی قامت کی کمی کے منافی نہیں ہے۔ جس طرح ایک گوہر، ہزار درہم کے برابر ہوتا ہے۔ یہ مبحث تاریخ مدینہ میں (جس کا نام ہے جذب القلوب الی دیار المحبوب) ثابت کیا گیا ہے اور مسائل فقہیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی نذر مانے کہ کسی مفضول مسجد میں نماز پڑھے گا تو فاضل مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر سے عہدہ برآ ہو جائے گا جسطرح کہ کوئی نذر مانے کہ مسجد اقصٰی یا مسجد مدینہ میں نماز پڑھے گا تو وہ مسجد حرام میں پڑھ لے۔ یا نذر مانی کہ مسجد اقصٰی میں نماز پڑھے گا تو وہ مسجد مدینہ میں پڑھ لے۔ اور حضورؐ کا اس شخص سے فرمانا جس نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی کہ وہ یہاں ہی پڑھ لے۔ اسکے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

دیگر احکام و قضایا جو قیام مکہ مکرمہ کے دوران واقع ہوئے ان میں سے شراب، خنزیر، مردار اور بت کی قیمت کی مخالفت ہے اور کاہن کی وہ اجرت جو اسے کہانت کے بدلے میں دیجائے اور مردار کی چربی جس سے مشک اور کشتیوں کو چکناتے ہیں ان سب کو ممنوع قرار دیا۔ اور فرمایا حق تعالےٰ یہود کو ہلاک کرے کہ ان پر چربیوں کو حرام کیا گیا تھا مگر انہوں نے ان کو فروخت کیا اور انہوں نے اس کی قیمت کھائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا کھانا حرام ہے اس کی قیمت بھی حرام ہو گی۔

ان ایام کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس ۳۰ سواروں کے ساتھ موضع نخلہ میں عزیٰ کے بت خانہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے بھیجا۔ عزیٰ عرب کا مشہور بت تھا۔ حضرت خالدؓ قطع منازل کر کے وہاں پہنچے اور اس بت خانہ کو تباہ کر کے آ گئے۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا اس بت کو توڑ دیا عرض کیا "ہاں!" فرمایا "اس میں کوئی چیز دیکھی انہوں نے کہا "نہیں" فرمایا "تم نے بت عزیٰ کو نہیں توڑا حضرت خالدؓ دوبارہ گئے اور بہت تلاش کے بعد ایک کلموئی ننگی عورت پراگندہ بال کی نمودار ہوئی تلوار کھینچکر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور حضورؐ کی خدمت میں عرض حال کیا فرمایا "وہ عزیٰ تھی۔ تمہارے شہروں میں اب دوبارہ عزیٰ نہ پوجی جائے گی۔ یہ عزیٰ قریش کی معبود، اور تہامہ و بنی کنانہ کی بزرگ ترین بتوں میں سے تھی۔ چنانچہ وہ لات و عزیٰ کی قسمیں کھاتے تھے۔ لات، طائف میں بنی ثقیف کا بت تھا۔ حدیث میں مروی ہے فرمایا: مَنْ حَلَفَ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ — جو لات و عزیٰ کی قسم کھائے تو اسے چاہیئے کہ لا الہ الا اللہ کہے۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کو سواع کے بت خانہ کو تباہ کرنے کے لئے بھیجا

جو قبیلہ ہذیل کا بت تھا اور مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں جب وہاں پہنچا تو اس بت خانہ کے پجاری نے مجھ سے کہا "کیا چاہتا ہے" میں نے کہا "رسولؐ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس بت خانہ کو تباہ کر دوں"۔ اس نے کہا "تو یہ کام نہ کر سکے گا۔ اور تجھے وہ بت اس سے باز رکھے گا"۔ حضرت عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں قریب گیا اور اس بت کو توڑ دیا۔ پھر میں نے پجاری سے کہا "تو نے دیکھ لیا؟" اس پجاری نے کہا "میں اللہ تعالےٰ پر اسلام لاتا ہوں"۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت سعید بن زید اشہلی کو بیس[۲] سواروں کے ساتھ موضع مُشَلَّل کی جانب جو حرمین شریفین کے درمیان ہے "منات" کے بت خانہ کی تباہی کے لئے بھیجا چونکہ یہ بت خانہ زمانۂ جاہلیت میں قبیلہ اوس وخزرج اور غسان کا معبود تھا۔ اور وہ منات کو پوجتے تھے جب اس بت خانہ میں پہنچے تو پجاری نے کہا کس غرض سے آئے ہو"۔ انہوں نے فرمایا "منات کو برباد کرنے کے لئے"۔ پجاری نے کہا "تم اور اوس کے قبیلہ کے لوگ جانیں"۔ حضرت سعید اس بت کی طرف بڑھے اس میں سے ایک کلوٹی عورت برآمد ہوئی جو اپنے سینہ پر ہاتھ مارتی اور نوحہ کرتی تھی حضرت سعید نے تلوار کی ایک ضرب سے اس کے ٹکڑے کر دیئے، اور بت خانہ کو برباد کر دیا۔ اور حضورؐ کی بارگاہ میں واپس آگئے۔

ایک اور عظیم واقعہ ہے جو شناعت سے خالی نہیں ہے۔ وہ یہ کہ حضرت خالدؓ بن ولید کو موضع نخلہ سے واپسی اور بت عزیٰ کو توڑنے کے بعد تین سو مہاجرین اور انصار اور بنی سلیم کے ساتھ یلیلم کی جانب قبیلہ بنی جذیمہ پر بھیجا تاکہ اس قبیلہ والوں کو دعوتِ اسلام دیں۔ نہ اس لئے کہ ان سے جنگ کریں اور ان کا حال یہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں حضرت خالدؓ کے چچا جس کا نام فاکہ بن مغیرہ تھا اور حضرت عبدالرحمٰنؓ کے باپ جس کا نام عوف تھا، جب یہ دونوں یمن سے تجارت کر کے واپس آرہے تھے اور وہ یلیلم پہنچے تو بنی جذیمہ نے مال کی لالچ میں دونوں کو قتل کر کے ان کا مال لے لیا تھا۔ جب بنو جذیمہ نے حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر پائی تو حزم واحتیاط کے طور پر ہتھیار باندھ کر باہر آئے۔ حضرت خالدؓ نے ان سے پوچھا "تم کون ہو؟" انہوں نے کہا "ہم مسلمان ہیں اور سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلّم پر اور ان کے دین کے احکام پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور ہم اپنی بستی میں مسجدیں بنا کر اذان واقامت کہتے ہیں۔ اور جماعت کے ساتھ جمعہ قایم کرتے ہیں"۔ حضرت خالدؓ نے کہا "پھر ہتھیار باندھ کر ہمارے سامنے کیوں آئے ہو"۔ انہوں نے کہا "ہمارے اور

عرب کی ایک قوم کے درمیان دشمنی ہے ہم نے خوف کیا کہ تم ان میں سے ہو گے۔" حضرت خالدؓ نے ان کے عذر کو قبول نہ کیا۔ اور ان سے کہا کہ "اپنے ہتھیار اتار دو۔" انہوں نے حکم کے بموجب عمل کیا اور جسموں سے ہتھیار دور کر دیئے۔ اس وقت فرمایا "ان کے ہاتھوں کو کندھوں سے باندھ دیئے جائیں۔ پھر ایک ایک کو اپنے ساتھیوں کی قید میں دیدیا کہ رات میں ان کی حفاظت کریں۔ جب سحر ہوئی تو حکم دیا کہ جس کے پاس جو قیدی ہے وہ اپنے قیدی کو قتل کر دے۔ بنو سلیم نے سردار کے حکم کے ماتحت ان بے گناہ قیدیوں کو قتل کر دیا۔ لیکن مہاجرین و انصار نے اپنے قیدیوں کو باقی رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ جب انہوں نے ہتھیار اتار ڈالے تو حضرت خالدؓ نے انہیں تہ تیغ کرنا شروع کر دیا اور اس قبیلہ کے تقریباً سو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد بنی جذیمہ میں سے ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور حضرت خالدؓ نے جو سلوک کیا تھا سب عرض کر دیا۔ حضور غضب میں آئے اور دو تین بار فرمایا "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَاُ اِلَیْکَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ" اے خدا میں تیرے حضور برأت کا اظہار کرتا ہوں جو خالدؓ نے کیا۔" اور امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو رقم دے کر قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف بھیجا تاکہ مقتولوں کی دیت اور تلف شدہ اموال کا عوض دے کر انہیں راضی کریں اور حضرت خالدؓ کو ملامت کریں۔ حضرت علی مرتضیٰؓ حضور کے حکم سے اس قبیلہ کی طرف گئے ان کے معاملات کو سرانجام دیا اور دیت وغیرہ انہیں دی اور انہیں راضی کر کے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اہلِ سیر کہتے ہیں کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت خالدؓ سے عرصہ تک ناراض رہے جب بنی جذیمہ راضی ہو گئے اور انہوں نے اور چند دیگر صحابہ نے حضورؐ سے سفارش کی تو انہیں معاف فرمایا' یہ مقام حیرت و تعجب ہے کہ حضرت خالدؓ سے یہ فعل کیسے سرزد ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ اجتہادی خطا کی بنا پر واقع ہوا تھا۔ حضرت خالدؓ کا اجتہاد یہ کہتا تھا کہ وہ جنگ کی غرض سے آئے تھے اور جھوٹ موٹ کی عذر خواہی کر رہے تھے۔ اور صحابہ کی رائے اس کے برخلاف تھی۔ "وَالْمُجْتَهِدُ يُخْطِئُ وَيُصِيْبُ" مجتہد سے خطا بھی ہوتی ہے اور صواب بھی ہوتا ہے؛ اسی بنا پر حضورؐ نے دیت کا حکم دیا۔ حضورؐ اکثر دیت اپنے پاس سے دیا کرتے تھے۔ جس طرح کہ خیبر میں یہود سے مخاصمت کے وقت واقع ہوا تھا (واللہ اعلم)

روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ حضرت خالدؓ اور بنی جذیمہ کا قصہ اہلِ سیر نے اسی طرح بیان کیا ہے جس طرح مذکور ہوا۔ لیکن احادیث کی کتابوں میں صحت کے ساتھ مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو خذیمہ کی طرف بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں مگر انہوں نے اپنے اسلام کی ادائیگی اچھی نہ کی اور

اسلمنا ہم مسلمان ہیں) کی جگہ انہوں نے صبانا صبانا (ہم صابی ہوئے ہم صابی ہوئے) کہا۔ اس پر حضرت خالدؓ انہیں قتل کرنے کے درپے ہو گئے۔ شراح حدیث کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضرت خالدؓ نے ان کے صریح لفظ اسلام کی جگہ دوسرا کنایہ کا لفظ استعمال کرنے پر گمان کیا کہ وہ اسلام سے انکار کے طور پر کہہ رہے ہیں۔ اور حقیقت کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اس تاویل کی بنا پر انہیں قتل و قید کیا (واللہ اعلم۔ انتہی)

یہ روایت جو احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے موجب اشتباہ و محل التباس ہو سکتی ہے لیکن جو کچھ سیر کی کتابوں میں مذکور ہے وہ تو انتہائی بعید اور غایت درجہ شنیع ہے۔ کہ اس قوم نے صراحت کے ساتھ اسلام کا اظہار کیا اور شرائع و شعار کی اقامت اور نبوت کی تصدیق واضح طور پر کی۔ اور انہوں نے کہا کہ ہم نے جنگ کے لئے ہتھیار نہیں پہنے ہیں۔ اس کے باوجود انہیں قتل کیا گیا اور یہ بیان کہ اس قوم نے حضرت خالدؓ کے چچا اور حضرت عبد الرحمنؓ کے والد کو زمانۂ جاہلیت میں قتل کیا تھا سوء ظنی کا موجب ہے اور یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے انہیں سابقہ عداوت کی بناء پر قتل کیا تھا نہ کہ دین کی بنا پر۔ حالانکہ حضرت خالدؓ کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ "خَالِدٌ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ" خالدؓ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ اور خدا کی تلوار سے ناحق قتال جاری ہو جائے۔ جیسا کہ قتل خالد بن نویرہ کا واقعہ ہے۔ کہ فرمایا "من صاحبکم عمر بن الخطاب" اور اس سے مواخذہ کیا گیا۔ اسی کی مانند یہ واقعہ ہے مجھے یاد ہے کہ میں جب مکہ معظمہ میں قاضی علی بن جار اللہ کے پاس تھا جو بنی ظہرہ سے اور اولاد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے تھے ان سے حضرت خالدؓ کا روز فتح کے بارے میں ذکر آیا اور بغیر حضورؐ کے حکم صریح کے قتال میں ان سے عجلت واقع ہونے کا تذکرہ آیا تو قاضی صاحب مذکور پر شرمندگی و انفعال طاری ہو گیا اور اس کے دفعیہ میں فرمایا:- وَاللّٰہِ کَانَ فِیْہِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَنُوْبًا مِّنَ الْاِسْتِعْجَالِ وَالْمُبَادَرَۃِ اِلَی الْقِتَالِ خدا کی قسم حضرت خالد رضی اللہ عنہ ایک قسم کے عجلت پسند اور جنگ میں جلدی کرنے والے تھے"۔

تنبیہ:- صابی کے معنی ایک دین سے منحرف ہو کر دوسرا دین اختیار کر لینے کے ہیں اور کفار قریش حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو صابی کہتے تھے۔ کہ انہوں نے آباء کے دین کو چھوڑ کر نیا دین اختیار فرمایا۔ اور مسلمانوں کو "صباۃ" کہتے تھے کہ انہوں نے نئے دین کو اختیار کر لیا ہے۔ حضرت خالدؓ کو یہ لفظ پسند نہ آیا حالانکہ اس لفظ کے ظاہر معنے یہ تھے کہ وہ کہتے کہ "اسلمنا اسلمنا" اما للہ

بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال)

# غزوۂ حنین

ہجرت کے آٹھویں سال کے واقعات میں سے غزوۂ حنین کا واقعہ ہے۔ حنین (بصیغۂ تصغیر) ایک چشمہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے تین رات کی مسافت پر واقع ہے اور طائف کے قریب ہے۔ اس غزوہ کو "غزوہ ہوازن" بھی کہتے ہیں۔ ہوازن اس جگہ رہنے والے قبیلہ کا نام ہے۔ اس غزوہ کا واقعہ یہ ہے کہ جب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی فتح اور اس کے بعد کے قواعد و قوانین سے فارغ ہوئے تو دو قبیلوں کے سوا عرب کے تمام قبائل زمرۂ اطاعت و انقیاد میں آگئے ان منحرف قبائل میں ایک ہوازن تھا دوسرا قبیلہ ثقیف یہ دونوں پہلوان، گردن کش، صاحب مال و اسباب تھے اور یہ دونوں بغض و حسد اور عداوت میں گرفتار رہے ان دونوں قبیلوں کے سردار ایک دوسرے سے ملے اور کہنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مکہ والوں پر غالب آگئے ہیں اور اہل مکہ چونکہ جنگ اور حرب کے ماہر و دانا نہ تھے اس لئے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان پر غالب آگئے اگر یہ ہمارے ساتھ جنگ کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جنگ کسے کہتے ہیں۔ اور اب ممکن ہے کہ وہ ہماری طرف بھی رجوع کریں اس لئے قبل اس کے کہ وہ ہم پر حملہ کرنے آئیں اگر ہم ان پر حملہ کردیں تو بہتر ہوگا" یہ گفتگو انہوں نے سرکشی اور از راہ غرور و تکبر کہی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ باتیں انہوں نے مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی میں کہی تھیں کیوں کہ مسلمانوں کو خوشخبری دی گئی تھی کہ ان کو غلبہ و نصرت مال و منال اور وافر ساز و سامان ملے گا۔ اور وہ اتنا زیادہ ہوگا کہ انہیں کسی دوسری جگہ سے اتنا نہ ملا ہوگا۔ چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ہوازن اپنے اہل و عیال اور تمام مویشی اور اموال لے کر نکلے ہیں تو فرمایا انشاء اللہ یہ سب مسلمانوں کا غنیمت بنے گا القصہ جب حضورؐ کو معلوم ہوا کہ یہ قبیلے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا قصد رکھتے ہیں تو حضورؐ ہفتہ کے دن شوال کی چھ تاریخ کو مکہ مکرمہ سے بارہ ہزار مدنی لشکر اسلام اور دو ہزار طلقاء و حلفاء کے ساتھ روانہ ہوئے۔ تو زرہیں صفوان بن امیہ سے طلب فرمائیں صفوان نے دریافت کیا: یہ مستقلاً درکار ہیں یا عاریتاً"؟ فرمایا "عاریتاً"۔ قبضہ کے طور پر نہیں اور ایسی عاریتاً کہ اگر تلف ہوجائیں گی تو ہم ان کا ضمان مرحمت فرمائیں گے"۔ کیسی اوندھی عقل تھی کہ وہ حضورؐ سے یہ توقع رکھتا تھا کہ حضورؐ جبراً قبضہ و

غضب فرمائیں گے۔ اس لشکر اسلام میں اسّی ۸۰ اشخاص مشرکین میں سے بھی تھے جیسے صفوان بن امیہ وغیرہ حضرت عتاب رضی بن اسید کو مکہ مکرمہ پر عامل قرار دیا۔ اس کے بعد حضور حنین میں منگل کی رات دسویں شوال کو پہنچے۔ ہوازن کا سردار، مالک بن عوف نضری اور ثقیف کا سردار کنانہ بن عبد یالیل ثقفی تھا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی تیاری کی۔ اور میدان کارزار میں نکل آئے بعض قرب وجوار کے اور قبائل بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ اس طرح کفار کا چار ہزار کا مرتب لشکر میدان میں آگیا۔ ان میں ایک شخص درید بن صمہ بوڑھا تجربہ کار اور اندھا تھا کہتے ہیں کہ اس نے ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی عمر پائی ایک اور روایت میں ہے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ سال کی۔ اس نے مالک بن عوف نضری سے کہا کہ اہل وعیال اور مال واسباب لیکر نہ نکلو۔ لیکن اس نے اس کا کہنا نہ مانا۔ اس پر اس نے کہا کہ اے ہوازن! مالک تم سب کو ذلیل وخوار کرے گا اور تمہاری عورتوں، بچوں اور مال واسباب کو دشمن کے حوالہ کرے گا۔ اور تم سب کو دشمن کے حوالے کر کے بھاگ کھڑا ہو گا۔" اس بنا پر لوگوں میں اختلاف برپا ہو گیا۔ مالک نے کہا "اگر تم میرا کہنا نہ مانو گے اور میری اطاعت نہ کرو گے تو میں اپنے آپ کو ہلاک کر دوں گا۔" یہ کہہ کر نیام سے تلوار نکالی اور نوک اپنے سینہ پر رکھ کر کہنے لگا کہ "اگر تم میری اطاعت نہیں کرو گے تو میں اس تلوار پر جھول جاؤں گا تاکہ یہ میری پشت سے پار ہو جائے۔" ہوازن کہنے لگے۔" یہ جوان اور جاہل ہے۔ اگر ہم نے اس کی اطاعت نہ کی اور اس کا کہنا نہ مانا تو یہ جہالت سے اپنے آپ کو مار ڈالے گا۔ اور درید ایک بوڑھا، عاجز ونابینا شخص ہے جو اس لائق نہیں ہے کہ وہ سرداری کر سکے اور کسی ایسے دوسرے شخص کو ہم جانتے نہیں جو سرداری کے لائق ہو۔ لہٰذا درید سے انہوں نے منہ موڑ لیا اور مالک کے ساتھ متفق ہو گئے۔ اور یہ سب حنین کی طرف چل دیئے۔

منقول ہے کہ مالک بن عوف نے ایک جماعت کو لشکر اسلام کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا وہ جماعت تحقیق وجستجو کر کے لرزتی کانپتی مالک کے پاس پہنچی۔ اس نے پوچھا تمہاری پریشانی کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب ہم لشکر اسلام میں پہنچے تو ہم نے سفید پوش لوگوں کو ابلق گھوڑوں پر سوار دیکھا جن کی مانند ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اب مناسب یہی ہے کہ ہم یہیں سے لوٹ جائیں۔ اگر ہمارے سپاہیوں نے ان کو دیکھا تو ان کی بھی وہی حالت ہو جائے گی جو ہماری ہوئی ہے۔ مالک نے ان کی بات کا یقین نہ کیا۔ اور دوسرے لوگوں کو تفتیش حال کے لئے بھیجا انہوں نے بھی آکر یہی حال بیان کیا۔ یہ فرشتے تھے جو لشکر اسلام کی مدد کے لئے آئے ہوئے تھے جس طرح کہ غزوۂ بدر میں آئے تھے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کا نزول، بدر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فرشتوں کا قتال وحرب کرنا بدر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور حنین میں ان کا آنا مسلمانوں کی امداد و اعانت، تقویت و تائید اور ان کے دلوں کو ثابت و برقرار رکھنے کے لئے تھا۔ یہ قتال وحرب کے لئے نہیں آئے تھے۔

الغرض، مالک بن عوف، ان نشانیوں کے دیکھنے کے باوجود اپنے ارادہ سے باز نہ آیا اور اسی طرح مصر رہا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جب لشکر اسلام کی کثرت وشوکت مسلمانوں کی نظر میں آئی تو مسلمانوں میں سے ایک شخص نے کہا "آج ہم قلت کی بنا پر مغلوب نہ ہوں گے۔ حضورؐ کو یہ بات مکروہ وشاق گزری کیونکہ مشعر عجب وغرور تھی'۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ لشکر اسلام کی ہزیمت وشکستگی کی جو صورت پیش آئی تھی اس کا سبب یہی تھا تاکہ مسلمان جان لیں کہ فتح ونصرت کثرتِ تعداد اور تیاری پر نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے "وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" کوئی چیز مدد دینی والی نہیں بجز اللہ تعالیٰ کی مدد کے۔ اور یہ آیۂ کریمہ بھی اسی مطلب کے لئے نازل ہوئی کہ فرمایا:-

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا۔

اور بلاشک وشبہ حق تعالیٰ نے بہت سی جگہوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے دن، جبکہ تم نے اپنی کثرت پر گھمنڈ کیا تو تم کو کوئی چیز بے نیاز نہ کر سکی

واضح رہنا چاہیئے کہ ممکن ہے یہ بات اس مقام میں اس بنا پر ناگوار ومکروہ جانی گئی ہو کہ اس کے قائل نے عجب وگھمنڈ کے قرینہ کے معنے میں سمجھا ہو ورنہ یہ بات صحیح ہے اس لئے کہ ابوداؤد وترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ - خَيْرُ الصَّحَابَةِ اَرْبَعَةٌ وَخَيْرُ السَّرَايَا اَرْبَعُمِائَةٍ وَخَيْرُ الْجُيُوْشِ اَرْبَعَةُ اٰلَافٍ وَّلَنْ يُّغْلَبَ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا مِّنْ قِلَّةٍ "بہترین صحابہ چار ہیں، بہترین سریہ چار سو کا ہے، اور بہتر لشکر چار ہزار کا ہے قلت کی بنا پر ہرگز ہرگز بارہ ہزار غالب نہ آئیں گے"۔ اور اس غزوہ میں مسلمانوں کا لشکر بارہ ہزار اشخاص کا تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ اس کے قائل نے لشکر کی تعداد کو دیکھ کر یہ کہا ہو بلکہ اس کی کثرت وشوکت کو دیکھ کر اس نے یہ بات کہی تھی۔

اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ یہ صحیح ہے کہ اس بات کے کہنے والے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہ تھے جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے (واللہ اعلم)

اہل سیر کہتے ہیں کہ مالکؔ بن عوف لشکر اسلام کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے لشکر کے ساتھ وادیٔ حنین میں داخل ہو گیا تھا اور لوگوں کو گھات میں بٹھا دیا تھا اور حکم دے دیا تھا کہ جس وقت

لشکرِ اسلام بے خبری میں اس میدان میں پہنچے تو تم سب ایک دم ان پر تیروں کی بارش شروع کر دینا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صبح کاذب کے وقت (ایک روایت میں ہے کہ سحر کے وقت دونوں روایتیں مقصود میں ایک جیسی ہیں) لشکر تیار کر کے اور ان کو علم اور جھنڈے دے کر روانہ ہوئے چونکہ وادیٔ حنین کی گھاٹیاں تنگ اور دشوار تھیں اور ان میں گڑھے تھے اس لئے سب ایک ساتھ اس جگہ سے نہ گزر سکتے تھے چند چند آدمیوں کی ٹولیوں کی شکل میں یہ دشوار گزار گھاٹیوں میں داخل ہو گئے۔ کافروں نے اس وقت کو غنیمت جانا اور کمینگاہوں سے نکل کر ایک دم لشکر اسلام پر حملہ آور ہو گئے۔ اور تیروں کی بارش شروع کر دی۔ وہ سب کے سب تیر انداز تھے مقدمۂ لشکر حضرت خالد رضؓ بن ولید اور بنی سلیم پر مشتمل تھا وہ سب غیر مسلح تھے۔ وہ پیچھے لوٹ پڑے ان کے پیچھے کفار قریش بھی ہمراہ تھے اور ان میں کچھ ایسے نومسلم اور ضعیف الاعتقاد جن کے دلوں میں ابھی ایمان نے جڑ نہیں پکڑی تھی ساتھ تھے وہ بھی بھاگ پڑے۔ باقی صحابہ بھی برداشت نہ کر سکے بچاؤ کی خاطر متفرق و متزلزل ہو گئے اور لشکر اسلام میں ایسا تفرقہ پڑا کہ معدودے چند ہی مقابل رہے۔ ان دلاوروں اور ثابت قدموں میں سے سیدنا علی مرتضیٰ رضؓ، حضرت عباس رضؓ، ابوسفیان رضؓ بن الحارث، ربیعہ رضؓ بن الحارث بن عبد المطلب، پسران حضرت عباس رضؓ، قثم رضؓ و فضل رضؓ و اسامہ رضؓ بن زید ام یمن رضؓ کے بھائی، ابن رضؓ ام ایمن، عبید رضؓ اللہ بن زبیر بن عبد المطلب، عقیل رضؓ بن ابی طالب چند اور اہل بیت میں سے اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم بھی ان ثابت قدم اصحاب میں سے تھے۔ کچھ صحابہ حضورؐ کے آگے تھے اور کچھ داہنے اور بائیں تھے حضرت عباس رضی اللہ عنہم حضورؐ کی رکاب سعادت تھامے کھڑے تھے۔ اور ابوسفیان بن الحارث سواری کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضؓ داہنی رکاب اور حضرت ابوسفیان بائیں رکاب تھامے ہوئے تھے۔ اس دن کی حضورؐ کی سواری اس اونٹ پر تھی جس کا نام دلدل تھا ایک روایت میں ہے کہ وہ سفید خچر تھا جسے فردہ جذامی نے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر جو جنگ و حربہ کا مقام ہو خچر کی سواری، کمال شجاعت قوت کی زیادتی اور قبضہ و قدرت کے اضافہ کا موجب بنتی ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ نبوت کی خصوصیات تماشے ہے ورنہ عام عادت تو خچر کی سواری، اطمینان اور سیر و سیاحت کی سواریوں میں سے ہے۔

وہ جنگ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ بجز گھوڑے کے۔ کیوں کہ اس کی پیدائش ہی کر و فر ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جنگ کے موقعہ پر حضورؐ کے لئے جب فرشتے آئے تو وہ ابلق گھوڑوں پر ہی سوار تھے۔ اسی بنا پر گھوڑے کے سوا کسی سواری کے لئے غنیمت کا حصّہ نہیں دیا جاتا۔ نہ خچر کے لئے نہ اونٹ کے لئے۔ گویا حضورؐ کا خچر پر سواری فرمانا اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ میرے نزدیک جنگ اور امن دونوں، قوت قلب، شجاعت نفس اور اللہ عزوجل پر توکل و اعتماد میں برابر ہیں۔ اس کے باوجود آپ حملہ کرتے اور سواری کو اشرار اور دشمنوں کی جانب بڑھاتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کی سرکوبی فرمائیں۔ مگر ابوسفیانؓ بن الحارث سواری کی لگام تھامے روکتے تھے اور حضورؐ فرماتے جاتے۔ (درآنحالیکہ حضرت عباسؓ بھی رکاب تھامے ہوئے تھے) "جان لو میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں اور فرماتے کہ "اَنَا النَّبِیُّ لَاکَذِبُ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ" تاکہ مسلمانوں کے دلوں کی تقویت اور ڈھارس بندھے۔ اور مسلمانوں کو حق تعالےٰ کے وعدۂ نصرت کی یاد دلاتے اور فرماتے:۔ اِنِّی اَیْنَ یَا عِبَادَ اللّٰہِ اِنِّی اَیْنَ اَیُّھَا النَّاسُ میں موجود ہوں کہاں ہو اللہ کے بندو، میں موجود ہوں کہاں ہو اے لوگو۔" اور فرماتے "اے خدا کے مددگارو اور اے نبی کے مددگارو! مطلب یہ کہ میں خدا کا نبی ہوں، اور نبی دروغ بات نہیں کہتا، اور میں یقین رکھتا ہوں کہ حق کی نصرت کا وعدہ حق ہے۔" اسی بنا پر حق تعالیٰ نے فرمایا:۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا۔

پھر حق تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر سکینہ نازل فرمایا اور وہ لشکر اتارا جن کو وہ دیکھتے نہ تھے۔

---

حضورؐ کا فرمانا کہ "انا ابن عبد المطلب" میں عبد المطلب کا فرزند ہوں، اور یہ نہ فرمایا کہ "انا ابن عبد اللہ" میں عبد اللہ کا فرزند ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی شہرت آپؐ کے دادا حضرت عبد المطلب کے ساتھ زیادہ مشہور و معروف تھی۔ بہ نسبت آپؐ کے والد حضرت عبد اللہ کے۔ اس لئے کہ حضورؐ کے والد ماجد کا انتقال آپؐ کے دادا کی موجودگی میں ہو گیا تھا۔ اور لوگوں کے دلوں میں حضرت عبد المطلب کی قدر و منزلت بہت زیادہ تھی۔ اور کوئی بھی ان کے مرتبہ و منزلت پر نہیں پہنچا تھا۔ اور یہ مقام خوارق عادات اور غرائب کے ظہور کا تھا۔ جب یہ لوگ ایسے روبفرار ہوئے کہ بلانے سے بھی کوئی نہ لوٹا تو کفار کی ایک جماعت اور قریش کے کچھ ایسے لوگ جو نو مسلم تھے اور ہوازن کا سینہ حرب وحقد اور حسد و کینہ سے صاف نہ ہوا تھا وہ خبث باطن کا اظہار کرنے لگے۔ کوئی کہتا کہ "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم)

کے ساتھی تو ایسے بھاگے جا رہے ہیں گویا وہ دریا کے کنارے ہی جا کے ٹھیریں گے"۔ اور کلاق بن خلیل جو صفوان بن امیہ کا ماموں تھا کہنے لگا آج وہ دن ہے کہ "جادو باطل ہو جائے گا" بعض اہل سیر، ابو سفیان بن حرب سے بھی اس قسم کی باتیں نقل کرتے ہیں۔ اس نے صفوان بن امیہ سے کہا "مبارک ہو تجھے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی (معاذ اللہ) بھاگ کھڑے ہوئے ہیں"۔ چونکہ صفوان کا کفر و شرک کا بت قدرے ٹوٹ چکا تھا اور حضور اکرمؐ کا ممنونِ عنایت ہو کر زمرۂ امن و امان میں داخل ہو گیا تھا اس لئے ان باتوں پر اس نے خوشی و مسرت کا اظہار نہ کیا۔ اور کہنے لگا خدا تیرا منہ توڑے۔ قریش کے کسی ایک شخص کی رہنمائی اور اس کی تربیت میں میرا آنا اس سے بہتر ہے کہ میں ہوازن کے کسی ایک شخص کی تربیت میں ہو جاؤں"۔

القصہ جب تمام لوگ تتر بتر ہو گئے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم معدودے چند کے ساتھ اپنی جگہ ثابت و قایم رہے تو حضور اکرمؐ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ساتھیوں کو پکارو اور انہیں اس طرح آواز دو کہ "اے گروہِ انصار، اور اے اصحابِ سمرہ" سمرہ اس درخت کا نام ہے جس کے نیچے حدیبیہ میں بیعت واقع ہوئی تھی۔ اور ان کو اصحاب الشجرہ اور بیعت الرضوان بھی کہتے ہیں۔

نیز ارباب سیر کہتے ہیں کہ "یا اصحاب سورۃ البقرہ" کہہ کے بھی ندا کی گئی۔ مراد تعظیم ہے کیوں کہ وہ اصحاب اسی سورۃ پر ایمان لائے ہوئے ہیں جس کا نام سورۂ بقرہ ہے اور وہ قرآن کی سب سے بڑی سورۃ ہے۔ حضرت عباسؓ چونکہ انتہائی جہیر الصوت، اور بلند آواز والے تھے حضورؐ کے ارشاد کے بموجب اور اقتضائے مقام کے لحاظ سے بلند آواز سے اصحاب کو پکارا۔ تاکہ وہ سب جمع ہو جائیں۔ جب انہوں نے حضرت عباسؓ کی آواز سنی تو جواب دیا اور کہا "یا لبّیک یا لبّیک" اور اس طرح جمع ہونے لگے جس طرح شہد کی مکھی کے بادشاہ کے گرد جس کا نام یعسوب ہے مکھیاں جمع ہونے لگیں۔ یا جس طرح کہ اونٹ اور گائے اپنے بچوں کو تلاش کر کے جمع ہوتے ہیں۔ حضرت عباسؓ کی آواز کی جانب سب دوڑنے لگے۔ اور بعض اصحاب جن کے گھوڑے سست رفتار تھے اور وہ تیز نہیں دوڑ سکتے تھے وہ ہتھیار پھینک کر اور سواریوں سے زمین پر کود کر تیزی کے ساتھ حضور اکرمؐ کی جانب آنے لگے۔ یہاں تک کہ تقریباً سو صحابہ جمع ہو گئے، اور دشمنوں پر حملہ کر کے جنگ میں مشغول ہو گئے۔ اس وقت حضور اکرمؐ نے فرمایا "اَلْاٰنَ حَمِیَ الْوَطِیْس" اب تنور کی گرمی ہوئی"۔ وطیس گرم تنور کو کہتے ہیں جس میں روٹیاں پکائی جاتی ہیں اور یہ مثل وکہاوت

اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب جنگ خوب شدت پر ہو۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ حضور اکرمؐ کی فصاحت کلامی ہے حضور اکرمؐ سے پہلے یہ جملہ کسی سے نہیں سنا گیا۔

پھر حضور اکرمؐ اپنی سواری سے زمین پہ تشریف لائے اور ایک مٹھی سنگریزوں کی لی۔ اور حضرت علی کرم اللہ سے ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباسؓ سے سواری پر ہی خاک طلب فرمائی اور "شاہت الوجوہ" (ان کے منہ پھیریں) دم کر کے دشمنوں کی جانب پھینکی۔ تو یہ مشت خاک مشرکوں کے تمام لشکریوں کی آنکھوں اور منہ پہ پڑی۔ اور کوئی کافر ایسا باقی نہ تھا جس کی آنکھ میں یہ خاک نہ پڑی ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ ان کی آنکھیں اور منہ ان سنگریزوں سے بھر گئیں۔ فرمایا قسم ہے رب محمد کی وہ شکست کھا گئے۔ اور دعا مانگی کہ اے خدا اپنے وعدہ کو سچا کر دے۔ اور کافروں کو اس کے سزاوار نہیں اور نہ وہ ان کے لائق ہیں کہ وہ مسلمانوں پہ غلبہ پائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دعا مانگی اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَاِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی وَاَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَبِکَ الْمُسْتَغَاثُ وَعَلَیْکَ التُّکْلَانُ ۔ اور فرمایا "اِنْھَزَمُوْا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ" رب محمدؐ کی قسم کافر بھاگ گئے"۔ اس وقت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آج آپؐ کو وہ کلمات تلقین فرمائے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تلقین فرمائے تھے جبکہ بنی اسرائیل کے لئے دریائے نیل میں راستہ بنایا گیا تھا۔ اس جگہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی وَلِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

آپ نے نہیں پھینکا جبکہ آپ نے پھینکا لیکن اللہ نے پھینکا، تاکہ مومنوں کو اس بلاء حسن سے آزمائے بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کی جانب جو سنگریزے پھینکے اس کی آواز ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے آسمان سے طشت میں پھینکے گئے ہوں۔ اور ان کافروں کی اولاد، جن کے باپ لشکر ہوازن میں تھے اپنے آباء سے نقل کر کے کہتے ہیں کہ جب ہماری طرف سنگریزے پھینکے گئے تو کوئی آنکھ ایسی باقی نہ تھی جس میں وہ نہ پڑے ہوں اور ہمارے دل تڑپنے لگے اور ان میں قلق و اضطراب لاحق ہو گیا اور ایک عظیم ہیبت ہم پر طاری ہو گئی، وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایسی آوازیں سنیں جیسے

طشت پر ہتھوڑا مارا جاتا ہے۔ اور اسی دوران آسمان سے ابر سیاہ کی مانند نمودار ہوا جو ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان چھا گیا اسی دوران غور سے دیکھا تو سیاہ چیونٹیوں سے تمام میدان لبریز ہو گیا تھا اور تمام وادیاں اس سے بھر گئیں تھیں وہ کہتے تھے کہ ہر پتھر اور درخت پر ہر جگہ مخالفوں کی نظر میں ایسے سوار نظر آتے تھے جو زمین و آسمان کے درمیان سفید لباس میں ابلق گھوڑوں پر سوار ہیں۔ اور دونوں شانوں کے درمیان علاقے چھوڑے ہوئے ہیں۔ اور ہم میں اتنی تاب و تواں نہ تھی کہ ان کی طرف نگاہ بھی اٹھا سکیں۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حق تعالےٰ نے اس روز اپنے نبی کریم کی پانچ ہزار فرشتوں سے مدد فرمائی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد ہوازن پوچھتے تھے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو سفید لباس میں ملبوس ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ہم مارے نہیں گئے مگر انہیں کے ہاتھوں سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے غزوۂ حنین میں بھی قتال کیا ہے جس طرح کہ بدر میں کیا تھا۔ اور وہ قول جس نے یہ کہا ہے کہ "فرشتوں کا نزول امداد و اعانت کے لئے تھا قتال بدر کے ساتھ مخصوص ہے"۔ ضعیف ہے اس کے بعد مسلمانوں نے نیام سے تلوار نکال کر کافروں کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ گویا کہ آسمان سے ان پر ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور ان کو شکست دیدی۔

ہوازن کا لشکر اتنی دیر بھی کھڑا نہ رہ سکا جتنی دیر میں اونٹنی کا دودھ دوہا جاتا ہے۔ اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

شیبہ بن عثمان حجبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں قریش کی ایک جماعت، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں آئی ہیں بھی ان میں تھا اور اس مقصد کے ماتحت ساتھ تھا کہ اگر موقعہ میسر آیا تو حضور اکرم کو شہید کر دوں گا۔ یہ کینہ اپنے باپ کے روز احد مارے جانے کی بنا پر تھا۔ اور میں حضور اکرم کو قتل کرنے کے ارادے اور نیت سے چلا میرا پختہ عزم تھا کہ اگر تمام لوگ حضور اکرمؐ کے مطیع و منقاد ہو جائیں تو بھی میں ہرگز نہ ہوں گا۔ میں اس ارادے سے حضورؐ کے عقب میں آیا اور چاہا کہ آپ پر تلوار کا وار کروں کہ اچانک میں نے دیکھا ایک آگ کا شعلہ، بجلی کی مانند نمودار ہو کر میری طرف لپکا۔ اور قریب تھا کہ وہ مجھے جلا ڈالے۔ اتنے میں حضور اکرمؐ نے آواز دی "اے شیبہ! قریب آؤ۔ میں حضورؐ کے پاس گیا، اور حضور اکرمؐ نے اپنا دست اقدس میرے سینہ پر مار کر فرمایا "اے خدا، اسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھ" حق تعالےٰ نے اسی وقت میرے

دل سے وہ واعیہ اور کینہ دور فرمادیا" خدا کی قسم! آپ اسی لمحہ میری آنکھ کان سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا جاؤ کافروں کے ساتھ جنگ کرو۔ اس کے بعد میں حضور اکرمؐ کے آگے آگے چلتا اور کافروں سے جنگ کرتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر اس وقت میرا باپ بھی زندہ ہوتا تو یقیناً میں اسے تلوار سے قتل کر دیتا۔ اس کے بعد کافروں نے ہزیمت کھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خیمہ میں تشریف لائے اور میں بھی خیمہ اقدس میں داخل ہوا تاکہ آپ کے جمال جہاں آراء سے مشرف ہوں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے شیبہؓ! حق تبارک وتعالےٰ نے جو تمہارے لئے چاہا اس سے بہتر تھا، جو تم اپنے لئے اپنے دل میں چاہتے تھے۔ اس کے بعد جو کچھ میرے دل میں تھا حضور اکرمؐ نے ظاہر فرمادیا۔ پھر میں نے عرض کیا" أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ" اس کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے لئے استغفار فرمائیے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا "غفر اللہ لک اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخشدیا۔"

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت شیبہؓ کے دل میں ایمان اسی وقت جاگزیں ہو گیا تھا جبکہ حضور اکرمؐ نے ان کے سینہ پر دست اقدس مارا۔ اور وہ محبت پیدا ہو گئی تھی جس کے باعث کافروں سے انہوں نے جنگ کی۔ لیکن لفظِ شہادت ظہور میں نہیں آیا تھا اس وقت وہ اس سے بھی مشرف ہو گئے۔ اس حدیث میں اس پر دلیل موجود ہے کہ ایمان کی حقیقت وہی تصدیق قلبی ہے اور زبانی اقرار، احکام ایمان کے اجراء کے لئے اس پر زائد ہے۔ جب وہ بھی حاصل ہو تو ایمان مکمل ہو گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے ان سے لوگوں نے پوچھا "کیا تم حنین کے دن بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا ہاں! لیکن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فرار نہیں ہوئے تھے اور مرکز استقامت ثابت ومستقیم تھے۔ اور جب ہم نے ہوازن پر حملہ کیا تو وہ متفرق و منتشر ہو گئے۔ اس کے بعد ہم غنائم کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے جمع ہو کر تیروں کے نرغہ میں لے لیا۔ حضرت براء بن عازبؓ اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ یہ جو فرار و پریشانی کی آزمائش ہم پر مسلط ہوئی یہ ہماری ہی غلطی کی بنا پر تھی کہ ہم دنیاوی مال ومتاع کی طرف متوجہ اور اس کے ساتھ متعلق ہو گئے۔ اور غزوۂ احد میں بھی ایسا ہی واقع ہوا تھا۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں لیکن رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم اپنے بغلۂ بیضاء پر سوار فرماتے جاتے تھے ؎

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر کسی موقعہ پر اور کسی مقام میں فرار و انہزام جائز نہ تھا۔ اور اس دربار عالی میں اس کی صورت بھی کیسے ممکن تھی جبکہ آپ شجاعت کے اعلیٰ منزل کے حامل اور وعدۂ حق پر اعتماد کامل رکھتے تھے کیسے متزلزل اور فرار کی شکل بن سکتی ہے۔ اور اس پر اجماع ہے کہ حضورِ اکرمؐ کی جانب، انہزام کا اعتقاد ناجائز ہے۔ اور قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب الشفاء میں مرابط مالکی سے اس بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جو کوئی یہ کہے کہ حضور اکرمؐ نے راہِ فرار اختیار کی (معاذ اللہ) تو اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر وہ اس سے توبہ کرلے تو فبہا۔ ورنہ اسے قتل کر دینا چاہیئے۔ اور کہا کہ علامہ دمیاطی نے فرمایا ہے کہ اگر یہ قایل توبہ لینے کے ساتھ اصل مسئلہ میں جو کہ سب وشتم ہے مخالف ہے تو یہ صورت ممکن ہے (اور اس سے توبہ لے لی جائے گی کہ وہ سب و شتم کا قصد نہیں رکھتا تھا) اور اگر اصل مسئلہ کے موافق ہے تو سب وشتم کرنے والے کی توبہ مقبول کرنا مشکل ہے۔ چونکہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ حضور اکرمؐ صلے اللہ علیہ وسلم کو سب و شتم کرنے والے کی توبہ مقبول ہے یا نہیں۔ اور یہ کہ اس کا قتل بربنائے ارتداد ہے یا بطریق تعزیر۔

**وصل** :۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس غزوہ میں چار مسلمان شہید ہوئے ایک ان میں سے ایمنؓ بن ام ایمن، جو کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے، اور وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خدام میں سے تھے۔ خدام کا ذکر آخر کتاب میں انشاء اللہ آئیگا اہلِ شرک وشقائق میں سے ستر افراد جہنم رسید ہوئے۔ اور ان میں سے بہت سے تو دائرۂ اسلام میں آگئے۔ اور باقی بھاگ گئے۔ ان بھاگنے والے کافروں کی تین ٹولیاں ہیں۔ مالکؓ بن عوف تو طائف کے قلعہ کی طرف بھاگ گیا اور ایک ٹولی بطن نخلہ کی طرف بھاگ گئی۔ اور ایک جماعت اپنے اموال کی حفاظت میں جو کہ اوطاس میں تھا دوڑ پڑی۔ اور مسلمان ان کے تعاقب میں لگ گئے اور ان کو قتل کیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ "مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ" جس نے جس کافر مقتول کو ہلاک کیا اس کا سامان اسی کا ہوگا۔

ایک روایت میں ہے کہ جس نے جس کافر کو مارا اور اس پر گواہ گزرے تو سامان، ہتھیار، کپڑے اور مقتول کا جانور سب اس کا ہوگا۔ حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ، نے اسی دوران ایک کافر کو مارا تھا۔ اس مقتول کا سامان دوسرے شخص کے ہاتھ میں پہنچ گیا تھا۔ جب انہوں نے بارگاہ رسالت میں صورت حال بیان کی تو اس شخص نے کہا اس کافر کا سامان میرے پاس ہے۔ مگر یارسول اللہؐ! ابوقتادہؓ کو راضی کر دیجیے کہ اس مقتول کا سامان

مجھے چھوڑ دیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "خدا کی قسم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم خدا کے شیروں میں سے کسی شیر کو جس نے راہِ خدا میں جنگ کی ہو محروم نہ رکھیں گے اور اس سامان کو جو اس کا حق ہے تجھ سے دلائیں گے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا ابوبکر صدیقؓ نے ٹھیک کہا قتیل کا سامان اسے لوٹاؤ پھر ابوقتادہؓ نے زرہ کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے ایک باغ خریدا۔

اس دن حضور اکرمؐ کا گزر ایک مقتولہ عورت پر ہوا لوگ اس کے گرد کھڑے تھے حضورؐ نے پوچھا کیا بات ہے کیسا اژدھام ہے"۔ لوگوں نے کہا ایک کافرہ عورت ہے جسے حضرت خالدؓ بن ولید نے قتل کر دیا ہے۔ حضور اکرمؐ نے کسی کو حضرت خالدؓ کے پاس بھیجا کہ انہیں بتادیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم عورتوں، بچوں اور مزدوروں کو قتل کرنے سے منع فرماتے ہیں۔ غالباً یہ بات حضرت خالدؓ کے لئے تشریعی حکم تھا اس سے پہلے انہیں معلوم نہ تھا۔

اس کے بعد ابوعامرؓ اشعری کو جو کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے چچا تھے ایک جماعت کے ساتھ جن میں حضرت زبیرؓ بن العوام، ابوموسیٰؓ اشعری اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم بھی تھے اوطاس کی طرف بھاگنے والے کافروں کے تعاقب میں روانہ فرمایا۔ مسلمان قطع مسافت کر کے دشمنوں پر پہنچ گئے اور جنگ و قتال برپا ہوئی۔ اور درید بن الصمہ جو کہن سال بوڑھا تھا اور اس قوم کا سردار تھا جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے وہ حضرت زبیرؓ بن العوام کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اور حضرت ابوعامرؓ جو اس لشکر کے امیر تھے انہوں نے بھی جام شہادت نوش کیا۔ ان کی شہادت کی کیفیت میں روایتیں مختلف ہیں۔ اصح یہ ہے کہ جنگ کے دوران بنی جشم کے ایک شخص نے حضرت ابوعامرؓ کے زانو پر تیر مارا اور وہ تیر ان کے زانو میں بیٹھ گیا۔ اور ابوموسیٰؓ اس جشمی شخص کے پیچھے پڑ گئے اور اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا۔ اور چاہا کہ تیر کو ابوعامرؓ کے زانو سے نکالیں جب نکلا تو اس سے خون بہت زیادہ نکلا اور حضرت ابوعامرؓ اپنی زندگی سے ناامید ہوئے تو فرمایا "اے بھتیجے میر اسلام نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلّم سے عرض کرنا اور التماس کرنا کہ میرے لئے حق تعالیٰ سے آمرزش فرمائیں۔ اس کے بعد اس لشکر کی امارت میرے سپرد فرمادی اور حق تعالےٰ نے میرے ہاتھ پر فتح آسان فرمادی۔ جب میں حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور آپ کے خیمہ مبارک میں داخل ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ ایسے بوریئے پر جو کھجور کی چھال سے بنا ہوا تھا آرام فرما ہیں اس بوریئے کی دھاریاں اور نشانات آپ کے پہلوئے اقدس پر پڑے ہوئے تھے۔ میں نے حضرت ابوعامرؓ کا قصہ اور ان کی

معروضات پیش خدمت کیں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے پانی منگایا اور وضو فرمایا اور دو رکعت نماز پڑھی بعد ازاں دست مبارک اٹھایا اتنا کہ آپؐ کے بغل شریف کی سفیدی میں نے دیکھی اور دعا فرمائی :۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاُبَيْ عَامِرٍ وَّاجْعَلْهُ مِنْ اَعْلٰی اُمَّتِيْ فِي الْجَنَّةِ ۔ پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے بھی طلب آمرزش فرمائیے؟ تو فرمایا :۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ وَّاَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُدْخَلًا كَرِيْمًا۔ عبد اللہؓ ، ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے اور قیس ان کے والد کا نام ہے۔ اس حدیث میں دعا سے پہلے وضو اور نماز کا استحباب ہے۔ اور یہ کہ بزرگوں کی حاضری کے وقت کو عمدہ اور غنیمت جانے۔ اور ایسے وقت میں ان سے دعا اور طلبِ آمرزش کی درخواست کرے اور دعائے آمرزش کے لئے اتنا اہتمام کرنا تمام دعاؤں میں اصل و قاعدہ یہی ہے۔

حضور اکرمؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ حنین کے تمام مال غنیمت کو "جعرانہ" میں جمع کریں اور اسے مضبوط و محفوظ رکھیں تاکہ فراغت کے بعد تقسیم کیا جائے۔ جعرانہ بکسر جیم و عین و تشدید را، اوطاس کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ جو حنین اور مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ اور حضورؐ نے وہیں تشریف لاکر حنین کی غنیمتوں کو تقسیم فرمایا اور پندرہ سولہ روز وہاں اقامت فرمائی ۔ جعرانہ ایک عورت کا نام ہے اس کے نام سے یہ جگہ موسوم ہوئی۔ اور وہیں سے راتوں رات مکہ مکرمہ آکر عمرہ گزارا۔ جیسا کہ آئندہ ذکر آئے گا۔ اور منادی کو حکم فرمایا کہ وہ اعلان کر دے کہ جو خدا پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر لازم ہے کہ اموالِ غنیمت میں خیانت نہ کرے اس پر جس نے بھی غنیمت میں سے کچھ لیا تھا اسے لوٹا دیا حتیٰ کہ عقیلؓ بن ابی طالب نے ایک سوئی لی تھی اور اپنی زوجہ کو دیدی تھی کہ وہ اس سے ان کے کپڑے سی دے۔ جب یہ اعلان سنا تو بیوی سے سوئی لے کر غنایم میں لوٹا دی۔ حنین کے غنایم بہت زیادہ تھے اور کسی غزوے اور لشکر میں اتنا ہاتھ نہ آیا تھا۔ بلکہ اس کے لگ بھگ بھی ہاتھ نہ آیا تھا۔ اور باندیوں کے بارے میں حکم فرمایا کہ جو حاملہ ہیں وضع حمل تک ان سے وطی نہ کی جائے اور جو غیر حاملہ ہیں ان سے ایک حیض آنے تک وطی نہ کی جائے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان قیدی عورتوں میں ایک عورت تھی جس کا نام شیما بنت الحارث بن عبد العزیٰ تھا کسی صحابی سے اس نے ذکر کیا اور کہا کہ میں تمہارے آقا کی رضاعی بہن ہوں یعنی حضورؐ کی۔ لوگ اسے حضورؐ کی بارگاہ میں لائے اور شیما نے کہا" اے محمدؐ! میں

تمہاری رضاعی بہن ہوں" حضورؐ نے فرمایا "اس کا تم کوئی ثبوت اور نشانی رکھتی ہو؟" پھر اس نے بعض واقعات حضورؐ کو یاد دلائے۔ حضورؐ نے قبول فرما کر اپنی چادر مبارک اس کے لئے بچھائی اور اسے اس پر بٹھایا۔ اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رخسارۂ مبارک پر بہنے لگے۔ حضرت حلیمہ اور ان کی قوم کا حال دریافت فرمایا۔ اس نے کہا وہ تو دنیا سے رحلت کر گئیں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے پاس رہو تم معزز و مکرم رہو گی۔ اور اگر تم چاہو تو تمہیں تمہارے گھر انعام و اکرام کے ساتھ واپس کر دیں۔ اس نے اس دوسری شق کو اختیار کیا حضورؐ نے اسے ایک باندی، تین غلام اور بکریاں دے کر رخصت کر دیا۔ اور شیما زیورِ ایمان سے منور ہو کر اپنے گھر لوٹ گئی۔

بعض کتابوں سے یہ مفہوم مترشح ہوتا ہے کہ شیما، جعرانہ میں آئیں جہاں اموال کی تقسیم واقع ہوئی تھی۔ ان دونوں روایتوں میں جمع تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ شیما حضورؐ کے پاس وہاں آئی ہوں گی۔ اور رخصت کے لئے فرمایا ہو گا کہ تم اپنی قوم میں واپس جانے کے لئے جعرانہ میں ٹھیرو، میں طائف سے لوٹ کر جعرانہ آؤں گا وہاں تمہیں اسباب معیشت دوں گا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ تشریف لائے تو شیما کو اور اس کی قوم کو بکثرت مویشی اور مال دے کو تونگر بنا دیا۔ اس بنا پر جس راوی نے جعرانہ میں دیکھا اس نے یہ بیان کر دیا اور جس راوی نے وہ دیکھا وہ بیان کر دیا۔ (واللہ اعلم)

## فتح قلعہ طائف

وصل :۔ چونکہ مالک بن عوف، ثقیف و ہوازن کے مشرکوں کی ایک جماعت کے ساتھ حنین سے فرار ہو کر طائف چلا گیا تھا۔ اور طائف کے قلعہ میں پناہ لے چکا تھا۔ اور جنگ اور شکست کھانے سے ایک سال پہلے سے ہی قلعہ کو ساز و سامان سے تیار کر رکھا تھا وہ اس قلعہ میں گھس کر اس کے دروازوں کو بند کر کے اس کے تمام مداخل و مخارج یعنی اس میں آنے جانے کے راستوں کو مضبوط کر کے بیٹھ گیا اور جنگ کا مصمم ارادہ کر لیا طائف، بہت بڑا شہر ہے جو مکہ مکرمہ سے دو منزل یا تین منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور عرفات کے راستہ سے اور وادی نعمان سے جو ایک پہاڑ کا نام ہے ایک رات درمیان میں گزار کر جاتے ہیں۔ طائف میں انار و انگور اور دیگر فواکہ بہت کثرت سے ہوتے ہیں۔ اسی جگہ کو عجمی لوگ حجاز کہتے ہیں۔ وہاں کے میوے اور ہوا عمدہ ہے۔ حجاز، ولایت یعنی دار الحکومت کا نام ہے اور طائف اس کا ایک شہر ہے۔

اخبار میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام اس باغ کو جو اصحاب مریم کے قبضہ میں تھا جس کا قصہ سورۂ "نون والقلم" کے شروع میں مذکور ہے زمین سے اکھیڑ کر مکۂ مکرمہ لائے اور خانہ کعبہ کا طواف کرایا اور اس جگہ لا کے رکھ دیا۔ اس بنا پر اس علاقہ کو طائف کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ باغ صنعا کے نواح میں تھا، اور اس زمین کو جہاں طائف ہے "درج" کہتے ہیں اور بعض روایتوں میں اس پر حرم کا اطلاق بھی واقع ہوا ہے۔ ایک نظم میں جسے کسی عالم نے نظم کیا ہے لکھا ہے کہ ؎

وحرم الهادی ووج الطائف محرم      والجزاء ثقی بحرم

"حرم ہادی" سے مراد مدینہ طیبہ اور درج سے یہی طائف کی زمین مراد لی ہے اور کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اور درج، تعظیم و احترام کے اعتبار سے حرم ہیں۔ لیکن جزا نہیں ہے جیسا کہ حرم مکہ میں ہے" اور یہی حنفی مذہب ہے۔

القصہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب پوری کیفیت کی خبر ہوئی تو آپ نے اس قلعہ کو فتح کرنے کا مصمم ارادہ فرمالیا۔ اور حضرت خالدؓ بن ولید کو ہزار افراد کا مقدمہ لشکر بنایا اور جب راہ میں اس مقام سے گزرے جس کا نام "لینہ" (بکسر لام و فتح یائے مخففہ) تھا اور وہاں مالک بن عوف نضری کا ایک محل تھا فرمایا اس محل کو ویران کر کے جلا دو۔ اور آثار شرک کا قلع قمع کر دو۔ لازمی ہے کہ اس محل میں بت بھی ہوں گے۔

طائف کی طرف تشریف لے جانے سے پہلے طفیلؓ بن عمرو دوسی کو ذی الکفین کے بت خانے کی طرف بھیجا جو لکڑی کا ایک بت تھا کہ تاکہ وہ اسے تباہ و برباد کر دیں۔ وہ اپنی قوم سے مدد لیکر اور سے تباہ کر کے طائف میں حضورؐ کے ساتھ آ کے شامل ہو گئے۔ طفیلؓ بن عمرو دوسی کا ایک شعر اس بت کے بارے میں منقول ہے انہوں نے کہا ؎

یَا ذَا الْکَفَّیْنِ لَسْتُ مِنْ عِبَادِکَ،

اے ذوالکفین میں تیرے پوجنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" مِیلَادُنَا اَقْدَمُ مِنْ مِیلَادِکَ مسلمانوں کی ولادت، تیری ولادت سے بہت پرانی ہے، مطلب یہ کہ مشرکوں نے تجھے لکڑی سے چھیل کر بنایا ہے اور ہمیں حق تبارک و تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ اِنِّیْ حَشَشْتُ النَّارَ فُؤَادَکَ۔ بیشک میں نے تیرے دل میں آگ روشن کی ہے مطلب یہ کہ میں نے تجھے جلا دیا ہے: حضرت طفیلؓ اُس خدمت کو سرانجام دے کے چار دن کے بعد اپنی قوم کے چند لوگوں کے ساتھ جو ان کے

موافق تھے حضور اکرمؐ کے پاس آکے شامل ہو گئے۔ یہ قلعہ کے فتح کرنے اور نقب لگانے کے کچھ اوزار و آلات بھی اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

جب لشکر اسلام طائف کے قلعہ کے نیچے آکے ٹھیرا تو قلعہ والوں نے عظیم تیر باری شروع کر دی اور بہت سے مسلمانوں کو زخمی کر دیا جس سے کچھ تو درجۂ شہادت کو پہنچے، ہوازن کی قوم فن تیر اندازی میں بہت ماہر و یگانہ تھی۔ پھر حکم ہوا کہ لشکر ہمایوں اس جگہ سے کوچ کرکے اس بلندی پہ جاکے قیام کرے جہاں اب مسجد طائف ہے، اس غزوے میں امہات المومنین میں سے سیدہ زینب اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہن ہمراہ تھیں۔ ان کے لئے خیمے نصب کئے گئے۔ اور صحابہ کو حکم دیا کہ اس قوم کے پھلوں کے درختوں کو جو کہ کثرت سے تھے کاٹنے میں مشغول ہو جائیں۔ تاکہ کفار کے نگونساری اور ان کے ذلیل و خواری کا سبب بنے۔ جب ان کے مالک اس سے باخبر ہوئے تو درخواست کرنے لگے اور تضرع وزاری کرکے کہنے لگے کہ خدا کے لئے اور رحم و کرم فرماتے ہوئے ان درختوں کے کاٹنے سے رک جائیے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "اِنِّیْ اَدْعُھَا لِلّٰہِ وَلِلرَّحِمِ" میں اللہ کے لئے اور رحم و کرم کے واسطے سے ان درختوں کو چھوڑتا ہوں۔ اس جگہ بھی محاصرہ کی مدت اٹھارہ روز اور ایک روایت میں ہے پندرہ روز اور ایک روایت میں ہے چالیس روز رہی۔ اور بڑی عظیم جنگ واقع ہوئی۔ اور اسلام میں پہلی مرتبہ منجنیق رکھی گئی۔ اور ان اوزار و آلات سے جو طفیل بن عمرو دوسی ذو الکفین کی واپسی کے وقت اپنے ساتھ لائے تھے کام لیا گیا۔ اس جنگ میں کفار کی ایک جماعت ماری گئی اور صحابہ کی بہت بڑی جماعت زخمی ہوئی اور بارہ مرد شہید ہوئے چار انصاری، سات قریشی، اور ایک قبیلہ لیث سے۔ ان شہداء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے فرزند حضرت عبد اللہ بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابو المحجن ثقفی نے ان پر تیر پھینک کے زخمی کیا پھر وہ زخم مندمل ہو گیا اور کچھ عرصۂ دراز کے بعد وہ زخم پھر ہرا ہو گیا اور حضور کی رحلت کے بعد حضرت صدیق کی خلافت کے زمانہ میں اس زخم کی بنا پر دنیا سے رخصت ہوئے۔ اور عبد اللہ بن امیہ جو سیدہ ام سلمہؓ کے بھائی تھے وہ بھی انہیں بارہ شہداء میں سے تھے۔

مواہب لدنیہ میں حافظ بدر الدین عراقی کی شرح تقریب سے منقول ہے کہ اس غزوے میں ابو سفیان صخر بن حرب کی آنکھ جاتی رہی۔ اس کے بعد ابن سعد نے بیان کیا ہے کہ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اس حال میں آئے کہ ان کی آنکھ ان کے ہاتھ میں تھی حضور اکرمؐ نے

فرمایا تمہیں کیا چیز پیاری ہے آیا وہ آنکھ جو جنت میں تمہارے لئے ہو یا وہ آنکھ جو دنیا میں دعا کرنے سے حق تعالیٰ لوٹا دے؟ انہوں نے کہا مجھے جنت میں آنکھ ملنا زیادہ محبوب ہے اس سے کہ دنیا میں ملے یہ کہہ کر ہاتھ سے آنکھ کا ڈھیلا پھینک دیا۔ معلوم ہوا کہ دوسری آنکھ سے بھی وہ جنگ یرموک میں حضرت فاروق اعظم کی خلافت کے زمانہ میں نابینا ہو گئے تھے (انتہٰی)

محاصرہ کے دوران ایک دن حضور اکرمؐ نے منادی کے ذریعہ اعلان کرایا کہ جو غلام قلعہ میں سے مسلمانوں کی طرف اتر کے آئے گا وہ آزاد ہوگا۔ اس پر تقریباً بیس غلام اہل طائف کے کسی بہانے سے اتر کے آئے ان میں سے ایک نفیعؓ (بصیغہ تصغیر) بن الحارث بھی تھے جو بکرہ سے اترے اسی بنا پر وہ ابو بکرہؓ کے لقب سے موسوم ہوئے اور اخیارِ صحابہ میں سے ہوئے ہیں ان تمام غلاموں کو آزاد کر دیا گیا اور ان کی غلامی کو حق تعالیٰ کی بندگی کے ساتھ وابستہ کر دیا اور ان میں ہر ایک کو کسی نہ کسی صحابہ کے سپرد فرما دیا کہ وہ ان کی ضروریات اور حوائج کا پاس و لحاظ رکھیں۔ طویل عرصہ کے بعد جب اہل طائف حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے غلاموں کو ہمیں واپس کر دیا جائے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ اُولٰئِکَ عُتَقَاءُ اللّٰہِ وہ خدا کے آزاد کردہ ہیں وہ تمہاری غلامی میں نہیں رہ سکتے۔ ابو بکرہؓ کے نسب میں اس طرح مروی ہے کہ نفیع بن الحارث بن کلدہ ثقفی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نفیع بن مسروح بن کلدہ ہے اور کہتے ہیں کہ وہ حارث بن کلدہ یا مسروح بن کلدہ کے غلام تھے۔ جنہیں متبنیٰ بنا رکھا تھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ طائف کے محاصرہ کے دوران حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضےؓ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ حکم دیا کہ گرد و نواح میں پھیل جائیں انہوں نے قرب و جوار کے دشمنوں سے جنگ و قتال کی اور ہوازن و ثقیف کے بتوں کو جو اس نواح میں تھے توڑ دیا اور مشرکوں کے آثار و دیار کو برباد کیا۔ پھر بارگاہ رسالت میں لوٹ آئے جب حضور اکرمؐ کی چشم مبارک علی مرتضیٰؓ کے روئے منور پر پڑی تو تکبیر بلند کی اور خلوت و تنہائی میں خفیہ طور پر بہت سی باتیں ہدایت فرمائیں۔ جب اس خلوت و تنہائی کا زمانہ طویل ہو گیا تو حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کہنے لگے کہ عجب ہے کہ دور دراز کی راز کی باتیں اپنے چچا کے فرزند سے فرماتے ہیں اور دوسروں سے نہیں کہتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا اَنْجَیْتُہٗ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَنْجَاہُ۔ میں ان کے ساتھ راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ راز کی باتیں کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں از خود ان سے راز کی باتیں نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ

مجھے حکم دیتا ہے تو ان سے راز کی باتیں کرتا ہوں۔

جب محاصرہ کو پندرہ سولہ دن ایک روایت میں ہے کہ چالیس روز گزر گئے تو کوچ کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور حکم فرمایا کہ قلعہ کے فتح کرنے کے پابند نہ بنو۔ یہاں سے منتقل ہو جاؤ۔ یہ امر صحابہ پر شاق گزرا اور کہنے لگے تعجب ہے کہ ہم کوچ کر جائیں اور ہم پر طائف مفتوح نہ ہو یہ کیا صورت ہوئی۔ اس پر حضورؐ نے ان کی توبیخ و سرزنش کے لئے فرمایا اگر تم چاہتے ہو تو جنگ کر کے دیکھ لو۔ یہاں تک کہ تمہیں فتح حاصل ہو جائے۔ دوسرے دن انہوں نے جنگ کی اور بہت زیادہ زخمی ہوئے۔ وہ پشیمان اور شرمندہ ہوئے اور حکم بجالانے پر آمادہ ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ اَنَا قَافِلُوْنَ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ ہم انشاء اللہ کل یہاں سے کوچ کرنے والے ہوں گے، صحابہ نے اظہار مسرت کیا جب سامان سواریوں پر لادنے لگے تو حضور اکرمؐ نے تبسم فرمایا مطلب یہ کہ جب میں نے کوچ کرنے کا حکم دیا تو ٹھیر گئے اور توقف کیا اب خود اس کے خواہاں ہو۔ کہنے لگے یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے تو ہمیں چھلنی کر دیا ان پر دعائے بد فرمائیے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے خدا ان کو ہدایت دے اور انہیں اسلام پر میرے قریب فرما۔"

اہل سیر کہتے ہیں کہ محاصرہ کے زمانہ میں حضور اکرمؐ نے ایک خواب دیکھا کہ دودھ کا ایک بڑا پیالہ آپؐ کے سامنے رکھا ہوا ہے قبل اس کے کہ آپ نوش فرمائیں ایک مرغ نے آ کر اپنی چونچ اس پیالہ میں ڈالی اور اسے گرا دیا۔ اس خواب کو جب حضور اکرمؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے بیان فرمایا چونکہ وہ فن تعبیر میں کامل مہارت رکھتے تھے تو حضرت صدیقؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! یہ خواب اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس سال آپؐ کو اس قلعہ کے فتح کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو میں نے بھی یہی تعبیر لی ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے طائف کے معاملہ میں نوفل بن معاویہ ویلمی رضؓ سے مشورہ کیا انہوں نے کہا کہ یہ لوگ لومڑی صفت ہیں جو بلوں میں پناہ لیتے ہیں اگر ان کو پکڑا جائے تو ہاتھ نہیں آتے اور اگر ان کو چھوڑ دیا جائے تو کوئی گزند نہیں پہنچا سکتے، جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت صدیقؓ کے پاس آئے اور سنا کہ حضور اکرمؐ کو طائف کے فتح کی اجازت نہیں ہے تو حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میں نے ایسا سنا ہے کہ آپؐ کو فتح کی اجازت نہیں ہے، حضورؐ نے فرمایا ہاں اجازت نہیں ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے عرض

کیا تو مجھے حکم دیجئے تاکہ میں کوچ کا اعلان کردوں حضور اکرمؐ نے فرمایا اعلان کردو اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کوچ کا اعلان کر دیا اور لوگ کوچ کرنے کی تیاری کرنے لگے۔

مواہب لدنیہ میں شیخ محی الدین نوودی سے منقول ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام پر رفق و مہربانی اور شفقت کے طور پر اور اس صعوبت وسختی کی وجہ سے جو کفار کی طرف سے انہیں محاصرہ کے ذریعہ پہنچ رہی تھی کہ کفار تو اپنے قلعہ میں محفوظ و مامون ہیں اور انہیں زخم وجراحت پہنچا رہے ہیں حضور اکرمؐ نے کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ باوجودیکہ حضور اکرمؐ کو اس کا علم تھا اور امید رکھتے تھے کہ یہ قلعہ بغیر محنت ومشقت کے اس کے بعد فتح ہو گا۔ مگر جب صحابہ نے ٹھیرنے اور جہاد کرنے پر اصرار کیا اور جنگ کرنے پر مصر ہو گئے تو ٹھیر گئے اور جب ان کو بے تحاشا زخم پہنچے تو حضورؐ کے اس قصد کی طرف رجوع کیا جو پہلے ہی ان پر رفق وشفقت کی وجہ سے کیا تھا۔ پھر جو کچھ انہوں نے دیکھا اس وقت انہیں شفقت کی قدر معلوم ہوئی اور کوچ کے موافق بنے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے ان کی رائے بدلنے پر بطریق تعجب تبسم فرمایا۔ انتہٰی۔

حضور اکرمؐ نے کوچ کرتے وقت صحابہ سے فرمایا کہ تم یہ کہو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ وَصَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ اور جب کوچ کرنے لگے تو فرمایا کہ یہ کہو عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔ یہ کلمہ وطن لوٹتے وقت پڑھنا مسنون ماثور ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے جہاد کے لئے نکلتے وقت ساز وسامان جنگ مثلاً گھوڑے ہتھیار دیگر اوزار وآلات جہاد کی تیاری اور صحابہ کو جمع کرتے وقت کیا کچھ پڑھتے ہوں گے۔ جب یہ تمام اسباب سفر وجہاد مکمل ہو جاتا تو یہ سب کسی صحابی کو سپرد کر کے خود خالی ہو جاتے۔ اور اپنے تمام امور کو حق تبارک وتعالیٰ کو سونپ دیتے اور اس طرح پڑھتے کہ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ۔ اس وقت "ہزم الاحزاب وحدہ" پڑھ کر ان تمام اسباب کی نفی کی طرف اشارہ فرماتے، اور حقیقت بھی یہی ہے اس لئے کہ انسان اور اس کے تمام افعال، حق تعالےٰ کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ سب اسی کی مخلوق ہے وہی تدبیر بناتا اعانت فرماتا اور جس طرح اس کی مشیت ہوتی امور کو جاری فرماتا ہے۔ اور اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے اختیار عدل کرتا ہے۔ تمام امور اسی کی طرف صادر ہوتے ہیں۔ اور ہر معاملہ اسی

کی جانب رجوع ہوتا ہے۔ اگر حق تبارک و تعالیٰ چاہے تو کفار کو بغیر جنگ و قتال کے ہلاک فرما دے چنانچہ ارشاد باری ہے وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ اگر اللہ چاہتا تو ان کی مدد نہ کرتا لیکن وہ ایک کو دوسرے کے ساتھ آزمانا چاہتا ہے، تو وہ صبر و شکر کرنے والوں کو اجر و ثواب عنایت فرماتا ہے۔ ...... اور فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ لہٰذا ہر مکلف پر واجب ہے کہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالےٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرے سامان و اسباب کے مہیا کرنے میں بھی اور اس کی طرف رجوع و التجا کرنے میں بھی۔ جس طرح کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کرتے تھے کہ پہلے مقام ربوبیت کی ادب اور تشریع امت کے لئے اسباب فراہم کرتے پھر حق تعالےٰ کی جانب رجوع ہوتے اور معاملہ اس کے سپرد فرما دیتے۔ اور حق تبارک و تعالیٰ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے اپنی قدرت عالیہ اور حکمت غامضہ میں سے جو چاہتا ظاہر فرماتا۔ جیسے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ذخیرہ فرمایا ـــــــ ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال۔

وصل :۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب طائف سے کوچ کر کے جعرانہ تشریف لائے جہاں حنین کی غنیمتیں جمع کی گئی تھیں اور وہ چھ ہزار بردے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھا ایک اوقیہ چالیس درہم وزن کا ہوتا ہے ایک روایت میں ہے کہ بکریاں اتنی زیادہ تھیں کہ ان کا شمار ہی نہ ہو سکتا۔ تو حضورؐ نے دست جود و سخا کو لوگوں پر کشادہ فرمایا بالخصوص ان مولفۃ القلوب پر جن کے دلوں میں ابھی نور ایمان قوی نہ ہوا تھا۔ اور حضرت زیدؓ بن ثابت کو لوگوں کو جمع کر کے لانے کا حکم دیا۔ پھر بکریوں کو اور اونٹوں کو شمار کر کے لوگوں پر تقسیم فرمایا۔ ہر شخص کو چار اونٹ اور چالیس بکریاں اگر وہ پیادہ تھا عنایت فرمائے اور اگر سوار تھا تو بارہ اونٹ اور ایک سو بیس ۱۲۰ بکریاں مرحمت فرمائیں اور ایک گھوڑے سے زیادہ کا حصہ نہ دیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ تمام نقدیوں کو حضور اکرمؐ کے پاس جمع کیا گیا تھا۔ ابوسفیانؓ بن حرب آکے کہنے لگا "یا رسول اللہؐ! آج آپ تمام قریش سے زیادہ تونگر ہیں۔ حضورؐ نے تبسم فرمایا۔ ابوسفیانؓ نے کہا! اس میں سے کچھ مجھے بھی عطا فرمایئے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ ان کو انعام میں دو۔ ابوسفیانؓ نے کہا میرے بیٹے یزید کو بھی حصہ عنایت

فرمائیے۔ یزیدؓ اس کے بڑے بیٹے کا نام تھا۔ اور یزید بن معاویہؓ کا اپنے چچا پر نام رکھا گیا تھا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ اور دیدو۔ پھر ابو سفیانؓ نے کہا میرے دوسرے بیٹے معاویہؓ کا بھی حصہ دیجئے حضورؐ نے فرمایا چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ اور دیدو اس پر ابو سفیانؓ نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں خدا کی قسم آپ زمانہ جنگ میں بھی کریم تھے اور زمانہ آشتی میں تو بہت ہی کریم ہیں۔ آپ از حد مروت فرماتے ہیں حق تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اسی طرح حکیمؓ بن حزام کو سو اونٹ دیئے۔ آپؐ نے محسوس فرمایا کہ وہ اور زیادہ چاہتا ہے تو فرمایا سو اونٹ اور دیدو۔ اور رؤساء عرب کی جماعت کثیرہ کو جیسے سہیل بن عمرو، صفوانؓ بن امیہ، حویطبؓ بن عبد العزیٰ، اسیدؓ بن حارثہ ثقفی، حارث بن ہشام برادر ابو جہل قیس بن عدی، اقرع بن حابس تمیمی وغیرہ اس کے علاوہ اور لوگوں کو مثلاً علاء بن جاریہ ثقفی، مخرمہ بن نوفل، سعیدؓ بن یربوع، عثمانؓ بن نوفل، ہشامؓ بن عمرو عامری، وغیرہ کو پچاس پچاس اونٹ دیئے علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ عطایا مجموعۂ غنایم میں سے مرحمت فرمائے یا خمس میں سے ایک جماعت کا خیال ہے کہ خمس میں سے تھے۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ مجموعۂ غنایم میں سے تھے۔ یہ قول راجح تر ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام اموال و نقود کو لشکر اسلام اور اہل مکہ وغیرہ پر صرف فرمایا۔ اور انہیں خوش کیا۔ کچھ وہ لوگ جو ایمان نہیں لائے تھے ایمان لے آئے۔ اور وہ لوگ جو ضعیف الایمان تھے حصولِ رضا و خوشنودی کے سبب ان میں تقویت پیدا ہوئی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اسی دوران ایک گھاٹی سے حضور اکرمؐ کا گزر ہوا صفوانؓ بن امیہ حضور اکرمؐ کے ساتھ تھا وہ گھاٹی بکریوں اور مویشیوں سے بھری ہوئی تھی صفوانؓ گھور گھور کر انھیں دیکھتا تھا۔ اور اس کی نظر بھرتی نہ تھی۔ حضور اکرمؐ نے گوشۂ چشم سے اس کیفیت کو ملاحظہ فرمایا اور کہا "کیا یہ تجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں؟" اس نے کہا ہاں! "حضورؐ نے فرمایا 'ان سب کو میں نے تجھے بخشا۔ صفوانؓ نے ان سب کو فوراً اپنے قبضہ میں لے لیا اور کہنے لگا "خدا کی قسم کوئی شخص داد دہش میں اتنی سخاوت نہیں کر سکتا بجز حق تعالیٰ کے نبی کے"۔ اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور مولفۃ القلوب میں داخل ہو گیا۔ عرب کے بعض نادانوں اور جفا شعار لوگوں سے اس ضمن میں حضورؐ نے آزار بھی اٹھائے۔ اور فرمایا رحم اللہ موسیٰ وذی

بِاَکْثَرَ مِنْ ھٰذَا فَصَبَرَ" اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السّلام پر رحمت فرمائے وہ اس سے زیادہ ستائے گئے ہیں مگر صبر کیا"۔

عیینۃ بن حصن، اور اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے۔ اور عباس رضی اللہ عنہ بن مرداس کو سو سے کم اونٹ دیئے۔ وہ غصہ میں گیا اور یہ شعر کہنے لگا ؎

اتجعل نہبی ونہبت الغبید    بین عیینہ والاقرع

وما کنت دون امرء منہما    ومن تضع الیوم لا یرفع

اور اس سے ایک شعر یہ بھی ہے جو نحو کی کتابوں میں غیر متصرف کے باب میں آتا ہے ؎

وما کان حصن ولا حابس    یفوقان مرداس فی مجمع

مطلب یہ کہ عباس بن مرداس اپنے باپ مرداس پر حصن و حابس کے اوپر فخر کرتا ہے۔ جو عیینیہ اور اقرع کے باپ ہیں۔ جب یہ اشعار حضور اکرم ﷺ کی سمع مبارک میں پہنچے تو فرمایا اِقْطَعُوْا عَنِّیْ لِسَانَہٗ مجھ سے اس کی زبان کو قطع کرو۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسے اونٹوں کے احاطہ میں لے گئے اور سو اونٹ دیدیئے پھر وہ سب سے زیادہ خوش ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اس سے فرمایا تو میری بدگوئی میں شعر کہتا ہے اس پر اس نے عذر خواہی کی اور کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں میں اپنی زبان میں ایسی سرسراہٹ محسوس کرتا رہتا ہوں جیسے چیونٹی چلتی ہے جب تک کہ میں کوئی شعر نہ کہوں۔ اور میں شعر گوئی میں مجبور و بے اختیار ہوں۔" حضور ﷺ نے تبسم کناں ہو کر فرمایا "عرب شعر گوئی نہیں چھوڑ سکتے جس طرح کہ اونٹنی اپنے بچے کو نہیں چھوڑ سکتی۔" بعض سیر کی کتابوں میں آیا ہے کہ جب حضور ﷺ کے سمع مبارک میں یہ اشعار پہنچے تو فرمایا تو نے ایسا کہا ہے کہ:-

اتجعل نہبی ونہبت العنید    بین عیینہ والاقرع۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب اس مصرعہ کو موزوں اور مقفّی نہ دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، بین العینیہ والاقرع۔ فرمایا چاہے اس طرح کہلو چاہے اس طرح کہلو دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ شاعر نہیں ہیں اور نہ آپ کے لئے شعر گوئی سزاوار ہے۔ جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ ۔ نہ ہم نے آپ کو شعر سکھایا اور نہ یہ آپ ﷺ کے لائق ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وزن کے ساتھ شعر پڑھنا حضور ﷺ کے لئے آسان نہ

تھا۔ اور آپ موزوں وغیر موزوں میں فرق نہ فرماتے تھے (سبحان اللہ)

غرضکہ حضورؐ نے ہر خاص و عام کو انعام و عطایات سرفراز فرمایا اور مخلوق کے ظاہر و باطن کو محظوظ و معمور فرمایا۔ خصوصاً اہل مکہ کو جو مؤلفۃ القلوب وغیرہ میں سے ہیں حد و شمار سے زیادہ نوازا۔ اور وہ انصار جو بارگاہِ بیکس پناہ کے مخلصوں اور مخصوصوں میں سے تھے ان کو منزہ، مبرا، معاف اور محروم رکھا۔ اہل مکہ کی مانند ان پر داد و دہش نہ فرمائی۔

اہلِ سیر کہتے ہیں اس سلسلہ میں انصار اندوہ گیں ہوئے کہ وہ قریش جنہیں حسد و نفاق کی بو ابھی بس رہی ہے اور مخلص نہیں ہیں اور دیگر وہ قبائل عرب جنہوں نے راہِ خدا میں کوئی محنت و مشقت نہیں اٹھائی ہے انہیں تو مالا مال کر دیا گیا ہے اور ہمیں محروم رکھا گیا ہے حالاں کہ کافروں کا خون ہماری تلواروں سے ابھی خشک بھی نہیں ہوا ہے۔ انصار کی یہ چہ میگوئیاں جب سمع مبارک تک پہنچیں تو حضورؐ نے کسی کو بھیجکر انہیں بلایا۔ اور جس خیمہ میں آپ تشریف فرما تھے اس میں انہیں بٹھایا اس وقت انصار کے سوا کسی کو اجازت نہ تھی کہ خیمہ میں داخل ہو۔ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا" اے گروہِ انصار! یہ کیسی باتیں ہیں تمہاری طرف سے سن رہا ہوں کیا تم نے ایسا کہا ہے یا نہیں؟" وہ عرض کرنے لگے" یا رسول اللہ! حاشا و کلا جو ہمارے اکابر و رؤساء ہیں سے کسی نے ایسا کہا ہو۔ البتہ ہم نوجوانوں اور نئے چاہنے والوں کا ذمہ نہیں لیتے ممکن ہے کہ انہوں نے ایسی بات زبان سے نکالی ہو" اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا" سوچو تو بھلا کیا میں نے تم کو کافر و گمراہ نہیں پایا تھا پھر حق تعالے نے تمہیں راہِ راست دکھا کر ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا اور ایمان ایسی دولت ہے جو اس داد و دہش اور بخششوں سے اعظم و اجل ہے۔ اس سے پہلے کیا میں نے تمہارے اندر ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی و عداوت نہیں پائی تھی پھر حق تعالے نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت و محبت پیدا فرمائی" واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے باہمی تنازعات اور خونریزیاں از حد تھیں اور قبیلہ اوس و خزرج دونوں ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے درمیان ایک سو بیس سال سے جنگ جاری تھی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:- وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔

اے مسلمانو! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی جبکہ تم دشمن تھے تو اللہ نے

تمہارے دلوں میں الفت ڈالی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن کر صبح اٹھے۔ حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو تم کو اس سے بچایا، اور تم کو غنایم سے تونگر بنایا اور تمہارے مال و اولاد میں میرے وجود کی بدولت برکت دی"۔ چنانچہ حق تعالےٰ نے فرمایا وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا وَّمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيزًا حَكِيمًا وَّ عَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً ۔ ان کے سوا بکثرت اس مضمون کی آیات کریمہ ہیں۔

سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے رب تبارک وتعالےٰ کی ان نعمتوں کو جو انصار پر حضورؐ کے ذریعہ پہنچی تھیں یاد دلائیں۔ مگر انصار خاموش رہے۔ حضورؐ نے فرمایا "میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے"۔ انصار عرض کرنے لگے "یا رسول اللہؐ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ ہم جواب میں کیا عرض کریں وَلِلّٰهِ الْمِنَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ۔ اللہ اس کے رسولؐ کا فضل و احسان ہم پر بہت زیادہ ہے۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا "تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو اور اس کہنے میں تم صادق و راست گو ہو گے کہ آپؐ ہماری جانب اس حال میں آئے کہ آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا اور ہم نے آپ کی تصدیق کی اور کوئی آپؐ کی پرواہ نہ کرتا تھا اور نہ کوئی آپ کی مدد کرتا تھا ہم نے آپ کی نصرت و اعانت کی۔ آپ باہر آئے ہوئے اور نکالے ہوئے تھے ہم نے اپنے گھروں میں جگہ دی۔ آپ بے زر و مال تھے تو ہم نے انس و محبت اور جوانمردی و خدمت کی۔ آپ خائف تھے ہم نے آپ کو بے غم و بے فکر کیا۔" جب یہ باتیں حضورؐ سے بطریق انصاف و تواضع اور شکر گزاری میں سنیں تو انصار عرض کرنے لگے "نہیں نہیں بلکہ خدا اور اس کے رسول کا ہم پر احسان ہے۔ یا رسول اللہؐ! اگر آپ کا وجود گرامی ہم میں نہ ہوتا تو ہمارے اور دوسروں کے درمیان کیا فرق تھا۔ آپ کے وجود گرامی کی بدولت ہی تو ہم مشرف، معزز، ممتاز اور منفرد ہوئے اور دنیا و آخرت میں انشاء اللہ معزز و مکرم ہوں گے۔ ہم کیا ہیں اور ہم کون ہیں۔ سب کچھ آپ کی بدولت اور آپ کے طفیل میں ہے۔ ہم خدا اور اس کے رسول سے خوش و راضی ہیں ہم آپ کی نظر کرم کے محتاج ہیں ہم آپ کی متابعت کے خواستگار ہیں نہ کہ دنیاوی ساز و سامان کے۔ مصرعہ

چوں تو داریم بمعنی ہمہ داریم ہمہ"

انصار کے اکابر و بزرگ حضرات رونے لگے اور حضورؐ کے دست اقدس اور

زلفِ مبارک کے بوسہ سے سرفراز ہوئے۔ اس کے بعد حضورؐ نے ان کی تسلی کے لئے اور قریش کے ساتھ دنیاوی عطایا و نعم کی تخصیص کا سبب بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ قریش جاہلیت سے قریب العہد ہیں اور ان کو بہت مصیبتیں پہنچی ہیں میں نے چاہا کہ اس مال و عطا کے ذریعہ ان کی مصیبتوں کی تلافی کر دوں۔ اور ان کے دلوں کو ایمان و اسلام کی طرف مائل کر دوں۔ اور فرمایا جعیل بن سراقہ ضمری جو فقرائے اصحاب صفہ میں سے ہیں اور ہمارے اکثر غزوات میں ہمراہ رہے ہیں ان کو بھی ان غنایم سے کچھ نہیں دیا ہے۔ اور عینیہ و اقرع کو سو سو اونٹ دیئے اس لئے کہ جعیل کے ایمان و اخلاص پر میں اعتماد رکھتا ہوں"۔ اور فرمایا" اے گروہِ انصار کیا تم اس سے راضی نہیں کہ اور لوگ تو اونٹ و بکریاں لے کر اپنے گھروں کو جائیں اور تم خدا اور رسول خدا کے ساتھ گھروں کو واپس ہو۔؟ خدا کی قسم جس شان کے ساتھ تم گھروں کو لوٹو گے وہ ان لوگوں سے بہتر ہے جو اونٹ و بکریاں لے کر جائیں گے"۔ اور فرمایا" اے انصار! تم غصہ میں نہ آؤ میں نے مال مولفۃ القلوب کو دیا ہے اور تم کو میں ان میں سے شمار نہیں کرتا اور تمہارے کمالِ اخلاص پر مکمل اعتماد رکھتا ہوں"۔ فرمایا" اگر لوگ وادی اور گھاٹیوں میں چلیں گے تو میں انصار کی وادی اور گھاٹیوں میں چلوں گا۔ یہ لوگ دثار یعنی ظاہری لباس میں ہیں اور انصار شعار یعنی اندرونی لباس میں ہیں۔ جو جسم کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ انصار میرے کرش اور عیبت ہیں کرش بفتح کاف و سکون را بمعنی معدۂ عیال اور اولاد صغار کے ہیں۔ اور عیبت بفتح عین مہملہ و سکون یار بمعنی چمڑے کی زنبیل یعنی صندوق جس میں کپڑے محفوظ کئے جاتے ہیں جسے بقچہ بھی کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بقچہ اور صندوق میں جس طرح سامان اور کپڑے محفوظ رہتے ہیں اسی طرح ان کے دل اور سینوں میں اسرار و انوار محفوظ رہتے ہیں اور فرمایا" اے انصار! میں حیات و ممات ہر حالت میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد انہیں ایک قسم کی دنیاوی بشارت بھی دی اور فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں ایک دستاویز لکھ دوں کہ میرے بعد بحرین خاص تمہارے لئے ہو۔ جو بہترین مقام ہے۔ اور مجھے اس کی فتح سے مخصوص و محفوظ کیا گیا ہے۔ انصار گریہ و زاری کرتے ہوئے عرض کرنے لگے" یارسول اللہ! آپ کے بعد ہمیں اس کی حاجت نہیں ہے اور دنیاوی مال و متاع کی ضرورت نہیں ہے۔

اور وہ دن نہ ہو کہ آپؐ کا سایۂ عنایت ہمارے سروں سے گم ہو جائے"۔ حضورؐ نے فرمایا "جان دینے اور اس جہان سے جانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ میرے بعد تمہیں بہت سے کام کرنے ہوں گے تم صبر کرنا اور تقویٰ اختیار کرنا۔ تاکہ بغیر پشیمانی اور بغیر شرمساری کے خدا اور رسول خدا ﷺ سے جا کے ملو۔ اور وعدہ کیا گیا ہے کہ تمہارے ساتھ میری ملاقات حوض کوثر پہ ہوگی جس کا طول و عرض صنعا اور عمان کے برابر ہے۔ اور اس کے جام و پیالے آسمان کے ستاروں سے زیادہ ہیں۔ اس کے بعد انصار نے شکر الٰہی ادا کیا کہ وہ مال پر فریفتہ نہ ہوئے اور خدا اور رسول سے دور نہ ہٹے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی خاص عنایتوں کے ساتھ مخصوص ہوئے (الحمد للہ)

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم جعرانہ میں اموال و بردے تقسیم فرما چکے تو ہوازن کی ایک جماعت حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئی اور انہوں نے اپنی بقیہ قوم کے اسلام لانے کی بھی خبر پہنچائی۔ ان میں ابو برقان بھی تھا جو کہ سیدہ حلیمہ سعدیہ کی نسبت سے حضورؐ کا رضاعی چچا ہوتا تھا اور زہیر بن سر بھی تھا وہ کہنے لگے "یا رسول اللہؐ! ہم پر جو بلا د مشقت پڑی ہے وہ آپ سے مخفی نہیں ہے۔ اب ہم پر احسان و کرم فرمائیے جس طرح کہ حق تعالےٰ نے آپؐ پر منت و رحمت فرمائی ہے ہم آپ سے آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارے اموال و بردے ہمیں واپس فرمادیں؟ اس لئے کہ ان بردوں اور قیدیوں میں آپ کی وہ رضاعی پھپھیاں، خالائیں اور ان کے اقربا بھی ہیں جنہوں نے آپ کی عالم طفلی و شیر خوارگی میں کفایت و نگہداشت کی اور خدمت کی ہے؟" اس پر حضورؐ نے فرمایا "میں تو غنایم کو تقسیم کر چکا اور میں اس انتظار میں رہا کہ تم آؤ اور اس بارے میں گفتگو کرو مگر تم نے دیر کی اور نہیں آئے اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ میرے ساتھ لوگوں کی جماعت ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو سب سے محبوب بات میرے نزدیک یہ ہے کہ سچ بولا جائے، لہٰذا تمام اموال و بردے تو متعذر دشوار ہیں۔ البتہ تم اموال یا بردوں میں سے کسی ایک کو پسند کر لو جو بھی تمہیں پسند ہو"۔ انہوں نے کہا "اہل و عیال کو چھوڑ کر اونٹ، بکریوں اور نقدیوں کی کیا بات کریں۔ ظاہر ہے کہ ہم بردوں اور قیدیوں کو پسند کرتے ہیں"۔ حضورؐ نے فرمایا "جس قدر بنی ہاشم کے نصیب و حصے میں ہیں (ایک روایت میں ہے کہ بنی عبدالمطلب کے پاس ہیں)۔ ہم تمہیں واپس کرتے ہیں اور تمہاری خاطر سے دیگر لوگوں سے بھی کہوں گا کہ وہ اپنے

حصے سے دستبردار ہو جائیں اس کی صورت یہ ہے کہ جب ظہر کی نماز ہو تو تم کھڑے ہو جانا اور مجھے مسلمانوں کے لئے شفیع بنانا اور کہنا کہ ہمارے بچے اور عورتیں ہمیں واپس کر دیں اس کے بعد میں بھی مسلمانوں سے تمہارے لئے سفارش کروں گا۔" ہوازن کے لوگوں نے حضور کے ارشاد کے بموجب عمل کیا اور حضور مجمع اصحاب میں کھڑے ہوئے اور بعد حمد و ثنائے باری تعالے کے جیسا کہ ذات حق لائق و سزاوار ہے فرمایا کہ "اے مسلمانو! تمہارے بھائی ہوازن مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور میرے حضور عرض لے کر آئے ہیں اور یہ طے پایا ہے کہ ان کے قیدیوں کو تم سے لے کر انہیں لوٹا دیں اب یہ تمہاری مرضی پر ہے کہ بطیب خاطر اپنے حصوں سے دستبردار ہو یا نہ ہو۔ کسی پر جبر نہیں ہے۔ اس کے بدلے اور عوض میں سب سے پہلے جو مال خمس حاصل ہو گا۔ اس میں سے جو موجود ہوں گے انہیں میں عطا فرماؤں گا۔" صحابہ عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! ہم سب حضور کی سفارش کو بطیب خاطر مانتے ہیں کسی عوض اور بدلے کی خواہش نہیں رکھتے۔" ان کے بعد مہاجرین کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! جس قدر ہمارا حصہ ہے ہم سب حضور کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں"۔ انصار نے بھی ایسا ہی عرض کیا۔ حضور نے فرمایا "میں تمہارے راضی اور غیر راضی کو نہیں جانتا۔ تم جاؤ اپنے عرفاء اور وکلاء کو بھیجو تاکہ وہ مجھے اس بارے میں گفتگو کریں"۔ اس کے بعد لوگ چلے گئے اور ان کے عرفاء و وکلاء آئے اور عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! یہ تمام حضرات راضی ہیں اور بطیب خاطر حضور کی سفارش کو قبول کرتے ہیں"۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضور نے اپنے حصہ سے اور بنی ہاشم و مہاجرین و انصار نے اپنے حصوں سے دستبرداری کی تو اقرع بن حابس تمیمی جو بنی تمیم کا سردار تھا کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں اور بنی تمیم اپنا حصہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں اور عیینہ بن حصین فزاری جو بنی فزارہ کا بڑا اتفار کہنے لگا "ہم اور ہماری قوم اس سے راضی نہیں ہیں"۔ اور عباس بن مرداس نے کہا "میں اور بنی سلیم بھی راضی نہیں ہیں"۔ بنی سلیم نے اس کو جھٹلا دیا اور وہ کہنے لگے "جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ سب رسول خدا کا ہے۔ اور حضور اس کے مالک و مختار ہیں۔ جس کو چاہیں عنایت فرمائیں"۔

اس کے بعد حضور نے فرمایا "جو کوئی راضی نہیں ہے وہ اپنے بردوں اور اسیروں کو لوٹا دے۔ میں اسے سب سے پہلی غنیمت میں سے جو حق تعالے عنایت فرمائے گا

ایک بردہ کے عوض چھ اونٹ دوں گا۔" مذکورہ جماعت کے لوگ چونکہ عرب کے جفا شعار اور ان میں سخت ترین لوگ اور ان مولفۃ القلوب میں سے تھے جن کے سینوں سے ابھی تک جاہلیت کی ظلمت و شدت دور نہ ہوئی تھی اور تہذیبِ اخلاق سے آراستہ نہ ہوئے تھے خصوصاً ــ عیینہ بن حصن تو انتہائی شدت و خشونت اور قساوت رکھتا تھا جیسا کہ احادیث مذکورہ میں وارد ہوا ہے ممکن ہے کہ اسلام کے صفاتِ حسنہ سے متصف ہو گئے ہوں (واللہ اعلم)

بہر حال جب لوگوں نے دیکھا کہ ان اسیروں کے بارے میں حضورؐ اتنا اہتمام فرما رہے ہیں تو ہوازن کے تمام قیدیوں کو آزاد کر کے انہیں واپس کر دیا اور حضورؐ نے اپنی طرف سے بھی ان اسیروں کو کپڑے، خلعت اور عطیات مرحمت فرمائے۔ بعد ازاں ہوازن سے پوچھا کہ مالک بن عوف جوان کا رئیس تھا اور جس نے معرکۂ جنگ و جدال گرم کیا تھا کہاں ہے۔" انہوں نے کہا "وہ طائف میں ہے۔" حضورؐ نے فرمایا "اگر وہ آکر مسلمان ہو جائے تو اس کے اہل و عیال اور اس کے مویشی و اموال کے علاوہ سو اونٹ مزید میں اسے عنایت فرماؤں گا۔" جب یہ بات مالک کو معلوم ہوئی تو وہ خوش ہوا پھر وہ بھی جعرانہ میں حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اپنے اہل و عیال اور وعدہ کے مطابق اونٹ اس نے حاصل کئے۔ اس وقت اس نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں چند اشعار کہے جن میں سے چند یہ ہیں ؎

ما ان رایت ولا سمعت بمثلہ ۔۔۔ فی الناس کلھم بمثل محمدٍ

وفی واعطی للجزیل اذا اعتدی ۔۔۔ ولمن تشاء یخبرك عما فی غدٍ

حضورؐ نے اسے مولفۃ القلوب میں شامل کر کے اس کی قوم پر اور دیگر قبائل پر جو اسلام سے مشرف ہو چکے تھے امیر بنایا۔ اس نے ان قبایل کی مدد سے گروہ ثقیف سے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ وہ بھی مسلمان ہو گئے۔

جب حضورؐ تقسیم غنایم اور یہاں کے معاملات سے فارغ ہو گئے تو مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمانے کا عزم کیا بدھ کی رات کو جبکہ ماہ ذیقعدہ کی بارہ راتیں باقی تھیں جعرانہ کے مقام میں عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ تشریف لائے اور عمرہ ادا کر کے واپس لوٹ گئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ نماز عشاء صحابہ کے ساتھ پڑھ کر سوار ہوئے اور نماز فجر بھی انہیں کے ساتھ پڑھی گویا راتوں رات آنا جانا ہوا۔ بہت سے لوگوں کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ چونکہ یہ مقام جعرانہ، مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ چنانچہ دن کے آخری حصہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے اور رات کے آخری حصہ میں واپس تشریف لے آئے جیسا کہ ان شہروں میں عام سفر کا رواج ہے۔ اس کوہستان میں ایک کنواں ہے جو بہت چھوٹا اس طشت کی مانند ہے جس میں آٹا گوندھتے ہیں۔ اس کنویں کا پانی نہایت شیریں اور ٹھنڈا ہے ممکن ہے کہ لشکر اسلام نے اپنی اقامت کے دوران اسے کھودا ہو۔ یا یونہی بارش کے سیلاب سے ایک گڑھا سا بن گیا ہو (واللہ اعلم)

قدوۃ الاولیاء شیخ امام عبدالوہاب متقی قادری فرماتے ہیں کہ میں جعرانہ بارہا پیدل روزہ رکھ کر گیا ہوں ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ میں وہاں سو گیا خواب میں جمال باکمال سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا جب بھی میں آنکھ کھول کر دوبارہ سوتا جمال جہاں آراء سے مشرف ہوتا۔ انہوں نے کتنی بار فرمایا یہ مجھے یاد نہیں رہا۔ کاتب الحروف (شیخ محقق رحمہ اللہ) بھی بقصد متابعت وہاں حاضر ہوا اور خواب میں دیدار سے مشرف ہونے کے خیال سے سویا لیکن وہ قابلیت وطالع کہاں! کہ اس سعادت سے بہرہ مند ہوتا (واللہ علی کل شئی قدیر)

اس کے بعد حضور نے مدینہ طیبہ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا۔ اور حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید اموی بن ابوالعیص بن امیہ بن عبدالشمس کو جو کہ روز فتح مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور سادات قریش میں سے بہتر و فاضل شخص تھے مکہ معظمہ کی ولایت پر مقرر فرمایا۔ بعض اسماء الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف تشریف لے جاتے وقت انہیں مکہ کا عامل مقرر فرمایا تھا اور وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات تک عامل رہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے بھی انہیں کو برقرار رکھا تھا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رحلت کے دن وہ پچیس ۲۵ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم کو بھی مکہ میں چھوڑا تاکہ وہاں کے مسلمانوں کو قرآن کریم اور احکام

شرع سکھائیں۔ اور دین وملت کے احکام کا اجرا فرمائیں۔

اہلِ سیر کہتے ہیں کہ حضرت عتابؓ کے لئے بیت المال سے روزانہ ایک درہم کا وظیفہ مقرر فرمایا۔ حضرت عتابؓ بسا اوقات خطبہ کے دوران فرمایا کرتے کہ "اے لوگو! خدا اس کے کلیجے کو بھوکا رکھے جو ایک درہم روزانہ پر قناعت نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے ایک درہم مقرر فرمایا ہے اور میں اس پر بہت خوش ہوں اور مجھے مزید کسی چیز کی حاجت نہیں ہے"۔ گویا کہ اس شخص میں زہد وقناعت کا لحاظ رکھا گیا تھا جو کہ بنی امیہ میں بہت کم تھا اور یہ صحیح ہے کہ ان کی صفت بہتر و فاضل سے فرمائی گئی ہے۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مر الظہران تشریف لائے تو غنیمت میں سے جتنا کچھ باقی تھا اس جگہ سب تقسیم فرما دیا۔ اور آخر ذیقعدہ یا اوائل ذوالحجہ میں مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ اور اس سال لوگوں نے اس طرح حج کیا جس طرح عرب جاہلیت میں کیا کرتے تھے حضرت عتابؓ بن اسید نے مسلمانوں کے ساتھ حج کیا بغیر اس کے کہ ان کو امیر الحاج بنایا گیا ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کو امیر الحاج مقرر فرمایا تھا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے تالیف قلوب کے لئے ابوسفیانؓ بن حرب کو بلاد مین میں نجران پر والی مقرر فرمایا۔ سفر مکہ مکرمہ کی مجموعی مدت دو ماہ سولہ دن تھی۔

اسی سال حضورؐ نے ارادہ فرمایا کہ امہات المومنین میں سے سیدہ سودہؓ بنت زمعہ کو طلاق دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان کو طلاق دیدی تھی بہر حال سیدہ سودہؓ نے عرض کیا "خدا کی قسم میرے دل میں کسی مرد کی خواہش نہیں ہے۔ لیکن میری تمنا ہے کہ کل روز قیامت میں آپ کی ازواج میں محشور رہوں۔ میرے لئے اتنی ہی سعادت کافی ہے۔ اور اپنی باری کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں چھوڑ دیتی ہوں۔ تاکہ یہ بات بھی حضور اکرمؐ کی محبت کا باعث ہو جو ان کے ساتھ ہے"۔

## حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی ولادت

اسی سال حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ علیہما السلام سیدہ ماریہؓ قبطیہ سے متولد ہوئے اور ان کا اسم گرامی ابراہیمؓ رکھا۔ ان کی ولادت ۸ھ اور ان کی وفات ۱۰ھ میں ہوئی۔ ان کی مدت عمر سولہ ماہ کی ہے ایک روایت میں اٹھارہ ماہ ہے۔ بعض کتابوں میں ایک سال دو ماہ چھ دن ہے اس میں سب

کا اتفاق ہے کہ ان کی وفات نـاـھ میں ہوئی۔ ان کی مدت عمر سولہ ماہ کی ہے مفصل تذکرہ اولاد کرام کے ضمن میں آئے گا۔

**سیدہ زینبؓ بنت رسولؐ کی وفات** اسی سال سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلیہا وسلم زوجہ ابوالعاص بن الربیع نے وفات پائی۔ ان سے دو اولاد تھیں ایک کا نام علی تھا جو بلوغ کے قریب پہنچے تھے۔ مروی ہے کہ حضورؐ نے ان کو روز فتح مکہ اپنا ردیف بنایا تھا۔ اور دوسری اولاد لڑکی تھی جن کا نام امامہ تھا۔ اور بعد وفات سیدہ فاطمۃ الزہراؓ رضی اللہ عنہا ان کی وصیت کے بموجب امیر المومنین سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے ان سے نکاح فرمایا۔

**غلہ کی گرانی** اسی سال مدینہ طیبہ میں غلہ کی گرانی واقع ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب نرخ گراں ہوا تو لوگوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہمارے لئے غلہ کا نرخ مقرر فرما دیجئے۔" حضورؐ نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ هُوَالسِّعْرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ ۔ نرخ مقرر فرمانے والا خدا ہے اسی کے قبضہ قدرت میں قبض و بسط ہے۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالےٰ سے اس حال میں ملوں کہ کسی پر زیادتی کا مجھ سے مطالبہ نہ ہو۔ نہ خون کا اور نہ مال کا۔

**منبر شریف کی تعمیر** اسی سال اور ایک قول سے ساتویں سال منبر شریف کا بنانا واقع ہوا مطلب یہ کہ مسجد نبوی شریف میں منبر بنایا گیا جس پر کھڑے ہو کر آپؐ خطبہ دیتے تھے، اس سے پہلے منبر نہ تھا۔ اس کے بنانے والے کے تعیین میں مختلف روایتیں ہیں مگر اس پر سب متفق ہیں کہ منبر شریف کے بننے سے پہلے حضور اکرمؐ ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ اور جب منبر بن گیا اور ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرمؐ اس منبر پر تشریف لائے تو وہ ستون حضور اکرمؐ کے فراق میں رونے لگا۔ یہ حدیث مشہور اور حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور اس کی خصوصیات بھی متعدد۔ احادیث صحیحہ سے ثابت شدہ ہیں محدثین روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم منبر شریف کے بننے سے

پہلے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو خطبۂ عالی رتبہ سے مشرف فرمایا کرتے اور بسبب طول قیام تھکن عارض ہو جاتی تو پشتِ مبارک کو مسجد شریف کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب منبر شریف بنا تو روز جمعہ ستون کے آگے سے گزر کر منبر پر تشریف لائے جب اس نے حضور اکرمؐ کی آواز مبارک سنی اور حضور اکرمؐ کو اپنے آگے نہ پایا تو رونے اور فریاد کرنے لگا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ستون ایسا روتا تھا جیسے کسی اونٹ کا بچّہ گم ہو جائے اور وہ اونٹ روئے۔ ایک روایت میں ہے کہ بچہ ماں کو بلانے کے لئے جس طرح روتا ہے وہ ایسا روتا تھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اس شخص کی مانند روتا تھا جس کا محبوب و معشوق اس سے جُدا ہو جائے اور وہ اس کی محبت میں روئے چنانچہ اس ستون کے رونے سے حاضرینِ مسجد کے دل بھر آئے اور وہ بھی رونے لگے۔ ایک روایت میں ہے کہ اس طرح اس نے آہ وزاری کی کہ وہ پھٹ گیا چنانچہ حاضرین کو گمان ہوا کہ وہ گر پڑے گا۔ اور وہ اس سے خوفزدہ ہو گئے۔ بعض اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔ یہاں تک کہ حضور اکرمؐ منبر شریف سے اترے اور اس ستون کے پاس تشریف لے گئے اور اس پر دستِ اقدس رکھ کر اس کو آغوش شریف سے لپٹا لیا' اور فرمایا" اگر تو چاہے تو تجھے باغ میں لوٹا دیں اور تجھے اپنی جگہ جما دیں تاکہ تو دوبارہ سر سبز و شاداب ہو کر پھل دے۔ اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت کی زمین میں جما دیں تاکہ تو جنت کی کیاریوں اور اس کے چشموں کے پانی سے سیراب ہو اور انبیاء و اولیاء اور صلحاء تیرے پھل تناول فرمائیں۔ جتنی دیر حضور اکرمؐ ستون کو اپنے آغوش مبارک میں لئے رہے فرماتے رہے نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ (ہاں میں نے کیا ہاں میں نے کیا) صحابہ کرام نے دریافت کیا" یارسول اللہؐ! یہ کیا کہتا ہے؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "جب میں نے اس سے دریافت کیا کہ کیا دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا جنت میں تو اس نے جنت میں رہنا پسند کیا۔ اس پر میں نے کہا قَدْ فَعَلْتُ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ اِنَّ ھٰذَا اِنَّمَا بَکَا لِمَا فَقَدَ مِنَ الذِّکْرِ۔ یہ ستون ذکر سے محرومی کی بنا پر رویا ہے۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب وہ منبر شریف کی حدیث بیان کرتے تو فرماتے" اے مسلمانو! جب ایک لکڑی کا ٹکڑا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کی جدائی سے آہ وفغاں کرتا ہے تو تمہیں تو اس سے زیادہ سزادار ہے کہ لقائے محبوب کے مشتاق بنو۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ستون کو اسی جگہ دفن کرا دیا۔

منبر شریف، اثل غابہ کی لکڑی کا بنایا گیا۔ اثل غابہ ایک درخت کا نام ہے جو چوب گز کے مشابہ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابہ ایک جنگل کا نام ہے جہاں بہت درخت ہیں یہ مدینہ طیبہ سے نو میل کے فاصلہ پر ہے۔ منبر شریف کا طول بقول صحیح دو گز تھا اور چوڑائی ایک گز۔ ہر سیڑھی کی چوڑائی ایک بالشت تھی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ تک یہ منبر اپنے حال پر رہا۔ سب سے پہلے جس نے قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے اپنی خلافت کے چھ سال بعد نچلی سیڑھی سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، نے اختیار کیا تھا اس سیڑھی پر استادہ ہونے لگے جو سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے جلوس مبارک کی جگہ تھی (اور سبب یہ بتایا کہ آقا اور خادم میں مساوات کا امکان ہی نہیں برخلاف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت صدیقؓ کی نشست گاہ کے۔ کہ وہاں توہم مساوات ممکن ہے۔ نافہم مترجم غفرلہ)۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی امارت کے زمانہ میں سب سے پہلے منبر شریف پر غلاف چڑھایا۔ جس وقت کہ شام سے مدینہ منورہ آئے۔ اور چاہا تھا کہ منبر رسولؐ کو وہاں سے شام منتقل کر کے لے جائیں۔ جب انہوں نے منبر شریف کو اپنی جگہ سے ہلایا تو ایسی تاریکی پھیلی کہ سارا شہر تاریک ہو گیا۔ آفتاب کو گہن لگا حتی کہ دن میں ستارے نظر آنے لگے۔ اس پر امیر معاویہؓ اس خیال محال سے باز آگئے اور پشیمان ہو کر صحابہ کرام سے معذرت خواہی کرنے لگے۔ اور کہنے لگے "میرا مقصد اس کی دیکھ بھال تھی کہ اسے گھن وغیرہ تو نہیں لگا۔ اس کے بعد چھ درجے اور بڑھائے۔ اور منبر نبوی شریف کو اس کے اوپر رکھا تاکہ بلند ہو جائے اور تمام حاضرین مسجد خطیب کو دیکھ سکیں۔ جیسا کہ تاریخ مدینہ میں ہے۔

روضۃ الاحباب میں اس طرح منقول ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، نے شام سے مروان کو جو مدینہ کا حاکم تھا لکھا کہ منبر شریف کو مدینہ طیبہ سے شام منتقل کر دے ممکن ہو

کہ پہلے مروان کو بھی لکھا ہو۔ اور جب وہ خود شام سے مدینہ منورہ آئے تو خود نے بھی ایسا ارادہ کیا ہو۔ یا اس کے بعد مروان کو لکھا ہو۔ (واللہ اعلم)

بعد ازاں جب مہدی خلیفہ بنا تو اس نے چاہا کہ اس میں کچھ اور اضافہ کرے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ نے اسے منع کیا۔ جب امیر معاویہؓ کا منبر بھی طول زمانہ کے لحاظ سے بوسیدہ ہو گیا تو دیگر خلفائے عباسیہ نے ممبر کی تجدید کی اور منبر نبوی شریف کے بقیہ درجوں کی بقصد تبرک زیب وزینت دی۔ بعض کہتے ہیں کہ چھ سو چون (۶۵۴ھ) ہجری میں مسجد نبوی شریف میں جب آگ لگی تھی تو منبر نبوی شریف کے علاوہ امیر معاویہؓ کا منبر جل گیا تھا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس آگ سے خلفائے عباسیہ کا بنایا ہوا منبر جلا تھا (واللہ اعلم)

اس کے بعد ہر بادشاہ کے دور میں اس مقام کی تجدید ہوتی رہی اور پہلے منبر کو بدلتے رہے۔ الی یومنا ہذا۔ اس وقت سلطان روم مراد خاں بن سلطان خاں نصرہ اللہ ونصر عساکرہ نے سن نوسو اٹھانوے ہجری میں رخام کی لکڑی سے منبر عالی کو بنایا اور اس کے اوپر سات پہلو کا قبہ بنایا یہ تاریخ سلطان مراد کے منبر بنانے اور اس کی تعمیر کرنے کی ہے (خیال رہے کہ حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ نے اپنے زمانۂ حیات تک کے حالات کا تذکرہ کیا ہے اور اسی زمانہ میں یہ کتاب مدارج النبوۃ تصنیف فرمائی ہے۔ مترجم غفرلہٗ)

## ریاض جنت

حدیث صحیح میں مروی ہے کہ مَا بَيْنَ قَبْرِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ "میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے"۔ ایک روایت میں ہے مَا بَيْنَ حُجْرَتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ ایک روایت میں ہے مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ عَلٰی بخاری میں اتنا زیادہ ہے مِنْبَرِي عَلٰى حَوْضِي اور بعض روایتوں میں تُرْعَةٌ مِّنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ ہے اور ترع کی تفسیر بعض نے باب سے کی ہے اور بعض نے درجہ سے اور بعض نے وہ "باغ جو بلند جگہ پر ہو" سے کی ہے اور علماء نے ان احادیث کی تاویل وتحقیق میں متعدد وجوہ بیان کئے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بقعہ شریف کو روضۂ جنت سے تشبیہ دینے میں نزول رحمت اور حصول سعادت ان حضرات کے لئے مراد ہے جو وہاں بیٹھ کر ذکر واشغال کرتے ہیں۔ جس طرح کہ مسجد کو ریاض جنت سے تشبیہ دینے میں ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا۔

سے اس کی جانب اشارہ ملتا ہے۔ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس طرف عظیم الشان میں شرف عبادت وطاعت کا بیان کرنا مقصود ہے کہ اس سے روضۂ رضوان حاصل ہوتا ہے جس طرح کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ :۔ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوْفِ تلواروں کے سایہ میں جنت ہے اور :۔ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ ماؤں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ اس اعتبار سے کہ تلواروں سے شغف رکھنا اور ماؤں کی خدمت گزاری کرنا نعیم خلد کا مستحق بناتی اور ریاض جنت کا سزاوار کرتی ہے۔ یہ تاویلات ان اہل ظاہر کی ہیں، جن کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوئی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام اپنی حقیقت پر محمول ہیں۔ اور حضورؐ کے حجرۂ مبارک اور منبر شریف کے درمیان کی جگہ حقیقت میں جنت کے باغوں میں کی ایک کیاری ہے اور کل قیامت کے دن وہ جگہ فردوس اعلیٰ میں منتقل ہوگی اور دیگر تمام روئے زمین کی مانند وہ فنا وہلاک نہ ہوگی۔ جیسا کہ ابن فرحون نے امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کر کے علماء کے اتفاق کو بھی اس کے ساتھ شامل کیا ہے۔ اور شیخ ابن حجر عسقلانی اور دیگر محدثین نے بھی اس قول کو ترجیح دی ہے۔ ابن حمزہؒ نے جو کہ اکابر علماء مالکیہ سے ہیں فرمایا ہے کہ ممکن ہے کہ فی نفسہ یہ بقعہ شریف جنت کی کیاریوں میں سے ہو اور اسے وہاں سے دنیا میں بھیجا گیا ہو جس طرح کہ حجر اسود اور مقام ابراہیم کے بارے میں مروی ہے۔ اور بعد قیام قیامت اسے اپنے اصلی مقام میں لے جایا جائے۔ لزوم رحمت اور استحقاق جنت اس جگہ عبادت واذکار میں مشغول ہونے والوں کے لئے اس مقام کی زیادتی فضیلت اور علو مرتبت کو لازم ہے جس طرح کہ حضرت خلیل علیہ السلام کا مرتبۂ خلت، جنت میں اس پتھر کی وجہ سے ممتاز ہوگا اسی طرح سید عالم حبیب خدا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس روضہ پر اختصاص پائیں گے۔ اگرچہ چشم ظاہر میں دنیا کی تمام اراضی کی نسبت پر وجود میں آیا ہے مگر اس میں کوئی حجاب نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب تک انسان اپنی تخلیق میں طبعی کیفیات کے حجابوں میں محجوب اور عادات بشریہ کے احکام میں مغلوب ہے اس وقت تک حقائق اشیاء کا انکشاف اور امور آخرت پر اطلاع اس سے ممکن نہیں۔ لیکن شارع علیہ السلام کی خبروں سے کسی ایسے وہم میں مبتلا نہ ہونا چاہیئے کہ جب یہ بقعہ شریفہ از روئے ریاض جنت کی ایک کیاری ہے تو وہ تشنگی وبرہنگی وغیرہ امور کا بھی جگہ

پایا نہ جانا جو جنت کے لوازم و خواص میں سے ہے اور جنت کے رہنے والوں کو یہ چیزیں لاحق نہ ہوں گی جیسا کہ حق سبحانہ وتعالےٰ نے فرمایا :- اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى - ( بے شک جنت میں تمہارے لئے نہ بھوک ہو گی نہ برہنگی - اور نہ اس میں تمہارے لئے پیاس ہوگی اور نہ چاشت کا کھانا ) تو یہ باتیں اس جگہ فی الحال نہیں پائی جاتیں ؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے جنت کے یہ لوازم ، اس بقعہ شریف کو وہاں سے جدا کر کے اور منتقل کر کے لانے کے بعد اس سے علیحدہ کر لئے گئے ہوں -

اسی طرح یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ فرمایا میرا منبر میرے حوض پر ہے - اور یہ کہ میرا منبر جنت کے ترعہ پر ہے اس میں بھی تاویلات کرتے ہیں کہ اس سے اس طرف اشارہ فرمانا مقصود ہے کہ اس جگہ آنا اور اس سے برکت حاصل کرنا اور اس کے حضور میں اعمال خیر میں مشغول ہونا آخرت میں حوض نبوی پر حاضر ہونے کا موجب و سبب ہو گا اور اس کا مستحق بنائے گا یا یہ کہ ممکن ہے اس منبر شریف کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کل قیامت کے دن تمام مخلوق خدا کے ساتھ اسے بھی اعادہ سے مشرف فرمائیں - اور حوض کوثر کے کنارہ پر جسے ترعۂ جنت سے تعبیر فرمایا ہے قایم فرمائیں جیسا کہ علماء رحمہم اللہ نے بیان کیا ہے -

واضح رہنا چاہیئے کہ روضۃ الاحباب میں حضرت علاء رضی حضرمی کو منذر بن ساوی کی جانب بھیجنے کو اس جگہ بیان کرنے کے بعد تنبیہ کی ہے کہ اکثر اہل سیر ، حضرت علاء حضرمی رضی کو منذر رضی کی جانب بھیجنے کے قصہ کو سال ششم یا ہفتم میں بادشاہوں کی طرف مکاتیب و وفد بھیجنے کے ضمن میں بیان کرتے ہیں لیکن صاحب طبقات نے وضاحت کی ہے کہ جعرانہ سے واپسی کے وقت ان کا بھیجنا عمل میں آیا تھا - اور بعض کتب سیر میں حدیبیہ کے بعد ان کا بھیجنا واقع ہوا ہے انتہی کاتب حروف ( شیخ محقق رحمہ اللہ ) بعض کتب سیر کی موافقت میں اسے اس جگہ بیان کر چکا تھا - اور مقام کی مناسبت بھی وہی ہے اگر روایت صحیح ہو اور خود اکثر اہل سیر بھی اسی طرف ہیں - بہر حال اس کا ذکر کیا جا چکا ہے خواہ یہاں ہوتا یا وہاں ہو چکا -

## عبد القیس کے وفد کی آمد

اسی سال کے واقعات میں عبد القیس کے وفد کے آنے کا واقعہ ہے - وفد

لوگوں کی اس جمعیت کو کہتے ہیں جو قاصد بن کر آئے۔ اور پیام و خط وغیرہ پہنچائے۔ عبدالقیس بن قصی، قبیلہ اسد جو ربیعہ کی اولاد میں سے ہیں ان کے جد اعلیٰ کا نام ہے۔ اسی سال ان کا وفد بارگاہِ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں بیس آدمی تھے۔ اور ان کا سردار وہ شخص تھا جس کو وہ "اشج" کہتے تھے۔ اس وفد کے آنے سے ایک دن پہلے حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ مشرق کی طرف سے کچھ سوار تمہارے پاس آرہے ہیں جو اپنی خوشی و رغبت سے اسلام میں داخل ہوں گے اور ان کے سردار کی یہ یہ نشانیاں ہیں۔ اور فرمایا اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَیْسِ۔ اے خدا عبدالقیس والوں کی بخشش فرما۔ جب یہ لوگ حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو فرمایا مَنِ الْقَوْمِ کس قبیلہ سے ہو یا فرمایا مَنِ الْعَرْقَدَ کس کی طرف سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا ہم ربیعہ ہیں یعنی ربیعہ بن معد بن عدنان کی اولاد و احفد میں سے ہیں۔ اس قبیلہ کا جد اعلیٰ قریش سے اوپر حضورؐ کے اجداد میں سے ہیں، جیسا کہ نسب نامہ میں ظاہر ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ وَالْوَفْدِ۔ اے لوگو اے قاصدو تمہارا آنا تمہیں مبارک ہو۔ اور تم کشادہ و فراخ جگہ میں آئے۔ یہ حضور اکرمؐ کی دعا ہے جو کسی عزیز و محبوب کے آنے پر فرماتے تھے۔ اور فرمایا کہ یہ قوم خوار و رسوا اور پشیمان نہ ہو۔ وفد عبدالقیس کے لوگوں نے کہا "یا رسول اللہ! ہمیں ممکن نہ ہوا کہ حاضر ہو سکتے بجز حرمت والے مہینوں میں۔ مطلب یہ کہ ان مہینوں میں عرب کے درمیان باہمی جنگ و جدال نہیں ہوتا۔ اور یہ اشہر حرم چار مہینے ہیں ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرمؐ اور رجبؐ۔ کیونکہ ہمارے اور آپؐ کے درمیان وہ قبیلہ حائل ہے جو کفار مضر بن نزار برادرِ ربیعہ بن نزار ہیں۔ یہ حضور اکرمؐ کے اجداد و شریف کا نام ہے اور یہ مضر، حضرت خلیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا مضر کو دشنام نہ دو کیوں کہ وہ دین اسلام پر تھے۔ مضر ان کا نام اس بنا پر ہے کہ وہ مُضَ یعنے لبن حامض (ترش دودھ) کو پسند کرتے تھے اور اس کے پینے کے بڑے شوقین تھے۔ یا اس بنا پر ان کا یہ نام تھا کہ وہ سفید رنگ کے تھے ان کا چہرہ سفید تھا اور ان کو مضر احمر بھی کہتے ہیں۔ نیز یہ بھی اہل سیر بتاتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد کی میراث سے زر سرخ یعنے سونا پایا تھا۔ اور ربیعہ نے گھوڑے پائے تھے۔ یا اس بنا پر ان کا نام ہے کہ جنگوں میں ان کا شعار سرخ علم تھے، جیسا کہ قاموس میں

مذکور ہے۔

اس کے بعد عبدالقیس کے وفد نے حضور اکرمؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ہمیں مفصّل و بیّن ایسا حکم فرمائیے جو حق و باطل کے درمیان فارق ہو۔ جس میں کوئی اشتباہ و التباس باقی نہ رہے۔ تاکہ ہم اپنی قوم کو جسے چھوڑ آئے ہیں جا کر بتائیں۔ یا جو ہمارے سامنے آئے اسے بتائیں تاکہ ہم اور وہ اس پر عمل کر کے جنت میں داخل ہوں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے ان کو ایمان، نماز، روزہ، زکوٰۃ، اور غنیمت میں سے ادائے خمس کا حکم دیا۔ پھر انہوں نے اپنی قوم کے لئے ان برتنوں کا حکم پوچھا جن میں وہ پیتے اور نبیذ وغیرہ ڈالتے تھے۔ مقصود یہ کہ جس وقت شراب حلال تھی اور جن برتنوں میں اسے رکھتے اور استعمال کرتے تھے اب جبکہ شراب حرام ہو گئی ہے کیا ان برتنوں کو وہ کسی اور استعمال میں لا سکتے ہیں اور ان سے کوئی اور کام لے سکتے ہیں یا ان برتنوں سے شراب پینے کی مشابہت کی بنا پر پرہیز و اجتناب کریں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے ان کو ایسے چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا جو شراب کے استعمال کے لئے خاص ہیں۔ ایک خم یعنی سبز مٹکا جس میں شراب و نبیذ کا لہن اٹھاتے ہیں۔ دوسرا برتن ڈبا یعنے خشک کدو، جس کو رنگ کر کے صراحی نما بناتے ہیں۔ تیسرا برتن نقیر، یہ ایک درخت کی جڑ ہوتی ہے جسے کھوکھلا کر کے برتن بناتے ہیں اور اس میں نبیذ ڈالتے ہیں۔ چوتھا برتن مزفّت، جو زفت سے رنگ کر بناتے ہیں۔ زفت اور قیر اس رنگ کو کہتے ہیں جو کشتی وغیرہ پر چڑھایا جاتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا ان امور و احکام کو یاد رکھنا اور اپنی قوم کو اور اس کو جو تم سے ملے اور وہ یہاں نہ آسکے اسکی خبر دینا۔

علماء کا اختلاف ہے کہ جب شراب کے آثار کا قلع قمع ہو جائے اور اس کی حرمت قائم و ثابت ہو جائے تو ان برتنوں کا استعمال حرام نہ ہوگا۔ چونکہ اس کے حرام ہونے کا وقت تازہ اور قریب تھا اس بنا پر اس سے منع کیا گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ مشابہت کی بنا پر یہ مکروہ ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یہ وفد جب بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور جمال باکمال کو دیکھا تو سواریوں پر سے زمین پر اتر پڑے اور حضور اکرمؐ کے دست اقدس اور پائے اقدس کو بوسہ دے کر محبت و شوق کا اظہار کیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

نے ان کے اس جذبہ شوق کو جائز و برقرار رکھا اور اس سے انہیں منع نہ فرمایا۔ لیکن ان کا سردار جسے شج عبد القیس کہتے ہیں اس کو اس جماعت کے ساتھ نہ دیکھا وہ اپنی سواری کو لیکر جائے قیام چلا گیا تھا جہاں اس نے غسل کر کے عمدہ و پاکیزہ کپڑے پہنے اور حلم و وقار کے ساتھ آہستہ آہستہ چل کر مسجد نبوی شریف میں آیا یہاں دوگانہ پڑھا اور دعا مانگی اس کے بعد وہ حضورؐ کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا۔ حضور اکرمؐ نے اس کے اس وضع و آداب کو پسند کیا اور تحسین فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا: اِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ اَلْحِلْمُ وَالْاِنَاءَةُ ۔ بلاشبہ دو خوبیاں تم میں ایسی ہیں جو خدا کو محبوب ہیں ایک حلم دوسرا وقار۔ حلم کی تعریف، جلد بازی نہ کرنا اور امور میں تدبیر کرنا اور مصالح میں غور و فکر کرنا ہے اور اناءۃ کی تعریف جودت نظر ہے۔ اور اس کا حاصل وقار و گرانباری ہے۔ اور ایک روایت میں اَلْحِلْمُ وَالْحَيَاءُ آیا ہے اور ایک روایت میں اَلْحِلْمُ وَالتُّؤَدَةُ ۔ آیا ہے معنی کے اعتبار سے سب کا ایک ہی مطلب ہے۔

روضۃ الاحباب میں اشج نامی سردار سے بڑی نکتہ سنج گفتگو نقل کر کے کہا ہے کہ جب یہ وفد حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو پوچھا کہ عبد اللہ اشج تم میں کون ہے انہوں نے کہا میں ہوں یا رسول اللہؐ! ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ خوبصورتی نہ رکھتا تھا۔ حضور اکرمؐ رخ انور سے اسے بار بار دیکھتے تھے۔ گویا تعجب کرتے تھے کہ ایسے مرد حقیر کو انہوں نے کس بنا پر اپنا سردار بنایا ہے۔ انہوں نے یہ مفہوم جان لیا اور کہنے لگے "یا رسول اللہ! لوگوں کی جلد و کھال پانی نہیں پیتی ہے مرد میں جو چیز مطلوب ہے وہ زبان و دل ہے کہ وہ مفاہیم و مطالب کو خوب جانتی ہو اور زبان، فصیح اللسان ہو۔ حضور اکرمؐ نے ان کی بات سن کر اپنے قریب بلایا اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ اور فرمایا تم اپنی ذات پر اور اپنی قوم پر مجھ سے بیعت کرو مطلب یہ کہ اپنی قوم کے ایمان لانے کے تم ضامن بنو۔ انہوں نے کہا درست ہے ہم حضور اکرمؐ کا حکم قبول کرتے ہیں ایسا ہی کریں گے۔ اشج نے کہا لوگوں کو ان کے اپنے دین سے پھیرنا مشکل کام ہے البتہ میں اپنی ذات پر بیعت کرتا ہوں آپ کسی کو ہماری طرف بھیجئے جو انہیں اسلام کی دعوت دے جو پیروی کرے گا ہمارے ساتھ ہو گا اور جو انحراف کرے گا ہم اس سے جنگ کریں گے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا تم نے ٹھیک بات کہی۔ بلاشبہ تم میں دو خوبیاں ہیں جن کو حق تعالیٰ پسند فرماتا ہے ان میں سے

ایک حلم وبردباری ہے اور دوسرا وقار ہے۔ اشبح نے کہا "یارسول اللہ! یہ دونوں خصلتیں مجھ میں پیدائشی ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ مجھ میں ایسی خوبی پیدا فرمائی جو اسے پسند ہے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ وفد مدینہ طیبہ میں دس دن رہا اور قرآن واحکام شرعیہ کو سیکھا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو تحائف دیئے اور اشبح کو سب سے زیادہ عنایت فرمایا۔ پھر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو جانے کی اجازت مرحمت فرمائی (رضی اللہ عنہم)

# ہجرت کے نویں سال کے واقعات

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہجرت کے نویں سال کے شروع محرم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کی طرف جو مسلمان ہو گئے تھے عمال مقرر فرمائے کہ وہ جا کر زکوٰۃ کے اموال وصول کر کے لائیں۔ اور عمال کو نصیحت فرمائی کہ پرہیزگاری کرنا اور لوگوں سے اعلیٰ قسم کے مال کا مطالبہ نہ کرنا اور لوگوں کو بھی نصیحت فرمائی کہ زکوٰۃ کے عاملین کو پوری پوری زکوٰۃ دیکر راضی کریں کیوں کہ ان کی رضامندی اسی میں ہے۔ اگر وہ انصاف و عدل سے کام لیں گے تو وہ اپنے لئے کریں گے اور اگر ظلم کریں گے تو خود اپنے پر کریں گے۔ تمہارا فائدہ ان کی رضامندی میں ہے۔ ان عاملین زکوٰۃ میں سے ایک بشر بن سفیان کعبی تھے جن کو خزاعہ کے بنی کعب پر مقرر فرمایا۔ جس وقت بشیر بنو کعب کے پاس پہنچے تو وہ سب بنو تمیم کے چشمہ پر جمع ہوئے۔ بشیر نے ان کے مویشیوں کو جمع کر کے ان میں سے زکوٰۃ کے جانور علیحدہ کئے تو وہ بنی تمیم کی نظر میں اپنی کم ظرفی، خست اور سابقہ جہالت و قساوت اور جفاؤ شدت اور عدم حسن اسلام کی بنا پر بہت برا معلوم ہوا۔ اور وہ بنی کعب سے کہنے لگے کہ "کس لئے اتنا کثیر مال حضور اکرمؐ کو دیتے ہو اور کیوں اپنے مال کو اپنے قبضہ سے نکالتے ہو۔ اس کے بعد وہ سب تیر و کمان اور تلواریں لے آئے اور انہوں نے حضور اکرمؐ کے عامل صدقات کو ان مویشیوں کے لے جانے سے روکا بنو کعب نے کہا "ہم دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور حضور اکرمؐ کی متابعت و فرمانبرداری کا ہم نے اقرار کیا ہے اور زکوٰۃ فرائض و واجبات میں سے ہے"۔ بنو تمیم کہنے لگے۔ "خدا کی قسم ہم نہ چھوڑیں گے کہ حضور اکرمؐ کا عامل ایک اونٹ بھی یہاں سے لے جاسکے"۔ بشر نے جب یہ صورت حال دیکھی تھی وہاں سے چلے آئے۔ اور بسرعت تمام مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور بنی تمیم کا حال بارگاہ نبوت میں پہنچکر بیان کر دیا

حضور اکرمؐ نے فرمایا "کون ہے تم میں جو بنی تمیم سے انتقام لے" عیینہ بن حصین فزاری نے کہا "خدا کی قسم میں بنی تمیم کے تعاقب میں جاتا ہوں اور اس وقت تک واپس نہ آؤں گا جب تک کہ ان سب کو بارگاہِ رسالت میں حاضر نہ کردوں" حضور اکرمؐ نے پچاس سوار جن میں مہاجرین و انصار میں سے کوئی نہ تھا ان کے ہمراہ کئے اور بنی تمیم پر روانہ کیا جب عتبہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مخالفوں کی بستیوں میں پہنچے تو ان کے اکثر گھروں کو لوگوں سے خالی پایا۔ آبادی میں بنی تمیم کے جو لوگ موجود تھے ان پر حملہ کیا اور گیارہ مرد، پندرہ عورتوں ایک، روایت میں ہے گیارہ عورتوں اور تیس بچوں) کو گرفتار کر کے مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ اس کے بعد بنی تمیم کی ایک جماعت ان قیدیوں کے مطالبہ کے لئے مدینہ منورہ آئی اور اقرع بن حابس جس کا ذکر تقسیم غنایم کے باب میں گزر چکا ہے اور جو فصیح و بلیغ خطیب اور شاعر تھا اس کو بھی وہ اپنے ہمراہ لائے تاکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مفاخرت کرے۔ وہ مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے۔ حضور اکرمؐ اس وقت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں قیلولہ فرما رہے تھے۔ یہ آنے والے نہیں جانتے تھے کہ حضور اکرمؐ کس حجرے میں تشریف فرما ہیں۔ اس لئے ہر حجرے کے دروازے پر پہنچتے اور شور و غوغا مچاتے اور کہتے کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) باہر آئیے ہمارے بچوں اور عورتوں کو کس لئے قیدی بنایا ہے ہم نے کیا گناہ کیا ہے"۔ ہر چند حضرت بلالؓ اور مسجد کے دیگر حضرات انہیں اس شور و غوغا سے باز رکھتے اور انہیں تسکین دیتے اور کہتے کہ مسجد میں آوازیں اونچی نہ کرو اور ادب کا لحاظ رکھو مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا "اے بے وقوفو! کچھ دیر ٹھہرو۔ حضور اکرمؐ نماز ظہر کے لئے تشریف لائیں گے"۔ اتنے میں حضور اکرمؐ حجرۂ انور سے باہر تشریف لائے اور فرمایا "اے لوگو کیا ہوا ہے کہ تم نے مجھے نیند سے بیدار کیا"۔ اور حضور اکرمؐ دست مبارک سے اپنی آنکھیں ملتے جاتے تھے اس کے بعد جب آپؐ نے ظہر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو خدا جانتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی نماز پڑھی یا ہنوز اسی نادانی و جہالت میں تھے اور یا پھر انہیں نماز پڑھنی نہ آتی ہو اور یا طبعی غصہ و اضطراب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہو سکے ہوں۔ (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد ادائے نماز حجرۂ شریف کی جانب تشریف لے جانے لگے تو ان لوگوں نے آپ کو سر راہ گھیر لیا اور حضور اکرمؐ سے اپنی بات کا اعادہ کرنے

لگے حضور اکرمؐ نے ان کی طرف دیکھا اور ان کے جواب میں کچھ نہ فرمایا اور حجرہ میں داخل ہو گئے نماز ظہر کی سنت پڑھنے کے بعد باہر تشریف لائے اور صحن مسجد میں اقامت فرمائی۔ بنی تمیم میں سے اقرعؓ بن حابس نے گفتگو کا آغاز کیا اور کہا "ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم عرض کریں"۔ فرمایا "کہو"۔ اس نے کہا کہ "ہم وہ لوگ ہیں کہ ہماری مدح زین ہے اور ہماری مذمت شین ہے"۔ مطلب یہ کہ ہماری ستائش ہماری آرائش ہے اور ہماری بدگوئی ہمارا عیب ہے"۔ حضور اکرم نے فرمایا "تم جھوٹ کہتے ہو یہ شان حق سبحان و تعالےٰ کی ہے کہ اس کی مدح اس کا زین ہے اور اس کا ذم اس کی شین ہے"۔ اور فرمایا "تمہارا مقصد اس بات سے کیا ہے؟"۔ بنی تمیم کے لوگوں نے کہا "ہم اپنے شاعر و خطیب کو ساتھ اس لئے لائے ہیں تاکہ ہم آپؐ کے ساتھ مفاخرت کریں"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "میں شعر گوئی پر مبعوث نہیں ہوا ہوں اور نہ مجھے مفاخرت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے باوجود لاؤ کیا لیاقت رکھتے ہو"۔ پھر عطارد بن حاجب سے جو ان میں خطیب و فصیح ترین شخص تھا کہا اٹھ اور خطبہ دے"۔ عطارد اٹھا اور خطبہ دیا جو حمد و ثنا اور قبیلۂ بنی تمیم کے فخر و شرف پر مبنی تھا۔ جب عطارد خطبہ سے فارغ ہوا تو حضور اکرمؐ نے ثابتؓ بن قیس بن شماس انصاری کو حکم دیا جو اکابر صحابہ، اعلام انصار اور حضور اکرمؐ کے خطیب تھے کہ وہ عطارد کے جواب میں خطبہ دیں۔ پھر حضرت ثابتؓ نے خطبہ پڑھا جو نہایت فصیح و بلیغ تھا اور حمد و ستائش حق سبحانہٗ و تعالےٰ، ذکر شہادتین، درود بر نبی مختار، فضل مہاجرین و انصار، متابعت رسول رب کردگار صلے اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کی نصرت و اعانت پر مشتمل تھا اور وہ خطبہ ان کی حیرت و عبرت کا موجب بنا۔ اس کے بعد بنی تمیم کا شاعر زبرقان بن بدر نامی کھڑا ہوا اور فضل و افتخار پر مشتمل اشعار پڑھے۔ اس پر حضورؐ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہٗ کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ ان کے جواب میں شعر کہو۔ حضرت حسانؓ نے قصیدۂ غرّا، فی البدیہہ ان کے جواب میں پڑھا۔ پھر بنی تمیم کی جانب سے اقرع بن حابس کھڑا ہوا اور مشعر بدعویٰ و افتخار اشعار پڑھے۔ حضرت حسانؓ نے بھی بامر رسول مختار، ان کے جواب میں قصیدۂ غرّا اس سے زیادہ ابلغ پڑھا۔ اس پر اقرعؓ بن حابس کہنے لگا "خدا کی قسم! محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) کو عالم غیب سے تائید و نصرت دی جاتی ہے اور کوئی فضل و مکرمت آپ سے اٹھا نہ رکھا گیا۔ آپ کے خطیب، ہمارے خطیب سے فصیح تر اور آپؐ کے شاعر ہمارے شاعر سے بلیغ تر ہیں۔ آپ کی ہر شئے، ہماری ہر چیز سے بہتر ہے

پھر وہ مقام انصاف و تسلیم میں آئے اور مطیع و منقاد ہوئے۔ اور سلامتی کے ساتھ ایمان لے گئے۔ حضور اکرمؐ نے ان کے قیدیوں اور اسیروں کو چھوڑ دیا اور ان کے لائق انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔

ان لوگوں کے بارے میں یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ۞ وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۞ بے شک وہ لوگ جو حجروں کے پیچھے سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں کے اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اگر وہ اتنا انتظار کرتے کہ اے محبوب تم خود ان کی طرف تشریف لاتے تو ان کے لئے یقیناً یہ بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے"۔ اس آیۂ کریمہ میں صفت رحمت و مغفرت کے ساتھ عفو و درگزر کی خبر دینے کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن سیاق کلام اور لوگوں کی سوءِ ادبی پر غور کیا جائے تو اس میں ایک قسم کی تہدید و توبیخ اور انتقام بھی نظر آتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر غفاریت اور رحمانیت کی صفت نہ ہوتی تو جو ان سے بے ادبی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا ترک ہونا صادر ہوا ہے اس بنا پر وہ مستحق عذاب اور عقاب عظیم کے سزاوار بن چکے تھے ان صفات کا ہی ظہور و اثر تھا کہ وہ صرف نصیحت و درگزر سے گزر گئے۔ اس آیۂ کریمہ سے پہلے بھی رفع صوت، بلند آوازی سے بات کرنے اور حضور اکرمؐ کو نام و کنیت سے مخاطب کرنے کی ممانعت میں آیت نازل ہو چکی ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ۞ اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرو اور حضور اکرمؐ کے سامنے اونچی آواز سے بات نہ کرو جس طرح کہ تم ایک دوسرے سے کرتے ہو کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں شعور بھی نہ ہو۔ بنی تمیم کے یہ لوگ بھی اس آیت کے حکم میں داخل و مصدوق ہیں۔ لیکن اس آیت کریمہ کے سبب نزول کے سلسلہ میں صحیح بخاری میں مروی ہے کہ کسی اور وقت میں بنی تمیم کے کچھ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے درخواست کی کہ کسی کو ہم پر امیر مقرر فرما دیں۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہؐ! قعقاع بن معد بن زرارہ کو (جو بنی تمیم کے ایک شخص کا نام تھا) ان کا امیر مقرر فرما دیجئے اور حضرت عمر فاروقؓ

نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! اقرعؓ بن حابس کو امیر مقرر فرما دیجیئے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کی یہ دخل اندازی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو گراں گزری اور فرمایا "تمہارا مقصد میری مخالفت کرنا ہے؟" انہوں نے کہا "میرا مقصد آپ کی مخالفت کرنا نہیں بلکہ ان کی بھلائی کرنا مقصود ہے مطلب یہ کہ جو بات میرے خیال میں بھلی اور مصلحت وقت کے مطابق نظر آئی میں نے عرض کر دی۔ اس پر دونوں بزرگوں میں تیز گفتاری ہو گئی اور یہ جدال و نزاع 'اتباع حق کے اظہار میں واقع ہوا تھا نہ کہ غلبہ و ترفع کے مقصد و ارادہ سے۔ اور جذبۂ اتباع کی یہ خوبی تمام صحابہ میں موجزن تھی۔ اس بنا پر دونوں کی باہمی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس موقعہ پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ۔ مطلب یہ کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ کرنے سے پہلے تم آگے فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کرو، اور جب نازل ہوا کہ:۔ وَلَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ (اپنی آوازوں کو اونچا نہ کرو) حضرت عمرؓ نے قسم کے ساتھ کہا کہ "میں رسول خداؐ کے سامنے رازدارانہ طور پر آہستگی سے کلام کے سوا بات ہی نہ کروں گا اس طرح جس طرح کوئی دوسرے کو سمجھانے کے طریقے پر باآہستگی بات کرتا ہے۔ بیضاوی میں منقول ہے یہ قسم حضرت عمرؓ اور حضرت صدیقؓ دونوں ہی نے کھائی تھی اس پر نازل ہوا کہ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۔ بیشک جو حضرات اپنی آوازوں کو رسول اللہؐ کے حضور پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کا اللہ ان کے دلوں میں تقوٰے کا امتحان لیتا ہے۔ ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے"

مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور منہ میں کنکریاں ڈال کر بیٹھا کرتے تھے تاکہ بات کرنے میں تنگی و دشواری ہو۔ نیز مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابتؓ بن قیس شماس جو طبعاً بلند آواز تھے گھر میں بیٹھ رہے اور مجلس شریف کی حاضری موقوف کر دی مبادا کہ آواز کی بلندی لازم آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جستجو ہوئی اور فرمایا ثابتؓ بن قیس نہیں آتے اور نہ وہ نظر ہی آتے ہیں وجہ کیا ہے؟ اس پر حضرت ثابتؓ بن قیس نے حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! آپؐ پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی ہے اور میں جہیر الصوت یعنی بلند آواز والا ہوں میں ڈرتا ہوں کہ میرے اعمال ضائع نہ ہو جائیں۔" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اس مقام میں نہیں ہو۔ تم خیر

کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیر کے ساتھ رحلت کرو گے اور تم جنت میں داخل ہو گے"۔

تنبیہ ۱:۔ بنی تمیم کی یہ شدت، قساوت اور جاہلانہ مفاخرت، گویا بمقتضائے ان کی جبلت وطبیعت تھی۔ صحیح بخاری میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی تمیم کی ایک جماعت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے بنی تمیم بشارت کو قبول کرو مطلب یہ کہ داخلۂ جنت کی بشارت قبول کرو۔ پھر حضور اکرمؐ نے اصول عقائد کی تعلیم و تبلیغ فرمائی اور اس کے مبداء و مآل کی خبر دی اور فرمایا اس بشارت کو تسلیم کرو، انہوں نے کہا بشارت تو آپ نے دی کچھ ہمیں دیجئے بھی تو۔ مطلب یہ کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کے پاس ہم اس لئے آئے ہیں کہ دنیاوی مال و متاع میں سے کچھ عطا فرمائیے بشارت اپنی جگہ رہے بالفعل ہمیں تو مال و متاع مطلوب ہے۔ ان کی یہ بات حضور اکرمؐ کو ناگوار گزری اور ناگواری کا اثر آپ کے روئے انور سے ظاہر ہونے لگا۔ اتنے میں یمن سے ایک جماعت اشعریوں کی آئی جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، کی قوم تھی۔ حضور اکرمؐ نے ان سے فرمایا "اے اشعریو! تم اس بشارت کو قبول کرو جسے بنی تمیم نے قبول نہیں کیا ہے"۔ اشعریوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہم اسے قبول کرتے ہیں"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں بنی تمیم کو ایسی تین خصلتوں کی بنا پر پسند کرتا ہوں جن کے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ "بنی تمیم میری امت میں سے دجال پر سخت ترین لوگ ہیں۔ اور ان کی ظاہری سختی اور درشتی اس جگہ کام آئے گی جب وہ اسے دجال پر استعمال کریں گے۔ دوسری بات یہ کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس بنی تمیم کی ایک باندی تھی جو اسی قضیہ سریہ عیینہ بن حصین کے سلسلہ میں لائی گئی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ چند ہی روز وہ باندی ان کی خدمت میں رہی ہو گی۔ یا کسی اور وقت آئی ہو گی (واللہ اعلم)۔

پھر حضور اکرمؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا "اسے آزاد کرو کیونکہ یہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے یعنے عرب ہے۔ تیسری بات یہ کہ جس وقت بنی تمیم کے صدقات و زکوٰۃ آئے ہوئے تھے اس وقت حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ صدقات ایک قوم کے ہیں یا یہ فرمایا کہ یہ صدقات میری قوم کے ہیں۔ گویا حضور اکرمؐ نے بنی تمیم کی اپنی ذات اقدس کی طرف نسبت فرمائی۔ اور اس طرح ان کی دلجوئی اور تالیف قلوب فرمائی۔ کیونکہ یہ وہی قوم

ہے جس نے بنی کعب کو صدقات دینے سے روکا تھا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اب یہ خود ہی اپنی زکوٰۃ کو ادا کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے دلوں میں ایمان جڑ پکڑتا گیا ہوگا۔ اور تہذیب فی اخلاق کا حصہ بھی انہیں ملا ہوگا۔ پھر یہ کہ انہی عیینہ بن حصین کے بارے میں اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ کسی قماش کے درشت خو تھے۔ اور یہ وہی ہیں جن کے بارے میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث ہے کہ اس نے حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت مانگی حضور اکرمؐ نے فرمایا اسے آنے کی اجازت دیدو برا آدمی ہے۔ جب وہ اندر آیا تو حضور اکرمؐ نے خوشروئی کا اظہار فرمایا اور اس سے خندہ پیشانی سے گفتگو کی۔ (جب وہ چلا گیا تو) سیدہ عائشہ رضؓ نے عرض کیا یارسول اللہؐ! آپ تو اسے ایسا ایسا فرماتے تھے مگر جب وہ آیا تو آپؐ نے خوشی و مسرت کے ساتھ خندہ پیشانی سے گفتگو فرمائی؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جسے لوگ اس کی فحش کلامی کی بنا پر چھوڑ دیں اور اس سے بچیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کی یہ خصلت اسلام لانے سے پہلے یا اس کے حسن اسلام سے پہلے تھی۔ ایک مرتبہ یہی عیینہ بن حصین اپنے بھتیجے کے ذریعہ جس کا نام حرمن قیس بن حصین تھا اور وہ حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا مقرب و ملازم تھا حضرت عمر فاروق رضؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا "اے عمرؓ تمہیں کچھ مال و متاع نہیں دیتے اور ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرتے؟" اس پر حضرت فاروق اعظمؓ کو غصہ آیا اور چاہا کہ اسے کچھ سزا دیں۔ اس پر حر بن قیس نے پڑھا خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ أَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ اور کہا کہ یہ شخص جاہلوں میں سے ہے۔ درگزر فرمائیے۔ ان لوگوں کا ظاہر حال تو یہ ہے عاقبت کیسی ہوگی خدا جانے، اگر ایمان حاصل و ثابت ہے تو ان پر صحابیت کی تعریف صادق ہے۔ اور صحابی کا حکم ظاہر ہے کہ کیا ہے (واللہ اعلم)

اسی سال ولید بن عقبہ رضؓ قرشی اموی کو جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کے دوسری ماں سے بھائی تھے اور ان کی والدہ حضور اکرم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور وہ فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھے بنی المصطلق کی جانب صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا چونکہ زمانہ جاہلیت میں ولید اور بنی المصطلق کے درمیان دشمنی تھی۔ جب اس قوم نے سنا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے آرہے ہیں تو قدیمی عداوت

سے قطع نظر کر کے حضور اکرمؐ کے فرستادہ ہونے کے لحاظ سے ان کی تعظیم و احترام اور مہمان نوازی کی خاطر بیس۲۰ آدمیوں کو لے کر استقبال کے لئے نکلے۔ جب ولید نے اس جماعت کو دور سے دیکھا تو شیطان نے پرانی دشمنی یاد دلائی کہ یہ جماعت ان کے قتل کے لئے آرہی ہے۔ وہ راہ سے ہی لوٹ پڑے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ وہ لوگ تو لشکر مرتب کر کے ہتھیار بند ہو کے جنگ کے ارادے سے نکل آئے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا وہ مرتد ہو کر لشکر جمع کر رہے ہیں حضورؐ نے ارادہ فرمایا کہ لشکر جمع کر کے ان پر غزا کریں۔ اتنے میں وہ لوگ بھی مدینہ آگئے اور ان سواروں نے حضور اکرمؐ سے ملاقات کی اور جو حقیقت تھی حضور اکرمؐ سے عرض کردی۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک جماعت کے ساتھ ان کی طرف بھیجا کہ وہ احتیاط کے ساتھ صحیح صورت حال کی تفتیش کریں۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے ان کو اذان دیتے، نماز پڑھتے، مسجدیں تعمیر کرتے اور شعائر اسلام ادا کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ لوٹ آئے۔ اور جو کچھ مشاہدہ کیا تھا سب عرض کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ ولید نے جھوٹ اور بہتان سے کام لیا ہے اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْٓا إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْٓا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو قبل اس کے کہ تم نادانی سے کسی قوم پر پہنچو۔ پھر جب تم صبح کرو تو اپنے کئے پر نادم ہو۔ اور حضور اکرمؐ نے فرمایا :۔ اَلتَّأَنِّيْ مِنَ اللّٰهِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ اطمینان اللہ کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔ ایک روایت میں ہے کہ اَلتَّأَنِّيْ مِنَ الرَّحْمٰنِ وَالْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطٰنِ۔ آہستگی رحمٰن کی جانب سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔ اس کا فسق یہی جھوٹ، بہتان اور شر و فساد کا ارادہ کرنا ہے۔ گویا اس آیۂ کریمہ میں ایک غیبی خبر کی طرف اشارہ ہے۔ اس لئے کہ ہن ولید بن عقبہ کو امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا والی بنایا تھا اور اس نے شراب پی پھر اس پر حد لگائی گئی تھی صحیح بخاری میں یہ ہے کہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد جاری فرمائی تھی۔

اس آیۂ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرمؐ نے اس قوم پر نوازش فرمائی اور حضرت عبادؓ بن بشر انصاری کو ان کے لئے متعین فرمایا کہ وہ صدقات ان سے وصول فرمائیں اور تعلیم قرآن اور احکام شرع انہیں سکھائیں۔

اسی سال قطبہ رضی بن عامر بن حدیدہ کو بیس مردوں کے ساتھ قبیلہ خثعم کی طرف بھیجا اور ان پر تاخت کرنے کا حکم دیا۔ وہ گئے اور قتال عظیم واقع ہوا اور دونوں فریق زخمی ہوئے اور ان کے اونٹ، بکریاں اور عورتوں کو مدینہ کی طرف لے آئے اور خمس نکالنے کے بعد انہیں تقسیم کیا جن میں سے ہر شخص کو چار اونٹ ملے۔ اور ہر اونٹ کے مقابل دس بکریاں ہوئیں۔

اس کے بعد ضحاک رضی بن سفیان بن عوف کلابی عامری کو جو ایک شجاع شخص تھا تیار کیا ان کے لئے نو سواروں کا بھی انتظام کیا یہ سو سوار وہ تھے۔ جو حضور اکرمؐ کے سرہانے تلوار لیکے کھڑے ہوتے تھے۔ انہیں بنی کلاب کے ان لوگوں کی طرف ماہ ربیع الاول میں بھیجا۔ جو پہلے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں پہنچکر ان کو اسلام کی دعوت دی، لیکن انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا اس پر انہوں نے جنگ کی اور ان کو شکست و ہزیمت دی اور مال غنیمت لے کے آگئے۔

اسی سال علقمہ رضی بن مجزز مدلجی منسوب بہ قبیلہ مدلج، بن صبرہ کو ربیع الآخر میں تین سو آدمیوں پر امیر مقرر کرکے اہل حبشہ کے ان لوگوں کی طرف بھیجا جو جدہ میں آئے ہوئے تھے اور فساد پھیلا رہے تھے، علقمہ رضی اس جزیرہ میں پہنچے جہاں وہ ٹھیرے ہوئے تھے وہ علقمہ کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے پھر علقمہ رضی مدینہ منورہ کی جانب لوٹ آئے۔ بعض لوگوں نے جلدی کی اور بسرعت اپنے اہل و عیال کی طرف چلے گئے۔ حضرت عبداللہ رضی بن حذافہ سہمی بھی ان میں تھے۔ حضرت علقمہ رضی نے ان کو ان متعجلین پر امیر مقرر کیا۔ حضرت عبداللہ رضی بن حذافہ کے مزاج میں ہزل و مزاح تھا ایک رات انہوں نے اپنے منزل میں پڑاؤ کیا اور سردی سے محفوظ رہنے کے لئے آگ روشن کی تو حضرت عبداللہ رضی نے ازراہ مزاح اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ آگ میں کود پڑو۔ جب انہوں نے اپنے امیر کی اطاعت میں آگ میں کودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے آگ میں کودنے سے منع کر دیا اور کہا کہ بیٹھ جاؤ میں تو مزاح کر رہا تھا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہ رسالت میں سارا حال بیان کیا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر کوئی تمہیں معصیت و نافرمانی کا حکم دے تو اس میں اس کی اطاعت نہ کرو۔ اس قضیہ کے سلسلہ میں روضۃ الاحباب اور مواہب میں اتنا ہی ذکر کیا گیا ہے۔

مواہب میں کہا گیا ہے کہ اسے حاکم اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ اور

ابن حبان نے بحوالہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس کو صحیح کہا ہے۔ بخاری میں اس قضیہ کو اس طرح بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ " باب سریۃ عبد اللہ بن حذافہ فدار السہمی و علقمہ بن مجزز المدلجی ویقال لہا انہا سریۃ الانصار" اس کے بعد انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے اتنا زیادہ کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جیش کو روانہ کیا اور ایک انصاری شخص کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور ساتھیوں کو حکم دیا کہ امیر جو حکم دے اس کی اطاعت کرنا۔ پھر کسی بات پر وہ شخص جسے ان پر امیر بنایا گیا تھا غصہ میں آیا اس نے کہا کہ لکڑیاں جمع کرو انہوں نے لکڑیاں جمع کیں پھر کہا کہ انہیں جلاؤ۔ انہوں نے اسے جلایا۔ پھر کہا کہ اس آگ میں کود جاؤ۔ کچھ لوگوں نے ارادہ کیا کہ آگ میں کود جائیں اس پر بعض نے بعض کو اس سے منع کیا۔ اور روکا انہوں نے کہا کہ ہم آگ سے بھاگ کر تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہوئے ہیں اور آگ ہی میں خود گر جائیں۔ مطلب یہ کہ نار جہنم کے خوف سے تو ہم ایمان لائے ہیں۔ پھر آگ میں ہی جھکنے کا کیا مطلب ہے؟ اس دوران جس میں یہ باہمی بحث و تمحیص ہوئی اور آگ بجھ گئی۔ اور امیر کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو گیا۔ جب اس کی خبر حضور کو پہنچی تو فرمایا اگر وہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر وہ قیامت تک آگ سے باہر نہ نکلتے۔ امیر کی فرمانبرداری طاعت میں ہوتی ہے نہ کہ معصیت میں۔ انتہی۔

بخاری کے اس مضمون کا مفہوم ارباب سیر کے اس مضمون و کلام سے مختلف ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ اہل سیر کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم کی جانب سے حضرت علقمہ رض امیر تھے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ رض کو ان عجلت پسند لوگوں پر امیر بنایا تھا اور بخاری کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضور اکرم کی جانب سے مبعوث ہوئے تھے یہ اشکال و مخالفت آسان ہے۔ اس لئے کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ حضرت علقمہ رض حضور اکرم کی جانب سے مبعوث تھے اور انہوں نے حضرت عبد اللہ رض کو امیر بنا دیا۔ گویا دونوں حضور اکرم کی جانب سے مبعوث ہو گئے اور دوسری اشکال یہ ہے کہ آخر بخاری نے اس سریہ کو سریہ انصار اور بعض نسخوں میں سریہ انصاری کس معنے میں کہا ہے۔ جبکہ حضرت عبد اللہ انصاری نہ تھے صاحب مواہب لدنیہ نے حضرت شیخ ابن حجر عسقلانی سے بخاری کے قول وَيُقَالُ اَنَّهَا سَرِيَّةُ الْاَنْصَارِ‌ىّ کے بارے میں نقل کر کے کہا کہ اس میں متعدد مختلف قصوں کی جانب اشارہ ہے۔ اور ظاہر بھی یہی ہے کیوں کہ سیاق کلام اور اسم امیر میں اختلاف ہے اور دونوں

کے درمیان تاویل کرنے سے احتمال اور بعید ہوتا جاتا ہے۔ اور حضرت عبداللہؓ بن حذافہ بھی قرشی کے مہاجر ہونے کو انصاری کے ساتھ موصوف کرنے سے یہ امکان پیدا ہوتا ہے کہ شاید انصار یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ناصر و مددگار آیا ہو۔ غرضکہ یہ تاویل بہت ہی بعید ہے۔ ابن قیم نے متعدد قصوں کی جانب میلان کیا ہے۔ اور ابن جوزی نے کہا ہے کہ ان کا قول وَمِنَ الْاَنْصَارِ، یہ بعض راویوں کا وہم ہے۔ فتح الباری میں کہا گیا ہے کہ اس کی تائید وہ حدیث کرتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام احمد نے روایت کی ہے کہ فرمان باری تعالےٰ یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے صاحب امر کی) حضرت عبداللہؓ بن حذافہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوا جن کو ان کے لشکر کا امیر بنا کر حضور اکرمؐ نے بھیجا تھا۔

اسی سال ربیع الآخر میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو قبیلہ بنی طے کے فلس کی جانب بھیجا۔ وہاں ایک بڑا بت خانہ تھا۔ حضرت مرتضیٰ کے ساتھ ڈیڑھ سو انصاری، ڈیڑھ سو اونٹوں پر سوار تھے۔ اور ابوسعد کے نزدیک دو سو مرد تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ نے اس بت کو توڑا اور اس بستی کو ویران کیا۔ اور اس بت خانہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کے پھینک دیا۔ اور بکثرت اونٹ اور بکریوں کو غنیمت میں حاصل کر کے خمس نکالا اور پھر اسے حضرت امیرؓ نے تقسیم فرمایا۔ آل حاتم بھی تقسیم کئے گئے اس کے بعد حضرت علیؓ مدینہ منورہ آگئے۔ عدیؓ بن حاتم جو قبیلہ طے کا سردار تھا بھاگ کر شام چلا گیا۔ لیکن اس کی بہن سفانہ بنت حاتم قید میں آئی۔ ایک دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس مکان کی طرف سے گزرے جہاں اسیران کو محفوظ کیا جاتا تھا آل حاتم بھی اسی مکان میں محبوس تھے حاتم کی بیٹی بیٹھی ہوئی تھی وہ بڑی خوبصورت حسین وجمیل اور فصیح عورت تھی۔ وہ کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی "یارسول اللہؐ! میرا باپ مرگیا ہے اور میرا بھائی غائب ہے مجھ پر احسان فرمایئے حق تعالیٰ آپ پر فضل و کرم فرمائیگا" حضور اکرمؐ نے دریافت کیا کہ وافد یعنی فدیہ دینے والا کون ہے؟" اس نے کہا "میرا بھائی عدیؓ بن حاتم"۔ فرمایا "وہ تو خدا اور رسول خدا سے بھاگا ہوا ہے"۔ یہ فرما کر حضورؐ تشریف لے گئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ دوسرے دن بھی اسی طرح گزر ہوا۔ سفانہ کہتی ہے میں نے پھر وہی بات عرض کی اور حضور اکرمؐ نے وہی جواب مرحمت فرمایا۔ تیسرے دن توجہ فرمائی اور سواری اور سفر خرچ انعام فرما کر مجھے رخصت کر دیا۔ اس کے بعد میں شام چلی گئی اور اپنے بھائی سے ملی۔ اور حضور اکرمؐ نے جو اس کی نسبت فرمایا تھا کہ "وہ خدا اور رسول خدا سے بھاگا ہوا ہے" میں نے اس سے بیان کر دیا۔ اس بات کا اس پر بڑا اثر ہوا وہ کہنے لگا۔ "بھلا خدا اور رسول سے کہاں بھاگ سکتا ہوں"۔ اس کے بعد وہ مدینہ منورہ آیا اور شرف اسلام سے مشرف ہوا اس کی تفصیل انشاء اللہ سال دہم میں مذکور ہوگی۔

اسی سال، طائف سے حضور اکرمؐ کی واپسی اور غزوۂ تبوک کے درمیان، کعبؓ بن زہیر بن کعب کا قصہ واقع ہوا۔ جیسا کہ غزوۂ فتح مکہ کے دوران سال ہشتم میں اس ضمن میں مذکور ہو چکا ہے جن لوگوں کے خون کو حضور اکرمؐ نے اس جرم میں کہ یہ لوگ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتے تھے۔ مباح قرار دیا تھا اور ان میں ابن الزبعری اور ہبیرہ بن ابی وہب شامل تھے اسی جرم میں کعبؓ کے خون کو بھی مباح قرار دیا تھا اور جس طرح اور لوگ بھاگے تھے یہ بھی بھاگ گیا تھا۔ بعد ازاں واپس آیا اور چاہا کہ اپنے بھائی کے ساتھ جس کا نام بجیر بن زہیر تھا اور وہ بھی شاعر تھا لیکن وہ اس شناعت میں گرفتار نہ تھا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو اور معذرت چاہ کر طلب مغفرت کرے۔ اس پر اس کے بھائی نے کہا تم یہیں ٹھیرو، میں اس ہستی مقدس کے پاس جاتا ہوں یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں اور حضور اکرمؐ کا کلام سنتا ہوں اور آپ کے روئے انور سے مشرف ہو کر رضامندی و ناراضگی کا اندازہ لگاتا ہوں، پھر بجیر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور حضور اکرمؐ کے جمالِ باکمال سے مشرف ہوا اور آپ کے کلام کو سنا اور ایمان لایا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اس کا باپ زہیر اہل کتاب کے پاس بیٹھا کرتا تھا اور اس نے سن رکھا تھا کہ حضور اکرمؐ نبی آخر الزماں صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا وقت قریب آگیا ہے اور اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان سے ایک لمبی رسی لٹکی ہوئی ہے وہ اسے پکڑنے کے لئے ہاتھ پھیلاتا ہے لیکن اس کا ہاتھ وہاں تک نہیں پہنچتا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے کو خبر دی اور وصیت کی کہ اگر تم نبی آخر الزماں کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا؛ پھر جب

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم طائف سے تشریف لائے تو بجیر نے کعب بن زہیر کو خط لکھا کہ کیا کہتے ہو اور کیا را اٹے ہے کیا دل میں خواہش ہے کہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر توبہ کریں اور معافی مانگیں کیوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے حضور میں معافی مانگنا مقبول ہے اور آپ توبہ کرنے والے اور معافی مانگنے والے کو کچھ نہیں فرماتے۔ اگر تو ایسا نہیں کر سکتا تو جا اپنے سر کی خیر منا، اس کے بعد اظہار حال میں بجیر کی طرف کچھ اشعار لکھے بجیر نے ان اشعار کو حضورؐ کی جانب ایسا محمول کیا کہ وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ جو یہ کہے کہ جو حضورؐ کے ہاتھ آجائے آپ اسے قتل کر دیتے ہیں گویا حضور اکرمؐ کا مقصود یہی ہے (واللہ اعلم) یہی خوف و ہیبت اس کے توبہ میں دیری کا باعث تھی۔ اس پر بجیر نے بھی اشعار لکھے اور حقیقت حال ظاہر کی جب بجیر کا خط کعب کو ملا۔ تو اس پر زمین کی وسعت تنگ ہو گئی۔ سانس لینا دوبھر ہو گیا۔ اور دشمن خوش ہوئے اور یقین کر لیا کہ اب کعبؓ ضرور مارا جائیگا اس کے بعد جب کوئی چارہ نہ رہا تو کعبؓ نے ایک قصیدہ لکھا جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا کی۔ اور اس میں اپنا خوف و تمنا اور سخن چینوں اور دشمنوں کی شماتت کا اظہار کیا۔ پھر وہ مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہوا اور قبیلہ جہنیہ کے اپنے ایک دوست کے یہاں جا کے ٹھیرا۔ پھر وہ حضور اکرمؐ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں لے گیا اور اس نے حضورؐ کا دیدار کرا کے کہا یہ خدا کے رسول ہیں جنہیں تو دیکھ رہا ہے۔ اٹھ آپ کے حضورؐ ......... امان مانگ۔ اس پر کعبؓ اٹھا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے ہاتھ کو رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پہ رکھا۔ حضور اکرمؐ اسے پہچانتے نہ تھے۔ پھر اس نے عرض کیا۔ کعبؓ بن زہیر تائب ہو کر اور مسلمان بن کر حضور اکرمؐ سے امان طلب کرتا ہے کیا حضورؐ اس کی توبہ اور اسلام قبول فرمائیں گے اگر وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو؟" حضورؐ نے فرمایا "ہاں! اس پر اس نے کہا "یارسول اللہؐ! میں ہی کعبؓ ہوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "کعبؓ بن زہیر تو ہے؟" اسی دوران ایک انصاری نے جو وہاں موجود تھا جست لگائی اور عرض کیا "یارسول اللہؐ! اجازت دیجیے کہ میں اس دشمنِ خدا کی گردن ماردوں"۔ حضورؐ نے فرمایا "اسے کچھ نہ کہو یہ توبہ کر کے آیا ہے۔ پھر کعبؓ اس انصاری پر خشمگیں ہوا کہ اس نے ایسی بات کیوں کہی جبکہ مہاجرین میں سے کسی نے بجز اس کے بھائی بجیر کے کچھ نہ کہا تھا۔ اس کے بعد کعبؓ نے اپنا قصیدہ لامیہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے کہ ؎

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول یتم اثرہا لم یعد مکبول

اور اس نے کہا :-

بنئت ان رسول اللہ اوعدنی والعفو عند رسول اللہ مامول

لا تاخذنی باقوال الوشاۃ ولم اذنب ولو کثرت فی الاقاویل

ان الرسول لنور یستضاء بہ مہند من سیوف اللہ مسلول

اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا دیکھو یہ کیا کہتا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اچھے اشعار کو پسند فرماتے تھے اگرچہ آپ خود شعر گوئی سے پاک تھے اور اپنی ذات مبارک کی مدح وثنا کو محبوب رکھتے تھے کیوں کہ بلا شک وشبہ وہ صدق وحق ہیں۔ اس خوشی میں حضور اکرمؐ نے اپنی چادر مبارک اپنے جسم اقدس سے اتار کر اسے عطا فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کعبؓ کو اس چادر مبارک کے عوض دس ہزار درہم دینا چاہتے تھے مگر کعبؓ نے اسے قبول نہ کیا۔ اور کہا کہ میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے جامۂ مبارک کو کسی کے لئے ایثار نہیں کر سکتا۔ جب کعبؓ نے وفات پائی تو حضرت امیر معاویہؓ نے کعب کے ورثار کو بیس ہزار درہم بھیجے اور ان سے وہ چادر شریف لے لی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ آج تک بادشاہوں کے پاس وہ چادر مبارک موجود رہی ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ کعبؓ نے اس کے بعد مہاجرین کی مدح کی اور کچھ اشعار انصار کی مدح میں اس بنا پر کہ وہ ان کے اوپر خشمناک ہوئے تھے اسلام لانے کے بعد کہے اور یہ کعبؓ بن زہیر شعراء فحول میں سے تھے ان کا بھائی بجیران کا بیٹا عوام ابن عقبہ سب شاعر تھے اور ان لوگوں نے اپنے اشعار سے نفع اٹھایا کہ وہ مقبول درگاہ رساں ہوئے۔

**واقعہ ایلاء** اور اسی سال حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ تک ایلاء کیا اور ان کے قریب نہ گئے۔ ایلاء کے لغوی معنی قسم کھانے کے ہیں اور فقہاء کے نزدیک مرد کا اپنی عورت کے پاس چار مہینے تک نہ جانے پر قسم کھانے کا نام ایلاء ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے تک نہ عورت سے تعرض کرے اور نہ اس کے قریب جائے۔ جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے وَعَلَى الَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۔ جو لوگ اپنی بیویوں سے ایلاء وقسم

کھاتے ہیں وہ چار مہینہ تک رُکے رہیں۔ اور اگر اس سے قبل چلے جائیں تو قسم کا کفارہ دیں یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا۔ مثلاً اگر یہ کہا کہ میں اگر تم سے چار ماہ قربت کروں تو میرا غلام آزاد ہے۔ اور اگر چار ماہ گزر جائیں اور قربت نہ کرے تو امام اعظم اور ان کے اصحاب کے نزدیک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ حضرت سفیان ثوری اور بعض دیگر علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور تینوں اماموں کے نزدیک چار ماہ گزرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ بلکہ مرد کو قید کیا جائے گا اور مجبور کیا جائے گا کہ یا تو وہ رجوع کرے یا قسم کا کفارہ دے یا طلاق دے۔ اگر اس نے طلاق نہ دی تو اس سے جبراً ایک طلاق دلوائی جائے اور اس سے جدا کر دیا جائے۔ لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایلاء فرمانا ایک قسم ہے جو ایک ماہ تک ان کے قریب نہ جانے کے لئے کھائی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج کی جانب سے کچھ ناگواری محسوس فرمائی اور غمگین ہوئے اس پر آپ نے قسم کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے قریب نہ جا کر ان کے عمل کی انہیں سزا دیں گے تاکہ وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوں۔ یہ قصہ کتب سیر میں متعدد طریقوں سے آیا ہے اور ان کی تفاصیل روضۃ الاحباب میں مذکور ہیں۔ مجملاً ایک یہ ہے کہ ازواج مطہرات نے نفقہ و لباس مانگا تھا اور چند چیزیں ایسی مانگتی تھیں جو موجود نہ تھیں۔ اس بنا پر آپ ملول ہوئے اور یہ قسم کھائی، دوسرا قول یہ ہے کہ بعض ازواج مطہرات کے یہاں آپ نے شہد نوش فرمایا تھا جس پر دیگر ازواج نے رشک کیا۔ اور وہ کہنے لگیں یا رسول اللہ! ہم حضور اکرمؐ کے دہن اقدس سے مغافیر کی بو محسوس کرتے ہیں۔ مغافیر ایک گوند کا نام ہے جس میں بو ہوتی ہے اس پر حضور اکرمؐ نے اپنے اوپر شہد کو حرام قرار دیدیا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سیدہ حفصہؓ اپنے گھر میں موجود نہ تھیں حضور اکرمؐ نے ان کے گھر میں سیدہ ماریہؓ قبطیہ کو طلب فرمایا اور خدمت لی۔ سیدہ حفصہؓ نے اس پر رشک کیا اور رونے لگیں اس پر حضور اکرمؐ نے ماریہؓ کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اور انہیں منع فرمایا کہ کسی سے نہ کہنا۔ سیدہ حفصہؓ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما سے کہہ دیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل ہوئی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ ۔ اے نبی اپنی بیویوں کی خوشنودی کی خاطر اسے کیوں حرام فرماتے ہیں جو آپ کے لئے حلال فرمایا گیا۔" یہ بھی خاطر مبارک پر ملال کا سبب ہوا اور قسم یاد کی۔ ان تمام اقوال کے جمع کے بارے میں علماء فرماتے ہیں

کہ ممکن ہے کہ یہ تمام باتیں ایلاء کا سبب بنی ہوں۔ ان کو ایسا فرض کر لینا چاہیئے کہ حضور اکرمؐ کو اس قسم کی ناگواریاں پہنچتی رہتی ہوں گی۔ مگر حضور اکرمؐ درگزر فرماتے رہتے تھے۔ یہاں تک جب حد ہو گئی تو آپ نے ایلاء فرمایا۔ لیکن احادیث کے الفاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی حضور اکرمؐ کو ملال پہنچتا آپ ایلاء فرماتے گویا کہ ایلاء متعدد بار واقع ہوا ہے لیکن ایسا لازم نہیں ہے اس لئے کہ ایلاء کے معنی قسم کے ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی ایک معاملہ میں متعدد قسمیں کھائے تو اس پر قسم توڑنے کا ایک ہی کفارہ لازم ہو گا۔

بہر حال بہ اختلاف اقوال حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم عزلت نشین ہو گئے اور ایک حجرے میں قیام فرمایا اور ایک حبشی غلام کو جس کا نام رباح تھا حجرے کے دروازہ پر مقرر فرمایا کہ کسی کو بغیر اجازت اندر نہ آنے دے۔ مدینہ منورہ میں شور برپا ہو گیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے۔ صحابہ میں سے جس نے یہ خبر سنی وہ مسجد میں آیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ خبر سنی تو میں بھی مسجد شریف میں پہنچا میں نے دیکھا کہ صحابہ کی ایک جماعت در مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے رباحؓ سے کہا جاؤ میرے لئے حضورؐ سے اجازت لو۔ وہ گئے کچھ دیر بعد واپس آ کے جواب دیا کہ میں نے آپ کے لئے اجازت مانگی مگر کوئی جواب مرحمت نہ ہوا۔ چند مرتبہ اسی طرح ہوا۔ بالآخر میں لاچار ہو گیا اور بلند آواز سے کہا اے رباحؓ جاؤ اور حضور اکرمؐ سے میرے لئے اجازت مانگو حضورؐ نے غالباً یہ گمان فرمایا ہو کہ میں اپنی بیٹی حفصہؓ کی سفارش کے لئے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر حضور اکرمؐ مجھے حکم دیں تو میں ان کی گردن مار دوں۔ اور حضورؐ کے حکم سے سر مو تجاوز نہ کروں۔ میں نے یہ کہا اور لوٹ پڑا۔ اچانک میں نے رباحؓ کی آواز سنی کہ وہ مجھے بلا رہا ہے اور کہہ رہا ہے "اے عمرؓ آؤ تمہیں اجازت مل گئی ہے"۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا آپ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دیدی ہے؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "نہیں"! میں نے کہا "اللہ اکبر" اس کے بعد میں مسجد شریف میں آیا اور صحابہ کو میں نے یہ بتایا۔ اور انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کا گمان غلط تھا۔ حاضری کے دوران حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عورتوں کے احوال میں ایسی باتیں کہیں جس سے حضور اکرمؐ خوش ہو گئے اور تبسم فرمایا۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ایک دن آئے اور داخل ہونے کی اجازت چاہی۔ دیکھا کہ بہت سے صحابہ درِ مصطفٰے پر کھڑے ہیں مگر کسی کو حاضر ہونے کی اجازت نہ مل سکی۔ الحمد للہ کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو حاضری کی اجازت مل گئی۔ ان کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حاضر آئے اور اجازت چاہی انہیں بھی اجازت مل گئی۔ انہوں نے حضور اکرمؐ کو دیکھا کہ آپ انتہائی غمگین و اندوہگیں تشریف فرما ہیں۔ انہوں نے ملالِ خاطرِ مبارک کی وجہ دریافت کی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "یہ جو میرے گرد بیٹھی ہوئی ہیں" اپنی ازواج کی طرف اشارہ فرمایا "یہ مجھ سے نفقہ طلب کرتی ہیں اور ایسی چیز کا مطالبہ کرتی ہیں جو موجود نہیں ہے"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کاش کہ آپ ملاحظہ فرماتے کہ میری بیوی خارجہ کی بیٹی اگر مجھ سے نفقہ مانگتی تو میں اٹھ کر اس کا گلا گھونٹ دیتا"۔ حضور اکرمؐ نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھے اور سیدہ عائشہؓ کی گردن پر دو ہتھڑ مارا۔ حضرت عمرؓ نے بھی سیدہ حفصہؓ کی گردن پر دو ہتھڑ مارا۔ حضورؐ نے تبسم فرمایا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم مکہ مکرمہ میں اپنی عورتوں پر غالب رہتے تھے اور جب ہم مدینہ منورہ آئے تو چونکہ یہاں کی عورتیں اپنے شوہروں پر غالب رہتی ہیں چنانچہ ہماری عورتوں نے بھی مدینہ منورہ کی عورتوں کی عادت پکڑ لی ہے۔ اور اس خو بو کو انہوں نے ان سے ہی سیکھا ہے"۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اپنی بیوی سے بلند آواز میں بات کی اور کوئی بات کہی۔ اس نے بھی مجھے اسی لہجہ میں جواب دیا مجھے اس کی یہ حرکت بری معلوم ہوئی میں نے کہا "مجھ سے اس بے تمیزی سے کیوں بات کرتی ہو"۔ اس نے کہا "میں کیوں نہ کروں جبکہ حضور اکرمؐ کی ازواج بھی ایک اور روایت میں ہے کہ تمہاری بیٹی حفصہؓ بھی حضور اکرمؐ سے ایسے ہی بات کرتی ہے"۔ کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی بیوی آپ سے ایک طرف ہو کے بیٹھ جاتی یہاں تک کہ ساری رات اسی غصہ میں گزار دیتی میں نے کہا "اگر حفصہؓ سے ایسی بات سرزد ہوتی ہے تو وہ نا امید و زیاں کار ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ کا رنجیدہ ہونا اور ایلاء فرمانا اور عورتوں سے کنارہ کشی کرکے گوشہ نشین ہونا ازواج مطہرات کے نفقہ کی طلب اور تکلیف مالا یطاق کی وجہ

سے تھی۔

اور یہ بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ میں حضور اکرم ﷺ سے اجازت لے کر کاشانۂ اقدس میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ موٹے کپڑے کی تہبند باندھے برہنہ پہلو کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی چٹائی پر آرام فرما ہیں۔ اور اس چٹائی کے نشانات آپ کے پہلوئے اقدس پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے ہیں حضور اکرم ﷺ کے سرہانے ہے۔ اور پائے اقدس کی جانب سلم کے پتے بچھے ہوئے ہیں کاشانۂ اقدس میں بجز ایک صاع جو اور گرم پانی کے کوزے کے کچھ موجود نہ تھا۔ چند غیر پختہ کھالیں دیوار پر لٹکی ہوئی تھیں۔ جب میں نے یہ حال دیکھا تو مجھ پر شدت کا گریہ طاری ہوا اور میری آواز گھگھیا گئی۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اے خطاب کے بیٹے کیوں رو رہے ہو؟" میں نے عرض کیا میں کیوں نہ روؤں آپ کا یہ حال میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اتنی شدت و محنت برداشت فرمائیں اور قیصر و کسریٰ باغوں اور نہروں میں کفر و طغیان کے باوجود عیش و عشرت کی زندگی گزاریں اور آپ خدا کے رسول ہوتے ہوئے اتنی مشقت و شدت میں رہیں۔ دعا فرمائیے کہ حق تعالےٰ آپ پر اور آپ کی امت پر عیش و فراخی کو کشادہ فرمائے۔" اس پر حضور اکرم ﷺ سیدھے ہو کے بیٹھ گئے اور فرمایا۔ "اے خطاب کے بیٹے! کہاں ہو اور کہاں کی باتیں کر رہے ہو اور کن لوگوں کا ذکر کر رہے ہو۔ یہ تو وہ لوگ ہیں جن کو دنیا میں ہی عیش و راحت دیدی گئی ہیں۔ اور ہمارے لئے آخرت میں اٹھا کے رکھ دی گئی ہیں۔" اس پر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا۔ ہم اللہ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور حضور ﷺ کے رسول ہونے پر راضی و خوش ہیں۔

غرضکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ کامل ازواج سے کنارہ کشی فرما کر خلوت نشینی فرمائی وہ مہینہ انتیس دن ہی پورا ہوا۔ جب آپ اس خلوت سے باہر تشریف لائے تو سب سے پہلے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے قسم کھائی تھی کہ ایک ماہ تک ہمارے یہاں تشریف نہ لائیں گے۔ میں نے اختر شماری کر کے دن کاٹے ہیں اور گنا ہے کہ آج انتیس دن سے زیادہ نہیں ہوئے ہیں؟" حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "کبھی مہینہ انتیس دن

سے زیادہ کا نہیں ہوتا ہے اور یہ مہینہ انہیں میں تھا۔"

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حکایت سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں عسرت و تنگی غالب تھی۔ اور نفقہ دینا دشوار اور ازواج کی جانب سے اس کی طلب باعث ملال اور موجب ایلاء ہوا۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی کہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيْمًا ۝

اے نبی اپنی بیبیوں سے فرما دو۔ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بیشک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

(خلاصہ واقعہ یہ ہے کہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے آپ سے دنیوی سامان طلب کئے اور نفقہ میں زیادتی کی درخواست کی تھی۔ یہاں تو کمال زہد تھا سامان دنیا اور اس کا جمع کرنا گوارہ ہی نہ تھا اس لئے یہ خاطر اقدس پر گراں گزرا اور یہ آیت نازل ہوئی اور ازواج مطہرات کو تخییر دی گئی۔ اس وقت حضور اکرمؐ کی نو بیبیاں تھیں۔ پانچ قرشیہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ بنت ابی بکر صدیق، حضرت حفصہ رضؓ بنت عمر فاروق رضؓ، حضرت ام حبیبہ رضؓ بنت ابو سفیان، حضرت ام سلمہ رضؓ بنت امیہ، حضرت سودہ رضؓ بنت زمعہ اور چار غیر قرشیہ، حضرت زینب رضؓ بنت جحش اسدیہ، حضرت میمونہ رضؓ بنت حارث ہلالیہ حضرت صفیہ رضؓ بنت حیی بن اخطب خیبریہ، حضرت جویریہ رضؓ بنت حارث مصطلقیہ رضی اللہ عنہن سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ آیت سنا کر اختیار دیا اور فرمایا کہ جلدی نہ کرو اپنے والدین سے مشورہ کر کے جو رائے ہو اس پر عمل کرو انہوں نے عرض کیا حضور اکرمؐ کے معاملہ میں مشورہ کیسا۔ میں اللہ کو اور اس کے رسول ..... کو اور آخرت کو چاہتی ہوں۔ اور باقی ازواج نے بھی یہی جواب دیا (خزائن العرفان از مترجم غفرلہ)

اس پر جس نے خدا اور رسولؐ کو اختیار کیا وہ ثابت و قایم رہی اور جس نے دنیا اور اس کی زندگی کو چاہا وہ نکل گئی اس کا نہ دین رہا اور نہ دنیا رہی۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ایک عورت تھی جس نے دنیا کو اختیار کیا۔ وہ نکل گئی۔ ایک مرتبہ کسی نے اس کو راستہ میں دیکھا وہ کھجوروں کی گٹھلیاں چُن رہی ہے تاکہ اس کی غذا بنا کے زندگی گزارے۔ اس نے اس عورت سے پوچھا "تو کون ہے جو اس حال میں گرفتار ہے"۔ اس نے کہا۔ اَنَا الشَّقِيَّةُ الَّتِیْ اِخْتَرْتُ الدُّنْيَا۔ میں وہ بدبخت عورت ہوں جس نے دنیا کو اختیار کیا۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور اکرمؐ کو حضرت عائشہؓ کے وصال اور ان کے فراق کا غم دامنگیر ہوا کہ مبادا وہ دنیا اور اس کی زندگی کو اختیار کر لیں۔ فرمایا "اے عائشہؓ! اللہ تعالیٰ کا مجھے ایسا حکم ہوا ہے تم کیا چاہتی ہو جواب میں جلدی نہ کرو اپنے ماں باپ سے مشورہ کر کے عمل کرو"۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہﷺ! اس بات میں میں اپنے ماں باپ سے کیا مشورہ کروں میں خدا اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں لیکن حضور اکرمؐ سے میری ایک التجا ہے کہ میری یہ گزارش کسی اور بی بی سے بیان نہ فرمائیں"۔ ان کے منع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی بی بی آپ کے حبالہ عقد اور زوجیت سے نکلنا چاہے تو اس طرح نکل جائے اور یہ بات از روئے طبع، غیرت و محبت کی بنا پر تھی نہ کہ از روئے غیریت و اعتقاد، اور یہ اظہار محبت يُحِبُّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ۔ (اپنے بھائی کے لئے وہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرے) کے منافی و خلاف نہیں ہے۔ یہ خصلت عورتوں میں جبلی و طبعی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات ان سے معفو و معذور ہے۔ سیدہ عائشہؓ نے گمان کیا حضور اکرمؐ اپنی اس محبت کی بنا پر جو آپ کی ان سے تھی قبول فرمائیں گے اور ان کی یہ گزارش رد نہ فرمائیں گے۔ لیکن حضور اکرمؐ کی حقانیت، حضور اکرمؐ کو کسی کے ساتھ متعلق نہیں رکھتی۔ فرمایا "اے عائشہؓ یہ کیا بات ہے جو بی بی بھی مجھ سے اس بارے میں پوچھے گی کہ عائشہؓ نے کیا اختیار کیا میں اسے ضرور یہ بات بتا دوں گا"۔ اس فرمان میں بھی ایک خاص اشارہ حضرت عائشہؓ کی رعایت اور پاس خاطر کا ملحوظ رکھا گیا وہ یہ کہ اگر کسی نے نہ پوچھا تو میں نہ کہوں گا۔ لیکن اگر پوچھا تو میں بتا دوں گا۔ اور فرمایا، اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِیْ مُتَعَنِّتًا وَّلَا مُتَعَنِّتًا وَّلٰكِنْ بَعَثَنِیْ مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا ۔ بلا شبہ حق تعالیٰ نے مجھے کسی کو مشقت و شدت میں ڈالنے والا مبعوث نہیں فرمایا اور نہ کسی کی خطا و گناہ اور لغزش کی جستجو کرنے والا

بنا کر بھیجا لیکن حق تعالےٰ نے مجھے سکھانے والا اور دین کے احکام میں آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔

**واقعہ رجم عورت** اسی سال غامدیہ شُبیعیہ عورت کا سنگسار کرنا واقع ہوا، غامدیہ غامد سے منسوب ہے جو قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ یہ عورت حضورؐ کے پاس آئی اور زنا کا اقرار کیا اور اپنے زنا پر اقامت حد سے طہارت چاہی۔ حضور اکرمؐ نے تغافل فرمایا جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ لوگوں کی عیب پوشی فرماتے اور اغماض کرتے تھے۔ مگر وہ عورت اقامتِ حد کے سوا پر راضی نہ ہوئی۔ اور کہنے لگی "یا رسول اللہؐ! میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے میرے گناہ سے پاک فرمائیں مگر حضور اکرمؐ اقامت حد میں توقف فرماتے۔ یہ عورت چونکہ زنا سے حاملہ تھی حضور اکرمؐ نے فرمایا وضع حمل تک صبر کر کیوں کہ وہ بچہ جو تیرے پیٹ میں ہے بے گناہ ہے۔ جب وہ بچہ متولد ہو گیا تو وہ پھر آئی اور عرض کیا "اب اقامت حد فرمائی جائے۔" حضور اکرمؐ نے فرمایا "اس کا بچہ چونکہ چھوٹا ہے اگر میں اسے سنگسار کراتا ہوں تو بچہ کی نگہداشت کون کرے گا۔" انصاری شخص کھڑا ہوا اور وہ اس کی رضاعت کا کفیل بنا۔ حضور اکرمؐ نے بچہ کو ماں کے ساتھ ہی رکھا تاکہ وہ اسے دودھ پلائے۔ جب مدت رضاع ختم ہو گئی تو وہ عورت بچہ کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دے کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں آئی اور اقامت حد کی خواہش ظاہر کی اور کہا "یا رسول اللہ! میں نے بچہ کا دودھ چھڑا دیا ہے اب وہ روٹی کھاتا ہے۔" اور اقامت حد پر اصرار کیا۔ اس پر حضورؐ نے اس کے رجم کا حکم فرمایا یہاں تک کہ اسے سینہ تک زمین میں دفن کیا اور سنگسار کیا گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک پتھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کے سر پر مارا اور خون جاری ہوا اور اس کی چھینٹے حضرت خالدؓ پر پڑے اس پر حضرت خالدؓ نے اسے دشنام دی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اسے دشنام نہ دو، خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر خراج وعشر وصول کرنے والا عامل جو ظلم و زیادتی سے (لگان و ٹیکس وغیرہ) وصول کرتا ہے ایسی توبہ کرے تو وہ بھی بخشا جائے۔ اس کا گناہ اس سے بہت عظیم و قبیح ہے۔" روضتہ الاحباب میں مکس (عامل) کی تفسیر طمغاجی سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اسے نکالنے کا حکم فرمایا۔ اور نماز جنازہ پڑھنے کے بعد

اسے دفن کیا گیا۔ حدیث کے الفاظ اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ثُمَّ اَمَرَ فَصَلّٰی عَلَیْھَا۔ لفظ "صلی" مجہول و معروف دونوں طرح سے پڑھے گئے ہیں۔ بصیغۂ مجہول کا مطلب یہ ہوگا کہ حضورؐ نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ زمین سے نکال کر اس کی نماز جنازہ پڑھیں اور حضورؐ نے خود بنفس نفیس نہ پڑھائی۔ اور بصیغہ معروف کا مطلب یہ ہوگا کہ حضور اکرمؐ نے خود بھی نماز پڑھی قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک صحیح مسلم کی روایت بفتح صاد و لام یعنی بصیغۂ معروف صَلّٰی ہے۔ اور طبری، ابن ابی شیبہ اور ابو داؤد کے نزدیک بضم صاد و کسر لام یعنی بصیغۂ مجہول صُلِّیَ آیا ہے۔ اور محدود یعنی جس پر حد قایم کی گئی ہو اس کی نماز جنازہ کے بارے میں اسی طرح مروی ہے۔ لیکن مدیون پر جس نے اپنا قرض ادا نہ کیا ہو منفقہ روایات مروی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے خود اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔ اسی طرح وہ شخص جس نے اپنے آپ کو خود ہلاک کیا یا جس نے غنیمت میں خیانت کی حضور اکرمؐ نے اس کی نماز نہ پڑھی۔ بلکہ بعض کہتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے کی سرے سے نماز جنازہ ہے ہی نہیں مسلک مختار یہ ہے کہ جو بھی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہیئے۔ امام محمد نے فرمایا بادشاہ و حاکم قاتل نفس (خودکشی) کی خود نماز جنازہ نہ پڑھے بلکہ دوسرے لوگوں سے پڑھوائے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ روضۃ الاحباب میں غامدیہ عورت کے سنگسار کرنے کا ذکر اسی سال میں بیان کیا گیا ہے۔ اور تعجب ہے کہ حضرت ماعز کے رجم کا ذکر جو اس باب میں اصل اور مشہور ہے نہیں کیا ممکن ہے کہ شہرت کی وجہ سے انہوں نے ذکر نہ کیا ہو مگر یہ وجہ کمزور ہے۔ (واللہ اعلم) مشکوٰۃ کی ظاہر عبارت یہ بتاتی ہے کہ اس کا وقوع بھی اسی سال ہوا ہے (واللہ اعلم) بہرحال اس کا ذکر کرنا ازبس ضروری ہے۔

## حضرت ماعزؓ کا رجم

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ماعز بن مالک اسلمیؓ ایک شخص کے گھر میں تھے جس کا نام ہزالؓ تھا وہ بھی اسلمی تھا انہوں نے اس کی باندی سے جو آزاد کردہ تھی زنا کیا۔ جب یہ واقعہ اس شخص کے سامنے آیا تو اس نے کہا کہ تمہیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہیئے اور اپنا حال بیان کرنا چاہیئے کہ آپ کیا فرماتے اور کیا حکم کرتے ہیں چنانچہ وہ بارگاہِ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یارسول اللہ! مجھے پاک فرمایئے"۔ حضورؐ نے فرمایا افسوس ہے تجھ پر، جا خدا سے بخشش

مانگ اور توبہ کر"۔ پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد آئے اور عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! مجھے پاک فرمایئے"۔ حضور ﷺ نے فرمایا "کس چیز سے تجھے پاک کروں"۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مجملاً یہ جانا تھا کہ اس سے کوئی خطاء و غلطی واقع ہوئی ہے خاص زنا کرنا معلوم نہ ہوا تھا، ماعز رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "زنا سے اور اس کی ناپاکی سے"۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنا رخ انور دوسری طرف پھیر لیا۔ ماعز رضی اللہ عنہ بھی اسی طرف آ کے کھڑے ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے پھر اپنا رخ انور پھیر لیا۔ اور فرمایا "کیا یہ شخص دیوانہ ہے جو یہ بات دیوانگی سے کہہ رہا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! یہ دیوانہ نہیں ہے (بلکہ فرزانہ ہے)" فرمایا "کیا شراب پیئے ہوئے ہیں جو اس کی مستی و نشہ میں یہ کہہ رہا ہے؟" اس پر ایک شخص اٹھا اور اس نے اس کے منہ کو سونگھا مگر اس نے شراب کی بو نہ محسوس کی۔ پھر فرمایا "ممکن ہے اس نے عورت کا بوسہ لیا ہو یا اسے چمٹایا ہو یا اسے اپنے ساتھ سلایا ہو یا اس کے ساتھ مخول کیا ہو اور زنا کے مقدمات و مبادیات کی ہوں اور اس کو یہ زنا کہہ رہا ہو"۔ ماعز رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ! نہیں، میں نے زنا کیا ہے"۔ نیز حضور اکرم ﷺ نے اس شخص سے جس کے گھر میں ماعز رضی اللہ عنہ تھے اور جہاں زنا واقع ہوا تھا اور اس نے حضور اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہونے کا مشورہ دیا تھا۔ فرمایا "اگر تو ماعز کی پردہ پوشی کرتا اور اس کے زنا کے قصہ کو ظاہر نہ کرتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا"۔ غرضکہ جب حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے چار مرتبہ اقرار کر لیا۔ تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے رجم و سنگسار کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد انہیں مدینہ منورہ کے سنگستان میں لایا گیا اور انہیں سنگسار کیا گیا۔ جب انہیں پتھروں کی مار سے شدت کی تکلیف ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس پر ایک شخص کے ہاتھ اونٹ کا جبڑا لگ گیا اس نے اسی ہڈی کو اٹھا کر ماعز رضی اللہ عنہ کے مارا۔ اور اس کے بعد اتنا سنگسار کیا کہ وہ جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ اس کے بعد وہ حضرات حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے اور سارا قصہ دہرایا کہنے لگے جب اسے سنگساری سے سخت تکلیف ہوئی اور وہ قریب ہلاکت کے پہنچ گیا تو بھاگ کھڑا ہوا حضور ﷺ نے فرمایا "اسے کیوں نہ چھوڑ دیا کہ وہ خدا سے توبہ کرتا اور خدا اس کی توبہ قبول فرماتا اور رحمت و کرم کے ساتھ توبہ فرماتا"۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ بن مالک کے لئے استغفار فرمائی۔ اور فرمایا بلاشبہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو ساری امت میں تقسیم کیا جائے تو وہ سب کو کافی ہو اور سب کے لئے کارآمد ہو۔ اور حضور اکرم ﷺ نے اقامت حد کا نام توبہ رکھا، اس بنا پر کہ اس سے طہارت، برات اور نجات ہوتی ہے جس طرح

کہ توبہ سے حاصل ہوتی ہے۔ درحقیقت توبہ قتل نفس کے حکم میں ہے اور اس جگہ خود حقیقت میں ماعزؓ نے قتل نفس کیا۔ اور جان دی۔ اس سے زیادہ بالاتر کیا ہوگا کہ خدا طلبی اور اس کی راہ پر چلنے میں جان دے دی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت رویم قدس سرہ نے ایک طالب حق کو رخصت وداع کرتے وقت یہ نصیحت فرمائی کہ:۔ هُوَ بَذْلُ الرُّوْحِ وَلَا تَغْتَرَّ بِتُرُّهَاتِ الصُّوْفِيَّةِ خدا کی راہ میں چلنے کا مطلب، جان دینا ہے صوفیوں کی باتوں پر مغرور نہ ہونا۔

مقصود جامی از طلبم گفتہ کہ جست مقصود اوہمیں کہ دہد جان درطلب

اگر کوئی یہ کہے کہ جب حضرت ماعزؓ مغفور ہو گئے اور انہوں نے ایسی توبہ کی جس کا اوپر ذکر ہوا تو ان کے لئے استغفار کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ استغفار زیادتی مغفرت اور ترقی درجات کے لئے ہے جس کی کوئی حد و نہایت نہیں۔ مشکوٰۃ میں حضرت ماعزؓ کے قصہ رجم کے بعد بیان کیا کہ:۔

جَاءَتْ امْرَأَةٌ مِّنْ غَامِدِيَّةَ

# غزوۂ تبوک و غزوۂ جیش العسرت

اس سال کے واقعات میں سے غزوۂ تبوک کا عظیم واقعہ ہے تبوک ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان مدینہ منورہ سے چودہ منزل کے فاصلہ پر ہے بعض کہتے ہیں کہ ایک قلعہ کا نام ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ مدینہ اور شام کے درمیان ایک خطۂ ارضی کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک چشمہ کا نام ہے جو اس جگہ واقع ہے۔ چونکہ اس سفر میں لشکر کی آخر مسافت اس چشمہ تک ہوئی تھی اس بنا پر اس کو اس نام سے موسوم و منسوب کیا گیا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں اس قصہ کے دوران مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا "آخری حدوہ ہے جب تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو"۔ بوک کے لغوی معنی "لکڑی وغیرہ سے اتنی گہری زمین کھودنا کہ پانی نمودار ہو جائے" کے ہیں۔ اور حضور اکرم ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ بہت سے صحابہ اس چشمہ پہ پہنچکر اپنے پیالوں کو اس میں ڈال کر پانی کو ہلاتے ہیں تاکہ پانی نکل آئے۔ اور فرمایا:۔ نَازَلْتُمْ بَتُوكُوْنَهَا فَسُمِّيَتْ تِلْكَ الْغَزَاةُ تَبُوْكَ ۔ تم اترو گے اور پانی کو ہلا کر چشمہ سے نکالو گے اسی بنا پر اس غزوہ کا نام تبوک رکھا گیا؛ صحاح میں اسی طرح مذکور ہے۔

اس غزوے کو غزوۂ فاضحہ بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں منافقوں کی فضیحت و رسوائی بہت زیادہ ہوئی تھی۔ غزوۂ عسرت اور جیش عسرت بھی کہتے ہیں کیوں کہ اس میں لشکر والوں کو مشقت، بھوک و پیاس بہت محسوس ہوئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسافت طویل تھی اور ہوا بہت گرم۔ دشمن کا لشکر قوی تھا اور قحط سالی تھی۔ لشکر بہت زیادہ تھا اور زادِ راہ اور سامان بہت کم تھا لشکر اسلام کی عسرت و تنگی کا یہ عالم تھا کہ فقراء صحابہ میں سے اٹھارہ اصحاب کے لئے ایک اونٹ سے زیادہ نہ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ اور کرم خوردہ کھجوروں کا آٹا اور گھن لگے جو اور بو دار گھی سفر کا توشہ تھا۔ اور پانی تو انتہائی کمیاب

تھا باوجود سواری کی قلت کے اونٹوں کو ذبح کرتے اور اس کی آنتوں اور رگوں کی تری سے ہونٹوں کی خشکی دور کرتے تھے درختوں کے پتے کھاتے تھے جس سے مسوڑھے سوج گئے اور ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی مانند ہو گئے تھے۔ اغنیاءِ صحابہ بھی مدینہ سے باہر جانے میں بحکم طبع ناگواری محسوس کرتے تھے کیوں کہ میووں کے پکنے کا زمانہ تھا۔ اور انھیں درختوں کے سایوں میں بیٹھنا اور پھلوں سے لطف اندوز ہونا طبعی طور پر مطلوب و مرغوب تھا اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝

اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جائے خدا کی راہ میں کوچ کرو تو تم بوجھ کے مارے زمین پر بیٹھ جاتے ہو۔ کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کری اور جیتی دنیا کا اسباب آخرت کے سامنے نہیں مگر تھوڑا۔

اس طرح تن آسانوں اور فراغت طلب کرنے والوں پر طعن وتشنیع کا کوڑا رسید کیا۔ اس غزوہ کے لئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے کی تاریخ بلا اختلاف روز پنجشنبہ ماہ رجب ۹ھ تھی۔ اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ ان دنوں ایک قافلہ شام سے مدینہ طیبہ آیا اور انہوں نے خبر پہنچائی کہ شاہِ روم بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور قبائل کثیرہ مثلاً لخم، جذام، عاملہ اور غسان وغیرہ قبائل عرب میں سے جو نصرانی تھے ہرقل سے بڑے خوش ہیں اور وہ سب دین نصاریٰ کے غلبہ کے لئے جمع ہو کر نکل آئے تھے اور وہ سب متفق ومجتمع ہو کر مدینہ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان شہروں اور بستیوں کے نصرانیوں نے ہرقل سے یہ جھوٹ کہہ رکھا تھا کہ وہ ہستی مقدس جس نے دعویٰ نبوت کیا ہے دنیا سے کوچ کر چکی ہے اور یہ کہ ان کے اصحاب میں سخت قحط وتنگی پڑی ہوئی ہے اور ان کا مال ومتاع ضائع ہو چکا ہے اور ان کی مملکت کو بآسانی قبضہ میں لایا جا سکتا ہے۔ اس پر ہرقل نے روم کے سرداروں میں سے قباد نامی شخص کو چالیس ہزار نامزد کر کے مدینہ کی طرف روانہ کیا۔ یہ خبر سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو پہنچی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہرقل اپنی نصرانیت پر قایم تھا اور اس وقت جبکہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم

نے اسے اپنا مکتوب گرامی بھیجا تھا اور اس نے مسلمانوں کے دین کی طرف رغبت کا اظہار کیا تھا کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ اگر ہو بھی تو دنیا کی محبت اور حکمرانی اور اس کی قوم نے اسے نہ چھوڑا کہ وہ ایمان لاتا۔ اور دین اسلام کا تابع بنتا۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف لشکر کشی کا مصمم ارادہ فرما لیا تو صحابہ کرام کو قبائل کی طرف لشکر جمع کرنے کے لئے بھیجا اور ہر اس شخص کو جو جس قبیلہ کی طرف منسوب تھا اسے اسی قبیلہ کی طرف لشکر اور ساز و سامان جمع کرنے کے لئے بھیجا۔ اور صحابہ کو سپاہ کی تیاری اور فقراء و مساکین پر تصدق و انفاق اور راہ خدا میں اعانت و جہاد کی ترغیب و تحریص فرمائی۔ ہر شخص نے اپنی ہمت و طاقت اور حوصلہ و امکان کی حد تک لشکر کی تیاری میں امداد کی اور مال و متاع خرچ کیا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال و اسباب اٹھا کر لے آئے اور جو کچھ تھا راہ خدا میں صرف کر دیا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا آدھا جتنا بھی ان کی ملکیت میں تھا جدا کر کے لے آئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے لشکر تبوک کی تیاری کا شوق دلایا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج تو میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سبقت لے جاؤں گا۔ آج تو میرے پاس بہت مال ہے جس میں سے آدھے مال کو حضور اکرمؐ کی خدمت میں لے آیا۔ حضور اکرمؐ نے دریافت فرمایا "اپنے اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے" میں نے عرض کیا "اتنی ہی مقدار میں ان کے لئے چھوڑ دیا ہے"۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور جتنا کچھ مال ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ ان سے بھی حضور اکرمؐ نے پوچھا "اپنے اہل و عیال کے لئے کتنا ذخیرہ چھوڑا ہے؟ انہوں نے کہا:۔ اِدَّخَرْتُ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ میں نے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے"۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ فَبَیْنَکُمَا مَا بَیْنَ کَلِمَتَیْکُمَا۔ تمہارے درمیان میں فرق مراتب اور تفاوت اتنا ہی ہے جتنا تمہاری ان دو باتوں کے درمیان" پھر میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا "میں آپ سے کسی بات میں سبقت نہیں کر سکتا"۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صدقہ چھپا کے لائے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ میرا صدقہ ہے اور خدا میرے نزدیک معاذ ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور آشکارا کر کے صدقہ لائے اور عرض کیا" یا

رسول اللہ! یہ صدقہ میرا ہے اور خدا کے واسطے میرے نزدیک معاذ ہے"۔ حضور نے فرمایا "اے عمرؓ! بدون زہ کے تم نے اپنے گمان کو زہ کیا۔ اور فرق تمہارے صدقہ کے درمیان یہی ہے جو تمہارے کلموں کے درمیان ہے۔ یہ واقعہ یا تو اسی قصۂ تبوک کا ہے یا کسی اور موقعہ کا۔ روضتہ الاحباب کی عبادت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ موقعہ کسی اور موقعہ کا ہے۔

ایک اور حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک چاندنی رات میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کا سرِ مبارک میری گود میں تھا۔ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! کوئی شخص ایسا ہے جس کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی گنتی کے مساوی ہوں؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "وہ عمرؓ ہیں ان کی نیکیاں آسمان کے ستاروں کی مقدار میں ہیں"۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا "تو ابو بکر صدیقؓ کی نیکیاں کتنی ہوں گی؟" فرمایا "حضرت عمرؓ کی تمام نیکیاں، حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ایک نیکی کے برابر ہیں مطلب یہ کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ...... کی نیکیاں ان سے بھی زیادہ ہیں یا یہ مراد ہو کہ کمیت میں حضرت عمرؓ کی نیکیاں اگرچہ زیادہ ہوں لیکن کیفیت میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیکیاں بالاتر ہیں۔ جیساکہ دوسری حدیث میں مروی ہے کہ کثرت صوم وصلوٰۃ کی بنا پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فضیلت نہیں دی گئی بلکہ ان کے دل میں جو خیر رکھا گیا ہے اس کی وجہ سے ہے۔ مطلب یہ کہ صدق واخلاص اور معرفت کی بنا پر انہیں فضیلت حاصل ہے۔

بندۂ مسکین ثبتہ اللہ علی طریق الحق والیقین یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدہ عائشہ صدیقہ کا فرمانا کہ "چاندنی رات تھی"۔ بیان واقع ہے اور مراد آسمان کے تمام ستارے ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ چاندنی رات میں تو ستارے کم ہوتے ہیں اور کم نظر آتے ہیں۔

اس غزوے میں انفاق فی سبیل اللہ میں شریکِ غالب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے اور مُجَهِّزُ جَيْشِ الْعُسْرَةِ۔ (جیش عسرت کا سامان مہیا کرنے والے) ان کے مدائح اور مناقب میں سے ہے، مروی ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، ایک قافلہ مرتب فرما رہے تھے تاکہ تجارت کے لئے شام بھیجیں۔ انہوں نے یہ ارادہ ترک فرمادیا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا "یارسول اللہ!

یہ دو سو اونٹ جن پر پالان، پوشش اور چادر وغیرہ پڑے ہوئے ہیں ہر طرح مکمل ہیں مع دو سو اوقیہ چاندی، پیش خدمت ہیں۔ ان سے لشکر کی ضروریات مکمل فرمائیے۔" ایک روایت میں ہے کہ تین سو اونٹ چہار بستہ مکمل اور ایک مثقال سونا لائے اور حضور اکرمؐ کے آگے ڈال دیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ اَللّٰھُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْہُ رَاضٍ۔ اے خدا عثمانؓ سے راضی ہو بلاشبہ میں تو ان سے راضی ہو گیا۔"

ارباب سیر کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں تیس ۳۰ ہزار کا لشکر اسلام تھا اس میں سے دو تہائی لشکر کا سامان حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فراہم کیا تھا۔ اور مَنْ جَھَّزَ جَیْشَ الْعُسْرَۃِ فَلَہُ الْجَنَّۃُ (جو جیش عسرت کی تیاری میں سامان فراہم کرے اس کے لئے جنت ہے) کی بشارت سے مشرف ہوئے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے خدا قیامت کے دن عثمانؓ سے حساب اٹھا دے۔ مواہب لدنیہ میں قتادہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جیش عسرت میں ہزار اونٹ اور سات سو گھوڑے سواری کے دیئے اور عبد الرحمن بن سمرۃؓ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لائے۔ جس وقت کہ جیش عسرت کی تیاری کی جا رہی تھی۔ انہوں نے وہ سب حضورؐ کے پہلو میں اُلٹ دیئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو غور سے ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اور فرمایا "عثمانؓ آج کے بعد جو کرے انہیں نقصان نہ کریگا"۔ ایک روایت میں آیا ہے "غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ یَا عُثْمَانُ مَا اَسْرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتَ" "اللہ تعالےٰ نے اے عثمانؓ تمہیں بخش دیا وہ سب جو ظاہر تم سے ہو اور جو چھپا کر تم سے ہو"۔ اور حضور اکرمؐ کا توجہ اور التفات سے ملاحظہ فرمانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر عیاں کرنے کے لئے تھا کہ جو کچھ وہ لائے بہت لائے تاکہ وہ اس قبولیت سے خوشی و مسرت محسوس کریں۔ ایک روایت میں ہے کہ دس ہزار دینار لائے۔ اور حضور اکرمؐ کا یہ فرمانا کہ "اس کے بعد جو کچھ کریں کچھ نقصان نہ دے گا"۔ اس میں عفو و درگزر کی بشارت ہے کہ جو بھی گناہ و غلطی کی قسم میں سے صادر ہو وہ سب معاف ہے۔ یہ مضمون اس ارشاد کے موافق ہے جو اہل بدر کے لئے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ اطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔ بیشک اللہ تعالےٰ بدر والوں کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو بھی عمل تم سے (از قسم تقصیر گناہ) سرزد ہو بلاشبہ میں نے تمہیں معاف فرما دیا ہے"۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں

مطلق العنان کر دیا ہے۔ اور انہیں آزاد چھوڑ دیا ہے کہ جو چاہے کریں۔ اور نہ یہ مراد ہے کہ ان سے ضرور ہی یہ واقع ہو۔ البتہ یہ عفو و غفران کے اعزاز کے ساتھ ان کو بشارت اور عزت افزائی ہے۔ اور حضرت امیر المومنین عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کے حق میں بعض صحابہ کی طرف سے مواخذہ جات اور اعتراضات بھی واقع ہوئے ہیں علماء نے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں اور مجبوریاں بھی ظاہر کی ہیں جیسا کہ وہ اپنی جگہ بیان ہوئے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے قبول درگاہ ہاتھ آجائے۔ خدا اور اس کے رسول کی رضا حاصل ہو جائے اور بارگاہ قبولیت میں مقام پالے۔ اس کے حق میں عفو و مغفرت کی امید انشاء اللہ تعالیٰ پوری پوری ہے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضؓ چالیس ہزار درہم لائے اور عرض کیا "میرے پاس اسی ہزار درہم تھے آدھا اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لئے چھوڑ دیا اور آدھا اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے پیش کر دیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان میں برکت دے جو لائے اور جو چھوڑا۔" حضور اکرمؐ کی دعا کی برکت سے آپ کا مال بہت زیادہ بڑھا اسی طرح تمام اشراف و اغنیاءِ مہاجرین و انصار نے بے دریغ مال خرچ کرنے کی جانب ہاتھ کشادہ کئے۔ بعض کی عورتوں نے ہاتھ پاؤں کے زیورات اور گردن و کان کے آویزے اتار کر پیش کئے۔ عاصمؓ بن عدی چند وسق کھجور لے لائے، اور ابو عقیلؓ انصاری ایک صاع کھجوریں لائے۔ اور کہا آج رات میں نے صبح تک پانی کھینچنے کی مزدوری کی ہے۔ جو مزدوری مجھے ملی اس میں سے ایک صاع اپنے اہل و عیال کے خرچ کے لئے دیدیا اور ایک صاع حضور اکرمؐ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ایک صاع کھجوروں کو تمام اموال کے اوپر رکھا۔

منافقین نے لمز و عیب اور تمسخر میں زبان کھولی اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ وہ جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو جو دل سے خیرات کرتے ہیں اور ان کو جو نہیں پاتے مگر اپنی محنت سے تو وہ ان سے ہنستے ہیں اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ میں سے ایک صحابی جن کا نام عتبہؓ بن زید تھا حضورؐ کی بارگاہ میں آئے اور عرض کیا "یارسول اللہ! میں مال و زر تو رکھتا نہیں کہ راہِ خدا میں پیش کرسکوں البتہ اپنی عزت و آبرو کو لوگوں پر حلال کرتا ہوں وہ جس طرح چاہیں میرے ساتھ پیش آئیں ان سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا اور جو خدمت چاہیں مجھ سے لیں اور جس طرح مدد چاہیں لیں انہیں معاف ہوگا۔" فرمایا "حق تعالیٰ نے تمہارے صدقہ کو قبول کرلیا۔"

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان اموال کو ضرورت مندوں پر خرچ فرمایا تاکہ وہ اپنی تیاری کریں۔ اور فرمایا بہت سی نعلین (جوتیاں) ساتھ لو کیوں کہ جوتیاں پہننا سواری کا حکم رکھتا ہے۔ مروی ہے کہ کچھ صحابہ کرام حاضر ہوئے جن کے نام سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں انہوں نے عرض کیا ہم پاپیادہ ہیں سواری نہیں رکھتے ہمارے لئے سواری کا انتظام فرمادیجئے تاکہ سوار ہو کر جہاد میں شریک ہوں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا تمہارے لئے سواری کی قسم میں سے کچھ موجود نہیں پاتا اور نہ اس وقت اتنا صدقہ کا مال ہے جس سے تمہاری ضرورت پوری ہو سکے۔ اس پر یہ ضرورت مند اصحاب مجلس مبارک سے غمگین ہو کر حسرت سے روتے ہوئے نکلے کیوں کہ وہ ایسی کوئی چیز نہ پاسکے جو خرچ کر سکتے۔ اس جماعت کا نام "گروہِ بکائین" ہوا جیسا کہ آیۂ کریمہ میں ہے۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ۔

اور ان پر کوئی مواخذہ نہیں جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں سواری عطا فرماؤ۔ تم سے یہ جواب پاکر میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں اس پر یوں واپس جائیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو اُبلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا۔

---

یہ آیۂ کریمہ انہیں لوگوں کے حال کی خبر دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ حضورؐ کی صفات حمیدہ میں لکھا ہوا ہے کہ آپ زبان مبارک پر کبھی "لا" یعنی نہیں، نہ آیا لیکن بعض اوقات بحکم ضرورت اور باقتضاء حال، عذر بھی فرمایا ہوگا۔ اس کے باوجود علماء فرماتے ہیں کہ "لَا اُعْطِی وَلَا اَجِدُ" کے درمیان فرق ہے یہ بحث اوائل کتاب ہذا میں

اخلاق شریف کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ مروی ہے کہ ابن یامین بن عمر نے ان میں سے دو شخصوں کو ایک اونٹ دیا اور حضرت عباس بن عبد المطلب نے ان میں سے دو شخصوں کو اونٹ دیا۔ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان میں سے تین شخصوں کو اونٹ دیا۔ نیز مروی ہے کہ ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ساتھیوں نے یعنی اشعریوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ میں ان کے لئے حضورؐ سے سواری حاصل کروں۔ میں حضورؐ کی بارگاہ عالی میں آیا اور عرض کیا "یا نبی اللہؐ! مجھے آپ کی خدمت میں بھیجا گیا ہے کہ آپ ان کی سواری مرحمت فرمائیں"۔ حضورؐ نے فرمایا "واللہ میں ان کی سواری کا انتظام نہیں کر سکتا"۔ اس پر میں حضور اکرمؐ کے منع فرمانے سے غمزدہ ہو کر لوٹا اور یہ بھی خوف دامنگیر ہوا کہ کہیں حضور اکرمؐ میرے مانگنے پر دلگیر نہ ہوئے ہوں اور مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں۔ اس کے بعد میں اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور جو کچھ حضور اکرمؐ نے جواب مرحمت فرمایا تھا ان سے بیان کیا۔ پھر زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اچانک میں نے حضرت بلالؓ کو آواز دیتے سنا کہ عبد اللہؓ بن قیس کہاں ہیں؟ یہ ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں یہاں ہوں۔ تو انہوں نے کہا کہ رسول خدا تمہیں بلاتے ہیں حاضر ہو۔ پھر جب میں بارگاہ بیکس پناہ میں حاضر ہوا تو فرمایا۔ لو یہ چھ اونٹ ہیں۔ اپنے ساتھیوں کے سوار ہونے کے لئے دیدو۔ حضور اکرمؐ نے ان اونٹوں کو حضرت سعدؓ سے خرید فرمایا تھا۔ حضرت ابو موسیٰؓ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ اونٹ اپنے ساتھیوں کو دیدیئے میں اپنی جگہ بے حد پشیمان اور شرمندہ تھا کہ میں نے اس کے لئے حضور اکرمؐ کو پریشان کیا کہ حضور اکرمؐ نے عطا نہ فرمانے پر قسم یاد کی تھی۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! آپ نے تو عطا نہ فرمانے پر قسم یاد کی تھی اب آپ نے عطا فرما کر قسم کو توڑا ہے یہ کیا بات ہے؟ فرمایا خدا نے تمہیں سوار کیا ہے اور اس کا مجھے حکم دیا ہے کہ میں جب کسی معاملہ میں قسم یاد کر لوں اور میں دیکھوں کہ قسم توڑنے میں بھلائی اور خیر ہے تو میں قسم کا کفارہ دیدوں"۔

چونکہ اس سفر میں محنت و مشقت اور سختیاں زیادہ تھیں منافقوں کی اس جماعت نے جن کو معذورین کہتے ہیں عذر ظاہر کئے تھے اور ایک جماعت نے بغیر عذر کے تخلف اختیار کیا اور بیٹھے رہے اور یہ دوسروں کو بھی ہوا کی سخت گرمی و مشقت وغیرہ سے خوف دلا کر روکتے رہے ان کا تذکرہ اور تفصیل سورۂ توبہ میں واقع ہوئی ہے، ان منافقوں میں ایک

شخص جد بن قیس تھا اس نے آکر کہا "یارسول اللہ! مجھے مدینہ میں رہنے کی اجازت دیجئے"۔ اور نامعقول عذر پیش کیا کہ میں عورتوں کا دلدادہ ہوں جب میں بنی الاصفر کی عورتوں کو دیکھوں گا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اور میں فتنہ میں پڑ جاؤں گا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا میں نے تجھے اجازت دی اور اپنا رخ انور اس کی طرف سے پھیر لیا۔ اور یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝

ان میں سے کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالئے سن لو وہ فتنہ میں ہی پڑے اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو۔

بنی الاصفر روم کا نام ہے۔ کیوں کہ ان کے جداعلیٰ کا نام روم بن عیص بن اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ ہے۔ جو زرد رنگ کا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس روم بن عیص نے بادشاہ حبشہ کی بیٹی سے نکاح کیا تھا جس سے سفید اور سیاہی کے درمیان زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی کہتے ہیں کہ کسی زمانہ میں حبشیوں نے روم پر...... غلبہ پالیا تھا اس زمانہ میں انہوں نے ان کی عورتوں سے وطی کی جن سے یہ زرد رنگ کی اولاد پیدا ہوئی اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اصفر روم بن عیص کا نام ہے (واللہ اعلم)

منافقوں کا ایک گروہ طمع غنیمت اور دنیاوی مال کی لالچ میں ہمراہ ہوا اور ان کی روانگی اور واپسی کے دوران حرکات شنیعہ اور کلمات ناپسندیدہ وجود میں آئے جب لشکر اسلام مرتب ہو گیا تو حکم ہوا کہ سب لوگ مدینہ طیبہ کے باہر "ثنیۃ الوداع" میں جمع ہو جائیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس لشکر کے امیر ہوئے۔

عبداللہ بن سلول منافق اپنے حلیفوں اور ساتھیوں کے ساتھ لشکر سے باہر نکلا اور ذباب کے مقابل (جو ایک جگہ کا نام ہے) علیحدہ ہو کر اس نے پڑاؤ کیا وہ کہنے لگا کہ "محمد" بنی الاصفر سے جنگ کرنے جا رہے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ جنگ کرنا آسان ہے۔ خدا کی قسم! میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کے ساتھی واصحاب، پابند طوق وسلاسل ہیں اور وہ اطراف واکناف عالم میں متفرق ہو گئے ہیں۔ جب ان منافقوں کے لوٹنے کی خبر حضور اکرمؐ کے سمع ہمایوں میں پہنچی تو فرمایا اگر اس میں کچھ ہوتا تو وہ ہم سے پیچھے نہ رہ جاتا اور فرمایا خدا کا شکر کرو کہ شریروں کے شر سے نجات پا گئے۔

بخاری و مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ سے تشریف لے جانے کا عزم فرمایا تو حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو اپنے اہل میں خلیفہ بنایا اس پر علی مرتضیٰ رضی نے عرض کیا "یا رسول اللہ میں کسی غزوہ میں پیچھے نہیں رہا ہوں کیا وجہ ہے کہ اس مرتبہ حضور مجھے چھوڑے جا رہے ہیں اور عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ رہے ہیں؟" فرمایا "اے علی! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ تمہاری بمنزلہ ہارون کے جو موسیٰ علیہ السلام سے نسبت ہے مجھے نسبت ہو لیکن فرق یہ ہے کہ ہارون علیہ السلام نبی تھے اور میرے بعد کسی کو نبوت نہ ہوگی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے میقات جاتے وقت اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم پر خلیفہ بنایا تھا جیسا کہ حق تعالےٰ نے فرمایا وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَخِیْہِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ اور جب کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میری قوم میں خلیفہ بنو۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مدینہ طیبہ میں چھوڑا تو منافقوں اور حاسدوں نے کہا کہ "رسول خدا نے علی مرتضیٰ کو ناراض ہونے کی وجہ سے چھوڑا ہے۔" اس پر حضرت علی مرتضیٰ حضور اکرم کے پیچھے مقام حرب باد میں پہنچے اور صورت واقعہ عرض کیا۔ حضور اکرم نے فرمایا "لوگ جھوٹ کہتے ہیں۔ میں نے تمہیں اس لئے چھوڑا ہے کہ تم میرے اہل بیت اور اپنے اہل بیت یعنی سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا میں میرے خلیفہ رہو اور ان سب کی دیکھ بھال کر سکو۔ اس حدیث سے شیعہ (روافض) یہ استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کا حق حضرت علی مرتضیٰ کو ہے۔ اور یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بارے میں وصیت ہے۔ اس کے برخلاف علماء اہل سنت و جماعت کہتے ہیں کہ اس حدیث میں کوئی حجت ان کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدیث واضح ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کی غیبوبت کی مدت کے لئے حضرت علی مرتضیٰ کو اپنا خلیفہ بنایا اور اس جگہ اہل بیت پر خلیفہ بنانے سے امت پر خلیفہ بنانا لازم نہیں آتا جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو اپنی قوم میں مناجات کے ذریعہ اپنی غیبوبیت کی مدت میں خلیفہ بنایا تھا۔ اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے خلیفہ نہیں ہوئے تھے چونکہ حضرت ہارون کی وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چالیس سال پہلے ہوئی تھی۔ اور حضور اکرم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

کو نماز میں لوگوں کی امامت کے لئے خلیفہ بنایا تھا۔ لہٰذا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اہل بیت اطہار کی دیکھ بھال کرتے تھے اور حضرت ابن اُمِّ مکتوم لوگوں کی نماز کی امامت کرتے تھے۔ اگر خلافت حضرت علیؓ مرتضیٰ کے لئے ہوتی تو ان کو امامت کے لئے بھی بدرجہ اولیٰ واتم حکم ہوتا۔ اور "آمدی" نے جو علماء اصول حدیث میں سے ہیں اس حدیث کی صحت میں کلام کیا ہے۔ لیکن غلط وخطا ہے اور ائمہ حدیث سب اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں اور محدثین کا قول معتمد ہے، صحیح بخاری ومسلم دونوں میں مروی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ "الا انہ لانبی بعدی" (مگر یہ کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے) یہ کلمہ موجود نہیں ہے۔ یہ بات بھی ناقابل قبول ہے اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہے اور اگر ہو بھی تب بھی حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت کے حصر پر دلالت نہیں رکھتی۔ اور نہ اس وجہ پر کہ بعد حضور اکرمؐ وہ بے واسطہ خلیفہ ہوں۔ اور حضرت علیؓ مرتضیٰ کو اہل بیت اطہار پر خلیفہ مقرر کرنے کے بعد علماء اختلاف رکھتے ہیں کہ مدینہ طیبہ پر کسے خلیفہ بنایا۔ بعض کہتے ہیں کہ محمدؓ بن مسلمہ کو بنایا اور کہتے ہیں کہ سب سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سباعؓ بن عرفطہ کو بنایا اور ایک روایت میں ہے کہ ابو رہمؓ غفاری کو بنایا۔ اور ایک روایت یہ ہے کہ علی مرتضیٰؓ کو خلیفہ بنایا اور ابن عبد البر نے اس روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے اور "ثنیۃ الوداع" میں عَلَم اور جھنڈوں کی ترتیب میں مشغول ہوئے۔ اور بڑا عَلَم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کو دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہٗ کو دیا۔ اسی طرح انصار کے ہر قبیلہ سے فرمایا کہ اپنا اپنا علم تیار کریں۔ اور حضرت عمارہؓ ابن حزم ایک انصاری شخص تھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے انہیں عَلَم عطا فرمایا اس کے بعد ان سے لے کر حضرت زیدؓ بن ثابت کو مرحمت فرما دیا۔ حضرت عمارہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! غالباً حضور مجھ سے ناراض ہو گئے؟ حضورؐ نے فرمایا" نہیں۔ خدا کی قسم۔ لیکن قرآن والے کا حق مقدم ہے۔ کیوں کہ حضرت زیدؓ تم سے زیادہ قرآن کو سینہ میں لئے ہوئے ہیں اور قرآن ہی انسان کو مقدم کرنے والا ہے اگرچہ گوش بریدہ سیاہ فام غلام ہو۔"

جب اس مقام میں لشکر کا شمار کیا گیا تو ایک قول کے بموجب تیس۳۰ ہزار کی تعداد شمار میں آئی۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور بعض نے ستر ہزار کہا ہے اور یہ بہت زیادہ مشہور

روایت ہے اور ایک گروہ تو ایک لاکھ بتاتا ہے اور ایک روایت میں چالیس ہزار ہے اس لشکر میں دس ہزار گھوڑے سوار اور بارہ ہزار اونٹ سوار تھے۔ حضرت خالد بن ولید کو مقدمہ پر، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کو میمنہ پر، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو میسرہ پر مقرر فرمایا۔ اور جب ثینۃ الوداع سے لشکر نے کوچ کیا تو اس منزل میں بھی منافقوں کی ایک جماعت نے اختلاف کیا جب لشکرِ اسلام یہاں سے موضع جرف میں پہنچا تو عبداللہ بن ابی ابن سلول منافق اپنے حلیفوں اور فرمانبرداروں کے ساتھ نکل آیا۔ اور لشکر اسلام قطع منازل اور طے مراحل کے بعد تبوک میں پہنچا تو وہاں دو ماہ ایک روایت میں ہے بارہ دن ایک روایت میں ہے بیس دن ٹھہرا رہا۔ تاکہ شب و روز مسافت کی کوفت سے آسودہ ہو جائیں۔

قیصرِ روم اور لشکرِ نصاریٰ نے مسلمانوں کے شوکت کی خبر سنی اور مسلمانوں کے دین کی عزت اور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی قوتِ اعجاز کا تصور کیا تو ان کے دلوں ایک خوف اور رعب طاری ہو گیا۔ اور ان کی طرف سے کوئی حرکت اور نہضت یعنی کوچ کرنا وجود میں نہ آیا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ہرقل شاہ روم نے جب سنا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حدودِ شام میں پہنچکر تبوک میں توقف و اقامت فرمائی ہے تو بنی غسان کے ایک شخص کو مقرر کیا کہ وہ لشکر اسلام میں جائے اور صورت و سیرت کے صفات، عادات، اور حضورؐ کی علامات و خصائل و شمائل اور اوضاع و اطوار جیسا کہ کتب سابقہ میں مذکور ہیں معلوم کرے۔ وہ شخص ہرقل کے حکم کے بموجب تبوک آیا اور مکمل تحقیق و تفتیش کر کے ہرقل کو خبر دی اس پر ہرقل نے اعیان ممالک اور دیار روم کے تمام اشراف کو جمع کر کے نصرانیت کے ترک اور قبول دین اسلام پر ترغیب و تحریص دی۔ لوگ قیصر کی بات سُن کر غصہ میں آگئے اور اس غصہ نے ہنگامہ کی صورت اختیار کر لی یہاں تک کہ قیصر کو اپنی حکومت کے زوال کا خطرہ پیدا ہو گیا اور اس سے باز آیا۔ اسی قسم کی ایک حکایت رسل و مکاتیب کے ارسال کے باب میں اس مکتوب گرامی کے ضمن میں جو ہرقل کو بھیجا گیا تھا واقع ہوئی تھی اب یہاں سے بھی یہی معلوم ہوا کہ اس نے اپنے لشکر کو دین اسلام کی طرف بلایا تھا لیکن چونکہ انہوں نے اس سے انکار کیا تھا اس لئے وہ اس قصد سے باز آگیا۔

مواہب میں، صحیح بن حبان سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس غزوے میں بھی ایک مکتوب گرامی ہرقل کے نام بھیجا اور اسے اسلام کی دعوت دی قریب تھا کہ وہ اسلام قبول کرلے مگر نہ کرسکا۔ مسند امام احمد میں مروی ہے کہ ہرقل نے لکھا کہ "میں نے اسلام قبول کرلیا ہے"۔ حضورؐ نے فرمایا "جھوٹ کہتا ہے وہ دشمن خدا اپنی نصرانیت پر قایم و باقی ہے"۔ واللہ اعلم بحقیقتہ الحال علی وجہ الکمال۔

القصہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ولایت شام جانے اور وہاں کے سربراہوں اور حاکموں کے ساتھ بات کرنے کے بارے میں اعیان انصار و مہاجرین سے مشورہ فرمایا اور ان صحابہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور حضورؐ کا یہ مشورہ فرمانا بحکم الٰہی "وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ" کے تحت تھا حضرت فاروقؓ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! اگر حضور تشریف لے جانے پر مامور ہیں تو تمام آپ کے ملازم رکاب فلک فرسا ہوں گے۔ اور جہاں آپ توجہ فرمائیں گے اور قدوم اجلال فرمائیں گے ہم سب آپ کے ساتھ ہوں گے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا اگر میں خدا کی جانب سے مامور ہوں تو تم سب سے کیوں مشورہ کرتا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! شاہ روم کا لشکر بہت بڑا اور بہت زیادہ ہے اور لشکر اسلام کی حالت سے حضور اکرمؐ باخبر ہیں اور قیصر روم اپنے کئے اور کیے پر شرمندہ و پشیمان بھی ہو چکا ہے اور آپ کی ہیبت و شوکت کا غلغلہ ان شہروں میں خوب پھیل چکا ہے آپ کا خوف و رعب ان رومیوں کے دلوں پر غالب آچکا ہے اگر امسال لوٹ کر دوسرے سال قصد فرمائیں تو انسب و اولیٰ ہوگا۔ اور حکم حضورؐ ہی کا بلند و برتر ہے۔ چونکہ فاروق اعظمؓ کی رائے درست و صواب تھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عنان مراجعت، بجانب مستقر عزت و کرامت منعطف فرمائی۔ منقول ہے کہ منزل تبوک کے قیام کے زمانہ میں بحیر بن رویہ جو دیلہ کا بادشاہ تھا بارگاہ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کیا۔ باہمی مصالحت واقع ہوئی۔ اور اسے ایک عہد نامہ میں لکھا گیا یہیں اہل حبر اور اورح بھی آئے انہوں نے بھی جزیہ دینا قبول کیا اور ان کے لئے بھی صلحنامہ لکھا گیا یہاں تک وہ صلحنامہ کی تحریر اب تک ان کی قوم میں موجود و باقی ہے جیسا کہ روضتہ الاحباب میں مذکور ہے۔

تبوک کے سفر کے فوائد و حکمتوں میں سے یہ تھا کہ فقرا صحابہ کی دستگیری و اعانت

عمل میں آئی اور اغنیاء صحابہ کے لئے حصول ثواب اور توفیق انفاق کا موقع ہاتھ آیا اور منافقین کے ضمائر و بواطن کا ظہور ہوا جن کی وجہ سے آیات قرآنیہ کا نزول ہوا اور جو زجر و توبیخ اور تشدید کے موجب بنے۔ اور مسلمانوں کی عزت کا حصول اور لشکر اسلام کی جلالت و شوکت اور اس کے دبدبہ کا ایسا ظہور ہوا کہ وہ بادشاہ جو قیصر روم تھا اور وہ دیگر سلاطین جو اطراف و اکناف میں حکمران تھے ان سب کے دلوں میں رعب و خوف طاری ہوگیا۔ اور یہ بات کہ حضور بنفس نفیس ان کے اوپر حملہ آور نہ ہوئے اور ان سے مقابلہ و محاربہ کرنے سے اعراض فرمایا اس میں بھی حضورؐ ہی کی نزاہت و عزت تھی کیوں کہ اس طرح حضورؐ کی ذات مبارک، نصرانیوں کے مساوی و برابر ٹھیرتی اور عام لوگوں کے دلوں میں مساوات وہمسری اور برابری ظاہر ہوتی۔ یا اس احتمال سے مقابلہ نہ کیا کہ عالم اسباب کی نظر میں ظاہر غلبہ حضورؐ کی بدولت قرار پاتا کہ حضورؐ خود بنفس نفیس تشریف فرما تھے جس سے مسلمانوں کو ان پر غلبہ حاصل ہوا اور آج جبکہ آپ عالم ظاہر میں موجود نہیں تو غلبہ نہیں پاسکتے اس وہم کا استیصال بھی مقصود تھا) اگرچہ حکم الٰہی اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ۔ (بیشک یہی مسلمان ہیں جن کی مدد کی گئی ہے اور بیشک ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے) پر نظر ہو۔ اور مسلمانوں کا غلبہ اپنے وقت میں حضورؐ کی بدولت موعود و مشہود رہے۔ اور ممکن ہے کہ حکمت الٰہی یہی ہو کہ آپ حق تعالےٰ کی جانب سے محاربہ قتال کے لئے مامور نہ ہوئے ہوں اور معاملہ مشورہ، رائے اور اجتہاد تک ہی موقوف رہے۔ (واللہ علیم وحکیم)

اس سفر کے لئے مدینہ طیبہ سے نکلنے، مقام تبوک میں پہنچنے اور وہاں اقامت فرمانے پھر وہاں سے لوٹتے وقت مدینہ طیبہ واپس آنے تک جو معجزات و علامات نبوت اور قضایا و وقائع ظہور پذیر ہوئے وہ بھی اس سفر کے موائد و نتائج اور مفید فیض فضل و کمال ہے۔ جیسا کہ کتب سیر میں مذکور و مسطور رہے۔ فقراء صحابہ میں سے ایک کی حکایت بیان کی جاتی ہے آپ کے احباب میں سے ایک شخص عبداللہ رضی اللہ عنہ ذوالبجادین نامی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ تبوک میں انہوں نے وفات پائی۔ ان کا تذکرہ نہایت ذوق افزا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، مزنیہ قبیلہ کے باشندوں میں سے تھے

اور وہ اپنے والد سے یتیم ہو گئے تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ اور ان کے چچا ان کی کفالت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہوئے اور ان کے پاس کئی اونٹ و بکریاں اور غلام پیدا ہوئے۔ ان کے دل میں اسلام کی محبت مرکوز تھی اور ہمیشہ چاہتے تھے اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہو جائیں۔ لیکن اپنے چچا کے خوف سے ایمان نہ لا سکتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے واپس آ گئے اس وقت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چچا سے کہا اے چچا! میں ساری عمر تیرے اسلام لانے کا منتظر رہا مگر تیری طرف سے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا شوق اور جذبہ نہیں پایا۔ اب میں مزید اپنی عمر کا بھروسہ نہیں رکھتا مجھے اجازت دے کہ میں جا کر مسلمان ہو جاؤں؟ اس کے چچا نے کہا خدا کی قسم! اگر تو ایمان لے آیا اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی تو جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا ہے سب چھین لوں گا۔ حتیٰ کہ تمہارے جسم پر جو کپڑے ہیں انہیں بھی اتار لوں گا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "خدا کی قسم میں مسلمان ہوتا ہوں اور شرک و بت پرستی کو چھوڑتا ہوں اور میرے ہاتھ میں جو مال و اسباب ہے تو سب لیلے میں اس سے دست کش ہوتا ہوں آخری وقت میں تو ہر چیزیں بھی چھوڑنی ہوگی میں اس کی خاطر دین حق سے باز نہیں آسکتا۔" یہ کہہ کر سب کچھ چھوڑ دیا اور کپڑے اتار کے اپنی والدہ کے پاس گئے ان کی ماں نے جب یہ حال دیکھا تو کیفیت پوچھی انہوں نے فرمایا "میں بت پرستی اور دنیا طلبی سے بیزار ہوں میری تمنا ہے کہ میں حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مومن و موحد ہو جاؤں۔ مجھے کچھ کپڑا دو جس سے میں اپنا ستر چھپاؤں۔ ماں نے انہیں چادر دی انہوں نے اس کے دو حصے کئے ایک حصہ کا تہ بند اور دوسرے کی چادر بنائی۔ اس سبب سے ان کا لقب "ذوالبجادین رضی اللہ عنہ" ہوا۔ بجاد کے معنے گلیم درشت (موٹی چادر) کے ہیں۔ اس کے بعد وہ بارگاہ بیکس پناہ کی طرف چل دیئے۔

سحر کے وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ پہنچے اور مسجد نبوی شریف میں ٹھیرے جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے باہر تشریف لائے اور حضورؐ کی نظر مبارک ان پر پڑی تو فرمایا تم کون ہو؟ "انہوں نے کہا "میں فقیر و مسافر آپ کا عاشقِ جمال ہوں میرا نام عبدالعزیٰ ہے۔" حضور اکرمؐ نے فرمایا "تمہارا نام عبداللہ اور تمہارا لقب ذوالبجادین رضی اللہ عنہ ہے ہمارے کاشانۂ اقدس کے قریب ہمارے پاس رہو۔" اس کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ کے درمیان جہاں حضور اکرمؐ کے مہمان رہا کرتے تھے رہنے لگے۔ اور

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم یاد کیا کرتے تھے اس زمانہ میں صحابہ لشکر تبوک کی تیاری میں مشغول تھے اور وہ مسجد شریف میں ذوق وشوق کے ساتھ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ یہ اعرابی بلند آواز سے قرآن کریم پڑھتے ہیں ان کی بلند آوازی لوگوں کی نماز و قراءت میں مزاحم ہوتی ہے"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے عمرؓ! ان کو اپنے حال میں چھوڑ دو۔ اس لئے کہ وہ نکالا ہوا اور خدا اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے والا ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب حال سے جو کچھ صادر ہو وہ ادب اور اولیٰ کے خلاف نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ غایت ادب میں بعض صحابہ معذور ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت ہمیشہ باقی ہے اور اس قول کے رد میں ہے کہ "لَا ہِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ" اور ہجرت مکہ سے مدینہ کے ساتھ مخصوص ہے، حقیقتاً ہر وہ شخص مہاجر ہے جو اس چیز سے ہجرت کرے جس کی مخالفت حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اس کے بعد جب لشکر اسلام روانہ ہونے لگا تو وہ حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ! دعا فرمایئے کہ میں راہ خدا میں شہید ہو جاؤں، حضورؐ نے فرمایا "کسی درخت کی چھال لاؤ" حضرت عبداللہؓ کیکر کے درخت کی چھال لائے، حضورؐ نے اسے ان کے بازو پر باندھ کر فرمایا "اے خدا میں اس کے خون کو کافروں پر حرام قرار دیتا ہوں"۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! میرا مقصود تو شہادت ہے"۔ فرمایا "جب تم راہ خدا میں جہاد کی نیت سے نکل آئے اور تمہیں بخار آجائے اور اس بخار سے تم دنیا سے چلے جاؤ تو تم شہید ہو گے۔ اس کے بعد حضرت عبداللہؓ حضورؐ کی خدمت کرتے ہوئے تبوک تک پہنچ گئے۔ اس مقام میں انہیں بخار آیا اور وفات پائی۔ حضرت بلالؓ بن حارث مزنی فرماتے ہیں کہ رات کا وقت تھا جبکہ انہیں دفن کے لئے لے گئے۔ میں نے دیکھا حضرت بلالؓ موذن، ایک چراغ ہاتھ میں لئے ہیں اور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے اندر تشریف فرما ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما ان کو قبر میں اتار رہے ہیں اور حضورؐ فرما رہے ہیں اپنے بھائی کو عزت کے ساتھ لاؤ۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کی لحد میں خشت خام چنیں، پھر دعا مانگی اے خدا یہ میری خدمت میں دن رات رہا ہے، میں اس سے راضی ہوں اور تو بھی اس سے راضی ہو جا"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کاش کہ میں اس صاحب لحد کی جگہ ہوتا۔

سلسلۂ واقعات میں سے ایک واقعہ، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اکیدر حاکم دومتہ الجندل کی جانب بھیجنا ہے۔

اربابِ سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ؐ نے تبوک سے حضرت خالد بن ولید رضؓ کو چار سو سواروں پر امیر بنا کے اکیدر بن عبدالملک نصرانی کی سرکوبی کے لئے بھیجا جو بڑا ملک تھا اور دومتہ کا حاکم تھا۔ حضرت خالد ؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ ؐ! مجھے بنی کلاب کے ملک میں بھیج رہے ہیں اور تھوڑی سی جماعت میرے ساتھ کر رہے ہیں" حضور اکرم ؐ نے اپنے زبانِ معجز بیان سے ارشاد فرمایا وہ وقت قریب ہے کہ تم اسے پہاڑوں اور جنگلوں میں شکار کھیلتا پاؤ گے اور جنگ کی زحمت اٹھائے بغیر وہ تمہارے قابو آجائے گا۔ پھر حضرت خالد ؓ بموجب فرمانِ عالی شان روانہ ہوئے یہاں تک کہ دومتہ الجندل کے قلعہ کے قریب پہنچ گئے اکیدر قلعہ میں تھا چاندنی رات انتہائی روشن تھی اور اکیدر بام خانہ پر اپنی بیوی کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول تھا اچانک ایک پہاڑی گائے آئی اور قلعۂ دیوار سے سر مارنے لگی اس کی بیوی نے اوپر سے دیکھا اور شوہر سے کہا کبھی اتنی روشن رات دیکھی ہے اور کبھی ایسا شکار ہاتھ میں آیا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اکیدر چونکہ پہاڑی گائے کے شکار کا شوقین تھا، بام سے اترا اور گھوڑے پر سوار ہوا اس کا بھائی حسان بھی دیگر چند خادموں کے ساتھ سوار ہوا اور یہ سب شکار کی تلاش میں نکل آئے۔ حضرت خالد ؓ ان کو دیکھ رہے تھے۔ گائے نے تو راہِ فرار اختیار کی اور اکیدر اس کے تعاقب میں چلا اور خود حضرت خالد ؓ کا شکار بن گیا۔ حضرت خالد ؓ کے ساتھیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کی ٹھانی بالآخر مارا گیا اور اس کے غلام و خدام بھاگ کر قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اور اکیدر پنجۂ تقدیر میں اسیر ہو گیا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد ؓ سے فرما دیا تھا کہ جب اکیدر تمہارے ہاتھ آجائے تو اسے زندہ میرے پاس لے آنا اگر وہ سرکشی کرے اور نہ آئے تو قتل کر دینا۔ چنانچہ حضرت خالد ؓ نے اکیدر سے فرمایا اگر تو چاہے تو تجھے جان کی امان دے کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلوں بشرطیکہ قلعہ کی کنجیاں میرے حوالے کر دے اور قلعہ کو ہمارے لئے کھول دے۔ اکیدر نے مان لیا۔ اکیدر کا ایک اور بھائی تھا جس کا نام مصاد تھا۔ جو قلعہ کی حفاظت پر مقرر تھا اس نے پہلے تو قلعہ کو کھولنے میں رکاوٹ کی بالآخر خواہی نخواہی

دروازہ کھولدیا۔ اور حضرت خالدؓ نے اکیدر کے ساتھ دو ہزار اونٹ اور چھ سو بردے ایک روایت میں ہے آٹھ سو گھوڑے اور چار سو زرہ اور چار ہزار نیزوں کے دینے پر صلح کی۔ اور تسلیم کیا کہ قلعہ کی حکومت حسب سابق تیرے حوالہ رہے گی۔ اکیدر اور اس کا بھائی مصاد دونوں خالدؓ کے ہمراہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے۔ تاکہ حضورؐ کی رائے عالی کا اقتضاء جو بھی ان کے بارے میں ہو نافذ ہو۔ اور حضرت خالدؓ نے عمروؓ بن امیہ ضمری کو حضورؐ کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ وہ حضورؐ کی بارگاہ میں دومتہ الجندل کی فتح اور اکیدر کے پکڑے جانے اور اس کے بھائی حسان کے مارے جانے کی خبر پہنچائے اور زربفت کی چادر کو جو حسان کے سلب میں تھی۔ نشان کے طور پر ان کے ہمراہ بھیجی جب عمروؓ بن امیہ ضمری حضورؐ کی بارگاہ میں آئے تو بعض لوگ اس زربفت کی چادر کو ہاتھوں سے مل کر اس کی خوبی و نرمی پر تعجب کرنے لگے حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ کا وہ رومال جو جنت میں ان کے پاس ہے اس سے زیادہ نرم و بہتر ہے۔ غزوۂ خندق کے ضمن میں حضرت سعدؓ بن معاذ کی وفات کے ایام میں پہلے گزر چکا ہے کہ عجم کے بادشاہوں میں سے کسی نے ایک ریشمی جامہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں بھیجا تھا اہل عرب آتے اسے چھوتے اور تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جامہ حضور اکرمؐ کے لئے آسمان سے اترا ہے۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں حضرت سعدؓ کا رومال اس سے زیادہ نرم و بہتر ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اکیدر اور مصاد کے خون سے درگزر فرمایا اور ان پر جزیہ قایم کردیا اور ان کے لئے امان نامہ تحریر فرمادیا بعض اہل سیر کہتے ہیں کہ جب وہ مدینہ آئے تو اسلام لے آئے۔ بہرصورت جو امان نامہ ان کو......... حضور اکرمؐ نے تحریر کرایا اس مضمون کا متن تھا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ هٰذَا کِتَابٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ لِاُکَیْدَرَ اَجَابَ اِلَی الْاِسْلَامِ وَضَعَ الْاَنْدَادَ وَالْاَصْنَامَ ـــــــ اس نامہ کے آخر میں تحریر تھا کہ:۔ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ لِوَقْتِهَا وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ بِحَسَبِهَا۔ یہ امان نامہ اس قول کی تائید کرتا ہے (اللہ اعلم)

## مسجد ضرار

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں مدینہ طیبہ تک مسجدیں تعمیر ہوئیں جس طرح کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان اور ان کے سوا ان مقامات میں جہاں جہاں حضور اکرمؐ نے اقامت فرمائی تھی یا نماز پڑھی تھی لوگوں نے مسجدیں تعمیر کی تھیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرمؐ نے موضع ذی آوان میں نزول فرمایا اور یہ جگہ مدینہ منورہ سے ایک گھڑی کے فاصلہ پر واقع ہے وہاں حضور اکرمؐ کو مسجد ضرار کی تعمیر کی خبر پہنچی جو منافقوں نے مسجد قبا شریف کے روبرو بنائی تھی حضور اکرمؐ نے اسے گرانے اور برباد کرنے کا حکم فرمایا اس مسجد کی تعمیر اور اس کی بربادی کا پورا قصہ یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اس جگہ قبیلہ بنی خزرج کے اکابر میں سے ابو عامر راہب تھا جو دین نصرانیت اختیار کئے ہوئے تھا اور توریت و انجیل کے علم میں مہارت پیدا کرلی تھی اور بہت زیادہ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتا تھا اس کے دماغ میں سرداری کا جنون سمایا ہوا تھا وہ ابتدا میں ہمیشہ اہل مدینہ پر نبی آخر الزماں کے اوصاف و شمائل بیان کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ ان کے اوصاف جن و ملک سے میں نے سنے ہیں۔ جیسا کہ مختصر تذکرہ کتب سابقہ اور امم ماضیہ میں پائے جانے والے حضور اکرمؐ کے اوصاف کے باب میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے اور اس شہر پاک کے مسلمان حضورؐ کے جمال باکمال کے شیفتہ و شیدا ہوئے اور لوگوں نے دین اسلام کو اختیار کیا تو اس شقی ...... باطن کے کانوں سے آتش حسد کا شعلہ بھڑکا اور دنیا کی محبت، سرداری کی چاہت اور شیطان کے اغواء نے اس کی راہ ماری۔ اور وہ لوگوں کو حضور اکرمؐ کی متابعت سے روکنے لگا۔ لوگوں نے اس سے کہا کیا تو وہ نہیں ہے جو حضور اکرمؐ کی نعت وصفت ہمارے سامنے بیان کیا کرتا تھا اب کیا ہوا کہ لوگوں کو ان کی متابعت سے روکتا ہے۔ اس نے کہا یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کی میں صفت بیان کیا کرتا تھا یہ اور کوئی ہیں جو ان کی مشابہت رکھتے ہیں جن کے بارے میں کہتا تھا وہ آیندہ ظاہر ہوں گے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے بلایا اور دعوت اسلام دی اس نے قبول نہ کیا اور سرکشی و عناد کی راہ اختیار کی۔ جب غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو عزت و شوکت حاصل ہوئی تو وہ مدینہ سے بھاگ کر مکہ مکرمہ چلا گیا اور کفار قریش کو حضور اکرمؐ سے عناد و جنگ کرنے پر اکسانے لگا۔ غزوۂ احد

ہیں کفار کی جانب سے سب سے پہلے جس نے لشکر اسلام پر تیر پھینکا وہ یہی تھا۔ اس پر مسلمانوں نے اس کا لقب فاسق رکھا اور حضور اکرمؐ نے اس کے لئے دعائے بد کی اور فرمایا اے خدا اسے یکہ و تنہا بے یار و مددگار ہلاک کر" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غزوۂ احد کے بعد وہ بھاگ کر روم چلا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ یہ حنین میں موجود تھا۔ اور وہاں سے فرار ہو کر ہرقل کے پاس چلا گیا اور اس کا ملازم و مقرب بن گیا۔ اور وہ چاہتا تھا کہ ہرقل سے لشکر لے کر حضور اکرمؐ کے ساتھ جنگ کرنے نکلے مگر ایسی کوئی صورت نہ بن پڑی۔ پھر اس نے وہاں سے مدینہ کے منافقوں کے نام ایک خط لکھا کہ تم مسجد قبا شریف کے مقابل اپنے محلہ میں میرے لئے مسجد بناؤ تاکہ جب میں مدینہ آؤں تو وہاں بیٹھوں اور افادہ علوم میں مشغول ہو جاؤں اور وہ مسجد میرے اور تمہارے درمیان کمین گاہ کی حیثیت رکھے گی تاکہ وقت کے مطابق اس جگہ سوچ بچار اور صلاح و مشورہ کر سکیں۔ ان منافقوں نے یہ مسجد تعمیر کر دی اور غزوۂ تبوک سے حضور اکرمؐ کی واپسی تک یہ مکمل ہو چکی تھی۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہو کر تشریف لا رہے تھے تو منافقوں نے آکر چرب زبانی اور نفاق کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور کہنے لگے یا رسول اللہؐ ہم نے بیماروں اور کمزوروں کو سرما، بارش سے بچانے کے لئے ایک جگہ بنائی ہے ہم آرزومند ہیں کہ حضورؐ وہاں قدم رنجہ ہو کر اپنی نماز سے اس مسجد کو مشرف بنائیں۔ اور ہم پر احسان فرمائیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان منافقوں کے جواب میں فرمایا "اس وقت تو ہم جہاد میں مشغول ہیں اگر میں آیا اور خدا نے چاہا تو نماز پڑھوں گا۔ پھر جب واپسی میں حضورؐ موضع ذی آوان میں تشریف لائے تو وہ لوگ پھر آئے اور حضورؐ کو ان کا وعدہ یاد دلا دیا۔ اس وقت جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے۔ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ——— (تا قول باری تعالیٰ) وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ ○ اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مالکؓ بن دخشم اور معنؓ بن عدی اور کچھ اور لوگوں کو بلایا اور فرمایا اس مکان کو جسے ان ظالموں نے بنایا ہے اکھاڑ کے پھینک دو۔ وہ چلے گئے اور جو فرمان تھا بجا لائے۔ ان بارہؐ منافقوں کے نام جو اس کے بنانے میں شریک تھے سیر کی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور وہ جگہ رفتہ رفتہ کوڑا گھر بن گئی۔ یہاں تک کہ ہر قسم کی پلیدی و نجاست اس جگہ ڈالی جانے لگی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس جگہ کو اکھاڑ پھینکنے کے بعد مدتوں

اس جگہ سے دھواں نکلتا رہا۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور ارادہ فرمایا کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوں تو اہل مدینہ حضورؐ کے استقبال اور پیشوائی کے لئے شہر سے باہر آگئے اور ان کی عورتوں اور بچوں اور لڑکیوں نے گانا شروع کیا ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا　　مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا　　مَادَعَا لِلّٰہِ دَاع

بعض کہتے ہیں کہ یہ اشعار اس وقت کہے گئے جبکہ حضور اکرمؐ مدینہ طیبہ ہجرت کرکے تشریف لائے تھے۔ صاحب مواہب لدنیہ نے فرمایا کہ یہ قول وہم وخطا ہے۔ اس لئے کہ مقام "ثنیات الوداع" شام کے رخ پر واقع ہے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے والا اس مقام کو نہیں دیکھ سکتا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ میں ایک قوم ایسی ہے جو کسی وادی کی سیر نہیں کرتی۔ مگر یہ کہ وہ تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ اور یہ بات اس حکم کے مطابق ہے کہ "نِیَّۃُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِہٖ" مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے اور یہ تمہارے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے۔ اور ایک اور فرقہ ہے جو تم میں سے ہوتے ہوئے بھی تم سے جدا ہے۔ جب حضورؐ نے مدینہ کے بالائی حصہ پر صعود فرمایا تو فرمایا "ھٰذِہٖ طَابَۃٌ وَھٰذَا اُحُدٌ یُّحِبُّنَا وَنُحِبُّہٗ" یہ شہر پاکیزہ ہے اور یہ احد پہاڑ ہے جو ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہم اسے محبوب رکھتے ہیں اور جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے قصیدۂ غرا ر ہیں جو نہایت فصیح و بلیغ ہے حضورؐ کی مدح کی۔ اور وہ قصیدہ مواہب میں مذکور ہے اس کے چند اشعار حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کے ضمن میں پہلے لکھے جاچکے ہیں۔

## تخلف کرنے والوں کا حال

وصل :۔ واضح رہنا چاہیئے کہ متخلفین یعنی غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے منافقین میں سے بہت ہیں جن میں معذور بعذر صحیح بھی ہیں اور بعذر غیر صحیح بھی ہیں لیکن وہ لوگ جو بغیر عذر اور بلاشک وارتیاب کے اس غزوے سے پیچھے رہ گئے وہ صحابہ میں سے پانچ افراد ہیں۔ ابوذر غفاریؓ، ابوخیثمہؓ سالمی، کعبؓ بن مالک، مرارہؓ بن الربیع اور ہلالؓ بن امیہ۔

ان پانچوں کی صورت یہ ہے کہ

۱۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ حضور اکرمؐ کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چلے لیکن ان کا اونٹ راستہ میں تھک کے رہ گیا۔ وہ اپنا ضروری سامان اپنے کندھے پر اٹھا کر منزلِ تبوک پہنچے۔ جب حضرت ابو ذرؓ کو دور سے لوگوں نے آتے دیکھا تو عرض کرنے لگے۔" یا رسول اللہؐ! کوئی دور سے پیادہ اور تنہا آرہا ہے؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "ابو ذرؓ ہیں جب وہ حضور اکرمؐ کے قریب آئے تو حضور اکرمؐ اٹھے اور مرحبا کہہ کر فرمایا: رَحِمَ اللّٰہُ اَبَا ذَرٍّ تَمْشِیْ وَحْدَہٗ وَتَمُوْتُ وَحْدَہٗ وَتُبْعَثُ وَحْدَہٗ۔ اللہ تعالیٰ ابو ذرؓ پر رحمت فرمائے تنہا چل کر آیا اور تنہا کوچ کرے گا اور تنہا اٹھایا جائیگا حضور اکرمؐ نے اُن سے پوچھا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے اونٹ کا تمام ماجرا عرض کیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا" تم میرے اہل ہیں بہت عزیز ہو، جتنے قدم تم نے ہماری طرف اٹھائے ہیں اللہ تعالےٰ ہر قدم کے بدلے ایک گناہ معاف فرمائے۔

۲۔ ابو خثیمہ، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کئی دن بعد غزوے کی طرف روانہ ہوئے تھے واقعہ یہ ہے کہ ایک دن وہ اپنے گھر آئے وہ دن سخت گرمی کا تھا ان کی دو بیویاں تھیں ہر ایک عریشہ پر پانی کا چھڑکاؤ کرکے صراحیوں میں ٹھنڈا پانی مہیا کرکے اور عمدہ قسم کے کھانے پکا کر لگائے ہوئے بیٹھی تھیں۔ ابو خثیمہؓ نے عریشہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر اپنی بیویوں کو اور ان کے اس اہتمام کو دیکھا اور کہنے لگے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو بیابان میں سخت آفتاب کی گرمی اور گرم و تیز ہواؤں میں ہوں اور ابو خثیمہؓ ٹھنڈے سایہ میں سرد پانی اور عمدہ کھانے اور اپنی بیویوں میں عیش و لطف اٹھائے یہ بات محبت اور انصاف سے بہت بعید ہے۔ خدا کی قسم میں اس عریشہ میں نہیں داخل ہوں گا جب تک کہ میں خدا کے نبی سے نہ ملوں۔ اس کے بعد تھوڑا سا زادِ راہ لیا اور اپنے اونٹ کو کھینچتے ہوئے باہر نکل آئے۔ ہر چند ان کی عورتوں نے ان سے بات کی مگر انہوں نے کوئی بات نہ کی اور حضورؐ کے عقب میں روانہ ہو گئے اور منزلِ تبوک میں حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں مل گئے اور ساری کیفیت حضور اکرمؐ سے عرض کی حضور اکرمؐ نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی لیکن بقیہ تین صحابی جو کعبؓ بن مالک، مرارہؓ بن الربیع اور ہلالؓ بن امیہ مشہور ہیں اور

ان میں عمدہ کعبؓ بن مالک کا قصہ اور ان کی توبہ ہے کیونکہ آیۃ کریمہ :۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ ——— انہیں تینوں اصحاب کو شامل ہے اور یہی تینوں محل عتاب و خطاب اور عفو و درگزر کے مستحق بنے ہیں۔

۳۔ لیکن کعبؓ بن مالک کا واقعہ ہی کچھ عجیب ہے ان کے ضمن مین اُن دو صحابہ کا بھی ذکر آجاتا ہے۔ کعبؓ بن مالک انصاری خزرجی بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ اور عقبہ ثانیہ کے وقت ان ستر افراد میں سے ایک تھے اور ایک قول یہ ہے کہ ترپن ۵۳ افراد میں سے ایک تھے جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ ان کی توبہ کا قصہ طویل ہے اس کے باوجود میں نقل کرتا ہوں جو انہیں سے مروی ہے حضرت کعب فرماتے ہیں غزوۂ تبوک سے میرا رہ جانا ابتلائے محض تھا اس میں میرا ظاہری قصد و اختیار نہ تھا۔ اور کوئی ایسا عذر بھی نہ تھا جس کی بنا پر میرا رہ جانا مناسب ہوتا۔ تمام سامان تیار تھا اور میری عمدہ سواری بھی تیار تھی کبھی کسی غزوے میں میرے پاس دو اونٹ نہ تھے۔ تبوک کے سفر کے لئے میں نے دو اونٹ خریدے تھے لیکن ہوا انتہائی گرم تھی مدینہ طیبہ کی کھجوریں پکی ہوئی تھیں اور طویل سفر درپیش تھا اور طبعی طور پر لوگوں کے دل نہ چاہتے تھے کہ آفتاب کے سایہ سے جائیں۔ اور میں اس بات کے موجود ہونے سے کہ اسباب و سواری تو مہیا ہے کوئی فکر نہ رکھتا تھا اور دل میں عزم تھا کہ جس دن کوچ ہوگا میں بھی نکل کے چلدوں گا جب روانگی ہوئی تو میں نے اپنے دل میں کہا آج تو مجھے کچھ کام ہے کل کو روانہ ہو جاؤنگا اسی طرح دو تین دن تعویق و تاخیر میں گزر گئے۔ یہاں تک کہ لشکرِ اسلام دور چلا گیا اور وقت ضائع ہو گیا۔ جب معاملہ ہاتھ سے نکل گیا تو مجھے عظیم وحشت و غمگینی لاحق ہوئی یہاں تک کہ میں گھر سے نکلتا تو بیاس و غم اور زیادہ ہوتا۔ اور اس سے دل اور پریشان ہوتا کہ مدینہ میں سوائے اُن منافقین کے جنہوں نے جھوٹی عذر داری کی اور اُن کمزوروں اور ضعیفوں کے جن کا عذر بجا تھا کوئی نہ رہا تھا میں شرمساری اور حسرت و اندوہ کی آگ میں جلتا تھا کہ کیوں میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس غزوے میں نہ گیا اور حضور اکرمؐ نے مجھے کہیں

یاد نہ فرمایا۔ بجز اس غزوۂ تبوک کے کہ حضور اکرمؐ نے میرے بارے میں حضرت عبداللہؓ بن انیس جو انصاری مدنی اور عقبی تھے اور بعض کہتے ہیں کہ انصاریوں کے حلیف تھے ان سے پوچھا۔ انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہ! کعبؓ کو ان کے اپنے دو کپڑوں نے باز رکھا جو ان کی نظر میں بہت اچھے تھے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، نے کہا ُبری بات ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ یارسول اللہﷺ! ہم بجز نیکی کے ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی خبر مجھے ملی تو میں اور زیادہ غمگین ہوا یہاں تک کہ حضور اکرمؐ واپس تشریف لے آئے۔ میں حیران و پریشان تھا کہ کل کو میں کیا عذر بیان کروں گا اور کس طرح خدا اور اس کے رسول کے غصہ سے نجات پاؤں گا۔ عزیز و اقربا طرح طرح کے بہانے بتاتے کہ ایسا کرو ویسا کرو، حتیٰ کہ وہ دن بھی آگیا کہ حضور اکرمؐ مدینہ طیبہ رونق افروز ہو گئے۔ تمام باطل اندیشے اور جھوٹے بہانے میں نے دل سے نکال پھینکے اور میں نے خیال کیا سچ کے سوا کسی میں میری نجات نہ ہوگی۔ اگرچہ منافقین جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور باطل عذر بیان کریں گے اور رسول خداؐ بظاہر ان کے عذر قبول فرمائیں گے اور باطن کو خدا کے سپرد فرمائیں گے۔ اس کے بعد میں حاضر ہوا اور میں نے سلام عرض کیا۔ حضور اکرمؐ نے میری طرف نگاہ اٹھائی اور ایسا خشم آمیز تبسم فرمایا کہ میرے ہوش جاتے رہے، فرمایا "اے کعبؓ! تم کیوں پیچھے رہے کیا تمہیں اسباب سفر مہیا نہ تھا۔" میں نے عرض کیا "یارسول اللہﷺ! بلاشبہ جس قدر سامان کی ضرورت تھی سب کچھ موجود تھا۔ لیکن میرے نفس نے مجھے غافل بنا دیا اور مجھ پر کسلمندی و کاہلی غالب آگئی شیطان نے میری راہ اچک لی۔ اور مجھے محرومی و رسوائی کے گرداب میں ڈال دیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اٹھو اور جاؤ یہاں تک کہ حق سبحانہٗ و تعالیٰ تمہارے بارے میں حکم فرما دے۔ میرے عزیز و اقارب مجھے بُرا بھلا کہتے کہ دوسروں کی مانند کیوں نہ تم نے کوئی عذر بیان کیا اور کوئی جھوٹ کیوں نہ بول دیا۔ میں نے کہا میں وحی کے نازل ہونے سے ڈرتا ہوں۔ کہ کہیں وہ میرے جھوٹ کی گواہی نہ دیدے اگر میرا معاملہ کسی دنیادار سے ہوتا تو میں جو چاہتا کہہ دیتا۔ لیکن یہاں تو سچائی کے سوا کوئی راستہ ہی نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے لوگوں سے پوچھا میرے اس واقعہ کی مانند کسی اور کو بھی ایسا معاملہ درپیش آیا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہلال بن امیہ اور مرارہؓ بن الربیع کی بھی یہی صورت واقعہ ہے

اور وہ دونوں بھی اسی بلا میں گرفتار ہیں۔ اس وقت میرے دل میں ڈھارس بندھی اور میں نے دل میں کہا یہ دونوں مسلمان صالح ہیں اب دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے منع فرما دیا کہ ہمارے ساتھ نشست و برخاست گفت و شنید، میل جول کوئی نہ کرے۔ تمام صحابہ نے ہم سے کنارہ کشی کی اور ہمارا حال دگرگوں ہو گیا۔ اسی نہج پر ہمارے اوپر پچاس دن گزر گئے۔ یہاں تک کہ ہم اپنی جانوں سے بیزار ہو گئے اور جہان مجھ پر تنگ ہو گیا۔ ان پچاس دنوں میں مرارہ بن الربیعؓ اور ہلال بن امیہؓ تو گھر سے باہر نکلے ہی نہیں۔ وہ پیرانہ سالی کا ضعف بھی رکھتے تھے اور میں جوان تھا اور دلیری دکھاتا تھا نماز کے لئے نکلتا تھا اور ترساں و لرزاں حضور اکرمؐ کی مجلس شریف کے ایک گوشہ میں بیٹھ بھی جاتا تھا۔ اور حضور اکرمؐ دزدیدہ نگاہ محبوبانہ میری طرف فرماتے اور میری شکستگی اور پریشاں حالی ملاحظہ فرماتے تھے۔ اور جب میں حضور اکرمؐ کی جانب دیکھتا تو تغافل فرماتے۔ اور اعراض فرماتے۔ اور اگر کسی کام کے لئے باہر نکلتا تو کوئی مسلمان مجھ سے بات نہ کرتا اور نہ مجھے کوئی سلام کرتا نہ جواب دیتا، یہاں تک کہ ایک دن میرا ضبط و تواں جواب دے گیا اور میرا دل بھر آیا، میں مدینہ طیبہ سے باہر نکلا چونکہ ابو قتادہؓ میرے چچا کے صاحبزادے تھے جو مجھے بہت چاہتے تھے ان کا مدینہ کے باہر ایک باغ تھا وہاں کوئی تعمیر کرا رہے تھے۔ میں ان کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا انہوں نے جواب نہ دیا۔ اور مجھ سے منہ پھیر لیا۔ میں نے کہا "اے ابو قتادہؓ! تم جانتے ہو کہ میں خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہوں اور نفاق و شرک میرے دل میں نہیں ہے۔ کس لئے تم مجھ سے بات نہیں کرتے اور مجھے جواب نہیں دیتے۔ یہاں تک کہ میں نے یہ بات تین مرتبہ کہی آخر میں صرف اتنا کہا:۔ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ اس کے بعد مجھے اپنے حال پر رونا آگیا اور بہت زیادہ رویا۔ اور مدینہ طیبہ چلا آیا۔ اچانک ایک نصرانی کو میں نے دیکھا جو شام کی جانب سے آرہا تھا اور میرے بارے میں لوگوں سے پوچھتا پھر رہا تھا۔ جب لوگوں نے مجھے دیکھا تو اس سے کہا وہ ہے جس کی تم تلاش کر رہے تھے۔ یہ ایک قاصد تھا جو شاہ غسان کی طرف سے میرے نام ایک خط لایا تھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ "اے کعبؓ! واضح ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے آقا یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دل تم سے گراں ہے اور تم کو اپنے پاس سے نکال دیا ہے اور ان کے صحابہ تمہارے ساتھ ظلم و جفا کرتے ہیں تم ایسے شخص نہیں ہو کہ

ایسی جگہ رہو جہاں تم پر ظلم وجفا ہو اور تمہیں مہجور مطرود کر دیا جائے۔ جب تم اس خط کے مضمون سے باخبر ہو تو بلا توقف فوراً آجاؤ تاکہ تم ہماری نوازشوں اور مہربانیوں کو دیکھو جب میں نے اس خط کو پڑھا تو اپنے دل میں کہا۔ یہ بھی اُن بلاؤں میں سے ایک بلا ہے جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ اور اس سے زیادہ بُری اور کیا بلا ہوگی کہ ایک کافر کی طمع مجھ پر اور میرے دین پر پڑے۔ اور مجھے کفر کی طرف بلائے۔ میرا غم اور بڑھ گیا اور اس خط کو میں نے آگ میں ڈال کر جلا دیا۔ اور قاصد کو اپنے سامنے سے نکال دیا۔ اور کہا کہ جاؤ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا میرے اپنے آقا کی مجھ پر بے عنایتی اور بے التفاتی، تیری عنایت و التفات سے لاکھ درجے بہتر وخوشتر ہے۔ اور آپ کی مہجوری، اوران کی نزدیکی سے بہتر ہے۔ ؎

گر وصال تو نباشد بفراق تو خوشم ہم فراق تو مرا بہ کہ وصال دگراں

اس کے بعد میں گھر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیجا ہے کہ میں اپنی بیوی سے جدا رہوں۔ میں نے پوچھا کیا یہ حکم ہے کہ میں طلاق دیدوں؟ اس نے کہا نہیں! بلکہ حکم یہ ہے کہ اس سے صحبت نہ کرو۔ اس پر میں نے بیوی کو اس کے باپ کے گھر بھیجدیا۔ اور وہ دو شخص یعنی ہلال رضؓ بن امیہ اور مرارہ رضؓ بن الربیع کو بھی یہی حکم فرمایا کہ وہ عورتوں سے دور رہیں۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ان عورتوں نے ان سے کہا کہ وہ ہم سے دور رہیں۔ اور ہم سے خدمت نہ لیں اور نہ ہم سے معاشرت قایم رکھیں۔ مروی ہے کہ ہلال رضؓ بن امیہ کی بیوی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئی اور عرض کیا "یارسول اللہ صلعم! میرا شوہر ضعیف وبوڑھا ہے اور اس کا کوئی خدمت گار نہیں ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی خدمت کروں حضور اکرم صلعم نے فرمایا" ہاں خدمت بجالاؤ لیکن لازم ہے کہ مباشرت، اور مجامعت واقع نہ ہو۔ اس عورت نے عرض کیا "یارسول اللہ صلعم! خدا کی قسم وہ تو انتہائی حزن وملال میں بے حس وحرکت ہیں اور مسلسل گریہ وزاری میں مشغول ہیں مجامعت کا محل کہاں ہے۔ حضرت کعب رضؓ فرماتے ہیں کہ میرے گھر کے کسی آدمی نے مجھ سے کہا "کیا خیال ہے اگر تم بھی اجازت مانگ لو کہ تمہاری بیوی تمہاری خدمت گزاری کرے؟ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہ کروں گا اس لئے کہ میں نہیں جانتا کہ مجھے اجازت ملے یا نہ ملے۔ اور یہ کہ میں جوان ہوں

مجھے کسی دوسرے کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب پچاس دن گزر گئے تو ایک رات میں انتہائی دلتنگی و شکستگی کی حالت میں چھت کے اوپر پڑا ہوا تھا کہ اس حالت میں اچانک میں نے آواز سنی۔ میں نے غور سے دیکھا تو کوئی شخص ٹیلہ پر کھڑا آواز دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے "اے کعبؓ بن مالک تمہیں خوشی و مبارک ہو تمہاری توبہ مقبول ہو گئی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کوہِ سلع پر جو کہ کعبؓ بن مالک کے گھر کے قریب ہے آکر اعلان فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کعب بن مالک کی توبہ قبول کر لی ہے۔ اس کے بعد میرے یار دوست برابر آنے لگے اور یہ بشارت مجھے پہچانے لگے، اور لوگوں میں شور مچ گیا کہ مخلصین کی توبہ مقبول ہو گئی۔ اس کے بعد میں نے سر کو زمین پہ رکھا اور سجدۂ شکر بجا لایا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا حضور اکرمؐ مہاجرین و انصار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے مہاجرین نے مجھے مبارکبادیاں دیں اور انصار خاموش رہے۔ پھر میں نے جب سلام عرض کیا تو رسول خدا کا روئے مبارک میں نے دیکھا جو کہ چودھویں رات کے چاند کی مانند درخشاں و تاباں تھا۔ حضور اکرمؐ کی عادت شریف یہ تھی کہ جب آپ کو کوئی خوشی و مسرت پہنچتی تو آپ کا روئے انور درخشندہ و تابندہ ہو جاتا۔ فرمایا اے کعبؓ تمہیں بشارت ہو اس دن کی جب سے تم ماں کے بطن سے پیدا ہوئے ہو اس دن سے بہتر کوئی دن تم پر نہیں آیا۔ جان لو کہ کوئی دن تم پر اس سے بہتر نہ گزرا ہوگا۔ آؤ کہ تمہاری توبہ بارگاہ رب العزت میں قبول ہو گئی

وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ ؎

شکر ایزد میان من او صلح فتاد　　　حوریاں رقص کناں دست بشکرانہ زدند

میں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! قبول توبہ کے شکرانہ میں اپنا تمام مال خدا کی راہ میں پیش کرتا ہوں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ میں نے عرض کیا اس کا آدھا مال۔ فرمایا نہیں، میں نے عرض کیا تہائی مال، فرمایا تہائی اچھا ہے اور تہائی بہت ہے"۔

حضرت سعید سے منقول ہے کہ میں ہلال بن مرہ کی طرف گیا اور ان کو بشارت دی تو وہ سجدے میں گر کر تضرع و زاری اور گریہ کرنے لگے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا وہ اپنا سر نہ اٹھائیں گے جب تک کہ روح جسم سے پرواز نہ کر جائے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان دنوں میں وہ کھانا پینا بہت کم کرتے تھے اور بسا اوقات کئی کئی

دن صوم وصال کرنے۔ اور گریہ وزاری اور نالہ و سوگواری تو ہمیشہ ہی جاری رہا۔

مشائخ عظام میں سے حضرت ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا توبہ نصوح کی پہچان کیا ہے۔ فرمایا کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود توبہ کرنے والے پر تنگ ہو جائے اور اس کا سانس بھی اس پر تنگ ہو جائے جس طرح کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ کا قصہ ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے ارشاد یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقوں کے ساتھ ہو جاؤ) میں صادقین سے مراد یہی تینوں صحابہ کرام ہیں جنہوں نے پیچھے رہ جانے کے معاملہ میں منافقوں کے برخلاف راست گوئی سے کام لیا۔ اور مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیۂ کریمہ کا نزول قبول توبہ کے بعد ان کے حق میں ہوا۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک کے بعد مسلمانوں نے اپنا اسلحہ بیچنا شروع کر دیا اور وہ کہنے لگے جہاد منقطع ہو گیا جب اس کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سمع مبارک میں پہنچی تو فرمایا:۔ لَا یَزَالُ عِصَابَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ یُجَاھِدُوْنَ عَلَی الْحَقِّ حَتّٰی یَخْرُجَ الدَّجَّالُ۔ میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر جہاد کرنے والی باقی وقایم رہے گی یہاں تک کہ دجال کا خروج ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو۔

تنبیہ۔ غزوۂ تبوک سے تخلف یعنی رہ جانے والوں میں تین صحابہ کے نام تو یہی مشہور ہیں جن کی توبہ قبول کرنے کے بارے میں حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ:۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ۔ تا قول حق سبحانہ وتعالیٰ:۔ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ دو اور صحابی ہیں ایک حضرت ابوذر غفاری جن کا اونٹ راستہ میں تھک کر بیٹھ گیا اور بعد میں پیدل چل کر تبوک پہنچکر ملے۔ دوسرے ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ جو مدینہ میں رہے اور چند دن کے بعد جا کے مل گئے۔

مواہب لدنیہ میں چند اور نام بھی گنائے ہیں۔ ایک حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ بن عبد المنذر ہیں جنہوں نے بنی قریظہ کو اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے انہیں بتایا تھا کہ مسلمان تمہیں ذبح کر دیں گے جب حضور کو اس کی خبر پہنچی تو فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے اس اشارہ سے جو تم نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر کے بتایا غافل ہے اور ان پر عتاب

فرمایا اور جب حضور اکرمؐ تبوک کی جانب تشریف لے جارہے تھے تو ابو لبابہؓ نے تخلف کیا اور متخلفین کی جماعت میں قرار پائے جب انہوں نے حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے سلام کیا تو حضور اکرم نے اپنا رخِ انور اُن سے پھیر لیا اس پر حضرت ابو لبابہؓ ڈرے اور خُود کو ستون سے باندھ لیا اور کہا یہ میری جگہ ہے میں اُس وقت تک جُدا نہ ہوں گا جب تک کہ حق تعالیٰ یا تو مجھے دُنیا سے رُخصت کردے یا میری توبہ قبول فرمائے۔

(الحدیث) اور بیہقی کے نزدیک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس آیۂ کریمہ کے تحت مروی ہے کہ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ وہ دس اشخاص تھے جنہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں تخلف کیا، جب حضور اکرمؐ واپس مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان میں سے سات نے مسجد شریف کے ستونوں سے اپنے آپ کو باندھ دیا، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے آگے سے گزر گئے، جب حضور اکرمؐ مسجد میں داخل ہوئے تو فرمایا یہ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا یہ ابو لبابہؓ اور ان کے وہ ساتھی ہیں جنہوں نے یا رسول اللہؐ! آپ سے تخلف کیا" اور عرض کیا "یا رسول اللہؐ! انہیں معاف فرما کر کھولدیں"۔ فرمایا "خدا کی قسم! نہ میں انہیں کھولوں گا اور نہ انہیں معذور رکھوں گا جب تک کہ حق تعالےٰ نہ انہیں کھلوائے اور انہیں معاف نہ فرمائے۔ انہوں نے مجھ سے اعراض کیا اور غزوے سے تخلف کیا۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ۔ پھر حضور اکرمؐ نے کسی کو بھیجا تاکہ انہیں کھولدیں اور معافی کی بشارت دیدیں۔ یہ کلام مواہب کا اس مقام میں ہے اور پہلے بنی قریظہ کے غزوہ میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مگر مشہور یہ ہے کہ حضرت ابو لبابہؓ کی غلطی اور ان کا مسجد کے ستون سے خود کو باندھنا بنی قریظہ کے غزوہ قضیہ سے متعلق تھا لیکن اس روایت کی ظاہر عبارت اس میں ہے کہ اس وقت تو صرف عتاب تھا اور مسجد کے ستون سے باندھنا غزوۂ تبوک میں واقع ہوا۔ اس عبارت میں اُن دس شخصوں کے نام نہیں گنائے گئے کہ کون کون تھے۔ سیر کی کتابوں میں یہی تین نام اور دو اور نام یعنے حضرت ابو ذرؓ اور حضرت ابو خثیمہؓ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

مہاجرین میں سے ابو امیہؓ برادر ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی متخلفین

کے زمرہ میں ہے جن کو حضور اکرمؐ نے سیدہ ام سلمہؓ کی معذرت خواہی سے معذور رکھا اور ان کی غلطی سے درگزر فرمایا۔ جیسا کہ آخر کتاب میں حضور اکرمؐ کے قاصدوں کے ذکر میں انشاء اللہ مذکور ہوگا۔

اسی سال غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد پے در پے وفود کی آمد و رفت ہوئی اور بحکم آیۂ کریمہ:۔ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ اور آپ دیکھیں گے کہ لوگ دین میں فوج در فوج داخل ہوتے ہیں! اکناف و اطراف سے لوگ آتے اور ربقۂ اسلام میں داخل ہوتے جاتے تھے۔ اس بنا پر اس سال کو "سنۃ الوفود" (وفدوں کا سال) نام رکھا گیا۔ مسجد نبوی شریف میں ایک ستون ہے جسے:۔ اُسْطُوَانَۃُ الْوُفُوْدُ۔ کہتے ہیں یہ الفاظ اس پر لکھے ہوئے ہیں۔ گویا اکثر اوقات وفود سے اسی جگہ ملاقات فرماتے تھے۔ وفد، وفود اور وفادہ کے معنے داخل ہوئے اور وارد ہونے کے ہیں۔ اور وفد ایسے منتخب لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں جو بڑے لوگوں اور بادشاہوں سے ملنے کے لئے بھیجتے ہیں۔ وافد اس کا واحد ہے جیسے رکب سے راکب۔

بعض کہتے ہیں کہ وفود کی ابتداء حضور اکرمؐ کے جعرانہ سے واپسی کے بعد ۸ھ کے آخر سے ہے مگر اکثر کا قول یہی ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ہے اور یہی صواب ہے اس لئے کہ بعض وفود کی ابتداء حضور اکرمؐ کے جعرانہ سے اور کثرت سے آنا جانا ۹ھ میں ہی ہوا۔ محدثین اور اہل سیر کی کثیر جماعت نے ان وفود کو ضبط کیا ہے ان سب کی تعداد جسے انہوں نے بیان کیا ہے ساٹھ سے زیادہ ہے۔ اور ہر کتاب میں ان میں سے بعض وفود کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے ایسے وفود جن میں نادر قصے، عجیب حکایتیں یا مفید کلمے یا حضور اکرمؐ کے معجزات پر مشتمل ہیں ہم بیان کرتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ جو روضۃ الاحباب میں ہیں نقل کرتے ہیں چونکہ اس کتاب کی ترتیب اسی کے نہج پر ہم نے رکھی ہے۔ ان کے بعد وہ جو میں نے مواہب اور دیگر کتابوں میں دیکھا ہے بیان کروں گا و باللہ التوفیق۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ وفود کے آمد پر لباسہائے فاخرہ زیب تن فرماتے اور صحابہ کو بھی آراستہ و پیراستہ رہنے کا حکم فرماتے اور ان وفود کو اچھے گھروں اور مکانوں میں ٹھہراتے ان کی مہمان نوازی فرماتے اور ہر ایک کو ان کے حالات کے مطابق انعام و اکرام سے نوازتے تھے لویں سال میں

جو وفود آئے ان میں سے ایک وفد اسد بن خذیمہ کا تھا اور اس قوم کے دس اشخاص آئے اور مسلمان ہوئے انہوں نے احسان جتلاتے ہوئے کہا کہ چونکہ ہم قحط سالی کے زمانہ میں دور دراز سے بادیہ پیمائی کر کے آئے ہیں اور راتوں کو آسودہ ہو کر کھانا نہیں کھایا۔ اور رغبت و شوق کے ساتھ بغیر اس کے کہ ہم پر لشکر کشی ہوتی آئے اور اسلام لائے۔ اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔۔۔ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ یہ لوگ آپ پر ۔۔۔۔۔۔۔ احسان جتلاتے ہیں کہ اسلام لائے تم فرما دو اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ ہے جس نے تم کو ایمان کی ہدایت دے کر احسان فرمایا اگر تم اسلام لانے میں صادق ہو"۔ ان لوگوں کا حضورؐ سے یہ احسان جتلانا اگر غفلت، نادانی اور ناسمجھی کی بنا پر تھا تو اس کی کوئی وجہ نہیں کیوں کہ اسلام کا فائدہ اور اس کا نفع دنیا اور آخرت میں انہیں کی طرف راجع ہے۔ اور خدا اور اس کا رسولؐ، اس سے نفع پہنچنے سے منزہ و مستغنی ہے۔ اور ان کے افعال سے ان کی ذات مقدس پاک و برتر ہے۔ اور منت و احسان ایسی نعمت کا نام ہے جسے نعمت دینے والا (منعم) اس سے جسے نعمت دی ہے کسی بدلے اور جزا کی طمع نہ رکھے۔ یہ بارگاہِ رسالتؐ جو حقیقۃً مظہر بارگاہ ربوبیت ہے اور اگر ان کا یہ احسان جتلانا اظہار خدمت و نصرت کی بنا پر تھا تو بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کا یہ کہنا، مجرائے خدمت، حصولِ نوازش طلب نزولِ رحمت اور طلبِ عنایت و شفقت کے لئے ہو۔ ایسی طلب کو بھی حسن ادب نہ رکھنے کی بنا پر منت و احسان سے موسوم فرمایا گیا ہے۔ اگر حقیقت حال کو سمجھ جائے تو مستغرق نعمت توفیق ہوتے، اور سر کو اونچا نہ کر سکتے تھے ؎

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن      کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

اس تنبیہ کی جانب حق تعالٰے نے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فرما کر اشارہ کیا کہ یہ بھی اس تقدیر پر ہے کہ تمہارا اسلام، صحت و استقامت پیدا کرے۔ ممکن ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ اگر تم اسلام کی خبر دینے میں سچے ہو تو اسلام کی قبولیت پر احسان جتلانا بلکہ عرض حال پر زبان کھولنا اور حصولِ لطف و کرم کا اظہار کرنا بھی اس کے منافی ہے۔

دوسرا وفد فزارہ کا ہے جو تقریبًا بیس اشخاص پر مشتمل آئے تھے۔ اور اپنا اسلام لانا ظاہر کیا تھا۔ اس وفد میں خارجہؓ بن حصین اور حرؓ بن قیس بن حصین فزاری بھی تھے اور

یہ سب اس عیینہ بن حصین فرازی کے قبیلہ سے ہیں جو مولفۃ القلوب میں سے ہے اور اس کی سختی طبع اور ظلم وجفا کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے اور اس ضمن میں اس کی بہت سی حکایات ہیں خارجہ رضؓ اس کا بھائی اور حربن قیس برادر زادہ تھا اور یہ حربن قیس امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقرب تھا جس کا ذکر پہلے بھی گزر چکا ہے۔

الغرض یہ جماعت حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں آئی۔ اور فقر و فاقہ کا اظہار کیا اور قحط اور تنگی کی شکایت کی۔ اور بارش کا مطالبہ کیا۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور دعا کی یہاں تک کہ کامل ایک ہفتہ تک بارش ہوتی رہی پھر دوسرے ہفتہ آپ نے یہ دعا فرمائی کہ کھیتوں، باغوں اور چشموں پر بارش ہو شہر مدینہ میں نہ ہو۔ اسی وقت ابر چھٹ گیا اور آفتاب نکل آیا۔ اس قصہ کا کچھ اشارہ چھٹے سال کے واقعات میں گزر چکا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ حضور اکرمؐ خطبہ دے رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور کہا یا رسول اللہؐ۔ هَلَكَتِ الْمَوَاشِي وَجَاعَ الْعِيَالُ وَانْقَطَعَتِ السَّبِيلُ وَاحْمَرَّتِ الشَّجَرُ۔ مویشی ہلاک ہو گئے، گھر والے بھوکے مر گئے خشک سالی پھیل گئی اور درخت سوکھ گئے؛ حضور اکرمؐ نے دعا مانگی یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ دوسرے جمعہ اسی شخص نے یا کسی اور شخص نے عرض کیا یا رسول اللہؐ دعا کیجئے بارش رکجائے۔ پھر حضور اکرمؐ نے دعا فرمائی کہ پہاڑوں، وادیوں، چشموں، کھیتوں اور باغوں میں بارش برسے اسی وقت وہ بادل چھٹ گیا اور سورج نمودار ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ قصہ اور ہے اور فزارہ کا قصہ اور (واللہ اعلم)

تیسرا وفد بنی مرہ کا تیرہ ۱۳ افراد پر مشتمل آیا۔ اور وہ مسلمان ہو گئے۔ ان کا سردار حارث رضؓ بن عوف تھا۔ اس نے کہا یا رسول اللہؐ ہم آپ کی قوم اور خاندان لوی بن غالب کی نسل سے ہیں۔ "حضور اکرمؐ نے تبسم فرمایا اور ان کے احوال پر عنایت فرماتے ہوئے ان کے شہروں کی بابت دریافت کیا انہوں نے قحط کی شکایت کی اور بارش کی التجا کی۔ حضور اکرمؐ نے دعا فرمائی:- اَللّٰهُمَّ اسْقِهِمُ الْغَيْثَ اے خدا انہیں بارش سے سیراب فرما؛ حضرت بلال رضؓ کو فرمایا کہ ہر ایک کو دس اوقیہ چاندی اور چار سو درہم انعام میں دیدو۔ اور حارث کو بارہ ۱۲ اوقیہ دو۔ جب وہ اپنی منزلوں میں واپس گئے اور انہوں نے تحقیق کی تو جس روز حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں بارش کی دعا فرمائی تھی اسی روز ان شہروں

میں بارش ہوئی تھی۔

چوتھا وفد بنی البکا کا آیا۔ اور شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ ان میں معونہؓ بن ثور بن عبادہ بن البکا نامی ایک شخص تھا اس کی عمر سو سال کی تھی اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بشرؓ نامی تھا۔ معونہؓ نے عرض کیا کہ حضور اکرمؐ اپنا دستِ مبارک اس پر پھیریں تاکہ یہ میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔ پھر حضور اکرمؐ نے اس کے چہرے پر دست اقدس پھیرا۔ اور اسے چند بکریاں عنایت فرمائیں اور ان کے لئے دعائے برکت فرمائی اس کے بعد جب کبھی بھی بنی بکار کے علاقہ میں قحط و تنگی ہوتی تو اس قوم کو تنگی لاحق نہ ہوتی ان میں ایک اور شخص عمرہ نام کا تھا اور اس کا نام عبدالرحمٰنؓ رکھا اور اسے اس کے شہر کی آراضی میں سے ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔

پانچواں وفد کنانہ کا آیا اور مسلمان ہوا۔ اس وفد کا سردار واثلہؓ بن اسقع لیثی تھا۔ حضور اکرمؐ اس وقت لشکر تبوک کی تیاری میں مشغول تھے۔ پھر واثلہؓ بیعت کر کے اپنے قبیلہ کی طرف لوٹ گیا۔ اور اپنی قوم کو اپنے حال کی خبر دی۔ اس کے باپ نے کہا خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی بات نہ کروں گا اور وہ اس سے بیزار ہو گیا۔ لیکن اس کی بہن مسلمان ہو گئی وہ تیاری کر کے مدینہ طیبہ لوٹ آیا۔ اس وقت حضور اکرمؐ تبوک تشریف لے جا چکے تھے اور لشکر پیچھے جا رہا تھا۔ واثلہؓ نے کہا کوئی ہے کہ مجھے سوار کرے۔ اور غنیمت میں جو میرا حصہ آئے اسے لیلے۔ کعبؓ بن عجرہ نے اسے سوار کر لیا۔ جب یہ حضور اکرمؐ کے پاس تبوک میں حاضر ہوا تو حضور اکرمؐ نے اسے حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ اکیدر سے جنگ کرنے کے لئے بھیجدیا۔ جب وہ مال غنیمت جو حضرت خالدؓ لے کر آئے تھے تقسیم کیا گیا تو اس کے حصہ میں چھ اونٹ یا کچھ زیادہ آئے۔ وہ اپنا حصہ شرط کے بموجب کعبؓ بن عجرہ کے پاس لائے۔ کعبؓ نے قبول نہ کیا اور کہا میں نے تجھے خدا کے لئے سوار کیا تھا میں نہیں چاہتا کہ اسے کسی غرض کے ساتھ آلودہ کروں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس واثلہؓ بن اسقع نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تین سال خدمت کی۔ اور وہ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ پھر وہ بصرے میں جا رہے اس کے بعد شام چلے گئے اور دمشق میں سن پچاسی ۸۵ یا چھیاسی ۸۶ ہجری میں وفات پائی۔ انہوں نے اٹھانوے سال کی عمر پائی اور دمشق میں وفات پانے والے یہ آخری

صحابی تھے ۔ (رضی اللہ عنہ)

چھٹا وفد بنی ہلال بن عامر کا تھا اور ان میں زیادؓ بن عبد اللہ بن مالکؓ اور عبدؓ بن احرم اور قبیصہؓ بن مخارق تھے زیاد اپنی خالہ ام المؤمنین سیدہ میمونہ کے گھر گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ جب حضور اکرمؐ سیّدہ میمونہؓ کے گھر تشریف لے گئے اور زیادؓ کو وہاں دیکھا تو غصہ میں واپس تشریف لے چلے ۔ سیّدہ میمونہؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ میری بہن کا لڑکا ہے ۔ حضور اکرمؐ لوٹ آئے اور تشریف رکھی ۔ بعد ازاں حضور اکرمؐ مسجد نبوی تشریف لے گئے ۔ زیادؓ بھی حضور اکرمؐ کے ساتھ چلا اس وقت زیادؓ کو آپ نے قریب بٹھایا اور بہت دعائیں دیں ۔ اور دست مبارک اس کے سر پر پھیرا ابنو ہلال کہتے ہیں اس کے بعد ہم اس کے چہرے میں برکت و نور کا اثر زیادہ مشاہدہ کرتے رہے ۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ کے عزیزوں سے محبت و شفقت فرمانا حضورؐ کے اوصاف حمیدہ میں سے ہے ۔ نام عبد عوف کا نام عبد اللہؓ رکھا جس طرح کہ وفد بنی البکار میں عبد عمرو کا نام عبد الرحمن رکھا تھا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر خدا کی طرف عبد کی نسبت کرنا اچھا نہیں ہے ۔ (واللہ اعلم) قبیصہؓ بن مخارق نے عرض کیا " یا رسول اللہ! میں نے قرض کا ایک بوجھ اٹھا رکھا ہے ۔ جسے کسی اور کی طرف سے فتنہ و فساد کے دور کرنے اور لوگوں میں اصلاح احوال کی غرض سے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے واقعہ یہ ہے کہ میری قوم کے ایک شخص نے کسی شخص کو قتل کر دیا تھا جس سے اس پر دیت لازم ہو گئی ۔ میں نے فتنہ کی آگ بجھانے کی خاطر قرض لے کر اس کی دیت ادا کر دی ۔ اب میں حضورؐ سے عرض کرتا ہوں کہ اس قرض کی ادائے گی میں میری دستگیری و اعانت فرمائی جائے ۔

فرمایا ہمارے پاس ٹھیرو تاکہ کوئی صدقہ آئے تو اس سے تیرا قرض ادا کروں ۔ اس کے بعد فرمایا کسی سے سوال کرنا اور گدائی کرنا ان تین باتوں کے سوا کسی جگہ حلال نہیں ہے ۔ ایک یہ کہ قرض کا بوجھ اٹھا رکھا ہے اس کے لئے لوگوں سے سوال کرنا حلال ہو گا تاکہ جو مال حاصل ہو اس سے وہ قرض ادا کر سکے ۔ جب قرض ادا ہو جائے تو سوال کرنے سے اپنے آپ کو باز رکھے ۔ دوسرا یہ کہ کسی کو کوئی حادثہ پہنچا اور اس کا مال تباہ ہو گیا تو اس کے لئے لوگوں سے سوال کرنا حلال ہے تاکہ اپنے حال پر آئے ۔ تیسرا یہ کہ جسے فاقہ پہنچا ہے ۔ اور تین عاقل و ہشیار آدمی اس کی قوم کے گواہی دیں کہ فلاں کو فاقہ پہنچا ہے ۔ ثبوت فقر و فاقہ میں یہ مبالغہ

ہے مقصود یہ ہے کہ فقر و فاقہ معلوم و ظاہر ہو۔ لہٰذا اس کا بقدر حاجت سوال کرنا حلال ہے۔ اور فرمایا اے قبیصہ رضی ان تین صورتوں کے سوا میں سوال کرنا حرام ہے۔ اور جو ایسا کھاتا ہے حرام کھاتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔ سوال کرنے اور گدائی کی مذمت کے بارے میں بہ کثرت احادیث مروی ہیں۔ علما فرماتے ہیں کہ اس شخص کا سوال کرنا جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو حرام ہے۔ اگر ایک دن سے کم ہو یا کوئی چیز اس کے پاس ایسی نہ ہو جس سے شرمگاہ کو چھپا سکے اسکیلئے سوال کرنا حلال ہے۔ یا وہ فقیر جسے ایک دن کا کھانا میسر ہو یا وہ کھانے پر قادر ہو اسے سوال کرنا حرام ہے۔ بے ضرورت سوال کرنے کی ممانعت میں تمام علماء متفق ہیں۔ البتہ اختلاف اس میں ہے کہ حرام ہے یا مکروہ۔ تین شرطوں کے ساتھ ہے ایک یہ کہ اپنے نفس کو ذلیل و خوار نہ کرے دوسرے یہ کہ سوال میں گڑگڑائے نہیں۔ تیسرے یہ کہ مسئول عنہ کو اذیت نہ دے۔ اگر ان تین شرطوں میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہو جائے تو باتفاق حرام ہے۔ ابن المبارک (فقیہہ) سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ سائل لوجہ اللہ سوال کرے اور اسے کچھ دیدیا جائے۔ اس لئے کہ دنیا خبیث ہے جب سائل لوجہ اللہ مانگتا ہے تو اس نے اس کی تعظیم کی جس کی تحقیر خدا نے کی ہے لہٰذا زجر و توبیخ کے طور پر کچھ نہ دیا جائے۔ اور اگر کوئی کہے کہ بحق خدا، یا بحق محمد دے تو مسئول عنہ پر دینا واجب نہیں ہے اور جس نے جھوٹی حاجت بیان کر کے کچھ پایا وہ اس کا مالک نہیں بنتا۔ اسی طرح اگر کوئی جھوٹ کہے کہ میں علوی ہوں اور اگر کوئی اسے اصلاح کی غرض سے دیدے اور باطن میں وہ ارتکاب معصیت کرتا ہے اگر دینے والا جانتا ہے تو نہ دے۔ اگر دیدیا۔ تب بھی مالک نہ ہوگا اور اس پر حرام ہے اور اسے مالک پر لوٹانا واجب ہے۔ اسی طرح کسی کو کوئی چیز اس کی بدزبانی یا اس کے شر و فساد سے بچنے کی غرض سے دی تو اس پر حرام ہے۔ اور اگر فقیر ایسا آئے جو سوال کرنے کی غرض سے مسئول عنہ کے ہاتھوں کو بوسہ دے تا کہ وہ اسے کچھ دیدے تو مکروہ ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ مسئول عنہ دست بوسی کے لئے منع و زجر کے قصد سے ہاتھ نہ بڑھائے۔ اور ایسے سائل کو ہرگز نہ دینا چاہیئے جو دروازوں پر ڈھول تاشہ وغیرہ بجاتے آتے ہیں کیونکہ مطرب و گوییے سب کے سب فحش و بدکار ہیں۔ یہ مسائل مطالب المومنین میں بیان کئے گئے ہیں۔ ساتواں وفد عامر بن صعصعہ کا آیا۔ ان میں عامر بن طفیل بن مالک بن جعفر بن کلاب

اور اربد بن ربیعہ (ایک روایت میں ہے) اربد بن قیس اور خالد بن جعفر اور حسان بن اسلم بن مالک تھے۔ یہ چند لوگ رؤسار قوم اور ان کے شیاطین تھے۔ یہ عامر بن طفیل وہی بدبخت و شقی ہے جس نے ستر قاریوں کو شہید کیا تھا اور بڑی بدبختیاں کی تھیں جیسا کہ سالِ چہارم کے واقعات بیر معونہ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ اب اس وفد میں بھی غداری و فریب کاری کے قصد سے آیا تھا اور اس نے اربد سے طے کیا تھا کہ میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو باتوں میں مشغول رکھوں گا اور تو پیچھے سے آکر بے دریغ تیغ کا وار کرنا، اور ان کا خون بہانا تاکہ ہمارے دل ان کی طرف سے چین پا جائیں۔ جب یہ شیاطین حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو عامر نے کہا "اے محمد! (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو میرے لئے کیا ہوگا؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "جو دوسرے مسلمانوں کا حال ہوگا۔" اس نے کہا "مجھے اپنے بعد اپنا خلیفہ بنائیے حضور اکرمؐ نے فرمایا "تجھے اور تیری قوم کو اس کا حق نہیں پہنچتا اس کے مستحق اور حضرات ہیں تو نہیں جانتا۔" اس نے کہا "مجھے اعرابیوں اور صحرا نشینوں پر ولایت دیدیجئے۔ اور آپ دیہات اور شہروں پر حاکم رہیئے۔" حضور اکرمؐ نے فرمایا "میں تجھے ایک جماعت پر سردار مقرر کر دوں گا تاکہ راہِ خدا میں تو جہاد کرے۔ اور دنیا و آخرت کی سعادت تیرے نصیب میں ہو۔" اس نے کہا "میں قوم کا سردار ہوں خدا کی قسم میں جاکر پیادہ و سوار کا لشکر جرار آپ کے مقابل لاتا ہوں۔" ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ پر سوار کا لشکر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر اربد مذکور کے ساتھ نکل آیا۔ اور اربد سے کہا میں نے تو تجھے تاکید کی تھی تو نے عمل کیوں نہ کیا۔ اربد نے کہا "خدا کی قسم جب بھی میں نے ارادہ کیا کہ تلوار اٹھا کر حضور اکرمؐ پر وار کروں تو تجھے حضور اکرمؐ کے درمیان حائل دیکھتا۔ تو کیا میں تجھے تلوار سے قتل کر دیتا۔" جب یہ دونوں جہنمی کتے مجلس مبارک سے نکل گئے تو حضور اکرمؐ نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ عَامِرًا اے خدا عامر کے شر سے مجھے محفوظ رکھنا۔ ایک روایت میں ہے کہ عامر اور اربد کے شر سے محفوظ رکھ۔ اس کے بعد آسمان سے بجلی گری جس نے اربد کو جلا ڈالا۔ اور عامر کے گلے میں ایک گلٹی نکلی جس طرح اونٹ کی گردن میں غدود ہوتے ہیں۔ راستہ میں سلولیہ عورت کے گھر گیا اور ٹھیرا۔ کہتے ہیں کہ یہ کہاوت اور مثل عرب میں بن گئی کہ:- غُدَّۃٌ کَغُدَّۃِ الْبَعِیْرِ وَالْمَوْتُ فِیْ بَیْتِ سَلُوْلِیَّۃٍ۔ اور یہ اس وقت بولتے

ہیں کہ جب محبت کی نوع میں کوئی ناگواری پیش آئے۔ اس کے بعد عامر سلولیہ کے گھر سے نکلا اور سوار ہوا اور راستہ میں ہی کچھ مدت بعد جہنم رسید ہوگیا، وہ گھوڑے کے پشت پر ہی مرگیا۔ اس وفد کا حال علماء سیر اسی قدر بیان کرتے ہیں۔ اور عنوان میں وفد عامر اور وفد بنی عامر کہتے ہیں۔ مگر روضۃ الاحباب میں وفدِ عامر بن صعصعہ کہا گیا ہے۔ بنی عامر صعصعہ کی ایک شاخ ہے پھر عامر بن طفیل اور اربد علیہما اللعنۃ بیان کیا ہے اور اس کا ذکر نہیں کیا کہ اس وفد میں کتنے آدمی تھے اور کتنے ایمان لائے۔ ظاہر یہ ہے کہ مذکورہ اشقیاء کے سوا باقی سب ایمان لے آئے ہوں گے (واللہ اعلم)

ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے عامر وار بدپر مذکورہ دعا کے بعد فرمایا اَللّٰھُمَّ اھْدِ بَنِیْ عَامِرٍ وَّ اغْنِ الْاِسْلَامَ عَنْ عَامِرٍ۔ اے خدا بنی عامر کو ہدایت دے اور عامر سے اسلام کو بے نیاز کر، یعنی عامر بن الطفیل سے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی عامر ہدایت پاگئے اور اسلام میں داخل ہوگئے۔ بنی عامر میں جو عامر نام ہے وہ عامر بن طفیل کے سوا ہے۔ وہ عامر بن مالک بن جعفر ہے اور اس کی کنیت ابوالبر ہے اور وہ عامر بن طفیل کا چچا ہے جو مالک کا بیٹا ہے۔ جو حضور اکرمؐ کے پاس آیا تھا اور بڑی چاپلوسی کی تھی۔ اور کہا تھا کہ اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں آپ کے حکم کو اور آپ کے دین کو برگزیدہ جانتا ہوں۔ لیکن وہ مسلمان نہ ہوا۔ اور قاریوں کی ایک جماعت تعلیم قرآن واحکام شریعت کے لئے لے گیا۔ اور کہا کہ میں ان کو اپنے قرب میں رکھوں گا اور کسی قسم کا ضرر و نقصان نہ پہنچنے دوں گا۔ آپ کوئی اندیشہ نہ فرمائیں۔ پھر عامر بن طفیل اس کا بھتیجا شقاوت پر اتر آیا اور وہ سب کچھ کیا جو بیر معونہ کے قصہ میں تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے۔

آٹھواں وفد عبدالقیس کا ہے۔ اور وفد عبدالقیس کا ذکر سال ہشتم میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے جس طرح روضۃ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ مگر مواہب لدنیہ میں وفود کے سال میں اس کا ذکر کیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ عبدالقیس کے دو وفد تھے ایک وفد فتح مکہ سے پہلے۔ اور یہ پرانا وفد تھا جو سال پنجم یا اس سے پہلے آیا تھا۔ اور ان کا قصبہ بحرین تھا۔ اس وفد میں تیرہ مرد یا چودہ سوار تھے۔ اور اس وفد میں ایمان اور شراب کے برتنوں کے بارے میں مسائل دریافت کئے گئے تھے۔ اس وفد کا سردار کبیر الشان اشج تھا جس کے بارے میں حضور اکرمؐ نے فرمایا تھا اِنَّ فِیْکَ خَصْلَتَیْنِ الْحِلْمُ وَالْاَنَاۃُ۔

الحدیث۔ بیشک تجھ میں دو خوبیاں ہیں ایک بردباری دوسرا وقار۔ اسے مسلم نے ابوسعید سے روایت کی۔ اور دوسرا وفد "سنۃ الوفود" یعنی وفود کے سال میں آیا اس وفد میں چالیس آدمی تھے۔ جیسا کہ ابن مندہ نے ابوالخیر ساجی سے حدیث روایت کی۔ اور کہا کہ اس وفد کے دوبارہ آنے کی تائید حدیث کے یہ الفاظ کر رہے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا کیا بات ہے کہ تمہارے سب رنگ بدلے ہوئے ہیں "۔ یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ان کو پہلے دیکھا ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ "یا رسول اللہ واللہ ورسولہ اعلم" اور ان کا یہ کہنا کہ بَیْنَنَا وَبَیْنَکَ کُفَّارُ مُضَرَ اور پہلے وفد میں حج کا ذکر نہ کرنا کیونکہ حج کی فرضیت اس وقت نہیں ہوئی تھی یہ سب باتیں وفد کے دو مرتبہ آنے پر دلالت رکھتی ہیں (واللہ اعلم)

نواں وفد یہ ہے کہ ضمام بن ثعلبہؓ ایک شخص تھا جسے سعد بن بکر نے وفد کے طور پر بھیجا تھا مواہب میں بخاری سے بروایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجد شریف میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا پھر اس نے اونٹ کو بٹھایا اور اسے باندھ کر مسجد میں آیا۔ اور کہا کہ "تم میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟" صحابہ نے جواب دیا کہ یہ مرد سفید تکیہ لگائے تشریف فرما ہیں۔ حضور اکرمؐ اس وقت صحابہ کے درمیان تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ اس نے کہا "اے فرزند عبدالمطلب!" حضور اکرمؐ نے فرمایا "میں جواب دے رہا ہوں ضمامؓ کہو کیا کہنا چاہتے ہو"۔ اس نے کہا "میں چند باتیں سخت و درشت آپ سے دریافت کروں گا، میرے سوال سے حضور اکرمؐ گراں خاطر نہ ہوں اور مجھ پر غصہ نہ فرمائیں"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "دریافت کر جو تیرے دل میں آئے"۔ ضمامؓ سرخ و سفید دراز گیسو والا شخص تھا۔ اس نے کہا "آپ کو قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو بھیجا اور آپ سے پہلوں کو بھیجا کیا حق تعالےٰ نے آپ کو ہماری طرف بھیجا ہے؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "ہاں"۔ اس کے بعد اس نے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے بارے میں پوچھا اور اسی طریقہ پر کہ ہر بار قسم دیتا اور پوچھتا تھا۔ اور کہتا کہ "میں قسم دیتا ہوں آپ کو کہ کیا آپ پر خدا نے نماز کو فرض فرمایا ہے؟" اور حضور اکرمؐ فرماتے "ہاں!" اسی طرح اس نے زکوٰۃ اور حج کو پوچھا۔ پھر اس نے کہا "جو کچھ آپ لائے ہیں میں اس پر ایمان لاتا ہوں"۔ ابن اسحاق نے اپنی کتاب مغازی میں اتنا زیادہ بیان کیا ہے کہ اس نے کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ خدا نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم

اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور اُن بتوں کو ہم چھوڑ دیں جنکو ہمارے ماں باپ پوجتے۔ اور معبود ٹھہراتے تھے اور ہم ان سے بیزار ہو جائیں؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ نَعَمْ پھر اس شخص نے کہا "میں ضمام بن ثعلبہ، بنی سعد بن بکر کا بھائی ہوں انہوں نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ میں آپ سے آپ کے دین کے بارے میں دریافت کروں اور جو کچھ آپ سے سنوں انہیں جاکر بتاؤں۔ اس کے بعد وہ مسجد سے نکلا اور اونٹ کو کھول کر سوار ہو کر چلا گیا۔ پھر جب وہ اپنے قبیلہ میں پہنچا اور سب سے پہلی بات جو اس نے اپنی قوم سے کہی وہ لات و منات اور ہبل کی اہانت اور برائی میں کہی۔ لوگوں نے کہا "اے ابن ثعلبہ خاموش رہ! یہ کیسی باتیں ہیں۔ جو تو کہہ رہا ہے اس سبب سے تو برص یا جذام یا جنون کے مرض میں مبتلا ہو جائے گا۔" اس نے کہا "تمہاری نادانی و جہالت پر تعجب ہے۔ یہ بت کیا ہیں؟ نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع، حق تعالےٰ نے ایک رسول بھیجا ہے اور اس پر ایک کتاب نازل فرمائی ہے۔ جو تمہیں تعلیم ہدایت دیتا ہے۔ اور گمراہی سے نکالتا ہے۔ میں خدا کی یکتائی اور اس کے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ میں ان کی جانب سے اوامر و نواہی لے کر آیا ہوں۔" راوی کہتا ہے کہ خدا کی قسم رات بھی نہ گزری تھی کہ اس قبیلہ کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور مسجد کی تعمیر، اقامت صلوٰۃ و اذان اور ادائے زکوٰۃ میں کمربستہ ہو گئے۔ اور جس میں اختلاف و شبہ ہوتا وہ آکے دریافت کر لیتے تھے۔

دسواں وفد بَلی کا آیا۔ ابورویفع ثابتؓ بلوی جو حضور اکرمؐ کی خدمت میں رہا کرتے تھے وہ اسی بلی قبیلہ کے تھے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ سے عرض کیا "یارسول اللہؐ! یہ میری قوم کے لوگ ہیں۔" حضور اکرمؐ نے فرمایا "مَرْحَبًا بِکَ وَبِقَوْمِکَ" تمہارا آنا اور تمہاری قوم کا آنا مبارک ہو۔" عرض کیا "یارسول اللہؐ! یہ لوگ آپ کی بارگاہ میں اسلام کے اقراری اور اپنی تمام قوم کی طرف سے اسلام کے کفیل بن کر آئے ہیں۔" حضور اکرم نے فرمایا مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ خَیْرًا یَّھْدِہٖ لِلْاِسْلَامِ اللہ تعالےٰ جس پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے وہ اسے اسلام کی ہدایت دیتا ہے۔ اس وفد میں ایک بوڑھا شخص تھا جسے لوگ "ابوالضبیب" کہتے تھے اس نے کہا "یارسول اللہؐ! میں ایسا شخص ہوں کہ مجھے ضیافت اور مہمانی کا بڑا شوق ہے کیا مجھے اس میں کوئی اجر و ثواب ہوگا؟" فرمایا "ضرور ضرور ہوگا ہر نیکی اور ہر برائی جو بھی مسلمان کرے خواہ وہ تونگر کرے یا فقیر مقبول ہے۔ اس نے کہا "یارسول اللہؐ! مہمانی کی مدت کتنی ہے؟"

فرمایا تین روز۔ اور تین دن کے بعد جتنے دن ہوں وہ صدقہ ہے، اور کسی مہمان کو حلال نہیں ہے کہ تمہارے پاس اتنا عرصہ ٹھہرے کہ تمہیں حرج واقع ہو۔"

گیارہواں وفد تُجیب کا آیا۔ تُجیب بر صیغۂ مضارع اجابت سے ہے۔ یہ تیرہ ۱۳ آدمی تھے۔ اور اپنی زکوٰۃ و مویشی اور اموال لائے تھے۔ حضور اکرم ؐ نے ان کو مرحبا فرمایا اور کہا کہ اپنے زکوٰۃ کے مال کو واپس لے جاؤ اور اپنی بستی کے فقیروں اور ضرورت مندوں پر تقسیم کردو۔ انہوں نے کہا" ہم اتنا ہی مالِ زکوٰۃ لائے ہیں جتنا ہمارے ضرورت مند فقیروں سے بچ رہا ہے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے عرض کیا" تُجیب کے وفد کی مانند عرب کا کوئی وفد نہیں آیا؟" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" حق تعالےٰ نے فرمایا" حق تعالےٰ نے ہدایت دی اور اپنا لطف و کرم زیادہ فرمایا۔ ہر وہ شخص جو کسی نیکی کا ارادہ کرتا ہے۔ حق تعالیٰ اس کے سینہ کو کھول دیتا ہے"۔

نقل ہے کہ جب ان لوگوں نے فرائض و سنن اور قرآن کے بارے میں مسائل دریافت کئے تو حضور اکرم ؐ کو ان سے محبت اور زیادہ ہوگئی۔ اور ان پر اور زیادہ لطف و کرم فرمایا اور حضرت بلال ؓ کو حکم دیا کہ ان کی خوب اچھی مہمانداری کرو"۔ رخصت کے وقت تمام وفود سے زیادہ ان کو انعام و نوازش سے سرفراز فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو طاعت و عبادت میں کوشش کرتا ہے اور دین کی راہ میں سعی و طلب کرتا ہے۔ دنیاوی فوائد بھی اس پر مرتب ہوتے ہیں۔

اس کے بعد حضور اکرم ؐ نے دریافت فرمایا کیا تم میں سے کوئی باقی ہے؟" انہوں نے کہا" ایک جوان خادم ہے جو سب سے چھوٹا ہے اسے ہم نے اپنی اقامت گاہ میں محافظت کے لئے چھوڑ دیا ہے"۔ حضور اکرم ؐ نے اسے بھی اپنے پاس بلایا۔ جب وہ حضور اکرم ؐ کی بارگاہ عالی میں آیا تو اس نے عرض کیا" یا رسول اللہ! میں اسی قوم کا ایک فرد ہوں ان کی حاجتیں تو حضور اکرم ؐ نے پوری فرمادیں میری حاجت بھی پوری فرمائیے؟ حضور اکرم ؐ نے فرمایا" بتا تیری کیا حاجت ہے؟" اس نے کہا" خدا کی قسم میں اپنی بستی سے اس لئے نہیں آیا ہوں کہ مجھے دنیا کا مال عنایت فرمائیں جس طرح کہ حضور اکرم ؐ نے اوروں کو انعام فرمایا ہے۔ یا رسول اللہ میں اس لئے آیا ہوں کہ حق تعالےٰ سے مانگیں کہ وہ مجھے بخشدے اور مجھ پر رحمت فرمادے اور میرے دل کو دنیا کے مال سے بے نیاز کردے۔ اور میرے دل میں غنا یعنی بے نیازی

ڈال دے۔" حضور اکرمؐ نے جب اس کو طالب دین اور آخرت کا شوقین ملاحظہ فرمایا اور اس کی بلند ہمتی مشاہدہ کی تو اس پر اور زیادہ عنانِ توجہ مبذول فرمائی اور دعا کی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَاجْعَلْ غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ ۔ اس کے بعد جس قدر اس وفد کے اور لوگوں پر انعام فرمایا تھا اسے بھی عطا فرمایا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے اس کے لئے دعاءِ برکت بھی فرمائی۔ پھر وہ اپنی قوم میں سب سے بہتر، سب سے موقر اور اُن کا سردار و امیر بن گیا۔ وہ ان کی امامت کرتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اسے دنیا بھی ملتی ہے اور آخرت بھی۔ اس کے بعد وہ سب اپنے قبیلہ کی طرف لوٹ گئے۔ آیندہ سال اس قوم کی ایک جماعت حجۃ الوداع میں منیٰ میں حضور اکرمؐ کے پاس پہنچی حضور اکرمؐ نے اس جوان کا حال ان لوگوں سے پوچھا ان لوگوں نے کہا ہم نے اس جیسا قانع و صابر شخص نہ کسی کو دیکھا اور نہ سُنا اگر تمام جہان اس کے حصہ میں آجائے تو وہ اس کی طرف التفات بھی نہ کرے ؎

گرچہ گرد آلود فقرم شرم باد از ہمتم گر باب چشمۂ خورشید دامن ترکنم

بارہواں وفد، دارم از قبیلہ لخم آیا۔ ان کے دس آدمی تھے۔ اور ان کا سردار ہانیؓ بن حبیب نامی تھا۔ اور یہ حضور اکرمؐ کے لئے کئی گھوڑے اور ایک قبا زربفت کی اور ایک مشکیزہ خمر کا ہدیے میں لائے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا حق تعالےٰ نے شراب حرام قرار دیدی ہے، ہانیؓ نے کہا "میں اسے فروخت کئے دیتا ہوں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "جس نے شراب حرام کی ہے اس نے اس کی خرید و فروخت بھی حرام کی ہے۔ گھوڑوں اور قبا کو قبول فرمایا۔ اہلِ سیر کہتے ہیں کہ قبا، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کو عطا فرما دی۔ انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! میں اس کا کیا کروں کیوں کہ یہ مردوں پر تو حرام ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اس میں سے سُونا علیحدہ کر کے کچھ کا اپنی بیوی کا زیور بنا دو، اور کچھ کو اپنے خرچ میں لے آؤ۔ اور ریشمی کپڑے کو فروخت کر دو اور اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ۔" اس پر حضرت عباسؓ نے قبا کو آٹھ ہزار درہم میں ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

روضۃ الاحباب میں اتنے ہی وفود کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ کہا ہے کہ اس سال اور بھی وفود آئے ہیں لیکن ان کی تفاصیل فن سیر کی مبسوط کتابوں میں مذکور ہے۔ صاحب معارج النبوۃ نے تو اس سے بھی بہت کم کا ذکر کیا ہے اس سال اس کثرت کے ساتھ حضورؐ

کی بارگاہ میں وفود آئے کہ اگر ان سب کا ذکر کیا جائے تو کتاب بہت طویل ہو جائے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے، دسویں سال میں اس کتاب میں کچھ اور وفود کا ذکر کیا جائے گا۔

بندہ مسکین عبدالحق بن سیف الدین خصصہ اللہ بمزید العلم والیقین نے مواہب لدنیہ سے ان تمام وفود کو نقل کر دیا ہے جو معانی مفیدہ پر مشتمل تھے چونکہ اس کتاب میں سنوات کے ذکر کی قید نہیں ہے۔ اس لئے انہوں نے تمام وفود کو ایک باب کے تحت جمع کر کے بیان کر دیا ہے خواہ وہ وفد کسی سال میں آیا ہو۔ کیوں کہ ہمارا مقصود واقعات کا جاننا اور اس کا علم ہے خواہ وہ کسی سنہ میں ہو۔ ایک وفد ہوازن کا ہے جبکہ حضور اکرمؐ طائف سے جعرانہ تشریف لائے تھے تو انہوں نے آکر مسلمانوں کے قبضہ میں جو ان کے غلام و باندیاں اور اموال تھے ان کی استدعا کی تھی۔ اور ان کی استدعا اسیروں کے بارے میں قبول فرمائی تھی۔ جس کا قصہ تفصیل کے ساتھ اپنی جگہ گزر چکا ہے۔ اس کا وقوع سال ہشتم میں تھا۔ اور دوسرا وفد ثقیف کا تھا، جو تبوک سے واپسی کے بعد آیا تھا اس کا اصل قصہ یہ ہے کہ جب حضور اکرمؐ طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے تو صحابہ نے عرض کیا تھا "یارسول اللہؐ! ثقیف کے تیروں نے ہمیں چھلنی کر دیا ہے۔ ثقیف پر بد دعا فرمائیے"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَّ ائْتِ بِھِمْ اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور ان کو لا۔" جب حضور اکرمؐ مدینہ طیبہ واپس تشریف لا رہے تھے تو حضور اکرمؐ کے پیچھے پیچھے عروہؓ بن مسعود ثقفی آیا اور حضور اکرمؐ پاس آ کر مسلمان ہو گیا اور درخواست کی کہ اسے اپنی قوم کی طرف بھیجدیا جائے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے ان کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ سحری کا وقت تھا وہ اپنے مکان کی چھت پر آکر قوم کو دعوت دے رہے تھے اور اپنے دین کا ان کے سامنے اظہار کر رہے تھے کسی نے ان پر تیر چلایا اور اس تیر نے ان کو شہید کر دیا۔ مزید احوال آخر کتاب میں حضور اکرمؐ کے قاصدوں کے بیان میں آئے گا۔ عروہؓ کے شہید کر دینے کے بعد ثقیف چند ماہ ٹھیرے رہے۔ اس کے بعد باہمی مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ ہم عربوں کے ساتھ جو ہمارے چاروں طرف ہیں جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ سب بیعت کر کے اسلام لا چکے ہیں لہٰذا حضور اکرمؐ کے پاس عبد یالیل کو بھیجنا چاہیئے چنانچہ انہوں نے چند آدمی اس کے ساتھ کئے ان میں سے ایک عثمانؓ بن العاص تھے۔ پھر وہ لوگ حضور اکرمؐ کے پاس پہنچے اور حضور اکرمؐ نے

ان کے لئے مسجد شریف کے گوشہ میں ایک خیمہ نصب کرایا۔ ان لوگوں کی ایک درخواست تو یہ تھی کہ "لات" کے بت خانہ کو نہ توڑیں اور اسے تین سال تک باقی رکھیں۔ مگر حضور اکرمؐ نے ان کی یہ درخواست قبول نہ فرمائی اور ابوسفیانؓ بن حرب اور مغیرہؓ بن شعبہ کو بھیجا کہ وہ اس بت خانہ کو توڑ ڈالیں اس کے بعد انہوں نے دوسری درخواست یہ کی کہ انہیں نماز پڑھنے سے معاف رکھا جائے اور اپنے ہاتھوں سے بتوں کے توڑنے کا حکم نہ دیا جائے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا ایسا ہی ہوگا مقصود تو بتوں کا توڑنا ہے کوئی توڑے۔ اپنے ہاتھ سے توڑنا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن نماز کی معافی کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس دین میں نماز نہیں ہے اس میں خیر نہیں ہے۔ پھر جب وہ اسلام لے آئے تو ان پر عثمانؓ بن العاص کو امیر مقرر فرمایا وہ اگرچہ سن و سال میں ان سے بہت کم عمر تھے لیکن اسلام اور تعلیم قرآن میں وہ بہت شایق تھے اس کے بعد وہ اپنے شہروں کی طرف لوٹے ابوسفیان اور مغیرہ بھی ان کے ساتھ گئے اور لات کے بُت خانہ کو توڑ دیا۔ عثمانؓ بن العاص سے منقول ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں سورۂ بقر کی تلاوت کرتا تھا۔ میں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! قرآن مجھ سے بھاگتا ہے اور یاد نہیں رہتا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے اپنا دست اقدس میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا "او شیطان عثمانؓ کے سینہ سے نکل جا۔" اس کے بعد جتنا بھی میں نے حفظ کیا کبھی نہ بھولا۔ نیز میں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! شیطان، میرے اور میری نماز و قرات کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ ایک شیطان ہے جس کا نام "حنزب" ہے اس کے لغوی معنی گوشت کے لوتھڑے کے ہیں۔ فرمایا جب تم اس کے وسوسہ کا دل میں احساس کرو تو اس سے خدا کی پناہ مانگو یعنی اعوذ پڑھو اور تین مرتبہ بائیں جانب تھنکار دو۔" میں نے ایسا ہی کیا اور حق تعالیٰ نے میرے ان وسوسوں کو دور فرما دیا۔

تیسرا وفد کندہ کا ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے اور یہ ثور بن عفیر کا لقب ہے جو یمن کے اس قبیلہ کا باپ تھا یہ لقب اس لئے ہوا کہ ثور بن عفیر اپنے باپ کی ناشکری کر کے اپنے ماموؤں کے ساتھ مل گیا۔ کندہ، کنود سے بنا ہے جس کے معنی ناشکری کرنے کے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں بھی ہے۔ "ان الانسان لربہ لکنود" بیشک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے یمن میں اس کی اولاد کا کندہ (ناشکرا) ہی نام پڑ گیا اس کندہ قبیلہ کے اسّی یا ساٹھ سوار جو بالوں میں کنگھی کئے، زرہیں پہنے ہتھیار لگائے اور

یمنی چادر کے جُبّے پہنے جس کے حاشیہ پر ریشم و حریر سلی ہوئی تھی آئے۔ جب وہ بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو حضورؐ نے فرمایا "کیا اسلام نہیں لائے ہو؟" انہوں نے کہا ہاں ہم اسلام لائے ہوئے ہیں آپ نے فرمایا "یہ تمہارے جسموں میں حریر و ریشم کیسا ہے؟" اس پر انہوں نے اپنے جسموں پر سے اسے پھاڑ کر اتار پھینکا۔

چوتھا وفد اشعریوں اور اہل یمن کا ہے۔ مواہب میں ایسا ہی ترجمہ واقع ہے اور صاحب مواہب شیخ ابن حجر عسقلانی سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے مراد بعض وہ اہل یمن ہیں جو اشعریوں کے سوا ہیں۔ اور وہ حمیر کے لوگ ہیں جو آئے۔ انہوں نے آکر کہا کہ یا رسول اللہؐ! ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں تاکہ ہم دین میں تفقہ کریں۔ اور انہوں نے ابتدائے خلقتِ عالم کے بارے میں پوچھا کہ اول کیا تھا اور کس طرح تھا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا: كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ شَيْءٌ اللہ تعالیٰ ہی تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی ہوئی تھی۔ یہ دونوں گروہ ایک ساتھ نہیں آئے اس لئے کہ اشعریوں کا ابو موسیٰؓ کے ساتھ آنا پہلے ہوا تھا۔ اور یہ سن سات ہجری میں فتح خیبر کے وقت کی بات ہے اور حمیر کے وفد کی آمد سن نو ہجری میں ہوئی تھی جو "سنة الوفود" ہے۔ اور یہ دونوں گروہ زبانِ نبوت پر محمود ہیں اور بشارت یافتہ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس ایسی قوم آرہی ہے جن کے دل نرم و رقیق ہیں۔ اس وقت اشعریین اس حال میں آئے کہ وہ یہ رجز پڑھتے تھے غَدًا نَلْقَى الْأَحِبَّةَ مُحَمَّدًا وَحِزْبَهُ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا ہے کہ یمن والے آئے جن کے دل بہت نرم و رقیق اور کمزور ہیں۔ ان کے دلوں میں ایمان و حکمتِ یمانی ہے۔ اور سکینہ اہل غنم میں ہے اور فخر و غرور ارباب اہل ہیں۔ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ بنی تمیم کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی حضورؐ نے ان سے فرمایا اے بنی تمیم تمہیں بشارت ہو۔ انہوں نے کہا بشارت دیدی ہمیں کچھ مال دیجئے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور متغیر ہو گیا اتنے میں یمن والوں کی ایک جماعت آئی حضور اکرمؐ نے ان سے فرمایا "اے یمن والو تم اس بشارت کو قبول کرو جسے بنی تمیم نے قبول نہیں کیا ہے"۔ اشعری کہنے لگے "یا رسول اللہؐ! ہم قبول کرتے ہیں"۔

یہ بنی تمیم مولفۃ القلوب میں سے تھے جن کے دلوں میں ابھی جفا و قساوت جمی ہوئی تھی۔ جیساکہ غزوۂ فتح مکہ کے آخر میں ان کا تذکرہ گزر چکا ہے یمن والے صاحبانِ علم تھے صفائے قلب، نرم دلی اور حکمت و معرفت کا ذوق رکھتے تھے خصوصاً حضرت ابوموسیٰ اشعری کہ ان کی حسن قراءت بے نظیر تھی۔ اور ان کی شان میں مروی ہے کہ:۔ اُوْتِیَ مِزْمَارًا مِّنْ مَزَامِیْرِ اٰلِ دَاوٗدَ ۔ شیخ ابوالحسن اشعری جو علم کلام کے امام اور اہلِ سنت وجماعت کے رہنما ہیں حضرت ابوموسیٰ اشعری کی اولاد سے ہیں، علم و حکمت اور معرفت کی نشانیاں ان تک پہنچیں۔

پانچواں وفد ہمدان کا ہے ہمدان یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ بیہقی نے باسناد صحیح حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ یمن کی طرف بھیجا ہم وہاں چھ مہینے تک رہے اور ان کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو بھیجا اور انہوں نے یمن والوں پر حضور اکرمؐ کا ایک گرامی نامہ پڑھ کر سنایا۔ وہ مسلمان ہو گئے اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ عنہ، نے حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں ایک خط لکھا اور اسلام کی خبر دی۔ جب حضور اکرمؐ نے خط پڑھا تو سجدہ کیا اور سجدہ سے سر مبارک اٹھا کر فرمایا اَلسَّلَامُ عَلٰی ہَمْدَانَ اَلسَّلَامُ عَلٰی ہَمْدَانَ۔

چھٹا وفد مزنیہ کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے بیہقی نے نعمان رضؓ بن مقرن سے روایت کیا ہے انہوں نے کہا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہم مزنیہ کے چار سو آدمی آئے جب ہم نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضور اکرمؐ نے حضرت عمر رضؓ فاروق سے فرمایا کہ انہیں زادِ راہ دو۔ حضرت عمر فاروق رضؓ نے عرض کیا میرے پاس تھوڑی سی کھجوریں ہیں، میرا گمان یہ ہے کہ یہ لوگ اس سے راضی نہ ہوں گے۔ اور قبول نہ کریں گے حضور اکرمؐ نے فرمایا جاؤ توشہ دیدو۔ پھر حضرت عمر رضؓ انہیں لے چلے اور اپنے گھر لائے جب وہ اندر آئے تو دیکھا کہ کھجوروں کا ڈھیر لگا پڑا ہے، جو سیاہ و سفید ہیں۔ پھر ان لوگوں نے اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے لیا میں ان میں آخری شخص تھا۔ اس کے بعد جو دیکھا تو اس میں سے ایک دانہ کھجور کا کم نہ معلوم ہوتا تھا۔ یہ نعمان رضؓ بن مقرن مزنی ہیں۔

— یہ اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے

آئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت ان کا وفد میں شریک ہو کر آنا اسلام لانے کے لیے نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس طرح ایمان کے گھر ہیں نفاق کے بھی گھر ہیں مگر آل مقرن کے گھر ایمان کے گھر ہیں۔

ساتواں وفد دوس کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے حضرت ابوہریرہ کی حضور اکرمؐ کی خدمت میں آمد خیبر میں ہوئی تھی۔ مواہب لدنیہ میں ابن اسحٰق سے مروی ہے کہ دوس کے وفد میں طفیلؓ بن عمرو دوسی بھی تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے حضور اکرمؐ کی تصدیق کی تھی۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے تھے اور ہجرت تک وہیں رہے تھے پھر جب حضور اکرمؐ خیبر تشریف لے گئے تو وہ آئے اور حضور اکرمؐ کی خدمت میں حضور اکرمؐ کی رحلت تک موجود رہے ان کا خطاب ذوالنور ہے یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں یرموک میں شہید ہوئے۔ یہ شعلہ بیان شاعر تھے (رضی اللہ عنہ) مواہب میں ابن اسحٰق سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ طفیلؓ بن عمرو دوسی اپنا حال بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں آیا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رونق افروز تھے میرے پاس قریش کی ایک جماعت آئی اور انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہمارے شہر میں ایک شخص ہے جو ہم میں سے ظاہر ہوا ہے اور ہماری جمعیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے اور ہمارے کام کاج تتر بتر ہو گئے ہیں۔ اس کی باتوں میں ایسا جادو ہے جس سے باپ بیٹے، میاں بیوی، اور بھائی بھائی کے درمیان جدائی پڑ جاتی ہے ہمیں خوف ہے کہ تم میں اور تمہاری قوم میں بھی یہی وہ بات نہ پیدا ہو جائے۔ لہٰذا تم نہ اس سے بات کرنا اور نہ اس کی سننا۔ اس کے بعد خدا کی قسم قریش برابر اس کی تاکید کرتے رہے۔ اور مجھے منع کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ نہ میں ان سے بات کروں گا اور نہ اس کی سنوں گا اور میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ میرے کانوں میں اس کی کوئی بات پڑے ہی نہیں اتفاق سے میں صبح کے وقت مسجد حرام میں تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں بھی حضور اکرمؐ کے قریب ہو گیا پھر حق تعالےٰ نے میرے کانوں میں آپ کے اقوال مبارک ڈالے اور میں نے انتہائی حسن ولطافت والا کلام سنا۔ پھر میں نے اپنے

دل میں کہا میری ماں مجھ پر روئے۔ میں خود فصیح و بلیغ شعلہ بیان شاعر ہوں اور کلام کے حسن و قبح کو پہچانتا ہوں۔ یہ لوگ مجھے روکتے ہیں کہ میں اس شخص کی بات نہ سنوں۔ اگر یہ اچھی بات کہتا ہے تو کیوں نہ اس کی بات قبول کروں اور اگر بُری ہے تو میں چھوڑ دوں گا پھر میں نے کچھ دیر انتظار کیا یہاں تک کہ حضور اکرمؐ اپنے کاشانۂ اقدس کی طرف واپس ہوئے اور میں حضور اکرمؐ کے پیچھے پیچھے چلا۔ جب حضور اکرمؐ گھر میں داخل ہونے لگے تو میں نے کہا "اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم مجھ سے ایسا ایسا کہتی ہے۔ اور میں نے عہد کیا تھا کہ میں نہ آپ سے بات کروں گا اور نہ آپ کی بات سنوں گا۔ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس رکھی تھی تاکہ آپ کی بات میرے کانوں میں نہ پڑے مگر حق تعالےٰ نے آپ کا کلام میرے کانوں میں ڈالا اور مجھے اقرار ہے کہ میں نے آپ سے عمدہ اور نیک کلام پہلے نہ سنا تھا۔ لہٰذا مجھ سے اپنا معاملہ بیان فرمائیے کہ کیا ہے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے قرآن کریم سے کچھ تلاوت فرمائی۔ خدا کی قسم اس سے بہتر کلام میں نے سُنا تک نہ تھا۔ اور نہ اس سے زیادہ منصفانہ بات دیکھی تھی، میں اسلام لے آیا اور شہادت دی اور عرض کیا "یا رسول اللہ! میں ایک مردِ مطاع اپنی قوم کا ہوں۔ میں اپنی قوم کی طرف جا کر انہیں اسلام کی دعوت دوں گا اور خدا کی طرف بلاؤں گا۔ تو ضروری ہے کہ میرے لئے کوئی نشانی یا کرامت ہو جسکی بنا پر وہ میری تصدیق کریں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے دعا فرمائی کہ اے خدا انہیں نور عطا فرما۔ تو وہ نور میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند چمکنے لگا۔ اس پر میں نے عرض کیا اے خدا میرے اس نور کو میری دونوں آنکھوں کے درمیان کے سوا کسی اور جگہ تاباں فرما تاکہ میری قوم یہ نہ کہے کہ یہ مثلہ یعنی برص وغیرہ کا مرض لاحق ہو گیا ہے جو اپنے دین کے چھوڑنے کی وجہ سے واقع ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ نور میری دونوں آنکھوں کے درمیان سے میرے کوڑے (تازیانہ) کی نوک پر آگیا۔ رات میں وہ قندیل آویزاں کی مانند چمکتا تھا۔ میں اپنی قوم میں آیا اور ان کو دعوت اسلام دی۔ پھر میں نے اقامت کی۔ میرے پاس میرا بوڑھا باپ آیا۔ میں نے اپنے باپ سے کہا "میرے پاس سے چلے جاؤ نہ میں تم سے ہوں اور نہ تم میرے ہو"۔ اس نے کہا "اے میرے فرزند! ایسی بات کیوں کہتے ہو"۔ میں نے کہا "میں اسلام لے آیا ہوں اور میں دین محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرتا ہوں"۔ باپ نے کہا "اے بیٹے! میرا دین، تیرا دین ہے اس پر میں نے کہا "جاؤ غسل کرو

اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو پھر آؤ تاکہ میں تمہیں وہ سکھاؤں جو میں جانتا ہوں پھر میرا باپ گیا غسل لیا اور کپڑے پاک کئے اور آیا پھر میں نے اسلام پیش کیا اور وہ اسلام لائے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان کے باپ تو اسلام لے آئے مگر ان کی والدہ نے اسلام قبول نہ کیا۔ (واللہ اعلم) اس کے بعد میری بیوی آئی اس سے بھی میں نے یہی کہا کہ مجھ سے دور رہو نہ میں تیرا ہوں اور نہ تو میری ہے۔ اس نے کہا کیسے؟ میں نے کہا۔ "اسلام نے میرے اور تیرے درمیان جدائی کر دی ہے میں اسلام لے آیا ہوں۔ اس نے کہا میرا بھی وہی دین ہے جو تمہارا دین ہے۔ پھر وہ اسلام لے آئی۔ اس کے بعد میں نے قبیلہ دوس کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی مگر وہ اسلام لانے میں تاخیر کرتے رہے۔ اس کے بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا نبی اللہ دوس کے لوگ مجھ پر غالب رہتے ہیں۔ ان کے لئے دعا فرمائیے حضور اکرمؐ نے دعا کی اے خدا دوس کو راہ راست دکھا۔ فرمایا جاؤ اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت دو۔ پھر میں دوس لوٹ گیا اور زمین دوس میں برابر ان کو دعوت دیتا رہا۔ اس کے بعد میں خیبر میں حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں پہنچ گیا اور مدینہ طیبہ میں دوس کے ستّر یا اسّی گھرانے آ کے رہنے لگے حضور اکرمؐ نے مسلمانوں کے ساتھ ہمیں بھی حصہ دیا۔

صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حکایت دلالت کرتی ہے کہ وہ قدیم الاسلام تھے اور ابن ابی حاتم نے جزم کیا ہے کہ وہ حضرت ابوہریرہ کے ساتھ خیبر میں آئے۔ گویا ان کا یہ آنا دوسری مرتبہ کا ہے جو اہل سیر پر مشتبہ ہو گیا ہے۔

آٹھواں وفد بہرار کا ہے یہ یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے یمن کے یہ تیرہ آدمی تھے جب مدینہ طیبہ آئے تو مقدادؓ بن اسود کے گھر چلے گئے۔ انہوں نے ان کو مرحبا کہا۔ اور حیس کا ایک بڑا پیالہ لائے۔ حیس ایک قسم کی غذا ہے یہ کھجور، گھی اور ستو سے بنایا جاتا ہے۔ ان سب نے اسے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے بعد حضرت مقدادؓ نے ایک چھوٹے پیالہ میں یہ حیس حضور اکرمؐ کی خدمت میں سیدہ ام سلمہؓ کے گھر بھیجا۔ حضور اکرمؐ نے اسے تناول فرمایا اور سب گھر والوں نے خوب سیر ہو کر نوش کیا۔ اور اس کھانے کو مہمانوں کے لئے بھی بھیجا جو مدت تک رکھ کر کھاتے رہے اور کم نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے کہا "اے ابو معبدؓ! یہ حضرت مقدادؓ کی کنیت ہے۔ تم ہمیں ایسا کھانا کھلاتے ہو جو ہمیں تمام کھانوں میں سب

سے زیادہ مرغوب ہے۔ اور ہم اس پر کبھی قادر نہ ہوئے مگر اسی زمانہ میں۔ پھر ابومعبد نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خبر دی کہ یہ کھانا حضور اکرمؐ نے تمہیں بھیجا ہے اور یہ لذت اور یہ زیادتی سب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کی برکت سے ہے اس پر انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ خدا کے رسول ہیں۔ ان کا یقین اور بڑھ گیا انہوں نے فرائض کی تعلیم حاصل کی اور چند روز تک ٹھہرے رہے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رخصت فرمایا اور انہیں انعام واکرام سے نوازا پھر وہ اپنے اہل وعیال کی طرف بڑھ گیا۔

نواں وفد عذرہ کا ہے۔ یہ علاقہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جہاں کے لوگ عشق میں مبتلا رہتے ہیں اور اسی عشق میں جان دیتے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے

یالائمی فی الہوی العذری معذرۃ منی الیک ولو انصفت لم تلم

(اے ملامت کرنے والے عذرا کے عشق میں ایسی معذرتیں اور مجبوریاں میری طرف سے ہیں اگر تو اسے انصاف کی نظر سے دیکھے تو تو مجھے ملامت نہ کرے)

یہ وفد نویں سال میں بارہ ۱۲ افراد پر مشتمل آیا تھا جن میں حمزہؓ بن النعمان بھی تھا حضورؐ نے ان کو مرحبا فرمایا پھر وہ اسلام لائے اور ان کو فتح شام کی بشارت دی اور ہرقل کے بھاگ جانے کی غیبی خبر دی۔ پھر ان کو انعام واکرام سے نوازا اور وہ اپنے مقام پر لوٹ گئے۔ ظاہر ہے کہ اس فتح کی بشارت دینا حضور اکرمؐ کی اس فتح کی بشارت دینا ہے۔ جو اس زمانہ میں واقع ہوئی (واللہ اعلم)۔

دسواں وفد محارب کا ہے۔ یہ ایک قبیلہ کا نام ہے۔ یہ وفد حجۃ الوداع کے سال میں آیا عرب کے اشد ترین اور سخت ترین لوگ تھے جس وقت حضور اکرمؐ قبائل کو دعوت دیتے اور اسلام کی طرف بلاتے اس وقت اس قبیلہ کے دس آدمی آئے اور مسلمان ہو گئے پھر اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

گیارہواں وفد صدار کا ہے یہ یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ ۸ھ میں جعرانہ سے واپس ہوتے وقت حضور اکرمؐ نے قیسؓ بن سعدؓ بن عبادہ کو چار سو آدمیوں کے ساتھ ان کی طرف بھیجا اتنے میں اہل صدار میں سے ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں پہنچا اس نے کہا یا رسول اللہ کسی لشکر کو بھیجنے کی حاجت نہیں ہے میں خود اس خدمت کو بجالاؤں گا اور اپنی قوم کی

میں ضمانت لیتا ہوں"۔ اس کے بعد حضورؐ نے قیس بن سعدؓ کو واپس بلا لیا اور وہ شخص اپنی قوم کی طرف واپس گیا اور اس قوم میں اسلام پھیلایا ان میں سے سو اشخاص حجۃ الوداع میں بھی آئے۔ واقدی نے بیان کیا ہے کہ جو شخص حضور اکرمؐ کی خدمت میں آیا اور اپنی قوم کا ضامن بنا تھا وہ زیاد بن حارث صدائیؓ تھا۔ یہ زیاد بن حارثؓ کسی سفر میں حضور اکرمؐ کی ساتھ بھی رہے ہیں، حضور اکرمؐ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہارے پاس پانی ہے انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! میرے پاس صرف اتنا ہی پانی ہے جتنا میری اس چھاگل میں ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا اس پانی کو پیالے میں انڈیلو"۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اپنا دست مبارک اس لکڑی کے پیالہ میں ڈال دیا میں نے دیکھا کہ آپ کی انگشتہائے مبارک سے پانی چشمہ کی مانند جوش مار رہا ہے۔ یہ معجزہ متعدد مرتبہ واقع ہوا ہے۔

بارہواں وفد غسان کا سنہ ۱۰ھ ماہِ رمضان میں آیا۔ یہ تین آدمی تھے۔ تیرہواں وفد بنی عیش کا تھا انہوں نے کسی کو حضورؐ کی خدمت میں بھیجکر کہلوایا کہ "یا رسول اللہؐ! ہمارے دیہات کے لوگوں کی جماعتیں ہمارے پاس آئی ہیں وہ کہتی ہیں کہ اس کا اسلام نہیں ہے جس نے ہجرت نہیں کی۔ ہمارے پاس اموال و مویشی بہت ہیں لہٰذا اگر یہی بات ہو کہ: لَا اِسْلَامَ لِمَنْ لَا هِجْرَةَ لَهٗ تو ہم اموال و مویشی کو فروخت کر کے حضورؐ کے پاس آجائیں"۔ حضورؐ نے فرمایا "جہاں چاہو رہو لیکن خدا سے تقویٰ و پرہیزگاری کرو۔ تمہارا اجر و ثواب کم نہیں ہوتا اور تمہارے کسی عمل کو اس سے باز نہیں رکھتا"۔

چودہواں وفد ازد کا ہے۔ زاء کے ساتھ ہے مگر سین کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔ یہ یمن کے ایک قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ تمام انصار مدینہ اس کی نسل سے ہیں، اور اسے ازد شنوہ بھی کہتے ہیں، جیسا کہ قاموس میں ہے۔ مواہب میں ابو نعیم کی کتاب معرفت الصحابہ سے بروایت ابو موسیٰ مدنی، احمد بن الجواری کی ایک حدیث نقل کی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے ابو سلیمان دارائی کو کہتے سنا ہے اور انہوں نے علقمہ بن یزید بن سوید ازدی کی حدیث بیان کی علقمہ نے کہا کہ میرے باپ نے میرے دادا کو فرماتے سنا کہ میں حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے اپنی قوم کے سات شخصوں میں سے ایک تھا۔ جب ہم نے حضور اکرمؐ سے گفتگو کی ........ تو حضور اکرمؐ ہماری روش کو دیکھ کر خوش ہوئے اور فرمایا تم کون لوگ ہو؟" میں نے عرض کیا "ہم مومن ہیں"۔ حضور اکرمؐ نے تبسم کناں

ہو کر فرمایا "ہر بات کی ایک حقیقت ہے تمہاری بات اور تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے ؟" ہم نے عرض کیا "پندرہ خصلتیں ہیں ان میں سے پانچ تو وہ ہیں جن کا آپ کے ان قاصدوں نے ہمیں حکم دیا تھا اور جن پر ہم ایمان لائے اور پانچ خصلتیں وہ ہیں جن کا آپ نے حکم فرمایا اور ہم ان پر عمل کرتے ہیں اور بقیہ پانچ وہ خصلتیں ہیں جن کے ہم زمانۂ جاہلیت سے عادی ہیں۔ اور وہ ہماری خو بو میں شامل ہو گئی ہیں مگر یہ کہ ان میں سے جسے آپ ناپسند فرمائیں"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "وہ کونسی خصلتیں ہیں جن کا ہمارے قاصدوں نے حکم دیا"۔ ہم نے عرض کیا انہوں نے حکم دیا کہ ہم خدا پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے نبیوں پر اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان لائیں"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا وہ پانچ کونسی خصلتیں ہیں جن کا میں نے حکم دیا ہے کہ ان پر عمل کرو۔ ہم نے عرض کیا کہ آپ نے حکم دیا ہے کہ ہم "لا الہ الا اللہ" کہیں اور نماز قایم کریں، زکوٰۃ دیں، رمضان کے روزے رکھیں اور خانۂ کعبہ کا حج کریں اگر ہم میں اس کی استطاعت ہو"۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا "وہ پانچ کونسی خصلتیں ہیں جن پر تم زمانۂ جاہلیت سے عادی ہو؟" ہم نے عرض کیا فراخی و کشادگی کے وقت شکر بجالانا، بلا میں صبر کرنا، قضا پر راضی رہنا، ملاقات کے اوقات میں سچ بولنا اور دشمنوں کو ہنسانے والی بات سے احتراز کرنا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "قریب تھا کہ تمہارے ایمان کی فقہ و دانائی سے تم انبیاء ہوتے۔ مطلب یہ کہ یہ تمام صفات اور خوبیاں جو تم میں ہیں وہ نبیوں کی ہیں۔ لیکن نبوت کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ اب تم ایسے علماء اور حکماء میں سے ہو گے جو انبیاء کے تابع اور ان کے وارث ہیں"۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا "میں تم میں پانچ اور خوبیاں زیادہ کرتا ہوں۔ تاکہ تمہارے لئے بیس ۲۰ خصلتیں پوری ہو جائیں۔ وہ یہ کہ اس کو جمع نہ کرو جو تم کھاتے ہو، اور اس کو نہ بناؤ جس میں تم نہ رہو گے۔ اور ایسی چیز کی خواہش نہ کرو جو کل کو فنا ہو جائے اور خدا کی پرہیزگاری کرو۔ کیوں کہ تم اسی کی طرف لوٹو گے اور اس کے سامنے تمہیں پیش ہونا ہے۔ اور اس کی خواہش کرو جو تمہیں کل ملے گی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے"۔ اس کے بعد وہ واپس ہوئے اور ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو یاد رکھا اور اس پر عمل کیا۔

پندرھواں وفد بنی المنتفق کا ہے۔ یہ اس قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ حضرت عبداللہ بن امام احمد، اپنے والد کی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ عاصم بن لقیط بن عامرؓ وفد کے

طریقہ پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے۔ ان کے ساتھ ایک شخص تھا جس کو نہیک رضؓ بن عاصم بن مالک بن المنتفق کہتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ کو اس حال میں پایا کہ حضور اکرمؐ نماز صبح پڑھانے کے بعد خطبہ کے لئے لوگوں کی جانب منہ کر کے کھڑے ہوئے تھے حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے لوگو! آگاہ رہو میں نے اپنی آواز کو چار روز تک پوشیدہ رکھا ہے یہاں تک کہ آج میں تمہیں سناتا ہوں کیا تم میں کوئی قاصد ہے جس کو اس کی قوم نے بھیجا ہو؟۔ صحابہ نے عاصمؓ بن لقیط سے کہا "سنو کہ رسول خدا کیا فرماتے ہیں۔ پھر حضور اکرمؐ نے فرمایا آگاہ رہو کہ مجھ سے روز قیامت پوچھا جائے گا کہ کیا میں نے تمہیں احکامِ الٰہی پہنچا دیئے؟ اب غور سے سنو"۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے بعث و نشر اور جنت و نار کو بیان فرمایا۔ اس کے بعد عاصمؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہم کس چیز پر آپ کی بیعت کریں؟" فرمایا "نماز قایم کرنے، زکوٰۃ دینے اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرانے پر" (حدیث)

سولہواں ۱۶ وفد بنی النخع کا ہے یہ یمن کا ایک قبیلہ تھا۔ مواہب میں ہے کہ یہ آخری وفد تھا اور یہ نصف محرم ۱۱ھ میں آیا تھا اس وفد میں دو سو ۲۰۰ آدمی تھے یہ پہلے مہمان خانہ میں اترے اس کے بعد بارگاہِ رسالت میں اسلام کا اقرار کرتے ہوئے حاضر ہوئے۔ انہوں نے یمن میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ذریعہ پہلے ہی بیعت کر لی تھی۔ ان میں ایک شخص زرارہؓ بن عمرو نامی تھا۔ اس نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! میں نے سفر میں ایک عجیب خواب دیکھا ہے"۔ فرمایا "کیا دیکھا؟" کہا کہ "میں نے دیکھا کہ گدھی نے سرخ و سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "کیا تو اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کے آیا ہے؟" اس نے کہا "ہاں" فرمایا "اس نے تیرا بچہ جنا ہے اور یہ اس کا رنگ ہے"۔ اس نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! یہ سرخ و سیاہ رنگ کیا ہے؟" فرمایا "میرے قریب ہو"۔ اور فرمایا "کیا تیرے جسم میں برص کا نشان ہے جسے تو لوگوں سے چھپاتا ہے"۔ اس نے کہا "قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ اس بات سے کوئی باخبر نہیں ہے اور اسے بجز آپ کے کوئی نہیں جانتا حقیقت یہی ہے"۔ پھر کہا "یا رسول اللہؐ! میں نے ایک بوڑھی سفید بالوں والی عورت کو دیکھا ہے جو زمین سے باہر آئی ہے"۔ فرمایا "یہ بقیہ دنیا ہے جو باقی ہے"۔ پھر کہا "میں نے ایک آگ دیکھی ہے جو زمین سے نکل کے میرے اور میرے فرزند کے درمیان حائل ہو گئی ہے"۔ فرمایا "یہ وہ فتنہ ہے جو آخر زمانہ میں نمودار ہوگا۔ کہا "یا رسول اللہؐ! وہ فتنہ کیا

ہے؟" فرمایا "لوگ اپنے امام کو قتل کریں گے۔ اور اس فتنہ کے دوران بدکار لوگ اپنے آپ کو نیکوکار جانیں گے۔ اور مسلمان کا خون مسلمان کے نزدیک میٹھے پانی سے زیادہ شیریں ہوگا۔ اور اگر تیرا بیٹا مر جائے تو تو اس فتنہ کو پائے گا اور اگر تو مر جائے تو تیرا بیٹا اس فتنہ کو پائے گا۔" اس نے عرض کیا "یا رسول اللہ! دعا فرمائیے کہ خدا مجھے اس فتنہ سے نہ ملائے۔" اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے خدا وہ فتنہ اسے نہ ملے۔" چنانچہ ان کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا باقی رہا۔ اور وہ ان میں سے ایک شخص تھا جو حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلع کرنا چاہتے تھے۔ یہ اور اس کی مانند دیگر قصے، حضورؐ کے تعبیر رویا کے ضمن میں بیان ہو چکے ہیں۔

مواہب لدنیہ میں ان وفود کا ذکر ۵ھ سے ۱۱ھ تک واقع ہوا ہے۔ دیگر وفد اور وفود روضتہ الاحباب میں سال دہم میں بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ان کو بھی ان ہی مذکورہ وفود کے ساتھ جمع کر کے بیان کریں اور اس کے بعد سال نہم کے بقیہ واقعات کو بیان کرنے کی طرف لوٹیں اور سال نہم کے واقعات کو ختم کرنے کے بعد سالِ دہم کے واقعات کو بیان کریں تو مناسب ہوگا تاکہ تمام وفود کا ذکر ایک جگہ جمع ہو جائے۔

اُن میں سے ایک وفد طی کا تھا جس کا ذکر سال ہشتم کے واقعات میں پہلے ہی کیا جا چکا ہے کہ حاتم طائی کی بیٹی تو قید میں آگئی اور اس کا بھائی عدیؓ بن حاتم بھاگ کر شام چلا گیا اور رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے حاتم کی بیٹی پر احسان فرمایا اور اسے آزاد کر دیا پھر وہ شام پہنچی اور اپنے بھائی عدیؓ بن حاتم کو حضور اکرمؐ سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انقیاد و اطاعت اور دین اسلام کے اختیار کرنے کا شوق دلایا۔ پھر دسویں سال جب حضورؐ کی بارگاہ میں وفود آئے تو اُن میں عدیؓ بن حاتم طائی بھی آیا اور مسلمان ہو گیا۔ عدیؓ بن حاتم طائی سے منقول ہے اس نے کہا کہ اس کے بعد جبکہ میں اپنی بہن کے مشورہ پر حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو حضور اکرمؐ نے پوچھا "تم کون ہو؟" میں نے کہا "میں عدیؓ بن حاتم طائی ہوں"۔ حضور اکرمؐ اٹھے اور کاشانۂ اقدس کی جانب روانہ ہو گئے۔ میں بھی حضور اکرمؐ کے عقب میں چلدیا۔ راستہ میں ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور اس نے اپنی حاجت حضورؐ سے عرض کی، حضور اکرمؐ اس کی عرض سننے کے لئے راستہ میں ہی کھڑے ہو گئے اور اس کی حاجت پوری فرما دی۔ میں نے دل میں کہا "کوئی بادشاہ کسی بوڑھی عورت کے لئے ایسا نہیں

کر سکتا یہ نبی کے ہی اخلاق مبارک میں سے ہے۔ اور جب حضور اکرمؐ کاشانۂ اقدس میں داخل ہوئے تو کھجوروں کی چھال کا بھرا ہوا بچھونا اٹھایا اور میرے لئے بچھا دیا اور فرمایا اس پر بیٹھو اور خوب اصرار فرمایا۔ اور آپ خود زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں کہا یہ طور وطریق اور عادات وفضیلت بادشاہوں کے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اے عدیؓ! ممکن ہے کہ تمہیں دین اسلام میں داخل ہونے سے مال کی قلت اور مسلمانوں کے احتیاج کی کثرت اور اعدائے دین کی زیادتی اور حامیان دین کی کمی مانع ہو۔ خدا کی قسم! بہت جلد مسلمانوں سے مال اس کثرت سے ہوگا کہ کسی کو زیب نہ ہوگا کہ اسے قبول کرے۔ اور اگر تمہاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ مسلمان بہت ہیں اور دشمنان دین اتنے کم کہ قادسیہ سے کوئی عورت اپنے اونٹ پر سوار ہو کر تنہا خانہ کعبہ کی زیارت کو آئے تو اسے کوئی خوف نہ ہوگا بجز حق تعالیٰ کے۔ اور بہت جلد ایسا ہوگا کہ زمین بابل کے سفید محلات مسلمانوں کے ہاتھ پر فتح ہونگے اس کے بعد عدیؓ شرف اسلام سے مشرف ہوا۔ حضور اکرمؐ کی ان پر بہت زیادہ عنایت تھی۔ حتیٰ کہ جب وہ شکار کو گئے تو حضور اکرمؐ صلے اللہ علیہ وسلم وادیٔ عقیق تک اس کی مشایعت کو تشریف لے گئے۔ عدیؓ کو شکار کا بڑا شوق تھا۔ اس باب میں ان سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔

اسی سال قبیلہ طے کے گیارہ آدمی آئے۔ ان کا سردار زید الخیلؓ تھا۔ حضور اکرمؐ نے انہیں اسلام کی دعوت دی وہ مسلمان ہو گئے۔ زیدؓ نے کہا "حق تعالیٰ کا شکر واحسان ہے کہ آپ کے وجود گرامی کی بدولت ہماری تقویت وتائید فرمائی۔ اور دین اسلام کی توفیق بخشی۔ میں نہیں جانتا کہ اس اخلاق سے بہتر کوئی اور اخلاق ہو جس کی آپ دعوت دیتے ہیں۔ ہم اپنی عقلوں پر تعجب کرتے ہیں کہ ہم ان پتھروں کو پوجتے رہے جو اگر ہم سے گم ہو جائے تو اس کی تلاش میں گھومتے پھریں"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "تمہارا یہ علم اور حال اور زیادہ بڑھے گا"۔ اس کے بعد ان کو انعام واکرام سے نوازا اور بعض کو اراضی کے قطعات عنایت فرمائے اور اس باب میں تحریر بھی لکھوائی۔ زید الخیلؓ کا نام زید الخیرؓ رکھا۔ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا عرب کے لوگوں کی جو فضیلتیں میرے سامنے بیان کرتے ہیں وہ اس سے کم ہیں جتنی کہ زید الخیرؓ میں پائی جاتی ہیں۔ میں نے ان میں ان سے بہت زیادہ خوبیاں پائی ہیں جتنی لوگ بیان کرتے ہیں۔ یہ زید الخیرؓ کی مدح وتعریف میں

انتہائی بات ہے۔ گویا کہ مراد وہ جماعتیں اور قبائل ہیں جو بارگاہ میں آتی رہی ہیں۔ اور مراد وہ صفت خاص ہے جو ہر ایک میں بیان کی گئی ہے۔ مطلب یہ کہ زید الخیرؓ ان تمام خوبیوں میں کامل و فائق تھے جو فرداً فرداً بیان کی گئی ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ ان کی فضیلت تمام قاصدوں پر ہے۔ بجز صفتِ مذکورہ میں رسوخ و کمال کی حیثیت سے۔

ایک اور وفد خولان کا آیا تھا خولان قبیلہ کا نام تھا۔ ان کے دس آدمی تھے۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! ہم آپ کی خدمت میں اس حال میں آئے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرتے ہیں اور آپؐ کی زیارت کی خاطر ہم نے نرم و سخت راہیں طے کی ہیں۔ ہم پر خدا کا نام اس کے رسول کا احسان ہے"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "لیکن تمہارا یہ کہنا کہ "ہم نے نرم و سخت راہیں طے کی ہیں" تو جان لو کہ تمہارے اونٹوں نے اس راہ میں جو بھی قدم اٹھایا ہے ہر قدم کے بدلے تمہارے لئے ایک نیکی اور ایک درجہ مقرر ہے۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ ہم آپ کی زیارت کی خاطر آئے ہیں" تو جان لو کہ جو میری زیارت کے لئے مدینہ آئے گا روزِ قیامت وہ میرے پڑوس میں ہوگا۔

بندۂ مسکین حصہ اللہ بفضلہ المتین یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے کہ جو میری قبر کی زیارت کرے گا گویا اس نے میری زیارت کی ایک روایت میں ہے کہ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔ لہٰذا قبر انور کی زیارت کرنے والا بھی انشاء اللہ تعالیٰ اس بشارت میں داخل ہوگا۔ مدینہ طیبہ میں ایک درویش کہتا تھا کہ زیارت کرنے والے کے لئے حضور اکرمؐ کی زیارت کرنا معنوی صحبت کے درجہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث اس معنی کی مؤید و مثبت ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے وفائے عہد کیا اور امانت و عمدہ ہمسائیگی کا وعدہ فرمایا۔ اور ظلم سے منع فرمایا۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ظلم قیامت کی تاریکیوں میں سے ہے۔ اس کے بعد اس وفد کو حضور اکرمؐ نے انعام و اکرام دے کر رخصت فرمایا۔

ایک اور وفد زُہادیین کا ہے۔ زُہاد بر وزن سحاب، یہ مذحج قبیلہ کا باپ تھا۔ یہ پندرہ آدمی آئے تھے اور انہوں نے رملہ بنت الحارث کے گھر میں اقامت کی تھی۔

حضور اکرم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ ان کی تلاش میں تشریف لے گئے اور تنگ وقت میں ان سے گفتگو فرمائی۔ اس وفد نے اپنے زاد راہ سے کچھ نکالا اور مہمانداری کے طور پر حضور اکرمؐ کے سامنے رکھا اور عرض کیا "یا رسول اللہؐ! دست مبارک اس طرف بڑھائیے اور تناول فرمائیے"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "میں روزے سے ہوں" صحابہ سے فرمایا کہ "تم کھاؤ"۔ گویا کہ اس قوم کا زاد راہ نکالنا اور حضور اکرمؐ کا تناول فرمانے سے تکلف فرمانا ایک قسم کی جرأت اور سوء ادب تھی۔ جو حضور اکرمؐ کے مزاج عزت و رفعت مکان پر گراں گزری۔ اور روزہ کا ہونا بھی اس کا مؤید و موکد ہوگا۔ اگر حضور اکرمؐ کو ان کی خاطر داری مقصود ہوتی تو توجہ فرماتے اور نفلی روزے کی جیسا کہ متعدد مواقع اور جگہوں میں افطار کیا ہے یہاں بھی گنجائش تھی۔ بہرحال بزرگوں کا مقام عزت بہت بلند اور نازک محل ہے (واللہ اعلم) حضور اکرمؐ نے صحابہ سے فرمایا "کھاؤ" یہ بھی ایک عنایت ہے اور اشارہ ہے کہ ان کا تکلف کرنا مناسب تھا۔

ان کی جانب دوسرا التفات یہ فرمایا کہ وہ جو تحائف لائے تھے وہ سب گھوڑے تھے۔ جن کو وہ "مراح" کہتے تھے فرمایا ایک شخص اس پر سوار ہو تاکہ اس کی رفتار دیکھیں فرمایا میرا خیال ہے کہ یہ گھوڑا...... تیز رفتار اور سبک خرام ہوگا۔ ان میں سے ایک شخص نے عرض کیا یہ گھوڑا ابجر ہے لیکن تھکا ہوا ہے اس سبب سے اچھا مظاہرہ نہ کرے گا۔ فرمایا اس کی پرورش اور نگہداشت کرو پھر حضور اکرمؐ نے ارادہ فرمایا ان کی دوڑ کرائی جائے۔ وہ شخص جو تحفہ لایا تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اجازت دیجیے کہ میں اس پر سوار ہوں۔ پھر وہ سوار ہوا اور میدان میں دوڑ لگائی۔ اور وہ گھوڑا آگے نکل گیا حضور اکرمؐ نے فرمایا "اَمَّا اَرَاهُ بَحْرًا" ہم نے اسے دریا دیکھا۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اس گھوڑے کو قبول فرمایا اور اس کے عوض اس کو دوسرا گھوڑا مرحمت فرمایا۔ اور آدمیوں کو انعام دیا پھر وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹ گئے۔

ایک اور وفد غامد کا ہے یہ قبیلہ کے باپ کا نام تھا۔ اور اسی کی طرف نسبت کرکے غامدیہ کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام تو عمر بن عبداللہ تھا مگر اس کا لقب غامد تھا۔ اور یہ لقب اپنی قوم کی اصلاح اور ان کے معاملات کے درستگی کے باعث

تھا۔ یہ دس آدمی تھے اور بقیع غرقد میں جو مدینہ طیبہ کا مقبرہ ہے قیام کیا۔ اور ایک جوان کو جو ان میں سب سے کم عمر تھا مال و اسباب کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا جس شخص کو تم منزل میں حفاظت کے لئے چھوڑ آئے ہو وہ سو گیا ہے چور آیا اور تم میں سے ایک کی زنبیل چرا کر لے گیا۔ پھر وہ جوان اس زنبیل کو ان سے واپس لایا اور اسے اپنی جگہ پر مضبوطی سے رکھ دیا ہے۔ جب یہ لوگ قیام گاہ واپس پہنچے تو حقیقت حال کو ویسا ہی پایا جیسا کہ حضورؐ نے خبر دی تھی۔ وہ کہنے لگے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی خبر دی تا کہ ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیں۔ پھر وہ جوان بھی آگیا اور ایمان لایا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیؓ بن کعب سے فرمایا کہ جب تک یہ لوگ مدینہ میں ہیں انہیں قرآن کریم پڑھائیں۔

ایک اور وفد بجیلہ کا ہے۔ جریرؓ بن عبداللہ بجلی اسی قبیلہ سے منسوب ہیں۔ یہ وفد ڈیڑھ سو آدمیوں کا تھا۔ ان کے آنے سے پہلے حضور اکرمؐ نے خبر دی کہ تمہارے پاس ایسا شخص آئے گا جس کے چہرے کو فرشتے نے مسح کیا ہے۔ یہ جریرؓ کے حسن و جمال کی طرف اشارہ ہے۔ گویا کہ ان کے چہرے پر فرشتہ نے ہاتھ پھیرا ہے اور ملا ہے۔ وہ بڑے بارعب حسین و جمیل تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے جریرؓ سے زیادہ حسین و جمیل شخص نہیں دیکھا بجز اسکے کہ میں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کی خبر سنی ہے۔ ان کو یوسفِ امت کہتے ہیں۔ غرضکہ حضرت جریرؓ اور ان کی قوم مسلمان ہو گئی۔ بقیہ حضرت جریرؓ کے احوال، حضورؐ کے قاصدوں کے بیان میں آخر کتاب میں آئیں گے۔

ایک اور وفد بنی حنیفہ کا تھا جب یہ مدینہ طیبہ میں آئے تو رملہؓ بنت الحارث کے مکان میں حضور اکرمؐ کے اشارہ پر ٹھیرے۔ دوسرے دن شرف اسلام سے مشرف ہوئے مسیلمہ کذاب بھی اسی جماعت میں شامل تھا اس نے بھی شریعت محمدیہ کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ قبول کیا تھا۔ جب وہ یمامہ لوٹے تو شیطان کے اغوا سے مرتد ہو گیا، نبوت اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ساتھ شرکت کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا۔ بقیہ اس کی شقاوت اور اس کا انجام کا حال گیارہویں سال میں مذکور ہوگا۔ بنی حنیفہ کا وفد دسویں سال میں آیا تھا۔

ایک اور وفد فیروزؓ دیلمی، نجاشی کے خواہر زادے کا آیا تھا۔ یہ آئے اور ایمان لائے

یہ فیروز رضؓ وہ شخص ہے جس نے اسود عنسی کو جس نے دعویٰ نبوت کیا تھا قتل کیا تھا۔ جیسا کہ اپنی جگہ انشاءاللہ مذکور ہوگا۔

اب ہم نویں سال کے بقیہ واقعات کے بیان کی طرف رجوع ہوتے ہیں جو وفود کے یکجا ذکر کرانے کی وجہ سے رہ گئے تھے۔

## ابن ابی منافق کی موت

نویں سال کے ماہ شوال میں عبداللہ بن ابی بن ابی سلول جو منافقوں کا رئیس و سردار تھا بیمار ہوا۔ اور مرض بدنی جو مرض قلبی کا ضمیمہ تھا جس میں منافقین مبتلا تھے شامل حال ہوا۔ اور ذیقعدہ میں مرگیا۔ اور مرکر اسفل السافلین پہنچا۔ اس کا ایک بیٹا تھا اس کا نام بھی عبداللہ رضؓ تھا وہ انتہائی مخلص و صادق مسلمان تھا۔ وہ بیماری کے زمانہ میں اس کی مزاج پرسی کے لئے گیا۔ اور جس روز وہ مرا ہے اسی دن حضورؐ اس کے پاس گئے اور اس کے سرہانے تشریف رکھی وہ نزع کی حالت میں تھا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا میں نے تجھے یہود کی دوستی سے منع کیا تھا مگر تو نے نہ سُنا اور نہ مانا اس نے کہا "یارسول اللہؐ! یہ وقت عتاب و سرزنش کا نہیں ہے میں اس دنیا سے جارہا ہوں" معلوم نہیں کہ اس نے ہی حضورؐ کو یارسول اللہؐ! سے مخاطب کیا یا راوی نے بطریق ادب اپنی طرف سے بڑھایا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لفظ اپنے نفاق سے ہی کہا ہوگا اور اپنی نزع کی حالت اور اپنی عاجزی و پریشانی کی حالت میں کہا ہوگا۔ اور اگر اس نے قصد و یقین کے ساتھ کہا ہے تو یہ "ایمان یاس" کی صورت بنے گی (واللہ اعلم)

اس نے کہا جب میں مرجاؤں تو میرے جنازے پہ آنا اور اپنی قمیص مبارک مجھے دینا تاکہ اسی میں مجھے کفن دیں"۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس دن دو قمیص مبارک پہنے ہوئے تھے حضور اکرمؐ نے اوپر کی قمیص اسے دی۔ ابن ابی نے کہا وہ قمیص مبارک دیجئے جو بدن اقدس سے ملی ہوئی ہے۔ حضور اکرمؐ نے اس قمیص کو جسے وہ چاہتا تھا نہ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ قمیص مبارک جو اندر تھی جسے وہ مانگتا تھا نہ دی۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے نے مانگی کہ وہ قمیص مبارک جو بدن اقدس سے متصل ہے عنایت فرمادیں۔ اس کے بعد التجا کی کہ نماز پڑھیں اور میرے لئے استغفار کریں۔ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ جائیں اور اس کی نماز پڑھیں تو قدوۂ اصحاب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر عرض کیا "یارسول اللہؐ! آپ اس پر نماز پڑھیں گے حالانکہ وہ منافق تھا"۔ حضورؐ

نے تبسم فرمایا اور کہا "اے عمرؓ! میرا ہاتھ چھوڑو مجھے ان کے لئے ستر مرتبہ استغفار کرنے یا عدم استغفار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے میں نے استغفار کو اختیار کیا ہے۔ اگر تم جانتے ہو کہ ستر بار سے زیادہ میرے استغفار کرنے سے وہ بخشا جاتا تو میں ہزار سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا۔ اس میں اس آیۂ کریمہ کی طرف اشارہ ہے اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا ان کے لئے استغفار نہ کریں اگرچہ ستر مرتبہ ان کے لئے آپ استغفار کریں اور اللہ تعالےٰ ہرگز ہرگز ان کو نہ بخشے گا۔

نقل ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یعنی ان منافقوں میں جو بھی مرے کسی پر آپ کبھی نماز نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں کیوں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا"۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے ان افعال و اقوال کا صادر ہونا عجیب و غریب ہی بات ہے۔ اس کی کنہ و حقیقت تک کسی کی رسائی ممکن نہیں۔ ایک عجیب و نادر بات اہل سیر یہ کہتے ہیں کہ جبکہ ابن ابی کو دفن کر دیا گیا تو حضور اکرم اس کی قبر پر گئے اور فرمایا اسے باہر نکالو پھر اس کے سر کو اپنے آغوش میں مبارک میں لیا اور اپنا لعاب دہن شریف اس کے منہ میں ڈالا۔ ظاہر ہے یہ سب افعال اس کے بیٹے کی خاطر سے تھے چونکہ وہ محبانِ صادق اور مخلصانِ بارگاہ میں سے تھا۔ اور اس اظہار کے لئے تھا کہ لوگ جان لیں کہ شفاعت بغیر سرمایہ ایمان کے کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ اور حکم قطعی ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ اور حضور اکرمؐ نے یہ جو کچھ کیا ظاہر داری میں تھا حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ممکن ہے کہ اس میں کوئی حکمت و مصلحت پنہاں ہو جس کو حضور اکرمؐ کے سوا کوئی نہ جان سکتا ہو اور نہ معلوم کر سکتا ہو۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ ان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ظاہر ہوئی کہ وہ منافقین جو ابن ابی کے تابع و موافق تھے اور غیر تھے جب انہوں نے اس کے حق میں اتنا لطف و کرم اور مہربانی دیکھی تو آشنا ہو گئے اور اسلام میں داخل ہو کر انقیاد و اطاعت کا قلادہ اپنے گلے میں ڈالا۔

منقول ہے کہ ابن ابی کی موت کے دن منافقوں نے جو یہ دیکھا کہ ان کا پیشوا آخر کار حضور اکرمؐ کی نماز و دعا کا محتاج و نیاز مند بن گیا ہے اور حضور اکرمؐ کی جانب سے اس کے بارے میں الطاف و اکرام کا مشاہدہ کیا تو ایک ہزار منافقین نے آکر توبہ کی اور صدق و اخلاص کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔

بعض علمار کرام قمیص مبارک دینے کے بارے میں توجیہ و تاویل کرتے ہیں کہ روز بدر جب حضرت عباسؓ مسلمانوں کے اسیر ہوئے تو وہ اس بنا پر برہنہ رہے تھے کہ وہ چوں کہ طویل القامت تھے کسی کی قمیص ان کے جسم پر پوری نہ اترتی تھی۔ اس ابن ابی نے اپنی قمیص انہیں پہنائی تھی۔ حضور اکرمؐ نے اس وقت اس کا بدلہ چکایا تاکہ اس کے احسان کا بوجھ اتر جائے اور نماز اور استغفار کے ذریعہ نوازش فرمانا اس بنا پر تھا کہ روز حدیبیہ مشرکوں نے عبداللہ ابن ابی سے کہا تھا کہ ہم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کو تو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیں گے لیکن تجھے ہم اجازت دیتے ہیں کہ تو عمرہ کرلے۔ اس نے جواب دیا تھا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہمارے پیشوا ہیں میں ان پر سبقت نہیں کروں گا۔ چونکہ اس نے اس احترام کو ملحوظ رکھا تھا ہر چند کہ وہ نفاق سے تھا حضور اکرمؐ نے اس کا بدلہ بھی اس پر نماز پڑھنے اور استغفار کرنے سے اتار دیا۔ (کذا قیل)

یہ باتیں ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ نہ یہ تشفی کرتیں اور تحیر کو دور کرتی ہیں۔ اور نہ اعتراض کو دفع کرنے والا ہے اور نہ قطعی جواب ہے۔ چونکہ وہم میں یہ کہا جاتا ہے کہ شرک کے نہ بخشے جانے کی خبریں اور استغفار کرنے اور نہ کرنے میں اختیار دینے کی آیت جو منافقوں کے بارے میں ہے اور ان کا نہ بخشا جانا اور اس باب میں اور بھی جو آیتیں ہیں وہ سب ابن ابی کے مرنے کے بعد واقع ہوئی ہیں۔ اور اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ واقع ہوا وہ ان آیتوں کے نزول سے پہلے ہے۔ اگر یہ بات مکمل و صحیح ہوتی تو اس وہم سے نجات کی صورت بن سکتی تھی۔

بعض علمار کہتے ہیں کہ استغفار کی ممانعت اس کے لئے ہے جو (ظاہر طور پہ) شرک پر مرا ہو۔ یہ ممانعتِ استغفار اس کے اوپر نہیں ہے جو اسلام کو ظاہر کرتا ہوا مرا ہو۔ اس لئے کہ احتمال ہے کہ آخر کار میں باطن ظاہر کے موافق بن گیا ہو۔ اس احتمال پر ممکن ہے حضور اکرمؐ نے استغفار کی ہو۔ خصوصاً عین دنیا سے جاتے وقت جبکہ اس سے پشیمانی کے آثار ظاہر ہوئے۔ اس

تقدیر پر ممانعت کی خبر اگر ثابت ہو جائے تو بعید نہیں ہے کہ کہا جائے کہ حضور اکرمؐ کے یا افعال و اقوال، عبداللہ کے لئے دعوتِ ایمان کے قصد سے ہوں۔ اور اس کی معروضات کو قبول فرمانا اس کی تالیف و ترغیب اور استمالت کے لئے ہو۔ اس کے بعد جب ممانعت نازل ہوئی تو اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

جمع الجوامع میں علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے عبداللہ بن ابی کو صحابہ کے ضمن میں ذکر کر کے حضرت شیخ اجل اکرم علی متقی رحمہ اللہ نے جامع کبیر کے حاشیہ میں اس کی تصویب کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "ہذا بحسب الظاہر والا ہو کان منافقاً" (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

## شاہ حبشہ نجاشی کا انتقال

نویں سال کے واقعات میں شاہ حبشہ نجاشی کی رحلت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ جس دن نجاشی نے وفات پائی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم نے فرمایا آج تمہارے بھائی مردِ صالح اصحمہ نے وفات پائی۔ اٹھو اور ان کی نماز جنازہ پڑھو اور اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اس کے بعد ہم حضور اکرمؐ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے اور ہم نے عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھی۔

واضح رہنا چاہیئے کہ جنازہ غائب کی نماز پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام احمد اور جمہور سلف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ نماز جنازہ کے شرائط میں سے یہ ہے کہ نماز پڑھنے والے کے سامنے میت موجود ہو۔ اور یہ صورت غائب میں موجود نہیں ہوتی۔ اور ان اماموں کی حجت جو جائز کہتے ہیں نجاشی کی حدیث ہے۔ لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ مصلی کے سامنے میت کا ہونا شرط نہیں ہے۔ اور جو ائمہ عدم جواز کا حکم دیتے ہیں وہ نجاشی کے قصہ کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس جگہ بھی نماز غائب پر نہ تھی بلکہ زمین کو لپیٹ کر ان کے جنازہ کو حضورؐ کے سامنے ظاہر کر دیا گیا۔ یا جنازہ کو حضورؐ کے سامنے لے آیا گیا۔ اور جماعت والوں کا یعنی مقتدیوں کا دیکھنا شرط نہیں ہے۔

واقدی اپنی تفسیر میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے نجاشی کے جنازہ کو پیش نظر کر دیا یہاں تک آپ نے ملاحظہ فرما کر نماز پڑھی۔

نیز مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے تبوک میں اس صحابی کی نماز جنازہ پڑھی جو کہ مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے تھے اُن کا نام معاویہ لیثی تھا اور فرمایا ستر ہزار فرشتے ان پر نماز پڑھ رہے ہیں اور فضیلت اس بنا پر ہے کہ وہ سورۂ اخلاص کو بہت زیادہ پڑھا کرتے تھے۔

آج بھی حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیما وتشریفا میں متعارف ہے کہ جب خبر پہنچے کہ فلاں مرد صالح کسی اسلامی شہروں میں فوت ہوگیا ہے تو شوافع اس پر نماز پڑھتے ہیں اور بعض احناف بھی ان کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں۔ قاضی علی بن جار اللہ جو اس فقیر کے یعنی صاحب مدارج النبوۃ کے شیخ حدیث ہیں ان سے پوچھا گیا کہ احناف ایسی نماز غائبانہ پڑھنے میں کیوں شریک ہوتے ہیں؟ تو فرمایا یہ دعا ہے جو کرتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ حضور اکرمؐ سیدنا غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں کہ ہر روز بطریق در دنماز جنازہ اس روز پڑھے۔ آپ یعنی غوث اعظم رحمہ اللہ حنبلی ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے۔

## حج مبارک در امارت صدیق اکبر

اسی سال حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کو ماہ ذیقعدہ میں ایک گروہ کے نزدیک ذی الحجہ میں اور بعض کہتے ہیں کہ آخر ذیقعدہ میں حج کے لئے بھیجا۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ حج کی فرضیت چھٹے سال سے شروع کی آیتوں کا نزول اسی میں ہے اور فرمایا کہ :- وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ اللہ کی جانب سے لوگوں پر خانہ کعبہ کا حج فرض ہے؛ اور یہ سال نہم میں واقع ہے۔ محققین کے نزدیک قول مختار یہی ہے۔ لیکن اس سال حضور اکرمؐ کا تشریف لے جانا غزوات کے معاملات میں انہماک اور وفود کے آنے اور انہیں تعلیم دینے کے باعث ممکن نہ ہوسکا تھا۔ اس بنا پر حضور اکرمؐ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ پر امیر الحاج بنایا اور بیسؓ بدنہ اور پانچ بدنہ خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے تھے لے کر مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ تاکہ مراسم حج ادا کریں اور لوگوں کو تعلیم دیں۔ اور سورہ برات کی ابتدائی تیس یا چالیس آیتوں کو لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور اکابر صحابۂ کرام میں سے مثلاً حضرت سعد بنؓ ابی وقاص، عبد الرحمٰنؓ بن عوف، جابر بن عبد اللہؓ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی اس جماعت کے ساتھ تھے۔ اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد ذو الحلیفہ سے احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو جبریل علیہ السلام حضور اکرمؐ کی بارگاہ

میں آئے اور کہا کہ ادائے رسالت اور پیغام نہ کرے مگر آپ یا علی مرتضیٰ ؓ۔ ایک روایت میں ہے کہ یا وہ شخص جو آپ کا ماذون ومجاز ہو۔ اس لئے کہ ثبوت عہد ونقض عہد، اس شخص کا کام ہے جو صاحب معاملہ ہو۔ یا وہ شخص جو اس کے خویش وقرابت میں سے ہو۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضےٰ ؓ سے فرمایا کہ حضرت ابوبکر ؓ کے پیچھے جاؤ اور ان آیتوں کو ان سے لیکر حج کے دن لوگوں پر پڑھو۔ اور یہ چار باتیں بھی فرمائیں کہ ان کو لوگوں پر بیان کردیں۔ ایک یہ کہ جنت میں کوئی جان داخل نہ ہوگی مگر یہ کہ وہ مومن ہو دوسرے یہ کہ کوئی شخص برہنہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور مسجد حرام میں داخل نہ ہو اور قربانی نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ کافروں میں سے جس نے خدا اور اس کے رسول کے ساتھ کوئی میعادی عہد باندھا ہے تو اس کی میعاد گزر جانے کے بعد اپنے عہد پر قایم ہوگا۔ اور اگر کسی نے سرے ہی سے کوئی عہد نہیں باندھا جب تک کوئی عہد مقرر ہو چار مہینہ تک امان میں ہوگا۔ اس کے بعد اگر مسلمان نہ ہوا تو اس کا خون اور اس کا مال مباح ہوگا۔ اس کے بعد حضور اکرم ؐ نے اپنے خاص ناقہ پر جس کا نام "عضبا" تھا حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو سوار کیا اور ان فرمودات کی بجاآوری کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے روانہ فرمایا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حضرت صدیق اکبر ؓ کے ساتھ حج کے ارادہ سے جا رہے تھے جب منزل عرج میں پہنچے یہ مکہ کی راہ میں کوہ صحبان کے ساتھ ایک منزل کا نام ہے۔ صبح کی نماز کا وقت تھا اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ نماز کی امامت کے لئے آگے بڑھ چکے تھے ابھی نماز شروع نہ ہوئی تھی کہ حضرت علی مرتضیٰ ؓ حضور اکرم ؐ کی مخصوص سواری پر سوار داخل ہوئے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے دریافت کیا "تم امیر ہو یا مامور"۔ مطلب یہ کہ تمہارا آنا امیر کی حیثیت میں ہوا ہے اور میں معزول ہو چکا ہوں یا مامور ہو کر آئے ہو اور میں بدستور امیر اور تم میرے تابع اور مامور ہو؟ "علی مرتضیٰ ؓ نے فرمایا "نہیں بلکہ مامور ہو کر آیا ہوں"۔ مطلب یہ کہ امیر الحاج تم ہی ہو اور میں تمہارا تابع ہوں لیکن فرمان واجب الاذعان ایسا صادر ہوا ہے کہ سورۂ برأت کی وہ آیتیں میں پڑھوں گا اور امن کے بارے میں وہ احکام جو میں لیکر آیا ہوں میں پہنچاؤں گا۔

جب یہ مکہ مکرمہ پہنچے اور مناسک حج بجالاتے ہوئے ایام حج میں مقررشدہ خطبہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پڑھا اور مناسک حج کی تعلیم فرما چکے تو اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ ؓ کھڑے

ہوئے اور اُن آیتوں کو اور چاروں حکموں کو ان تک پہنچایا اس کے بعد جب ان مہموں سے فارغ ہو گئے تو مدینہ طیبہ کی طرف مراجعت فرمائی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! مجھ سے کیا سرزد ہوا تھا جس کی وجہ سے سورۂ برأت کی قرأت مجھ سے لیلی" حضور اکرم نے فرمایا "تم سے کوئی بات سرزد نہیں ہوئی ہے اور نہ کوئی نقص تمہاری طرف سے واقع ہوا ہے۔ تم میرے مصاحب غار میں رہے ہو اور میرا مصاحب حوض کوثر پر میرے ساتھ ہو گا۔ لیکن جبریل علیہ السلام آئے اور انہوں نے حکم الٰہی پہنچایا کہ ان امور کو یا تو آپ پہنچائیں یا وہ شخص جو آپ کا قریبی رشتہ دار ہو۔ اس بنا پر میں نے یہ کیا۔ یہ آیتیں مشرکین کے نقضِ عہد اور منافقوں کی ذلّت و رسوائی پر مشتمل ہیں۔

مجھے ایک واقعہ یاد ہے کہ ایک مجلس تھی جس میں کچھ شیعہ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک، جس پر جہل و تعصب اور اس کی طبیعت پر عناد غالب تھا کہنے لگا کہ حضور اکرم نے امیر یعنی علی مرتضیٰ رض کو نصب کیا اور ابو بکر کو معزول کیا کسی دوسرے شیعہ، جو علم و انصاف رکھتا تھا وہ اس بات کا منکر ہوا اور کہا کیوں جھوٹ بکتا ہے۔ اور بکواس کرتا ہے۔ لیکن اس وقت اس قضیہ کے بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ منصب امیر الحاج اور تعلیم احکام حج، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے ہی سپرد تھے۔ اور قرأت آیات اور تبلیغ احکام اربعہ، حضرت علی مرتضیٰ رض کو تفویض فرمائے۔ چونکہ یہ حکم پہلے حضرت ابو بکر صدیق رض کو ہی سونپے گئے تھے بعد ازاں علی مرتضیٰ رض کے حوالہ ہوا اس بنا پر عزل کے توہم نے راہ پائی۔ لیکن کلیتہً معزولی کا ہونا اور اس شیعہ کی غرض بھی یہی تھی وہ منتفی ہے اس لئے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، نے پوچھا تھا کہ تم امیر ہو کے آئے ہو؟" حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے جواب دیا نہیں بلکہ مامور تابع ہو کر آیا ہوں"۔

## قضیہ لعان

بقول اکثر اہل سیر، اسی سال لعان کا قضیہ واقع ہوا، مشکوٰۃ میں اس بارے میں دو حدیثیں مروی ہیں۔ ایک حدیث عویمر رض بن الحارث عجلانی منسوب بعجلان جو خالو زادۂ انصار کی ایک شاخ ہے اور ان کی بیوی جس کا نام خولہ رض بنت قیس تھا کے درمیان ہے۔ متفق علیہ حدیث میں جو سہل رض بن سعد ساعدی سے مروی ہے اور وہ اکابر صحابہ اور مدینہ میں تمام صحابہ کے آخر میں وفات پانے والے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ عویمر رض عجلانی

بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یارسول اللہ! اس شخص کے بارے میں حکم فرمایئے جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی اور کو زنا کرتے دیکھا کیا وہ اسے قتل کر دے یہاں تک کہ مقتول کے ورثاء اسے اس کے بدلے قتل کر دیں یا کیا کریں؟" مطلب یہ کہ درگزر کر دیں اور قتل نہ کریں؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن کریم میں حکم نازل کیا گیا ہے۔ مراد یہ آیت لعان ہے کہ:- وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَاۤءُ (یہانتک کہ) اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ

اس کے بعد فرمایا جاؤ اپنی بیوی کو لے کے آؤ۔ اس کے بعد عویمر رضؓ نے اور ان کی بیوی نے ایک دوسرے پر مسجد میں لعان کیا۔ جب باہمی لعان سے فارغ ہوئے تو عویمر رضؓ نے کہا "یارسول اللہ اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو میں نے جھوٹ بولا ہے اس پر اس نے تین طلاقیں دیدیں یہ طلاق ان کے گمان کی بنا پر ہے کہ انہوں نے یہ گمان کیا کہ لعان عورت کو مرد پر حرام نہیں کرتی تو انہوں نے طلاق دیدی تاکہ جدا ہو جائے۔ لیکن حکم یہ ہے کہ لعان کے ساتھ ہی عورت مرد سے جُدا ہو جاتی ہے خواہ تفریق کے بعد ہو یا تفریق کے بغیر۔ جیساکہ معلوم ہوا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بچہ یہ عورت جنے دیکھنا کہ کس شکل وصورت پر ہے۔ اگر وہ بچہ سیاہ رنگ، سیاہ آنکھیں، موٹے موٹے سرین اور پتلی ٹانگوں والا ہے تو میرا خیال ہے کہ عویمر رضؓ سچا ہے اور اگر سُرخ ہے اور جانور کے رنگ پر ہے جسے حرہ کہتے ہیں تو میرا خیال ہے کہ عویمر رضؓ جھوٹا ہے۔ اس عورت نے اس رنگ وصفت پر بچہ جنا جس کی صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر رضؓ کی صداقت میں بیان کی تھی۔ یعنی سیاہ رنگ کا۔ اور یہ رنگ اس مرد کے رنگ کے مشابہ تھا جس کی طرف زنا کی نسبت کی گئی ہے۔ اس کے بعد وہ بچہ اس کی ماں کی طرف منسوب کیا گیا۔ جیساکہ ولدالزنا کے لئے حکم ہے کہ ایسے بچّے کی نسبت ماں کی طرف کی جاتی ہے۔ اور ماں کا وارث بنتا ہے نہ کہ باپ کا۔ دوسری حدیث بخاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ہلال رضؓ بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک رضؓ بن سحماء کے ساتھ قذف یعنی تہمت رکھی۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم گواہ لاؤ یا اپنی پشت پر حدِ قذف لگوانے کو قبول کرو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کوئی شخص جب اپنی بیوی کے پاس کسی اور مرد کو دیکھتا ہے تو اتنی گنجائش اور وقت کہاں ہوتا ہے کہ جا کر گواہوں کو لائے۔ حضور اکرمؐ نے پھر یہی فرمایا کہ یا تو گواہ لاؤ یا حد لگواؤ۔ انہوں نے عرض کیا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو

حق کے ساتھ بھیجا میں اپنی بات میں سچا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ ضرور کوئی چیز نازل فرمائے گا جو میری پشت کو حد سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور یہ آیت لائے:۔ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَھُمْ۔ الآیہ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اس آیت کو اِنْ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ تک پڑھا۔ پھر حضور اکرمؐ نے مرد و عورت دونوں کو نصیحت فرمائی کہ لامحالہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور دنیا کا عذاب آسان ہے اس کے بعد وہ عورت اٹھی اور شہادت دینا شروع کیا۔ اور قسم کھائی لوگوں نے مبالغہ و اصرار کیا کہ توقف کرے اور عجلت نہ کرے۔ جب پانچویں شہادت پر پہنچی تو تردد و توقف کیا اور کہا کہ میں تمام عمر اپنی قوم کو رسوا نہ کروں گی پھر وہ باز نہ آئی اور توقف نہ کیا اور قسم کھالی۔ اس کے بعد دونوں میں تفریق کر دی گئی۔ نیز حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ عورت جو بچہ جنے اس کی صورت و شکل دیکھو، جیسا کہ عویمر کی حدیث میں فرمایا تھا تو وہ شریکؓ کی شکل و صورت پر بچہ لائی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا اگر نہ ہوتا وہ جو کتاب اللہ نے حکم دیا ہے تو میں اس عورت کے ساتھ وہ کرتا جو میں نے اس کے ساتھ نہ کیا اور جس کی وہ مستحق تھی۔ مطلب یہ کہ چونکہ خدا اور اس کی شریعت کا حکم یہی ہے اس لئے میں اس سے درگزر کرتا ہوں۔

واضح رہنا چاہیے کہ لعان، ملاعنت، اور تلاعن کے معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ہیں جب مرد اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور چار گواہوں کے ذریعہ ثابت نہ کر سکے اور عورت چار بار اقرار نہ کرے تو اس صورت میں حکم الٰہی یہ ہے کہ شوہر چار مرتبہ شہادت دے اور قسم کھائے کہ وہ صادقوں میں سے ہے اور پانچویں یہ کہے کہ خدا کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹوں میں سے ہوں۔ اس کے بعد چار مرتبہ عورت شہادت دے اور قسم کھائے کہ یہ مرد جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار کہے کہ خدا کا غضب ہو اس عورت پر اگر یہ مرد سچوں میں سے ہو جب مرد و عورت دونوں لعان کر چکیں تو حاکم دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا۔ مذہب احناف یہی ہے۔ اور یہ جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ فَفَرَّقَ بَیْنَھُمَا۔ ان دونوں کے درمیان جدائی کر دی"۔ یہ حدیث مذکورہ مذہب کا ثبوت ہے اور جمہور علماء کے نزدیک بغیر تفریق کے فرقت واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر شہادت نہ دے اور قسم نہ اٹھائے تو اس پر حد قذف ثابت ہو جاتی ہے اور اگر عورت شہادت نہ دے اور قسم نہ اٹھائے تو اس پر حد زنا ثابت ہو جاتی ہے۔ اسی بنا پر عورت نے کہا کہ اگر میں نے قسم نہ اٹھائی تو میں اپنی قوم کو

ذلیل کرنے والی ہوں گی۔ لہٰذا لعان نے جو کام کیا یہی کیا کہ مرد و عورت کو قذف اور زنا کی حد سے رہائی دی۔ لیکن بلاشبہ ان دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔ اگر دنیا کی سزا سے خوف کھایا تو فرمایا کہ عذاب آخرت میں ضرور گرفتار ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا: اِنَّ اَحَدَکُمَا کَاذِبٌ وَاِنَّ عَذَابَ الدُّنْیَا اَھْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰخِرَۃِ۔ یقیناً تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور بلاشبہ عذاب آخرت سے دنیا کی سزا اسہل و آسان ہے۔

اس کے بعد یہ بھی واضح رہنا چاہیئے کہ بچہ کا باپ سے نفی کرنا اور ماں کے ساتھ ملانا جو ثبوت زنا پر مبنی ہے بسبب اس مرد کے ساتھ مشابہت کے ہے جس کے ساتھ زنا پر متہم و موسوم ہوئی۔ بظاہر شوافع کا حکم قیافہ کے معتبر ہونے پر اس میں تمسک و استدلال ہے لیکن چونکہ لعان کی مشروعیت کی وجہ سے حد زنا ساقط ہو گئی تو حکم بدل گیا۔ یہاں تک کہ ماں کے ساتھ ملا دیا اور اس کے نسب کا ثبوت ماں کے ساتھ قائم ہو گیا۔ شوافع کے نزدیک قیافہ کے ساتھ حکم کرنا معتبر ہے مثلاً اس صورت میں کہ ایک باندی دو شخصوں میں مشترک ہے اور ہر ایک ملک یمین کی بنا پر اس سے وطی کرتا ہے۔ پھر وہ بچہ کو لاتی ہے تو امام شافعی قیافہ شناسی کا حکم دیتے ہیں وہ قیافہ سے جس کے ساتھ بھی مشابہت بتا دے اسی کا بچہ ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بحکم شرع دونوں کا بچہ ہے اگرچہ دونوں کا نہ ہو۔ لیکن احکام میں دو مردوں سے ہونے کا اعتبار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ قیافہ کی گمان و علامت سے زیادہ حیثیت نہیں ہے احکام میں اس پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور حضور اکرمؐ کے اس قول میں جو فرمایا کہ "اگر نہ ہوتی وہ بات جس کا خدا کی کتاب حکم کرتی ہے تو میں اس عورت کے ساتھ وہ نہ کرتا جو کیا"۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ قول اس کی دلیل ہے کہ حاکم کو مظنہ، علامات، قرائن اور گمان پر توجہ نہ دینی چاہیئے۔ اور حکم نہ دے مگر اس چیز کے ساتھ جو ظاہر طور پر حجج و دلائل شرعیہ جس کا اقتضار کرے۔ اور یہ قیافہ، مظنہ و علامات سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ تو اس کی بنار پر حکم نہ کیا جائے۔ بجز ان بعض مواقع کے جن میں مظنہ و علامات کفایت کریں۔

قیافہ کے معتبر ہونے میں شوافع کی ایک دلیل، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے کہ "کہا" میرے پاس ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش و خرم تشریف لائے کیوں کہ حضرت اسامہؓ اور زیدؓ دونوں باپ بیٹے مسجد میں سوئے ہوئے تھے

اور ان پر ایک مخملی چادر پڑی ہوئی تھی اور ان دونوں کے سر ڈھکے ہوئے اور دونوں کے پاؤں کھلے ہوئے تھے تو مجزز مدلجی نے جو کہ علم قیافہ میں یگانۂ روزگار تھا دیکھا تو اس نے کہا کہ ان دونوں کے قدموں میں بعض اجزا میں مشابہت ہے یعنی ان دونوں کے درمیان کل و جزئی کی نسبت ہے۔ جو باپ اور بیٹے ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس اجمال واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی جنہیں حضور اکرمؐ کمال شفقت سے بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔ سفید فام اور خوبصورت تھے اور حضرت اسامہ رضی کا جوان کا بیٹا تھا سیاہ رنگ تھا اور اتنے خوبصورت بھی نہ تھے اور اپنی ماں کے ساتھ جن کا نام ایمن رضی تھا اور وہ کالے رنگ کی تھیں مشابہت رکھتے تھے اور حضور اکرمؐ ان کو بہت چاہتے تھے اور حضرت اسامہ رضی کو "حب رسول اللہ" یعنی حضور اکرمؐ کا محبوب کہا کرتے تھے۔ اس پر منافقین حضرت اسامہ رضی کے نسب میں طعن کرتے تھے کہ باپ ایسا خوبصورت وسفید فام اور بیٹا ایسا۔ حضور اکرمؐ کو یہ بات ناگوار ہوا کرتی تھی۔ جب اس قیافہ شناس مجزز مدلجی نے ان کو دیکھا اور حکم دیا کہ یہ دونوں شخص باپ بیٹے ہونے چاہئیں تو حضورؐ نے بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس بنا پر شوافع کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے قیافہ شناس کے حکم کو معتبر جانا۔ اور اس کے حکم پر مسرت وخوشی کا اظہار فرمایا۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ حضورؐ کی خوشی ومسرت اس بنا پر تھی کہ اس قیافہ شناس کی بات اہل عرب میں بہت معتبر تھی یہ ان کے اوپر الزام تھا۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ قیافہ شناس کا قول احکام شرعیہ میں معتبر ہو۔ احناف کا مذہب یہ ہے۔

تنبیہ!۔ علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے ایسے شخص کو قتل کر دیا جو اس کی بیوی کے ساتھ زنا کر رہا تھا۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قصاص میں اسے قتل کیا جائے مگر یہ کہ اس پر چار گواہ گزارے یا مقتول کے ورثاء زنا کا اقرار کریں۔ اس صورت میں اس کے اور خدا کے درمیان کوئی مواخذہ نہیں ہے بشرطیکہ صادق ہو۔ (کذا قیل)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، جو انصار میں اکابر صحابہ سے ہیں۔ انہوں نے سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ پاؤں تو کیا میں اسے قتل کر دوں یا میں چار گواہ لاؤں۔؟ "حضور اکرمؐ نے فرمایا "ہاں چار گواہ لاؤ"۔ حضرت سعد رضی نے عرض کیا" اس خدا کی قسم جس

نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں اس سے پہلے اس کا علاج تلوار سے کروں گا۔" علماء فرماتے ہیں کہ ان کا یہ عرض کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد کرنے کے سلسلہ میں نہیں ہے اور نہ اس میں آپ کے حکم کی مخالفت ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کو مطلع کیا کہ مجھ میں عزت اور غضب اس حد تک موجود ہے لیکن شرع یہی ہے جو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "اے انصاریو! سنو اور غور کرو کہ تمہارا سردار کیا کہتا ہے؟ بلاشبہ وہ غیرتمند شخص ہیں اور میں اس سے زیادہ غیرتمند ہوں اور خدا مجھ سے بھی زیادہ غیور ہے۔ اور یہ حق تعالیٰ کی غیرت کی ہی وجہ تو ہے کہ بندوں پر گناہوں کے اظہار کو حرام قرار دیا ہے خواہ گناہ ظاہری ہوں یا مخفی طور سے۔" مقصود حضور اکرم ﷺ کا حدِ ذات میں غیرت کی صفت کی تعریف فرمانا ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ یہ عزت داروں کی صفات اور سرداروں کی عادات میں سے ہے۔ اگرچہ شریعت میں اس کا حکم اور ہے۔ غیرت کے معنی رشک کھانے کے ہیں۔ اور یہ غیرت محبوب پر ہوتا ہے تاکہ دوسرا اس میں دخل انداز نہ ہو۔ اور کسی ایسی ناپسندیدہ چیز کے دیکھنے سے جو اس سے متعلق ہو تکلیف پہنچتی ہے اور حق تعالیٰ کی غیرت، بندوں کو ارتکاب معاصی و محرکات سے جھڑکنے اور منع کرنے میں ہے۔ تاکہ وہ بارگاہِ قرب و رضا سے دور نہ ہو جائے۔ یہ بات اس کی محبت و عنایت کی بنا پر ہے جو اسے اپنے بندوں کے ساتھ ہے جس طرح دیکھتے ہی اس مرد کا قتل کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح عورت کو قتل کرنا یا سنگسار کرنا بغیر اثبات شرعی کے جائز نہیں ہے۔

# سال دہم ہجری کے واقعات

دسویں سال کے واقعات میں بکثرت وفود وغیرہ ہیں لیکن ہم نے وفود کے ذکر کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے خواہ وہ کسی بھی سال میں ہوں اس جگہ اب ہم وفود کے ماسوا واقعات بیان کرتے ہیں۔

**سریہ خالد بن ولید** دسویں سال کے واقعات میں سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ایک جماعت کے ساتھ بنی الحارث بن کعب کی جانب بھیجنا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو نصیحت فرمائی کہ تین مرتبہ ان کو دعوت اسلام دینا اگر قبول کرلیں تو ان میں رہنا اور انہیں قرآن وسنت کی تعلیم دینا اور اگر وہ قبول نہ کریں تو مقابلہ کرنا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ وہاں پہنچے اور دعوت اسلام دی وہ مسلمان ہو گئے اور بموجب فرمان نبوی حضرت خالدؓ نے وہاں اقامت فرمائی۔ قرآن کریم اور احکامِ شرعیہ انہیں سکھائے۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا اور کیفیتِ احوال ظاہر کی حکم ہوا کہ ان کی ایک جماعت کو اپنے ساتھ لے کر آجاؤ۔ چنانچہ حضرت خالدؓ ان کی ایک جماعت کے ساتھ مدینہ طیبہ آگئے۔ بارگاہ رسالت میں پہنچکر سلام عرض کیا اور کہنے لگے "نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی گواہی دیتا ہوں اور پھر ان میں سے ایک شخص کو جس کا نام قیسؓ بن حصین تھا ان پر امیر بنایا اور اپنے وطن مالوف واپس ہونے کی اجازت دی۔ اس کے بعد عمروؓ بن حزم کو ان کی طرف عامل بنا کے بھیجا تاکہ ان کے صدقات جمع کریں یہ عمروؓ بن حزم ابھی وہیں مقیم تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے کوچ فرمایا۔

عمرو رضؓ بن حزم کے حالات میں مرقوم ہے کہ وہ قبیلہ بنجار کے انصاری شخص تھے اور ان کی کنیت ابو ضحاک بعض کے نزدیک ابو محمد تھی۔ ان کا سب سے پہلا جہاد خندق ہے انہیں پندرہ سال کی عمر میں نجران کی طرف عامل بنا کے بھیجا گیا اور سترہ سال کی عمر میں ان کو یمن کی طرف بھیجا گیا ایک مکتوب گرامی ان کے ساتھ تھا جس میں فرائض وسنن اور دیات تحریر تھے۔

اسی سال ایک مکتوب گرامی نجران کے نصاریٰ کی طرف ارسال فرمایا نجران یمن کے ایک موضع کا نام ہے۔ جو نجران بن زید بن سبا سے منسوب ہے۔ ان کو دعوت اسلام دی گئی ان لوگوں نے باہمی مشورہ کیا اس کے بعد اپنے میں سے چودہ[14] افراد کو چن کر مدینہ طیبہ روانہ کیا تاکہ وہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال کی تحقیق کریں اور انہیں حالات سے باخبر کریں روضتہ الاحباب میں اسی طرح مرقوم ہے۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ وہ ساٹھ سوار تھے بیس[20] مرد ان کے سرداروں میں سے تھے اور ان میں تین شخص ایسے تھے جن کے ہاتھ میں زمام کار تھی ایک کا نام عاقب تھا جو امیر قوم، صاحب مشورہ اور ان کا رئیس وسردار تھا۔ ایک کا نام عبدالمسیح تھا۔ دوسرا "ایہم" تھا اور اس کا لقب سید تھا۔ اور وہ سامان اور ان کی جمعیت کا محافظ تھا۔ تیسرا ابوالحارث بن علقمہ تھا جو نہایت دانشمند اور ان کی قوم کا مدرس تھا۔ اور وہ اپنی ہی کتابوں کا درس دیتا تھا۔ ان کی قوم کے سلاطین اس کا اعزاز واکرام کرتے اور اسے مقبول گردانتے تھے وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال وصفات کا عارف اور کتب متقدمہ سے ان کو پڑھا ہوا تھا۔ لیکن اس کو نصرانیت پر دنیا کی محبت اور ان میں اپنی عزت و وجاہت نے اسے باقی رکھا۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ اس ابوالحارث بن علقمہ کا ایک بھائی بھی تھا جس کا نام کرز رضؓ بن علقمہ تھا۔ وہ بھی اس وفد میں شامل تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اثنائے راہ میں ابوالحارث بن علقمہ کا اونٹ سر کے بل گر پڑا۔ کرز نے کہا "وہ سر کے بل گرے جو بہت دور ہے۔ یعنی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم)" ابوالحارث نے کہا "بلکہ تو سر کے بل گرے"۔ کرز رضؓ نے کہا "اے بھائی ایسا کیوں کہتے ہو؟" ابوالحارث نے کہا "خدا کی قسم محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔" کرز رضؓ نے کہا "پھر کس بنا پر دین محمدؐ کو قبول نہیں کرتا اور ان کی پیروی سے کونسی چیز تجھے روکتی ہے؟" ابوالحارث نے کہا "حضور اکرمؐ کے ساتھ موافقت، اپنی قوم کی مخالفت کو مستلزم ہے اگر یہ بات ہم سے رو پذیر ہو جائے تو نصاریٰ میں جو ہماری قدر ومنزلت اور اعتبار ہے

ہم سے جاتی رہے۔ اور جو مال و منال اور سامان و تحائف ہمیں ملے ہیں وہ ہم سے چھین لیں۔ اس بات سے اسلام کی محبت کرزؓ کے دل میں پیدا ہوگئی اور اس نے اپنے اونٹ کو تیز ہانکنا شروع کر دیا۔ جب وہ حضور اکرمؐ کی دست بوسی سے شرف یاب ہوا تو ایمان لے آیا۔ منقول ہے کہ نجران کے نصاریٰ جب مدینہ طیبہ پہنچے تو راستے کے کپڑے اتار کر ریشمی جوڑے پہنے اور ان کے دامنوں کو زمین پر گھسیٹتے ہاتھوں میں انگوٹھیاں پہنے مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ اور سلام کیا حضور اکرمؐ نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا اور ان کی طرف سے رخ انور پھیر لیا۔ اور جب ان کی نماز کا وقت آیا تو وہ کھڑے ہوئے تاکہ نماز پڑھیں اور مشرق کی طرف منہ کیا ان کا قبلہ اس رخ پر ہے۔ جب صحابہ نے چاہا کہ انہیں اس سے باز رکھیں تو حضور اکرمؐ نے فرمایا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو تاکہ جس طرح چاہیں نماز پڑھیں۔ جب نماز پڑھ چکے تو پھر حضور اکرمؐ کے پاس آئے ہر چند باتیں کیں مگر جواب نہ ملا۔ پھر جب وہ مسجد سے نکلے تو حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو تلاش کر کے ان سے ملے چونکہ ان حضرات سے ان کی پہلے سے جان پہچان تھی۔ انہوں نے کہا تمہارے نبی نے ہماری طرف ایک مکتوب گرامی لکھا تھا اور ہمیں دعوت دی تھی جب ہم ان کے پاس آئے اور سلام کیا اور باتیں کیں تو انہوں نے ہمیں نہ سلام کا جواب دیا اور نہ ہم سے باتیں کیں۔ اب تم دونوں کی کیا رائے ہے آیا ہم اپنے شہروں کی طرف لوٹ جائیں یا توقف کریں؟" اس پر حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ نے حضرت علی مرتضیٰؓ سے کہا "اے ابوالحسن تمہاری رائے کیا ہے"۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا "میری رائے یہ ہے کہ یہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگشتریاں جدا کر کے راہبوں جیسا لباس پہنکر مجلس شریف میں آئیں"۔ پھر جب وہ اس وضع سے آئے اور حضور اکرمؐ کو سلام کیا تو حضور اکرمؐ نے ان کے سلام کا جواب دیا اور فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا یہ لوگ پہلی مرتبہ مجلس میں آئے تو ان کے ساتھ شیطان تھا۔ اس کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا اور انہوں نے بڑی بیہودہ اور لایعنی باتیں کیں۔ بالآخر بات یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے حضور اکرمؐ سے پوچھا کہ "آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "آج میں تمہارے سوال کا جواب نہیں دیتا تم اس شہر میں ٹھیرو تاکہ سوال کا جواب سنو"۔ گویا کہ وحی کا انتظار فرمایا کہ کیا آتی ہے اور کیا بیان لاتی ہے چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ہ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَہِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ہ

عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔ اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے اے سُننے والے یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک والوں میں نہ ہو پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرمادو آؤ ہم تم بولائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

---

چونکہ اس ارشاد کے بعد بھی وہ انکار اور بے اعتقادی پر مصر و قایم رہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم آیۂ کریمہ مباہلہ کرنے پر انھیں بلایا۔ مباہلہ کے معنی لغت میں ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے ہیں اور بُہلہ بضم یا بہ فتح، کے اصلی معنیٰ ترک کے ہیں۔ جیساکہ کہا جاتا ہے۔ بَهَلْتِ النَّاقَۃُ اِذَا تَرَکَھَا بِلَا اِصْرَارٍ ۔ ابتہال کی اصل یہی ہے۔ اس کے بعد اس لفظ کو ہر اُس دعا میں بولا جانے لگا جس میں خوب مبالغہ و کوشش کی جائے۔ اگرچہ اس میں لعان کرنا نہ ہو۔ اور آیۂ کریمہ کو بھی اسی معنٰے پر محمول کر سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دعا میں تضرع و ابتہال کریں کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو۔ حضور اکرمؐ جب مباہلہ کا قصہ ان کے سامنے لائے تو ان میں جو صاحب مشورہ تھا اس سے پوچھنے لگے کہ تیری رائے اس بارے میں کیا ہے؟ بالآخر اس نے جواب دیا کہ اے نصرانیو! قسم ہے خدا کی تم خوب جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی برحق ہیں۔ ان کے ساتھ مباہلہ نہ کرو۔ جس نے بھی کسی نبی کے ساتھ مباہلہ کیا ہے وہ ضرور ہلاک ہوئی ہے۔ اور جبکہ تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اپنے دین مالوف پر قایم و ثابت رہیں تو ان سے مصالحت کر کے اپنے شہروں کی طرف لوٹ چلو۔" دوسرے دن صبح کو جب وہ حضورؐ کی بارگاہ میں آئے تو حضور اکرمؐ کو خود مباہلہ کے لئے آمادہ و تیار پایا اور حسین رضؓ بن علی کو اپنے آغوش میں اور حسن رضؓ مجتبیٰ کو اپنے دستِ مبارک میں لئے ہوئے اور سیدہ فاطمۃ الزہرا حضور اکرمؐ کے

عقب میں اور حضرت علی مرتضیٰ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم اجمعین کے عقب میں موجود تھے حضور اکرمؐ نے ان سے فرمایا جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا: سبحان اللہ کیا وقت اور کیا سماں ہوگا کیا شان شاہد کی ہے اور کیا مرتبہ مشہود کا ہے۔

گروہ نصاریٰ نے جب ان پنج تن پاک کو دیکھا اور کلمات دعا و آمین سنے تو لرزنے اور کانپنے لگے۔ ابوالحارث بن علقمہ جو ان میں دانشمند تھا کہنے لگا: اے لوگو! میں ایسی پاکیزہ صورتوں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے چاہیں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو ان کی دعا سے وہ ٹل جائے خبردار! ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ اب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور کوئی نصرانی روئے زمین پر باقی نہ رہے گا: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو بندر اور خنزیر کی مانند ان کی صورتیں مسخ ہو جاتیں۔ اور یہ وادی ان پر آگ برساتی اور تمام اہل نجران کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتی یہاں تک کہ وہ جانور جو درختوں پر بیٹھے ہوتے وہ سب ہلاک ہو جاتے اور ایک سال نہ گزرتا کہ تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔ پھر انہوں نے کہا "اے ابوالقاسم! ہم آپ کے ساتھ مباہلہ نہیں کرتے"۔ حضورؐ نے فرمایا "پھر تم مسلمان ہو جاؤ"۔ انہوں نے کہا "یہ بھی ہم سے نہیں ہو سکتا"۔ فرمایا "پھر جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ"۔ انہوں نے کہا ہم میں آپ کے ساتھ جنگ کی قوت و طاقت نہیں ہے لیکن ہم آپ کے ساتھ اس شرط پر مصالحت کرتے ہیں کہ ہر سال ہم دو ہزار حلّے۔ ایک روایت میں ہے سُرخ حلّے اور ہر ایک کی قیمت چالیس درہم ہوگی۔ ایک روایت میں آیا ہے تیس ۳۰ گھوڑے، تیس اونٹ، تیس زرہ اور تیس ۳۰ نیزے بھی دیا کریں گے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اگر مسلمانوں کو ضرورت پیش آئے تو ہر ایک سے مذکور تیس ۳۰ تیس ۳۰ بطور عاریت دینا ہوگا۔ اور یہ کہ سود نہ کھاؤ گے اور ہم پر حملہ نہ کرو گے۔ تو ان تمام شرائط پر مصالحت واقع ہوئی اور اس باب میں صلحنامہ لکھا گیا صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بھی گواہی ثبت کی۔ یہ صلحنامہ انہیں دے دیا گیا۔ مروی ہے کہ واپسی کے وقت انہوں نے کہا "اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک امانت دار شخص ہمارے ہمراہ روانہ فرمائیے تاکہ اگر ہم میں کوئی نزاع واقع ہو تو وہ حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے"۔ فرمایا "ایک ایسا ہی قوی و امین شخص جو حق امانت بجا لائے میں بھیجتا ہوں پھر حضور اکرمؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کیا۔ اس کے بعد یہ جماعت اپنے شہروں کی طرف لوٹ گئی اور تھوڑی

مدت بعد سید رضؓ و عاقب رضؓ واپس آئے اور مسلمان ہو گئے اور ان کی تبعیت میں اور بھی جماعت مسلمان ہوئی ہوگی (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے رخصت کے وقت اسقف سے فرمایا "میں تجھے دیکھ رہا ہوں کہ تو اپنی منزل میں پہنچا ہے اور اپنے کجاوے کے آگے سویا ہے اس کے بعد اٹھا اور کجاوے کو اپنے اونٹ کی پشت پر اُلٹا باندھا ہے" چنانچہ اسقف اپنی منزل پہنچا اور سویا اور بعد ازاں اٹھ کر غفلت میں اپنے اونٹ پر اُلٹا کجاوہ رکھا ہے۔ جب وہ صورت حال سے باخبر ہوا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا پہلے سے اس کی خبر دیدینا یاد آیا۔ اسی وقت کہنے لگا "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ مباہلہ کے اس قصہ سے مباہلہ کی مشروعیت کا پتہ چلتا ہے اگر مخالف اور مصر ہو۔ باوجود اس کے کہ حجت و براہین ظاہر و واضح ہوں۔ اور کہتے ہیں تجربہ سے جانا گیا ہے کہ جس کسی نے مباہلہ کیا ہے تو جو باطل پر ہوتا ہے اور اس پر روز مباہلہ سے ایک سال بھی نہیں گزرتا (واللہ اعلم)

## تقسیم مملکتِ باذان

اسی سال یمن کے حاکم باذان نے وفات پائی۔ جب اس کی وفات کی خبر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں پہنچی تو اس کی مملکت کو تقسیم فرمایا۔ کچھ حصہ اس کے بیٹے شہر بن باذان کو دیا۔ اور کچھ حصہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کو اور کچھ حصہ یعلیٰ رضؓ بن امیہ کو اور کچھ حصہ معاذ بن رضؓ جبل کو مرحمت فرمایا۔ یہ باذان اصل میں کسریٰ کی جانب سے حاکم تھا۔ پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے ارسالِ خطوط کے ضمن میں (جو کہ حضور اکرمؐ نے بادشاہوں کے نام بھیجے تھے) بیان ہو چکا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کسریٰ کے نام بھی ارسال فرمایا تھا کسریٰ نے حضور اکرم کے فرمان کو چاک کر دیا تھا جیسا کہ مذکور ہوا۔

اسی سال حجۃ الوداع سے پہلے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ رضؓ اشعری اور حضرت معاذ رضؓ بن جبل کو یمن کے ہر ایک مخلاف کی طرف بھیجا۔ مخلاف کے معنیٰ شہر و ملک کے گوشے اور جانب کو کہتے ہیں۔ یمن کے دو مخلاف تھے۔ حضرت معاذؓ کا مخلاف بلندی پر صوبہ عدن کی جانب تھا۔ اور وہ مضافاتِ مقام "خبر" سے تھا۔ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی وہاں مسجد مشہور ہے۔ حضرتِ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا مخلاف نشیب میں تھا۔ حضور اکرمؐ نے ان کو وصیت فرمائی کہ لوگوں سے نرمی سے کام لینا۔ اور سخت گیری نہ کرنا اور

نرمی و بھلائی کی بشارت دینا اور ان کو اپنے سے دور نہ بھگانا۔ اور حضرت معاذؓ کو نصیحت فرمائی کہ تم ایسی قوم کی طرف جا رہے ہو جو اہلِ کتاب ہیں۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کو "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کی شہادت کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ تمہاری اطاعت و فرمانبرداری اختیار کریں تو ان کو بتانا کہ حق تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ و صدقات فرض کئے ہیں کہ تم سے لیکر تمہارے فقیروں پر صرف کر دیئے جائیں۔ پھر اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کریں تو خود کو دور رکھنا اور ان کے عمدہ نفیس مال لینے سے پرہیز کرنا مطلب یہ کہ ایسا نہ کرنا کہ صدقات کے اونٹ گائے اور بکریوں میں سے نفیس ترین اور چیدہ چیدہ جانور چن لو۔ اور بکتر و کمزور جانوروں کو چھوڑ دو مظلوموں کی آہ و بد دعا سے ڈرنا اور بچنا اس لئے کہ مظلوموں کی آہ اور بارگاہِ حق تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہے۔ (رواہ البخاری) اس کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھی حجۃ الوداع سے پہلے سنہ ۱۰ھ کے ماہ ربیع الاول یا ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ میں عبد المدان کی جانب جو کہ بخران کا قبیلہ ہے بھیجا وہ اسلام لائے۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یمن کی طرف ماہ رمضان مبارک سنہ ۱۰ھ میں تین ۳۰۰ سو سواروں کے ساتھ بھیجا۔ اور ایک علَم ان کے لئے تیار فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر دستارِ مبارک باندھی۔ اہلِ سیر کہتے ہیں کہ اس دستار کے تین پیچ تھے اور آگے کی جانب تقریباً ایک گز شرعی کا شملہ چھوڑا اور ایک کنارہ کندھوں کی جانب ایک بالشت کا چھوڑا۔ اور فرمایا "اے علیؓ میں تم کو بھیجتا ہوں اور تمہاری جدائی پر افسوس کرتا ہوں۔ اور فرمایا جب تم ان کے میدان میں پہنچو تو قتال میں پہل نہ کرنا جب تک کہ وہ جنگ کی ابتدا نہ کریں۔ ان کو "لا الٰہ الا اللہ" کی طرف بلانا۔ اگر وہ ایمان لے آئیں تو اقامت صلوٰۃ کا حکم دینا اگر وہ اس میں تمہاری اطاعت کر لیں۔ تو زکوٰۃ کا حکم دینا کہ وہ اپنے صدقات کو اپنے فقراء پر خرچ کریں۔ اگر وہ اسے مان لیں تو کسی معاملہ میں ان سے تعرض نہ کرنا۔

ممکن ہے کہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے درمیان اس طرح ترتیب قایم فرمانا اس کی فضیلت اور تمام عبادات پر اس کے مقدم ہونے کی وجہ سے ہو۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت، نماز کی فرضیت کے قبول پر موقوف ہے۔ تعجب ہے کہ اس حدیث میں روزہ اور حج کا ذکر نہیں ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ نماز دائمی فرض ہے، اور صدقات کا اہتمام فرمانا اس بنا پر ہو کہ اس میں مخلوق کا حق ہے۔ اور روزہ ............

سال میں ایک مرتبہ ہے۔ اور حج عمر میں ایک مرتبہ ہے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ساتھ ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ بہر حال اس جگہ انہیں دو فرضوں کا اہتمام واقع ہوا ہے۔ اور حضرت معاذؓ کے قصہ میں فریضۂ زکوٰۃ پر اہتمام کرنا مقصود ہے۔

منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے یمن جاتے وقت عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیج رہے ہیں جو اہل کتاب ہیں ......... اور میں جوان و نو عمر ہوں اور علم قضاء احکام شریعت پر اتنی اطلاع و مہارت نہیں رکھتا۔" اس پر حضور اکرمؐ نے اپنا دست مبارک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے سینہ پر رکھا اور فرمایا "اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ لِسَانَہٗ وَاھْدِ قَلْبَہٗ"۔ بلا شبہ آپ علم قضا میں اس مرتبہ تک پہنچے کہ حضور اکرمؐ کے زبان معجز بیان سے آپ کی منقبت میں یہ ناطق ہوا کہ:۔ اَقْضَاکُمْ عَلِیٌّ تم میں علیؓ مرتضیٰ سب سے زیادہ بہترین فیصلہ کرنے والے ہیں۔ آپ کی ہدایت و حقانیت کے باب میں یہ بہت عظیم منقبت ہے۔

نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حق تعالیٰ تمہارے ہاتھ سے کسی کو ہدایت دیدے تو یہ عمل ہر اس چیز سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع و غروب کرے، مطلب یہ کہ تمام دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہے۔ اس طرح مرتبۂ ہدایت کی فضیلت اور علو شان کی جانب اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان شہروں میں دعوتِ اسلام کا پھریرا لہرایا اور جہاد و محاربہ میں ثابت قدم رہ کر جماعت کثیرہ کی ہدایت فرمائی۔ اور انہیں دائرۂ اسلام میں داخل کیا۔ خصوصاً اہل یمن کے قبیلہ ہمدان کو یکبارگی سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے حضور اکرمؐ کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور ان کے اسلام کا اظہار کیا حضورؐ اس سے بہت خوش ہوئے اور سجدۂ شکر بجالائے۔ اس کے بعد جب سر مبارک سجدہ سے اٹھایا تو فرمایا "السلام علی ہمدان"۔

حضرت بریدہ اسلمیؓ سے مروی ہے جو پایۂ صحت کو پہنچی ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تھا بعد ازاں حضرت علیؓ مرتضیٰ کو ان کی جگہ بھیجا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو اس لئے بھیجا تاکہ جو مال غنیمت حضرت خالدؓ بن ولید نے جمع کیا ہے اس کا خمس لیکر پہنچا ئیں۔

حضرت بریدہ اسلمیؓ سے ہی مروی ہے کہ میں اس لشکر میں تھا جب پانچواں حصہ جدا ہوا

تو ان میں باندیاں بھی تھیں۔حضرت علی مرتضیٰؓ نے ان باندیوں میں سے سب سے بہتر باندی کو پسند فرما کے اس سے ہمبستری کی۔اس بات سے مجھے خاص کدورت اور اعتراض پیدا ہوا۔اور میں نے حضرت خالدؓ سے کہا" تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو کہ کیا کر رہے ہیں۔" اور میں نے کہا" اے ابوالحسنؓ یہ کیا بات ہے۔؟" آپ نے فرمایا" تم نہیں دیکھتے یہ باندی ہے جو خمس کی باندیوں میں واقع ہوئی ہے اس کے بعد آل محمد کے حصہ میں آئی۔اس کے بعد آل علیؓ کے حصہ میں آئی۔میں اس سے مباشرت کر رہا ہوں۔" گویا کہ انہوں نے حضور اکرمؐ کی جانب سے اجازت پائی تھی کہ ذوالقربیٰ کے خمس میں تمہارا حصہ ہے۔اس بنا پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے اسے تقسیم کیا اور باندی کو اپنے حصہ میں لائے۔حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں آیا تو میں نے یہ قصہ حضور اکرمؐ سے بیان کیا۔حضور اکرم نے فرمایا" اے بریدہؓ غالباً تم علی سے دشمنی رکھتے ہو۔" میں نے عرض کیا" ہاں! فرمایا ان سے دشمنی نہ رکھو۔اور اگر ان کے ساتھ محبت رکھتے ہو تو اس محبت کو اور بڑھاؤ۔اے بریدہؓ ان کا حصہ اس خمس میں ایک باندی سے زیادہ تھا۔"

حضرت بریدہؓ اسلمی سے ہی ایک روایت میں ہے کہ اس گفتگو سے حضور اکرمؐ کا رخسارِ مبارک تمتما گیا اور فرمایا" علیؓ کی شان میں بدگمانی نہ کرو۔کیونکہ وہ مجھ سے ہیں۔" اور میں ان سے ہوں۔وہ تمہارا مولیٰ ہے۔ہر وہ شخص جس کا میں مولیٰ ہوں، علیؓ اس کے مولیٰ ہیں۔ بعض شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ حضرت بریدہؓ کو حضرت علیؓ سے شکایت یہ تھی کہ انہوں نے بغیر استبرائے رحم، باندی سے وطی کی ہے اور یہ شکایت اور محل اعتراض نہیں ہے۔استبراء کا مسئلہ، فقہی اجتہادی مسئلہ ہے۔ممکن ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا اجتہاد اس طرف گیا ہو۔

بہر حال" خم غدیر" میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی رفعت شان اور ان سے موالات کی ترغیب میں جو کچھ واقع ہوا وہ حضرت بریدہ اسلمیؓ کی ان کی اس شکایت پر مبنی و موجب ہے۔جیسا کہ خم غدیر کے قصہ میں آئے گا۔(انشاء اللہ تعالیٰ) حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد صحابہ کے درمیان کوئی شخص ایسا نہ تھا جو میرے نزدیک حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبوب ہو۔

روضۃ الاحباب میں بعض ارباب سیر سے منقول ہے کہ یمن کی جانب حضرت علی مرتضیٰؓ

کا بھیجنا دو مرتبہ ہوا تھا ایک دسویں سال مذکورہ مرتبہ میں اور دوسرے کا انہوں نے ذکر نہیں کیا ممکن ہے کہ دوسری مرتبہ بھی اسی سال میں جانا ہوا ہو۔ یہ بات مسلم ہے کہ علی مرتضیٰ رضی یمن میں ہی تھے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حج کا احرام باندھا اور حضرت علی رض یمن سے آکر شامل ہوئے۔

---

# حجۃ الوداع

دسویں سال کے اعظم ترین واقعات میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا حج کرنا ہے پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حج کی فرضیت چھٹے سال میں یا نویں سال میں ہوئی ہے دوسرا راجح و مختار ہے اس بنا پر کہ اس کی دلیل قوی ہے۔ بہر تقدیر نویں سال میں دعوت اسلام تعلیم احکام، دین اسلام کی بنیادوں کے استحکام میں مشغولیت کی وجہ سے تشریف نہ لے جا سکے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ لوگوں کو حج ادا کرائیں۔ اور سنہ ۱۰ھ میں حضور اکرم خود حج کے لئے متوجہ ہوئے اس حج کو حجۃ الاسلام اور حجۃ الوداع بھی کہتے ہیں اس بنا پر کہ اس میں لوگوں کو حج کے مسائل و احکام سکھائے اور سفر آخرت کے ساتھ رخصت فرمایا۔ جیسا کہ فرمایا مجھ سے اپنے مناسک حج معلوم کر لو ممکن ہے کہ آئندہ سال میں حج نہ کروں اور زندہ نہ رہوں۔ اسی بنا پر حجۃ الوداع کا اطلاق احادیث اور کتب سیر میں واقع ہے۔ مواہب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حجۃ الوداع کہنے کو مکروہ جانتے تھے مگر اس کی وجہ بیان نہیں فرمائی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس نام سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا وداع و رخصت فرما جانا یاد آجاتا ہو اور یہ یاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے انتہائی درد و الم کا موجب تھی (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم غزوات اور وفود کے امور سے فارغ ہوئے تو حج

کے لئے تشریف لیجانے کا ارادہ فرمایا۔ اور اعلان کرایا کہ حضور اکرمؐ حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں۔ اور اطراف و اکناف میں لوگوں کو بھیجا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ میں لوگوں کا آنا شروع ہو گیا۔ آخر ذیقعدہ میں جبکہ اس مہینہ کی پانچ راتیں باقی تھیں خلق کثیر کے ساتھ رواں ہوئے اور چوتھی ذی الحجہ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ اس سفر میں اتنے اصحاب جمع ہوئے جن کا کوئی حد و حساب نہیں۔ بعض نوّے ہزار بتاتے ہیں۔ ایک روایت میں ایک لاکھ چودہ ہزار ہے۔ اور ایک روایت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جدھر بھی لوگ نظر اٹھاتے تھے آدمی ہی آدمی نظر آتا تھا۔

غرضکہ حضور اکرمؐ بروز شنبہ پچیس ذیقعدہ کو بر آمد ہوئے غسل فرما کر بالوں میں تیل ڈالا اور کنگھی کی اور احرام کے کپڑوں میں عطر لگایا اور گھر سے باہر تشریف لائے۔ ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں ادا فرما کر عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں قصر ادا فرمائی۔ اور احرام باندھ کر لبیک فرمائی اس کے بعد اپنے ناقہ پر جس کا نام قصواء تھا سوار ہوئے۔ جب ناقہ اٹھی تو پھر لبیک فرمائی۔ اور جب ناقہ اس پشتہ پر جو مدینہ طیبہ کے مقابل اونچائی پر ہے چڑھی تو پھر تلبیہ فرمایا۔ اس جگہ روایتیں مختلف ہیں بعض نماز کے بعد اس درخت کے قریب جہاں آپ تشریف فرما تھے اور اب اس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے اور اسے مسجد شجرہ کہتے ہیں تلبیہ کہنا بتاتے ہیں۔ اور بعض روایتوں میں ناقہ پر جبکہ وہ سیدھی کھڑی ہو گئی تھی مروی ہے، اور بعض میں پشتہ پر چڑھتے وقت مروی ہے۔ غرضکہ جس نے جس وقت سنا اور اس سے پہلے نہ سنا تھا وہی روایت کر دیا۔ درحقیقت تلبیہ کی ابتداء نماز کے بعد سے ہی تھی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک یہی سنت ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے روایت مشہورہ میں ہے کہ فرمایا

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔

بخاری و مسلم میں تلبیہ کے الفاظ اسطرح مروی ہیں لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّ فِيْ يَدَيْكَ لَبَّيْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَيْكَ وَالْعَمَلُ۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم باآواز بلند تلبیہ کہتے تھے یہاں تک کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سن لیتے تھے۔ اور حکم دیا کہ بلند آوازی سے تلبیہ کہو کیوں کہ جبریلؑ میرے پاس آئے ہیں اور وہ حکم دے رہے ہیں کہ اپنے صحابہ سے احرام میں بلند آوازی سے تلبیہ

کہنے کا حکم دیں۔

تلبیہ فرمانے کے بعد حضور اکرمؐ نے دعا مانگی جس میں خدا کی رضا، داخلۂ جنت" اور جہنم کی آگ سے پناہ میں رہنے کی دعا فرمائی۔ آپ کی سواری میں اونٹ تھا جس پر پرانا کجاوہ تھا اونٹ پر نہ شغدف تھا نہ محمل، نہ ہودج اور نہ محفہ، اور جب منزل "عرج" میں پہنچے یہاں حضرت ابوبکرؓ صدیق کا ایک غلام تھا جو پیچھے رہ گیا تھا جس کے پاس وہ اونٹ تھا جس پر حضور اکرمؐ اور حضرت صدیقؓ کا سامان سفر لدا ہوا تھا۔ وہ اس کی تحویل میں تھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے پہنچنے کا بہت انتظار کیا۔ جب وہ غلام پہنچا تو اس کے ساتھ اونٹ نہ تھا۔ حضرت صدیقؓ نے دریافت فرمایا اونٹ کہاں ہے اس نے کہا وہ مجھ سے گم ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت صدیقؓ اٹھے اور تادیب کے طور پر اسے مارنے لگے ممکن ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا اسے مارنے کا سبب اس اونٹ کی گمشدگی ہو جس پر حضور اکرمؐ کا سامان سفر تھا۔ اور اس شرمندگی کو دور کرنے کے لئے ہو جو ان سے غلام کی بدولت ہوئی۔ حضور اکرمؐ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ محرم کو دیکھو کیا کر رہا ہے: ۔ اُنظُرُوا اِلٰی هٰذَا الْمُحْرِمِ مَا یَصْنَعُ اس سے زیادہ زجر و توبیخ، فسادِ احرام اور وجوب جزا میں کچھ نہ فرمایا۔ اس لئے کہ اتنی تعداد کی جنایت سے جزا واجب نہیں ہوتی۔

روضتہ الاحباب، سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ابوا میں پہنچے تو سامان سفر بھی مل گیا۔ ابوا اور ودان دو مقامات کے نام ہیں۔ صعبؓ بن جثامہ لیثی حمار وحشی کو ہدیہ میں لائے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ہدیہ لائے عجز حمار وحشی کو جس سے خون ٹپک رہا تھا ایک روایت میں ہے کہ حمار وحشی کے گوشت کا ایک ٹکڑا لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ شکار کے گوشت کا ایک ٹکڑا لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ حمار وحشی کا پاؤں لائے حضور اکرمؐ نے اسے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ ہم محرم ہیں ہم شکار کا گوشت نہیں کھائیں گے۔ محرم کا شکار کے گوشت کے کھانے میں متعدد روایات اور مختلف اقوال مروی ہیں۔ اس کی تفصیل شرح سفر السعادۃ میں کر دی گئی ہے۔

جب حضور اکرمؐ وادی عسفان میں پہنچے تو فرمایا کہ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ ان کی سواری میں دو سرخ اونٹ ہیں اور کھجوروں کے پتوں کی لگام ہے ان کے تہبند اونی عبا کے ہیں اور ان کی چادریں اونی ہیں اور حج کا تلبیہ پڑھتے جا رہے ہیں۔ یہ روایت مسند امام احمد کی ہے۔ مسلم کی روایت میں مروی ہے کہ جب وادی ازرق

میں پہنچے تو فرمایا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو گزرتا دیکھ رہا ہوں اپنی دونوں انگلیوں کو اپنے کانوں میں رکھے بلند آواز تلبیہ کہہ رہے ہیں، بخاری میں بھی یہ روایت ہے لیکن وادی کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔ اس میں یہ ہے کہ فرمایا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وادی میں داخل ہوئے ہیں اور تلبیہ کہہ رہے ہیں۔ ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے۔ حدیث کے معنے میں کئی قول ہیں ایک یہ ہے کہ یہ خبر ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی ان کی اپنی حیات مبارکہ میں جو حالات رونما ہوئے ان میں سے ایک مذکورہ حالت تھی اس کی خبر دی کہ وہ حج کو آتے، احرام باندھتے اور تلبیہ کہتے تھے اور ان کی اس حالت کی حضور اکرمؐ پر دی کی گئی، مسلم کی حدیث میں حضور اکرمؐ کا یہ فرمانا کہ "میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا ہے" اور بخاری کی حدیث میں ہے کہ "گویا میں دیکھ رہا ہوں" یہ کمال علم ویقین کی بنا پر ہے۔ گویا کہ میں انہیں اس وقت دیکھ رہا ہوں بعض کہتے ہیں کہ رویائے منامی ہے کہ حضور اکرمؐ نے خواب میں ان کو اس حال میں اس وقت دیکھا اس سے پہلے دیکھا اور اس وقت اس علاقہ میں پہنچکر ان کے حج کا تذکرہ فرمایا۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد اس کی حقیقت ہے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اگر وہ حج کو آئیں تو کوئی مانع نہیں ہے۔ اور ان انبیاء کا حج کرنا اسی سال تھا کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ اور حضور اکرمؐ نے ان کو اس حال میں دیکھا۔ اور ایک جماعت کہتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں یا جنت میں زندہ ہیں۔ لیکن ان کی ارواح مطہرہ متمثل ہوتی ہیں اور اجسام میں آکر جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں جس طرح کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے شب اسرا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر اطہر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا اور آسمان میں بھی دیکھا تھا وہ انہیں اجساد متمثلہ کو بیداری میں دیکھا اور خواب میں بھی دیکھا، درحقیقت یہ عالم مثال کے کشف کی قبیل سے ہے۔ جس طرح کہ ارباب کشف کو ہوتا ہے۔ اور اس سے بھی برتر ایک کلام ہے۔ لہٰذا اس جہان میں جہاں عقلیں حضیض ناسوت میں مقید ہیں اس کلام کے درک تک نہیں پہنچ سکتیں۔ اور وہ برتر کلام یہ ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کو اسی حال میں ملاحظہ فرمایا جو وہ اپنی حیات میں رکھتے تھے۔ اور یہ وہ عالم ہے جہاں ماضی ومستقبل نہیں ہے سب حال ہی حال ہے۔ اور یہ بات بعض ارباب کشف کے رسائل میں زمان و مکان کی تحقیق میں مذکور ومسطور ہے (واللہ اعلم)

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مقام سرف میں پہنچے۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا۔ اور وہ غمزدہ ہو کر رونے لگیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "کیوں روتی ہو شاید تمہیں حیض آگیا ہے"۔ عرض کیا "ہاں"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا اندوہگیں نہ ہو۔ یہ حق تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کے لئے لکھا ہوا ہے۔ ہر وہ عمل جو حجاج کرتے ہیں کرو۔ لیکن خانہ کعبہ کا طواف نہ کرو اس بنا پر کہ وہ مسجد میں ہے اور حائضہ کو مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے صرف عمرہ کا احرام باندھا تھا اب چونکہ عمرہ ادا کرنا محال ہوگیا تو حضور اکرمؐ نے چاہا کہ ان کو حج عمرہ میں داخل فرمائیں اور ان کو قارن بنائیں چونکہ حضور اکرمؐ خود بھی قارن تھے فرمایا غسل کر کے حج کا احرام باندھ لو۔ حائض و نفساء کے لئے اس حالت میں احرام باندھنا جائز ہے کہ وہ غسل کر کے احرام باندھ لے۔ جس طرح کہ ذوالحلیفہ میں اسماء بنت عمیسؓ جو کہ حضرت صدیق اکبر کی زوجہ تھیں اور محمد بن ابی بکر کو انہوں نے تولد کیا تھا انہیں حکم ہوا کہ غسل کریں اور پٹی باندھ لیں اور احرام سے ہو جائیں۔ اور آخر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس عمرہ کو جو اُن سے فوت ہوگیا تھا قضا کیا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے غسل فرمایا اور آفتاب بلند ہونے کے بعد حجون کی راہ سے جو کہ مکہ کا قبرستان ہے جسے معلےٰ بھی کہتے ہیں اور وہاں کدایہ نامی پہاڑ ہے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ لیکن لوگوں میں عام یہ متعارف ہے کہ مکہ مکرمہ میں سحر کے وقت داخل ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ وقت منور و مبارک ہے لیکن چاشت کا وقت کچھ اور ہی جلالت و نورانیت رکھتا ہے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ تم چاہو تو رات میں داخل ہو جاؤ لیکن سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم امام تھے اور امام کو دن میں داخل ہونا محبوب تر تھا تاکہ لوگ دیکھیں اور اقتداء و پیروی کریں۔ جب آپ باب شیبہ جسے باب السلام بھی کہتے ہیں پہنچے اور خانہ کعبہ کو چشم مبارک سے منور فرمایا تو یہ دعا پڑھی :۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ بَیْتَکَ ھٰذَا تَعْظِیْمًا وَّتَکْرِیْمًا وَّ مَھَابَۃً۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ دعا پڑھی اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّ تَعْظِیْمًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّ مَھَابَۃً اور اس کے آخر میں فرمایا :۔ من حجہ واعتمرہ تکریما وتشریفا وتعظیما وبرا۔

جب مسجد حرام میں داخل ہوئے تو سیدھے کعبہ کی طرف روانہ ہوئے اور "تحیۃ المسجد" ادا کرنے میں مشغول نہ ہوئے اور طواف کیا۔ اس لئے کہ مسجد حرام کی تحیت، طواف ہے، جس طرح دیگر مسجدوں کے لئے نماز تحیت ہے اور طواف، نماز کا حکم رکھتا ہے اور جب حجر اسود کے مقابل ہوئے تو استلام کیا اور اسے بوسہ دیا اور رفع یدین نہ کیا اور افتتاح نہ کیا جیسا کہ جہال کرتے ہیں۔ سفر السعادۃ میں اسی طرح کہا گیا ہے اور فقہ حنفیہ میں تکبیر و تہلیل اور رفع یدین بتایا گیا ہے اور اس ضمن میں ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں۔ استلام حجر کے بعد طواف شروع کیا اور خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ رکھا۔ یہ طواف، طواف قدوم ہے اور اسے طواف تحیہ بھی کہتے ہیں۔ اور کسی مکان کے لئے کوئی مخصوص دعا حضور اکرم ؐ سے مروی و ثابت شدہ نہیں ہے مگر ہر دو رکن یمانی و حجر اسود کے درمیان کہ اس جگہ فرماتے :۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس آیتہ کے شروع میں اس دعا کو بھی زیادہ بیان کیا ہے :۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ اور امام محمد رحمہ اللہ مشاہد حج میں کسی مخصوص دعا کا تعین نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں کہ متعین دعا رقت قلب کو زائل کرتی ہے اس کے باوجود اگر وہ منقول و ماثور سے تبرک و تیمن کرے تو حسن ہے۔

حضور اکرم ؐ نے پہلے تین پھیروں میں تعجیل فرمائی اور چھوٹے چھوٹے قدم رکھے جس طرح پہلوان چلتے ہیں۔ اس فعل کو رمل کہتے ہیں۔ اور روائے مبارک کو داہنے بغل سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا اس کو اضطباع کہتے ہیں، اور یہ عمل بھی پہلے تین پھیروں کے ساتھ مخصوص تھا۔ اور آخر کے چار پھیروں میں آہستہ چلے۔ اور ہر مرتبہ جب حجر اسود کے مقابل ہوتے تو اپنی اس لکڑی سے اشارہ فرماتے جو آپ کے دست مبارک میں تھی اور اس لکڑی کو بوسہ دیتے حضور اکرم کا یہ لکڑی کا عصائے مبارک، سر کج کا تھا جو صولجان کے مشابہ تھا یعنی دست مبارک میں آنے والا سر مڑا ہوا تھا۔ صولجان آنکڑے کو کہتے ہیں) یہ عصائے مبارک اکثر آپ کے دست مبارک میں رہتا تھا۔ اور اس روز بھی طواف میں دست مبارک میں تھا۔ اور اس کے نیچے شام تھی جس طرح کہ خدام ستر وغیرہ کی درستگی کے لئے ہمراہ رکھتے ہیں۔ (کذا قالوا)

رکن یمانی جو کہ بیت اللہ کے ارکان یعنی کونوں میں سے یمن کی جانب ہے اس کی جانب اشارہ کرتے ہاتھ سے یا چوب سے۔ لیکن یہ ثابت شدہ نہیں ہے کہ اپنے ہاتھ کو یا چوب کو بوسہ دیتے تھے بعض روایتوں میں دستِ مبارک سے استلام کرنا آیا ہے۔ لیکن حجر اسود کو بوسہ دینا اور اپنے روئے مبارک اور لبہائے شریف کو اس پر رکھنا ثابت ہے۔ استیلام کی حالت میں فرماتے "بسم اللہ واللہ اکبر" اور کبھی پیشانی رکھتے جس طرح کہ سجدہ کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد بوسہ دیتے۔ طالب کا مطلوب کو بوسہ دینے میں جو لذت پائی جاتی ہے اسی طرح جس جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارک پیوست ہوئے ہیں اس جگہ بوسہ دینے اور اپنے لب رکھنے میں جو لذت و سرور ہے اس کا اندازہ طالبانِ حق اور عاشقانِ رسول ہی کر سکتے ہیں۔ اس حالت و کیفیت کی تعبیر لفظوں سے نہیں کی جاسکتی، اس ذوق سے وہی لطف اندوز ہوسکتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے ذوق سلیم مرحمت فرمایا ہے۔ یہ دو مقام ایسے ہیں جس کو کسی طرح تعبیر نہیں کر سکتے اور اس میں لوگوں کا دستِ تصرف نہیں پہنچ سکتا۔ ایک یہی حجر اسود ہے دوسرا غارِ ثور ہے جس میں آپ ہجرت کے وقت داخل ہو کر آرام فرما ہوئے تھے۔

جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیم علیہ السلام میں تشریف لائے مقام ابراہیم اس پتھر کا نام ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم اقدس کا نشان ہے اس جگہ مراد وہ جگہ ہے جہاں یہ پتھر رکھا ہوا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم نے یہ آیۂ کریمہ پڑھی: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِیْمَ مُصَلًّى (مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ) اس جگہ حضور اکرم نے دو رکعت نماز پڑھی اور مقام ابراہیمؑ کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھا۔ طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اور مسجد حرام میں جس جگہ چاہے ادا کرے جائز ہے۔ لیکن افضل یہ ہے کہ مقام ابراہیمؑ میں پڑھے۔ اور پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ۔ اور دوسری رکعت میں: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ پڑھے۔

حضور اکرمؐ جب سے فارغ ہوئے تو پھر حجر اسود کو استیلام کیا اور درمیان سے باہر نکل کر کوہ صفا پر تشریف لے گئے جب کوہ صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیۂ کریمہ تلاوت فرمائی۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ (بیشک کوہ صفا اور کوہ مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں) اور فرمایا میں شروع کرتا ہوں جس طرح اللہ نے بیان فرمایا

ہے۔ اس کے بعد صفا پر چڑھے اس طرح کہ کعبہ معظمہ کو دیکھا جا سکے اور بالائے صفا پر کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف رُخ فرما کر تکبیر کہی اور فرمایا:- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَصَدَقَ وَعْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔ ایک روایت میں "انجز وعدہ" زیادہ آیا ہے اور دعا مانگی فرمایا:- اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْعِصْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ اَللّٰهُمَّ لَا تَدَعْ لَنَا ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا كَرْبًا اِلَّا كَشَفْتَهٗ وَلَا حَاجَةً مِّنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا قَضَيْتَهَا — اس کے بعد مذکورہ تہلیل تین مرتبہ کہی اور اس کے درمیان دعا مانگتے تھے۔ اس کے بعد نیچے اتر آئے۔ موطا میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کوہِ صفا پر یہ دعا بھی مروی ہے:- اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ وَاِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ وَاَسْئَلُكَ كَمَا هَدَيْتَنِيْ لِلْاِسْلَامِ اَنْ تَنْزِعَهٗ مِنِّيْ حَتّٰى تَتَوَفَّانِيْ وَاَنَا مُسْلِمٌ۔ اس کے بعد نیچے اتر کر مروہ کی جانب روانہ ہوئے مروی ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان فرماتے:- رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اِنَّكَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ۔ نیز صفا سے اتر کر سعی فرمائی اور جب وادی سے اترے تو آہستہ چلے اور آج بھی محل سعی کے منتہا کے لئے دیوار حرم مسجد میں ایک نشان ہے جسے:- بَيْنَ الْمِيْلَيْنِ الْاَخْضَرَيْنِ۔ کہتے ہیں۔ اور صفا سے مروہ تک سعی فرمائی اور مروہ سے صفا تک آئے اسی طرح سات پھیرے کئے اور سعی کو مروہ پر ختم کیا۔ ہر بار جب مروہ پر پہنچتے تو وہی اذکار و دعوات جو صفا میں پڑھیں تھیں مروہ میں بھی پڑھتے اور پیادہ سعی فرمائی۔ پھر جب لوگوں کا اژدہام بہت زیادہ ہو گیا کچھ تو سعی کرنے والے لوگوں کا اور کچھ وہ جو تماشائے جمال جہاں آرا کے لئے نکل آئے تھے ان کا ہجوم تھا حضور اکرم ناقہ پر سوار ہو گئے۔ اس پر لوگ کہتے:- هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ هٰذَا مُحَمَّدٌ یہاں تک کہ پردہ نشیں عورتیں اور لڑکیاں گھروں سے نکل آئی تھیں۔ اور اس ہنگامہ و اژدہام میں ہٹو، بچو، اور دور ہو کی آوازیں نہ تھیں۔ جس طرح کہ بادشاہوں کی سواریوں میں ہوتی ہیں۔

جب سعی سے فارغ ہو گئے تو حکم دیا کہ جن کے ساتھ ہدی کے جانور نہیں ہیں وہ احرام سے نکل آئیں۔ اور جب بعض صحابہ پر احرام سے نکلنا گراں گزرا تو فرمایا اگر میرے ساتھ ہدی نہ ہوتی تو میں بھی حلال ہو جاتا۔

اسی اثنا میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ یمن سے پہنچے وہ چند اونٹ ہدی کی نیت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان تمام اونٹوں کی تعداد جو حضرت علیؓ مرتضیٰ لائے تھے اور حضور اکرمؐ کے ساتھ تھے کل سو اونٹ بن گئی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے علیؓ تم کیا نیت کر کے لائے ہو؟ انہوں نے عرض کیا اِهْلَالًا كَاِهْلَالِ النَّبِیِّ قربانی کے لئے مانند حضور اکرمؐ کی قربانی کے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا میں نے حج کا احرام باندھا ہے اور اپنے ساتھ ہدی لایا ہوں اے علی تم بھی اپنے احرام سے رہو۔ حضرت علی مرتضیٰ کرمؓ نے جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ انہوں نے رنگے ہوئے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ اور احرام سے باہر نکلی ہوئی ہیں ان پر انکار و اعتراض کیا کہ تم کیوں حلال ہوئیں۔ جواب دیا کہ مجھے حضور اکرمؐ نے یہی حکم فرمایا ہے۔ حضور اکرمؐ نے سیدہ فاطمہؓ کی تصدیق فرمائی اور امہات المومنین میں سے جو ہدی ساتھ نہ رکھتی تھیں بجز عائشہ صدیقہ رضؓ کے حلال ہوگئیں۔ جب صحابہ کرام حضور اکرمؐ کے ارشاد کے بموجب احرام سے باہر آئے تو بعضوں نے حلق کرایا یعنی سر منڈایا اور بعضوں نے قصر کرایا یعنی بال ترشوائے۔ حضور اکرمؐ نے محلقین یعنی سر منڈانے والوں کے لئے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِیْنَ۔ تین مرتبہ ایسی ہی دعا کی جب مقصرین نے الحاح وزاری زیادہ کی تو ایک مرتبہ فرمایا "وَالْمُقَصِّرِیْنَ" اسی کی مانند حدیبیہ میں بھی واقع ہوا ہے۔ مگر حجۃ الوداع میں حدیثیں زیادہ واضح ہیں۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ "ہو الصحیح والمشہور" اور فرمایا کہ بعید نہیں ہے کہ دونوں جگہ ایسا ہی واقع ہوا ہو۔ ابن دقیق العید نے کہا کہ اقرب یہی ہے۔ اور فتح الباری میں ہے کہ یہی متعین ہے۔ چونکہ دونوں جگہ احادیث میں تواتر و توارد ہے۔

جب مکہ مکرمہ میں تشریف لائے ہوئے آپ کو چار دن یعنی اتوار، پیر، منگل اور بدھ گزر گئے تو جمعرات کے دن آفتاب کے بلند ہونے کے بعد چاشت کے وقت منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اس وقت تمام صحابہ اور وہ جو حلال ہو چکے تھے اور اس دن انہوں نے حج کا احرام باندھ لیا تھا آپ کے ساتھ تھے۔ جب منیٰ پہنچے تو اقامت فرما کر نماز ظہر و عصر ادا کی۔ اور رات وہیں گزاری۔ دوسرے دن طلوع آفتاب کے بعد منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہو گئے۔ بعض صحابہ تکبیر کہتے اور بعض تلبیہ کہتے تھے حضور اکرمؐ نے کسی پر اعتراض نہ فرمایا۔ اس لئے کہ مقصود ذکر تسبیح اور تحمید تھا لیکن تلبیہ کے الفاظ افضل و اولیٰ ہیں، اور جب نمرہ پہنچے جو عرفات کے قریب ایک جگہ کا نام ہے یہاں حضور اکرمؐ کے حکم سے خیمہ نصب کیا گیا اور آپ نے اقامت فرمائی

اور جمعہ کے دن صبح کی نماز وہاں ادا فرمائی۔ جب آفتاب ڈھل گیا تو فرمایا سواری پر زین رکھیں۔ پھر حضور اکرمؐ سوار ہوئے اور وادی میں تشریف لائے۔ اور نہایت بلیغ خطبہ دیا اور اس خطبہ میں مسلمانوں کے لئے احکام و قواعد بیان فرمائے۔ اگرچہ یہ پہلے سے معلوم تھے مگر انہیں موکد برقرار کرنا اور شرک و جاہلیت کی بنیادوں کو کلی طور پر بیخ برکندہ کرنا مقصود تھا۔ اور تمام جاہلیت کی رسموں کو فنا و ناپید کرنا تھا۔ فرمایا تمہاری جانیں اور تمہاری اموال اس دن اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کی مانند تم پر حرام ہیں۔ مراد روز عرفہ، ماہِ ذی الحجہ اور شہر مکہ معظمہ سے ہے۔ اور فرمایا "جو چیزیں جاہلیت کی مقرر کردہ ہیں میرے قدموں میں پائمال ہیں مطلب یہ کہ جاہلیت کی تمام رسمیں اور طور طریقے میں باطل کر کے "کان لم یکن" (گویا کہ وہ تھی ہی نہیں) بناتا ہوں۔ اہل عرب کی عادت ہے کہ جس امر کو وہ باطل و نابود کرتے ہیں پھر دوبارہ اسے نہیں کرتے اور نہ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ میں انہیں پامال کرتا ہوں اور فرمایا جاہلیت کے تمام خون موضوع و ہدر ہیں، مطلب یہ کہ جس کسی پر خون کا دعویٰ ہے جو کہ زمانہ جاہلیت میں واقع ہوا ہے اب میں اس دعویٰ کو برطرف کر کے ضائع قرار دیتا ہوں۔ اور اول خون جو ہمارے خون کے دعووں میں سے ہے جسے میں برطرف، اور ہدر (رائیگاں) بناتا ہوں وہ خون ابن ربیعہؓ بن الحارث ہے۔ ابن ربیعہ بنی سعد میں دودھ پیتا تھا جس طرح کہ حضور اکرمؐ نے بھی قبیلہ بنی سعد میں دودھ پیا تھا۔ یہ قبیلہ دودھ پلانے میں مشہور تھا۔ اور حارث بن عبدالمطلب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور ربیعہؓ حضور اکرمؐ کے ابن عم صحابی اور حضور اکرمؐ سے عمر میں زیادہ تھے ان کے لڑکے کا نام ایاس تھا جو بنی سعد میں دودھ پیتا تھا۔ بنی سعد اور ہذیل کی جنگ کے درمیان ایک پتھر ایاس کے لگا جس سے وہ فوت ہو گیا۔ اور بنی عبدالمطلب اُس خون کے ان پر دعویدار تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس خون کو ہدر (معاف) فرمایا اور بنی عبدالمطلب کو اس دعویٰ سے باز رکھا۔

فرمایا جاہلیت کے سود ناپید ہیں۔ قریش کو عادت تھی کہ جاہلیت میں سود کھاتے تھے اور ایک دوسرے پر ان سودی قرضوں کا دعویٰ رکھتے تھے۔ آپ نے ان دعووں کو بھی باطل قرار دیا اور فرمایا سب سے پہلا سود جسے میں نابود کرتا ہوں وہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ اور اس خطبہ میں امت کو وصیت فرمائی کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ مراعات،

ملاطفت اور حسن سلوک کریں اور ان کے حقوق میں احسان کریں اور وہ حقوق جو عورتوں کے شوہروں پر اور شوہروں کے عورتوں پر ہیں بیان فرمائے اور فرمایا عورتوں کے حقوق کے بارے میں خدا سے خوف کرو تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو۔ اور ان حقوق کا لحاظ رکھو جو مرد نے اپنے پر لازم کر کے انہیں حلال بنایا اور حسن کلمہ سے ان کی شرم گاہوں کو اپنے تصرف میں لیا۔ خدا کے حکم اور اس کے عہد سے تم ان کو نکاح میں لائے۔ اور فرمایا تمہارے حقوق عورتوں پر یہ ہیں کہ وہ تمہارے بستر کو کسی ایسے شخص سے پامال نہ کریں جن کو تم مکروہ و ناگوار جانتے ہو۔ مطلب یہ کہ غیر مرد کو اپنے قریب جگہ نہ دیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہیں جو سخت تکلیف دہ ہو۔ اور عورتوں کا تم پر نان و نفقہ اور عادت کے مطابق لباس اور انصاف فرض ہے۔ اور فرمایا بلاشبہ میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ یہ چیز خدائے عزوجل کی کتاب مجید ہے۔ خطبہ دینے اور وصیت فرمانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا اور فرمایا کل بروز قیامت تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا کہ میں نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا اور میں نے تم میں کس طرح زندگانی گزاری تو تم کیا جواب دو گے اور کیا کہو گے اور کیسی گواہی دو گے۔" صحابہ نے عرض کیا "ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے خدا کے فرمان و احکام ہمیں پہنچائے اور امت کو خوب عمدہ نصیحت فرمائی۔ اور آپ پر ادائے رسالت کے جو حقوق تھے وہ خوب ادا کئے اور دعوت دی۔ اور جو امانتیں آپ کے پاس تھیں انہیں ادا فرمایا اور راہِ خدا میں جہاد کیا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے اپنی انگشت شہادت کو آسمان کی طرف اٹھا کر اشارہ فرمایا اور سر مبارک اٹھا کر کہا "اللھم اشھد اللھم اشھد" اے خدا تو گواہ ہو اے خدا تو گواہ ہو۔ اور فرمایا اے مسلمانو! جان لو کہ تین چیزیں سینہ کو پاک و صاف کرتی ہیں ایک عمل میں اخلاص، دوسرا مسلمان بھائیوں کے ساتھ خیر خواہی تیسرا لزوم جماعت مسلمین اور حاضرین کو چاہیئے کہ جو کچھ میں نے فرمایا ہے وہ غائبوں اور غیر موجود لوگوں کو پہنچائیں۔ اسی اثنا میں کہ حضور اکرمؐ عرفات میں ایستادہ تھے ام الفضلؓ بنت الحارث، والدہ ماجدہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے دودھ کا ایک پیالہ بھیجا حضور اکرمؐ نے اس پیالہ کو لے کر اس کا دودھ اس طرح نوش فرمایا کہ تمام لوگوں نے دیکھا اور جان لیا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم روزے سے نہیں ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ عرفہ کا روزہ سنت ہے مگر عرفات میں ٹھیرنے والوں کے لئے نہیں تاکہ ذکر و اذکار سے رو کنے

والی کمزوری نہ ہو۔

خطبہ کے بعد حضور اکرمؐ سواری سے نیچے اترے اور حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم فرمایا پھر اقامت کہی اور نماز ظہر و عصر ایک ساتھ قصر سے ایک اذان اور دو اقامت سے پڑھیں۔ اور دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز سنت و نفل نہ پڑھی۔ یہ بات وقوف میں عجلت اور دعا میں زیادہ وقت گزارنے کے قصد کی وجہ سے تھی۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بین الصلٰتین کی یکجائی صرف اس دن کے ساتھ مخصوص ہے شوافع کی ایک جماعت کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور اکثر شوافع اس کی وجہ سفر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اہل مکہ اور وہ غیر اہل مکہ جو مسافر نہ تھے سب ہی جمع تھے اور حضور اکرمؐ نے ان کو اس سے منع نہ فرمایا بلکہ اسے برقرار رکھا تھا۔ یہ بات اس کی دلیل ہے کہ یہ جمع صلوٰتین لبیک کی بنا پر تھی نہ کہ سفر کی وجہ سے۔ شاید کہ وہ یہ کہیں کہ یہ جمع حضور اکرمؐ کی صحبت اور متابعت کی وجہ سے تھی ورنہ یہ واقعہ اپنی جگہ سفر کی ہی جہت سے تھا۔ البتہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے دو رکعت قصر کی پڑھنے کے بعد فرمایا اے اہل مکہ تم اپنی نمازوں کو پورا کر لو ہم مسافر ہیں۔

حضور اکرمؐ جب نماز سے فارغ ہوئے تو سوار ہو کر دامن کوہ عرفات میں جسے جبل رحمت کہتے ہیں تشریف لائے۔ اور وہاں کالے کالے بڑے بڑے پتھروں کے قریب جہاں ریت میں ایک عمارت نمودار ہے جسے لوگ مطبخ آدم علیہ السلام کہتے ہیں استادہ ہوئے۔ علماء فرماتے ہیں کہ متعین طور پر حضور اکرمؐ کے وقوف کی جگہ کسی کو معلوم نہیں ہے لیکن اگر ان پتھروں کے قریب کھڑا ہو جائے اور کچھ ویران جگہوں میں ٹھیرے تو حضور اکرمؐ کے وقوف مبارک کی جگہ پائیگا اور اس پہاڑ پر چڑھنے کے بارے میں کوئی چیز معتبر نہیں ہے اور نہ کوئی ثواب ہے۔ حضور اکرمؐ نے انہیں پتھروں کے قریب قبلہ رو ہو کر اونٹ کی پشت پر دعا، تضرع اور ابتہال شروع فرمایا اس مقام میں تضرع و ابتہال بہت مطلوب ہے۔ اگر دل بھر کر رونا میسر آجائے تو قبول و اجابت کی علامت ہے۔ حضور اکرمؐ نے دعا کے دوران اپنے مبارک ہاتھوں کو سینۂ اقدس کے مقابل رکھا تھا جس طرح مسکین مانگنے میں رکھتے ہیں۔

عرفات کے دن کثرت کے ساتھ دعا ہائے ماثورہ مروی ہیں۔ ان میں سے جس قدر سفر السعادۃ میں مذکور ہیں کافی ہیں۔ ایک اور طویل دعا بھی ہے جو اوراد میں مذکور ہے اور فرمایا افضل دعا جو میرے اور مجھ سے پہلے تمام نبیوں کے نزدیک اس روز پڑھنے کے سلسلہ

میں ہے یہ ہے کہ:۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ۔ جب تک کہ آفتاب غروب نہ ہو روانہ نہ ہونا چاہیئے۔

عرفہ کے روز یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمتیں تمام فرمادیں اور میں تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اس دن سے زیادہ شیطان کو ذلیل وخوار اور غم وغصہ میں مبتلا کسی اور دن دیکھا نہ گیا، جیساکہ وہ عرفہ کے دن بنی آدم پر نزول رحمت اور مغفرت کو دیکھ کر ہوا تھا۔ البتہ ایک دن ایسے وہ روز بدر کا ہے جبکہ اس نے دیکھا کہ جبریل علیہ السلام فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے ہیں۔ اس دن بھی شیطان بہت ذلیل وخوار ہوا تھا۔ علماء فرماتے ہیں کہ وہ کتنا بدبخت ہے کہ اس موقف میں کھڑا ہو اور پھر وہ گمان کرے کہ بخشا نہیں گیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حق تبارک وتعالےٰ فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ یہ کیا مانگتے ہیں جو کہ اپنا گھر بار، اہل وعیال میری خاطر چھوڑ کر میری درگاہ میں سربرہنہ، گرد آلود آئے ہیں اور مجھے یاد کرتے ہیں، میں انہیں آتش دوزخ سے آزاد کر کے ان کے تمام گناہوں کو بخشتا ہوں، ادائے فرض کے لئے ایک گھڑی عرفات میں وقوف کرنا کافی ہے۔ مگر سنت یہ ہے کہ غروب آفتاب تک ٹھیرا رہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے غروب آفتاب تک قیام فرمایا تھا۔ اور عرفات میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی:۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ۔ اگرچہ اس آیۂ کریمہ کا نزول ذوق وسرور اور مسلمانوں کی عید کا موجب ہے لیکن بعض دانا ورمز شناس صحابہ نے اس سے قرب زمانۂ رحلت اور حلول مدت فرقت سمجھا اور ان کے دل دہل گئے اور شکستہ خاطر ہو گئے جس طرح سورۃ:۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کے نزول کے وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور آپ رونے لگے تھے یہی صورت اس وقت بھی ہوئی۔

جب غروب آفتاب کے بعد عرفات سے روانگی فرمائی تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنا ردیف بنایا اور اونٹ کی مہار کھینچے رکھی اور فرمایا "اے لوگو! آرام سے چلو، اطمینان سے رہو تیز چلنے میں نیکی نہیں ہے اور عجلت میں پرہیزگاری نہیں ہے۔ درحقیقت اطمینان ووقار موجب سکون اعضاء وجوارح اور علامت استقامتِ حال وجمعیت مآل ہے۔ اور حرکت واضطراب موجب

تشویش قلب، تفرقۂ باطن اور پریشان خیالی ہے۔ دوڑنے اور اضطراب دکھلانے سے منع کرنے کا سبب، نماز کی جماعت پانے کے لئے تھا کیوں کہ بعض نافہموں اور نادانوں کی طرف سے اس کا اظہار ہوا تھا۔

فارنین (ایک جگہ کا نام) عرفہ و مزدلفہ سے مکہ کا دوسرا راستہ ہے اور ایک راستہ منیٰ اور مکہ کے درمیان کا ہے۔ حضور اکرمؐ نے یہاں سے واپسی میں بھی عیدگاہ میں آنے جانے کا طریقہ اختیار فرمایا اور مخالف راستہ کی رعایت ملحوظ رکھی۔ عرفات میں آنے اور وہاں سے جانے میں بھی یہی صورت اختیار کی اور واپسی میں فارنین کا راستہ اختیار فرمایا۔ راستہ میں اونٹ کی مہار کو قدرے چھوڑے رکھا کہ وہ تیز و سست کے درمیان رفتار رکھے اور جب کشادہ اور فراخ راستہ میں ہوتے قدرے تیز چلتے اور جب بلندی پر چڑھتے تو اونٹ کی مہار بالکل چھوڑ دیتے تاکہ آسانی سے چڑھ سکے تمام راستہ تلبیہ کہتے رہے راہ میں ایک گھاٹی میں رغبت فرمائی اور اتر کر وضو کیا اس طرح کہ پانی کو بہایا بھی نہیں اور کامل وضو بھی ہو گیا۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہ! کیا نماز مغرب ادا فرمانے کا ارادہ ہے؟" فرمایا" نماز آگے ہے یعنی مزدلفہ میں عشاء کی نماز کے ساتھ ادا کریں گے۔ اس کے بعد سوار ہوئے اور مزدلفہ میں رونق افروز ہوئے۔ مزدلفہ ایک مقام ہے جو منیٰ اور عرفات کے درمیان ہے۔ قریش جاہلیت میں اسی جگہ ٹھیرتے تھے اور عرفات نہیں جاتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہم حرم خدا کے ہمسایہ ہیں حرم سے باہر نہیں جاتے اور مزدلفہ میں کامل وضو فرمایا اور حکم دیا کہ اذان کہیں اقامت کے بعد مغرب کی نماز پڑھی قبل اس کے کہ سامان وغیرہ اتار کر اونٹوں کو فارغ کریں۔ نماز مغرب کے بعد سامان اتارا اور پھر اقامت کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ اور عشاء کی نماز کے لئے اذان نہ کہی۔ مغرب و عشا کے فرضوں کے درمیان کوئی نماز نہ پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مغرب و عشاء کے درمیان جمع، ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ تھی۔ جیسا کہ عرفات میں ظہر و عصر کے درمیان ہوا تھا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں بروایت حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ایسا ہی مروی ہے۔ امام زفر، شافعی اور امام ابوحنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ روایت بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح مسلم میں مروی ہے، ترمذی نے اس کی تحسین و تصحیح کر کے اس کو ترجیح دی ہے۔ اور فرمایا کہ چونکہ عشاء کی نماز اس جگہ اپنے وقت میں ہے تو اس کے لئے علیحدہ اقامت و اذان کی ضرورت نہ تھی اور عرفات میں نماز عصر غیر وقت میں تھی اس بنا پر زیادتی اعلام کی

ضرورت ہوئی (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز ادا فرمانے کے بعد محوِ خواب استراحت ہوئے اور شب بیداری نہ فرمائی باوجودیکہ اس پر حضور اکرمؐ کی کمال مواظبت تھی اس کی وجہ رعایت اعتدال اور رعایت حق بدن تھی پھر جب فجر نے طلوع کیا تو صبح کی نماز اول وقت میں ادا فرمائی۔ نماز فجر کے بعد حضور اکرمؐ سوار ہوئے اور مشعر حرام تشریف لائے۔ یہ مزدلفہ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے۔ اس پر ایک نئی عمارت بنی ہوئی ہے۔ حضور اکرمؐ مشعر حرام میں قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا اور تضرع وابتہال میں مشغول ہوئے۔ سفر السعادۃ میں ابوداؤد و ابن ماجہ سے بروایت عباسؓ بن مرداس منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے قیام میں امت کی مغفرت کے لئے دعا فرمائی۔ حق تعالیٰ کا جواب آیا کہ ظالموں کے سوا میں نے بخشدیا۔ کیوں کہ اسے مظلوم کے حق میں گرفت میں لوں گا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے عرض کیا اے میرے رب تو قادر ہے کہ اگر تو چاہے تو مظلوم کو جنت دیدے اور ظالم کو بخشدے۔ اس وقت اس دعا کا جواب نہیں آیا۔ جب مزدلفہ میں اس دعا کو دوبارہ مانگا تو جواب آیا کہ تمہاری استدعا کو میں نے قبول فرمایا۔ حضور اکرمؐ نے تبسم فرمایا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یہ وقت تو ایسا نہ تھا کہ حضورؐ تبسم فرماتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہی تبسم کناں رکھے۔ فرمایا دشمن خدا ابلیس نے جب جانا کہ حق تعالےٰ نے میری امت کے لئے میری دعا قبول فرمالی ہے اور اسے بخشدیا ہے تو وہ ملعون اپنے سر پر خاک ڈالنے چیخ و پکار اور واویلا کرنے لگا۔ مجھے اس کی جزع و فزع دیکھ کر ہنسی آگئی۔

علماء فرماتے ہیں کہ اس جگہ امت سے مراد وہ لوگ ہیں جو عرفات میں ٹھیرنے والے ہیں اسی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ حج مکفر حقوق العباد بھی ہوتا ہے۔ طبرانی نے کہا کہ یہ اس پر محمول ہے کہ وہ توبہ کرے اور حق العباد پورا کرنے سے عاجز رہے۔ بیہقی نے بھی ابوداؤد و ابن ماجہ کی روایت کی مانند بیان کیا ہے اور کہا کہ اس کے شواہد بہت ہیں اگر صحیح ہے تو حجت ہے ورنہ حق تبارک وتعالےٰ کا ارشاد وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ ۔ کافی ہے۔ اور ظلم بھی مادون شرک ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ حجاج سے حقوق اللہ تو مغفور ہیں اور حقوق العباد میں اختلاف ہے۔ مگر حق تعالےٰ کا فضل وسیع ہے۔ اور ظاہر حدیث عام ہے (واللہ اعلم)

آپ مزدلفہ میں ذکر و تکبیر اور تہلیل میں مشغول رہے یہاں تک کہ جب طلوع آفتاب ، قریب ہوا تو منیٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنا ردیف بنایا۔ اور حضرت اسامہؓ بن زید قریش کے ساتھ پیدل روانہ ہوئے۔ اور اس راہ میں حضرت فضلؓ بن عباس سے فرمایا کہ رمی جمار کے لئے کنکریاں چن لو، جو چنے سے بڑی ہوں اور بادام سے چھوٹی ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بکریوں کی مینگنی کے برابر آیا ہے۔ ان کو "حصی خذف" یعنی پھینکنے والی کنکریاں کہتے ہیں۔ اور اگر ان سے کچھ بڑی ہوں تب بھی جائز ہے لیکن خلاف سنت ہے۔ حضرت فضلؓ ابن عباس نے سات کنکریاں زمین سے چن کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیں یہ سات کنکریاں آج کے لئے جو عید کا دن ہے جمرۃ العقبہ کی رمی کے لئے کافی ہیں اور اگر کوئی تین دن کے لئے اٹھائے تو اسے ستر اٹھانی چاہئیں۔ سات عید کے دن کے لئے اور تریسٹھ ایام تشریق کے لئے ہر روز اکیس اکیس۔ بعض علماء کہتے ہیں یہ بہتر ہے اور اس زمانہ میں یہی عادت ہے اور بعض کہتے ہیں اگر اس سے زیادہ اٹھائے تو بہتر ہے ممکن ہے کہ کوئی کہیں گر پڑے اور کم ہو جائے۔ لیکن حدیث میں سات ہی واقع ہوا ہے۔ حضور اکرمؐ نے اپنی مبارک ہتھیلیوں سے ان کنکریوں سے غبار صاف کیا۔ بعض کے نزدیک اگر دھو لیا جائے تو بہتر ہے۔

اسی راہ میں ایک خثعمی خوبصورت عورت سامنے آئی اور اس نے سوال کیا کہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے وہ اونٹ کی پیٹھ پر نہیں بیٹھ سکتا کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں ؟ فرمایا "ہاں"۔ حضرت فضلؓ بن عباس جو حضور اکرمؐ کے ردیف تھے اس عورت کی طرف دیکھ رہے تھے فضلؓ بن عباس بھی خوش رو، خوش جمال، سرخ و سفید صاحبِ حسن تھے۔ اس پر حضورؐ نے اپنا دست مبارک کا فضلؓ کے سامنے حجاب بنا لیا تاکہ دونوں ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے فضلؓ کی گردن کو گھما دیا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! اپنے عمزاد کی گردن کیوں موڑی؟" فرمایا "میں نے ایک جوان مرد اور ایک جوان عورت کو دیکھا تو میں نے ان دونوں کو شیطانی وسوسہ سے محفوظ نہ پایا۔

اسی راستہ میں ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور اس نے اپنی ماں کی بابت کہا کہ وہ بہت لاچار و ناتواں ہو گئی ہے اگر اسے اونٹ پر باندھوں تو اس کے مرنے کا خطرہ ہے کیا میں اس کے بدلے میں حج کر سکتی ہوں ؟ فرمایا اگر تیری ماں پر قرض ہوتا تو کیا اس کا قرض

اتارتی؟ اس نے کہا ہیں ضرور قرض اتارتی۔ فرمایا "پھر تو اپنی ماں کی طرف سے حج ادا کر کہ یہ خدا کا قرض ہے اس کا ادا کرنا اولیٰ ہے۔ اس حدیث میں حج بدل ادا کرنے پر جواز کی دلیل ہے۔ اس مسئلہ میں بہت تفصیل ہے جو کتب فقہ میں مذکور رہے۔

حضور اکرمؐ جب بطن محسر میں پہنچے (یہ وادی منیٰ کے شروع میں ہے) تو اونٹ کو تیز دوڑایا۔ اور عجلت کے ساتھ اس وادی سے باہر آگئے۔ یہ سوار کے لئے سنت ہے اور اگر پیدل ہے تب بھی تیزی سے گزرنا سنت ہے۔ یہ وہی وادی ہے جہاں اصحاب فیل ٹھیرے تھے جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔ اس بنا پر اس کو محسر کہتے ہیں کہ اس جگہ سے ہاتھی نے جنبش نہ کی تھی اور عاجز ہو کر بیٹھ گیا تھا تحسر کے لغوی معنی عاجز رہنے، لاچار ہونے اور بے بس ہو جانے کے ہیں۔ اس وادی میں ہاتھی عاجز و بے بس اور فیل بان لاچار ہو گیا تھا اور اصحاب فیل مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیئے گئے تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جس جگہ کسی دشمن خدا پر کوئی عذاب یا بلا نازل ہوئی ہوتی اس جگہ سے حضور اکرمؐ تیزی وعجلت کے ساتھ گزرتے تھے جس طرح کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں جب قوم لوط کے گاؤں اور ان کی بستیوں پر سے گزرے تو تیزی کے ساتھ گزرے اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ عجلت سے گزرو۔

اسی طرح منیٰ کے اسفل وادی میں چاشت کے وقت تشریف لائے اور جمرۃ العقبہ کے مقابل استادہ ہوئے۔ جمرہ کے اصل معنیٰ سنگریزہ اور کنکری کے ہیں اس کے بعد یہ نام اسی جگہ پر غالب آگیا جہاں رمی جمار ہوتی ہے۔ یہ تین جگہیں ہیں۔ جمرۂ اولیٰ جو مسجد خیف کی جانب ہے کہ جب مزدلفہ سے درمیانی راہ سے آئیں تو یہ پہلے پڑتا ہے۔ اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ ہے اس کے بعد جمرۂ عقبہ ہے۔ عقبہ پہاڑ سے نکلنے کے بعد ہے اور جمرۂ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ اور یہ مکہ کی جانب ہے تو پہلے دن جب مزدلفہ سے وادی محسر کی راہ سے آئے تو جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کو چھوڑ کر جمرۂ عقبہ پر آئے۔ اور استادہ ہوئے اور کعبہ معظمہ کو بائیں جانب اور منی کو داہنی جانب رکھ کر ان ساتوں کنکریوں کو ایک ایک کر کے ماریں۔ درآنحالیکہ حضور اکرمؐ سوار تھے۔ آپ ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے اور جمرہ پر مارتے جاتے تھے۔ بقیہ ایام تشریق میں تینوں جمرات پر پیدل رمی جمرات کیں اگرچہ سوار ہو کر بھی جائز ہے لیکن افضل واولیٰ پیدل ہے۔ جیسا کہ سنت میں آیا ہے۔ رمی جمار کے بعد

ملبیہ کو ترک کر دیا اس کے بعد اپنی قیام گاہ مسجد خیف کے قریب واپس تشریف لے آئے خیف اس بلند و مرتفع جگہ کو کہتے ہیں جو پانی کے سیلاب سے محفوظ ہو۔ منیٰ میں اس جگہ بہت بڑی مسجد ہے اور اس کے صحن میں ایک گنبد ہے جو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جائے اقامت ہے اسی جگہ حضور اکرمؐ نے قیام فرمایا تھا۔ اور خطبہ بلیغ دیا تھا چنانچہ آپ کی آواز، تمام خیموں کے اندر سب کو پہنچتی تھی۔ اس آواز کا ہر ایک تک پہنچنا بھی حضور اکرمؐ کے معجزات میں سے ہے حضور اکرمؐ نے اس خطبہ میں قربانی کے دن کی حرمت سے آگاہ فرمایا جو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اس دن کی حرمت ہے۔ اور فرمایا زمانہ اپنی اُس اصلی ہیئت پر پلٹ آیا ہے جس پر حق تعالےٰ نے پہلے دن آسمان و زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال کے بارہ مہینے ہیں ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین مہینہ پے در پے ہیں ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الاخریٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ اور فرمایا تمہارے خون، تمہارے اموال، اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں قریب ہے کہ تم اپنے رب العزت کے حضور حاضر ہو اور تم سے تمہارے اعمال کی پرسش ہو۔ خبردار اور ہشیار رہنا، میرے بعد دین سے نہ پھرنا اور گمراہ نہ ہونا ایک روایت یہ ہے کہ کفر کی طرف نہ پلٹنا کہ تم ایک دوسرے کی گردن مارو۔ اور جان لو کہ جو کوئی خدا کے حق یا بندوں کے حق میں خیانت کرتا ہے وہ اپنی ہی جانوں پر خیانت کرتا ہے۔ باخبر اور آگاہ ہو جاؤ کہ میں نے تمہارے رب کا حکم پہنچا دیا ہے۔ اور فرمایا "اے خدا تو گواہ رہ۔ اور تم پر لازم ہے کہ ان احکام کو حاضر غائب کو پہنچا دے اور لوگوں سے فرمایا آؤ حج کے مناسک سیکھ لو، ممکن ہے کہ آئندہ سال میں حج کو نہ آؤں اور ان کو سمع و طاعتِ امر اور اس کی فرمانبرداری کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا کہ ہمیشہ کتاب اللہ کو پڑھتے رہنا اور دین و شریعت کی نہ مخالفت کرنا اور نہ اس کے خلاف بولنا۔ اور فرمایا: اُعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَاَطِيْعُوْا اِذَا اَمَرَكُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ۔ اپنے رب کی عبادت کرنا اور پانچوں نمازیں پڑھنا اور رمضان کے روزے رکھنا اور صاحب امر کی اطاعت کرنا تاکہ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو۔ اور وداع کیا اس کے بعد آپ منحر یعنی قربان گاہ تشریف لائے۔ یہ جگہ منیٰ کے بازار کے درمیان مشہور ہے اسے منحر النبی بھی کہتے ہیں، تمام اونٹ سو تھے آپ نے تریسٹھ اونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمائے جو آپ کی عمر شریف کے سالوں کے عدد پر ہے۔

مروی ہے کہ آپ کے قریب پانچ چھ اونٹ قربانی کے لئے لائے جاتے۔ تو ہر اونٹ قریب ہوتا اور ایک دوسرے کو دھکیلتا اور دور کرتا تاکہ حضور اکرمؐ پہلے اسے ذبح فرمائیں اور سینتیس ۳۷ اونٹوں کے لئے حضرت علی مرتضیٰ کرم کو حکم فرمایا کہ وہ قربانی کریں۔ اور ان کو ہدی میں شریک کیا۔ اور حکم دیا کہ ہر ایک اونٹ سے تھوڑا تھوڑا گوشت لے کر دیگ میں ڈال کر پکائیں۔ پھر حضور اکرمؐ نے گوشت اور اس کے شوربے کو حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ تناول فرمایا۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم کو حکم دیا کہ ان اونٹوں کی کھالوں اور گوشت کو اور ان کی جھولوں کو مساکین وغرباء پر تقسیم کر دیں۔ اور قصابوں کو اس میں سے کچھ نہ دیں ان کی اجرت اپنے پاس سے دیں۔ مسلم میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہٗ ہے کہ حضور اکرمؐ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائیں ذبح فرمائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے گائے ذبح فرمائی۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دن حضور اکرمؐ نے بکریوں کو بھی ذبح فرمایا جب قربانی سے فارغ ہوئے تو اعلان کرایا کہ منیٰ کی تمام زمین قربان گاہ ہے۔ اور منحر یعنی قربان گاہ کسی جگہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اس کے بعد حضور اکرمؐ نے حلاق کو طلب کیا۔ اور حلق کیا۔ جب حلاق جن کا نام معمرؓ بن عبداللہ قرشی ہے اور قدیم الاسلام ہیں، وہ استرا ہاتھ میں لے کر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے قریب کھڑے ہوئے تو حضور اکرمؐ نے ان کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا" اے معمرؓ! اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسول خدا کے نرمۂ گوش پر قادر بنایا حالانکہ تمہارے ہاتھ میں استرا ہے۔ مطلب یہ کہ ہشیار رہو اور اس نعمت کی قدر جانو۔ اس پر معمرؓ نے عرض کیا" یا رسول اللہؐ! میرا یہاں کھڑا ہونا اور اس مقام کی قدرت پانا یقیناً مجھ پر خدا کی نعمت ہے۔ اور مجھ پر اللہ عزوجل کا احسان وکرم ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا ٹھیک کہتے ہو۔ یہ اس کی عظیم نعمتوں میں سے ہے اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اشارہ فرمایا کہ داہنی جانب سے سر مونڈنے کی ابتدا کریں۔ ظاہر مراد، حضور اکرمؐ کی داہنی جانب ہے اور مشکوٰۃ میں متفق علیہ حدیث میں صراحت کے ساتھ منقول ہے۔ بعض نے حلاق کی داہنی جانب کا اعتبار کیا ہے۔ جب داہنی جانب حلق سے فارغ ہوئے تو ان موہائے مبارک کو حاضرین میں تقسیم فرمایا اور اشارہ فرمایا کہ بائیں جانب بھی حلق کریں۔ اور ان تمام موہائے مبارک کو حضرت ابو طلحہ انصاریؓ کو مرحمت فرمایا جو

ام سلیمؓ کے شوہر اور وہ حضرت انسؓ بن مالک کی والدہ ہیں۔ اسی بنا پر بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ام سلیمؓ کو مرحمت فرمایا۔ اور ابوطلحہؓ انصاری کے حصہ میں داہنی جانب کے بھی چند موہائے مبارک سب سے پہلے آئے تھے۔ اور یہ ان پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خاص فضل وعنایت تھی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔ جب حلق سے فارغ ہوئے تو تمام لوگوں کے حصہ میں ایک یا دو موہائے مبارک کے تار آئے ؎

مرا از زلف تو موئے بسند است فضولی می کنم بوئے بسند است

حلق کے بعد حضور اکرمؐ نے ناخنہائے مبارک کٹوائے۔ اور ان کو بھی لوگوں میں تقسیم فرمادیا بکثرت صحابہ نے حلق کرایا اور بکمتر اصحاب۔ نے قصر کرایا۔ اور حلق کو قصر پر افضل قرار دیا۔

اس کے بعد نزول سے پہلے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور طواف کیا۔ یہ طواف حج کے ارکان اور اس کے فرائض میں سے ہے۔ اس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں اور طواف زیارت بھی۔ جب طواف سے فارغ ہوئے تو زمزم کے قریب آئے۔ سقاتِ بیت چونکہ حضرت عباسؓ اور ان کی اولاد کا منصب تھا اس لئے وہ پانی کھینچتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا" اگر اس کا خطرہ نہ ہوتا کہ عباسؓ کی اولاد پر لوگ غلبہ کریں گے تو میں بھی اتر کر زمزم کے کنوئیں سے پانی کھینچتا اور تمہاری سقایت پر میں تمہاری مدد کرتا۔ اس بنا پر کہ اس کام میں فضیلت و بزرگی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر میں اس کام کو کروں تو میرے بعد امت پر سنت بن جائے گی اور اتباع سنت کی خاطر تمام لوگ اس کام میں ہاتھ لگائیں گے۔ اور وہ تم پر غالب آجائیں گے اور یہ منصب بزرگ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ انہوں نے ایک ڈول حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور اکرمؐ نے اسے کھڑے کھڑے نوش فرمایا۔ معلوم نہیں کہ اس حالت میں کھڑے ہو کر پینا بیانِ جواز کے لئے تھا۔ یا کسی ضرورت وحاجت کی بنا پر کہ ازدحام کی زیادتی کی وجہ سے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ یا کسی اور ضرورت وحاجت کی بنا پر (واللہ اعلم) بعض کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا آب زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اس طواف میں حضور اکرمؐ سواری پر تھے۔ سوار ہونے کے سبب میں بعض کہتے ہیں کہ یا تو ازدحام زیادہ تھا یا یہ مقصود تھا کہ تمام لوگ آپ کا مشاہدہ کرتے رہیں۔ اور طواف کی کیفیت

سیکھتے رہیں۔ اور اس کے آداب و احکام معلوم کرتے رہیں اور بعض کہتے ہیں کہ روبائے رحمت موجزن تھا اور آپ ضرورت سے سوار ہو کر طواف کر رہے تھے۔ اور حضور اکرمؐ کا ناقہ مسجد کو آلودہ کرنے سے مامون تھا۔ آپ اسی وقت منیٰ واپس ہو گئے اور ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایسا ہی مروی ہے۔ مسلم میں ایک اور روایت حضرت عائشہؓ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نماز ظہر مکہ میں گزاری بعض علماء اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں کیوں کہ روایت کے راوی دو ہیں۔ ایک حضرت جابرؓ دوسرے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابرؓ حجۃ الوداع کی حدیث میں زیادہ معروف ہیں اور حضرت عائشہؓ حضور اکرمؐ کی اخص ہیں۔ اور بعض علماء حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کو ترجیح دیتے ہیں کہ وہ متفق علیہ ہے اور اس کے تمام راوی اعظم و اجل ہیں۔ شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں اگر ہم دونوں حدیثوں کے جمع کرنے کا تکلف کریں تو ہم یہ کہیں گے کہ ظہر کی نماز مکہ میں گزاری اور منیٰ میں پڑھنے کو اس کے اعادہ پر محمول کریں گے۔ اس بناء پر حضور اکرمؐ کو یہ معلوم ہوا تھا کہ مکہ میں پہلے جو نماز پڑھی تھی اس میں نقصان تھا۔

اس کے بعد حضور اکرمؐ نے مراجعت فرمائی تو رات منیٰ میں گزاری قربانی کے بعد کے دن انتظار فرمایا یہاں تک کہ آفتاب ڈھل گیا تو نماز ظہر سے قبل پیدل جمرۂ اولیٰ پر آئے یہ وہ جمرہ ہے جو مسجد خیف سے بہت نزدیک ہے یہاں سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر تکبیر فرماتے جاتے۔ جب رمی سے فارغ ہوئے تو چند قدم اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر قبلہ رو کھڑے ہو کر دعا فرمائی۔ اور اتنی دیر تک دعا میں مشغول رہے کہ کوئی دوسرا سورۂ بقرہ کی تلاوت کرلے۔ پھر جب دعا سے فارغ ہوئے تو جمرۂ وسطیٰ آئے اور اسی طریق پر رمی جمار فرمائی وہاں سے چند قدم دمیان وادی کے چلے اور اس جگہ کھڑے ہو کر دعا فرمائی اور طویل دعا مانگی۔ اسکے بعد روانہ ہوئے یہاں تک کہ جمرۂ عقبہ کے سامنے آئے اور کعبہ کو داہنے ہاتھ اور منیٰ کو بائیں رکھ کر کھڑے ہوئے اور رمیِ جمار کی۔ اور اسی ساعت بغیر توقف کے لوٹ آئے اور اس جگہ دعا نہ فرمائی۔ اس کی حکمت، علم نبوت کے ساتھ موقوف ہے۔ علماء اس جگہ دو وجہ بیان کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ جمرہ راستہ میں ہے اور اژدحام بہت تھا اور کھڑے ہونے کی جگہ نہ تھی۔ دوسری وجہ یہ کہ دعا عبادت کے درمیان ہیں ہوتی جس طرح کہ جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ میں تھی اس سے افضل ہے کہ بعد عبادت ہو جیسا کہ اس جمرۂ عقبہ

میں ہے (کہ یہاں عبادت ختم ہوگئی) (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے منیٰ سے کوچ کرنے میں تعجیل نہ فرمائی۔ اور یوم النفر (یعنی کوچ کرنے کا دن) عید الاضحیٰ کے تیسرے دن کو کہتے ہیں اور لیلۃ النفر وہ رات ہے جب حجاج منیٰ سے لوٹتے ہیں۔ عرفات سے روانہ ہونے کو افاضہ کہتے ہیں اور مزدلفہ سے روانگی کو دفع اور منیٰ سے کوچ کرنے کو نفر کہتے ہیں، بلکہ حضور اکرمؐ نے مکمل تین روز اقامت فرمائی اور بعض چوتھا روز بھی کہتے ہیں جو ذی الحجہ تیرہ اور آخری ایام تشریق کا دن ہے۔ بعد زوال رمی کر کے روانہ ہوئے اور وادیٔ محصب میں نزول فرمایا۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ سے باہر ہے اس جگہ سنگریزے کثرت سے ہیں۔ اور خیف بنی کنانہ بھی اسی کا نام ہے اسے ابطح بھی کہتے ہیں۔ ابطح ایسے کشادہ میدان کو کہتے ہیں جس میں باریک سنگریزے ہوں۔ جس طرح کہ دریا اور نالوں میں ریت ہوتی ہے اور مکہ کا نام جو بطحا اور ابطح ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے۔ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء اسی محصب میں ادا فرمائی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس جگہ قیام اتفاقی امر تھا کیوں کہ ابو رافع کو مقرر فرمایا تھا اور حضور اکرمؐ کا سامان وغیرہ انہیں کے سپرد تھا۔ اتفاق سے انہوں نے خیمہ وہاں نصب کر دیا پھر جب حضور اکرمؐ تشریف لائے تو اسی جگہ قیام کر لیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حج کے سنن اور اس کے مناسک کے تمام کرنے میں سے ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرمؐ نے منیٰ میں فرمایا میں کل انشاء اللہ خیف بنی کنانہ میں قیام کروں گا جہاں کافروں نے قسم کھائی تھی اور عہد باندھا تھا کہ بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب سے میل جول نہ رکھیں گے اور ان سے مناکحت اور خرید و فروخت نہ کریں گے جب تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد نہ کریں۔ اس لئے حضور اکرمؐ نے محصب میں ارادۃً قیام فرمایا تاکہ شعار اسلام اس جگہ ظاہر ہو جہاں شعار کفر نمودار ہوا تھا اور حق تعالیٰ کی نعمت کا شکر بجا لائیں اور غالب وجہ یہ ہے کہ (واللہ اعلم) حضور اکرمؐ کا عشاء تک توقف و قیام فرمانا حضرت عائشہؓ کے عمرہ کرنے کے سبب سے ہو۔ اگر یہ وجہ نہ ہوتی تو ممکن ہے کہ اس سے بھی کمتر وقوف فرماتے۔

جب یہ بندۂ ضعیف صاحب این تالیف (شیخ محقق رحمہ اللہ) شیخ اجل اکرم عبد الوہاب متقی شاذلی قادری رحمہ اللہ کی خدمت میں منیٰ سے محصب میں آیا تو نماز ظہر اس جگہ پڑھی اور سو گئے اور نماز عصر بھی اسی جگہ پڑھی اور فرمایا اتباع سنت کی سعادت اور شرف میں اتنا ہی کافی ہے۔ یہ بات اہل عرب کے اسلوب میں فرمائی۔ حضور اکرمؐ نے رات کا کچھ حصہ اس جگہ آرام فرمایا

اور جب بیدار ہوئے تو سوار ہو کر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ اور طوافِ وداع فرمایا غیر اہلِ مکہ پر یہ طواف واجب ہے اور اس طواف میں رمل نہ کیا مگر دو رکعتیں طواف کی پڑھیں۔ اس لئے کہ طواف کے بعد مطلقاً یہ واجب ہے۔ خواہ طواف واجب کا ہو یا نفل کا۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی رات اجازت چاہی کہ عمرہ ادا کریں تو حضور اکرم ﷺ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ مقام تنعیم میں جو بیرون حرم ہے جاکر احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوں اور عمرہ پورا کریں۔ ابھی رات تمام نہ ہوئی تھی کہ عمرہ کے اعمال سے وہ فارغ ہوگئیں اور محصب میں لوٹ آئیں۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ نے کوچ کا اعلان فرمایا اور سب کوچ کر کے مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ اور جانبِ اسفل جسے "کدا" کہتے ہیں کا راستہ اختیار فرمایا۔ برخلاف اس راستہ کے جو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لئے اختیار فرمایا تھا جو کہ اعلائے مکہ ہے۔ جیسا کہ آپ کی عادت شریفہ تھی۔

داخل ہونے اور باہر نکلنے کے لئے مختلف راستہ اختیار کرنے میں بعض فضلاء فرماتے ہیں کہ جانب علو سے داخل ہونا بیت اللہ کی تعظیم اور علوِ شان کی وجہ سے تھا اور جانب اسفل سے باہر نکلنا، اس سے جُدائی اور فرقت کے غم کی بنا پر تھا۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت بھی ایسی ہی تھی۔

طواف وداع کے وقت، ملتزم میں وقوف فرمایا۔ اور دعا مانگی۔ حدیث میں مروی ہے کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو ملتزم میں کھڑی ہو اور دعا مانگے اور اپنی حاجت بارگاہِ رب العزت میں پیش کرے اور وہ پوری نہ ہو۔ ملتزم، حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیانی جگہ کو کہتے ہیں، اس لئے کہ اس جگہ لپٹا اور چپٹا جاتا ہے۔ اور ان دونوں کے مابین مسافت ایک باع ہے اس طرح کہ ایک ہاتھ باب کعبہ پر ہو اور دوسرا ہاتھ حجر اسود پر اور یہ التزام مستحب ہے کہ بعد از طواف وداع کرتے ہیں۔ نیز چاہِ زمزم پر تشریف لے گئے اور خود بنفس نفیس اس سے ایک ڈول کھینچا اور نوش فرمایا اور بقیہ پانی چاہِ زمزم میں ڈال دیا۔ وداع کے وقت الٹے قدم حسرت کے ساتھ گریہ کناں چلے۔ خانہ کعبہ سے وداع کے وقت یہی سنت ہے۔ صبح کی نماز کعبہ کے مقابل پڑھی اور نماز میں سورۂ والطور تلاوت فرمائی نماز کے بعد روانہ ہوئے جب منزل روحا میں پہنچے تو رات کے وقت سواروں کی ایک جماعت دیکھی۔ انہیں سلام فرمایا اور فرمایا تم کون لوگ ہو۔ انہوں نے کہا ہم مسلمان ہیں۔ آپ کون ہیں؟ فرمایا میں خدا کا

رسول ہوں۔ اس کے بعد ایک عورت آئی اور اپنے بچہ کو محفہ سے نکال کر سامنے لائی۔ اور عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا اس بچہ کا حج درست ہوگا؟" فرمایا "ہاں اس کا حج ہوگا۔ اور تجھے بھی ثواب بھی ہوگا جب ذوالحلیفہ پہنچے تو رات وہاں قیام فرمایا اور صبح کو مدینہ روانہ ہوئے۔ آپ کی عادت شریفہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں چاشت کے وقت داخل ہوتے تھے۔ اور سفر سے رات کے وقت گھر میں داخل ہونے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اور اسے پسند فرمایا کرتے تھے کہ آنے والا پہلے کچھ چیز گھر بھجوائے تاکہ اس کے گھر والے اس کے آنے کی تیاری کریں جب حضور اکرمؐ نے مدینہ طیبہ کو دیکھا تو بتصور عظمت و کبریائے باری تعالےٰ وظہور آثار قدرت نامتناہی حق تعالیٰ عزوعلا۔ اور اس بلدۂ طیبہ کے انوار و اسرار کے مشاہدے اور اس مقام عالی کی بزرگی و شرافت کے ملاحظہ سے تین مرتبہ تکبیر بلند فرمائی۔ اس کے بعد اپنی سنتِ مستمرہ کے مطابق جو اس شہر مقدس میں داخل ہونے کے وقت تھی اعانت و نصرت، تکمیل دین، اتمام نعمت، رجوع بخیر و عافیت اور امن و سلامتی کے ساتھ اپنے مکان میں پہنچنے پر شکرانہ ادا فرمایا اور کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ رَبَّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ وَاَعَزَّہٗ فَلَا شَیْءَ بَعْدَہٗ پھر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ (والحمد للہ علی اتمام النعمۃ والاتمام)۔

**غدیر خم** واپسی کے وقت اثنائے راہ میں جب منزلِ غدیر خم میں پہنچے جو کہ جحفہ کے نواح میں مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے تو روئے انور صحابہ کی طرف کرکے فرمایا:۔ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اِنِّیْ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمانوں میں ان کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہوں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔ نبی مسلمانوں میں ان کی جانوں سے زیادہ قریب و محبوب ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس لفظ کو تین مرتبہ فرمایا مطلب یہ کہ میں مسلمانوں کو حکم نہیں دیتا مگر اسی چیز کا جس میں ان کی صلاح و نجات اور ان کی دنیا و آخرت کی بھلائی مضمر ہے بخلاف ان کے نفوس کے کہ وہ کبھی شر و فساد کو بھی چاہتے ہیں تمام صحابہ نے عرض کیا بلیٰ یعنی درست ہے کیوں نہیں۔ بلاشبہ آپ تمام مسلمانوں کی جانوں سے قریب اور محبوب تر ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا گویا مجھے اس جہان میں بلایا اور میں نے

اسے قبول فرمایا۔ آگاہ ہو جاؤ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جو ایک دوسرے سے بزرگ تر ہے۔ ایک قرآن کریم ہے دوسری میری اہل بیت، دیکھو میرے بعد ان دونوں چیزوں میں احتیاط کرنا کہ کس طرح تم ان سے سلوک کرتے ہو اور کیسے ان کے حقوق ادا کرتے ہو۔ یہ دونوں چیزیں میرے بعد ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔ یہاں تک کہ تم حوض کوثر کے کنارے مجھ سے ملو۔ اس کے بعد فرمایا حق تبارک و تعالیٰ میرا مولیٰ ہے اور میں تمام مسلمانوں کا مولیٰ ہوں۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اَللّٰھُمَّ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ۔ اے خدا جس کا میں مولیٰ ہوں یہ علیؓ بھی اس کے مولیٰ ہیں اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ اے خدا تو بھی اسے دوست رکھ جو ان کو دوست رکھے۔ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔ اور دشمن رکھ جو علیؓ کو دشمن رکھے۔ ایک روایت میں اتنا زیادہ آیا ہے وَانْصُرْ مَنْ نَصَرَہٗ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَہٗ۔ مدد کر اس کی جس نے علیؓ کی مدد کی اور ذلیل کر اسے جس نے علیؓ کو چھوڑا وَاَدِرِ الْحَقَّ حَیْثُ دَارَ۔ اور حق کو علیؓ کے ساتھ لازم کر جس طرف علیؓ ہوں۔ مروی ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ملاقات کی اور فرمایا "اے ابن ابی طالب، مبارک ہو اور خوشی ہو کہ صبح و شام اس حال میں تم کرتے ہو کہ ہر مرد و زن مومن کے تم مولیٰ ہو۔ اس حدیث کو امام احمد نے حضرت براءؓ ابن عازب اور زید بن ارقمؓ سے روایت کیا۔ (کذا فی المشکوٰۃ.)

آگاہ رہو کہ یہ حدیث مبارک حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی انتہائی فضل و تکریم میں ہے اور مسلمانوں کو ان کے ساتھ محبت و داد کی ترغیب و تحریص اور ان کے ساتھ بغض و عداوت سے احتراز و اجتناب میں ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے کہ علیؓ سے وہی محبت کرے گا جو مومن ہوگا۔ اور ان سے وہی دشمنی کرے گا جو منافق ہوگا۔ لیکن اس حدیث سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنانے اور ان کو امامت پر نصب کرنے پر دلیل بنانے میں اہل سنت کے نزدیک کلام ہے۔ اور شیعہ، امامت علیؓ میں نص قطعی کے ادعا کے ساتھ تمسک کرتے ہیں۔ اور حضور اکرمؐ کے اس ارشاد سے دلیل لانا کہ فرمایا اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ کیا میں تمہارا مولیٰ نہیں ہوں، اور اولیٰ کو امامت کے معنی دینا درست نہیں ہے اس کے معنی ناصر و محبوب کے ہیں۔ اگر یہ معنی نہ ہوں تو تمام صحابہ کو جمع کر کے ان سے

خطاب فرمانے اور اس میں اتنا مبالغہ کرنے اور علی مرتضیٰؓ کے لئے دعا کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس لئے کہ ہر صحابی خوب جانتا اور پہچانتا تھا کہ وہ صحابہ میں سے ایک فرد ہیں۔ یہ حدیث صحیح ہے اسے ایک جماعت نے مثلاً ترمذی نسائی اور امام احمد نے روایت کیا ہے۔ اس کی سندیں بہت ہیں۔ اور اسے صحابہ کی ایک جماعت کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور انہوں نے علی مرتضیٰؓ کے حق میں اس وقت گواہی دی جس وقت کہ ان کی خلافت کے زمانہ میں ان کے ساتھ نزاع واقع ہوا تھا۔ اور اس کی بہت سی سندیں صحاح وحسان ہیں۔ اور جس نے اس کی صحت میں کلام کیا ہے اس کی طرف کوئی التفات نہیں ہے۔ اور نہ اس قول کی طرف جو بعضوں نے زیادتی میں کہا ہے کہ:۔ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ۔ کہ یہ موضوع ہے: اور مذکورہ حدیث متعدد طریقوں سے وارد ہے جس کی امام ذہبی اور ان کے سوا بہت سوں نے تصحیح کی ہے جیساکہ شیخ ابن حجر نے الصواعق المحرقہ میں بیان کیا ہے۔ حضرت شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہم شیعہ سے بطریق الزام کہتے ہیں کہ انہوں نے بھی دلیل امامت میں تواتر کے معتبر ہونے پر اتفاق کیا ہے اور شیعہ کہتے ہیں کہ جب تک حدیث متواتر نہ ہو اس سے صحت امامت پر استدلال نہیں کرسکتے۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ یہ حدیث متواتر نہیں ہے۔ باوجود خلاف اس کی صحت میں اگرچہ وہ خلاف مردود ہو بلکہ اس اختلاف میں بعض ائمہ حدیث سے طعن کیا گیا ہو اور انہوں نے عدول کیا ہو کیوں کہ اس امر میں اہل سنت کے ساتھ رجوع ہے۔ مثلاً ابو داؤد سجستانی، اور ابوحاتم رازی وغیرہ کے۔ اور انہوں نے اسے ان متفقہ حافظانِ حدیث سے روایت نہیں کیا جنہوں۔ نے ہمارے شہر وامصار میں طلب حدیث کے لئے چکر کاٹے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کی ہیں جیسے کہ بخاری ومسلم اور واقدی وغیرہ جو کہ اکابر محدثین میں سے ہیں۔ یہ بات اگرچہ حدیث کی صحت میں مخل نہیں ہے لیکن دعویٰ تواتر یا اس کی مانند اور دعویٰ کرنا اعجب عجائب میں سے ہے۔ یہ شیعہ امامت کی حدیث میں تواتر کو شرط قرار دیتے ہیں اور اہل سنت وجماعت اس مقام میں انہیں کا کلام ان پر رد کرتے ہیں۔ الصواعق المحرقہ میں اس کی بحث بڑی طویل ہے ہم نے اس میں سے تھوڑا سا بطریق اختصار نقل کردیا ہے۔ شیخ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ اس جگہ مولیٰ کے معنیٰ حاکم و والی کے ہیں۔ بلکہ بمعنی محبوب وناصر کے ہیں اور لفظ مولیٰ متعدد معنیٰ میں مشترک ہے جو کہ معتق، عتیق، متصرف فی الامر ناصر اور محبوب کے معنیٰ میں ہے۔ اور معانی مشترکہ میں کسی معنیٰ کا تعین وخاص کرنا بغیر دلیل کے

اعتبار نہیں رکھتا۔ ہم اور شیعہ دونوں محبوب و ناصر کے معنیٰ لینے پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہمارے سید ہمارے ناصر اور ہمارے حبیب ہیں۔ سیاق حدیث بھی اسی معنیٰ پر ناظر ہے اور لفظ مولیٰ کا امام کے معنے میں ہونا لغت میں معلوم و معہود نہیں ہے اور نہ شریعت میں ہے۔ اور کسی ائمہ لغت نے بھی بیان نہیں کیا ہے کہ مفعل بمعنی افعل آتا ہے۔ اور یہی کہا جاتا ہے کہ یہ چیز فلاں چیز سے اولیٰ ہے اور یہ نہیں کہا جاتا کہ اس سے مولیٰ ہے لہذا موالات پر تنصیص سے غرض، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بغض و عناد رکھنے سے پرہیز و اجتناب پر تنبیہ ہے۔ اس لئے کہ اس پر تنصیص وافرتر اور موکد تر ہے۔ اور اس میں ان کی بزرگی و شرافت کی زیادتی ہے۔ اسی بنا پر حضور اکرم ؐ نے اپنے بارے میں یہ صادر فرمایا کہ :۔ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ اور اسی بنا پر دعا بھی فرمائی۔ اور بعض طرق میں ذکر اہل بیت نبوت عموماً اور ذکر علی مرتضیٰ ؓ خصوصاً آیا ہے، جیسا کہ طبرانی وغیرہ نے بسند صحیح روایت کیا ہے اور یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مراد ان کی محبت پر برانگیختہ کرنا اور ترغیب و تاکید فرمانا ہے۔ نیز مروی ہے کہ اس حدیث کے وارد ہونے کا سبب یہ ہے کہ جب حضرت علی مرتضیٰ ؓ یمن میں تھے تو بعض امور میں ان سے کسی کو شکایت و اعتراض پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایسا حضرت بریدہ ؓ اسلمی کی طرف سے ہوا تھا جن کا تذکرہ یمن کی جانب حضرت علی کرم کے جیش کو بھیجنے کے سلسلہ میں حجۃ الوداع سے پہلے گزر چکا ہے اور صحیح بخاری میں مروی ہے اور انہوں نے بھی اس کو صحیح کہا ہے۔ پھر حضور اکرم ؐ کا روئے انور متغیر ہوا اور فرمایا اَلَسْتُ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ ۔ الحدیث اور صحابہ کو بھی جمع فرمایا اور اس باب میں تاکید فرمائی۔ اور حضرت بریدہ ؓ نے کہا کہ" اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے" شیخ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں تسلیم ہے کہ مولیٰ بمعنی اولیٰ ہے لیکن کہاں سے لازم آتا ہے کہ اولیٰ بامامت مراد ہو۔ بلکہ تقرب و اتباع، جیسا کہ قرآن مجید میں حق تعالٰے فرماتا ہے :۔ اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرٰھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ ۔ اور دلیل قطعی ہے بلکہ ظاہر ہے کہ اس کی نفی پر ہم احتمال نہیں رکھتے، اور اگر ہم اولیٰ بامامت بھی تسلیم کریں تو فی الحال امامت پر دلیل نہیں ہے۔ بلکہ بالآخر اپنے وقت میں جب وہ امام بنیں گے تو ہماری بیعت ان کے ساتھ ہو گی۔ اور ائمہ ثلثہ کی تقدیم اجماع سے ثابت ہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اس اجماع میں داخل ہیں۔ اور اس کے سوا ان قرائن کے ذریعہ جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مصرح ہیں۔ کس طرح

امامت پر نص ہوگی حالانکہ اس کی ضرورت کے وقت' حضرت علی مرتضیٰ کرم اور حضرت عباس رضی نے نہ تو حجت پیش کی اور نہ ان کے سوا کسی اور نے۔ بلکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم نے (مجلس مشورت میں شریک نہ کئے جانے پر) احتجاج فرمایا۔ لہٰذا ان کا سکوت ایام خلافت میں احتجاج سے اس پر دلیل ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر ان کے پاس کوئی نص نہیں ہے۔ اس کے باوجود حضرت علی مرتضیٰ کرم نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت پر نہ اپنے حق میں کوئی نص موجود ہے اور نہ کسی اور کی خلافت کے لئے۔ جیسا کہ اخبارِ صحیحہ میں آیا ہے کہ لوگوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم سے پوچھا کہ آپ سے جو اس قدر قتال و جرأت معرضِ وجود میں آئے کیا اس باب میں رسول اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی نص ہے یا کوئی چیز ایسی ہے جو اپنی رائے اور اجتہاد سے کر رہے ہیں' فرمایا اس باب میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔ لیکن چونکہ اس سے پہلے زمانہ میں امورِ دین وملت' نظم ونسق اور اسبابِ اجرائے احکام مربوط ومحکم تھے اس لئے میں نے تعرض نہ کیا اور میں اُن سے راضی رہا۔ اور جب میں نے دیکھا کہ دین وملت کے معاملات اور نظم ونسق درہم برہم ہو گیا ہے تو برعایت لوگوں کی خیر خواہی اور تقویت دین کی خاطر یہ سب کچھ کیا۔ کیوں کہ یہ وقت صبر کرنے اور تغافل کرنے کا نہ تھا (واللہ اعلم)

صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عباس رضی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مرضِ موت میں آئے حضرت عباس رضی نے حضرت علی رضی سے کہا کہ حضور اکرم سے امر یعنی خلافت کو مانگیں اگر ہم میں ہوئی تو حضور اکرم ہمیں بتادیں گے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے کہا میں نہیں مانگوں گا مجھے ڈر ہے کہ میں مانگوں اور وہ منع نہ کر دیں۔ (الحدیث)

اگر غدیر خم کی حدیث حضرت علی مرتضیٰ کرم کی امامت میں نص ہوتی تو حضور اکرم کی طرف رجوع کرنے اور حضور اکرم سے دریافت کرنے کی کیا حاجت تھی۔ اور حضرت عباس رضی کا یہ کہنا کہ "اگر یہ امر ہم میں ہوا تو ہم اسے جان لیں گے" باوجودیکہ غدیر خم کے دن کو تقریباً دو ماہ گزرے تھے اور یہ جائز ماننا کہ تمام صحابہ یوم غدیر کے قضیہ کو فراموش کر گئے تھے اور باوجود علم کے اس واقعہ کو انہوں نے چھپایا تھا یہ باتیں اس قبیل سے ہیں جس کو عقل جائز نہیں رکھتی۔

اور یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے غدیر خم کے دن خطبہ دیا اور حضرت ابوبکر وعمر رضی

کے حق کو آشکارا فرمایا اور فرمایا کہ :۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّ عُمَرَ۔ یعنی میرے بعد دین میں تم سب ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء کرنا۔ بلاشبہ یہ ثابت شدہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہل بیت کی مودت، اور ان کی محبت و اتباع پر لوگوں کو شوق دلایا۔ اور محبت اور خلافت کے درمیان فرق ہے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ صحابہ اس نص کو جانتے تھے لیکن انہوں نے اس کی پیروی نہ کی اور امیر المومنین کے ساتھ ظلم و عناد اور مکابرہ کا اظہار کیا اور اطاعت نہ کی۔ اور امیر المومنین نے جو ترکِ طلب اور احتجاج کیا وہ تقیہ کی بنا پر تھا۔ حضرت شیخ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کذب و افتراء ہے اس لئے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ پوری قوت رکھتے تھے اور بے اندازہ کثرت رکھتے تھے اور ان کی شجاعت و بسالت کا تو کیا کہنا۔ ان تمام حقائق کے باوجود اگر حضور اکرمؐ سے نص سُنی ہوتی پھر اس سے وہ حجت نہ لائیں اور اس پر عمل نہ کریں یہ محالات میں سے ہے اور جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث "اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ" سے استدلال فرمایا تو کیوں نہ فرمایا کہ ہاں بات یوں ہے۔ لیکن اگر حضرت علیؓ کی خصوصیت پر نص واقع ہوتی تو اس حدیث سے استدلال کرنا مفید نہ رہتا، اور بیہقی نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ روافض کا بنیادی عقیدہ گمراہ کہنا ہے۔ اور روافض صحابہ کی تکفیر کے قایل ہیں، اور وہ کہتے ہیں کہ گنتی کے چند آدمیوں کے سوا تمام صحابہ کافر ہو کر دنیا سے گئے ہیں۔ قاضی ابوبکر باقلانی نے فرمایا کہ روافض نے جو مذہب اختیار کیا ہے اس سے پورا دین اسلام باطل ٹھیرتا ہے اس لئے کہ جب نصوص کا چھپانا صحابہ کی خصلت ٹھیری اور ابتدائے احکام اسلام میں ظلم و افتراء اور کذب و خیانت، نفسانی اغراض کے تحت ان سے سرزد ہوا تو اور بھی جو کچھ احادیث و اخبار ان سے مروی ہوئی ہیں وہ سب ہی باطل قرار پاتی ہیں اور ناقابل اعتبار ٹھیرتی ہیں بلکہ یہ منقصت، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہوتی ہے کہ معاذ اللہ حضور اکرمؐ کی صحبت میں ایسے لوگ نکلے۔ اور خود علی مرتضیٰؓ نے بھی اپنے حق کی طلب میں بزدلی اور تقصیر دکھائی اور ایسے لوگوں کی تائید کی۔ (نعوذ باللہ منہا و لعنۃ اللہ علی الخبثاء المروانضہ) یہ کلام شیخ ابن حجر کا الصواعق المحرقہ میں ہے وہی کافی ہے۔ واللہ اعلم۔

## جیش جریر بن عبد اللہ بجلی بسوئے ذی الکلاع

اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع بن کور بن حبیب بن مالک بن حسان بن تبیع کی جانب بھیجا جو طائف کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا اور خلق کثیر خدا جان کر اسے پوجتی اور اس کی پیروی کرتی تھی۔ ابھی جریرؓ نے حضور اکرمؐ کے پاس سے کوچ نہ کیا تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔ اور ذی الکلاعؓ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت تک رہا۔ مواہب لدنیہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی حضرت جریر کے دست حق پرست پر ایمان لاچکا تھا۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جریرؓ بن عبداللہ بجلی کو ذی الکلاع اور ذی عمرو کی طرف بھیجا تاکہ انہیں اسلام کی دعوت دیں، وہ سب مسلمان ہو گئے۔ اور حضرت جریرؓ ان کے پاس رہے۔ لیکن روضۃ الاحباب میں ہے کہ وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک کفر پر قایم رہا فاروق اعظم کی خلافت کے دنوں میں مدینہ منورہ آیا اس وقت اس کے ساتھ اٹھارہ ۱۸ ہزار غلام تھے۔ وہ اپنے تمام غلاموں کے ساتھ ایک ساتھ مسلمان ہوا۔ اور ان میں سے اس نے چار ہزار کو آزاد کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "اے ذوالکلاع جتنے تیرے غلام باقی ہیں ان کو میرے ہاتھ فروخت کر دے ان کی ۲ دو دانگ قیمت تو اسی وقت نقد دیتا ہوں اور دو دانگ یمن کو لکھتا ہوں اور دو دانگ شام کو لکھتا ہوں"۔ ذوالکلاع نے کہا "آج کی مجھے مہلت دیجئے تاکہ غور کر لوں"۔ پھر جب وہ اپنی قیام گاہ پر آیا تو بقیہ تمام غلاموں کو بھی آزاد کر دیا۔ دوسرے دن جب امیر المومنین کی مجلس شریف میں آیا تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا "غلاموں کے بارے میں" تیری رائے کیا قرار پائی" اس نے کہا "حق تعالےٰ نے ان کے لئے جو بہتر کیا تھا میں نے اس کو اختیار کیا"۔ دریافت فرمایا "وہ کیا چیز ہے؟" کہا "سب کو خدا کی راہ میں آزاد کر دیا"۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اس کی تحسین و تصویب فرمائی" اس کے بعد اس نے کہا "اے امیر المومنین میرا ایک گناہ بہت بڑا ہے اور میرا خیال ہے کہ حق تعالیٰ اسے نہیں بخشے گا"۔ فرمایا "وہ کونسا گناہ ہے؟" اس نے کہا "ایک دن ایک جماعت میری پرستش کر رہی تھی۔ میں چھپ گیا۔ اس کے بعد اپنے آپ کو ایک جگہ انہیں دکھایا جب انہوں نے مجھے دیکھا تو قریب ایک لاکھ آدمیوں نے مجھے سجدہ کیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا "خالص توبۃ النصوح اور بارگاہ حق کی طرف انابت اور دل سے گناہ کو نکال پھینکنا، حق تعالیٰ سے مغفرت کی امید کا سبب ہے۔ اگرچہ گناہ کتنا ہی بڑا اور کثرت سے ہوں" ارباب سیر کہتے ہیں کہ جب وہ مسلمان ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ اس نے حکومت چھوڑ دی ہے اور

ایک درہم کا تھوڑا سا گوشت اپنے گھوڑے کی جھول میں لٹکایا ہوا ہے اور یہ اشعار پڑھتا جاتا ہے ؎

| | |
|---|---|
| اُف للدنیا اذا کانت کذا | انا منہا کل یوم فی اذی |
| ولقد کنت اذا قیل من | انعم الناس معاشا قیل ذا |
| ثم بدلت بعشی شقوہ | جنذا ھذا اشقا وجیذا |

روضتہ الاحباب میں ایسا ہی بیان کیا گیا ہے۔ اور ذی الکلاع کو طائف کے ملوکوں میں سے شمار کیا ہے۔ لیکن جوہری نے صحاح میں یمن کے بادشاہوں میں سے کہا ہے اور قاموس میں ہے کہ ذوالکلاع اکبر زید بن النعمان ہے اور اصغر مسع بن ناکور بن یغفر بن ذی الکلاع الاکبر ہے۔ اور یہ دونوں یمن کے علاقہ کے ہیں۔ تکلع کے معنی تحالف اور تجمع کے ہیں اور اسی سبب سے اس کا نام ذوالکلاع الاصغر رکھا گیا۔ کیوں کہ حمیر قبیلہ اس کے ہاتھ پر مجتمع تام ہو گیا تھا۔ اور دو قبیلے ہوازن اور فزاہی ذوی الکلاع الاکبر کے ہاتھ پر مجتمع ہوئے تھے۔ اور کہا کہ تابعی ملوک یمن میں سے ایک ہے۔ اور تبع نام ہی اس وقت رکھا جاتا ہے جبکہ اس کے تحت حمیر اور حضر موت ہو۔ اور حق تعالٰے کے ارشاد۔ اَھُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ کی تفسیر میں مروی ہے کہ تبع حمیری نے بہت سے شہروں اور لشکروں کی سیر کی اور سمرقند کو آباد کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ سمرقند کو ویران کیا۔ وہ خود تو مومن تھا مگر اس کی قوم کافر تھی۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے مروی ہے کہ فرمایا "میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا نہیں۔ یمن کے بادشاہوں کو تبابعہ کہتے ہیں۔ جس طرح کہ اقبال بولا جاتا ہے۔ تبع کے کچھ حالات تاریخ مدینہ طیبہ میں لکھے گئے ہیں۔

## حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی وفات

اسی سال حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ اس دن آفتاب کو گہن لگ گیا تھا چنانچہ لوگوں نے کہا کہ آفتاب کا گہنانا ان کے انتقال کے سبب سے ہے۔ کیونکہ ان میں یہ مشہور تھا کہ سورج گہن کسی عظیم حادثہ کے سبب ہی واقع ہوتا ہے۔ مثلاً عظیم شخصیت کی موت سے یا اس کی مانند کسی عظیم حادثہ سے، جب یہ بات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں پہنچی تو آپ نے فرمایا "سورج اور چاند خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جو حق تعالٰی کی قدرت وجبروت پر دلالت کرتی ہیں اور جو اہل بصیرت کے لئے

عبرت کا موجب ہے کہ ایک ساعت میں ان دونوں کی نورانیت اور ان کی چمک دمک کو (جن سے روئے زمین روشن ہوتی ہے) سلب کرکے تاریک و سیاہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح وہ قادر ہے کہ آدمیوں سے ان کے ایمان وعلم کے نور کو سلب کر لے اور انہیں تاریک کر دے۔ کسی کی موت وحیات کا اس میں دخل نہیں ہے۔ پھر جب دیکھو کہ یہ مسلوب ومنکسف ہو گئے ہیں تو خدا کو یاد کرو، صدقہ وخیرات کرو اور غلاموں کو آزاد کرو۔ روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات دسویں محرم یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی۔

## صورت بشری میں جبرئیلؑ کی آمد

اسی سال حضرت جبریل علیہ السلام بصورت انسان، خوب سیاہ بالوں والے، بہت سفید لباس پہنے نہایت حسین وجمیل شکل میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں نمودار ہوئے۔ اس طرح کہ تمام حاضرین مجلس حیرت وتعجب میں رہ گئے۔ وہ آکر حضور اکرمؐ کے سامنے دو زانو ہو کے بیٹھے اور اپنے دونوں ہاتھ نکال کر یا تو حضور اکرمؐ کے دونوں زانوئے اقدس پہ یا اپنے دونوں زانوں پر رکھے۔ حدیث میں دونوں معنی کا احتمال ہے۔ اور انہوں نے اسلام، ایمان، احسان، قیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوال کیا اور حضور اکرمؐ نے سب کا جواب عنایت فرمایا۔ اس کے بعد وہ مجلس شریف سے چلے گئے۔ سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اسے تلاش کرو صحابہ باہر نکلے اور بہت تلاش کیا مگر نہ پایا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "یہ جبریلؑ تھے جو تمہیں سکھانے کے لئے آگئے تھے۔ اس حدیث کو حدیث جبریلؑ کہتے ہیں۔ اور کتب احادیث میں مذکور ومسطور ہے۔ اور اول کتاب مشکوٰۃ المصابیح میں بھی مذکور ہے۔ اس جگہ اس کی شرح کی ضرورت نہیں ہے۔

---

# ہجرت کے گیارہویں سال کے واقعات

## سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی بیماری، وفات اور دیگر متعلقات کا ذکر

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو بعض اشقیاء دجہال کو دعوائے نبوت کا خبط سمایا۔ چنانچہ مسیلمہ بن ثمامہ، اسود بن کعب عنسی، طلیحہ بن خویلد اسدی اور ایک عورت جس کا نام سجاح بنت الحارث بن سوید تمیمیہ تھا انہوں نے دعوائے نبوت کیا۔

### مسیلمہ کذاب

ان بدبختوں میں مسیلمہ بہت مشہور شقی تھا۔ اسے مسیلمہ کذاب کہا جاتا ہے۔ اور یہ خود کو رحمٰن الیمامہ کہلواتا تھا۔ اس لئے کہ وہ کہتا تھا کہ جو شخص مجھ پر وحی لاتا ہے اس کا نام رحمٰن ہے۔ اور بظاہر یہ ہے کہ وہ خود کو رحمٰن جاہلوں سے کہلواتا تھا وہ نادان تھے۔ کیوں کہ یہ نام حضرت رب العزت جلّ جلالہٗ کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ ملعون بہت بوڑھا انتہائی مکار اور حیلہ جو تھا پیچھے دسویں سال میں گزر چکا ہے کہ یہ بنی حنیفہ کے وفد کے ساتھ مدینہ منورہ آیا تھا جب اس کی قوم مجلس شریف میں آئی تھی اور مسلمان ہوئی تو اس نے تخلف کیا اور کہا کہ "اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) مجھے اپنے بعد خلیفہ بنادیں تو میں مسلمان ہو جاؤں اور ان کی متابعت کرلوں" حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس ملعون کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور اس کے سر پر استادہ ہوئے اس وقت آپ کے دست اقدس میں کھجور کی ایک شاخ تھی فرمایا اگر تو مجھ سے اس شاخ کو بھی مانگے تو میں تجھے نہ دوں بجز اس کے جو مسلمانوں کے بارے میں حکم الٰہی ہے۔" اور فرمایا" اگر تو میرے بعد زندہ رہا تو تجھے حق تعالیٰ ہلاک فرمائے گا۔" یہ ارشاد اس خواب کی تعبیر میں تھا جو حضور اکرمؐ کو دکھایا گیا تھا آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے دونوں دست مبارک میں دو سونے کے کنگن ہیں۔ اس سے آپ غمگین ہوئے تھے پھر حکم آیا کہ آپ ان پر

دم فرمائیں آپ نے ان پر دم فرمایا تو وہ دونوں ناپید ہو گئے، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ دو کذاب ہوں گے ایک یمامہ کا اور دوسرا صنعاء کا۔ یعنی ایک تو یہی مسیلمہ کذاب تھا اور دوسرا اسود عنسی۔

ایک روایت میں آیا ہے یہ ملعون دائرۂ اسلام میں آگیا تھا جب مسیلمہ اپنے علاقہ میں لوٹا تو مرتد ہو گیا اور نبوت کا ادعا کیا۔ اور شراب و زنا کو حلال کر کے نماز کی فرضیت کو ساقط کیا مفسدوں کی ایک جماعت اس کی مطیع و منقاد ہو گئی۔ اس نے ایک خط حضور اکرمؐ کی خدمت میں بھیجا اس میں لکھا کہ: مِنْ مُسَيْلِمَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لَنَا نِصْفٌ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفٌ وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا يَعْتَدُوْنَ "آدھی زمین مسیلمہ کے لئے ہے اور آدھی قریش کے لئے لیکن قریش زیادتی کرتے ہیں"۔ جب یہ خط حضور اکرمؐ کی خدمت میں آیا تو جواب میں تحریر فرمایا۔ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام۔ اما بعد جان لے کہ بلاشبہ زمین کا بعد کو جسے خدا چاہے گا وارث ہو گا اور عاقبت متقیوں کے لئے ہے"۔ اس کے بعد مسیلمہ کذاب کفر پر اصرار کرتا رہا۔ نامطبوع سجع، اور مکروہ ہذیانات، قرآن کریم کے مقابل باندھتا رہا جو عقلائے عالم کے نزدیک مضحکہ خیز ہیں۔ اور علم میں بھی نیرنگی اور شعبدے اور عجیب و غریب کارنامے دکھاتا رہا۔ اور جو کچھ بھی وہ دکھاتا خوارق و معجزات کے برعکس اور اس کے مدعا کے برخلاف ہوتا۔ چنانچہ وہ اگر کسی کے لئے درازی عمر کی دعا کرتا تو وہ اسی وقت مرجاتا۔ اور اگر کسی کے لئے آنکھوں میں روشنی کی دعا کرتا تو وہ اسی وقت اندھا ہو جاتا جب اس نے یہ سنا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مضمضہ فرما کر اس پانی کو کنویں میں ڈالتے ہیں جس سے وہ پانی زیادہ اور شیریں ہو جاتا ہے جب اس نے بھی ایسا کیا تو کنویں کا پانی زمین میں اتر جاتا اور وہ کنواں کھاری اور کڑوا ہو جاتا۔ لوگ ایک بچہ اس کے پاس لائے اس نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر پھیرا وہ گنجا ہو گیا۔ ایک بچّہ کے حلق میں اس نے انگلی ٹھونسی تو اس کی زبان پھٹ گئی۔ ایک مرتبہ کسی باغ میں اس نے اپنا سیاہ منہ دھویا اور اس کا پانی وہاں چھڑکا وہاں پھر کبھی گھانس نہ اُگی۔ دستور خداوندی یہی ہے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر خوارق مدعا کے موافق ظاہر نہیں ہوتے۔ ایک شخص اس کے پاس گیا اس نے کہا کہ میرے دو لڑکے ہیں ان کی خیر و برکت کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ جب وہ شخص گھر پہنچا

تو اس کے ایک لڑکے کو تو بھیڑیئے نے پھاڑ ڈالا تھا اور دوسرا کنوئیں میں گر کر مر گیا تھا اُن لوگوں پر تعجب ہے کہ اس ملعون کے ایسے کرتوتوں کے مشاہدے کے باوجود اس کے پیچھے لگ گئے اور اس سے بیزار نہ ہوئے چونکہ جاہلوں کی اس جماعت میں غرض کے بندے تھے اور دنیاوی اغراض کے ماتحت اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ چنانچہ جب حضور اکرمؐ اس جہان سے تشریف لے گئے تو اس کا کاروبار چمک گیا اور ایک لاکھ سے زائد جہال اس کے گرد جمع ہو گئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ کے زمانۂ خلافت کے آخر میں یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہٗ کے ہاتھ سے مارا گیا جبکہ اس وقت حضرت خالدؓ کے ساتھ چوبیس۲۴ ہزار مسلمانوں کا لشکر تھا اور ان کے مقابلہ میں مسیلمہ کے چالیس۴۰ ہزار جنگی آدمی مقابل آئے فریقین میں خوب شدت کی جنگ ہوئی اگرچہ شروع میں مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے تھے مگر آخر میں بحکم :- اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی دشمنوں نے شکست کھائی اور بھاگے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کا تعاقب کیا۔ اور وہ وحشیؓ جو قاتل حمزہؓ بن عبدالمطلب تھے مسیلمہ کے قریب پہنچے اور وہ حربہ جس سے حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا اس پر پھینکا اور اسے جہنم رسید کیا۔ اس وقت انہوں نے کہا اَنَا قَاتِلُ خَیْرِ النَّاسِ فِی الْکُفْرِ وَاَنَا قَاتِلُ شَرِّ النَّاسِ فِی الْاِسْلَامِ۔

## اسود عنسی مدعی نبوت

دوسرا مدعی نبوت، اسود عنسی ہے جو عنس بن قدیح سے منسوب تھا۔ اس کا نام عیلہ تھا۔ اور اسے ذوالخمار (بخا) بھی کہتے ہیں خمار کے معنی دوپٹہ کے ہیں چونکہ یہ اپنے منہ پر دوپٹہ ڈالا کرتا تھا اور بعض اس ذوالحمار کو حاء کے ساتھ بتاتے ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ کہتا تھا جو شخص مجھ پر ظاہر ہوتا ہے وہ گدھے پر سوار ہوتا ہے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ وہ ایک کاہن تھا اور اس سے عجیب و غریب باتیں ظاہر ہوتی تھیں وہ لوگوں کے دلوں کو اپنی چرب زبانی سے گرویدہ کر لیتا تھا۔ اور اس کے ساتھ دو ہمزاد شیطان تھے جس طرح کاہنوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور ان کو زمانہ کی خبریں لا کے بتاتے ہیں۔ اس ملعون کا پورا قصہ اس کی ابتدا اور انجام کار یہ ہے کہ باذان جو ابنائے فارس سے تھا اور کسریٰ کی جانب سے یمن کا حاکم تھا اس نے آخر میں توفیق اسلام پائی اور حضور اکرمؐ نے باذان کو صنعا کی حکومت پر یمن میں برقرار رکھا جب اس نے وفات پائی تو اس کی مملکت کو تقسیم فرما کے کچھ اس کے بیٹے شہر بن باذان کو دیا، کچھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اور کچھ حضرت معاذ بن جبلؓ

کو رحمت فرمایا جیسا کہ گزر چکا ہے پھر اسود عنسی نے خروج کیا اور نبوت کا مدعی بنا۔ اور اپنے لشکر کے ساتھ اہل صنعا پر غالب آیا اور وہ مملکت اپنے قبضۂ تصرف میں لے آیا۔ شہر بن باذان کو قتل کر دیا۔ اور مرزبانہ کی جو شہر بن باذان کی بیوی تھی اس کی خواستگاری کی۔ فروہ بن مسیک نے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے وہاں کے عامل تھے اور قبیلۂ مراد سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے حضور اکرم کو ایک خط لکھا جس میں تمام حالات اور واقعات کو بیان کیا۔ حضرت معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما جو اس نواح میں تھے باہمی اتفاق رائے سے حضرموت چلے گئے۔ جب یہ خبر بارگاہ رسالت میں پہنچی تو اس جماعت کو حضور اکرم نے لکھا کہ متفقہ طور سے جس طرح بھی ممکن ہو اسود عنسی کے شر و فساد کے دفع کرنے کی کوشش کریں اور مادۂ فساد کا استیصال کریں۔ اس پر تمام فرمانبرداران نبوت ایک جگہ جمع ہو گئے اور مرزبانہ کو پیغام بھیجا کہ یہ یعنی اسود عنسی وہ شخص ہے جس نے تیرے باپ اور تیرے شوہر کو قتل کیا ہے اس کے ساتھ تیری زندگی کیسے گزرے گی؟ اس نے کہلوایا "میرے نزدیک یہ شخص دشمن ترین مخلوقِ خدا ہے"۔ اس پر مسلمانوں کی جماعت نے پیغام بھیجا کہ جس طرح تمہاری سمجھ میں آئے اور جیسے بھی ممکن ہو اس ملعون کے استیصال کی تدبیر کرو"۔ چنانچہ مرزبانہ نے فیروز دیلمی کو جو مرزبانہ کے چچا کا بیٹا اور نجاشی کا بھانجا تھا اور وہ دسویں سال میں آکر مسلمان ہو گیا تھا اور ایک اور شخص کو جس کا نام دادویہ تھا آمادہ کیا کہ رات کے وقت دیوار میں نقب لگا کے اسود کی خواب گاہ میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیں۔ جب وہ مقررہ رات آئی تو مرزبانہ نے اسود کو خالص شراب بہت زیادہ پلا دی یہاں تک کہ وہ مدہوش ہو کر سو گیا۔ وہ اپنے دروازہ پر ایک ہزار پہرے دار رکھتا تھا۔ فیروز دیلمی نے ایک جماعت کے ساتھ دیوان خانہ میں نقب لگائی اور اس بدبخت کے سر کو تن سے جدا کر دیا۔ اس ذبح کرنے کے دوران بڑی شدید آواز گائے کے ڈکرانے کی مانند اس کے منہ سے نکلی پہریداروں نے جو یہ آواز سنی تو اس کی طرف دوڑے مرزبانہ گھر سے نکل کے ان کے سامنے آگئی اور کہا خاموش رہو۔ کیوں کہ تمہارے نبی پر وحی آئی ہوئی ہے۔

جب صبح ہوئی اور مؤذن کو اس حالت کی اطلاع ملی تو اس نے اذان میں "اَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے بعد "وَاَشْہَدُ اَنَّ عَبْلَۃَ کَذَّابٌ" بڑھا کر کہا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عمال نے اس کی خبر بارگاہ رسالت میں بھیجی۔ مگر یہ خبر حضور اکرم کی رحلت فرمانے کے بعد مدینہ منورہ

میں پہنچی۔ لیکن رحلت فرمانے سے یکشبانہ روز پہلے واقعہ کی کیفیت، وحی کے ذریعہ حضور اکرمؐ کو معلوم ہوگئی تھی اور فرمادیا تھا کہ آج رات اسود عنسی مارا گیا ہے اور ایک مرد مبارک نے اس کی اہل بیت ...... میں سے اسے قتل کیا ہے۔ اور اس کا نام فیروز ہے۔ اور فرمایا "فَازَ فَیرُوزُ" فیروز کامیاب ہوا۔

بعض ارباب سیر نے بیان کیا ہے کہ اس ملعون کا قتل، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوا ہے۔ جبکہ حضرت عکرمہؓ بن ابوجہل کو مسلمانوں کی ایک فوج پر امیر مقرر کرکے بھیجا تھا۔ اس واقعہ میں بھی اسود کا قتل فیروزؓ کے ہاتھ سے ہے۔ لیکن اکثر محدثین اور علماء سیر کا خیال وہی ہے جو پہلے مذکور ہوا۔

## طلیحہ بن خویلد اسدی مدعی نبوت

طلیحہ بن خویلد قبیلہ بنی اسد سے تھا اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد خروج کیا اور عروج پایا۔ عینیہ بن حصین فرازی جس کا ذکر پہلے غزوۂ حنین وہوازن میں آچکا ہے اور وہ قبیلۂ فرازہ سے تھا مرتد ہوکر اسلام سے منحرف ہوکر طلیحہ کا گرویدہ بن گیا۔ طلیحہ دعویٰ کرتا تھا کہ جبریل علیہ السلام اس پر آتے ہیں اور وحی لاتے ہیں۔ پہلا استدراج جو اس سے صادر ہوا اور جس کے سبب لوگ گمراہ ہوئے یہ تھا کہ ایک روز یہ اپنی قوم کے ساتھ سفر میں تھا۔ ان کے ساتھ پانی نہ تھا تشنگی ہوگئی اس نے کہا:- اِرْکَبُوْا اَعْلَالًا وَاَضْرِبُوْا اَمْیَالًا تَجِدُوْا اَبْلَالًا سوار ہو گھوڑوں پر اور چند میل سفر کرو تو قوم پانی کو پالیگی؛ قوم نے ایسا کیا اور پانی پالیا۔ اس وجہ میں بدوی لوگ فتنہ میں پڑ گئے۔ جب یہ خبر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو ایک لشکر تیار کرکے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرکے طلیحہ کی جانب بھیجا۔ حضرت خالدؓ روانہ ہوئے یہاں تک کہ قبیلۂ طی پہنچے اور دو پہاڑوں کے درمیان کوہ سلمیٰ اور کوہ اجاہ کے درمیان لشکر کو ٹھہرایا اور وہ قبائل جو گردو نواح میں اسلام پر قایم تھے ان کے ساتھ آکے شامل ہوگئے۔ اور سب نے مل کر دشمنوں سے جنگ کی اور لشکر فرازہ نے راہ فرار دکھائی اور عینیہ بن حصین فرازی کو اس کا کذب معلوم ہوا وہ بھی فرازہ کے ساتھ بھاگ گیا۔ اور طلیحہ بھی واپس آیا اور مسلمان ہوگیا۔ اور نہاوند کی جنگ میں شہادت حاصل کی۔ (رضی اللہ عنہ)

## سجاح بنت الحارث مدعیہ نبوت

چوتھی مدعیۂ نبوت سجاح بنت الحارث بن موید بنی یربوع کی ایک عورت تھی۔ جو بنی تغلب میں نبوت کا دعویٰ کرتی تھی اور ایک جماعت اس کی گرویدہ ہوگئی تھی۔ اور اس کا زمانہ و مسکن مسیلمہ کذاب کے قریب تھا اور ایک گروہ اس کے موافق بن گیا تھا مسیلمہ ڈرتا تھا کہ اگر اس سے معترض ہوا تو مبادا وہ قبائل جو اس کے گرد و لواح میں ہیں اور اس سے متفق ہیں تمام یمامہ پر غالب نہ آجائیں۔ اس بنا پر تحفے اور ہدایا سجاح کے پاس روانہ کئے اور اس سے ملاقات کی استدعا کی۔ اور کہلوایا کہ کچھ مخفی باتیں ہیں جو آمنے سامنے کہی جائیں گی۔ سجاح نے حکم دیا کہ خیمہ لگایا جائے، چنانچہ خیمہ لگایا گیا اور طرح طرح کے عطریات، خوشبویات، فرش و فروش اور برتنوں سے خیمہ سجایا گیا پھر مسیلمہ اس جگہ پہنچا اور دونوں خیمہ میں داخل ہوئے۔ اور ہر باب میں باہمی گفتگو ہوئی۔ اور مسیلمہ نے اپنے ہذیانات اور مخترعات کو اس کے سامنے رکھا' اور کہا کہ بہتر ہوگا کہ ہم میں مناکحت کی نسبت پیدا ہو جائے۔ جو کچھ مسیلمہ نے کہا" سجاح نے یقین جانا اور اس کی نبوت کو برقرار رکھا۔ اور تین روز دونوں ایک ساتھ رہے اور تعجب نہیں کہ ان تین دنوں میں ایک دوسرے نے زنا کیا ہو بعد از عقد مناکحت' سجاح اپنی قوم میں چلی گئی اور مسیلمہ اپنی ٹولی میں جا ملا۔ سجاح کی قوم نے پوچھا" تیرا قصہ کیا ہوا؟" اس نے کہا کہ اس کی نبوت کی حقیقت مجھ پر ظاہر ہوئی اور میں اس کے نکاح میں داخل ہوگئی لوگوں نے پوچھا مہر کیا قرار پایا ہے؟" اس نے کہا" مہر کے تعین کی فرصت نہ ملی"۔ لوگوں نے کہا" بغیر مہر کے تو نکاح نہیں ہوتا۔ جاؤ مہر معین کرو"۔ اس پر سجاح' مسیلمہ کے پاس آئی' اور طلب تعین مہر کیا"۔ اس نے کہا" یمامہ کا نصف غلہ تجھے سونپنا ہوگا اور اس پر مزید یہ کہ صبح کی اور عشاء کی نماز تیری امت پر تخفیف کرتا ہوں۔ اور ایک جماعت کو مذکورہ غلہ حاصل کرنے کے لئے کہا۔ یہ لوگ انہیں معاملات میں مصروف تھے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا غلغلہ ایک لشکر عظیم کے ساتھ پہنچا اور سجاح کے عاملوں کو ان کے عمل سے معزول کیا۔ اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ امارت میں وہ اور اس کی امت مسلمان ہوگئی اور ان کا اسلام نیک و مقبول ہوا اور دوسری روایت یہ ہے کہ مسیلمہ جس جزیرہ میں رہتا تھا وہاں وہ چھپ گئی اور وہیں ہلاک ہوگئی اور پھر کسی نے اس کا نام و نشان تک نہ سنا (واللہ اعلم)

## سریہ زید بن اسامہ

غزوۂ سرایا میں آخری سریہ، جیش اسامہؓ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اس لشکر...... کو پیر کے دن ۲۶ ماہ صفر ۱۱ھ انہی کی جانب جو دیارِ روم میں سے ہے اور حضرت زیدؓ کے والد کی شہادت گاہ لشکر موتہ میں تھی۔ امیر بنایا تاکہ وہ وہاں کے لوگوں پر تاخت کریں۔ اور ان کے گھروں کو آگ لگائیں اور جانے میں جلدی کریں تاکہ ان کی خبر پہنچنے سے پہلے خود ان کے سروں پر پہنچ جائیں۔ روانگی سے پہلے جاسوسوں اور طلائع کو بھیجا جائے اور راہبروں کو ساتھ لیا جائے اسی فکر میں تھے کہ بدھ کے دن ۲۸ صفر کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم علیل ہو گئے۔ اور بخار و دردِ سر عارض ہوا۔ دوسرے دن علیل ہونے کے باوجود اپنے دستِ مبارک سے علَم تیار کر کے دیا۔ اور فرمایا: اُغْزُ بِسْمِ اللہِ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ فَقَاتِلْ مَنْ کَفَرَ بِاللہِ۔ بسم اللہ کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور خدا کے کافروں سے قتال کرو۔" حضرت اسامہؓ نے علَم لیا۔ اور باہر روانہ ہو گئے اور یہ علَم انہوں نے بریدہؓ بن حصیب کے سپرد کیا تاکہ وہ لشکر کے علمبردار ہوں۔ اور مقام جرف میں پڑاؤ کیا تاکہ وہاں لشکرِ اسلام مجتمع ہو۔ جرف ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ کے قریب ہے جرف کے اصلی معنیٰ پانی کھود کر نکالنے کے ہیں۔ اور دربارِ رسالت سے یہ حکمِ عالی صادر ہوا کہ اعیان مہاجرین و انصار مثلاً حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ فاروق، عثمانؓ ذوالنورین، سعدؓ بن ابی وقاص، ابو عبیدہؓ بن جراح وغیرہ بجز علی مرتضیٰؓ کے کے رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت اسامہؓ کے ہمراہ جائیں۔ اور حضرت علیؓ مرتضیٰ کو ہمراہ نہ کیا۔ بعض لوگوں کے دلوں میں بات کھٹکتی تھی کہ ایک غلام کو اکابر مہاجرین و انصار پر امیر مقرر فرمایا۔ اس قسم کی گفتگو ذاتی مجلسوں میں ان سے ظہور و ورود میں آئیں۔ جب یہ خبریں حضور اکرمؐ کی سمع شریف میں پہنچیں تو یہ باتیں حضور اکرمؐ کی خاطر مبارک پر گراں گزریں اور غصہ آیا۔ تپ و دردِ سر کے باوجود پیشانی مبارک پر پٹی باندھ کر باہر تشریف لائے ممبر شریف پہ کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ فرمایا "اے لوگو! تم اسامہؓ کو اپنے اوپر امیر بنائے جانے سے انحراف کر کے کیسی چہ میگوئیاں کرتے ہو۔ تم نے غزوۂ موتہ میں ان کے والد کے امیر بنائے جانے پر بھی باتیں بنائی تھیں۔ خدا کی قسم وہ امارت کے سزاوار و مستحق ہیں۔ اور ان کے والد بھی امارت کے سزاوار و مستحق تھے۔ میرے نزدیک زیدؓ بھی لوگوں میں بہت محبوب تھے اور ان کے فرزند اسامہؓ بھی ان کے بعد لوگوں میں مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ دونوں کے ساتھ اچھا گمان ہے۔ اب میری وصیت ان کی شان میں بخوبی قبول کرو وہ یہ ہے کہ وہ تم میں اخیار میں سے ہیں۔"

اس کے بعد ممبر شریف سے اتر کر کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، کے کچھ فضائل غزوۂ موتہ کے ضمن میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

مروی ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اپنی خلافت کے زمانہ میں حضرت اسامہؓ کو دیکھتے تو فرماتے۔ "السلام علیک ایہا الامیر" حضرت اسامہؓ عرض کرتے "غفر اللہ لک یا امیر المومنین" آپ مجھے امیر فرماتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں جب تک زندہ ہوں ہمیشہ تمہیں امیر کہہ کر مخاطب کرتا رہوں گا۔ اور فرمایا کرتے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس جہان سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ تم ہم سب پر امیر تھے۔ حالانکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ، کی عمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت اٹھارہ ۱۸ یا انیس ۱۹ سال کی تھی۔ بعض بیس ۲۰ سال بتاتے ہیں اور اہلِ سیر بتاتے ہیں کہ یہ واقعہ دسویں ربیع الاول کا تھا۔ اور اس دن وہ جماعتیں جو حضرت اسامہؓ کے ساتھ جانے پر مامور تھیں فوج در فوج آکر اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر لشکر گاہ میں پہنچ رہی تھیں۔ اس دن حضور اکرم کا مرض بہ نسبت اور دن کے زیادہ تھا۔ حضور اکرم فرماتے تھے کہ جیشِ اسامہؓ کو روانہ کرو۔ گیارہ ربیع الاول کو حضرت اسامہؓ اپنے لشکر کے ساتھ حضور اکرمؐ سے رخصت ہونے کے ارادہ سے آئے۔ اور حضور اکرمؐ کے سرہانے کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے سر کو جھکا کر حضور اکرمؐ کے سرِ مبارک اور دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور اکرمؐ پر مرض کی شدت کا اتنا غلبہ تھا کہ بولنے کی طاقت نہ تھی۔ لیکن حضور اکرمؐ نے اپنے دستِ مبارک کو آسمان کی جانب اٹھا کر حضرت اسامہؓ پر اتارا۔ حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں "میرا خیال ہے کہ میرے لئے دعا فرما رہے تھے۔ اس کے بعد اسامہؓ حضور اکرمؐ کے حجرۂ شریف سے باہر آگئے اور لشکر گاہ میں چلے گئے۔ صبح کو دوشنبہ کے دن پھر آئے اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مرض میں کچھ کمی تھی۔ اسامہؓ کو رخصت کیا اور فرمایا "اُغْزُ عَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ" خدا کی برکت کے ساتھ جہاد کرو"۔ حضرت اسامہؓ حضور اکرمؐ کے ارشاد کے بموجب لشکر گاہ چلے گئے۔ اور حکم دیدیا کہ کوچ کیا جائے۔ جب چاہا کہ خود سوار ہوں تو ان کی والدہ ام ایمن رضؓ نے پیغام بھیجا کہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نزع کے عالم میں ہیں۔ اسامہؓ لوٹ آئے اور اشراف صحابہ بھی واپس آگئے۔ حضرت ابوبکر و عمر فاروق وغیرہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ میں ہی تھے۔ حضرت بریدہؓ بن حصیب نے علَم کو حضور اکرمؐ کے دروازہ پر نصب کر دیا۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دفن سے صحابہ فارغ ہوئے اور امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قرار پاگئی تو حکم دیا

کہ حضرت اسامہؓ کے گھر کے دروازہ پر عَلَم نصب کر دو۔ تاکہ جو لشکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا ہے روانہ ہو اور جو حکم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جاری فرمایا ہے نافذ ہو۔ اس کے بعد حضرت اسامہ رضی باہر نکلے اور منزل جرف میں قیام کیا تاکہ لوگ جمع ہوں اسی اثنا میں مدینہ منورہ میں قبائل عرب کے مرتد ہونے کی خبریں پہنچیں۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ جب تک مرتدین کے قصہ سے اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک لشکر اسامہؓ کو موقوف رکھنا بہتر ہوگا۔ مبادا کہ جب وہ یہ سنیں کہ لشکر قوی تو مدینہ منورہ سے باہر گیا ہوا ہے وہ دلیر ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہو جائیں۔ اور اہلِ مدینہ سے جنگ کریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ رائے قبول نہ فرمائی آپ نے فرمایا اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ لشکر اسامہؓ کے بھیجنے سے میں مرتدوں کا لقمہ بنجاؤں گا تب بھی میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی خلاف ورزی کو جائز نہ رکھوں گا۔ لیکن تم اسامہ رضی سے درخواست سے کرو کہ وہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اجازت دیدیں کہ وہ میرے پاس رہیں۔ اس پر حضرت اسامہ رضی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہ جانے کی اجازت دیدی۔

جب ماہ ربیع الآخر آگیا تو حضرت اسامہ رضی نے ابنی کی جانب روانگی فرمائی اور وہاں کے لوگوں پر غلبہ و فتح حاصل کیا۔ اور ان کے بہت زیادہ لوگوں کو قتل کیا اور کچھ اشجار و منازل، باغوں اور کھیتوں کو جلایا۔ اور اپنے والد کے قاتل کو قتل کیا اور بکثرت مالِ غنیمت لے کر واپس آگئے اس لشکر کا مکمل سفر چالیس دن کا تھا۔

# قسم چہارم

(اس کتاب کے چوتھے حصہ میں، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے رخصت ہونے کے سلسلہ میں ذکر حدوث مرض، مدت امتداد، ایام مرض کے واقعات، روز وفات، ذکر غسل وتکفین، نماز جنازہ اور اثبات حیات انبیاءؑ کا بیان ہے۔)

# بابِ اول

## ذکر وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از ابتدائے مرض تا وقت رحلت

پہلے معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو آخری حج فرمایا احکام دین تعلیم فرمانے کے بعد اس جہان سے اپنی رحلت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو وداع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ شاید آیندہ سال میں تم میں نہ ہوں۔ اسی بنا پر اس حج کو حجۃ الوداع سے موسوم کیا گیا۔ اور اس آیہ کریمہ کا نزول بھی اسی طرف مشیر ہے کہ :- اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ - جیسا کہ گزرا۔ نیز حجۃ الوداع کے وقت منیٰ کے دنوں میں سورۃ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی۔ جب یہ سورۃ نازل ہو رہی تو حضور علیہ السلام نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا گویا تم مجھے خبر دے رہے ہو کہ مجھے اس جہان سے جانا چاہیئے۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا غم نہ کیجئے وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى اور یقیناً آپ کے لئے آخرت پہلی سے بہتر ہے اسکے

بعد سید عالم سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ اکمل التسلیمات آخرت کے کاموں میں بہت جد و جہد فرمانے لگے۔ اس سورۂ مبارکہ کے نازل ہونے کے بعد حضور اکرم کا اکثر ذکر، بحکم امر الٰہی تعالیٰ احمد تقدس تھا فرمایا: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝ یہ کلمات مبارکہ تھے کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ کیا وجہ ہے کہ یہ کلمات مبارکہ آپ کی زبان اقدس پہ بہت جاری ہیں" فرمایا "جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے عالم بقا کی طرف بلایا گیا ہے اور تسبیح و تحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور گریہ کناں ہو گئے"۔ صحابہ نے عرض کیا "یارسول اللہ! آپ موت سے گریہ کناں ہیں حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کو گزشتہ و آیندہ سب سے مغفور فرما دیا ہے"۔ فرمایا فَأَيْنَ هَوْلُ الْمُطَّلَعِ وَأَيْنَ ضِيقُ الْقَبْرِ وَظُلْمَةُ اللَّحْدِ وَأَيْنَ الْقِيٰمَةِ وَالْأَهْوَالُ ۔ یہ فرمانا امت کے لئے تنبیہ ہے کہ انہیں ان بلاؤں اور مشقتوں سے گزرنا ہوگا۔ وگرنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے ہمیں اپنی وفات کی خبر دی اور خواص اصحاب کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر بلایا۔ اور جب آپ کی نظر مبارک ہم پر پڑی تو گریہ فرمایا۔ حضور اکرم کا یہ گریہ فرمانا ان صحابہ کرام پر انتہائی شفقت و رحمت اور شدتِ تصورِ الم فراق سے تھا۔ جو ان حضرات کو لاحق ہوگا۔" اس وقت فرمایا مَرْحَبًا بِكُمْ وَحَيَّاكُمُ اللّٰهُ بِالسَّلَامِ حَفِظَكُمُ اللّٰهُ سَتَرَكُمُ اللّٰهُ، نَصَرَكُمُ اللّٰهُ وَرَفَعَكُمُ اللّٰهُ هَدَاكُمُ وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ اٰوَاكُمُ اللّٰهُ وَقَاكُمُ اللّٰهُ مَتَّعَكُمُ اللّٰهُ ۔ یہ دعا اگرچہ بظاہر متوجہ بجانب صحابہ کرام ہے۔ جو حاضر بارگاہِ اقدس تھے لیکن حقیقت میں راجع تمام امت پر ہے اور اس دعا میں سب کو ہی شامل فرمایا گیا ہے اور شریعت کے تمام خطابات کا بھی یہی حکم ہے کہ اس میں تغلیب حاضر بر غائب ہے، اور فرمایا "میں تمہیں تقویٰ اور خوفِ خدا کی وصیت کرتا ہوں۔ اور تم سب کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور اپنا خلیفہ بناتا ہوں۔ اور میں تمہیں خدا کے غضب سے ڈراتا ہوں۔ کیوں کہ میں تم میں "نذیر مبین" ہوں یعنی خوب ظاہر طور پر ڈرانے والا۔ اور چاہیئے کہ علو و عتو اور تکبر حق تعالیٰ اور اس کے بندوں اور شہروں پر نہ کرو۔ اس لئے کہ حق تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

وہ دارِ آخرت، ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے جو زمین میں نہ علو و تکبر کرتے ہیں اور نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ اور آخرت متقیوں کے لئے ہے۔

دارمی نے روایت کیا ہے کہ جب سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ نازل ہوئی اور حضور اکرمؐ نے سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے سامنے پڑھا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا "مجھے رحلت کی خبر دی گئی ہے" اس پر سیدہ فاطمہؓ رونے لگیں۔ پھر فرمایا "روؤ نہیں اہل بیت میں تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی۔ پھر سیدہ فاطمہؓ ہنسنے لگیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ قصہ ایام مرض کا ہے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم کا برابر ہر سال دور فرمایا کرتے تھے لیکن اس سال دو مرتبہ جبریلؑ نے دور کیا۔ یہ بھی حضور اکرمؐ کے اس جہان سے رحلت فرمانیکی ایک علامت تھی بعض روایتوں میں سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے رونے اور ہنسنے کا قصہ اسی کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ ہر سال حضور اکرمؐ رمضان مبارک میں عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے لیکن اس سال حضور اکرمؐ نے دو آخری عشرہ کا یعنی دسویں رمضان سے چاندرات تک کا اعتکاف فرمایا۔ اور حضور اکرمؐ نے شہداء احد پر ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد نماز پڑھی جس طرح کہ بطریق وداع کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس کے بعد ممبر پر تشریف لائے اور فرمایا "میں تمہارا پیشرو ہوں اور تم پر شہید ہوں اور تمہاری شہادت کا امانت دار ہوں۔ اور میں تمہیں اپنے حوض پر بھی دیکھ رہا ہوں جہاں کہ میں کھڑا ہوں گا۔ بلاشبہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں مرحمت فرمائی گئی ہیں۔ یہ روئے زمین کے ممالک کی فتح اور ان کے خزانوں کے قبضہ میں آنے کی بشارت ہے۔ اسی لئے فرمایا "میں اس سے خوف نہیں رکھتا کہ تم میرے بعد شرک میں مبتلا ہو گے لیکن میں خوف رکھتا ہوں کہ تم پر دنیا غالب آئے گی اور تم اس کے شائق ہو گے اور فتنہ میں پڑو گے اور ہلاک ہو گے۔ جس طرح کہ وہ لوگ ہلاک ہوئے جو تم سے پہلے تھے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ممبر شریف پر تشریف فرما ہوئے فرمایا "اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندہ کو دو باتوں میں سے ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا وہ یا تو دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت اور عیش آسائش اختیار کرے یا وہ جو حق تعالیٰ کے پاس آخرت کا اجر و ثواب ہے۔ تو اس بندے نے اس چیز کو اختیار کیا جو حق تعالےٰ کے پاس ہے۔ اور دنیا کی طرف رغبت نہ کی"۔ حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ اس خبر کے سنتے ہی رونے لگے۔ اور عرض کرنے لگے "یارسول اللہ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ لوگوں نے کہا" اس شیخ کو دیکھو۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تو کسی کا حال بیان فرما رہے ہیں اور یہ روتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں یارسول اللہ! حالانکہ حضور اکرم اپنے حال مبارک کی خبر دے رہے تھے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس حال سے ان سب سے زیادہ دانا و فہمیدہ تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام لوگوں میں سب سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والا اور نیکی کرنے والا اپنے مال اور صحبت و رفاقت سے ساتھ دینے والا وہ ابو بکر صدیق ہیں۔ اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا خلیل بنانے والا ہوتا تو میں صدیق کو اپنا خلیل بناتا، لیکن خدا کے سوا میرا کوئی خلیل نہیں۔ اخوت اسلامی باقی ہے"۔ خلیل جگری دوست کو کہتے ہیں۔ جس کی دوستی دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہو۔ اور فرمایا مسجد میں کھلنے والا کوئی دریچہ باقی نہ رکھا جائے سوائے ابو بکر صدیق کے دریچہ کے۔

ارباب سیر کہتے ہیں کہ اس کلام میں خصوصیت کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ ارشاد عالی، مرض وفات میں وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا تھا۔ دیگر روایتوں میں اختیار دینے کا قصہ ایام مرض میں آیا ہے۔ صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "یارسول اللہ! آپ کی اجل کب ہے؟" فرمایا "خدا کی طرف لوٹنے، جنت الماویٰ، سدرۃ المنتہیٰ پہنچنے، رفیق اعلیٰ سے ملنے، کائیں اوفی یعنی جام طہور پینے اور دائمی عیش پانے کا وقت بہت نزدیک آگیا ہے۔

## ماہِ صفر کا آخری ہفتہ

اسی سال کے آخر ماہِ صفر میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بقیع کے قبرستان والوں کے لئے استغفار فرمائیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات حضور اکرم میرے یہاں تشریف فرما تھے اور میں سو رہی تھی جب میری آنکھ کھلی تو میں نے حضور اکرم کو بستر استراحت پر آرام فرما نہ پایا میں حضور اکرم کے عقب میں چلی میں نے دیکھا کہ حضور اکرم بقیع میں داخل ہوئے اور فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاَتَاکُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔

ایک روایت میں ہے فرمایا:- اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَّاِنَّا بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَھُمْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے روانہ ہوئے میں بھی حضور اکرمؐ کے عقب میں چلی۔ اس غیرت کی بناپر کہ شاید حضور اکرمؐ اپنی کسی اور زوجہ کے یہاں تشریف لے جائیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرمؐ بقیع پہنچے اور بہت دیر کھڑے رہے۔ دو تین مرتبہ دستہائے مبارک کو اٹھا کر دعا فرمائی، اور واپس ہوئے اور میں بھی واپس آئی اور میں حضور اکرمؐ کے پہنچنے سے پہلے گھر میں داخل ہو گئی اور لیٹ گئی۔ میرے بعد حضور اکرمؐ بھی تشریف لے آئے۔ جب حضور اکرمؐ نے میری سانس کا پھولنا اور اضطراب، کا اثر مشاہدہ فرمایا تو فرمایا "اے عائشہؓ! کیا حال ہے کیا ہوا اور کیوں مضطرب نظر آتی ہو۔" میں نے صورت حال عرض کی۔ فرمایا "وہ سایہ جو میں اپنے آگے دیکھ رہا تھا شاید تم تھیں؟

میں نے عرض کیا "ہاں یارسول اللہ!" اس پر حضور اکرمؐ نے نرمی کے ساتھ اپنا دست مبارک میرے سینہ پر ملا۔ اور فرمایا "تم نے یہ گمان کیا کہ خدا اور رسول خدا تمہارے حق میں ظلم کرے گا؟" میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! خدا سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے۔ بات ایسی ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا لیکن معذور رکھئے میں کیا کرتی انسانی خصلت ہی ایسی ہے جو مجھے لاحق ہوئی۔" ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا "شیطان نے تمہیں اس پر ابھارا۔" سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا "کیا میرا بھی کوئی شیطان ہے؟" فرمایا "ہر شخص کے لئے شیطان ہے۔" حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، "کیا آپؐ کو بھی ہے؟" فرمایا "ہے لیکن میرا شیطان اسلام لے آیا ہے۔" اس کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا "میرے پاس جبرئیلؑ آئے اور دروازہ کے باہر سے انہوں نے آواز دی۔ چونکہ جبریلؑ علیہ السلام کی عادت ہے کہ جب تم اپنے جسم سے لباس اتارے ہوئے ہوتی ہو تو وہ اندر نہیں آتے۔" اور میں نے خیال کیا کہ میں تمہیں بیدار نہ کروں تاکہ تم پریشان نہ ہو۔" پھر جبریل علیہ السلام وحی لائے کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جا کر ان کے لئے استغفار کریں۔ دعا کے الفاظ اس روایت میں اس طرح ہیں کہ:- اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَاِنَّا وَاِيَّاكُمْ مُتَوَاعِدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْهُ۔ نیز مروی ہے کہ فرمایا:- اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ وَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ۔ یہ قصہ پندرہویں شعبان میں بھی مروی ہے کہ اس رات میں زیارتِ قبور مسنون ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ابو موہبہ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے آدھی رات کو مجھے بیدار کیا اور فرمایا "مجھے حکم ہوا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جاؤں اور ان کے لئے

استغفار کروں۔ پھر مجھے ہمراہ لیا اور بقیع تشریف لاکر بہت دیر تک، کھڑے استغفار فرماتے رہے اور ان کے لئے ایسی دعا فرمائی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ میں بھی ان اہل قبور میں سے ہوتا اور اس دعا سے مشرف ہوتا۔ اس کے بعد فرمایا "السلام علیکم یا اہل القبور، تمہیں وہ نعمتیں مبارک ہوں جن میں تم صبح کرتے ہو۔ اور جن میں تم رہتے ہو۔ اور تم ان فتنوں سے دور رہو جن میں لوگ مبتلا ہیں اور حق تعالیٰ نے تم کو ان سے نجات دیدی ہے اور خلاصی فرما دی ہے۔ بلاشبہ ان پر سیاہ رات کی مانند فتنے امنڈ امنڈ کر آئیں گے اور اس کا آخری کنارہ اول کے ساتھ ملا ہوگا۔ اور پے در پے آئیں گے۔ ان فتنوں کا آخری کنارہ پہلے سرے سے بدتر ہے۔ اس کے بعد فرمایا "اے موہبہ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں مجھے پیش کی گئیں۔ اور مجھے اس کے درمیان مخیر کیا گیا کہ اگر چاہوں تو میں دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہوں یہاں تک کہ جنت میں مراتب و درجات پاؤں یا پھر یہ کہ اپنے رب تعالیٰ سے ملاقات کروں اور اس کی طرف جانے میں جلدی کروں، میں نے اپنے رب کی ملاقات کو ہی اختیار کیا۔ موہبہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کچھ عرصہ دنیا میں اور اقامت فرمایئے اس کے بعد جنت میں جایئے تاکہ آپ کی بدولت ہم بھی آسودہ رہیں۔" فرمایا "اے موہبہ! نہیں، میں نے اپنے رب کی ملاقات کو اختیار کر لیا ہے"۔ ایک روایت میں ہے کہ اس کے بعد ان صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے جو موجود تھے اور فرمایا "دنیا سے گزر جانے والے تم سے بہتر ہیں۔" صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! وہ ہمارے بھائی ہیں جس طرح وہ ایمان لائے ہیں اسی طرح ہم بھی ایمان لائے ہیں، انہوں نے بھی اتفاق کیا ہے ہم بھی کرتے ہیں، وہ بھی چلے گئے ہیں ہم بھی چلے جائیں گے۔ ان کو ہم پر فوقیت کیسے ہے؟ فرمایا وہ دنیا سے گزر گئے ہیں اور دنیا میں اپنے اجر سے کچھ نہ کھایا۔ اور میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا کرو گے اور تمہارے درمیان کتنے فتنے سر اٹھائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بقیع تشریف لے گئے اور فرمایا "اے کاش! ہم اپنے بھائیوں کو دیکھتے، صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟" فرمایا "تم میرے اصحاب ہو میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور وہ ابھی پیدا نہیں ہوئے ہیں، میں حوض پر ان کا فرط یعنی پیش رو ہوں گا۔ صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ کی امت میں جو آپ کے بعد پیدا ہوں گے اور آپ نے ان کو دیکھا نہیں ہے آپ روز قیامت ان کو کس طرح پہچانیں گے؟" فرمایا

تم میں سے کسی کے پاس بہت سے گھوڑے ہوں۔ کچھ گھوڑے سفید ہوں اور کچھ سیاہ کیا تم اپنے گھوڑوں کو دوسروں سے نہ پہچانو گے۔ اور فرمایا "روز قیامت میرے اُمتی اس حال میں اٹھیں گے کہ ان کے چہرے اور منہ آثار وضو سے تاباں ہوں گے۔ جس طرح کہ زیارت بقیع اور ان کے استغفار کے بارے میں مامور ہونا بیان کیا گیا ہے اسی طرح شہدائے احد کی زیارت اور ان کے لئے دعا کرنے کے بارے میں مامور ہونا بیان کیا گیا ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ بقیع تشریف لے جا کر ان کے لئے دعا فرمائیں تو حضور اکرم تشریف لے گئے اور استغفار کر کے واپس تشریف لے آئے اور خواب استراحت فرمائی۔ پھر حکم ہوا تشریف لے جا کر بقیع والوں کے لئے استغفار فرمائیں پھر تشریف لے گئے اور استغفار کر کے واپس آ کے خواب استراحت فرمائی پھر حکم ہوا تشریف لے جا کر بقیع والوں کے لئے استغفار فرمائیں پھر تشریف لے گئے اور استغفار کر کے واپس آ کے خواب استراحت فرمائی پھر حکم ہوا کہ جاؤ شہدائے احد کے لئے دعا فرمائیے۔ اس کے بعد حضور اکرم احد تشریف لے گئے۔ اور شہدائے احد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ جب وہاں سے واپس تشریف لائے اور احیاء و اموات کے حق میں دعا و وداع سے فارغ ہوئے تو درد سر لاحق ہوا اور علیل ہو گئے۔

**نکتہ** ! اس جگہ ایک نکتہ دل میں پیدا ہوا ہے وہ یہ کہ یہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت اہل بقیع اور شہدائے احد کی زیارت اور ان کے لئے دعا و استغفار اور ان کو اس طرح وداع کرنے کا حکم ہوا جیسے کہ کسی سفر میں جاتے وقت رخصت کیا جاتا ہے اس میں حکمت یہ تھی کہ چونکہ حضور اکرم کو سفر آخرت درپیش تھا اس بنا پر ایک مناسبت اور اس عالم کی جانب رجوع اور اس جہان والوں سے خاص لگاؤ پیدا ہو جائے۔ اور جبکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے زندوں کے لئے دعاؤ نصیحت فرمائی ہے اور ان کو پند و نصائح سے نوازا ہے تو اموات کو بھی دعا و استغفار اور تودیع سے سرفراز فرمایا جائے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ گزرے ہوئے حضرات تو عالم برزخ میں ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس عالم میں تشریف لے جانے والے ہیں لہٰذا ان کو اپنے اس ارشاد سے بشارت دی کہ وَاَنَا بِكُمْ لَاحِقُوْنَ میں بھی تمہارے ساتھ ملنے والا ہوں" تو وداع کا کیا مطلب

ہے۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صورت میں وداع تھی۔ جیسا کہ بیان کے ضمن میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ورنہ حقیقی وداع کیسے ممکن ہے اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام اعلیٰ و ارفع ہے کسی اور کو موافقت و مصاحبت کی کہاں تاب و تواں ہوگا۔ جس طرح کہ جنت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص مقام ہے عالم برزخ میں بھی یہی حکم رکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بقیع سے واپس تشریف لائے تو مجھے درد سر لاحق ہوگیا اور میں نے " وار أساہ" ہائے میرا سر کہنا شروع کر دیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے میری تسلی کے لئے بطریق مزاح فرمایا" اے عائشہ رض! تمہیں کیا نقصان ہوگا اگر مجھ سے پہلے تم اس جہان سے چلی جاؤ اور میں تمہارے سرہانے کھڑا ہوں، اور تمہاری تجہیز و تکفین کا انتظام کروں اور تم پر نماز پڑھوں اور تمہیں دفن کر کے تمہارے لئے دعا و استغفار کروں "۔ اس پر حضرت عائشہ رض نے بھی حضور اکرم ؐ سے بطور مزاح عرض کیا" میرا خیال ہے کہ آپ میرا مرنا پسند کرتے ہیں۔ اگر میری موت واقع ہو جائے تو اسی دن کسی اور عورت کو دلہن بنا کے میرے گھر لے آئیں گے؟" اس پر حضور اکرم ؐ نے تبسم فرمایا اور فرمایا" اے عائشہ رض! تمہارا درد سر تو جاتا رہے گا لیکن یہ درد سر جو مجھے لاحق ہے مشکل ہے کہ میں اس سے خلاصی پاؤں "۔ گویا اس طرف اشارہ فرمایا کہ اسی مرض میں میں اس جہان سے رحلت فرماؤں گا، اور حضور اکرم ؐ نے فرمایا (گویا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خوش کرنے کے لئے فرمایا) کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی کو ابوبکر رض اور ان کے فرزند عبدالرحمٰن کی طرف بھیجوں کہ وہ میرے پاس آئیں اور میں ان کے ساتھ عہد کروں یعنی عہد خلافت، تاکہ کوئی کہنے والا دعویٰ نہ کرے اور کوئی تمنا رکھنے والا تمنا نہ کرے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابوبکر رض کے سوا کوئی دوسرا مدعی خلافت نہ بنے اور اس کی آرزو نہ کرے اس کے بعد میں نے کہا" اس سے اللہ تعالیٰ اور مسلمان باز رکھے"۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مرض کی ابتدا، حضرت میمونہ رض کے گھر ان کی باری کے دن میں ہوئی تھی۔ جب مرض نے شدت پکڑی تو اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا" میں کل کس کے یہاں ہوں گا۔ اور اس بات کو مکرر فرمایا۔ حضور اکرم ؐ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ ایام مرض میں میں حضرت عائشہ رض کے یہاں رہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ؐ نے اپنی

ازواج مطہرات سے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ یہ مشکل ہے کہ میں مرض کی حالت میں تمہارے گھروں کا پھیرا کروں اور اپنی باری کی رعایت کروں، اگر تمہاری مرضی ہو تو مجھے اجازت دیدو کہ میں عائشہؓ کے گھر رہوں۔ اور اس جگہ تم سب میری تیمار داری کرو۔" اس پر تمام ازواج مطہرات راضی ہو گئیں کہ آپ حضرت عائشہؓ کے گھر میں اقامت فرمائیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ بات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر شاق ہو گی کہ آپ ہر ایک گھر کا دورہ فرمائیں۔ اس پر تمام ازدواج مطہرات راضی ہو گئیں کہ آپ حضرت عائشہؓ کے گھر اقامت فرمائیں۔ (رضی اللہ عنہن)

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ کے گھر سے اہل بیت میں سے دو شخصوں کے کندھوں پر اپنا دست مبارک رکھ کر اس طرح تشریف لائے کہ آپ کے قدم ہائے مبارک زمین پر خط کھینچتے جاتے تھے اور آپ کے سر مبارک پر کپڑا بندھا ہوا تھا آپ اس حالت میں حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لائے۔ ایک روایت میں ہے کہ چند روز تک تو حضور اکرمؐ نے ازواج مطہرات کے گھروں کا دورہ فرمایا اور ان کی باری کی رعایت فرمائی۔ یہاں تک کہ ایک دن حضور اکرمؐ حضرت میمونہؓ کے گھر رونق افروز تھے سخت دردِ سر لاحق ہوا۔ اس پر فرمایا اب ممکن نہ رہا کہ علالت کے دوران تمہارے گھروں کا دورہ کروں تو سب نے حضرت عائشہؓ کے گھر میں اقامت فرمانے پر اتفاق کر لیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میری خواہش ہے کہ میں حضور اکرمؐ کی تیمار داری کا شرف پاؤں اور خدمت گزاری کا موقعہ مجھے ملے۔ فرمایا "اے ابوبکر صدیقؓ اگر میں بغیر اہل بیت کے تیمار داری کراؤں تو ان کی مصیبت زیادہ ہو جائے۔ بلاشبہ تمہارا اجر حق تعالیٰ پر ہے اس نیت کے سبب جو تم نے کی۔

اس کے بعد حضور اکرمؐ کی علالت نے بہت شدت اختیار کر لی چنانچہ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ آپ اپنے بستر مبارک پر ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر بار بار مضطربانہ طور پر منقلب ہوتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ اگر ایسی حالت ہم میں سے کسی اور سے رونما ہوتی تو برا محسوس فرماتے اور غصہ میں آجاتے، فرمایا "اے عائشہؓ! میرا مرض انتہائی سخت ہے۔ حق تعالیٰ انبیاء و صلحاء پر ابتلا انتہائی سخت و شدید بھیجتا ہے اور کوئی مومن ایسا نہیں ہے جسے کوئی مصیبت و ایذا پہنچے حتیٰ کہ پاؤں میں کانٹا

پہنچے مگر یہ کہ حق تعالیٰ اس کے سبب اس کا درجہ بلند فرمائے۔ اور اس کے گناہوں کو محو فرمائے اور فرمایا "روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے جسے مرض وغیرہ کی تکلیف پہنچے مگر یہ کہ وہ اس کے گناہوں کو ایسا جھاڑ دے جیسے پت جھڑ کے موسم میں درختوں سے پتے جھڑتے ہیں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ فرماتی ہیں، میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس کی بیماری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیماری سے سخت تر ہو۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے حضور اکرمؐ کو قطیفہ میں لپٹا ہوا پایا میں قطیفہ کے اوپر سے بخار کی گرمی محسوس کرتا تھا اور مجھے برداشت نہ تھی کہ میں حضور اکرمؐ کے بدن اقدس پر ہاتھ رکھوں۔ میں نے اس شدت پر تعجب کیا حضور اکرمؐ نے فرمایا کسی کی مصیبت و اذیت انبیاء علیہم السلام کی مصیبت واذیت سے زیادہ سخت وشدید نہیں ہے بلاشبہ جس طرح ان کی مصیبتیں دونی ہیں اتنا ہی ان کا اجر بھی دونا ہے۔ اور یہ کہ حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو فقر و درویشی میں اس حد تک مبتلا فرمایا کہ انہیں بجز ایک عبا کے دوسرا لباس تک میسر نہ ہوا۔ اسی عبا کو شب و روز پہنا کرتے تھے۔ واضح رہنا چاہیئے کہ بلا میں طوالت، اور امتحان و آزمائش میں مبتلا ہونا بارگاہِ الٰہی کے مقربوں کے ساتھ خاص ہے ان مقربان بارگاہِ الٰہی میں اعز و اعظم اور اعلیٰ و اقرب انبیاء علیہم السلام اور ان کے تابعین ہیں جو کہ اولیاء و صلحاءِ امت ہیں۔ اس میں کوئی کلام نہیں ہے جیسا کہ حدیث مبارک اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ اس میں مشہور و معروف ہے۔ لیکن بلا میں جزع وفزع اور مرض میں آہ و نالہ کا کیا حکم ہے تو اس میں کلام ہے۔ اگر بے صبری و بے طاقتی کے لحاظ سے جزع وفزع کرنا بلا کو ناگوار اور اس سے فرار چاہتا ہے تو یہ بلا اختلاف حرام ہے۔ اور آہ و نالہ جو بقصد اظہار غربت و بے چارگی ہو جو بندگی کے حال کے لئے لازم ہے اور شدت مرض اور اس کی سختی سے جو اضطراب و بے چینی عارض ہو یہ اور بات ہے۔ یہ چیز جزع وفزع اور بلا سے ناگواری و فراری، اور شکوہ و شکایت میں داخل نہیں ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جو حضور اکرمؐ کی حالت بیان میں مذکور ہوئی اس کے اثبات میں کافی ہے۔ البتہ آہ و نالہ اگر عدم رضا و تسلیم سے ہو تو مکروہ اور داخل شکوہ و شکایت ہے۔ اور علماء و مشائخ نے جو کراہت و شکایت کا اس پر اطلاق فرمایا۔ ہے وہ مطلق نہیں ہے۔ بلکہ وہ

بے صبری و بے رضائی سے مقید ہے۔ حضرت شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ نے اگرچہ اس قول کی تضعیف و ابطال میں صراحت فرمائی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ ممکن ہے ان کی کراہت سے مراد خلاف اولیٰ ہو۔ اس لئے کہ اولیٰ یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو اور نووی کے کلام - اس لئے محل نظر ہے جبکہ بارگاہِ نبوت علی مصدرہا الصلوٰۃ والتحیۃ سے یہ بات ثابت ہونے کے بعد خلاف اولیٰ کہنا ترکِ ادب ہے، تو یہ بھی ذکر کی ہی ایک قسم ہے۔ البتہ یہ بات ازروئے غفلت اور غلبۂ طبیعت کے جوش سے ہو جیسا کہ عام لوگوں اور مبتدیانِ راہ کے احوال سے رونما ہوتا ہے جو ضعفِ یقین اور قضاء سے ناگواری کے وہم کی جانب اشارہ کرتا ہے اس کو مکروہ و خلاف اولیٰ کہیں تو جائز ہے۔ لیکن اگر جبلی اور طبعی درد و الم کی خبر دینے کے طریقہ پر ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس میں سب کا اتفاق ہے۔ لہٰذا درد کے ذکر سے شکایت مراد نہیں ہے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بظاہر خاموش بلب ہیں مگر دل میں شاکی ہیں، اور بہت سے ایسے حضرات ہیں جو ظاہر میں گویا ہیں اور باطن میں راضی برضا ہیں۔ لہٰذا معتمد و مشغول، عملِ قلب ہے۔ نہ کہ فعل انسان (واللہ اعلم)

احادیث صحیحہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی ان کلمات کے ساتھ تعوید و استعاذہ فرماتے کہ:- اِذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَاشِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُکَ شِفَاءً لَّا یُغَادِرُ سَقَمًا -

ایک روایت میں ہے کہ جب حضور اکرمؐ خود علیل ہوئے تو اپنے لئے بھی انہیں کلمات سے تعوید فرمایا اور اپنے دستِ اقدس کو تمام بدن اطہر پر پھیرا۔ اور جب حضور اکرمؐ اپنے مرض وفات میں علیل ہوئے تو میں نے یہی دعا پڑھی اور چاہا کہ حضور اکرمؐ کے ہاتھ کو آپ کے بدن اقدس پر پھیروں تو حضور اکرمؐ نے دست مبارک مجھ سے کھینچ لیا اور فرمالیا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی اے رب اپنی رحمت میں لے کر مجھے رفیق اعلا سے ملا دے!

ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ تعوید مجھے اس سے پہلے نفع پہنچاتا تھا اب یہ کوئی فائدہ نہ دے گا۔

مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے تمام مرضوں میں رب تعالیٰ سے صحت و شفا کی دعا مانگا کرتے تھے مگر اس مرض میں جس میں آپ کی وفات ہوئی کوئی دعا نہ فرمائی بلکہ آپ اپنے آپ پر سختی فرماتے اور فرماتے اے نفس۔ تجھے کیا ہو گیا ہے کہ جو تو ہر جائے پناہ و آسائش

میں پناہ تلاش کرتا ہے۔ ارباب سیر نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔ لیکن ایک اور حدیث میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سوتے وقت قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھا کرتے اور دونوں ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر دونوں ہاتھوں سے جہاں تک وہ جسم اقدس میں پہنچ سکتے مسح فرماتے۔ (الحدیث) مسح بدن اقدس میں اپنے سر اقدس اور اپنے سینۂ منورہ سے ابتدا فرماتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب بھی علیل ہوتے ایسا ہی فرماتے۔ اور جب حضور اکرم اس بیماری سے جس میں آپ نے وفات پائی علیل ہوئے، تو میں نے حضور اکرم کی عادت شریفہ کے مطابق معوذتین کو پڑھ کر آپ پر دم کیا اور اپنے ہاتھوں پر دم کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے حضور اکرم کے دست اقدس پر دم کیا اس امید کے ساتھ کہ آپ کا دست اقدس حصول برکت میں عظیم تر ہے اور اس کی برکت میرے ہاتھ سے زیادہ ہے۔ یہ پڑھنا اور دم کرنا حصول شفا کی غرض سے نہ تھا بلکہ بطریق ورد تھا۔ جیسے حضور اکرم بہ نیت شفا بھی پڑھا کرتے تھے۔ یا یہ ابتدائے مرض میں ہو گا قبل اس کے کہ آپ کو اس عالم میں رہنے یا اس جہان سے جانے کے درمیان اختیار دیا گیا اور آپ نے عالم آخرت کو اختیار فرمایا جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام اس علالت کے زمانہ میں بارگاہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے پاس سے آئے۔ اور پیغام پہنچایا کہ "اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں شفا دیدوں اور اس مرض سے نجات دلادوں اور اگر آپ چاہیں تو آپ کو اس میں وفات دیدوں اور مستغرق دریائے رحمت فرمادوں تو میں نے یہی چاہا کہ رفیق اعلیٰ سے ملوں۔ اور ان میں سے ہو جاؤں جن کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے: مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ ایک روایت میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام سے فرمایا "اے جبریل! میں نے آج اپنے آپ کو اپنے رب کے سپرد کر دیا ہے وہ جو چاہے میرے ساتھ کرے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی علالت کی ابتدا اواخر صفر میں تھی، ماہ صفر کی دو راتیں باقی تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ بدھ (چہار شنبہ) کا دن تھا۔ اور ایک روایت میں شروع ماہ ربیع الاول آیا ہے۔ کتاب الوفاء میں کہا گیا ہے کہ ماہ صفر کی دو راتیں

باقی تھیں جب مرض کی ابتداء ہوئی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدتِ علالت میں اہل سیر کا اختلاف ہے۔ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ یہ تیرہ[۱۳] روز تھے۔ ایک اور روایت میں چودہ[۱۴] روز ہے اور بعض نے بارہ[۱۲] روز بیان کیا ہے۔ اور ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ دس[۱۰] روز ہیں۔ اور یہ اختلاف ابتدائے مرض اور روزِ وفات میں اختلاف کا شاخسانہ ہے۔

---

# باب دوم

## ان واقعات کے بیان میں جو ایامِ مرض میں واقع ہوئے

ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اشتدادِ مرض کے وقت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو بلایا۔ جب وہ حضور اکرمؐ کے پاس آئیں تو فرمایا "مرحبا یا بنتی" اور اپنے پہلو میں بٹھایا۔ صحت کی حالت میں حضور اکرمؐ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے اور متوجہ و مستقبل ہو کر ان کا بوسہ لیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے تھے۔ لیکن اس وقت جب وہ آئیں تو حضور اکرمؐ نے ان کے کان میں کچھ فرمایا، وہ رونے لگیں۔ اس کے بعد پھر کچھ کان میں فرمایا تو وہ خوش ہو کر ہنسنے لگیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے فاطمہؓ سے کہا "میں نے کسی رونے والے کو ہنستا ہوا اور کسی غم کو خوشی کے ساتھ معاون و متصل نہیں دیکھا جیسا کہ میں نے آج دیکھا ہے اس کا سبب کیا ہے؟" سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "یہ میرے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز کی بات ہے۔ میں اسے ظاہر نہیں کر سکتی" حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے اس راز کو ظاہر نہیں فرمایا یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے کوچ فرما گئے۔ حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد میں نے ان سے پھر دریافت کیا کہ وہ بات کیا تھی۔" اس وقت انہوں نے فرمایا کہ پہلی مرتبہ حضور اکرمؐ نے یہ فرمایا کہ جبریل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ آکر میرے ساتھ قرآن کا دَور کیا کرتے تھے لیکن اس سال دو مرتبہ دَور کیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ میری اجل قریب آگئی ہے جس کی بنا پر جبریلؑ نے قرآن کریم کے پڑھنے میں اتنا اہتمام کیا۔ یہ سنکر میں رونے لگی۔ دوسری مرتبہ حضور اکرمؐ نے یہ فرمایا کہ میری اہلِ بیت میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی

اس پر میں رونے لگی۔ پھر فرمایا کیا تمہیں پسند نہیں کہ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ پہلی روایت، دلالت کرتی ہے کہ خوشی وخندہ، پہلے ملنے پر ہے اور نساء اہل جنت میں افضلیت اس پر زائد ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مشہور تر قول کے بموجب چھ ماہ، تیسری رمضان مبارک ہے اور بعض تین ماہ کہتے ہیں (واللہ اعلم) ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایام مرض میں چالیس غلاموں کو آزاد فرمایا۔

عجیب وغریب واقعہ جو ابتدائے مرض میں واقع ہوا یہ ہے کہ جب سینہ کا درد شدید ہوا تو کبھی آپ بیہوش ہو جاتے اور کبھی ہوش میں آجاتے تھے۔ اور اگر چلنے کا قصد فرماتے تو ضعف کی وجہ سے پائے اقدس درست حرکت نہ کر سکتے تھے اور زمین پر خط کھینچتے تھے لوگوں نے یہ گمان کیا کہ حضور اکرمؐ کو یہ درد "ذات الجنب" یعنی نمونیہ کا ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ اور عورتوں میں ام سلمہؓ اور اسماء بنت عمیسؓ بھی تھیں۔ ذات الجنب کا علاج ان شہروں میں عام لوگ جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے "ادود" تیار کیا (یہ ایک دوا کا نام ہے) اور چاہا کہ حضور اکرمؐ کے دہن اقدس میں ڈالیں۔ ہر چند کہ اشارہ فرماتے کہ یہ دوا نہ ڈالیں مگر وہ باز نہ آئے اور گمان کیا یہ انکار دوا سے مریض کی ناگواری کی بنا پر ہے۔ جب حضور اکرمؐ کو افاقہ ہوا تو فرمایا کہ یہ کام کس نے میرے ساتھ کیا ہے؟ غالباً ان عورتوں نے کیا ہے جو حبشہ سے آئی ہوئی ہیں، پھر ام سلمہؓ اور اسماء بنت عمیسؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا "اے عورتو! تم نے میرے ساتھ ایسا عمل کیوں کیا باوجودیکہ میں تم کو اس سے منع کرتا رہا۔ انہوں نے عرض کیا ہمارا خیال ہے کہ آپ کو ذات الجنب ہے اور آپ کا منع فرمانا مریضوں کی عادت کی بنا پر ہے کہ وہ دوا کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان عورتوں نے عُذر خواہی میں کہا کہ حضرت بھی موجود تھے۔ پھر فرمایا۔ کس چیز سے دوا تیار کی؟ انہوں نے کہا کہ عود ہندی اور کچھ ورس، اور چند قطرے زیتون کے تیل سے دوا تیار کی تھی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "ذات الجنب، شیطان سے ہے اور حق تعالیٰ نے شیطان کو قدرت نہیں دی کہ وہ مجھ پر غالب آسکے۔ اس کے بعد حکم فرمایا کہ گھر میں کوئی باقی نہ رہے مگر یہ کہ اس کے منہ میں یہ دوا ٹپکائی جائے۔ بجز میرے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے کہ وہ اس میں شریک نہیں تھے۔ اس کے بعد ان سب کے منہ میں وہ

دوا ٹپکائی گئی حتیٰ کہ میمونہ کے بھی، باوجودیکہ وہ روزے سے تھیں۔ ان عورتوں کے منہ میں اس دوا کا ٹپکانا از قبیل قصاص و سزا تھا۔ جو احکام شریعت میں سے ہے۔ اور حضور اکرم نے چاہا کہ امت کو آخر وقت میں بھی دائرۂ سیاست سے باہر نہ کریں اور احکامِ شریعت جاری فرمائیں۔ اور جو کوئی کسی کی رضامندی کے بغیر، غلط گمان سے اس کے ساتھ عمل کرے خصوصاً ناواقفی سے کوئی علاج کرے اس پر اس کا قصاص واجب ہے اور یہ اختیار ہے کہ چاہے تو قصاص لیلے یا اسے معاف کر دے۔

شریعت مطہرہ میں حکم ہے کہ اگر کوئی طب نہیں جانتا اور اس میں مہارت نہیں رکھتا اور وہ جاہل ہے اور جہالت کے ساتھ دوسروں کا علاج کرتا ہے اور اس سے نقصان پہنچتا ہو تو اس پر قصاص لازم ہے اور حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَطَبَّبَ وَلَمْ يَعْلَمْ مِنْهُ الطِّبُّ قَبْلَ ذٰلِكَ فَهُوَ ضَامِنٌ۔ جو معالجہ کرتا ہے اور وہ پہلے سے طب نہیں جانتا تو وہ ضامن ہے۔

اگرچہ یہ تمام عورتیں اس عمل میں شریک و ہم مشورہ نہ تھیں لیکن سب کو اس بنا پر سزا دی کہ وہ اس عمل میں رضامند تھیں۔ یہاں تک کہ منع کرنے کے باوجود، وہ باز نہ آئیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا کہ کل قیامت میں یہ عورتیں اس حال میں آئیں کہ ان پر حضور اکرم کی ایذا رسانی کا جرم عظیم ہو۔ اور بے ادبی و جرأت پر ان سے مواخذہ ہو۔ اس بنا پر ان کو قصاص لے کر پاک و صاف فرمایا۔ اگرچہ معاف فرما دینے کی بھی گنجائش تھی اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ اپنے لئے قصاص نہیں لیتے تھے لیکن مقصود ادب سکھانا تھا نہ کہ انتقام لینا۔ اور علاج کرنا اگرچہ مشروع ہے اور جس دوا سے ان عورتوں نے علاج کیا ذات الجنب، کا علاج تھا۔ جیسا کہ طب، نبوی اور احادیث میں آیا ہے لیکن اس مرض میں مرضیِ مبارک، نے یہ طے کیا تھا کہ علاج نہ کیا جائے جیسا کہ گزرا۔ اور واقعی آپ کو ذات الجنب نہ تھا۔

تنبیہ:۔ طب کی کتابوں میں بتایا گیا ہے کہ ذات الجنب، ورم حار ہے جو سینہ کے نواح میں عضلات باطنہ اور حجاب داخل یا حجاب، حاجز آلاتِ، غذا اور آلات نفس کے درمیان ہوتا ہے اس مرض کا نام حایض ہے۔ یہ بہت زیادہ خطرناک اور تشویشناک مرض ہے یا یہ ورم عضلات خارجہ ظاہرہ میں حجاب خارج کے ساتھ بمشارکتِ جلد ہو۔ اور ذات الجنب

کے اعراض، حمیٰ حادہ، کھانسی، سانس کی تنگی، درد سے ابھرنا، پیاس اور ذہن کا اختلاط ہیں۔ الغرض یہ مرض، امراض شدیدہ اور مہلکہ میں سے ہے۔ اس لئے کہ یہ دل اور جگر کے درمیان پیدا ہوتا ہے اور اس کا علاج دشواری سے خالی نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ ذات الجنب دو قسم کے ہیں ایک حقیقی دوسرا غیر حقیقی۔ حقیقی وہ ورم جو غشاء میں پسلیوں کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا اور غیر حقیقی پہلو کی جانب غلیظ ریاحوں سے پیدا ہوتا ہے اور اس قسم کی دوا قسط ہندی ہے۔ جسے خوب باریک کر کے زیتون کے تیل میں ملا کر اس جگہ مالش کرتے ہیں اور اس کی چند انگلیاں چٹاتے ہیں وہ اس مادہ کو تحلیل کرتا ہے۔ باطنی اعضاء کو قوت دیتا ہے اور سدوں کو کھولتا ہے۔ لیکن قسم حقیقی میں اگر اس کا مادہ بلغمی ہو تو بوقتِ انحطاطِ مرض، بالخصوص علاج پذیر ہو جاتا ہے۔ اور اگر مادہ دموی یا صفراوی ہو تو اس کا علاج اس سے زیادہ سخت کرنا چاہیئے جیسا کہ طب کی کتابوں میں مذکور ہے۔

خلاصہ یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مرضِ مبارک کو اپنی ذات شریف سے منسوب رکھنا پسند نہ فرمایا (واللہ اعلم)۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ خیبر میں جو زہریلے گوشت کا ٹکڑا کھایا تھا اس کا اثر ہمیشہ معاودت کرتا رہا اور اس وقت انقطاع ابہر معلوم ہوتا ہے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ ابہر ایک رگ کا نام ہے جو دل کے ساتھ متعلق ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت کے ساتھ شہادت کو بھی جمع فرما دیا۔

## حدیث قرطاس

وصل:- ایام مرض کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ جب جمعرات کے دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر مرض نے شدت کی تو چاہا کہ ایک خط یا عہد نامہ تحریر فرمائیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ کہ میں ابو بکرؓ کے لئے لکھوا دوں تاکہ اس میں اختلاف نہ ہو۔ جب عبدالرحمٰنؓ نے ارادہ کیا کہ جا کر لائیں تو حضور اکرمؐ نے فرمایا حق تعالیٰ منع فرماتا ہے کہ مومنین حضرت ابی بکرؓ کے بارے میں اختلاف کریں۔ اہل سنت وجماعت کی حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کی تنصیص میں یہی دلیل ہے۔ اور اہل سیر کہتے ہیں کہ اگر یہ بات ہوتی کہ روز غدیر امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو مقرر فرما دیا ہوتا اور خلیفہ بنا دیا ہوتا تو آخر وقت میں

ایسا نہ فرماتے۔ ان واقعات میں سے مشہور واقعہ یہ ہے جو کتب صحاح میں مذکور و مسطور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشتداد مرض کے وقت جبکہ صحابہ کرام حجرہ شریف میں مجتمع تھے فرمایا دوات و کاغذ لاؤ۔ ایک روایت میں ہے کہ خامہ لے کے آؤ۔ تاکہ تمہارے لئے میں ایک وصیت لکھدوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو۔ اس پر صحابہ نے اختلاف کیا کسی نے کہا "جو حکم ہے اس پر عمل کیا جائے اور دوات و کاغذ لایا جائے تاکہ حضور اکرمؐ اس پر جو چاہیں لکھوائیں اور کسی نے کہا مناسب نہیں ہے کہ ایسی حالت میں آپ کو لکھوانے کی زحمت دیجائے کیوں کہ حضور اکرمؐ کا وقت تنگ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسی جانب تھے اور کہا کہ درد و الم حضور اکرمؐ پر غالب ہے اور قرآن کریم ہمارے درمیان موجود ہے اور وہی ہم کو کافی ہے۔ بعض روایتوں میں اتنا زیادہ بھی آیا ہے کہ حضور اکرمؐ شدت مرض میں ایسی باتیں فرمارہے ہیں۔ مطلب یہ کہ منافقین وغیرہ کو اس بات میں باتیں بنانے کا موقعہ مل جائے گا۔ اور وہ کہیں گے اور خیال کریں گے کہ آپ نے یہ باتیں ہذیان میں فرمائی ہیں۔ جس طرح کہ اور لوگ بیماری کی سختی میں کہا کرتے ہیں۔ ایک جماعت حضرت عمرؓ کی موافقت میں تھی۔ اور ایک جماعت مخالفت میں۔ یہاں تک کہ اختلاف بڑھ گیا اور آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "میرے پاس سے تم سب اٹھ جاؤ۔ کیوں کہ جھگڑنا اور رسولِ خدا کے حضور میں آوازیں اونچی کرنا رسولِ خدا کے حضور میں مناسب نہیں ہے۔ اس کے باوجود تین وصیتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ مشرکوں کو جزیرۂ عرب سے نکال باہر کردو۔ دوسری یہ کہ جو جماعتیں اور وفود تمہارے پاس آئیں ان کو صلہ اور انعام دیا کرو جیسا کہ میں دیتا رہا ہوں اور تیسری وصیت کو راوی بھول گیا یا اس کے اظہار میں مصلحت نہ دیکھی جیسا کہ علماء فرماتے ہیں (واللہ اعلم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے انہوں نے فرمایا "کیسی مصیبت ہے کہ لوگوں نے نہ چھوڑا کہ حضور اکرمؐ وصیت نامہ لکھواتے، بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سعید بن جبیر جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ پنجشنبہ کے دن اور وہ پنجشنبہ کا دن کیسا تھا کہ جس میں قضیہ پیش آیا اور حضرت ابن عباسؓ رونے لگے یہاں تک کہ ان کی آنکھوں سے موتیوں کی مانند رخسار مبارک لڑیاں بن کر بہنے لگیں۔ اور مذکورہ بالا قضیہ کو بیان کیا۔ یہاں تک کہ حضرت ابن عباسؓ کے فہم میں کیا آیا اور ان کے خیال میں کیا تھا۔ یعنی کوئی چیز حضور اکرمؐ کی حیات کے آخری وقت میں تھی اور کوئی ایسی وصیت عالمِ وجود میں آتی جس سے رفع اختلاف و

نزاع کا سبب بنتا۔ زیادہ تر وہ بات جو لوگوں کے سمجھ میں آتی ہے اور اس طرف ان کا خیال جاتا ہے یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصد تعین خلافت تھا کہ آپ کے بعد کون خلیفہ ہو۔ لیکن حدیث کے لفظوں میں اس حالت پر کوئی دلیل نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے کہ حضور اکرمؐ کا کیا ارادہ تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ احکام وشرائع اور فرائض اور اس کے ضروریات کی تجدید وبیان فرماتے اور ان کی یادداشت کے لئے کچھ مواعظ ونصائح مناسب حال بیان فرماتے، جیسا کہ ان کا ذکر مذکورہ وصیت میں ہوا ظاہر فرماتے۔ معلوم ہوا کہ وحی نازل نہ ہوئی تھی اور اس کا حکم نہیں دیا گیا تھا ورنہ اس سے عدول وسکوت کی کوئی صورت نہ ہوتی۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے وزیر تھے اور مصالح وقت اور صلاح کار کو خوب جاننے والے تھے۔ حضور اکرمؐ نے بھی ان کو اس سے منع نہ فرمایا جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے فرمایا کہ اعلان کر دو جو کوئی صدق دل سے لا الہ الا اللہ کہے گا اس پر آتش دوزخ حرام ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نے حضرت ابو ہریرہؓ کو روک دیا اور حضور اکرمؐ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہؐ! لوگوں کو عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیجئے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی عرض کو قبول فرمایا۔ اور جب حضور اکرمؐ نے یہ سنا کہ حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ "حسبنا کتاب اللہ" ہمیں خدا کی کتاب کافی ہے تو سکوت فرمایا اور اطمینان خاطر حاصل ہو گیا اور جان لیا کہ یہ حضرات دین پر راسخ وثابت ہیں، مزید کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اور بلند آوازی چونکہ اچھا معلوم نہ ہوا تو فرمایا "اٹھ جاؤ اور چلے جاؤ"۔ ممکن ہے اہل تشیع کے ذہن میں یہ سمایا ہو کہ حضور اکرمؐ حضرت علی مرتضیٰؓ کو نصب فرمانا چاہتے تھے اور حضرت عمرؓ بن خطاب نے حضور اکرمؐ کو اس سے روک دیا۔ سیاق کلام میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس پر دلالت کرنے والی ہو۔ بلکہ قرینۂ حدیث سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی وصیت اقرب ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ کاغذ ودوات لاؤ تاکہ عہد نامہ لکھ دوں (واللہ اعلم)۔

## حضرت صدیق کو امامت کا حکم فرمانا

ان میں سے ایک واقعہ حضور اکرمؐ کا حکم فرمانا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے لوگوں

کو مدتِ مرض میں تین دن نماز پڑھائی۔ اس کے بعد حکم فرمایا کہ ابو بکرؓ سے کہیں کہ نماز پڑھائیں اور بعض سترہ نمازیں پڑھانا بیان کرتے ہیں۔ اور جب عشاء کی اذان کہی گئی تو حضور اکرمؐ نے فرمایا" ابو بکرؓ سے کہیں کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان کی امامت کریں۔ زہری سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہؓ بن ربیعہ سے فرمایا کہ جاؤ اور کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ عبداللہؓ بن ربیعہ باہر آئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ انہیں ملے ان سے کہا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں اور حضرت عمرؓ نے نماز پڑھائی۔ چونکہ حضرت فاروق جہیر الصوتؓ تھے حضور اکرمؐ نے جب حضرت عمرؓ کی آواز سُنی تو فرمایا کیا یہ عمرؓ کی آواز ہے؟" عرض کیا گیا" یا رسول اللہؐ! ہاں"۔ فرمایا" اللہ تعالیٰ منع فرماتا ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ ابو بکرؓ سے کہیں کہ نماز پڑھائیں"۔ المنتہیٰ میں ایسا ہی ذکر ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضور اکرمؐ کے زمانۂ علالت میں نماز کے لئے اذان دی۔ تو حضور اکرمؐ نے حضرت عبداللہؓ بن ربیعہ سے فرمایا" باہر جاؤ اور ابو بکرؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر عبداللہؓ باہر آئے تو دروازہ پر بجز حضرت عمرؓ کے کسی کو نہ پایا اور ایک جماعت تھی جس میں حضرت ابو بکرؓ نہ تھے۔ پھر انہوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے تکبیر کہی چونکہ وہ بلند آواز تھے حضور اکرمؐ نے انکی آواز سُن لی۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ" حق تعالیٰ منع فرماتا ہے اور مسلمان بھی بجز ابو بکرؓ کے۔ حضور اکرمؐ نے یہ کلمہ تین مرتبہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہؓ بن ربیعہ سے فرمایا" تم نے میرے ساتھ بُرا کیا۔ میں نے خیال کیا کہ حضور اکرمؐ نے تمہیں مجھ سے کہنے کا حکم فرمایا ہے"۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا" خدا کی قسم، مجھے حکم نہ فرمایا کہ میں کس سے کہوں"۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت بلالؓ نے اذان دیکر حضور اکرمؐ کے دروازے پر کھڑے ہو کر عرض کیا" السلام علیک یا رسول اللہؐ! اللہ تعالےٰ آپ پر رحمت فرمائے"۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا" ابو بکر صدیقؓ سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ اپنا سر پیٹتے اور فریاد کرتے باہر آئے۔ چونکہ امید ٹوٹ چکی تھی اور کمر شکستہ ہو گئی تھی کہنے لگے کاش کہ میری ماں مجھے نہ جنتی۔ اور اگر مجھے جنا تھا تو اس دن کے دیکھنے سے پہلے مجھے موت آجاتی۔ اور میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نہ دیکھتا۔ پھر حضرت بلالؓ مسجد میں آئے اور کہا کہ" اے ابو بکرؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حکم فرماتے ہیں کہ آگے بڑھیئے اور لوگوں کو نماز پڑھایئے۔ پھر جب حضرت صدیقؓ

نے دیکھا کہ مسجد شریف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے خالی ہے چونکہ حضرت صدیق رضؓ بہت زیادہ رقیق القلب تھے اَحد غمگین ہوئے۔ اور خود کو سنبھال نہ سکے اور منہ کے بل گر پڑے بے ہوش ہو گئے۔ تمام صحابہ رونے لگے۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں یہ آواز پہنچی تو فرمایا "اے فاطمہ رضؓ! یہ رونے اور فریاد کرنے کی کیسی آوازیں آرہی ہیں؟" فاطمہ رضؓ نے عرض کیا یہ آوازیں مسلمانوں کے رونے اور فریاد کرنے کی ہیں۔ کہ وہ آپ کو مسجد میں نہیں دیکھتے۔ اس کے بعد حضرت علی رضؓ مرتضیٰ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کو بلایا۔ اور ان سے سہارا لیکر باہر تشریف لائے اور مسجد مبارک میں آکر نماز پڑھائی۔ اور فرمایا "مسلمانو! تم خدا کے وداع، اس کی پناہ، اس کی حفاظت اور اس کی نصرت میں ہو۔ خدا ہی تمہاری حفظ طاعت اور تقویٰ میں میرا خلیفہ ہے۔ بلاشبہ میں دنیا کو چھوڑ دوں گا اور یہاں سے رحلت کر جاؤں گا۔"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے اور مسجد میں آنے کی طاقت نہ رہی عشاء کی نماز کا وقت تھا مسجد میں لوگ حضور اکرم ؐ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور اکرم ؐ نے فرمایا "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟" عرض کیا گیا "نہیں یارسول اللہ ؐ! لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔" فرمایا "برتن میں میرے لئے پانی لاؤ۔" پانی آیا اور حضور اکرم ؐ نے پانی کو خود پر بہایا اور اُٹھنے کا ارادہ فرمایا "لیکن بیہوش ہو گئے کچھ عرصہ بعد ہوش آیا۔ فرمایا "کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟" میں نے عرض کیا لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے ہیں۔" فرمایا "میرے لئے برتن میں پانی لاؤ" آپ نے غسل فرمایا اور بیہوش ہو گئے۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ اٹھے غسل کیا اور بیہوش ہو گئے۔ تیسری مرتبہ کسی کو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سات مشکیزے پانی بہایا گیا اور مشکیزے کے مُنہ کو کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اس کے بعد حضرت بلال رضؓ آئے کہ حضور اکرم ؐ کو نماز کی اطلاع دیں جیسی کہ ان کی عادت تھی کہ اذان دینے کے بعد در شریف پر آتے اور نماز اور مسجد صحابہ کے آجانے کی اطلاع دیا کرتے تھے۔ پھر حضور اکرم ؐ نے فرمایا کہ "ابوبکر صدیق رضؓ سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! میرے والد رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کے مصلے پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن نہ سنا سکیں گے۔ اگر عمر رضؓ کو فرمائیں تو ہوسکتا ہے۔ حضور اکرم ؐ نے فرمایا ابوبکر صدیق رضؓ سے کہو

کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پھر حضرت عائشہ رضؓ نے حضرت حفصہ رضؓ سے کہا کہ "تم حضور اکرمؐ سے عرض کرو کہ ابوبکرؓ نرم دل شخص ہیں جب وہ آپ کے مصلے پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قرآن نہ سنا سکیں گے اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عورتو! تم یوسف کی صواحب ہو" مطلب یہ کہ تم زبان سے کچھ کہتی ہو اور دل میں کچھ اور ہے "ابوبکر صدیق رضؓ سے کہو کہ نماز پڑھائیں"۔ پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز شروع فرمائی تو حضور اکرمؐ نے اپنے آپ میں کچھ افاقہ محسوس فرمایا، اٹھے اور اس حال میں تشریف لے چلے کہ دو آدمیوں کا سہارا لئے ہوئے تھے اور آپ کا قدم اقدس زمین پر نقش کھینچتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مسجد شریف میں تشریف لائے جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے محسوس کیا کہ حضور اکرمؐ تشریف لا رہے ہیں تو چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں۔ مگر حضور اکرمؐ نے اشارہ فرمایا کہ "اپنی جگہ کھڑے رہو"۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ حضرت ابوبکرؓ کی بائیں جانب آکے بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کھڑے رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کر رہے تھے اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اقتدا کر رہے تھے مطلب یہ کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی تکبیر کے ذریعہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقالات اور افعال پر مطلع ہو رہے تھے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، امام تھے اور حضور اکرمؐ مقتدی۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی امامت پر روایتیں متعدد ہیں جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت صدیق رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ میں خدا کے فضل و نعمت کے ساتھ صبح کو بارگاہ حضورؐ میں حاضری دوں گا۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالے عنہ، اجازت لے کر اپنے گھر چلے گئے۔ آپ کا گھر مقام سنخ میں تھا یہ جگہ مدینہ طیبہ کے بالائی حصہ میں ہے۔

## حضرت صدیق اکبر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی اقتدا میں نماز پڑھنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی امتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی بجز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے پیچھے ایک مرتبہ اور ایک سفر میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، کے پیچھے ایک رکعت، جیسا کہ ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن

اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر جہاد میں ساتھ تھے حضور اکرمؐ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے"۔ اور حضور اکرمؐ کے آنے میں بہت دیر ہو گئی۔ تو صحابہ نے تکبیر کہہ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو آگے بڑھا دیا۔ پھر جب حضور اکرمؐ تشریف لائے تو عبدالرحمٰنؓ ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھ چکے تھے۔ جب انہوں نے حضور اکرمؐ کو دیکھا تو چاہا کہ پیچھے ہٹ آئیں۔ لیکن حضور اکرمؐ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو۔ جس طرح کہ حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا۔ پھر ایک رکعت نماز حضرت عبدالرحمٰنؓ کے پیچھے پڑھی پھر کھڑے ہو کر نماز کو پورا کیا اور فوت شدہ رکعت ادا فرمائی۔ اور فرمایا "کوئی نبی دنیا سے اس سے پہلے نہیں گیا جب تک کہ اپنی امت کے کسی صالح بندے کے پیچھے اس نے نماز نہ پڑھی۔ اور اس حدیث میں حضور اکرمؐ کا رومی جبہ ختیفتہ الکمین پہننا، پیشانی اور عمامہ پر مسح کرنا، موزوں پر مسح کرنا، اور دونوں پاؤں کو دھونا اور لاحق ہونا اور دونوں پاؤں کے دھونے میں احتیاط نہ کرنے پر وعید فرمانا کہ :۔ وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ واقع ہوا ہے۔

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لئے خاص فرمانے اور اس میں مبالغہ و اصرار فرمانے میں اہل سنت و جماعت کے لئے آپ کی تقدیم خلافت پر واضح دلیل ہے باوجودیکہ صحابۂ قریش اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی موجود تھے مگر ان کو خاص کیا اور آگے بڑھایا۔ اسی بنا پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَمَنِ الَّذِیْ يُؤَخِّرُكَ۔ اللہ کے رسولؐ نے آپ کو آگے بڑھایا اور مقدم فرمایا ہے تو کون ہے جو آپ کو موخر کرے۔ اسد الغابہ میں بروایت حسن بصری، حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا "اللہ کے رسولؐ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تقدیم فرمائی اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ میں موجود تھا غائب نہ تھا، تندرست تھا بیمار نہ تھا۔ اگر حضور اکرمؐ چاہتے تو مجھے آگے بڑھا سکتے تھے۔ لہٰذا ہم اپنی دنیا کے لئے اس شخص پر راضی ہو گئے۔ جس پر خدا اور اس کا رسول ہمارے دین کے لئے راضی ہوا۔

۱؎ خلافت کو دنیا سے موسوم فرمانا تو یہ ظاہری اعتبار سے ہے۔ جس میں دین اور دنیا کے امور دونوں شامل ہیں اور نماز خالص دین ہے۔ نیز ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ کے زمانہ میں قبا شریف کی جانب بنی عمر کے قضیے اور نزاع کو طے کرنے کے لئے جو وہاں

کے رہنے والوں سے بھتے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا "کیا رائے ہے نماز کا وقت ہو گیا ہے اذان کہدوں شاید کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئیں۔ جب حضور اکرمؐ کے آنے میں تاخیر ہو گئی تو تمام صحابہ نے متفقہ طور پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نماز کے لئے آگے بڑھادیا۔ اچانک حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آئیں اور حضور اکرمؐ آگے تشریف لائیں اور لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہو۔ پھر حضور اکرمؐ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، تمام صحابہ پر متقدم و متعین تھے۔

## قبر کے سامنے سجدہ کرنے کی ممانعت

ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات سے پانچ دن پہلے فرمایا "جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے انبیاء و صلحاء کی قبروں کو مساجد یعنی سجدہ گاہ بنالیا تھا۔ تمہیں لازم ہے کہ ایسا نہ کرنا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا:۔ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِھِمْ مَسَاجِدَ ۔ اللہ کی لعنت ہو یہود و نصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا "اے خدا میری قبر کو میرے بعد بت نہ بنانا۔ خدا کا غضب اور اس کا قہر ان لوگوں پر زیادہ ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔ بلاشبہ اے مسلمانو! میں تمہیں اس سے منع فرماتا ہوں؛ اور فرمایا:۔ اَلَا ھَلْ بَلَّغْتُ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ ۔ خبردار میں نے تمہیں خبردار کر دیا، اے خدا گواہ رہ، اے خدا گواہ رہ" یہ مخالفت میں مبالغہ و تاکید ہے۔ تاکہ جان لیں کہ یہ بات بہت شنیع و بری ہے۔ اس کلام کی تفصیل یہ ہے کہ قبروں کو مساجد بنانے سے مراد، قبر کی جانب سجدہ کرنا ہے۔ یہ دو طرح پر متصور ہیں ایک یہ کہ قبروں کو سجدہ کریں۔ اور مقصود ان کی پرستش ہو جس طرح کہ بت پرست کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ منظور و مقصود تو حق تعالیٰ کی ہی عبادت ہو لیکن اعتقاد یہ کریں کہ نماز و عبادت حق میں ان قبروں کی طرف رخ کرنا موجب قرب حق اور باعث رضائے الٰہی ہے۔ اور حق تعالیٰ کے نزدیک موقع عظیم ہے۔ بر بنائے ان کی عبادت کے ساتھ شامل ہونگے اور یہ بات کہ یہ اپنے نبی کی تعظیم میں مبالغہ ہے۔ یہ دونوں صورتیں نامقبول اور غیر مشروع ہیں

پہلی صورت تو خود شرک جلی اور کفر صریح ہے۔ اور دوسری صورت بھی حرام و ممنوع ہے کیونکہ یہ شرک خفی پر مشتمل ہے۔ دونوں صورتوں پر لعنت متوجہ ہے۔ اور کسی مرد صالح یا کسی نبی کی قبر کی جانب تبرک و تعظیم کی قصد سے نماز پڑھنا حرام ہے۔ علماء میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ان کے قرب وجوار میں کوئی مسجد بنانا اور قبر کی طرف رخ کئے بغیر نماز پڑھنا تاکہ اس جگہ کی مجاورت و ہمسائیگی حاصل ہو جائے جہاں جسد مطہرۂ انسانی ہے اور ان کی روحانیت و نورانیت کی امداد سے عبادت کامل و مقبول ہو جائے تو اس شکل میں یہ حکم لازم نہیں آتا۔ اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ان سب کو شیخ ابن حجر نے شرح مشکوٰۃ میں بیان فرمایا ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ بعض لوگ قبرستان و مقبرہ میں نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور اس باب میں ایک حدیث بیان کرتے ہیں تو ان کا یہ منع کرنا مطلقاً ظاہر حدیث پر نظر کر کے ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اگر زمین، اس پیپ وخون اور نجاستوں سے پاک و صاف ہو جو اموات سے نکلتی ہیں تو جائز ہے اور مذہب مختار ہے۔

اور قبر کو بوسہ دینا اور اسے سجدہ کرنا اور پیشانی رکھنا حرام و ممنوع ہے۔ اور والدین کی قبر کو بوسہ دینے میں فقہی روایت نقل کرتے ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے،

## رحلت کی رات چراغ میں تیل تک نہ تھا

زمانۂ علالت کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضورؐ کے کاشانہ اقدس میں سات دینار تھے ظاہر ہے یہ دینار کہیں سے لائے گئے ہوں گے حضورؐ نے سب کو فقراء پر تقسیم کر دیا بجز چھ سات درہم کے جو گھر میں باقی رہے۔ اس کے بعد حضورؐ دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک کہ ان سب کو خرچ نہ فرما دیا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سات دینار تھے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس رکھے تھے۔ جب علیل ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا ان سونے کے پتروں کو بھیجدو تاکہ خرچ ہو جائیں اس کے بعد حضور اکرم بیہوش ہو گئے حضرت عائشہؓ کو حضور اکرمؐ کی خدمت گزاری کی مشغولیت نے اس سے باز رکھا یہاں تک کہ حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار بیہوشی عارض ہوتی رہی اور حضرت عائشہؓ عمل نہ کر سکیں۔ اس کے بعد ان کو حضرت علی مرتضیٰؓ کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں صدقہ کر دیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے

اس حال میں کہ آپ حضرت عائشہ رضؓ کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے فرمایا "اے عائشہ رضؓ وہ دنانیر کہاں ہیں؟" عرض کیا "میرے پاس ہیں" فرمایا "ان کو خرچ کر دو" اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو فرمایا "کیا تم نے ان کو خرچ کر دیا" عرض کیا میں ابھی نہیں کر سکی پھر حضور اکرمؐ نے طلب فرمایا اور ان دنانیر کو اپنے دست مبارک میں رکھ کر فرمایا "اے دنانیر! کیا تیرا خیال یہ ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے اس حال میں ملے گا کہ تو میرے پاس موجود ہو"۔ اسے بیہقی نے روایت کیا۔

جب دوشنبہ (پیر) کی شام ہوئی تو حضرت عائشہ رضؓ نے کسی انصاری عورت کے یہاں کسی کو چراغ لے کر بھیجا اگر تمہارے گھر تیل ہو تو اس میں چند قطرے ڈالدین کیوں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نزع کے عالم میں ہیں۔ سبحان اللہ! ابھی ابھی سات دینار صدقہ فرمائے گئے ہیں اور گھر میں چراغ کے اندر تیل تک موجود نہیں ہے۔ اس میں مدعیانِ طریقۂ اتباع کے لئے نصیحت ہے کہ دیکھیں کہ گھر میں کچھ نہیں رکھتے اور جو مال ہوتا بھی ہے اسے خرچ کر دیتے ہیں جو خدا اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت اور اتباع کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ اس کی پیروی کریں۔

## انصار کے حق میں وصیت

ان واقعات میں سے ایک واقعہ انصار کے حق میں حضور اکرمؐ کا وصیت فرمانا ہے۔ ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ زمانۂ علالت میں ایک دن حضور اکرمؐ کو کچھ افاقہ تھا۔ باہر تشریف لائے اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور خطبہ دیا۔ فرمایا:- اَنَّ الْاَنْصَارَ عَیْبَتِیْ بیشک انصار بمنزلہ عیبہ یعنی بچہ و صندوق کے ہیں، جس میں کپڑے اور قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔ ایک روایت میں "کَرِشِیْ وَعَیْبَتِیْ" کرشی، معدے کو کہتے ہیں یعنی پیٹ۔ انصار کو کرش و عیبہ سے تعبیر فرمایا "گویا وہ میرے خاص اور میرے محلِ اسرار ہیں۔ اور فرمایا "میں نے ان کی طرف ہجرت کی اور مجھے جگہ دی اور میرے ساتھ محبت و اخلاص اور دوستی و مروت کا برتاؤ کیا۔ اور تمہارے ساتھ بھی اسی طرح پیش آئے۔ قسم ہے اس خدائے عزوجل کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں ان سے محبت رکھتا ہوں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب انصار نے دیکھا کہ حضور اکرمؐ روز بروز زیادہ علیل ہوتے جاتے ہیں تو وہ اپنے گھروں میں صبر و قرار سے نہ رہ سکے اور حیران و پریشان مسجد کے گرد گھو۔۔۔

لگے اور کہتے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ حضور اکرمؐ دنیا سے تشریف نہ لیجائیں اور ہم نہیں جانتے کہ حضور اکرمؐ کے تشریف لے جانے کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔ جب انصار کی حالت کی کیفیت حضورؐ کی خدمت میں پیش کی گئی تو حضور اکرمؐ اٹھے اور ایک دست مبارک حضرت علی مرتضیٰؓ کے کندھے پر رکھا اور دوسرا دست مبارک حضرت فضل بن عباسؓ کے کندھے پر رکھا اور قدم اقدس سے زمین پر نقش فرماتے ہوئے باہر تشریف لائے حضرت عباسؓ آگے آگے چلتے تھے یہاں تک کہ مسجد شریف میں آ گئے اور منبر شریف کے پہلے درجہ پر نشست فرمائی۔ سر مبارک پہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے بعد صحابہ جمع ہونے لگے۔ بعد از حمد و ثنائے الٰہی فرمایا" اے لوگو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم میری وفات سے ڈرتے ہو۔ گویا تم موت کے منکر ہو۔ اور کس طرح تم نبی برحق کی وفات کا انکار کر سکتے ہو حالانکہ تمہیں میری وفات سے اور تمہارے مرنے سے خبردار کر دیا گیا ہے کیوں کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۔ اے محبوب تمہیں بھی موت آنی ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔ اور فرمایا" کوئی نبی بھی اپنی قوم میں ہمیشہ ہمیشہ نہیں رہا ہے تو میں تم میں کیسے ہمیشہ ہمیشہ رہوں گا۔ اور جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ میری بازگشت اور تم سب کو حق تعالیٰ ہی کی طرف جانا ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ انصار کے ساتھ حُسنِ سلوک کا برتاؤ کرنا۔ اور میں مہاجرین کو بھی وصیت کرتا ہوں کہ ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی سے رہنا۔ اس کے بعد سورۃ والعصر آخر تک پڑھی اور اس آیتِ کریمہ کو پڑھا:۔ وَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتہ کاٹ دو۔ اس آیۂ کریمہ میں ان بادشاہوں اور امراء مروانیہ و عباسیہ کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اہلِ بیتِ نبوت کے ساتھ ظلم و ستم کیا۔ اور فرمایا" میں تمہیں انصار کے حق میں وصیت کرتا ہوں" اور فرمایا" اے انصار! میرے بعد ایک جماعت تم سے ایثار و اختیار چاہے گی۔ اور وہ تم پر ترجیح چاہیں گے"۔ انصار نے عرض کیا" یا رسول اللہ! فرمائیے ہم ان کے ساتھ کیا کریں؟" فرمایا" صبر کرنا یہاں تک کہ حوضِ کوثر کے کنارے تم سب مجھ سے ملو"۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک انصاری پر ظلم ہوا تو وہ انصاری حضرت امیر معاویہؓ کے پاس ظلم کی فریاد لے کر پہنچا۔ انہوں نے توجہ نہ دی اور فریاد رسی نہیں کی۔ انصاری نے کہا" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہلے ہی خبر

دیدی ہے کہ ہم پر ظلم کیا جائے گا۔ حضرت معاویہؓ نے کہا "اس کے بعد تم سے کیا فرمایا"۔ اس نے کہا "حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "صبر کرنا"۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "تو جاؤ اور صبر کرو"۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! قریش کے حق میں بھی وصیت فرمائیے" حضور اکرمؐ نے فرمایا "میں وصیت کرتا ہوں اس امر کی۔ یعنی خلافت قریش کے لئے ہے اور فرمایا اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ خلفاء قریش میں سے ہوں گے۔ اور حضرت بلالؓ کو بلایا اور فرمایا کہ لوگوں میں اعلان کر دو تاکہ سب جمع ہو جائیں، کیوں کہ میں چاہتا ہوں انہیں بھی وصیت کر دوں اور کہو کہ یہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت ہے۔ حضرت بلالؓ نے حکم کے بموجب عمل کیا اور مدینہ طیبہ کے بازاروں میں منادی دی۔ تمام لوگ چھوٹے بڑے، جنہوں نے یہ اعلان سنا۔ اپنے گھروں اور دکانوں کو یونہی کھلا چھوڑ کر نکل آئے اور اتنے لوگ حاضر ہو گئے کہ مسجد میں ان کی گنجائش نہ رہی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا: اَوْسِعُوْا لِمَنْ وَّرَاءَکُمْ اپنے پیچھے والوں کے لئے جگہ دو۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے خطبۂ بلیغ وطویل ارشاد فرمایا اور تمام احکام و شرائع، وقت کے مناسب پند و نصائح اور آداب تعلیم فرمائے۔ اور خبردار کرتے ہوئے فرمایا "اے لوگو! تم سے میرے جدا ہونے کا وقت قریب آگیا ہے جس کسی کا کوئی حق مجھ پر ہو وہ مجھ سے اپنا حق لے لے۔ اور جان و مال اور سامان جس سے چاہے اس کا قصاص لے لے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا "یا رسول اللہؐ میرے آپ پر دو تین درہم ہیں"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "میں کسی کو نہیں جھٹلاتا اور نہ قسم کسی کو دیتا ہوں یہ تین درہم کس سلسلہ کے ہیں؟" اس نے کہا "ایک دن ایک فقیر آپ کے پاس آیا تھا آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اسے تین درہم دیدو"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے فضلؓ اسے تین درہم دیدو" اور فرمایا "اے لوگو! جس کسی پر جو حق ہو اس پر چاہیئے کہ وہ آج اپنی گردن سے اتار لے اور یہ خیال نہ کرے کہ میں فضیحت سے ڈرتا ہوں۔ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ دنیا کی فضیحت، آخرت کی فضیحت سے آسان ہے۔ اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا کہ میں نے تین درہم کی مال غنیمت سے خیانت کی تھی، جو میری گردن پر ہے"۔ فرمایا "تو نے کیوں خیانت کی تھی" اس نے کہا "یا رسول اللہؐ! میں اس کا ضرورت مند تھا"۔ فرمایا "اے فضلؓ! اسے اس کی طرف سے اتار دو"۔ اس کے بعد فرمایا "اے لوگو جس کسی میں کوئی ایسی صفت ہو جسے وہ جانتا ہو چاہیئے کہ وہ کھڑا ہو جائے تاکہ میں اس کے لئے دعا کروں۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا "یا رسول اللہؐ! میں کذاب اور فحش گو اور بہت سوتا

ہوں"۔ حضور اکرمؐ نے دعا فرمائی "اے خدا اسے سچائی نصیب فرما اور اس کی نیند کو اس سے دور فرما جبکہ یہ بیداری چاہتا ہو"۔ ایک اور شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا "یا رسول اللہؐ! میں کذاب ا، منافق ہوں اور کوئی برائی ایسی نہیں ہے جو مجھ سے وجود میں نہ آئی ہو"۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا "اے شخص تو اپنے آپ کو رسوا کرتا ہے"۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دنیا کی رسوائی، آخرت کی رسوائی سے آسان ہے"۔ حضورؐ نے دعا فرمائی "اے خدا اسے صدق و راستی اور ایمان نصیب فرما اور اس کے دل کو برائی سے دور رکھ۔ اور نیکی کی طرف مائل فرما۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی بات ایسی کہی جس سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ اور حضورؐ نے فرمایا "عمرؓ میرے ساتھ ہے اور میں عمرؓ کے ساتھ ہوں اور حق عمرؓ کے ساتھ ہو گا جس طرف بھی وہ ہو۔ اس کے بعد اسی قسم کے وعظ و نصیحت اور تذکیر فرمائی۔ اور کاشانۂ اقدس میں تشریف لے آئے۔ اسی طرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کے حق میں فرمایا۔ اور فرمایا "میں تمہارے کفر و شرک میں مبتلا ہونے سے بے خوف ہوں۔ (کہ تم میرے بعد کفر و شرک میں تو مبتلا نہیں ہو گے) لیکن دنیا سے مامون نہیں ہوں کہ تم اس طرف رغبت نہ کرو گے اور ایک دوسرے کے ساتھ تغافل کرو گے اور اپنی ازواج مطہرات کو نصیحت فرمائی۔ اور فرمایا "تم پر لازم ہے کہ تم اپنے گھر کے گوشہ میں محفوظ رہو۔ اور خود کو نامحرم سے مصئون و مستور رکھو۔ اور اس آیۂ کریمہ کو پڑھا:۔ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ۔

## مسواک فرمانا

منجملہ واقعات، ایک واقعہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا وفات سے قبل مسواک فرمانا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میری آغوش اور سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اچانک حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما داخل ہوئے ان کے ہاتھ میں سبز مسواک تھی۔ تو حضور اکرمؐ نے اپنی نظر مبارک مسواک کی طرف دراز فرمائی۔ میں نے جان لیا کہ حضور اکرمؐ ان کی مسواک کو پسند فرما رہے ہیں اور اس کی ضرورت محسوس فرما رہے ہیں۔ پھر میں نے حضور اکرمؐ سے عرض کیا۔ کیا میں اسے آپ کے لئے لیلوں؟، حضور اکرمؐ نے سر مبارک سے اشارہ فرمایا کہ ہاں لیلو۔ میں نے لے کر اسے نرم کیا پھر مسواک حضور اکرمؐ کے دستِ مبارک میں دیدی۔ حضور اکرمؐ نے خوب مسواک فرمائی۔ اور اس سے زیادہ فرمائی جتنی آپ کی عادت کریمہ تھی، اس کے بعد مجھے واپس کی تو حق تعالیٰ نے اس دنیا کے آخری دن میں میرے لعاب دہن کو حضور اکرمؐ کے

لعاب دہن میں ملا دیا۔ جو کہ روزِ آخرت کا پہلا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور اکرم کی تمام ازواج مطہرات پر اس سے فخر کا اظہار کرتی تھیں، اور فرماتی تھیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتوں میں سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے گھر میں، میری باری کے دن میں، میرے آغوش میں میرے حجرے میں اور میرے سحر و نحر میں وفات پائی۔ اور میر العاب دہن آپ کے لعابِ دہن میں رحلت کے وقت شامل تھا۔

مواہب لدنیہ میں ایک حدیث ہے جسے عقیلی نے بیان کیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ میرے لئے تر مسواک لاؤ اور اسے نرم کر کے پھر مجھے دو کہ میں اسے چباؤں تا کہ میر العاب تمہارے لعاب کے ساتھ مل جائے اور یہ مجھ پر موت آسان کر دے۔

(شیخ محقق رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی چبائی ہوئی مسواک کو استعمال کرنا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک فعل کا بدلہ ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ صحت کی حالت میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مسواک فرما رہے تھے اس کے بعد وہ مسواک حضرت عائشہؓ کو دی کہ اسے پانی سے دھو دیں تو حضرت عائشہؓ نے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک کو اپنے منہ میں لے کر چوسا اس کے بعد دھو کر حضور اکرمؐ کو پیش کر دی۔ (حضور اکرمؐ نے ان کے اُس دن کے عمل کا بدلہ اب آخر وقت میں عطا فرمایا) لیکن اس روایت میں غرابت و ندرت یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا "مسواک کو چبا کر مجھے دو کہ میں چباؤں تا کہ مجھ پر موت آسان ہو جائے"۔ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لئے انتہائی اعزاز و اکرام اور ان کے ساتھ محبت کا اظہار ہے۔ صاحب مواہب لدنیہ اس بات کی شرح میں اور اس معنیٰ کے بیان میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ، سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا چونکہ انسان طبعی طور پر موت کو ناگوار جانتا ہے۔ لیکن حق تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اپنے محبوبوں پر اپنے دیدار کے ذریعہ اور ہر اس چیز کے ذریعہ جس کو وہ تحائف و کرامات امدادات و اعانات میں سے پسند کرتے ہیں موجود کر کے آسان فرما دیا۔ یہاں تک کہ ان کی جان ان کے دو پہلوؤں کے درمیان سے قبض کی جاتی ہے۔ مسلمانوں کی روحیں اس حال میں قبض کی جاتی ہیں کہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہوتے ہیں۔ جبکہ یہ صورت مسلمانوں کی ہے تو انبیاء علیہم السلام اور خاص کر سید انبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات

کا کیا مقام ہوگا انبیاء علیہم السلام کو موت و بقا میں سے کسی کو اختیار کرنے کے بارے میں جو حق تعالیٰ کی سنت جاری ہے اس کی مصلحت بھی یہی ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس وقت بہت خوش ہوئے اور استعانت فرمائی یہ اسی محبت کا ثمرہ ہے جو حضور اکرم کو ان سے تھی۔ اس لئے کہ محبت الم کو گھلا دیتی ہے۔ بیت ؎

یقیں میداں کہ شیران شکاری | دریں رہ خواستند از مور یاری

مسند میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھ پر موت کو آسان کر دیا گیا ہے اس لئے کہ میں نے عائشہ رض کی ہتھیلی کی سفیدی کو جنت میں دیکھا ہے" ایک اور حدیث میں حضرت ابن سعد رض وغیرہ سے مرسلاً مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلاشبہ میں نے ان کو جنت میں دیکھا ہے حتیٰ کہ مجھ پر موت ان کے سبب آسان کر دی گئی۔ گویا کہ میں حضرت عائشہ رض کی دونوں ہتھیلیوں کو جنت میں دیکھ رہا ہوں۔ معلوم ہوا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کمال درجہ کی انتہائی محبت تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ رض حضور اکرم کے لئے جنت میں متمثل کی گئیں تاکہ آپ کے لئے اس طرح موت آسان ہو جائے۔ اس لئے کہ خوشی کی زندگانی دونوں محبوبوں کے اجتماع میں ہے اور بوستان کا ذوق، محبوبوں کے دیدار میں ہے۔ بلاشبہ ایک شخص نے حضور اکرم سے دریافت بھی کیا تھا کہ آپ کو لوگوں میں کون سب سے زیادہ محبوب ہے" فرمایا "عائشہ رض" اس نے کہا "مردوں میں کون ہے؟" فرمایا "ان کے والد" اس بنا پر ابتدائے مرض میں حضرت عائشہ رض نے کہا "ہائے میرا سر" تو حضور نے فرمایا "نہیں بلکہ میرا سر" اور فرمایا "تم رحلت کر جاؤ اے عائشہ رض مجھ سے پہلے اور میں زندہ رہوں تو میں نماز پڑھوں گا اور تمہیں دفن کروں گا۔ یہ بات حضرت عائشہ رض کو گراں گزری اور کہنے لگیں "آپ تو میرا مرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ حضور اکرم کا مقصود یہ تھا کہ چونکہ اس جہان سے میرا جانا مقرر ہو چکا ہے تو چاہا کہ عائشہ رض حضور اکرم سے پہلے پہنچ جائیں۔ اور اس عالم میں دونوں یکجا ہو جائیں۔ صاحب مواہب لدنیہ رحمہ اللہ کے کلام کا حاصل غایت درجہ دقیق اور ذوق و جدان پر مبنی ہے۔

## نماز فجر میں ملاحظہ فرمانا

ازاں جملہ وقائع در ایام مرض، ایک واقعہ رحلت کے دن کا یہ ہے جسے حضرت انس رضی اللہ عنہ، روایت کرتے

ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دروازے کے پردے ہٹا کر مسجد میں لوگوں کی جانب نظر مبارک ڈالی۔ اور ملاحظہ فرمایا کہ فجر کی نماز ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہیں۔ پھر دروازے پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ آپ کی نظر مبارک ان کی طرف جمی رہی۔ گویا کہ آپ کا روئے انور ورق مصحف ہے۔ گویا حضرت انسؓ نے حضور اکرمؐ کے روئے انور کی نورانیت اور نظافت کو ورق مصحف سے تشبیہ دی اور یہ حضور اکرمؐ کے لئے کتنی عمدہ تشبیہ ہے۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے تبسم فرمایا۔ جب حضور اکرمؐ کھڑے ہوئے تھے تو صحابہ نے خیال کیا کہ شاید حضور اکرمؐ باہر تشریف لا رہے ہیں۔ اس پر وہ سب بہت خوش ہوئے اور انہوں نے چاہا کہ آپ نماز کے لئے تشریف لے آئیں شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ ع

نماز را بگذارم ترا سلام کنم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اپنی جگہ سے پیچھے آ جائیں۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ رہیں۔ اور اپنی نماز کو پورا کریں۔ پھر دروازہ کا پردہ چھوڑ دیا اور اسی دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔

## ملک الموت کا اجازت لینا

انہیں واقعات میں سے ایک یہ ہے کہ وصال حق سے تین روز قبل حضرت جبریل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں آئے اور پیغام حق لائے کہ آپ کا رب جل وعلیٰ دریافت فرماتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہیں یہ واقعہ شنبہ کے دن کا ہے۔ اس کے بعد ملک الموت آئے اور اجازت طلب کی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام اس علالت کے زمانہ میں آئے جس میں حضور اکرمؐ نے وفات پائی اور عرض کیا کہ حق تعالےٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ اپنے آپ کو کیسا پاتے اور کیا حال ہے۔ فرمایا "اے امین اللہ میں درد والم محسوس کرتا ہوں"۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرمایا "اے جبریلؑ میں غم واندوہ محسوس کرتا ہوں"۔ دوسرے دن جبریلؑ پھر آئے اور اسی طرح مزاج پرسی کی اور حضور اکرمؐ نے یہی جواب مرحمت فرمایا۔ وہ تیسرے دن آئے ان کے ہمراہ ملک الموت اور ایک اور فرشتہ جس کا نام اسمٰعیل ہے جو اپنے ستر ہزار (ایک روایت میں ہے ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے۔ جن میں کا ہر ایک فرشتہ، ستر ہزار یا ایک لاکھ فرشتوں پر حاکم ہے وہ بھی جبریلؑ کے ساتھ تھے۔ عرض کیا "اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) حق تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا

ہے اور دریافت فرماتا ہے کہ خود کو کیسا پاتے ہیں۔ فرمایا "درد والم محسوس کرتا ہوں۔ اور حضور اکرمؐ نے پوچھا" اے جبریلؑ تمہارے ساتھ یہ کون ہیں"؟ جبریلؑ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! یہ ملک الموت ہیں۔ اور آپ کے بعد یہ میرا عہد دنیا میں آخری ہے۔ اور دنیا میں یہ عہد آپ کا آخری ہے۔ آپ کے بعد میں کسی بنی آدم کے پاس نہیں آؤں گا اور آپ کے بعد میں زمین پر نہیں اتروں گا۔ اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سکرات الموت اور اس کی سختی و شدت محسوس فرمائی۔ حضور اکرمؐ کے پاس پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا ہوا تھا بار بار حضور اکرمؐ اپنا دستِ مبارک اس میں ڈالتے اور اپنے چہرۂ انور پر پھیرتے تھے۔ اور فرماتے جاتے اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرماتے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٍ۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر سکرات موت اتنی دشوار تھی کہ کبھی سُرخ اور کبھی زرد ہو جاتے تھے اور کبھی داہنے دست اقدس سے اور کبھی بائیں دستِ اقدس سے اپنے رخسار پر انوار سے پسینہ پونچھتے جاتے تھے۔ مسواک کا قصہ جو پہلے لکھا گیا ہے اسی وقت میں تھا۔ جب حضور اکرمؐ اس جہان سے تشریف لے گئے تو یہ کلمہ فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَاَلْحِقْنِیْ بِالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ آخری کلمہ ہے جسے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔

مواہب میں سہیلی سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ میں نے واقدی کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ سب سے پہلا کلمہ جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حلیمہ سعدیہ کے یہاں زمانۂ رضاعت میں فرمایا" وہ اللہ اکبر ہے اور آخری کلمہ جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ :- وَالرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی تھا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تر وصیت علالت کے زمانہ میں نماز کے بارے میں اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے بارے میں تھی یہاں تک کہ اس وقت بھی جبکہ آپ کا سینۂ انور تلجلج کر رہا تھا اور آپ کی زبانِ مبارک کام نہیں کر رہی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وصیت اس وقت جبکہ سکرات کا عالم طاری تھا یہ تھی کہ اَلصَّلٰوۃَ وَمَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ یہاں تک کہ اسی کلمہ کے ساتھ آپ کا سینۂ انور تغرغر

کر رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک آپ کی مدد نہیں کر رہی تھی۔

مروی ہے کہ ملک الموت نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی پھر وہ حضور اکرمؐ کے پاس آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے "یا رسول اللہ یا احمد! حق تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں جو کچھ بھی آپ فرمائیں کہ میں آپ کی روح قبض کروں اگر آپ اجازت دیں۔ اور اگر فرمائیں تو قبض نہ کروں۔ اس میں حق تعالیٰ نے آپ کو اختیار مرحمت فرمایا ہے۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آکر عرض کیا" اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) حق تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے اور آپ کو بلاتا ہے"۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ملک الموت! جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اپنے اس کام میں مشغول ہو جاؤ۔" جبریل علیہ السلام نے عرض کیا "زمین پر میرا آنا یہ آخری ہے۔ اور دنیا میں میرے آنے کی ضرورت آپ کا وجود گرامی تھا میں آپ کے لئے دنیا میں آتا تھا۔ بیت ؎

رفت بر بوئے سر زلف تو حقی بچین ورنہ کے بوئے نسیم سحری لو دغرض

اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرمؐ کے سر مبارک کو بالیں پر رکھا اور اپنا روتے الو پیٹتی کھڑی ہو گئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن حق تعالیٰ نے ملک الموت کو حکم فرمایا کہ زمین پر میرے حبیب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو۔ خبردار! بغیر اجازت کے داخل نہ ہونا۔ اور بغیر آپ کی اجازت کے روح قبض نہ کرنا"۔ تو قابض ارواح نے دروازے کے باہر اعرابی کی صورت میں کھڑے ہو کر عرض کیا:۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ بَيْتِ النُّبُوَّةِ وَمَعْدَنَ الرِّسَالَةِ وَمُخْتَلِفَ الْمَلٰٓئِكَةِ۔ مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں داخل ہوں تم پر خدا کی رحمت ہو۔ اس وقت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بالیں پر موجود تھیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نبی کریم اپنے حال میں مشغول ہیں اس وقت ملاقات نہیں فرما سکتے دوسری مرتبہ مانگی۔ یہی جواب سنا تیسری مرتبہ اجازت مانگی اور باواز بلند اجازت مانگی چنانچہ جتنے صاحبان اس وقت گھر میں موجود تھے اس آواز کی ہیبت سے ان پر لرزہ طاری ہو گیا حضور اکرمؐ ہوش میں آئے اور چشمان مبارک کو کھول کر فرمایا کیا بات ہے صورتِ حال عرض خدمت کی گئی"۔ فرمایا "اے فاطمہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کون ہے۔ یہ لذتوں

کو توڑنے والا، خواہشوں اور تمناؤں کو کچلنے والا، اجتماعی بندھنوں کو کھولنے والا، بیویوں کو بیوہ کرنے والا، اور بچوں اور بچیوں کو یتیم بنانے والا ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سُنا تو رونے لگیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے میری بیٹی! روؤ نہیں کیوں کہ تمہارے رونے سے حاملین عرش روتے ہیں۔ اور اپنے دستِ مبارک سے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے چہرۂ انور سے اشکوں کو پونچھا اور دلداری وبشارت فرمائی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ کی وفات کی خبر اور سیدہ فاطمہؓ کے رونے اور حضور اکرمؐ کا ان کو تسلی فرماتے اور یہ کہ تم سب سے پہلے مجھ سے ملوگی اس کی بشارت دینے اور یہ کہ تم جنتی بیبیوں کی سردار ہوگی کی حدیث اسی ایک وقت میں واقع ہوئی ہیں۔ اور وہ فرمایا "اے خدا انہیں میری جُدائی پر صبر نصیب فرما۔" فاطمۃؓ زہرا نے پکارا "واکرباہ" ہائے مصیبت! حضور اکرمؐ نے فرمایا "تمہارے والد پر آج کے بعد کوئی کرب واندوہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کرب واندوہ شدتِ الم اور درد کی صعوبت کی وجہ سے ہے۔ اور بواسطۂ علاقہ جسمانی اور بشری لوازمات کے تعلقات کی بنا پر ہوتی ہے۔ اس کے بعد سیدہ فاطمہ زہرا سے فرمایا "اپنے بچّوں کو لاؤ۔ وہ امام حسن اور امام حسین علیہم التحیۃ والرضوان کو حضور اکرمؐ کے سامنے لائیں۔ جب ان صاحبزادگان نے سب کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگے اور اتنی گریہ وزاری کی کہ ان کے گریہ سے گھر کا ہر فرد رونے لگا، حضور اکرمؐ نے ان کو بوسہ دیا۔ اور ان کی تعظیم وتوقیر اور ان سے محبت کے بارے میں صحابہ کرام اور تمام امت کو وصیت فرمائی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ دونوں حضور اکرمؐ کے آغوش مبارک میں رو رہے تھے۔ جب ان کے رونے کی آواز حضور اکرمؐ کے گوش مبارک میں پہنچی تو حضور اکرمؐ بھی رونے لگے۔ سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! آپ تو گزشتہ وآیندہ ہر حالت میں مغفور ہیں گریہ فرمانے کی وجہ کیا ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا "میرا رونا امت پر رحم وشفقت کے لئے ہے کہ میرے بعد ان کا حال کیا سے کیا ہوگا۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ آگے بڑھیں اور عرض کیا "یارسول اللہؐ! چشم مبارک کھولئے اور میری طرف نگاہِ کرم اٹھائیے اور وصیت کیجئے۔ حضور اکرمؐ نے چشمِ مبارک کھولی اور فرمایا "اے عائشہؓ میرے قریب ہو۔" فرمایا "کل جو وصیت کی ہے وہی ہے اور اسی پر تم عمل کرنا۔ حضرت صفیہؓ بھی آگے آئیں اور جس طرح حضرت عائشہؓ سے گفتگو فرمائی اسی طرح حضرت صفیہؓ سے بھی فرمایا۔ اور تمام ازواج مطہرات کو وصیت فرمائی۔ اسکے

بعد فرمایا "میرے بھائی علیؓ کو بلاؤ"۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ آئے اور سرہانے بیٹھ گئے اور حضور اکرمؐ کے سر مبارک کو اپنے زانو پر رکھا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے علیؓ! فلاں یہودی کے چند درہم میرے ذمہ ہیں۔ جسے اس سے لشکر اسامہؓ کی تیاری کے لئے قرض لئے تھے۔ خبردار، اس کے حق کو میری طرف سے تم اتارنا۔ اور فرمایا "اے علیؓ! تم ان اشخاص میں پہلے ہو گے جو حوضِ کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اور میرے بعد بہت سی ناگوار باتیں تمہیں پیش آئیں گی تمہیں لازم ہے کہ دل تنگ نہ ہونا اور صبر کرنا۔ اور جب تم دیکھو کہ لوگ دنیا کو پسند کرتے ہیں تو تم آخرت کو اختیار کرنا۔ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کاغذ دوات لاؤ تاکہ تمہارے لئے ایک وصیت لکھ دوں۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے خوف کیا کہ جب تک میں لکھنے کا سامان مہیا کر کے لاؤں حضور اکرمؐ دنیا سے کوچ کر جائیں گے اور وصیت کی دولت سے محروم رہ جاؤں گا۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ جو مرضی مبارک ہو وصیت فرمایئے میں یاد رکھوں گا۔ فرمایا اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اَلْبِسُوْا ظُهُوْرَهُمْ وَاَشْبِعُوْا بُطُوْنَهُمْ وَلِيْنُوْا لَهُمْ بِالْقَوْلِ۔ خبردار رہو ہوشیار اپنے غلاموں اور باندیوں کے حق میں، ان کو لباس پہننے کو دینا ان کو کھانا پیٹ بھر کے دینا اور ان سے نرمی کے ساتھ بات کرنا"۔ حضرت علی مرتضےٰؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ میرے ساتھ گفتگو فرما رہے تھے اور آپ کا لعاب دہن مبارک مجھ پر پہنچ رہا تھا۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ کا حال متغیر ہو گیا اور پس پردہ عورتیں بے طاقت ہو گئیں اور میں بھی اس کو برداشت نہ کر سکا جو حال کہ میں نے اس وقت دیکھا۔ میں نے کہا "اے عباسؓ! میری مدد کرو"۔ تو حضرت عباسؓ آئے اور دونوں نے مل کر حضور اکرمؐ کو لٹایا۔ ذکر ہذا کلہ فی روضۃ الاحباب، کاتب حروف عفا اللہ عنہ یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فخر کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک میرے آغوش میں قبض ہوئی ہے۔ اور مشہور بھی یہی ہے اور محدثین اس حدیث کو صحیح بھی بیان کرتے ہیں۔ اور اس جگہ یہ روایت لاتے ہیں کہ آخر وقت میں حضورؐ کا سر مبارک حضرت علیؓ مرتضیٰ کے زانو پر تھا۔ جسے حاکم، اور ابن سعد طرق متعددہ سے روایت کرتے ہیں اور اس بیان سے جو اوپر مذکور ہوا ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ آئے اور حضور اکرمؐ کے سرہانے بیٹھے اور حضور اکرمؐ کے سر اقدس کو اپنے بازو پہ رکھا اور ظاہر ہوتا ہے

کہ آخر عہد یہی ہے۔ اور ان دونوں مفہوموں کے درمیان مغائرت ہے۔ کہ سر مبارک بازو پہ رکھا یا آغوش میں رکھا۔ اس مغائرت کا ارتفاع آسان ہے کہ یہ راویوں کا اختلاف ہے کہ بعض نے بازو پر رکھنا بیان کیا اور بعض نے آغوش میں رکھنا بیان کیا ہے۔ غرضکہ سیدہ عائشہؓ نے زمانۂ وفات کے قرب کی وجہ سے آخری مرتبہ کا نام رکھا ہے جیساکہ پہلے مذکور ہوا۔ کہ سرِ مبارک کو بالیں پر رکھ کر اپنا روئے انور پیٹتی کھڑی ہوگئیں (واللہ اعلم)

اہلِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ملک الموت اعرابی کی صورت میں آئے اور اذن طلب کیا تو فرمایا "کہو کہ آجائیں۔ تو انہوں نے آکر کہا السلام علیک ایہا النبی اللہ تعالیٰ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور مجھے حکم فرماتا ہے کہ آپ کی اجازت سے آپ کی روح مبارک قبض کروں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے ملک الموت! اس وقت تک میری روح قبض نہ کرو جب تک کہ میرے بھائی جبریل علیہ السلام آنہ جائیں۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام روتے ہوئے آئے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے میرے دوست! اس حال میں تم مجھے تنہا چھوڑ دیتے ہو۔" جبریلؑ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! بشارت ہو کہ میں حق تعالےٰ کی جانب سے ایک خبر لایا ہوں وہ یہ کہ داروغۂ دوزخ کو حکم دیدیا گیا ہے کہ میرے حبیب کی روح مطہر آسمان پر آرہی ہے آتش دوزخ کو سرد کر دو۔ اور حورعین کو وحی فرمائی ہے کہ خود کو آراستہ وپیراستہ کریں۔ اور فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ اٹھو صف در صف کھڑے ہوکر روح محمدی کا استقبال کرو اور مجھے حکم ہوا ہے کہ زمین پر جاؤ اور میرے حبیب کو بتاؤ کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر جنت اس وقت تک حرام ہے جب تک کہ آپ اور آپ کی امت اس میں داخل نہ ہو جائے اور کل قیامت کے دن آپ کی امت آپ کو اتنی دی جائے گی کہ آپ راضی ہو جائیں گے؛ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے ملک الموت! آؤ جو تمہیں حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کرو۔" پھر ملک الموت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اطہر کو قبض کر کے اعلیٰ علیین لے گئے۔ اور کہا "یا محمداہ"، "یارسول رب العلمین" حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں آسمان کی جانب سے فرشتوں کی "وامحمداہ" کی آواز سنتا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحِ مطہر ومطیب جُدا ہوئی تو میں نے آپ سے ایسی خوشبو سونگھی کہ اس سے پہلے ایسی خوشبو میں نے کہیں اور نہ سونگھی تھی۔ اس کے بعد میں نے آپ کے جسم اقدس کو چادر سے ڈھانپ دیا بعض روایتوں میں آیا ہے کہ

فرشتوں نے چادر اڑھائی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ "جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی میں نے اپنا ہاتھ حضور اکرمؐ کے سینۂ مبارک پر رکھ دیا تھا اس کے بعد کئی جمعہ گزر گئے میں کھانا کھاتی، وضو کرتی مگر میرے ہاتھ سے اس دن کی خوشبو نہ گئی۔

یہ بات صحت کو پہنچی ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے ازحد گریہ وزاری فرمائی وہ کہتیں:۔ یَا اَبَتَا، یَا اَبَتَا۔ آپ نے حق تعالیٰ کے بلاوے کو قبول فرمایا۔ وا ابتاہ آپ نے جنت الفردوس میں اقامت فرمائی۔ وا ابتاہ۔ آپ کی رحلت کی خبر جبریلؑ کو کون پہنچائے۔ وا ابتاہ آپ کے بعد وحی کس پر لائیں گے۔ اے خدا فاطمہؓ کی روح کو حضور اکرمؐ کی روح سے ملا۔ اے خدا مجھے اپنے رسول کا دیدار نصیب فرما۔ اے خدا اپنے حبیب کے ثواب سے دور نہ فرما۔ اور روز قیامت حضور اکرمؐ کی شفاعت سے محروم نہ کرنا "اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد سیدہ فاطمہ زہرا کو کبھی کسی نے ہنستے نہ دیکھا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی گریہ وزاری کرتی اور کہتی تھیں "ہائے افسوس! اس نبی محترم نے فقر کو تونگری پر اور درویشی کو مالداری پر اختیار فرمایا" افسوس اس دین پرور ی پر کہ ایک رات بھی امت کے معاصی کے غم و فکر سے بے نیاز ہو کر بستر استراحت پر آرام سے نہ سوئے۔ اور ہمیشہ قدم ثبات و قرار کے ساتھ محاربۂ نفس کے مقام صبر و استقامت پر گامزن رہے اور اسے ترک نہ فرمایا۔ اور کبھی بھی کافروں کے ایذا و ستم سے آپ کے ضمیر منیر کے دامن پر ناگواری و ملامت کا غبار نہ آیا۔ اور ارباب فقر و احتیاج کے اوپر احسان اور فضل و امتنان کے دروازوں کو بند نہ فرمایا۔ دشمنوں کی سنگباری سے دندان مبارک اور رخسار مبارک مجروح ہوئے۔ حوادث زمانہ نے آپ کی پیشانی اقدس پر پٹی باندھی، اور آپ کا شکم اطہر کئی کئی دن تک جو کی روٹی سے سیر نہ ہوا۔ کاشانۂ اقدس کے ایک گوشہ سے یہ آواز سنی گئی لیکن کہنے والے کو کسی نے نہ دیکھا۔ اس نے کہا کہ:۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

اے نبی کے گھر والو تمہیں سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت تم پر ہو۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ بلاشبہ قیامت کے دن تمہاری نیکیوں کا پورا پورا اجر دیا

جائے گا۔ تم جان لو کہ ہر مصیبت کے لئے اللہ عزوجل کے نزدیک درجہ اور خوشی ہے اور ہر فائت کے لئے ایک قائم مقام ہے۔ لہٰذا اللہ عزّوجل پر اعتماد و واثق رکھو۔ اور وہ تمہیں اس کی طرف لوٹائے گا۔ آہ و فغاں نہ کرو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہی مصیبت زدہ ہے جو ثواب سے محروم رہا۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' یہ آواز تعزیت کرنے والے فرشتہ کی تھی۔

## حضرت خضر کی آمد

ایک جسیم و صبیح اور گھنی ڈاڑھی والا شخص آیا یہ مردوں کے پاس جاکر رویا۔ اس کے بعد اس نے صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہو کر کہا "بلاشبہ ہر مصیبت کے عوض خدا کے یہاں ایک درجہ ہے۔ ہر فائت کا بدل ہے۔ اور ہالک خدا کی طرف رجوع کرتا ہے۔ خدا کی طرف رجوع کرو۔ ہر بلا اور مصیبت میں خدا کی جانب متوجہ۔ یہاں وہی شخص مصیبت زدہ ہے جو صبر نہ کر سکے۔" یہ کہہ کر وہ شخص چلا گیا حضرت ابوبکر صدیق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے فرمایا "یہ خضر علیہ السلام تھے جو تمہاری تعزیت کے لئے آئے تھے۔"

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سراسیمہ اور پریشان ہو گئے جیسے ان کی عقلیں سلب کرلی گئی ہوں ان کے حواس معطل ہو گئے بعض حضرات کی زبان بند ہو گئی ان کے ہوش وحواس اور قوت گویائی جاتی رہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھے۔ چنانچہ مروی ہے کہ ان کے پاس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ گزرے انہیں سلام کیا انہوں نے ان کے سلام کو سنا بھی مگر سلام کا جواب نہ دے سکے (الحدیث) بعض حضرات اپنی جگہ جمے بیٹھے رہے جنبش کی طاقت تک نہ رہی چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا یہی حال تھا۔ صحابہ میں سب سے زیادہ ثابت واشجع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ حالانکہ وہ بھی آنسو بہا رہے تھے اور آہ و نالہ کر رہے تھے۔ اسی کیفیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت پر استدلال کیا گیا بعض بیمار اور لاغر ہو کر اور گھل گھل کر اس جہان سے رخصت ہو گئے۔ بعض دعا کرتے کہ "اے خدا ہمیں اندھا کر دے کہ کسی اور کو دیکھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے۔" یہ اس طرح گڑگڑا کر فریاد کرتے تھے اور قسم کھاتے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات نہیں پائی ہے۔

حضور اکرم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صعقہ کی مانند صعقہ ہوا ہے ایک روایت میں ہے

کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "حضور اکرمؐ دیدار کے وعدہ پر گئے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔ اور فرمایا کہ میں امید رکھتا ہوں کہ حضور اکرمؐ اتنے دن دنیا میں ضرور رہیں گے کہ منافقوں کی زبان اور ہاتھ کاٹیں"۔ بعض منافقین کہتے تھے کہ اگر محمد نبی ہوتے تو وفات نہ پاتے"۔ حضرت عمرؓ نے جب یہ بات سُنی تو تلوار کھینچ کر مسجد شریف کے دروازے پر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ "جو یہ کہے گا کہ نبی نے وفات پائی ہے میں اس سے اس کے دو ٹکڑے کر دوں گا"۔

لوگوں نے جب یہ بات سُنی تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر شک و شبہ میں پڑ گئے حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے اپنا ہاتھ حضور اکرمؐ کے دونوں شانوں کے درمیان داخل کیا انہوں نے مہر نبوت کو نہ پایا۔ وہ بلند آواز سے کہنے لگیں کہ مہر نبوت اُٹھالی گئی ہے۔ اور حضور اکرمؐ کا اس جہان سے انتقال ہو گیا ہے۔ — منقول ہے کہ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے گھر مقام سنح حوالی مدینہ طیبہ میں تھے۔ جب انھیں اس واقعہ کی اطلاع ملی وہ فوراً سوار ہو کر تیزی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف روانہ ہو گئے وہ راستہ بھر روتے رہے اور "وامحمداہ" "وانقطاع ظہراہ" پکارتے رہے۔ یہاں تک کہ مسجد شریف میں آئے دیکھا کہ لوگ پریشان حال ہیں کسی کی طرف توجہ نہ دی اور نہ کسی سے بات کی سیدھے حجرۂ عائشہؓ میں داخل ہو گئے اور حضور اکرمؐ کے چہرۂ انور سے چادر مبارک اٹھائی اور نورانی پیشانی کو بوسہ دیا' ایک روایت میں ہے کہ اپنے مُنہ کو حضور اکرمؐ کے دہن اقدس پر رکھا' بوسہ دیا اور بوئے مرگ کو سونگھا۔ فرمایا کی "وانبیاہ" اس کے بعد سر اٹھایا اور رونے لگے۔ دوسری مرتبہ بوسہ دیا اور کہا "واصفیاہ" پھر سر اٹھایا اور رونے لگے' تیسری مرتبہ پھر بوسہ دیا اور کہا' واخلیلاہ' اور کہا: بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ ہر حال میں خوش و پاکیزہ رہے حیات میں بھی اور وفات میں بھی اور کہا: لَا یَجْمَعُ اللّٰہُ عَلَیْکَ مَوْتَتَیْنِ اَمَّا الْمَوْتَۃُ الَّتِیْ کُتِبَتْ عَلَیْکَ فَقَدْ وَجَدْتَّھَا۔ اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا لیکن وہ موت جو آپ پر لازم کی گئی تھی بلاشبہ اسے آپ لے پالیا۔ اور آپ اس سے کہیں بزرگ تر ہیں جتنی آپ کی صفات بیان کی جائیں اور آپ اس سے بالاتر ہیں جتنا آپ پر رویا جائے۔ اگر اختیار کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہوتی تو ہم اپنی جانوں کو آپ پر قربان کر دیتے۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ آپ نے ہمیں میت پر بین کرنے سے منع فرمایا ہے تو ہم اتنا روتے کہ آنکھوں سے چشمے جاری ہو جاتے۔ اے خدا ہماری طرف سے

سلام پہنچا، اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں اپنے رب کے پاس یاد رکھنا"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قول لَا یَجْمَعُ اللّٰہُ عَلَیْکَ مَوْتَتَیْنِ میں بعض اختلاف کرتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے اس سے اس قول کے رد کی طرف اشارہ ہے جس میں یہ گمان کیا گیا تھا کہ عنقریب حضور اکرمؐ تشریف لائیں گے۔ اور لوگوں کے ہاتھ کاٹیں گے۔ اس لئے اگر دوبارہ آنا صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ دو مرتبہ موت آئیگی اس لئے خبردار کیا کہ آپ اس سے برتر ہیں کہ حق تعالےٰ آپ پر دو موتیں جمع فرمائے۔ جس طرح کہ ان لوگوں پر جمع کیا جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر سے نکلے یہ ہزاروں تھے۔ پھر حق تعالیٰ نے انہیں موت دی۔ اس کے بعد ان کو زندہ کیا۔ یا اس شخص کی مانند جو بستی پہ گزرا۔ اور اس نے کہا کہ کس طرح حق تعالیٰ زندہ فرمائے گا تو حق تعالیٰ نے اسے موت دی پھر حق تعالیٰ نے اُسے دوبارہ زندہ کر دیا۔ جس طرح کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا پورا قصہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی قبر میں دوسروں کی مانند دوبارہ موت نہ آئیگی جس طرح کہ دوسروں کو منکر ونکیر کے سوال کے لئے زندہ کیا جاتا ہے پھر انہیں مار دیا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دوسری موت سے مراد آپ کی شریعت ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہے گی۔ بعض کہتے ہیں کہ دوسری موت سے مراد کرب واندوہ ہے مطلب یہ کہ آج کا کرب واندوہ برداشت کر لینے کے بعد مزید کوئی اور کرب واندوہ نہ ہو گا جس طرح کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے جواب میں فرمایا کہ: لَا کَرْبَ عَلٰی اَبِیْکَ بَعْدَ الْیَوْمَ آج کے بعد تمہارے والد پر کوئی تکلیف نہیں ہے"۔ فتح الباری میں یہ تمام معانی بیان کئے گئے ہیں۔

صاحبِ مواہب نے فرمایا ہے کہ قول اول زیادہ واضح اور تمام جوابات میں زیادہ سلیم ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اس اعتبار سے ہو کہ الفاظ ظاہر پہ محمول ہوتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ آپ پر مشیتِ الٰہی جاری ہونے کے بعد دوسری موت نہیں ہے۔ مراد وقت موت اور اس کے بعد زندہ کرنا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ میں اپنے رب کے نزدیک اس سے بزرگ تر ہوں کہ مجھے قبر میں چالیس روز چھوڑا جائے اور اس کے بعد حیات باقی ومستمر ہو گی۔ اور اس پر ظاہری موت نہ ہو گی۔ یہ بات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات مستمرہ کی طرف اشارہ ہے۔ یہ مسئلہ تاریخ مدینہ میں شرح اور مبین کر دیا گیا ہے اگر خدا نے چاہا تو اس کتاب کے آخر میں بھی ذکر کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاشانۂ اقدس سے باہر آئے اور حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ لوگوں کے درمیان کھڑے فرما رہے ہیں کہ حضور اکرمؐ نہ تو فوت ہوئے ہیں اور نہ ہونگے جب تک کہ منافقوں کو قتل نہ کر دیں۔ ان منافقوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد فتنہ انگیزی برپا کر رکھی تھی اور شوریدہ سری پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا "یک لحظہ بیٹھو" مگر حضرت عمرؓ ابا لائے۔ پھر حضرت صدیقؓ نے فرمایا " اے لوگو! جان لو کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا اور اپنے حبیب صلے اللہ علیہ السلام سے خطاب فرمایا کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اے حبیب آپ کو بھی موت آنی ہے۔ اور یہ لوگ بھی مرنے والے ہیں۔ اور فرمایا، وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے (دنیا میں) ہمیشہ رہنا نہ بنایا۔ تو اگر آپ انتقال فرما جائیں تو یہ کیا ہمیشہ رہیں گے۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر آئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر تمام لوگ حضرت صدیق اکبرؓ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا۔ جو حمد و ثنائے الٰہی اور درود بر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر مشتمل تھا اس کے بعد فرمایا۔ جو کوئی حضور اکرمؐ کی پرستش کرتا تھا تو وہ جان لے کہ حضور اکرمؐ وفات پا گئے۔ اور جو کوئی حق تعالیٰ کی پرستش کرتا ہے وہ اب بھی موجود و زندہ ہے اس پر کبھی موت نہ آئے گی۔ اور یہ آیۂ کریمہ تلاوت کی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ۔ اور نہیں ہیں محمدؐ مگر اللہ کے رسول، بیشک آپ سے پہلے رسول گزرے، تو کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے۔" اور تلاوت فرمائی اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اے حبیب آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی مرنا ہے"۔ اس کے بعد لوگوں کو یہ دونوں آیتیں یاد آگئیں اور ایسا خیال کیا کہ گویا یہ دونوں آیتیں آج ہی نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ وہ دو آیتوں کو ہر گلی کوچے میں پڑھتے پھرتے تھے۔

اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی خطبہ دیا اور فرمایا "اے لوگو! وہ بات جو میں نے پہلے کہی تھی وہ ویسی نہیں ہے جیسی کہ میں نے کہی۔ خدا کی قسم میں نے وہ بات نہ کتاب

الٰہی میں دیکھی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلّم کے عہد یعنی سنت میں دیکھی۔ لیکن ہماری آرزو تو یہ تھی کہ حضور اکرمؐ ہم میں زندہ رہتے اور ہمارے معاملات کی تدبیر فرماتے اور ہمارے بعد دنیا سے تشریف لے جاتے۔ مگر حق تعالیٰ نے اپنے رسول اکرمؐ کے لئے وہی اختیار فرمایا جو اس کی مرضی تھی۔ اور جو تمہاری تمناؤں کے خلاف ہے۔ یہ کتاب الٰہی ہے جس کے ذریعہ اپنے رسول کی ہدایت کی گئی ہے۔ لہٰذا اسے تھام لو تاکہ سیدھی راہ پر قایم رہو۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی گئی"۔

ابو نصر نے فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا پہلی بات کہنا اور ان کا حال ایسا ہو جانا عظیم فتنہ کے خوف اور منافقوں کی شوریدہ سری کے رونما ہونے کے سبب سے تھا تھا پھر جب انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یقین کی قوت کا مشاہدہ کیا تو اس سے تسکین پائی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا گویا میں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ یہاں تک کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میں نے سُنی تو مجھ پر لرزہ اور کپکپی طاری ہوگئی۔ اور میں گر پڑا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ گویا ہمارے چہروں پر پردہ پڑا ہوا تھا جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ نے اٹھا دیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ کے رہنے والے اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دل، حضور اکرمؐ کی وفات پر جم گیا۔ وہ استرجاع کرنے لگے اور کہنے لگے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ؕ

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہلِ بیتِ اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعزیت و تسلّی بجالائے۔ اور فرمایا "تم اہل بیت رسول ہو غسل، اور تجہیز و تکفین کا تعلق تم سے وابستہ ہے اس کا تم انتظام کرو۔ اور خود اکابر مہاجرین اور اشرافِ انصار کو لے کر سقیفہ بنی ساعدہ میں امرِ خلافت کو طے کرنے میں مشغول ہو گئے۔ چونکہ امرِ خلافت اہم دینی معاملہ اور وقوعِ خلاف و نزاع اور موجب انتظام و انصرام مہام اسلام کا واقعہ تھا۔ اس سلسلہ کی تفصیلی بحث اپنے محل میں مذکور ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مہاجرین و انصار میں اختلاف رونما ہو گیا تھا۔ دونوں کہنے لگے تھے کہ ہم میں سے امیر ہو یا تم میں سے۔ اس کے بعد حدیث مبارک اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ سے امامت کو قریش کے حق میں ہونا ثابت ہو گیا۔ چونکہ صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقدم و رجحان بیٹھا ہوا تھا خصوصًا

حضور اکرمؐ کے زمانۂ علالت میں نماز کے لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھانے سے یہ خیال پختہ ہو گیا تھا چنانچہ دینی و اسلامی معاملات کے لئے بھی حضرت صدیقؓ پر اتفاق ہوا اور اس پر اجماع منعقد ہوا۔

تنبیہ!۔ پہلے گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مرضِ موت میں سکرۃ موت کی سختی و شدت پیش آئی۔ اور حضور اکرمؐ نے فرمایا: اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ اے خدا سکرات موت پر میری مدد فرما۔" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ" سے مروی ہے کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موت کی شدت دیکھی ہے۔ میں اس شخص کی موت پر رشک کرتی ہوں جو آسانی سے مرجاتا ہے۔ اگرچہ میں جانتی ہوں کہ شدت سے مرنا بہتر ہے اس لئے کہ آسانی سے مرنا بہتر ہوتا تو حق تعالےٰ اپنے حبیب کے لئے اس کو ہی اختیار فرماتا۔" اس مسکین (یعنی شیخ محقق رحمہ اللہ) کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات گراں معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر کون سی شدت تھی یہی تو تھا کہ ایک پانی کا بھرا ہوا پیالہ رکھا تھا اور حضور اکرمؐ اس میں دست مبارک ڈال کر اپنے روئے انور پر پھیرتے تھے اور آپ کے رخسار شریف کے رنگ میں خاص تغیر واقع ہو رہا تھا۔ اور آپ کے روئے انور پر پسینہ آجاتا تھا۔ یہ کونسی شدت ہے۔ شدت تو وہ ہے جو لوگوں کو موت کے وقت میں لاحق ہوتی ہے۔ وہ شدت اور ہی قسم کی ہے بہر تقدیر، وہ خاص تغیر وجود شریف کو لاحق ہوا، عام لوگوں کے ذہنوں میں جو علو مقام راسخ ہے اس کے لحاظ سے اس کا مقتضی ہے کہ یہ بھی نہ ہوتا۔ بعض عرفا نے اس ضمن میں بلند کلام متعدد وجوہ سے بیان کیا ہے جو حضور اکرمؐ کے اظہار حال مبارک اور اس مطلب کی وضاحت میں نفیس ترین ہے "جزاہ اللہ خیرا" اول وجہ، الم و کرب اور شدت کے پانے میں یہ ہے کہ اگر اس کو سکرات موت سے موسوم کریں تو بسبب اعتدال مزاج بھوک اور ادراک واحساس کے قوی ہونے کے سبب سے تھا۔ چونکہ مزاج مبارک نبوی غایت درجہ توسط و اعتدال میں تھا لامحالہ الم کا احساس و ادراک اکثر اور اس کے آثار و علامات اتم اور فر تھے۔ اسی بنا پر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے بخار اتنی شدت کا چڑھتا ہے جتنا تم میں سے دو شخصوں کے ہوتا ہے اور جب ترازو کے دونوں پلڑے معتدل و برابر ہوں اور دونوں پلڑوں میں سے کچھ چیز حاصل ہو اگرچہ یہ اقل قلیل ہی ہو تو میل وانحراف کسی ایک پلڑے کا ضرور ظاہر ہوگا۔ وجہ ثانی یہ کہ کرب و الم بہ سبب

روح کا بدن شریف سے قوی تعلق اور بدن اقدس کا آپ کی روح مطہر کے ساتھ غایت درجہ محبت رکھنے کی بنا پر تھا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا مزاج مبارک، صورتِ حیات اور قوام حقیقت نورانیہ میں مادۂ اصلیہ تھا اور جب جسمِ اقدس اور روحِ مطہر سے وہ تعلق منقطع ہونے لگا تو اس کی جدائی کا الم، غایتِ عشق و محبت اور اس تعلق کے جو دونوں میں موجود تھا سخت و شدید معلوم ہوا۔ وجہ ثالث یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اس قسم کی حالت وصفت جاری ہونے میں امت مرحومہ کے لئے اس قسم کے شدائد کے نزول میں وجہ تسلی موجود ہے کہ آپ کے خدا کے حبیب ہونے اور ساری مخلوق سے اعزو اکرم ہونے کے باوجود آپ پر ایسی شدید صورت و کیفیت طاری ہوئی۔ تاکہ امت کے لئے آسانی ہو اور وہ سکرات کی شدت برداشت کرسکے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں اس طرف اشارہ ہے۔ وجہ رابع یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حقیقت شریفہ، جامع حقائق تمامہ امت بلکہ تمام کائنات ہے۔ اور منشاءِ وجوداتِ اصلیہ وفرعیہ ہے اور تمام حقائق، جواہر واعراض، ارواح واجسام میں جاری ہیں۔ لہٰذا گویا آپ کی روحِ شریف کی جسدِ لطیف سے جدائی، ہر روح کی ہر جسدِ ذی حیات سے جدائی ہے۔ اس بنا پر جو شدت و کربت حاصل ہوئی وہ بہت کے مقابلہ تھوڑا اور دریا کے مقابلہ میں قطرہ ہے۔ وجہ خامس یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم امت کے تمام اعمال اور ان کے تمام اثقال کے حامل اور اٹھانے والے ہیں۔ ساری امت کا رجوع آپ کی طرف ہے اور سب کی پناہ آپ کے دامنِ اقدس میں ہے۔ جیسا کہ حق تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ اس بارے میں شاہد وناظر ہے۔ لہٰذا ان کے اعمال واثقال کا اثر اور ان کے غم واندوہ کا نشان اس وقت میں ظاہر ہوا کیونکہ یہ محل اعمال واثقال کے برداشت کا ہے۔ اسی وجہ سے جب جبریل علیہ السلام امت کے بخشے جانے کی بشارت لے کر آئے تو پائے راحت بالین استراحت پر رکھا اور روئے مبارک بعالمِ ثانی لائے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ وجہ سادس یہ ہے کہ یہ انسان کی دائمی عادت ہے کہ جب اسے مملکت وخلافت اور امور سلطنت کی ولایت سونپی جاتی ہے اور پھر اسے بارگاہ میں بلایا جائے اور دوسری مملکت اسے سونپی جائے تو لامحالہ اسے بارگاہ میں حاضر ہونے میں سوال وجواب کی فکر اور تردد اور رد وبرد ہونے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ ہر چند کہ تمام اکناف وآفاق میں اس کے تمام معاملات علی

الاطلاق آپ کو تفویض فرمائے گئے ہیں اور بہر حال و بہر لحاظ اس کے حساب وکتاب سے آپ کو بخشدیا گیا ہے۔ اس کے باوجود سلطانی ہیبت و دہشت موجود تھی کہ کیا سرانجام ہو گا۔

شیخ اجل اکرم عبدالوہاب اپنے شیخ بزرگ شیخ علی متقی قدس سرہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ بوقت رحلت فرماتے تھے اگر تم ہم میں سکراتِ موت کی شدت دیکھو تو دلگیر نہ ہونا اور کوئی خیال دل میں نہ لانا کیوں کہ یہ شدت، لازمۂ مرتبۂ قطبیت اور عہدہ داری ہے۔ (واللہ اعلم)

وجہ سابع جو خلاصۂ وجوہ مذکورہ اور حاصل قضایائے متعددہ ہے یہ کہ حق سبحانہٗ وتعالے نے اس وقت اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو تجلیات صمدیت، تنزلات احدیت سے جو متمکن درعنایت قدس صفات اور مشاہدۂ رفیعہ باسمار وصفات تھے) تحفہ فرمائے۔ اور کوئی شک نہیں ہے کہ ان تنزلات کے بوجھ کے ماتحت ماندہ ہوجانا اور ان فتوحات کو بہت عظیم معلوم ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ وحی اور نزول قرآن کریم کے وقت آپ کی حالت ہوجاتی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا خود روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر جب شدید موسم سرما میں وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ بہنے لگتا تھا، اور حق تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ:- اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝ بیشک ہم آپ پر بھاری قول اتاریں گے۔ لہٰذا وہ موت جو بافاضات الٰہیہ حیات ابدی ہے اور اس کے سکرات کا مشاہدہ کیا تھا جو کہ جسمانی عدمِ گویائی کی بنا پر ظاہر ہوتے تھے۔ یہ محض عالمِ عیاں کی قبیل سے سکرات کی ظاہری شدت کی صورت میں تھے۔ اس سبب کا خلاصہ و نتیجہ یہ ہے کہ اس حالت میں بیشمار خاص وحی نازل ہوئی تھیں، بلکہ وحی کے اختتام اور اتمام کا محل تھا۔ وجہ ثامن یہ ہے کہ یہ وقت حق تعالیٰ جل وعلیٰ کی خاص لقا کا تھا۔ اور وہ خشیت و ہیبت و اجلال تھا جو معرفت و عبودیت اور قربِ حضورِ ذی الجلال میں اس حال و وقت کے مناسب تھا اور یہ تمام خصوصیات کسی اور حالت و وقت میں نہ تھیں۔ وجہ تاسع یہ کہ یہ بیقراری، لقائے روحی کے شوق میں تھی جو لقائے سبوحی کی طرف جلد نرجانے کی بنار پر حاصل تھی۔ گویا کہ آپ چاہتے تھے کہ یہ روح، عالمِ ناسوت سے نکل کر جلد تر غیبت لاہوت میں داخل ہوجائے۔ لامحالہ عالمِ طبیعت کے غلبہ اور مزاج بشریت کے ضغطِ حضیضی سے وہ

حالت رونما ہوئی تھی جس سے انفعال قوی ہوتا اور اس حال کا غلبہ ظاہر ہوتا ہے اور اس طرف اپنے اس قول میں اشارہ بھی فرمایا ہے کہ: مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ جو اللہ کی لقاء کو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لقاء کو چاہتا ہے۔ وجہ عاشر یہ کہ یہ شدت اس عالم والوں کے تعلقات کا پرتو تھا۔ جو کہ حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں ان کے لئے ایک حصہ تھا اور وہ حصہ ان کے درمیان موجود رہنے کی صورت میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا امداد و اعانت فرمانا ہے۔ اور حضور اکرمؐ کی حیات ہر موجودات کی حیات ہے۔ اور حقیقت کے مرأت یعنی آئینہ سے ان تعلقات کو منقطع کرنا ہے اور کون سے آئینہ سے جو کہ اپنی چمک دمک اور صفائی و تابانی میں بے نظیر ہے اور جہاں کا کوئی آئینہ ایسا صاف و مجلے نہیں۔ اور یہ تعلقات حضور اکرمؐ کے ارتحال و انتقال کی نقیض ہیں تو یہ دونوں نقیضیں، ضدیں اپنی اپنی حالت میں ایک دوسرے پر عمل کرتی ہیں اور کشمکش پیدا کرتی ہیں۔ اس وجہ سے ضغطہ یعنی دباؤ اور تنگی رونما ہوتی ہے۔ وجہ احد عشریہ کہ یہ حق تعالیٰ عزو علی کا اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف عبودیت پر جو کہ اشرف اوصاف اعظم محاسن و محامد ہے القاء و اجراء کے سبب ہے۔ اسی بنا پر جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بادشاہت اور عبودیت کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے عبودیت کو اختیار فرمایا۔ اور فرمایا کہ میں پسند کرتا ہوں کہ ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں۔ اور کھانا اس طرح کھاؤں جس طرح کہ غلام کھاتے ہیں، اور بیٹھوں اس طرح جس طرح غلام بیٹھتے ہیں اور مقتضائے مزاجِ عبودیت، اوامر و احکام شرعیہ کے پہلو میں، آرام و راحت نہ پانا اور شدائد و تکالیف کا نازل ہونا ہے۔ بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حصۂ بشریت کے احکام ظاہر ہوتے تھے اور انسانوں کی ہی مانند بچے کے گم ہونے پر روتے اور فرماتے تھے کہ: "اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَاِنَّ الْقَلْبَ تَحْزَنُ بیشک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور دل غمگین ہوتا ہے۔" لہٰذا اس حصۂ بشریت کا ابقاء اور اس کے لوازم و شدائد کا ادراک ہے۔ اور یہ اوصاف بشریت کی بزرگی و شرافت اور اس کے تحقق کے لئے ہے۔ جو کہ جالب ضراحت اور داعی افتقار و انکسار ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی سطوت اور اس کی ربوبیت ظاہر ہوتی ہے۔

# باب سوم

## غسل، تجہیز و تکفین اور نماز گزارنے کے بیان میں

چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے زمانۂ علالت میں فرمایا تھا کہ مجھے میری اہل بیت کے مرد حضرات غسل دیں۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی فرمایا کہ غسل اور تجہیز و تکفین کا کام ان سے متعلق ہے۔ لامحالہ اہلِ بیت اطہار، حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عباس رض وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کام میں مشغول ہوئے۔ حضرت عباس رض نے فرمایا کہ "حجرۂ مبارک کا دروازہ غیر اہل بیت پر بند کر دیا گیا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو کس طرح غسل دیا گیا تھا۔" فرمایا حضرت عباس رض نے کلہ پر بردیمانی باندھا، اسی بنا پر غسل کے لئے کلہ باندھنا ہمارے لئے سنت ہوا۔ (کلہ چاروں طرف چادر تاننے کو کہتے ہیں) اس کے بعد کلہ میں حضرت عباس رض داخل ہوئے اور حضرت علی مرتضیٰ رض اور حضرت فضل رض و قثم رض کو (جو حضرت عباس رض کے فرزندان تھے) بلایا ایک روایت میں ہے کہ بجائے قثم رض کے حضرت ابوسفیان رض بن الحارث کو بلایا۔ اور اسامہ رض بن زید جو حب رسول اللہ تھے اور اہلِ بیت کا حکم رکھتے تھے اور حضور اکرم ؐ کے غلام حضرت صالح حبشی جن کا لقب شقران ہے جمع ہوئے اور حضور اکرم ؐ کو اس کلہ میں لائے تاکہ غسل دیں۔ اس کے بعد ان سب پر اور دیگر تمام لوگوں پر جو کہ گھر کے اندر تھے اور کلہ کے باہر تھے اونگھ طاری ہوئی کسی منادی نے اطلاع کی کہ غسل نہ دو کیونکہ خدا کے نبی اس سے پاک ہیں اور انہیں غسل کی حاجت نہیں ہے۔ ہر چند کہنے والے کو تلاش کیا گیا مگر معلوم نہ ہو سکا۔ اور سب نے چاہا بھی کہ ایسا ہی کریں اور غسل نہ دیں۔ مگر حضرت عباس رض نے فرمایا "ایسی آواز

کی بنا پر جس کی حقیقت کو ہم نہیں جانتے کہ کہاں سے آئی ہے سنت کو ترک نہیں کر سکتے پھر ان سب پر دوسری مرتبہ اونگھ طاری ہوئی اور ندا آئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو غسل دو کیوں کہ پہلی ندا کا بولنے والا ابلیس تھا۔ اور میں خضر (علیہ السلام) ہوں۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آواز غسل نہ دینے کی کلہ باندھنے سے پہلے تھی اور جب غسل دینا طے پاگیا تو کلہ باندھا گیا۔ اور حضور اکرمؐ کو کلہ میں لے گئے۔ اس وقت ان اصحاب میں ایک اور اختلاف واقع ہوا کہ آیا حضور اکرمؐ کو حضور اکرمؐ کے لباس میں ہی غسل دیں یا جس طرح دیگر اموات کو برہنہ کرتے اور غسل دیتے ہیں ویسا کریں۔ اس وقت پھر ان پر اونگھ طاری کی گئی اور وہ اس طرح اونگھے کہ جھک کر ان کی تھوڑیاں ان کے سینہ پر آگئیں۔ اچانک کسی نے گھر کے گوشہ سے آواز دی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہ کرو اور پیراہن مبارک میں ہی غسل دو۔ مروی ہے کہ جب حضرت عباسؓ نے چاہا کہ غسل دیں تو چہار زانو ہو کے بیٹھے اور علی مرتضیٰؓ کو بھی چہار زانو بٹھایا۔ یہاں تک کہ حضور اکرمؐ کو اپنی آغوش پر بٹھا لیا اس وقت پھر ندا آئی کہ رسول اللہؐ کو آپ کی کمر شریف پر لٹادو اور غسل دو۔ اس پر حضرت عباس وعلیؓ نے حضور اکرمؐ کو اس طرح لٹایا کہ آپ کا سرِ مبارک جانبِ مشرق اور قدمہائے اقدس جانبِ مغرب تھے حضرت علی مرتضیٰؑ غسل دینے میں مشغول ہو گئے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے حضور اکرمؐ کو اپنے سینہ پر لیا اور ہاتھوں میں دستانے پہن کر ہاتھوں کو پیراہن مبارک کے اندر داخل کیا۔ اسامہؓ اور شقرانؓ، قمیص مبارک کے اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ اور حضرت عباسؓ وقثمؓ، ایک پہلو سے دوسرے پہلو پر لے جانے پر حضرت علی مرتضیٰؓ کی اعانت وامداد کرتے تھے۔ اور غیب سے بھی غسل میں اعانت واقع ہوئی۔ چنانچہ انہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی اور ہاتھ اپنے ہاتھ سے ملاقی ہوتا ہے۔ ان سب کی آنکھوں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ غیب سے اور پردہ کے پیچھے سے ایک آواز آئی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نرمی برتو۔" حضرت علی مرتضیٰؑ کو وصیت تھی کہ تمہارے سوا کوئی اور غسل نہ دے اور نہ کوئی میرا ستر دیکھے، اگر خلاف ورزی ہوئی تو اس کی بینائی جاتی رہے گی۔ حضور اکرمؐ کے جسم اقدس سے کوئی شے برآمد ہوئی جس طرح کہ دوسرے لوگوں کے شکم وغیرہ سے خارج ہوتی ہے۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ نے عرض کیا "یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کتنی صفائی اور کتنی خوشبو ہے حیات میں

بھی اور ممات میں بھی"۔ اور حضور اکرمؐ کو تین۳ مرتبہ پاک وصاف پانی بیری کے پتے اور کافور کے پانی سے غسل دیا گیا۔ ابن ماجہ نے بسندِ جید حضرت علیؓ سے نقل کیا فرمایا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب مجھے غسل دو تو بیرِ غرس کے پانی کے سات مشکیزے سے دینا۔ بیرِ غرس (بفتح غین وسکون را) یہ ایک کنواں ہے جو مدینہ طیبہ سے شمال کی جانب نصف میل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ بہت بڑا کنواں ہے اور اس میں ذہ درذہ سے زیادہ پانی ہے یہ مدینہ طیبہ کے ان سات کنوؤں میں سے ایک کنواں ہے۔ جو زمانہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے آج تک باقی ہیں۔ اس کے پانی پر سبزی غالب ہے۔ اس میں سیڑھیاں ہیں جس کے ذریعہ کنویں میں داخل ہوتے ہیں۔ اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی ہے کہ حضور اکرمؐ نے اس کنویں کا پانی پیا تھا۔ اور اس سے وضو کیا تھا اور وضو کے بقیہ پانی کو اسی میں ڈالا گیا تھا ابن حبان نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے کہ انس بن مالک بیرِ غرس سے پانی کھینچ رہے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اس کا پانی پیا اور وضو فرمایا ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے بہشت کے ایک کنویں پر صبح کی ہے تو حضور اکرمؐ نے بیرِ غرس پر صبح کی اور وضو فرما کر اپنا لعاب دہن اس میں ڈالا۔ اس وقت بطورِ ہدیہ کہیں سے شہد آیا ہوا تھا اسے بھی اس کنویں میں ڈال دیا۔ ابن ماجہ بسندِ جید روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد از وفات مجھے میرے کنویں کے پانی سے یعنی بیرِ غرس کے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت علی مرتضیٰؓ سے فرمایا جب میں اس عالم سے سفر کروں تو بیرِ غرس کے سات مشکیزے پانی سے جن کا دہانہ کھلا ہوا ہو غسل دینا (انتہی) اور یہ زمانۂ علالت میں بھی مروی ہے کہ حضور اکرمؐ سات مشکیزے پانی سے غسل فرما کر باہر مسجد میں تشریف لائے۔ اور یہ پانی بھی اسی کنویں کا ہوگا (واللہ اعلم)

بعض شراحِ حدیث کہتے ہیں کہ یہ اس بنا پر تھا کہ دفعِ سحر میں سات کی گنتی کی خاص تاثیر ہے۔ جس طرح کہ زہر اور سحر کے علاج میں آیا ہے کہ مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجور کے سات دانے کھائے۔

مروی ہے کہ غسل کے وقت، حضور اکرمؐ کی پلکوں کے نیچے اور ناف کے گوشہ میں پانی جمع ہو گیا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس پانی کو اپنی زبان سے چوسا اور اٹھایا حضرت علی مرتضیٰؓ

فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے مجھ میں علم کی کثرت اور حافظہ کی قوت زیادہ ہے۔

جب غسل مکمل ہوگیا تو مقامِ سجدہ اور مفاصل شریف کو خوشبو سے معطر کیا گیا اور تین مرتبہ اگر کی دھونی دی گئی۔ اس کے بعد اٹھا کر سر پر پلٹا دیا گیا۔ مروی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے کسی قدر مشک اور عطر اپنے فرزندوں کے سپرد کیا اور وصیت کی کہ اس کو میرے کفن میں لگانا کیونکہ یہ خوشبو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حنوط سے بچائی ہوئی ہے۔

## تکفین کی کیفیت

وصل: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو تین سفید سحولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سحولی منسوب بہ سحول بمعنی قصار ہے۔ اور یہ روایت کپڑے کے سفید اور دھلے ہونے میں زیادہ مشہور و معروف ہے۔ سحل سفید دھلے ہوئے کپڑے کو کہتے ہیں۔

ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ سحل، سحول کی طرف منسوب ہے جو یمن کے ایک قریہ کا نام ہے نیز منسوب بہ سحول جمع سحل بمعنی جامعہ سعید بھی مروی ہے۔ یہ کپڑا روئی کا ہوتا ہے۔ ایک اور حدیث میں "من کرسف" آیا ہے۔ کرسف پنبہ یعنی روئی کو کہتے ہیں اور ایک قریہ کا نام بھی بتاتے ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ دو سفید کپڑے تھے اور اور ایک یمنی چادر ترمذی نے کہا کہ "حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کفن میں روایتیں مختلف مروی ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث، اصح احادیث ہے اور اکثر اہل علم صحابہ کرام وغیرہ کا اس پر عمل ہے۔

بیہقی نے حاکم سے نقل کر کے کہا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عائشہؓ حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عبداللہ بن مغفلؓ سے حدیثیں حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں کہ حضور اکرمؐ کے کفن میں تین کپڑے تھے۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں ہے۔ اور قمیص عمامہ کے ان میں نہ ہونے کے قول کے مفہوم میں اختلاف کیا ہے اس عبارت کا ظاہری مفہوم تو یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے کفن میں قمیص اور عمامہ سرے سے تھے ہی نہیں۔ اور دوسرا مفہوم یہ لیتے ہیں کہ تین کپڑوں میں کفن دیا گیا اور قمیص و عمامہ ان تین کپڑوں سے زیادہ تھا۔ یہ مفہوم عبارت کے صریح خلاف واقع ہے۔ اس لئے کہ یہ ثابت شدہ نہیں ہے کہ حضور اکرمؐ کے کفن میں قمیص اور عمامہ بھی شامل تھا۔ اور اسی بنا پر کفن میں قمیص و عمامہ شامل ہونے کے بارے میں ائمہ کا اختلاف مترتب ہے کہ آیا یہ مستحب ہے یا نہیں، لہٰذا امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ فرماتے

ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ تین کپڑے ہونے چاہئیں ان میں قمیص اور عمامہ نہ ہو۔ چنانچہ وہ قمیص و عمامہ وغیرہ کی زیادتی کو جو کہ تین لفافوں کے سوا ہو مکروہ کہتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جائز اور غیر مستحب ہے۔ اور احناف کہتے ہیں کہ تین کپڑے ہیں ازار، قمیص اور لفافہ اور متاخرین علماء احناف علماء اہل سنت کے لئے عمامہ جائز رکھتے ہیں۔ اور کفن ہمارے مذہب میں تین کپڑے ہیں اور دو بھی کافی ہیں اور ضرورت کے وقت جو بھی میسر ہو۔ ایک اور روایت میں حضور اکرمؐ کے کفن میں سات کپڑے بھی آئے ہیں یہ روایت ضعیف ہے بلکہ کہتے ہیں کہ بعض روایتوں سے یہ وہم لاحق ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم)

جس قدر بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس پر قمیص تھی اور اس میں ہی غسل دیا گیا تھا وہ کفن میں داخل نہ تھا لہٰذا وہ حدیث جو سنن ابوداؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں کا کفن دیا گیا دو کپڑے اور ایک وہ قمیص مبارک جو وقت وفات آپ کے جسم اقدس پر تھی۔ اس روایت میں ضعف ہے صحیح نہیں ہے۔ صحیح وہی ہے جو مذکور ہوئی۔ اس لئے کہ یزید بن زیاد اس حدیث میں ایک راوی ہے جس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے خصوصاً اس حدیث میں جہاں اس کے برخلاف ثقہ راویوں سے حدیث موجود ہو۔ البتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرضِ وفات میں گئی تو میں نے ان کے لباس پر نظر ڈالی جس میں وہ علیل ہوئے تھے تو وہ زعفران سے رنگا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا "اس لباس کو دھو دینا اور دو کپڑے اور بڑھا کر ان تین کپڑوں میں مجھے کفن دیدینا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "میں نے عرض کیا یہ کپڑا جو آپ زیب تن کئے ہوئے ہیں پرانا ہے۔" فرمایا "زندہ زیادہ لائق و سزاوار ہے نئے کپڑے کا بہ نسبت مردے کے۔ (رواہ البخاری)

## حضور اکرمؐ کی نماز ادا کرنا

وصل: لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز ادا کرنا جماعت کے ساتھ نہ تھا بلکہ ایک جماعت آپ کے قریب آتی اور بغیر جماعت کے نماز پڑھتی اور نکل جاتی پھر دوسری جماعت آتی اور پڑھتی تھی۔ اور آپ کا جسدِ اقدس اسی حجرۂ مبارک میں تھا جہاں آپ کو غسل دیا گیا۔ سب سے پہلے مرد داخل ہوئے جب مرد فارغ ہو گئے تو عورتیں داخل ہوئیں اور عورتوں کے بعد بچے

آئے۔ جماعت میں صفوں کی ترتیب ہے۔ اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے نماز جنازہ کی کسی نے امامت نہ کی۔

امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جنازہ شریف پر کسی نے امامت نہ کی اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایام حیات و ممات میں تمہارے امام ہیں اور یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے کہ متعدد نمازیں ہوئیں اور تنہا تنہا لوگوں نے پڑھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے جنازہ شریف کی نماز پڑھی وہ اہل بیت نبوت تھے حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت عباسؓ اور بنو ہاشم رضی اللہ عنہم۔ اس کے بعد مہاجرین اور ان کے بعد انصار آئے۔ پھر اور لوگ جماعت کی جماعت داخل ہوتی اور نماز ادا کرتی جاتی تھی۔

روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت سے پہلے لوگوں کو اپنی وفات کی خبر دیدی تھی لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ آپ کو کون غسل دے گا فرمایا "میرے اہل بیت میں سے وہ جو مجھ سے زیادہ نزدیکی رکھتا ہے۔ لوگوں نے دریافت کیا کن کپڑوں میں ہم تکفین کریں۔ فرمایا ان کپڑوں میں جو میں زیب تن کئے ہوئے ہوں۔ یا مصری کپڑوں میں یا یمانی چادروں میں یا سفید کپڑوں میں۔ مطلب یہ کہ جو بھی میسر ہو۔ پھر لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ پر کون نماز پڑھے یہ کہہ کر سب رونے لگے اور خود حضور اکرمؐ پر بھی گریہ طاری ہو گیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "صبر کرو۔ جزع و فزع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے اور تمہارے گناہوں کو بخشے اور میری جانب سے تمہیں جزائے خیر دے اور فرمایا "جب تم مجھے غسل دے چکو اور کفن پہنا دو تو مجھے میری قبر کے پاس اس حجرے میں چھوڑ دینا اور کچھ عرصہ کے لئے میرے پاس سے باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے جو میری نماز جنازہ پڑھے گا وہ میرے دوست جبریل علیہ السلام ہوں گے۔ پھر میکائیل، پھر اسرافیل پھر ملک الموت گروہ ملائکہ کے ساتھ علیہم السلام۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ سب سے پہلے جو مجھ پر نماز پڑھے گا میرا رب ہے۔ اس کے بعد یہ فرشتے جن کا ذکر ہوا۔ اس کے بعد فوج در فوج آئیں اور نماز پڑھیں اور مجھ پر فریاد و نوحہ نہ کریں۔ اور نماز کی ابتدا میری اہلبیت کرے۔ بعد ازاں اہل بیت کی عورتیں۔ اس کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم۔ لوگوں نے پوچھا "یا رسول اللہؐ! قبر شریف میں آپ کو کون اتارے گا۔" فرمایا "میرے اہل بیت فرشتوں کی ایک جماعت

کے ساتھ جو ان کو دیکھتے ہوں گے اور وہ انہیں نہ دیکھ سکیں گے۔

علامہ ابن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا" رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر کتنی نمازیں پڑھی گئیں۔ انہوں نے فرمایا ستّر" لوگوں نے پوچھا" آپ کو یہ کہاں سے پتہ چلا" فرمایا اس صندوق سے جو امام مالکؒ نے اپنی تحریر سے چھوڑا اور وہ نافع سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس سے فرشتوں کے سوا اصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی نمازیں ہوں گی۔

اور تدفین میں تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات روز دو شنبہ (پیر کے دن) ہوئی تھی۔ اور روز سہ شنبہ پورا گزر گیا اور آپ کا تخت شریف آپ کے گھر میں رہا اور لوگ نماز پڑھتے رہے۔ آپ کو شبِ چہار شنبہ میں دفن کیا گیا۔

منقول ہے کہ جس وقت اہل بیت نے نماز پڑھ لی تو لوگوں کو معلوم نہ ہوا کہ کیا پڑھیں اور کیا دعا کریں۔ پھر لوگوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا" ابن مسعودؓ نے انہیں بتایا کہ تم حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے پوچھو۔ پھر انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم سے پوچھا آپ نے فرمایا:۔

## حضور اکرمؐ کی نماز کی دُعا

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ط

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ صَلَوٰتُ اللّٰهِ الْبَرِّ الرَّحِيْمِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ وَالنَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَمَا سَبَّحَ لَكَ مِنْ شَيْءٍ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ عَلٰى مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ۔ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاِمَامِ الْمُتَّقِيْنَ وَرَسُوْلِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الشَّاهِدِ الْبَشِيْرِ الدَّاعِىْ بِاِذْنِكَ السِّرَاجِ الْمُنِيْرِ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ۔

اس دُعا کو شیخ زین الدین مراعی نے اپنی کتاب تحقیق النفرہ میں بیان کیا ہے۔ اور روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور اکرمؐ کے جنازہ کی جانب کھڑے ہوئے اور عرض کیا" اے نبی گرامی آپ پر حق تعالیٰ کی رحمت و برکت نازل ہو۔ اے خدا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے وہ سب کچھ پہنچایا جو آپ پر نازل ہوا۔ اور اپنی امّت کے ساتھ نصیحت کے تمام حقوق ادا فرمائے۔ اور راہ خدا میں جہاد کیا۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے اپنے دین کو

غالب فرمایا۔" اے خدا ہمیں ان لوگوں میں بنا کہ ہم اس کی پیروی کریں جو آپ پر نازل ہوا۔ اور ہم کو اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن جمع فرما۔ لوگوں نے آمین کہی۔

**تدفین کی کیفیت**

وصل ! اب رہا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا دفن کرنا تو اس میں بھی اختلاف واقع ہوا کہ حضور اکرمؐ کو کہاں دفن کریں۔ ایک جماعت نے کہا کہ اس حجرے میں جہاں حضور اکرمؐ مقبوض ہوئے ہیں، ایک جماعت نے کہا مسجد شریف میں، ایک گروہ نے کہا بقیع کے مقبرہ میں اور کچھ لوگوں نے کہا" قدس" میں کیونکہ تمام نبیوں کی قبریں وہاں ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا" میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا کوئی نبی دفن نہیں کیا گیا مگر اسی جگہ جہاں کہ اس کی روح قبض کی گئی' ایک روایت میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ فرمایا روئے زمین پر کوئی خطہ خدا کے نزدیک اس خطہ سے گرامی تر نہیں ہے جس میں نبی کی روح کو قبض کیا گیا: اس کے بعد آپ کے بستر مبارک کو اٹھایا گیا۔ اور اسی خاص جگہ قبر کھودنا طے پایا۔

مدینہ طیبہ میں دو شخص قبر کھودنے والے تھے۔ ایک حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح جو بطریق شق جسے شامی بھی کہتے ہیں قبر کھودتے تھے اور دوسرے حضرت ابو طلحہؓ انصاری جو بطریق لحد قبر کھودتے تھے۔ اس پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا" اے خدا اپنے حبیب کے لئے وہ چیز اختیار فرما جو محبوب و مختار ہو۔ اور دو آدمی بھیجے ایک کو حضرت ابوعبیدہؓ کو بلانے کے لئے اور دوسرے کو حضرت ابو طلحہؓ کے بلانے کے لئے۔ اور فرمایا جو پہلے آجائے وہی اپنے طریقہ پر کام کرے۔ حضرت ابوعبیدہؓ اس شخص کو نہ ملے جو انہیں بلانے گیا تھا اور حضرت ابو طلحہؓ آگئے۔ اس کے بعد بطریق لحد، قبر تیار کی گئی۔

حدیث شریف میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَیْرِنَا۔ ہمارے لئے لحد ہے اور دوسروں کے لئے شق ہے۔" لنا" سے مراد مدینہ طیبہ والے ہیں اور" غیرنا" سے مراد غیر اہل مدینہ ہیں۔ یعنی مکہ مکرمہ وغیرہ کے لوگ۔ اس کی توجیہہ میں علماء فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی زمین سخت ہے اور وہ لحد کی صلاحیت رکھتی ہے۔ بلکہ اپنی اپنی پسند اور رواج کا معاملہ ہے اور مسنون بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس میں شک نہیں کہ جو کچھ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا گیا افضل ہوگا

اور بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر زمین سخت ہو تو لحد افضل ہے اور اگر زمین نرم و کمزور ہو تو شق افضل ہے۔ اور بعض علماء "لنا" سے ملتِ اسلامیہ کے لوگ اور "لغیرنا" سے اہل کتاب مراد لیتے ہیں۔ اور شق قبر کے درمیان میں کھودنے کو کہتے ہیں۔ اور اس وقت ہمارے شہروں میں قبر کے درمیان میں دیواریں نکالتے ہیں مگر حکم وسط قبر میں کھودنے کا دیتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

شب چہار شنبہ سحر کا وقت تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو قدم اقدس کی جانب سے قبر انور میں داخل کیا۔ اور اصح یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت عباس، حضرت فضل اور قثم رضی اللہ عنہم حضور اکرم کی قبر میں داخل ہوئے۔ حضرت قثم آخری شخص تھے جو آپ کی قبر انور سے باہر آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ آخری شخص جس نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا روئے انور قبر اطہر میں دیکھا میں تھا۔ میں نے قبر میں دیکھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے لبہائے مبارک کو جنبش فرما رہے تھے میں نے کانوں کو حضور اکرم کے دہن مبارک کے قریب کیا میں نے سُنا کہ آپ فرماتے تھے "رب امتی امتی" بحرین کی سرخ مخملی چادر جو خیبر کے روز حضور اکرم کو پہنچی تھی اور اسے آپ اوڑھتے تھے۔ اسے بچھایا گیا۔ کہتے ہیں کہ اس کا بچھانے والا شقران رضی اللہ عنہ تھا۔ اس نے کہا میں نا نہیں پسند کرتا کہ آپ کے بعد اسے کوئی دوسرا اوڑھے۔ امام نووی شافعی اور تمام اصحابِ شوافع اور دیگر علماء رحمہم اللہ بطور اعزاز قبر میں میت کے نیچے کپڑا یا بچھونا بچھانے کے مکروہ ہونے پر تنصیص کرتے ہیں اور امام بغوی شافعی فرماتے ہیں کہ "لاباس بہ" اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ اس حدیث سے ثابت ہے۔ اور درست کراہت ہی ہے چنانچہ جمہور کا مذہب یہی ہے، اور جواب دیتے ہیں کہ یہ فعل شقران کا تھا اور وہ اپنے فعل میں منفرد ہیں۔ اور کوئی صحابی ان سے متفق نہ تھا۔ وہ اس کام کے عالم نہ تھے، شقران رضی اللہ عنہ نے یہ کام اپنی طرف سے کیا تھا۔ اور اس نے اس کو مکروہ جانا کہ اسے حضور اکرم کے سوا کوئی اور اوڑھے یا بچھائے۔ ابن عبد البر نے کہا کہ آخر میں اسے قبر شریف سے باہر نکالا، اس روایت کو ابن زبالہ نے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ سیرت مغلطائی میں مذکور ہے۔ اگر یہ بات ہو بھی تو یہ حضور اکرم کے خصائص میں سے ہے یہ دوسروں کے لئے مکروہ ہے کہ ایسا نہ کریں۔

حضور اکرم کی قبر شریف، خشت خام سے بنائی گئی۔ اس کے بعد لحد مبارک پر

مٹی ڈالی گئی۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قبر شریف پر ایک مشکیزہ پانی چھڑکا اور سرہانے کی طرف سے چھڑکنا شروع کیا۔ اور حضور اکرمؐ کی قبر شریف زمین سے ایک بالشت جتنی اونچی کی گئی۔ ایک روایت میں چار انگل آیا ہے اور قبر انور پر سرخ و سفید سنگریزے جمائے گئے۔

دفن کے بعد جب صحابہ کرام سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے پاس آئے تو انہوں نے فرمایا "تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالو۔ صحابہ نے عرض کیا ٹھیک فرمایا اے بنتِ رسول اللہ، اے زہرا، ہم نے بھی یہی خیال کیا تھا اور اسی غم میں مبتلا تھے لیکن کیا کر سکتے حکم شرع سے چارہ نہیں ہے۔ اس کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا والد ماجد کی قبر کے سرہانے آئیں۔ اور قبر انور سے مٹی اٹھا کر اپنی دونوں چشم گریاں پہ ڈالی اور کہنے لگیں۔ شعر ؎

ماذا علیٰ من شم تربت احمد ان لا یشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انھا صبت علے الایام صرن لیالیا

مختلف روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف مسنّم یعنی مرتفع و بلند (کوہان نما) ہے یا مسطح یعنی ہموار و برابر اکثر کا مذہب یہی ہے کہ مسنّم و مرتفع ہے؛

صحیح بخاری میں ابوبکر بن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے قبر شریف کو مسنّم دیکھا اور ابونعیم نے مستخرج میں اتنا زیادہ کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی قبریں بھی مسنّم یعنی مرتفع ہیں۔ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ قبروں کو مسنّم رکھنا مستحب ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام احمد، مزنی اور بکثرت شوافع رحمہم اللہ کا قول یہی ہے۔ اور قاضی حسین نے اصحاب شوافع کا اس پر اتفاق کا ادعا کیا ہے۔ لیکن قدمار شوافع کی ایک جماعت تسطیح یعنی ہمواری کو مستحب قرار دیتی ہے۔ اور اسی پر ماوردی اور دیگر جماعت ہے۔

حاکم نے بروایت قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم نقل کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آیا اور عرض کیا" اے میری والدہ محترمہ! میرے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پر سے چادر شریف اٹھایئے۔ انہوں نے اٹھایا۔ میں نے دیکھا کہ قبر شریف زمین سے نہ بہت بلند تھی اور نہ ہموار تھی اس کے فرش پر سنگریزے جمے ہوئے تھے،

خلاصہ یہ ہے کہ تسنیم و تسطیح دونوں جائز ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ ان میں کونسا افضل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے حضور اکرمؐ کی قبر انور مسطح تھی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کی خلافت کے زمانہ میں مسنم و مرتفع کر دی گئی۔ اور وہ جو سفیان انمار کی حدیث میں آیا ہے کہ میں نے حضور اکرمؐ کی قبر انور کو دیکھا تو وہ مسنم و مرتفع تھی وہ اسی پر محمول ہے۔ اور ہمارے شہروں میں ایسا طریقہ رائج ہے جو تسطیح و تسنیم دونوں کا جامع ہے۔ معلوم نہیں کہ اس کی ایجاد کہاں سے ہے (واللہ اعلم)

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ حجرہ شریف میں حضرات شیخین کے مدفون ہونے کے بعد ایک جگہ اور باقی ہے۔ اور خبروں میں آیا ہے کہ اس جگہ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام مدفون ہوں گے۔ اور جب امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ، شہید ہوئے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے التماس کیا گیا کہ یہ حجرہ چونکہ آپ کا ہے اگر آپ اجازت دیں تو امام حسنؓ کو اپنے نانا کے پہلو میں دفن کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے قبول فرمایا اور کہا مرحبا بہت عمدہ بات ہے لیکن اس زمانہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ طیبہ میں مروان حاکم تھا اس نے مہلت نہ دی کہ امام حسنؓ مجتبیٰ اس جگہ مدفون ہوتے۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بھی اجازت دیدی کہ وہ مدفون ہو جائیں یہ بھی میسر نہ ہوا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نزول فرمائیں گے اور نکاح کریں گے۔ ان کی اولاد ہوگی وہ روئے زمین پر پینتالیس ۴۵ سال قیام فرمائیں گے۔ پھر ان کا انتقال ہوگا اور وہ میری قبر کے پاس دفن کئے جائیں گے۔ پھر میں اور عیسیٰؑ بن مریم ایک قبر سے اور ابوبکرؓ و عمرؓ ایک قبر سے اٹھیں گے۔ اس جگہ قبر سے مراد مقبرہ ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دفن سے جب فارغ ہوئے تو صحابہ کرام خاک حسرت و ندامت اپنے وقت و حال کے سر پر ڈالنے لگے اور اپنے محبوب دوجہاں کے آتش فراق میں جلنے لگے اور گریہ و زاری کرنے لگے خصوصاً حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا جو سب سے زیادہ مصیبت زدہ، بیکس تر اور زار و نالاں تر تھیں سیدینا امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے چہروں کی طرف دیکھتیں اور اپنی یتیمی اور ان فرزندوں کی نامرادی پر روتی تھیں۔ دوسرے گوشہ

میں سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اسی حجرہ میں جس میں سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والتسلیمات نے وفات پائی تھی مصروف آہ و بکا تھیں یہ گھر بیت الحزن والفراق بنا بے خانماں شدہ رات دن آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوتی تھیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سرائے فانی سے عالمِ جاودانی میں انتقال فرمایا روزِ روشن، شبِ دیجور کی مانند ہو گیا تھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ کوئی دن مدینہ طیبہ میں اس دن سے زیادہ بہتر و نورانی تر نہ تھا جس دن کہ سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تھے۔ اور کوئی دن بدتر و تاریک تر اس دن سے زیادہ نہیں جس دن کہ حضور اکرمؐ نے اس جہان سے پردہ فرمایا۔ ابھی ہم حضور اکرمؐ کے دفن سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہمارے دل متغیر ہو گئے ہم پہ پردہ پڑ گیا ایسا کہ ہمارے دل ہمارے قابو میں نہ رہے ؎

ہمچو چشمے کہ چراغش زمقابل بردہ ندیدیم چو بر وقت از نظرم صورت دوست

اہل بیت اطہار اور صحابہ کبار میں سے ہر ایک حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حزن و ملال میں منظم کر کے اشعار پڑھ رہا تھا۔ ان میں سے سب سے پہلے سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا تھیں جو بعد از دفن، قبر شریف کی زیارت کو گئیں اور اس جگہ کی مٹی اٹھا کر غمزدہ آنکھوں پر رکھا اور روتے ہوئے یہ شعر منظوم فرمایا۔ شعر ؎

ماذا علی من شم تربت احمد ان لایشم مدی الزمان غوالیا
صبت علی مصائب لو انھا صبت علی الایام صرن لیالیا

بعض کہتے ہیں کہ یہ اشعار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نظم کردہ ہیں جسے سیّدہ فاطمۃ زہرا نے پڑھا۔ نیز وقت زیارت اور بھی اشعار سیّدہ کے ہیں ؎

اذا اشتد شوقی زرت قبرک باکیا وذکرک واشکو ما اراک مجادیا
یا ساکن الغبراء علمتنی البکاء وذکرک انسانی جمیع المصائبا
فان کنت عن عینی فی التراب فعیبا فما کنت علی قلبی الحزین بغائبا

یہ دو بیت بھی سیّدہ فاطمہؓ کے ہی غم و حزن کے اظہار میں ہیں۔

نفسی علی زفراتھا محبوستہ یالیتھا خرجت مع الزفرات
لاخیر بعدک فی الحیوۃ وانما ابکی مخافت۔ ان تطول حیاتی

مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ جو صاحب اذان، اور مستجاب الدعوات تھے انہوں نے دعا مانگی کہ اے خدا جہان کو دیکھنے والی میری آنکھ لے لے کیوں کہ بغیر میرے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کے مشاہدۂ جمال کے میں اسے نہیں چاہتا۔ وہ اسی وقت نابینا ہو گئے۔ اور ایک جماعت کو تو مدینہ منورہ میں حضور اکرمؐ کے دیدار کے بغیر صبر و قرار آتا ہی نہ تھا۔ انہوں نے جہاں نوردی اور مسافرت اختیار کی۔ انہیں لوگوں میں سے ایک حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے شام کی جانب کوچ کر لیا تھا چھ مہینہ کامل گزر گئے تھے کہ ایک رات خواب میں حضور اکرمؐ کے جمال باکمال کے دیدار سے مشرف ہوئے حضور اکرمؐ نے فرمایا" اے بلالؓ! ہم پر کیوں ظلم کرتے ہو ہماری زیارت کے لئے کیوں نہیں آتے۔ اس کے بعد حضرت بلالؓ بیدار ہوتے ہی اسی گھڑی مدینہ طیبہ کی جانب چل دیئے۔ اس اثنار میں سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا وفات پا چکی تھیں۔ جب انہوں نے حضرت امام حسن و حسین سے سیدہ فاطمہؓ کا حال پوچھا تو وہ رونے لگے اور فرمایا:- اٰجَرَ اللہُ فِیْ فَاطِمَۃَ یہ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ بہت روئے اور کہا" اے جگر گوشۂ رسول مقبولؐ بخدا کتنی جلدی تم اپنے پدر بزرگوار سے ملحق ہو گئیں۔

## ذکرِ غم والمِ مفارقت

وصل:- اُن نشانیوں میں سے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد ظاہر ہوئیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ دراز گوش جس پر حضور اکرمؐ بسا اوقات سوار ہوا کرتے تھے اس نے مفارقت کا اتنا رنج و ملال کیا کہ اس نے اپنے آپ کو ایک کنوئیں میں ڈال دیا۔ اور حضور اکرمؐ کی خاص اونٹنی نے کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اور اسی طرح اس نے جان دیدی۔ ان خبروں کا ظاہر ہونا جن کے بارے میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ میرے بعد ظاہر ہوں گے بہت ہیں اور حد و شمار سے باہر ہیں۔

مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو حق تعالیٰ پہلے ان کے نبی کی روح کو قبض فرماتا ہے اس کے بعد ان کو پیشرو اور سلف قرار دیتا ہے۔ اور جب حق تعالیٰ کسی امت کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو ان پر اس حال میں عذاب نازل کرتا ہے کہ ان کے نبی ان میں زندہ ہوتے ہیں اور نبی کی نگرانی میں امت کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اس طرح نبی کی آنکھ کو ان لوگوں

کی ہلاکت سے روشن و ٹھنڈی کرتا ہے۔ جنہوں نے ان کو جھٹلایا اور ان کی نافرمانیاں کیں۔

## قبر انور اور مسجد شریف کی زیارت

لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس اور مسجد نبوی شریف کی زیارت کرنا اعظم عبادات اور اعلیٰ درجات میں سے ہے۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو استطاعت رکھتا ہے اس پر یہ واجب ہے جیسا کہ امام عبدالحق جو کہ اعاظم محدثین میں سے ہیں نے بیان کیا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ واجب سے ان کی مراد سنتِ مؤکدہ ہے۔ جو کہ واجب کے مرتبہ میں ہے۔ اور یہ حکم پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ جس نے میرے روضہ کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے؛ اور فرمایا کہ: مَنْ وَجَدَ سَاعَۃً وَّلَمْ یَعُدْ اِلَیَّ فَقَدْ جَفَانِیْ جس نے استطاعت پائی اور میری طرف وہ نہ آیا اس نے یقیناً مجھ پر ظلم کیا؛ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مبارک ترکِ زیارت کے حرام ہونے میں ظاہر ہے اس لئے کہ ترکِ زیارت میں حضور اکرمؐ پر جفا و ایذا ہے اور حضور اکرمؐ پر جفا و ایذا بالاجماع حرام ہے۔ لہٰذا ازالۂ جفا واجب ہے اور وہ زیارت سے ہوگا۔ اس لئے زیارت واجب ہوگی۔

حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ زَارَ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ۔ جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں ہی میری زیارت کی؛ اس باب میں احادیث کریمہ بہت ہیں۔ اور قبر شریف اور مسجد منیف کے فضائل و آداب اور اس کے تمام احکام اور اس جگہ کا ادب و احترام سب اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب جو کہ تاریخ مدینہ طیبہ ہے اور اس رسالہ میں جو "مناسک حج و آداب زیارت" میں تالیف ہے واضح طور پر لکھ دیئے ہیں۔

## خصائص نبوت و عدم تقسیم میراث

وقتِ وفات، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تعددِ صلوٰۃ ترک جماعت، دفن در بیت خود وغیرہ کے ماسوا، عدمِ میراث ہے اور اس حکم میں مخصوص ہونا سنت باقی ہے۔ اور جملہ انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اس حکم میں شریک ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں مروی ہے اِنَّا مَعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَۃٌ۔ ہم گروہ انبیاء وہ ہیں جو نہ کسی کی میراث لیتے ہیں اور ہماری میراث کوئی

لیتا ہے جو کچھ ہم ترکہ چھوڑیں وہ صدقہ ہے اور عمدہ جو کچھ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بعد وصال چھوڑا۔ ایک دراز گوش، اسلحہ، قمیص مبارک، چادر شریف اور اسی قسم کے کچھ اور لباس اور بنی نضیر، خیبر اور فدک کی زمین تھی جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص تھی۔ اور اس سے ازواج مطہرات کے نفقہ، اور مسلمانوں، فقراء و مساکین کی ضروریات میں جو حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں آتے تھے خرچ فرماتے تھے۔ جب حضور اکرم اس جہان سے تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس تشریف لائیں اور میراث طلب فرمائی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میراث نہ دی۔ اس پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب آپ انتقال فرمائیں گے تو کون آپ کا وارث ہوگا۔ فرمایا میری اہل و اولاد۔ اس پر فرمایا "پھر کیا بات ہے کہ میں اپنے والد کی میراث کی وارث نہ بنوں"۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا ہماری میراث نہ ہوگی۔ لیکن میں حضور اکرمؐ کا خلیفہ ہوں اور ہر اس شخص کی میں عیالداری کروں گا جس کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عیالداری فرماتے تھے اور میں ان اموال کو جو حضور اکرمؐ نے چھوڑا ہے اس جگہ پر خرچ کروں گا جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے عیال اور مسلمانوں کے حوائج و ضروریات وغیرہ پر خرچ کرتے تھے۔ نیز میں نے حضور اکرمؐ سے سنا ہے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی نبی کو عطا فرماتا ہے تو وہ عطا اس کے لئے ہے جو نبی کے بعد نبی کے معاملات کو قائم کرتا ہے۔ چنانچہ بہت سے لوگ ایسے تھے جن سے حضور اکرمؐ نے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تمہیں کچھ دوں گا۔ پھر وہ حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت صدیقؓ کے پاس آئے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کو وعدہ کے مطابق شئے موعود مرحمت فرمائی۔ یہ بات نہیں کہ یہ حکم حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ مخصوص تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی فرماتی ہیں کہ میں نے بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضور اکرمؐ کے ترکہ میں سے جو خیبر، فدک اور وہ مال جو مدینہ طیبہ میں تھا یعنی بنی نضیر کی زمین وغیرہ سے اپنی میراث مانگی۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان میں سے کچھ عطا فرمایا۔ اور وہی جواب دیا جو سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو دیا۔ اور یہی حال تمام دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا تھا۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ یہ روایت،

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھی بلکہ تمام صحابہ نے گواہی دی اور اس پر اتفاق کیا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو اس مال میں سے بطریق میراث کچھ نہ دیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ آل محمد اس مال کو خرچ کریں جس طرح کہ وہ سب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے خرچ کرتے تھے۔ میں اس عمل کو نہیں بدلوں گا جس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ اور خدا کی قسم میرے نزدیک رسولِ خدا کی قرابت، اپنی قرابت سے زیادہ محبوب ہے۔

اس مطالبہ میں عجیب و غریب بات یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضؓ حضرت ابوبکر رضؓ کی بات سے دلگیر ہوئیں اور ان پر غصہ فرمایا اور اپنے وقت وفات تک ان سے کنارہ کش رہیں۔ ان کا غصہ فرمانا اور کنارہ کش ہونا کس بنا پر تھا۔ اگر فرض کیا جائے کہ یہ حدیث حضرت فاطمہ زہرا رضؓ کو نہیں پہنچی تھی تو پہنچنے اور سننے کے بعد کیوں قبول نہ کیا۔ مورخین کہتے ہیں کہ آپ کا رنجیدہ ہونا بحکم طبیعت تھا لیکن اس کا دوام و استمرار غرابت و ندرت میں سے ہی ہے۔ اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اپنے مرض وفات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئی تھیں۔ بیہقی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی علالت کے زمانہ میں عیادت کے لئے گئے اور ان کے دروازہ پر کھڑے ہوئے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ یہ ابوبکر صدیق رضؓ ہیں اور آپ سے اجازت طلب فرماتے ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضؓ نے حضرت علی مرتضیٰ رضؓ سے کہا آپ پسند فرماتے ہیں کہ میں ان کو اجازت دوں؟ فرمایا "ہاں"۔ تو سیدہ فاطمہ رضؓ نے اجازت دیدی۔ اور حضرت صدیق رضؓ اندر آئے۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضؓ نے سیدہ فاطمہ رضؓ کو رضامند کیا۔ یہاں تک کہ وہ راضی ہو گئیں۔ ایسا ہی کتاب الوفا میں ہے ریاض النضرہ میں منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور ان سے معذرت چاہی۔ پھر حضرت فاطمہ رضؓ ان سے راضی ہو گئیں اور اوزاعی سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سخت دھوپ میں حضرت فاطمہ رضؓ کے دروازہ پر آئے اور کہا کہ میں یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک کہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ ان کے پاس آئے اور سیدہ فاطمہ کو راضی ہو جانے کی انہوں نے قسم دی۔

کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا راضی ہوگئیں۔ اسے شیخین نے کتاب الموافقہ میں روایت کیا ہے۔

مشہور یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہؓ کے جنازہ پر موجود نہ تھے اور نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی اس کا سبب یہ تھا کہ سیدہ فاطمہؓ کا جنازہ رات میں اٹھا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ کرم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خبر نہ کی تھی کہ رات ہے، حالانکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت علی مرتضیٰؓ کے بلانے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے، مگر روایتوں میں حضرت صدیقؓ کا سیدہ فاطمہؓ کے جنازہ میں حاضر ہونا اور ان کی نماز پڑھنا بھی آیا ہے۔ جیسا کہ سیدہ فاطمہؓ کے ذکر میں اور اولاد رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان میں آئے گا۔ کتاب "فصل الخطاب" میں منقول ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ زہراؓ کے پاس اس وقت آئے جبکہ وہ سخت علیل تھیں۔ اور عیادت کے لئے حاضر ہونے کی اجازت طلب فرمائی۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰ کرم نے ان سے فرمایا "یہ ابوبکرؓ آئے ہیں اور دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اگر مرضی ہو تو آنے کی اجازت دیجئے کہ وہ اندر آجائیں۔" سیدہ فاطمہؓ نے حضرت علیؓ سے کہا "کیا تمہارے نزدیک ان کے نہ آنے سے، ان کا آنا زیادہ پسندیدہ ہے؟" حضرت علی مرتضیٰ کرم نے فرمایا "ہاں!" اس کے بعد وہ آئے اور ان سے معذرت خواہی کی بات کی پھر سیدہ فاطمہؓ ان سے راضی ہوگئیں۔

سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نماز جنازہ پڑھنے کے سلسلہ میں مروی ہے کہ انہوں نے مغرب و عشاء کے درمیان وفات پائی تھی اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے۔ پھر جب جنازہ رکھا گیا تاکہ نماز پڑھی جائے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "اے ابوبکرؓ آگے آؤ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا میں آگے آؤں حالانکہ تم موجود ہو۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا "ہاں میں موجود ہوں لیکن تمہارے سوا کوئی ان کی نماز جنازہ نہ پڑھائے گا۔ اس کے بعد حضرت صدیقؓ آگے بڑھے اور سیدہ فاطمہ زہراؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔ اس کے بعد رات میں انہیں دفن کیا گیا۔ (واللہ اعلم)

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے بھی اموالِ مذکورہ کو اسی نہج پر جس پر

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے دو سال تک تقسیم کیا اور خرچ کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے ان اموال کو حضرت عباس اور حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہما کے سپرد فرمایا اور ان کی تولیت میں دیا کہ بر نہج مذکور تقسیم اور خرچ کرتے رہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد ان میں باہمی نزاع پیدا ہو گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے پاس آکر کہا کہ ان کے درمیان تقسیم کر کے دیدیجئے اور درمیان میں شرکت نہ رکھئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نے صحابہ کرام کا اجتماع بلایا اور کہا کہ میں تمہیں اس خدائے عزوجل کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قایم ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :- اَنَا مَعَاشِرُ الْاَنْبِیَاءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے مال کے وارث ہوتے اور نہ ہمارے مال کا کوئی وارث ہوتا ہے جو کچھ ہم چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے؛ تمام صحابہ نے کہا" ہاں خدا کی قسم" اس کے بعد کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس مال کو تقسیم فرماتے اور اسی مال میں سے سال بھر تک اپنی ازواج مطہرات کو نفقہ مرحمت فرماتے اور جو بچ رہتا اسے خدا کے مال کی جگہ دیتے اور اسے اسلحہ اور مسلمانوں کی صلاح و ضروریات اور حوائج پر خرچ فرماتے تھے اس کے بعد رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، مقرر ہوئے اور اس مال پر قبضہ کر کے ویسا ہی عمل کرتے رہے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عمل کرتے تھے۔ خدا جانتا ہے کہ حضرت صدیق رضؓ اس قول و عمل میں صادق، بار، رشد اور اپنا اتباع کرانے والے تھے۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضؓ نے وفات پائی اور میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا خلیفہ مقرر ہوا تو میں نے اس میں دو سال تک وہی عمل کیا جیسا کہ رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ عمل کرتے تھے اس کے بعد تم دونوں آئے اور تم دونوں ایک تھے تمہارا کام مشترک تھا۔ اس پر میں نے اس کو تمہارے سپرد کر دیا کہ ویسا ہی عمل کرو جیسا کہ دستور رہے۔ اور میں نے تم سے خدا کا عہد لیا کہ ویسا ہی کرنا جیسا کہ رسول خدا نے کیا۔ تو تم نے لیا اور خدا کا عہد کیا کہ ہم ایسا ہی کریں گے۔ اب تم کہتے ہو کہ میں تم میں تقسیم کر دوں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ اور نہ میں اس پر تقسیم کا نام دوں گا۔ اب اگر تم خوش نہیں رہتے اور ایسا عمل نہیں کر سکتے تو مجھے لوٹا دو کہ میں اس میں ویسا ہی کروں جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمل کرتے تھے۔ اس کے بعد

وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم کے قبضہ میں رہا پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے غلبہ پالیا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا ان کے بعد حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں رہا، ان کے بعد علی بن حسین رضی اللہ عنہ اور حسن بن حسین رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں اور دونوں تداول کرتے تھے ان کے بعد زید بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ برادر امام حسین بن علی رضی اللہ عنہم اجمعین کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد مروان کے ہاتھ چڑھ گیا جو امیر تھا اور مروانیوں کے ہاتھوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں پہنچا۔ اور انہوں نے اس عدل وانصاف کے تحت جو ان میں تھا فرمایا کہ میں ایسے معاملہ کو اپنے ہاتھ میں نہ لوں گا جس سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو منع فرمایا تھا اور اس میں میرا کوئی حق نہیں۔ یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے زمانۂ حیات میں مانگا تھا اور حضور اکرم ﷺ نے ان کو عطا نہ فرمایا تھا۔ اور اسی نہج پر اسے برقرار رکھا تھا واللہ اعلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "میں ان کو ان پر لوٹاتا ہوں"۔ اس باب میں اجمالاً یہ تذکرہ ہے اور اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی عدم میراث کا مبنیٰ ومدار ان کی حیات ہے۔ خصوصاً سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ابدیہ۔ اور میراث مُردوں کی ہوتی ہے نہ کہ زندوں کی۔ چونکہ سلسلہ کلام، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی طرف چل پڑا تو اب ہم اس کتاب کو اس سے مزین و آراستہ کرتے ہیں کیوں کہ وفات اور دیگر احکام، غسل ودفن وغیرہ کی بحث گزر چکی ہے اور ان الفاظ کی نسبت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی گئی حالانکہ آپ حقیقت باطنیہ میں سراپا اصل ومبداء حیات وبقائے بنی آدم بلکہ بقائے تمام اجزائے عالم ہیں مگر کیا کریں وقت کی ضرورت نے ان الفاظ کی نسبت کرنے پر مجبور کیا کیونکہ مقصد ومفہوم کی تعبیر وبیان میں بغیر ان الفاظ کے استعمال کئے چارہ ہی نہیں۔ ہاں واقعہ یہ ہے کہ حسب ارشاد باری تعالیٰ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ہر جاندار کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ اور بحکم اجرائے سنت الٰہی جل وعلیٰ، آپ کی ذات کے ساتھ موت کا مزہ چکھنا کہہ سکتے ہیں۔ لیکن بعد از ذائقہ موت و اقامت طریقۂ عبودیت، حیات ہی حیات ہے اور اب بغیر اس حالت کے ذکر کئے جو کتابوں

ہیں عام طور سے پڑھا اور دیکھا جاتا ہے کہ لفظ میت کا اطلاق و اسناد حضور اکرمؐ سے کرتے ہیں گراں ہے۔ اگر اس کے سوا کسی اور طرح پر تعبیر و بیان کریں تو بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ امام مالک رحمۃ اللہ پر رحمت فرمائے جو درگاہِ محمدی کے خاص ہمسایوں میں سے ہیں وہ مکروہ جانتے ہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت کی ہے بلکہ وہ اس طرح کہے کہ میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔

---

# حیاتِ انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام

وصل :- واضح رہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات، علماء ملت کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اس میں کسی ایک کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی حیات کا وجود، شہداء و مقاتلین فی سبیل اللہ کی حیات سے کامل تر ہے۔ اس لئے کہ شہداء کی حیات کا وجود، عند اللہ معنوی و اخروی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ، حیاتِ حسی دنیاوی ہے۔ اس میں بکثرت احادیث و آثار واقع ہوئے ہیں۔ جیساکہ بیان ہو رہا ہے۔

## حیاتِ انبیاء کا ثبوت از احادیث و آثار

ابو یعلیٰ ثقہ راویوں کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِہِمْ الحدیث تمام نبی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ دوسری حدیث صحیح نہیں ہے :- مَامِنْ مُسْلِمٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ جو مسلمان بھی مجھ پر صلوٰۃ و سلام عرض کرتا ہے اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو واپس فرماتا ہے یہاں تک کہ میں اسے سلام کا جواب عنایت فرماتا ہوں۔

علماء اختلاف کرتے ہیں کہ یہ فضیلت ہر اس شخص کے لئے عام ہے جو سید کائنات علیہ افضل التسلیمات پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے شرف سے مشرف ہے۔ خواہ روضۂ انور پر حاضر ہو کر زیارت سے مشرف ہو یا اس بارگاہِ کبریٰ سے غائب جہاں کہیں بھی ہو اور ظاہر حدیث عموم پر مستدل ہے۔ بہر تقدیر مفید مدعا ہے کہ حیات ہے۔

نسائی نے باسناد صحیح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حق سبحانہ وتعالےٰ نے ایسے فرشتوں کو پیدا فرمایا ہے جو زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں۔ میری امت کا جو بھی مجھ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتا ہے وہ میرے حضور لاکر پیش کرتے ہیں۔ یہ غائبوں کے حق میں ہے۔ لیکن جو روضہ اقدس میں موجود وحاضر ہوں ان کے بارے میں ایک حدیث تو اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود صلوٰۃ وسلام سماعت فرماتے اور زائر کو سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں یہ نہیں بلکہ اکثر اوقات حضور اکرمؐ خود، بندے کے عرض سلام پر سبقت فرماتے ہیں جس طرح کہ آپ کی ظاہری حیات شریفہ میں عادت کریمہ تھی کہ سلام میں حضور اکرمؐ سبقت فرمایا کرتے تھے۔ اور دوسری حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس وقت اور اس صورت میں بھی ایک فرشتہ مقرر ہے جو بارگاہِ رسالت میں سلام پیش کرتا ہے جس طرح کہ ملوک وسلاطین کے دربار میں حجاب وگماشتے ہوتے ہیں۔ امام عبدالحق جو کہ اکابر آئمہ حدیث سے ہیں کتاب "احکام صغریٰ" میں باسناد صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی بھی اپنے کسی ایسے مسلمان بھائی کی قبر پر سے گزرتا ہے جسے وہ دنیا میں جانتا ہے اور وہ اسے سلام کرتا ہے۔ تو وہ صاحبِ قبر مسلمان بھائی اُسے پہچانتا اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس باب میں بے شمار حدیثیں مروی ہیں۔ اب جبکہ یہ بات ہر ایک مسلمان اور عام مومنین کے بارے میں ثابت ہے تو سید المرسلین، صفوۃ المتقین صلے اللہ علیہ وسلم کے کیفیت کا اندازہ!۔ سلام کے پہنچانے پر ہی کیا موقوف ہے امت کے تمام اعمال بارگاہِ رسالت میں پہنچتے ہیں۔ بزاز نے باسناد صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرمایا خدا کے کچھ فرشتے زمین میں گشت کرتے رہتے ہیں جو تمہارے اعمال مجھے لاکر پیش کرتے ہیں ان اعمال میں جو اچھے ہیں ان پر میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں اور جو برے ہیں ان پر میں خدا کے حضور تمہارے لئے استغفار کرتا ہوں۔

بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے روایت نقل کرکے اسے صحیح کہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام چالیس روز کے بعد قبروں میں اپنے حال میں نہیں رہتے بلکہ خدا کے حضور ، میں نماز پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی حال میں نفخہ صور واقع ہوگا۔ نیز امام بیہقی

فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات طیبہ پر بکثرت احادیث صحیحہ سے دلائل وشواہد موجود ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا جس میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر انور پر ہوا تو ملاحظہ فرمایا کہ وہ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور دوسری وہ حدیثیں بیان کیں جن میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کا آنا واقع ہوا ہے۔

نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان احادیث کا مبنیٰ اس پر ہے کہ حق سُبحانہٗ و تعالیٰ، انبیاء علیہم السلام پر ان کی وفات کے بعد ان کی ارواح مقدسہ کو ان پر لوٹا دیتا ہے اور بعد ازاں بحکم نص فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۝ آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ بیہوش ہو جائے"۔ یہ صعق انہیں بھی لاحق ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ صعق بہمہ وجوہ اور موت۔ کے معانی میں ہو۔ بلکہ اس حالت میں زیادہ سے زیادہ ذہاب شعور کے حق میں ہوگا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کے اس قول کے ماتحت ہو کہ اس نے فرمایا:۔ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ مگر وہ جسے اللہ چاہے۔ تو انبیاء کرام علیہم السلام اس حکم صعق سے مستثنیٰ ہوں۔

نیز حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن میرے حضور زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجا کرو۔ اس لئے کہ تمہارا صلوٰۃ وسلام میرے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ کے حضور ہمارا صلوٰۃ وسلام کس طرح پیش ہوگا جبکہ آپ ہماری آنکھوں سے روپوش ہوں گے؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "حق تبارک وتعالےٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مقدسہ کو کھائے۔ اس فرمان والا سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ مقدسہ حسّی اور دنیاوی ہے محض بقاءِ ارواح کے ساتھ نہیں ہے جس طرح کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے قالب میں رکھا جاتا ہے۔

صاحب تلخیص شافعی نے فرمایا کہ جو مال حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مِلک میں رہا ہے آج بھی حضورؐ ہی کی مِلک میں باقی ہے جس طرح کہ ظاہری حیات میں تھا اور وہ وارثوں کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتا جس طرح دیگر اموات میں ہوتا ہے۔ امام الحرمین نے اس قول کی تصحیح کر کے فرمایا یہ قول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت مقدسہ کے موافق ہے جس پر

انھوں نے حضور اکرمؐ کی املاک کے بارے میں عمل کیا۔ (انتہی)

صاحب تلخیص نے فرمایا کہ "امام الحرمین سے تعجب ہے کہ خود تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ کَذَا نِسْوَۃٍ وَمَاتَ وَھُوَ رَاضٍ عَنِ الْعَشِیْرَۃِ۔ گویا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف موت کی نسبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد حیات النبی کا بھی اثبات کرتے ہیں۔ ایک شخص سے دو باتیں کیسی ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں کہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے وفات پائی پھر حق تعالےٰ نے آپ کو حیات دیدی۔

علامہ سبکی رحمہ اللہ "شفاء الاسقام" میں فرماتے ہیں کہ جسم کی طرف روح کا لوٹنا تو تمام اموات کے لئے ثابت ہے۔ مثلاً قبر میں۔ لیکن گفتگو تو بدن انسانی میں روح کے دائمی مستقر رہنے میں اس حیثیت کے ساتھ ہے کہ روح بدن کے ساتھ زندہ ہو جائے۔ جس طرح کہ دنیا میں تھی (انتہی)

اور وہ دلائل جو حیات انبیاء علیہم السلام پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کا اقتضاء حیات بدنی ہے جس طرح کہ دنیا میں تھے۔ اس کے باوجود غذا سے بے نیاز اور عالم کے ان اسباب مادی سے مستغنی ہیں جن پر دنیاوی حیات کا دار و مدار ہے۔ بایں ہمہ حق تبارک وتعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب مادی کے بھی زندہ رکھے۔ اور بدن میں بعض احوال واعراض کا احداث و ایجاد فرمادے کہ بعد ازاں ان کی طرف احتیاج والتفات باقی نہ رہے۔ جس طرح بعض اوقات عنایت فرح وسرور یا انتہائی رنج وغم کی حالت میں عرصہ تک کھانے پینے کی احتیاج نہیں پڑتی۔ بلکہ یاد تک نہیں آتا۔

شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوم وصال کے سلسلہ میں حدیث مبارک:۔ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ میں اپنے رب کے پاس ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا اور وہی مجھے پلاتا ہے! حیات النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے اثبات میں کافی ہے۔ خواہ اس ارشاد سے مراد حقیقۃً کھلانا اور پلانا ہو کہ جنت سے اس عالم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچتا ہو، یا وہ ذوق وحضور مراد ہو جو اس حالت میں حضور اکرمؐ کو حاصل ہوتا ہو۔

واضح رہنا چاہیے کہ حیات انبیاء علیہم السلام اور ان کے لئے اس صفت کے ثبوت اور

اس پر مرتب ہونے والے احکام و آثار میں علماء میں سے کسی ایک کا اختلاف نہیں ہے۔ بجز اس بات کے کہ انبیاء کرام کا وجود گرامی قبروں میں ہو اور مخصوص اس بقعۂ طاہرہ ان کا تمکن و استقرار ہو۔ اس بات میں بعض علماء کلام کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ علاؤالدین قونوی جو کہ شافعی علماء اور ارباب تصوف میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالےٰ جل جلالہٗ کے حضور میں حیات ہیں۔ اور یہ حیات ایسی ہے جو اس ظاہری معروف حیات سے اشرف و اکمل ہے۔ اور ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ کے ساتھ سمٰوات عُلیٰ میں مورۃ المنتہیٰ کے پاس جنتہ الماویٰ کے قریب موجود ہیں اور یہ حالت اس سے افضل و اکمل ہے کہ آپ قبر انور میں مقیم ہوں۔ اگرچہ حدیث نبوی کے مقتضائے بموجب عام مومن کی قبر میں وسعت و کشادگی منتہائے نظر تک ہوتی ہے تو سرور انبیاء، سید اہل صفا صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر انور شریف کی جگہ کا کیا اندازہ لیکن حضور اکرمؐ کا اس جنت اعلیٰ میں ہونا جس کا عرض آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ اکمل و اعلیٰ ہے۔ اور یہ جو حدیث مبارک میں آیا ہے کہ انبیا علیہم السّلام کو چالیس دن کے بعد قبرِ انور میں نہیں رکھتے۔ اور یہ جو ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ میں حق تعالیٰ کے نزدیک اس سے بزرگتر ہوں کہ تین دن کے بعد مجھے قبر انور میں رکھے؛ تو اس سے ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السّلام اپنی قبر انور میں اس حیات کے ساتھ مذکورہ مدت کے بعد قطعی طور پر اقامت گزیں نہ ہو سکیں گے۔ یہ قونوی کا کلام ہے، اور ان کے کلام سے واضح طور پر ظاہر ہوا کہ ان کا تردد، استمرار حیات اور قبروں میں ان کا استقرار ہے۔ لیکن اصل مدعا جو ثبوتِ حیات حقیقی ہے وہ ان کے نزدیک مسلم و مقرر ہے۔ اور یہی قونوی اس تردد کے بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میرے اس کلام سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ انبیاء علیہم السّلام کا اپنی قبروں سے التفات منقطع اور ان کا اس سے تعلق مرتفع ہو گیا ہے۔ بلکہ ان کے اور ان کی قبروں کے درمیان خاص علاقہ، جو مستمر و غیر منقطع ہے ثابت و برقرار ہے کہ وہ اس جگہ کے ساتھ منسوب ہوتے ہیں اور دوسری نئی جگہ کا ثبوت نہیں رکھتے۔

اور یہی حالت تمام مسلمانوں کی قبروں اور ان کی روحوں کے درمیان ہے کہ ایک خاص نسبت موجود رہتی ہے جس سے وہ زائروں کو پہچانتے ہیں۔ اس کی دلیل وہ حکم ہے جس میں

تمام اوقات میں زیارت کرنے کا استحباب بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد امام بیہقی بکثرت احادیث بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ " یہ تمام حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اہل قبور کے لئے ادراک وسماع حاصل ہے۔ اور شک نہیں ہے کہ صفتِ سمع عرضی ہے جو حیات کے ساتھ مشروط ہے۔ لہٰذا تمام مسلمان زندہ ہیں لیکن عام مسلمانوں کی حیات، مرتبہ میں شہداء کی حیات سے کمتر ہے اور انبیاء علیہم السّلام کی حیاتِ مقدسہ، شہداء کی حیات سے کاملتر ہے (انتہیٰ)

مخفی نہ رہنا چاہئیے کہ بعد از اثبات حیاتِ حقیقی دنیاوی، اس کے بعد اگر کوئی کہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے جسد اقدس کو ایسی حالت اور ایسی قدرت بخشی ہے کہ جس جگہ چاہیں بذاتِ خود تشریف لے جائیں یا مثالی صورت میں آسکتے ہیں۔ .......... خواہ آسمان پر یا زمین میں۔ خواہ قبر شریف میں یا کسی اور جگہ تو ایک صورت ہوئی مگر اس کے باوجود ہر حال میں خاص قبر انور کے ساتھ نسبت مروی ہے۔ جیسے کہ جب حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو باغیوں نے گھیرے میں لے لیا۔ تو بعض اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان سے کہا کہ مصلحت اور مناسب یہی ہے کہ اہل شام کے ساتھ مل جائیے تاکہ اس بلاؤ محنت سے آپ نجات پائیں۔ آپ نے فرمایا میں جائز نہیں رکھتا کہ اپنے دار ہجرت (مدینہ طیبہ) سے مفارقت کروں اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی مجاورت وہمسائیگی کو چھوڑ دوں، یا جیسے حضرت سعید بن المسیب کا واقعہ حرہ کے زمانہ میں جبکہ تمام لوگ مسجد نبوی کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تین دن تک حجرۂ مقدسہ کے اندر سے اذان کے سننے کا مشہور واقعہ ہے۔ اور اسی ثبوت میں کہ سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی قبر انور میں ہونے پر دلالت کرتا ہے سلطان سعید نورالدین شہید کا واقعہ ہے جو ۵۵۷ھ میں پیش آیا حضور اکرمؐ کا خواب میں رات میں تین مرتبہ دیکھنا سلطان کو خبردار فرمانا ہے کہ یہ دونوں نصرانی شرکا ارادہ رکھتے ہیں جسے قبر انور کے ساتھ نسبت ہے اور اُن خبیثوں کی صورت خواب میں سلطان کو دکھائی گئی پھر سلطان ہزار آدمیوں کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچا اور ان دونوں ملعونوں کو پایا اور ان کو آگ میں

ڈال کر جلا دیا۔ اس کے بعد سلطان نے حجرۂ شریفہ کے چاروں طرف خندق کھدوا کر اسے سیسہ سے بھر دیا۔ اس قصہ کو مدینہ منورہ کے تمام مؤرخوں نے مثلاً جمال الدین مطری، مجدالدین فیروز آبادی اور ان کے سوا بکثرت علماء اعلام نے بیان کر کے تصریح فرمائی ہے۔ اب رہی قونوی کی وہ تفصیل و ترجیح جو انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے قبر شریف میں اقامت گزیں ہونے پر بہشت اعلیٰ میں استمرار پر دی ہے تو ان سب کے جواب میں علماء فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان کی قبر جنت کے باغوں کا ایک باغ ہے۔ اور حضور اکرمؐ کی قبر شریف افضل ریاض جنت ہے۔ اور ممکن ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی قبر شریف میں سے ہی ایسے تصرف و نفوذ کی حالت ہوتی ہو کہ آسمان و زمین اور جنت ہر جگہ سے حجاب مرتفع ہو گئے ہوں اور بغیر تجاوز و انتقال کے تصرف و نفوذ فرماتے ہوں اس لئے کہ امور آخرت اور احوال برزخ کو دنیا کے احوال پر جو کہ حدود و جہات سے مقید و تنگ ہے قیاس نہیں کر سکتے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال علی وجہ الکمال)

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کا کونسا حصہ ایسا ہے جسے حضور اکرمؐ کے قبر شریف پر افضل قرار دیں۔ قبر شریف ہی تمام اماکنِ مقدسہ اور مقاماتِ رفیعہ سے افضل ہے خواہ جنت ہو یا کوئی اور جگہ۔ اس کے بعد فرمایا اگر حضور اکرمؐ کے قبر انور کو عرش عظیم پر فضیلت دیں تو ہم نہیں جانتے کہ کسی مومن صادق کو اس میں توقف ہو گا۔ کیونکہ وہ سب حضور اکرمؐ ہی کا طفیل شریف ہے (واللہ اعلم)

---

# قسم پنجم

مدارج النبوۃ کے اس پانچویں حصہ میں، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اولاد اطہار، ازواج مطہرات، غلامانِ بارگاہِ رسالت، اعمام وعمات، جدات، خدم، موالی وامراء، رسل وکتاب، عمال وشعراء، خطباء ومؤذنین، آلاتِ حرب ودواب، اور اسباب وغیرہ کا بیان ہے۔ اس قسم میں گیارہ باب ہیں۔

# باب اوّل

## در ذکر اولاد کرام

واضح رہنا چاہیئے کہ جن اولاد کرام صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین پر تمام کا اتفاق بیان کیا گیا ہے وہ چھ[۶] رسول زادے ہیں۔ دو[۲] فرزند ہیں حضرت قاسم[۱] اور حضرت ابراہیم[۲]۔ اور چار صاحبزادیاں ہیں، سیدہ زینب[۳]، سیدہ رقیہ[۴]، سیدہ ام کلثوم[۵]، اور سیدہ فاطمۃ الزاہراء رضی اللہ عنہم اجمعین۔ ان کے سوا میں اختلاف ہے اور بعض علماء طیب وطاہر کو بھی شمار کرتے ہیں۔ لہٰذا کل آٹھ رسول زادے ہوئے۔ چار فرزند اور چار صاحبزادیاں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؓ وقاسمؓ کے سوا ایک فرزند عبداللہ

ہیں جو کہ مکہ مکرمہ میں صغر سنی کے عالم میں جہان سے رخصت ہو گئے اور طیب وطاہر ان کا لقب ہے چونکہ یہ فرزند عہد اسلام میں متولد ہوئے اور اکثر علماء انساب کا مذہب یہی ہے۔ اور دار قطنی نے کہا کہ یہ قول اثبت ہے لہٰذا کل سات رسول زادے ہوئے۔ تین فرزند اور چار صاحبزادیاں۔ اس مقام میں جو کچھ کہ مشہور ہے اور زبان زد عام ہے باتیں ہی باتیں ہیں۔

مواہب لدنیہ نے دار قطنی سے نقل کیا ہے کہ طیب وطاہر، عبداللہ کے سوا ہیں اس بناء پر صاحبزادگان کی تعداد پانچ ہو جاتی ہے اور کل تعداد نو ہوتی ہے۔ اور بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ طیب و مطیب ایک حمل سے، اور طیب وطاہر دوسرے حمل سے متولد ہوئے۔ اس قول کو صاحب صفوۃ نے بیان کیا ہے۔ اس لحاظ سے کل تعداد "گیارہ" بن جاتی ہے اور بعض سے منقول ہے کہ حضور اکرمؐ کی بعثت سے قبل ایک فرزند رسول متولد ہوا تھا اور اس کا نام عبد مناف رکھا گیا تھا۔ اس طرح کل تعداد بارہ ہو جاتی ہے۔ بجز عبد مناف کے سب کے سب عہد عہد اسلام میں پیدا ہوئے۔ اور ابن اسحٰق نے کہا کہ حضرت ابراہیمؓ کے سوا سب کے سب فرزندان عہد اسلام سے پہلے پیدا ہوئے اور سب نے شیر خوارگی کے زمانہ میں وفات پائی۔

ایک دوسرے شخص کا قول گزر چکا ہے کہ عبداللہ بعد از نبوت پیدا ہوئے اسی بنا پر ان کا نام طیب وطاہر رکھا گیا۔ تمام اقوال سے آٹھ فرزندانِ رسول کی تعداد حاصل ہوئی جن میں سے دو فرزند حضرت قاسم وابراہیم متفق علیہ ہیں۔ اور چھ مختلف فیہ۔ عبد مناف، عبداللہ، طیبؓ، مطیبؓ، طاہرؓ، مطہرؓ۔ اصح یہ ہے کہ تین فرزند ہیں قاسمؓ، ابراہیمؓ اور عبداللہؓ، اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ اور یہ تمام اولاد کرام بجز حضرت ابراہیمؓ کے، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے متولد ہوئے۔ ھٰذا کلہ فی المواھب ولا یخلوا عن غرابۃ

علماء نے حضور اکرمؐ کے فرزند اکبر اور ان کی ترتیب میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے فرزند اکبر حضرت قاسمؓ تھے ان کے بعد زینبؓ، ان کے بعد رقیہؓ ان کے بعد ابراہیمؓ۔ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ صحیح یہی ہے۔ ولادت کی ترتیب بیان کر دینے کے بعد اگر فرزندوں کو جدا اور صاحبزادیوں کو جدا جدا بیان کریں تو مناسب رہے گا۔

## حضرت قاسم بن رسول

حضرت قاسم، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے فرزند ہیں جو قبل اظہار نبوت متولد ہوئے اور انہیں سے حضور اکرمؐ کی کنیت "ابو القاسم" مشہور ہوئی۔ یہ پاؤں چلنے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سواری پر سوار ہونے کی عمر تک حیات رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دو سال کی عمر تک زندہ رہے۔ اور بعض نے سترہ مہینہ کہا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں یہی درست ہے، ان کی وفات بھی قبل اظہار نبوت ہے۔ صاحب مواہب نے فرمایا کہ مستدرک میں ایسی روایت ہے جو عہد اسلام میں وفات پانے پر دلالت کرتی ہے اور یہ پہلے فرزند ہیں جس نے اولاد شریف میں سب سے پہلے وفات پائی ہے۔

## حضرت عبد اللہ بن رسول

حضرت عبد اللہ بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بعد ظہور اسلام عالم وجود میں تشریف لائے اور عہد طفولیت میں وفات پائی۔ جب عاص بن وائل سہمی جو عمروؓ بن العاص کا باپ تھا۔ اسے حضرت عبد اللہ کے فوت ہونے کی خبر ملی اس سے پہلے حضرت قاسم بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کی خبر سن چکا تھا اس وقت اس نے کہا، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے فرزندان رحلت کر گئے اور وہ ابتر (بے نسل) رہ گئے۔ ابتر کے لغوی معنے دم بریدہ، بے فرزند، اور بے خبر ہونے کے ہیں۔ اس وقت یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ بلاشبہ حضور اکرمؐ کا دشمن اور آپ پر عیب کنندہ، اور آپ کا بدگو، وہی ابتر ہے کیوں کہ دنیا و آخرت میں کوئی اس کا نام نہ لے گا اور اگر کوئی اس کا نام لے گا بھی تو اس پر لعنت بھیجے گا۔ اور آپ جیسے کو کوئی ابتر کہہ ہی نہیں سکتا کیونکہ دنیا و آخرت کی بھلائی آپ کو اس حد تک حاصل ہے جو حیطۂ وصف و بیان سے باہر ہے اور سارا جہان آپ کے اولاد و فرزندوں سے بھر جائے گا اور وہ شرق و غرب ہر جگہ پھیلیں گے۔ یہاں تک کہ روز قیامت ہزارہا مسلمان آپ کی تمام معنوی اولاد کی زیادت اور ان کے عقب میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ نے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اِنَّا اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ (ہم نے آپ کو بہت کثرت دی) کوثر فوعل کے وزن پر ہے جس میں کثرت و مبالغہ کے معنے ہیں۔ اور تمام دنیا و آخرت کی بھلائیاں جن کی کنہ تک مخلوق کے علم کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اور جو جس قدر بیان کرتا ہے وہ اس کے

پہلو میں ایک مجمل حرف اور ایک دفتر اس سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ کوثر کی تعریف میں علماء کے اقوال و تاویل بہت ہیں۔ جس کسی نے نور باطن کا جتنا حصہ پایا اس نے بیان کر دیا۔ نبوت، معجزات، شفاعت، معرفت، اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے تمام برکات و کمالات اور قیامت تک کے تمام کرامات سب اس لفظ کوثر میں داخل ہیں اور وہ حوض کوثر جو جنت میں حضور اکرمؐ کو عطا فرمایا جائے گا اور جو اس سے پئے گا کبھی پیاسا نہ ہو گا۔ وہ بھی اسی خیر کا ایک فرد ہے۔

## حضرت ابراہیم بن رسول

حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضور اکرمؐ کی آخری اولاد ہیں اور مدینہ طیبہ میں ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں متولد ہوئے۔ ان کی والدہ ماجدہ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں جو بطور ہدیہ، مقوقس، بادشاہ اسکندریہ نے دیگر ہدایا کے ساتھ حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں بھیجا تھا۔ ان کا ذکر حضور اکرمؐ کے بندگان کے ضمن میں مذکور ہے۔ اور مقوقس کے احوال، بادشاہوں اور حاکموں کے نام مکاتیب بھیجنے کے سلسلہ میں ۶ھ کے واقعات میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اور سلمیٰ رضؓ زوجہ حضرت ابو رافع مولیٰ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کی قابلہ یعنی دایہ تھیں۔ اور سلمیٰ رضؓ نے اپنے شوہر ابو رافع رضؓ کو خبر دی کہ سیدہ ماریہ رضؓ قبطیہ کے فرزند تولد ہوا ہے۔ حضرت ابو رافع رضؓ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں خبر پہنچائی حضور اکرمؐ نے اس مژدہ کے پہنچانے پر انہیں غلامی سے آزاد فرمایا۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور حضور اکرمؐ کو ابا ابراہیم کی کنیت سے مخاطب کیا حضور اکرمؐ بہت خوش و مسرور ہوئے اور دو بھیڑوں کا عقیقہ فرمایا۔ اور ایک قول ہے کہ ایک بکری کا عقیقہ کیا۔ اور ان کے سر کو مونڈا گیا اور نام رکھا گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ پہلے ہی دن ان کا نام رکھا گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آج رات ایک فرزند پیدا ہوا ہے اس کا نام اپنے جد امجد کے نام پر ابراہیم رکھا ہے" اور سر کے بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے مسکینوں پر صدقہ فرمایا۔ اور زمین میں سر کے بالوں کو دفن کیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم رضؓ کو دودھ پلانے کے لئے ام سیف رضؓ جو کہ ایک آہنگر کی بیوی تھی سپرد فرمایا۔ ان کا نام ابو سیف رضؓ ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابراہیم رضؓ کو دیکھنے کے لئے ابو سیف کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے عیال پر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مہربانی فرماتے نہ دیکھا۔ اور حضرت ابراہیم رضؓ مدینہ طیبہ کے عوالی میں دودھ پیتے تھے پھر جب حضور اکرمؐ وہاں تشریف لے جاتے تو ہم حضور اکرمؐ کے ساتھ ہوتے تھے۔ اور حضور اکرمؐ رضؓ کے گھر میں داخل ہوجاتے۔ حضرت ابراہیم رضؓ کو آغوش مبارک میں لے کر انہیں پیار کرتے اور ابو سیف بھٹی میں آگ جلاتے ہوتے اور ان کے گھر میں دھواں پڑتا ہوتا۔ اور کبھی ایسا ہوتا کہ حضور اکرمؐ جب حضرت ابراہیم رضؓ کو دیکھنے ان کے گھر تشریف لے جاتے تو میں پہلے جاکر انہیں خبر کر دیتا کہ حضور اکرمؐ تشریف لارہے ہیں تاکہ وہ اپنا کام چھوڑ دیں۔ اور عوالی مدینہ میں ہی سیدہ ماریہ رضؓ کے لئے ایک گھر بنایا ہوا تھا۔ اور آج اس جگہ کو موضع مشربہ ام ابراہیم رضؓ کہتے ہیں۔ اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ حضرت ابراہیم رضؓ نزع کے عالم میں ہیں، حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف حضور اکرمؐ کے پاس موجود تھے حضور اکرمؐ نے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کا ہاتھ پکڑا اور ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور حضرت ابراہیم رضؓ کے سرہانے پہنچے اور ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم رضؓ جانکنی میں ہیں تو حضور اکرمؐ نے ان کو لیا اور اپنی آغوش میں لٹایا پھر حضور اکرمؐ کے چشم مبارک سے آنسو جاری ہوگئے۔ فرمایا "اے ابراہیم رضؓ ہم تیری جدائی کے سبب غمگین ہیں میری آنکھیں روتی ہیں اور دل جلتا ہے، اس کے سوا کوئی ایسی بات نہ فرمائی جس سے خدا سے ناراضگی ظاہر ہوتی ہو۔ حضرت ابراہیم رضؓ ستر دن کے تھے۔ جیسا کہ ابو داؤد نے ذکر کیا ہے۔ اور ایک روایت میں سولہ مہینہ آٹھ دن آئے ہیں اور بعض نے ایک سال دو مہینہ اور چھ دن کہا ہے۔ اور بعض تقریباً ڈیڑھ سال بتاتے ہیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! آپ بھی روتے ہیں آپ نے تو میت پر رونے سے منع فرمایا ہے؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے عوف کے فرزند! جس حالت کا تم نے مشاہدہ کیا ہے یہ میت پر رحمت و شفقت کا اظہار ہے جو کہ اس کی حالت دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور میں نے جو ممانعت فرمائی ہے وہ دو آوازوں کی بنا پر ہے ایک وہ آواز جو گانے، لہو و لعب اور شیطانی مزامیر سے ہو۔ اور دوسری وہ آواز جو مصیبت کے وقت ہو۔ اور میں منع کرتا ہوں منہ نوچنے، چہرہ پیٹنے، کپڑے پھاڑنے اور بین کرنے سے۔ لیکن

آنکھوں سے پانی جاری ہونا رحم وشفقت کی وجہ سے ہے۔ اور جو رحم وشفقت نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہ ہوگا۔

حضرت عبد الرحمٰن بن حسان بن ثابت اپنی والدہ سیرینؓ سے جو کہ سیدہ ماریہؓ کی بہن تھیں روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں میں حضرت ابراہیمؓ کے سرہانے موجود تھی۔ تو یکایک میں اور میری بہن ماریہؓ فریاد کرنے لگے حضور اکرمؐ نے منع نہ فرمایا جب ان کی روح قبض ہو گئی تو حضور اکرمؐ نے فریاد کرنے سے ہمیں منع فرمایا۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہوئے تو حضرت اسامہؓ نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا حضور اکرمؐ نے انہیں اس سے منع فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! میں نے حضور کو بھی تو گریہ کناں دیکھا ہے؟ فرمایا اَلْبُكَاءُ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالصُّرَاخُ مِنَ الشَّيْطَانِ رونا رحمت ہے اور چیخنا چلانا شیطانی عمل ہے

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؓ کو ان کی دایہ نے غسل دیا اور ایک قول میں ہے کہ حضرت فضلؓ بن عباس نے غسل دیا اور عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے پانی ڈالا اور حضور اکرمؐ بھی تشریف فرما تھے اس کے بعد حضرت ابراہیمؓ کو چھوٹے تخت پر اٹھایا گیا۔ اور صحیح یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور یہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی علماء اس کی اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ ممکن ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود نہ پڑھی ہو اور صحابہ کو حکم فرمایا ہو کہ وہ نماز پڑھ لیں۔ یا یہ مراد ہو کہ جماعت کے ساتھ نماز نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابراہیمؓ کو بقیع شریف میں دفن کیا گیا اور فرمایا کہ "میں نے ان کو حضرت عثمانؓ بن مظعون کے پاس دفن کیا۔ اور ان کی قبر پہ پانی چھڑکا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ پہلی قبر ہے جس پر پانی چھڑکا گیا۔ اور ان کی قبر پر نشان لگایا گیا۔ جس طرح کہ حضرت عثمانؓ بن مظعون کی قبر پر نشان لگا ہوا تھا۔ چنانچہ حضور اکرمؐ بنفس نفیس خود پتھر اٹھا کر لائے اور ان کی قبر پہ رکھا (الحدیث)

حضرت ابراہیم کی وفات کے روز سورج کو گہن لگا تھا اور ان کی وفات دسویں محرم یا دسویں ربیع الاول کو ہوئی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ یہ گہن، حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی

وفات کی وجہ سے لگا ہے۔ چونکہ لوگ عام گمان رکھتے تھے کہ چاند و سورج کا گہن کسی عظیم موت یا حادثہ سے لگتا ہے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "چاند سورج خدا کی دو نشانیاں ہیں۔ ان کو کسی کے مرنے یا جینے سے گہن نہیں لگتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ دو ایسی نشانیاں ہیں جن سے حق تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے تاکہ وہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ اور وہ صدقہ و خیرات دیں اور غلاموں کو آزاد کریں اور گناہوں سے توبہ کریں چونکہ یہ گہن چاند کی دسویں کو واقع ہوا تھا حالانکہ عام طور پر چاند کی اٹھائیس ۲۸ یا انتیس ۲۹ تاریخ کو گہن لگتا ہے۔ اس بنا پر ان لوگوں کا گمان اس طرف ہوا کہ یہ ان کی وفات کی بنا پر لگا اس حدیث میں منجموں کے قول کے بطلان پر دلیل ہے کیونکہ ان کے حساب کی رو سے آفتاب کو گہن، چاند کی اٹھائیس ۲۸ یا انتیس ۲۹ تاریخ سے پہلے ممکن نہیں ہے۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے وفات کے دن فرمایا، "اگر وہ جیتا تو میں اس کی ماں کے تمام اقربا کو آزاد کر دیتا اور تمام قبطیوں سے جزیہ موقوف کر دیتا" صحاح میں حدیثیں ثبوت کو پہنچی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیمؓ میرے فرزند کی وفات، مدت رضاعت پوری کئے بغیر دنیا سے ہوئی ہے۔ اور ان کے لئے ایک دودھ پلانے والی مقرر کی گئی ہے ایک روایت میں ہے کہ جنت میں ہے۔ تاکہ مدت رضاعت پوری کرے۔ ممکن ہے کہ جنت سے مراد عالم برزخ ہو۔ یا وہ فوراً اس وقت جنت میں لے جائے گئے ہوں۔ اور مرضعہ کی تخلیق اور اتمام مدت رضاعت میں حکمت، علم رسالت کے ساتھ موقوف ہے۔ بعض مشائخ جو اس کے قائل ہیں کہ "مرنے کے بعد بھی ترقی ہوتی ہے"۔ ان کا تمسک اسی حدیث کے ساتھ ہے۔ جو کسی کو پورا کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بندہ یعنی شیخ محقق محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی اسی کا قائل ہے اور اسی حدیث سے تمسک کرتا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ جو قرآن کریم کے حفظ میں کوشش کرتا ہے اور وہ تکمیل سے پہلے ہی دنیا سے گزر جاتا ہے تو حق سبحانہ و تعالیٰ اس کی قبر میں ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو اس کے حفظ کو مکمل کراتا ہے۔ یہ حدیث پہلی حدیث سے زیادہ ظاہر ہے۔ اور سمجھنا چاہیئے کہ مرنے کے بعد کتنے پردے اٹھتے ہیں اور کیسی کچھ نعمتیں منکشف و مشہود ہوتی ہیں ان سے بڑھ کر اور کیا ترقی ہوگی۔ سالک کو اگر عالم غیب سے کوئی چیز منکشف ہوتی ہے تو وہ کتنا

خوش اور مسرور ہوتا ہے۔ اور اس وقت تو سراسر تمام انوار و اسرار ہی ظاہر و روشن ہوجاتے ہیں تو اس خوشی کا کیا حال ہوگا۔ اگر کوئی کہے کہ اس جگہ ترقی سے مراد، سلوک کا تمام کرنا مراد ہے جو زوالِ ظلمات اور صفاتِ بشریہ کی فنا سے تعبیر ہے اور یہ بات تو دنیا میں حاصل نہیں ہوئی اور متحقق نہ ہوا؟ تعجب ہے کہ عالم غیب کے ظہور انوار اور بروز اسرار کے باوجود بھی وہ ظلمات اور صفاتِ بشریہ زائل نہ ہوں اور ان سے پاک نہ ہو۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ سلوک کو دنیا میں ہی مکمل کرنا چاہیئے اور وہاں بغیر سلوک کی تکمیل کے جانا فائدہ نہیں دیتا؟ اگر یہ بات درست بھی ہو تو یہ عالم آخرت سے متعلق ہوگی۔ حالاں کہ عالم برزخ کا حکم اور ہے۔ حضرت شیخ ابن عربی اپنے بعض رسائل میں اس مدعا کے اثبات میں فرماتے ہیں کہ حضرت سہیل تستری قدس سرہٗ کو میں نے پایا کہ وہ کسی مسئلہ میں ایسا حکم و اعتقاد رکھتے تھے جو میرے علم کے خلاف تھا۔ اس کے بعد میں نے ان کو اس کی تعلیم و تلقین کی۔ اور حضرت سہیل تستری قدس سرہٗ کے لئے اس علم کا حصول، داخلِ ترقی ہوا۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

جاننا چاہیئے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ كَانَ نَبِيًّا ۔ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو یقیناً نبی ہوتے۔

روضتہ الاحباب میں اسے اسی طرح نقل کر کے کہا ہے کہ یہ جو سلف سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ والہٖ وسلم نے حالتِ صغر میں وفات پائی اور اگر جیتے رہتے تو نبی ہوتے، صحت کو نہیں پہنچی ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ یہ علم غیب پر جرأت و دلیری ہے۔ ابن عبد البر نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ اس بات کا کیا مطلب ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے کئی فرزند تھے مگر نبی نہ ہوئے (انتہی) ظاہر ہے کہ یہ قول بعض سلف سے مروی ہے لیکن اس کا رفع حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تک صحیح نہیں ہے۔ اور جب اس کا رفع حضور اکرم سے صحیح نہیں تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر ناقابل اعتبار ہے اور علم غیب پر جرأت کرتا ہے۔ اس کے بعد اس کا محال ہونا ابن عبد البر سے نقل کیا ہے۔

مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، سے روایت

کی گئی ہے کہ فرمایا:۔ لَوْبَقِیَ یَعْنِیْ اِبْرَاهِیْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ لَکَانَ نَبِیًّا۔ لٰکِنَّهٗ لَمْ یَبْقَ لِاَنَّ نَبِیَّکُمْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ اَخْرَجَهٗ اَبُوْعُمَرُ۔

حضرت انس رضی بن مالک نے فرمایا اگر حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باقی رہتے تو یقیناً نبی ہوتے لیکن اللہ نے ان کو باقی نہ رکھا اس لئے کہ تمہارے نبی آخر الانبیاء ہیں۔ اور صاحب مواہب نے طبری سے نقل کیا ہے کہ فرمایا اس حدیث کو حضرت انس رض نے نہیں فرمایا مگر حضور علیہ السلام سے سنکر وہی جو حضرت ابراہیم رض کے ساتھ مخصوص ہے۔ ورنہ یہ لازم نہیں ہے کہ نبی کا فرزند بھی نبی ہو۔ اس دلیل سے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نبی نہ تھے۔ امام نووی سے بھی منقول ہے کہ یہ حدیث بعض متقدمین سے روایت کی گئی ہے۔ لیکن باطل ہے اور مغیبات کے اندر کلام کرنے میں جسارت اور امر عظیم پر لوگوں کو ورغلانا ہے۔ شیخ سخاوی نے بھی مقاصدِ حسنہ میں ابن عبد البر کے قول کی مانند کہا ہے اور شیخ ابن حجر نے کلام امام نووی کے بعد فرمایا کہ یہ کلام عجیب ہے باوجودیکہ یہ تین طریقوں سے وارد ہے۔ اور فرمایا گویا ان کو اس کی وجہ اور تاویل ظاہر نہ ہوئی اس بنا پر انہوں نے انکار کی طرف رخ کیا جو کچھ بھی انہوں نے کہا، شیخ سخاوی نے ان تین طریقوں کو بیان کیا ہے ایک یہ کہ ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو حضور اکرم ص نے ان پر نماز پڑھی اور فرمایا کہ ان کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی مقرر ہے اگر وہ جیتے تو صدیق ونبی ہوتے۔ اس حدیث کی سند میں ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان واسطی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ اور اسی سند کے ساتھ ابن مندہ نے کتاب المعرفۃ میں روایت کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ غریب ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ابراہیم شدوی نے حضرت انس رض سے روایت کیا کہ حضور اکرم ص نے فرمایا ابراہیم نے آغوش میں وفات پائی اگر زندہ رہتے تو نبی ہوتے (الحدیث) تیسرا طریقہ یہ ہے کہ بخاری تک جو اس کی سند ہے یہ ہے کہ محمد بن بشر نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن ابی اوفی رض سے کہا کہ تم نے حضرت ابراہیم بن النبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ وہ صغر سنی میں فوت ہوئے اگر یہ بات مقدر کی گئی ہوتی کہ حضور اکرم ص کے بعد نبی ہوتا تو حضور اکرم ص کا فرزند فوت نہ ہوتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس حدیث کی کئی سندیں ہیں اگرچہ

ضعیف وغریب ہوں۔ اور ایسا نہیں ہے کہ یوں کہا جائے کہ "بعض سلف سے کہا گیا ہے اور یہ کہ بعض متقدمین نے ایسا کہا ہے اور باطل اور یہ جسارت اور علم غیب پر جرأت ہے"۔ البتہ اس حدیث میں دشواری و اعتراض دو وجہ سے ہے ایک یہ کہ حضور اکرمؐ کے بعد سلسلۂ نبوت نہیں ہے تو اس کا کیا مطلب ہوا کہ اگر ابراہیم جیتے تو نبی ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قضیہ شرطیہ، صدق طرفین اور ان کے وقوع کو مستلزم نہیں ہے۔ جس طرح کہ کہتے ہیں کہ اگر عنقا موجود ہوتا تو ایسا ایسا ہوتا۔ اور اگر زید گدھا ہوتا تو ناحق ہوتا۔ اسی طرح اگر زندہ ہوتے تو نبی ہوتے۔ لیکن زندہ نہ رہے تو نبی نہ ہوئے اور دوسرا اشکال ملازمت کا ہے تو اس کی توجیہہ یہ ہے کہ مقصود، حضرت ابراہیمؓ کے شان کی مدح و برتری اور ان کے استعداد کے کمال کا اظہار ہے کہ اگر وہ جیتے اور باب نبوت بند نہ ہوتا تو ان میں شان و استعداد ایسی تھی جو حضور اکرمؐ کے دوسرے فرزندوں میں نہ تھی۔ (زافہم واللہ اعلم بحقیقتہ الحال علی وجہ الکمال)

## دختران سید عالم

**وصل :- سیدہ زینبؓ :** حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں بقول اکثر علماء سب سے بڑی دختر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں اور یہی صحیح ہے، صاحب مواہبؒ نے کہا کہ مگر کسائیؒ کے نزدیک ان کا قول صحیح نہیں ہے۔ اور کہا کہ اختلاف ان میں اور حضرت قاسم میں ہے کہ کون پہلے پیدا ہوا۔ ابن اسحٰق کے نزدیک یہ ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور اکرمؐ کی دختر کی ولادت ۳۰ ہ میں (جو کہ واقعہ فیل سے بھی ہے) پیدا ہوئیں اور اسلام میں داخل ہوئیں اور ہجرت کی۔ اور ان کا نکاح، ان کی خالہ کے فرزند کے ساتھ کیا گیا تھا جن کا نام ابو العاصؓ بن الربیع بن عبد العزیٰ بن عبد الشمس بن عبد مناف ہے۔ اور ابو العاص کی ماں ہند بنت خویلد، سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد کی بہن ایک ماں باپ سے تھی۔ اور ابو العاصؓ مشہور اپنی کنیت کے ساتھ ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔ لقیط ہے یا مقسم یا قاسم یا یاسرؓ اور ابن عبد البر نے کہا کہ اکثر کے نزدیک قول اوّل درست ہے یعنی لقیط نام ہے۔ ابو العاصؓ کے اسلام لانے سے پہلے سیدہ زینبؓ نے ہجرت کی۔ اور ان کو شرک میں مبتلا چھوڑ دیا۔ اور ابو العاصؓ مکہ اور مدینہ کے درمیان اسلام لائے۔ اور حضور اکرمؐ نے پہلے ہی نکاح میں سیدہ زینبؓ کو ان کے سپرد

فرما دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ نکاح جدید کے ساتھ سپرد کیا۔ اس کا مجمل قصّہ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ ابو العاص رضؓ بدر کے قیدیوں میں داخل تھے۔ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی آزادی کے لئے فدیہ بھیجا تو سیّدہ زینبؓ بنت رسول اللہ ﷺ نے ابو العاص رضؓ کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ان کے گلے میں لٹکا رہتا تھا جسے سیّدہ خدیجہؓ نے عقد کے وقت سیّدہ زینبؓ کے جہیز میں دیا تھا۔ جب حضور اکرمؐ نے اس ہار کو ملاحظہ فرمایا تو سیّدہ خدیجہ رضؓ کی صحبت کا زمانہ یاد آگیا اور سخت رقت طاری ہوگئی۔ صحابہ سے فرمایا اگر تم دیکھو کہ رہا کر دو تم اسیر زینبؓ کو اور لوٹا دو تم فدیہ کے مال کو۔ تم جانو تو ایسا کر لو۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں! یا رسول اللہ ﷺ! ہم ایسا ہی کریں گے جس میں آپ کی مرضی مبارک ہو گی۔ اور حضور اکرمؐ نے ابو العاص رضؓ سے عہد لیا کہ سیّدہ زینبؓ کو حضور اکرمؐ کی طرف بھیجدیں گے۔ ابو العاص رضؓ نے اسے مان لیا۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے زیدؓ بن حارثہ اور ایک اور انصاری شخص کو مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ سیّدہ زینبؓ کو لے آئیں۔ اور فرمایا مکہ کے اندر نہ جانا بلکہ وادی ناجح کے بطن میں ٹھیرنا۔ یہ ایک موضع کا نام ہے جو مکہ کے باہر ہے مسجد عائشہؓ کے سامنے ہے جہاں انہوں نے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آپ نے فرمایا جب وہ سیّدہ زینبؓ کو تمہارے حوالہ کر دیں۔ تو ان کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ آجانا۔ اس واقعہ کے ڈھائی سال بعد ابو العاص رضؓ ایک تجارت کی غرض سے مکہ سے باہر آئے۔ ان کے ساتھ مکہ والوں کا مال تجارت تھا۔ اس تجارتی قافلہ کی واپسی کے وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، اس کی تلاش میں گئے ہوئے تھے جب انہوں نے قافلہ پر قابو پالیا تو چاہا کہ ابو العاص رضؓ کے مال پر قبضہ کر کے انہیں قتل کر دیں۔ یہ خبر جب سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو پہنچی تو انہوں نے حضور اکرمؐ سے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! کیا کسی مسلمان کو کسی کو عہد و امان میں لینے کا حق نہیں ہے؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "ہاں ہے"۔ سیّدہ زینبؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ! آپ گواہ رہیئے کہ میں نے ابو العاصؓ کو امان دیدی ہے۔ جب صحابہ کرام اس صورتِ حال سے باخبر ہوئے تو ابو العاصؓ اور ان کے مال سے دستِ تعرض کھینچ لیا۔ اور ابو العاص رضؓ سے کہنے لگے تم مسلمان ہو جاؤ تاکہ مشرکوں کا یہ تمام مال تمہارے لئے غنیمت ہو جائے۔ ابو العاصؓ نے کہا میں شرم کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس ناپاک مال سے پلید کروں۔ اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور اس مال کو ان کے مالکوں

کے سپرد کر دیا۔ اور فرمایا "اے مکہ والو! آیا میں نے تمہیں تمہارا مال پہنچا دیا تم مجھے اس سے بری الذمہ قرار دیتے ہو؟" انہوں نے کہا "ہاں! پھر ابو العاص رضؓ نے فرمایا "تم گواہ رہو کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے اور حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضؓ کو نکاح سابق یا نکاح جدید کے ساتھ ان کے سپرد فرمایا۔ اس جگہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زن و شوہر میں سے کسی کے اسلام لانے پر نکاح فسخ ہو جاتا ہے یا نہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابو العاص رضؓ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ اور ان کے ساتھ بہت زیادہ شفقت و عنایت فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ ابو جہل کی بیٹی آئی جو بہت حسین و جمیل تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے چاہا کہ اس سے نکاح فرمائیں۔ جب یہ خبر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ملی تو حضور اکرمؐ کو ناگوار معلوم ہوا۔ اس کے بعد آپ منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیا۔ اس میں حضرت ابو العاص رضؓ کی تعریف فرمائی اور فرمایا، "اگر علی رضؓ مرتضیٰ، ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو فاطمہ زہرا، سلام اللہ علیہا کو طلاق دیدیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی بیٹی کو اور اپنے دشمن کی بیٹی کو ایک جگہ جمع کرنا نہیں چاہتا۔ جب امیر المومنین سیدنا علی رضؓ مرتضیٰ نے یہ سنا تو حاضر ہو کر معذرت خواہی کرنے لگے اور عرض کیا "یا رسول اللہ! نہ میں نے یہ چاہا ہے اور نہ اس سے اس بارے میں کوئی بات کی ہے لوگ ایسا چاہتے تھے۔" حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے علی رضؓ! میں تم سے محبت کرتا ہوں اور فاطمۃ الزہرا رضؓ میرا جگر گوشہ ہے مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے ساتھ میری محبت میں کوئی خلل واقع ہو۔"

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا حضرت ابو العاص رضؓ سے ایک فرزند تھا جس کا نام علی رضؓ تھا اور ایک دختر تھی جس کا نام امامہ رضؓ تھا۔ یہ علی رضؓ ابن ابی العاص، حد بلوغ کے قریب دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حضور اکرمؐ نے روز فتح مکہ اپنی سواری پر ان کو اپنا ردیف بنایا تھا۔ اور امامہ رضؓ سے بہت پیار فرماتے تھے جیسا کہ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نماز پڑھ رہے تھے اور امامہ رضؓ کو اپنے دوش مبارک پر بٹھائے ہوئے تھے۔ جب رکوع میں جاتے تو اسے زمین پر اتار دیتے اور سجدے سے سر مبارک اٹھا کر قیام کی طرف جاتے تو اسے

اٹھاکر دوشِ مبارک پر بٹھا لیتے تھے ...... شارحین حدیث اس جگہ کلام کرتے ہیں کہ یہ اٹھانا اور زمین پر اتارنا فعل کثیر تھا حضور اکرمؐ نے اسے کیسے جائز رکھا، جواب میں فرماتے ہیں کہ امامہؓ خود آکر بیٹھتیں اور خود ہی اُتر جاتی تھیں اور یہ حضور اکرمؐ کا فعل و اختیار نہ تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی رحلت کے بعد سیدہ فاطمہؓ کی وصیت کے بموجب امامہؓ سے نکاح کیا اور ان سے حضرت علی مرتضیٰ کے فرزند "محمد اوسط" پیدا ہوئے۔ اور محمد اکبر اور محمد اصغر بھی اولاد علی مرتضیٰؓ میں سے ہیں۔ اور محمد اکبر محمد بن حنفیہ ہیں اور محمد اصغر ان کی والدہ، ام ولد ہیں، جو کہ سیدنا امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات ظاہری میں ۸ھ میں واقع ہوئی۔ اور سودہؓ بنت زمعہ، ام سلمہؓ اور ام ایمنؓ اور ام عطیہؓ انصاریہ نے ان کو غسل دیا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے۔ محدثین فرماتے ہیں کہ یا تو مراد سیدہ زینبؓ زوجہ ابوالعاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ جیسا کہ مسلم میں حضرت ام عطیہؓ سے مروی ہے کہ کہا جس وقت سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضور اکرمؐ نے ہم سے فرمایا ان کو غسل دو (الحدیث) یا اس سے مراد، سیدہ ام کلثومؓ زوجہ حضرت عثمان ذوالنورینؓ ہیں جیسا کہ ابن ماجہ میں باسناد بر شرطِ شیخین مروی ہے (واللہ اعلم)

متفق علیہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ ہم آپ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے، حضور اکرمؐ نے فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو۔ یا اس سے زیادہ ایک روایت میں سات مرتبہ آیا ہے۔ اس سے مقصود، اختیار دینا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اگر تین مرتبہ سے نظافت و پاکیزگی حاصل ہو جائے تو یہی مشروع ہے ورنہ اس سے زیادہ مرتبہ کریں یہاں تک کہ نظافت حاصل ہو جائے۔ واجب ایک مرتبہ ہے۔ اور روایت جو یہ ہے کہ "یا اس سے زیادہ" اسی معنی کی تائید میں ہے۔ مگر یہ کہ کسی خاص رعایت کی طرف اشارہ ہو۔ نیز حضور اکرمؐ نے فرمایا "خالص پانی اور بیری کے پتے ملے ہوئے پانی سے

غسل دو۔ اور آخری مرتبہ میں کافور ملو۔ ایک روایت میں مشک بھی آیا ہے تو جب تم غسل سے فارغ ہو جاؤ تو اے عورتو! مجھے خبر کرا دینا۔" ام عطیہ رضؓ جو اس حدیث کی راوی ہیں فرماتی ہیں کہ جب ہم غسل سے فارغ ہوئے تو حضور اکرمؐ کو اطلاع دی۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اپنا تہہ بند بھیجا کہ اس سے ان کو کفن دو۔ جو جسم سے پیوست ہو۔ اس حدیث سے صالحین کے تبرکات سے تبرک لینے کا استحباب ثابت ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ان کو تین مرتبہ غسل دو یا پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ اور داہنی جانب اور مواضع وضو سے ابتداء کرو۔ ام عطیہؓ فرماتی ہیں کہ ہم نے ان کے بالوں کی تین لٹیں بنائیں اور ان کو پس پشت ڈالا۔ اور تجہیز و تکفین کے بعد نماز ہوئی اور دفن کر دیا۔ اور حضور اکرمؐ نے خود ان کو قبر میں اتارا۔ (رضی اللہ عنہا)

## رقیہؓ بنت رسول اللہؐ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی ولادت، واقعہ فیل سے تینتیسویں (۳۳) برس میں ہے۔ اور سیدہ زینبؓ کی ولادت کے تین سال بعد ولادت ہے۔ زبیر بن بکاء وغیرہ نے کہا کہ سیدہ رقیہؓ حضور اکرمؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں اس قول کی تصحیح، جرجانی اور نسابہ کی ایک جماعت نے کی ہے مگر اصح وہی ہے جس پر اکثر اہل سیر ہیں۔ وہ یہ کہ سیدہ زینبؓ، سب سے بڑی صاحبزادی ہیں۔ سیدہ رقیہؓ، عہد نبوت سے پہلے عتبہ بن ابی لہب کی زوجیت میں تھیں اور ان کی بہن سیدہ ام کلثومؓ، اس عتبہ کے بھائی عتیبہ کی زوجیت میں تھیں۔ ایسا ہی مواہب لدنیہ میں ہے اکثر کتابوں اور جامع الاصول میں اول عتبہ بصیغۂ بکسر اور ثانی عتیبہ بصیغۂ مصغر آیا ہے اور روضتہ الاحباب میں اس کے برعکس مروی ہے۔ اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہی اکثر کتابوں میں ہے۔ اس لئے کہ عتبہ کا مسلمان ہو کر مقبول الاسلام بن کر صحابہ کی گنتی میں شمار ہوا ہے۔ اور وہ جو حضور اکرمؐ کی بد دعا کا قصہ ہے جس کے بارے میں حضور اکرمؐ کی بد دعا مستجاب ہوئی اور اسے شیر نے پھاڑ کر قتل کیا وہ اس کا بھائی عتیبہ ہے (باتفاق)۔

بہر حال، جب سورۂ "تبت یدا ابی لہب" نازل ہوئی تو ابولہب نے عتبہ سے کہا۔ او عتبہ تیرا سر حرام ہے، مطلب یہ کہ میں تجھ سے بیزار ہوں اگر تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی کو اپنے سے جدا نہ کرے۔ اس پر اس نے جدائی کر لی اور

علیحدہ ہو گیا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ قریش نے حضرت ابوالعاص رضی کو بھی حضور اکرم صلعم کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو جدا کر دینے پر ابھارا۔ انہوں نے فرمایا خدا کی قسم میں ہرگز حضور اکرم صلعم کی صاحبزادی کو جدا نہ کروں گا اور نہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ان کے عوض قریش کی کوئی اور عورت ہو۔

اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی کا نکاح حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کر دیا اور حضرت عثمان رضی نے ان کے ساتھ دو ہجرتیں فرمائیں۔ ایک حبشہ کی طرف دوسری حبشہ سے مدینہ طیبہ کی طرف۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی شان میں فرمایا حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی طرف ہجرت کی۔ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ حسنِ رفیع اور جمالِ کریم کے مالک تھے۔ دولابی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی کا سیدہ رقیہ رضی کے ساتھ نکاح زمانۂ جاہلیت میں ہوا تھا۔ مگر اور تمام اہل سیر نے بعد اسلام بیان کیا ہے۔

منقول ہے کہ جب سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی تو عورتیں روتی تھیں مگر حضور اکرم صلعم ان کو اس سے منع نہ فرماتے تھے۔ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سیدہ رقیہ رضی کی قبر کے سرہانے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بیٹھی ہوئی رو رہی تھیں اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک کے کنارہ سے ان کی چشم مبارک سے آنسو پونچھتے تھے اس کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سیدہ رقیہ رضی کی تعزیت کی گئی تو فرمایا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ دَفْنَ الْبُنَاتَ مِنَ الْمَکْرُوْھَاتِ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت پر رونا رحمت و رقت کی بنا پر ہوتا ہے نہ کہ میت کے فقدان یعنی رخصت ہو جانے کی وجہ سے کیونکہ یہ تو تقدیر الٰہی سے واقع ہوتا ہے۔ یہ سب روایتیں اس تقدیر پر ہیں جبکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سیدہ رقیہ رضی کی وفات کے وقت موجود ہوں، لیکن صورت یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے وقت بدر میں تشریف فرما تھے جیسا کہ مشہور ہے۔ لہٰذا غالب گمان یہ ہے کہ یہ واقعات سیدہ زینب رضی یا سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما سے متعلق ہوں گے اور راوی نے وہم کی بنا پر سیدہ رقیہ رضی کا نام لے لیا ہوگا۔ اور اگر یہ واقعہ ثابت ہو جائے کہ یہ سیدہ رقیہ رضی

کے واقعات ہیں تو ہم کہیں گے کہ ممکن ہے کہ غزوۂ بدر کی واپسی کے بعد جب حضور اکرمؐ سیّدہ رقیہ کی قبر انور پر تشریف لائے ہوں اس وقت یہ واقعات رونما ہوئے ہوں۔ (واللہ اعلم) اگرچہ ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ حضور اکرمؐ ان کی وفات کے دنوں کے نزدیکی زمانہ میں تشریف لائے۔

## سیّدہ ام کلثوم بنت رسول اللہؐ

سیدہ ام کلثومؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تیسری صاحبزادی تھیں جو عتیبہ بن ابولہب کی زوجیت میں تھیں، اہل سیر کہتے ہیں ان کا اپنا نام معلوم نہ ہو سکا۔ بعض لوگ آمنہ بتاتے ہیں۔ منقول ہے کہ عتیبہ نے جب سیّدہ ام کلثومؓ سے جُدائی کی تو وہ بارگاہِ رسالت میں آیا اور کہنے لگا "میں کافر ہوا آپ کے دین سے۔ اور نہ آپ کا دین مجھے محبوب ہے اور نہ آپ ہی مجھے پیارے ہیں۔ اور اس بدبخت نے حضور اکرمؐ سے زیادتی کی اور آپ کی قمیص مبارک کو چاک کر دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ اس نے کہا:۔ هُوَ يَكْفُرُ بِالَّذِي دَنَىٰ فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ۔ ظاہر ہے کہ اس نے یہ الفاظ سورۂ والنجم سے حاصل کئے چونکہ مکہ مکرمہ میں ان دنوں یہ سورۂ مبارکہ نازل ہو گئی تھی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس ملعون نے اتنی گستاخی کی کہ اس نے اس ناپاک منہ کا تھوک حضور اکرم کی جانب پھینکا۔ کہا کہ میں نے رقیہؓ کو طلاق دیدی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ اَللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ ۔ اے خدا اس ملعون پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے"۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت ابوطالب اس وقت مجلس میں حاضر تھے انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تجھے کون سی چیز حضور اکرمؐ کی دعا کے تیر سے بچا سکے گی۔ یہ ملعون، تجارت کی غرض سے شام کی طرف جا رہا تھا راہ میں جب اس نے ایک ایسی منزل میں پڑاؤ ڈالا جہاں درندے تھے تو ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا آج کی رات تم سب ہماری مدد کرو کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعا میرے بیٹے کے حق میں آج کی رات اثر کرے۔ اس پر سب نے اپنے اپنے بوجھوں کو اکٹھا کیا اور نیچے اوپر کر کے چنا اور ان بوجھوں کے اوپر عتبہ کے سونے کے لئے جگہ بنائی۔ اور اس کے چاروں طرف گھیرا ڈال کے بیٹھ گئے۔ اس کے بعد حق تعالےٰ نے ان پر نیند کو مسلط کیا۔ ایک شیر آیا اور اس نے ایک ایک کے منہ کو سونگھا اور کسی

سے اس نے تعرض نہ کیا۔ پھر اس نے جست لگائی اور عتبہ پر پنجہ مارا اور اس کے سینے کو پھاڑ ڈالا ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کی گردن کو دبوچا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو ہجرت کے تیسرے سال حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے تزوج فرما دیا اور فرمایا یہ جبریل علیہ السلام کھڑے ہوئے مجھے خبر دے رہے ہیں کہ حق تعالےٰ حکم فرماتا ہے کہ میں ان کو تمہارے حبالۂ عقد میں دیدوں۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ہجرت کے نویں سال وفات پائی۔ حضور اکرمؐ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی قبر انور کے پاس بیٹھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جس نے آج رات اپنی بیوی سے ہم بستری نہ کی ہو۔ اس پر حضرت ابوطلحہ رضؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ! میں ہوں"۔ فرمایا "ان کی قبر میں اترو"۔ بعض شارحین نے کہا ہے کہ حضور اکرمؐ کا یہ فرمانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تعریض تھا۔ کیونکہ انہوں نے اس رات اپنی باندی سے جماع کیا تھا بایں سبب کہ سیدہ ام کلثوم کی علالت نے طول کھینچا تھا جب وہ بے طاقت ہو گئے تو اپنی باندی کے پاس گئے اور جماع کیا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضؓ سے فرمایا اگر میرے پاس تیسری صاحبزادی ہوتی تو اسے بھی تمہارے نکاح میں لے آتا ایک روایت میں ہے کہ اگر دس صاحبزادیاں ہوتیں تو میں ان کو یکے بعد دیگرے دیتا جاتا اور وفات پاتی رہتیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا عرصہ تک حضرت ذوالنورین کی زوجیت میں رہیں۔ لیکن ان سے کوئی فرزند نہ ہوا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ دو فرزند متولد ہوئے لیکن زندہ نہ رہے۔ نیز سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا سے بھی کوئی فرزند زندہ نہ رہا۔ چنانچہ پہلی ہجرت بجانب حبشہ میں ان کا حمل ساقط ہوا اس کے بعد ایک اور فرزند پیدا ہوا جب وہ دو سال کا ہوا تو ایک مرغ نے ان کی آنکھ میں چونچ ماری اور وہ فوت ہو گئے لہٰذا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں سے کوئی فرزند زندہ نہ رہا۔ دوسری بیویوں سے اولاد پیدا ہوئی جو باقی و زندہ رہیں (واللہ اعلم)

## سیّدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی چوتھی صاحبزادی سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی پیدائش، ولادت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ قول ابو بکر رازی کا ہے اور یہ قول اس کے مخالف ہے جسے ابن اسحاق نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے بارے میں بیان کیا ہے کہ حضور اکرمؐ کی تمام اولاد اظہار نبوت سے قبل پیدا ہوئی ہیں بجز حضرت ابراہیمؓ کے۔ اس لئے کہ اس قول کے بموجب سیّدہ فاطمہؓ کی ولادت بعد از نبوت ایک سال بعد ہوتی ہے۔

ابن جوزی نے کہا کہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت، اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہے۔ مشہور تر روایت یہی ہے۔ ایک قول کے بموجب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور اکرمؐ کی صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں۔ اور ایک قول سے سیّدہ رقیہؓ اور ایک قول سے ام کلثوم رضی اللہ عنہن سب سے چھوٹی تھیں۔

سیّدہ زہرا، سیّدۃ نساء العالمین اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہیں۔ اور فاطمہؓ اس بنا پر نام رکھا گیا کہ حق تعالیٰ نے ان کو اور ان کے محبین کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھا ہے اور بتول اس بنا پر نام رکھا گیا کہ آپ اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے فضیلت، دین اور حسن وجمال میں جُدا ہیں اور ماسوی اللہ سے بے نیاز ہیں۔ اور زہرا اس بنا پر کہ زہرت بہجت اور جمال میں کمال مرتبہ میں ہیں۔ اور زکیہ و راضیہ بھی آپ کا لقب ہے سیّدہ زہرا رضی اللہ عنہا تمام لوگوں میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے راہ وروش اور صورت و سیرت اور کلام میں سب سے زیادہ مشابہ تھیں۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی جب سیّدہ فاطمہؓ آتیں تو حضور اکرمؐ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ تھام لیتے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے تھے۔ اسی طرح جب حضور اکرمؐ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو یہ حضور اکرمؐ کے لئے کھڑی ہو جاتیں اور آگے بڑھ کر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک تھام لیتیں اور اپنی جگہ حضور کو بٹھاتیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا عقد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے ہجرت کے دوسرے سال رمضان مبارک میں غزوۂ بدر کی واپسی پر فرمایا۔ بعض غزوۂ احد

کے بعد کہتے ہیں، اور ماہ ذی الحجہ میں شب عروسی واقع ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ماہ رجب میں نکاح ہوا اور ایک قول سے ماہ صفر میں۔ انعقاد نکاح بحکم الٰہی اور اس کی وحی سے تھا اور سیّدہ کی عمر شریف پندرہ سال ساڑھے پانچ ماہ کی تھی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی کی عمر شریف اکیس سال پانچ ماہ تھی۔ دیگر اقوال بھی ہیں۔ نکاح کا قصہ ہجرت کے دوسرے سال کے واقعات میں بیان ہو چکا ہے۔ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے امام حسن، امام حسین، محسن، زینب، ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ محسن اور رقیہ عہد طفولیت میں ہی وفات پاگئے اور سیّدہ زینب حضرت عبداللہ بن جعفر رضی سے اور سیّدہ ام کلثوم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی زوجیت میں آئیں اور ان کی اولاد باقی نہ رہی۔ اگرچہ سیّدہ ام کلثوم کا حضرت فاروق اعظم سے ایک فرزند پیدا ہوا اور اس کا نام زید تھا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ:۔ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ۔ اور یہ روایت درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِّنِّي مَنْ اٰذَاهَا فَقَدْ اٰذَانِي وَمَنْ اَبْغَضَهَا فَقَدْ اَبْغَضَنِي۔ فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے انہیں تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے ان سے بغض رکھا بلاشبہ اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ نیز فرمایا:۔ اِنَّ اللّٰهَ يَغْضِبُ فَاطِمَةَ وَيَرْضٰى بِرِضَاهَا۔ بیشک اللہ فاطمہ کے غصّہ سے غضب فرماتا اور ان کی رضا سے خوش ہوتا ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضیٰ اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کو ایک فرش پر بٹھا کر دونوں کی دلجوئی فرمائی۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم نے عرض کیا "یا رسول اللہ! (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کو وہ مجھ سے زیادہ پیاری ہیں یا میں؟" حضور اکرم نے فرمایا "وہ مجھے تم سے زیادہ پیاری ہیں اور تم ان سے زیادہ مجھے پیارے ہو۔"

سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت صحت کو پہنچی ہے کہ فرمایا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف فرما تھے اور حضور اکرم کے بدن اقدس پر اونی چادر شریف تھی۔ حسن بن علی رضی آئے حضور اکرم نے ان کو اپنی چادر شریف میں لے لیا۔ ان کے بعد حسین بن علی رضی آئے حضور اکرم نے ان کو بھی چادر شریف میں لے لیا ان کے بعد سیدہ فاطمہ رض اور

حضرت علی مرتضیٰ کرم آئے حضور اکرم نے ان کو بھی اپنی چادر شریف میں لے لیا اس وقت یہ آیۂ کریمہ پڑھی۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا۔ بلاشک وشبہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ناپاکی کو دور فرمائے اور تمہیں خوب پاک وستھرا بنائے اور ان چاروں شخصوں کے بارے میں فرمایا میں اس سے جنگ کروں گا جو ان سے جنگ کرے گا۔ اور میں ان سے صلح کروں گا جو ان سے صلح کرے گا۔ ایک دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور ملاحظہ فرمایا کہ آپ اونٹ کے بالوں کا موٹا لباس پہنے بیٹھی ہیں حضور اکرمؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا "اے فاطمہؓ! آج تم دنیا کی تنگی وسختی پر صبر کرو تاکہ کل روز قیامت جنت کی نعمتیں تمہیں حاصل ہوں۔" مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے سینۂ مبارک پر رکھ کر دعا مانگی اے خدا ان کو بھوک کی تکلیف سے نجات دے۔ سیدہ فاطمہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد سے میں نے کبھی اپنے دل میں بھوک کی تکلیف محسوس نہ کی۔ حدیث میں اس کا طویل قصہ مذکور ہے۔

حضرت ثوبان مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ جب سفر میں تشریف لے جاتے تو سب کے آخر میں سیدہ زہراؓ سے رخصت ہوتے اور جب سفر سے تشریف لاتے تو سب سے پہلے اپنے اہل بیت میں سے ان سے ملاقات فرماتے۔ ان کے بعد ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محدثین روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آدمیوں میں سے کون حضور اکرمؐ کو سب سے زیادہ پیارا تھا فرمایا سیدہ فاطمہؓ! پھر لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے شوہر، یہ ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انصاف، صدق حال اور اہلِ بیت نبوت کے ساتھ ان کی مصادقت۔ اسے یاد رکھنا چاہیے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آدمیوں میں سے کون رسول مقبول علیہ السلام کو پیارا تھا؟ فرمایا عائشہ! لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے والد ماجد سب سے زیادہ محبوب تھے، سب ہی محبوب

تھے لیکن حیثیتیں مختلف ہیں۔

امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ ماجدہ سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا ہے کہ وہ گھر کی مسجد کے محراب میں رات رات بھر نماز میں مشغول رہتیں یہاں تک کہ صبح طلوع ہو جاتی۔ اور میں نے انہیں مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کے حق میں بہت زیادہ دعا کرتے سنا۔ انہوں نے اپنی ذات کے لئے کوئی دعا نہ مانگی۔ میں نے عرض کیا "اے مادر مہربان! کیا سبب ہے کہ آپ اپنے لئے کوئی دعا نہیں مانگتیں؟ فرمایا "اے فرزند! اول الجوار ثم الدار" پہلے ہمسایہ ہیں پھر گھر ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ ایک دن سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے، ان سے کہا خدا کی قسم اے فاطمہؓ! میں نے کسی کو حضور اکرمؐ کے نزدیک تم سے زیادہ محبوب نہ دیکھا اور قسم ہے خدا کی، میں نے آپ کے والد ماجد کے بعد کسی شخص کو اپنے نزدیک آپ سے زیادہ محبوب نہ جانا۔

اہل بیت اطہار کے فضائل و مناقب بیشمار ہیں۔ کچھ تو مجملاً بعنوان اہل بیت ہیں اور کچھ مخصوص بہ امام حسن و حسین اور علی و فاطمہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ چونکہ اس جگہ مقصود سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور اہل بیت اطہار اور تفسیر آیۂ کریمہ: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ۔ کے معنی میں کلام بہت ہے جسے دوسری جگہوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہیں دیکھنا چاہیئے (وباللہ التوفیق)

## وفات سیّدہ زہرا

سیّدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات، شب سہ شنبہ تیسری ماہ رمضان ۱۱ھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد واقع ہوئی یہی قول مشہور و صحیح ہے۔ اور بھی کئی قول ہیں لیکن وہ درجۂ صحت سے دور ہیں۔ اور بقیع شریف میں، رات میں مدفون ہوئیں۔ ان کی نماز جنازہ ایک قول سے حضرت علیؓ اور ایک قول سے حضرت عباس نے پڑھی۔ کہتے ہیں کہ دوسرے دن حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے شکایت کی کہ ہمیں کیوں نہ خبر کی ہم بھی نماز کا شرف پاتے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عذر خواہی میں فرمایا میں نے فاطمہؓ کی وصیت کی بنا پر ایسا کیا کہ جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں

تورات میں دفن کرنا تاکہ نامحرموں کی آنکھیں میرے جنازہ پر نہ پڑیں۔ لوگوں میں یہی مشہور رہا ہے مگر روضۃ الاحباب وغیرہ میں یہ ہے اور روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت عثمان بن عفان و عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہم بھی آئے اور یہ ذکر پہلے بھی حضور اکرم کی وفات کے ضمن میں آخر میں کیا جا چکا ہے۔

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے محل دفن میں اختلاف ہے بعض کا خیال ہے کہ آپ کا مرقد بقیع میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قبہ میں ہے جہاں تمام اہل بیت نبوت آسودہ ہیں (اور بقیع کے تمام مزارات اور قبوں کو ملعون نجدیوں نے اپنے دورِ استبداد ۱۳۴۳ھ میں شہید کر دیا ہے (مترجم)) اور بعض کا خیال یہ ہے ان کا مدفن ان کے گھر میں ہی ہے جو کہ مسجد نبوی شریف میں ہے ان کا جنازہ گھر سے باہر نہ نکالا گیا۔ آج بھی ان کی زیارت وہیں مشہور رہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا مزار شریف بقیع کی مسجد میں ہے جو قبہ عباسی کے نام سے منسوب ہے اور شرقی کی جانب ہے۔ امام غزالی نے بقیع کی زیارت میں اس مسجد کا ذکر کیا ہے اور اس میں نماز پڑھنے کی وصیت کی ہے۔ بعض اور حضرات نے بھی اس مسجد شریف کا ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ وہ "بیت الحزن" کے نام سے معروف ہے کیوں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے غم وجدائی کی مصیبت کے زمانہ میں لوگوں کی صحبت سے پریشان ہو کر تنہائی اختیار کر کے اس جگہ قیام پذیر ہو گئی تھیں۔ نیز کہتے ہیں کہ اس جگہ ایک گھر ہے جسے حضرت علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے بقیع میں لیا تھا (واللہ اعلم) پہلا قول صحیح اور اخبار و آثار کے موافق ہے۔

مسعودی نے "مروج الذہب" میں بیان کیا ہے کہ حضرت امام حسن، امام زین العابدین امام محمد باقر اور امام جعفر صادق رضی اللہ عنہم کی قبروں کی جگہ میں ایک پتھر پاتے ہیں جس پر لکھا ہوا ہے کہ: هٰذَا قَبْرُ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيِّدَةِ نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ وَقَبْرُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ بْنِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ وَجَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ التَّحِيَّةُ وَالسَّلَامُ ۔ اس پتھر کا ظہور ۳۳۰ھ میں ہوا۔ امام المسلمین سیدنا حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے دفن کے قصہ میں مروی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ اگر لوگ مزاحمت نہ کریں تو مجھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کرنا۔ ورنہ بقیع

میں اپنی والدہ ماجدہ سیدہ فاطمہؓ کے پہلو میں دفن کر دینا۔ غرضکہ آپ کی قبر شریف میں یہی جگہ مختار ہے۔ محب طبری، ذخائر العقبیٰ میں نقل کرتے ہیں کہ مجھے ایک مرد صالح نے جو میرے ساتھ خدا کے لئے اخوت رکھتا تھا خبر دی کہ جب شیخ ابوالعاص مرسی جو کہ شیخ ابوالحسن شاذلیؒ کے شاگرد ہیں وہ بقیع کی زیارت کرتے تو وہ حضرت عباس کے قبہ کے آگے کھڑے ہو کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر سلام پڑھتے تھے۔ اور فرماتے کہ شیخ پر اسی جگہ میں حضرت فاطمہؓ کی قبر انور منکشف ہوئی ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ کشف میں حضرت شیخ کو ایک آیت کری ہے۔ فرماتے ہیں کہ عرصہ دراز تک اس بنا پر کہ جو اعتقاد مجھے حضرت شیخ سے تھا اسی اعتقاد پر قایم رہا یہاں تک کہ میں نے وہ روایت ابن عبدالبر سے امام حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے قضیہ میں منقول ہے دیکھی، اس کے بعد شیخ نے جو کشف سے خبر دی تھی اس پر میرا اعتقاد زیادہ ہو گیا۔ اور فرمایا کہ حدیث کی صحت مجھ پر شیخ کے کشف سے ثابت ہوئی اور حدیث کے مطابق حضرت شیخ کا کشف سچا ثابت ہوا۔ (واللہ اعلم)

# باب دوم

## در ذکر امہات المومنین ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن

واضح رہنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں دنیاوی امور کی جو چیزیں زیادہ محبوب تھیں ان میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں۔ اور ان کے ساتھ خوش ہوتے تھے۔

اہلِ سیر بیان کرتے ہیں کہ قوتِ مباشرت آپ کو تیس تا چالیس مردوں کی ودیعت ہوئی تھی لامحالہ آپ کے لئے مباح ہوا کہ اپنے نکاح میں جتنی ازواج مطہرات چاہیں رکھیں۔ واضح رہنا چاہیئے کہ نکاح کے فوائد میں سے حفظ نسل اور بقائے نوعِ انسانی کے بعد حصول لذت، تمتع نعمت اور حفظ صحت ہے۔ اس لئے کہ منی کا روکنا اور اسے نکالنے سے بچانا شدید امراض کا مورث موجب ہے اور ضعف قوی اور انسداد اعضائے مجاری کا موجب ہے۔ اور قوتِ باہ وشہوت جماع کے ساتھ تفاخر و مباہات اور تمادح، اور اس کے برعکس میں تنقیص و تحقیر، مقررہ امر معروف اور عادت مستمر و مستقر ہے۔ جو لوگوں کے درمیان عام ہے۔ اور عورتوں سے محبت اور متعدد نکاح کرنا نوع انسانی کے کمال اور افراد انسانی کے کامل ترین ہونے کی دلیل ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام صاحبانِ ازواج و اولاد ہوئے ہیں بجز حضرت عیسےٰ اور حضرت یحیٰی علیہما السلام کے، روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام روزانہ اپنے براق پر سوار ہو کر شوق صحبت میں شام سے مکہ مکرمہ سیدہ ہاجرہ والدہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ اور یہ ان کے ساتھ کمال شغف اور ان سے قلتِ صبر کی بنا پر واقع ہوتا تھا۔ اور حضرت داؤد نبی علیہ السلام کے ننانوے ۹۹ ازواج مطہرات تھیں۔ اس کے باوجود وہ ایک اور سے نکاح کرنا چاہتے تھے تاکہ سَو پوری ہو جائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تین سو منکوحہ ازواج اور ہزار باندیاں تھیں۔ اور ایک رات میں سَو پر دورہ

فرماتے تھے۔

بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک رات میں اپنی تمام ازواج پر دورہ فرماتے تھے اور وہ گیارہ[۱۱] تھیں۔ ایک روایت میں ہے کہ نو تھیں۔ اور تحدیثِ نعمت میں فرماتے کہ آپ کو تیس[۳۰] مردوں کی طاقت عطا کی گئی ہے طاؤس اور مجاہد سے مروی ہے کہ چالیس[۴۰] مردوں کی قوت دی گئی۔ ایک روایت میں مجاہد سے مروی ہے کہ چالیس[۴۰] جنتی جوانوں کی قوت دی گئی اور صحیح روایت میں آیا ہے کہ ہر جنتی جوان کی سَو مردوں کی قوت کھانے پینے اور جماع میں ہوتی ہے لہٰذا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مباح تھا کہ جتنی تعداد میں چاہیں عورتوں کو نکاح میں لائیں۔ اس میں کمالِ فضل و شرف اور تمام مردوں سے آپ کا امتیاز ہے۔

حضور اکرم کے لئے ازواج کی زیادتی میں حکمت یہ تھی کہ اندرونی اور خلوت کے احکام مردوں تک ان کے ذریعہ سکھائے جاسکیں۔ اور وہ امت میں نقل کریں اور قیامِ حقوق اور حسنِ معاشرت میں تکلیف کی زیادتی اور ان کی صحبت پر صبر فرمانا باوجود بارِ رسالت کو برداشت فرمانے اور عبادتِ شاقہ کے ساتھ اس پر قایم رہنے کے آپ کا یہ عالم تھا۔ یہ بھی نکاح کے فوائد میں سے ہے۔

اور یہ جو نقل کیا گیا اس سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر تفصیل لازم نہیں آتی اس لئے کہ حضور اکرم کے کمالات و فضائل اتنے کثیر ہیں کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام کے فضائل کو ایک پہلو میں رکھیں تو حضور اکرم کے فضائل ان سب پر غالب ہونگے حقیقتِ حال یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے حق سبحانہٗ و تعالیٰ سے ایسی بادشاہت مانگی تھی جو کسی دوسرے کو میسر نہ ہو۔ تو حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو کئی چیزیں مثلاً تسخیرِ ریاح، جن وغیرہ ان کے ساتھ مخصوص فرمائیں کسی دوسرے کو وہ میسر نہ ہوئیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک نبی بادشاہ تھے۔ اور یہ سب ان کے معجزات میں سے تھے۔

حدیث مبارک میں آیا ہے کہ ہمارے نبی کریم علیہ السلام کو اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو نبی بادشاہ ہوں یا نبی بندے؟ اس پر حضور اکرم نے نبی بندے کو اختیار فرمایا اور نبی بادشاہ کو اختیار نہ فرمایا۔ مطلب یہ کہ بندگی، بادشاہت سے بہتر ہے۔ لہٰذا حق تعالےٰ نے حضور اکرم کو حدِ بشریت اور فقر و عبودیت پر قایم رکھا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو

سلطنت، بادشاہت، ازواج کی کثرت، تخت کا ہوا پر اُڑنے اور تسخیر جنات وغیرہ کے اضافہ کے ساتھ نبی بنایا۔ اور یہ سب چیزیں ظاہر میں تھیں۔ لیکن ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ سلم کی قدرت و قوتِ تصرف، کائنات سے اور قربت و عزت بارگاہِ صمدیت میں ان سے زیادہ تھی اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ قدرت و قوت اور شکرِ نعمت ان سے کامل تر تھی لیکن ظاہر میں آن کا وجود حضرت سلیمان کے ساتھ مخصوص تھا۔ اور اسی مفہوم و مطلب پر وہ حدیث صحیح دلالت کرتی ہے کہ ایک عفریت جنات میں سے حضور اکرم کی نماز میں آیا کہ وسوسہ اور خلل ڈالے پھر حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ پکڑ کر مسجد کے ستون سے باندھ دوں تاکہ مدینہ طیبہ کے بچے اور اطفال اس سے کھیلیں لیکن اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی ایک دعا یاد آگئی اور میں نے اسے چھوڑ دیا مطلب یہ کہ مجھے جنات پر قوت و تصرف حاصل ہے لیکن چونکہ یہ تصرف بحکم الٰہی حضرت سلیمان علیہ السلام کے ساتھ مخصوص رکھا گیا ہے۔ اس بنار پر میں نے اس سے اعراض کیا (فافہم وباللہ التوفیق)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم شب باشی میں۔ باری کا تمام ازواج مطہرات میں اور ادائے نفقہ و سکنہ اور ان کے حقوق و معاملات میں برابری کا لحاظ فرماتے تھے جن پر کہ آپ کو قدرت تھی۔ لیکن محبت کے بارے میں فرماتے اے خدا یہ تقسیم اور انصاف میرا ان چیزوں میں ہے جس میں مجھے قدرت و اختیار حاصل ہے اور جن چیزوں میں مجھے مالک نہیں فرمایا ہے ان میں تو مجھے ملامت نہ فرمانا یعنی محبت اور مجامعت میں۔ اور ازواج مطہرات کے درمیان مساوات کی رعایت کے وجوب میں حضور اکرمؐ کے بارے میں اختلاف ہے آیا یہ آپ پر بھی واجب تھا یا یہ محض آپ کا ان پر کرم، تفضل، مروت اور ان کے دلوں کو خوش رکھنا تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ باوجود اس کے اتنی رعایت کا پاس و لحاظ فرماتے کہ گویا یہ آپ پر واجب ہے حالانکہ یہ آپ کا محض فضل و کرم تھا۔ (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ از حد بہترین تھی۔ حضور اکرمؐ فرماتے تم میں وہ شخص بہترین ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ سیرت و معاشرت میں بہتر ہے اور میں تم سب سے زیادہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ بہتر ہوں جب سفر کا ارادہ فرماتے تو ان کے درمیان قرعہ ڈالتے جن کا نام قرعہ میں نکل آتا ان کو اپنے

ہمراہ لے جاتے۔ حضرت حق سبحانہٗ و تعالےٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو امہات المومنین فرمایا۔ یہ ارشاد حرمتِ نکاح اور وجوبِ احترام میں ہے نہ کہ دیکھنے اور تنہا رہنے میں۔ اس کے باوجود، ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی بہنوں کے حکم میں نہیں ہیں اور نہ ان کی مائیں، آباء، اجداد اور دادیاں، اور نہ اُن کی بہنیں اور بھائی ماموں اور خالاؤں کے حکم میں ہیں۔ اور نہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مرد و عورت کے لئے باپ کے حکم میں ہیں۔ ازواج مطہرات کو امت کی تمام عورتوں پر افضلیت حاصل ہے۔ اور ان کا ثواب و عقاب ان سے دونا ہے۔ ازواج مطہرات میں سب سے افضل سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان فضل میں اختلاف ہے چنانچہ اس کی تحقیق آگے آئے گی۔

حضور اکرمؐ کی ازواج مطہرات کی تعداد اور ان کی ترتیب میں علماء اختلاف رکھتے ہیں۔ اور ان کا شمار جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے فوت ہوئیں اور جو حضور اکرمؐ کے بعد فوت ہوئیں اور وہ جن سے دخول ہوا اور وہ جن سے دخول نہ ہوا اور وہ جن کو پیام نکاح دیا اور نکاح نہ ہوا اور وہ جنہوں نے خود کو حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا ان سب میں اختلاف ہے ان میں سے متفق علیہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں چھ قریش میں سے یعنی سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ، سیّدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر صدیق، سیّدہ حفصہ بنت عمر فاروق، سیّدہ ام حبیبہ بنت ابو سفیان، سیّدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ سیّدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہن۔ اور چار عربیہ غیر قریشیہ ہیں یعنی سیّدہ زینب بنت جحش، سیّدہ میمونہ بنت الحارث ہلالیہ سیّدہ زینب بنت خزیمہ ہلالیہ ام المساکین، سیّدہ جویریہ بنت الحارث رضی اللہ عنہن اور ایک غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہیں وہ سیّدہ صفیہ بنت حیی بنی نضیر سے ہیں۔ اور وہ ازواج جو حضور اکرمؐ کے سامنے فوت ہوئیں دو ہیں ایک سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ اور دوسری زینب ام المساکین رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت بلا اختلاف نو ازواج مطہرات موجود تھیں۔

## ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ

سب سے پہلے جن سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تزوج فرمایا وہ سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں اور جب تک وہ حیات رہیں ان کی موجودگی میں حضور اکرمؐ نے کسی

عورت سے نکاح نہ فرمایا۔ ترتیب میں ان کے ذکر کی ابتداء میں یہ بیان ہے۔ ام المومنین کا نسب نامہ یہ ہے۔ خدیجہؓ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ سیدہ کا نسب، حضور اکرمؐ کے نسب شریف سے قصی میں مِل جاتا ہے اور حضور اکرمؐ نے قصی کی اولاد سے بجز خدیجہؓ اور ام حبیبہ کے کسی کی خواستگاری نہ فرمائی۔ ان کی کنیت ام ہند ہے اور ان کی والدہ فاطمہ بنت زائدہ بن الاصم، بنی عامر بن لوی سے تھیں۔ وہ پہلے ابو ہالہ بن نباس بن زرارہ کی زوجیت میں تھیں۔ اور اس سے ان کے دو فرزند ہوئے ایک ہند اور دوسرا ہالہ اور ابو ہالہ کا نام مالک تھا اور ایک قول سے زرارہ اور دوسرے قول سے ہند تھا۔ اس کے بعد انہوں نے عتیق بن عایذ مخزومی سے نکاح کیا اس سے ان کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہندؓ تھا (کذا فی المواہب) روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ ایک لڑکا ایک لڑکی ہے اور ہند ایسا نام ہے جو مرد و عورت دونوں کے لیے رکھے جاتے ہیں جس طرح جویریہ ہے۔ اور بعض نے عتیق کو ابو ہالہ پر مقدم بیان کیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا۔ اور ہندؓ حضور اکرمؐ کی ربیبہ تھی۔ اس وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی عمر شریف چالیس۴۰ برس کی تھی۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس۲۵ سال کی تھی اور ایک قول کے بموجب اکیس سال کی تھی۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے بعض نے تیس سال بھی کہا ہے (واللہ اعلم)

سیدہ خدیجہؓ عاقلہ، فاضلہ اور فرزانہ عورت تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہتے تھے۔ عالی نسب اور بڑی مالدار تھیں۔ ابو ہالہ عتیق کے بعد بہت سے صنادید و اشراف قریش خواستگاری رکھتے تھے کہ وہ ان سے نکاح کرلیں مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اور انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے آپ کو خود پیش کیا۔ حضور اکرمؐ نے اس کا تذکرہ اپنے چچاؤں سے فرمایا اس کے بعد حضور اکرمؐ حضرت حمزہؓ کے ساتھ خویلد بن اسد کے پاس تشریف لائے اور ان کو پیام دیا۔ اس کی پوری تفصیل، ولادت کے پچیسویں سال میں جبکہ شام کے سفر سے واپس تشریف لائے تھے اور سیدہ خدیجہؓ کے ساتھ نکاح فرمایا تھا گزر چکی ہے۔ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مہر انتیس۲۹ جوان اونٹ تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ بارہ اوقیہ سونا تھا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے خواب میں دیکھا تھا کہ آسمانی آفتاب ان کے گھر اتر آیا ہے اور اس کا نور ان کے گھر سے پھیل رہا ہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کا کوئی گھر ایسا نہیں جو اس نور سے روشن نہ ہوا ہو۔ جب وہ بیدار ہوئیں تو یہ خواب اپنے چچا کے لڑکے ورقہ بن نوفل سے بیان کیا۔ اس نے اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ نبی آخر الزماں تم سے نکاح کریں گے۔

سیدہ خدیجہ رضؓ وہ پہلی عورت ہیں جن پر اسلام کی حقیقت سب سے پہلے روشن ہوئی اور انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور اپنا تمام مال و زر حضور اکرمؐ کی رضا میں خرچ کیا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد خواہ فرزند ہوں یا دختر سب انہیں سے پیدا ہوئے بجز حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے جو سیدہ ماریہؓ قبطیہ سے پیدا ہوئے تھے۔ اور یہ حضور اکرمؐ کی پچیس ۲۵ یا چوبیس ۲۴ سال شریک حیات رہیں۔ ان کی وفات ہجرت سے پانچ سال یا تین سال پہلے ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر شریف پینسٹھ سال تھی۔ ان کی وفات بعثت کے دسویں سال ماہ رمضان میں ہوئی ہے اور مقبرۂ حجون میں مدفون ہوئیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر میں داخل ہوئے اور دعائے خیر فرمائی۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہ ہوئی تھی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی وفات سے بہت ملول و محزون ہوئے تھے۔ ان کی وفات کے سال کا نام "عام الحزن" ہے ان کے فضائل و مناقب بہت ہیں۔ سیدہ خدیجہ رضؓ کی فضیلت میں بس اتنا کافی ہے سیدہ فاطمہ زہرا جیسی صاحبزادی ان کے بطن سے پیدا ہوئیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کفار قریش کی تکذیب سے حضور اکرمؐ جو غم و اندوہ اور تکلیفیں اٹھاتے تھے وہ سب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دیکھتے ہی جاتا رہتا تھا۔ اور آپ خوش ہو جاتے تھے، اور جب حضور اکرمؐ سیدہ خدیجہؓ کے پاس تشریف لاتے تو وہ حضور اکرمؐ کی پاس خاطر فرماتیں جس سے ہر مشکل آسان ہو جاتی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بارگاہِ رسالت میں جبریل علیہ نے حاضر ہو کر عرض کیا "اے محمدؐ! آپ کے پاس حضرت خدیجہؓ دستر خوان لا رہی ہیں جس میں کھانا پانی ہے جب وہ لائیں ان سے ان کے رب کا سلام فرمانا اور میری طرف سے انہیں بشارت دینا کہ ان کے لئے جنت میں قصب کا ایک ایسا گھر ہے جس میں نہ شور و غل ہوگا

اور نہ رنج و مشقت۔ قصب گول موتی کو کہتے ہیں۔ جنت میں ایک ایک موتیوں کے گھر ہوں گے۔

عبدالرحمٰن بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا بلاشبہ میں نوع بشری کا روز قیامت سردار ہوں مگر انبیاء میں سے میری نسل میں ایک شخص ہے جن کا نام اقدس احمد ہے ان کو مجھ پر دو باتوں میں فضیلت دی گئی ہے ایک یہ کہ ان کی بیوی بھلائی میں ان کی مددگار و معاون ہوگی اور میری بیوی میرے لئے خطا پر برانگیختہ کرنے میں معاون ہوئی۔ کہ درخت کا پھل کھلایا۔ دوسرے یہ کہ حق تعالیٰ نے ان کو ان کے شیطان (ہمزاد) پر اعانت فرمائی کہ وہ مسلمان ہو گیا مگر میرا شیطان (ہمزاد) کافر ہوا۔ اسے ذلالی نے بیان کیا ہے جیسا کہ طبری اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ایسی حدیث خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ فرمایا حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں پوچھا تو ایسا ہی فرمایا (واللہ اعلم) بہر تقدیر حاصل یہی ہوتا ہے کہ مراد زوجہ سے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔

مسند امام احمد میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنتی عورتوں میں سب سے افضل سیدہ خدیجہ بنت خویلد، سیدہ فاطمہ بنت محمد اور حضرت مریم بنت عمران اور آسیہ امراۃ فرعون رضی اللہ عنہن ہیں۔

ولی الدین بن العراقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں بہر قولِ صحیح و مختار افضل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں (انتہی)

شیخ الاسلام زکریا انصاری نے "لہجہ" میں فرمایا کہ ازواج مطہرات میں افضل سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان افضلیت میں اختلاف ہے۔

ابن عماد نے تصریح کی ہے کہ سیدہ خدیجہ رضؓ اس بنا پر افضل ہیں کہ یہ ثابت شدہ ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے عرض کیا کہ بلاشبہ حق تعالیٰ نے آپ کے لئے سیدہ خدیجہ رضؓ سے بہتر زوجہ مرحمت فرمائی رضؓ" انہوں نے اس سے اپنے آپ کو مراد لیا اور خود کو سیدہ خدیجہ رضؓ پر فضیلت دی۔ اس پر حضور اکرم ؐ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے سیدہ خدیجہ رضؓ سے بہتر مجھے زوجہ مرحمت نہ فرمائی کیونکہ سیدہ

خدیجہ رضی مجھ پر اس وقت ایمان لائیں جبکہ لوگ میری تکذیب کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنے مال سے میری ایسے وقت میں مدد کی جبکہ لوگوں نے مجھے محروم کر رکھا تھا۔

ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے فرمایا "سیدہ خدیجہ رضی"! اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی نے اپنا سلام حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے جبریل علیہ السلام کی معرفت کہلوایا۔ اور حضرت خدیجہ کو رب تعالےٰ نے سلام جبریل علیہ السلام کی معرفت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلوایا۔ اس بنا پر سیدہ خدیجہ رضی افضل ہوئیں۔ اس کے بعد ابن داؤد سے پوچھا گیا کہ کون افضل ہیں حضرت عائشہ یا سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہما؟ ابن داؤد نے فرمایا۔ بلاشبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ رضی میرا جگر گوشہ ہیں اس بنا پر کوئی بھی حضور اکرم ؐ کے پارۂ گوشت کے برابر نہیں ہے۔ میری اس بات کی گواہی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک دیتا ہے جو سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ سیدۂ نساءِ اہل جنت ہو بجز مریم رضی کے۔ وہ حضرات جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فضیلت دیتے ہیں انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی آخرت میں حضور اکرم ؐ کے ساتھ ہوں گی اور سیدہ فاطمہ زہراء حضرت علی مرتضےٰ کے ساتھ ان کے درجہ میں ہوں گی۔

حضرت شیخ تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں پوچھا گیا تو فرمایا جو کچھ کہ ہم نے اختیار کیا ہے اور جو کچھ کہ خدا کے نزدیک ہم نے اخذ کیا یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی بنت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہیں ان کے بعد ان کی والدہ ماجدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی ان کے بعد حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہن۔ اور اس سے استدلال کیا جو کہ پہلے گزرا لیکن طبرانی میں ایک حدیث ہے کہ جہان کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران پھر سیدہ خدیجہ رضی بنت خویلد پھر فاطمہ رضی بنت محمد پھر آسیہ فرعون کی بیوی۔ ابن عماد نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت خدیجہ کو جو فضیلت دی گئی ہے وہ باعتبار ماں ہونے کے ہے نہ کہ باعتبار سیادت۔ اور سبکی نے یہ اختیار کیا ہے کہ مریم افضل ہیں اس حدیث کی بنا پر۔ اور ان کی نبوت میں اختلاف کی بنا پر (انتہیٰ)

ابو امامہ بن النقاش نے فرمایا کہ سیدہ خدیجہ رضی کی سبقت، اول اسلام میں ان کی تاثیر اور دین خدا کے قیام و نصرت اور اس کی تقویت میں اپنے مال کو خرچ کرنے میں ہے

کوئی ایک بھی اس میں ان کا شریک نہیں ہے۔ نہ سیدہ عائشہ صدیقہ اور نہ امہات المومنین میں کوئی اور۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آخر اسلام میں ان کا اثر اور امت کے ساتھ حمل دین اور تبلیغ اسلام میں ان کی تلقین اور امت کا ان سے اسلام کے مسائل و احکام حاصل کرنا یہ سب ایسی خوبیاں ہیں جن میں کوئی ان کا شریک نہیں ہے نہ سیدہ خدیجہ اور نہ کوئی اور امہات المومنین میں سے۔ یہ ان کی امتیازی شان ہے جو ان کے سوا کسی میں نہیں ہے۔ ھذا کلہ فی المذاہب الحاصل یہ وجوہ باعتبار اختلافِ حیثیات ہیں (واللہ اعلم)

**سیدہ سودہ بنت زمعہ**

ام المومنین سیدہ سودہؓ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود، قرشیہ عامریہ ہیں ان کا نسب حضور اکرمؐ کے نسب شریف سے لوی میں مل جاتا ہے۔ ان کی کنیت ام الاسود ہے اور ان کی ماں شموس بنت قیس ہے۔ اوائل بعثت میں ہی مکہ مکرمہ میں اسلام لائیں۔ اور یہ اپنے ابن عم جن کا نام سکرانؓ بن عمرو بن عبد الشمس ہے اور وہ سہیل بن عمرو کی بھائی ہیں ان کی زوجیت میں تھیں۔ ان کے شوہر بھی ان کے ساتھ ہی اسلام لائے۔ ان سے ایک لڑکا تھا جس کا نام عبد الرحمٰن ہے، سیدہ سودہؓ نے سکرانؓ کے ساتھ حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی۔ ان کے شوہر مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد فوت ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ حبشہ میں ہی فوت ہوئے۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے مکہ مکرمہ میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے فوت ہونے کے بعد ان سے تزوج فرمایا۔ قبل اس کے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عقد ہو یہ قول قتادہ اور ابو عبیدہ کا ہے، ابن قتیبہ نے بجز اس قضیہ کے ذکر نہیں کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے قبل حضرت عائشہؓ سے عقد ہو گیا تھا۔ ان دونوں قولوں کو اس طرح جمع کرتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے عقد، سیدہ سودہؓ سے پہلے ہوا تھا اور دخول حضرت عائشہؓ سے پہلے کیوں کہ تزوج اور نکاح کے الفاظ دونوں معنے پر بولے جاتے ہیں مگر عام ذہنوں میں عقد ہی سمجھا جاتا ہے نہ کہ دخول۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا جب حبشہ سے مکہ مکرمہ آئیں تو خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے ہیں اور قدم اقدس ان کی گردن پر رکھا ہے۔ یہ خواب اپنے شوہر سکرانؓ سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا اگر تم سچ کہتی ہو

تو میں بہت جلد مروں گا۔ اور حضور اکرمؐ تمہیں چاہیں گے۔ پھر انہوں نے ایک خواب دیکھا کہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہیں آسمان سے چاند ان پر آپڑا ہے۔ اس خواب کو بھی اپنے شوہر سے بیان کیا ان کے شوہر نے کہا اگر تم سچ کہتی ہو تو عنقریب میں فوت ہو جاؤں گا اور نبی کریم تمہیں چاہیں گے۔ اسی دن سے سکرانؓ خستہ ہو گئے۔ اور چند دن کے اندر وہ وفات پا گئے۔ اور سودہؓ تہی دامن ہو گئیں، یہاں تک کہ نبوت کے دسویں سال، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا اور چار سو درہم ان کا مہر مقرر ہوا۔ اور مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئیں۔ اور جب ان پر بڑھاپے نے غلبہ کیا تو ہجرت کے آٹھویں سال میں حضور اکرمؐ نے ان کو طلاق دیدی۔ مگر قول صحیح یہ ہے کہ ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، ایک رات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی گزرگاہ میں آکے بیٹھ گئیں۔ اس وقت حضور اکرمؐ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر رونق افروز تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں آپ سے کسی چیز کی خواہش نہیں رکھتی اور اب میری شہوت کی آرزو بھی نہیں رہی ہے لیکن میں چاہتی ہوں اور میری تمنا ہے کہ کل روز قیامت آپ کی ازواج مطہرات میں میں حشر کی جاؤں۔ اور اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سونپتی ہوں۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ ترک فرما دیا۔ یا با اختلاف اقوال رجعت فرمالی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے حجۃ الوداع میں اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا یہ حجۃ الاسلام تھا جو گردنوں سے اتر گیا۔ اس کے بعد اپنے بستروں کو غنیمت جانو اور اپنے گھروں سے باہر نہ نکلو۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ کی تمام ازواج مطہرات حضور اکرمؐ کے بعد حج کو گئیں مگر حضرت سودہؓ اور حضرت زینبؓ بنت جحش نہ گئیں۔ اور فرمایا ہم حضور کے بعد سواری پر سوار نہ ہوں گے جیسا کہ ہمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی ہے۔

کتب متداولہ میں حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی مرویات، پانچ حدیثیں ہیں۔ ان میں سے ایک بخاری میں اور باقی سنن اربعہ میں مروی ہیں۔ ان کی وفات ماہ شوال ۵۴ھ زمانۂ امارت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی۔ کذا فی المواہب۔ ایک روایت کے بموجب ان کی وفات زمانۂ خلافتِ فاروقی کے آخری دور میں ہے۔ اہل سیر بتاتے ہیں کہ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا طویل

القامت اور فربہ وجسیم تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کا جنازہ رات میں اٹھاؤ اسماء بنت عمیس رض فرماتی ہیں کہ میں نے حبشہ میں دیکھا ہے کہ عورتوں کے لئے پردہ دار مسہری (نعش) بناتے ہیں۔ تو انہوں نے ان کے لئے ویسی ہی نعش تیار کی، جب اسے حضرت عمر رض فاروق رض نے دیکھا تو حضرت اسماء رض بنت عمیس کو دعا دی۔ اور فرمایا "سترتہا سترک اللہ" تم نے ان کو پردے میں ڈھانپا اللہ تعالیٰ تمہاری پردہ پوشی فرمائے"۔ بعض کہتے ہیں کہ پردہ دار مسہری (نعش) سیدہ زینب رض بنت جحش کے لئے تیار کی گئی (کذافی روضۃ الاحباب) اور یہ متحقق ہے کہ اسماء رض بنت عمیس کا نعش بنانا، سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کے لئے تھا۔ اور سیدہ فاطمہ زہرا رض کی وفات مقدم ہے۔ لہٰذا وہ پہلی ہستی ہیں جنکے لئے نعش بنائی گئی ہو۔

## ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں ان کی کنیت ام عبداللہ، اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر رض، اسماء بنت ابوبکر رض کی نسبت سے ہے۔ سیدہ عائشہ رض نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی ان کی کنیت مقرر فرمائیں حضور اکرم ص نے فرمایا اپنی بہن کے صاحبزادے سے اپنی کنیت رکھ لو یعنی عبداللہ بن زبیر رض سے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب عبداللہ بن زبیر رض پیدا ہوئے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے تحنیک فرمائی اور لعاب دہن مبارک ان کے منہ میں ڈالا۔ اور سیدہ عائشہ رض سے فرمایا یہ عبداللہ ہیں اور تم ام عبداللہ ہو۔ سیدہ عائشہ رض کی والدہ رومان رض بنت عامر بن عویمر قبیلہ بنی کنانہ سے تھیں۔ پہلے جبیر بن مطعم سے نامزد ہوئی تھیں اس کے بعد حضور اکرم ص نے اپنا پیام نکاح دیا تو ان کا نکاح حضور اکرم ص کے ساتھ چھ سال کی عمر میں ہوگیا تھا۔ اور مدینہ طیبہ آکر ۲ھ ہجری میں اٹھارہویں مہینہ کے آخر میں نو سال کی عمر میں زفاف ہوا تھا تزوج وزفاف کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا شوال میں نکاح کرنے کو پسند فرماتی تھیں۔ برخلاف اس کے جاہلیت میں اسے ناپسند جانا جاتا تھا۔ آپ نے فرمایا میرا نکاح اور زفاف شوال میں ہوا ہے۔ اور کونسی عورت ہے جو مجھ سے زیادہ حضور اکرم ص کو محبوب تر تھی۔ بعض سفر میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کو یاد فرماتے اور کہتے تھے کہ "واعروساہ" اسے امام احمد نے

روایت کیا۔

حضرت عائشہ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدت صحبت و معاشرت نو سال تھی۔ اور حضور اکرم کی رحلت کے وقت ان کی عمر شریف اٹھارہ ۱۸ سال تھی اور ان کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی تھی۔ واقدی نے کہا کہ منگل کے دن سترہ ماہ رمضان مبارک ۵۶ھ میں ہوئی تھی۔ اس وقت ان کی عمر شریف اچھیاسٹھ ۶۶ سال کی تھی۔ اور وصیت فرمائی تھی کہ رات کے وقت بقیع شریف میں دفن کیا جائے۔ ان کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔ اس زمانہ میں مدینہ طیبہ پر امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مروان حاکم تھا۔ اور ان کے متولی قاسم بن محمد بن ابوبکر اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم تھے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات طبعی تھی۔ یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ایک کنواں کھود کر اوپر سے منہ بند کر دیا اور حضرت عائشہؓ کو ضیافت کے لئے بلایا تو وہ اس کنویں میں گر پڑیں اور رحلت فرما گئیں یہ روافض کا جھوٹ اور افترا ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاوہ کسی باکرہ سے نکاح نہ فرمایا ان سے کوئی فرزند تولد نہ ہوا۔ مروی ہے کہ ان سے ایک بچہ کا اسقاط ہوا اور جس کی وجہ سے ان کی کنیت، ام عبداللہ ہے یہ ثابت نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ کنیت عبداللہ بن زبیرؓ کی نسبت سے ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے فضائل و مناقب حد و شمار سے باہر ہیں۔ حضرت عائشہؓ فقہاء، و علماء و فصحاء و بلغاء اکابر صحابہ میں سے تھیں۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ احکام شرعیہ کا رفع یعنی فیصلہ کرنے کے لئے ان کی طرف رجوع ہونا معلوم ہوا ہے۔ اور حدیثوں میں آیا ہے کہ :- خُذُوْا ثُلُثَيْ دِيْنِكُمْ مِنْ هٰذِهِ الْحُمَيْرَاءِ۔ تم اپنے دو تہائی دین کو ان حمیرا یعنی عائشہ صدیقہؓ سے حاصل کرو، صحابہ و تابعین کی جماعت کثیرہ نے ان سے روایتیں لی ہیں۔ عروہ بن زبیر سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے کسی کو معانی قرآن، احکام حلال و حرام، اشعار عرب، اور علم انساب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ عالم نہیں دیکھا۔ حضرت صدیقہؓ کے یہ دو شعر حضور اکرمؐ کی مدح میں مروی ہیں۔

لو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ — لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد

لوامی زلیخا لو راین جبینہ — لآثرن بالقطع القلوب علی الایدی

حضرت صدیقہ کے اعظمِ فضائل و مناقب میں سے ان کے لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا بہت زیادہ محبت فرمانا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ اسلام میں سب سے پہلی محبت جو پیدا ہوئی وہ حضور اکرمؐ کی محبّت سیّدہ عائشہؓ سے ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے پوچھا آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا عائشہؓ۔ پھر پوچھا مردوں میں سے؟ فرمایا ان کے والد۔ پھر حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو آدمیوں میں سے کون محبوب تر تھا فرمایا فاطمہؓ زہرا! پھر لوگوں نے پوچھا مردوں میں سے کون؟ فرمایا ان کے شوہر! اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ان میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ ازواج میں محبوب تر سیّدہ صدیقہ، اور اولاد میں محبوب تر سیّدہ فاطمہ زہرا اور اہلِ بیت میں سے محبوب تر حضرت علی مرتضےٰ اکرم، اور اصحاب میں سے محبوب تر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔ ازدیادِ محبت کے وجوہ و حیثیات مختلف ہیں۔

سیّدہ صدیقہ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنی نعلین مبارک میں پیوند لگا رہے تھے حالاں کہ میں چرخہ کات رہی تھی۔ میں نے حضور اکرمؐ کے روئے انور کا مشاہدہ کیا تو آپ کی جبینِ مبارک سے پسینہ بہہ رہا تھا اور اس پسینہ سے آپ کے جمال میں ایسی تابانی تھی کہ میں حیران تھی حضور اکرمؐ نے میری طرف نگاہِ کرم اٹھا کر فرمایا کیا بات ہے تم کیوں حیران ہو؟ سیدہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! آپ کے بشرۂ نورانی اور آپ کی پیشانی کے پسینہ نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ اس پر حضور اقدسؐ کھڑے ہوئے اور میرے پاس آئے اور میری دونوں آنکھیں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا:۔ جَزَاکِ اللّٰہُ یَا عَائِشَۃُ خَیْرًا مَا سُرِرْتِ مِنِّی کَسُرُوْرِیْ مِنْکِ اے عائشہؓ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے تم اتنا مجھ سے مسرور نہیں ہوئیں جتنا تم نے مجھے مسرور کر دیا۔ مطلب یہ کہ میرا ذوق و سرور تمہارے ذوق و سرور سے جو مجھ سے ہوا زیادہ ہے۔ اور حضور اکرمؐ کا ان کے دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دینے میں حضرت عائشہؓ کے ساتھ انصاف و شاباشی ہے کہ محبت و معرفت کی آنکھ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھ سے حضور اکرمؐ کے جمالِ باکمال دیکھا مصرعہ:۔

نازم بچشم خود کہ جمالِ تو دیدہ است - بیت ؎

اے خنک چشمے کہ او حیران اوست در ہمایوں دل کہ آں بریانِ اوست

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ، جو اکابر تابعین میں سے ہیں جس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے تو فرمایا کرتے :- حَدَّثَتْنِی اَلصِّدِّیْقَۃُ بِنْتُ الصِّدِّیْقِ حَبِیْبَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مجھ سے حدیث بیان کی صدیقہ بیٹی صدیق کی محبوبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے - یا کبھی اس طرح حدیث بیان کرتے :- حَبِیْبَۃُ حَبِیْبِ اللّٰہِ اِمْرَأَۃٌ مِنَ السَّمَآءِ اللہ کے حبیب کی محبوبہ آسمانی بیوی، حضرت صدیقہ فضیلت اور تمام ازواج مطہرات پر زیادتی محبت کے ساتھ مفاخرت فرماتی تھیں اور اس نعمت الٰہی پر تحدیث فرمانا مشہور ہے آپ فرماتیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا کسی باکرہ سے شادی نہ فرمائی اور یہ فضیلت بیویوں میں خاص ہے کہ دوسرے سے دست آلودہ نہ ہوا - اور باکرہ عورت شوہر کے نزدیک محبوب تر اور مانوس تر ہوتی ہے - قبل اس کے کہ حضور اکرمؐ میرے لئے پیام نکاح دیں جبریل علیہ السلام نے ریشمی کپڑے پر میری صورت حضور اکرمؐ کو ملاحظہ فرمائی اور کہا کہ یہ آپ کی زوجہ مطہرہ ہے - ایک روایت میں ہے کہ یہ آپ کی زوجہ دنیا و آخرت میں ہے مطلب یہ کہ یہ صورت جو منقش ہے آپ کی زوجہ مطہرہ کی ہے - اس وقت تک تصویر حرام نہ ہوئی تھی - دوسری یہ روایت ہے کہ خواب کی حالت میں تھی جو کہ عالمِ مثال ہے بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صدیقہ رضؓ سے فرمایا میں نے تمہیں خواب میں تین راتیں دیکھا ہے جس کو فرشتہ نے ریشمی پارچہ میں منقش کیا تھا، اس حدیث میں مطلقاً ریشمی پارچہ آیا ہے اور اسی پر محمول کرنا بہتر ہوگا اس لئے کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام سبز ریشمی پارچہ پر حضرت عائشہؓ کی تصویر لائے (واللہ اعلم) تو اس فرشتہ نے کہا یہ آپ کی زوجۂ مطہرہ ہے جو اس شکل و شباہت کی ہے - اس کے بعد میں نے اپنے سامنے سے پارچہ کو دور کر دیا تو اب وہی صورت خواب میں میں نے دیکھی تھی وہ تم نکلیں - مقصود صورت میں موافقت ہے جو دکھائی گئی تھی - میں نے خواب میں کہا اگر یہ خواب خدا کی جانب سے ہے تو ضرور یہ پورا ہوگا یعنی اللہ تعالیٰ ایسی زوجہ ضرور مرحمت فرمائے گا - اس سے مطلب اجازت و اظہار اور اس میں شوق و رغبت کا بیان ہے - اور یہ حضرت

صدیقہ کے لئے بہت بڑی منقبت ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کے آنے سے پہلے ان کے جمال پُر انوار کا محب و مشتاق بنایا۔

زلیخا نے ایک مرتبہ خواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا اور وہ عاشق و فریفتہ ہو گئی تھیں اور اس جگہ سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ دکھایا گیا۔ یہ حالت بھی زیادتی انس و محبت کی موجب ہے۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بارگاہِ رسالت میں اپنی موانست و فضل کے اظہار میں فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تو میں حضور اکرمؐ کے آگے سیدھی لیٹی رہتی تھی اور یہ سلوک میرے ساتھ ہی خاص تھا اور رات کی نماز میں جب حضور اکرمؐ قیام فرماتے اور سیدہ صدیقہؓ اپنی جگہ سوتی ہوتی تھیں تو سجدہ کے وقت پائے مبارک ان کے سرِ شریف سے ببدن عائشہؓ صدیقہ پہنچتا تھا۔ یہ بات اس کو مستلزم نہیں ہے کہ سیدہ عائشہؓ کے مواجہ اور متصل نماز پڑھتے تھے بلکہ ان کے پاؤں کی جانب کہ حضورؐ کی داہنی جانب سوئی ہوتی تھیں۔ اگرچہ ظاہر لفظ حدیث اس جگہ ایسے ہی واقع ہوئے ہیں کہ وَاَنَا مُعْتَرِضٌ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ مِثْلُ الْجَنَازَۃِ۔ یعنی میں حضور اکرمؐ کے آگے جنازہ کی مانند لیٹی ہوتی تھی۔ یہ ایک مزید فضیلت ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو حضرت عائشہؓ کی اس حالت کے ساتھ باعتبار اختصاص، ان کی فضیلت کا موجب ہے۔

اور اس معنے کا ان کے ساتھ اختصاص یہ ہے کہ اس کا وقوع، اتفاقاً حضرت عائشہؓ کے گھر میں ان کی باری کے دن ہوتا تھا اور یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ جائز تھا اور نہ کسی اور زوجہ مطہرہ کے یہاں ایسا ہوتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی جائز ہوتا۔ آخر حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ اپنے دست اقدس کو میرے پاؤں سے چھولتے تو میں اپنے پاؤں کو کھینچ لیتی تھی۔ گویا کہ سجدہ کرنے کی جگہ پاؤں کے قریب تھی۔ جب حضور اکرمؐ سجدہ سے سرِ مبارک اٹھاتے تو سیدہ صدیقہ اپنے پاؤں کو دراز کر لیتی تھیں۔ یہ بات یا تو نیند کے غلبہ سے تھی یا کسی اور وجہ سے (واللہ اعلم) اور عذر یہ تھا کہ اس رات گھر میں چراغ روشن نہ تھا۔ علمائے احناف کی اس میں یہ دلیل ہے کہ عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا (فتدبر)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور فضیلت یہ تھی وہ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے اور آپ کسی اور زوجہ مطہرہ کے ساتھ ایسا نہ کرتے تھے۔ مشکوٰۃ میں معاذۂ عدویہ نے سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے

روایت کیا ہے کہ میں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک برتن سے غسل کرتے تھے جو صرف میرے اور حضور اکرمؐ کے درمیان تھا حضور اکرمؐ مجھ سے سبقت وجلدی فرماتے یہاں تک کہ میں عرض کرتی کہ میرے لئے تو پانی یا برتن چھوڑ دیئے، تاکہ میں بھی پانی لوں۔ حالاں کہ حضور اکرمؐ اور وہ دونوں جنبی ہوتے۔ یہ روایت بھی کمال اتحاد و اختلاط اور الفت و محبت پر دلالت کرتی ہے۔

ایک اور فضیلت یہ ہے کہ کسی زوجۂ مطہرہ کے جامۂ خواب میں حضور اکرمؐ پر وحی نہیں آئی بجز میرے جامۂ خواب کے۔ اس میں صدیقہؓ کے لئے کمال فضل اور غایت امتیاز و مزیت ہے جس کے شرح و بیان کی حاجت نہیں ہے کیسے کچھ ان پر انوار و اسرار سرایت کرتے ہوں گے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے سیدہ ام سلمہؓ نے سیدہ عائشہؓ کے بارے میں کوئی بات حضور اکرمؐ سے کہی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "عائشہؓ کے بارے میں مجھے ایذا نہ دو۔ بلاشبہ کسی زوجۂ مطہرہ کے جامۂ خواب میں مجھ پر وحی نہیں آئی بجز عائشہؓ کے۔ ام سلمہؓ نے عرض کیا: اَتُوْبُ اِلَی اللّٰہِ تعالٰی مِنْ اَذَاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ میں خدا سے توبہ کرتی ہوں کہ کوئی یارسول اللہ آپ کو ایذا دے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا" اے فاطمہؓ! جس سے میں محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کروگی؟ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا نے عرض کیا "ضرور یارسول اللہؐ! میں محبت رکھوں گی۔" اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تو عائشہؓ سے محبت رکھو۔" اس باب میں بے شمار احادیث مروی ہیں۔

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی زوجۂ مطہرہ کے لئے نہ چاہا کہ اس کے ماں باپ کو راہِ خدا میں ہجرت کرائی ہو بجز میرے۔ اسی کے مشابہ یہ فضیلت ہے جو ان کے والد حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ہے کہ ان کے گھر میں چار صحابی تھے۔ اگر اس کو بھی اپنی فضیلت پر محمول کریں تو وہ اس کی مستحق ہیں!

سیدہ صدیقہ کی ایک فضیلت یہ ہے وہ فرماتی ہیں کہ میری برأت اور طہارت آسمان سے نازل ہوئی۔ گویا اس میں اس واقعہ افک کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔ جسے منافقین نے ان کے سر منڈھا تھا۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے سترہ، اٹھارہ آیتیں ان کی دامنِ عزت کی برات وطہارت

اور جماعت منافقین کی مذمت وخباثت میں نازل فرمائیں۔ اور یہ کہ حضور اکرمؐ نے میرے ہی گھر میں زمانۂ علالت گزارا اور میری ہی باری کے دن، حضور اکرم کی روح مقدس قبض کی گئی۔ درآنحالیکہ حضور اکرمؐ میرے سینہ اور چھاتی پر آرام فرما تھے۔ اور میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے کسی کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بدگوئی کرتے سنا تو حضرت عمارؓ نے فرمایا: اُسْکُتْ مَقْبُوحًا مَنْبُوحًا اَتَقَعُ فِیْ حَبِیْبَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ۔

اور ذلیل وخوار خاموش رہ، کیا تو اللہ کے رسول کی محبوبہ پر بدگوئی کرتا ہے"۔

سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا لڑکیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب حضور اکرمؐ ان کے پاس تشریف لاتے تو وہ لڑکیاں شرم وہیبت سے باہر نکل جاتیں حضور اکرمؐ ان لڑکیوں کے پیچھے تشریف لے جاتے اور ان کو دوبارہ سیدہ صدیقہؓ کے پاس بھیج دیتے تھے۔ تاکہ ان کے ساتھ کھیلیں۔

یہ بھی سیدہ صدیقہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ میں اپنی گڑیاں گھر کے ایک دریچہ میں رکھ کر اس پر پردہ ڈالے رکھتی تھی حضور اکرمؐ کے ساتھ حضرت زیدؓ بھی تھے انہوں نے دریچہ کے پردہ کو اٹھایا اور گڑیاں حضور اکرمؐ کو دکھائیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ سب کیا ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ میری بیٹیاں ہیں یعنی یہ میری گڑیاں ہیں، ان گڑیوں میں ایک گھوڑا ملاحظہ فرمایا جس کے دو بازو تھے۔ فرمایا کیا گھوڑوں کے بھی بازو ہوتے ہیں؟ میں نے عرض کیا شاید حضور اکرمؐ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے تھے اور ان کے بازد تھے۔ حضور اکرمؐ نے اس پر اتنا تبسم فرمایا کہ آپ کے دندانہائے مبارک کشادہ ہو گئے۔ سیدہ عائشہؓ کو حضور اکرمؐ کے ساتھ بات کرنے کی قدرت اور بحث کرنے کی جرأت بہت تھی۔ اور یہ بات ان کے فہم وادراک کی بنا پر تھی۔ اور اس قرب ومحبت کی وجہ سے تھی جو ان کے مابین تھی۔ جیسا کہ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ نے فرمایا "مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ" جس کا حساب کیا گیا وہ عذاب میں پڑا۔ سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ حق تعالیٰ تو فرماتا ہے "فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا" تو عنقریب حساب کیا جائے گا آسان حساب، جب حساب آسان ہوگا تو اس پر عذاب کیسے ہوگا۔ حضور اکرمؐ نے اس کے جواب میں فرمایا یہ پیشی ہے حساب نہیں ہے۔ مراد، حساب میں مناقشہ ہے۔ ایک

ایک اور مرتبہ حضور اکرمؐ نے فرمایا جو خدا کے لقا کو محبوب رکھتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کے لقا کو پسند فرماتا ہے اور جو اس کے لقا کو بُرا جانتا ہے حق تعالیٰ بھی اس کی لقا کو بُرا جانتا ہے۔ لقا سے مراد موت لیتے ہیں۔ حضرت صدیقہ رضؓ نے عرض کیا ہم تو ناپسند کرتے ہیں مطلب یہ کہ نفس وطبع کے اعتبار سے موت کو بُرا سمجھتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ بات ایسی نہیں ہے جیسی تم نے سمجھی ہے بلکہ حق تعالےٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے موت کی محبت پیدا کر دیتا ہے اگرچہ قریب ایام موت ہو۔ اور ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا مگر حق تعالےٰ کی رحمت اور اس کے فضل سے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! کیا آپ بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے مگر خدا کی رحمت سے؟" فرمایا" ہاں میں بھی داخل نہ ہوں گا مگر یہ کہ مجھے حق تعالےٰ نے اپنی رحمت میں چھپا لیا ہے۔ ایک اور مرتبہ حضور اکرمؐ نے حضرت عائشہ رضؓ سے فرمایا جس کا بیان ان کے درمیان پہلے گزر چکا ہے کہ تمہارے قرین شیطان نے تمہیں اس پر آمادہ کیا۔ سیدہ صدیقہ رضؓ نے عرض کیا آدمی کے ساتھ شیطان بھی ہوتا ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا ہر آدمی کے ساتھ قرین (ہمزاد) شیطان ہوتا ہے۔ سیّدہ رضؓ نے عرض کیا کیا آپ کا بھی ہے یا رسول اللہؐ!" حضور اکرمؐ نے فرمایا" ہاں! میرا شیطان میرا مطیع ہو گیا اور مسلمان ہو گیا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایسا ناز و نیاز تھا جیسا کہ محب و محبوب کے درمیان ہوتا ہے۔ اور وہ جو چاہتیں بلا جھجک عرض کر دیتی تھیں۔ انہیں سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے عائشہ رضؓ! میں جانتا ہوں کہ تم کبھی مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کبھی مجھ سے ناراض۔" میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ اسے کیسے جانتے ہیں؟ فرمایا جب تم خوش ہو تو کہتی ہو" لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ" نہیں محمدؐ کے رب کی قسم۔ اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو" لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ" نہیں ابراہیمؑ کے رب کی قسم۔" میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ نے درست وصحیح فرمایا" وَلٰكِنْ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اِسْمَكَ" لیکن میں نہیں چھوڑتی مگر صرف آپ کے نام کو۔ مطلب یہ کہ ناخوشی کی حالت میں صرف آپ کا نام نہیں لیتی لیکن آپ کی ذات گرامی اور آپ کی یاد میرے دل میں ہے۔ اور میری جان آپ کی محبت میں مستغرق ہے اس محبت میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی انہیں سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے

فرمایا "اے عائشہ رضی اللہ عنہا! اگر تم چاہتی ہو کہ جنت میں میرے ساتھ رہو تو تمہیں چاہیئے کہ دنیا میں اس طرح رہو جس طرح کہ راہ چلتا مسافر ہوتا ہے کہ وہ کسی کپڑے کو پرانا نہیں سمجھتا جب تک کہ وہ پیوند کے قابل ہے۔ اور وہ اس میں پیوند لگاتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور اکرم سے عرض کیا "یارسول اللہ! میرے لئے دعا فرمائیے کہ حق تعالےٰ مجھے جنت میں آپ کی ازواج مطہرات میں سے رکھے۔ حضور اکرم نے فرمایا اگر تم اس مرتبہ کو چاہتی ہو تو کل کے لئے کھانا بچا کے نہ رکھو اور کسی کپڑے کو جب تک کہ اس میں پیوند لگ سکتا ہے بیکار نہ کرو۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم کی اس وصیت ونصیحت پر جو فقر کو تونگری پر ایثار کرنے میں ہے اتنی کاربند رہیں کہ کبھی آج کا کھانا کل کے لئے بچا کے نہ رکھا۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ستر ہزار درہم راہ خدا میں صدقہ کرتے دیکھا ہے حالانکہ ان کی قمیص مبارک کے دامن میں پیوند لگا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ان کے لئے ایک لاکھ درہم بھیجے تو انہوں نے اسی دن سب انفاق کر دیئے اور اقارب و فقراء پر تقسیم فرما دیئے۔ اس دن وہ روزے سے تھیں۔ شام کے کھانے کے لئے ان میں سے کچھ نہ بچایا۔ باندی نے عرض کیا کہ اگر ایک درہم روٹی خریدنے کے لئے بچا لیتیں تو اچھا ہوتا فرمایا یاد نہیں آیا اگر یاد آجاتا تو میں بچا لیتی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کتب معتبرہ میں دو ہزار دو سو حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے بخاری و مسلم میں ایک سو چوہتر، متفق علیہ ہیں اور صرف بخاری میں چوّن ۵۴ اور صرف مسلم میں اڑسٹھ ۶۸ ہیں بقیہ تمام کتابوں میں ہیں۔ صحابہ وتابعین میں سے خلق کثیر نے ان سے روایتیں لی ہیں۔

سیدہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کاش کہ میں درخت ہوتی کہ مجھے کاٹ ڈالتے کاش کہ کلوخ ہوتی۔ کاش کہ میں ایسی ہوتی .......... کہ کوئی مجھے یاد نہ کرتا۔ کاش کہ میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی۔ سبحان اللہ دنیا سے کیسی بیزاری و شکستگی اور تواضع وانکسار ہے۔ ان کے والد ماجد جو افضل امت ہیں انہوں نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔ وہ کیوں نہ کہتیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ مقربان بارگاہ اگرچہ مامور و مبشر ہوتے ہیں لیکن بارگاہِ لاابالی کا خوف ہمیشہ دامنگیر رہتا ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا تو ان کے گھر سے رونے کی آواز برآمد ہوئی۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی باندی کو بھیجا کہ خبر لائیں۔ باندی نے آکر وفات کی خبر پہنچائی تو سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی رونے لگیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت فرمائے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ سب سے زیادہ محبوبہ تھیں اپنے والد ماجد کے بعد۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ میں کیسے جانوں کہ میں نیک ہوں۔ فرمایا جب تم اپنی بدی کو جان لو۔ اس شخص نے کہا میں کیسے جانوں کہ میں برا ہوں۔ فرمایا جب تم جان لو کہ یہ نیکی ہے۔ اور وہ ہمیشہ فرمایا کرتیں کہ تمہارے لئے جنت کے دروازے کھلے رہیں گے۔ پوچھا کس طرح اور کس عمل سے؟ فرمایا بھوک اور پیاس سے۔ ایک مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت کر رہی تھیں جب اس آیۂ کریمہ پر پہنچیں کہ:۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ مَا فِیْہِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ بلاشبہ ہم نے تمہاری طرف وہ قرآن نازل فرمایا جس میں تمہاری یاد و نصیحت ہے کہ غور و فکر کیوں نہیں کرتے"۔ اس کے بعد ہمیشہ قرآن پڑھتیں اور آیات قرآنی کے معانی میں غور و فکر کرتی تھیں، یہاں تک کہ ایک مرتبہ فرمایا حق تعالیٰ نے میرے ذکر اور میری صفت کی قرآن میں خبر دی ہے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کونسی جگہ ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ ہے کہ حق تعالےٰ فرماتا ہے:۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ۔ رضی اللہ عنہا۔ اللہ تعالیٰ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تواضع، انصاف اور ان کی معرفت پر رحمتیں نازل فرمائے۔

## اُم المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا

سیدہ حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہا قرشیہ عدوی ہیں۔ ان کی والدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت مظعون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون کی بہن ہیں، یہ اسلام لائیں اور ہجرت کی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے خنیس رضی اللہ عنہ بن حذافہ کی زوجیت میں تھیں۔ اور خنیس رضی اللہ عنہ اہل بدر میں سے تھے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت خنیس رضی اللہ عنہ نے بعد واقعہ بدر کے رحلت فرمائی اور ایک قول کے بموجب بعد از غزوۂ

احد۔ جب حفصہؓ بیوہ ہوئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت عثمانؓ سے نکاح کے لئے کہا مگر انہوں نے منظور نہ کیا اسی زمانہ میں سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہؐ جو کہ حضرت عثمانؓ کی زوجہ تھیں فوت ہوئی تھیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضور اکرمؐ سے حضرت عثمانؓ کی شکایت کی اور عرض کیا کہ میں نے ان سے حفصہؓ کی پیش کش کی تھی مگر انہوں نے منظور نہ کیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ حضرت عثمانؓ کے لئے تمہاری بیٹی سے بہتر زوجہ عطا فرمائے اور تمہاری بیٹی کے لئے حضرت عثمانؓ سے بہتر شوہر عنایت فرمائے۔ اور ایسا ہی واقع ہوا کہ حضرت حفصہؓ کو حضور اکرمؐ نے قبول فرمایا اور سیدہ ام کلثومؓ بنت رسول اللہؐ حضرت عثمانؓ کو مرحمت ہوگئیں۔ حضرت عمرؓ نے حفصہؓ کی پیشکش حضرت صدیقؓ سے بھی کی مگر انہوں نے جواب نہ دیا تھا اور وہ ناراض ہو کر چلے گئے تھے اس کے بعد ان سے حضورؐ نے پیام بھیجا اور حضرت عمرؓ نے حضورؐ کے ساتھ ان کا نکاح ہجرت کے تیسرے سال میں کر دیا۔ ایک قول میں ہے کہ ہجرت کے دوسرے سال میں ہوا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا کہ جب حفصہؓ بنت عمرؓ خنیسؓ بن حذافہ سہمی سے بیوہ ہوئیں۔ وہ اصحاب رسول میں سے تھے انہوں نے مدینہ طیبہ میں وفات پائی تھی تو حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ بن عفان کے پاس آئے اور حفصہؓ کی پیش کش کی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا مجھے مہلت دو کہ اپنا معاملہ سوچ سمجھ لوں۔ پھر انہوں نے چند راتیں توقف بس گزاریں۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ سے ملاقات کی حضرت عثمانؓ نے فرمایا میری رائے یہ قائم ہوئی ہے کہ چند روز نکاح نہ کروں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملاقات کی اور فرمایا کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو حفصہؓ کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں اس پر حضرت ابوبکرؓ صدیق خاموش رہے اور کوئی جواب مجھے نہ دیا۔ تو میں غصہ میں آیا اور یہ غصہ اس سے زیادہ تھا جتنا کہ حضرت عثمانؓ پر آیا تھا۔ اس کے بعد چند راتیں نہیں گزری تھیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیام دیا اور میں نے حضور اکرمؐ کے ساتھ نکاح کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے مجھ سے ملاقات فرمائی اور فرمایا کہ شاید تم مجھ سے اس وقت ناراض ہو گئے تھے جبکہ تم نے پیش کش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔ میں نے کہا ہاں، میں ناراض ہو گیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تم نے جو پیش کش کی تھی اس کا جواب میں نے تمہیں انکار میں تو نہیں دیا تھا البتہ بات یہ ہے کہ میں جانتا تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حفصہؓ کو یاد فرمایا ہے اور میں نے رسول اللہؐ کے بھید کو فاش نہیں کیا۔ اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

انہیں قبول نہ فرماتے تو میں قبول کر لیتا۔ ایک روایت میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ کو ایک طلاق رجعی دی۔ جب اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو بہت دکھ ہوا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام آئے اور وحی لائے کہ حکم الٰہی یہ ہے کہ حفصہ سے رجوع فرمائیں کیوں کہ وہ بہت روزہ دار اور شب بیدار ہیں، اور وہ جنت میں آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی ولادت بعثت سے پانچ سال قبل تھی اور ان کی وفات ۴۵ھ یا ۴۱ھ یا ۴۷ھ زمانہ امارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں ہوئی تھی۔ اور بعض خلافتِ حضرت عثمان کے زمانہ میں بتاتے ہیں والاولی اصح (واللہ اعلم) اس وقت ان کی عمر ساٹھ سال تھی۔ کتب متداولہ میں ساٹھ حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ان میں سے چار تو متفق علیہ یعنے بخاری و مسلم میں ہیں اور تنہا مسلم میں چھ حدیثیں اور پچاس دیگر تمام کتابوں میں مروی ہیں۔

## اُم المومنین سیّدہ زینب بنت خزیمہ

ام المومنین سیدہ زینب بنت خزیمہ بن الحارث ہلالیہ عامریہ ازواج مطہرات میں سے ہیں زمانۂ جاہلیت میں ان کو اُم المساکین کہتے تھے کیوں کہ وہ مسکینوں کو کھانا کھلاتیں اور ان پر بڑی شفقت فرماتی تھیں۔ وہ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں وہ غزوۂ احد میں شہید ہوگئے۔ بعض کہتے ہیں کہ عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب حضور اکرم کے چچا کے بیٹے کی زوجیت میں تھیں۔ اور وہ غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے تھے بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے طفیل بن الحارث کی بیوی تھیں، انہوں نے ان کو طلاق دیدی تو عبیدہ بن الحارث نے ان کو اپنی زوجہ بنا لیا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن جحش اسدی نے ان کو پیام دیا۔ بعض اہل سیر اس قول کو ترجیح دیتے ہیں جیساکہ روضۃ الاحباب میں ہے اور مواہب لدنیہ میں فرمایا کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے، بہر تقدیر ہجرت کے تیسرے سال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے حبالۂ عقد میں لائے اس کے بعد وہ حضور اکرم کی خدمت میں بہت کم مدت، حیات رہیں اور حضور اکرم ہی کی حیاتِ ظاہرہ میں وفات پائی (رضی اللہ عنہا) بعض اہل سیر دو مہینہ، بعض چھ مہینہ، بعض آٹھ مہینہ مدت بتاتے ہیں۔ اس کو مواہب نے فضائل کے باب میں بیان کیا ہے۔ سیدہ

زینبؓ نے ماہ ربیع الآخر ۴ھ میں وفات پائی اور بقیع میں دفن کی گئیں۔ بقیع میں ایک قبہ تھا جس کو قبہ ازواج النبی کہا جاتا تھا (جسے ابن سعود ملعون نجدی نے شہید کرا دیا اور بقیع کے تمام مزارات کو کھود ڈالا)

## ام المومنین سیدہ ام سلمہؓ

ازواج مطہرات میں سے سیدہ ام سلمہ رضؓ ہیں۔ ان کا نام ہند بنت ابی امیہ مخزومی تھا بعض رملہ بتاتے ہیں اور اول زیادہ صحیح و مشہور ہے۔ ابو امیہ کا نام سہل بن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم ہے۔ اور ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ ہے کذا فی الجامع۔ مواہب میں بھی ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ یہ عاتکہ بنت المطلب نہیں ہیں۔ اس بنا پر روضۃ الاحباب میں جو عاتکہ بنت عبد المطلب کہا گیا ہے محل نظر ہے سیدہ ام سلمہؓ پہلے ابوسلمہؓ عبد بن الاسد کی زوجیت میں تھیں۔ جو حضور اکرم کی پھپھی برہ بنت عبد المطلب کے فرزند ہیں۔ اور یہ اور ان کے شوہر اول ہجرت کرنے والوں میں سے تھے جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ ان سے ان کے چار بچے پیدا ہوئے زینبؓ، اس کے بعد سلمہؓ، عمرؓ، اور درہؓ، ان چاروں میں سے زینبؓ و عمرؓ، حضور اکرمؐ کے ربیب بنے۔ دونوں مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ پھر حبشہ سے مدینہ طیبہ واپس آئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سیدہ ام سلمہؓ وہ پہلی عورت ہیں جو ہودج میں سوار ہو کر مدینہ طیبہ میں ہجرت کر کے داخل ہوئیں۔ اور ابوسلمہؓ غزوۂ احد میں زخمی ہو کر تندرست ہوئے اس کے بعد ان کو ایک لشکر کے ساتھ بھیجا جب وہاں سے واپس آئے تو ان کے زخم پھر تازہ ہو گئے اور انہیں زخموں سے ۴ھ میں وفات پائی۔ ایک قول میں ۳ھ ہے، سیدہ ام سلمہؓ نے حضور اکرمؐ سے سن رکھا تھا کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ یہ دعا مانگے اَللّٰھُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا — اے خدا میری مصیبت میں میرا اجر قایم فرما اور اس سے بہتر میرے لئے اس کا قایم مقام بنا۔ تو جب حضرت ابوسلمہؓ نے رحلت فرمائی تو انہوں نے اس دعا کو اپنا ورد بنا لیا۔ سیدہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں اس دعا کو اپنے شوہر کی وفات کی مصیبت میں پڑھتی تھی اور جب میں یہ کہتی کہ میرے لئے اس سے بہتر قایم مقام بنا تو میں اپنے دل میں کہتی ابوسلمہؓ سے بہتر مسلمانوں میں کون ہوگا لیکن چونکہ حضور اکرم کا ارشاد تھا میں اسے پڑھتی رہی۔ نیز میں نے حضور اکرمؐ سے بھی یہ سن

رکھا تھا کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا جو میت کے سرہانے موجود ہو وہ اچھی دعا مانگے اس لئے کہ اس وقت میں جو بھی دعا مانگی جاتی ہے۔ فرشتے آمین کہتے ہیں۔ جب ابوسلمہؓ نے وفات پائی تو میں حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا "یارسول اللہؐ! ابوسلمہؓ نے وفات پائی ان کے فراق میں میں کیا کہوں؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ کہو:- اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلَهٗ وَاَعْقِبْنِيْ عُقْبٰى حَسَنَةً -
اے خدا انہیں اور مجھے بخشدے اور میری عاقبت کو اچھی عاقبت بنا" اس کے بعد میں اس دعا پر قایم ہوگئی۔ اور حق تعالیٰ نے ابوسلمہؓ سے بہتر مجھے عوض عطا فرمایا اور وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ جب ابوسلمہؓ نے وفات پائی حضور اکرمؐ ام سلمہؓ کے گھر تشریف لائے اور تعزیت فرمائی۔ اور دعا فرمائی کہ اے خدا ان کے غم کو تسکین دے اور ان کی مصیبت کو بہتر بنا۔ اور بہتر عوض عطا فرما۔ اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ حضور اکرمؐ نے دعا میں فرمایا تھا۔ سیدہ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے حاطبؓ بن ابی بلتعہ کو بھیجا اور انہوں نے مجھے پیام دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اپنا اپنا پیام بھیجا مگر ام سلمہ نے ان کے پیام کو منظور نہ فرمایا جب حضور اکرمؐ کا پیام آیا تو کہا مرحبا برسول اللہ۔ لیکن میں بڑی عمر کی عورت ہوں اور میرے ساتھ یتیم بچے ہیں اور میں بہت غیرتمند ہوں۔ آپ عورتوں کو جمع فرمائیں گے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا میری عمر تمہاری عمر سے زیادہ ہے اور تمہارے یتیموں کی پرورش خدا اور رسول خدا کے ذمہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا تمہارے بچے میرے بچے ہیں۔ اور یہ جو تم کہتی ہو کہ میں بہت غیرتمند ہوں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس بات کو تم سے دور فرمائے۔ ان سے تزوج ماہ شوال ۴ھ میں ہوا۔ اور ان کا مہر ایسا سامان جو دس درہم کی قیمت کا تھا مقرر ہوا۔ امہات المومنین میں انہوں نے سب کے آخر میں وفات پائی۔ سیدہ ام سلمہؓ کی وفات ۵۹ھ میں ہوئی ہے اور بعض ۶۲ھ میں زمانہ یزید بن معاویہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد بتاتے ہیں۔ مگر اول قول اصح ہے (کذا قیل) لیکن دوسرے قول کی مؤیدہ روایت ہے جو ترمذی نے ایک انصار کی بیوی سلمیٰؓ سے روایت کی ہے وہ کہتی ہیں کہ میں ام سلمہؓ کے پاس گئی میں نے دیکھا کہ آپ رو رہی ہیں میں نے کہا کس بات نے آپ کو رلایا ہے اے ام سلمہ! انہوں نے فرمایا میں نے ابھی ابھی رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کا سر مبارک اور آپ کے محاسن شریف گرد آلود ہیں اور گریہ فرما رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا

یارسول اللہؐ! کیا بات ہے کیوں گریہ فرما رہے ہیں؟ فرمایا کہ جہاں حسین کو شہید کیا گیا ہے میں وہاں موجود تھا، ظاہر حدیث یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت زندہ تھیں۔ نیز اہل سیر کہتے ہیں کہ جب امام حسین کی شہادت کی خبر ان کو پہنچی تو انہوں نے ان اہل عراق پر لعنت بھیجی جنہوں نے انہیں شہید کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

سیدہ ام سلمہؓ کو بقیع میں دفن کیا گیا اور ان کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہؓ نے پڑھی اور بعض کہتے ہیں کہ سعیدؓ بن زید نے پڑھی اور ان کی عمر شریف چوراسی سال کی ہوئی۔ ازواج مطہرات کے دو گروہ تھے ایک گروہ سیدہ عائشہؓ، حفصہؓ، سودہؓ اور صفیہ رضی اللہ عنہن کا تھا اور دوسرا گروہ سیدہ ام سلمہؓ اور دیگر ازواج مطہرات کا، اور سیدہ ام سلمہؓ اس گروہ کی سردار تھیں۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ جب سیدہ ام سلمہؓ حبالۂ عقد میں آئیں تو حضور اکرمؐ نے سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ کے گھر کو جو اس زمانہ میں وفات پا گئی تھیں ام سلمہؓ کے رہنے کے لئے مقرر فرمایا اور جب ام سلمہؓ اس میں داخل ہوئیں تو ایک چھوٹا گھڑا دیکھا جس میں تھوڑے سے جَو تھے اور ایک پتھر کی ہانڈی اور ایک چکی دیکھی۔ تھوڑے سے جو چکی میں ڈال کے آٹا پیسا اور میدہ تیار کیا۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ام سلمہؓ کے ولیمہ کا یہ کھانا تھا (رضی اللہ عنہا)

کتب متداولہ میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تین سو اٹھتر حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم میں تیرہ حدیثیں ہیں اور صرف بخاری میں تین حدیثیں اور تنہا مسلم میں تیرہ حدیثیں اور باقی دیگر کتابوں میں مروی ہیں۔

## سیدہ زینبؓ بنت جحش

ازواج مطہرات میں سے ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔ پہلے ان کا نام برہ تھا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل فرما کر زینبؓ رکھا۔ یا تو تزکیہ نفس کے ابہام کی بنا پر یا اس کراہت کی بنا پر کہ کوئی کہے کہ برہ کے پاس سے آئے ہیں یا کوئی یہ کہے کہ اس گھر میں برہ نہیں ہے۔ برہ کے معنی نیکی و احسان کے ہیں۔ ان کی کنیت ام الحکم تھی۔ ان کی والدہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھپھی اُمیمہ بنت عبد المطلب تھیں۔ وہ پہلے زیدؓ بن حارثہ کی زوجیت میں تھیں۔ زیدؓ نے ان کو طلاق دیدی اور حضور اکرمؐ اپنے حبالۂ عقد میں لے آئے۔

ان کا قصہ یہ ہے مختصراً اور جس کی تفصیل روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے زیدؓ کے لئے انہیں پیام دیا۔ زینبؓ نے قبولیت سے اعراض کیا اور رُخ پھیرا۔ اس لئے کہ وہ صاحب جمال تھیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھپھی کی بیٹی تھیں۔ اور ان کے مزاج میں بھی ایسی حدت اور سختی تھی جو تکبر اور بڑائی کے مشابہ تھی۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! میں زیدؓ کو پسند نہیں کرتی۔ اس لئے کہ وہ آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور سیدہ زینبؓ کے بھائی حضرت عبداللہؓ جحش نے بھی عدم قبولیت میں اپنی بہن کے ساتھ اتفاق کیا۔ چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو اظہار نبوت سے پہلے آزاد فرما کے فرزندی میں قبول فرمالیا تھا اور ان پر بے اندازہ لطف وعنایت مبذول فرماتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا عدمِ قبولیت کی گنجائش نہیں ہے ماننا ہی چاہیئے عرض کیا "یارسول اللہؐ! مجھے اس بارے میں غور و فکر کرنے کی مہلت عنایت فرمائیے ایسی ہی باتیں جاری تھیں کہ یہ آئیہ کریمہ نازل ہوگئی کہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ

کسی مسلمان مرد و عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ فرما دے ان کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی بلاشبہ وہ کھلی گمراہی میں ہوا۔

سیدہ زینبؓ اور ان کے بھائی دونوں نے کہا ہم راضی ہیں ہماری کیا مجال کہ ہم اپنے اختیار کو درمیان میں لائیں۔ اور معصیت کا ارتکاب کریں۔ پھر حضور اکرمؐ نے ان کو حضرت زیدؓ کی زوجیت میں دیدیا۔ ایک سال یا کچھ زیادہ حضرت زیدؓ کے ساتھ رہیں۔ اس کے بعد حق تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کو خبر دی کہ ہمارے علم قدیم میں ایسا ہے کہ سیدہ زینبؓ آپ کی زوجیت میں داخل ہوں۔ چنانچہ حضرت زیدؓ اور سیدہ زینبؓ کے درمیان ناسازگاری پیدا ہوئی۔ اور حضرت زینبؓ کی جانب سے حضرت زیدؓ کی نسبت کج خلقی ہونا شروع ہوئی یہاں تک کہ یہ حد کو پہنچ گئی اور تنگ آکر حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت زیدؓ نے حضور اکرمؐ سے سیدہ زینبؓ کی شکایت کی اور عرض کیا یارسول اللہؐ! میرا ارادہ ہے کہ میں

زینبؓ کو طلاق دیدوں کیونکہ وہ میرے ساتھ بہت تند خوئی سے پیش آتی ہیں اور اپنی زبان دراز کرتی ہیں حضور اکرمؐ نے فرمایا اپنے آپ کو اس سے باز رکھو اور خدا سے ڈرو۔ لیکن چونکہ حق تعالیٰ کی جانب سے معلوم ہو گیا تھا کہ زینبؓ آپ کی زوجیت میں آئیں گی تو خاطر مبارک نے چاہا کہ زیدؓ ان کو طلاق دیدیں لیکن حیا کی بنا پر زینبؓ کو طلاق کا حکم نہیں نہ دیا۔ نیز اس سے یہ بھی اندیشہ تھا کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے متبنیٰ کی بیوی کو چاہتے ہیں کیوں کہ جاہلیت کے لوگ اس شخص کی بیوی کو جس کو اپنا بیٹا بنالیا ہو حرام جانتے تھے اور اس منہ بولے بیٹے کو صلبی بیٹے کی مانند سمجھتے تھے۔ ممکن ہے کہ لوگوں کے اندیشہ سے مراد ان کے ایمان کا خوف ہو کہ مبادا شک و تردد ان کے ایمان میں خلل انداز ہو کر انہیں ہلاک کردے علماء فرماتے ہیں کہ حضرت زیدؓ کو سیدہ زینبؓ کے روکنے کا حکم دینے میں مقصود، حضرت زیدؓ کا اختیار اور ان کا امتحان کرنا تھا تاکہ معلوم کریں کہ زیدؓ کے دل میں زینبؓ کی رغبت باقی ہے یا بالکل ہی متنفر ہو گئے ہیں۔ حضرت زیدؓ نے دوبارہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کے عرض کیا" یارسول اللہؐ! زینبؓ کو میں نے طلاق دیدی ہے۔ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰہَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰہُ مُبْدِیْہِ وَتَخْشَی النَّاسَ وَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىہُ۔

اور جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر، اور تم اپنے دل میں وہ رکھتے تھے جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا اندیشہ تھا اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو۔

---

منقول ہے کہ جب حضرت زینبؓ کی عدت پوری ہو گئی تو حضور اکرمؐ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا جاؤ اور زینبؓ کو میرے لئے پیام دو۔ حضرت زیدؓ کی اس کام کے لئے تخصیص میں حکمت یہ تھی کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ یہ عقد بغیر رضامندی زید کے بر سبیل قہر و جبر واقع ہوا ہے اور انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ زیدؓ کے دل میں زینبؓ کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ اور وہ اس

بات سے راضی وخوش ہیں۔ نیز حضرت زیدؓ کو فرمانِ خدا و رسولِ خدا کی اطاعت پر ثابت قدم رکھنا اور بحکم الٰہی حضرت زینبؓ کو راضی رکھنا بھی ثابت و موکد فرمانا مقصود تھا کیونکہ یہ محل نازک ہے القصہ حضرت زیدؓ ارشاد کے بموجب سر صدق و اخلاص سے روانہ ہوئے۔ حضرتِ زیدؓ فرماتے ہیں کہ جب میں زینبؓ کے گھر پہنچا تو وہ میری آنکھوں میں ایسی بزرگ معلوم ہوئیں کہ میں ان کی طرف نظر نہ اٹھا سکا۔ پھر میں گھر کی طرف پشت کر کے اُلٹے قدم ان کے پاس گیا اور میں نے کہا تمہیں خوشی ہو کہ رسولِ خدا نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے کہ میں حضور اکرمؐ کے لئے تمہیں پیام دوں۔ زینبؓ نے کہا میں اس بات کا کوئی جواب نہیں دے سکتی جب تک کہ میں اپنے ربِ عز وجل سے مشورہ نہ کرلوں اس کے بعد وہ اٹھیں اور مصلے پر پہنچیں اور سر کو سجدہ میں رکھا بارگاہِ بے نیاز میں عرض نیاز کی بعض روایتوں میں آیا ہے دو رکعت نماز پڑھ کے سجدے میں گئیں۔ یہ مناجات کی کہ اے خدا تیرا نبی میری خواستگاری فرماتا ہے اگر میں ان کی زوجیت کے لائق ہوں تو مجھے ان کی زوجیت میں دیدے اسی وقت ان کی دعا مقبول ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ زینبؓ کو بارگاہِ صمدیت میں خاص قرب و اختصاص حاصل تھا (رضی اللہ عنہا) اور یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا۔

پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دیدی کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں کی بیبیوں میں۔ جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے۔

اور آپ پر آثارِ وحی ظاہر ہوئے۔ چند لحظہ کے بعد منجلی ہوئے تو سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے متبسّم ہو کے فرمایا کون ہے جو زینبؓ کے پاس جائے اور انہیں بشارت دے کہ حق تعالیٰ نے ان کو میری زوجیت میں دے دیا ہے اور یہ نازل شدہ آیت تلاوت فرمائی۔ سلمیٰؓ جو کہ حضور کی خادمہ تھیں دوڑیں اور سیدہ زینبؓ کو بشارت دی اور اس خوشخبری سنانے پر وہ زیورات جو سیدہ زینبؓ پہنے ہوئے تھیں اُتار کر سلمیٰؓ کو عطا فرما دیئے۔ اور سجدۂ شکر بجا لائیں اور نذر مانی کہ دو مہینے روزہ دار رہوں گی۔

مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب سیدہ زینبؓ کے گھر تشریف لے گئے درآنحالیکہ وہ سر برہنہ تھیں۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! اور حضور اکرمؐ نے بے خطبہ

اور بے گواہ فرمایا "اَللّٰہُ الْمُزَوِّجُ وَجِبْرِیْلُ الشَّاہِدُ" اللہ نکاح کرنے والا ہے اور جبرئیل گواہ ہیں۔ اس کے بعد ولیمہ کا کھانا تیار کیا اور لوگوں کو نان و گوشت سے سیر فرمایا۔ اس طرح کسی بی بی کے لئے نہ کیا تھا۔ اور آپ کے طعام میں کئی معجزے ظاہر ہوئے۔ اور نکاحِ زینبؓ میں لوگوں کو جاہلیت کی عادت سے نکالا اور خاص شریعت وضع فرمائی جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:۔ لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ۔ تاکہ مسلمانوں پر ان کے لے پالکوں کی بیبیوں میں ان کے لئے کچھ حرج نہ رہے۔ اور حجاب یعنی پردے کی مشروعیت بھی اسی قصہ میں وارد ہوئی۔ یہ قصہ اسی طریقہ پر جو کہ مذکور ہوا محققین اہلِ سیر کے نزدیک معتبر و ثابت ہے۔ بعض اہل سیر و اہل تفسیر و تواریخ یہ قصہ اس طرح بیان کرتے ہیں جو نہ واقع کے مطابق ہے اور نہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی کے مناسب ہے محققین اس کو مفسرین کی زلات یعنی غلطیوں میں شمار کرتے ہیں۔ یہ قصہ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ کہ زلیخا کے ساتھ خلوت میں گئے، اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کا اوریا کے ساتھ کا قصہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگشتری گم ہونے کا قصہ، یہ تمام قصے محققین کے نزدیک متروک و محظور اور طریقۂ صدق و سداد اور ادب سے دور ہیں۔

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے فضائل بہت ہیں۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ اس بنا پر کہ انہوں نے کوئی سخت بات حضور اکرمؐ سے کہی تھی درشت کلامی کی۔ اور کہا کہ حضور اکرمؐ سے کس طرح بات کرتی ہو۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے عمرؓ! کچھ نہ کہو۔ کیوں کہ یہ اوّاہہ یعنی بہت خشیت رکھنے والی ہیں۔ ایک مرد موجود تھا اس نے پوچھا "اوّاہ" کیا ہے؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ اَلْخَاشِعُ فِی الدُّعَاءِ وَالتَّضَرُّعُ اِلَی اللّٰہِ۔ دعا میں خشوع اور خدا کے حضور...... گڑگڑانا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے یہ آیت پڑھی:۔ اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ گویا حضور اکرمؐ نے ان کو اس صفت میں مرتبۂ خلیل کے ساتھ مخصوص فرمایا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت زینبؓ سے زیادہ کسی عورت کو بہت زیادہ نیک اعمال کرنے والی، زیادہ صدقہ و خیرات کرنے والی، رحمی

رشتہ داروں کو زیادہ ملانے والی اور اپنے نفس کو ہر عبادت و تقرب کے کام میں مشغول رکھنے والی نہ دیکھا۔

سیدہ زینبؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ فرماتے مجھے چند فضیلتیں ایسی حاصل ہیں جو کسی اور زوجہ میں نہیں ہیں ایک یہ کہ میرے جد اور تمہارے جد ایک ہیں دوسرے میرا نکاح آسمان میں ہوا تیسرے یہ کہ اس قصہ میں جبریلؑ سفیر و گواہ تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحت کے ساتھ مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا:۔ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا اَسْرَعُكُنَّ یعنی تم میں سے جس کے ہاتھ دراز ہیں وہ مجھ سے ملنے میں تم سب سے پہلے سبقت کرنے والی ہے۔ مطلب یہ کہ اس دنیا سے میرے جانے کے بعد تم سب سے پہلے وفات پائیگی اس کے بعد ازواج مطہرات نے بانس کا ٹکڑا لے کر اپنے اپنے ہاتھوں کو ناپنا شروع کر دیا تاکہ جانیں کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ دراز ہیں۔ انہوں نے جانا کہ سیدہ سودہؓ بنت زمعہ کے ہاتھ زیادہ دراز ہیں۔ اور جب حضور اکرمؐ کی رحلت فرمانے کے بعد سیدہ زینبؓ نے وفات پائی تو انہوں نے جانا کہ درازی سے مراد، صدقہ و خیرات کی کثرت تھی۔ اس لئے کہ سیدہ زینب اپنے ہاتھ سے دستکاری کرتیں اور صدقہ دیتی تھیں۔

مروی ہے کہ ان کی وفات کی خبر جب حضرت عائشہؓ کو پہنچی تو فرمایا:۔ ذَهَبَتْ حَمِيدَةٌ مُقِيدَةٌ مَفْزَعُ الْيَتَامٰى وَالْاَرَامِلُ۔ پسندیدہ خصلت والی فائدہ دینے والی یتیموں اور بیواؤں کی خبرگیری کرنے والی دنیا سے چلی گئی۔ جب ان کی وفات ہوئی تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور اعلان کرایا کہ اہل مدینہ اپنی ماں کی ......... نماز میں حاضر ہوں۔ یہ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ مشہور یہ ہے کہ ان کی وفات ہجرت کے بیسویں سال میں تھی، بعض کہتے ہیں کہ اکیسویں ۲۱ سال تھی اور ان کی عمر شریف ترپن ۵۳ سال کی ہوئی۔ ان سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے متفق علیہ دو ۲ حدیثیں ہیں اور بقیہ تو تمام دیگر کتابوں میں ہیں۔

## ام المومنین سیدہ جویریہؓ بنت الحارث

ازواج مطہرات میں سے سیدہ جویریہؓ بنت الحارث بن ابی ضرار تھیں۔ ان کا بھی اصلی نام برہؓ تھا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام تبدیل

کر کے جویریہؓ رکھا۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گویا حضور اکرمؐ اس نام کو مکروہ جانتے تھے جیسے کوئی یہ کہے کہ برہؓ کے پاس سے نکل آئے اس نام کی تغیر میں کچھ بحث سیدہ زینبؓ بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نام میں بھی گزر چکی ہے۔ اس جگہ وجہ دفع تزکیہ نہ فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں جگہ میں یہ وجہ شامل ہے۔ ایک وجہ اور ہے جو فلاح وغیرہ نام رکھنے کی مخالفت میں کہتے ہیں جیسے لوگ یوں کہیں کہ اس گھر میں فلاح نہیں ہے یہ وجہ بھی برہ نام کے بدلنے میں جاری ہے۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور ذاکرہ تھیں۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے بعد سیدہ جویریہؓ کے پاس سے باہر تشریف لائے وہ اپنے مصلے پر ہی بیٹھی مشغول عبادت تھیں۔ حضور اکرمؐ چاشت کے وقت ان کے پاس تشریف لائے فرمایا جب سے میں باہر گیا ہوں تم اسی جگہ یونہی بیٹھی ہو عرض کیا ہاں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا جس وقت سے میں تمہارے پاس سے گیا ہوں اب تک چار کلمے میں نے پڑھے ہیں۔ اگر ان کو ان کے ساتھ موازنہ کیا جائے جو تم نے اب تک پڑھے ہیں تو یقیناً وہ چار کلمے وزنی ہوں گے۔ وہ یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَ نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ۔ گویا مقصود اصلی اس کیفیت کی تعلیم فرمانا تھا تاکہ وہ اپنے ذکر میں اسے بھی شامل کر لیں۔ اور اس پر خبردار کرنا تھا کہ ان کلمات کی کیفیت یہ ہے کہ اس کمیت پر ان کا مدلول زیادہ ہے۔ جو جویریہ نے اب تک پڑھا ہے ورنہ اس میں شک نہیں ہے کہ عمل کا ثواب بقدر مشقت ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَلْفَ مَرَّةٍ اور دوسرا شخص ہزار مرتبہ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ پڑھے۔ تو بلاشبہ اس کا ثواب اس سے زیادہ ہوگا۔ البتہ اگر کوئی خاص کامل کیفیت ہو اور غایت مبالغہ میں شامل ہو اور قائل پر اس کی حقیقت ہو گئی ہو اور وہ حقیقت کے اعتبار سے کہے جیسا کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا تو یہ بات دوسری ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ کیوں کہ حضور اکرمؐ پر حق تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس اور تحمید کی حقیقت منکشف ہو گئی کہ ان کلمات نے آسمان و زمین کے درمیان کو بھر دیا۔ یہ محض زبان اظہار و بیان نہیں ہے۔ خدا کا فضل بھی وسیع ہے اگر محض ان لفظوں سے ہی اتنا ثواب بخشدے تو وہ قادر ہے۔

(فافہم واللہ اعلم)

منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ سیدہ جویریہؓ سے زفاف فرمایا۔ وہ روزہ دار تھیں۔ فرمایا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کل روزہ رکھا تھا انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا آیندہ کل روزہ رکھنے کا ارادہ تھا انہوں نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر تو روزہ افطار کر لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف تنہا جمعہ کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ اور یہی علماء کا مذہب ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہٗ سے مروی حدیث ہے کہ لَا یَصُوْمُ اَحَدُکُمْ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اِلَّا اَنْ یَّصُوْمَ قَبْلَہٗ وَبَعْدَہٗ صرف جمعہ کے دن کا روزہ تم میں سے کوئی نہ رکھے مگر یہ کہ اس سے پہلے یا اس کے بعد کے دن بھی روزہ رکھے بعض علماء اس کی توجیہہ میں فرماتے ہیں تاکہ روزہ رکھنے سے بدن کمزور اور قوت زائل نہ ہو۔ اور وہ جمعہ کے اوراد و وظائف سے باز نہ رکھے۔ جس طرح کہ ضعفاء کے لئے عرفہ کے دن کے روزہ کے افطار کی اجازت ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہ توجیہہ ضعیف ہے اور پہلے یا بعد کے ساتھ روزہ رکھنے میں کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ مسلسل دو دن روزہ رکھنا تو اور زیادہ کمزور کرنے اور قوت کو فنا کرنے کا موجب ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ حکم تلافی اور جبر نقصان کے لئے ہے جو وظائف و اوراد میں واقع ہوا۔ اور دیگر اعمال خیر کے ساتھ بھی اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگرچہ جمعہ کے دن کو بہت عظمت و فضیلت والا قرار دیا گیا ہے باوجود ان عظمتوں کے محتاج رہنے کے لازم ہے کہ شریعت میں جتنا واقع ہوا ہو اس پر اپنی طرف سے زیادتی میں مبالغہ نہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ بہمہ وجوہ فضیلت سے محروم نہ رہ جائے اور حد سے تجاوز ہونے کا سبب نہ بنے۔ اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کا موجب نہ ہو جائے۔ کیوں کہ وہ معین دن کی تعظیم کرتے ہیں یہ معین دن ہفتہ اور اتوار ہیں۔ نیز روزِ جمعہ، روزِ عید ہے۔ جیسا کہ حدیث میں واقع ہوا ہے لہٰذا اس دن روزہ مناسب نہ ہوگا۔ اور تخصیص نامناسب تر ہے۔

شیخ محقق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس ممانعت میں اس طرف اشارہ ہے کہ بندہ کو ہمیشہ مولیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا چاہیئے۔ اور شبِ جمعہ کے قیام کو خاص کر لینے کے مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ایسے علماء کو نہ پایا جو اسکے قائل ہوں کہ جمعہ کے دن تنہا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ امام نووی نے فرمایا اس باب میں صحیح

حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ اگر وہ نہیں نہیں پہنچیں تو ہم کیا کریں۔ اس کی نفی و ممانعت میں صحیح حدیث پائے جانے کے باوجود اعتبار نہیں رکھتے (واللہ اعلم) ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے احوال کے ضمن میں یہ بات طول پکڑ گئی پھر اسی طرف رجوع کرتے ہیں۔

واضح رہنا چاہیے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا کا خواستگاری فرمانا غزوہ مریسیع میں تھا۔ جو ماہ شعبان ۵ھ میں ہوا۔ اس غزوہ سے واپسی کے وقت خواستگاری فرمائی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت الحارث، بڑی شیریں، ملیح اور صاحب حسن وجمال عورت تھیں۔ جو کوئی اسے دیکھتا فریفتہ ہو جاتا تھا۔ جنگ اور تقسیم غنایم وسبایا کے بعد حضور اکرم ایک چشمہ کے کنارے میرے پاس تشریف فرما تھے کہ اچانک جویریہ رضی اللہ عنہا نمودار ہوئیں۔ مجھ پر آتش غیرت نے غلبہ کیا کہ مبادا حضور اکرم ان کی طرف توجہ خاص مبذول فرمائیں اور اپنے حبالۂ عقد میں لے آئیں۔ جب جویریہ رضی اللہ عنہا آئیں تو انہوں نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ یا رسول اللہ میں مسلمان ہو کر حاضر ہوئی ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُهٗ ۔ اور میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی ہوں جو اس قبیلہ کا سردار اور پیشوا تھا اب لشکر اسلام کے ہاتھوں میں قید ہوں اور ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے حصہ میں آگئی ہوں۔ اور اس نے مجھے اتنے مال پر مکاتب بنایا ہے کہ میں اسے ادا نہیں کر سکتی میں امید رکھتی ہوں کہ میری اعانت فرمائی جائے تاکہ کتابت کی رقم ادا کر سکوں۔ فرمایا میں ادا کروں گا اور اس سے بھی بہتر تمہارے ساتھ سلوک کروں گا انہوں نے کہا کہ اس سے بہتر کیا ہو گا۔ فرمایا کتابت کی رقم ادا کر کے تمہیں حبالۂ عقد میں لا کر زوجیت کا شرف بخشوں گا۔ اس کے بعد کسی کو ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس کے پاس بھیجا کہ وہ کتابت کی رقم ادا کرے۔ اس کے بعد ان کو آزاد کر کے حبالۂ عقد میں لے آئے۔ اور چار سو درہم مہر کا مقرر فرمایا۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا مہر بنی المصطلق کے قیدیوں کی آزادی کو بنایا اس وقت سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بیس سال کی تھیں۔ صحابۂ عظام جب اس حقیقت حال سے باخبر ہوئے تو باہم کہنے لگے کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ سیدہ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے حرم کے اقربا کو جبکہ ان کے اصہار ہیں اسیری، قید اور غلامی میں رکھیں۔ اس کے بعد سب نے آزاد کر دیا۔ اہل سیر بتاتے ہیں کہ بنی المصطلق کے قیدی کی مجموعی تعداد سَو سے زیادہ تھی اور سب ہی نے اس قید سے رہائی پائی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نہیں جانتی کہ ازواج مطہرات میں سیدہ جویریہ رض سے زیادہ خیر و برکت والی کوئی اور حرم ہو۔

سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے سے پہلے میں نے اپنے قبیلہ میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا یثرب کی جانب سے چاند چلتا آرہا ہے یہاں تک کہ وہ میرے آغوش میں اتر آیا میں نے اس واقعہ کو کسی سے بیان نہ کیا جب میں اپنے خواب سے بیدار ہوئی تو میں نے خود ہی یہ تعبیر لی جو الحمد للہ پوری ہوئی۔ سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی وفات مدینہ طیبہ میں ۵۰ھ یا ۵۶ھ میں واقع ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر شریف پینسٹھ سال کی تھی۔ ان کی نمازِ جنازہ مروان نے جو امیر معاویہ رض کی جانب سے مدینہ طیبہ میں حاکم تھا پڑھی۔ کتب معتبرہ میں ان سے سات حدیثیں مروی ہیں۔ بخاری میں دو، مسلم میں دو، باقی دیگر کتابوں میں مروی ہیں۔

## ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رض

ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت ام حبیبہ رض بنت ابوسفیان بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف ہیں۔ ان کا نام رملہ تھا اور ایک قول سے ہند تھا۔ ان کی والدہ صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس تھیں جو کہ حضرت عثمان رض بن عفان بن العاص کی پھپھی تھیں۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پہلے عبید اللہ بن جحش برادر حضرت عبد اللہ بن جحش الہندی کی زوجیت میں تھیں۔ ابتدائے احوال میں مسلمان ہوئیں اور حبشہ کی جانب ہجرت ثانیہ کی عبید اللہ سے ایک دختر پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ تھا اسی سے ان کی کنیت ام حبیبہ رض ہوئی۔ اس کے بعد عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گیا اور دین نصرانیت کی طرف رجوع ہو کر شراب خوری کو مشغلہ بنا لیا اسی حال میں وہ مرگیا۔

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص مجھے "یا ام المومنین" کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھے حبالۂ عقد میں لائیں گے۔ اس کے بعد حضور اکرم ؐ نے عمرو رض بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ رض کو حضور اکرم ؐ کے لئے پیام دیں۔ اور نکاح کریں' اس کے بعد سیدہ ام حبیبہ رض نے خالد رض بن سعید بن العاص کو جو کہ حبشہ میں تھے وکیل بنایا اور حضرت جعفر رض بن ابی طالب اور وہ تمام مسلمان جو حبشہ میں موجود تھے حاضر ہوئے اور نجاشی نے یہ خطبہ

پڑھا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ السَّلَامِ الْمُؤْمِنِ الْمُهَیْمِنِ الْعَزِیْزِ الْجَبَّارِ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتُ اِلٰی مَا دَعٰی اِلَیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اَصْدَقْتُهَا اَرْبَعَمِائَةِ دِیْنَارٍ ذَهَبًا۔ اس کے بعد دیناروں کو حاضرین کے سامنے ڈال دیا۔ پھر خالد بن سعید رضؓ نے جو سیدہ ام حبیبہ رضؓ کے وکیل تھے فرمایا:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَحْمَدُهٗ وَاَسْتَعِیْنُهٗ وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ اَجَبْتُ اِلٰی مَا دَعٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَزَوَّجْتُهٗ اُمَّ حَبِیْبَةَ بِنْتَ اَبِیْ سُفْیَانَ، فَتَبَارَكَ اللّٰهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ اس کے بعد نجاشی نے دیناروں کو خالد رضؓ بن سعید کے سپرد کیا انہوں نے انہیں لے لیا۔ اس کے بعد چاہا کہ کھڑے ہو جائیں۔ نجاشی نے کہا بیٹھو، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے کہ مجلس نکاح میں کھانا کھلایا جائے۔ اس کے بعد نجاشی نے کھانا منگایا اور سب نے کھایا۔ اور رخصت ہو گئے (کذا فی المواہب) اور ابوسفیان، سیدہ ام حبیبہ رضؓ کے باپ، ان کے نکاح کے وقت مکہ مکرمہ میں مشرک اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محارب تھا۔ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اپنے باپ ابوسفیان کے ساتھ وہ سلوک مشہور ہے جبکہ حالتِ کفر میں صلح حدیبیہ کے بعد تجدید صلح کے لئے یہ مدینہ طیبہ میں آیا تھا اور سیدہ ام حبیبہ رضؓ کے پاس پہنچ کر اس نے یہ چاہا کہ حضور اکرمؐ کے بستر مبارک پر بیٹھے، سیدہ ام حبیبہ رضؓ نے جائز نہ جانا اور کہا کہ یہ بستر طاہر و مطہر ہے اور تم نجاست شرک سے آلودہ ہو اور نجاشی کے ان کا نکاح پڑھانے سے متعلق ایک اور حکایت بھی ہے جو کہ غزوۂ خیبر کے واقعات میں پہلے ہی بیان ہو چکی ہے۔

اہلِ سیر کہتے ہیں کہ جب سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے سیدہ عائشہ رضؓ اور سیدہ ام سلمہ رضؓ سے کہا کہ مجھے ان امور میں معاف کر دو جو ایک شوہر کی بیبیوں کے درمیان ہو جاتے ہیں اس نوع سے جو کچھ میری جانب سے تمہارے متعلق واقع ہوا ہو اسے معاف کر دو۔ انہوں نے کہا حق تعالیٰ تمہارے بوجھ کو بخشے اور معاف کرے۔ ہم بھی

معاف کرتے ہیں۔ ام المومنین ام حبیبہ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے کہ تم نے مجھے خوش کر دیا۔

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا پاکیزہ ذات، حمیدہ صفات، جواد اور عالی ہمت تھیں۔ ان کی وفات مدینہ طیبہ میں ۴۰ھ یا ۴۴ھ میں بقول صحیح واقع ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ وفات شام میں واقع ہوئی۔ کتب متداولہ میں پینسٹھ حدیثیں ان سے مروی ہیں ان میں سے دو متفق علیہ ہیں ایک تنہا مسلم میں ہے۔ باقی حدیثیں دیگر کتابوں میں مروی ہیں (رضی اللہ عنہا)

## ام المومنین سیدہ صفیہ رضؓ بنت حیی

ازواج مطہرات میں سے ام المومنین سیدہ صفیہ رضؓ بنت حیی بن اخطب، بنی اسرائیل کے سبط ہارون بن عمران، قبیلۂ بنی نضیر سے ہیں۔ پہلے وہ سلام بن مسلم کی زوجیت میں تھیں۔ جب ان میں جدائی ہوگئی تو پھر کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق کی زوجیت میں آگئیں کنانہ غزوۂ خیبر میں قتل ہوگیا۔ اس کے بعد جب فتح خیبر میں صفیہ رضؓ اسیران جنگ کے ساتھ قبضہ میں آئیں تو حضور اکرمؐ نے ان کو اپنے لئے خاص فرمالیا۔ اور آزاد کر کے اپنے حبالۂ عقد میں لے آئے۔ یہ قصہ پوری تفصیل کے ساتھ غزوۂ خیبر میں گزر چکا ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب صفیہ رضؓ کو بارگاہ رسالت میں لایا گیا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا انہیں خیمہ میں لے جاؤ اس کے بعد خود حضور اکرمؐ خیمہ میں تشریف لائے جب حضور اکرمؐ کو انہوں نے تشریف لاتے دیکھا تو کھڑی ہوگئیں اور وہ بستر مبارک جو وہاں طے کیا رکھا تھا حضور اکرمؐ کے لئے بچھایا اور خود زمین پر بیٹھ گئیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے صفیہ رضؓ! تمہارے باپ نے میرے ساتھ ہمیشہ دشمنی وعداوت رکھی یہاں تک کہ حق تعالےٰ نے اور وہ لہ کر دیا۔" انہوں نے عرض کیا "حق تعالیٰ کسی بندے کے گناہ کے بدلے کسی دوسرے کو نہیں پکڑتا" سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کا اختیار دیا کہ چاہے تو آزاد ہو کر اپنی قوم کے ساتھ مل جائے یا اسلام لے آئے۔ اور حضور اکرمؐ کے حبالۂ عقد میں آکر سرفرازی پائے۔ صفیہ رضؓ بڑی حلیمہ اور عاقلہ تھیں عرض کرنے لگیں "یا رسول اللہؐ! میں اسلام کی آرزو رکھتی تھی۔ اور میں نے آپ کی تصدیق، آپ کی دعوت سے پہلے کی ہے۔ اب جبکہ میں نے حضور اکرمؐ کے دربار گہر بار میں حاضر ہونے کا شرف پایا ہے تو مجھے کفر و اسلام کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے خدا کی قسم! خدا اور اس کا

رسول مجھے اپنی آزادی اور اپنی قوم کے ساتھ ملنے سے زیادہ محبوب ہے۔ ممکن ہے کہ حضور اکرمؐ کا مقصد ان کے حال کا امتحان اور اختیار عقل اور اس کا صدق طلب مقصود ہو نہ کہ حقیقتہً کفر و اسلام کے درمیان اختیار دینا ہو۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے انہیں آزاد کر دیا اور عقد فرمایا اور ان کی صداقت کو ان کی آزادی کا سبب بنایا۔ جب حضور اکرمؐ نے کوچ فرمایا اور حضور اکرمؐ کی سواری لائی گئی تاکہ حضور اکرمؐ اس پر سوار ہوں تو حضور اکرمؐ نے پائے مبارک راحلہ پر رکھا تاکہ صفیہؓ اپنے پاؤں کو حضور اکرمؐ کی ران پر رکھ کر سوار ہو جائیں۔ صفیہؓ نے ادب ملحوظ رکھا اور وہ اپنے زانو کو حضور اکرمؐ کی ران پر رکھ کر سوار ہو گئیں۔ حضور اکرمؐ نے ان کو اپنا ردیف بنایا اور پردہ باندھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ کے اونٹ نے ٹھوکر کھائی اور حضور اکرمؐ اور صفیہؓ دونوں زمین پر آ رہے لیکن کسی ایک شخص کی نظر نہ حضور اکرمؐ پر پڑی اور نہ سیدہ صفیہؓ پر۔ ...... ......... اس کے بعد حضور اکرمؐ کھڑے ہوئے اور صفیہؓ کو مستور فرمایا۔

سیدہ صفیہؓ کے تمام حالات غزوۂ خیبر میں گزر چکے ہیں۔ جب حضور اکرمؐ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے زفاف فرمایا تو صحابہ سے فرمایا جس کے پاس جو توشہ موجود ہو لائے۔ پھر سب نے حیس تیار کیا اور حضور اکرمؐ کی برکت اور حضور اکرمؐ کے اعجاز سے تمام لوگ شکم سیر ہو گئے حضرت صفیہؓ کا ولیمہ حضور اکرمؐ کے نزدیک بڑی عزت و شان والا تھا۔ اور حضور اکرمؐ ان کے ساتھ بڑی عنایت اور کرم گستری فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان پر غبطہ کرتی تھیں۔ منقول ہے کہ ایک دن سیدہ صدیقہؓ نے حضور اکرمؐ سے سیدہ صفیہؓ کی مذمت میں کہا کہ آپ کو تو صفیہؓ ہی کافی ہیں کہ وہ ایسی ہیں ویسی ہیں مطلب یہ کہ پستہ قد و قامت رکھتی ہیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے عائشہؓ! تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے دریا میں ڈالیں ......... تو اس کا رنگ بدل جائے۔ مروی ہے کہ حضور اکرمؐ سیدہ صفیہؓ کی باری کے دن ان کے پاس تشریف لائے۔ ملاحظہ فرمایا کہ وہ رو رہی ہیں۔ حضور اکرمؐ نے رونے کا سبب پوچھا کہ کیا ہے؟ عرض کیا میرے پاس حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ آکر مجھے ایذا دیتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم صفیہؓ سے بہتر ہیں کیونکہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب مبارک کی شرافت حاصل ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ تم نے کیوں نہ کہا کہ تم کیوں کر مجھ سے بہتر ہو۔ حالانکہ میرے باپ ہارون ہیں اور میرے چچا موسیٰ ہیں (علیہ السلام)۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ سفر میں ہمراہ تھے۔ حضرت صفیہؓ کا اونٹ تھک کر چلنے سے رہ گیا۔ حضرت زینبؓ کے پاس ایک اونٹ زیادہ تھا حضور اکرمؐ نے زینبؓ سے فرمایا صفیہؓ کا اونٹ تھک گیا ہے اسے اونٹ دیدو تاکہ وہ منزل تک پہنچ جائیں۔ حضرت زینبؓ نے عرض کیا میں اس یہودیہ کو کوئی چیز نہ دونگی حضور اکرمؐ نے ان پر غصہ فرمایا۔ اور دو یا تین ماہ تک ان سے ترک تعلق رکھا اور اتنے عرصہ تک ان کے پاس نہیں گئے۔ امہات المومنین کے ساتھ حضور اکرمؐ کی سیاست و تادیب ایسی تھی اگرچہ بعض بعض کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے تھے لیکن حق میں کسی کی رعایت نہ فرماتے تھے۔

منقول ہے کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مدینہ منورہ پہنچیں انصار کی عورتوں نے ان کے حسن و جمال کا پہلے ہی سے شہرہ سن رکھا تھا ان کو دیکھنے کے لئے وہ سب جمع ہو کر آگئیں حضرت عائشہؓ بھی نقاب اوڑھے چادر لپیٹے اس لئے کہ انہیں کوئی نہ پہچانے ان کے درمیان آئیں تاکہ وہ بھی حضرت صفیہؓ کو دیکھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہچان لیا جب وہ باہر نکلیں تو حضور اکرمؐ ان کے پیچھے تشریف لے گئے اور چادر ہٹا کر فرمایا "اے حمیرا! تم نے صفیہؓ کو کیسا دیکھا انہوں نے کہا "ایک یہودیہ، یہودی عورتوں کے درمیان بیٹھی تھی"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے عائشہ (صدیقہؓ) تم ایسا کہتی ہو حالانکہ وہ مسلمان ہو چکی ہیں اور ان کا اسلام حسن قبول بن گیا ہے"۔

منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ علالت میں تمام امہات المومنین مجتمع تھیں، صفیہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! خدا کی قسم! میں محبوب رکھتی ہوں کہ آپ کا یہ مرض مجھے ہو جائے، اس پر تمام ازواج مطہرات نے ایک دوسرے کے ساتھ غمزہ کیا حضور اکرمؐ اس سے واقف ہوئے تو آپ کو ناخوشی ہوئی اور اس سے کراہت کا اظہار فرمایا، اور فرمایا خدا کی قسم وہ یعنی صفیہؓ اپنے دعویٰ میں صادق ہے"۔ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی وفات ۳۶ھ میں واقع ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۵۲ھ میں اور ایک قول کے مطابق ۵۵ھ میں ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ خلافت فاروقی میں ہوئی اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ ان سے دس حدیثیں مروی ہیں ان میں سے ایک متفق علیہ اور باقی تمام دیگر کتابوں میں ہیں (رضی اللہ عنہا)

## ام المومنین سیدہ میمونہؓ

از ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت میمونہؓ بنت الحارث عامریہ ہلالیہ بھی ہیں۔ ان کی والدہ ہند بنت عوف

قبیلۂ حمیر سے تھیں ایک قول یہ ہے کہ قبیلہ کنانہ سے تھیں، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی برہ تھا حضور اکرمؐ نے ان کا نام تبدیل کر کے یمن بمعنی برکت سے ماخوذ، میمونہؓ رکھا۔ حضرت میمونہؓ کی والدہ ہند ایسے داماد رکھتی ہیں جو کسی عورت کو میسر نہیں۔ اس لئے کہ ایک داماد تو سیّد عالم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ دوسرے داماد، حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ میمونہؓ کی بہن جن کا نام ام الفضلؓ تھا حضرت عباسؓ کی زوجیت میں تھیں۔ ہند کا حضرت میمونہؓ کے والد حارث کے سوا، پہلے ایک اور شوہر تھا جس کا نام عمیس خثعمی تھا اس سے بھی دو لڑکیاں تھیں ایک، اسماءؓ بنت عمیس جو صاحبۂ حسن وجمال مشہور عورت تھیں اور وہ پہلے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی زوجیت میں تھیں، حضرت جعفرؓ کی شہادت کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کی زوجیت میں آئیں اور حضرت صدیقؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زوجیت میں آئیں۔ حضرت اسماءؓ کے اپنے تمام شوہروں سے اولاد تھی حضرت جعفرؓ سے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ سے حضرت محمد بن ابی بکر اور حضرت علی مرتضیٰؓ سے حضرت عون بن علی رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ حضرت اسماءؓ کی دوسری بہن حضرت زینبؓ بنت عمیس ہیں جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ اور عمارہ بنت حمزہؓ انہیں سے پیدا ہوئی تھیں جن کی پرورش اور حضانت کا حق حضرت جعفرؓ کے سپرد ہوا تھا کیوں کہ ان کی خالہ اسماءؓ بنت عمیس حضرت جعفرؓ کی زوجیت میں تھیں۔ ایک اور بہن تھی جس کا نام سلمیٰ بنت عمیس تھا جو شداد بن الہاد کی زوجیت میں تھیں، خثعم کی تمام عورتیں صاحب حسن وجمال تھیں۔ یہ جماعت ہند امِ میمونہؓ کے دامادوں کی ہے۔ یہ چار بہنیں تھیں اور ان کے داماد چھ ہوئے۔ ولید بن مغیرہ جو کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے والد ہیں وہ بھی ان کا داماد تھا۔ اس کو شمار نہیں کرتے کیونکہ وہ مشرک تھا۔ اور حضرت خالدؓ کی والدہ کا نام لبابہؓ بنت الحارث، بہن میمونہؓ بنت الحارثؓ زوجۂ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تھا۔ اور اس کو لبابۂ صغریٰ کہتے ہیں اور حضرت ام الفضل کی بیٹی کا نام بھی لبابہؓ ہے ان کو لبابہ الکبریٰؓ کہتے ہیں، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا زمانہ جاہلیت میں مسعود بن عمر ثقفی کی زوجیت میں تھی۔ باہمی نا اتفاقی ہونے پر جدا ہو گئی۔ اس کے بعد ابورہم یا کسی اور کی زوجیت میں آئیں۔ اس میں اختلاف ہے اس کے بعد حضور اکرمؐ نے انہیں پیام دیا۔ اور ماہ ذیقعدہ ۷ھ میں عمرۃ القضاء میں نکاح فرمایا۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ حضرت

میمونہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، زفاف اور ان کی وفات ایک ہی موضع میں واقع ہوئی جسے سرف کہتے ہیں اور یہ مکہ مکرمہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے اور اب تک وہاں ان کا مقبرہ تعمیر تھا۔ (معلوم نہیں کہ نجدی ملعونوں نے اسے اب شہید کر دیا یا باقی ہے واللہ اعلم) نکاح کے وقت میں دو روایتیں ہیں وہ یہ کہ حضرت میمونہ رضؓ سے نکاح کے وقت حضور احرام سے تھے یا بغیر احرام کے تھے۔ اسی بنا پر علماء میں نکاح محرم کے بارے میں اختلاف ہے اور ہمارے مذہب میں جائز ہے۔ ان دونوں روایتوں میں کسی ایک کی ترجیح اور اس کلام کی تحقیق اصول فقہ میں مذکور ہے۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کی وفات مشہور تر قول کے بموجب ۵۱ھ ہے اور باقول مختلف ۶۱ھ یا ۶۳ھ یا ۶۲ھ بھی بتایا گیا ہے۔ آخری قول کے بموجب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آخری زوجۂ مطہرہ قرار پاتی ہیں جنہوں نے سب کے بعد وفات پائی۔ حالانکہ مشہور یہ ہے کہ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا آخری ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ کی وفات ۳۸ھ میں امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی زمانۂ خلافت میں ہوئی۔ اور یہ حضرت میمونہ آخری زوجۂ مطہرہ ہیں ان کے بعد حضور اکرمؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی سے نکاح نہ فرمایا۔ ان کی نماز جنازہ ان کے بھانجے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھی۔ یہ اور دیگر بھانجوں نے ان کو قبر میں اتارا۔

سیّدہ میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ میری باری کی ایک رات تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے باہر تشریف لے گئے میں نے اٹھکر دروازہ بند کر لیا تھوڑی دیر بعد حضور اکرمؐ واپس تشریف لے آئے اور دروازہ کھٹکٹایا میں نے نہ کھولا حضور اکرمؐ نے مجھے قسم دے کر نوازا کہ دروازہ کھولوں۔ میں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ میری باری کی رات میں دوسری ازواج مطہرات کے پاس تشریف لیجاتے ہیں؟" حضور اکرمؐ نے فرمایا "ایسا نہیں ہے بلکہ میں قضائے حاجت کے لئے گیا تھا۔" بظاہر اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم اور اس کی رعایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی کیونکہ حضرت میمونہ رضؓ نے اسے طلب کیا تھا اور وہ رنجیدہ تھیں۔ اور حضور اکرمؐ نے عذرخواہی فرمائی جیسا کہ مذہب شافعی میں مشہور ہے۔ اور مذہب حنفیہ یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کا قسم کی رعایت فرمانا بر سبیل کرم و تفضل تھا۔ اور اس میں اتنی رعایت و کرم فرماتے کہ گویا واجب

ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا ایسی زوجۂ مطہرہ ہیں کہ اپنے آپ کو حضور اکرمؐ پر بخشدیا تھا جبکہ حضور اکرمؐ کا پیام ان کے پاس پہنچا تھا۔ منقول ہے وہ اونٹ پر سوار تھیں۔ آپ نے کہا اونٹ اور جو کچھ اونٹ پر ہے سب کچھ خدا اور اس کے رسول کا ہے۔ اس پر یہ آئیہ کریمہ نازل ہوئی :۔ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ۔ الخ ___ اور یہ بات حضور اکرمؐ کے خصائص میں سے ہے جیسا کہ آخر آئیہ کریمہ میں فرمایا :۔ خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ___ ایک قول یہ ہے کہ وہ زوجہ مطہرہ جس نے اپنے آپ کو حضور اکرمؐ پر ہبہ کیا۔ وہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔ پوشیدہ نہ رہنا چاہیئے کہ ان کے نکاح کو آسمان پر حق تعالیٰ کا منعقد فرمانا۔ اور اپنے کو ہبہ کرنے کے سبب اور مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہبہ سے مراد، مہر کا لازم نہ ہونا ہے۔ یہ بات اس قول میں ہے جو زینب بنت خزیمہ کے بارے میں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ بنی عامر کی ایک اور عورت تھی جو ام شریک قرشیہ عامریہ تھی۔ اور اس کا نام غزیہ بنت جابر بن عوف بن عامر بن لوی تھا۔ اور بعض نے کہا کہ بنت داؤد بن عوف تھی۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کے سوا کئی عورتیں ہیں جنہوں نے خود کو حضورؐ پر ہبہ کیا مگر حضور اکرمؐ نے ان کو قبول نہ فرمایا اور نہ نکاح میں لائے (واللہ اعلم)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے چھہتر حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے سات متفق علیہ ہیں۔ ایک صرف بخاری و مسلم میں ہے باقی دیگر کتابوں میں ہیں (رضی اللہ عنہا)

## مطلقاتُ النبی

وصل : یہ گیارہ ازواج مطہرات امہات المومنین رضی اللہ عنہن ہیں جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں اور آپ نے ان سے زفاف فرمایا، ان میں سے چند سے اولاد کرام پیدا ہوئی۔ ان میں سے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیدہ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں دنیا سے رخصت ہوئیں اور باقی حضور اکرمؐ کے بعد فوت ہوئیں۔ عورتوں کی ایک جماعت اور بھی ہے جو بیس۲۰ یا زیادہ ہیں۔ جن میں سے کچھ سے نکاح تو کیا مگر زفاف نہ فرمایا اور ان میں بعض وہ ہیں جن سے زفاف بھی ہوا لیکن اختیار دیئے جانے کے وقت آئیہ کریمہ :۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا ___ اے نبی اپنی بی بیوں سے فرماد و اگر تم دنیاوی عیش و عشرت

چاہتی ہو تو... کے ماتحت یا) وہ حبالۂ نکاح سے نکل گئیں۔ علماء سیر نے ان سب کو علیحدہ رکھا ہے۔ اور بعض نے مقام استیفاء میں بیان کیا ہے۔

ہم ان میں سے ان کو جن کا قصہ نادر ہے اور اس میں عجیب نکتہ ہے جو مفید و نافع ہے۔ بیان کرتے ہیں اگرچہ اس حیثیت سے کہ حضور اکرمؐ کے احوال شریف کا ذکر ہے اور اس بارگاہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں سب ہی مفید و نافع اور موجب ذوق و لذت ہیں۔

ان عورتوں میں سے ایک عورت . . . کی بیٹی کلابیہ تھی۔ جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا۔ آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ کھجوروں کی گٹھلیاں اور ایک روایت میں ہے کہ مینگنیاں چُنتی تھی۔ ایک شخص نے اسے دیکھا تو پوچھا تو کون ہے اس نے سر اٹھا کر کہا:۔ اَنَا الشَّقِیَّۃُ الَّتِیْ اِخْتَرْتُ الدُّنْیَا عَلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ میں وہ بدبخت عورت ہوں جس نے اللہ اور اس کے رسول پر دنیا کو اختیار کیا تھا۔"

دوسری عورت اسماء کندیہ ہے جسے جامع الاصول میں جو یہ کہا ہے۔ مواہب لدنیہ میں اسماء بنت النعمان بن ابی الجون الکندیہ الجوینیہ نام بتایا گیا ہے، اور کہا کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے نکاح فرمایا البتہ اس کو اپنے سے علیحدہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ چنانچہ قتادہ اور ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اکرمؐ نے اسے اپنے قرب سے نوازنا چاہا اور اس سے فرمایا کہ قریب آ۔ تو اس عورت نے انکار کیا اور سرکشی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عورت نے کہا میں آپ سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا تو پناہ تلاش کرتی ہے اور بہت بڑی پناہ مانگتی ہے۔ بلاشبہ حق تعالیٰ نے تجھے پناہ دیدی "اِلْحَقِیْ بِاَہْلِکِ" جا تو اپنے گھر والوں سے مل جا، یہ کلمہ ایسا ہے جو طلاق کی نیت سے بولا جاتا ہے۔ جامع الاصول میں اسی بنت الجون کے قصہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جسے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ابنتہ الجون، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ" اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا تو نے بہت بڑی پناہ تلاش کی ہے۔ جا اپنی اہل کے ساتھ مل جا" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ نسائی میں اس طرح مروی ہے کہ کلابیہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو (الحدیث) سیدہ صدیقہ سے اتنا ہی روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا مطلب یہ کہ کسی دوسرے نے اس کو نہیں سکھایا۔ بلکہ اس نے اپنی طرف سے کہا۔ اور کسی دوسرے کو

کیا ضرورت تھی کہ وہ سکھائے۔ اور حضرت عائشہ رضؓ پر تو ایسا گمان ہی نہ کرنا چاہیئے کہ انہوں نے اسے سکھایا ہو۔ اور وہ اس قصہ میں داخل ہوں حسن ظن لازم ہے (واللہ اعلم)

ابو اُسَیدؓ سے مروی حدیث میں منقول ہے انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک احاطہ میں پہنچے جس کو شوط کہا جاتا ہے اور اس باغ و احاطہ میں ٹھہر گئے۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا یہیں بیٹھ جاؤ۔ پھر جونیہ کو بلایا گیا فرمایا نخلستان میں لے جاؤ جو وہاں تھا اور اس کے ساتھ ایک جانور تھا جس پر وہ سوار ہوئے آئی تھی۔ جب حضور اکرمؐ اس کے پاس پہنچے تو فرمایا "اپنے آپ کو میرے لئے تیار کر لے"۔ اس بدبخت نے کہا "کیا ملکہ اپنے سے کمتر کو اپنے آپ کو سپرد کر دیگی"۔ حضور اکرمؐ نے دست مبارک دراز فرمائے تاکہ اسے خاموش کریں۔ اس نے کہا "اعوذ منک" میں تم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "تو نے بڑی پناہ گاہ سے پناہ مانگی ہے۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ ہمارے پاس باہر تشریف لے آئے اور فرمایا "اے اسیدؓ اس کو دو جامہ اڑھا کر اسے اس کے اہل میں پہنچا دو"۔ اس عورت کا تکبر کرنا اور اپنے آپ کو ملکہ کہنا اس بنا پر تھا کہ اس کا باپ نعمان بن ابی الجون اہل کندہ کا سردار و رئیس تھا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور اکرم کی بی بیوں نے اسے سکھایا تھا کہ جب حضور اکرمؐ تجھے بلائیں اور دست اقدس تیری طرف بڑھائیں تو تو "اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنکَ" کہنا کیونکہ یہ کلمہ حضور اکرمؐ کو اچھا معلوم ہوتا ہے۔ یہ عورت بہت ہی خوبصورت تھی۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ ان پر غالب نہ آجائے۔ جب اس نے یہ بات کہی تو حضور اکرمؐ کو ناگوار گزرا اور اسے طلاق دیدی اور اس کو اس کے اہل میں بھیجدیا۔ یہ عورت اپنے آپ کو "بدبخت" کہا کرتی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نام امیمہ تھا اور بعض نے کہا اُمامہ تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے ابو اسیدؓ ساعدی کو بھیجا کہ اسماءؓ کو مدینہ لائے چونکہ اس کی خوبصورتی کا شہرہ مدینہ میں پھیل چکا تھا اور عورتیں اس کو دیکھنے آتی تھیں اس لئے کسی نے اس کو سکھایا کہ تو ایک بادشاہ کی بیٹی ہے اگر تو یہ چاہتی ہے کہ تیرا شوہر تجھے بہت چاہے تو تو جب خلوت میں پہنچے تو کہنا اعوذ باللہ منک" تو شوہر تجھے بہت چاہے گا" ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اسے بارگاہ حضورؐ میں لائے تو تمام عورتیں اس پر رشک کرنے لگیں اور ظاہر میں اس سے شفقت و مہربانی کی باتیں کرنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضؓ نے حفصہؓ سے کہا تم ان کے مہندی لگاؤ اور میں ان کے سر کے بال سنواروں۔ اسی اثنا میں اس سے

یہ بات کہی کہ جب حضور اکرمؐ تجھ سے خلوت فرمائیں تو تو "اعوذ باللہ منک" کہنا چنانچہ حضور اکرمؐ جب اس کے گھر تشریف لائے اور پردہ اٹھا دیا اور چاہا کہ شرفِ قرب سے نوازیں تو اس نے کہا "اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْکَ" حضور اکرمؐ فوراً اس کے پاس سے دور ہو گئے اور فرمایا تو نے بڑی پناہ گاہ سے پناہ مانگی ہے اٹھ اور اپنے لوگوں میں چلی جا۔ اور ابو اسیدؓ سے فرمایا اسے اس کے قبیلہ میں پہنچا دو۔ بعد ازاں حضور اکرمؐ کو خبر دی گئی کہ عورتوں نے اس کے ساتھ ایسا مکر کیا تھا اور اسے اس پر برانگیختہ کیا تھا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ اِنَّھُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ وَاِنَّ کَیْدَھُنَّ عَظِیْمٌ۔ بے شک یہ عورتیں یوسف والیاں ہیں اور بیشک ان کا مکر بڑا ہے۔

اب ہم اس طرف آتے ہیں کہ یہ جو مکر و فریب ہے اور اس میں ان کے حق میں جنہوں نے کوئی گناہ، خطا اور خلاف ورزی نہیں کی ہے زیاں کاری اور بداندیشی ہے اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ بشری طبع کی فضیلت اور محبت کا مقتضائے غیرت ہے۔ اور یہ بات حضور اکرمؐ کے ساتھ انتہائی محبت کی دلیل ہے کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ کوئی دوسرا بھی اس میں شریک ہو اور غیرت و رشک کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے سے محبوب کی جدائی دوسرے کے لئے گوارا نہیں کرتیں۔ مثلاً کسی کے پاس مال ہے یا کسی کا کوئی خاص حال ہے اور چند شخص اس میں شریک ہیں۔ وہ پسند نہیں کرے گا کہ کوئی اور اس میں شریک ہو یا اس سے وہ مال چھینے۔ یہی صورت یہاں لازم آتی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ بی بیوں نے اس پر جبر و اکراہ نہیں کیا تھا اس سے صرف زبانی کہا تھا۔ اس نے کیوں کہا۔ اور یہ بات بھی ممکن ہے کہ شوہر کی محبت کی خواہش میں عورتوں کے لئے اتنی بات جائز ہو۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں سخت و سست نہ فرمایا اور نہ جزا و سزا دی اور نہ زجر و توبیخ فرمائی۔ فرمایا تو صرف اتنا فرمایا کہ عورتوں کے مکر و فریب ہوتے ہیں اور ان کا مکر بہت بڑا ہے۔ جس طرح کہ قرآن کریم میں زنانِ یوسف علیہ السلام کی شان میں آیا ہے کہ ان کیدکن عظیم بے شک تم عورتوں کے بڑے مکر ہیں۔ (فافہم واللہ اعلم)

ایک اور عورت تھی جس کا نام ملیکہ بنت کعب تھا ایک قول ہے کہ قبیلۂ لیث کی لڑکی تھی۔ قبل از دخول حضور اکرمؐ نے اس سے مفارقت فرمائی۔ بعض کہتے ہیں اسی عورت نے استعاذہ کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے دخول ہوا اور حضور اکرمؐ ہی کے پاس وفات

پائی۔ لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نکاح بھی نہ کیا تھا صرف خواستگاری فرمائی تھی۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب حضور اکرمؐ نے اس کے ساتھ خلوت فرمائی۔ جب اس سے پوشش دور ہوئی تو اس کے جسم میں سفیدی نظر آئی۔ حضور اکرمؐ علیحدہ ہو گئے اور فرمایا اپنے کپڑے پہن لو اور اپنے لوگوں میں چلی جاؤ۔ مواہب میں اس طرح ہے کہ قبیلہ غفار کی ایک عورت تھی۔ اس کے بعد آخر تک یہی حکایت بیان کی ہے۔

ایک اور عورت شراف رضؓ بنت خلیفہ کلبیہ تھی جو حضرت دحیہ کلبیؓ کی بہن تھی حضور اکرمؐ نے ان سے نکاح فرمایا اور وہ دخول سے پہلے ہی فوت ہو گئیں۔

ایک اور عورت لیلے ابنت الخطیم، قیس کی بہن تھی۔ حضور اکرمؐ نے اس سے نکاح فرمایا۔ یہ بڑی غیور عورت تھی۔ پھر اس نے حضور اکرمؐ سے اقالہ یعنی فسخ نکاح چاہا حضور اکرمؐ نے اسے اقالہ کیا اس کے بعد اسے بھیڑیئے نے کھالیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہی وہ عورت ہے جس نے اپنے آپ کو ہبہ کیا۔ مواہب میں اتنا ہی مذکور ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پشت بر آفتاب تشریف فرما تھے تو لیلے ابنت خطیم حضور اکرمؐ کی پشت مبارک کی طرف سے آئی اور آپ کی پشت مبارک پر ایک مکہ مارا۔ حضور اکرمؐ نے کہا "کون ہے یہ" "اکلتہ الذئب" یعنی جسے بھیڑیا کھائے گا" اس نے کہا میں خطیم کی بیٹی ہوں۔ اور پھر اپنے باپ کی تعریفیں کرنے لگی۔ اس نے کہا میں آئی ہوں تاکہ اپنے نفس کو آپ پر ہبہ کروں" حضور اکرمؐ نے فرمایا میں تجھے اپنی زوجیت کے لئے پسند کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد وہ اپنی قوم کی طرف گئی اور ان کو اس سے باخبر کیا۔ قبیلہ کے لوگوں نے کہا تو نے برا کیا تو ایک غیور عورت ہے اور وہ بہت سی بی بیاں رکھتے ہیں۔ تو غیرت میں جلتی رہے گی اور باتیں کرے گی تو وہ تجھ پر غضب فرمائیں گے اور دعائے بد کریں گے۔ ان کی دعا مستجاب و مقبول ہے۔ جا اور فسخ نکاح کا مطالبہ کر۔ پھر وہ حضور اکرمؐ کے پاس آئی اور فسخ کا مطالبہ کیا۔ حضور اکرمؐ نے نکاح فسخ فرما دیا۔ اس عورت نے دوسرا شوہر کر لیا اور اور اس سے کئی بچے پیدا ہوئے ایک دن مدینہ طیبہ کے کسی باغ میں نہا رہی تھی اچانک بھیڑیئے نے اس پر جست کی اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔

ایک اور عورت سَنا' یاسبا' یا اسماءؓ بنت صلت سلمیہ تھی۔ اہلِ سیر کہتے ہیں کہ جب حضور اکرمؐ نے اسے پیام دیا تو وہ اس خبر کے سنتے ہی خوشی سے مر گئی؛

ایک روایت میں ہے کہ بنی سلیم کا ایک شخص حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہؐ۔ ایک لڑکی ہے جو بڑی حسین وجمیل ہے آپ کے سوا کسی اور کے لئے وہ مناسب نہیں ہے۔ حضورؐ نے اس کی خواستگاری فرمائی یا خواستگاری کا قصد فرمایا۔ اس شخص نے لڑکی کی تعریف کے قصد سے کہا وہ ایک اور صفت بھی رکھتی ہے کہ وہ نہ تو کبھی بیمار ہوئی اور نہ کوئی اسے تکلیف پہنچی ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "ہمیں تیری لڑکی کی ضرورت نہیں ہے لَا خَیْرَ فِیْ مَالٍ یُرْزَاءُ مِنْہُ وَلَا جَسَدٍ یُنَالُ مِنْہُ۔

ایک اور عورت قبیلہ مرہ بن عوف بن سعد کی تھی۔ حضور اکرمؐ نے اس کے باپ کو پیام بھیجا۔ اس نے کہا کہ یہ لڑکی برص رکھتی ہے۔ یہ بات اس نے جھوٹ کہی تھی تاکہ اسے پیش نہ کرنا پڑے۔ جب وہ گھر لوٹ کر آیا تو وہ برص میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کے باپ نے اس کو اپنے بھتیجے کے ساتھ بیاہ دیا اس سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام شبیب بن مرطیا تھا کہتے ہیں کہ وہ شاعر تھا۔ (ذکرہ الطبری)

ایک اور عورت امامہ بنت حمزہ بن عبد المطلب پیش کی گئی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ کہ ابو لہب کی باندی ثویبہ نے ان کو دودھ پلایا تھا۔

ایک اور عورت عزہ بنت ابو سفیان جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھی پیش کی گئی حضور اکرمؐ نے فرمایا وہ میرے لئے حلال نہیں ہے کیوں کہ ان کی بہن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا موجود ہے۔" یہ چند عورتیں ہیں جن سے قبل از نکاح یا بعد از نکاح قبل از دخول، مفارقت واقع ہوئی سیر کی کتابوں میں اس سے زیادہ بیان کیا گیا ہے۔ ان اختلافات کے ساتھ جو ان کے ناموں میں واقع ہیں۔

انہیں عورتوں میں سے کچھ وہ ہیں جن کو پیام نکاح دیا لیکن نکاح واقع نہ ہوا ام ہانیؓ بنت ابی طالب جن کا نام فاختہ ہے بعض عاتکہ بتاتے ہیں اور بعض ہند۔ پہلا قول زیادہ مشہور اور صحیح ہے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے ابو طالب سے فرمایا "اے میرے چچا! اپنی بیٹی ہبیرہ بن وہیب کو دیدی اور مجھے نہ دی"۔ ابو طالب نے عرض کیا "اے میرے بھتیجے! ان کے ساتھ میری مصاہرت یعنی سسرالی رشتہ ہے میں نے ان سے بیٹی مانگی تھی۔ طریقۂ کرم میں نے اسی میں

دیکھا کہ میں ان کا بدلہ اتار دوں"۔ اس کے بعد ام ہانیؓ کے ہبیرہ سے جعدہ، عمرو، یوسف اور ہانی پیدا ہوئے۔ اسی ہانی کی وجہ سے ان کی کنیت مشہور ہوئی۔ اس کے بعد ام ہانیؓ مسلمان ہوگئیں اور ان کا اسلام لانا عام الفتح میں تھا۔ پھر ان کے اور ہبیرہ کے درمیان اسلام نے جدائی کردی اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیام دیا اس پر ام ہانیؓ نے کہا "خدا کی قسم میں آپ کو زمانۂ جاہلیت میں بھی پسند کرتی تھی۔ اب جبکہ میں اسلام سے بھی محبت رکھتی ہوں آپ کو کیسے نہ پسند کروں بلاشبہ آپ میری آنکھ اور کان سے زیادہ محبوب ہیں۔ لیکن میں ایک ایسی عورت ہوں جو کئی یتیم بچے رکھتی ہے اور میں ڈرتی ہوں کہ اگر میں ان بچوں کی دیکھ بھال میں مشغول ہوئی تو آپ کا حق بجا نہ لاسکوں گی۔ اور اگر جیسا کہ آپ کا حق اور آپ کی خدمت فرض ہے اس کے بجالانے میں مشغول ہوئی تو بچوں کی دیکھ بھال نہ کرسکوں گی اور یہ ضائع ہوجائیں گے اور میں شرم کرتی ہوں کہ آپ میرے بستر پر تشریف لائیں اور میرے ایک بچے کو تو میرے پاس لیٹا ملاحظہ فرمائیں اور دوسرے بچے کو دودھ پلاتا دیکھیں"۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ "وہ عورتیں بہترین ہیں جو اونٹوں کو سوار کرتی ہیں۔ مطلب یہ کہ عرب کی بی بیاں اور قریش کی عورتیں اپنی اولاد پر زیادہ مائل و مہربان اور دل میں اپنے شوہر کی زیادہ امانت دار اور دیکھ بھال کرنے والی ہیں۔ تفسیر میں مرقوم ہے کہ جب حق سبحانہٗ و تعالیٰ یہ ارشاد نازل ہوا کہ :- یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ الّٰتِیْٓ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ وَبَنٰتِ عَمِّکَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَبَنٰتِ خَالِکَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیْ ھَاجَرْنَ مَعَکَ تو ام ہانیؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے پیام دیا میں نے حضور اکرمؐ سے معذرت خواہی کی حضور اکرمؐ نے مجھے معذور رکھا اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ لہٰذا میں حضور اکرمؐ کے لئے حلال نہ ہوئی اس لئے کہ میں نے حضور اکرمؐ کے ساتھ ہجرت نہیں کی۔ اور یہ کہ میں مطلقہ تھی۔ روایت کیا ہے اس کو ان سے حضرت علیؓ حضرت ابن عباسؓ، ابن ابی لیلیٰ، عکرمہ، الشعبی، عطا، ان کے موالی ابوصالح، ان کے بیٹے جعدہ، اس کے پوتے ابن جعدہ اور دیگر حضرات رضی اللہ عنہم اجمعین نے۔ اور وہ بعد میں ۵۰ھ تک یعنی زمانۂ امیر معاویہؓ تک زندہ رہیں۔ ان کا ذکر فتح مکہ کے ضمن میں مذکور رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں چاشت کی نماز پڑھی صلوٰۃ الضحیٰ کے باب میں ان کی حدیث اصل ہے (رضی اللہ عنہا)

## حضور اکرمؐ کی باندیاں

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سراری یعنی باندیاں چار تھیں۔ ایک حضرت ماریہؓ بنت شمعون قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جنہیں مقوقس قبطی حاکم مصر والی اسکندریہ نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تحائف کے ساتھ بھیجا تھا۔ اور یہ سفید جلد صاحب جمال تھیں یہ مسلمان ہوگئیں حضور اکرمؐ نے ان کو برسم تسرّی رکھا اور ملک یمین کے تحت ان میں تصرف فرمایا۔ ان کے ساتھ محبت تھی چنانچہ سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان پر رشک کرتی تھیں۔ اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ انہیں سے پیدا ہوئے تھے نیز عوالی مدینہ میں ان کے لئے مکان بنایا تھا جسے آج بھی "مشربہ ام ابراھیم" رضی اللہ عنہا کہتے ہیں۔ حضور اکرمؐ وہاں تشریف لیجاتے تھے۔ بقیہ احوال ۶ھ میں بعد از فتح حدیبیہ مکاتیب بھیجنے کے ضمن میں مذکور ہوچکے ہیں۔

دوسری جاریہ ریحانہ بنت زید بن عمرو ہیں بعض کہتے ہیں کہ شمعون کی بیٹی ہیں۔ یہ بنی نضیر کی باندیوں میں سے ہیں اور ایک قول سے بنی قریظہ سے۔ پہلا قول اظہر ہے۔ حضور اکرمؐ نے ملک یمین کے طور پر انہیں شرفِ صحبت سے نوازا۔ بعض کہتے ہیں کہ آزاد کرکے ہجرت کے سالِ ہشتم میں نکاح فرمایا۔ واقدی نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور ابن عبدالبر وغیرہ پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی وفات، حضور اکرمؐ کی رحلت سے قبل حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت ہوئی ہے اور بقیع میں مدفون ہوئیں ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں فوت ہوئیں۔ قول اوّل صحیح تر ہے۔

تیسری جاریہ جمیلہ تھیں جو کسی سبایا میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی تھیں۔

چوتھی وہ باندی تھی جسے سیّدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ (واللہ اعلم)

# باب سوم

## حضور اکرمؐ کے چچا، پھپھی، رضاعی بھائی اور جدات کے ذکر میں

روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ حضرت عبدالمطلب کے تیرہ لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ اور بعض کہتے ہیں دس لڑکے تھے اور گیارہ بھی بتاتے ہیں۔ لیکن اعمام یعنی چچا کے بارے میں مواہب لدنیہ میں ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوالقربیٰ سے نقل ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ[12] چچا تھے جو حضرت عبدالمطلب کے فرزند تھے۔ حضرت عبداللہ جو کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے والد محترم ہیں، حارث[2] ابوطالب[3] ان کا نام عبد مناف ہے زبیر[4] ان کی کنیت ابوالحارث تھی۔ حمزہ[5] رضؓ ابولہب[6] اس کا نام عبدالعزیٰ ہے۔ غیداق[7]، مقوم[8]، ضرار[9]، عباس[10] رضؓ، قثم[11]، عبدالکعبہ[12] اور حجل[13] یعنی شمشیر بر ال، بتقدیم جیم، دارقطنی نے بتقدیم حا کہا ہے اس کے معنی پازیب اور بیڑی ہوں گے۔ اس کا نام مغیرہ بتایا گیا ہے بعض نے کہا گیارہ چچا ہیں تو وہ مقوم کو ساقط کرتے ہیں (انتہی) اس میں بڑی بحثیں ہیں (واللہ اعلم)

لیکن عمات یعنی پھوپھیاں جو حضرت عبدالمطلب کی بیٹیاں تھیں چھ[6] ہیں۔ ام[1] حکیم ان کا نام بیضاء ہے، برہ، عاتکہ[2] یہ ایک ماں سے ہیں جن کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم ہے اور حمزہؓ، مقومؒ اور حجل وصفیہ رضؓ ایک ماں سے ہیں جن کا نام ہالہ بنت وہیب بن عبد مناف بن زہرہ ہے۔ اور حضرت عباسؓ، ضرار اور قثم ایک ماں سے ہیں جن کا نام نتیلہ بنت حباب بن کلب تھا۔ اور حارث و ابولہب کا علاتی بھائی وبہن کا رشتہ نہ تھا۔ حارث کی والدہ صفیہؓ

بنت جندب ہے اور ابولہب کی ماں لسی بنت ہاجر تھی۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سے بجز حضرت حمزہ رض اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے کوئی مسلمان نہ ہوا۔ ابوطالب و ابولہب نے زمانۂ اسلام پایا لیکن اسلام کی توفیق نہ پائی۔ جمہور علماء کا مذہب یہی ہے۔ صاحب جامع الاصول نقل کرتے ہیں کہ ان کے اہل بیت نے گمان کیا ہے کہ ابوطالب دنیا سے مسلمان گئے ہیں (واللہ اعلم بصحتہ)

اسی طرح پھپھیوں میں سے صفیہ رض جو حضرت زبیر بن العوام رض کی والدہ ہیں باتفاق مسلمان ہوئیں۔ اور ہجرت کرنے والی عورتوں میں ان کو شمار کیا جاتا ہے یہ غزوۂ خندق میں موجود تھیں۔ اور ان کو ایک یہودی نے شہید کیا اور حضور اکرم ؐ نے اس کو جہنم واصل کیا یہ بقیع میں مدفون ہوئیں لیکن عاتکہ کے اسلام لانے میں اختلاف ہے۔ عاتکہ وہ خواب والی ہیں جس کا قصہ غزوۂ بدر میں گزر چکا ہے۔ ابوجعفر عقیلی ان کے اسلام کی طرف ہیں۔ اور ان کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔ لیکن ابن اسحٰق نے کہا کہ مسلمان نہ ہوئیں مگر صفیہ رض لیکن برہ جو ابوسلمہ بن عبدالاسد کی ماں ہے جو سیدہ ام سلمہ رض کا حضور اکرم ؐ سے پہلے شوہر تھا اور امیمہ جو عبداللہ بن جحش رض، زینب رض بنت جحش اور حمنہ رض بنت جحش کی ماں ہیں۔ حضرت حمزہ رض اور حضرت عباس رض کے مناقب بہت ہیں۔

## سیّد الشہداء حضرت حمزہ رض

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی کنیت ابوعمارہ اور لقب سیّد الشہداء ہے۔ معجم بغوی میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس خدائے عزوجل کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اللہ عزوجل کے نزدیک ساتویں آسمان میں لکھا ہوا ہے کہ "حَمْزَۃُ اَسَدُ اللّٰہِ وَاَسَدُ رَسُوْلِہٖ" اور ان کا اسلام لانا بعثت کے دوسرے سال میں تھا۔ بعض نے بعثت کے چھٹے سال میں دارِ ارقم میں حضور اکرم ؐ کے داخل ہونے کے بعد کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے تین دن قبل اسلام لائے یہ غزوۂ بدر میں موجود تھے اور انہوں نے عتبہ بن ربیعہ کو شیبہ بن ربیعہ کو مقابلہ میں مارا۔ ان کے اسلام لانے کا سبب یہ تھا کہ ایک دن ابوجہل لعین حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچا رہا تھا اور دشنام طرازی کر رہا تھا اور حضور اکرم ؐ تحمل فرما رہے تھے۔ حضرت حمزہ رض شکار کو گئے ہوئے تھے جب واپس آئے تو ان کی باندی نے بتایا کہ آج

ابوجہل تمہارے بھتیجے کو اس طرح ایذا پہنچا رہا تھا۔" حضرت حمزہؓ کو غصہ آیا اور ابوجہل کے پاس گئے اور اپنی کمان جو ہاتھ میں تھی اس کے سر پر ماری اور اس کا سر پھاڑ دیا اور اسلام لے آئے۔ اس سے حضور اکرمؐ بہت مسرور ہوئے۔ اسلام میں سب سے پہلے جو علم تیار ہوا وہ حضرت حمزہؓ کے لئے تھا۔ اور جو پہلا لشکر بھیجا گیا وہ ان کا تھا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا میرے تمام چچاؤں میں سب سے بہتر حمزہؓ ہیں اور فرمایا سیدہ الشہداء حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور سلفی نے بریدہؓ سے نقل کیا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد:- یَآ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ۔ اے نفس مطمئنہ خدا کی طرف پلٹ، اس سے مراد حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد:- فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَهٗ۔ سے مراد حضرت حمزہؓ ہیں۔ ان کی شہادت کا قصہ غزوۂ احد میں گزر چکا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں سوچا کرتا اور تعجب کرتا تھا کہ حضرت حمزہؓ کا قاتل کیسے نجات پائے گا یہاں تک کہ وہ قاتل خمر میں غرق ہوگیا۔ جب حضور اکرمؐ نے حضرت حمزہؓ کو مقتول دیکھا اور ملاحظہ فرمایا کہ انہیں مثلہ کیا گیا ہے تو حضور اکرمؐ کی چیخ نکل گئی اور فرمایا کہ میں جتنا مصیبت زدہ ہوں کبھی تمہاری مانند مصیبت نہ ہوگی۔ اور نہ کسی اور مقام میں اس جگہ کی مانند غضبناک کھڑا ہونگا جیسا کہ آج اس جگہ کھڑا ہوں۔"

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر رونے کی مانند کبھی روتا نہ دیکھا۔ آپ ان کے جنازہ پر کھڑے تھے اور رو رہے تھے یہاں تک کہ آپ بے ہوش ہوگئے۔ اور فرمایا "اے حمزہؓ اے عم رسول اللہؐ! اے اسد اللہ واسد رسولہ، اے نیکیاں کرنے والے، اے سختیوں کے جھیلنے والے، اے حمزہؓ، اے رسول اللہؐ کے روئے الور کو گھلانے والے" اس سے معلوم ہوا کہ مذبہ، اور بے اختیار فریاد اور آہ ونالہ بھی وجود میں آیا ہے (واللہ اعلم)

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جب نماز جنازہ ادا فرماتے تھے تو چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ مگر حضرت حمزہؓ کے جنازہ پر ستر تکبیریں فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہداء احد کو غسل نہیں دیا گیا تھا۔ اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی لیکن جو کچھ حضرت حمزہؓ کے بارے میں مروی ہے وہ انہیں کے ساتھ مخصوص ہوگا اور وہ جو دوسروں پر نماز پڑھنے کے بارے میں مروی ہے وہ اس پر محمول ہوگا کہ وہ میدان جنگ سے باہر آیا اور اس نے میدانِ جنگ میں جان نہ دی ہوگی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے جس دن شہادت پائی ہے اس دن وہ انسٹھ سال کے تھے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عمر میں چار سال بڑے تھے بعض کتابوں میں دو سال کہا گیا ہے اور حضرت حمزہؓ اور ان کے بھتیجے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ یہ سب مواہب لدنیہ میں ہے۔

## حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالفضلؓ ہے کیوں کہ ان کے سب سے بڑے فرزند کا نام فضلؓ تھا ان کی نسبت سے یہ کنیت ہے اور وہ حضرت ابن عباسؓ سے جن کا نام عبداللہ ہے بڑے تھے۔ لیکن حضرت عبداللہؓ ہی "ابن عباس" سے مشہور ہوئے۔ اور یہی ان کے نام پر غالب آگیا (رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت عباسؓ کی والدہ کا نام نتیلہ بنت حباب بن کلب ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ یہ سب سے پہلی عرب عورت ہیں جنہوں نے بیت الحرام پر دیبا کا غلاف چڑھایا۔ اس لئے کہ حضرت عباسؓ بچپنے میں گم ہو گئے تھے تو ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ وہ آجائیں تو بیت اللہ پر غلاف چڑھائیں گی۔ حضرت عباس بڑے حسین وجمیل، دو گیسو والے اور طویل القامت تھے چنانچہ منقول ہے کہ لوگوں کا قد حضرت ابن عباسؓ کے کندھوں تک پہنچتا تھا اور حضرت ابن عباسؓ کا قد حضرت عباسؓ کے کندھوں تک پہنچتا تھا۔ اور حضرت عباسؓ کا قد حضرت عبدالمطلب کے کندھوں تک، بعض روایتوں میں ان کے وصف میں معتدل بھی لکھا ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ مراد معتدل القامت ہے۔ لیکن یہ اعتدال تمام اعضاء جوارح میں مراد ہوگا۔ (واللہ اعلم)

ان کی ولادت عام الفیل سے تین سال پہلے ہے۔ یہ حضور اکرمؐ سے دو یا تین سال عمر میں زیادہ تھے۔ اور وہ قریش میں سردار تھے اور عمارت بیت الحرام ان کے سپرد تھی۔ ظاہر ہے کہ تعمیر مسجد اور اس کی دیکھ بھال مراد ہوگی۔ اور منصب سقایۃ یعنی حاجیوں کو پانی پلانا

بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔

حضرت عباسؓ عقبہ کی رات جس میں انصار نے عقدِ بیعت کی تھی حضور اکرمؐ کے ساتھ تھے۔ اس مجلس میں انہوں نے فرمایا "اے گروہِ انصار تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں میں بزرگ و عظیم ہیں۔ مبادا اس وقت جو تم عہد و پیمان باندھ رہے ہو تم توڑ دو۔ خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔" جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے"۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان پر تمام امور میں اعتماد فرماتے تھے۔ جب بدر کے قیدیوں میں ان کے بند سخت ہو گئے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کے آہ و نالہ اور ان کی حالت کے تصور سے سو نہ سکے۔ صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! نیند نہ آنے کی وجہ کیا ہے"؟ فرمایا "عباسؓ کی وجہ سے" اس کے بعد ایک شخص اٹھا اور ان کی بندشوں کو ڈھیلا کر دیا اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کی بندشیں ڈھیلی کر دی جائیں۔ اسی طرح صاحب صفوہ ابوعمرو نے بیان کیا ہے۔ اور یہ کہ حضرت عباسؓ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے اور مشرکوں کے جبر و قہر کی بنا پر ساتھ آئے تھے۔ حضور اکرمؐ نے حکم دیا تھا کہ جس کسی کو حضرت عباسؓ ملیں وہ ان کو قتل نہ کرے اس لئے کہ انہیں جبراً لایا گیا ہے یعنی ناگواری اور عدم رضا سے ساتھ آئے ہیں۔ کیوں کہ ابوجہل اور کافروں نے نہیں چھوڑا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ہی رہیں اور بدر میں نہ جائیں۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو حضرت عباسؓ مکہ سے ہجرت کر کے راہ میں حضور کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ حضور نے ان کے عیال کو مدینہ طیبہ بھیج دیا اور حضرت عباسؓ حضور اکرمؐ کے ہمراہ رہے۔ وہ فتح مکہ میں حضور اکرمؐ کے ساتھ ہی تھے۔ حضور اکرمؐ نے ان سے فرمایا تمہارے ساتھ اب ہجرت ختم ہو گئی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ بعض بیان کرتے ہیں کہ وہ فتح خیبر سے پہلے اسلام لے آئے تھے مگر انہوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا تھا۔ اور حق تعالیٰ نے جو مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی اس سے وہ بہت خوش و مسرور ہوئے اور اپنے اسلام کو روز فتح ظاہر فرما دیا۔ غزوۂ حنین، طائف اور تبوک میں شریک ہوئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ بدر سے پہلے بھی وہ مسلمان تھے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو مشرکوں کے حالات اور ان کی خبریں لکھ کر بھیجا کرتے تھے۔ اور مکہ مکرمہ میں باقی مسلمانوں کی اطلاعیں

دیا کرتے تھے اور حضور اکرمؐ ان کی اطلاع پر اعتماد فرماتے تھے اور حضور اکرمؐ کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی سے حضور اکرمؐ ان سے محبت فرماتے تھے۔ اسی بنا پر حضور اکرمؐ نے ان کو لکھا کہ میرے لئے تمہارا مکہ مکرمہ میں رہنا بہتر ہے۔ سہل رضؓ بن سعد ساعدی سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت مانگی اس پر حضور اکرمؐ نے ان کو لکھا کہ اے چچا تم اپنی جگہ رہو اللہ تعالیٰ تم پر ہجرت کو ختم فرمائے گا جس طرح کہ مجھ پر نبوت کو ختم فرمایا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عام الفتح میں انہوں نے ہجرت کی اور حضور اکرمؐ سے آکے مل گئے۔ جیسا کہ معلوم ہوا۔

سہمی کتاب الفضائل میں نقل کرتے ہیں کہ ابو رافع رضؓ نے جب حضور اکرمؐ کو حضرت عباس رضؓ کے اسلام کی خوشخبری سنائی تو حضور اکرمؐ نے ابو رافع رضؓ کو اسی وقت آزاد کر دیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضؓ کے اسلام لانے کے بعد ان کا بڑا اعزاز و اکرام فرماتے تھے اور ان کی بہت تعریفیں کرتے تھے کہ وہ لوگوں میں سخی ترین اور مہربان ترین ہیں اور فرمایا میرے چچا عباس رضؓ بمنزلہ میرے والد کے ہیں۔ جس نے انہیں ایذا پہنچائی یقیناً اس نے مجھے ایذا دی۔ یہ اس وقت فرمایا جبکہ حضرت عباس رضؓ نے حضور اکرمؐ کے پاس آکر لوگوں کی شکایت کی اور کہا کہ ان لوگوں کو کیا ہوا ہے جب بھی میں ان کے پاس جاتا ہوں تو انہیں ناگوار ہوتا ہے اور اپنی ان باتوں کو ہم سے چھپا لیتے ہیں جو وہ باہم کرتے ہوتے ہیں اور ہماری طرف محبت کی آنکھ نہیں اٹھاتے۔

منقول ہے کہ ایک دن حضرت عباس رضؓ بارگاہ رسالت میں آئے حضور اکرمؐ نے جب انہیں آتے دیکھا تو ان کی طرف کھڑے ہو کر بڑھے اور ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور اپنے داہنی جانب ان کو بٹھایا اور فرمایا یہ میرے چچا ہیں ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے چچا پر فخر کرے۔ اس پر حضرت عباس رضؓ نے عرض کیا "یارسول اللہؐ! آپ کتنی خوش آیند بات فرمار ہے ہیں"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "کیوں نہ کہوں حالانکہ تم میرے چچا ہو اور بمنزلہ والد کے ہو۔ اور میرے اجداد کے بقیہ اور میرے وارث ہو۔ اور بہترین شخص ہو جسے میں اپنے اہل میں سے چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک اور مرتبہ حضور اکرمؐ نے حضرت عباس رضؓ سے فرمایا "اے میرے چچا! اپنے گھر رہنا اور اپنے بچوں کو بھی باہر نہ بھیجنا۔ میں کل تمہارے یہاں آؤں گا مجھے تم سے کام ہے۔" پھر جب حضور اکرمؐ ان کے یہاں رونق افروز ہوئے

اپنی چادر مبارک ان سب پر ڈالی ایک روایت میں ہے کہ ان سب کو حضور اکرمؐ نے اپنی چادر شریف میں ڈھانپا اور فرمایا "اے خدا! یہ میرے چچا اور میرے والد کے قائم مقام ہیں اور ان کے یہ فرزنداں میری اہل بیت ہیں ان سب کو آتش دوزخ سے ایسا ہی چھپائے جس طرح میں نے انہیں اپنی چادر میں چھپالیا ہے"۔ اس پر ان سب نے آمین کہی اور گھر کے در و دیوار نے بھی آمین آمین کہی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ گھر کا کوئی پتھر اور ڈھیلا ایسا نہ تھا جس نے آمین نہ کہی ہو ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہم سب کو اپنی چادر شریف میں چھپالیا اس کے بعد فرمایا: اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِہٖ مَغْفِرَۃً ظَاھِرَۃً وَّبَاطِنَۃً لَّا تُغَادِرُ ذَنْبًا۔ اَللّٰھُمَّ احْفَظْہُ فِیْ وَلَدِہٖ۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت عباسؓ اور ان کے فرزندان شریف اور ان کی اولاد کے بارے میں کہ وہ ان کے بعد رہیں گے اور ان کے خلافت کی خبریں اور ان کی مدح، چادر شریف کا اوڑھانا دین کا اعزاز، ملت کی تقویت اور ان سے محبت رکھنے پر ترغیب وغیرہ امور کی خبریں اور حدیثیں نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سے راوی ضعیف و متروک ہیں بلکہ کذب و وضع کا ان پر گمان ہے اس قسم کی خبریں، حدیثیں اور آثار ان کی خلافت کے زمانہ میں ظاہر ہوئیں (واللہ اعلم)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت عثمانؓ ذوالنورین کے عہد خلافت میں ان کی شہادت سے دو سال پہلے بارہ یا چودہ ماہ رجب یا ماہ رمضان ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر شریف اٹھاسی ۸۸ یا نواسی ۸۹ سال کی تھی۔ وہ بتیس ۳۲ سال زمانہ اسلام میں رہے۔ بقیع شریف میں وہ مدفون ہوئے اور ان کو ان کے فرزند حضرت عبداللہؓ بن عباس رضی اللہ عنہما نے قبر میں اتارا۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس بھی عظیم و جلیل اور "ترجمان القرآن" اور ابوالخلفاء کے لقب سے موسوم ہوئے۔ منقول ہے کہ ان کی والدہ حضرت ام الفضلؓ نے جب ابن عباسؓ کو پیدا کیا تو وہ انہیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لائیں۔ حضور اکرمؐ نے ان کے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی اور فرمایا ابوالخلفاء کو لے جاؤ۔ رواہ ابن حبان وغیرہ اہل سیر بیان کرتے

ہیں کہ ان کی اولاد و احفاد زمین میں اتنی پھیلی کہ خلیفہ مامون رشید کے زمانہ میں آٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ اس خبر اور اس کثرت کو محال اور بعید جانا گیا ہے مگر یہ کہ لواحقین اور متبعین مراد لیں تو درست ہے (واللہ اعلم)

حضرت عباسؓ حضور اکرمؐ کے تمام چچاؤں میں سب سے کم عمر تھے۔

## جدات یعنی دادا اور نانی

جدات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو باپ کا بالائی نسب ہو دوسرا وہ جو ماں کا بالائی نسب ہو مواہب لدنیہ میں سب کو شمار کیا گیا ہے۔ ان کے تمام احوال حدیث کی کتابوں میں بیان نہیں کئے گئے صرف ان کے اسماء ہی بیان ہوئے ہیں۔

## رضاعی بھائی

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے رضاعی یعنی دودھ شریک بھائیوں میں سے ایک تو حضور اکرمؐ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہیں دوسرے ابو سلمہؓ بن عبد الاسد شوہر ام سلمہؓ ان کی والدہ برہ بنت عبد المطلب حضور اکرمؐ کی پھپھی ہیں۔ ان کو اور حضور اکرمؐ کو ثوبیہ، ابو لہب کی باندی نے اپنے بیٹے مسروح بن ثوبیہ کا دودھ چار برس کے فرق سے پلایا۔ پہلے حضرت حمزہؓ کو ان کے بعد حضور اکرمؐ ان کے بعد عبداللہؓ بن عبد الاسد کو۔

ابو سفیانؓ بن الحارث جو کہ حضور اکرمؐ کے چچا حارث کے بیٹے ہیں یہ بھی حضور اکرمؐ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ان کو اور حضور اکرمؐ کو سیدہ دایہ حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا۔ اور حلیمہ سعدیہ کی اولاد بھی حضور اکرمؐ کے رضاعی بھائی بہن ہیں۔ ایک مرتبہ جب حضور اکرمؐ کا لشکر ہوازن پر تاخت کر رہا تھا تو ان میں ایک عورت قید ہو کر آئی۔ اس نے کہا میں تمہارے آقا کی بہن ہوں۔ جب اسے حضور اکرمؐ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے کہا "یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے اسے مرحبا فرمایا اور اپنی چادر مبارک بچھا کر اس پر اسے بٹھایا۔ اور گزشتہ حالات کی یاد سے حضور اکرمؐ کی چشم مبارک میں آنسو آ گئے۔ حضور اکرمؐ نے اس سے فرمایا اگر تم چاہو تو میرے پاس رہو عزت و احترام اور محبت کے ساتھ رہو گی۔ اور اگر تم چاہو تو تمہیں تمہارے لوگوں کی طرف لوٹا دوں۔ اور صلہ اور انعام و اکرام تمہیں عطا فرما دوں؟ اس نے کہا "میں اپنی قوم کی طرف جانا چاہتی ہوں"۔ پھر وہ مسلمان ہو گئی اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے تین غلام و باندی اور بہت سے اونٹ

وبکریاں مرحمت فرمائیں۔

مروی ہے کہ بی بی حلیمہ سعدیہ بھی بارگاہِ رسالت میں آئیں اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھی بہت ادب اور احترام اور اکرام و انعام فرمایا۔ اور ابولہب کی باندی ثویبہ کو بھی اکرام و انعام سے نوازا۔ ان کے اسلام لانے میں علماء اختلاف کرتے ہیں جس طرح کہ بی بی حلیمہ سعدیہ کے اسلام میں اختلاف کرتے ہیں۔ بقیع میں ان کا چھوٹا سا قبہ تھا جسے قبۂ حلیمہ سعدیہ کہتے تھے (مگر اب نجدی ملعونوں نے اسے بھی شہید کر دیا) کہتے ہیں کہ ان کی قبر پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بغرض زیارت تشریف لے جاتے تھے۔ اور بی بی حلیمہ کے شوہر کے اسلام میں بھی اختلاف ہے ظاہر ان کا اسلام لانا ہے۔ اور ثویبہ باندی کو ابولہب نے اس وقت آزاد کیا جبکہ اس نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا مژدہ لاکر اسے سنایا تھا۔ اسی بنا پر مروی ہے کہ روزِ دوشنبہ یعنی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے دن ابولہب سے عذاب اٹھا دیا جاتا ہے۔ اور ثویبہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد آئی تو سیّدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اس کا احترام فرماتیں اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ اس کے لئے حلہ اور کپڑے بھیجا کرتے تھے یہاں تک کہ وہ فتح خیبر کے بعد فوت ہو گئی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک خاصہ تھی یعنے وہ دایہ جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی گود میں لے کر پرورش کرتی تھی وہ ام ایمن رضؓ حبشی ہے ان کا نام برکت ہے ان کے نام پر ان کی کنیت غالب آگئی۔ ام ایمن رضؓ نے حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں پھر مدینہ آگئیں۔ یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی باندی تھیں جو اپنے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی میراث میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ملی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت آمنہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ سے ملی تھیں اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت آزاد کر دیا۔ اور ان کا نکاح عبید بن زید بن عمر بنی الحارث سے کر دیا۔ ان سے ایمن فرزند پیدا ہوا اسی نسبت سے ان کی کنیت ام ایمن رضؓ قایم ہوئی۔ عبید کے بعد ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرما دیا اور ان سے حضرت

اسامہ بن زیدؓ بعثت کے بعد پیدا ہوئے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے "ام ایمنؓ" "امی بعد امی" یعنے میری ماں ہیں، میری اپنی ماں کے بعد، اور انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بیس دن بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی۔ حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا سے ان کے فرزند ایمنؓ اور حضرت انس بن مالک اور طارق بنؓ شہاب روایت کرتے ہیں۔

تیما بنت حلیمہ سعدیہ بھی اپنی ماں حلیمہ سعدیہ کے ساتھ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حضانت کرتی تھیں۔

---

# باب چہارم

## در ذکر خدّام بارگاہِ رسالت صلے اللہ علیہ وسلم

### حضرت انسؓ بن مالک

مردوں میں سب سے زیادہ مشہور اور پابندی سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے والے حضرت انسؓ بن مالک بن نضر انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی کنیت ابو حمزہ ہے حمزہ ایک بقلہ دوانہ ہے جس میں تیزی ہوتی ہے فارسی میں اسے تیرہ تیزک کہتے ہیں۔ مروی ہے کہ حضرت انسؓ اسے لا رہے تھے اسی حالت میں حضور اکرمؐ نے ان کو دیکھا اور انہیں ابو حمزہ کنیت کے ساتھ یاد کیا۔ انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی ہے۔

جس وقت ہجرت کر کے حضور اکرمؐ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو ان کی والدہ ان کو حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں لائیں اور عرض کیا "یارسول اللہؐ! میرا یہ لڑکا انہیں حضور اکرمؐ کی خدمت میں رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضور اکرمؐ کی دس سال تک خدمت کی اور سفر و حضر میں حاضر رہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کام کیوں نہ کیا اور فلاں کام کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ حضرت انسؓ تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ اور خلافت فاروقی میں بصرہ میں انتقال فرمایا۔ اور بہت سے لوگوں کو فقیہہ بنایا بصرے میں انتقال کرنے والے یہ آخری صحابی تھے جن کا ۹۳ھ یا ۹۱ھ یا ۹۹ھ میں انتقال ہوا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ان کی والدہ کی درخواست پر (جبکہ وہ حضور اکرمؐ کے پاس لائیں) دنیا و آخرت کی بھلائی کی دعا فرمائی۔ ان کی والدہ نے عرض کیا یارسول اللہؐ یہ انس حضور اکرمؐ کا خادم ہے اس کے لئے دعا کیجئے حضور اکرمؐ نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی دعا کا اثر کثرت مال و اولاد میں تو دیکھ ہی لیا ہے مجھے امید ہے کہ تیسری دعا دخول جنت کی بھی ضرور پوری ہوگی۔ اور فرمایا کہ میرے مال میں زیادتی اس حد تک ہوئی کہ میرا انگوروں کا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا۔ ان کی عمر سو سال سے متجاوز ہوئی۔ ان کے صلب سے ایک سو چھ بچے پیدا ہوئے جن میں اسی لڑکے اور باقی لڑکیاں تھیں۔ اور ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثیں روایت کی گئی ہیں ان سے کثیر جماعت صحابہ نے روایت لی ہے اور پھر ان کے لڑکے پوتے پڑپوتے وغیرہ سے خلق کثیر نے روایت لیں۔ انہوں نے ولید بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں وفات پائی اور محمد بن سیرین نے ان کو غسل دیا۔ سیرین ان کے غلاموں میں سے تھے۔ ان کے گرد ان کی ایکسو بیس اولاد جمع ہوئی اور ان کو دفن کر دیا اور حجاج کا انتظار نہ کیا۔ کیوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حجاج کے ساتھ سخت کلامی ہوگئی تھی حجاج ان پر ایذا رسانی کی طاقت نہیں رکھتا تھا اس بنا پر جو ان کو صلابت اور حضور اکرمؐ کی خدمت کی فضیلت حاصل تھی۔ اور اس دعا کا اثر تھا جو انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھی اس دعا کی قوت سے وہ حجاج پر غالب رہتے تھے۔ وہ دعا مشہور ہے اور فارسی رسالوں میں اس کی شرح کی گئی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہ دیکھا جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے زیادہ رسول اللہ صلے اللہ وسلم کی نماز سے مشابہ نماز پڑھتا ہو۔ (رضی اللہ عنہ)

## حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضؓ بن غافل ہذلی تھے یہ سادس الاسلام، صاحب نعلین و مسواک و تکیہ اور عصا والے تھے۔ مواہب میں دسادہ یعنی بچھونے کا ذکر کیا ہے تکیہ کا ذکر نہیں کیا۔ یہ تمام چیزیں ان کے سپرد تھیں۔ حضور اکرمؐ کھڑے ہوتے تو یہ نعلین مبارک حضور اکرمؐ کو پہناتے جب حضور اکرمؐ نشست فرماتے تو پائے اقدس سے نعلین مبارک اتارتے اور اپنی آستین میں محفوظ رکھتے تھے آپ مقربان بارگاہ اور حاضرین مجلس مبارک میں سے تھے۔ چنانچہ آنے والے لوگ آپ کو حضور اکرمؐ کی اہل میں سے خیال کرتے تھے آپ کے مناقب وفضائل بہت زیادہ ہیں اس سلسلہ میں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رَضِيتُ لِأُمَّتِي مَا رَضِيَ بِهِ ابْنُ عَبْدٍ وَسَخِطْتُ لَهَا مَا سَخِطَهُ بِهِ (میں اپنی امت میں سے اس سے راضی ہوں جس سے حضرت ابن مسعود راضی ہیں اور میں اس سے ناراض ہوں جس سے وہ راضی نہیں ہیں) آپ نے مدینہ طیبہ میں ایک قول ہے کوفہ میں ۳۱ھ یا ۳۲ھ یا ۳۳ھ میں وفات پائی۔ ان کی عمر شریف باسٹھ ۶۲ سال کی ہوئی آپ سے خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایتیں لی ہیں۔

## ایمن ابن ام ایمن رضؓ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک خادم ایمن ابن ام ایمن رضی اللہ عنہ تھے یہ پانی کی چھاگل اٹھانے والے تھے یہ روز حنین شہید ہو گئے۔

## ربیعہ رضؓ بن کعب اسلمی

ایک خادم ربیعہ رضؓ بن کعب اسلمی تھے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے وضو کا پانی مہیا کرتے تھے اور اصحاب صفہ میں سے تھے۔ اور صحبت قدیم رکھتے تھے۔ اور سفر و حضر میں خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ انہوں نے حضور اکرمؐ سے روایتیں بیان کی ہیں اور ان سے تابعین کی جماعت نے روایت لی ہیں بخاری نے ان کی ایک حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے واقعہ حرہ کے بعد ۶۳ھ میں وفات پائی۔ (رضی اللہ عنہ)

## حضرت عقبہ رضؓ بن عامر

ایک خادم حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ، تھے جو دوران سفر حضور اکرمؐ کا اونٹ کھینچتے تھے۔ امام ذہبی نے "کاشف" میں ان کی تعریف اس طرح بیان کی ہے کہ وہ امیر کبیر، شریف، فصیح، مقری، فرضی شاعر

صحابی تھے۔ غزوۂ بحرین کا والی بنایا گیا۔ اور انہوں نے مصر میں وفات پائی جبکہ وہ امیر معاویہؓ کی جانب سے اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان کی معزولی کے بعد مصر کے والی ہو گئے تھے۔ وہ مصر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ حضور اکرمؐ سے انہوں نے روایت کی ہے۔ اور ان سے صحابہ میں سے حضرت جابرؓ، ابن عباسؓ، اور تابعین میں سے خلق کثیر نے روایت لی ہے (کذا فی جامع الاصول) اُن سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اونٹ کھینچ رہا تھا اور پہاڑی راستہ تھا مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے عقبہؓ سوار ہو جاؤ مگر میں نے اسے بزرگ جانا کہ میں ——— حضور اکرمؐ کے مرکبؐ پر سوار ہوں۔ پھر میں ڈرا کہ معصیت ہو جائے گی حکم شریف بجالانا چاہیے۔ چنانچہ میں سوار ہو گیا اور جلدی ہی اتر آیا اس کے بعد حضور اکرمؐ سوار ہوئے اور میں نے حضور اکرمؐ کی سواری کو کھینچا پھر حضور اکرمؐ نے مجھ سے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی دو سورتیں بتاؤں اور سکھاؤں جنہیں لوگ پڑھیں، میں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ! بتائیے میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمایا وہ دو سورتیں :- قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ہیں جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے ملاحظہ فرمایا کہ میں ان دونوں سورتوں سے مسرور نہ ہوا مطلب یہ کہ ان دونوں سورتوں کی افضلیت اور خیریت سے ان تمام قرآنی سورتوں کے مقابلہ میں خصوصاً سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ وغیرہ سے جو کہ تمام سورتوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ میں مسرور نہ ہوا تو حضور اکرمؐ نماز صبح کے لئے اترے اور ان دونوں سورتوں کے ساتھ نماز صبح پڑھی جو کہ سب سے چھوٹی سورتوں میں سے ہیں۔ اور میری طرف نگاہِ کرم کر کے فرمایا تم نے دیکھ لیا۔ مطلب یہ کہ تم نے دیکھا میں نے انہیں دونوں سورتوں کی خیریت اور افضلیت، استعاذہ کے باب میں ہے جو جسمانی و روحانی تمام آفتوں اور بلاؤں کے دفعیہ کو شامل ہیں۔ سفر میں، نماز صبح میں پڑھنا بھی اسی بنا پر ہے۔ اسے امام احمدؒ، ابو داؤدؒ، اور نسائیؒ نے روایت کیا ہے۔ امام احمد کی روایت میں ہے کہ فرمایا میں تمہیں تین سورتیں بتاؤں جو توریت و انجیل اور فرقان میں ہیں۔ میں نے عرض کیا "ضرور یا رسول اللہؐ!" فرمایا "تم قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، اور قل اعوذ برب الناس پڑھا کرو۔"

## حضرت سعدؓ مولیٰ ابی بکر رضی اللہ عنہما

ایک خادم حضرت سعد مولیٰ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما تھے بعض

سعید نام بتاتے ہیں۔ مگر سعد زیادہ صحیح و مشہور ہے۔ انہیں صحبت کا شرف حاصل تھا اور وہ حضور اکرمؐ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان سے امام حسن بصری روایت کرتے ہیں اور ان سے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ایک حدیث روایت کی ہے کہ حضرت سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں کھجوریں پیش ہوئیں۔ پھر لوگوں نے دو دو ملا کر اٹھانا شروع کیا حضور اکرمؐ نے فرمایا دو دو ملا کر نہ کھاؤ۔ ذہبی نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ استیعاب میں کہا گیا ہے کہ حسن بصری نے سعدؓ مولیٰ ابی بکر سے روایت کی ہے۔ حالانکہ ان سے مروی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی مگر ابی عامر کے نزدیک ابی الحرار صلح بن رستم سے۔ اور انہیں کو سعید بھی کہتے ہیں اور سعد اکثر واضح ہے۔ ان کا شمار اہل بصرہ میں کیا جاتا ہے اور وہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان کے احوال میں صرف اتنا ہی لکھا ہوا ہے ان کا نسب و حسب تحریر نہیں ہے بجز اس کے کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے غلام تھے۔

## افلحؓ بن شریک

ایک خادم افلح بن شریک حضور اکرمؐ کے راحلہ والے تھے صاحب مواہب نے کہا ہے کہ طبری نے ربیع بن بدر اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا مجھ سے ایک شخص نے بتایا جس کا نام افلح تھا اس نے کہا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دن حضور اکرمؐ نے مجھ سے فرمایا" اے افلح اٹھو اور اونٹ پر راحلہ باندھو۔ میں نے عرض کیا" یا رسول اللہ! مجھے جنابت لاحق ہوگئی ہے اس پر حضور اکرمؐ خاموش ہو گئے پھر جبریل علیہ السلام بارگاہ رسالت میں آئے اور تیمم کی آیت لائے۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا اے افلح اٹھو اور تیمم کرو۔ میں نے تیمم کیا اس کے بعد حضور اکرمؐ کے لئے راحلہ باندھا اور روانہ ہوئے یہاں تک کہ ایک چشمہ پر پہنچے تو فرمایا اے افلح جلدی سے اس شیریں پانی سے غسل کرلو۔ افلح بیان کرتے ہیں کہ مجھے حضور اکرمؐ نے تیمم کا طریقہ یہ بتایا کہ ایک ضرب مُنہ کے لئے اور دوسری ضرب کہنیوں تک دونوں ہاتھوں کے لئے مارو۔

## حضرت ابو ذرؓ غفاری

ایک خادم حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ تھے ان کا نام جندب بن جنادہ ہے۔ اعیان صحابہ اور زہادیں سے ہیں۔ مکہ مکرمہ میں چوتھے یا پانچویں اسلام لانے والے ہیں اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بہت عبادت الٰہی کیا کرتے تھے۔ ان کا مُذہب ذخیرہ کرنے اور روپیہ سونا جمع کرنے کی

حرمت پر ہے۔ ان کے حالات عجیب و غریب اور ان کے مناقب بلند و رفیع ہیں۔

ان کے اور امیر معاویہ رضؓ کے درمیان آیۂ کریمہ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ــــــ وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، کے بارے میں نزاع واقع ہوا۔ اس پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت اہلِ کتاب کی شان میں ہے اور انہوں نے ان کی شکایت امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضؓ کو لکھی حضرت عثمان رضؓ نے ان کو شام سے مدینہ طیبہ بلاکر موضع ربذہ بھیجدیا۔ یہ مقام مدینہ طیبہ سے تین منزل کے فاصلہ پر ہے۔ وہیں انہوں نے سکونت اختیار کی اور ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں وفات پائی۔ اصابہ میں ہے کہ ۳۲ھ ہی پر اکثریت ہے۔ ان کی نمازِ جنازہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھی جبکہ وہ کوفہ سے آئے تھے۔ اور ان پر بہت دیر تک روتے رہے۔ اور فرمایا:۔ اَخِیْ وَخَلِیْلِیْ عَاشَ وَحْدَهٗ وَفَاتَ وَحْدَهٗ وَبَعَثُ وَحْدَهٗ وَطُوْبٰی لَهٗ۔ یعنی اے میرے بھائی اور ــــــ میرے دوست! تنہا زندگی گزاری تنہا رحلت پائی اور تنہا اٹھو گے خوشی ہو ان کے لئے حضرت عبداللہ بن رضؓ مسعود کے ساتھ کئی انصاری اشخاص بھی تھے۔ ان کے ساتھ چادریں تھیں۔ ان کے آنے کے دس دن بعد رحلت فرما گئے۔ اصابہ میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضؓ نے ان کی نماز جنازہ "ربذہ" میں پڑھی۔ اس کے بعد وہ مدینہ طیبہ آگئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد وہ بھی رحلت فرما گئے۔ اور حضرت ابن مسعود کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کے ساتھ وہی اختلاف لاحق ہوا جو حضرت ابوذر رضؓ کو تھا رضی اللہ عنہم اجمعین)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مکہ سے آنے اور ان کے اسلام لانے کا قصہ عجیب و غریب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوذر رضؓ سے زیادہ راست گو شخص پر آسمان نے کسی پر سایہ نہ کیا اور نہ زمین نے کوئی بوجھ اٹھایا۔ مروی ہے کہ حضرت ابوذر رضؓ اپنی عبادت میں حضرت عیسےٰ رضؑ کے ساتھ مساوات رکھتے ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جسے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زہد کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جو یہ چاہتا ہے کہ ہدایت، زہد نیکی اور عبادت میں حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے زیادہ مشابہ لوگوں میں دیکھے تو وہ ابوذر رضؓ کو دیکھے، ایک روایت میں بر و صدق یعنی نیکی و راست گوئی

ایک روایت میں خلق و خُلق یعنی خصلت و پیدائش آیا ہے۔ ابن عبدالبر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوذرؓ پر عالمِ نزع طاری ہوا تو ان پر ان کی والدہ اور ان کی بیوی رونے لگیں حضرت ابوذرؓ نے فرمایا کس چیز نے تم کو رونے پر مجبور کیا؟ انہوں نے کہا ہم کیوں کر آپ پر نہ روئیں جبکہ آپ ایک بیابان افتادہ زمین میں سکونت پذیر ہیں اور ہمارے پاس کپڑا بھی نہیں کہ اس میں ہم آپ کو کفن بھی دے سکیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں خوشخبری سناتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور اکرمؐ نے ایسی ایک جماعت سے فرمایا جن میں میں بھی تھا کہ تم میں سے ایک بیابان کی زمین میں رحلت کرے گا۔ اور مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچے گی چنانچہ اس جماعت میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوا اور سبھی اپنی قوم میں فوت ہوئے۔ لہٰذا خدا کی قسم میں ہی وہ شخص ہوں جس کے لئے حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا اور فرمایا "جاؤ اور راستہ پر نظر ڈالو کہ کوئی جماعت آرہی ہے۔ ان کی زوجہ نے کہا۔ یہ کونسا وقت کسی جماعت کے آنے کا ہے کیوں کہ حاجی لوگ جاچکے اور راستہ بند ہوگیا ہے حضرت ابوذرؓ نے فرمایا جاؤ دیکھو اور خوب غور سے دیکھو۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میں ایک ٹیلہ پر چڑھی اچانک میں نے دیکھا کہ ایک جماعت آرہی ہے جو کیکر کی لکڑیوں پر چادر تانے ہوئے ہے۔ میں نے اپنے آپ کو ان کے پاس پہنچایا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو انہوں نے کہا "اے اللہ کی بندی۔ تیرا کیا حال ہے اور تو کون ہے؟ میں نے کہا ایک مسلمان شخص کے نزع کا عالم ہے اس کے لئے کفن درکار ہے' انہوں نے پوچھا وہ کون شخص ہے؟ میں نے کہا ابوذرؓ انہوں نے کہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی؟ میں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد انہوں نے پہلے اپنے آباؤ امہات کی تعزیت کی۔ پھر وہ ابوذرؓ کے پاس آئے۔ اس پر ان سے حضرت ابوذر نے فرمایا "میں تمہیں ایک خوشخبری سناتا ہوں جسے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے حضور اکرمؐ نے ایک ایسی جماعت سے فرمایا جس میں میں بھی تھا کہ تم میں سے ایک شخص بیابان کی زمین میں انتقال کرے گا اور اس کے پاس مسلمانوں کی جماعت حاضر آئے گی" تو اس جماعت میں کوئی ایسا نہیں ہے مگر یہ کہ وہ اپنی قوم و جماعت میں فوت ہوا ہے۔ خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں کہتا۔ اور فرمایا اگر ہوتا میرے پاس یا میری بیوی کے پاس اتنا کپڑا جو کفن کو کفایت کرتا تو میں اسی میں کفن دیا جاتا۔ اور میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص مجھے کفن نہ دے جو امیر ہو یا عریف یا قاصد یا نقیب اس جماعت میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس میں ان صفات

میں سے کوئی صفت موجود ہوتی۔ اس پر ایک انصاری جوان نے کہا "اے چچا! میں آپ کو اس چادر کا کفن دوں گا جو میرے پاس ہے اور جامہ دان میں محفوظ ہے جسے میری باندی نے کاتا اور بُنا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم مجھے اس کا کفن دینا چنانچہ اس انصاری نے اسی چادر کا کفن دیا۔ اور نماز کے لئے کھڑے ہوئے اور انہوں نے ان کو دفن کیا۔ رضی اللہ عنہم اجمعین وغفر لنا ببرکتہم وببرکتہ عبادہ الصالحین۔ آمین آمین آمین۔ نیز صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے لوگوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیسے تھے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم نے فرمایا وہ ایسے شخص تھے جو ہر ایسی چیز کا علم یاد رکھتا تھا، جس سے لوگ عاجز رہ جاتے تھے۔ اور جب تک وہ زندہ رہے ان کے اسرار کو نہ کھولا اور نہ ان کی کوئی چیز ظاہر کی۔

## مہاجر مولیٰ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ایک اور خادم مہاجر نام کے سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ صحابہ کرام میں مہاجر رضی اللہ عنہ نام کے بہت ہیں ایک مہاجر رضی اللہ عنہ بن حبیب ہیں جن سے سمعہ دریا کے بارے میں ایک حدیث مروی ہے۔ دوسرے مہاجر رضی اللہ عنہ قنفذ ہیں جو بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور جن کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "هُوَ الْمُهَاجِرُ حَقًّا"۔ اس پر لوگوں نے جانا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان کا نام بیان فرمانا ہے۔ تیسرے مہاجر مکی ہیں۔ جن سے مشکوٰۃ میں حدیث مروی ہے ان کا ذکر ان کتابوں میں میں نے نہیں پایا۔ چوتھے مہاجر مولیٰ سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اور ان کو اہلِ مصر میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ یہ وہی ہیں جنہوں نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین میں دو تسمے تھے۔ یا وہ مہاجر رضی اللہ عنہ بن زیاد حارثی ہیں جو ربیع بن زیاد کے بھائی ہیں اور ایک مہاجر اور ہیں جن کے بارے میں "مہاجر رجل من الصحابہ" مذکور ہے ... روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک میں دو تسمے تھے اور ایک مہاجر بن مسعود ہیں "اصابہ" میں کہا گیا ہے کہ ان کو صحابہ میں شمار کرنا وہم ہے۔

## حنین

ایک اور خادم حنین (دونوں سے) عبداللہ کے والد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے تو ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو بخشدیا۔ اور "کاشف" میں کہا گیا ہے کہ

حنین مولیٰ ابن عباس ہیں۔ لیکن اس کے حاشیہ میں "تہذیب" سے لکھا ہوا ہے کہ حنین، والد عبد اللہ بن حنین ہیں۔ ہاشمی نے اس کو علی مرتضیٰ رض سے روایت کیا۔ نسائی میں ان سے ایک حدیث معصفر یعنی چیڑلیوں کی ممانعت میں مروی ہے۔ اور ان سے ان کے بیٹے عبد اللہ نے روایت کیا ہے اور کہا کہ عبد اللہ بن حنین، علی سے محفوظ ہیں۔

**نعیم** ایک اور خادم نعیم رض بن ابی ربیعہ اسلمی یا نعیم بن ربیعہ بن کعب اسلمی تھے ابن مندہ نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ اور ان کی حدیث ابراہیم بن سعد نے محمد ابن اسحٰق سے انہوں نے محمد بن عطا سے انہوں نے نعیم رض بن ربیعہ سے روایت کی ہے کہ نعیم رض بن ربیعہ نے کہا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔

**ابوالحمراء** ایک اور خادم ابو الحمرا، حضور اکرم ؐ کے غلام اور خادم تھے ان کا نام ہلال رض بن الحارث ہے لیکن یہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور تھے۔ اور حمص آکے رہے۔ بعض نے کہا کہ بن ظفر نام ہے، ابن عیسیٰ نے اس کو تاریخ حمص میں نقل کیا ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب بھی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما کے گھر تشریف لے جاتے تو فرماتے :۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا ـــــــ استیعاب میں ذکر کیا ہے۔ اصابہ میں بخاری سے منقول ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کی صحبت تو ثابت شدہ ہے مگر ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

**ابوالسمح رض** ایک اور خادم ابو السمح رض تھے ان کا نام اباذ ہے۔ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام اور خادم ہیں۔ ان سے محل بن خلیفہ نے ایک حدیث روایت کی ہے جسے ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی لائے ہیں۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ اہل سیر کہتے ہیں ان کا نام اباد ہے اور نبی کے خادم ہیں۔ ابو ذرعہ نے کہا کہ میں ان کو پہچانتا ہوں اور نہ ان کا نام جانتا ہوں البتہ ان کی حدیث معلوم ہوئی ہے جسے ابن خزیمہ، ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ اور بغوی نے بطریق یحیٰی بن ولید بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ ہم سے محل بن خلیفہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا اور جب حضور اکرم غسل کا ارادہ فرماتے تو اپنی پشت مبارک مجھ سے ملواتے تھے۔ بزار نے کہا ابو السمح کی اس حدیث کو اس سند کے سوا میں نہیں جانتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ شہید ہوئے اور معلوم نہ ہوا کہ کیا ہوا۔

یہ تیرہ اصحاب ہیں جو حضور اکرمؐ کے خدام میں سے ہیں جیسے مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے۔

## بارگاہِ نبوت کی خدمت گذار عورتیں

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمتگذاری کرنے والی عورتیں بھی تھیں ان میں سے ایک

**ام ایمنؓ** ام ایمن ہیں جو حبشی ہیں اور ان کا نام برکت ہے۔ اور حضرت اسامہؓ بن زید کی والدہ ماجدہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اعمام وعمات کے آخر میں تقریباً گزر چکا ہے اب اس کے اعادہ کی حاجت نہیں ہے۔ حضرت اسامہؓ کے جلد کی سیاہی اپنی والدہ کی وجہ سے ہے اگرچہ ان کے والد حضرت زیدؓ بن حارثہ سفید رو خوبصورت تھے۔

**خولہؓ** ایک اور خادمہ، حفص کی دادی ہیں۔ مواہب لدنیہ اور روضۃ الاحباب میں اتنا ہی بیان کیا گیا ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا گیا۔ جب میں نے ان کے نام اور ان کے احوال کی بہت جستجو کی تو یہ نام بہت سے پائے یہاں تک کہ شیخ حافظ امام ابن حجر عسقلانی کی کتاب "الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ" کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے اس نام کے تقریباً تیس افراد بیان کئے ہیں اور ایک دوسرے کے اتحاد وتغایر میں بحث فرمائی ہے اور کسی ایک کو اس عنوان کے ساتھ کہ وہ حفص کی دادی تھیں اس سے معنون نہ پایا گیا تاکہ حضور اکرمؐ کی خادمہ خولہؓ تک رسائی ہوئی۔ اور شیخ نے فرمایا کہ ابو عمرو نے کہا کہ ان سے حفص بن سعد نے اپنے والد کے ذریعہ خولہؓ سے تفسیر والضحیٰ میں روایت کی ہے۔ اور ابو عمرو نے کہا کہ اس حدیث کی سند ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ حجت لائی جائے۔ پھر شیخ اس حدیث کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسے ابو بکر بن ابی شیبہ اور طبرانی نے بطریق ابی نعیم ملائی حفص سے وہ اپنے والد سے وہ اپنی ماں سے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں تخریج کی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک کتے کا بچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کاشانۂ اقدس میں گھس کر حضور اکرمؐ کی چارپائی کے نیچے آگیا۔ جب حضور اکرمؐ نے صبح فرمائی تو حضور اکرمؐ سخت اندوہ گیں تھے میں نے حضور اکرمؐ سے پوچھا اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا آج رات جبرئیلؑ نہیں آئے اور مجھے معلوم نہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اپنی چادر مبارک اوڑھی اور گھر سے باہر تشریف لے آئے۔ اور مجھ سے فرمایا، جھاڑو سے گھر کو خوب صاف کردو پھر میں نے جھاڑو لیکر گھر کی صفائی شروع کردی اچانک میں نے دیکھا کہ حضور اکرمؐ کی چارپائی کے نیچے کتے کا بچہ مرا پڑا ہے۔ میں نے اسے نکال کر پھینک دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس حال میں گھر میں تشریف لائے کہ آپ کی ریش مبارک لرز رہی تھی جب حضور اکرمؐ اندر تشریف لے آئے تو وحی کے آثار نمودار ہوئے اور حضور اکرمؐ کانپنے لگے پھر حضور اکرمؐ نے مجھ سے فرمایا اے خولہؓ مجھے تنہا چھوڑ دو یعنی گھر سے باہر چلی جاؤ۔ اس وقت سورۂ والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ آخر سورۃ تک نازل ہوئی (انتہیٰ) یہ کاتب الحروف عفا اللہ عنہ یعنی صاحب مدارج النبوۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی مانند مشکوٰۃ میں بروایت حضرت ابن عباس سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔ اور مسلم کی روایت ان لفظوں سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن سخت رنج وغم میں صبح کی۔ فرمایا مجھ سے جبریل علیہ السلام نے آج رات میرے پاس آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہیں آئے۔ تمہیں خبردار رہنا چاہیئے کہ جبریل علیہ السلام نے خدا کی قسم کبھی مجھ سے وعدہ خلافی نہیں کی۔ یعنی بغیر عذر اور بغیر سبب کے۔ تو وہ عذر کیا ہوگا جو وہ نہیں آئے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دل میں خود بخود القا ہوا کہ آپ کے خیمہ میں ایک کتے کا بچہ پڑا ہوا ہے۔ اور حکم دیا کہ اس کو خیمہ سے نکال باہر پھینکو۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے دست مبارک میں پانی لیا اور اس جگہ چھڑکا۔ پھر جب رات آئی تو جبریل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے جبریلؑ تم نے مجھ سے کل رات آنے کا حتمی وعدہ کیا تھا؟ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا بے شک میں نے وعدہ کیا تھا لیکن ہم اس گھر میں داخل نہیں ہو سکتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے چھوٹے باغوں کے کتوں کو مارنے اور بڑے باغوں کے کتوں کو ان کی محافظت کی خاطر کہ وہ باغ کی رکھوالی کرے۔ چھوڑنے کا حکم دیا۔ شکار اور حویلی کی حفاظت اور کھیت اور باغ کی رکھوالی کے لئے کتا رکھنا جائز ہے۔ (رواہ مسلم)

## ام رافع

ایک اور خادمہ سلمیٰ ام رافعؓ، زوجۂ ابو رافعؓ مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابیہ ہیں۔ یہ حضور اکرمؐ کی باندی اور خادمہ ہیں، اور اسد الغابہ میں کہا گیا ہے کہ سلمیٰؓ صفیہؓ بنت عبد المطلب کی باندی اور ابو رافعؓ کی زوجہ ہیں۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ حضور اکرمؐ کی خادمہ تھیں اور بنی فاطمہؓ کی دایہ اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دایہ تھیں۔ اور انہوں نے ہی سیدہ فاطمۃ الزہراء کو ان کے شوہر حضرت علی مرتضٰے کے ساتھ غسل دیا (رضی اللہ عنہما) اور خیبر میں شریک تھیں' ان سے ان کے حفید عبد اللہ بن علی نے حدیث "عُذِّبَتِ امْرَاۃٌ فِیْ ہِرَّۃٍ" کو روایت کیا ہے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابو رافعؓ مولا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بیوی ابو رافعؓ کی شکایت کرتی

ہوئی آئیں کہ وہ اسے مارتے ہیں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے ابو رافعؓ سے فرمایا "اے ابو رافعؓ اس کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو اور کیوں تم اسے مارتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! یہ مجھے ایذا پہنچاتی ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے سلمیٰؓ تم کیوں انہیں ایذا پہنچاتی ہو۔ انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! میں انہیں کچھ ایذا نہیں پہنچاتی لیکن انہوں نے نماز کی حالت میں حدث کیا یعنی بے وضو ہو گئے۔ اس پر میں نے کہا اے ابو رافعؓ اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب ان کے جسم سے کوئی ہوا وغیرہ نکلے تو وہ وضو کرے اس پر یہ کھڑے ہو کر مجھے مارنے لگے۔ یہ سن کر حضور اکرمؐ تبسم فرمانے لگے اور فرمایا اے ابو رافعؓ سلمیٰؓ نے تمہیں بھلائی اور خیر کا ہی حکم دیا ہے۔ تم اسے نہ مارو۔ ان سے یہ حکایت عجیب ہے ممکن ہے کہ انہوں نے حدث سے وضو ٹوٹنے کا حکم نہ سنا ہو۔ اور سلمیٰؓ نے اپنے قول میں اس طرف اشارہ کیا کہ اللہ کے نبی نے مسلمانوں کو حدث کے بعد وضو کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور ابو رافعؓ سے بھی بعید ہے چونکہ وہ حضور اکرمؐ کے غلام اور خادم ہیں اور حضور اکرمؐ کی سفری ساز و سامان ان کے سپرد رہتا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے غلام تھے۔ پھر انہوں نے ان کو حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور جب انہوں نے حضرت عباسؓ کے اسلام لانے کی خوشخبری حضور اکرمؐ کو سنائی تو حضور اکرمؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ ان کا نام ثابت یا یزید ہے ان پر ان کی کنیت غالب آگئی۔ وہ غزوۂ احد اور خندق میں شریک تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابو رافعؓ کا اسلام غزوۂ بدر سے پہلے کا ہے مگر وہ بدر میں شریک نہ تھے۔ حضور اکرمؐ نے اپنی باندی سے ان کا نکاح کر دیا تھا اور ان سے رافعؓ پیدا ہوئے۔ (رضی اللہ عنہما)۔

**میمونہؓ بنت سعد**

ایک اور خادمہ میمونہؓ بنت سعد، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی باندی ہیں۔ ان سے حدیث روایت کی گئی ہے اور جماعت کثیرہ نے ان سے حدیث اخذ کی ہے۔ ان کی حدیث شام والوں کے لئے اور بیت المقدس کے فضائل اور سخن چینی اور ـــــ پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے پر عذاب قبر ہونے اور لباس وغیرہ کے بارے میں ہے۔

**ام عیاشؓ**

ام عیاش، سیدہ رقیہ بنت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتی تھی اس طرح کہ میں کھڑی ہوتی اور حضور اکرمؐ بیٹھے ہوتے تھے۔ اور وہ فرماتی

ہیں کہ میں نے حضور اکرمؐ کو فرماتے سنا ہے کہ میں نے سیدہ ام کلثومؓ کا نکاح نہیں کیا مگر آسمانی وحی کے ذریعہ۔

یہ ہیں وہ اسماء ان مردوں اور عورتوں کے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے تھے جن کو مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے۔ صاحب روضۃ الاحباب نے کہا ہے کہ اہل سیر کی کتابوں میں اکیس ۲۱ مرد اور گیارہ عورتیں خدام بارگاہ سے، نظر سے گزری ہیں۔ ان میں سے جو باقی ہیں ان کو بھی ہم بیان کرتے ہیں اور جس قدر ان کے احوال معلوم ہو سکے ان کو بھی لاتے ہیں (وباللہ التوفیق)

## حضرت بلال حبشیؓ

ایک صحابی خادم، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، ہیں جو موذن تھے ان کے فضائل ومناقب بہت زیادہ ہیں۔ ان کی منقبت میں صرف یہی روایت کافی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ اَلسَّبَّاقُ اَرْبَعَۃٌ اَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ وَبِلَالٌ سَابِقُ الْحَبْشَۃِ الحدیث اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اَبُوْ بَکْرٍ سَیِّدُنَا اَعْتَقَ سَیِّدَنَا یَعْنِیْ بِلَالًا" رواہ البخاری۔ وہ دمشق میں ۲۰ھ میں فوت ہوئے ایک قول ہے کہ ۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی عمر شریف کچھ اوپر ساٹھ سال کی ہوئی ایک روایت ستر کی بھی ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نفقات کی خدمت ان کے سپرد تھی۔ موذنوں کے بیان میں بھی ان کا ذکر شریف آئے گا۔

## دو مخمرؓ

ایک صحابی خادم دو مخمر ہیں (بکسر میم وسکون خا وفتح میم ثانی) اور دو مخبر با کے ساتھ بجائے میم کے بتاتے ہیں جو نجاشی شاہ حبشہ کے بھانجے تھے، روضۃ الاحباب میں ایسا ہی کہا ہے۔ اور صاحب استیعاب نے ذو مخبر بنایا ہی مگر ان کو ذو مخمر ہی کہا جاتا تھا۔ اور کہا کہ اوزاعی نے ان کے نام میں انکار کیا ہے مگر ذو مخمر میم کے ساتھ ہے اس کے سوا نہیں۔ اور کہا کہ نجاشی کا بھتیجا ہے۔ ان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ اور ان کو اخذ کرنے والے شامی حضرات ہیں۔ اور وہ انہیں میں شمار کئے گئے ہیں (انتہی) صاحب قاموس نے بھی نجاشی کا برادر زادہ کہا ہے اور "کاشف" میں بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اور کہا کہ وہ صحابی ہیں۔ یہ شام منتقل ہو گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔ ان سے حضرت جبیر بن نفیر اور خالد بن معدان وغیرہ بہت سے لوگوں نے روایت کی ہیں۔ جامع الاصول میں کہا گیا ہے کہ ذو مخبر بکسر میم وسکون خا وفتح با نجاشی کے برادر زادہ

اور حضور اکرمؐ کے خادم تھے۔ ایک قول ہے ذومخمر" میم کے ساتھ بجائے باء کے ہے۔ وہ شامیوں میں شمار کئے گئے ہیں۔ اور انہیں میں ان کی حدیثیں ہیں۔ اور یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب روضتہ الاحباب کا یہ قول کہ وہ نجاشی کا خواہر زادہ یعنی بھانجے ہیں سہو ہے۔

**بکیر بن شداخ لیثی** ایک صحابی خادم، بکیرؓ (بکسر بار بصیغۂ تصغیر) بن شداخ (بشین معجمہ و تشدید دال) روضتہ الاحباب میں ایسا ہی ہے اور اصابہ میں بکیرؓ بن شداخ بیان کیا ہے اور بکسر بھی کہتے ہیں۔ یہ ان اصحاب میں سے تھے جو حضور اکرمؐ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ ان کا ایک قصہ ہے جسے اشعثؓ انصاری کے ترجمہ میں بطریق ابی بکر ہذلی، عبدالملک یعلی لیثی سے بیان کیا گیا ہے کہ بکیرؓ بن شداخ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد معدلت گستر میں ایک یہودی کو قتل کر دیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ مجھے اس شخص کی تلاش ہے جس کے علم میں یہ بات ہو کہ وہ مجھے پورے واقعہ کی خبر دے۔ اس پر بکیرؓ بن شداخ کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں اس بات کو زیادہ جانتا ہوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ اکبر کہا۔ بکیرؓ نے کہا کہ فلاں شخص جو غزوے میں تھا وہ باہر آیا اور اس نے اپنی اہل کا مجھے وکیل بنایا۔ پھر میں اس کے پاس گیا۔ وہاں اس یہودی کو میں نے پایا کہ وہ کہتا تھا۔

واشعث غرۃ الاسلام منی     خلوت بعرسہ لیلۃ التمام

تو میں نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کے قول کی تصدیق کی اور اس کے قصاص کو باطل کر دیا۔ اور یہی اشعثؓ ہے جو لشکر اسلام میں جہاد میں تھا۔ اس کا ایک بھائی تھا اس بھائی کی زوجہ نے اس بھائی سے کہا تو اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ پسند کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کوئی مرد ہو یا اس کے بستر پر لیٹے۔ اور یہ اشعار پڑھے اس پر اس کو قتل کر دیا ممکن ہے کہ ان اشعار میں اس کے ساتھ ہونے کا اقرار ہو اور اس پر زنا ثابت ہوتا ہو (واللہ اعلم)

**شریکؓ** ایک خادم شریک ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں شریک نام کے بہت ہیں جن سے ان کا دیکھنا اور ان کی روایت ثابت ہے۔ اور چند ایسے بھی ہیں جنکی صحابیت

میں اختلاف ہے لیکن کسی شخص کے ساتھ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی نسبت نہیں کی گئی ہے (واللہ اعلم)

## اسعدؓ بن مالک اسدی

ایک خادم اسعد بن مالک اسدی ہیں۔ اسعد نام کے صحابہ میں بہت ہیں۔ لیکن اس عنوان سے معنون کتابوں میں نہیں پایا گیا (واللہ اعلم)

## ثعلبہؓ بن عبدالرحمٰن انصاری

ایک خادم ثعلبہ بن عبدالرحمٰن انصاری ہیں۔ یہ بھی اس نسبت کے ساتھ کتابوں میں نہیں پائے گئے۔ بجز اس کے کہ استیعاب میں عبدالرحمٰنؓ بن ثعلبہ انصاری سے قطعِ سرقہ کی حدیث مذکور ہے (واللہ اعلم)

## جزءؓ بن مالک

ایک خادم جزءؓ بن مالک ہیں لو بفتح جیم وسکون زا دہمزہ اور بعض نے (بکسر زار اور یا) کے ساتھ کہا ہے اور بعض نے زار مشددہ کہا ہے جنگ یمامہ میں شہید ہوئے (رضی اللہ عنہ)

## سالم

ایک خادم سالم ہیں۔ سالم نام کے بھی صحابہ میں بہت ہیں۔ ایک سالمؓ مولائے ابو حذیفہؓ ہیں جو کہ فضلائے موالی اور اخیار صحابہ واکابر اصحاب میں سے ہیں ان کی اصل فارس کے اصطخر سے ہے۔ اور قرا میں ان کا شمار ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ قرآن کو ابن ام عبدؓ، ابن کعبؓ اور سالمؓ مولا ابو حذیفہؓ سے حاصل کرو، اور معاذؓ بن جبل سے سیکھو۔ یہ مہاجرین اولین کی امامت کرتے تھے اور ان میں حضرت عمرؓ بن خطاب اور ابو سلمہؓ بن عبدالاسد بھی تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کی تعریف میں مبالغہ فرماتے تھے۔ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

ایک اور سالمؓ بن عبید اشجعی ہیں۔ اور اہل صفہ میں سے ہیں۔ انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ حالانکہ وہ نوجوان تھے اور گیسو رکھتے تھے پھر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ اور انہوں نے حضور اکرمؐ کے وضو کے بچے ہوئے پانی سے طہارت کی۔

ایک اور سالمؓ ہیں جو صحابہ کرامؓ میں سے ہیں جو حضور اکرمؐ کے پچھنے لگاتے اور سینگی

کے خون مبارک کو پی جاتے تھے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ تمام خون حرام ہے۔

ایک اور سالم، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور سالم ان کے سوا بھی بہت ہیں۔ معلوم نہیں ہوتا کہ کون سے سالم کو خدام میں شمار کیا گیا ہے۔ مگر ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہی سالم مولی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ ان عزیزوں پر تعجب ہے کہ ان اسمار کی موجودگی میں کوئی ایسی علامت نہیں بیان کی جس سے امتیاز ہو سکے۔ تاکہ طالبانِ علم کو انس کی جستجو و تلاش میں آسانی پیدا ہو جائے۔ خصوصاً جبکہ ناموں میں بہت زیادہ افراد میں اشتراک موجود ہے۔

## سابق بن حاطب رضؓ

ابن عبد البر نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت سابق بن حاطب رضؓ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں۔ اور ان سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے، اور ان کی صحابیت میں بھی اختلاف کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ صحت کو نہیں پہنچا ہے کہ یہ سابق صحابہ میں سے ہیں۔

## سلمیٰ رضؓ

سلمیٰ رضؓ اسمار میں ظاہر نہیں ہوا ممکن ہے کہ سلمہ ہو اور سلمہ نام کے بہت ہیں (واللہ اعلم)

## ابو سلام رضؓ

کاشف میں کہا گیا ہے کہ ابو سلام حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور حضور اکرمؐ کے غلام ہیں، اور تہذیب میں ان سے ابن ناجیہ سے روایت کیا ہے اور کہا کہ "خلیفہ" نے انہیں صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ اور ان سے ابن ماجہ نے بروایت سابق، ابو سلام رضؓ خادم النبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اس کے بعد ایک حدیث روایت کی جو ابو داؤد کے نزدیک ذکر میں واقع ہوا ہے کہ سابق نے ناجیہ سے انہوں نے ابو سلام رضؓ سے روایت کیا ہے اس کے بعد ایک حدیث روایت کی کہ وہ مسجد دمشق میں تھے لوگوں نے کہا کہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے۔ اور استیعاب میں منقول ہے کہ ابو سلام رضؓ ہاشمی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم اور غلام ہیں ان کو خلیفہ نے صحابہ میں موالی بنی ہاشم بن عبد مناف میں سے بیان کیا ہے۔ اور ابو عقیل نے سابق بن ناجیہ سے انہوں نے ابو سلام رضؓ خادم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے حضور اکرمؐ سے کہ فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو تین مرتبہ یہ پڑھے کہ: رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا

وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا مگر یہ کہ حق تعالیٰ کے ذمّہ اس کے کرم پر ہے کہ اسے روزِ قیامت راضی فرمائے نیز ابن عبد البر نے فرمایا کہ جس نے ابو سلام کو ابو سلامہ کہا ہے خطا کی ہے (انتہی) اور یہ جو روضۃ الاحباب میں ابو سلام کو سالم کہا ہے ان کا تذکرہ نہیں پایا جاتا (واللہ اعلم بالصواب)

## ابو عبیدہ رض مولائے رسول اللہ ؐ

ایک خادم و غلام ابو عبیدہ رض ہیں۔ مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا پکایا۔ حضور اکرم ؐ نے فرمایا دست کا گوشت مجھے دو۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت بہت پسند تھا (الحدیث) قتادہ نے اس حدیث کو شہر بن حوشب سے انہوں نے ابو عبیدہ رض سے روایت کیا۔ جیسا کہ ابن عبد البر نے استیعاب میں بیان کیا ہے اور فرمایا کہ میں ابو عبیدہ رض کے نام سے واقف نہیں ہوں (انتہی) ترمذی نے بھی شمائل النبوۃ میں روایت کیا ہے کہ:۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا اَبَانُ بْنُ يَزِيدَ عَنْ حَوْشَبٍ عَنْ اَبِي عُبَيْدَةَ قَالَ طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ۔ اور مشکوٰۃ میں مسند امام احمد سے ابو رافع رض سے مروی ہے اور آخر میں کہا گیا کہ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ اَبِي عُبَيْدَةَ۔ اور اصابہ میں کہا گیا ہے کہ ابو عبیدہ مولا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان اصحاب میں سے ہیں جن کے نام نہیں معلوم ہو سکے۔ اور ان سے ترمذی نے شمائل میں اور دارمی نے بروایت شہر بن حوشب روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔ بجز شہر بن حوشب کے۔ بغوی نے کہا کہ ان کو صحبت ملی ہے اور انہوں نے کہا کہ عباس نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ ابو عبیدہ جن سے شہر نے (جو صحابہ میں سے ہیں) روایت کی ہے۔ (انتہی) اکابر کی ان عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے حال میں ایک قسم کی پوشیدگی اور خفا ہے کہ ان کا نام معلوم نہیں ہے۔ بخلاف ابو رافع رض کے کہ وہ مشہور و معروف ہیں (واللہ اعلم)

## ہند رض اور اسماء رض

ہند رض اور اسماء رض حارثہ رض کے لڑکے ہیں اور استیعاب میں مذکور ہے کہ حارثہ اسلمی کے آٹھ لڑکے تھے اور یہ سب بیعت رضوان میں موجود تھے۔ ہند رض ۱، اسماء رض ۲، خراش رض ۳، ذویب رض ۴، فضالہ رض ۵، سلمہ رض ۶، مالک رض ۷ اور عمران رض ۸۔ اور ان سب بھائیوں میں سے کوئی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوا۔ بغوی نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ مقرن کی اولاد نے ان پر اعتراض کیا ہے (کذا فی الاصابہ) ان بھائیوں میں سے ہند رض اور اسماء رض حضور اکرم صلے اللہ علیہ

وسلم کی خدمت کرتے تھے اور ہندؓ یحییٰ بن ہندؓ کے والد ہیں جن سے عبدالرحمٰن بن حرملہ نے روایت کی ہے۔ کاشف میں کہا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ تابعی کوفی ہیں۔ جو حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے قاسم بن حسان نے روایت کی ہے اور ان سے ابوداؤد ونسائی نے روایت کی ہے اور بخاری نے کہا ہے کہ ان کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور اصابہ میں وہ حدیث جو کہ عبدالرحمٰن بن حرملہ نے یحییٰ بن ہند سے روایت کی ہے۔ یہ ہے کہ منقول ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، اسلم کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کر رہی تھی۔ ان سے فرمایا اے اسمٰعیل کے فرزندو! تیر اندازی کرو اس لئے کہ تمہارے جدامجد حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی تیر اندازی کرتے تھے (الحدیث) پوری حدیث مشکوٰۃ میں سلمہؓ بن اکوع سے از حدیث بخاری کتاب الجہاد میں جہاد کے ساز وسامان کے ضمن میں مذکور ہے۔

ایک انصاری جوان خادم رسول اللہؐ ہیں جن کی عمر حضرت انسؓ کی عمر کے قریب ہے۔ اس جوان کا نام پانا اشکال سے خالی نہیں ہے۔ ان کا نام ہی جب مذکور نہیں تو اسماء الرجال میں کس طرح تلاش کریں۔ جامع الاصول میں مبہم ناموں کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس جگہ بھی نہیں پایا گیا ممکن ہے کہ کسی حدیث میں اسی ابہام کے ساتھ کوئی متعین نام پایا جائے (واللہ اعلم) خدمت کرنے والی عورتوں کے نام گیارہ منقول ہیں ان میں سے پانچ تو مواہب لدنیہ میں لکھے ہوئے ہیں جن کو پہلے لکھ دیا گیا ہے باقی نام یہ ہیں۔

ایک خادمہ امتہ اللہؓ بنت رزینہ (بضم راء وسکون راء وسریا وتشدید نون وتا در آخر۔ ہیں دوسری خادمہ صفیہؓ ہیں ان سے امتہ اللہ بنت رزینہ کسوف میں روایت کی ہے۔ یہ دونوں حضور اکرمؐ کی خادمہ ہیں۔ تیسری خادمہ خضرہؓ ہیں۔ سلمیٰؓ ام رافعؓ سے مروی ہے کہ میں اور خضرہؓ دونوں حضور اکرمؐ کے گھر میں خدمت کرتی تھیں۔ اور چوتھی میمونہؓ بنت سعد خادمہ ہیں۔ حضور اکرمؐ نے ان سب کو آزاد فرمایا۔ پانچویں زربیہؓ ام عتبہ ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ زربیہ، امتہ اللہ مذکور کی ماں ہیں (واللہ اعلم) چھٹی خادمہ ماریہؓ ام الرباب ہیں ان کی کنیت ام الربابؓ ہے۔ اہل بصرہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے اپنے سر کو حضور اکرمؐ کے لئے جھکایا تاکہ حضور اکرمؐ دیوار پھاند کر باہر تشریف لے جائیں جس رات کہ حضور اکرمؐ مشرکوں سے مخفی ہو کر تشریف لے جا رہے تھے مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ ہجرت کی رات، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے گھر اس دریچہ سے جو ان کی دیوار میں تھا تشریف لے جانا ہوا تھا یہ قصہ اس جگہ کا ہوگا یا کسی اور جگہ کا۔ (واللہ اعلم)

ساتویں خادمہ ماریہؓ وادی مثنیٰ بن صالح ہیں یہ بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خادمہ ہیں سے ہیں جو کہ مثنیٰ بن صالح بن مہران مولیٰ عمرؓ بن حریث کی وادی تھیں' ان سے اہل کوفہ نے ایک حدیث روایت کی ہے۔ جیسے ابوبکر بن عیاس نے مثنیٰ بن صالح سے انہوں نے اپنی دادی ماریہؓ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا ہے اور میں نے کسی کی ہتھیلی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم نہ دیکھی۔

آٹھویں خادمہ سیدہ ماریہؓ قبطیہ ام حضرت ابراہیمؑ بن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اگر ان کو اس جگہ شمار کرتے تو ہو سکتا تھا۔ لیکن صاحب استیعاب نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی کہا ہے خادمہ نہیں کہا ہے۔ ان کے احوال سراری رسول کے ضمن میں مذکور ہو چکے ہیں۔ بلکہ اس سے پہلے بھی سلاطین و امراء کے نام خطوط بھیجنے کے ضمن میں بھی ان کا ذکر گزر چکا ہے۔ اس جگہ استیعاب میں ایک نادر حکایت بیان کی ہے جسے میں لکھتا ہوں۔ وہ ثابت بن انس رضی اللہ عنہ' سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص سیدہ ماریہؓ ام ابراہیمؑ ام ولد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو متہم کرتا تھا۔ تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے حضور اکرمؐ نے فرمایا جاؤ اس کی گردن اڑا دو۔ اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ اُس شخص کے پاس پہنچے اچانک دیکھا کہ وہ ایک کنویں میں اترا ہوا ہے اور نہا کر اپنے بدن کو ٹھنڈا کر رہا ہے۔ پھر علی مرتضیٰ کرم نے اس سے فرمایا باہر نکل کے آ۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنا ہاتھ اسے تھمایا اور وہ باہر آگیا اچانک دیکھا کہ وہ تو خصی ہے اور جماع کا آلہ ہی نہیں ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اس کے قتل سے باز آگئے اور حضور اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہؐ! آنہ مجبوبٌ یعنی وہ تو نامرد ہے۔ ابو عمرؓ نے کہا کہ یہ شخص جو متہم ہوا تھا سیدہ ماریہؓ قبطیہ کے چچا کا لڑکا تھا۔ جسے مقوقس نے سیدہ ماریہؓ کے ساتھ بطور ہدیہ بھیجا تھا (انتہیٰ) اس کا تذکرہ مقوقس کے تحائف کے ضمن میں مذکور ہو چکا ہے کہ ایک خواجہ سرا بھی اپنے ہدیوں میں اس نے بھیجا تھا وہ یہی شخص تھا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف پانے والے یہ مرد اور عورتیں ہیں جن کو اہل سیر لکھتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب کے سب خدام بارگاہ اور حاضرین مجلس رسالت پناہ تھے حضور اکرمؐ جس سے جو چاہتے خدمت کے لئے فرما دیتے تھے البتہ کچھ حضرات خدمت کے لئے متعین تھے اور خدمتیں بھی متعین و خاص تھیں۔ مواہب لدنیہ میں ہے کہ علیؓ بن ابی طالب' زبیرؓ بن العوام' محمدؓ بن مسلمہ' اور چند دیگر اصحاب ایسے تھے جنکو کافروں

کی گردن اُڑانے کا جو دین اسلام میں ان کا بہت بڑا کام ہے) حکم دیتے تھے۔ حضرت بلال رض نفقات پر مقرر تھے۔ اور معیقب، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے دستِ مبارک کی انگوٹھی یعنی مہر شریف کی حفاظت کرتے تھے اور قیس رض بن سعد بن عبادہ، پاسبان کی حیثیت سے کوتوال کے منصب پر متعین تھے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)۔

---

# باب پنجم

## در ذکر موالی حضور اکرم ؐ

موالی، مولیٰ کی جمع ہے۔ اور مولیٰ کے معنی بہت ہیں۔ محب، دوست، مددگار مالک، غلام، معتق، صاحب اور قریب اور ابن عم وغیرہ کے ہیں۔ اور ہمسایہ ہم قسم، حلیف، ابن عم و دامن (ذیل)، شریک، ابن اخت، اب، ناصر، منعم علیہ، تابع اور صہر کے بھی ہیں، (کذا فی القاموس)۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ معنی معتق یعنی آزاد کردہ غلام کے ہیں۔ جیسا کہ ان کے احوال کے ضمن میں معلوم ہوگا۔ ان کے نام یہ ہیں۔ زید رض بن حارثہ بن شراحیل بن کعب کلبی اور ان کا نسب عمرو بن سبا بن نخشب بن یعرب بن قحطان پر منتہی ہوتا ہے۔

حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ، حضور اکرم ؐ کے صحابی اور غلام سابقین اولین میں سے ہیں۔ اور ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ قبیلۂ معن بن طے سے تھیں منقول ہے کہ ایک دن

ان کی والدہ اپنی قوم سے ملنے کے لئے گئیں۔ اور بنی المعن بن جریر کے ایک گروہ نے جاہلیت میں کسی قوم کو لوٹا تھا۔ اس کے بعد اس گروہ کا گزر بنی معن کی اس بستی پر ہوا جس قوم سے حضرت زیدؓ کی والدہ تھیں۔ اس گروہ نے حضرت زید کو اٹھالیا وہ اس زمانہ میں تقریباً سات یا آٹھ سال کے تھے اٹھا کر ان کو عکاظ کے بازار میں لائے یہ اس کے نواح میں ایک بازار کا نام تھا جہاں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی یہاں ان کو حکیمؓ بن حزام بن خویلد نے اپنی پھپھی سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد کے لئے چار سو درہم میں خرید لیا۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے تزوج فرمایا تو سیدہ خدیجہؓ نے حضرت زیدؓ کو حضور اکرمؐ کو ہبہ کر دیا۔ جب اس کی خبر ان کی قوم کو ملی تو ان کے والد حارثہ اور ان کے چچا کعب حاضر ہوئے یہ فدیہ لے کر آئے تھے تاکہ ان کو غلامی سے چھڑائیں۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو اختیار دیا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم میں جانا پسند کرتے ہیں یا وہ حضور اکرمؐ کی بارگاہِ اقدس کو اپنی قوم پر ترجیح دیتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے حضور اکرمؐ کا احسان و کرم اور آپ کی رحمت و شفقت دیکھی تھی اس لئے انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کے اوپر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ ان کو لوگوں کے سامنے لائے اور فرمایا اے لوگو تم گواہ رہو میں نے زیدؓ کو اپنا بیٹا بنالیا ہے وہ میرا متبنیٰ ہے وہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں۔ اس کے بعد لوگ ان کو زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے۔ یہاں تک کہ اسلام کا دور آیا اور حق تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی :- اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ - منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی باپ کے نام سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ صحیح ہے' پھر ان کو زیدؓ بن حارثہ کہہ کر بلایا جانے لگا۔ یہ پہلے شخص ہیں جو مردوں میں سب سے پہلے ایک قول کے بموجب اسلام لائے۔ یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عمر میں دس سال زیادہ تھے۔ اور ایک قول سے بیس سال۔ اور یہ حضور اکرمؐ کی خط و کتابت کے فرائض انجام دیتے تھے (کذا قیل) حضور اکرمؐ نے ان کا نکاح اپنی باندی ام ایمنؓ کے ساتھ کر دیا تو ان سے ان کا فرزند حضرت اسامہؓ پیدا ہوا۔ اس کے بعد ان کا نکاح حضرت زینبؓ بنت جحش سے کر دیا جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حضرت زیدؓ غزوۂ بدر و خندق اور حدیبیہ و خیبر میں شریک رہے ہیں اور حضرت

زیدؓ تیر انداز صحابہ میں معروف تھے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا خلیفہ بنایا جبکہ حضور اکرمؐ غزوہ مریسیع کے لئے تشریف لے گئے تھے اور ان کو سات لشکروں پر امیر مقرر کیا گیا۔ قرآن پاک میں کسی صحابی کا نام ذکر نہیں کیا گیا بجز حضرت زیدؓ کے، چنانچہ آیۂ کریمہ میں ہے:۔ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ الخ

البتہ بعض تفسیروں میں یہ آیا ہے کہ آیۂ کریمہ:۔ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ میں سجل ایک صحابی شخص کا نام ہے۔ حضور اکرمؐ نے حضرت زیدؓ کی مواخات، اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کے ساتھ قائم فرمائی تھی۔ ان سے حضرت اسامہؓ بن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے یہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے اس روز وہ لشکر کے امیر تھے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے انہوں نے پچپن ۵۵ سال کی عمر پائی۔ حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں زیدؓ نامی ایک اور بھی تھے یہ زید حضرت زید بن حارثہ کے سوا تھے۔ جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

حضرت اسامہؓ بن زید بن حارثہ کے فضائل بہت ہیں ان کی فضیلت میں اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ لوگ ان کو "حب رسول اللہؐ" کہا کرتے تھے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی آغوش مبارک میں ایک جانب حضرت امام حسنؓ کو اور دوسری جانب حضرت اسامہؓ بن زید کو لیتے تھے اور دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے خدا یہ دونوں میرے محبوب ہیں۔ تو بھی ان سے محبت فرما۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ حضرت اسامہؓ سے محبت رکھے۔ ان کے حالات اس کتاب میں کئی مقامات پر بیان ہو چکے ہیں۔ اور یہ حضور اکرمؐ کی رحلت کے وقت انیس ۱۹ یا بیس ۲۰ سال کے تھے۔ اور انہوں نے پچھتر سال کی عمر پائی۔ ان کے سن وفات میں اختلاف ہے ابن صفی نے کہا ہے کہ میرے نزدیک اصح یہ ہے کہ ان کی وفات ۵۱ھ میں بزمانۂ امارت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ہوئی۔ اور بعض کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کی شہادت کے بعد ہے۔ اور بعض حضرت علی مرتضٰے اکرم کی شہادت کے بعد بتاتے ہیں۔ ان سے حضرت ابن عباسؓ، عروہ بن زبیر، ابو عثمان انموسی اور بہت سے لوگوں نے روایت کی ہیں (رضی اللہ عنہم)

ثوبانؓ بن بجد ومہ بھی' رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ ان کی کنیت ابوعبیدہ ہے اور ایک قول سے ابوعبدالرحمن تھے لیکن اول قول اصح ہے۔ یہ "سرۃ" کے رہنے والے تھے جو مکہ ویمن کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حمیر کے رہنے والے تھے۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزاد فرمایا تھا۔ اور ہمیشہ سفر وحضر میں یہ حضور اکرمؐ کی خدمت شریف میں حاضر رہے یہاں تک کہ حضور اکرمؐ اس جہاں سے تشریف لے گئے۔ حضور اکرمؐ کے بعد وہ شام چلے گئے اور مقام رملہ میں سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد حمص میں منتقل ہو گئے اور وہاں انہوں نے ایک سرائے بنائی تھی۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جن سے حضور اکرمؐ کی حدیثیں یاد کرتے تھے۔ اور جتنی حدیثیں انہیں یاد تھیں وہ یاد کراتے تھے۔ ان کی وفات ۵۴ھ میں ہوئی۔ تابعین کی ایک جماعت کثیرہ ان سے روایت کرتی ہے۔ اور ان سے چہار محدثین نے روایت کی ہے چنانچہ ابوداؤد نے بروایت عاصم از ابوالعالیہ از ثوبان' روایت کی کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی میرے حکم کے تحت عہد کرے کہ کسی سے سوال نہ کریگا تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں گا۔" اس بنا پر حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ' کسی سے کچھ نہ مانگتے تھے۔

ایک ابوکبشہؓ مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ بدر اور تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔ ابن ہشام نے کہا کہ وہ فارس کے رہنے والے تھے۔ ان کے سوا دوسرں نے کہا ہے کہ وہ مکہ مکرمہ پیدا ہونے والوں میں سے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ "ارض اوس" کے پیدا ہونے والوں میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزاد فرمایا تھا۔ ان کا نام سلیم ہے۔ ابن حبان نے بتایا کہ نام اوس ہے بعض نے کہا کہ سلمہ ہے جس دن حضرت فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ' خلیفہ منتخب ہوئے وہی دن ان کی وفات کا ہے ۱۳ھ میں انہوں نے وفات پائی۔

واضح رہنا چاہیئے کہ کفار قریش حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے۔ اس کی وجہ میں بعض کہتے ہیں کہ ابوکبشہ حضور اکرمؐ کے اجداد میں سے تھے والدہ مطہرہ کی جانب سے کیونکہ ان کو ابوکبشہ کہتے تھے۔ اور شعری کی عبادت کرتے تھے اور کوئی عرب ان

کے سوا شعریٰ کی عبادت نہیں کرتا تھا۔ عرب اس میں ان سے اختلاف رکھتے تھے۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ظہور فرمایا تو عرب مخالفت میں کہنے لگے کہ وہ ابن ابی کبشہ ہیں جو کہ ان کے طریقہ پر چلتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ کے جد کی طرف نسب کر کے ہے کیونکہ سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا بنت وہب کے دادا کا نام ہے وہ اس نسبت سے حضور اکرمؐ کو ابن ابی کبشہ کہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن زید بن اسد نجاری جو کہ سلمیٰ ام عبد المطلب کے والد ہیں ان کو ابو کبشہ کہتے تھے۔ اس لئے حضور اکرمؐ کو اس نسبت سے یہ کہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے رضاعی والد یعنی حارث بن زید بن عبد العزی بن رفاعہ سعدی، شوہر حضرت حلیمہ سعدیہ کو ابو کبشہ کہتے تھے۔ اس لئے حضور اکرمؐ کو اس نسبت سے ابن ابو کبشہ کہتے تھے۔ یہ سب اقوال و توجیہات استیعاب میں مذکور ہیں۔

ایک آنسہؓ مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بعض نے ابو آنسہ کہا ہے۔ اور ایک قول ابو مسروحؓ بھی ہے۔ مصعب زبیری نے کہا کہ ان کی کنیت ابو سرح ہے اور وہ سراۃ کے رہنے والے تھے انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پائی تھی۔ خطیب نے کہا ہے کہ میں انہیں نہیں جانتا کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز روایت کی ہو۔ موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے کہ وہ بدر میں شریک تھے یا بدر میں ہی شہید ہوئے تھے۔ ابو عمر نے کہا کہ اتنا ہی ہے جو محفوظ ہے اور اتنا ہی ابن اسحٰق نے بھی ذکر کیا ہے۔ واقدی نے کہا کہ میں نے اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ اثبات کرتے ہیں کہ وہ احد میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی زندہ رہے ہیں اور بعض علماء کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت صدیقی میں حضرت آنسہؓ نے وفات پائی (واللہ اعلم) مروی ہے کہ حضرت آنسہؓ لوگوں کے لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے حاضر ہونے کی اجازت لیتے تھے جبکہ لوگ اجازت چاہتے تھے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے کہ آنیکی اجازت دیدو۔ یہ سب اصابہ میں مذکور ہے۔

ایک صالح ملقب بہ شقرانؓ مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ان کا تذکرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے ضمن میں گزر چکا ہے کہ قطیفہ یعنی حضور اکرمؐ کی مخملی چادر شریف کو قبر انور میں حضور اکرمؐ کے نیچے بچھادیا تھا اور نہ چاہا کہ حضور اکرمؐ

کے بعد کوئی دوسرا اُسے اوڑھے، یا بچھائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور ان کو عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف نے حضور اکرمؐ کو پیش کیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں ان کو حضور اکرمؐ نے خود خرید ا تھا اور حضور اکرمؐ نے ان کو بدر کے بعد آزاد کر دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ اپنے والد ماجد سے ام ایمن رضؓ کے ساتھ ان کے وارث ہوئے تھے۔ اسے امام بغوی نے ذکر کیا۔ اور ابو مشعر نے کہا کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور انہیں سہم نہ دیا گیا۔ اور اس وقت وہ غلام تھے لیکن وہ بدر کے قیدیوں پر محافظ تھے اور جو کوئی فدیہ دیتا اس میں سے کچھ انہیں مرحمت فرما دیتے تھے۔ اس طرح ان کو اتنا کچھ حاصل ہو گیا جتنا دوسروں کو سہم میں نہ ملا تھا۔ ان سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خیبر تشریف لے جاتے ہوئے دراز گوش پر سوار دیکھا ہے آپ اس پر اشارے سے نماز پڑھ رہے تھے۔

ایک رباح مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صحیحین میں حضرت عمر رضؓ کی حدیث سے (جو ازواج مطہرات سے حضور اکرمؐ کی کنارہ کشی کے قصہ میں ہے مروی ہے) ثابت ہو گیا ہے کہ حضرت عمر رضؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور اکرمؐ کے اس کاشانۂ اقدس میں حاضر ہوا جہاں حضور اکرمؐ تشریف فرما تھے میں نے کہا کہ اے رباح رضؓ میرے لئے حضور اکرمؐ سے اجازت لو۔ یہ حبشی غلام تھے اور یہ حضور اکرمؐ سے لوگوں کے حاضر ہونے کی اجازت لیا کرتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے ان کے لئے یسار رضؓ کے دفن ہونے کے بعد ان کے مکان کو مقرر کیا۔ کیونکہ یسار رضؓ کو عرنیین نے شہید کیا تھا جبکہ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اراضی پر مقرر تھے۔ اور یہ کبھی کبھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان بھی دیتے تھے۔

ایک یسار رضؓ مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ یَسَارُ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُتِلَ یَوْمَ نَعْرِ بَنَا وَھُوَ الرَّاعِیُ الَّذِیْ قَتَلَہُ الْعَرَنِیُّوْنَ الَّذِیْ اِسْتَاقُوْا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَتَلَھُمْ وَقَطَعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلَھُمْ وَسَمَلَ اَعْیُنَھُمْ وَاَلْقَاھُمْ فِی الْحُرَّۃِ ——— یہ چراگاہ میں شہید ہوئے اور ان کو عرنیوں نے شہید کیا ان کے احوال ۲ ھ کے واقعات میں گزر چکے ہیں ان بدبخت

عرنیوں نے ان کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے ان کی آنکھیں پھوڑ دیں اور انہیں تپتی ہوئی زمین میں عرصہ تک ڈالے رکھا۔ اور وہ حضور اکرمؐ کے اونٹوں کو ہنکال کر لے گئے اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی ویسا ہی کیا جیسا کہ انہوں نے خدام و موالی رسول اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

ایک ابو رافعؓ اسلم بھی موالی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشہور ہیں۔ ان کے حالات کا تذکرہ خدام بارگاہ کے ضمن میں سلمیٰؓ ام رافعؓ زوجہ ابو رافعؓ کے بیان میں گزر چکا ہے۔ ان کا نام اسلم، یا ثابت یا یزید یا ابراہیم یا ہرمز ہے اور بخاری نے اسلم کے ساتھ جزم کیا ہے مگر مشہور کنیت کے ساتھ ہیں۔

ایک مویہبہؓ مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ مزنیہ کے رہنے والے تھے ان کو حضور اکرمؐ نے خرید فرمایا پھر آزاد کر دیا۔ استیعاب میں اتنا ہی ہے اصابہ میں ہے کہ ابو مویہبہ کو ابو مویہبہ اور ابو مویہب کہا جاتا ہے یہ قول واقدی کا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے جو مزنیہ کے باشندے تھے۔ اور غزوۂ مریسیع میں حاضر ہوئے۔ اور ان لوگوں میں سے ہیں جو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو کھینچتے تھے۔ ان سے عبداللہ بن عمروؓ بن العاص نے روایت کیا ہے اور وہ ان کے ہم زمانہ تھے۔ امام احمد، و دارمی نے حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن العاص سے انہوں نے ابو مویہبہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل بقیع کے لئے استغفار کروں۔ تو حضور اکرمؐ وہاں تشریف لے گئے (الحدیث) اور جب صبح ہوئی تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ درد سر لاحق ہوا جس میں اللہ تعالےٰ نے حضور اکرمؐ کو اس جہان سے بلایا۔

ایک ابو البہیؓ ہیں اصابہ میں ان کا نام رافعؓ مولی النبی صلے اللہ علیہ وسلم اور کنیت ابو البہی بتایا ہے۔ اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میں ذکر ہے انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آدمیوں میں خدا کے نزدیک کون افضل

ہے فرمایا جس کا دل تپ زدہ، بیمار اور راست گو زبان ہو (الحدیث) آخر حدیث میں آیا ہے کہ میں نے کہا یہ اوصاف تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام رافع ہی میں پائے جاتے ہیں (رضی اللہ عنہ)۔ شیخ نے کہا کہ یہ اضافہ جو مذکور ہوا ابن ماجہ میں نہیں ہے بلکہ حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں اس حدیث کو بتمام و کمال بیان کیا ہے۔ بعض اس حدیث کو ابو رافع رضی سے مروی بتاتے ہیں اور بعض رافع بن خدیج سے۔ لیکن درست یہی ہے کہ رافع سے مروی ہے۔

ایک مدعم رضی بکسر میم و سکون دال و فتح عین، حبشی غلام ہیں۔ جن کو رفاعہ بن زید بن حذامی رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں پیش خدمت کیا۔ اس میں اختلاف کیا گیا ہے کہ آیا ان کو حضور اکرم ؐ نے آزاد کر دیا تھا یا انہوں نے اسی غلامی میں وفات پائی۔ اور ان کی یہ خبر مشہور ہے کہ خیبر میں انہوں نے چھوٹی سی چادر مالِ غنیمت میں سے بغیر اجازت کے لیلی تھی۔ خیبر میں ان کے تیر لگا تھا جس سے وہ فوت ہوئے۔ جیسا کہ اصابہ میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حبشی غلام مدعم رضی کے سوا تھا۔ مشکوٰۃ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی غلام پیش کیا جن کو مدعم رضی کہا جاتا ہے۔ اس اثنا میں کہ مدعم رضی حضور اکرم ؐ کا سامان اتار رہا تھا اچانک ایک تیر آکے لگا تیر چلانے والے کا پتہ نہ چل سکا۔ اس تیر نے ہی اسے ہلاک کر دیا اس پر لوگوں نے کہا کہ اس کے لئے جنت ہو کیونکہ اس نے حضور اکرم ؐ کی خدمت بجالاتے ہوئے جان دی ہے۔ اس پر حضور اکرم ؐ نے فرمایا ہر گز ایسا نہیں ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اس نے خیبر کے مالِ غنیمت میں سے تقسیم ہونے سے پہلے ہی ایک چادر لے لی تھی۔ یقیناً اس پر آگ کی لپٹیں شعلہ مار رہی ہیں۔ جب لوگوں نے یہ بات سُنی تو کسی نے جوتی کا ایک تسمہ کسی نے دو تسمے حضور اکرم ؐ کے سامنے لاکے رکھے حضور اکرم ؐ نے فرمایا یہ ایک آگ کا تسمہ ہے اور یہ دو تسمے آگ کے ہیں (متفق علیہ) رفاعہ رضی بن زید حذامی بضم جیم قبیلۂ حذام کی طرف نسبت ہے کتابوں سے یہ جو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے مدعم رضی کو بارگاہِ رسالت کی خدمت کے لئے بھیجا تھا جیسا کہ مذکور ہوا لیکن اس سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ اور استیعاب میں رفاعہ بن زید بن وہب حذامی کو صحابہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ اور کہا ہے کہ صلح حدیبیہ میں

وہ اپنی قوم کے ساتھ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام لائے۔ حضور اکرمؐ نے ان کے لئے ایک علم تیار فرمایا انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک حبشی غلام جس کا نام مدعمؓ تھا پیش کیا جو کہ مارا گیا (واللہ اعلم بالصواب)۔

ایک زیدؓ ہلال بن یسار کے دادا ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ زیدؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور استغفار کے بارے میں حدیث روایت کی گئی ہے۔ ہلال نے اپنے والد یسار بن زید سے روایت کی ہے۔ اصابہ میں ہے کہ زیدؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور زید بن بلال (با کے ساتھ) ان کے والد ہیں۔ ان سے ابوداؤد نے روایت کی ہے اور ترمذی نے ان کے بیٹے ہلال بن یسار بن زید سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ:۔ حَدَّثَنِیْ اَبِیْ عَنْ جَدِّیْ ابوموسیٰ سے مذکور ہے کہ زید کے والد کا نام بلال (با کیساتھ) ہے۔ اور ابن شاہین نے کہا ہے کہ زید قید خانہ میں محبوس تھے کہ حضور اکرمؐ نے غزوۂ بنی ثعلبہ میں پہنچکر انہیں آزادی بخشی۔ اور بعض اسماء الرجال کی کتابوں میں ہلال کی بجائے بلال (با کے ساتھ) ہے۔

ایک عبیدؓ بن عبدالغفار، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ان کو عبداللہ بن الغفار بھی کہتے ہیں۔ ان سے سلیمان تیمی نے روایت کی ہے۔ ان کے سوا کسی اور شخص کو ان سے اخذ روایت میں نہیں سُنا گیا۔ اصابہ میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک اور غلام، عبید ہیں بغیر نسبت کے بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ابن حبان فرماتے ہیں کہ ان کو صحبت حاصل ہے۔ اور ابن السکین نے ان کو صحابہ میں ذکر کر کے کہا کہ ان کی حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوئی ہے اور بلاذری نے کہا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام تھے جن کو عبیدہؓ کہتے ہیں۔ اور ان سے ۲ دو حدیثیں روایت کی ہیں (واللہ اعلم)

ایک سفینہؓ بروزن سکینہ ابوعبدالرحمٰن ہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سیدہ ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہما کے غلام ہیں۔ اور ان کو اس شرط پر آزادی دی تھی کہ وہ حضور اکرمؐ کی خدمت بجالایا کریں۔ سفینہؓ ان کا لقب ہے۔ ان کے نام میں اختلاف ہے مہران یا ملہمان یا رومان یا کیسان یا فروخ ہے

وہ اعراب کے باشندے تھے۔ بعض ابنائے فارس سے بتاتے ہیں۔

سفینہ ان کا لقب قرار پانے کا سبب یہ ہے کہ ایک سفر میں یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ مسلمانوں میں سے جو بھی کسی چیز کو اٹھانے سے مجبور ہو جاتا تھا وہ چیز ان کے حوالہ کر دی جاتی تھی اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کی چیزیں سنبھال رکھی تھیں۔ اس بنا پر حضور اکرمؐ نے ان کو سفینہؓ یعنی کشتی سے تشبیہ دی اور بعد میں یہی نام ان کا باقی رہا۔ جب ان سے لوگ ان کا نام پوچھتے تو وہ یہی کہتے کہ میرا نام سفینہؓ ہے۔ کیوں کہ حضور اکرمؐ نے میرا یہی نام رکھا اور میں پسند نہیں کرتا کہ اس کے سوا میرا کوئی اور نام ہو۔ اور یہی اس حدیث کے راوی ہیں کہ۔ اَلْخِلَافَۃُ بَعْدِیْ ثَلٰثُوْنَ سَنَۃً۔ میرے بعد خلافت راشدہ متواتر تیس۳۰ سال تک رہے گی؛ اور ان سے کہا گیا کہ بنو امیہ گمان کرتے ہیں کہ خلافت ان میں ہے انہوں نے فرمایا بنو الزرقا جھوٹ بولتے ہیں بلکہ وہ ملوک ہیں بلکہ شر الملوک ہیں۔ ایسا ہی اسد الغابہ میں ہے اور یہ بھی اسی کتاب میں ہے کہ محمد بن المنکدر نے ان سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں ایک مرتبہ کشتی میں سوار تھا کشتی ٹوٹ گئی اور میں اس کے ایک تختہ پر سوار ہو گیا اور اس تختہ نے مجھے کسی ساحل پہ لا ڈالا۔ جو لق و دق بیابان تھا میں نے راہ کو گم پایا۔ اتنے میں ایک شیر میرے سامنے آیا میں نے اس سے کہا اے ابوالحارث! میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام سفینہؓ ہوں۔ اس پر شیر نے اپنا سر جھکا دیا اور اپنے پہلو اور اپنے کندھوں سے مجھے اشارہ کیا کہ میں اس کے ساتھ چلوں یہاں تک کہ وہ میرے ساتھ چلنے لگا اور مجھے راستہ پر ڈال دیا اور ہمہمہ کیا میں نے سمجھا کہ وہ رخصت کی اجازت مجھ سے مانگتا ہے۔ اور ان سے ان کے فرزندان عبدالرحمٰن، محمد، زیاد وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

ایک مابور قبطی ہیں۔ یہ خواجہ سرا ہیں جو حضرت ماریہؓ قبطیہ ام ولد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عزیز ہیں انہیں مقوقس شاہ اسکندریہ نے سیدہ ماریہؓ کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک شخص نے ان کو سیدہ ماریہؓ کے ساتھ متہم کیا اس پر حضور اکرمؐ نے حضرت علیؓ مرتضیٰ کو حکم دیا کہ انہیں قتل کر دیں جب حضرت علی مرتضےٰؓ ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ وہ خصی ہیں حضرت علیؓ نے حقیقت حال

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کر دی۔ صاحب اصابہ نے کہا کہ ان سے مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور ابوبکر بن خثیمہ نے مصعب زبیری سے ان کا نام مابورؓ نقل کیا ہے اور ابن عبد الحکم نے فتوح مصر میں اپنی سند کے ساتھ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ماریہؓ قبطیہ ام ابراہیمؓ بن رسول اللہؐ کے پاس تشریف لائے تو حضور اکرمؐ نے ان کے پاس ان کے عزیز کو پایا جو ان کے ساتھ آئے تھے یہ اکثر حضرت ماریہؓ کے پاس آتے رہتے تھے۔ اس وقت حضور اکرمؐ کے دل میں کچھ کبیدگی محسوس ہوئی اور حضور اکرمؐ واپس چلے گئے۔ راستہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے حضور اکرمؐ کے روئے انور پر کچھ ملال کے آثار دیکھے عرض کیا یا رسول اللہؐ! وجہ ملال کیا ہے؟ حضور اکرمؐ نے ماجرا بیان فرمایا وہ تلوار لے کر حضرت ماریہؓ کے پاس آئے تو وہ عزیز ان کے پاس موجود تھے ارادہ کیا کہ تلوار ان کے اوپر اٹھائیں۔ اچانک اس پر نظر پڑی کہ اس نے اپنا ستر کھول دیا ہے اور وہ خصی اور مجبوب ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں آئے اور ان کی حالت کی خبر دی۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا ابھی ابھی جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے اور خبر دی کہ حق تعالیٰ نے حضرت ماریہؓ اور ان کے عزیز کو تہمت سے بری کر دیا ہے اور خبر دی کہ حضرت ماریہؓ کے بطن شریف میں ایک بچہ ہے جو تمام لوگوں میں مجھ سے زیادہ مشابہ ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس بچہ کا نام ابراہیم رکھوں۔ صاحب اصابہ نے کہا کہ وہ ماریہؓ کے ساتھ آئے اور انہیں کے ساتھ رہے اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا (انتہا)۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کو آزادی دی اور یہ حضور اکرمؐ کے آزاد شدہ غلاموں میں داخل ہوئے۔ مابورؓ کو میم کے بدلے با کے ساتھ اور ہیم کے ساتھ بھی کہا گیا ہے۔

ایک، واقدؓ یا ابو واقد ہیں ابن مندہ نے بیان کیا کہ واقد حضور اکرمؐ کے غلام ہیں اور کہا کہ ان سے زاذان نے روایت کیا ہے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے خدا کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے خدا کا ذکر کیا۔ اگرچہ نماز و روزہ اور تلاوت قرآن کم ہو۔ اور جس نے خدا کی نافرمانی کی اس نے خدا کا ذکر نہ کیا اگرچہ نماز روزہ اور اس کی تلاوت بہت ہو۔ استیعاب میں "واقد" بغیر لفظ کنیت کے لائے ہیں۔

ایک ہشام ہیں۔ استیعاب میں منقول ہے کہ ہشام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور ان سے ابو الزبیر نے روایت کیا ہے۔ ان سے منقول ہے کہ وہ حضور اکرمؐ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ! اس کی بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو رد کرتی نہیں، مطلب یہ کہ اپنے نفس کو اس شخص سے جو برائی کا ارادہ کرے روکتی نہیں ہے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا اسے طلاق دیدو۔ اس نے کہا وہ عورت مجھے پیاری لگتی ہے میں اس کی جدائی برداشت نہیں کرسکتا۔ تو فرمایا پھر اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ اسے ابن عبدالبر نے استیعاب میں روایت کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل یہی ہشام ہیں۔ کفایہ میں ہے کہ ابو الزبیر نے ہشام مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ایک شخص حضور اکرمؐ کے پاس آیا اس نے کہا یا رسول اللہؐ اس کی بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی۔ (آخر حدیث تک) دونوں روایتوں میں فَاسْتَمْتِعْ بِھَا۔ تو اس سے فائدہ اٹھاؤ" آیا ہے اس حدیث کو مشکوٰۃ میں لاتے ہیں جو بروایت ابن عباسؓ ابوداؤد سے مروی ہے۔ اور نسائیؒ نے اس طرح تخریج کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایک شخص حضور اکرمؐ کے پاس آیا اس نے کہا کہ اس کی بیوی ہے جو کسی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا طلاق دیدو اس نے کہا میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اسے روکے رکھ۔ اس روایت میں فَاسْتَمْتِعْ بِھَا نہیں ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ "اسے روکے رکھ" کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حفاظت کرو کہ وہ برائی نہ کرے۔ اور زنا میں نہ پڑے۔ صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ نسائیؒ نے کہا۔ اس حدیث کو بعض روات رفع کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔ اور یہ حدیث صحیح اور ثابت نہیں ہے۔ (واللہ اعلم) بعض شراح کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ وہ کسی سائل کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی اور میرے اموال میں سے جو وہ مانگتا ہے دیدیتی ہے اور منع نہیں کرتی۔ یہ مطلب ظاہر عبارت کے خلاف ہے۔ میں خدا کی توفیق سے کہتا ہوں کہ حضور اکرمؐ نے یہ کلام بطریق غضب فرمایا۔ اور حضور اکرمؐ کا مقصد اس مرد کے انکار پر زجر و توبیخ فرمانا تھا مطلب یہ کہ اس کی شنیع حالت کی شکایت بھی کرتا ہے اور اسے طلاق بھی نہیں دیتا۔ جب تو اسے چاہتا ہے اور اسے رکھنا چاہتا ہے تو تو جان۔ اور شناعت اور یہ مقصود حقیقت امر میں نہیں ہے بلکہ

اس پر سختی فرمانا ہے (فافہم واللہ اعلم)

ایک ابو ضمیرہؓ (بضم ضاد و فتح میم وسکون یاء) ہیں۔ ان کا نام سود ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام رَوح ہے۔ (راء کے زبر سے) اور سندر کے بیٹے ہیں۔ یا روح ابن شیر زاد ضمیری کے ہیں۔ روضتہ الاحباب میں ایسا ہی مذکور ہے اور اتنا ہی لکھا ہے استیعاب میں ہے کہ ابو ضمیرہ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے اس غنیمت میں آئے جسے حق تعالیٰ نے حضور اکرمؐ پر حلال فرمایا تھا بعض کہتے ہیں ابو ضمیرہ کا نام سعد حمیری ہے اور بخاری نے ان کو ذی یزن کی اولاد میں سے کہا ہے اسی طرح ابو حاتم نے بیان کر کے کہا کہ سعد ضمیری ہے بعض کہتے ہیں کہ ابو ضمیرہؓ کا نام رَوح بن سندر ہے اور بعض رَوح بن شیر زاد بتاتے ہیں انشاء اللہ اول زیادہ صحیح ہے۔ اور وہ حسین بن عبداللہ بن ضمیرہ بن ابی ضمیرہ کے دادہ ہیں۔ ان سے ان کے بیٹے نے حدیث لی ہے۔ ان کا اور ان کے بیٹے کا شمار اہلِ مدینہ میں ہے۔ وہ عربی النسل تھے حضور اکرمؐ نے ان کو آزادی بخشی اور ایک وصیت نامہ ان کے لئے لکھا۔ وہ وصیت نامہ ان کی والدہ کے پاس ہے۔ حسین بن عبداللہ بن ضمرہ، حضور اکرمؐ کے وصیت نامہ کو جو ابو ضمیرہؓ کے لئے لکھا تھا مہدی کے پاس لائے۔ مہدی نے اس مکتوب گرامی کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھا اور بہت سا مال دیا۔ بعض تین سو اشرفیاں بتاتے ہیں اصابہ میں بھی اسی کی مانند مذکور ہے۔ اور کہا کہ ابو ضمیرہؓ حمیری، ضمیرہ کے والد ہیں۔ اور کہا کہ ابن ابو ضمیرہ، ابو ضمیرہ حضرت علیؓ مرتضےٰ کے غلام کے سوا ہیں، مہدی کی حکایت کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ جب حسین بن عبداللہ ان دیناروں کو لیکر جو مہدی نے انعام میں دیئے تھے روانہ ہوئے تو راستہ میں چوروں نے ان پر حملہ کیا اور وہ مال ان سے چھین لیا۔ اس وقت انہوں نے حضور اکرمؐ کا گرامی نامہ چوروں کو دکھایا ان چوروں نے جب اسے پڑھا تو چھینا ہوا روپیہ واپس دیدیا اور کوئی تعرض نہ کیا۔

ایک حسینؓ ہیں یہ نام خدام بارگاہِ رسالت کے بیان میں مواہب لدنیہ سے گزر چکا ہے کیونکہ انہوں نے خادموں کے بیان میں لکھا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ایک ابوعسیب رضؓ ہیں ان کا نام احمر یا مرہ ہے۔ استیعاب میں کہا گیا ہے کہ ابوعسیب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں انہیں صحبت حاصل ہوئی اور دو روایتوں کی اسناد حضور اکرمؐ کی طرف کی ہے۔ ایک حدیث بخار میں اور دوسری طاعون میں ہے اور قاسم بن حمزہ نے کہا کہ میں نے ابوعسیب رضؓ خادم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ وہ سر اور داڑھی میں خضاب کرتے ہوں۔ کہتے ہیں کہ ابوعسیب کا نام احمر ہے۔ اصابہ میں ہے کہ ابوعسیب رضؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں جو کنیت کے ساتھ مشہور ہیں ان کا نام احمر ہے۔ اور ان سے ایک حدیث سجدے میں تجافی کرنے کے بارے میں روایت کی گئی ہے۔ ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد اور طحاوی نے بطریق حسن بصری روایت کیا ہے کہ "حَدَّثَنِیْ اَحْمَرُ مَوْلَا رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"

ایک ابوعبید رضؓ ہیں استیعاب میں ابوعبید کا ذکر خادموں کے بیان میں اس عبارت کے ساتھ ہے کہ ابوعبید رضؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ استیعاب و اصابہ میں بھی اسی عنوان کے ساتھ مذکور ہے۔ ان کا تذکرہ بھی پہلے گزر چکا ہے۔ روضۃ الاحباب میں ابوعبید رضؓ کو موالی میں بیان کیا گیا ہے۔ ان دونوں صفتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ منافات نہیں رکھتی ہیں۔ البتہ خادم عام تر مولیٰ سے ہے۔

ایک اسلم رضؓ بن عبید ہیں۔ روضۃ الاحباب میں اسی طرح ہے واضح رہنا چاہیئے کہ اسلم کا نام ابورافع رضؓ مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے اُن اختلافات کے باوجود جو ان کے نام کے بارے میں ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے اصح و مشہور تر یہی ہے کہ ان کا نام اسلم ہے۔ اور ابورافع رضؓ کا تذکرہ ان کی زوجہ سلمیٰ رضؓ ام رافع رضؓ کے بیان میں پہلے ہی گزر چکا ہے۔ اور اس نام کو روضۃ الاحباب میں اسلم بن رضؓ عبید کہا گیا ہے۔ یہ اسلم رضؓ ابورافع رضؓ کے سوا کوئی دوسرے ہوں گے۔ اصابہ میں اسلم نام کے کئی صحابہ کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ۔ اسلم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خادم ہیں۔ ابن مندہ سے منقول ہے انہوں نے بیان کیا کہ اسحٰق بن سلیمان نے سعد بن عبدالرحمٰن مدنی سے روایت کی ہے کہ ابو رافع رضؓ اور اسلم رضؓ حضور اکرمؐ کے دو خادم تھے۔ دیگر حضرات نے کہا ہے کہ یہ نام ابورافع رضؓ کا ہے جو حضور اکرمؐ کے غلام تھے۔ اور وہ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے اور کہا کہ لوگوں نے جزم کیا ہے کہ ان کا نام اسلم رضؓ ہے ان میں سے بخاری بھی ہیں۔ اور ابوراشد قبطی

کی کنیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ وہ حضور اکرمؐ کے غلام تھے اور ابو رافعؓ کے نام میں اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور کہا کہ زیادہ مشہور اسلم ہے۔ اور یہ کہ وہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے غلام تھے۔ جسے انہوں نے حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا۔ اور حضور اکرمؐ نے ان کو حضرت عباسؓ کے اسلام لانے کی خوشخبری پہنچانے پر آزادی بخشی تھی۔ پھر ایک اور ابو رافعؓ مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، ان قبطی کے سوا کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ابو رافعؓ ابی اجیحہ سعید بن العاص بن امیہ کا غلام تھا۔ اس کے آٹھ بیٹوں نے اپنا اپنا حصّہ چھوڑ کر اسے آزاد کر دیا۔ بجز خالدؓ بن سعید بن العاص کے۔ پھر حضور اکرمؐ نے اس کے حصّہ کو خرید ایہاں تک کہ اپنے حصہ کو معاف کر کے اسے آزادی بخشی۔ اس پر ابو رافعؓ اپنے آپ کو کہتے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ ابی اجیحہ کے اس قصہ کو ابن عبداللہ نے ابو رافعؓ کے مشہور قصہ میں بیان اختلاف کے طریقہ پر نقل کیا ہے کہ وہ یا تو حضرت عباسؓ کے غلام تھے یا سعیدؓ بن العاص کے غلام تھے۔ شیخ ابن حجر نے اصابہ میں ابن عبدالبر کی غلطی و خطا بتائی ہے کہ انہوں نے ان کو ابو رافعؓ قبطی کہا حالاں کہ یہ ابو رافعؓ ان کے سوا ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ابو رافعؓ دو ہیں اور اسلم بھی کئی ہیں لیکن بقول اصح ابو رافعؓ قبطی کا نام اسلم ہے۔ اور یہ معلوم نہ ہوا کہ دوسرے ابو رافعؓ کا نام بھی اسلمؓ ہے یا نہیں۔ نیز معلوم ہوا کہ رافعؓ بغیر لفظ کنیت کے بھی غلام ہیں۔ بظاہر یہ وہی ہیں جیسا کہ مذکور ہوا کہ ابو البہی رافع ہیں۔ لیکن اسلم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام بھی ........ ہیں جو سفروں میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے تھے۔ بہر تقدیر اسلم بن عبید کے بارے میں جو روضۃ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ معلوم نہ ہو سکا۔

ایک افلحؓ ہیں استیعاب میں ہے کہ افلحؓ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مولے ہیں اور حضور اکرمؐ کے موالی میں مذکور ہیں۔ اصابہ میں بھی ایسا ہی کہا گیا ہے۔ اور کہا کہ ابو عمر نے یہ کہا ہے کہ یوسف بن خالد نے سالم بن ...سے روایت کی ہے کہ حنفی ایک شخص کو کہتے سنا کہ میں نے افلح مولیٰ رسول اللہؐ سے سُنا ہے کہ وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ فرماتے تھے کہ میں اپنی امت سے اپنے بعد تین باتوں کا اندیشہ رکھتا ہوں۔ ضلالت ہوا اور اتباع شہوات سے۔ اور کہا

کہ میں تیسری بات بھول گیا (انتہی)۔ حکیم ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں اس تیسری بات کو روایت کیا ہے کہ فرمایا تیسری بات عجب ہے۔ اور ابن شاہین کی روایت میں ہے کہ تیسری بات معرفت کے بعد غفلت ہے۔

ایک انجشہ حبشی غلام ہیں۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خوش آواز خادم تھے۔ ان کے بارے میں حضور اکرمؐ نے فرمایا "یَا اَنْجَشَۃُ رِفْقًا بِالْقَوَارِیْرِ" ایک روایت میں ہے فرمایا "لَا تَکْسِرِ الْقَوَارِیْرَ" اور ایک روایت میں ہے "رُوَیْدَ سَوْقَکَ بِالْقَوَارِیْرِ" مطلب یہ کہ آہستہ اور نرمی سے اونٹوں کو چلایا کرو حدی کو آہستہ اور نرمی سے کہو اس بنا پر کہ شیشوں کی ساتھ نرمی برتی جاتی ہے تاکہ وہ نہ ٹوٹیں۔ اور شیشہ سے مراد عورتیں ہیں۔ اور ان کے نہ ٹوٹنے سے مراد آسودگی ہے۔ اس لئے کہ اونٹوں کو تیز چلانے سے انہیں تکلیف وصدمہ پہنچتا ہے۔ یا مراد رفعِ خواطر ہے جو غنا کے سننے سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا "اَلْغِنَاءُ رُقْیَۃُ الزِّنَا" "گانا زنا کا منتر ہے"۔ جیسا کہ مواہب میں مذکور ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ حضرت براءؓ بن عازب مردوں کے لئے حدی گاتے تھے اور انجشہ، عورتوں کے لئے گاتے تھے۔ استیعاب میں مروی ہے کہ یہ ایک حبشی غلام کا نام تھا جو ازواج مطہرات کے اونٹوں کو حجۃ الوداع کے سال میں کھینچتا تھا۔ اور حدی گاتا تھا، اور یہ بہترین حدی گاتا تھا۔ اونٹ بھی اس کی حدی کی حرکت پر تیز چلتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "رُوَیْدًا یَا اَنْجَشَۃُ بِالْقَوَارِیْرِ" اصابہ میں ہے کہ حدیثِ واثلہؓ بن اسقع میں واقع ہوا کہ انجشہؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخنثوں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مخنثوں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو۔ اس پر حضرت علی مرتضیٰؓ نے انجشہؓ کو باہر نکال دیا اور حضرت فاروق اعظم نے فلاں کو نکال دیا۔ (رضی اللہ عنہما)

ایک باذام بیاد ذال بلفظ میوہ مشہور ہے۔ استیعاب میں ان کا ذکر واقع نہیں ہوا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ باذام، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مولیٰ تھے۔ اور امام بغوی نے موالی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ابن عساکر نے ان کی تبعیت کی ہے۔

ایک حاتم ہیں۔ ان کا ذکر استیعاب میں نہیں پایا گیا، اصابہ میں کہا گیا ہے کہ حاتم

غیر منسوب دروغ ہیں۔ لیکن جھوٹوں نے ان کو جھوٹا بتایا ہے۔ چنانچہ ابواسحق سلمی اور ابوموسیٰ نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نضر بن سفیان بن احمد بن نضیر سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حاتم سے سنا ہے وہ کہتے تھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسّی دینار میں خریدا اور آزاد کیا۔ اس کے بعد میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں چالیس سال رہا۔ سلمی نے کہا کہ نضر نے کہا حاتمؓ کی عمر ایک سو پینسٹھ برس کی ہوئی ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ ان کو گمان ہوگا کہ حاتمؓ کی عمر دوسو برس تک ہوئی ہوگی۔ مگر یہ بعید ہے اور یہ حکایت ندرت سے خالی نہیں ہے۔ اور اس کا مضمون بھی ظاہر نہیں، ایسا ہی اصابہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

ایک بدرؓ (بلفظ ماہ تمام) ابوعبداللہ مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں نے اتنا ہی پایا ہے۔

ایک رویفعؓ ہیں استیعاب میں ہے کہ رویفعؓ حضور اکرمؐ کے غلام تھے اور میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں جانتا۔ اصابہ میں ہے کہ ردیفعؓ حضور اکرمؐ کے مولیٰ تھے ابواحمد عسکری نے حضور اکرمؐ کے موالی میں ان کا ذکر کرکے کہا کہ ردیفعؓ حضرت عمرو بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اس کے بعد ان کے عقب میں وہ آئے۔ ابن عساکر نے اسے بیان کیا ہے اور کہا کہ میں نہیں جانتا کسی نے ان کا تذکرہ کیا ہو۔ اور ابوعمرو نے کہا میں نہیں جانتا کہ ان کی کوئی روایت ہے۔

ایک زیدؓ بن ہلال ہیں۔ روضتہ الاحباب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زید بن ہلال ہلال بن یسار کے دادا زیدؓ کے سوا ہیں اور اسماء الرجال کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی جد ہلال بن یسار ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ زیدؓ بن ہلال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ان سے ابوداؤد اور ترمذی کے نزدیک ہلال بن زید کے پوتے سے ایک حدیث ہے اور انہوں نے کہا کہ "حدثنی ابی عن جدی" حضور اکرمؐ

نے ان کو ایک غزوے میں قید خانہ میں دیکھا تو حضور اکرمؐ نے ان کو حضرت زیدؓ بن حارثہ کو مانند آزادی بخشی۔

ایک سعیدؓ بن زید ہیں۔ حضرت سعید بن زید مشہور صحابی ہیں۔ جو حضرتِ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی بہن کے شوہر ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں (رضی اللہ عنہم) قریشی ہیں کبار میں سے سابقین بالاسلام ہیں۔ حضرت عمرؓ کا اسلام لانا انہیں کے گھر ہوا تھا۔ لہذا یہ سعیدؓ بن زید جو موالی میں سے ہیں کوئی دوسرے ہوں گے۔ اصابہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ ہے کہ سعیدؓ، حضور اکرمؐ کے غلام ہیں اور کہا گیا کہ ان کا نام مہران یا طہمان یا رومان یا احمر یا رباح یہاں تک کہ اکیس قول ان کے نام میں بیان کئے ہیں۔ اور کہا کہ ان کی اصل فارسی ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کو خرید کر اس شرط پر آزادی بخشی کہ وہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں رہیں۔ اور انہوں نے حضور اکرمؐ سے اور ام سلمہؓ سے اور حضرت علیؓ مرتضیٰ سے روایت بیان کی ہے۔ اور ان سے ان کے دونوں بیٹے عبدالرحمن، عمر، سالم بن عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ حماد بن سلمہ نے سعید سے روایت کی انہوں نے کہا کہ میں ایک سفر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو جن مسلمانوں کو اپنا بوجھ اٹھانا دشوار ہوتا وہ مجھ پر ڈال دیتے تھے۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی بہت سی چیزیں اٹھائیں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "مَاأَنْتَ اِلَّاسَفِیْنَةٌ" "نہیں ہو تم مگر کشتی" یہ حکایت سفینہؓ مولا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں ہے۔ ان کے نام میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے اور یہ سعید نام بھی یا تو انہیں کا ہے یا کسی اور کا۔ اور گمان ایسا ہوتا ہے کہ موالی کے ناموں کے بیان کرنے میں تکرار واقع ہو گئی ہے یا تو ان کے نفوس بھی کئی ہیں یا ہر نام کے لئے علیحدہ ذات خیال کر لیا ہے (واللہ اعلم بالصواب)

ایک سعید بن کندیہ ہیں ان کا تذکرہ میں نے نہیں پایا بجز اس کے کہ استیعاب میں سعید بغیر نسبت کے لائے ہیں۔ اور کہا کہ سعید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور ان سے ابوعثمان نہدی نے روایت کی ہے۔ اور لفظ کندیہ بھی مشخص نہیں ہوا بجز اس کے کہ قاموس میں ہے کہ کندیہ بالکسر فربہ گدھا ہے اور ا سے اس نام سے اس لئے پکارا جاتا ہے وہ فربہ، جسیم اور موٹا ہوتا ہے۔

ایک سلمان فارسی ہیں یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے موالی ہیں اور جلیل القدر

اصحاب میں سے عباد اللہ ہیں۔ اگر ان سے پوچھا جاتا تمہارے والد کون ہیں اور تمہارا نسب کیا ہے؟ تو فرماتے میرا نسب اسلام ہے اور میرا باپ اسلام ہے اور میں سلمان بن اسلام ہوں حضرت سلمانؓ فارسی النسل ہرمز کے رہنے والے تھے۔ بعض اصفہان کے بتاتے ہیں۔ اور یہ اس قوم سے تھے جو ابلق گھوڑوں کو پوجتے تھے۔ دین حق کی جستجو میں گھر سے نکلے اور مدت تک جہاں نوردی کی بالآخر جمالِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کیا۔ اور مسلمان ہو گئے۔ کئی دینوں میں داخل ہوئے اور متعدد جگہوں میں فروخت ہوتے رہے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کے ایک یہودی کے قبضہ میں آئے پھر حضور اکرمؐ نے خرید کر ان کو آزادی بخشی۔ ان کی عمر میں کئی قول ہیں ایک قول سے تین سو ساٹھ ۳۶۰ سال اور بقول اکثر دو سو پچاس ۲۵۰ ان کی عمر تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو انہوں نے پایا تھا (واللہ اعلم)

ان کا پہلا غزوہ خندق ہے اور خندق انہیں کی رائے و تدبیر اور مشورے سے بنائی گئی۔ جیسا کہ گزرا۔ غزوہ خندق میں خندق کھودنے کے دوران نزاع واقع ہوا مہاجرین کہتے کہ حضرت سلمانؓ ہمارے ساتھ ہوں اور انصار کہتے کہ ہمارے ساتھ ہوں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "سَلْمَانُ مِنَّا اَہْلَ الْبَیْتِ" سلمانؓ میرے اہل بیت میں سے ہیں۔ وہ قوی ہیکل، طویل القامت اور عظیم الجثہ شخص تھے۔ اور وہ مخدوموں، محبوبوں اور مقربان بارگاہ میں سے ہیں۔ یہاں تک کہ بغیر بلائے بارگاہ میں حاضر ہوتے تھے۔ امام سیوطی جمع الجوامع میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا السابق یعنی سبقت کرنے والے چار ہیں، میں سابق العرب ہوں اور سلمان سابق الفرس ہیں اور بلال سابق الحبشہ ہیں اور صہیب سابق الروم ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین۔)

یہ ان حضرات قدس میں سے ایک ہیں جن کے داخلہ کی جنت مشتاق ہے اور وہ حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمانؓ فارسی کو مداین پر والی مقرر فرمایا تھا جو نوشیرواں کا شہر اور اس کا تعمیر کردہ تھا۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور اپنے عطایا و وظائف کو تصدق کر دیتے تھے۔ اور فقر سے

محبت رکھتے تھے۔ وہ اہل صفہ میں سے تھے۔ اور ان کی صرف ایک عبا تھی اسی کو وہ پہنتے اور اسی کو اوڑھتے تھے۔ اور کسی دیوار یا درخت کے سایہ میں سوتے تھے نہ گھر تھا اور نہ رہنے کی کوئی جگہ تھی۔ ان کے ایک دوست نے چاہا کہ ان کے لئے ایک گھر بنائیں حضرت سلمان رضی نے فرمایا ایسا گھر بناؤ جو کھڑے ہوتے وقت سر کو نہ لگے اور چوڑائی اتنی ہو کر پاؤں پھیلا کر سو سکیں۔ اور ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں حضرت عثمان رض کی خلافت کے آخر زمانہ میں وفات پائی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عہد خلافت فاروقی میں وفات ہوئی۔ اور اول زیادہ صحیح و اکثر ہے۔ ان سے حضرت ابوہریرہ رض حضرت انس رض بن مالک اور ابوعثمان نہدی نے روایت لی۔) یہ بڑے خوش طبع تھے جیسے کہ عجمی لوگ ہوتے ہیں۔ کبھی حضرت ابوہریرہ سے مزاح و خوش طبعی فرماتے تھے۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس سے منع فرمایا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تائید و تقویت فرمائی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت سلمان رض اور حضرت سعد بن ابی وقاص رض کے درمیان اس پر گفتگو ہوئی کہ کسی شخص نے حضرت سعد رض سے کہا آپ اپنا نسب بیان کیجئے اسی طرح ہر ایک نے اپنا اپنا نسب بیان کیا یہاں تک کہ جب حضرت سلمان رض کے بیان کرنے کی باری آئی تو فرمایا اپنے لئے اسلام میں کوئی باپ نہیں رکھتا۔ میرا باپ اسلام ہے اور میں اسلام کا بیٹا مسلمان ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ خوب جانتے تھے کہ خطاب لوگوں میں بہت عزت دار تھا۔ اور میں اسلام کا بیٹا عمر ہوں۔ اور سلمان رض بن اسلام کا بھائی ہوں۔ منقول ہے کہ حضرت سلمان رض حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے۔ حضرت عمر رض نے لوگوں سے فرمایا چلو ہم ان کا استقبال کریں اور تمام مسلمان باہر نکل کر ان سے پہلے ملاقات کریں۔ حضرت سلمان رض سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں میں شہر ہرمز میں تھا اور میں مکتب میں پڑھنے کے بعد آتا جاتا تھا۔ راستہ میں ایک راہب تھا میں جب اس کے پاس بیٹھتا تو وہ آسمانوں اور زمین کی خبریں دیتا تھا یہاں تک کہ میں مکتب سے بے پرواہ ہو گیا اور اس راہب کی صحبت کو لازم کر لیا۔ مکتب کے استادوں نے میرے گھر کے لوگوں کو بتایا کہ فلاں راہب نے تمہارے لڑکے کو تباہ کر دیا ہے۔ تو ان لوگوں نے اپنے شہر سے اس راہب

کو نکال دیا اس کے بعد میں بھی چھپ کر گھر سے نکلا اور اس راہب کے پاس پہنچ گیا۔ قصہ طویل ہے خلاصہ یہ کہ ہم بیت المقدس پہنچے تو ایک لاچار سائل نے اس سے کوئی سوال کیا اور میں نہیں جان سکا کہ اس نے کیا کہا اس کے بعد آپ نے اس سے کہا تو کھڑا ہونا چاہتا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ تو راہب نے دعا کی اور وہ اسی وقت کھڑا ہو گیا اور تندرست ہو گیا۔ راہب چلا گیا ...... میں نے چاہا کہ میں اس کا پیچھا کر کے اس سے مل جاؤں مگر میں اس کو نہ پا سکا اور راستہ گم کر دیا۔ میں بھٹک گیا۔ اس کے بعد مجھے انصاریوں کے سوار ملے میں نے ان سے راہب کے بارے میں دریافت کیا کہ کیا فلاں شکل وصورت کا کوئی آدمی تم نے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا یہ بھاگا ہوا غلام ہے اسے پکڑ لو۔ تو انہوں نے مجھے اپنا ردیف بنا لیا اور اپنی سواری کے پیچھے مجھے بٹھا لیا اور مدینہ طیبہ لے آئے۔ اس کے بعد مجھے ایک باغ میں چھوڑ دیا کہ میں یہاں کام کروں۔ تو میں پانی سینچتا تھا اور اپنی روزی کماتا تھا۔ بلاشبہ مجھے راہب نے اس جگہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہر ہونے کی خبر دی تھی اور آپ کی نبوت کی نشانیاں اور علامتیں بتائی تھیں۔ اور وصیت کی تھی کہ جب تم انہیں پاؤ تو ان کی تصدیق کر کے ایمان لے آنا۔ تو میں نے وہ نشانیاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں پائیں اور ان پر ایمان لے آیا"۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے قصہ میں طالبانِ حق اور سالکانِ طریقت کے لئے عبرت ونصیحت ہے کہ جب تک سب سے جدا ہو کر کسی کی صحبت اختیار نہ کرے مقصود کو وہ نہیں پاتا۔

روزان وشبان اگر دمردان می گرد مردی گردے جو گرد مردے گردی

جو بھی طلب گار حق ہوا ہے وہ در بدر پھرا ہے۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ جس کے دل میں یہ نعمت رکھی گئی ہے تو یا تو اسے راہبر سے ملا دیا جاتا ہے یا راہبر کو اس کے پاس لے آیا جاتا ہے۔ اور جس کے مقدر میں یہ نعمت نہیں ہوتی ہے وہ درماندہ ہو جاتا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْحِرْمَانِ وَالْخِذْلَانِ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ان دونوں نعمتوں کی قسمت والے موجود ہیں۔ کچھ تو وہ ہیں جن کے پاس حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود تشریف لائے اور کچھ وہ ہیں جن کو حق تعالےٰ نے اس درِ اقدس تک پہنچنے کی سعادت نصیب فرمائی اور دونوں قسم کی جماعتوں نے اس ذات اقدس سے اکتساب فیض کیا۔

رضی اللہ عن اصحاب رسول اللہ اجمعین والتابعین لھم :- باحسان وتبع التابعین اجمعین ھٰذا طریق الحق ومحی علوم الدین وصلے اللہ علے سیدنا محمد سید الکل واستاد الوجود والھادی الی طریق الحق والیقین وسلم۔

ایک سندرؓ ہیں (بفتح سین وسکون نون) استیعاب میں منقول ہے کہ سندر، زنباعؓ خرامی (بکسر را، وسکون نون) کے غلام تھے۔ اور سندرؓ کو صحبت ملی ہے۔ اور ان کی حدیث بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ ہے۔ کہ ایک روز یہ سندر، زنباعؓ کی لونڈی سے ملوث ہو گئے اس پر زنباع نے اسے خصی کر کے مثلہ کر دیا۔ پھر وہ حضور اکرمؐ کی بارگاہِ عالی میں آئے دادخواہی کی حضور اکرمؐ نے کسی کو زنباعؓ کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ جس کو مثلہ کیا جائے یا اسے آگ سے جلایا جائے اس کا عذاب اس کے ذمہ ہے۔ اس کے بعد زنباعؓ آئے اور عرض کیا یارسول اللہ! یہ آپ کا غلام ہے اسے آزاد فرما کے مجھ سے اسے راضی کرا دیجئے۔ حضور اکرمؐ نے سندرؓ سے فرمایا میں ہر مسلمان کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ تیرے ساتھ بھلائی کرے۔

جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم وصال بحق ہوئے تو سندرؓ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے پاس آئے اور عرض کیا میرے بارے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وصیت کا لحاظ فرمائیے، حضرت فاروق اعظمؓ نے اس سے فرمایا اگر تمہاری خواہش ہو تو تم ہمارے پاس رہو میں تمہارا وظیفہ مقرر کردوں گا ورنہ جہاں تم رہنا پسند کرو میں تمہارے لئے ہدایت لکھدوں سندرؓ نے مصر میں رہنا پسند کیا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے حاکم مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے لحاظ کی تاکید فرمائی، جب سندر قطع مسافت کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس آئے تو انہوں نے ایک کشادہ زمین کا قطعہ ان کے نام کر دیا۔ سندرؓ اس زمین سے کھاتے اور وہیں رہتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو اسے بیت المال میں منتقل کر دیا گیا۔ ابن غفیر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ زنباعؓ بڑے متمول اور صاحبِ دولت اور ان پڑھ تھے۔ عبدالملک بن مروان کے زمانہ تک زندہ رہے۔ اصابہ میں ہے کہ زنباعؓ سلامہ کے بیٹے تھے۔ اس کے بعد استیعاب کی مانند قصہ بیان کیا۔

ایک شمعون رضؓ تھے۔ استیعاب میں شمعون زید بن خشافہ قرظی یعنی بنی قریظہ کے تھے اور ابو ریحانہ وانصار کے حلیف تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ریحانہ کے والد تھے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حرم تھیں۔ انہیں کی نسبت سے ان کی کنیت تھی صحبت و سماع پائی ہے۔ اور ان سے روایت بھی لی گئی ہے۔ اور یہ فضلاء زہاد میں سے تھے۔ شام میں سکونت رکھتے تھے۔ اور شامیوں نے ان سے روایت کی ہے "کاشف" میں کہا گیا ہے کہ وہ متورع تھے اور غزوات کے قصے بیان کرتے تھے۔ تہذیب میں ہے کہ بعض نے شمعون (غین کے ساتھ) بھی کہا ہے۔ اور اصابہ میں شمعون کو (عین کے ساتھ اور غین کے ساتھ) دونوں طرح سے بولا گیا ہے۔ ابو ریحانہ رضؓ ان کی مشہور کنیت ہے۔ بعض نے ان کو ازدی، بعض نے انصاری کہا اور بعض قرشی بھی کہتے ہیں، ابن عساکر نے کہا کہ اول زیادہ صحیح ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ تمام انصار ازدی ہیں۔ اور ممکن ہے کہ یہ بعض قریش کے حلیف میں داخل ہوں۔ اس طرح تمام اقوال میں تطبیق و جمع ہو جاتی ہے، شام میں سکونت رکھی اور ان کی حدیث مصریوں میں ہے۔ ابوالحسن رازی نے اپنے با اعتماد شیوخ سے نقل کیا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جو دمشق میں اس مکان میں آکے رہے جس میں ان کا خاندان آباد تھا۔ ان کو صحبت حاصل ہے اور پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ بیت المقدس میں انہوں نے سکونت اختیار کی اور وہیں ان سے روایتیں لی گئیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور میں نے قرآن کریم کی تلاوت، شاق و دشوار ہونے کی شکایت کی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا جس کی تم طاقت نہیں رکھتے اس کا بوجھ اٹھانے پر تم کو مکلف نہیں کیا گیا اور سجدہ ریزی کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ تو ابو ریحانہ رضؓ بکثرت سجدے کیا کرتے تھے۔ منقول ہے کہ ابو ریحانہ رضؓ کشتی میں سوار تھے ان کے ساتھ قرآن کریم تھا اور ایک سوئی تھی سوئی دریا میں گر پڑی انہوں نے فرمایا خدا کی قسم، اے خدا میری سوئی مجھے واپس کر دے۔ تو دریا سے سوئی نمودار ہو گئی اور آپ نے اسے لے لیا۔ اصابہ میں اور بھی ان کے حالات بیان کئے ہیں۔ ان کی کنیت ابو ریحانہ رضؓ بتائی ہے لیکن یہ بیان نہ کیا کہ وہ ریحانہ حرم رسول اللہؐ کے والد تھے پھر کیوں کر ممکن ہے کہ ابو ریحانہ رضؓ انصاری، یا ازدی یا قرشی ہوں۔ البتہ اس قول پر ممکن ہے کہ شمعون ابو ریحانہ رضؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کے غلام ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کنیزوں کے ذکر میں گزر چکا ہے کہ ریحانہ' زید بن عمرو کی بیٹی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ریحانہ بنت شمعون بنی نضیر یا بنی قریظہ کے اسیروں میں سے تھیں۔ اور بہ طریق ملک یمین ان کو شرف ہمبستری سے نوازا، بعض کہتے ہیں کہ آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہی ریحانہ رضؓ، قیدیوں میں سے تھیں یا ان کے باپ بھی تھے جب شمعون کو قرطبی بیان کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے ہونگے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک ضمیرہ رضؓ ہیں ضمیرہ بصیغۂ تصغیر، ابو ضمیرہ کے فرزند ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ ضمیرہ بن ابی ضمیرہ رضؓ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ابو ضمیرہ رضؓ اور ان کے بیٹے ضمیرہ رضؓ کو حضور اکرمؐ کی صحبت حاصل ہے۔ وہ حسین بن عبد الملک بن ضمیرہ کے دادا ہیں۔ ان کو اہل مدینہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور ابن ابی وہب نے حسین بن عبد الملک بن ضمیرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ضمیرہ رضؓ کی والدہ کے پاس سے گزرے تو وہ رو رہی تھیں۔ حضور اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ کس چیز نے تم کو رلایا کیا تم بھوکی ہو یا ننگی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرا بیٹا مجھ سے جدا کر دیا گیا ہے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی نہ کی جائے۔ اس کے بعد کسی کو اس کے پاس بھیجا جس کے پاس ضمیرہ رضؓ تھے اور ان کو ایک اونٹ کے بدلے خرید لیا۔

منقول ہے کہ ضمیرہ رضؓ بن ابی ضمیرہ رضؓ کے لئے ایک گرامی نامہ تحریر فرما کر عطا فرمایا کیونکہ وہ اہل عرب میں سے تھے اور اس مال غنیمت میں سے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر حلال فرمایا۔ پھر ضمیرہ رضؓ نے عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ میں اپنے لوگوں سے ملاقات کروں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ مگر انہوں نے خدا اور رسول، خدا کو اختیار کیا۔ لہٰذا کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔ مگر یہ کہ سب خیر و برکت سے پیش آئیں۔ البتہ مسلمان جب ان سے ملاقات کریں تو چاہیئے کہ ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے۔ اسے ابی ابن کعب رضؓ اور عبد بن اسلم نے اصابہ میں بیان کیا ہے۔

ایک عبد اللہ رضؓ بن اسلم ہاشمی مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ان کو بغوی نے ذکر کیا ہے۔ ان کے سوائے صحابہ میں بیان کیا ہے۔ اور امام احمد اور ان کے سوائے بطریق ابن لہیعہ، بکر بن سوادہ نے عبد اللہ رضؓ بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ وہ حضور اکرم صلے اللہ

علیہ وسلم کے غلام تھے اور حضور اکرمؐ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ:۔ اَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي تم میری شکل و اخلاق میں مشابہ ہو۔

ایک غیلان ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ غیلان، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اسے ابن السکن نے بیان کیا ہے اور کہا کہ ان سے ایک حدیث مروی ہے۔ جسے اہل رقہ نے روایت کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ دجال اس حال میں خروج کرے گا کہ وہ لوگوں کو اپنے حق و عدل کی دعوت دیگا۔ تو کوئی کافر اس کی پیروی کئے بغیر باقی نہ رہے گا اور لوگ اسے پہچان نہ سکیں گے۔ اس کے بعد یکایک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان نمودار ہوگا کہ وہ کافر ہے جسے ہر مومن پڑھے گا۔ اس کے ظاہر ہونے کے بعد مسلمان اس سے جدا ہو جائیں گے اور کافر اس کی پیروی کریں گے۔

ایک فضالہؓ ہیں۔ جو یمن کے رہنے والے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ جعفر مستغفری سے منقول ہے کہ وہ شام آکے رہے ہیں۔ ابو بکر بن محمد بن حزم نے ان کا تذکرہ حضور اکرمؐ کے موالی میں کیا ہے۔ محمد بن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ وہ شام میں آکے رہے اور وہیں ان کی اولاد ہے۔ ان کے حالات میں سے صرف اتنا ہی معلوم ہے۔

ایک نفیرؓ ہیں، نفیر بصیغۂ تصغیر دو اشخاص مذکور ہیں ایک استیعاب میں نفیر بن المغلس بن نفر الحضرمی ہیں اور نفر بن مالک بن عامر الحضرمی کہا جاتا ہے۔ وہ جبیر بن نفیر کے والد ہیں۔ اور ابو جبیر ان کی کنیت ہے۔ اہل شام میں ان کا شمار کیا گیا ہے۔ ان کے بیٹے جبیرؓ بن نفیر نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ جن میں سے کچھ تو وضو کی صفت میں ہیں اور کچھ دجال کی نشانیوں میں۔ اور دوسرے نفیر (اصابہ میں) نفیر بن مخنب شامی و یمانی ہیں کہا جاتا ہے کہ انہیں صحبت حاصل ہے۔ تو دو نفر ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے کون سے نفر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک کریبؓ بصیغۂ تصغیر ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ کریب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور عبدان مروزی نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ شیخ نے کہا کہ یہ خطا اور کتابت کی ہے۔ وہ حرب، ابو سلمہؓ راعی ہیں۔

ایک محمد بن عبد الرحمن ہیں۔ ایک محمد اور بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کا نام ناہیہ تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے نام کو بدل کر محمد رکھا۔ استیعاب اور اصابہ میں محمد

نام کے بہت سے بیان کئے گئے ہیں۔ جو منسوب ہیں۔ اور ایک محمد غیر منسوب بھی بیان کرتے ہیں۔ ان کو کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اسے حاکم نے تاریخ نیشاپور میں ان لوگوں کے درمیان جو خراسان سے وہاں آئے بیان کیا ہے۔ اور ان کے فرزندوں سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ میرے باپ کا نام ناہیہ تھا۔ وہ مجوسی تھے۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر سنی تو وہ تجارت کی غرض سے گھر سے نکلے اور مدینہ طیبہ پہنچے۔ پھر وہ مسلمان ہو گئے حضور اکرمؐ نے ان کا نام محمد رکھا۔ پھر وہ مسلمان ہو کر اپنے شہر میں لوٹے۔ انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام کہا جاتا ہے۔ ان کا گھر مرو میں تھا۔ اسے ابو موسیٰ نے حاکم کی سند سے نقل کیا ہے۔
دوسرے محمد بن عبدالرحمٰن ہیں کہا جاتا ہے کہ محمد بن عبدالرحمٰن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اور ان کو سبطین، عبدان مروزی اور ماوردی نے صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ مروی ہے کہ محمدؓ بن عبدالرحمٰن مولیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنی عورت کا ستر کھول لے اس پر مہر واجب ہو جاتا ہے یعنی دخول کے ساتھ ہی مہر واجب ہو جاتا ہے۔ مولیٰ کے کہنے کی وجہ ظاہر نہ ہوئی۔ ممکن ہے کہ چونکہ وہ مجوسی تھے قید میں آ گئے ہوں اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی بخشی ہے (واللہ اعلم)

ایک مکحول ہیں۔ یہ نام ان کتابوں میں نہیں پایا گیا مگر وہ مکحول جو شامی مشہور ہیں وہ تابعین میں سے ہیں۔

ایک نافع ابوالسائبؓ ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ نافعؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ تکبر کرنے والا، بہت زیادہ زنا کرنے والا اور اپنے اعمال پر لوگوں پر احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہ ہو گا۔ اسے خالد بن امیہ نے ان سے روایت کیا ہے۔ لیکن ابوالسائب جسے روضۃ الاحباب میں نافع کے ساتھ بیان کیا ہے پایا نہیں گیا۔ البتہ ابوالسائب کنیت کے نافع کے سوا بہت سے صحابہ کرام ہیں۔ ابوالسائب، غیلانؓ کے غلام تھے۔ اور وہ غیلانؓ کے اسلام لانے سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے اس کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کو آزاد کر دیا۔ پھر غیلانؓ اسلام لائے تو حضور اکرمؐ نے ان کو انہیں واپس کر دیا۔ ممکن ہے کہ انہیں اسی

بنا پر حضور اکرمؐ کا مولیٰ کہا گیا ہو کہ حضور اکرمؐ نے ان کو آزاد فرمایا تھا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ کنیت نافع کی ہے۔ حالانکہ روضتہ الاحباب کی عبارت سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

ایک منیہ ہیں۔ منیہ بنون موحدہ بر صیغۂ تصغیر و بعض بر وزن عظیم کہتے ہیں۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں کہا ہے کہ میں ان کو اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ بعضوں نے ان کا تذکرہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے موالی کیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ان کو خرید کر آزاد کیا تھا۔ اصابہ میں صاحب الجوہر سے منقول ہے کہ وہ "سراۃ" کے رہنے والے تھے۔

ایک نہیکؓ ہیں نہیک بنون و بار بر وزن شریک ہے۔ اصابہ میں ہے کہ نہیکؓ بن الاسود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مروی ہے کہ جب زمانۂ علالت میں سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہوئی اور حضرت صدیق اکبرؓ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو افاقہ پر حضور اکرمؐ نے چاہا کہ مسجد شریف میں تشریف لے جائیں۔ اس وقت ایک حبشی غلام نے (جو ہمارے پاس تھا) حضورؐ کو سہارا دیا۔ اصابہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حبشی غلام سے مراد یہی نہیکؓ بن الاسود ہیں۔ (واللہ اعلم)

ایک نفیعؓ (بنون و فا بصیغۂ تصغیر) ابوبکرہ (بفتح با و سکون کاف و در آخر تا) ہیں ان کا نام نفیعؓ بن الحارث بن کلدہ ثقفی ہیں۔ اور بعض نے نفیع بن مسروح اور بعض نے مسروح بن کلدہ ان کا نام بتایا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حارث بن کلدہ ثقفی کے غلام تھے۔ اور انہوں نے ان کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ ابوبکرہؓ کی ماں شمہ حارث کی باندی تھی۔ اور وہ زیاد بن ابوسفیان کی ماں تھی۔ اس نے زمانۂ جاہلیت میں اس سے زنا کیا تھا اور ان پر ان کی کنیت غالب آگئی تھی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت رکھی تھی۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے سامان کو کنویں کے ڈول میں رکھ کر طائف کے روز اتارا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضور اکرمؐ طائف کے قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے تو یہ نفیعؓ اسلام لائے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دیدار مبارک کے شوق میں خود کو ڈول میں ڈال کر نیچے اترے تھے۔ اس بنا پر حضور اکرمؐ نے ان کی کنیت

ابو بکرہ رکھی تھی۔ (بکرہ کے معنی ڈول کے ہیں) چنانچہ وہ اسی کنیت سے مشہور ہو گئے۔ منقول ہے کہ جب حضور اکرمؐ نے قلعۂ طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دے جو کوئی غلام قلعہ سے اتر کے ہماری طرف آئے گا اسے آزادی بخشی جائیگی اس وقت دس غلام اتر کے آئے ان میں سے ایک یہ نفیعؓ بھی تھے۔ مغلطائی کے نزدیک اس روز تیئیس غلام اتر کے آئے تھے اور حضور اکرمؐ نے ہر آنے والے کو آزاد کر کے صحابہ کرام کو ایک ایک کر کے سپرد فرما دیا تھا کہ وہ ان کی نگہداشت وخیال رکھیں یہ بات طائف والوں پر بہت دشوار معلوم ہوئی۔ جب طائف کے کچھ لوگ حاضر بارگاہ ہوئے اور اسلام قبول کیا تو انہوں نے حضور اکرمؐ سے اپنے غلاموں کو طلب کیا کہ وہ انہیں لوٹا دیئے جائیں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا وہ سب اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔ یہ حکایت پہلے غزوۂ طائف میں گزر چکی ہے۔ یہ قول اس کی تائید کرتا ہے کہ ابو بکرہؓ، حارث کے غلام تھے۔ اگر نہ بھی ہوں تو وہ خود اپنے آپ کو حضور اکرمؐ کا آزاد کردہ غلام کہتے تھے۔ اور مسلمانوں سے کہتے ہیں تمہارا دینی بھائی ہوں اور حضور اکرمؐ کا غلام۔ اگر اس بات کا انکار کرو تو میں نفیعؓ بن مسروح ہوں۔ یہ نفیع رضی اللہ عنہ فضلائے صحابہ اور اخیار صحابہ میں سے تھے۔ وہ بصرے میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بصرے میں ان کی اولاد، اکابر و اشراف ہوئی، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ، فرماتے ہیں کہ بصرے میں حضرت عمران بن حصین اور ابی بکرہ رضی اللہ عنہما سے زیادہ افضل صحابی سکونت پذیر نہ ہوا۔ اور انہوں نے روز جمل گوشہ نشینی اختیار کی اور کسی جانب میلان کا اظہار نہ کیا اور نہ کسی فریق کے ساتھ قتال کیا۔ حضرت ابو بکرہؓ کے ۴۹ھ یا ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں بصرے میں وفات پائی اور وصیت کی کہ حضرت ابو بردہؓ اسلمی نماز جنازہ پڑھائیں۔

ایک ہرمزؓ ابو کیسان ہیں اصابہ میں ہے کہ کیسان حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے موالی میں سے ہیں۔ اور ان کو ہرمز بھی کہا گیا ہے۔ استیعاب میں ہے کہ کیسانؓ حضور اکرمؐ کے موالی میں سے ہیں۔ اور ان کا نام ہرمز کہا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابو کیسانؓ ہے ان کے نام میں اختلاف کیا گیا ہے۔ یا تو کیسان ہے یا مہران یا طہمان یا ذکوان ہے، یہ سب اقوال اس حدیث میں ہیں جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر تحریم صدقہ کے بارے میں ہے۔

ایک وردانؓ ہیں (بہ فتح واؤ وسکون رار) اصابہ میں ہے کہ وردانؓ رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کے موالی ہیں۔ ابونعیم نے صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ اور حضرت عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام کھجور کی ٹہنی سے گر کر فوت ہوئے۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی اولاد کو تلاش کرو اور اس کا ترکہ اسے دیدو۔ تو ایک شخص کو پایا اور اسے اس کی میراث دیدی۔

ایک یسارؓ ہیں۔ یسار کا تذکرہ پہلے رباحؓ کے حالات میں بیان ہو چکا ہے۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے چرواہے تھے۔ جن کو عرینوں نے شہید کیا تھا۔ اور حضور اکرمؐ نے یسارؓ کے قصاص میں ان بدبختوں کو واصل جہنم کیا تھا۔ اور ریاحؓ کو ان کی جگہ مقرر فرمایا تھا اس جگہ جو یسارؓ مذکور ہوا ہے یا تو مکرر واقع ہوا ہے یا یہ کوئی دوسرے یسارؓ ہیں۔ یسار نام کے بہت سے لوگ بیان کئے گئے ہیں۔ گمان ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض حضور اکرمؐ کے موالی بھی ہوں گے۔ ایک یسارؓ حبشی غلام ہیں جو حضور اکرمؐ کے چرواہے تھے جب حضور اکرمؐ نے بنی ثعلبہ کے غطفان کی جماعت پر تاخت فرمائی تھی تو اس راہ میں ایک غلام ملا تھا جس کا نام یسارؓ تھا۔ دوسرے یسار ان لوگوں میں، ہیں جو طائف کے قلعہ میں سے اتر کے آئے تھے اور وہ مسلمان ہو گئے تھے۔ اور حضور اکرمؐ نے ان سب کو آزاد کر دیا تھا۔ لیکن اس جگہ جو یسارؓ مذکور ہے اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے غلام تھے۔ اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ طائف میں جتنے غلام اتر کے آئے تھے حضورؐ نے ان کو ایک ایک صحابی کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ ان کی نگہداشت کریں۔ ان یسارؓ کو حضرت عثمانؓ کے سپرد کر دیا ہوگا۔ بالآخر سب کو آزادی بخشی اور فرمایا "ہُمْ عُتَقَاءُ اللّٰہِ" یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔ تو اگر ان یسار کو حضرت عثمانؓ کا غلام کہا گیا تب بھی درست ہے اور اگر حضور اکرمؐ کا غلام کہیں تب بھی جائز ہوگا۔ اور ابو بکرہؓ بھی خود کو حضور اکرم کا غلام جانتے تھے ان سب کو اگر حضور اکرمؐ کا موالی کہیں تو بھی ممکن ہے (واللہ اعلم)

ایک ابو اثیلہؓ ہیں (بصیغۂ تصغیر و بے تصغیر دونوں ہیں) ابن جوزی نے تلقیح میں ذکر کیا ہے۔ اور ان کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں'۔ اس جگہ ابو اثیلہؓ دوسرے ہیں۔ ان کا نام راشد ہے۔ منقول ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام ظالم تھا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَنْتَ رَاشِدٌ" تم راشد ہو،

راشد نام کے دو شخص ہیں ایک راشد بن حفص بن عمرو بن عبدالرحمٰن بن عوف، دوسرے راشد بن عبدربہ السلمی۔ اصابہ میں ہے کہ راشد بن عبدربہ کا نام غوث تھا حضور اکرمؐ نے ان کا نام راشد کردیا۔ ان دونوں کی کنیت ابواثیلہ ہے۔ وہ ابواثیلہ جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا غلام کہتے ہیں ان کا نام مذکور نہیں ہے' یہ تمام باتیں اصابہ میں بیان کی گئی ہیں۔ اصابہ میں یہ نام اور یہ کنیت کچھ مذکور نہیں ہے۔

ایک ابوالبشیرؓ ہیں۔ استیعاب اور اصابہ میں ایک ابوالبشیر صحابہ میں سے انصاری بیان کئے گئے ہیں۔ جن سے طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کی حدیث مروی ہے' انہوں نے طویل عمر پائی تھی۔ کہتے ہیں کہ ایک کے سوا دوسرے ابوالبشیر صحابہ میں نہیں ہیں۔ لیکن کسی نے ان کا غلام ہونا بیان نہیں کیا ہے۔ (واللہ اعلم)

ایک ابوصفیہؓ ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ ابوصفیہ، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں اور کہا کہ بخاری نے ان کو مہاجرین میں شمار کیا ہے۔ یونس بن عبیدہ اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ میں نے ابوصفیہؓ کو دیکھا ہے جو مہاجرین میں سے تھے اور کھجوروں کی گٹھلیوں پر تسبیح پڑھتے تھے۔ اسے بغوی نے روایت کیا۔ دوسری سند میں ابی ابن کعبؓ نے ابوصفیہ مولی النبی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ ان کے آگے کنکریاں رکھی جاتیں تو وہ شام سے آدھی رات تک اور ظہر سے شام تک اس سے تسبیح کرتے تھے۔ استیعاب میں بھی مروی ہے کہ ابوصفیہؓ مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے اور گٹھلیوں پر تسبیح کرتے تھے۔

ایک ابوقبیلہ ہیں۔ ابوقبیلہ کا تذکرہ پایا نہیں گیا البتہ ابوقبیلہ کا نام مرشد ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ صحابی ہیں یا تابعی۔ بہر تقدیر مولا اور صحابی ہونا ثابت نہیں (واللہ اعلم)

ایک ابولبابہؓ ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ ابولبابہ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اسے محمد بن حبیب نے اپنی کتاب محرز نامی میں بیان کیا ہے، اور بلاذری نے بیان کیا ہے کہ وہ بنو قریظہ سے ہیں۔ اور وہ مکاتب تھے۔ جب وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز رہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو خرید کر آزادی بخشی۔ انہوں نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اسے محمد بن حبیب نے اپنی

کتاب محرز نامی میں بیان کیا ہے۔ اور بلاذری نے بیان کیا ہے کہ وہ بنو قریظہ سے ہیں۔ اور وہ مکاتب تھے۔ جب وہ بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز رہے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خرید کر آزادی بخشی۔ انہوں نے روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی یہ پڑھے کہ : اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ ط تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اگرچہ وہ کافروں کے مقابلہ سے بھاگا ہو۔ ابولبابہؓ یسار بن زید بن المنذر کے والد ہیں۔ شیخ کہتے ہیں کہ مشہور یہ ہے کہ یہ حدیث زید بن ہلال نے روایت کی ہے۔ جو حضور اکرمؐ کے غلام تھے جیسا کہ مذکور ہوا (انتہیٰ) یہ ابولبابہؓ ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کے سوا ہیں جن کا نام رفاعہؓ ہے اور جنھوں نے اپنے آپ کو مسجد شریف کے ستون سے باندھ لیا تھا جیسا کہ اپنی جگہ میں مذکور ہو چکا ہے۔

ایک ابولقیطؓ ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ ابوالقیطؓ، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حبشی یا کوفی غلام ہیں اور یہ زمانہ خلافت فاروقی تک حیات رہے۔ صاحب استیعاب نے فرمایا کہ بعض اہل سیر نے ان کو موالی میں بیان کیا ہے مگر میں ان کو نہیں پہچانتا۔ اور شیخ فرماتے ہیں کہ محمد بن حبیب نے کتاب "محرز" میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا کہ جعفر مستغفری نے کہا کہ وہ عہد خلافت فاروقی میں دیوان (دفتر) اٹھاتے تھے۔

ایک ابوالیسرؓ (بیاء تحتانیہ وسین مہملہ دونوں زبر سے) ہیں۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ استیعاب، جامع الاصول، اصابہ اور کتب احادیث میں ان کا تذکرہ ہے۔ لیکن اس نام کے کسی ایسے شخص کو جو مولی النبی صلے اللہ علیہ وسلم سے موسوم ہو، نہیں جانا گیا۔ استیعاب میں ان کے آباء واجداد کا نسب بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ وہ انصاری اور سلمی ہیں اور عقبہ کے بعد بدر میں شریک ہوئے اس بنا پر وہ عقبی اور بدری ہوئے۔ انہوں نے ہی بدر میں حضرت عباسؓ کو اسیر کیا تھا۔ باوجودیکہ وہ پستہ قامت، کوتاہ گردن اور بڑے پیٹ والے تھے اور حضرت عباسؓ بہت زیادہ دراز قامت تھے۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا :- لَقَدْ اَعَانَکَ عَلَیْہِ مَلَکٌ کَرِیْمٌ - بلاشبہ ان کی اسیری پر عزت والے فرشتہ نے تمہاری مدد کی۔ اور انہوں نے ہی بدر کے دن مشرکوں کے ہاتھوں سے علم چھینا تھا۔ اور وہ علم ابوعزیز بن عمر کے ہاتھ میں تھا جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی حمایت میں حاضر ہوئے اور مدینہ طیبہ میں رہتے تھے۔ ۵۵ھ

میں وفات پائی۔ یہ الفاظ استیعاب کے ہیں۔ اصابہ میں اسی طرح بیان کر کے ان کا نام ان کی کنیت اور ان کا نسب بیان کیا ہے۔ اور کہا کہ ابوالیسر رضی (بفتحتین) انصاری ہیں ان کا نام کعب بن عمر رضی ہے، اور اپنی کنیت کے نام سے مشہور ہیں۔ عقبہ کے بعد بدر میں حاضر ہوئے اور دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ بخاری نے کہا کہ یہ صحابی ہیں۔ اور بدر میں حاضر ہوئے کوتاہ گردن اور بزرگ شکم کے تھے۔ مدینہ طیبہ میں ۵۵ھ میں وفات پائی۔ اور بدریوں میں سے فوت ہونے والے یہ آخری صحابی تھے۔ ان سے عبادہ بن ولید بن عبادہ رضی بن الصامت نے روایت بیان کی۔ ان کی حدیث طویل ہے جسے مسلم نے بیان کی ہے۔ یہ عبارت اصابہ کی ہے۔ اور جامع الاصول میں کنیت کے ذکر میں کہا ہے کہ ابوالیسر رضی (بہ فتح یا رفتح سین مع رار کے ساتھ) کعب بن عمر و انصاری، مشہور صحابی ہیں۔ اور اسماء کے ذکر میں کہا ہے کہ ابوالیسر کعب بن عمرو انصاری سلمی، عقبہ اور بدر میں حاضر ہونے والے ہیں اور وہی ہیں جنہوں نے حضرت عباس رضی بن عبدالمطلب کو اسیر کیا تھا۔ مدینہ طیبہ میں ۵۵ھ میں وفات پائی۔ ان کے سوا کوئی اور ابوالیسر مذکور نہیں ہے خدا ہی جانتا ہے کہ سیرت لکھنے والوں نے ان کا مولیٰ ہونا کہاں سے نقل کیا ہے۔

ایک ذکوان رضی ہیں۔ یہ بھی حضور اکرم ؐ کے موالی میں سے ہیں۔ استیعاب اور اصابہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور کہا کہ ان کی حدیث عطاء بن السائب یہ ہے کہ:۔ اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَا تَحِلُّ لِیْ وَلَا لِاَھْلِ بَیْتِیْ وَاِنَّ مَوَالِیَ الْقَوْمِ مِنْ اَنْفُسِھِمْ۔ بیشک صدقہ کا مال نہ میرے لئے حلال ہے اور نہ میری اہل بیت کے لئے۔ اور قوم کے غلام ان کے ساتھ ہیں، بعض نے طہمان کہا ہے اور بعض نے شک کیا ہے (واللہ اعلم)

اب رہا باندیوں کا تذکرہ، تو ان کے نام یہ ہے۔ ایک ام رافع رضی زوجہ ابورافع رضی مولائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، حضور اکرم ؐ کی خادمہ ہیں۔ کہتے ہیں کہ وہ حضور اکرم ؐ کی پھپھی صفیہ رضی بنت عبدالمطلب کی باندی تھیں۔ مگر ان کو مولاۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں ان کا تذکرہ خدام بارگاہ کے ضمن میں گزر چکا ہے روضۃ الاحباب میں سلمیٰ رضی وام رافع رضی واقع ہوا ہے۔ گویا کہ سلمیٰ مولاۃ صفیہ رضی بنت عبدالمطلب کو سلمیٰ ام رافع رضی سے جدا شمار کیا ہے۔ اور شیخ نے اصابہ میں فرمایا ہے کہ میں نے مجموعہ ادبیہ میں ابویعقوب جرمی کا لکھا ہوا ایک خط دیکھا ہے انہوں نے لکھا کہ یہ وہ عورت ہے جس نے حضرت حمزہ رضی سے کہا جبکہ وہ شکار سے واپس آئے

تھے کہ تم دیکھتے نہیں کہ ابو جہل ملعون تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیسی زیادتی کرتا ہے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غصہ میں آئے اور ابو جہل کے پاس پہنچکر اس کے سر پر کمان ماری یہاں تک کہ اس ملعون کا سر پھاڑ ڈالا۔ اور اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے۔

یہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا، صفیہ رضی اللہ عنہا بنت عبد المطلب کی باندی تھیں۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغول رہتی تھیں۔ دوسری سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جو کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ کی والدہ ہیں۔ ان کا تذکرہ "سراری" میں گزر چکا ہے۔ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا قبطیہ کی بہن شیریں ہیں ان دونوں کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بھیجا تھا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیریں کو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا ان سے عبد الرحمٰن بن حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت پیدا ہوئے تیسری باندی رضوی ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ رضوی، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کنیزک ہیں۔ اور ابو موسیٰ نے بیان کیا کہ مستغفری نے ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے حالات میں سے کچھ تذکرہ نہیں کیا۔ چوتھی باندی امیمہ رضی اللہ عنہا ہیں اصابہ میں ہے کہ ابو عمر نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا رہی تھی اور آپ کے دست مبارک پر پانی ڈال رہی تھی۔ اچانک ایک شخص داخل ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے گھر جانا چاہتا ہوں مجھے کوئی نصیحت فرمایئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ (الحدیث)

پانچویں دریحہ رضی اللہ عنہا (بروزن تصغیر) ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کنیزک ہیں۔ ابن سعد نے اسے بیان کیا ہے۔ چھٹی سائبہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اصابہ میں ہے کہ سائبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزک ہیں، انہوں نے لقطہ کی حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اور ان سے طارق بن عبد الرحمٰن نے اپنی تاریخ نائی میں روایت کیا ہے اسی طرح ابو موسیٰ کی کتاب ذیل میں ہے۔ ساتویں ام ضمیرہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی باندی اور ابو ضمیرہ رضی اللہ عنہ کی زوجہ اور ضمیرہ رضی اللہ عنہ ان کا بیٹا ہے اور ابو ضمیرہ کا تذکرہ موالی میں گزر چکا ہے۔

# باب ششم

## در ذکر محافظین بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حراست کے لغوی معنی حفاظت و نگہبانی کرنے کے ہیں۔ حارس کے معنی پاسبان و پہریدار اور حراس اس کی جمع ہے۔ اور احتراس کے معنی اپنی آپ نگہبانی کرنے یا کسی کو اپنی نگہبانی کے لئے مقرر کرنے کے ہیں جس طرح کہ بعض صحابہ کرتے تھے۔ ان کی نگہبانی اس معنی میں نہیں ہے کہ اپنی نگہبانی کے لئے ان کو مقرر کیا تھا۔ بلکہ صحابہ کرام کے کچھ حضرات از خود اس کام میں مشغول ہوتے اور اس سعادت سے مشرف ہوتے تھے۔ محدثین نے ایسے محافظین صحابہ کو ضبط کیا ہے ممکن ہے کہ ان میں کچھ حضرات اس سعادت پر ہمیشہ قایم رہے ہوں۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم باتباع سنتِ الٰہی عزوجل، ایسے اسباب کی رعایت ملحوظ رکھتے تھے۔ جب آیۂ کریمہ:۔ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو آپ نے اسے ترک فرما دیا۔ ان پہریداروں میں سے ایک۔

حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جو اشہل اوسی ہیں اور اکابر داجلۂ اصحاب میں سے ہیں۔ اور مدینہ طیبہ میں عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ کے درمیان حضرت مصعب رض بن عمیر (جن ہیں قبل از ہجرت تعلیمِ اصحابِ مدینہ کے لئے بھیجا گیا تھا) کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ اور انصار میں سے انہیں کا گھرانا سب سے پہلے اسلام لایا۔ یہ اپنی قوم میں مخدوم و پیشوا اور بزرگ تھے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں "سید الانصار" کا لقب مرحمت فرمایا تھا۔ اور وہ بدر و احد میں حاضر ہوئے اور روز احد وہ حضور اکرم ؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ غزوۂ خندق میں اُن کے رگِ اکحل میں تیر لگا۔ اور ایک ماہ کے بعد اسی زخم سے ان کی وفات ہوئی۔ حضور اکرم ؐ نے فرمایا۔ ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے

آئے۔ اور جبریل علیہ السلام نے آکے عرض کیا" یارسول اللہ! اپنے اصحاب کو خوشخبری پہنچا دیجئے کہ ان کے استقبال کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ اور عرش الٰہی ان کی وفات پر جنبش میں آگیا ہے۔ ان تمام حالات کی تفصیل غزوۂ خندق اور غزوۂ بنی قریظہ میں گزر چکی ہے۔ ان کی نگہبانی، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے روز بدر تھی حضور اکرمؐ کے لئے ایک عریش بنایا گیا تھا حضور اکرمؐ نے اس عریش میں خواب استراحت فرمایا تھا حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس عریش کی نگہبانی کر رہے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی روز بدر عریش میں تیغ برہنہ کشیدہ، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے پہرہ دے رہے تھے تاکہ کوئی مشرک حضور اکرمؐ کے قریب نہ آسکے۔ اسے ابن السماک نے کتاب "الموافقت" میں بیان کیا ہے کذا فی المواہب) حراست و نگہبانی کے معنیٰ اس جگہ بیان کرنا زیادہ بہتر واحق ہے تعجب ہے کہ روضتہ الاحباب میں بیان نہیں کیا گیا۔

ایک محمدؓ بن مسلمہ انصاری مدنی اشہلی ہیں۔ تبوک کے سوا بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے غزوات کے موقع پر حضور اکرمؐ ان کو مدینہ طیبہ میں چھوڑ گئے تھے۔ اور وہ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ اصحاب میں سب سے پہلے انہیں کا نام محمدؓ رکھا گیا۔ ان کا رنگ گہرا گندمی تھا اور طویل القامت و جسیم تھے۔ تحقیق یہ ہے کہ وہ سیاہ رنگ اور تومند تھے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے فتنہ سے بچنے کے لئے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ جمل و صفین میں شریک نہ ہوئے۔ اصابہ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس شخص کو پہچانتا ہوں جسے فتنہ ضرر نہ پہنچائے گا اور محمدؓ بن مسلمہ کو یاد کیا اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے اس بات کے سننے کی صراحت کی ہے اسے بغوی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی بروایت ابو داؤد منقول ہے محمد بن مسلمہؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا۔ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار دے کر فرمایا اس تلوار سے مشرکوں کے ساتھ قتال کرو جب تک کہ قتال کیا جائے۔ اور جب امت کا یہ حال ہو کہ وہ ایک دوسرے کی گردن زدنی کریں تو اس تلوار کو پتھر پر مار کر توڑ دینا اور اپنے گھر میں بیٹھ جانا۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جو حضرات فتنہ کے زمانہ میں گھروں میں بیٹھے رہے ان میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ، عبداللہؓ بن عمرؓ،

محمد بن مسلمہؓ اور اسامہ بن زیدؓ تھے۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ کے دس بیٹے اور چھ لڑکیاں اسلام لائیں یہ حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ پر اول وقت میں قبل از ہجرت اسلام لائے۔ اور ان کی تمام اولاد اسلام لائی۔ ان سے مشکوٰۃ میں بروایت نسائیؒ حدیث مروی ہے کہ فرمایا جب رسول اللہ علیہ وسلم نفلی نماز کے لئے قیام فرماتے تو پڑھتے :۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

ان کی رحلت ۴۳ھ یا ۴۷ھ میں ستتر سال کی عمر میں ہوئی۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ کی نگہبانی حضور اکرمؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے روز احد تھی (کذا فی المواہب)

ایک ذکوانؓ بن عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کو مواہب میں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ روضۃ الاحباب میں مروی ہے کہ محمدؓ بن مسلمہ اور ذکوانؓ بن عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے روز احد، پہریدار تھے۔ لیکن غزوۂ احد کے قضیہ میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ روز احد، حضور اکرمؐ کے پاس چودہ اصحاب باقی رہ گئے تھے۔ سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے۔ ان دونوں مردوں کے اشخاص کو بیان کرنے کے بعد آخر میں کہا کہ اہل سیر بتاتے ہیں کہ محمدؓ بن مسلمہ بھی انہیں میں سے ایک تھے۔ اور ان میں ذکوانؓ بن عبد اللہ بن قیس کا تذکرہ بالکل کیا ہی نہیں۔ اور استیعاب واصابہ میں بھی ذکوانؓ بن قیس کہا ہے اور ذکوانؓ بن عبد اللہ بن قیس نہیں کہا ہے۔ اور وہ غزوۂ احد کے شہداء میں سے ہیں۔ اصابہ میں منقول ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم احد کے لئے باہر تشریف لائے تو فرمایا جو شخص پسند کرتا ہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کے پاؤں کل کو جنت کے سبزہ زاروں کو روندیں گے وہ اس شخص کو دیکھ لے۔ الفاظ مبارک یہ ہیں :۔ مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ یَطَاءُ قَدَمُہٗ غَدًا خُضْرَۃَ الْجَنَّۃِ فَیَنْظُرْ اِلٰی ھٰذَا۔ ——— الحدیث بطولہ" اور استیعاب میں کہا گیا ہے کہ حضرت ذکوان رضی اللہ عنہ، عقبۂ اولی اور ثانیہ میں حاضر ہوئے اس کے بعد مدینہ طیبہ سے چل کر رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور، مکہ میں حاضر ہوئے اور وہیں حضور اکرمؐ کے ساتھ رہے۔ اسی بنا پر ان کو مہاجری اور انصاری کہتے ہیں بدر میں حاضر ہوئے اور غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ ان دونوں کتابوں میں حضور اکرمؐ کے لئے پہرہ داری کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ مگر یہ ممکن ہے کہ ذکوانؓ بن عبد اللہ بن قیس جو کہ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پہریدار تھے دوسرے شخص ہوں لیکن ان کا تذکرہ کہیں پایا نہیں گیا (واللہ اعلم)

ایک حضرت زبیر رضی بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب اسدی قرشی ہیں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف قصی میں مل جاتا ہے۔ صفیہ رضی بنت عبد المطلب، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھپھی ہیں یہ حضرت زبیر رضی کی والدہ تھیں اور ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی بنت خویلد ان کی پھپھی ہیں۔ اور اسماء رضی بنت ابوبکر صدیق رضی ان کی زوجہ ہیں، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی کے ہاتھ پر ۱۶ سولہ سال کی عمر میں اسلام لائے تھے۔ بعض پچیس ۲۵ سال بتاتے ہیں۔ اصابہ میں بارہ ۱۲ سال اور آٹھ سال بھی منقول ہے۔ اسلام لانے کے بعد ان کے چچا نے ان پر بہت سختیاں کیں ان کو چٹائی میں لپیٹ کر دھواں پہنچاتے تھے تاکہ یہ اسلام کو چھوڑ دیں۔ مگر انہوں نے دامن اسلام نہ چھوڑا اور حبشہ ہجرت کر کے چلے گئے بدر اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ روز احد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ اور غزوۂ خندق میں وہ حضور اکرم کی نگہبانی کرتے تھے جیسا کہ گزر چکا ہے اور وہ ان دس اشخاص میں سے ایک ہیں جن کے لئے حضور اکرم نے جنت کی بشارت دی ہے اور وہ اُن چھ ۶ اشخاص میں سے ایک ہیں جن کی رائے پر امرِ خلافت کا مشورہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سپرد کیا تھا کہ ان میں سے کسی ایک پر اتفاق کر کے خلیفہ چن لیں۔ وہ طویل القامت، دبلے اور گندمی رنگ کے تھے۔ ان کے بال اتنے طویل تھے کہ جب سوار ہوتے تو ان کے بال زمین میں لٹک جاتے تھے۔ ان کے ایک ہزار غلام تھے جو خراج دیتے تھے اور وہ اس میں سے کچھ گھر نہ لاتے تھے سب کو صدقہ کر دیتے تھے۔ لوگوں نے ان سے حضور اکرم کی حدیثیں کم روایت کرنے کا سبب پوچھا تو فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے میری قرابت اور میرا قرب جو تھا وہ میں جانتا ہوں۔ لیکن میں نے حضور اکرم کو فرماتے سنا ہے کہ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ فَلْيَتَبَوَّأْ مُقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا تو اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے، تو میں اس خوف سے روایت نہیں کرتا کہ مبادا میں کذب میں پڑ جاؤں باوجودیکہ مجھے پہلے سے اس کا علم تھا۔ اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہِ خدا میں تلوار اٹھائی۔ اسی طرح حضرت سعد رضی بن ابی وقاص وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہِ خدا میں تیر اندازی کی، حضرت زبیر رضی کے مناقب و

فضائل بہت ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے کچھ حواری یعنی مددگار ہوتے ہیں اور میرے حواری میری امت میں سے زبیر ہیں۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا:۔ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیٌّ وَاَنْتُمَا حَوَارِیَّ ہر نبی کے لئے حواری ہیں اور تم دونوں میرے حواری ہو؛ حواری محب ومخلص شخص کو کہتے ہیں۔ جس طرح کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حواری تھے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا اے ابو عبد اللہؓ! یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو تمہیں سلام کہتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن تمہارے ساتھ ہوں گا تاکہ تم سے جہنم کے شعلوں کو دور کروں۔ یہ عدمِ دخول جہنم کی طرف اشارہ ہے۔ بوجہ دلیل دخول جنت کی بشارت کے۔ جنگِ جمل میں ۳۶ھ میں چونسٹھ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ اور وہ وادئ سباع میں دفن کئے گئے اس کے بعد بصرے منتقل کئے گئے۔ حضرت زبیرؓ کی شہادت کا قصہ جیسا کہ اہلِ سیر بیان کرتے ہیں یہ ہے کہ جب واقعۂ جمل پیش آیا تو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے آواز دی کہ میرے پاس زبیرؓ بن العوام آئیں' حضرت زبیرؓ بن العوام آئے تو حضرت علیؓ مرتضیٰ نے ان سے فرمایا "اے زبیرؓ! میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میں اور تم دونوں سقیفہ بنی فلاں میں باہم نبرد آزمائی کر رہے تھے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس گزر ہوا اور آپ نے فرمایا اے زبیرؓ تم علی مرتضیٰؓ سے محبت رکھتے ہو اس پر تم نے کہا تھا کہ کوئی وجہ ایسی نہیں کہ میں علیؓ سے محبت نہ رکھوں جبکہ وہ میرے ماموں اور میرے پھپھی کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں۔ پھر حضور اکرمؐ نے علی مرتضیٰؓ سے فرمایا تم زبیرؓ سے محبت رکھتے ہو تو میں نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! میں کیوں نہ ان سے محبت رکھوں جبکہ وہ میری پھپھی کے بیٹے اور میرے دین پر ہیں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ وَاللّٰہُ لَتُقَاتِلُہٗ وَاَنْتَ ظَالِمٌ خدا کی قسم تم دونوں جنگ کرو گے درانحالیکہ تمہاری جنگ بیجا ہوگی۔ اس پر حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ ٹھیک ہے خدا کی قسم حضور اکرمؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔ لیکن میں اسے بھول گیا تھا۔ اس وقت میں نے حضور اکرمؐ کو ایسا ہی فرماتے سنا تھا اب مجھے یاد آگیا۔ خدا کی قسم میں تم سے جنگ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد حضرت زبیرؓ معرکہ سے لوٹ گئے۔ اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہؓ بن زبیر نے ان سے کہا کیا ہوا کیوں واپس ہو رہے ہیں فرمایا حضرت علی مرتضیٰؓ نے مجھے وہ

حدیث یاد دلائی ہے جسے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے لہٰذا میں ان سے جنگ نہیں کروں گا۔ حضرت عبداللہ رضؓ نے کہا آپ تو ان سے جنگ کے لئے نہیں آئے بلکہ لوگوں کی اصلاح کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس معاملہ میں اصلاح فرمائے۔ حضرت زبیر رضؓ نے فرمایا خدا کی قسم، میں نے ان سے قسم کھالی ہے کہ میں ان سے جنگ نہیں کروں گا۔ یہ بات لوگوں میں پھیل گئی۔ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لوٹ گئے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ جب جنگ جمل میں حضرت زبیر رضؓ واپس ہو گئے اور یہ خبر حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کو پہنچی تو فرمایا اگر ابن صفیہ رضؓ جانتے کہ وہ حق پر ہیں تو ہرگز پشت نہ دیتے۔ اس کے بعد حضرت زبیر رضؓ ایک موضع میں پہنچے اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کے لشکر میں کا ایک شخص جرموز نامی ان کے پاس پہنچا اور عین نماز کی حالت میں اس نے ان کا سر مبارک کاٹ لیا۔ پھر وہ حضرت علی رضؓ مرتضیٰ کے پاس آیا اور باریابی کی اجازت مانگی حضرت علی رضؓ مرتضیٰ نے اسے آنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرمایا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قاتل جہنمی ہے ایک روایت میں ہے کہ اس جرموز نے آکر کہا کہ آپ کو حضرت زبیر رضؓ کے قتل کی خوشخبری ہو۔ حضرت علی رضؓ مرتضیٰ نے بھی جواب میں فرمایا تجھے بھی دخول جہنم کی خوشخبری ہو۔ اور فرمایا تو ابن صفیہ رضؓ کے قتل کرنے پر اتراتا ہے حالانکہ تو نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر رضؓ ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اس جرموز نے حضرت زبیر رضؓ کو شہید کر دیا تو وہ علی رضؓ مرتضیٰ کے پاس آیا اس کے پاس حضرت زبیر رضؓ کی تلوار تھی۔ جب حضرت علی مرتضیٰ کی نظر اس تلوار پر پڑی تو فرمایا۔ آگاہ ہو جاؤ خدا کی قسم! اس تلوار کے مالک نے اس تلوار سے بہت سی سختیاں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے سے دور کی ہیں — ایک روایت میں آیا ہے کہ اس تلوار نے بہت سی سختیاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے سے دفع کی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ جرموز کا بیٹا حضرت علی ابن طالب کرم اللہ وجہہ کے پاس آیا اس نے اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس طرح اہل بلا کے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے۔ اس پر حضرت علی رضؓ مرتضیٰ نے فرمایا تیرے منہ میں خاک ہو بلاشبہ میں امید رکھتا ہوں کہ میں اور حضرت طلحہ رضؓ اور حضرت زبیر رضؓ ان لوگوں میں ہوں گے جنکے

بارے میں حق تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:- وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَرَضِیَ اللّٰهُ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ اَجْمَعِیْنَ۔

ایک حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سعد بن مالک ہیں - ابی وقاص مالک کی کنیت ہے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص عشرۂ مبشرہ میں سے ایک ہیں - اوران دس میں یہ آخری وفات پانے والے ہیں - اور مجلس شوریٰ کے چھ ارکان میں سے ایک ہیں - انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں - اور ان سے اکابر صحابہ کی جماعت کثیرہ نے روایت کی ہے مثلاً حضرت عائشہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، جابرؓ بن سمرہؓ کبار تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب، ابو عثمان نہدی، علقمہ، احنف ان کے سوا کثرت حضرات نے اور ان کی اولاد نے، ابراہیم و عامر و مصعب اور محمد رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت کی ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے راہ خدا میں تیر اندازی کی اور اُن لوگوں کے امیر و سردار ہیں، جنہوں نے عراق کو فتح کیا - اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کی جانب سے کوفہ کے حاکم مقرر ہوئے - اور کوفہ کی بنا ر تعمیر رکھی - کوفہ بلادِ اسلامیہ میں سے ہے جس کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کے عہد میں رکھی گئی - اس کے بعد ان کو معزول کر کے حضرت عثمانؓ کو حاکم مقرر کیا - حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور تھے - ان کے لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی تھی کہ:- اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاكَ - اے خدا سعدؓ کی دعا قبول فرما جب وہ تجھ سے دعا مانگیں صحیح بخاری میں واقع ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے سات دن تک توقف کیا درانحالیکہ میں اسلام میں تیسرا شخص تھا - اور میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کے ہاتھ پر اسلام لایا - ان کی عمر اس وقت سترہ سال یا انیس سال کی تھی - وہ تمام غزوات میں شریک ہوئے - اور ان کے ہاتھ پر مداین اور ممالک عجم مفتوح ہوئے - اکاسرہ یعنی شاہان فارس کی بنیادیں انہوں نے منہدم کیں — ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ، سے روایت کی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم ؐ نے فرمایا یہ میرے

ماموں ہیں۔ کون ہے جو میرے ماموں کو میرے پاس لائے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کو ماموں فرمانا اس اعتبار سے ہے کہ وہ عبد مناف کی اولاد میں سے زہرہ کے فرزند ہیں اور سیدہ آمنہ والدۂ ماجدہ سیّدہ عالم صلے اللہ علیہ وسلم بھی عبد مناف کی اولاد سے ہیں۔ اور زہرہ کی اولاد، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بھائی ہیں۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں صحابۂ کرام مشرکوں سے چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے ایک بار حضرت سعدؓ مکہ مکرمہ کی ایک گھاٹی میں صحابہ کی جماعت میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اس پر مشرکوں نے نفرت کا اظہار کیا اور مسلمانوں پر طعن وتشنیع کرنے لگے یہاں تک کہ مار پیٹ کی نوبت آگئی اور مشرکوں نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی حضرت سعدؓ کے ماری اور ان کا سر پھاڑ دیا۔ اور یہ پہلی خون ریزی ہے جو اسلام میں بہائی گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نگہبانی کے سلسلہ میں مروی ہے کہ ایک رات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بیدار تھے اور نیند نہیں آرہی تھی فرمایا کاش کوئی مردِ صالح میرے اصحاب میں سے میری پاسبانی کرے۔ اچانک ہتھیاروں کی آواز سنی، فرمایا یہ کون شخص ہے؟ حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں سعدؓ ہوں، پھر وہ پاسبانی کے لئے استادہ ہو گئے۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ اور وہ فتنہ سے بھی دور رہے۔ وہ اس میں مبتلا نہ ہوئے۔ ان سے ہاشم بنؓ عتبہ نے کہا کہ تم امیر معاویہؓ کے ماموں ہو۔ اور اپنی والدہ کی جانب سے ان سے قرابت رکھتے ہو اور ان کے ساتھ ایک لاکھ تلواریں ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں کہ اس معاملہ میں تمہیں بھی حق ہے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا "میں ایسی تلوار چاہتا ہوں جسے اگر کسی مسلمان پر اٹھاؤں تو وہ کارگر نہ ہو اور اگر کسی کافر کے ماروں تو کارگر ہو جائے"۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ پستہ قد، بھری ہوئی انگلیاں اور گندمی رنگ کے تھے انہوں نے اپنے مکان میں جو مدینہ طیبہ کے دس میل کے فاصلہ پر مقام عقیق میں تھا وفات پائی، لوگ ان کے جنازہ کو کندھوں پر اٹھا کے لائے اور مدینہ طیبہ میں بقیع شریف میں دفن کیا۔ ان کی وفات ۵۵ھ یا ۵۸ھ میں ہوئی ان کی عمر شریف کچھ اوپر ستر سال کی تھی۔ بعض بیاسی ۸۲ سال بتاتے ہیں۔ اور اس قول کے بموجب جو یہ ہے کہ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بیس سال چھوٹے تھے تو ان کی عمر اٹھاسی سال ہوتی ہے بلکہ اکیانوے سال بنتی

ہے (کذا قیل واللہ اعلم)

ایک عبّادؓ بن بشر ہیں عباد بفتح عین و بائے مشددہ اور بشر بکسر یا و سکون شین ہے یہ انصاری اور اشہلی ہیں۔ یہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر حضرت سعدؓ بن معاذ سے پہلے اسلام لائے۔ اور بدر و احد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے تھے۔ اور غزوۂ خندق میں آپ کی پاسبانی کرتے تھے۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ حضرت عبادؓ بن بشر پاسبانی کرتے تھے پھر جب آئیہ کریمہ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ نازل ہوئی تو انہوں نے پاسبانی ترک کردی۔ وہ فضلاء صحابہ میں سے تھے اصابہ میں منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادؓ بن بشر کی آواز سنی تو فرمایا "اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ عَبَّادًا" اے خدا عبادؓ پر رحم فرما۔ اور ان کے دین کے بارے میں بہت سی خبریں ہیں وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا ہے۔ یہ ان دو صحابیوں سے ایک ہیں جن کے لئے ان کی لاٹھیاں روشن ہوگئی تھیں جب بھی یہ حضور اکرمؐ کی بارگاہ سے اندھیری رات میں اپنے گھروں کو جاتے تھے۔ ان سے حضرت انسؓ بن مالک اور عبدالرحمٰن بن ثابت نے روایت لی ہے یہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ان کی عمر شریف پچپن ۵۵ سال کی ہوئی۔

ایک حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام خالد بن زید ہے قبیلۂ بنی نجار سے ہیں۔ عقبہ، بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہے۔ زمین روم میں قسطنطنیہ میں ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے زمانہ میں یزید کے عَلَم کے تحت وفات پائی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اہل روم نے ان مسلمانوں سے جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تدفین کے وقت موجود تھے کہا ان کی بڑی شان تھی۔ اس پر مسلمانوں نے کہا یہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ میں سے تھے اور ہم سے پہلے اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ اور ہم نے ان کو اس جگہ دفن کیا ہے جہاں تم دیکھ رہے ہو۔ خدا کی قسم اگر تم نے ان کی قبر انور کی بیحرمتی کی تو جب تک ہماری سلطنت ہے کبھی تم ناقوس نہ پھونک سکو گے۔ اسی کے ہم معنے مجاہد سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا جب بھی ان

رومیوں نے چاہا کہ ان کی قبر انور کی بیحرمتی کریں اور اسے کھولیں تو ان پر اس قدر مینھ برستا کہ وہ ایسا نہ کر سکتے۔ اور بیان کیا کہ ابن قاسم نے مالک سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ اہل روم ان کی قبر انور کے پاس بیٹھتے ہیں اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر سے بارش کی دعا مانگتے ہیں اور اس کی زیارت کرتے اور برکت حاصل کرتے ہیں۔ شعبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ شریک تھے۔ اور نہروان کے روز ان کے مقدمہ پر متعین تھے۔ محمد بن سیرین سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ حضرت ابوایوب رضی انصاری، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدر میں موجود تھے۔ اور کسی غزوے میں کسی وقت بھی بیٹھے نہ رہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے ارض روم میں وفات پائی۔ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے لشکر پر یزید پلید کو سردار بنایا تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں کیا ہوا ہے کہ ہم پر جوانوں کو امیر بنایا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا — اس جنگ میں وہ بیمار ہو گئے۔ یزید بن معاویہ عیادت کے لئے آیا اور کہا کہ میرے لئے وصیت فرمائیے۔ حضرت ابوایوب رضی انصاری نے فرمایا جب میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو مجھے کفن دینا اس کے بعد لوگوں کو حکم دینا کہ دشمن کی سرزمین میں چلیں جہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو پہنچ کر وہیں مجھے دفن کر دینا۔

چنانچہ یزید نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ مروی ہے کہ یزید نے لوگوں کو حکم دیا کہ آتے جاتے گھوڑوں کو دوڑاؤ تاکہ ان کی قبر کا نشان معلوم نہ ہو۔ اسے مجاہد نے روایت کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اس لئے کیا گیا ہوگا تاکہ دشمن ان کی قبر کے ساتھ دست درازی نہ کریں۔ اور اسے کھود نہ ڈالیں۔ یا یہ بات بھی اس کی خباثت اور اس کے اعمال شنیعہ میں سے ہوگی۔ اور وہ پہلے سے ان کے ساتھ عداوت رکھتا ہوگا (واللہ اعلم) اس کو ابن عبدالبر نے استیعاب میں بیان کیا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی شریف کی تعمیر تک ان کے گھر میں قیام فرمایا اور یہ مشہور ہے اور انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور ابی رض ابن کعب سے روایت کیا ہے۔ اور ان سے براء رض بن عازب، انس رض، ابن عباس رض، جابر رض بن سمرہ

اور ان کے سوا بہت حضرات نے روایت لی ہے۔ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا جبکہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ عراق کی طرف تشریف لے گئے تھے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی انہوں نے غزوۂ خیبر میں کی تھی جب حضرت صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عروسی کی رات تھی۔ کیوں کہ اس وقت یہودیوں کی شرارت کا بہت خطرہ تھا۔ (رضی اللہ عنہ)

ایک حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ ہیں جو مقرب بارگاہ اور خاصانِ درگاہ میں سے تھے وہ وادی القریٰ میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاسبان تھے۔ ان کا مفصل تذکرہ مؤذنوں کے بیان میں انشاء اللہ آئے گا۔

ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ مواہب لدنیہ میں کہا گیا ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روز حدیبیہ برہنہ شمشیر لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

# باب ہفتم

## در ذکرِ کاتبانِ بارگاہِ رسالت صلے اللہ علیہ وسلّم

واضح رہنا چاہیئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کئی کاتب تھے۔ بعض وحی کی کتابت کرتے تھے اور بعض سلاطین و امراء وغیرہ کے نام خطوط لکھا کرتے تھے اور بعض صدقات کے اموال کی کتابت کرتے تھے۔ اور بعض مدانیات، معاملات اور شروط وغیرہ لکھا کرتے تھے چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خط و کتابت سے پاک و منزہ تھے اور اکثر صحابہ بھی عرب کی عادت کے مطابق اس ہنر سے عاری تھے تو لامحالہ ان اصحاب میں سے جو خط و کتابت کے ہنر سے متصف تھے انہیں اس خدمت پر مقرر کیا جاتا تھا۔

روضتہ الاحباب میں فرماتے ہیں کہ کاتبوں کا تقرر اس طرح تھا کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہما وحی کی کتابت کرتے تھے۔ اگر یہ دونوں موجود نہ ہوتے تو حضرت ابی بن کعب اور زید بن ثابت لکھا کرتے تھے۔ اگر ان چاروں صحابہ میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو حضور اکرمؐ کے کاتبوں میں سے جو موجود ہوتا اس سے لکھواتے تھے۔ (انتہٰی)۔

پوشیدہ نہ رہنا چاہیئے کہ اس ترتیب پر دوام و استمرار، محل سخن ہے بلکہ حضرت زیدؓ بن ثابت اور ابیؓ بن کعب اکثر وحی لکھنے پر ہیں بلکہ وہ اس کام پر متعین ہی تھے آخر میں تمام اسماء بیان کرنے کے بعد اس پر استیعاب سے ایسی بحث نقل کروں گا جو انشاء اللہ اس باب میں نافع ہوگی۔ اور سیر کی تمام کتابوں میں اور ہر وہ کتاب جو اس سلسلہ میں ہے اسی سے مذکور و منقول ہے۔

روضتہ الاحباب میں کاتبوں کی تعداد چالیسؔ بیان کی گئی ہے۔ خلفاءِ اربعہ انہیں

ہیں شمار کئے گئے ہیں۔ ان کے فضائل و مناقب مشہور و معروف ہیں۔ اس کے باوجود اگر ان کے اسماء مبارک جدا جدا لکھے جائیں اور ان کے بعض ضروری احوال مثلاً تاریخ وفات و مدتِ خلافت وغیرہ بیان کر دیئے جائیں تو مناسب ہوگا۔

## حضرت ابو بکر صدیق رضؓ

ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام جاہلیت میں عبد الکعبہ تھا اور بعض عبد رب الکعبہ نام بتاتے ہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبد اللہ رضؓ رکھا۔ ایک قول ہے کہ عتیق رضؓ رکھا اس بنا پر کہ وہ آتش دوزخ سے آزاد ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کی والدہ کا کوئی بچہ زندہ نہ رہتا تھا جب یہ پیدا ہوئے تو ان کو قبلہ رو کھڑا کر کے کہا "اے خدا ان کو موت سے رستگاری دے اور ان کو میرے لئے بخشدے"۔ بعض کہتے ہیں کہ عبد اللہ رضؓ بھی ان کا قدیمی نام ہے۔ درست و صواب یہ ہے کہ یہ نام اور لقب دونوں اسلامی ہیں۔ ترمذی میں مروی ہے کہ :۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنظُرَ اِلَی الْعَتِیْقِ مِنَ النَّارِ فَیَنظُرْ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ — جو چاہتا ہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جو جہنم سے آزاد ہے تو اسے چاہیئے کہ وہ ابو بکر رضؓ کی طرف دیکھے۔ ایک قول یہ ہے کہ :۔ لَقَبُہٗ لُقِّبَ بِہٖ لِعِتَاقَتِہٖ اَیْ حُسْنِہٖ وَجَمَالِہٖ — اور بعض کہتے ہیں کہ عتیق اس بنا پر لقب تھا کہ ان کے نسب میں کوئی بات ایسی نہ تھی جس سے ان پر عیب لگایا جاتا۔ کیونکہ وہ پہلے سے ہی خیر پر تھے۔ قاموس میں ہے العتق، الکرم والجمال والنجابۃ والشرف والعتیقُ لقب الصدیق اوسمیتہ بہ امتہ" اور تمام امت کا آپ کے صدیق نام ہونے پر اتفاق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق میں انہوں نے سبقت و پہل کی۔ اور تمام احوال میں حضور اکرمؐ کی صداقت پر انہوں نے تصدیق کو لازم جانا۔ دار قطنی اور حاکم نے ابو یحییٰ سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ میں شمار نہیں کر سکتا کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو منبر شریف پر فرماتے، کتنی مرتبہ میں نے سنا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ابو بکر رضؓ کا نام صدیق رضؓ رکھا۔ حضرت صدیق رضؓ کی پیدائش، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے دو سال اور چند ماہ بعد ہے۔ اور اتنی ہی مدت ان کی خلافت کی ہے۔ جو حضرت صدیق رضؓ نے حضور اکرمؐ کے بعد پوری کر کے وفات پائی ہے ان کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہوئی۔ ان کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں۔

## عمر فاروق رضی اللہ عنہ

دوسرے کاتب اور خلیفۂ راشد، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔ عام الفیل کے تیرہ سال بعد محرم کی چاند رات کو آپ کی ولادت ہے۔ وہ اشراف قریش میں سے تھے جاہلیت میں ان کے سپرد سفارت تھی۔ جب قریش میں ان کے درمیان جنگ ہوتی تو ان کو سفیر و قاصد بنا کے بھیجتے تھے۔ اور وہ لوگوں میں طول قامت میں فائق رہتے تھے گویا کہ خود سوار ہیں اور لوگ پیدل ہیں۔ وہب ابن منبہ فرماتے ہیں کہ ان کی صفت توریت میں یہ ہے:۔ قَرْنٌ حَدِيْدٌ أَمِيْنٌ شَدِيْدٌ وَالْقَرْنُ الْجَبَلُ الصَّغِيْرُ وَسُمِّيَ الْفَارُوْقُ يُفَرِّقُ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ۔ جب وہ اسلام لائے تو جبریل علیہ السلام نے آکے عرض کیا یا رسول اللہ! آسمان والے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور حضور اکرمؐ پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی:۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ان کی خلافت کے زمانہ میں ایک ہزار چھتیس شہر ان کے قصبات و دیہات کے ساتھ مفتوح ہوئے۔ چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ اور چار ہزار مندر، بت کدے اور آتش کدے منہدم ہوئے۔ اور ایک ہزار نو سو منبر جوامع میں رکھے گئے۔ ان کے مناقب و فضائل میں بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ اور سب سے بڑی فضیلت جو وارد ہوئی یہ ہے کہ:۔ إِنَّ اللّٰهَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ۔ بلاشبہ اللہ نے حضرت عمرؓ کی زبان پر حق رکھا، صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لَقَدْ كَانَ فِيْمَنْ قَبْلَكُمْ مُحَدَّثُوْنَ فَإِنْ يَكُ فِيْ أُمَّتِيْ أَحَدٌ فَإِنَّهُ عُمَرُ۔ یعنی بلاشبہ تم سے پہلوں میں محدثین ہوتے تھے اور بلاشبہ تمہارے ساتھ میری امت میں ایک ہے وہ عمرؓ ہیں؛ اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ كُنَّا أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ لَا نَشُكُّ أَنَّ السَّكِيْنَةَ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ ہم اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وسلم شک نہیں رکھتے کہ سکینہ حضرت عمرؓ کی زبان پر گویا ہے۔ ان کے فضائل اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ان کی مدت خلافت دس سال اور چھ مہینہ ہے۔ ان کی وفات حج سے واپسی کے بعد ہے۔ حضرت فاروق اعظمؓ دعا کیا کرتے تھے کہ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ بِبَلَدِ رَسُوْلِكَ أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ اے خدا اپنی راہ میں مجھے شہادۃ نصیب فرما اور اپنے

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے شہر مبارک میں میری وفات کو مقرر فرما۔ کعب احبار کہا کرتے تھے کہ میں آپ کو توریت میں شہید پاتا ہوں (رضی اللہ عنہ)

## حضرت عثمان ذوالنورین

تیسرے کاتب اور تیسرے خلیفہ راشد، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی ولادت، عام الفیل سے چھٹے سال میں ہے۔ اور آپ قدیم الاسلام ہیں۔ دار ارقم میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے یہ چوتھے مسلمان تھے۔ سب سے پہلے اسلام لانے والے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی مرتضیٰ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت عثمان ذوالنورین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام لائے۔ جب وہ اسلام لائے تو حکم بن العاص نے ان کو پکڑ کر باندھ دیا اور بڑی اذیتیں پہنچائیں۔ جب دین میں ان کی صلابت و پختگی کو دیکھا تو انہیں چھوڑ دیا۔ ابن عساکر نے حضرت علی رضی مرتضیٰ سے روایت کیا ہے کہ ان سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت علی مرتضیٰ رضی نے فرمایا وہ ایسے شخص ہیں جنکو ملاءِ اعلیٰ میں "ذوالنورین" دو نور والے کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ابن عساکر نے حضرت علی رض سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان رض کے لئے فرماتے سنا ہے کہ اگر میری چالیس۴۰ بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے ان کو دیتا جاتا۔ اور جب سیدہ ام کلثوم رض کا نکاح ان کے ساتھ فرمایا تو ان سے فرمایا تمہارے شوہر تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے والد ماجد محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے لوگوں میں سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ اور حضور اکرم ؐ نے حضرت اسامہ رض سے فرمایا کیا تم نے ان دو زوج سے بہتر کسی زوجین کو دیکھا ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ نہیں! حضرت عثمان ذوالنورین کی فضیلت میں بکثرت حدیثیں وارد ہیں ان میں سب سے زیادہ مشہور حیا کرنے کی حدیث ہے ابن عساکر نے حضرت زید رض بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان رض کی شان میں حضور اکرم ؐ نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ خدا کے فرشتوں میں سے تھا وہ کہتا تھا:۔ شَہِیدٌ تَقْتُلُہٗ قَوْمُہٗ فَاِنَّا نَسْتَحْیِیْ مِنْہُ یہ شہید ہیں ان کو ان کی قوم کے لوگ قتل کریں گے ہم ان سے حیا کرتے ہیں۔ اسے ترمذی و حاکم نے بیان کیا اور اس کو صحیح کہا ہے۔ ابن ماجہ مرہ بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنہ کا ذکر کیا اور اس کو بہت

نزدیک بتایا۔ اتنے میں ایک شخص سر سے چادر لپیٹے گزرا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا یہ شخص اس دن راہِ راست پر ہوگا۔ پھر میں کھڑا ہوا کہ دیکھوں وہ کون ہے تو میں نے دیکھا کہ وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے قتل کا قصہ مشہور ہے یہ پہلا فتنہ ہے جو اسلام میں نمودار ہوا۔ حضرت ذو النورین کی مدت خلافت بارہ سال ہے، اور ان کی وفات ۳۵ھ کے ایام تشریق کے وسط میں روز جمعہ ہے۔ اور شب شنبہ کو مغرب و عشاء کے مابین دفن کئے گئے۔ عمر شریف بیاسی۸۲ سال کی ہوئی۔ بعض چھیاسی اور اٹھاسی اور نواسی بھی بتاتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

## مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضؓ

چوتھے کاتب اور چوتھے خلیفۂ راشد حضرت امیر المؤمنین مولائے کائنات علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں۔ علیؓ ان کا نام ہے اور ابوالحسن و ابوتراب ان کی کنیت ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے فرزند۔ اور برادرِ مواخات ہیں۔ فاطمۂ بتولؓ، سیدۂ نساء رب العالمین کے شوہر اور سبطین سعیدین، حضرت امام حسنؓ و حسینؓ سیدی شبابِ اہل الجنۃ کے والد نامدار ہیں۔ زمانۂ جاہلیت اور عہد اسلام میں ان کا نام علیؓ ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پہ جو اسد تھا ان کا نام حیدر رکھا۔ جب ابوطالب تشریف لائے تو انہوں نے یہ نام ناپسند کیا اور علیؓ نام رکھا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام صدیقؓ رکھا جیسا کہ ریاض النضرۃ میں ہے اور ان کی کنیت ابوالریحانین رکھی گئی۔ اور آپ کا لقب بیضتہ البلد، امین، شریف، ہادی، مہدی، ذی الاذن الزرعیہ، یعسوب الامتہ تھا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کی ولادت جوف کعبہ میں ہوئی تھی یہ قدیم الاسلام تھے۔ حضرت ابن عباسؓ، زیدؓ بن ارقم، سلمانؓ فارسی، مقدادؓ بن اسود اور بکثرت صحابہ کرام اس پر ہیں کہ وہ اول الاسلام ہیں۔ شیخ ابن حجر نے "اصابہ فی معرفتہ الصحابہ" میں کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا قول یہی ہے۔ ابو یعلی نے حضرت علیؓ مرتضیٰ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دوشنبہ کے دن مبعوث ہوئے اور میں دوشنبہ کے دن ہی اسلام لایا۔ ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ اسلام لائے اور اپنے والد سے انہوں نے اسلام کو چھپایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور اس کا اظہار کیا (واللہ اعلم)

جس وقت حضرت علی مرتضیٰ رضی اسلام لائے ان کی عمر دس سال یا آٹھ سال کی تھی، جیسا کہ علامہ سیوطی نے نقل کیا ہے جامع الاصول میں ہے کہ اس دن ان کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض کا خیال ہے پندرہ سال تھی بعض کا چودہ سال مگر صحیح یہ ہے کہ صغر سنی میں قبل از بلوغ ایمان لائے۔ انہوں نے کبھی بتوں کی پرستش نہ کی تھی ان کی داڑھی بہت بڑی اور طویل تھی۔ "فصل الخطاب" میں تاج الاسلام کی اربعین سے منقول ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رض چودھویں رات کی مانند حسین الوجیہہ تھے۔ تمام غزوات میں شریک ہوئے بجز غزوۂ تبوک کے کیونکہ اس وقت حضور اکرمؐ نے ان کو اہل بیت کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ ان کے فضائل مذکور اور ان کے آثار شجاعت مشہور ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ان کو روز خیبر عَلَم دیا اور فرمایا آج میں اسے عَلَم دوں گا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسول اس سے محبت رکھتا ہے۔ جیسا کہ گزرا۔ اور فرمایا جس نے علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی جس نے علی مرتضیٰ رض کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی۔ اور علی مرتضیٰ رض سے مومن ومسلمان ہی محبت رکھیں گے اور حضرت علی مرتضیٰ رض سے منافق ہی بغض وعداوت رکھیں گے (رضی اللہ عنہ) خلافتِ راشدہ کی تیس سالہ مدت کی تکمیل کے ابتدائی سال میں ان کو شہید کیا گیا۔ ان کی خلافت کی مدت چار سال سات مہینہ اور چھ روز یا بارہ روز ہے۔ بعض چار سال نو مہینے بتاتے ہیں اور پانچویں سال کو ان کے فرزند ارجمند امام حسن مجتبیٰ حسن بن علی مرتضیٰ رض سلام اللہ علیہم نے پورا فرمایا۔ (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ)

## حضرت طلحہ رض بن عبید اللہ

پانچویں کاتب، حضرت طلحہ رض بن عبید اللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ عثمان حضرت ابو قحافہ رض کا نام ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد ہیں، لہٰذا حضرت طلحہ رض، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے برادر زادہ ہیں۔ اور حضرت ابو بکر رض اور عبید اللہ، دونوں حضرت عثمان رض ابو قحافہ رض کے بیٹے ہیں۔ حضرت طلحہ رض کے والد کا نام عبید اللہ بن عثمان ہے۔ حضرت طلحہ رض کی کنیت ابو محمد ہے۔ یہ ان آٹھ افراد میں سے ایک ہیں جنہوں نے اسلام لانے میں سبقت کی ہے۔ اور یہ ان پانچ افراد میں سے ایک ہیں جو حضرت ابو بکر صدیق کے ہاتھ پر اسلام لائے ہیں۔ اور یہ ان چھ اصحاب شوریٰ میں سے ایک ہیں جن سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم راضی تھے۔ اور یہ ان دس اصحاب میں سے ایک ہیں جن کے لئے حضور اکرمؐ نے جنت کی بشارت دی ہے۔ یہ تمام غزوات میں شریک

ہوئے بجز بدر کے۔ کیونکہ اس دن ان کو حضور اکرمؐ نے اس قافلہ کی خبر لانے کے لئے (جو ابو سفیان اور قریش کا قافلہ تھا)۔ سعید بن زید کے پاس بھیجا تھا۔ روز احد حضرت طلحہؓ نے حضور اکرمؐ کی خوب حفاظت و پاسبانی کی۔ اور اتنی زیادہ مدافعت کی کہ ان کی انگلیاں شل ہو گئیں، اس دن انہوں نے چوبیس ۲۴ زخم کھائے تھے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس دن ان کے جسم پر تیر و نیزے کے پچھتر ۷۵ زخم آئے تھے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس دن دو ۲ زرہ پہنے ہوئے تھے۔ اور اس دن حضور اکرمؐ کو بہت کوفت پہنچی تھی۔ پھر حضور اکرمؐ نے چاہا کہ ایک پتھر پر چڑھ جائیں مگر چڑھ نہ سکے۔ اور پھر حضرت طلحہؓ کو اپنے لئے بٹھا کر قدم اقدس رکھ کر پتھر پر چڑھے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے حضرت طلحہؓ کو مژدہ دیا کہ "اوجب طلحہ" یعنی طلحہؓ نے اپنے لئے اس عمل سے جنت واجب کر لی اور حضور اکرمؐ نے فرمایا اے طلحہؓ! یہ جبریلؑ ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہولناکیوں میں، میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ تاکہ میں تم کو اس سے محفوظ رکھوں۔ روز احد جب لشکر اسلام نے ہزیمت کھائی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس سے دور ہوئے یہاں تک کہ حضور اکرمؐ کے پاس مہاجر و انصار میں سے صرف بارہ ۱۲ صحابہ رہ گئے تو ان میں ایک حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے بعد ایک مشرک نے حملہ کیا اور چاہا کہ حضور اکرمؐ کے چہرۂ انور پر تلوار مارے تو حضرت طلحہؓ نے اس کے حملہ کو روکا۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بسم اللہ، بلاشبہ میں نے دیکھا کہ تمہارا گھر جنت میں بنایا گیا ہے۔ حالانکہ تم ابھی دنیا میں ہی ہو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روز احد ان کا نام "طلحۃ الخیر" رکھا۔ اور غزوۂ ذات العسیرۃ طلحۃ الفیاض اور روز خیبر طلحۃ الجواد نام رکھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب روز احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے وہ دن تمام تر طلحہؓ کے لئے تھا۔ وہ جنگ جمل میں جمعرات کے دن جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں شہید ہوئے انہوں نے ساٹھ سال کی عمر پائی۔ بعض نے باسٹھ سال بعض نے چونسٹھ سال بتایا ہے اور کہا کہ ان کو مروان بن الحکم نے اپنے اس کینہ پر شہید کیا جو اسے ان سے پہلے سے تھا۔ اس نے ایسا تیر مارا کہ ان کے حلق میں چھد گیا۔ جنگ جمل میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، خطائے اجتہادی کی بنا پر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے۔ اور ثور بن مجزار سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں جنگ جمل میں حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کے پاس پہنچا تو وہ زمین

پر گرے ہوئے تھے اور زندگی کی کچھ رمق باقی تھی۔ میں ان کے پاس رکا انہوں نے سر اٹھا کر فرمایا میں ایک ایسے شخص کا چہرہ دیکھ رہا ہوں گویا کہ وہ قمر ہے۔ بتاؤ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھیوں میں سے ہوں۔ حضرت طلحہ رضؓ نے فرمایا اپنا ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہاری بعیت کروں۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بعیت کی اور اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ اس کے بعد میں حضرت علی مرتضیٰ کے پاس آیا اور حضرت طلحہ رضؓ کی بات ان سے بیان کی۔ آپ نے فرمایا "اللہ اکبر اللہ اکبر صدق رسول اللہ"! حق تعالیٰ حضرت طلحہ رضؓ کو جنت میں داخل ہونے سے میری بعیت کے بغیر منع فرماتا۔ منقول ہے کہ جنگ جمل کے دن ایک شخص آیا، اس نے کہا حضرت طلحہ رضؓ کے قاتل کو اذن دیجئے۔ آپ نے فرمایا اسے آتشِ دوزخ کی بشارت دیدو۔

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ میں اور طلحہ رضؓ و زبیر رضؓ ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:- وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ۔

ہم نے ان کے سینوں سے کینے نکال دیئے بھائی بھائی آمنے سامنے فرش پر بیٹھے ہیں۔

## حضرت زبیر رضؓ

چھٹے کاتب حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اور ان کے حالات، پاسبان بارگاہِ رسالت کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ (رضی اللہ عنہ)

## حضرت سعد رضؓ بن ابی وقاص

ساتویں کاتب، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اور ان کے حالات پاسبانِ رسالت میں گزر چکا ہے۔ کاش کہ ایسی حدیثیں مذکور ہوتیں جن میں ان کی وحی کی کتابت کا ذکر معلوم ہوتا۔ (رضی اللہ عنہ)

## حضرت عامر رضؓ بن فہیرہ

آٹھویں کاتب حضرت عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ ہیں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کے مولی تھے۔ یہ حبشی غلام تھے۔ ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کے دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے تھے اور حسن الاسلام تھے۔ یہ سفرِ ہجرت میں حضور اکرم ﷺ اور

حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، بدر و احد میں حاضر ہوئے۔ ان سے حضرت جابر بن عبداللہ عبدالرحمن بن عوف اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم نے حدیث لی۔ اور بیر معونہ کے دن وہ شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی جب ان کی پشت پر نیزہ مار گیا تو فرمایا "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ" رب کعبہ کی قسم میں بامراد ہو گیا: میں نے مقصود پالیا اور فیروزمندی حاصل ہو گئی۔ ان کا قصہ چوتھے سال ہجرت میں مذکور ہو چکا ہے۔ منقول ہے کہ ان کی لاش کو مقتولوں میں تلاش کیا گیا مگر کسی کو نہ ملی۔ اس پر لوگوں نے کہا فرشتوں نے ان کو دفن کر دیا۔ اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ لوگوں نے ان کو زمین و آسمان کے درمیان لے جاتے دیکھا یہاں تک کہ وہ آسمان میں روپوش ہو گئے (رضی اللہ عنہ)

## حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس

نویں کاتب حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس بن شماس مدنی انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ اور انہیں ابو عبدالرحمن کہا جاتا تھا۔ وہ احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک رہے۔ اور اکابر صحابہ اور اعلام انصار میں سے تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی۔ یہ انصار کے خطیب تھے۔ ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا خطیب کہا جاتا تھا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بنو تمیم فخر کرتے اور اتراتے ہوئے آئے۔ اور انہوں نے خطبے دیئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کے خطبوں کا جواب دیں۔ انہوں نے فی البدیہہ بلیغ خطبہ دیا۔ اور وہ تمام لوگ حیران و شرمندہ ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی عالم غیب سے ایسی تائید و نصرت ہوتی ہے۔ جو کسی کی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ غزوہ حنین میں گزرا۔ باقی احوال اور ان کی شہادت "خطباء رسول" کے ضمن میں انشاء اللہ آئیں گے، ان سے حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک اور ان کے فرزندوں نے روایت لی ہے اور ان کی روایتیں بخاری، ابو داؤد اور نسائی میں مذکور ہیں۔ جنگ یمامہ میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسیلمہ کذاب سے شدید جنگ لڑی اور شہادت پائی۔ ان کی شہادت ۱۲ھ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں ہے۔

جب آیہ کریمہ:۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ۔ نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ بن قیس اپنے گھر میں بیٹھ رہے اور اپنے اوپر دروازے

بند کر لئے۔ حضور اکرمؐ کی مجلس شریف کی حاضری ترک کردی چونکہ وہ جہیر الصوت یعنی بلند آواز والے تھے تاکہ ان سے بلند آوازی کا ارتکاب نہ ہو جس کی بنا پر اعمال رائیگاں ہو جائیں۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس مبارک میں ان کو ملاحظہ نہ فرمایا تو دریافت فرمایا کہ ثابتؓ نہیں آتے کیا حال ہے اور کیا بات ہوئی اور کہاں ہیں؟ پھر ایک شخص کو ان کے پاس بھیجا اس نے دیکھا کہ سر ڈالے بیٹھے ہیں۔ اس شخص نے کہا تمہارا کیا حال ہے؟ حضرت ثابتؓ نے فرمایا میں بلند آواز والا آدمی ہوں میں ڈرتا ہوں کہ میری بلند آوازی سے میرے عمل ضائع نہ ہو جائیں۔ پھر وہ شخص حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں آیا اور حضور اکرمؐ کو اس کی خبر دی اور حقیقت حال عرض کی کہ وہ ایسا کہتے ہیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا جاؤ ان سے کہو کہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں۔ تم خیر کے ساتھ زندہ رہو گے اور خیر کے ساتھ وفات پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو گے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی کہ:۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (بیشک اللہ ہر اترانے والے اور فخر کرنے والے کو محبوب نہیں رکھتا) اس موقعہ پر بھی وہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور گھر سے باہر نہ آئے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے ان کا احوال دریافت فرمایا اور کسی کو ان کے پاس بھیجا۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں ایسا آدمی ہوں جو جمالِ مبارک کو محبوب رکھتا ہوں اور میں خواہشمند ہوں کہ اس بات سے اپنی قوم پر فائق رہوں۔ لیکن میں ڈرتا ہوں کہ مختال و فخور لوگوں میں میرا شمار نہ ہو۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو۔ تم محمود زندگی گزارتے ہو اور شہید ہو کر وفات پاؤ گے اور جنت میں داخل ہو گے۔

## خالدؓ و ابانؓ

انہیں کاتبوں میں حضرت خالدؓ اور ابانؓ ہیں جو سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی کے فرزند ہیں۔ ان سعید بن العاص کے آٹھ لڑکے تھے۔ ان میں سے تین تو کفر پر رہے۔ ایک اُجیحہ ہے اور اسی کے نام سے سعید بن العاص کی کنیت تھی اور ابو اُجیحہ سعید بن العاص کہا جاتا تھا۔ دوسرا عاص اور تیسرا عبیدہ تھا۔ پانچ لڑکوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ شریف سے مشرف ہوئے اور حکومت و امارت کے ساتھ مخصوص ہوئے وہ پانچ یہ ہیں: خالدؓ، عمروؓ، سعیدؓ، ابانؓ اور حکمؓ۔ لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے

حکم کے نام کو عبداللہ سے تبدیل فرما دیا۔ لیکن حضرت خالدؓ بن سعید بن العاص بن امیہ قدیم اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ بعض کے نزدیک تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ سے بھی پہلے اسلام لائے۔ اور بعض کے نزدیک تیسرے تھے اور بعض کے نزدیک چوتھے بعض کے نزدیک پانچویں شخص تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ دعویٰ کرتے اور حضرت علیؓ مرتضیٰ سے کہتے تھے خدا کی قسم میں تم سے پہلے اسلام لایا ہوں اور خدا کی قسم میں تم سے خدا کے حضور جھگڑوں گا۔ لیکن میں نے باپ کے ڈر سے اپنے اسلام کو چھپایا اور تم نے نہیں چھپایا۔ اسے ابن عساکر نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح اسی کی مانند حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے اسلام پہ تقدم کے بارے میں اہل سیر بیان کرتے ہیں (واللہ اعلم)

ام خالدؓ ان کی بیٹی ہیں جو چھوٹی تھیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے پاس بلایا اور ان کپڑوں میں سے چھوٹی سی اوڑھنی ان کو اوڑھائی جو حضور اکرمؐ کے پاس لائے گئے تھے۔ اور فرمایا اے امؓ خالد "ہٰذہ سنہ" حبشہ کی زبان میں سنہ کے معنی احسن کے ہیں۔ عوارف میں ہے کہ حضور اکرمؐ کا ام خالدؓ کو یہ کپڑا پہنانا صوفیہ خرقہ پہنانے کے جواز میں سند بتاتے ہیں اور دار قطنی افراد میں تاریخ ابن عساکر سے بروایت موسیٰ بن عقبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ام خالدؓ بنت خالد بن سعید بن العاص سے سنا ہے وہ کہتی تھیں کہ خالدؓ بن سعید نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل ایک خواب دیکھا تھا کہ گویا مکہ مکرمہ میں اندھیری ایسی چھاگئی ہے کہ اپنا ہاتھ تک نہیں نظر آتا۔ اسی دوران چاہ زمزم سے ایک نور برآمد ہوا جو آسمانوں کی بلندیوں تک چھاگیا اور اس سے کعبہ منورہ روشن ہوا اور تمام مکہ میں روشنی پھیل گئی۔ یہاں تک کہ یثرب کے کھجوروں کے گچھوں کو میں نے دیکھا جب میں بیدار ہوا تو میں نے اپنے بھائی عمرو بن سعید سے اپنا یہ خواب بیان کیا چونکہ وہ خواب کی تعبیر کے اچھے ماہر تھے انہوں نے کہا یہ کوئی ایسی بات ہے جو عبدالمطلب کی اولاد میں سے ظاہر ہوگی اور ان کی اولاد میں سے یہ سب کچھ نمودار ہوگا۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حق تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت بخشی۔ اور ام خالدؓ نے کہا کہ سب سے پہلے میرے والد اسلام لائے اور انہوں نے اپنا خواب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سنایا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا یَا خَالِدُ وَاللّٰہُ اَنَا ذٰلِکَ النُّوْرُ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔ اے خالدؓ خدا کی قسم میں ہی وہ

نور ہوں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اپنے دین کو بیان فرمایا جو حق تعالیٰ نے ان پر نازل فرمایا تھا پھر ان کے بھائی عمروؓ بن سعید ان کے بعد اسلام لائے۔ علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں اسے بیان کیا ہے حضرت خالدؓ نے اپنے بھائی عمرو بن سعید کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور کچھ اوپر دس سال وہاں اقامت کی۔ اور وہیں ان کے بیٹے سعیدؓ بن خالد بن سعید اور ایک لڑکی ام خالدؓ پیدا ہوئے۔ غزوۂ خیبر میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔ ان کو صدقات کی وصولی کے لئے یمن بھیجا گیا اور وہ یمن میں ہی تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس جہان سے کوچ فرمایا۔

اب رہا ابانؓ کا تذکرہ۔ تو وہ سعید بن العاص بن امیہ کے بیٹے تھے۔ اور وہ اپنے بھائی خالدؓ و عمروؓ کے بعد اسلام لائے وہ ان کو طعنہ دیتے اور عیب لگاتے اور مذمت کرتے تھے کہ کیوں اسلام لائے۔ اس کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گئے اور ان کا اسلام نیک ہوا۔ انہوں نے ہی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو امان دی تھی جبکہ حدیبیہ کے موقعہ پر حضور اکرمؐ نے ان کو قریش کی جانب بھیجا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے گھوڑے پر سوار کیا۔ اور کہا کہ بلا خوف و خطر آیئے اور جائیے۔ سعید کے بیٹے حرم کے عزت دار لوگوں میں سے تھے۔ ابانؓ کا اسلام لانا حدیبیہ اور خیبر کے درمیان ہے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کا امیر بنا کے نجد کی طرف بھیجا۔ اور علاءؓ الحضرمی کی معزولی کے بعد ان کو بحرین کا حاکم مقرر فرمایا وہ بحرین پر ہی حاکم رہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی۔

سعید بن العاص کے ان دونوں بیٹوں کو یعنی خالدؓ و ابانؓ کو اہل سیر نے حضور اکرمؐ کے کاتبوں کی فہرست میں داخل کیا ہے کاش کہ وہ ایسے اخبار و آثار بھی بیان کرتے جو کہ اس منصب جلیل پر دلالت کرتے۔ اور ان کے بقیہ تینوں بھائیوں کا حال بھی یعنی عمرو، سعید اور حکم جن کا عبداللہ نام رکھا گیا، اسماء الرجال کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ استیعاب میں حضرت عبداللہؓ بن سعید بن العاص کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ جاہلیت میں ان کا نام حکم تھا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہؓ رکھا۔ اور ان کو حکم فرمایا کہ وہ کتابت سیکھیں۔ چنانچہ وہ خوشنویس ہوئے۔ وہ بدر میں شہید ہوئے بعض کہتے ہیں کہ موتہ میں شہید ہوئے بعض نے کہا کہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ سعید بن العاص کے بعد بجز عاص کے جو کہ ان کے بیٹے تھے کوئی نہ رہا۔ اور عاص کے ایک بیٹے ہیں جن کو سعید بن العاص اصغر

کہتے ہیں اور سعید بن العاص الاکبر ان کے دادا ہیں جو امیہ کا بیٹا ہے۔ اور یہ سعیدؓ بن العاص الاصغر ہیں جو ہجرت کے سال یا ہجرت کے ایک سال پہلے پیدا ہوئے۔ اشراف قریش میں سے ہیں۔ فصاحت و بلاغت اور سخاوت کے جامع تھے۔ ان کو عکۃ العسل کہتے ہیں۔ اور یہ اس جماعت کے ایک فرد ہیں جنہوں نے بحکم امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ قرآن کریم کے مصاحف لکھے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لہجہ میں زیادہ مشابہ تھے۔ اور قرآن کی عربیت ان کی زبان پر خوب سجتی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کو کوفہ پر عامل بنایا اور طبرستان پر جہاد کیا اور اسے فتح کیا۔ اور جرجان پر جہاد کیا اور فتح کیا۔ اور آذربائیجان کو ۲۹ھ یا ۳۰ھ میں فتح کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد جب فتنے برپا ہوئے تو وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ اور جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت مضبوط ہو گئی تو ان کو مدینہ طیبہ پر حاکم مقرر کیا گیا اس کے بعد ان کو معزول کر کے مروان کو حاکم بنایا۔ پھر مروان کو معزول کر کے حضرت سعیدؓ کو حاکم بنایا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ولایت ادلتی بدلتی رہی۔ کبھی مروان کو لکھتے کہ سعیدؓ کے گھر بار کو تباہ کر دو۔ اور کبھی سعید کو لکھتے کہ مروان کی املاک و جائیداد کو تباہ کر دو، حضرت معاویہؓ کے ان افعال پر دونوں حیرت و تعجب کرتے اور دونوں اس سلوک سے عاجز آ گئے تھے۔ یہ سعید بن العاص الاصغر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دس یا نو سال کے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے آخر عہد ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں وفات پائی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت بارگاہِ نبوت صلے اللہ علیہ وسلم میں ایک چادر لائی۔ اس عورت نے عرض کیا میری نیت یہ ہے کہ یہ چادر کسی اکرم شخص کو پیش کی جائے اس پر حضور اکرم نے فرمایا یہ اس بچے کو دیدو یعنی سعیدؓ بن العاص الاصغر کو۔ اسی بنا پر اس قسم کے کپڑے کی چادر کو "ثیاب سعیدیہ" کہتے ہیں۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سعیدؓ اکرم عرب ہوں گے۔ اور یہ بات گویا ایک قسم کی غیبی بشارت ہے کہ ان میں اکرمیت بہت زیادہ ہو گی۔ چنانچہ مذکور ہوا کہ وہ سخاوت و فصاحت بہت رکھتے تھے یا یہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کا ہدیہ قبول نہ فرمایا اسی بنا پر فرمایا کہ اس بچے کو دیدو۔ (واللہ اعلم)

بنی امیہ کے تذکرہ میں بات نے طوالت اختیار کر لی حالانکہ کاتب الحروف کو ان کے تذکرے اور ان کے حالات سے کوئی غرض متعلق نہ تھی۔ بلکہ حق و انصاف کی طبیعت میں اس قوم سے ایک قسم کی بیگانگی ہے۔ لیکن اتنا معلوم ہوا کہ بنو امیہ کے دو فرقے ہیں ایک مروانیہ اور دوسرا ان کی طرف منسوب و مربوط ہے، تقدیر الٰہی سے حکومت و امارت کا قصہ ان کے دستِ تصرف میں پڑ گیا۔ اور دونوں فرقوں کے درمیان ایک فرقہ سعید یہ ہے جو قدیم الاسلام ہونے، صدق لہجہ اور جمع قرآن وغیرہ کی سعادتوں اور نورانیتوں کے ساتھ مخصوص و مشرف ہے اور یہ تمام خوبیاں اس فرقہ میں پائی جاتی ہیں (کما لایخفی)

## حضرت حنظلہؓ غسیل ملائکہ

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے ایک حضرت حنظلہؓ بن الربیع (بضم را، وفتح با) اور اسے ربیعہ بھی کہتے ہیں اور اُسَیدی بھی ہیں، جو اُسَید بن عمرو بن تمیم سے منسوب ہیں۔ ان کی کنیت ابو ربعی (بکسر را، سکون با، کسر عین و تشدید یا) ہے۔ مواہب لدنیہ میں اصابہ سے انہیں کو غسیل ملائکہ کہا ہے۔ اور استیعاب سے معلوم ہوتا ہے کہ حنظلہؓ بن الربیع کاتب اور ہیں۔ اور غسیل ملائکہ حنظلہؓ ابن ابی عامر راہب اور ہیں۔ (فتدبر)

اہلِ سیر بتاتے ہیں کہ حضرت حنظلہؓ کاتب، اکثم ضیفی منسوب بہ صیفت کے برادر زادہ ہیں۔ اور اکثم عرب کے دیہات میں سے سن رسیدہ تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا زمانہ انہوں نے پایا ہے ان کی عمر ایک سو نوے ۱۹۰ سال کی تھی۔ اور وہ حضور اکرمؐ کی تشریف آوری کی اپنی قوم کو بشارت و وصیت کیا کرتے تھے۔ اور جب حضور اکرمؐ مبعوث ہوئے تو انہوں نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ان کو بارگاہِ رسالت میں ایمان لانے کے لئے بھیجا پھر مالک بن نویرہ یربوعی آگے آیا اور اس جماعت کو منتشر کر دیا۔ پھر اکثم نے اپنے بیٹے کو ایسے لوگوں کے ساتھ جو اس کی اطاعت کرتی تھی حضور اکرمؐ کے پاس بھیجا وہ قریش میں سے تھے۔ وہ راستہ میں ہی اختلاف کرنے لگے اور حضور اکرمؐ تک نہ پہنچے۔ اکثم حکیم و دانا شخص تھا۔ ان کے کلمات میں سے ہے کہ جس شخص میں خیر نہیں ہے وہ کسی سے خیر کی توقع نہ رکھے۔ اور یہ بھی ان کے کلمات میں سے ہے کہ جو شخص صاحبِ اقبال و دولت ہو جاتا ہے تو اس کی عقل اور اس کی تمنائیں اس کی خدمت کرتی ہیں۔ اور جس پر ادبار آتا ہے اور دولت جاتی رہتی ہے تو اس کی عقل دوسروں کی خدمت کرتی ہے۔

حضرتِ حنظلہؓ نے اہل بصرہ کے ساتھ جنگ کرنے میں جنگِ جمل میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے تخلف کیا اور ان کی ہمراہ نہ گئے۔ ان کی حدیث اہل کوفہ میں ہے۔ اور ان سے ابوعثمان نہدی اور زید بن الشجیر نے روایت کی ہے۔ وہ اوائل عہد امیر معاویہؓ میں فوت ہوئے۔

## ابوسفیانؓ بن حرب

انہیں کاتبوں میں سے ابوسفیان بن حرب ہے ان کے دو بیٹے ہیں یزیدؓ و معاویہؓ۔ لیکن ابوسفیان اور ابوحنظلہ بھی ان کی کنیت ہے۔ یہ حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبد مناف کے بیٹے ہیں، عام الفیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے اور جاہلیت میں اعیان قریش میں سے تھے۔ اور اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انتہائی عداوت اور حسد و عناد رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ اور حنین وطائف میں حاضر ہوئے۔ یہ تمام حالات اپنی جگہ پہلے بھی گزر چکے ہیں ان کے حسنِ اسلام میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اور آثار و اخبار بھی مختلف مروی ہیں۔ بعض حسن اسلام پر دلالت کرتے ہیں اور بعض عدم حسن اسلام پر۔ چنانچہ مروی ہے کہ جب غزوہ حنین میں مسلمانوں پر انتشار و ہزیمت نے غلبہ کیا تو اس نے کہا "بطل السحر" جادو ٹوٹ گیا۔ اس بارے میں جو کچھ علماء نے بیان کیا ہے ہم انہیں نقل کرتے ہیں۔ شیخ ابوعمر بن عبدالبر نے استیعاب میں دونوں رخ کی خبریں نقل کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک گروہ بیان کرتا ہے کہ جب ابوسفیانؓ اسلام لائے تو ان کا اسلام حسن ہو گیا۔ حضرت سعید بن المسیب جو اکابر و قدماء تابعین میں سے ہیں اپنے والد ماجد مسیب سے (جو صحابی ہیں) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے یرموک میں ابوسفیانؓ کو ان کے بیٹے یزیدؓ بن ابوسفیانؓ کے جھنڈے تلے دیکھا ہے چونکہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یزیدؓ کو امیر بنا کر علم سپرد کیا تھا اور ابوسفیانؓ کو ان کے ہمراہ کر دیا تھا۔ تو میں نے کسی شخص کی آواز سنی جو لڑتا جاتا ہے اور "یا نصر اللہ اقرب" اے اللہ کی مدد قریب ہو۔ کہتا جاتا ہے پھر میں نے اسے غور سے دیکھا تو وہ ابوسفیانؓ تھے۔ قتال کر رہے تھے اور "یا نصر اللہ اقرب" کہتے جاتے تھے۔ مروی ہے کہ ابوسفیانؓ جنگ یرموک میں گھوڑے سواروں کی جماعت پر کھڑے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ اللہ تم عرب سوار ہو اور انصار اسلام ہو۔ اور وہ رومی سوار ہیں نصرانی و مشرک ہیں۔ اے خدا، یہ دن تیرے دنوں میں سے ایک ہے۔ اپنی مدد اپنے بندوں پر بھیج۔

شیخ ابن حجر رحمہ اللہ اصابہ میں ایسی روایتیں بیان کرتے ہیں اور ساتھ ہی ایسی روایتیں

بھی لاتے ہیں جو مخالف و بعید ہیں۔ لیکن آخر میں فرماتے ہیں "والاول ہو الاصح" پہلی روایتیں ہی زیادہ صحیح ہیں (واللہ اعلم)

استیعاب میں کہتے ہیں کہ ایک گروہ اس قسم کی روایتیں لاتا ہے جس سے منافقوں کی پشت پناہی اور اسلام سے دوری ثابت ہوتی ہے۔ جاہلیت میں زندقہ سے منسوب تھے جن سے روایت کی گئی ہے کہ ابوسفیان، امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، کے پاس اس وقت آئے جبکہ وہ مسندِ خلافت پر جلوہ آرا تھے۔ اور ابوسفیانؓ نابینا تھے اس نے کہا تیم وعدے کے بعد خلافت تمہاری طرف لوٹ کے آئی ہے۔ لہٰذا بنی امیہ کو زیادہ سے زیادہ حکام بناؤ۔ اور یہ حکومت ہی ہے۔ اور میں جنت و دوزخ کچھ نہیں جانتا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے اسے ڈانٹا اور فرمایا تیرے ساتھ خدا وہ کرے جس کا تو مستحق ہے اور اسے اپنے پاس سے نکال دیا۔ صاحبِ استیعاب فرماتے ہیں کہ اس قسم کی ردی و شنیع باتیں ابوسفیانؓ کے بارے میں اور بھی مروی ہیں جن کو اہلِ اخبار نے بیان کیا ہے اور میں ایسی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ انہیں بیان کروں۔ اس لئے کہ ان خبروں میں ایسی چیزیں ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ اس کا اسلام محفوظ و حسن نہیں تھا۔ حالانکہ حضرت سعید بن المسیب کی حدیث اس کے اسلام پر دلالت کرتی ہے۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ مولفۃ القلوب میں سے تھے اور اس سے پہلے احد و احزاب میں مشرکوں کے سربراہ تھے اور کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ان کو بحرین کا عامل بنایا تھا مگر یہ ثابت نہیں ہوا۔ اور ابن اسحٰق نے کہا کہ حضور اکرمؐ نے ان کو منات کے بت خانہ پر بھیجا یہاں تک کہ اسے منہدم کر دیا، ابن سعد نے بروایت ابوالسفر نقل کیا کہ انہوں نے کہا جب ابو سفیان نے روز فتح مکہ لوگوں کو دیکھا کہ وہ حضور اکرمؐ کے پیچھے پیچھے چل رہے ہیں تو اس نے حسد کیا اور کہا کہ کاش کہ یہ لوگ حضور اکرمؐ پر پلٹ پڑیں اس پر حضور اکرمؐ نے اس کے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا اللہ تعالیٰ اب تجھے رسوا کرے۔ اس پر ابوسفیانؓ نے کہا "اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ" جو بات یا خیال میرے دل میں آیا تھا اسے میں اپنی زبان پر تو نہیں لایا تھا۔ اور جب روز فتح حضور اکرمؐ نے جبکہ وہ حضرت عباسؓ کے ساتھ تھے فرمایا کیا ابھی تیرے لئے وقت نہیں آیا ہے کہ تو گواہی دے کہ لاالٰہ الا اللہ۔ تو وہ خاموش رہا پھر جب کہا کیا ابھی تیرے لئے وقت نہیں آیا ہے کہ تو گواہی دے "محمد رسول اللہ" تو اس نے کہا ابھی مجھے اس پر یقین نہیں آیا ہے اور میں ابھی شبہ میں ہوں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیانؓ نے اپنے

دل میں کہا کس چیز سے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہم پر غالب آتے ہیں۔ حضور اکرمؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی مدد سے غالب آتے ہیں۔ اس وقت اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اہلِ سیر بیان کرتے ہیں کہ طائف کے روز ابوسفیانؓ کی آنکھ میں ایک تیر لگا۔ تو اس نے حضور اکرمؐ سے آکر عرض کیا کہ میری آنکھ میں تیر لگا ہے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا تو چاہتا ہے تو آنکھ کی واپسی کی میں دعا کروں اور اگر جنت چاہتا ہے تو صبر کر۔ اس نے کہا میں جنت چاہتا ہوں۔ اور دوسری آنکھ بھی یرموک میں جاتی رہی اور وہ دونوں آنکھوں سے نابینا ہو گیا۔

ابوسفیانؓ تاجر تھے۔ وہ شام اور بلاد عجم میں مالِ تجارت بھیجا کرتے تھے۔ کبھی خود بھی چلے جاتے تھے۔ اور بدر و احد کی جنگ میں اہل مکہ کو ابوسفیانؓ نے ہی جنگ پر ابھارا تھا۔ اور وہ بہت بخیل و کنجوس تھے جیسا کہ ان کی بیوی ہندؓ بنت عتبہ نے حضور اکرمؐ سے آ کے شکایت کی تھی کہ وہ بخیل و کنجوس ہے بچوں کو پیٹ بھر کے کھانا نہیں دیتا ہے تو کیا میں اس کے مال میں سے کچھ چرا لوں جس سے بچوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا کر سکتی ہو لیکن زیادہ نہ کرنا۔ ابوسفیانؓ نے حضور اکرمؐ سے حدیث بیان کی ہے اور ان سے حضرت ابن عباسؓ، قیس بن ابی حازم اور ان کے بیٹے معاویہؓ نے روایت لی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے ان سے وہ روایت لی ہے جو ہرقل شاہ روم کے واقعہ میں ہے جسے اپنی جگہ پر بیان کیا جا چکا ہے۔ وہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۳۲ھ یا ۳۱ھ میں مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے اور بقیع میں مدفون ہوئے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور بقیع میں مدفون ہوئے ان کی عمر اٹھاسی ۸۸ سال کی تھی ایک قول یہ ہے کہ کچھ اوپر نوے سال کی تھی اور بھی کئی قول ہیں۔

## یزیدؓ بن ابوسفیانؓ

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے یزید بن ابوسفیانؓ تھے۔ یہ روز فتح مکہ اسلام لائے اور حنین میں حاضر ہوئے کہتے ہیں کہ ابوسفیانؓ کے فرزندوں میں یہ بہترین شخص تھے۔ ان کو یزیدؓ الخیر بھی کہتے ہیں۔ ان کو رسول اللہ علیہ وسلم نے بنی اعراس کے صدقات کا عامل بنایا۔ اور یہ قوم ان کی اخوال میں سے تھی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو ۱۲ھ میں عامل بنایا اور عمرؓ بن

العاص، ابو عبیدہؓ بن الجراح، اور شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم کو فلسطین کی طرف بھیجا۔ اور ان کو حکم دیا کہ وہ بلقاء پر جائیں ہر ایک کا ان میں جدا جدا معاملہ تھا۔ بعض گمان کرتے ہیں کہ عمروؓ بن العاص ان سب پر امیر تھے۔ اس کے بعد حق تعالےٰ نے اعدائے دین کو ۱۳ھ میں شکست دی۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد بنائے گئے تو انہوں نے حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح کو امیر بنایا تو حق تعالیٰ نے شامیوں پر فتح عطا فرمائی۔ اور یزیدؓ بن ابو سفیان کو فلسطین اور اس کے گرد و نواح پر حاکم مقرر فرمایا۔ اور جب حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے وفات پائی تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو قائم مقام بنایا۔ اور جب حضرت معاذؓ بن جبل نے وفات پائی تو ابو سفیانؓ کو حاکم بنایا جب وہ بھی وفات پا گئے تو یزید بن ابی سفیان کو حاکم بنایا جب انہوں نے بھی وفات پائی تو ان کے بھائی امیر معاویہؓ کو والی بنایا۔ ان سبھوں نے طاعون کی وبا سے وفات پائی۔ جو ۱۸ھ میں پھیلی تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ یزیدؓ بن ابو سفیان نے ایک دن اپنے پیٹ کی طرف نظر ڈالی دیکھا کہ اس کی سطح بلند ہو گئی ہے اس پر درہ اٹھا کر فرمایا کہ او میری کھال تو کافر ہو گئی ہے؟ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہر اور ان سے حضرت عبد اللہ اشعری اور عیاض اشعری نے روایت لی ہے۔ یزیدؓ بن ابی سفیان نے ۱۷ھ میں وفات پائی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

## امیر معاویہؓ بن ابو سفیان

انہیں کاتبان بارگاہ رسالت میں سے ایک حضرت امیر معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبد الرحمٰن تھی۔ وہ اور ان کے والد اور ان کے بھائی فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے مولفۃ القلوب میں سے ہیں۔

اہل سیر بتاتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کا اسلام لانا قبل از فتح مکہ اور قبل از تشریف آوری سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم برائے فتح مکہ ہے۔ وہ بدر سے پہلے گئے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معلوم کیا اور اسلام لائے۔ مروی ہے فرمایا کہ میں عمرۃ القضاء کے دن اسلام لایا۔ اور میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملاقات کی۔ اور یہ ان اصحاب میں سے ایک ہیں جو حضور اکرمؐ کی خط و کتابت کیا کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وحی لکھا کرتے تھے۔ بلکہ وہ خطوط و فرامین کی کتابت کرتے تھے۔ اور ملک شام کے والی اپنے بھائی

یزید بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بنائے گئے اور ملک شام کی حکومت ان کے قبضہ میں چوالیس۴۴ سال رہی۔ ان میں سے چار سال دورِ فاروقی میں اور خلافت عثمانی اور خلافت علی مرتضیٰ اور خلافت امام حسن مجتبیٰ کی تمام مدت گویا ان خلافتوں میں بیس۲۰ سال تک ان کی امارت رہی۔ یہاں تک کہ یہ امارت، امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کے ۴۱ھ میں ان کو سپرد کر دینے پر مستبد و مستقل ہو گئی۔ ایسی امارت جو بیس سال رہی اس طرح ان کی مجموعی امارت چوالیس سال تھی۔

حضرت امیر معاویہ نے ماہ رجب ۶۰ھ اٹھتر سال کی عمر میں دمشق میں وفات پائی۔ بعض چھیاسی۸۶ سال بتاتے ہیں۔ ان کو آخر عمر میں لقوہ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا وہ آخر عمر میں کہا کرتے تھے کہ کاش میں وادی ذی طویٰ میں پڑا ہوا قریش کا ایک شخص ہوتا۔ ذی طویٰ قبرستان معلیٰ کے قریب مکہ کے باہر ایک جگہ کا نام ہے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک اور قمیص مبارک اور چند موہائے شریف اور ناخن ہائے شریف تھے۔ انہوں نے وصیت کی کہ مجھے حضور اکرمؐ کی قمیص مبارک پہنا کر چادر شریف میں لپیٹ کر اور آپ کی ازار مبارک دے کر کفنانا اور میری ناک، منہ اور مواضع سجود میں موہائے مبارک اور تراشہائے ناخن شریف رکھ کر ارحم الراحمین کے سپرد کر دینا۔ دیگر ان کے احوال معلوم و مشہور اور مذکور و مسطور ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے جس کا نام "اوائل" ہے اس میں انہوں نے ان چیزوں کو بیان کیا ہے جو امیر معاویہؓ نے ایجاد کیں انہیں ان سے پہلے خلفاء میں سے کسی نے نہ کیا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہؓ کے درمیان اختلاف کی بنیاد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی۔ امیر معاویہؓ کہتے اور ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ان کی موافقت میں کہتیں کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں سے قصاص لینے میں عجلت کرنی چاہیئے تاکہ لوگوں کو خلفاء پر جرأت نہ ہو۔ مگر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دیر اور تاخیر میں مصلحت دیکھی تاکہ امرِ خلافت میں خلل واقع نہ ہو۔ اس اختلاف کی بنیاد یہ بات ہے جس کے بارے میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف کی بنیاد، اجتہاد کی غلطی تھی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ نے امیر معاویہ کو معزول کر دیا۔ اور روز بروز مخالفت بڑھتی گئی یہاں تک کہ جو کچھ نہ ہونا چاہیئے تھا وہ ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون" علامہ سیوطی نے مسند امام احمد سے عرباضؓ بن ساریہ کی روایت نقل کی ہے کہ

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَللّٰھُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِیَۃَ الْکِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِہِ الْعَذَابَ۔ اے خدا معاویہؓ کو کتاب اور حساب کا علم سکھا اور اسے عذاب سے محفوظ رکھ۔

ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے ملک بن عمیر سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ امیر معاویہؓ کہتے ہیں میں ہمیشہ امارت کا خواہشمند رہا۔ اس کے بعد مجھ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِذَا مَلَکْتَ فَاَحْسِنْ" جب تم حاکم بنائے جاؤ تو حسن سلوک کرنا؛ ایک روایت میں آیا ہے "وَاسْمَحْ" "چشم پوشی اور عفو و درگزر کرنا" محدثین فرماتے ہیں کہ امیر معاویہؓ کی فضیلت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہوئی ہے (واللہ اعلم)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا معاویہؓ کی امارت کو ناپسند و مکروہ نہ جانو اگر وہ نہ ہوں تو بہت سے لوگوں کے سر ان کے جسموں سے اتر جائیں۔ اس سے ان وقائع و شنائع کی طرف اشارہ کیا ہے جو ان کے بیٹے یزید پلید کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

## حضرت زید بن ثابت انصاری

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت زید بن ثابت بن ضحاک انصاری نجاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابو سعید یا ابو ثابت ہے۔ یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ اور وہ اجلۂ فقہائے صحابہ سے اور عالم یہ فرائض تھے؛ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لائے تو وہ گیارہ سال کے تھے، غزوۂ بدر میں (غالباً کم سنی کی بنا پر) حضور اکرمؐ نے ان کو شامل نہ کیا۔ احد اور اس کے بعد تمام غزوات میں حاضر و شریک رہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا جہاد خندق ہے انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم، ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما سے حدیث بیان کی ہے۔ اور ان سے صحابہ کی جماعتِ کثیرہ نے حدیث لی مثلاً حضرت ابوہریرہ، ابوسعید، انس سہیل بن سعد وغیرہ رضی اللہ عنہم، تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیب، ان کے فرزند، خارجہ و سلمان و قاسم محمد وغیرہ نے روایت حاصل کی۔ اور یہ ان اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے عہد خلافت صدیقی میں جمع قرآن کیا۔ اور عہد خلافت عثمانی میں مصاحف میں ان کو نقل کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جبکہ

انہوں نے جمع قرآن سے معذوری ظاہر کی) کہ تم نوجوان اور عقلمند ہو میں تم پر اتہام نہ رکھونگا ان کے فرزند خارجہ بن زید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے تو مجھے حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں لایا گیا اور کہا گیا کہ یہ نبی نجار کا لڑکا ہے۔ اس نے قرآن کی سترّ سورتیں یاد کی ہیں۔ میں نے ان کو حضور اکرمؐ کے آگے پڑھا حضور اکرمؐ میری قرأت سے خوش ہوئے اور فرمایا "اے زیدؓ یہود کی خط وکتابت سیکھ لو کیوں کہ مجھے یہود کی کتابت پر اعتماد نہیں ہے ممکن ہے کہ وہ کم وزیادہ کر دیں۔ پھر میں نے سریانی زبان کو سیکھا اور پندرہ دن نہ گزرے تھے کہ میں اس میں ماہر ہو گیا۔ اس کے بعد میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خط وکتابت لکھا کرتا جب ان کی طرف کوئی خط یا فرمان بھیجنا ہوتا۔ یا ان کی طرف سے کوئی مراسلہ آتا تو میں ہی اسے پڑھ کر سناتا تھا۔

سلیمان بن یسار سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کسی کو حضرت زیدؓ بن ثابت پر قضا، فتویٰ، فرائض اور قرأت میں ترجیح نہ دیتے تھے۔ قاسم بن محمد روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے سفر میں حضرت زیدؓ بن ثابت کو اپنا قائمقام خلیفہ مقرر کرتے تھے۔ اور فرماتے۔ مجھ پر زیدؓ کا مقام ساقط نہیں ہے لیکن اہل شہر ان کے محتاج ہیں۔ نیز ان کے پاس علم، قضا اور فتویٰ اتنا وافر ہے کہ کسی دوسرے میں اتنا نہ ہوگا۔

سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ انہوں نے اس دن جب زیدؓ بن ثابت نے وفات پائی فرمایا آج عالم الناس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا اس امت کا بہترین شخص فوت ہو گیا۔ اور امید ہے کہ حق تعالیٰ ان کا قایم مقام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو بنائے گا۔ ابوعبدالرحمٰن سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے قرآن کریم پڑھتا تھا۔ مجھ سے انہوں نے فرمایا۔ تم مجھے لوگوں کے معاملات میں غور وفکر کرنے سے باز رکھتے ہو۔ تم حضرت زیدؓ بن ثابت کے پاس جاؤ اور ان سے پڑھا کرو کیونکہ وہ اس کام کے لئے فارغ ہیں۔ میری قرأت اور ان کی قرأت ایک ہے اور میرے اور ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یعقوب بن سفیان نے شعبی سے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ایک دن حضرت زیدؓ بن ثابت سواری کر رہے تھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے (ادب و احترام میں) ان کی رکاب تھام لی۔ اس پر انہوں نے فرمایا "اے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا کے فرزند! ایک طرف ہو جاؤ اور رکاب چھوڑ دو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا" ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم علماء و مشائخ کے ساتھ اسی طرح ادب و احترام بجالائیں"۔ اس پر حضرت زید رض نے فرمایا اپنا ہاتھ قریب لاؤ۔ حضرت ابن عباس رض نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو حضرت زید رض نے ان کا ہاتھ تھام کر اس کا بوسہ لے لیا۔ اور فرمایا ہمیں ایسا ہی حکم دیا گیا ہے کہ ہم اپنے نبی کی اہل بیت کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ہم اپنے بزرگوں کے ساتھ اسی طرح عمل کریں۔ ابن سعد نے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ حضرت زید رض بن ثابت اصحاب فتاویٰ میں سے ایک تھے۔ اور اصحاب فتویٰ چھ اشخاص تھے۔ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن مسعود، حضرت ابو موسیٰ، حضرت ابو زید اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔ حضرت زید بن ثابت ۴۲ھ یا ۴۳ھ یا ۴۵ھ میں فوت ہوئے۔

## حضرت شرجیل رض بن حسنہ

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام عبداللہ ہے اور وہ بنی جمح میں سے تھے۔ یہ صحابی اور حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کے امیر تھے۔ اعیان قریش میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے بھائی عبدالرحمٰن رض حسنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ رض ہے اور بعض ابو عبدالرحمٰن بتاتے ہیں۔ وہ اور ان کے بھائی عبدالرحمٰن رض، حسنہ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں کیوں کہ دونوں کی والدہ ایک ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں بھائی حسنہ کے منہ بولے بیٹے ہیں۔ اور ان کی نسبت ان پر غالب ہوگئی ہے ابن ماجہ نے ان سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث روایت کی ہے جو نماز میں ترکِ طمانیت کی وعید پر ہے اور اس کا ذکر اس حدیث میں ہے جس میں نجاشی نے سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عقد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ حضور اکرم ؐ نے ان کو اپنا سفیر بنا کے مصر بھیجا، ابھی وہ مصر میں ہی تھے کہ حضور اکرم ؐ نے رحلت فرمائی۔ انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کی۔ اور ان سے ان کے بیٹے ربیعہ نے روایت لی۔ ان کی کتابت کا کوئی تذکرہ معلوم نہ ہوا ممکن ہے کہ اسی سفارتِ مصر کے ضمن میں ہی کتابت کے لئے ان سے فرمایا ہو (واللہ اعلم)

## حضرت علاء الحضرمی رضؓ

انہیں کاتبانِ بارگاہ رسالت میں سے ایک حضرت العلاء الحضرمی ہیں۔ یہ مشہور صحابی ہیں یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بحرین پر عامل مقرر ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان کو برقرار رکھا تھا یہاں تک کہ ۱۴ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ان کو ارضِ بصرہ کا حاکم بنایا اور ارض بنی تمیم میں اس سن میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں ۲۱ھ بحرین میں وفات پائی۔ ان کے بعد ان کی جگہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا۔

ان کے نام اور ان کے نسب میں علماء بہت زیادہ اختلاف رکھتے ہیں لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ حضرموت کے رہنے والے تھے۔ جیسا کہ جامع الاصول میں ہے۔ اور کاشف میں ہے کہ وہ بنی امیہ کے حلیف تھے۔ اور ان کے دس بھائی تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا اور حضرات بھی بیان کرتے ہیں کہ علاءؓ الحضرمی چند کلمات پڑھ کر دریا میں داخل ہوئے اور پار نکل گئے۔ ان کی یہ حکایت بہت مشہور ہے وہ کلمات یہ تھے "یا حلیم یا علیم" وہ مستجاب الدعوات تھے۔

## حضرت خالد بن ولید

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت خالد بن ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قرشی، سیف اللہ، ابوسلیمان رضی اللہ عنہ ہیں، ان کی والدہ لبابہؓ صغریٰ بنت الحارث الہلالیہ بہن لبابہؓ کبریٰ زوجہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب ہیں۔ یہ دونوں بہنیں ام المومنین حضرت میمونہؓ کی بہن تھیں۔ حضرت خالدؓ، اشراف داعیانِ قریش میں سے جاہلیت کے زمانہ میں تھے اور دَورِ جاہلیت میں گھوڑوں کی عنان ان کے ہاتھ میں تھی۔ یہ کافروں کے ساتھ عمرۂ حدیبیہ تک رہے۔ خصوصاً غزوۂ احد میں مشرکوں کے لشکر کے مقدمۃ الجیش تھے۔ ۷ھ میں خیبر کے بعد غزوۂ موتہ سے دو ماہ پہلے اسلام لائے۔ اور غزوۂ موتہ کی فتح انہیں کے ہاتھ پر واقع ہوئی۔ خدا کے دین میں ان کی مساعی جمیلہ اور اس کی تقویت و تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہرہ اور بعد وفات بہت ہیں۔ ان کے اسلام لانے کا قصہ، اور ان کے لشکر و غزوات، پہلے ہی اپنے مقامات میں ۷ھ میں بیان کئے جا چکے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک منزل میں ٹھیرے ہوئے تھے اس کے بعد لوگ ایک ایک کر کے حضور اکرمؐ کے سامنے سے گزرے حضور اکرم دریافت کرتے یہ کون ہے یہ کون ہے؟ جواب دیا جاتا کہ یہ فلاں ہے یہ فلان ہے۔ یہاں تک کہ حضرت خالدؓ گزرے حضور اکرمؐ نے دریافت فرمایا یہ کون ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ خالدؓ بن ولید ہیں؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا "یہ خدا کا نیک بندہ ہے اور اللہ کی تلواروں سے ایک تلوار ہے" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب مرتدین کی سرکوبی کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں علَم عطا فرمایا تو فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ:۔ نِعْمَ عَبْدُ اللّٰہِ وَاَخُو الْعَشِيْرَۃِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰہِ" اور انہوں نے اس تلوار کو کافروں پر کھینچا ہے۔

مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی کو جنگِ یرموک میں گم کر دیا۔ پھر انہوں نے حکم دیا کہ اسی ٹوپی کو ڈھونڈو اور خوب تلاش کرو۔ انہوں نے اسے بہت تلاش کیا مگر یہ نہ ملی۔ اس کے بعد اس کی تلاش میں بہت زیادہ کوشش کی۔ بالآخر وہ ٹوپی مل گئی۔ لوگوں نے دیکھا کہ وہ تو بہت پرانی اور بوسیدہ ہے، اس پر لوگوں نے کہا یہ ہے وہ ٹوپی جس کی اتنی جستجو تھی اس کے لئے اتنی کد و کاوش اٹھانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کیا تھا اور اپنے سرِ مبارک کا حلق فرمایا تھا اس پر لوگوں نے موہائے مبارک لینے میں عجلت کی اور میں نے پیشانی مبارک کے موشریف کے لینے میں سبقت کی۔ پھر حضور اکرمؐ نے ان موہائے مبارک کو اس ٹوپی میں محفوظ کر کے مجھے عنایت فرما دیا۔ اس کے بعد میں جس جنگ میں بھی شریک ہوا۔ یہ ٹوپی میرے ساتھ رہی، اور حق تعالیٰ نے مجھے اس کی برکت سے ہر جگہ فتح و نصرت عطا فرمائی۔ مروی ہے کہ حضرت خالدؓ جب جرہ کے پاس پہنچے تو ان کے سامنے زہر لایا گیا آپ نے اسے اپنی ہتھیلی پر رکھا اور پی گئے اس زہر نے کوئی ضرر نہ پہنچایا۔ نیز مروی ہے کہ حضرت خالدؓ کے پاس ایک شخص آیا جس کے پاس شراب کا بھرا ہوا مشکیزہ تھا انہوں نے اس سے پوچھا اس مشکیزے میں کیا ہے اس نے کہا سرکہ ہے۔ انہوں نے کہا اے خدا اسے سرکہ بنا دے، تو وہ سرکہ بن گیا۔ ایک روایت میں ہے کہا کہ خداوندا اسے شہد بنا دے تو وہ

شہید ہو گیا۔ مروی ہے کہ حضرت خالدؓ فرمایا کرتے کوئی رات میرے نزدیک مہاجرین کے لشکر میں سخت تاریک رات سے زیادہ محبوب نہیں ہے ایک روایت میں ہے کہ فرمایا کوئی رات ایسی نہیں ہے جس میں مجھے اس رات کوئی دلہن دی جائے یا کسی بچے کی ولادت کا مژدہ سنایا جائے اور وہ مجھے اس شبِ تاریک سے زیادہ محبوب ہو جو لشکر میں آئے۔ وہ فرمایا کرتے مجھے قرآن کریم کی زیادہ تعلیم نے جہاد سے باز رکھا۔ جب بھی حضرت خالدؓ کے پاس مال آتا وہ فوراً اسے تقسیم کر دیتے تھے۔ اور اس کا کچھ حساب حضرت صدیقؓ کو نہ بھیجتے تھے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت صدیقؓ سے کہا کہ آپ حضرت خالدؓ کو لکھ بھیجئے کہ بغیر اجازت کسی کو کچھ نہ دیجئے۔ حضرت صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو ایسا ہی لکھ دیا۔ حضرت خالدؓ نے ان کو اس کا یہ جواب لکھا کہ یا تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے میں جو چاہوں کروں اور جس کو چاہوں دوں۔ ورنہ تم جانو اور تمہارا کام۔ چوں کہ ان کے مزاج میں تندی و تیزی و برتری اور خلق سے یکسوئی تھی جیسا کہ بہادروں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو سخت و سُست کہا۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا کہ میں نے قصد کیا ہے کہ تم سے بات نہیں کروں گا۔ اس کے بعد حضرت عمارؓ حضور اکرمؐ کے پاس آئے اور حضرت خالدؓ کی شکایت کی۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا۔ اے خالدؓ تمہیں عمارؓ سے کیا کام ہے وہ ایک جنتی شخص ہیں جو بدر میں حاضر ہوئے اور حضرت عمارؓ سے فرمایا خالدؓ، خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔ حضرت خالدؓ حضرت عمارؓ کے پاس گئے اور معذرت خواہی کی۔ اور استغفار کیا۔ حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں ہمیشہ حضرت عمارؓ سے محبت کرتا رہا۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کی حضور اکرمؐ سے شکایت کی۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا اے خالدؓ کیوں ایسے شخص کو ایذا پہنچاتے ہو جو اہلِ بدر میں سے ہے۔ اگر تم احد پہاڑ کی برابر بھی سونا صدقہ کرو تو ان کے عمل کے برابر نہیں پہنچ سکتے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! یہ میرے پیچھے پڑ گئے اور مجھے ایذا دینے لگے تو میں نے اس کے جواب میں ایسا کہا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خالدؓ کو ایذا نہ دو۔ وہ خدا کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے۔

القصہ جب حضرت خالدؓ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو یہ لکھ کر بھیجا کہ مجھے

میرے حال پہ چھوڑ دو میں جو چاہوں کروں اور جسے جو چاہوں دوں۔ ورنہ تم جانو اور تمہارا عمل۔ اپنے کام کو مجھ سے لے لو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو بات کرنے کا موقعہ مل گیا۔ چونکہ حضرت عمرؓ اور ان کے مابین بہت دنوں سے کوئی چیز تھی انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا۔ خالدؓ کو معزول کر دیجئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا "کون ہے جو جا کے میری طرف سے حضرت خالد کو یہ خبر پہنچائے"۔ حضرت عمرؓ نے کہا "یہ کام میں کروں گا"۔ انہوں نے فرمایا "تم جانو اور تمہارا کام"۔ اس کے بعد سفر کی تیاری شروع کر دی۔ تاکہ باہر جائیں۔ پھر صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے انہوں نے کہا کیا بات ہے کہ حضرت عمرؓ آپ کے پاس سے باہر جا رہے ہیں حالانکہ آپ کو ان کی ضرورت ہے اور کیا بات ہے کہ آپ حضرت خالدؓ کو معزول کر رہے ہیں حالانکہ وہ عظیم کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں۔ اس پر حضرت صدیقؓ نے فرمایا "بتاؤ میں کیا کروں"۔ انہوں نے کہا آپ حضرت عمرؓ کو حکم دیجئے کہ باہر نہ جائیں یہیں ٹھہرے رہیں اور حضرت خالدؓ کو لکھ دیجئے کہ اپنے عمل پر مستقیم رہو۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ نے ایسا ہی کیا، پھر جب حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت خالدؓ کو لکھا کہ کسی کو بھی وہ بکری ہو یا اونٹ میرے حکم کے بغیر نہ دو۔ حضرت خالدؓ نے ان کو بھی ویسا ہی جواب لکھ دیا جیسا کہ حضرت صدیقؓ کو لکھا تھا۔ اس پر حضرت فاروقؓ نے ان کو معزول کر دیا اور اپنے پاس بلا لیا۔ ایک سبب حضرت خالدؓ کی معزولی کا حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ تھا کہ انہوں نے مالک بن نویرہ کو حضرت صدیقؓ کے زمانہ میں قتل کر دیا تھا۔ لوگوں نے اختلاف کیا کہ ابن نویرہ کو حالتِ اسلام میں قتل کیا ہے اس گمان کی بنا پر جو ان کے کافر ہونے پر انہوں نے کیا تھا۔ اور ابو قتادہؓ نے بھی مالک کے قتل پر اعتراض کیا۔ اور قسم کھائی کہ حضرت خالدؓ کے جھنڈے تلے کافر ہی قتل ہوئے ہیں۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے زیادہ تر مرتدین ہی مارے گئے ہیں مسلم اور مالک انہیں مرتدین میں سے ہیں اصابہ میں نقل کرتے ہیں کہ مالک بن نویرہ تمیمی یربوعی کی کنیت ابوحنظلہ اور لقب جفول تھا۔ وہ اہل زبان فارس کا بزرگ شاعر تھا اور جاہلیت میں یربوع قوم کے سواروں میں شمار ہوتا تھا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کی قوم پر عامل صدقات مقرر کیا تھا جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر اسے پہنچی تو اس نے مالِ صدقات کو

روک لیا اور اپنی قوم میں تفرقہ ڈال دیا اور یہ شعر کہا ؎

نقلت خذ وا اموالکم غیر خائف — ولا ناظر فیما یجیئی من الغد

فان قام بالدین المحقق قایم — اطعنا وقلنا الدین دین محمد

اور یہ مالک بن نویرہ جب حضور اکرم کا ذکر کرتا تو اس طرح کہتا کہ میں تمہارے آقا پر گمان نہیں رکھتا مگر یہ کہ انہوں نے یہ کہا ہے اور میں نے تمہارے آقا سے سنا ہے کہ ایسا کہا ہے۔ حضرت خالدؓ کو اس کی یہ گستاخی گراں گزری اور ضرارؓ بن ازد اسدی نے حضرت خالدؓ کے حکم سے اسے قتل کر دیا۔ اس سے فارغ ہونے اور جنگ روم سے نپٹنے کے بعد مالک کی بیوی سے جس کا نام ام تمیم بنت المنہال تھا نکاح کر لیا یہ نہایت حسینہ وجمیلہ تھی۔ لیکن مالک کا قتل اس کی بیوی کی بنا پر نہ تھا۔ جیسا کہ لوگ تہمت لگاتے ہیں۔ مالک بن نویرہ کا ایک بھائی متمم بن نویرہ تھا وہ بھی شاعر تھا۔ اس نے مالک بن نویرہ کا مرثیہ کہا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر ظلم کی تفصیل سنائی۔ زبیر بن بکا بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ کو لکھا کہ مالک کی بیوی سے مفارقت کر لو اور حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت خالدؓ پر مالک کے معاملہ میں سختی وشدت فرمائی اور حضرت صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو معذور جانا۔ حضرت عمرؓ فاروق نے فرمایا خالدؓ کی تلوار میں منہ ہے ' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ظاہر میں اس کی تاویل کی اور کہا کہ اس نے خطا کی ہے اس کی کشیدہ تلوار پر کوئی گناہ نہیں ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے مشرکوں پر کھینچا ہے۔ اس کے بعد حضرت صدیقؓ نے حضرت خالدؓ کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ مدینہ میں آئے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھا کہ تنہا ہیں اور حضرت عمرؓ وہاں نہیں ہیں۔ پھر حضرت خالدؓ سے مالک کے قتل کا سبب پوچھا حضرت خالدؓ نے اس کا سبب بیان کیا۔ پھر حضرت صدیقؓ نے پوچھا اس کی بیوی سے کیوں نکاح کیا۔ انہوں نے کہا وہ بغیر شوہر کی عورت تھی میں نے اس کو پیام بھیجا۔ پھر حضرت خالدؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ فرمایا:۔ خَالِدٌ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ وَھَلْ یجرنی سَیْفُ اللّٰہِ اِلَّا عَلَی الْحَقِّ " خالدؓ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اور وہ حق کے سوا کسی پر نہیں چلتی "۔ یہ کہا اور باہر نکل آئے۔ جب وہ باہر نکل رہے تھے تو سامنے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے۔ انہوں نے ان کا حال پوچھا۔ حضرت خالدؓ نے کہا مجھے

رسول اللہؐ کے خلیفہ نے رخصت کر دیا ہے اور مجھے وہیں بھیجدیا ہے جہاں میں تھا۔" اس وقت حضرت عمرؓ نے اپنے دل کی بات خالد سے مخفی رکھی۔ جب خلیفہ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ کو بلایا اور زجر و شدت فرمائی وہی عذر جو انہوں نے حضرت صدیقؓ کے سامنے بیان کیا تھا حضرت فاروق اعظمؓ سے بھی بیان کر دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا تہمت کے مقام پر تقویٰ کو اختیار کیوں نہ کیا۔ بہر حال معاف کیا اور شفقت فرمائی اور کہا کہ" رحم اللہ خالداً اللہ تعالیٰ خالدؓ پر رحم فرمائے"۔ اور فرمایا میں حضرت خالدؓ پر عتاب نہ کرتا مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حال پر زیادتی کی بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا حضرت خالدؓ نے عظیم کارنامے سرانجام دیئے ہیں میں ڈرتا ہوں کہ ان کے دل میں عجب اپنا سر نہ اٹھائے۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے کہا سبحان اللہ! میں سو یا سو سے زیادہ جنگوں میں شریک رہا ہوں اور میرے جسم میں ایک بالشت برابر بھی ایسا حصہ نہیں ہے جہاں نیزہ و تلوار اور تیر کے زخم نہ لگے ہوں مگر آج میں اس حال میں جان دے رہا ہوں جیسے اونٹ مرتا ہے۔ حضرت خالدؓ کی وفات حمص میں ہوئی اور بعض مدینہ طیبہ میں ۲۱ھ یا ۲۲ھ میں بزمانہ خلافت فاروقی بتاتے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے وصیت کی کہ ان کا تمام اسلحہ اور گھوڑے خدا کی راہ میں کام آئیں۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت خالد کے جنازہ پر آئے جب حضرت عمرؓ یہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے گھر میں بنی مغیرہ کی عورتیں جمع ہیں اور حضرت خالدؓ بن ولید پر رو رہی ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کوئی مضائقہ نہیں ہے ان پر کہ وہ حضرت خالدؓ کے لئے روئیں بجز اس بات کے کہ اس میں فریاد اور نوحہ نہ ہو۔ یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ حضرت خالدؓ کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی۔

محمد بن سلام نے کہا ہے کہ بنی مغیرہ کی کوئی عورت ایسی باقی نہ رہی جس نے حضرت خالدؓ بن ولید کی قبر کے پاس اپنے سر کے بال نہ ترشوائے اور یہ زمانہ جاہلیت کے قریب ہونے کی وجہ سے تھا۔ اور بنی مغیرہ میں زمانہ جاہلیت کی رسموں کا بہت غلبہ تھا۔ اور خود ولید بن مغیرہ جو حضرت خالدؓ کے باپ ہیں، شدید کافر اور قریش کے جاہل ترین آدمی تھے اور ان میں حضرت خالدؓ ہی ایسے تھے جنہوں نے اسلام کی توفیق پائی اور اس مرتبہ پر فائز ہوئے (رضی اللہ عنہ)

حضرت خالدؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اُن سے ابن خالد ابن عباسؓ، علقمہ اور جبیر بن نفیرؓ نے روایت لی ہے۔

## محمدؓ بن مسلمہ

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ ہیں ان کا تذکرہ پاسبانِ رسالت کے ضمن میں گزر چکا ہے ظاہر ہے کہ یہ دونوں طبقوں سے تعلق رکھتے تھے (رضی اللہ عنہ)

## عبداللہؓ بن رواحہ

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے عبداللہ بن رواحہؓ ہیں۔ ان کی کنیت ابو محمد ہے۔ یہ انصاری، خزرجی، سابقین اولین میں سے اور انصار کے نقیاریں سے ایک ہیں۔ بعض حضرات ان کی کنیت ابو محمد اور ابو رواحہ بتاتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت مقدادؓ کے درمیان مواخاۃ فرمائی تھی۔ وہ جاہلیت میں عظیم المرتبت تھے۔ عقبہ بدر، احد، خندق اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ بجز فتح مکہ اور اس کے بعد کے غزوات کے۔ اس بنا پر کہ وہ غزوہ موتہ میں ۸ھ میں شہید ہو گئے تھے۔ منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں کو موتہ کے لئے رخصت فرمایا تو مسلمان دعا کرتے اور ندا کرتے تھے کہ سلامتی کے ساتھ جاؤ اور سلامتی کے ساتھ واپس آؤ۔ لیکن ان حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا ؎

لکنی اسأل الرحمٰن مغفرۃ وضربۃ ذات فرع تقذف الزبدا

یہ شہادت کے طالب اور اس کے مشتاق بن کر نکلے تھے جیسا کہ پہلے بیان میں گزر چکا ہے۔ یہ شعرائے اسلام میں سے تھے اور کفار کی ایذاؤں کو رسول اللہؐ کی جانب سے ان کی طرف لوٹاتے تھے اور جواب دیتے تھے۔ ان کے اور ان دونوں صحابہ حضرت حسانؓ بن ثابت اور کعبؓ بن مالکؓ کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۔

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اللہ کا بہت زیادہ ذکر کیا اور بدلہ لیا اس کا جو ان پر ظلم ہوا۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابن عباسؓ حضرت اسامہؓ بن زید اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے تابعین کی ایک جماعت نے

مثلاً ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور عکرمہ وغیرہ نے روایت لی ہے۔ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کتابت کیا کرتے تھے اور وہی فتح بدر کی بشارت مدینہ لیکے آئے تھے۔ حضور اکرمؐ نے ان کو تئیس سواروں کے ساتھ اسید بن ازام یہودی کی طرف خیبر بھیجا انہوں نے ہی اسے قتل کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہؓ بن رواحہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ یہ حدیث طویل ہے اور حضرت انسؓ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب کسی صحابہ سے ملتے تو ان سے کہتے بیٹھو تاکہ میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ کی کچھ دیر یاد کروں۔ (الحدیث)۔ اور بیہقی نے بسند صحیح بروایت ثابت از ابویعلی روایت کیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ داخل ہوئے اس وقت حضور اکرم فرمارہے تھے کہ بیٹھ جاؤ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ وہیں بیٹھ گئے دراٰنحالیکہ وہ مسجد کے باہر ہی تھے پھر جب حضور اکرمؐ خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضور اکرمؐ نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے رسول کی فرمانبرداری کی اور زیادہ توفیق بخشے۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی شہادت کے بعد ان کی بیوی سے نکاح کرلیا اس شخص نے ان کی بیوی سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا انہوں نے بتایا کہ وہ جب گھر سے باہر نکلتے تو پہلے دو رکعت پڑھتے اور جب گھر میں داخل ہوتے تو دو رکعت پڑھتے تھے یہ عمل انہوں نے کبھی ترک نہ کیا۔ ہشام بن عروہ سے مروی ہے کہ جب آئیہ کریمہ "وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ" نازل ہوئی تو حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے فرمایا حق تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کیا میں ان میں سے ہوں؟ اس پر آئیہ کریمہ "اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" (الآیہ) نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو شعر سب سے بہتر کہے ہیں وہ یہ ہے ؎

لو لم یکن فیہ آیات مبینۃ  کانت بدیھیۃ بینك بالخبر

اس شعر میں ایک قسم کی تلمیح ہے جو اس آئیہ کریمہ میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ جیسا کہ ایک رسالہ میں آئیہ کریمہ "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کی تفسیر میں وضاحت کی گئی ہے۔ فینظر ثمناك۔

**حضرت مغیرہؓ بن شعبہ** انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت مغیرہؓ بن

شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کو کاتبوں کے ضمن میں بھی بیان کیا گیا ہے اور مواہب لدنیہ میں پاسبان بارگاہ رسالت میں بھی شمار کیا گیا ہے۔ مروی ہے کہ حدیبیہ کے روز وہ حضور اکرمؐ کے سرہانے شمشیر برہنہ لئے کھڑے تھے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ اور تقریباً اسی جگہ عروہ بن مسعود ثقفی کے ساتھ مغیرہ کے ابتدائے اسلام کی حکایت بھی مذکور ہے نیز معلوم ہوا ہے کہ یہ ان صحابۂ کرام میں سے تھے جن کے بارے میں اہلِ سنت وجماعت برا کہنے اور زبان طعن دراز کرنے سے ان کی فضیلت اور صحابیت کے حق کی بنا پر روکتے ہیں۔ اور جو کچھ کہ اہلِ سیر نے بیان کیا ہے ہم اسے بیان کرتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ وہ ابو عبد اللہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ ان کی کنیت ابو عیسیٰ بھی ہے۔ یہ مغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر ثقفی مدینہ طیبہ میں آکر عام الخندق میں اسلام لائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا واقعہ حدیبیہ ہے۔ ....... ان کی کنیت ابو عیسیٰ بھی ہے آگے ان کی اولاد عروہ وحمزہ اور ان کے غلام حرّاد اور ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری وشعبی وغیرہ جماعتِ کثیرہ نے روایت کیا ہے۔ اصابہ میں ہے کہ وہ حدیبیہ سے پہلے اسلام لائے اور بیعۃ الرضوان میں حاضر ہوئے اس جگہ ان کا تذکرہ ہے اور وہ عرب کے ....... سے تھے یعنی سخت محنت ومشقت کا کام ہوشیاری سے کرنے والے عرب میں چار اشخاص ہیں۔ ایک معاویہؓ بن ابی سفیان دوم عمروؓ بن العاص سوم مغیرہ بن شعبہ چہارم زیاد۔ استیعاب میں مرقوم ہے کہ قیسؓ بن سعد بن عبادہ اپنی فضیلت وبزرگی کے باوجود سخت محنت ومشقت کا کام، ہوشیاری سے کرنے والوں میں کم نہیں ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ دراز قامت، بڑی آنکھیں، سفید و گھونگریالے بال، موٹے ہونٹ، بڑا سر، فربہ بازو اور چوڑے شانے کے آدمی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو بصرے پر حاکم مقرر فرمایا اور انہوں نے ہمدان اور چند دیگر شہر فتح کئے۔ اس کے بعد ایک عمل فحش صادر ہونے کی بنا پر انہیں معزول کر دیا اور ان پر ابو بکرہؓ اور ان کے سوا کسی اور نے گواہی دی اگرچہ بحکم شرع ان کی گواہی مکمل نہ ہوئی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے تین سو عورتوں کو اسلام میں شوہر دار بنایا اور بعض تو ہزار تک بتاتے ہیں اس کے بعد ان کو کوفہ پر حاکم بنایا اور یہ ہمیشہ اس پر حاکم رہے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے ان کو بدستور برقرار رکھا۔ اور جب حضرت علیؓ مرتضیٰ اور امیر معاویہؓ

کے درمیان صفین وغیرہ کا نزاع واقع ہوا تو انہوں نے یکسوئی اختیار کی۔ اور جب حکمین کا قضیہ لاحق ہوا تو وہ امیر معاویہؓ کے ساتھ مل گئے۔ اور جب امام حسنؓ بن علی مرتضیٰ اور امیر معاویہؓ کے درمیان مصالحت ہوئی اور امیر معاویہؓ پر اجتماع ہو گیا تو امیر معاویہ کی بیعت کر لی۔ اور امیر معاویہؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ انہوں نے ہی یزید کی امارت کی تدبیر کی اور لوگوں کو اس پر آمادہ کیا تھا۔ منقول ہے کہ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ نے ان کو کوفہ سے اپنے پاس بلایا انہوں نے جانے میں تاخیر کی۔ امیر معاویہؓ نے ان پر عتاب کیا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ تاخیر کا موجب خدمت میں کوتاہی نہیں ہے۔ میں خدمت میں ہی مشغول ہوں کہ یزید کی امارت کی تدبیر میں مشغول ہوں۔ اس کے بعد وہ کوفہ کی گورنری پر برقرار رہے۔ اور وہاں ان کے احکام برابر جاری رہے حتیٰ کہ وہ ۵۰ھ میں فوت ہو گئے اور انہوں نے اپنے بیٹے عروہ کو اپنی وفات کے وقت اپنا قائم مقام بنایا۔ مگر امیر معاویہؓ نے اس کی منظوری نہ دی اور کوفہ و بصرہ پر زیاد کو گورنر بنایا اور اس پر انہوں نے عراق کے دونوں صوبوں کو مجتمع کر دیا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ مغیرہؓ بن شعبہ ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دربار میں آئے اور حاضری کی اجازت طلب کی۔ لوگوں نے کہا کہ ابو عیسیٰ اجازت مانگتے ہیں؟ حضرت فاروق نے فرمایا کہ "عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا"۔ گویا کہ حضرت فاروقؓ نے ابو عیسیٰ کی کنیت کو مکروہ جانا۔ لوگوں نے کہا "حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کو اس کنیت سے یاد فرماتے تھے حضرت فاروقؓ نے فرمایا حضور اکرمؐ خدا کے نبی مغفور ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے "ماتقدم من ذنبہ وما تاخر" ان کے لئے فرمایا ہے ہمارے لئے مشکل ہے ہم نہیں جانتے کہ ہمارے ساتھ کیا ہو گا۔ صرف مغیرہؓ بن شعبہ کہو۔ کیا وہ "ابو عبداللہ" کنیت رکھنے کو اچھا نہیں جانتے"۔ اس حکایت کی صحت میں کلام ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مسند خلافت پر جلوہ آرا ہوئے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی تو مغیرہؓ بن شعبہ ان کے پاس آئے اور کہا اے امیر المومنین آپ کے لئے میری ایک نصیحت اور خیر خواہی ہے۔ امیر المومنین نے فرمایا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ پر امیر خلافت مستحکم و مستقیم رہے تو حضرت طلحہؓ

بن عبیداللہ کو کوفہ پر اور حضرت زبیرؓ بن العوام کو بصرہ پر حاکم مقرر کر دیجئے اور امیر معاویہؓ کو ان کے عہدہ پر شام میں ہی ان کے اپنے حال پر چھوڑ دیجئے۔ تاکہ وہ آپ کی اطاعت میں ہمیشہ رہیں اور جب امر خلافت مستقیم ہو جائے تو ان کے ساتھ جس طرح چاہئے کیجئے اور جیسی کچھ آپ کی رائے ہو اسے عملی جامہ پہنا دیجئے۔ اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے بارے میں تو میں غور و فکر کر کے رائے قائم کروں گا۔ لیکن معاویہؓ کے بارے میں، تو ہرگز نہیں، خدا کی قسم، میں اپنے آپ کو اس پر عمل کرنے والا نہیں پاتا۔ اور نہ ان سے کوئی مدد لینے والا دیکھتا ہوں جب تک کہ وہ اپنے حال پر ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ کہ اور مسلمانوں نے اختیار کیا ہے وہ بھی اختیار کریں۔ اگر وہ انکار کریں تو ان کا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اس پر مغیرہؓ بن شعبہ امیر المومنین کے پاس سے غصہ ہو کر چلے گئے کیوں کہ ان کی نصیحت کو انہوں نے قبول نہ فرمایا تھا۔ دوسرے دن وہ پھر آئے اور کہا کہ کل جو کچھ میں نے کہا اور جو کچھ کہ آپ نے جواب دیا اس پر میں نے غور و فکر کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ نے خیر کی توفیق پائی اور حق کی جستجو فرمائی ہے۔ جب مغیرہؓ باہر نکلے تو امام حسنؓ مجتبیٰ بن علی مرتضیٰ ملے اور وہ اپنے والد بزرگوار کے پاس پہنچے۔ اور پوچھا کہ یہ اعور آپ سے کیا کہتا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ کل اس نے مجھ سے ایسا کہا تھا اور آج اس نے مجھ سے ایسا کہا۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ امام حسنؓ مجتبیٰ نے کہا کہ کل اس نے خیر خواہی میں کہا تھا اور آج خوشامد میں کہا ہے۔ اس پر حضرت علیؓ مرتضیٰ نے فرمایا کہ اگر میں معاویہؓ پر اسے برقرار رکھوں جو میرے قبضہ و اختیار میں ہے تو میں حق تعالیٰ کے ارشاد کا مصداق بنوں گا کہ فرمایا:۔ وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ۔ جس طرح کہ مغیرہؓ نے حضرت امیر المومنین سے باتیں کی تھیں۔ اسی طرح طلحہؓ نے بھی باتیں کیں ان کی بات کو بھی قبول نہ فرمایا۔ بالآخر حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کا وہی حال ہوا جو سب کو معلوم ہے۔

## عمروؓ بن العاص

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عمروؓ بن العاص بن اوائل قرشی سہمی منسوب بہ قبیلہ سہم بن عمرو بطنی قرشی ہیں ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے ایک قول ہے کہ ابو محمد ہے۔ بقول صحیح ۸ھ میں اسلام لائے جیسا کہ گزرا۔ بعض کہتے ہیں کہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان جب حضرت خالدؓ بن ولید اور

عثمانؓ بن طلحہ حجمی آئے اور اسلام لائے۔ اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ مکہ مکرمہ نے اپنے جگر گوشوں کو تمہاری طرف پھینک دیا ہے۔ واقدی نے کہا کہ حضرت عمروؓ بن العاص ۸ھ میں نجاشی کے پاس سے مسلمان آئے تھے اور وہ اسلام نجاشی کے پاس ہی قبول کر چکے تھے۔ اور دین اسلام کے معتقد ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ نجاشی نے ان سے کہا:۔

اے عمروؓ! تمہارے ابن عم کا دین تم پر کیسے مخفی ہے خدا کی قسم وہ سچے خدا کے رسول ہیں۔ انہوں نے ان سے کہا "کہا تم یہ بات حق و صداقت اور یقین سے کہتے ہو" نجاشی نے کہا خدا کی قسم میں یقین سے کہتا ہوں۔ اس کے بعد وہ نجاشی کے پاس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کے قصد سے فتح مکہ سے چھ ماہ قبل نکلے۔ بقیہ احوال سرایا کے ضمن میں پہلے ہی گزر چکا ہے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے عامل رہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کی طرف بھیجا اور انہوں نے مصر کو فتح کیا اور وہاں کے حاکم رہے۔ جب حضرت فاروق اعظم شہید ہوئے تو حضرت عثمانؓ ذوالنورین نے تقریباً چار سال برقرار رکھا اس کے بعد ان کو معزول کر کے حضرت عبداللہؓ بن ابی سرح کو حاکم مقرر کیا۔ یہ حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو اسکندریہ کی طرف بھیجا انہوں نے اسے فتح کیا۔ جب حضرت عثمانؓ شہید ہو گئے تو عمروؓ بن العاص امیر معاویہؓ کے پاس جا کر ان سے مل گئے۔ اور ان کے مدار المہام بن گئے وہ صفین میں امیر معاویہؓ کے ساتھ تھے اور اس میں حکم بنانے کا قصہ پیش آیا تھا جیسا کہ معلوم و مشہور ہے۔ اس کے بعد امیر معاویہؓ نے اپنے زمانۂ امارت میں مصر کو ان کی جاگیر میں دیدیا اور ۴۳ھ یا ۴۱ھ یا ۵۱ھ میں عید الفطر کے دن مصر میں وفات پائی۔ ۴۳ھ زیادہ صحیح ہے اور ایک قول ہے کہ ۴۱ھ ہے ان کے بعد امیر معاویہؓ نے ان کے بیٹے عبداللہؓ بن عمرو کو مصر کا گورنر بنایا۔ ان کی عمر نوّے سال کی ہوئی بعض ننانوے سال بتاتے ہیں۔ ان کی نماز جنازہ ان کے بیٹے نے پڑھی۔ اس کے بعد عید گاہ آ کے لوگوں کے ساتھ عید کی نماز پڑھی۔ پھر امیر معاویہؓ نے عبداللہ کو معزول کر دیا۔ اور اپنے بھائی عتبہ بن ابوسفیان کو وہاں کا گورنر بنایا۔

منقول ہے کہ عمروؓ بن العاص عرب کے دانشوروں اور ان کے رؤساء میں سے تھے اور وہ صاحبِ فہم وفراست، ذہن رسا اور پستہ قامت کے تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ کسی شخص کو بات کرنے اور بات سمجھنے میں عاجز دیکھتے تھے تو کہتے کہ "سُبحَانَ اللّٰہِ خَالِقُ ہٰذَا وَعَمرِو وَاحِدٌ" تعجب ہے کہ ایسی فہم وفراست رکھنے کے باوجود حضرت علیؓ مرتضیٰ کی جانب کو چھوڑ کر امیر معاویہ کے تابع ہو گئے۔ حکیم فارابی نے رسالہ "تقاسیم عقل" میں کہا ہے کہ عقل کو کئی معنیٰ میں بولا جاتا ہے کبھی قوت عاقلہ نفس ناطقہ پر اطلاق کرتے ہیں۔ اور کبھی ایسے امور کے سوچ بچار پر جو مبدا و معاد کی صلاح پر ہو اسمیں بولتے ہیں۔ اور کبھی دنیاوی اغراض و مقاصد اور اس کی حرکات وسکنات کے دریافت کرنے پر اگرچہ موافق نفس الامر اور مطابق حق نہ ہو بولتے ہیں۔ جیسا کہ عمروؓ بن العاص اور اس قسم کے دیگر معاملات وغیرہ دوسرے لوگوں سے واقع ہوا۔

بظاہر عمروؓ بن العاص کی ولادت حضرت عمرؓ بن الخطاب کی ولادت سے پہلے تھی۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ مجھے عمرؓ بن الخطاب کو ان کی پیدائش کی رات میں دیکھنا یاد ہے۔ اصابہ میں ہے کہ زبیر بن بکار نے بیان کیا کہ کسی شخص نے عمروؓ بن العاص سے پوچھا کہ تم نے اسلام لانے میں دیر کیوں لگائی باوجودیکہ تم بڑی فہم وفراست اور عقل والے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی قوم کے ساتھ تھا اور ان کا غلبہ مجھ پر از حد تھا کیوں کہ ان کی عقلیں پہاڑ کی مانند تھیں۔ مطلب یہ کہ پہاڑ کی مانند مضبوط وثابت اور راسخ و ٹھوس تھیں۔ ان کی اس سے مراد جہل وعناد میں ثبوت و رسوخ ہو گا۔ اور جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو دشمنی وعناد کی روش انہوں نے اختیار کی اور انکار وتمرد کو اپنایا ہم نے بھی ان کی متابعت و موافقت میں چلنے کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا۔ جب وہ لوگ جہاں سے مرکھپ گئے اور معاملہ ہمارے اختیار میں آیا تو ہم نے غور وفکر کیا تو حق بین نظر آیا اور میرے دل میں دین اسلام کی محبت نے جڑ پکڑ لی اور اسے قریش نے بھی میری طرف سے جان لیا۔ اس کے بعد میں ان کا معین ومددگار اس بات میں ہو گیا کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوں۔ پھر انہوں نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا کہ وہ اس بارے میں مجھ سے مناظرہ کرے تو میں نے اس شخص کو کہا میں تجھ سے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جو تیرا رب ہے اور تجھ سے پہلے اور تجھ سے بعد والوں کا رب ہے بتا کہ ہم راہِ راست پر زیادہ ہیں یا فارس و روم کے لوگ؟ اس نے کہا ہم راہِ راست

پر زیادہ ہیں۔ میں نے کہا بتاؤ ہم فراخی اور عیش و عشرت میں زیادہ ہیں یا وہ۔ اس نے کہا وہ زیادہ ہیں۔ میں نے کہا ان پر ہماری فضیلت کا کیا فائدہ ہے جبکہ اسی دنیا میں وہ ہیں اور اسی دنیا میں ہم ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ اسی دنیا میں ہم سے عظیم تر اور بالاتر ہیں۔ اب میرے دل میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بات جاگزیں ہو گئی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہو گا تاکہ نیکو کاروں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دیا جائے اور بدکاروں کو ان کی بدی کی سزا دی جائے۔ اور یہ بات ہے بھی حق۔ جب وہ ایمان لائے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی فہم و فراست اور ان کی دانائی و شجاعت کی بنا پر آگے بڑھایا اور اپنا مقرب بنا کر غزوۂ ذات السلاسل میں ان کو لشکر کا امیر بنایا۔ اور حضرت ابوبکر و عمر اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہم نے تائید فرمائی۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو ان کی دانائی کی خبر تھی۔ یہاں تک کہ اگر کسی معاملہ میں مناقشہ واقع ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ان پر چڑھ دوڑتے اور دخل دے کر انکار و اعتراض کرتے حضرت ابوبکرؓ فرماتے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اے عمرؓ فاروق۔ کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنگی مصلحتوں اور اس کی تدبیروں کو بہترین جاننے والا سمجھ کر امیر بنایا ہے۔ ان حالات اور ان امور کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں شام، حلب، انطاکیہ اور فلسطین کو فتح کیا۔ جب حضرت فاروق رضؓ نے ان کی کارکردگی کو دیکھا تو فرمایا کہ حضرت ابوعبیدہؓ کو زمین پر زندگی نہ گزارنی چاہیئے مگر امیر ہو کے انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کیں۔ اور ان سے ان کے دونوں فرزند عبداللہؓ و محمد اور ابوسلمہ بن عبدالرحمن اور ابو عثمان ہندی اور کثیر تابعین نے روایت کی۔ مسند امام احمد میں حضرت طلحہؓ سے مروی ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ کیوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عمروؓ بن العاص قریش کے صالحین میں سے ہیں۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمروؓ! اپنی زرہ پہن کر اور ہتھیار لگا کر میرے پاس آؤ۔ تاکہ میں تمہیں کسی جانب جہاد کے لئے بھیجوں تاکہ غنیمت ملے اور تمہیں کچھ مال حاصل ہو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میں مال کے لئے اسلام نہیں لایا ہوں بلکہ دین اسلام کی محبت و رغبت سے اسلام لایا ہوں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلْمَرْءِ الصَّالِحِ مصالح

مال صالح شخص کے لئے اچھا ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اَسْلَمَ النَّاسُ وَاٰمَنَ عَمْرٌو" لوگ اسلام لائے اور عمروؓ ایمان لائے۔ ظاہر ہے کہ لوگ سے مراد قوم ہوگی، اور بھی حدیثیں ان کی شان میں مروی ہیں (واللہ اعلم)

حضرت عمروؓ بن العاص کی وفات کا قصہ احادیث سے خالی نہیں ہے۔ مسلم کی حدیث میں ہے کہ عمروؓ بن العاص اس جہان کو چھوڑتے وقت بہت خوف وقلق اور اضطراب کا اظہار کرتے تھے۔ لوگ ان کی عیادت کو آتے تو بہت زیادہ روتے اور اپنے منہ کو دیوار کی جانب پھیر لیتے۔ اس پر ان کے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ نے کہا اے پدر بزرگوار! یہ خوف و پریشانی کس لئے ہے آپ نے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی ہے ان کے ساتھ جہاد کئے ہیں اور ان سے بشارتیں پائی ہیں۔ پھر انہوں نے اپنا رخ لوگوں کی طرف پھیر کے کہا" اے بیٹے! مجھ پر تین حالتیں گزری ہیں میں ابتدائی عمر میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سخت دشمنی رکھتا تھا اگر میں اس حالت میں مرتا تو جہنمیوں میں سے ہوتا۔ اس کے بعد میں مسلمان ہوا۔ اور حضور اکرمؐ کی صحبت میں رہا۔ اور ایسا ہو گیا کہ رسول خدا سے بڑھ کر کوئی مجھے محبوب نہ تھا۔ یہاں تک کہ انتہائی ادب و احترام اور عزت و اکرام کے تحت حضور اکرمؐ کی طرف نگاہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کو بیان کرو تو میں بیان نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ مجھ میں اتنی طاقت ہی نہ تھی کہ حضور اکرمؐ کی طرف دیکھ سکتا۔ اگر میں اس حالت میں اس جہان سے جاتا تو میں امید رکھتا میں اہل جنت میں سے ہوں۔ اس کے بعد میں امارت و ولایت میں رہا اور اس میں بھی گھل مل گیا اور مجھ پر دنیا کی شاہراہوں میں سے جو کچھ پہنچا وہ پہنچا۔ اب میں نہیں جانتا کہ میرا کیا انجام ہوگا۔ پھر جب میں مر جاؤں تو رونے والوں کو میرے ساتھ نہ کرنا اور جب مجھے دفن کر دو تو آہستہ سے مجھ پر مٹی ڈالنا اور میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر اونٹ ذبح ہو کر اس کے گوشت کو تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انسیت پکڑوں اور میں دیکھوں کہ میں کیا جواب دیتا ہوں اپنے رب کے فرستادوں کے سوالات کا۔ جامع الاصول میں مسلم سے اسی طرح مروی ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، جنگ صفین میں شہید ہوئے تو حضرت عمرو بن العاص نے امیر معاویہؓ کے پاس آکر حسرت و ندامت کا اظہار

کیا، اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا: تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ۔ تم کو باغی جماعت قتل کرے گی۔ چونکہ حضرت عمارؓ ہمارے ہاتھ سے قتل ہوئے تو اس لئے ہم باغی جماعت سے ہوئے۔ امیر معاویہؓ نے کہا تم عجیب آدمی ہو کہ اپنے پیشاب میں آپ ہی لتھڑتے ہو۔ درحقیقت عمارؓ کو علیؓ نے ہی قتل کیا ہے کیونکہ وہ ان کو جنگ میں لائے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تاویل باطل ہے ورنہ لازم آتا ہے کہ حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ، کے قاتل (معاذ اللہ) حضور اکرمؐ ہوں۔ اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عمروؓ بن العاص کے دل میں خوف اور حق بینی موجود تھا۔ صحیح بخاری میں امام حسنؓ مجتبیٰ کی صلح کے قصہ میں مذکور ہے "وَكَانَ خَيْرَ الرَّجُلَيْنِ" وہ اچھے آدمیوں میں سے تھے۔ (واللہ اعلم)

## عبداللہؓ بن عبداللہ

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی سلول رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبداللہ بن ابی مشہور منافق تھا۔ اسے راس المنافقین کہتے ہیں کیونکہ اِفک عائشہ رضی اللہ عنہا کی جڑ، بنیاد یہی تھا۔ اور اس کی دیگر شناعتیں حد و شمار سے باہر ہیں۔ وہ خزرج کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھا۔ اور خزرج کے لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل چاہتے تھے کہ اس کے سر پر تاج رکھ کر اس کو اپنا امیر بنالیں۔ لیکن جب حضور اکرمؐ تشریف لے آئے تو اس نے نفاق و حسد اور بغاوت کی روش اختیار کرلی۔ اس کی موت و زندگی کے حالات ہجرت کے سالوں کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔ اس خبیث کا ایک بیٹا تھا جس کا نام عبداللہؓ بن عبداللہ تھا وہ مومنوں، مخلصوں اور صدیقوں میں سے تھا۔ ان کا نام حبابؓ تھا۔ حضور اکرمؐ نے ان کا نام عبداللہؓ رکھ دیا۔ اور وہ حضور اکرمؐ کے ساتھ بدر اور تمام غزوات میں حاضر و شریک رہے۔ یہ حضور اکرمؐ کی مراسلت کو لکھا پڑھا کرتے تھے۔ جنگ یمامہ میں بزمانۂ خلافت صدیقی ۱۲ھ میں شہید ہوئے ان سے حضرت عائشہؓ اور جہم بن سعد نے روایت کی ہے۔ اصابہ میں جہم بن سعد اسلمی لکھا ہے۔ قضاعی نے ان کو حضور اکرمؐ کے کاتبوں میں سے بیان کیا ہے وہ اور حضرت زبیرؓ اموال صدقات کو لکھا کرتے تھے۔ قرطبی نے "مولد نبوی" میں جو کہ ان کی تالیفات میں سے ہے ایسا ہی لکھا ہے۔

## جہم رضی اللہ عنہ بن الصلت

انہیں کاتبوں میں سے ایک حضرت جہم رضی اللہ عنہ بن الصلت بن مخرمہ بن عبد المطلب بن عبد مناف قرشی مطلبی رضی اللہ عنہ ہیں۔ استیعاب میں ہے کہ وہ خیبر کے زمانہ میں اسلام لائے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیبر کی غنیمت میں سے تین وسق مرحمت فرمائے۔ اصابہ میں ہے کہ وہ مراسلت لکھا کرتے تھے۔ اور بلاشبہ انہوں نے حضور اکرم کی خط وکتابت لکھی ہے۔ ابن اسحٰق مغازی میں کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک پہنچے تو حضور اکرم کے پاس تحنیہ بن رویہ آیا اور اس نے صلح کی اور حضور اکرم نے اس کے لئے والانامہ تحریر کرا کے دیا اور وہ والانامہ انہیں کے پاس ہے اس کے لکھنے والے یہی جہم رضی اللہ عنہ بن الصلت تھے۔ جہم اور حضرت زبیر دونوں اموالِ صدقات کی کتابت کرتے تھے۔

## ارقم رضی اللہ عنہ بن ابی ارقم

انہیں کاتبوں میں سے ارقم رضی اللہ عنہ بن ابی ارقم قرشی مخزومی مہاجرین اولین اور قدیم الاسلام سات میں کے ساتویں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ دس کے بعد اسلام لائے۔ ابن عقبہ اور ابن اسحٰق نے بیان کیا ہے کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم قریش سے پوشیدہ ہو کر دار ارقم یعنی ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں اقامت فرمائی اور ابتداء میں ان کے گھر سے لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تھے یہاں تک کہ حضور اکرم وہاں سے باہر تشریف لائے۔ ان کا گھر کوہِ صفا کے اوپر تھا۔ اسی گھر میں اکابر صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ ابتداء اسلام میں اسلام لائی یہاں تک کہ چالیس کا عدد پورا ہوا چالیسویں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب چالیس کا عدد مکمل ہو گیا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں ۵۵ھ میں مدینہ طیبہ میں انہوں نے وفات پائی ان کی عمر شریف کچھ اوپر اسّی سال کی ہوئی۔ اور انہوں نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پڑھیں۔ مروان نے کہا کیا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابی کو ایک غیر حاضر شخص کی وجہ سے روکے رکھوں۔ مگر عبد اللہ بن ارقم نے مروان کو باز رکھا اور انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے اور نماز پڑھائی۔

## عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن زید

انہیں کاتبوں میں سے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن زید بن عبد ربہ ابو محمد انصاری خزرجی حارثی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ بنی الحارث

بن خزرج سے تھے اور صاحب اذان تھے کہ انہوں نے خواب میں اذان کے کلمات سنے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم فرمایا کہ حضرت بلالؓ کو یہ کلمات سکھاؤ تاکہ حضرت بلالؓ ان کو اذان میں کہیں۔

بعض اہل سیر، ان کے نسب میں ثعلبہ کا اضافہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زید بن ثعلبہ بن عبد ربہ لیکن درست و معروف اس کا نہ ہونا ہے اس لئے کہ ثعلبہ بن عبد ربہ حضرت عبداللہؓ کے چچا اور زید کے بھائی ہیں۔ لوگوں نے ثعلبہ کو ان کے نسب میں داخل کر کے غلطی و خطا کی ہے۔

یہ عبداللہؓ بن زید بن عبد ربہ مشہور صحابی ہیں کیونکہ ان کو صاحب الاذان کہتے ہیں۔ اور یہ حضور اکرمؐ کے کاتبوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ عقبہ، بدر اور تمام غزوات میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اور انہیں کے ہاتھ میں فتح مکہ کے دن بنی الحارث بن خزرج کا عَلَم تھا۔ ان سے حضرت سعید بن المسیب عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ اور ان کے بیٹے محمد بن عبداللہ بن زید نے روایت کی ہے۔ جیسا کہ استیعاب میں مذکور ہے۔ اور اصابہ میں بھی اسی طرح ہے نیز انہوں نے کہا کہ ترمذی نے بیان کیا ہے کہ ان کی کوئی حدیث معلوم نہ ہوسکی بجز اذان والی حدیث کے۔ ابن عدی، بغوی اور دیگر حضرات بھی یہی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے سوا ان کی کوئی اور حدیث نہیں ہے شیخ فرماتے ہیں کہ یہ خطا ہے بلکہ ان سے کئی حدیثیں مروی ہیں جو کہ چھ یا سات ہیں۔ مدائنی نے محمد بن عبداللہ بن زید سے نقل کیا ہے کہ وہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر چونسٹھ سال کی تھی۔ ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ حاکم نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ وہ احد میں شہید ہوئے تھے۔ اور وہ دلیل میں نقل کرتے ہیں کہ عبداللہؓ بن زید کی بیٹی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس آئی اور کہا کہ میں عبداللہؓ بن زید کی بیٹی ہوں جو بدر میں حاضر ہوئے اور احد میں شہید ہوئے اس کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے فرمایا اپنی جو حاجت ہو مجھ سے کہو تو انہوں نے کچھ حاجت بیان کی اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کی حاجت پوری فرمادی۔

واضح رہنا چاہیئے کہ عبداللہؓ بن زید ایک اور صحابی بھی ہیں جن کو صاحب حضور رسول اللہؐ

کہتے ہیں۔ تشریح یہ ہے کہ وہ عبداللہؓ بن زید بن عاصم انصاری مازنی ہیں یہ بنی مازن بنی نجار کے قبیلے سے ہیں ان کی کنیت بھی ابو محمد ہے۔ یہ احد میں حاضر ہوئے لیکن بدر میں حاضر نہ ہوئے حاکم و ابن منذر کا خیال ہے وہ بدر میں بھی حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وضو کی حدیث روایت کی ہے چند اور حدیثیں بھی روایت کی ہیں۔ ان کے ایک بھائی خبیبؓ بن زید تھے جن کو مسیلمہ کذاب ملعون نے شہید کیا تھا جب صحابہ نے جنگِ یمامہ لڑی تو عبداللہؓ بن زید کے بیٹے وحشیؓ بن حرب کے ساتھ مسیلمہ کے قتل کرنے میں شریک تھے۔ یہ ۶۳ھ میں یوم الحرہ میں مقتول ہوئے۔ ان سے ابن المسیب اور ان کے بھتیجے عباد بن تمیم بن زید بن عاصم اور واضع بن حبان وغیرہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے۔

## العلاءؓ بن عتبہ

انہیں کاتبوں میں سے العلاء بن عتبہ رضی اللہ عنہٗ ہیں۔ اصابہ میں مذکور ہے کہ ان کو مستغفری نے صحابہ میں بیان کیا ہے اور مرزبانی نے بیان کیا ہے کہ وہ اور ارقم انصار کے زمانہ میں تھے۔ اور تاریخ معتصم بن صارح میں ہے کہ علاءؓ بن عتبہ اور ارقم عہود و معاملات کو لکھا کرتے تھے (رضی اللہ عنہما)

## ابوایوبؓ انصاری

انہیں کاتبانِ بارگاہ رسالت میں سے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ ان جلیل القدر صحابی کا تذکرہ پاسبانِ بارگاہِ رسالت کے ضمن میں مفصل گزر چکا ہے۔

## حذیفہ بن الیمانؓ

انہیں کاتبانِ بارگاہِ رسالت میں سے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے یہ اکابر صحابہ میں سے صاحبِ اسرارِ رسول اللہؐ ہیں، ان کو منافقوں کا علم تھا۔ اور حضور اکرمؐ نے ان کو منافقوں کے صفات کی تعلیم دی تھی۔ یہ منافقوں کی ذاتوں اور ان کی شخصیتوں اور ان کے ناموں کو خوب پہچانتے تھے کہ کون کون ہیں، مسلم میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک تمام ہونے والے واقعات و حوادث اور تمام فتنوں کی خبر دیدی ہے۔ غالباً ان کی مراد کلیات حوادث واقعات کا بیان ہوگا اور کچھ جزئیات بھی جو فتنوں کے واقعات سے متعلق ہوں مراد ہوں گی (واللہ اعلم)

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے فتنہ کی حدیث اور نفاق کی علامتیں پوچھا کرتے تھے۔ اہلِ سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاروقؓ

نے ان سے پوچھا کہ کیا میرے اندر کوئی نفاق کی علامت پاتے ہو؟ انہوں نے کہا "میں نہیں پاتا البتہ میں نے سنا ہے کہ تمہارے دستر خوان پر دو رنگ کے کھانے ہوتے ہیں۔ فرمایا حاشا ایسا کبھی نہیں ہے"۔ جب تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ وہ انڈا تناول فرمار ہے تھے اور انڈے میں زردی اور سفیدی تھی۔ اس سے دیکھنے والے کو شبہ ہوا کہ دو رنگ کے کھانے ہیں۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ ان سے نفاق کے صفات اور ان کی علامتیں پوچھا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز جنازہ کے پڑھانے میں توقف فرماتے جب تک کہ حضرت حذیفہؓ نہ آجاتے جب وہ آجاتے اور نماز میں شریک ہوجاتے تو نماز جنازہ پڑھاتے اور اگر وہ نہ آتے تو بھی نماز میں شریک نہ ہوتے۔

حضرت حذیفہؓ کے والد کا نام حسل (بکسر حاء وسکون سین) اور بعض حسیل بر صیغۂ تصغیر بتاتے ہیں وہ جابر بن اسید عسی کے بیٹے ہیں۔ عسی قبیلہ عسی بن یغیض کی طرف منسوب ہے۔ اور یمان حضرت حذیفہؓ کے والد کا لقب ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی قوم میں سے کسی کو قتل کر دیا تھا پھر وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ آگئے اور انصار کے قبیلہ بنی نہشل کے حلیف بن گئے۔ پھر قوم نے ان کا نام یمانؓ رکھ دیا کہ حلیف یمان (قسم) ہو گئے یعنی انصار سے ہو گئے۔ یمان، یمین (قسم) سے بنا ہے۔ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد احد میں حاضر ہوئے اور حضور اکرمؐ کے صحابہ نے ان کے والد کو شبہ میں شہید کر دیا کیونکہ وہ مشرکوں سے جنگ کرتے ہوئے باہر نکل گئے تھے وہ دھوکے سے قتل ہو گئے تھے باوجودیکہ حضرت حذیفہؓ پکار پکار کر کہتے رہے کہ اے خدا کے بندو یہ میرے والد ہیں"۔ مگر انہوں نے نہ چھوڑا یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا۔ اس پر حضرت حذیفہؓ نے فرمایا "یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ" اللہ تمہیں معاف کرے۔ حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ اس کے بعد اپنے والد ماجد کے قاتلوں کے حق میں ہمیشہ دعا و استغفار کرتے رہے۔ جب تک کہ وہ دنیا میں زندہ رہے۔ اور اس جہان سے رخصت ہو کر وصال باری تعالیٰ انہیں حاصل ہوا۔ ان کو ان کے باپ نے بدر میں حاضر ہونے سے روک دیا تھا کیونکہ مشرکوں نے ان کے باپ کو پیچھے چھوڑا تھا اس وجہ سے وہ باز رہے تھے۔ اور غزوہ خندق میں حاضر ہوئے ان کا ذکر جمیل اسی طرح ہے۔ حضرت حذیفہؓ تمام مشاہد و غزوات میں حاضر ہوئے۔ اور وہ ۳۲ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت حذیفہؓ سے استفسار کیا گیا کہ کون سا فتنہ سب سے زیادہ سخت ہے انہوں نے فرمایا جب تمہارے سامنے خیر و شر دونوں پیش کئے جائیں اور تم ان دونوں میں سے کسی ایک کو دریافت نہ کر سکو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک

قایم نہ ہو گی جب تک کہ ہر قبیلہ کے اوپر منافق سردار قایم نہ ہوں۔ انہیں سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہر شخص خیر کی باتیں پوچھا کرتا تھا لیکن میں شر کی باتیں پوچھا کرتا تھا تاکہ میں اس سے اجتناب کروں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے حضرت عمر بن الخطاب، حضرت علی ابن ابی طالب اور حضرت ابو الدرداء وغیرہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم نے روایت بیان کی ہے۔ انہوں نے مداین میں وفات پائی اور ان کی قبر وہیں ہے سن وفات ۳۵ھ ہے ایک قول ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چند راتوں کے بعد ۳۶ھ میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ابتدائے خلافت میں وفات پائی اور ان کی قبر وہیں ہے سن وفات ۳۵ھ ہے اور جنگ جمل کا زمانہ نہیں پایا حضرت حذیفہ کے دونوں فرزند صفوان اور سعید جنگ صفین میں شہید ہوئے تھے انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی متابعت اپنے والد ماجد کی وصیت کے مطابق کی تھی۔

## بریدہ رض بن الحصیب

انہیں کاتبان بارگاہ رسالت میں سے حضرت بریدہ رض بن الحصیب (دونوں نام بر صیغۂ تصغیر ہیں) رضی اللہ عنہ ہیں اور مشہور بریدہ رض اسلمی نام سے ہیں ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے ایک قول سے ابو سہل ہے ایک اور قول سے ابو ساسان ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام ابو عامر ہے اور بریدہ ان کا لقب ہے۔ وہ بدر سے پہلے اسلام لائے۔ اور بدر میں حاضر ہوئے، جس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لے چلے اور "کراع الغیم" میں پہنچے یہ دونوں حرموں کے درمیان ایک وادی کا نام اور مکہ مکرمہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ہے۔ اس وقت قریش نے بریدہ رض کو آمادہ کیا کہ یا تو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) لوٹا لائیں یا (معاذ اللہ) شہید کر دیں۔ اور اس معاوضہ میں ان کو سو اونٹ دینا قرار پائے تھے۔ تو وہ ستر سواروں کے ساتھ حضور اکرم ؐ کے سامنے پہنچے حضور ؐ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے اور تو کون ہے؟ انہوں نے کہا میں بریدہ رض ہوں۔ حضور اکرم ؐ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف رخ انور کر کے فرمایا "بَرَدَ اَمْرُنَا" ہمارے کام نے خوشی و ٹھنڈک پائی۔ پوچھا تو کس قبیلہ سے ہے؟ انہوں نے کہا میں اسلم سے ہوں۔ حضور اکرم ؐ نے حضرت ابو بکر صدیق رض سے فرمایا "سَلِمْنَا" ہم سلامت رہیں گے۔ اور انجام کار سلامتی ہے۔ حضور اکرم ؐ نے پوچھا بنی اسلم کی کسی شاخ سے ہو انہوں نے کہا بنی سہم سے۔ فرمایا تجھے تیرا حصہ اور تیرا نصیب پہنچ گیا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فال بد نہیں لیتے تھے البتہ تفاول یعنی نیک فال لیا کرتے تھے خصوصاً

ان کے ناموں سے۔ تو حضرت بریدہؓ نے مع اپنے تمام ساتھی فوجیوں کے اسلام قبول کر لیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! فوج کے ساتھ عَلَم ہونا چاہیئے تو حضور اکرمؐ نے اپنی دستار مبارک کو پارہ کیا اور اسے نیزے پر آویزاں کر کے آگے آگے روانہ کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے شہروں میں گئے اور کچھ قرآن کریم سیکھا۔ غزوۂ بدر میں حاضر نہ ہوئے احد کے بعد آئے۔ تعجب ہے کہ اتنا توقف کیا بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حدیبیہ میں حاضر ہوئے اور بیعت رضوان پائی ہے۔ حضور اکرمؐ کے ساتھ سولہ دیگر غزوات میں جہاد کیا ہے۔ کذا فی الصحیحین بارگاہِ رسالت میں ان کی مساعی جمیلہ بہت ہیں۔ حضور اکرمؐ کے بعد خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ رہے اور جنگِ جمل و صفین میں حضرت علی مرتضیٰ کرمؓ کے ساتھ رہے۔

جب یہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کے ساتھ یمن میں تھے تو انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ کی شکایت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت کی تھی۔ اور اسی بنا پر غدیر خم میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور حضرت علیؓ مرتضیٰ سے محبت و موالات کی ترغیب دی :۔ ——— حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں اس کے بعد حضرت علی مرتضیٰؓ میرے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے۔ یہ قصہ اپنی جگہ گزر چکا ہے۔ حضرت عثمان ذو النورین کے زمانہ میں خراسان پر جہاد کیا اس کے بعد مدینہ منورہ میں رہے پھر بصرہ چلے گئے اس کے بعد خراسان پہنچے اور جہاد کیا اور وہیں یزید بن معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔ (رضی اللہ عنہ)

## حصینؓ بن نمیر

انہیں کاتبوں میں سے حصینؓ بن نمیر ہیں۔ یہ دونوں نام صیغۂ تصغیر کے وزن پر ہیں۔ اصابہ میں اس جیسے دو نام بیان کئے گئے ہیں، کہتے ہیں کہ ایک حصینؓ بن نمیر انصاری ہیں جن کو ابن اسحٰق نے غزوۂ تبوک میں بیان کیا ہے اور وہ بیان کرتے ہیں کہ اس حصینؓ بن نمیر نے اموال صدقہ کے قافلہ پر حملہ کیا اور اس نے کچھ مال چرا لیا۔ پھر حضور اکرمؐ نے اس سے فرمایا افسوس ہے تیرے اوپر۔ کس بات نے تجھے اس فعل شنیع پر آمادہ کیا۔ اس نے کہا مجھے اس بات نے برانگیختہ کیا کہ میرا گمان تھا کہ حق تعالےٰ آپ کو اس پر مطلع نہ فرمائے گا لیکن جبکہ حق تعالیٰ نے آپ کو اس پر مطلع فرما دیا تو اب میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اس وقت سے پہلے میں آپ پر ایمان اور یقین کامل نہ رکھتا تھا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے اس سے درگزر فرمایا اور اس کے گناہ کی مغفرت چاہی لیسے

بیہقی نے دلائل اور سنن کبیر میں روایت کیا ہے۔ اس کے بعد لکھا کہ ایک اور حصین رضی اللہ عنہ بن نمیر ہیں اور کہا کہ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ یہ وہی ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے یا پھر دوسرے ہیں۔ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ان کو بیان کیا ہے۔ اور کہا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے اُردن پر عامل تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فتوح میں صحابہ ہی کو امیر بنایا کرتے تھے۔ ابن عساکر نے ان حصین رضی اللہ عنہ بن نمیر کو اس دوسرے حصین بن نمیر سکونی کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے جو یزید بن معاویہ کی طرف سے اہل کوفہ سے جنگ کرنے پر امیر تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہ ان کے ماسوا ہیں (واللہ اعلم)

ابو علی بن مسکویہ نے اپنی کتاب "تجارب الامم" میں حصین رضی اللہ عنہ بن نمیر کو ان اشخاص میں لکھا ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی کتابت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اسی طرح عباس بن محمد نے اپنی اس تاریخ میں جو معتصم کے لئے جمع کی بیان کیا ہے اور کہا کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ بن شعبہ اور حصین رضی اللہ عنہ بن نمیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوائج لکھا کرتے تھے۔ اسی طرح ان لوگوں نے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کو جمع کیا ہے بیان کیا ہے کہ یہ دونوں صحابی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیونات لکھا کرتے تھے۔ اور اس کی وضاحت میں کہا ہے کہ وہ حصین رضی اللہ عنہ بن نمیر بن فایک بن لبید بن جعفر بن الحارث بن سکانہ ہیں۔ یہ حمص کے شرفاء میں سے تھے نیز ان کا بیٹا یزید اور ان کا پوتا معاویہ بن یزید والی حمص تھا۔

## عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد بن ابی سرح

انہیں کاتبوں میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح قرشی عامری، حضرت عثمان بن عفان کے رضاعی بھائی ہیں۔ ان کی ماں نے حضرت عثمان کو دودھ پلایا تھا۔ ان کی ماں کا نام سعدیہ تھا۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کا باپ اکابر منافقین میں سے تھا۔ اور یہ وہی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جس کا خون بہانے کو مباح کیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور جماعت بھی تھی جیسے ابن خطل وغیرہ، جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی عفو و شفاعت میں پناہ لی۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ فرمایا ہر چند عرض و معروض کی گئی۔ ایک روز حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کی بیعت لے رہے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو لوگوں کے درمیان کھڑا کر دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! عبداللہ رضی اللہ عنہ بیعت کرتا ہے اس کی بیعت قبول فرمائیے۔" اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ

کی جانب رُخِ انور پھیر کر فرمایا کیا تم میں کوئی مردِ رشید ایسا نہ تھا جو اس پر اُٹھتا جب کہ میں نے بیعت سے اپنا ہاتھ اس سے کھینچا تھا وہ اسے قتل کر دیتا۔ صحابہ نے عرض کیا "اگر حضور چشم و ابرو سے اشارہ فرماتے تو ہم اسے قتل کر دیتے"۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "کسی نبی کو لائق و زیبا نہیں کہ اپنی آنکھ کی خیانت کو وجود میں لائے"۔ بہر تقدیر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بڑی الحاح و زاری اور عرض و معروض کی اور حضور اکرمؐ نے ان کی توبہ قبول کر کے ان کا خون بہانے سے درگزر فرمایا۔ حضرت عکرمہؓ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی سرح حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ شیطان نے ان کو گمراہ کیا اور وہ کہنے لگے (معاذ اللہ) حضور اکرمؐ کو کچھ خبر نہیں کہ کیا فرمایا اور کیا لکھا۔ میں جو چاہتا ہوں لکھ دیتا ہوں پھر وہ مرتد ہو کے کافروں کے ساتھ مل گئے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فتح مکہ کے دن ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ مگر حضرت عثمانؓ نے ان کی سفارش کی اور حضور اکرمؐ نے ان کے قتل کو معاف فرما دیا۔ اور یہ عبداللہ بن سعد حضرت عثمانؓ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ فتح مصر میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت عمروؓ بن العاص کے ساتھ لشکر اسلام کے میمنہ پر فتح مصر کے وقت متعین تھے۔ اس کے بعد امیر المومنین نے ان کو مصر پر حاکم بنا دیا اور جب فتنۂ شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واقع ہوا تو عبداللہ عسقلان یا رملہ میں رہے۔ اور کسی کی بیعت نہ کی۔ نہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی اور نہ امیر معاویہؓ کی۔ اور وہ ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں فوت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگِ صفین میں شریک ہوئے اور ۵۹ھ تک زندہ رہے اسے ابن مندہ نے بیان کیا ہے۔

اہلِ سیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں انہوں نے افریقہ فتح کیا اس کے بعد وہ مصر کے حاکم ہوئے۔ مصر پر ان کی ولایت ۲۵ھ تک ہے اس کے بعد وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے۔ اور مصر پر سائبؓ بن ہشام کو مقرر فرمایا۔ انہوں نے تین جہاد کئے افریقہ، ذات السواری اور ارض روم کے اساورین۔ سب سے بڑی فتح افریقہ کی تھی۔ اور ان کو فارس کے حصہ میں سے تین ہزار دینار ملے تھے۔ یہ اپنی ولایت میں مقبول اور پسندیدہ شخص تھے۔

اہلِ سیر بیان کرتے ہیں کہ عبداللہؓ بن ابی سرح، رملہ کی طرف جا رہے تھے۔ جب صبح کی نماز کا وقت ہوا تو دعا مانگی خداوندا میری عمر کا آخری وقت صبح کی نماز میں کر دے۔ اس کے بعد

انہوں نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور داہنی جانب سلام پھیرا۔ چاہتے تھے کہ بائیں جانب سلام پھیریں اچانک ان کی روح قبض کرلی گئی۔ رحمہ اللہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی توبہ صحیح تھی اور انجام بخیر ہوا۔

کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گذرد

استیعاب میں فرماتے ہیں کہ عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سعد نے توبہ کی اور اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا۔ اور خلافِ اسلام ان سے اس کے بعد کچھ ظاہر نہ ہوا۔ اور وہ قریش کے نجبا اور عقلا میں سے تھے۔

## ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد

انہیں کاتبوں میں سے ایک ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بن عبدالاسد قرشی ہیں۔ ان کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا مگر یہ اپنی کنیت سے مشہور ہوئے یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے رضاعی بھائی ہیں۔ ان سب کو ابولہب کی باندی ثویبہ نے چار چار سال کے وقفہ سے دودھ پلایا تھا پہلے حضور اکرمؐ کو پلایا اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو اس کے بعد ابوسلمہ رضی اللہ عنہم کو۔ یہ اسلام میں دس سابقین اولین میں سے ایک ہیں۔ اور یہ حضور اکرمؐ کی پھپھی برہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں۔ انہوں نے مدینہ طیبہ میں بدر سے واپس آنے کے بعد وفات پائی۔ جیسا کہ ابن مندہ نے بیان کیا ہے۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ وہ احد کے بعد فوت ہوئے اور یہی صحیح ہے احد میں زخمی ہوکر آئے ان کے زخم ٹھیک ہوئے اس کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کو بنی سعد کی جانب ماہ صفر ۴ھ کو لشکر کا امیر بنا کے بھیجا وہاں ان کے زخم کھل کر ہرے ہو گئے اور وفات پائی۔ ابن عبدالبر نے جمادی الاخریٰ ۳ھ کہا ہے مگر قول اول راجح ہے۔ اور یہ ہجرت کرکے سب سے پہلے مدینہ طیبہ اپنی بیوی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی دونوں ہجرتوں کے بعد آنے والے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمانا ازواج مطہرات امہات المومنین کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی رحلت کے وقت یہ دعا مانگی:۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَۃَ وَارْفَعْ دَرَجَتَہٗ فِی الْمَھْدِیِّیْنَ وَاَخْلِفْہُ فِیْ عَقِبِہٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَافْسَحْ لَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ وَنَوِّرْ لَہٗ فِیْہِ۔

## حُویطب رضؓ بن عبد العزیٰ

انہیں کاتبوں میں سے حُویطب بن عبد العزیٰ قرشی عامری ہیں ان کی کنیت ابو محمد یا ابوالاصبغ ہے۔ یہ فتح مکہ کے بعد کے مسلمانوں اور مولفۃ القلوب میں سے ہیں۔ انہوں نے اسلام پایا ہے اور وہ تقریباً ساٹھ سال تک زندہ رہے ہیں۔ یہ حنین وطائف میں حاضر ہوئے حنین کے غنائم سے انھیں سو اونٹ ملے تھے۔ یہ ان میں سے ایک ہیں جن کے لئے حضرت عمر فاروق رضؓ نے تجدید حرم کا حکم دیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہادت کے بعد دفن کرنے والوں میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک سو بیس سال عمر پائی ہے۔ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ایسا ہی بیان کیا ہے۔ لیکن واقدی نے کہا ہے کہ امیر معاویہ کے زمانہ میں ۵۴ھ میں فوت ہوئے بعض ان کی وفات آخر امارت کے زمانہ میں بتاتے ہیں۔ ان سے ابو نجیح مکی، سائب بن یزید ان کے بیٹے ابو سفیان اور عبداللہ بن بریدہ وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ابن معین کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں ان کی کوئی حدیث حضور اکرمؐ سے ہو۔

واقدی نے عبداللہ بن ابی بکر بن حزم سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حویطب رضؓ کہا کرتے تھے کہ میں صلح حدیبیہ سے لوٹ کر آیا میں سہل بن عمرو رضؓ کے ساتھ قریش کی طرف سے مصالحت کے لئے آیا تھا تو مجھے یقین تھا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) غالب آئیں گے۔ اور پھر طویل تذکرہ بیان کیا۔ انہیں سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں مشرکوں کے ساتھ بدر میں موجود تھا میں نے فرشتوں کو آسمان سے اترتے اور جنگ کرتے دیکھا ہے۔ میں نے یہ بات قریش کے کسی شخص سے نہ کہی۔

ایک دن مروان بن الحکم نے حویطب رضؓ سے کہا۔ کیا وجہ ہے کہ تمہارا اسلام لانا چھوٹوں اور ہم عمروں کے بعد ہے۔ حویطب رضؓ نے جواب دیا کہ "اللہ المستعان" خدا کی قسم میں نے بارہا ارادہ کیا کہ اسلام میں سبقت کروں ہر بار تیرے باپ نے مجھے روکے رکھا۔ اور یہی کہتا رہا کہ کیوں اپنے درجۂ شرافت سے گرتے ہو۔ اور نئے دین کی خاطر اپنے باپ دادا کے دین اور اپنے دین سے پھرتے ہو۔ اور ایک شخص کے تابع و فرمانبردار بنتے ہو۔" اس پر مروان خاموش اور شرمندہ ہوگیا۔ حویطب رضؓ کی یہ بات سننے کے بعد مروان اپنے باپ کے آخر انجام کا تصور کر کے بہت زیادہ غمگین ہوا۔ اس کے بعد حویطب رضؓ نے کہا قریش کے بڑوں میں اپنے دین پر باقی رہنے والا اور اسلام کو ناپسند کرنے والا کوئی مجھ سے زیادہ نہ تھا۔

یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا اور جو کچھ تقدیر میں تھا واقع ہوا۔

طبقاتِ ابنِ سعد میں بروایت ابن المنذر وغیرہ حویطب رضؓ سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو مجھے انتہائی خوف و ڈر محسوس ہوا اور پھر طویل قصہ بیان کیا۔ اور کہا کہ میں عوف کے گھر چلا آیا اور وہاں ٹھیر گیا۔ اچانک مجھے حضرت ابوذر رضؓ ملے۔ میری ان سے شناسائی تھی۔ میں نے ان کو سلام کیا اور اپنا حال ان سے بیان کیا۔ حضرت ابوذر رضؓ نے مجھ سے فرمایا اپنے اہل وعیال میں جاؤ اور بے خوف ہو کے رہو اس کے بعد حضرت ابوذر رضؓ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور میری معافی کی درخواست کی۔ پھر وہ میرے پاس آئے اور فرمایا آؤ۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ بھلائی واحسان فرمانے والے اور تمام لوگوں سے زیادہ ذی حوصلہ ہیں۔ ان کی شرافت تیری شرافت ہے اور ان کی عزت تیری عزت ہے۔ جب تم حضور اکرمؐ سے ملو تو کہنا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" چنانچہ میں نے اسی طرح عرض کیا۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "وَعَلَیْکَ السَّلَامُ" اس کے بعد میں نے دین اسلام کی شہادت دی۔ اس سے حضور اکرم بہت خوش ہوئے اور فرمایا "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ذَمَدَاکَ" اس کے بعد حضور اکرمؐ نے مجھ سے قرض طلب فرمایا تو میں نے آپ کو چالیس ہزار درہم قرض پیش کئے۔ اور آپ کے ساتھ میں حنین وطائف میں حاضر ہوا اور مجھے ان کے غنایم سے عنایت فرمایا۔ پھر حویطب رضؓ مدینہ طیبہ چلے آئے اور وہیں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ وہیں وفات پائی۔ انہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنے مکان کو امیر معاویہ رضؓ کے ہاتھ چالیس ہزار دینار میں فروخت کر دیا لوگوں نے کہا اب تو تم بڑے مالدار ہو گئے انہوں نے کہا یہ مال اس کے لئے کیا چیز ہے جس کے لئے کوئی چیز وقعت نہیں رکھتی۔ ان کے ان کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ان مولفۃ القلوب میں سے ہیں جن کا اسلام حسن ہے (رضی اللہ عنہ)

## حاطب رضؓ بن عمرو

انہیں کاتبوں میں سے حاطب بن عمرو ہیں۔ استیعاب واصابہ میں ان کے سوا، حاطب رضؓ بن ابی بلتعہ بھی بیان کیا ہے کیونکہ دو حاطب رضؓ مشہور ہیں ایک حاطب بن عمرو بن عبد اللہ بن عبد الشمس بن عبدود۔ اس کے بعد صاحب استیعاب نے کہا کہ ان کو ابن عقبہ نے ان لوگوں میں شمار کرایا ہے جو بدر میں بنی عامر سے حاضر ہوئے تھے۔ وہ دار ارقم میں داخل ہونے سے پہلے اسلام لائے اور حبشہ کی طرف دونوں ہجرتیں

کیں۔ یہ روایت ابن اسحٰق کی ہے اور بعض پہلی ہجرت جانب حبشہ کہتے ہیں۔ واقدی نے کہا کہ ہمارے نزدیک یہی ثابت ہے۔ ابن اسحٰق اور واقدی دونوں ہی حاضرینِ بدر میں بیان کرتے ہیں۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ حاطبؓ بن عمرو بن عبد الشمس بن عبدود قرشی عامری، سہیلؓ بن عمرو کے بھائی تھے اور وہ سابقین میں سے بتائے جاتے ہیں کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ زہری نے اسی پر جزم کیا ہے اور وہ بھی اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ وہ ان میں سے تھے جو بدر میں حاضر ہوئے۔ دوسرے حاطبؓ بن عمرو بن عتیک بن امیہ بن زید بن مالک بن اوس ہیں جو بدر میں حاضر ہوئے ابن اسحٰق نے ان کو بدریوں میں ذکر نہیں کیا ہے۔ استیعاب میں اسی قدر کہا گیا ہے۔ اصابہ میں کہتے ہیں کہ حاطبؓ بن عمرو بن عتیک انصاری اوسی ہیں۔ ابو عمرو نے کہا کہ وہ بدر میں حاضر ہوئے اور ابن اسحٰق نے ان کو بدریوں میں ذکر نہیں کیا۔ کہتے ہیں کہ ان کے سوا دوسروں کے نزدیک بھی بدری ہونا دیکھا ہے (واللہ اعلم)

حاطبؓ کو صحبتِ بارگاہِ رسالت، حاصل تھی۔ اور ان دونوں کتابوں میں حاطبؓ بن عمرو، واو کے ساتھ ہے اور روضۃ الاحباب کے صحیح نسخہ میں جو کہ موجود ہے بغیر واؤ کے ہے۔ (واللہ اعلم)

## ابن خطل مرتد

کاتبوں میں سے ایک ابن خطل تھا ابن خطل کا نام عبد العزیٰ تھا عام الفتح میں اس کے حالات معلوم ہو چکے ہیں کہ فتح سے پہلے مدینہ طیبہ آیا مسلمان ہوا اور حضور اکرمؐ نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔ اور زکوٰۃ کی وصول کے لئے اس کے قبیلہ میں بھیجا تو وہ مرتد ہو گیا اور صدقہ کے جانوروں کو لیکر مکہ مکرمہ بھاگ گیا۔ اور قریش سے کہنے لگا کہ کوئی دین تمہارے دین سے بہتر میں نے نہیں پایا۔ فتح مکہ کے دن خانۂ کعبہ کی پناہ تلاش کی اور اس کے غلاف سے لپٹ کر چھپ گیا۔ پھر کسی صحابی نے دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہؐ! ابن خطل خانہ کعبہ کے پردوں سے لپٹا ہوا ہے فرمایا "اسے قتل کر دو" تو بموجب حکم عالی وہیں اسے قتل کر دیا گیا (انتہی) یہ ابن خطل مرتد ہونے سے پہلے جبکہ مسلمان تھا ممکن ہے کتابت کرتا ہو مگر اس کا ذکر نہیں کیا گیا اگر کتابت کی بھی ہو تو مرتد ہونے اور حالتِ ارتداد میں مبتلا ہو جانے کے بعد صحابہ کے درمیان لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اسی لئے اسماء الرجال میں اس کی تفصیل نہیں بتائی گئی بجز اس اختصار کے جو اس کے قصہ کے درمیان ذکر کیا گیا ہے۔

## ابیؓ بن کعب

انہیں کاتبوں میں سے ایک ابیؓ ابن کعب ہیں ان کی کنیت ابو المنذر اور ابو الطفیل ہے۔ ابیؓ بن کعب ابن المنذر ہیں ایک قول ہے کہ ابی ابن کعب بن قیس انصاری، خزرجی، نجاری، مغازی، اور مدنی ہیں عقبۂ ثانیہ ہیں اور بدر میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی کی کتابت کیا کرتے تھے اور یہ اُن چھ اشخاص میں سے ایک تھے جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں قرآن کو حفظ کیا تھا۔ اور حضور اکرمؐ کے عہد میں جن چار شخصوں نے قرآن کو جمع کیا ان میں ابیؓ بن کعب ایک ہیں اور یہ صحابہ کرامؓ کے فقہا اور کتاب اللہ کے قاریوں میں سے تھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کو ابو المنذر کنیت سے یاد فرماتے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابو الطفیل کی کنیت سے مخاطب کرتے تھے یہ حضور اکرمؐ نے ان کا لقب سید الانصار رکھا اور حضرت فاروق اعظمؓ نے سید المسلمین نام رکھا المسلمین سے یا تو انصار مراد ہوں گے یا کوئی خاص جماعت نہ کہ تمام مسلمان، جیساکہ مخفی نہیں ہے یہ حضور اکرمؐ نے حضرت ابیؓ بن کعب سے فرمایا حق تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ قرآن کی تلاوت کروں اور تم کو قرآن سناؤں۔ انہوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! کیا حق تعالیٰ نے آپ سے میرا نام لیا ہے حضور اکرمؐ نے یہ آیۂ کریمہ تلاوت کی قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا میں تمہارے آگے سورۂ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ پڑھوں۔ ابیؓ نے عرض کیا کہ حق تعالےٰ نے کیا آپ سے میرا نام لیا ہے؟ فرمایا ہاں! تمہارا نام مجھ سے لیا ہے اس پر حضرت ابیؓ رونے لگے ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابیؓ اور حضور اکرمؐ دونوں پر گریۂ مسرت طاری ہوا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابو المنذرؓ! تمہیں علم سزاوار ہو۔ یہ بات اس وقت فرمائی جبکہ حضور اکرمؐ نے ابیؓ سے پوچھا کہ اے ابو المنذر کیا تم جانتے ہو کہ کتاب الٰہی میں کونسی آیت عظیم تر ہے حضرت ابیؓ نے عرض کیا "اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ" پھر فرمایا اے ابو المنذر! تمہیں معلوم ہے کہ خدا کی کتاب میں کونسی آیت اعظم ہے؟ اس پر انہوں نے عرض کیا:۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ اس پر فرمایا تمہیں تمہارا علم سزاوار ہو۔ اور ان کے اس علم پر حضرت ابیؓ کی مدح و تعریف فرمائی۔ یہ آیۂ کریمہ بطریق الہام و اعلام الٰہی یا یہ بتصرف سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم انہیں معلوم ہوئی جیساکہ مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

اپنا دست مبارک دوسری مرتبہ حضرت ابی کے سینہ پر رکھا تو انہیں یہ آیۂ کریمہ معلوم ہوگئی، واقدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضور اکرمؐ کی خدمت انجام دی تھی۔ اور یہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے آخر خط میں لکھا کہ "فلاں بن فلاں نے لکھا"۔ حضرت ابی بن کعب میانہ قد سفید داڑھی اور سر کے بال سفید تھے یہ اپنے سر پر مہدی نہیں لگایا کرتے تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے نوازل و حوادث دریافت کیا کرتے اور مفصلات سے تحاکم کرتے تھے۔ صحابہ کی ایک جماعت کثیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب نے ۱۹ھ یا ۳۰ھ یا ۲۲ھ میں عہدِ خلافت فاروقی میں وفات پائی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "مات سید المسلمین"۔ بعض کہتے ہیں کہ خلافت عثمانی میں ۳۰ھ میں وفات پائی۔ یہ قول زیادہ ثابت ہے۔ ابن عبد البر نے کہا کہ اکثر کا مذہب یہ ہے کہ عہدِ خلافتِ فاروقی میں وفات ہوئی۔ امام بغوی نے حضرت حسن سے روایت کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے پہلے جمعہ کے دن وفات ہوئی۔ الغرض ان کی سنِ وفات میں اختلاف ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتلائیے کہ ہمیں جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں کیا ان کا کچھ فائدہ بھی ہے"۔ فرمایا "ہاں! یہ گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔ اس پر اس نے کہا اگرچہ بیماری کم ہو فرمایا اگرچہ کانٹا چبھے۔ اس وقت حضرت ابی ابن کعب نے اپنے لئے دعا مانگی کہ آخر وقت تک بخار نہ اترے۔ اور حج وعمرہ، جہاد و نماز اور فرض جماعت سے مانع نہ ہو۔ چنانچہ وہ ہمیشہ بیمار اور تپ زدہ رہے یہاں تک کہ وفات پائی اسے ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

## عبداللہ بن ارقم

انہیں کاتبان بارگاہِ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوث بن دہب بن عبد مناف بن زہرہ قرشی زہری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں یہ عام الفتح میں اسلام لائے۔ یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے طلقاء میں سے تھے اور حضور اکرمؐ کی مراسلت لکھا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی نزدیک وہ اتنے دیانتدار تھے کہ حضور اکرمؐ ان سے فرماتے کہ فلاں کی طرف

مکتوب گرامی لکھو اور یہ نہ فرماتے یہ لکھو۔ وہ لکھ کر پیش کرتے اور حضور اکرمؐ ان کی دیانت کی وجہ سے بغیر پڑھے مہر لگا دیتے تھے۔ حضور اکرمؐ کے بعد انہوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی کتابت کی ہے۔ پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیت المال کے بغیر اجرت کے والی مقرر ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے استعفاء دے دیا حضرت عثمانؓ نے اسے قبول کر لیا۔ مالک نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہؓ بن ارقم کو انعام میں تیس۳۰ ہزار درہم عطا فرمائے مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ انہوں نے کہا میں نے خدا کے لئے خدمت کی ہے۔" ایک روایت میں سی صد ہزار آتے ہیں۔ وہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے نزدیک مامون و مختار تھے یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ ان سے بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاروق اعظمؓ فرماتے اگر تم لوگ اعتراض نہ کرتے تو میں عبداللہؓ بن ارقم کو اپنا خلیفہ بناتا میں نے کسی کو ان سے زیادہ خدا سے خائف نہ دیکھا۔ اور ان سے فرماتے اگر تمہاری قوم پہلوں کی مانند ہوتی تو میں کسی کو تم پر تقدیم نہ کرتا۔ ان سے عروہ بن زبیر اور اسلم مولائے عمرؓ نے روایت کی ہے۔ اربعہ نے ان سے ایک حدیث حضور اکرمؐ سے روایت کی ہے فرمایا کہ جب عشاء کا وقت آجائے اور قضائے حاجت کی ضرورت ہو تو پہلے قضائے حاجت کرے۔ اس حدیث کو صاحب مشکوٰۃ نے باب الجماعت اور اس کی فضیلت میں بیان کیا ہے۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ وَوَجَدَ اَحَدُکُمُ الْخَلَاءَ فَلْیَبْدَا بِالْخَلَاءِ

وہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے (رضی اللہ عنہ)

یہ وہ اسماء ہیں جن کو روضتہ الاحباب میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر کو عنوان کتابت کے تحت استیعاب میں بیان نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ ایک نام استیعاب و مواہب میں لکھا ہے۔

## معیقبؓ بن ابی فاطمہ دوسی

معیقب بن ابی فاطمہ دوسی سابقین اولین میں سے ہیں جو تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور خلافتِ عثمانی یا خلافت مرتضوی میں فوت ہوئے اسی قدر مواہب میں ذکر کیا گیا ہے۔

استیعاب میں ہے کہ معیقبؓ بن ابی فاطمہ، سعید بن العاص کے مولیٰ ہیں۔ اسی طرح ان کو موسیٰ ابن عقبہ نے ابن شہاب سے نقل کیا ہے اور کہا کہ لوگ گمان رکھتے ہیں کہ وہ دوس سے ہیں۔ اور ان کے سوا نے کہا ہے کہ وہ دوسی ہیں۔ اور سعید بن العاص کے حلیف ہیں مکہ مکرمہ

کے قدیمی مسلمان ہیں انہوں نے حبشہ کی جانب دوسری ہجرت کی، اور وہیں مقیم رہے یہاں تک کہ حضور اکرمؐ مدینہ طیبہ میں رونق افروز ہوئے وہ مدینہ طیبہ آ گئے بعض کہتے ہیں کہ خیبر میں آئے۔ بعض اس سے پہلے آنا بتاتے ہیں۔ اور وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مہر شریف پر مقرر تھے۔ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے مدینہ طیبہ میں بیت المال پر ان کو عامل مقرر فرمایا۔ پھر انہیں مرض جذام لاحق ہو گیا۔ اس کا علاج حضرت فاروق اعظم رضؓ کی ہدایت پر حنظل (اندراین) سے کیا گیا اس کے بعد وہ اپنے کام سے باز رہے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہو گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ۴۰ھ میں حضرت علیؓ مرتضیٰ کی خلافت کے آخری دور میں فوت ہوئے۔ ان سے کم حدیثیں مروی ہیں۔ اُن سے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ "وَیْلٌ لِّلْاَعْقَابِ مِنَ النَّارِ" دوسری حدیث موزہ پر مسح کرنے کے بارے میں مروی ہے کاتبین بارگاہِ رسالت کا تذکرہ مکمل ہو گیا (رضی اللہ عنہم اجمعین)

**افادہ:** صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے پہلے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ پھر وہ بھی ان کے ساتھ لکھنے لگے۔ اور حضرت زیدؓ وحی کی کتابت کے لئے صحابہ میں لازم ترین شخص تھے۔ اور انہوں نے بکثرت خطوط و مکاتیب جو لوگوں کے نام بھیجے گئے لکھے ہیں۔

محمد بن سعد نے بروایت واقدی اپنے مشائخ سے نقل کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وحی کی کتابت کی ہے وہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے۔ جب حضرت ابیؓ موجود نہ ہوتے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت زیدؓ بن ثابت کو بلاتے اور ان سے وحی لکھواتے تھے۔ جب حضور اکرم کسی کو زمین کا کوئی قطعہ مرحمت فرماتے تو حضور اکرم، حضرت اُبیؓ کو لوگوں کے ساتھ بھیجا کرتے قریش میں سے سب سے پہلے جس نے کتابت کی ہے وہ عبداللہؓ بن ابی سعد بن ابی سرح تھا۔ پھر وہ مرتد ہو گیا اور مکہ کی جانب لوٹ گیا اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے کہ مجھ پر وحی کی گئی حالاں کہ اس کی طرف اصلاً وحی

کی گئی . . . . " حضور اکرمؐ کی مراسلت لکھنے والے ہمیشگی کے طور پر حضرت عبداللہ بن ارقم زہری رضؓ تھے اور حضور اکرمؐ کے کاتب عہود جبکہ حضور اکرمؐ کسی سے عہد وصلح کرتے وہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے۔ اور جو لوگ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کتابت کرتے تھے ان میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے ان کو ابن ابی شیبہ نے کاتبوں کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اس کے بعد مزید لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ بن الخطاب، حضرت عثمانؓ ذوالنورین، حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت زبیرؓ بن العوام، خالدؓ اور ابانؓ بھی کتابت کرتے تھے۔ صاحب استیعاب نے ان میں سے اکثر کو بیان کیا ہے ان تمام تفاصیل کے بعد ان کے حالات لکھے ہیں۔

واضح رہنا چاہیئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سلاطین و امراء کے نام جو نوشتے اور فرامین ارسال فرمائے تھے اور جن کا ذکر ۶ھ کے واقعات کے ضمن میں قضیہ حدیبیہ کے بعد بیان کیا جا چکا ہے۔ اور جن میں سلاطین و امراء کے ماسواء صحابہ کرام وغیرہم حضرات کے نام صدقات و زکوٰۃ اور معاملات کے شرائع و احکام بھی لکھے ہیں، اگر ان کو یہاں پر عربی زبان میں نقل کیا جائے جیسے کہ وہ ہیں تو یہ وضع کتاب سے مناسبت نہیں رکھتا (چونکہ یہ مدارج النبوۃ فارسی میں ہے اور یہ اس کا ترجمہ ہے) اور اگر اس کا ترجمہ نقل کیا جائے تو اس کی حلاوت و تازگی جو عبارت شریف میں ہے باقی نہیں رہتی اور اس کا حسن و دبدبہ جاتا رہتا ہے۔

دوسری قسم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکاتب و رسائل کی وہ ہے جو عرب کے بعض قبائل کی زبان اور ان کی لغت میں لکھے ہیں اور بڑے بڑے فصحاء و بلغاء عرب نے اس کی تحسین و خوبی کا اظہار کیا ہے اور فہم و عقول اس سے خیرہ و حیراں ہیں۔ ایسے چند خطوط کتاب الشفا قاضی عیاض رحمۃ اللہ میں مذکور و مسطور ہیں۔ یہ خطوط درحقیقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بین معجزات میں سے ہیں۔ کیوں کہ نہ آپ کہیں تشریف لے گئے اور نہ کسی اہل زبان اور اس قبیلہ کے لوگوں سے مصاحبت فرمائی اور نہ ان کے لغات کی جستجو و تلاش فرمائی نہ کسی سے تعلیم لی اور نہ حاصل کیا۔ اور آپ کا یہ اعجاز آپ کے ان سفیروں اور قاصدوں میں بھی ظاہر ہوتا ہے جن کو آپ ان کے سلاطین و امراء کے پاس بھیجتے تھے کہ وہ سفیر جس قوم اور جس زبان والوں کی طرف جاتے وہ انہیں کی زبان و لغت میں بات کرتے اور جواب دیتے تھے (صلی اللہ علیہ وسلم)

# باب ہشتم

## سفراء اور قاصدوں کے بیان میں

اس باب میں ان سفیروں اور قاصدوں کا تذکرہ ہے جن کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سلاطین و امراء کی طرف بھیجا تھا۔ روضۃ الاحباب میں گیارہ اشخاص اور ان کے اسماء کتب ورسائل کے ضمن میں بیان کئے ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن ان کے حالات نہیں بیان کئے گئے اور نہ ان کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔ اگر اس غرض کی خاطر جتنا کچھ بیان ہو چکا ہے اور جو نہیں ہوا ہے سب کو یکجا بیان کریں تو مناسب ہوگا۔

**عمرو رضؓ بن امیہ ضمری**

ان قاصدوں میں سے ایک عمرو رضؓ بن امیہ ضمری ہیں جو بنی ضمرہ بن عبد مناف کنانی میں سے ہیں اور صحابہ میں دلیروں اور بہادروں میں سے تھے اور جرأت و تجربہ کاری میں عرب کے جوانوں میں سے تھے۔ بدر واحد میں مشرکوں کے ساتھ آئے۔ اس کے بعد جب مشرکین احد سے بھاگے تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا ان کا سب سے پہلا جہاد بیر معونہ کا ہے۔ اس روز ان کو عامر بن طفیل نے اسیر کیا اور ان کی پیشانی کے بال کتر کر چھوڑ دیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس مکتوب گرامی کے ساتھ بھیجا۔ نجاشی نے حضور اکرمؐ کے مکتوب گرامی کا ادب و احترام کیا اور اپنی سعادتمندی سمجھی اور اسلام لے آیا۔ اس کے بعد دوسرا مکتوب گرامی بھیجا تاکہ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور اکرمؐ سے منعقد کر دیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ عمرو رضؓ بن امیہ ضمری کو مسیلمہ کذاب کی طرف بھی مکتوب گرامی دیکر بھیجا گیا تھا۔ اور فروہ بن عمرو جذامی کی طرف جو کہ قیصر شاہِ روم کی طرف سے گورنر تھا بھیجا تھا۔ انہوں نے اس کو دعوتِ اسلام دی اور وہ اسلام لایا اور حضور اکرمؐ کی

بارگاہ میں ایک خط لکھ کر بھیجا اور مسعود بن سعد کے ساتھ ایک تخلہ شہبا، جس کو فضہ کہتے تھے اور ایک گھوڑا جس کو ضراب کہتے تھے اور کچھ کپڑے اور سندس کی مطلا قبا ہدیہ میں بھیجی۔ حضور اکرمؐ نے ان کے ہدایا کو قبول فرمایا اور مسعود بن سعد کو بارہ۱۲ اوقیہ عطا فرمائے۔ اُن سے ان کے دونوں بیٹے جعفر و عبداللہ نے اور شعبی اور ابو قلابہ نے حدیث روایت کی ہے۔ ان کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے۔ ان کا تذکرہ متعدد جگہوں میں واقع ہوا ہے۔ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ ایک قول یہ ہے کہ ۶۰؁ھ میں وفات پائی۔ (رضی اللہ عنہ)

## وحیہؓ بن خلیفہ کلبی

ان قاصدانِ بارگاہِ رسالت میں سے وحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ کلب بن ابرہ نامی قبیلہ سے منسوب بہ کلبی ہیں۔ یہ مشہور صحابی ہیں۔ اور اپنے حسن و جمال میں ضرب المثل تھے۔ جب باہر نکلتے تو مرد و عورت ان کے نظارہ کے لئے جمع ہو جاتے تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جن کی شکل و صورت میں جبریل علیہ السلام آئے تھے۔ وہ بدر میں حاضر نہ ہوئے لیکن احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا سب سے پہلا جہاد غزوہ خندق ہے بیعۃ الرضوان کی ہے۔ حضور اکرمؐ نے ان کو قیصر کی جانب بھیجا جس کا طویل قصہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ امام احمد نے بطریق شعبی ان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے حضور اکرمؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے لئے حمار کو گھوڑی پر نہ چھوڑوں تاکہ وہ آپ کی سواری کے لئے بغلہ جنے اور حضور اکرمؐ اس پر سواری کیا کریں۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا ایسا وہ لوگ کرتے ہیں جن کو علم نہیں ہے۔" زمانۂ امیر معاویہؓ تک وہ زندہ رہے۔

## عبداللہؓ بن حذافہ سہمی

ان سفیران بارگاہ رسالت میں سے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ ہیں جو قریش کی ایک شاخ سہم بن عمرو سے منسوب ہیں ان کی کنیت ابو حذافہ ہے۔ وہ قدیم الاسلام مہاجرین اور سابقین اولین میں سے تھے حبشہ کی جانب اپنے بھائی قیسؓ بن حذافہ کے ساتھ ہجرت ثانیہ کی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسریٰ شاہ فارس کی طرف بھیجا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ وہ پُر مزاح اور ظریف الطبع تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے

کہ انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سواری کا تنگ اس قدر ڈھیلا باندھا کہ قریب تھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس پر سے نیچے آ رہیں۔ یہ اس لئے کیا کہ سواری کی تنگ کی خدمت کی دوبارہ سعادت میسر آئے اور حضور اکرمؐ اس سے خوش طبع ہوں۔ ان کے مزاح میں سے ایک بات یہ منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرمؐ نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنایا تو انہوں نے اپنے لشکریوں کو لکڑیاں جمع کرنے اور آگ جلانے کا حکم دیا۔ جب آگ خوب روشن ہوگئی تو ان کو حکم دیا کہ وہ آگ میں کود پڑیں۔ اس پر قوم نے انکار کیا۔ انہوں نے فرمایا کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمہیں میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا ہے۔ اور کیا حضور اکرمؐ نے نہیں فرمایا کہ جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اس پر لوگوں نے کہا ہم حضور اکرمؐ پر اسی لئے ایمان لائے اور آپ کی متابعت کرتے ہیں کہ ہم آگ سے نجات پائیں"۔ جب حضور اکرمؐ نے ان کی یہ بات سنی تو ان کی تصویب فرمائی اور فرمایا " لَاطَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ " کسی مخلوق کی خدا کی نافرمانی میں اطاعت نہیں ہے، جیسا کہ استیعاب واصابہ میں ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان کو رومیوں نے گرفتار کر لیا اور چاہا کہ ان کو کافر بنالیں ان پر بڑی سختیاں کیں مگر حق تعالیٰ نے ان کو ثابت قدم اور محفوظ رکھا اور ان سے ان کو نجات دی۔ ایسا ہی استیعاب میں منقول ہے۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو نے پشیمان ہو کر ان کو چھوڑ دیا۔ اور اصابہ میں اہل سیر لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں سے یہ ہے کہ ان کو رومیوں نے گرفتار کر لیا۔ شاہ روم نے کہا تم نصرانی ہو جاؤ اور بے خوف وخطر میرے ملک میں رہو۔ مگر انہوں نے اس سے انکار کر دیا پھر شاہ روم نے حکم دیا کہ انہیں سولی پر لٹکا کر تیروں کی باڑھ لگائی جائے۔ مگر وہ اس سے مجروح نہ ہوئے۔ پھر ان کو سولی سے اتارا۔ اور حکم دیا کہ ایک دیگ میں پانی کھولایا جائے اور ان کو اس میں ڈال دیا جائے تاکہ ان کی ہڈیاں تک سوختہ ہو جائیں۔ مگر وہ اس میں بھی سلامت رہے۔ پھر جب ان کو قیصر کے سامنے لے گئے تو وہ رونے لگا اور کہا کہ ان کو چھوڑ دو۔ اس کے بعد ان کا حال پوچھا اور کہا کہ کوئی آرزو رکھتے ہو۔ فرمایا ہاں آرزو رکھتا ہوں وہ یہ کہ میرے جو سو ساتھی قید ہیں ان کو بھی ایسی ہی سختی وعذاب راہ خدا میں پہنچے اور اسلام سے محبت ان کی بڑھے۔ اس پر اس نے تعجب کیا اور کہا کہ میرے سر کو بوسہ دو تاکہ میں تمہیں چھوڑ دوں

فرمایا کیا تمام میرے ساتھی قیدیوں کو بھی چھوڑو گے اس نے اقرار کیا۔ تو وہ لپٹے اور اس کے سر کو بوسہ دیا: پھر اس نے ان کو اور تمام مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ وہ سب جب بارگاہ خلافتِ فاروقی میں آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر ان کے سر کو بوسہ دیا۔ شیخ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کی گواہی میں ابن عساکر ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مرسلاً لائے ہیں۔ اور دوسری شہادت فوائد ہشام بن عمرو سے زہری سے مرسلاً لائے ہیں۔ (واللہ اعلم)

## حاطب رضی بن ابی بلتعہ

انہیں سفیروں میں سے ایک حضرت حاطب رضی بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے ایک قول ہے کہ ابو محمد ہے۔ یہ قریش کے حلیف تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی بن العوام کے حلیف تھے۔ بعض نے کہا کہ قریش کے ایک شخص کے مکاتب غلام تھے جس کا نام عبداللہ بن حمید تھا اس نے ان کو پہلے مکاتب کیا پھر کتابت سے آزاد کر کے انہیں آزادی دیدی۔ وہ اہل یمن میں سے تھے۔ بدر، احد، خندق اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ ۳۰ھ میں مدینہ طیبہ میں بزمانہ خلافت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما وفات پائی۔ ان کی عمر پینسٹھ سال کی ہوئی ان کی نماز جنازہ حضرت عثمان رضی ذوالنورین نے پڑھائی۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کو مقوقس شاہ اسکندریہ کی طرف بھیجا جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اصابہ میں مرزبانی سے نقل کیا ہے کہ معجم الشعراء میں منقول ہے کہ حضرت حاطب رضی قریش کے سواروں اور ان کے شعراء میں سے زمانۂ جاہلیت میں تھے۔ حضرت حاطب رضی نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کئی حدیثیں روایت کی ہیں ایک یہ کہ

مَنْ رَآنِي بَعْدَ مَوْتِي فَكَأَنَّمَا رَآنِي فِي حَيَاتِي وَمَنْ مَاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ۔ بُعِثَ فِي الْآمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ـــــ جس نے مجھے میری رحلت کے بعد خواب میں دیکھا تو گویا اس نے مجھے میری حیات ظاہری میں دیکھا۔ اور جو دونوں حرموں میں سے کسی حرم میں فوت ہوا وہ قیامت میں محفوظ و مامون لوگوں میں اٹھے گا۔"

صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے سوا ان کی کوئی اور حدیث نہیں دیکھی۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ علماء نے صاحب استیعاب کی اس بات کو عجیب و غریب جانا ہے۔ اس لئے کہ اس کے سوا اور بھی کئی حدیثیں ان سے مروی ہیں۔ ابن السکن نے بطریق محمد بن عبدالرحمٰن بن حاطب عن ابیہ عن جدہ روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ

سے سُنا ہے کہ مسلمان کی جنت میں ستر اور تین بیویاں ہوں گی۔ ستر جنتی بیویاں اور تین دنیاوی عورتیں؛ صاحب اصابہ نے کہا کہ میں نے ان کی تین اور حدیثیں پائی ہیں ان میں سے ایک تو ابن شاہین نے بطریق یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب عن ابیہ عن جدہ نقل کی ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مقوقس شاہ اسکندریہ کی جانب بھیجا اور حضور اکرم کا مکتوب لیکر میں گیا (الحدیث) دوسری حدیث ابن مندہ نے اسی سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کی ہے کہ:۔ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (الحدیث)۔ اور تیسری حدیث کو حاکم نے بطریق صفوان بن سلیم از حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ روایت کی ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں ڈھال تھی جس میں پانی تھا (الحدیث) ظاہر ہے کہ یہ پانی لانا اس غزوہ میں تھا جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو زخم پہنچے تھے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ پانی لائے تھے تاکہ اس سے زخم کو صاف کریں۔ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ اس زخم پر رکھی تھی۔ جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ذکر گزر چکا ہے (واللہ اعلم)

## شجاع رضی اللہ عنہ بن وہب

انہیں سفیروں میں ایک شجاع بن وہب ہیں۔ ان کو ابو وہب الاسدی حلیف بنی عبد شمس کہا جاتا ہے۔ ان کی کنیت ابو وہب ہے۔ ابن اسحٰق نے ان کو مہاجرین میں سابقین اولین سے اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے حبشہ ہجرت کی، بیان کیا ہے وہ بدر میں حاضر ہوئے۔ ابن ابی حاتم نے کہا کہ شجاع رضی اللہ عنہ بن وہب بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ صاحب استیعاب نے کہا ہے کہ میں ان کی کوئی روایت نہیں جانتا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو حارث بن ابی شمر غسانی کی جانب بھیجا جیسا کہ گزر چکا ہے۔ اور وہ نحیف دراز قد اور کوزہ پشت تھے۔ جنگ یمامہ میں انہوں نے شہادت پائی۔ ان کی عمر کچھ اوپر چالیس کی ہوئی۔ (رضی اللہ عنہ)

## سلیط رضی اللہ عنہ بن عمرو

انہیں سفیروں میں ایک سلیط (بفتح سین وکسر لام وسکون یا) بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور اکرم نے ان کے ہاتھ ہودہ بن علی حنفی کے نام مکتوب گرامی بھیجا جیسا کہ گزرا، ابن اسحٰق نے کہا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ جنگ یمامہ میں حاضر ہوئے اور وہاں شہید ہو گئے۔ ابو معشر نے کہا وہ شہید نہیں

ہوئے۔ صاحب استیعاب نے کہا انشاءاللہ درست یہی ہے۔ اور کہا کہ حضرت زبیرؓ نے ان کی خبریوں دی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اصحاب رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو حلّے پہنائے ایک حلّہ زیادہ ہوگیا حضرت عمر نے فرمایا مجھے کوئی ایسا جوان بتاؤ جس نے اور اس کے باپ نے ہجرت کی ہو لوگوں نے کہا عبداللہ بن عمرؓ ہیں آپ نے فرمایا نہیں بلکہ سلیط بن عمروؓ ہیں۔ چنانچہ ان کو وہ حلہ پہنا دیا۔

## علاءؓ بن الحضرمی

انہیں سفیروں میں ایک حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ ہیں جن کا ذکر کاتبوں میں گزر چکا ہے ظاہر ہے کہ وہ کاتب بھی تھے۔ اور حضور اکرمؐ کے قاصد و سفیر بھی۔ پہلے ارسال رسل کے باب میں ارباب سیر سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے علاءؓ بن حضرمی کو منذر بن ساوی والی بحرین کی جانب بھیجا اور مکتوب گرامی لکھا۔ مواہب لدنیہ میں تفصیل کے ساتھ اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

## جریر بن عبداللہ

انہیں سفیروں میں حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجلی ہیں۔ ان کو طائف کے ایک بادشاہ ذی الکلاع کی طرف حضور اکرمؐ نے بھیجا۔ ان کا قصہ دسویں سال کے واقعات میں حجۃ الوداع کے بعد مذکور ہو چکا ہے۔ یہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نہایت حسین وجمیل اور صاحب فضل وکمال تھے۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور ایک قول ہے کہ ابوعمروؓ ہے۔ یہ بجلی اور یمانی تھے۔ بجیلی قبیلہ بجیلہ کی طرف منسوب ہے۔ جو کہ ام قبیلہ ایک عورت کا نام تھا۔ ان کے اسلام لانے کے وقت میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سال کے ماہ رمضان میں اسلام لائے جس سال حضور اکرمؐ نے رحلت فرمائی۔ ایک قول یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کی رحلت سے چالیس دن پہلے اسلام لائے۔ ابن عبدالبر نے اسی پر جزم کیا ہے۔ اور اصابہ میں کہا گیا ہے کہ یہ غلط ہے اس لئے کہ صحیحین میں واقع ہوا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے روز ان سے فرمایا کہ لوگوں کو خاموش کرو۔ اور واقدی نے جزم کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ماہ رمضان ۱۰ھ میں وفات پائی اس لئے کہ نجاشی نے ۱۰ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

الغرض جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جریرؓ آئے تو

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کا اکرام فرمایا اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا۔ جب تمہارے پاس کسی قوم کا بزرگ آئے تو اس کا اکرام و احترام کرو۔ ان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم ایسے شخص ہو کہ حق تبارک وتعالیٰ نے تمہاری صورت اچھی پیدا فرمائی ہے تو تمہاری سیرت بھی اچھی بنائے۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے درمیان جلوہ افروز تھے اور ان اصحاب میں زیادہ تر یمن کے لوگ تھے۔ یکایک فرمایا بہت جلد تمہارے پاس ایک ایسا شخص آنے والا ہے جو اہل یمن میں بہترین شخص ہے اچانک حضرت جریرؓ بن عبداللہ بجیلی نمودار ہوئے اور ثنیۃ الوداع سے وہ ظاہر ہوئے۔ پھر وہ آئے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام اصحاب پر سلام عرض کیا۔ اس پر سب نے یک زبان ہو کر جواب سلام دیا۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اپنی چادر شریف بچھائی اور فرمایا "اے جریرؓ اس پر بیٹھو" تو وہ بیٹھے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہو کر گفتگو فرمانے لگے۔

جب وہ اٹھ گئے تو صحابہ نے عرض کیا "یا رسول اللہؐ! آج تو ہم نے جریرؓ کے لئے ایسا منظر دیکھا کہ اس سے پہلے کسی کے لئے آپ نے ایسا نہ کیا۔ فرمایا "ہاں! یہ اپنی قوم کا سردار ہے۔ اور جب تمہارے پاس کسی قوم کا سردار آئے تو اس کا اعزاز و اکرام کرو۔" حضرت جریرؓ ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ جب مدینہ طیبہ کے قریب ہوا تو میں نے اپنے اونٹ کو بٹھایا پھر جامہ دانی سے اپنے کپڑے نکال کے اپنا لباس بدلا۔ اور میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں اس حال میں داخل ہوا کہ حضور اکرم خطبہ دے رہے تھے۔ پھر تمام لوگوں نے مجھے گھور گھور کر دیکھنا شروع کر دیا۔ اس پر میں نے ایک پاس کے بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں پہلے کچھ فرمایا تھا؟ انہوں نے کہا "ہاں! تمہارا اچھا ذکر فرمایا تھا۔ اس خطبہ کے ہی دوران ایک بات عارض ہوئی اور حضور اکرمؐ نے اپنے خطبہ میں ایک بات فرمائی کہ عنقریب تم میں ایک شخص دور دراز علاقہ یمن سے داخل ہوگا جس کا چہرہ پر فرشتہ نے ہاتھ پھیرا ہے (یہ کنایہ حسن وجمال کی طرف ہے) حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس نعمت پر جو خدا نے مجھے عطا فرمائی خدا کا شکر بجالایا۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سید مطاع اور بدیع الجمال تھے گویا کہ ان کا چہرہ چاند کا ٹکڑا ہے۔ ترمذی نے شمائل میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے

سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے حضرت جریرؓ کی صورت سے زیادہ حسین صورت کوئی نہ دیکھی۔ بجز اس خبر کے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں ہمیں پہنچی ہے۔ اور حضرت فاروق اعظم فرمایا کرتے کہ جریرؓ اس امت کے یوسف ہیں۔

حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جب عرب کے وفود آتے تو حضور اکرمؐ مجھے طلب فرماتے میں عمدہ لباس پہن کر مجلس مبارک میں حاضر ہوتا اور حضور اکرمؐ مجھ پر فخر فرماتے تھے۔ مروی ہے کہ ان کا قد چھ ہاتھ تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت جریرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مجھے، جب سے میں اسلام لایا ہوں آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے۔ جب بھی حضور اکرمؐ مجھ پر نگاہ کرم فرماتے تو تبسم فرماتے۔ اور میرے روبرو تبسم کناں رہتے۔ حضرت ابو ذرعہ سے مروی ہے کہ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ہر مسلمان کی نصیحت و خیر خواہی پر بیعت کی ہے۔ حضرت جریرؓ جب کوئی چیز خریدتے تو اپنے ساتھی جو فروخت کرنے والا (بائع) ہوتا فرماتے واللہ یہ چیز اس قیمت سے زیادہ ہے جتنی کہ میں نے خریدی مثلاً اگر گھوڑا ہوتا اور اس کی قیمت ایک ہزار درہم بتاتا تو وہ اس کی قیمت اتنی بڑھا دیتے کہ چار ہزار تک پہنچا دیتے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر کو ۳۰ مسلمانوں کے ساتھ ذوالخلیفہ میں ایک بت خانہ کو توڑنے کے لئے بھیجا انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ میں گھوڑے کی پشت پر جم کر نہیں بیٹھ سکتا۔ اس پر حضور اکرمؐ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا یہاں تک کہ اس کی ٹھنڈک میرے سینہ کے اندر محسوس ہوئی اور فرمایا "اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا" خداوندا ان کو ثابت و مستحکم بنا اور ان کو ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والا کر۔ اس کے بعد وہ ذوالخلیفہ گئے بت کو توڑ کر اسے جلا دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عراق کی جنگ میں تمام اہل بجیلہ پر حضرت جریرؓ کو فوقیت دیتے اور آگے بڑھاتے تھے۔ اور انہوں نے قادسیہ کی فتح میں بہت بڑا کام کیا تھا اور حضرت جریرؓ کوفہ میں رہنے لگے۔ ان کا وہاں ایک گھر تھا۔ امیر معاویہؓ نے ان کو پیغام بھیجا وہ ان کے پاس نہیں گئے بالآخر وہ دونوں فریقوں سے نہیں ملے۔ اور گوشہ نشینی اختیار کی، وہ ۵۴ھ یا ۵۱ھ میں فوت ہوئے (رضی اللہ عنہ)

منقول ہے کہ ایک دن وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں موجود تھے۔ اس مجلس

میں کسی کی ریح خارج ہوئی اور بو پھیل گئی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ریح خارج کرنیوالے پر لازم ہے کہ اٹھ کر جائے اور وضو کرے۔ حضرت جریرؓ بن عبداللہ نے کہا اے امیرالمومنین آپ تمام حاضرین مجلس کو حکم فرمائیں وضو کر کے آئیں۔ تاکہ کسی کا بھید نہ کھلے اور اس کا عیب ظاہر نہ ہو۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حکم فرمایا کہ سب جائیں اور وضو کر کے آئیں۔ اور انہوں نے حضرت جریرؓ کی یہ بات بہت پسند کی۔ اور فرمایا اے جریرؓ تم جاہلیت اور اسلام میں ہمیشہ مرد رشید رہے ہو۔ جیسا کہ استیعاب میں ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت امیرالمومنین کا یہ اثر کسی قصہ کی کتاب میں دیکھا تھا اب معلوم ہوا کہ یہ بات حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی فرمائی ہوئی تھی (رضی اللہ عنہ)

## مہاجرؓ بن اُمیہ

انہیں سفیروں میں حضرت مہاجر بن امیہ بن المغیرہ قرشی مخزومی برادر سیدہ ام سلمہ زوج النبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جو ایک ماں باپ سے تھے۔ ان کا نام ولید تھا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس نام کو مکروہ جانا۔ سیدہ ام سلمہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ میرے بھائی ولید مہاجر ہو کے آ گئے ہیں۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا "ہُوَ الْمُہَاجِرُ" ان کا نام مہاجرؓ ہی ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ حضور اکرمؐ نے ولید کا نام بدل دیا ہے۔ پھر انہوں نے عرض کیا یارسول اللہؐ! اب ان کا نام مہاجرؓ ہی ہے۔ یہ ایک طویل حدیث میں ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت مہاجرؓ بن امیہ کو حارث بن عبد کلال حمیری شاہ یمن کی طرف بھیجا۔ اور حضور اکرمؐ نے ان کو کندہ اور صدف کے صدقات پر عامل مقرر فرمایا۔ اس کے بعد حضرت امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یمن کا حاکم بنایا۔ اور انہوں نے ہی حضرموت میں بحر کے قلعہ کو جہاں زیاد بن لبید انصاری کے ساتھ کافروں کے نرغہ میں آ گئے تھے فتح کیا۔ جیسا کہ استیعاب میں ہے۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ وہ مشرکوں کے ساتھ بدر آئے تھے۔ اور وہاں ان کے دو بھائی ہشام اور مسعود مارے گئے تھے۔ کتاب میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ غزوۂ تبوک میں بیٹھے رہ گئے تھے۔ اس پر سیدہ ام سلمہؓ برابر حضور اکرمؐ سے ان کی معذرت خواہی کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ حضور اکرمؐ نے ان کو معاف فرما دیا۔

## عمروؓ بن العاص

انہیں سفراء میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ملک عمان کے جلندر کے بیٹے

جیفر و عبد کی جانب بھیجا۔ ان کا قصہ تفصیل کے ساتھ سال ششم میں ارسال رسل کے باب میں صلح حدیبیہ کے بعد گزر چکا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے حالات کاتبوں کے ضمن میں لکھے جا چکے ہیں۔

## عروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود ثقفی

انہیں سفیروں میں عروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود ثقفی ہیں ان کی کنیت ابو مسعود یا ابو یعفور ہے ثقفی ان کے جد کی نسبت سے ہے جس کا نام ثقیف تھا۔ وہ صلح حدیبیہ میں حالت کفر میں آئے۔ جب حضور اکرم ۹ھ میں طائف سے واپس ہوئے تو وہ آئے اور اسلام لے آئے۔ ان کے پاس کئی بیبیاں تھیں حضور اکرم نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار کو روک لو باقی کو طلاق دیدو۔ جب اپنے وطن جانے کی اجازت چاہی تو حضور اکرم نے فرمایا اگر تم ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تم کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں ان میں ان کے اکابر سے زیادہ محبوب ہوں۔ اور وہ اپنے قبیلہ میں محبوب و مطاع تھے۔ پھر جب وہ لوٹ کے گئے تو اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ مگر انہوں نے قبول نہ کیا پھر جب فجر کا وقت ہوا تو غرفہ میں کھڑے ہو کر جو کہ ان کے گھر میں تھا نماز کے لئے اذان دی۔ شہادتین کہہ رہے تھے کہ ثقیف کے کسی نامرد نے تیر مارا، ایک روایت میں ہے کہ تیروں کی بوچھار کی اور ایک تیر ان کے لگا وہ شہید ہو گئے (رضی اللہ عنہ) حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا ان کی مثال اس صاحب جیسی ہے جس نے اپنی قوم کو خدائے عزوجل کی طرف بلایا اور لوگوں نے ان کو شہید کر دیا۔ جب وہ شہید ہو گئے تو لوگوں نے ان سے کہا تم اپنے خون کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ انہوں نے کہا یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ایک کرامت ہے جو اس نے اکرام فرمایا اور یہ ایسی شہادت ہے جسے خدا نے میری طرف بھیجا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان پر اظہار افسوس کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ و عکرمہ و محمد بن کعب اور سدی و قتادہ نے حق تعالیٰ کے ارشاد:۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ۔ (ان کافروں نے کہا یہ قرآن ان دونوں بستیوں کے کسی بڑے شخص پر کیوں نازل نہ ہوا) فرمایا "قریتین" سے مراد مکہ اور طائف ہے۔ البتہ کسی خاص شخص کی تعیین میں اختلاف ہے قتادہ نے کہا کہ مراد عتبہ بن ربیعہ اور عروہ رضی اللہ عنہ بن مسعود ہیں۔ بعض نے کہا کہ مکہ کا ولید بن مغیرہ ہے اور طائف کا عبد یالیل ہے۔ قتادہ نے کہا کہ ولید بن مغیرہ

یا عروہؓ بن مسعود ثقفی ہیں۔ اور اکثر کا یہی قول ہے۔ حدیث میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے انبیاء علیہم السلام کو لایا گیا تو میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھریرے بدن کا دیکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا کہ وہ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ پھر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو وہ تمہارے صاحب کے بہت زیادہ مشابہ تھے۔ اور حضور اکرمؐ نے اپنی شباہت وجسامت شریف کو مراد لیا۔ اور میں نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی مشابہت میں زیادہ قریب دحیہؓ کلبی ہیں۔

یہ گیارہ اصحاب کرام ہیں جن کو روضۃ الاحباب میں سفیروں کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے اس کے بعد کہتے ہیں کہ بعض اہل سیر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذ بن جبل رضؓ کو اور بعض نے دترہ بن محصن اور خبیب بن زید بن عاصم کو بھی حضور اکرمؐ کے سفیروں اور قاصدوں کے ضمن میں شمار کیا ہے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سفیروں اور قاصدوں کی تعداد پندرہ ہو جاتی ہے۔

مواہب لدنیہ میں امیر المومنین علی مرتضیٰؓ، عینیہؓ بن حصین، بریدہؓ، عباد بن بشر، رافعؓ بن مکیث، ضحاکؓ بن سفیان، بشیرؓ بن سفیان اور عبدؓ اللہ بن نسیر جو مردِ آزاد تھے ان حضرات کو بھی شمار کیا ہے۔ ان کے حالات یہ ہیں۔

## ابوموسیٰؓ اشعری

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبد اللہ بن قیس ہے یہ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں یہ۔ اشعر سے منسوب ہیں جو ان کے اجداد میں سے ہیں اور یمن میں اولاد سبا سے ہیں۔ یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں، وہ مکہ میں آکے رہے اور سعید بن العاص بن امیہ کے حلیف بنے۔ اس کے بعد مکہ میں اسلام لائے اور حبشہ کی جانب ہجرت کی اس کے بعد خیبر میں حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ساتھ واپس آئے۔ یہ مشہور واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ابتدائے عہد میں اسلام لائے اور اپنے وطن (یمن) کی طرف چلے گئے اور حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی۔ اصابہ میں کہتے ہیں کہ اکثر کا قول یہی ہے۔ اس لئے کہ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحٰق اور واقدی نے جو کہ علمِ سیر کے اکابر میں سے ہیں مہاجرین حبشہ میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس کے بعد وہ اپنے پچاس اشعریوں کے ساتھ فتح خیبر کے بعد مدینہ طیبہ آئے۔ بعض کہتے ہیں کہ کشتی نے ان کو حبشہ میں جا ڈالا تھا۔

وہاں سے وہ مدینہ طیبہ آئے۔ پھر حبشہ سے ان کا حضرت جعفرؓ کے ساتھ آنا ہوا۔ حضور اکرمؐ نے یمن کے بعض حصہ پر مثلاً زبید وعدن پر حاکم بنایا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بصرہ پر حاکم مقرر فرمایا ان کی معزولی کے بعد حضرت مغیرہؓ بن شعبہ کو ۲۰ھ میں مقرر کیا۔ پھر انہوں نے اہواز اور اصفہان کو فتح کیا۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی ابتدائے خلافت تک بصرہ پر حاکم رہے پھر انہوں نے وہاں سے معزول کر کے کوفہ پر حاکم مقرر فرمایا۔ یہاں وہ برابر حاکم رہے یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ شہید ہوئے۔ حضرت ابوموسیٰؓ اشعری قضیہ تحکیم تک وہاں رہے۔ ان کو حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے معزول کیا۔ اس کے بعد وہ مکہ مکرمہ منتقل ہو کے آگئے اور گوشہ نشینی اختیار کی اور کسی فریق سے تعلق نہ رکھا۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں ایک قول ہے کہ کوفہ میں ۵۲ھ یا ۵۰ھ یا ۴۲ھ میں وفات پائی۔ ان کی عمر چھیاسٹھ سال کی ہوئی۔

یہ خفیف الجسم اور پستہ قامت کے تھے۔ جیسے کہ عام طور سے یمنی لوگ ہوتے ہیں انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین علیہم الرضوان اور حضرت ابن مسعود دابی بن کعب اور عمار رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے۔ اور ان سے ان کی اولاد، موسیٰ، ابراہیم، ابوبردہ اور ان کی بیوی ام عبداللہؓ اور صحابہ میں سے ابوسعیدؓ انسؓ بن مالک طارقؓ بن شہاب اور تابعین میں سے سعید بن المسیب، ابوعثمان نہدی اور ابوالاسود وغیرہم رضی اللہ عنہم کبار تابعین نے روایت کی ہے۔

اہل بصرہ میں افقہ اور اقرأ تھے۔ شعبی نے فرمایا کہ چھ شخصوں پر علم کی نہایت ہے ان میں سے ایک حضرت ابوموسیٰؓ کا ذکر فرمایا ہے۔ بخاری نے بطریق شعبی ان لفظوں سے ذکر کیا کہ "العلماء ستۃ"۔ اور مدینی نے کہا کہ قاضی چار ہیں حضرت عمرؓ، ابوموسیٰؓ، زیدؓ بن ثابتؓ اور حضرت علیؓ مرتضیٰ۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا بصرہ میں بصرہ والوں کے لئے حضرت ابوموسیٰؓ سے بہتر کوئی شخص نہیں آیا۔ یہ حسن صوت کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے والے تھے۔ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار دیا گیا ہے۔ ابوعثمان نہدی نے فرمایا حضرت ابوموسیٰؓ کے قرآن کی حسن صوت سے بہتر بربط ومزمار کی آواز میں نے نہیں سنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بھی حضرت ابوموسیٰؓ کو دیکھتے تو کہتے اے ابوموسیٰؓ ہمیں اپنے رب کی یاد دلاؤ مطلب یہ کہ قرآن پڑھو تاکہ خدا یاد آئے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ فرمایا ہمیں رب تعالیٰ کے حضور لے کے چلو۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز قرآن کریم کے سننے سے زیادہ خدا کی یاد دلانے والی اور اس کا شوق پیدا کرنے والی نہیں ہے کیوں کہ اہلِ عرب اسے خوش آوازی سے پڑھتے ہیں۔ سنت میں مروی ہے کہ ایک رات حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ قرآن کریم پڑھ رہے تھے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ان کی آواز پر اپنے گوش مبارک رکھے ہوئے تھے۔

جب دن نکلا تو حضور اکرمؐ نے فرمایا اے ابو موسیٰؓ تم قرآن کریم کو خوب پڑھتے ہو میں تمہاری تلاوت کو سن کر محظوظ ہو رہا تھا۔ حضرت ابو موسیٰؓ نے عرض کیا "افسوس اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور اکرمؐ سماعت فرما رہے ہیں تو میں اور بہتر آراستہ و مزین کر کے پڑھتا۔ حدیث میں آیا ہے کہ "زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِاَصْوَاتِكُمْ" مسلمانو! اپنی خوش آوازی سے قرآن کو زینت دو۔ ایک روایت میں ہے کہ "بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ كَاَذَنِهٖ لِنَبِيٍّ يَجْهَرُ بِالْقُرْآنِ" ایک روایت میں "يَجْهَرُ بِالْقُرْآنِ" آیا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ "لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ" اس مقام کی بحث پہلے باب تمنا میں گزر چکی ہے۔

## معاذؓ بن جبل

حضرت معاذ بن جبل، ابو عبد الرحمٰن انصاری خزرجی جشمی رضی اللہ عنہ علمِ حلال و حرام میں امام مقدم اور نجباء و اخیار صحابہ میں سے تھے بڑے جوانمرد اور عالی ہمت تھے۔ صحابہ میں بڑے بزرگ اور عزت والے تھے۔ اور وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے ذکر کے وقت بیساختہ تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان اللہ کی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ اور وہ انصار کے اُن ستر افراد میں سے تھے جو عقبہ میں حاضر ہوئے تھے۔ اور اس جماعت میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں قرآن کو جمع کیا۔ صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعًا مروی ہے کہ "اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ" تم چار آدمیوں سے قرآن سیکھو۔ اُن میں ان کا بھی ذکر ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ فرمائی۔ اور کہا گیا ہے کہ "اٰخَى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ جَعْفَرِ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ" ان کے اور حضرت جعفرؓ کے درمیان بھائی چارہ کیا گیا۔ یوں تو تمام مسلمان ہی ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لیکن خاص مناسبت اور مخصوص نسبت کی رعایت ملحوظ تھی۔ اور بعض کو بعض کے ساتھ خاص فرما دیا۔ اس کی

حکمت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہی خوب زیادہ جاننے والے ہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان دونوں عزیزوں کا بھائی بنایا ہو (واللہ اعلم)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ان کو حضور اکرمؐ نے یمن کی طرف اٹھائیس ۲۸ سال کی عمر میں ہی قاضی و معلم بنا کے بھیجا تھا، اور یمن میں جو عمال مقرر تھے ان سے اموال صدقات کو وصول کر کے ان کو مستحقین کے درمیان تقسیم کرنے کا اختیار بخشا۔ ان کی فضیلت میں اتنا ہی کافی ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کی رائے کو کتاب وسنت کے مترادف و برابر قرار دیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو فرمایا اے معاذؓ تم کس چیز سے فیصلہ دو گے۔ عرض کیا اس چیز سے جو کتاب اللہ میں ہے فرمایا اگر تم کتاب اللہ میں نہ پاؤ اور تم پر ظاہر نہ ہو تو پھر کس سے فیصلہ دو گے عرض کیا میں سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر عمل کروں گا۔ فرمایا اگر سنتِ رسول میں بھی تم نہ پاؤ تو کس طرح عمل کرو گے؟ عرض کیا اجتہاد کروں گا اور راہِ صواب پر پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ اور اپنی رائے پر عمل کروں گا۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شکرانہ میں دستِ مبارک اٹھایا اور فرمایا " اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِہٖ بِمَا یَرْضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ " یہ ارشاد مبارک امتِ محمدیہ کے تمام مجتہدوں کے لئے اور ان کے اجتہاد کے لئے دلیل و حجت ہے۔ اور حضرت معاذؓ، ان مجتہدین کرام کے امام و مقتدا ہیں۔ اور خود سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزِ قیامت حضرت معاذ رضی اللہ عنہ امام العلماء بن کے اٹھیں گے اور فرمایا جس وقت علماء اپنے رب کے حضور حاضر ہوں گے تو حضرت معاذ بن جبل ان کے آگے ہوں گے۔ اور حق تبارک وتعالیٰ حضرت معاذؓ پر فرشتوں سے مباہات فرمائے گا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ کی ہر چیز ایمان لائی ہے۔ حتیٰ کہ ان کی مہر یعنی انگشتری تک ایمان لائی ہے۔ یہ ارشاد، حضرت معاذؓ جو بھی فتویٰ دیں یا لکھیں اور مہر لگائیں اس کی صحت و صداقت کی طرف اشارہ ہے۔ اور فرمایا " اَعْلَمُھُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ " حلال وحرام کو سب سے زیادہ جاننے والے حضرت معاذؓ بن جبل ہیں۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے یمن والوں کو لکھا (جب یہ وہاں بھیجے گئے) میں نے تمہارے پاس اپنے پاس سے بہترین شخص کو بھیجا ہے مسروق سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن مسعود نے پڑھا " اِنَّ مُعَاذًا کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِلّٰہِ " اس پر فردہ بن نوفل نے جو کہ حاضرین مجلس میں

بھے کہا کہ حضرت ابن مسعودؓ اس آیت کو فراموش کر گئے ہیں اور بھولے سے یوں پڑھ گئے ہیں اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں آیت کو بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے تشبیہ کے طریقہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جگہ حضرت معاذؓ کو پڑھا ہے۔ اور ہم حضرت معاذؓ کو حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام سے تشبیہ دیا کرتے تھے۔ استیعاب میں یہ حکایت اس طرح منقول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے جب آئہ کریمہ :- اِنَّ مُعَاذًا کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِلّٰہِ حَنِیْفًا وَّ لَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ پڑھا تو فروہ اشجعی نے کہا اے ابو عبدالرحمٰن حق تعالیٰ اسبحٰنہ کا ارشاد اس طرح ہے کہ :- اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِلّٰہِ حَنِیْفًا- اس پر حضرت ابن مسعودؓ نے اعادہ کیا اور پھر یہی پڑھا کہ اِنَّ مُعَاذًا کَانَ اُمَّۃً جب میں نے دیکھا کہ دوبارہ پھر یہی پڑھ رہے ہیں تو میں نے جان لیا کہ قصداً پڑھا ہے بھول کر نہیں پڑھا ہے، اس پر میں خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ امت کون ہے اور قانت کون ہے میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتا ہے فرمایا امت وہ ہے جو خیر کی تعلیم کرے اور اس کی پیروی کی جائے اور قانت وہ ہے جو خدا کا مطیع و فرمانبردار ہو۔ یہی حال حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ خیر کی تعلیم دیتے اور حق سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اطاعت کرتے ہیں۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا تمہارے لئے ہدیہ حلال ہے اگر کوئی تمہارے پاس ہدیہ بھیجے تو اسے قبول کر لینا۔ اور جب حضور اکرمؐ نے حضرت معاذؓ کو رخصت کیا تو حضور اکرمؐ نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ حق تعالیٰ تمہیں تمہارے آگے اور تمہارے پیچھے اور تمہارے داہنے اور تمہارے بائیں کو محفوظ رکھے اور فرمایا اے معاذؓ میں تمہارے لئے پسند کرتا ہوں کہ نماز کے بعد تین مرتبہ :- یَا رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ - پڑھ لیا کرو۔ ابو نعیم نے حلیہ میں ان کی تعریف میں کہا کہ وہ امام الفقہا اور مخزن العلماء ہیں۔ اور وہ عقبہ، بدر اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ وہ انصار کے جوانوں میں حلم و حیا اور سخاوت میں افضل تھے۔ وہ حسین و جمیل، نیک خصائل، پاکیزہ ترین شخص تھے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ گورے اور تابندہ چہرے اور درخشندہ دانتوں والے اور سرمگیں چشم تھے۔ کعب بن مالکؓ نے فرمایا حضرت معاذؓ جوان جمیل سخی اور اپنی قوم کے جوانوں میں سب سے بہتر شخص تھے۔ انہوں نے

خدا سے جو مانگا حق تعالیٰ نے انہیں مرحمت فرمایا۔ واقدی فرماتے ہیں کہ وہ بہت حسین وجمیل تھے اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں۔ اور ان سے عمرو رضؓ بن العاص۔ ابن عمرؓ۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ عبد اللہ رضؓ بن اوفیٰ۔ انس رضؓ ابن مالک۔ ابو قتادہ رضؓ انصاری۔ جابرؓ بن سمرہ وغیرہ صحابہ کرام اور کبار تابعین کی جماعت کثیرہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت کیا ہے۔ حضرت معاذ رضؓ بن جبل بڑے سخی تھے کچھ بچا کے نہیں رکھتے تھے ہمیشہ قرضدار رہتے تھے یہاں تک کہ ان کا تمام مال قرض میں گھر گیا۔ اس کے بعد وہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں آئے اور قرضخواہوں کو بلا کر ان سے قرض معاف کرنے کے لئے فرمایا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ اگر وہ قرضخواہ کسی کی وجہ سے کسی کے لئے قرض معاف کرتے تو وہ یقیناً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے حضرت معاذ رضؓ کو معاف کر دیتے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ، یمن سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، کے زمانۂ خلافت میں واپس آئے اس کے بعد وہ شام کی جانب چلے گئے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، نے حضرت صدیق رضؓ سے اس وقت کہا جب حضرت معاذ رضؓ شام جا رہے تھے کہ ان کو جانے سے روکو کیونکہ اہل مدینہ ان کی فقہ اور ان کے فتوے کے ضرورت مند ہیں اس میں خلل واقع ہوگا۔ لہٰذا ان کی ضروریات کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو روک لیا جائے۔ مگر حضرت صدیق رضؓ نے مجھ سے منع فرما دیا اور فرمایا کہ میں کس طرح ایسے شخص کو روک سکتا ہوں جو درجۂ شہادت کا خواستگار ہے۔ اس پر میں نے کہا خدا کی قسم آدمی کو اس حال میں بھی کہ وہ اپنے گھر بستر پر پڑا ہو شہادت کا ثواب دیا جاتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، نے حضرت معاذ رضؓ کو حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام پر حاکم مقرر فرمایا۔ پھر وہ بھی اسی سال اردن میں طاعون عمواس میں ۱۸ھ یا ۱۷ھ میں فوت ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر شریف تینتیس ۳۳ یا چونتیس ۳۴ یا اڑتالیس ۴۸ سال کی تھی (عمواس ایک قریہ ہے جو املہ اور بیت المقدس کے درمیان ہے) ان کے بعد حضرت عمرو رضؓ بن العاص کو عامل بنایا۔ جب لوگوں میں طاعون کی بیماری پھیلی۔ تو عمرو رضؓ بن العاص کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے کہا اس جگہ سے چلے جاؤ کیوں کہ یہ آگ کے حکم میں ہے۔ حضرت معاذ رضؓ بن جبل نے فرمایا تم عجب نادان ہو اور تم اور تمہارے لوگ گدھے سے زیادہ بے وقوف ہیں، میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ یہ امت کے لئے رحمت ہے۔ اے خدا معاذ رضؓ کو اور معاذ رضؓ کے لوگوں کو ان میں سے یاد فرما جن کو تو نے اس رحمت میں یاد کیا ہے۔ مروی ہے کہ

جب طاعون کی بیماری پھیلی تو عرض کیا خداوندا یہ تیری جانب سے تیرے بندوں پر رحمت ہے خداوندا معاذؓ کو اور اس کے گھر والوں کو اس کے حق سے محروم نہ فرما۔ اور جب حضرت معاذؓ پر طاعون کا حملہ ہوا تو اپنی وفات کے وقت کہا "اُخْنُقْ خَنْقَکَ" گلے کو سختی کے ساتھ گھونٹ جیسا کہ تو چاہتا ہے۔ لَوْ عِزَّتِكَ لِتَعْلَمِ اِنِّیْ اُحِبُّكَ قسم ہے تیرے عزت وجلال کی یقیناً تو جانتا ہے کہ میں تجھے محبوب رکھتا ہوں؛ (کما قال واللہ اعلم)

منقول ہے کہ ایک عورت تھی اس کا شوہر دو سال سے غائب تھا۔ جب شوہر واپس آیا تو اس نے اپنی بیوی کو حاملہ پایا۔ اس پر اس نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عدالت میں مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے اس عورت کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم سے فرمایا اگر تمہیں سربراہی حاصل ہے تو وہ عورت کی ذات پر ہے اور جو بچہ اس کے پیٹ میں ہے اس پر تمہیں کوئی ولایت حاصل نہیں اس پر حضرت عمؓر فاروق نے فرمایا بچہ کی پیدائش تک قید میں رکھو۔ اس کے بعد عورت نے دو سالہ بچا جنا جب اس بچے کو اس کے باپ نے دیکھا تو اس نے بچہ میں اپنی شباہت پہچان لی اور کہنے لگا اِبْنِیْ اِبْنِیْ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ یعنی میرا بیٹا ہے رب کعبہ کی قسم۔ جب یہ خبر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اگر وہ عورت اپنے شوہر کی مانند بچہ نہ جنتی تو وہ عاجز رہتی اور اگر معاذؓ نہ ہوتے تو عمرؓ ہلاک ہو جاتا۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، لوگوں کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے زمانہ میں فتوے دیا کرتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو جو لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے رونے لگے انہوں نے فرمایا تم کو کس بات نے رلایا لوگوں نے کہا ہم آپ کے علم پر روتے ہیں جو تمہاری موت کے ذریعہ منقطع ہو جائیگا۔ آپ نے فرمایا علم وایمان اپنی جگہ ہے یہاں تک کہ روز قیامت تک رہے گا۔ جو علم وایمان کی پیروی کے خواستگار ہیں وہ کتاب وسنت میں تلاش کریں۔ اور اپنی ہر بات کو کتاب پر پرکھیں اور کتاب کو اپنی کسی بات پر پیش نہ کریں۔ اور علم کو حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ مرتضیٰ سے حاصل کرو۔ اگر تم ان کو نہ پاؤ تو ان چار شخصوں سے علم حاصل کرو عویمرؓ، ابن مسعودؓ، سلمان الخیرؓ اور ابن سلامؓ سے جو پہلے یہودی تھے پھر اسلام لائے ہیں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے

سُنا ہے کہ فرمایا عبداللہ بن سلام رضی جنت میں داخل ہونے والے دس ہیں سے دسویں ہیں۔ اور فرمایا عالم کو ذلیل و رسوا کرنے سے اجتناب کرو اور حق کی حفاظت کرو۔ ہر شخص اس پر عمل کرے اور باطل کو دور کرے۔ اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ "کائنا من کان" جیسا ہونا چاہیئے ایسا ہوگا

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بنی کلاب کی طرف بھیجا کہ وہ ان کے اموال کو ان پر تقسیم کر دیں۔ اور کچھ بچا کے نہ رکھیں۔ تو وہ تمام مال تقسیم کرنے کے بعد اپنی اسی کملی کے ساتھ واپس آگئے جو وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ یہ ان کے کندھوں پر پڑی ہوئی تھی۔ اس پر ان کی بیوی نے ان سے کہا تم ایسی جگہ سے آرہے ہو جہاں عمال اپنے بیوی بچوں کے لئے بہت کچھ مال لے کر آتے ہیں۔ تم کیا لائے ہو۔ حضرت معاذ رضی نے فرمایا مجھ پر حضرت عمر رضی کی جانب سے ایک نگہبان مقرر تھا۔ بیوی نے کہا تم تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک امین تھے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تم پر نگہبان مقرر کرتے ہیں۔ اس کے بعد ان کی بیوی دوسری عورتوں میں گئیں اور حضرت عمر رض کی شکایت کی۔ جب یہ خبر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی تو انہوں نے حضرت معاذ رض کو بلایا اور فرمایا اے معاذ رض امین تے تم پر کون سا نگہبان مقرر کیا تھا۔ حضرت معاذ رض نے کہا اے امیر المومنین! میں اپنی بیوی سے کوئی ایسا عذر نہ پاتا تھا بجز اس بات کے کہنے کے۔ تو میں نے یہ کہہ کر اپنا عذر بیان کر دیا۔ اور یہ بات میں نے بطریق رمز و کنایہ کہی ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسے اور کچھ مال دیا اور کہا کہ جاؤ اس سے اپنی بیوی کو راضی کر دو۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ کا نگہبان کہنے سے مطلب اپنے رب تبارک و تعالیٰ کا علم تھا۔ ان کے بہت زیادہ مناقب ہیں۔ جو بیان کئے گئے ہیں وہ بارگاہِ رب العزت کے مقرب اور خاص بندوں میں سے تھے (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

## وبرہ بن محصن

ان کا نام وبرہ بن محصن ہے اور لوگ ابن محصن کہتے ہیں استیعاب میں ہے کہ ان وبرہ کو برا ابن مسہر حنفی کہا جاتا ہے۔ انہیں صحبت حاصل ہے مسیلمہ کذاب نے ان کو اس جماعت کے ساتھ جس میں ابن النواحہ تھا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ تو جو ان میں سے اسلام لائے۔ وہ وبرہ بن محصن تھے۔ محصن خزاعی کہتے ہیں کہ ان کو صحبت حاصل ہے اور یہ وہی ہیں جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

فیروز دیلمی اور جشیش دیلمی کے پاس یمن بھیجا کہ وہ اسود عنسی کو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہو قتل کر دیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسود و مسیلمہ کو اور طلیحہ کو قاصدوں سے قتل کرایا ہے، اور ان کو کسی چیز نے جو راہ خدا میں اور دین کی نصرت کے قایم کرنے کی وجہ میں تھا باز نہ رکھا۔ لہٰذا استیعاب کی عبارت سے وبر بن محصن یا ابن محصن کا حضور اکرمؐ کے قاصدوں میں سے ہونا معلوم ہوتا ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ بیرہ ابن مسہر حنفی بھی کوئی شخص تھا جس کو حضور اکرمؐ کی صحبت حاصل تھی۔ اصابہ میں پہلے وبر بن مسہر حنفی بیان کیا اس کے بعد وبر بن محصن کلبی لائے ہیں اور دونوں کے لئے صحبت کا اثبات کیا ہے۔ اور برار بن محصن سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے حضور اکرمؐ نے فرمایا جب تم صنعا پہنچو تو پہاڑ کے مقابل صنعا میں ایک مسجد ہے اس میں نماز پڑھنا۔ جب اسود کذاب قتل کر دیا گیا تو برار نے کہا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں حضور اکرمؐ نے نماز پڑھنے کا مجھے حکم فرمایا ہے اور دبر ابن مسہر کے ذکر میں ہے کہ مسیلمہ کذاب نے ان کو ابن نواحہ اور ابن معان حنفی کے ساتھ بھیجا۔ حضور اکرمؐ کے پاس ان کا آنا اور حضور اکرمؐ کی رسالت کی گواہی دینا اور مسیلمہ کے کذب کا اقرار کرنا بھی بیان کیا ہے (فتدبر)

## خبیبؓ بن زید بن عاصم

خبیب بن زید بن عاصم انصاری، مازنی، نجاری برادر عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہما ہیں۔ بدر و احد اور خندق میں حاضر ہوئے اور ابن اسحٰق نے انھیں عقبہ کے حاضرین میں شمار کیا ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسیلمہ کذاب کی طرف یمامہ بھیجا۔ اور جب مسیلمہ کذاب ان سے یہ کہتا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد خدا کے رسول ہیں؟ تو وہ کہتے ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ اور جب وہ کہتا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں؟ تو وہ کہتے میں بہرہ ہوں کچھ نہیں سنتا۔ اسی طرح کئی مرتبہ اس ملعون نے کہا بالآخر مسیلمہ لعنۃ اللہ علیہ نے ان کو قتل کر دیا اور ان کے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور وہ شہید ہو کے فوت ہوئے (رضی اللہ عنہ) جب روز یمامہ ہوا تو ان کے بھائی عبد اللہؓ بن زید میدان جنگ میں نکلے ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ جب تک مسیلمہ مارا نہ جائے گا غسل نہ کریں گی یہ اسماء روضۃ الاحباب میں بیان کئے گئے ہیں جو تمام ہوئے کچھ اور نام بھی ہیں جن کو مواہب لدنیہ میں بیان کیا گیا ہے ہم ان کو بھی بیان کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

## عبادؓ بن بشر

ایک عبادؓ بن بشر ہیں جن کو بنی سلیم و مزینہ کی جانب بھیجا گیا۔ عبادؓ بفتح عین و تشدید با اور بشر بکسر با و سکون شین ہے۔ یہ انصاری اشہلی ہیں حضرت مصعبؓ بن عمیر کے ہاتھ پر حضرت سعدؓ بن معاذ سے پہلے اسلام لائے۔ بدر و احد اور تمام غزوات میں حاضر ہوئے۔ اور یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت خدمت کرتے اور آپ کی پاسبانی بھی کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کو پاسبان بارگاہِ رسالت میں بھی ذکر کیا گیا ہے۔ (جیسا کہ مذکور ہوا)

## بریدہؓ

ایک حضرت بریدہ ہیں ان کو حضرت کعبؓ بن مالک کے ساتھ قبیلہ غفار و اسلم کی طرف بھیجا۔ بارگاہِ رسالت کے کاتبوں میں تذکرہ گزر چکا ہے۔

## رافعؓ بن مکیث

ایک رافع بن مکیث (بفتح میم و کسر کاف و سکون یا) جہنی ہیں۔ بیعت رضوان میں حاضر ہوئے۔ اور یہ ان میں سے ہیں جو قبیلہ جہنیہ کے علمُ روز فتح مکہ اٹھائے ہوئے تھے۔ اور قبیلہ جہنیہ پر ان کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے وصولی صدقات کے لئے عامل بنایا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کے ساتھ جابیہ میں حاضر ہوئے۔ ابو داؤد میں ان کی ایک حدیث ہے۔ جو کہ ان کے فرزند حارث بن رافع کی سند سے حسنِ ملکہ میں ہے۔ اسی طرح اصابہ میں مذکور ہے اور استیعاب میں ہے کہ رافعؓ بن مکیث جہنی برادر جندبؓ بن مکیث ہیں حدیبیہ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرمایا کہ آگ بر آمد ہو گی جو لوگوں کو محشر کی طرف گھیر کر لیجائیگی ان سے ان کے بیٹے بشر بن رافعؓ نے روایت کیا۔

## ضحاکؓ بن سفیان

ایک ضحاکؓ بن سفیان بن عوف بن ابی بکر بن کلاب الکلابی ہیں۔ ابو سعید ان کی کنیت ہے۔ ابن حبان اور ابن السکن نے کہا کہ ان کو صحبت حاصل ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا کہ ان کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے ان کے لئے حضور اکرمؐ نے علم تیار کیا تھا۔ واقدی نے کہا کہ وہ اپنی قوم بنی کلاب کے صدقات پر عامل تھے۔ اور قریش پر ان کو حاکم بنایا تھا۔ وہ اہل مدینہ میں شمار کئے گئے ہیں۔ اور ان کو شجاعوں میں شمار کیا جاتا تھا تنہا ان کو سو جوانمردوں کے مقابل سمجھا جاتا تھا حضور اکرمؐ نے ان کو لشکر کے پاس بھیجا اور ان کی طرف حضور اکرمؐ نے لکھا کہ اشیم ضبابی کی بیوی کا وارث بنائیں کیوں کہ وہ حضور اکرمؐ کی حیات میں غلطی و خطا سے قتل ہوئے تھے۔ اور ضحاکؓ

نے ان کی بیوی کی طرف سے ان کے شوہر کی دیت فی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گواہی دی۔ اس حدیث کو اصحاب سنن نے روایت کیا اور یہ حدیث مشکوٰۃ میں مذکور ہے۔ حضرت حسن بصری نے بیان کیا ہے کہ وہ بڑے جوان مرد تھے اور وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سرہانے اپنی تلوار حمائل کئے کھڑے ہوتے تھے۔ اسی لحاظ سے اگر ان کو پاسبانوں کے زمرہ میں بیان کیا جاتا تو بھی مناسب ہوتا۔

## بشرؓ بن سفیان

ایک اور بشر بن سفیان کعبی ہیں۔ اور ان کو عدوی کہا جاتا تھا حضور اکرمؐ نے ان کو بنی کعب پر بھیجا۔

## عبداللہؓ بن لُتّبیہ

ایک اور عبداللہ بن لُتبیہ بفتح لام اور بضم لام بھی آیا ہے اور یا کا فتح اور سکون بھی کہا گیا ہے۔ اور با کا زیر اور تشدید تا ہے، اگر ضم وسکون سے ہے تو منسوب بہ بنی لتب ہے۔ جو کہ معروف ہے اور اتبیہ بہمزہ بجائے لام بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ابی حمیدؓ ساعدی سے مروی ہے کہ وہ ازد قبیلہ کے ایک شخص تھے جن کو ابن لتبیہ کہا جاتا تھا۔ حضور اکرمؐ نے ان کو بنی ذبیان (بضم دال وسکون تا یائے تحتانیہ کے ساتھ) کے صدقات پر عامل بنایا۔ اس جگہ لوگوں نے ان کے لئے ہدایا وتحائف بھیجے تھے۔ جب وہاں سے (جہاں گئے تھے) لوٹ کے آئے تو مسلمانوں سے کہا یہ مال یعنی اموال صدقہ تمہارے لئے ہے جس کو میں تمہارے لئے لایا ہوں۔ اور یہ میرے لئے ہے یعنے لوگوں نے ہدایا وتحائف میں مجھے دیا ہے۔ انہوں نے دیانت سے کام لیا اور اپنے گھر نہیں لے گئے اور صحابہ سے کہا کہ جب یہ حضور اکرمؐ کو خبر دی جائے گی تو حضورؐ جیسا تجویز فرمائیں گے میں اسی پر عمل کروں گا۔ چنانچہ جب حضور اکرمؐ کو خبر دی گئی تو حضور اکرمؐ نے خطبہ دیا اور حمد وثنائے باری تعالےٰ بجالائے اور فرمایا میں تم میں سے کسی کو کسی ایسے کام کی بجاآوری کے لئے بھیجتا ہوں جس کی ولایت حق تعالیٰ نے مجھے عطا فرمائی ہے پھر تم میں سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مال تمہارے لئے ہے اور یہ پیشکش ہے جو میرے لئے بھیجی گئی ہے۔ وہ شخص اپنے باپ کے گھر یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہ بیٹھا رہا تاکہ دیکھا جاتا اور معلوم ہوتا کہ اس کے لئے پیشکش بھیجی جاتی ہے؟ مطلب یہ کہ یہ ہدیئے اور یہ پیشکش جو اسے بھیجے گئے ہیں اسی عمل کے ذریعے اور وسیلہ سے ہے جس پر وہ عامل کیا گیا تھا۔ لہٰذا یہ ہدیئے بھی اسی کے حکم میں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کوئی شخص اس مال زکوٰۃ میں سے

کوئی چیز نہ لے۔ ورنہ قیامت کے دن اپنی گردن پہ اٹھا کر اس حال میں لائے گا کہ وہ چیز آواز دیتی اور فریاد کرتی ہوگی۔ خواہ اونٹ ہو یا گائے یا بکری۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے اپنے دست مبارک کو اتنا بلند کیا کہ ہم نے آپ کی بغل شریف کی سفیدی دیکھ لی فرمایا "اللھم ہل بلغت" اے خدا کیا میں نے پہنچا دیا" اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا۔

## عینیہ بن حصین فزاری

ایک عینیہ بن حصین فزاری ہیں۔ جن کو بنی تمیم پر حضور اکرمؐ نے بھیجا تھا۔ یہ عینیہ بن حصین عرب کے بدمزاج اور درشت خو لوگوں میں سے ہیں یہ مولفۃ القلوب میں سے تھے (واللہ اعلم) ان کا اسلام نیک ہوا۔ ان کا تذکرہ متعدد جگہوں پر کیا جا چکا ہے جو کہ ان کی خشونت، غفلت اور بدمزاجی پر دلالت کرتا ہے۔ اکثر بنی تمیم کا ایسا ہی حال تھا۔ غرضکہ جب بشرؓ بن سفیان کعبی کو بنی کعب پر ان کے صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا گیا جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اور بنی کعب کو حکم دیا کہ اپنے صدقات کے مویشی کو جمع کر کے لائیں۔ تو وہ مویشی اور اموال زکوٰۃ کے لائے اور انہوں نے ان کو لے لیا۔ بنی تمیم کو اپنی ذاتی خست و بخل کی بنا پر یہ مال بہت معلوم ہوا اور وہ بنی کعب سے کہنے لگے اتنا زیادہ مال اپنے سے کیوں جدا کرتے اور باہر نکالتے ہو بنو کعب نے کہا ہم دین اسلام کے تابع اور فرمانبردار ہیں۔ اور دین میں زکوٰۃ دینا لازمی ہے تمیمیوں نے کہا خدا کی قسم ہم ایک اونٹ بھی یہاں سے جانے نہ دیں گے اور ہتھیار باندھ کر آمادۂ پیکار ہو گئے۔ بشر بن سفیان نے راہ فرار اختیار کرنے کو بہتر سمجھا۔ اور وہ مدینہ طیبہ لوٹ آئے۔ جب یہ واقعہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو چاہا کہ بنو تمیم پر لشکر بھیجیں فرمایا کون ہے جو ان کے یہاں جائے اور ان سے سرکشی کا بدلہ لے۔ عینیہؓ بن حصین جو بنی تمیم سے عداوت اور دشمنی رکھتے تھے عرض کرنے لگے یہ کام میں کروں گا تو حضور اکرمؐ نے مہاجر و انصار کے پچاس سوار ان کے ہمراہ کر کے بنو تمیم پر بھیجا۔ انہوں نے ان پر حملہ کیا اور تاخت و تاراج کر دیا۔ ان کی عورتوں بچوں کو قید کر کے لے آئے۔ اس کے بعد بنو تمیم روتے پیٹتے فریاد کرتے آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ہمیں کیوں لٹوا تے ہو لٹتے اور ہمارے بال بچوں کو قید کراتے ہیں پھر وہ بہت جھگڑے اور مفاخرت کرنے لگے۔ یہ قصہ بہت طویل ہے جو سال نہم کے ابتدائی واقعات میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ چند اشخاص تھے جن کو مواہب نے قاصدوں میں شمار کیا ہے لیکن مخفی نہ رہنا چاہیے کہ ان اشخاص کو قاصدوں کے زمرہ میں داخل کرنا موزوں و مناسب نہیں ہے۔ انکو عمال کے زمرہ میں داخل کرنا چاہیئے تھا۔

# باب نہم

## در ذکرِ عمالِ بارگاہِ نبوت صلے اللہ علیہ وسلم

قبائل سے اموال صدقات کو وصول کرنے والے چند افراد تھے جن کے اسماء یہ ہیں:

**عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ** ایک حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ابو محمد قریشی زہری رضی اللہ عنہ ہیں جو بنی کلب کے صدقات پر عامل تھے۔ یہ عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے جاہلیت میں ان کا نام عبدالکعبہ یا عبد عمرو تھا۔ حضور اکرمؐ نے ان کا نام عبدالرحمٰن رضؓ رکھا۔ ان کی والدہ شفاؓ بنت عبد عوف بن حارث بن زہرہ ہے وہ اور ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر قدیم زمانہ میں اسلام لائے، اور حبشہ کی دونوں ہجرتیں کیں۔ اور حضور اکرمؐ کے ساتھ تمام غزوات میں حاضر ہوئے، روز احد ثابت قدم رہے۔ اور غزوۂ تبوک میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ اس کا قصہ جیساکہ حدیث میں مذکور ہے یہ ہے کہ حضور صحرا میں تشریف لے گئے تھے۔ حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے چاہا کہ پیچھے آجائیں حضور اکرمؐ نے ان کو اپنی جگہ رہنے کا اشارہ فرمایا، پھر حضور اکرمؐ نے ایک رکعت ان کے ساتھ گزاری اور بعد کو مسبوق کی مانند اپنی نماز مکمل فرمائی۔

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف اغنیاء صحابہ میں سے تھے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی، اور ان کو یہ تونگری اور ساری خیر و برکت مدینہ طیبہ میں تجارت کے ذریعہ حاصل ہوئی تھی۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کے وہ انصاری بھائی جن کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مواخات قائم فرمائی تھی۔ انہوں نے ان سے کہا میری دو بیویاں اور بہت سے

باغات ہیں۔ میں ان میں سے ایک بیوی کو تمہارے لئے طلاق دیتا ہوں اور تمام باغات میرے اور تمہارے درمیان مشترک رہیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے ان سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بیویوں میں برکت دے اور تمہارے اموال کو اور زیادہ کرے۔ مجھے تم صرف بازار کی راہ بتادو اور کسی چیز کی مجھے حاجت نہیں ہے۔ پھر وہ بازار گئے اور خرید وفروخت شروع کردی ان کے کام میں اتنی کشائش وفراخی ہوئی اور تونگری کے حدود میں داخل ہوئے کہ کوئی حد وشمار نہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ جب انہوں نے وفات پائی تو ان کی چار بیویاں تھیں۔ ان عورتوں کی چوتھائی مال پر صلح کی گئی۔ چونکہ ان کا حصہ میراث سے چوتھائی تھا۔ ہر ایک کو اسّی ہزار درہم پہنچے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اسّی ہزار دینار تھے (واللہ اعلم) اہل بدر کے سو اصحاب کے لئے وصیت کی تھی اور ہر ایک کو چار چار سو دینار دیئے گئے۔ ایک مرتبہ چار ہزار دینار انہوں نے صدقہ کئے۔ دوسری مرتبہ چالیس ہزار اور تیسری مرتبہ چالیس ہزار صدقہ کئے۔ اور راہ خدا میں پانچسو گھوڑے اور پانچسو راحلہ پر سوار کئے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد وہ امہات المومنین کی کفالت کرتے تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس معنی کا اشارہ بھی پایا گیا ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کے فرزند سے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے والد کو سلسال جنت سے سیراب کرے وہ حضور اکرمؐ کی ازواج مطہرات کی کفالت کرتے ہیں۔ سیدہ صدیقہ رضؓ نے حدیث بیان کی کہ میں نے حضور اکرمؐ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ میں عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کو جنت میں گھٹنے کے بل چلتا دیکھ رہا ہوں۔ پھر انہوں نے اس نعمت کے شکرانہ میں اس تمام قافلہ کو صدقہ کر دیا جو شام سے آرہا تھا۔

ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں تھیں اچانک انہوں نے ایک ایسی آواز سنی جس سے مدینہ دہل گیا اور لرز گیا۔ اس پر حضرت صدیقہ رضؓ نے پوچھا یہ کیسا شور وغوغا ہے لوگوں نے کہا حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کا ایک قافلہ شام سے آیا ہوا ہے۔ اس میں سات سو اونٹ تھے۔ اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خبردار ہو جاؤ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میں عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کو جنت میں بچوں کی طرح گھٹنے کے بل چلتے دیکھ رہا ہوں۔ جب حضرت عبدالرحمٰن رضؓ کو یہ حدیث

پہنچی تو وہ حضرت صدیقہؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ مجھے ایسی حدیث پہنچی ہے پھر انہوں نے حدیث بیان کی۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن نے سیدہ عائشہؓ سے فرمایا۔ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میرے یہ تمام اونٹ مع اپنے سازوسامان، کجاوے اور چادروں کے راہِ خدا میں صدقہ ہیں۔ (رواہ احمد ابو نعیم)

مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اے ابن عوف تم تونگروں میں سے ہو اور تم جنت میں اس طرح داخل ہو گے جس طرح بچے گھٹنوں کے بل چلتے ہیں، تم قرض دو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے پاؤں کو کشادہ فرمائے۔ عرض کیا یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا چیز قرض میں دوں فرمایا جو مال تم کماتے ہو اس سے الگ ہو جاؤ۔ عرض کیا تمام مال سے فرمایا ہاں تمام مال سے۔ تو وہ حضور اکرمؐ کے ارشاد کی تکمیل کے ارادہ سے باہر نکلے۔ پھر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ان کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ جبریل علیہ السلام نے آکے بتایا ہے کہ ابن عوف کو حکم فرماؤ کہ مہمانوں کی مہمان نوازی کرو اور مسکینوں کو کھانا کھلاؤ اور سائلوں کو دو۔ ان کی ابتدا اپنے اہل وعیال سے کرو۔ جب وہ اس پر عمل کریں گے تو جو بات انہیں ہے اس کے ازالہ کا موجب بن جائیگی۔ اسے ابن عدی اور ابن عساکر نے بیان کیا۔ اور حضور اکرمؐ نے ام کلثومؓ بنت عتبہ زوجہ عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے فرمایا کہ سید المسلمین یعنی عبدالرحمٰن بن عوف کا نکاح کردو۔ ابو نعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو حواری النبی صلے اللہ علیہ وسلم کہا جاتا تھا۔ اور وہ عشرۂ مبشرہ میں سے ایک تھے وہ دراز قد، باریک چہرہ رنگت گوری و مائل بہ سرخی اور گداز ہتھیلیوں کے تھے۔ ان کے پاؤں میں لنگ ہو گیا تھا کیوں کہ غزوۂ احد میں ان کو بیس سے زیادہ زخم لگے تھے اور کچھ زخم ان کے پاؤں میں بھی لگے تھے۔ جس کی وجہ سے یہ لنگ ہو گیا تھا۔ غزوۂ احد میں ان کے ساتھ فرشتہ بھی جنگ میں مدد کر رہے تھے اور وہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کے عہد میں جو کچھ کہ حضور اکرمؐ سے سنا تھا اس کا فتویٰ دیتے تھے۔ ان کے اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے درمیان بتقاضائے بشریت کچھ واقع ہو گیا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ سے فرمایا اے خالدؓ اگر تمہارے پاس احد پہاڑ کی برابر سونا ہو اور اسے ایک ایک قیراط کر کے راہِ خدا میں خرچ کرو تو وہ عبدالرحمٰن کے ایک دن رات کی برابر نہیں ہو گا جو انہوں نے راہِ خدا میں گزاری ہے۔ ابن عساکر نے اسے روایت کیا ہے۔ انہوں نے حضور اکرم

صلے اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ان سے حضرت ابن عباس اور ان کے فرزند ابراہیم، حمید و مصعب و ابوسلمہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف ائمہ دین اور کبار اعلام میں سے ہیں۔ ان کے بھانجے مسوؔر بن مخرمہ وغیرہ نے ہی روایت کی ہے۔ ۳۲ھ میں وفات پائی اور بقیع میں مدفون ہوئے۔ ان کی عمر شریف بہتر یا پچھتر یا اٹھتر سال کی ہوئی۔

منقول ہے کہ جب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ علیل ہوئے تو اپنے بعد خلافت کے لئے ان کا نام لکھا۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن رضؓ نے دعا مانگی کہ خداوندا حضرت عثمان رضؓ سے پہلے مجھے موت دیدے۔ چنانچہ وہ حضرت عثمان رضؓ سے چھ ماہ قبل فوت ہو گئے (رضی اللہ عنہ)

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کی رحلت کے وقت فرمایا ذَهَبَ اِبْنُ عَوْفٍ فَقَدْ اَدْرَكْتَ صَفْوَهَا وَسَبَقْتَ لَهٗ زَهَقًا اے کَدَرَهَا یعنی ابن عوف رخصت ہو گئے جو کہ بلاشبہ پاک و صاف تھے اور اپنی تلچھٹ اور بچا کھچا لوگوں کو چھوڑ گئے۔

حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف سے مروی ہے انہوں نے بیان کیا کہ مرض موت نے ان کو بے ہوش کر دیا جب ہوش آیا تو فرمایا میرے پاس دو فرشتے سخت وحشی آئے اور انہوں نے مجھ سے کہا آؤ تاکہ تمہارا محاکمہ عزیز و امین کے پاس لے جائیں۔ پھر ان سے ایک اور فرشتہ ملا اس نے ان سے کہا اسے کہاں لئے جاتے ہو۔ انہوں نے کہا ہم اس کا محاکمہ کریں گے۔ اس پر اس فرشتہ نے ان دونوں فرشتوں سے کہا جو لے جانا چاہتے تھے اسے چھوڑ دو کیوں کہ یہ ان میں سے ہیں جن کی سعادتمندی اس وقت ہی لکھدی گئی تھی جبکہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے۔ اسے ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن رضؓ بن عوف کے اسلام لانے کا قصہ جیسا کہ حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنے والد ماجد سے بیان کیا ہے یہ ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سُنا ہے کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک سال قبل یمن کی جانب سفر کر رہا تھا۔ میں عسکان بن عوام حمیری کے پاس ٹھیرا۔ وہ ایک سن رسیدہ شخص تھے۔ ان کی عمر بہت طویل تھی یہاں تک کہ چوزہ کی مانند اس کی کمر کبڑی ہو گئی تھی۔ اور میں ہمیشہ یمن میں اسی کے پاس ٹھیرا کرتا تھا۔ تو وہ مجھ سے ہمیشہ مکہ کے حالات پوچھا کرتے تھے اور استفسار کرتے کہ

کیا وہ ہستی مقدس تم میں ظاہر ہوگئی ہے اور تم میں اس کا چرچا شروع ہوگیا ہے؟ کیا تم میں سے کسی نے تمہارے دین کی مخالفت میں اپنا دین حق ظاہر کیا ہے؟ میں کہتا ابھی تک ان کا ظہور نہیں ہوا ہے۔ اور جس وقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ظہور ہوا۔ اور میں اس کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے کہا کیا تمہیں ایسی خوشخبری سناؤں جو تمہاری تجارت سے زیادہ بہتر ہے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم میں ایک نبی مبعوث فرمایا ہے اور اُس پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جس میں بت پرستی کی ممانعت ہے اور اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور وہ نبی مکرم حق کا حکم دیتا ہے اور اس کا اثبات کرتا ہے اور باطل سے منع فرماتا ہے اور اس کا ابطال کرتا ہے۔ وہ بنی ہاشم میں سے ہے اور تم ان کے بھائیوں میں سے ہو۔ اے عبدالرحمٰن رضؓ اس بات کو گرہ میں باندھ لے اور ان کے پاس پہنچنے میں جلدی کر اور ان کی تقویت کر اور ان کی تصدیق بجالا اور یہ اشعار میری طرف سے ان کی بارگاہ میں پیش کر دے۔ ابیات

اشہد باللہ ذی العالی — دفالق اللیل والصباح
انک فی السر من القریش — یا ابن المسعدی من الذباح
ارسلت مدعوا فی یقین — ترشد للحق والفلاح
یذکر والسنن رکبی — عن بکرۃ السیر والرواح
نصرت جلساء الارض بیتی — قد قص من فوتی جناحی
اذ نادی بالد یار بعد — فانت حرزی ومستراحی
اشہد باللہ رب موسی — انک ارسلت بالبطاح
ک.. شفیعی الی ملیک — مدعو البرایا الی الفلاح

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان اشعار کو یاد کر لیا۔ اور واپس مکہ مکرمہ لوٹ آیا۔ اس کے بعد میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور سارا حال ان سے بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا یہ محمد بن عبداللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو حق تعالیٰ نے ساری خلق کی طرف مبعوث فرمایا ہے، تو آؤ ان کے حضور حاضر ہوں۔ پھر میں حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوا حضور اکرمؐ اس وقت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف فرما تھے۔ میں نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی جب حضور اکرمؐ نے مجھے دیکھا تو تبسم کے ساتھ فرمایا "میں تمہارا چہرہ ہشاش بشاش دیکھ رہا ہوں۔ اور اس سے بھلائی کی توقع رکھتا ہوں۔ بتاؤ اے

ابو محمدؐ! کیا خبر لائے ہو۔ میں نے عرض کیا حضور اکرمؐ کس خبر کے بارے میں استفسار فرما رہے ہیں حضور اکرمؐ نے فرمایا تم ایک امانت لیکے آئے ہو جس کو لے کر تمہیں میری طرف بھیجا گیا ہے۔ تو وہ امانت پہنچاؤ۔ اور بیان کرو۔ اور آگاہ و خبردار ہو جاؤ کہ ابنائے حمیر، خواص مومنین میں سے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن رضؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اسلام لے آیا اور میں نے شہادت دی کہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" پھر ان اشعار کو سُنایا جو کہ اس حمیری شخص نے کہے تھے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا کتنے ہی خوش نصیب لوگ ہیں جو بغیر مجھے دیکھے مجھ پر ایمان لائے اور بغیر حاضر ہوئے میری تصدیق کی یہ لوگ میرے بھائی ہیں۔ اسے ابن عساکر نے بیان کیا ہے اور اس حدیث کے الفاظ کو حافظ امام سیوطی "جمع الجوامع" میں لائے ہیں۔

## عدیؓ بن حاتم

ایک عامل عدی بن حاتم بن عبداللہ بن سعد طائی ہیں جو کہ قبیلہ بنی طے سے ہیں ان کو اپنے قبیلہ پر عامل بنا کے بھیجا۔ یہ جواد بن جواد تھے ان کی کنیت ابوالظریف ہے۔ پہلے نصرانی تھے پھر اسلام لائے۔ اور وہ اپنی قوم میں عزیز، شریف، فاضل، کریم، خطیب اور حاضر الجواب تھے۔ ان سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ جب میں اسلام لایا ہوں کوئی نماز کا وقت ایسا نہیں آیا جس کا میں مشتاق نہ ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ میں وضو کے ساتھ ہوتا۔ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے پاس ردت کے زمانہ میں اپنی قوم کے صدقات کو لیکر آئے۔ وہ خود بھی اسلام پر ثابت قدم رہے اور اپنی قوم کو بھی ثابت قدم رکھا۔ اور اسلام سے برگشتگی سے روکا۔ وہ عراق کی فتوحات میں حاضر ہوئے اس کے بعد کوفہ میں رہنے لگے۔ اور جنگِ جمل میں حضرت علیؓ مرتضٰے کے ساتھ حاضر ہوئے اس جنگ میں ان کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی جنگِ صفین و نہروان میں بھی حاضر ہوئے۔

عدیؓ بن حاتم سے مروی ہے کہ میں جب بھی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو حضور اکرم نے میرے لئے جگہ میں وسعت و کشادگی فرمائی اور مجھے بٹھانے کے لئے جنبش فرمائی۔ ایک روز کاشانۂ اقدس میں جلوہ افروز تھے اور وہ صحابہ کرام سے بھرا ہوا تھا۔ تو حضور اکرمؐ نے میرے لئے وسعت فرمائی اور مجھے اپنے پہلوئے مبارک میں بٹھایا۔

شعبی نے عدی بن حاتم سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی قوم کی جماعت میں آیا تو حضرت عمرؓ نے ایک اور شخص کی طرف توجہ فرمائی اور میری طرف رخ نہ فرمایا۔ اس پر میں ان کے سامنے ہوا اور عرض کیا آپ نے مجھے پہچانا ہے؟ فرمایا ہاں تم اس وقت ایمان لائے جبکہ لوگ کافر تھے اور تم نے حق کو اس وقت پہچانا جبکہ لوگ حق سے ناآشنا تھے۔ اور تم نے اس وقت وفا کی ہے جبکہ لوگوں نے غدر و بیوفائی دکھائی۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلا صدقہ جو صحابہ کرام کو پہنچا وہ طئی کا صدقہ تھا۔

حضرت عدیؓ بن حاتم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے اہل بصرہ و کوفہ کی جماعت کثیرہ نے مثلاً ہمام بن الحارث، عامر شعبی، ابو اسحٰق ہمدانی خثیمہ بن عبدالرحمٰن وغیرہم نے روایت کی ہے۔ اور ان کی اکثر روایتیں شکار کے بارے میں ہیں۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ شکار کیا کرتے تھے اور حضور اکرمؐ شکار میں ان کی مشایعت میں وادئ عقیق تک تشریف لیجایا کرتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان سے سو درہم مانگے انہوں نے فرمایا میں حاتم کا بیٹا ہوں۔ مجھ سے سو درہم مانگتے ہو۔ خدا کی قسم میں تمہیں نہ دوں گا۔ منقول ہے کہ ایک شاعر نے ان کی مدح کرنی چاہی۔ آپ نے فرمایا ٹھیرو۔ پہلے میں دیکھ لوں کہ میرے گھر میں کیا ہے۔ تاکہ اس کے مطابق میری مدح کرو۔ آپ اندر گئے اور گھر میں جس قدر نقد و جنس اور غلام و گھوڑے تھے لائے اور سب اسے دیدیئے۔ بقیہ احوال ملاقات اور قصۂ اسلام وغیرہ کا تذکرہ ارفود کے بیان میں وفد بنی طے میں گزر چکا ہے۔ (رضی اللہ عنہ)

## عیینہؓ بن حصین

ایک عامل عیینہ بن حصین بن فرازہ بفتح فاو زاہیں۔ ان کا تذکرہ نویں سال کے واقعات کی ابتداء میں گزر چکا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب شروع ماہ محرم ۹ھ میں ان قبائل کی جانب عمال مقرر فرمائے جو اسلام لے آئے تھے۔ تاکہ یہ ان سے ان کے اموال کا صدقہ وصول کر کے لائیں۔ ایک ان میں سے بشر بن سفیان کعبی تھے۔ جن کو بنی کعب کی شاخ خزاعہ کی جانب بھیجا تھا جس وقت بشرؓ بنی کعب کی زکوٰۃ و صدقات کو جمع کر کے لانے لگے تو بنی تمیم نے اپنی دناءت و خساست اور بقیہ جہالت و جفا اور شدت و قساوت اور عدم حسن اسلام کی بنا پر ان اموال کو لیجانے سے روکا تھا اس کا پورا ذکر بیان کیا جا چکا ہے۔ تعجب ہے کہ روضۃ الاحباب میں حضرت بشرؓ بن سفیان کو ان

عاملوں کے ضمن میں بیان نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ اس بنا پر بیان نہ کیا ہو کہ وہ گئے بھی مگر بغیر کام کئے بھاگ آئے تھے۔ اور وہ کرتے بھی کیا جبکہ وہ تنہا تھے اور لشکر ساتھ نہ تھا اور حضرت عیینہ رضی اللہ عنہ بن حصین کے ساتھ لشکر تھا اسی بنا پر اس لشکر کا نام "سریہ عیینہ بن حصین" ہوا۔ مع ہٰذا چند ایسے عاملوں کا تذکرہ کیا ہے جن کے حالات میں انہوں نے کچھ بیان نہیں کیا۔ میں ان لوگوں کے حالات کو تلاش کر کے اس جگہ انشاء اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہوں۔

## ایاس رضی اللہ عنہ بن قیس اسدی

ایک ایاس بن قیس اسدی ہیں جن کو بنی اسد پر بھیجا گیا تھا یہ نام ان سیر کی کتابوں میں میں نے نہیں پایا (واللہ اعلم)

## ولید رضی اللہ عنہ بن عقبہ

ایک ولید بن عقبہ بن ابی معیط ہیں۔ جن کو بنی المصطلق پر بھیجا گیا تھا۔ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی والدہ کے بھائی ہیں ان کی کنیت ابو ذہب ہے۔ وہ اور ان کے بھائی خالد رضی اللہ عنہ بن عقبہ اسلام لائے۔ استیعاب میں اتنا ہی مذکور ہے۔ اصابہ میں عمارہ بن عقبہ کہا گیا ہے۔ ان کو بنی المصطلق پر بھیجنے کا تذکرہ بیان کیا جا چکا ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب ان کو بنی المصطلق پر ان کے صدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجا گیا۔ تو وہ ان کے پاس ہتھیار باندھ کر گئے۔ تو ان کے دل میں ان کی طرف سے خوف بیٹھا ہوا تھا وہ لوٹ آئے۔ اور خبر دی کہ وہ لوگ مرتد ہو گئے ہیں اور صدقہ کی ادائیگی سے انکار کر دیا ہے اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی تحقیق حال کے لئے روانہ فرمایا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ خبر لائے کہ وہ لوگ اسلام پر مستقیم ہیں۔ اس وقت یہ آئیہ کریمہ نازل يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔ اے ایمان والو جب تمہارے پاس کوئی نامعتبر شخص خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو۔ اس لئے وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پناہ میں آ گئے۔ جب وہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ان کو کوفہ کا حاکم مقرر فرمایا اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا جو کہ زمانۂ فاروقی سے والی کوفہ تھے۔ یہ بات صحابہ کرام پر گراں گزری جب ولید کوفہ میں پہنچے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم ہمارے بعد یہاں کیسے حاکم و عامل رہو گے یا میں تمہارے بعد احمق و نادان رہوں گا۔ ولید رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابو اسحٰق رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو ایسا نہ کہیئے اور خود کو اس طرح مخاطب نہ کیجئے۔

اہل سیر کہتے ہیں کہ ابو اسحٰق، حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کی کنیت تھی۔ ملک و دولت صبح

کسی کے ساتھ ہے اور شام کسی کے ساتھ کرتی ہے۔ اور فرمایا خدا کی قسم تم بہت جلد خلافت کو ملوکیت کی جانب پلٹ دو گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے کہ جب ولید رضی کوفہ میں آئے تو انہوں نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ تم میرے بعد نیکوکار ہو گے یا لوگ تمہیں خراب کر دیں گے۔ استیعاب اور اصابہ میں منقول ہے کہ ولید بن عقبہ رضی، شاعرِ فصیح، سخی، کریم، حلیم اور مردانِ قریش میں سے شجاع شخص تھا۔ یہ ان کے لشکروں میں سے تھا۔ لیکن اس کی بدحالی اور افعال کی برائی میں خبریں بہت مروی و مشہور ہیں اور اس کا شراب پینا تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔ اور صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے شراب خوری کی حد اس پر نافذ کی ہے اور اسے معزول کر دیا ہے۔

صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت علی رضی مرتضیٰ سے حضرت عثمان رضی نے فرمایا اس پر حد جاری کر دو۔ استیعاب میں ابن شوذب سے منقول ہے کہ ولید نے صبح کی نماز قوم کو چار رکعت پڑھائی۔ اس کے بعد قوم کی طرف منہ پھیر کے کہا اور زیادہ پڑھاؤں۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم آج سے ہمیشہ ہی تمہاری طرف سے زیادتی میں ہیں۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ بعض اہل کوفہ نے ولید کے ناحق ہونے کی گواہی دی ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اس بارے میں جتنی بھی خبریں لائی گئی ہیں وہ سب منکر ہیں (واللہ اعلم)

## حارث رضی بن عوف مزنی

ایک عامل حارث بن عوف مزنی ہیں۔ عہد جاہلیت کے فرسان سے بنی مرہ پر بھیجا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان پر ان کی قوم کا خون باقی رہ گیا تھا اسلام نے ان کو چھٹکارا دلوایا۔ منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیٹی کا پیغام دیا۔ اس پر انہوں نے کہا کہ میں راضی نہیں ہوں کہ اسے آپ کے عقد میں دیا جائے اس لئے کہ وہ برص کے مرض میں مبتلا ہے۔ حالانکہ اسے برص نہ تھا۔ پھر جب وہ حضور اکرم کے پاس سے گھر پہنچے تو اپنی بیٹی کو برص میں مبتلا دیکھا پھر اس نے اپنے چچا کے بیٹے زید بن حمزہ مزنی سے نکاح کر دیا۔ اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جو ابن البرصا کے نام سے مشہور ہوا۔ بنی مرہ کے وفد میں تیرہ آدمی تھے۔ ان کے سردار حارث رضی بن عوف تھے یہ وفد، تبوک کی واپسی پر آیا تھا۔ پھر وہ بیت الحارث میں ٹھہرے اس کے بعد وہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم اس وقت مسجد نبوی شریف میں جلوہ افروز تھے، پھر حارث نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کے خاندان اور آپ کی قوم سے ہیں یعنی لوئی بن غالب کی اولاد سے ہیں۔

اس کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کو بنی مرہ پر بھیجا۔ حارث نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے ساتھ کسی کو بھیجئے جو آپ کے دین کی ہماری قوم کو دعوت دے۔ ہم اس کے محافظ ہوں گے۔ حضور اکرمؐ نے ایک انصاری شخص کو ان کے ساتھ بھیجا پھر حارثؓ کی قوم نے اس کو قتل کر دیا اور حارثؓ اپنی قوم کو اس سے باز نہ رکھ سکے۔ اس کے بعد حارثؓ آئے اور معذرت خواہی کی۔ اور حسانؓ بن ثابتؓ نے ابیات لکھے۔ جو حارثؓ کی معذرت کے مقبول نہ ہونے پر دلالت کرتے تھے۔ اس پر حارثؓ حضور اکرمؐ کے پاس آئے اور عرض کیا "یا رسول اللہؐ! میں حسان بن ثابتؓ کی زبان سے آپ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کی معذرت قبول فرمائی۔ اور قاتل نے مقتول کی دیت میں اونٹ بھیجے۔ اور حضور اکرمؐ نے ان اونٹوں کو قبول فرمایا اور انصاری شخص کی قوم کی جانب انہیں بھیجدیا۔

**مسعودؓ بن رحیل** ایک عامل مسعود بن رحیل اشجعی ہیں۔ جن کو اشجع پر بھیجا گیا تھا۔ وہ بنی عبداللہ بن غطفان سے ہیں۔ اور وہ بنی عبس پر عامل تھے۔ اور وہ احزاب میں مسلمانوں کے خلاف قوم اشجع کے قاید تھے۔ اس کے بعد وہ اسلام لائے اور ان کا اسلام نیک ہوا۔ ابو جعفر طبری نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ایسا ہی استیعاب میں ہے۔

**اعجمؓ بن سفیان** ایک عامل اعجم بن سفیان ہیں جو عذرہ، سلامان وبلی، جہنیہ اور اسنی پر عامل تھے۔ اس نام کو بھی میں نے سیر کی کتابوں میں نہیں پایا لیکن ان قبائل کا تذکرہ اور عاملوں کو ان کی طرف بھیجنے اور ان کی جانب لشکروں کا بھیجنا وغیرہ مذکور ہے (واللہ اعلم)

**عباسؓ بن مرداس** ایک عامل عباس بن مرداس ہیں۔ جن کو بنی سلیم کی جانب بھیجا گیا۔ اس نام کو بھی میں نے نہیں پایا البتہ عباسؓ بن مرداس کا تذکرہ جو مشاہیر مولفتہ القلوب میں سے ہیں اور ایک شاعر ہیں۔ ان کا ذکر پہلے بھی بار بار گزر چکا ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں شراب کو اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا۔ لیکن ان کا عامل بنانا معلوم نہ ہوا۔ روضتہ الاحباب کے نسخہ صحیحہ میں عباسؓ بن مدراس بتقدیم دال بر راء لکھا ہوا ہے (واللہ اعلم)

**لبیدؓ بن حاصب** ایک عامل لبید بن حاطب ہیں جو قبیلہ دارم پر عامل تھے۔ ان کا نام بھی میں نے نہیں پایا۔

**عامرؓ بن مالک** ایک عامل عامرؓ بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ عامری کلابی ہیں جو بنی عامر بن صعصعہ پر عامل تھے۔ ان کو "ملاعب الاسنہ" کہتے ہیں۔ ان سے بروایت سلیمان تیمی از ابی عثمان نہدی مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون و غرق شہادت ہے۔ استیعاب میں اتنا ہی بیان کیا گیا ہے اور کہا کہ ان کو ابن قانع نے صحابہ میں بیان کیا ہے۔ اصابہ میں ان کے حالات میں طویل کلام منقول ہے۔ اور ایک جماعت کثیرہ نے مثلاً دارقطنی، ابن السکن اور ابن الشاہین وغیرہم نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ملاعب الاسنہ نے کسی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور حضور اکرمؐ سے اپنے بھتیجے کے دردِ شکم کے لئے دوا معلوم کرائی۔ حضور اکرمؐ نے شہد بھیجا۔ انہوں نے شہد پلایا اور وہ تندرست ہو گئے۔ دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے کہ عامر بنؓ مالک نے کسی کو حضور اکرمؐ کے پاس بھیجا اور شہد کا التماس کیا تو حضور اکرمؐ نے ایک کپی شہد ان کو بھیجا۔ نیز مروی ہے کہ ملاعب الاسنہ حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں غزوۂ تبوک کے بعد حاضر آئے۔ حضورؐ نے ان کو دعوت اسلام دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضور اکرمؐ کے پاس ہدیہ بھیجا۔ مگر حضور اکرمؐ نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ بعض اسناد میں تبوک کا ذکر نہیں ہے۔ صرف اتنا ہی ذکر ہے۔ کہ عامرؓ بن مالک آئے ان کو ملاعب الاسنہ کہتے تھے حضور اکرمؐ نے دعوتِ اسلام دی انہوں نے انکار کیا پھر ہدیہ بھیجا اور حضور اکرمؐ نے فرمایا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔ اور عامر بنؓ مالک نے کہا آپ میری ساتھ جس قاصد کو چاہیں بھیجدیں وہ میری پناہ میں ہوگا تو حضور اکرمؐ نے رہطی کو بھیجا بیر معونہ کا طول طویل قصہ بیان کیا جا چکا ہے۔

صاحب اصابہ نے فرمایا جن لوگوں نے جس چیز پر اعتماد کر کے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہر وہ چیز جو ان سے مروی ہے ان کے اسلام میں صریح نہیں ہے۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بنی جعفر اور بنی ابی بکر کے پچیس ۲۵ آدمی آئے ان میں عامر بن مالک بن جعفر بھی تھے۔ حضور اکرمؐ نے ان کی طرف نظر کرم فرمائی۔ اور فرمایا میں تم پر اس شخص کو عامل

مقرر کرتا ہوں اور ضحاکؓ بن سفیان کلابی کی طرف اشارہ فرمایا اور عامرؓ بن مالک سے فرمایا تم بنی جعفر پر عامل ہو۔ ضحاکؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! میرے لئے خیر کی دعا فرمائیے یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عامرؓ بن مالک پہلے عذر کرتے تھے اس کے بعد وہ مسلمان ہو گئے۔ (انتہیٰ کلام الاصابہ)

بیر معونہ کا پورا قصہ ہجرت کے چوتھے سال کے واقعات میں گزر چکا ہے اسی میں عامر بن مالک کا قصہ ہے وہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام کی توفیق نہ پائی لیکن لشکر اسلام کی حمایت ورعایت کی ہے۔ اس جگہ ان کو حضور اکرمؐ کے عاملوں میں بیان کیا ہے ظاہر ہے کہ یہ عامل ہونا ان کے اسلام کی روایت کی بنا پر ہے (واللہ اعلم)

## سعدؓ و عوفؓ اور ضحاکؓ

ان عاملوں میں سے سعدؓ بن مالک اور عوفؓ بن مالک نضری اور ضحاکؓ کلابی ہیں ان کو بنی کلاب پر عامل مقرر کیا گیا۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں بنی کلاب پر بھیجے گئے تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بنی عامر اور بنی کلاب ایک ہی شخص ہیں ان میں سے ایک سعدؓ بن مالک بن سنان جو کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، ہیں وہ اپنی کنیت کے ساتھ مشہور ہیں اور مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ دوسرے سعدؓ بن مالک بن خالد انصاری ساعدی ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر کی تیاری کی پھر وہ بیمار ہو گئے اور جا نہ سکے، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی حصہ مرحمت فرمایا۔ تیسرے سعدؓ بن مالک وہ ہیں جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، کے نام سے مشہور ہیں اور عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ چوتھے سعدؓ بن مالک عذری (بضم عین و سکون ذال) منسوب بہ بنی عذرہ ہیں اور وہ بنی عذرہ کے وفد کے ساتھ حاضر ہوئے تھے۔ اصابہ میں ابو عمروؓ بن حریث العذری سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اجداد کی کتاب میں پایا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ علیہ وسلم کے پاس ۹ھ میں بارہ افراد کے ساتھ وفد بن کے حاضر ہوئے اس وفد میں حمزہ بن نعمان اور سعد و سلیم پسران مالک تھے۔ جیسا کہ گزرا۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ سعدؓ بن مالک سے مراد وہی ہیں (رضی اللہ عنہ)

عوفؓ بن مالک کے بارے میں اصابہ میں کہا گیا ہے کہ عوفؓ بن مالک نضری کو خلیفہ نے بنی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے عاملوں میں بیان کیا ہے۔ جن کو ہوازن، نضر اور ثقیف پر بھیجا گیا تھا اور کہا کہ گویا کہ ان کا نام منقلب ہو گیا ہے کہ مشہور تو مالکؓ بن عوف ہیں مگر

اصل میں عوفؓ بن مالک بن سعید بن یربوع ابو علی النفری آیا ہے۔ وہ حنین کے دن مشرکوں کے سردار تھے۔ جب مشرکوں کو شکست ہوئی تو مالکؓ بن عوف طائف پہنچ گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اعلان کرایا کہ اگر وہ مسلمان ہو کر آجائے تو اس کے اہل و عیال کو اسے واپس کر کے سو اونٹ انعام میں دوں گا۔ جس طرح کہ تمام مؤلفۃ القلوب کو عطا فرمایا ہے۔ پھر مالکؓ بن عوف نے حضور اکرمؐ کی مدح میں قصیدہ پیش کیا۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کو ان کے قبیلہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان پر عامل بنایا۔ شیخ نے اصابہ میں ایسا ہی کہا ہے (واللہ اعلم)

لیکن ضحاکؓ بن سفیان بن عوف بن ابو بکر کلاب کلابی، ان کی کنیت ابو سعید ہے۔ وہ اپنی قوم کے صدقات پر عامل تھے۔ اور وہ شجاعوں میں سے تھے وہ تنہا سو سواروں کے برابر شمار ہوتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنا کے بھیجا۔ امام حسن بصری نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے جسے بغوی نے نقل کیا ہے اور ابن قانع نے بھی نقل کیا ہے کہ وہ بڑے شمشیر زن تھے۔ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سرہانے تلوار حمائل کر کے کھڑے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر ان کو پاسبانِ بارگاہِ رسالت میں بھی شمار کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

لیکن انہوں نے ان اسماء کو جن کو روضۃ الاحباب میں سال نہم کے واقعات میں عاملوں میں بیان کیا ہے اور ان کا ذکر اس جگہ عمال کی فہرست میں نہیں کیا ایک بریدہ ہیں جو کہ کعب بن مالک کی روایت میں کاتبوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

# باب دہم

## بارگاہِ رسالت کے موذنوں، خطیبوں، شاعروں اور حدی خوانوں کے بیان میں

### موذنین بارگاہِ رسالت

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک موذن حضرت بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ ہیں ان کی والدہ حمامہ ہیں ان کی کنیت ابو عبداللہ یا ابو حازن ہے وہ سراۃ کے رہنے والے تھے۔ یہ مکہ و یمن کے درمیان ایک مقام ہے۔ قدیم و صادق الاسلام اور طاہر القلب تھے۔ اور وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے مکہ مکرمہ میں اپنا اسلام ظاہر کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اظہار اسلام کرنے والے سات ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رض ان کی والدہ سمیہ رض (بضم سین و بتشدید یا)، صہیب رض، بلال رض اور مقداد رضی اللہ عنہم۔ لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کے غم کے سبب اظہار سے منع کر دیا تھا اور حضرت ابوبکر رض کو ان کی قوم کی وجہ سے منع کر دیا۔ لیکن دیگر حضرات صحابہ کو مشرکوں نے پکڑ کر توحید اور دین اسلام کی بنا پر اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ ان کو لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں بٹھاتے۔ اور مارتے تھے اور مسلمانوں میں کوئی ایسا نہ تھا جن کو وہ پکڑ کر لاتے اور مشرکین جو چاہتے ان سے سلوک کرتے تھے۔ اور وہ رخصت پر عمل کرتے تھے۔ بجز حضرت بلال رض کے۔ وہ اپنے آپ کو بہت کمتر سمجھتے تھے۔ مگر اپنے دین حق میں مضبوطی سے قایم تھے۔ اور راہِ خدا میں اذیتوں کو آسان سمجھتے تھے۔ امیہ بن خلف جمحی جو حضرت بلال رض کا مالک تھا ان کو دوپہر کے وقت مکہ کے ریگزاروں پر لے جاتا اور ان کے گلے میں رسی باندھ کر لٹا دیتا اور بہت بڑا پتھر ان کے سینہ پر رکھ کر اس سے کوٹتا تھا تاکہ یا تو اس کے نیچے جان دیدیں یا حضور اکرم کے منکر ہو جائیں یہ ان کو رستوں سے

باندھ کر مکہ کے گلی کوچوں میں پھراتا تھا۔ اور وہ احد احد کہتے جاتے تھے ایک روایت میں ہے اللہ اللہ۔ لیکن تقدیر الٰہی اس طرح واقع ہوئی کہ معرکۂ بدر میں وہ ملعون، حضرت بلال رضی اللہ عنہ، کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تو وہ ایک دن اسی طرح اذیتیں پہنچا رہا تھا، حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کا گزر ان کی طرف ہوا۔ انہوں نے ایک حبشی غلام کے بدلے ان کو خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، نے حضرت بلال رضؓ کو اس حال میں خریدا کہ بہت بڑے پتھر کے نیچے دبے ہوئے تھے۔ مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضؓ سے ملے اور فرمایا اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو میں بلال رضؓ کو خرید لیتا۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضؓ حضرت عباس رضؓ بن عبدالمطلب سے ملے اور ان سے کہا کہ میرے لئے بلال کو خرید لیجئے اس کے بعد حضرت عباس رضؓ امیہ بن خلف کی بیوی کے پاس گئے کیونکہ وہ اس کے لے پالک تھے۔ انہوں نے فرمایا اپنے اس غلام کو جس کا نام بلال رضؓ ہے قبل اس کے کہ وہ تمہارے ہاتھ سے جاتا رہے اور تم اس کی قیمت سے محروم ہو جاؤ اس کی فروختگی کی خواہشمند ہو۔ اس نے کہا تم کیا کرو گے وہ خبیث ہے کسی کام کا نہیں ہے۔ دوسری مرتبہ پھر ملے اور یہی بات دوبارہ کہی۔ اسکے بعد حضرت عباس رضؓ نے ان کو خرید لیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے پاس بھیجدیا یعنی ان کو دیدیا پھر انہوں نے ان کو آزاد کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، فرمایا کرتے "اَبُوْ بَکْرٍ سَیِّدُنَا اَعْتَقَ سَیِّدَنَا یَعْنِیْ بِلَالًا" حضرت صدیق رضؓ ہمارے سردار ہیں اور انہوں نے ہمارے سردار یعنی بلال رضؓ کو آزادی دی۔ مشہور یہ ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد حضرت بلال رضؓ شام چلے گئے۔ حضرت صدیق رضؓ نے ...... ہر چند اصرار کیا کہ وہ مدینہ میں رہیں اور ان کے لئے اذان کہیں، یہاں تک کہ وہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے ابو بکر رضؓ! اگر تم نے مجھے رضائے الٰہی کے لئے خرید کے آزاد کیا ہے تو اب بھی مجھے چھوڑ دو گے اور آزادی دو گے۔ پھر وہ شام چلے گئے۔ ابن عبدالبر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، کے لئے اذان کہی۔ مروی ہے کہ ابوجہل ملعون نے حضرت بلال رضؓ کو دیکھا۔ اور اس نے کہا تم بھی وہی کہتے ہو جو محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں۔ اور ان کو پکڑ کر منہ کے بل کے اوپر گرا دیا اور دھوپ میں لٹا کر ان کے سینہ پر چکی کا پاٹ رکھ دیا۔ حضرت بلال رضؓ برابر احد احد کہتے رہے۔ اس کے بعد حضرت صدیق رضؓ نے اپنے کسی دوست کو بھیجا یہاں تک اس نے ان کے لئے بلال رضؓ کو خرید لیا۔ اور جب حضرت فاروق رضؓ

کا دورِ خلافت آیا تو ان سے اجازت طلب کی۔ حضرت فاروق نے فرمایا کیا چیز تم کو میرے پاس رہنے اور اذان کہنے سے روکتی ہے۔ حضرت بلال رضؓ نے عرض کیا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اذان کہی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق کے لئے اذان کہی ہے کیوں کہ ولی نعمت تھے۔

بلاشبہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے فرماتے تھے اے بلالؓ! راہِ خدا میں جہاد سے افضل کوئی عمل نہیں ہے۔ یہ روایت مشہور کے خلاف ہے۔

اہلِ سیر بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ اپنی خلافت کے زمانہ میں شام تشریف لے گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہٗ وہاں تشریف فرما تھے۔ پھر انہوں نے ان کے لئے اذان کہی۔ اور حضرت عمرؓ اور ان کے تمام ساتھی رونے لگے۔ اور بیان کرتے ہیں کہ اس دن سے زیادہ کسی کو اتنا شدید روتا ہوا نہ دیکھا گیا۔

ایک اور مرتبہ حضرت بلالؓ مدینہ طیبہ آئے اور اذان دینی شروع کی مگر تمام نہ کر سکے اس کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت بلالؓ شام پہنچے تو چھ مہینہ کے بعد خواب میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا "اے بلالؓ! اتنا ظلم کہ ہماری زیارت کو نہیں آتے۔" اس کے بعد بلالؓ اُسی وقت مدینہ طیبہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور امام حسن وحسین سلام اللہ علیہم اجمعین کے حالات پوچھے۔ لوگوں نے بتایا کہ سیدہ فاطمہؓ تو جنت سدھار گئیں اور امام حسنؓ و حسینؓ موجود ہیں۔ جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے چاہا کہ ان کے لئے اذان کی درخواست کریں۔ مگر کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ حضرت بلالؓ سے یہ بات کہہ سکے۔ لوگوں نے امام حسینؓ سے التجا کی کہ وہ حضرت بلالؓ سے اذان کہنے کی درخواست کریں۔ ان کے حکم کو وہ ٹال نہ سکیں گے اس کے بعد حضرت امام حسینؓ نے حکم دیا اور حضرت بلالؓ اذان کہنے کے لئے اس جگہ کھڑے ہوئے جہاں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اذان دیا کرتے تھے۔ جب انہوں نے اللہ اکبر کہا تو رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کے ایام حیات کے تصور اور یاد سے لوگوں پر گریہ طاری ہو گیا۔ اور جب اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا تو رونے کا شور از حد بڑھ گیا۔ اور جب "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کہا تو شہر میں زلزلہ سا پڑ گیا اور گریہ وفغاں سے کہرام مچ گیا گویا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آج ہی دنیا سے رخصت ہوئے ہیں۔ اس کے بعد نہ حضرت بلالؓ میں اذان کہنے کی طاقت رہی اور نہ لوگوں میں سننے کی برداشت رہی رضی اللہ عنہ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضؓ اور حضرت عبیدہ رضؓ بن الحارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ صلعم کے درمیان مواخاۃ فرمائی (کذا فی الاستیعاب) اصابہ میں ہے کہ ان کے اور حضرت ابو عبیدہ رضؓ بن الجراح کے درمیان مواخات فرمائی تھی۔ اور امام مالک کی موطا میں ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضور اکرمؐ نے بلال رضؓ سے فرمایا اے بلالؓ کیا حال ہے کہ میں جنت میں داخل ہوا تو تمہاری جوتیوں کی آواز میں نے سُنی ہے مجھے بتاؤ کہ تم ایسا کون سا عمل کرتے ہو؟ عرض کیا جو نمازیں مجھ پر فرض کی گئی ہیں۔ میں اسے خوب طہارت کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ، جب اس حدیث کو بیان کرتے تو رونے لگتے تھے۔ علامہ امام سیوطیؒ رحمۃ اللہ علیہ جمع الجوامع میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَلسُّبَّاقُ اَرْبَعَۃٌ اَنَا سَابِقُ الْعَرَبِ وَبِلَالٌ الْحَبَشَۃُ (الحدیث")

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں وہ گہرے سیاہ رنگ، نحیف و طویل دبلے بازوؤں والے تھے۔ انہوں نے دمشق میں وفات پائی اور رباب صغیر کے پاس مدفون ہوئے ان کی وفات ۲۰ھ یا ۱۸ھ میں ہوئی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حلب میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ان کی عمر شریف کچھ اوپر ساٹھ یا تریسٹھ سال کی ہوئی ایک قول ہے کہ ستر سال کی ہوئی۔ ان سے صحابہ کرام کی جماعت کثیرہ نے جن میں حضرت ابو بکر رضؓ و عمر رضؓ، اسامہ رضؓ بن زید، عبد اللہ رضؓ بن عمر، کعبؓ بن عجرہ، برار بن عازب رضؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم بھی ہیں اور مدینہ و شام اور کوفہ کے کبار تابعین کی جماعت نے روایت کی ہے۔

## ابن ام مکتوم رضؓ

دوسرے موذن حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام عبد اللہ بن عمر، ایک اور قول سے عمرو بن قیس بن زائدہ ہے۔ اور بعض عبد اللہ بن صریح بن قیس بتاتے ہیں جس نے عبد اللہ بن زایدہ کہا ہے اس نے ان کے جد کی طرف نسبت کی ہے۔ وہ قرشی عامری ہیں۔ جو بنی عامر بن لوی سے ہیں۔ ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبد اللہ بن مخزومی تھا۔ قدیم الاسلام مکی ہیں۔ اور حضرت مصعب بن عمیر کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے قبل ہجرتِ مدینہ کی۔ واقدی نے کہا ہے کہ بدر کے کچھ عرصہ بعد ہجرت کی ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ

ہیں اکثر غزوات میں ان کو خلیفہ بنایا ہے۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ تیرہ ۱۳ مرتبہ ان کو خلیفہ بنایا۔ اور غزوۂ تبوک میں بھی ان کو تو خلیفہ بنایا تھا اور امیر المومنین علی مرتضٰیؓ کو اہل و عیال پر چھوڑا تھا۔

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اذان کہا کرتے تھے۔ انہیں کے حق میں سورۃ عَبَسَ وَتَوَلّٰی نازل ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں وفات پائی۔ بعض کہتے ہیں کہ قادسیہ میں شہید ہوئے ان کا تذکرہ کتب احادیث میں بہت ہے۔

## ابو محذورہؓ

تیسرے مؤذن حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا نام اوس بن مغیرہ جمحی قرشی ہے۔ ان کی کنیت ان کے نام پر غالب آگئی۔ یہ حضور اکرمؐ کے لئے مکہ مکرمہ میں اذان دیا کرتے تھے۔ اور مکہ میں ابو محذورہؓ کے اذان میں ان کے بھائیوں میں سے جو بنی سلامان بن ربیعہ بن سعد بن جمح میں سے تھے وارث ہوئے ابن محیز کہتے ہیں میں نے ابو محذورہؓ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے سر پر بال رکھتے تھے۔ میں نے کہا تم اپنے بال کیوں نہیں کٹواتے۔ انہوں نے فرمایا میں وہ نہیں ہوں کہ میں اپنے ان بالوں کو کٹوا دوں جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے چھوا ہے۔ اور اس میں برکت کی دعا فرمائی ہے۔ وہ مکہ مکرمہ میں ۵۹ھ میں فوت ہوئے ایک قول یہ ہے کہ اس کے بعد فوت ہوئے۔ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور ہمیشہ مکہ میں ہی رہے تھے۔ ان سے ان کے بیٹے عبدالملک اور عبداللہ بن محیریز اور ابن ابی ملیکہ نے روایت کی ہے۔ مسلم اور اربعہ نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ ابو محذورہؓ اذان میں ترجیع کرتے تھے۔ اور اقامت میں تثنیہ کرتے تھے۔ اور حضرت بلالؓ اذان میں ترجیع نہیں کرتے تھے اور اقامت میں افراد کرتے تھے۔ اور بعض مؤذن نہ اذان میں ترجیع کرتے تھے اور نہ اقامت میں تثنیہ کرتے تھے۔ ہر ایک نے اس میں سے ایک طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ ہمارے مذہب میں اذان میں ترک ترجیع اور اقامت میں تثنیہ ہے۔ اس کی تحقیق اپنی جگہ مذکور ہے۔

## سعدؓ قرظ

چوتھے موذن سعد قرظ ہیں۔ ان کو سعدؓ قرظی بھی کہتے ہیں۔ ان کا نام سعد بن عائذ ہے اور حضرت عمارؓ بن یاسر کے مولی ہیں۔ اور سعد قرظ کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کو صحبت حاصل ہے۔ سعدؓ قرظ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ وہ قرظ کی تجارت کرتے تھے اور اس سے بہت نفع کماتے تھے۔ اس سے پہلے جس چیز کی بھی تجارت کرتے تھے

نقصان اٹھاتے تھے۔ پھر انہوں نے قرظ کی تجارت کو لازم کر لیا۔ "قرظ" ورق سلم کو کہتے ہیں جس سے چمڑے کو پکایا جاتا ہے۔ اور ایسے چمڑے کو ادیم قرظی کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد قبا شریف میں موذن مقرر فرمایا۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی اور حضرت بلال رضی اللہ علیہ نے اذان دینی چھوڑ دی تو حضرت سعدؓ قرظی کو مسجد نبوی شریف میں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں تک اپنی تمام حیات اذان دیتے رہے ان کے بعد ان کی اولاد میں اذان متوارث ہوئی یہاں تک کہ امام مالک رحمہ اللہ کے زمانہ تک یہ ان کی اولاد میں رہی اور ان کے بھی بعد بھی۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ مسجد نبوی شریف میں اذان دینے کے لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت سعدؓ قرظی کو منتقل کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ پہلے حضرت ابو بکرؓ کے لئے وہ اذان دیتے تھے ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے۔ اور یہ اس بات پر مبنی ہو سکتا ہے جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ سے شام کی جانب منتقل ہو گئے یا تو حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ میں یا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جیسا کہ اس طرف پہلے اشارہ گزر چکا ہے۔ حضرت سعدؓ قرظی، حجاز پر حجاج کی حکومت کے زمانہ تک یعنی ۷۴ھ تک زندہ رہے (واللہ اعلم)

## شعرائے بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے شعرائے کرام میں سے جو حضرات، کافروں کے شر کو اسلام اور مسلمانوں سے دفع کرتے اور باز رکھتے تھے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح کرنے اور کافروں کی ہجو و مذمت کرتے تھے۔ وہ تین اشخاص شمار کئے گئے ہیں۔ حضرت حسانؓ بن ثابت، کعبؓ بن مالک اور عبد اللہؓ بن رواحہ رضی اللہ عنہم، روضۃ الاحباب میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خدام شعراء مردوں میں سے ایک سو ساٹھ تھے اور عورتوں میں سے بارہ تھیں (انتہی) مشاہیر شعراء بھی ان تین اشخاص کے سوا تھے مثلاً جاہلیت کا شاعر نابغہؓ ہے جو طویل العمر تھا دو سو یا ایک سو اسی برس کی عمر پائی تھی

اس کی عجیب و غریب حکایتیں اور قصے مشہور ہیں۔ دوسرے لبیدؓ بن ربیعہ ہے جو جاہلیت واسلام میں شریف تھے جس کی ایک سو چالیس یا ایک سو ستاون سال کی عمر تھی۔ تیسرے سحبان رضؓ وائل ہیں جن کی مثالیں اور کہاوتیں فصاحت و بلاغت میں زبان زد اور مشہور ہیں جیساکہ ماتل نے شہامت میں اور شیخ ابن حجر نے اصابہ میں نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ سحبان وائل کی کہاوتیں فصاحت و بلاغت میں مشہور ہیں۔ ان کو ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ وہ از قسم مخضرمین ہیں جنہوں نے زمانۂ جاہلیت اور عہد اسلام پایا تھا انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا۔ اور کوئی ثبوت ایسا وارد نہیں ہے کہ وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوئے ہوں۔ خواہ وہ حضور اکرمؐ کی حیات میں اسلام لائے ہوں یا نہ لائے ہوں۔ اور یہ باتفاق محدثین، صحابی نہیں ہیں۔ اگرچہ بعض علماء نے ان کو معرفۃ الصحابہ کی کتابوں میں بہت زیادہ ذکر کیا ہو۔ لیکن انہوں نے تصریح کی ہے کہ ان کا تذکرہ طبقۂ صحابہ کے متصل ہونے کی بنا پر کیا گیا ہے ورنہ وہ صحابی کے طبقہ میں سے نہیں ہیں۔ اس بات کی ابن عبدالبر نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں تصریح کر دی ہے۔ شیخ ابن حجر نے اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں بیان کیا ہے کہ صحابہ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم تو یہی ہے اس کو انہوں نے تیسری قسم قرار دیا ہے۔ قسم اول میں وہ ہیں جن کی صحابیت ثابت ہے خواہ انہوں نے براہِ راست حضور اکرمؐ سے روایت کی ہو یا ان سے دوسروں نے روایت کی ہو خواہ ان کی سند صحیح ہو یا بطریق حسن یا ضعیف ہو، یا ایسے طریقہ پر مروی ہو جو ان کی صحابیت پر دلالت کرتی ہو۔ بہر تقدیر وہ صحابی ہیں۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو صحابہ کرام نے حضور اکرمؐ کے عہد مبارک میں حضور اکرم کے سامنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شکل میں کیا ہو اور جن کی عمریں اس وقت حالتِ طفلی کی تھیں۔ اور جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو ان کی عمریں سنِ بلوغ کو نہیں پہنچی تھیں۔ چونکہ ان کا ذکر کیا جاتا ہے باوجودیکہ وہ صحابہ میں سے نہیں ہیں تو بر سبیل الحاق ہے۔ اور اس بنا پر ہے کہ صحابہ کرام اپنی اولاد کو حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں پیش کرنے کا شوق و جذبہ رکھتے تھے خصوصاً ولادت کے وقت تاکہ حضور اکرمؐ تحنیک و تسمیہ فرمائیں۔ اور دعائے برکت دیں لہٰذا شیخ فرماتے ہیں کہ اگر وہ بات جو ابن عساکر سحبان وائل کے بارے میں کہی ہے ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ تیسری قسم میں محمول ہوں گے۔ اس لئے کہ مشہور یہ ہے کہ وہ ایک جاہل شخص تھا۔ ابونعیم اپنی کتاب خطبات میں۔ کہتے ہیں کہ سحبان

عرب کا غیر مدافع خطیب تھا جب یہ خطبہ دیتا تو وہ ایک حرف کو دوبارہ نہیں کہتا تھا۔ نہ وہ ٹھہرتا اور نہ وہ سوچتا تھا بلکہ تسلسل جاری رہتا تھا۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سحبان حضور اکرمؐ کے شعراء میں سے نہ تھا۔ اس نے نہ تو حضور اکرمؐ کو دیکھا اور نہ خلفائے اربعہ کو ہی پایا ہے۔ مگر اس کا مسلمان ہونا متحقق ہے خواہ یہ حضور اکرمؐ کے زمانہ میں اسلام لائے ہوں یا بعد میں، مدت عمر اور زمانۂ وفات بھی معلوم نہ ہو سکا (واللہ اعلم)

## حسانؓ بن ثابت

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی کنیت ابو الولید ہے یا عبد الرحمٰن یا ابو الحسام۔ ان کا نامؐ حسان بن ثابت بن المنذرؓ بن حرام انصاری بخاری مرزی شاعرِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ جاہلیت و اسلام کے مخول شعراء میں سے ہیں۔ اہلِ عرب نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اہل بدر و اہل یثرب ہیں یہ اشعر یعنی اول درجہ کے شاعر ہیں ان کے بعد عبد القیس پھر ثقیف ہیں۔ اور اس پر بھی اجماع کیا ہے کہ اشعر اہل مدینہ، حضرت حسانؓ بن ثابت ہیں۔ ان کی عمر اور ان کے والد ثابت، ان کے دادا منذر، ان کے جد اعلیٰ حرام کی عمریں ہر ایک کی ایک سو بیس[۱۲] سال کی ہوئیں۔ ابو نعیم فرماتے ہیں کہ عرب میں ان کے سوا کوئی کسی اور کا سلسلۂ نسب ایسا علم میں نہیں ہے جن کے اجداد کی چار پشتیں مسلسل ایک عمر کی گزری ہوں۔ ان کے بیٹے عبد الرحمٰن بن حسان بن ثابت جب اس کو بیان کرتے تو خود کو سیدھا ڈال کر پاؤں پھیلا دیتے اور خوب ہنستے اور اپنے مرنے سے بے فکر ہو جاتے اور گمان کرتے کہ میں بھی اتنی ہی عمر پاؤں گا۔ لیکن یہ اڑتالیس سال میں ہی فوت ہو گئے۔ اصمعی سے منقول ہے انہوں نے کہا کہ حسانؓ بن ثابت مخول شعراء سے ہیں۔ اور ابو حاتم نے کہا کہ ان سے ہلکے پھلکے اشعار مروی ہیں۔ اس پر اصمعی نے کہا ان کی طرف ان چیزوں کی نسبت کی جاتی ہے جو ان سے صحیح نہیں ہے اور ابو حاتم ——— ابو عبیدہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ حضرت حسانؓ کو شعراءِ خیر پر فضیلت دی جاتی ہے وہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے اور نبوت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے۔ اور اسلام میں ان کی تمام شاعری برکت والی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ان کی جاہلیت کے اشعار، اسلام کے شعروں سے زیادہ اجود و عمدہ تھے۔ اس لئے کہ اسلام کذب سے باز رکھتا اور اس سے منع کرتا ہے۔ اور شعروں کو کذب اور توصیف میں مبالغہ ہی زینت دیتا ہے۔ اور ایسی تزئین ناحق ہے۔ یہ سب کذب ہے۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ ساٹھ سال جاہلیت میں اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے انہوں نے نابغہ اور اعشی کو پایا اور ان کے آگے اپنے اشعار پڑھے اور ان دونوں نے ان کو مسلّم رکھا اور کہا کہ تم شاعر ہو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے مشرکین قریش کی مذمت کی اور ان لوگوں کی ہجو کی جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع میں گستاخی کرتے تھے۔ جیسے عبداللہ بن زبعری اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث بن عبدالمطلب ابن عم رسول اللہ۔ اور عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص وغیرہم۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ کسی مسلمان نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ آپ ہم مسلمانوں کی جانب سے ان لوگوں کی مذمت کیجئے جو مسلمانوں کی ہجو کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت مرحمت فرما دیں تو میں ایسا کروں جب یہ بات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سنی فرمایا علی رضی اللہ عنہ اس کام کے لائق نہیں ہیں جیسا کہ وہ چاہتے ہیں۔ اور نہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس بات کو چاہیں گے جو تم ان سے چاہتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا کون ہے جو مسلمانوں کی مدافعت کرے جس نے اپنے ہتھیاروں سے خدا کے رسول کی مدد کی ہو کہ وہ اس میدان میں بھی اپنی زبانوں سے مدد کرے؟ اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا" یا رسول اللہ! میں اس کام کے لئے حاضر ہوں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کس طرح ان کی ہجو اور مذمت کرو گے جبکہ تمہارا نسب ان میں ہے .......... اور میرا نسب بھی ان کے ساتھ ہے اور ان کا نسب مجھ میں داخل ہے۔ اور تم ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی کیسے ہجو اور مذمت کروگے درانحالیکہ وہ میرے چچا کے بیٹے ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں آپ کو ان میں سے ایسا نکال لوں گا جس طرح آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضور اکرم نے فرمایا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے رجوع کرو کیونکہ وہ علم نسب میں تم سے زیادہ عالم ہیں۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے یہاں تک کہ ان کو ان کے نسبوں سے باخبر کیا۔ تو انہوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں سے اپنے کو باز رکھ اور فلاں فلاں کو یاد کر۔ اس کے بعد مشرکوں کی ہجو اور مذمت شروع کر دی۔ جب قریش نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے شعر سنے تو انہوں نے پہچان لیا کہ یہ شعر ان کی طرف سے نہیں ہیں بلکہ ابن ابی قحافہ کی طرف سے ہیں۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ بن الحارث کی مذمت کی ہے۔ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کے شعر سنے تو کہا یہ ایسا کلام ہے جس سے ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہ غائب نہیں ہیں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت کے لئے مسجد نبوی شریف میں منبر رکھواتے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر

حضور اکرمؐ کی مدحت بیان کریں اور آپ کے دشمنوں کی ہجو اور مذمت کریں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانًا بِرُوْحِ الْقُدُسِ مَا دَامَ یُنَافِحُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ بیشک اللہ تعالیٰ حسان کی روح القدس سے تائید کرتا ہے جب تک کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دشمنوں کی ہجو کرتے ہیں۔ ایک روایت "یفاخر" یعنی حضور کا فخر بیان کرتے ہیں آیا ہے۔ حضور اکرمؐ فرماتے ہیں کہ حسانؓ بن ثابت کا قول مشرکوں پر تیر کے آنے اور اس کے چبھنے سے زیادہ سخت تر ہے۔ اور فرمایا کہ حق تبارک و تعالیٰ جسے زبان عطا فرمائے اور گویائی کی طاقت و قدرت بخشے اسے چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدحت اور حضور اکرمؐ کے دشمنوں کی ہجو و مذمت میں کوتاہی نہ کرے۔ اس لئے کہ سب سے بہترین عمل یہی ہے۔ اہل سیر فرماتے ہیں کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا کام یہی تھا وہ مشرکوں کی وقائع و ایام اور مآثر میں معارضہ کرتے اور ان کی مذمت کرتے تھے۔ اور ان کی قباحتوں اور انکی برائیوں کو بیان کرکے انہیں یاد دلاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا گزر حضرت حسان پر ہوا وہ اس وقت مسجد نبوی شریف میں کچھ اشعار پڑھ رہے تھے۔ اس پر حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت حسانؓ کی جانب گھور کر دیکھا اور فرمایا مسجد میں شعر خوانی کرتے ہو؟ اس پر حضرت حسانؓ نے جواب دیا میں نے مسجد میں اس ذات مقدس کے حضور شعر پڑھے ہیں جو تم سے بہتر و افضل تھے یعنی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ اس پر حضرت عمرؓ فاروق خاموش ہو گئے۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے منتخب اشعار وہ ہیں جو انہوں نے فی البدیہہ حضور اکرمؐ کے سامنے اس وقت پڑھے جبکہ بنی تمیم کا وفد آیا ہوا تھا جیسا کہ گزرا۔ اس وقت حضرت حسانؓ نے قصیدہ مرتب کیا اور ثابتؓ بن قیس بن شماس نے خطبہ دیا اور بنی تمیم نے اپنے عجز و نادانی کا اقرار و اعتراف کیا اور کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے شاعر ہمارے شاعر و خطیب سے بہتر ہیں۔ منقول ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا حسانؓ، مسلمانوں اور منافقوں کے درمیان علامت و نشانی ہیں منافق ان کو دوست نہیں رکھتا اور مسلمان ان سے دشمنی و عداوت نہیں رکھتا۔ اور فرمایا کہ حسانؓ کو برا نہ کہو کیونکہ وہ خدا اور اس کے رسول کی طرف سے دشمنوں کے ساتھ منافحت و مخاصمت اور معارضت کرتا ہے۔ اور ان کی طرف ایسی نسبت کرتے ہیں کہ وہ کسی غزوے میں حاضر نہ ہوئے۔ اہل تشیع اس باب میں ایسی خبریں بیان کرتے ہیں جو کریہہ و ناگوار

ہیں۔ ان کا ذکر کرنا اور انہیں بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

ابن کلبی نے کہا ہے کہ وہ سخن گو اور شجاع تھے۔ ان کو ایک بیماری لاحق ہوئی جس سے ان میں جبن پیدا ہوگیا۔ اور یہ اس وقت سے ہوا تھا جبکہ صفوان بن المعطل نے تلوار ماری تھی۔ بعض اہلِ علم ان کی طرف جبن کی نسبت کرنے کے منکر ہیں۔ اور ان خبروں کا بھی انکار کرتے ہیں جو ان کی بُرائی میں ہیں اور وہ دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر ان میں جبن ہوتا تو اعداءِ دین اس سے ان کی ہجو اور مذمت کرتے۔ اس لئے کہ انہوں نے بہت سے قوموں کی ہجو اور مذمت کی ہے۔ لہٰذا اگر وہ بزدلوں میں ہوتے تو وہ قومیں ضرور ان کی مذمت کرتیں۔ البتہ ان کی خطاؤں میں سے (اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اہلِ افک میں شامل ہونا ہے۔ خدا جانتا ہے کہ وہ کیسے اس گرداب میں پڑے۔ لیکن اگر کوئی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کو بُرا کہتا تو وہ فرماتیں حسانؓ کو گالی نہ دو۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مناقحت مفاخرت کرتے تھے۔ ابن الفریعہ فرماتی ہیں کہ میں امید رکھتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدافعت اور اپنی زبان سے ان کے دشمنوں سے منازعت کی بنا پر جنت میں داخل کر دے گا۔ فریعہ بنت خالد حضرت حسانؓ کی والدہ ہیں وہ بھی خزرجیہ ہیں۔ انہوں نے اسلام کو پایا اور وہی حضرت حسانؓ کو بارگاہِ رسالت میں لیکے آئیں۔ اور بیعت کی۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنی توبہ کرنے کے بعد اور اس فعل شنیع پر حد قذف جاری ہونے کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی منقبت پڑھا کرتے تھے۔ آخر عمر میں وہ نابینا ہوگئے تھے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے زمانہ میں ۴۰ھ میں وفات پائی ایک قول پچاس اور ایک قول چوّن کا ہے۔

ان کی عمر ایک سو بیس سال کی ہوئی (رضی اللہ عنہ)

## کعب بن مالک

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دوسرے شاعر حضرت کعب بن مالک ہیں۔ ان کی کنیت ابو عبدالرحمٰن یا ابو عبداللہ ہے۔ یہ انصاری، خزرجی سلمی، مدنی، صحابی عقبی ہیں عقبۂ ثانیہ میں حاضر ہوئے اور یہ ان ستر اصحاب میں سے ایک ہیں جو عقبہ ثالثہ میں حاضر ہوئے تھے، غزوۂ بدر میں ان کے حاضر ہونے میں اختلاف کیا گیا ہے اور یہ تمام غزوات میں حاضر ہوئے ہیں بجز غزوۂ تبوک کے۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر میں بھی حاضر ہوئے (واللہ اعلم) غزوۂ احد میں یہ گیارہ زخموں سے مجروح ہوئے اور یہ ان تین اصحاب

میں سے ایک ہیں جنہوں نے غزوۂ تبوک سے تخلف کیا تھا۔ اس کے بعد توبہ کی اور رحمت الٰہی کے خواستگار ہوئے تو حق تعالیٰ نے رحم فرمایا اور ان کی توبہ مقبول ہوئی۔ سال نہم کے واقعات میں غزوۂ تبوک کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ یہ بھی حضور اکرمؐ کے شاعروں میں سے تھے اور یہ عمدہ شاعر اور مطیع تھے۔ جاہلیت میں ان پر شعر گوئی غالب آگئی تھی اور وہ اس میں مشہور ہوگئے تھے۔ اور ان کا کام یہ تھا کہ وہ کافروں کو جنگ سے ڈراتے تھے۔ جس طرح حضرت حسانؓ بن ثابت ان کی ہجو کرتے اور ان کی قباحتیں اور برائیاں بیان کرتے تھے (جیسا کہ گزرا) انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور ان سے ان کے بیٹوں عبداللہ عبدالرحمٰن، محمد، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور ابوجعفر محمد باقر اور بہت سوں نے روایت کی ہے۔ ۵۰ھ یا ۵۳ھ میں فوت ہوئے ان کی عمر ستتر سال کی ہوئی۔ رضی اللہ عنہم۔

## حضرت عبداللہؓ بن رواحہ

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تیسرے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ انصاری خزرجی سابقین اولین اور نقباء انصار میں سے تھے عقبہ ثالثہ غزوۂ احد و خندق اور تمام مشاہدات میں حاضر ہوئے بجز فتح مکہ اور مابعد کے غزوات کے۔ کیوں کہ وہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے تھے۔ یہ بھی حضور اکرمؐ کے شاعروں میں سے ہیں ان کا کام یہ تھا کہ مشرکوں کو کفر و بت پرستی پر توبیخ و تنبیہ کرتے تھے۔ ان کے حالات مکتوبات نبوی کے ضمن میں گزر چکے ہیں۔

## دیگر شعرائے صحابہ

وصل: مذکورہ تینوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوا صحابہ میں اور شعراء بھی بیان کئے گئے ہیں مثلاً ابوسفیانؓ بن الحارث بن عبدالمطلب، عباسؓ بن مرداس سلمی، عدیؓ بن حاتم الطائی، ان کے حالات اپنی اپنی جگہوں میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ ایک اور حمیدؓ بن ثور الہلالی ہیں جو عمدہ شاعر تھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آئے اور ایک قصیدہ مرتب کیا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

اصبح قلبی من سلیمی مقصدا ان اخطاء منہا وان تعمدا

اور آخری مقطع یہ ہے ؎

حتی اتانا ربنا بحمد نتلوا من اللہ کتابا مرشدا

اہل سیر کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کی ہے اور ان سے زبیر بن بکار نے روایت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ وہ حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں حاضر

ہوئے۔ اصابہ میں کہا گیا ہے کہ محمد بن سلام جمحی نے ان کو طبقہ چہارم کے مسلمان شعراء میں بیان کیا ہے۔ اور مرزبانی نے کہا کہ وہ فصحاء شعراء میں سے ایک تھے۔ اور ان کا حال یہ تھا کہ جو کوئی ہجو کرتا وہ اس پر غالب آجاتے تھے۔ بلاشبہ وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس وفد کی صورت میں آئے اور حضرت امیرالمومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے۔

ایک اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہ عامر بن واثلہ لیثی کنانی ہیں بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام عمر بن واثلہ ہے مگر اولیٰ و اکثر اور مشہور تر یہی ہے۔ ان کی ولادت روز احد ہے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے آٹھ سال پائے۔ پھر کوفہ میں جا کے رہے اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہ کی صحبت میں رہے ان کے ساتھ تمام جنگوں میں حاضر ہوئے۔ جب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ شہید ہوئے تو وہ مکہ مکرمہ لوٹ گئے اور وفات تک وہیں رہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ ۱۰۰ھ یا ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے اس سے ان کی مدت عمر معلوم ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوفہ میں ہی مقیم رہے والاول اصح (واللہ اعلم) اور یہ آخری شخص تھے جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ ابوالطفیل رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اب روئے زمین پر کوئی شخص نہیں ہے بجز میرے جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو۔ عامر بن واثلہ عمدہ و بہترین شاعر، عالم، فاضل اور حاضر الجواب تھے۔ انہوں نے کہا وَمَا شَابَ رَأْسِيْ سِنِيْنَ مَا بَعَثَتْ عَلَىَّ وَلٰكِنِّيْ شَيْئًا۔ ابو قانع نے استیعاب میں کہا ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کے بارے میں تشیع و تفضیل کرتے تھے۔ اور شیخین کریمین حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر ان کو انشاء واستثنا کرتے اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر اظہار رحم کرتے تھے۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے انہوں نے ان سے کہا تمہارے دوست ابوالحسن رضی اللہ عنہ پر تمہارا حزن و ملال کا پایا جانا کس قسم کا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ میرا حزن و ملال ایسا ہے جیسا کہ ام موسیٰ رضی اللہ عنہا کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تھا۔ اور تقصیر کی خدا کی بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کیا تم ان لوگوں میں شامل تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر چڑھ کے آئے تھے۔ انہوں نے کہا نہیں لیکن میں ان لوگوں میں سے تھا جو ان کے حامی و معاون تھے۔ پھر کہا کہ کس چیز نے تمہیں باز رکھا کہ

کہ تم ان کی مدد کرتے۔ ابن عامر نے جواب دیا کہ تمہیں کس چیز نے باز رکھا کہ تم ان کی مدد کرتے جبکہ یہ حادثہ پیش آیا تھا باوجودیکہ تم شام کے حاکم تھے اور سب تمہارے تابع تھے۔" اس پر امیر معاویہؓ نے کہا "کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں نے ان کے خون کا قصاص طلب کیا تھا انہوں نے جواب دیا ہاں میں نے دیکھا ہے لیکن تمہارا حال ایسا ہے جیسا کہ فلاں قبیلہ کے ایک شخص نے کہا ہے کہ ؎

لاء تفتیک بعد الموت تندی وفی حیاتی ماذوتنی زادی

## ایمنؓ بن خزیمہ اسدی

ایک اور شاعر ایمنؓ بن خزیمہ (بصیغہ تصغیر) اسدی ہیں جو بنی اسد بن خزیمہ سے تھے وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور وہ کوالا کے غلام تھے وہ اپنے والد اور اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں بدری ہیں۔ ان سے شعبی نے روایت کی ہے۔ وہ شامی باشندے تھے۔ اور بہترین شاعر تھے۔

شعبی سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا مروان کو ایمن بن خزیمہ کے پاس بھیجا کہ تم ہمارے پاس نہیں آتے اور ہمارے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔

انہوں نے کہا کہ میرے والد اور میرے چچا بدر میں شریک ہوئے ہیں اور انہوں نے مجھ سے عہد لیا ہے کہ میں کسی مسلمان اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہنے والے کو قتل نہ کروں۔ اگر تم اپنی مدد کے لئے اس سے براءت نامہ مجھے دو تو میں تمہارے ساتھ ہوں اس پر مروان۔ نے کہا مجھے تمہاری مدد کی حاجت نہیں ہے؛ دار قطنی نے کہا کہ ایمنؓ بن خزیمہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ ابن عبد البر استیعاب میں فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی کوئی روایت حضور اکرمؐ سے نہیں پائی البتہ اپنے والد اور چچا سے روایت شدہ مجھے ملی ہے اصابہ میں کہا گیا ہے کہ امام ترمذی نے ایمنؓ بن خزیمہ سے ایک حدیث حضور اکرمؐ سے روایت کی ہے اور اسے غریب کا حکم دیا ہے۔ اور کہا کہ مجھے ان کا حضورؐ سے سننا معلوم نہیں ہوا ہے اور ابن عبد البر اس حدیث سے مطلع نہ ہوئے۔ اور مردویہ نے کامل میں نقل کیا ہے کہ انہیں صحبت حاصل ہے اور حضرت عثمانؓ کی شہادت پر ان کا ایک شعر نقل کر کے کہا گویا انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت پر مرثیہ کہا ہے۔ صوآبی سے منقول ہے کہ

ہے کہ امین بن خزیمہؓ کو خلیل الخلفاء کہا جاتا ہے اس بنا پر کہ ان کو ہر ایک خلیفۂ راشد نے ان کی فصاحت کی بنا پر اپنے قریب رکھا ہے۔ یہ مبروص تھے اور اس پر زعفران کا خضاب لگاتے تھے۔ عبدالعزیز بن مروان جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد تھے اور وہ مصر کے حاکم تھے ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ اور کوئی چیز برص کی بنا پر اٹھا کے دیا کرتے تھے کیوں کہ وہ ان کو اپنے قریب رکھتے تھے۔

## اعشیٰ بن مازنؓ

ایک اور شاعر اعشیٰ بن مازن بن عمرو بن تمیم ہیں۔ بصرے کے رہنے والے شاعر تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں آئے اور ایک ایسا شعر پیش کیا جس میں عورتوں کی شکایت تھی اس میں ایک مصرعہ یہ تھا ؏

وھن شر غالب لمن غالب

حضور اکرمؐ نے اس مصرعہ کو اس طرح بدلدیا :-

امن شر غالب لمن غلب

اہل سیر کہتے ہیں کہ ان کا نام اعشیٰؓ بن مازن عبداللہ ہے۔

## اسودؓ بن سریع

ایک اور شاعر ابو عبداللہ اسودؓ بن سریع ساعدی تمیمی ہیں۔ بصرہ میں جا کے رہے اور وہ واعظ اور بہترین شاعر تھے اور یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے بصرہ کی مسجد میں وعظ کہا۔ ان سے حضرت حسن بصری نے روایت کی ہے۔

ارباب سیر بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو عرض کیا "یا رسول اللہؐ! کیا میں آپ کے لئے ایک حمد لکھوں جس میں اپنے رب کی تعریف ہو؟ حضور اکرم صلے اللہ علیہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ تمہارے رب ہی کی حمد کہی جاتی ہے۔ گویا کہ اس بات کی ادائیگی حضورؐ پر گراں گزری۔ مطلب یہ کہ تم کیا حمد کرو گے سارا جہان حق تبارک وتعالیٰ کی حمد کرتا ہے :- وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ یا ان کی تقریر وتحسین مراد ہے یعنی اچھا کیا سارا جہان اس پر حمد کرتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا استیعاب میں ایسا ہی ہے۔ اصابہ میں مذکور ہے کہ حسن بصری نے اسودؓ بن سریع سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار جہاد کئے ہیں۔ اور اس باب میں ایک حدیث حضور اکرمؐ سے روایت کی گئی ہے امیر معاویہؓ کے

عہد میں ۲۶ھ میں وفات پائی۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ جب حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے تو اسود بن سریع کشتی میں سوار ہوئے اور اپنے تمام اہل و عیال کو اس میں سوار کر کے کہیں نکل گئے۔ اس کے بعد ان کا کوئی حال معلوم نہ ہوا۔

واضح رہنا چاہیئے کہ شعرائے اسلام بہت تھے۔ اور ان میں سے بہت سوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ خواہ ان کی رویت، ثبوت کو پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ اب میں لبید و نابغہ کے ذکر پر جو کہ مشہور ہیں اس باب کو ختم کرتا ہوں۔

## لبیدؓ بن ربیعہ

ایک شاعر لبید بن ربیعہ عامری ہے ان کی کنیت ابو عقیل ہے۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے اور اپنے مذموم بنو جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ کا رد کیا۔ اور اسلام لائے اور ان کا اسلام حسن ہوا۔ وہ فارس کے شجاع، عمدہ و بہترین شاعر اور شریف تھے۔ جاہلیت اور اسلام میں شعر کہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بہت شعر کہتے تھے جب اسلام لائے تو شعر گوئی ترک کر دی ظاہر ہے کہ بہت کم شعر کہنا مراد ہو گا۔ اور مدح و ذم میں شعراء کے طریقہ کو چھوڑ دینا مراد ہو گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر شریف پر فرمایا:۔ أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ لَبِيدٌ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ۔ لبید شاعر نے کتنی سچی بات کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔ یعنی فنا ہونے والی ہے۔ ابن عبد البر نے کہا کہ یہ شعر؎ أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ عمدہ ہے، اس میں اس امر کی دلالت ہے کہ یہ شعر مسلمان ہونے کے بعد کہا ہے (واللہ اعلم) لیکن اکثر اہل اخبار کا خیال یہی ہے کہ لبید نے اسلام لانے کے بعد شعر گوئی نہیں کی ہے۔ بعض کہتے کہ انہوں نے اسلام میں شعر گوئی نہ کی مگر ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے؎

الحمد للہ اذ لم یأتنی اجلی ۔۔۔ حتی اکتسبت من الاسلام سربالا

بعض کہتے ہیں کہ اس کے سوا بھی چند اشعار کہے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے؎

ما عاتب المرء الکریم لنفسہ ۔۔۔ والمرء یصلحہ القرین الصالح

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لبید سے فرمایا اے ابو عقیل اپنے کچھ اشعار تو مجھے سناؤ انہوں نے کہا میں اب شعر گوئی نہیں کرتا جب سے

میں نے حق تعالیٰ کا ارشاد سورۂ بقرہ اور آل عمران میں پڑھا ہے۔ قرآن کریم کی ان دونوں سورتوں کی تخصیص ان کی زیادتی فضیلت اور عظیم ثواب کی بنا پر ہوگی (واللہ اعلم) یا یہ کہ اس وقت ان کو صرف یہی دو سورتیں یاد ہوں گی۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے وظیفہ میں پانچ سو بڑھا دیئے پہلے دو ہزار تھے۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ جب امیر معاویہ رض کا زمانہ ہوا تو انہوں نے کہا دو ہزار کافی تھے پانچ سو کی زیادتی کس لئے ہے وہ چاہتے تھے کہ یہ پانچسو کم کر دیں۔ لبید نے کہا میں عنقریب مرنے والا ہوں یہ دو ہزار بھی بچ رہیں گے چنانچہ لبید رض کچھ مدت بعد فوت ہو گئے (رضی اللہ عنہ) بعض کہتے ہیں کہ جب لبید اسلام لائے تو اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں کوفہ میں جب ان کی طرف سے ولید رض بن عقبہ حاکم تھا تو جا کے رہے۔ یہ قول اصح ہے۔ ولید رض نے ان کے پاس بیس ۲۰ اونٹ بھیجے اور انہوں نے ان کو اپنی طرف سے ذبح کیا۔ مبرد وغیرہ بیان کرتے ہیں کہ لبید رض بن ربیعہ شاعر نے نذر مانی تھی کہ بادِ صبا چلے تو ذبح کر کے لوگوں کو کھانا دیں گے۔ اس کے بعد وہ کوفہ میں اترے اور مغیرہ رض بن شعبہ نے جب دیکھا کہ بادِ صبا چلی ہے تو کہا کہ ابو عقیل کی مدد کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ نذر نہیں مانی تھی۔ لیکن ایک دن بادِ صبا چلی تو انہوں نے لوگوں کو ضیافت دی۔ وہ اس زمانہ میں کوفہ میں تھے۔ تو ولید رض بن عقبہ نے یہ سنا اور وہ اس وقت حضرت عثمان رض کی طرف سے کوفہ کا حاکم تھا اس نے خطبہ دیا کہ لوگو! تمہیں معلوم ہے کہ ابو عقیل رض نے اپنے پر ایک نذر لازم کی ہے لہٰذا تم اپنے بھائی کی اعانت کرو۔ خطبہ کے بعد ممبر سے اترا اور لوگوں کو ان کی طرف بھیجا تو انہوں نے اپنی نذر پوری کی۔ مبرد کے سوا لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ہزار سواری جمع ہوئی اس وقت ولید نے اس باب میں ایک قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے ؎

ارى الجزار يشحذ شفرتيه ۔۔۔ هبت رياح ابى عقيل

اعز الوجه ابيض عامرى ۔۔۔ طويل الباع كالسيف الصقيل

ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ لبید رض پر رحم کرے کیا بات کہی ہے ؎

ذهب الذين يعاش فى اكنافهم ۔۔۔ وبقيت من خلف كجلد الاجرب

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں اسے لبید رض نے اپنے زمانہ میں کہا ہے تو کیا ہوتا اگر وہ ہمارے اس زمانہ

کو دیکھتے اور عروہ کہتے ہیں یہ کیسے ہوتا کہ حضرت عائشہ رض ہمارے زمانہ کو دیکھتیں حضرت عائشہ رض سے منقول ہے انہوں نے کہا مجھ سے لبید کے بارہ ہزار اشعار بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں کہ ولید رض بن ربیعہ عامری اور علقمہ بن علامہ عامر، مولفۃ القلوب میں سے ہیں اور دو۲ علقمہ بھی عمدہ ترین شاعروں میں سے ہیں۔ منقول ہے کہ جب لبید نے کہا کہ

الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل وکل نعیم لامحالۃ زائل

تو ان سے عثمان رض بن مظعون نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو نعیم جنت زائل نہ ہوگی۔ اس پر لبید غصہ میں آئے اور یہ شعر مزید کہا ؎

سوای جنت الفردوس ابن نعمتها: سیفی وان الموت لابد نازل

لبید رض کی عمر میں اختلاف کیا گیا ہے بعض ایک سو چالیس سال کہتے ہیں اور بعض ایک سو ستاون ۱۵۷ سال بتاتے ہیں بعض ایک سو ساٹھ ۱۶۰ سال (واللہ اعلم)

## نابغہ رض جعدی

نابغہ جعدی کے نام میں اختلاف ہے بعض قیس بن عبداللہ اور بعض صاحبان بن قیس بن عبداللہ بن عمرو بن عدس بن ربیعہ بن جعدہ کہتے ہیں۔ لیکن نابغہ نام سے وہ مشہور و معروف ہیں۔ کیوں کہ وہ عہد جاہلیت میں شعر کہا کرتے تھے۔ اس کے بعد تیس ۳۰ سال تک کوئی شعر نہ کہا۔ اس کے بعد پھر شعر گوئی شروع کردی اور ان کا نام نابغہ پڑ گیا۔ نابغہ نبغ سے ہے بنونغ کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں۔ بغیر اس کے کہ عمدہ شعر کہنے میں دراصل شاعر ہو۔ نوابغ شعراء کی ایک جماعت ہے مثلاً نابغہ جعدی اور نابغہ ذبیانی منسوب بہ ذبیان بن تغیض۔ نابغہ جعدی دراصل شاعر تھا جب عرصہ دراز تک شعر گوئی چھوڑ دی تو گویا شاعر نہ رہا۔ جب دوبارہ شعر گوئی شروع کردی تو نابغ یعنی ظاہر ہو گئے۔ اور نابغہ مبالغہ کے لئے ہے۔ قاموس میں ہے:۔ نَبَغَ فُلَانٌ قَالَ الشِّعْرَ ا وَ جَاءَ لَمْ يَكُنْ شَاعِرٌ۔ یہ نابغہ شاعر محسن اور جاہلیت و اسلام میں طویل العمر ہے اس نے نابغہ ذبیانی سے بہت زیادہ عمر پائی ہے۔ اس کی عمر ایک سو اسی ۱۸۰ سال بعض دو سو ۲۰۰ سال اور بعض دو سو بیس سال بتاتے ہیں اور اصمعی نے دو سو تیس ۲۳۰ سال روایت کی ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہا۔ یہ زمانہ جاہلیت میں دین ابراہیمی کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اور نماز روزہ و استغفار کرتا تھا۔ اس نے ایسے اشعار کہے ہیں جو توحید پر اور اقرار بعث و جزاء آخرت اور جنت و نار پر دلالت کرتے

ہیں جس طرح کہ امیہ بن ابی الصلت کے اشعار ہیں۔ اس کے بعد ایسے اشعار ہیں اکثر کا خیال ہے کہ وہ اسی کے ہیں بعض کہتے ہیں امیہ بن ابی الصلت کے ہیں ؎

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَاشَرِیْكَ لَهٗ مَنْ لَّمْ یَقُلْهَا فَنَفْسِهٖ ظَلَمَا

مَنْ لَّمْ یَقُلْهَا یَصْلِیَ الْجَحِیْمِ یَشْفَعُ دَهَا وَجْهُ دَانَ تَ غَمَا

ابن عبدالبر نے فرمایا کہ یونس بن حبیب، حماد الروایۃ، محمد بن سلام اور علی بن سلیمان الاخفش نے تصحیح کی ہے کہ یہ اشعار نابغہ کے ہی ہیں۔ اور انہیں سے مروی ہے کہ کہا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوا اور میں نے ایک قصیدہ کہہ کر بارگاہِ رسالت میں پیش کیا اس میں وہ کہتا ہے ؎

اتیت رسول اللہ اذا جاء بالھدیٰ ویتلو کتابا کالمخبر سرا

اس قصیدے میں ایسے اشعار ہیں جو مفاخرت سے خالی نہیں ہیں۔ یہاں تک کہ میں نے یہ شعر پڑھا ؎

بغاء السماء مجدنا وعدونا۔ (ایک روایت میں ہے) علونا طریقھا

انا لنرجون ذٰلك مظھرا۔

حضور اکرمؐ نے ان سے فرمایا ابن المظھرہ یا ابا یبلی یعنی اے ابو یبلی وہ مظہر کہاں تک ہے۔ ایک روایت میں ہے:۔ اَیْنَ اِبْنُ لَا اَمْرَلَكَ اس نے کہا الی الجنۃ اس پر حضور اکرمؐ نے فرمایا ٹھیک ہے انشاء اللہ۔ اس کے بعد یہ شعر پڑھا ؎

ولاخیر فی حلم اذا لم یکن لہٗ بوادر تحمی صفوہٗ وان تکدرا ولاخیر فی جھل اذا لم یکن حلیم اذا ما اورد الامر اصدر

حضور اکرمؐ نے فرمایا ٹھیک کہا تم نے اور اچھا کہا اور فرمایا :۔ لَایَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ۔ اس کے بعد میں نے ایک سو بیس سال بعد دیکھا ان کے تمام دانت بہترین اور تمام لوگوں سے زیادہ سخت ترین تھے۔ اگر کوئی دانت اکھڑ جاتا تو دوسرا دانت اس کی جگہ نمودار ہو جاتا۔ اور ان کے تمام دانت ژالہ کی مانند روشن اور چمکدار تھے۔ اور یہ برق کی مانند تاباں تھے یہ اس بنا پر کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے منہ کو دعا دی تھی۔ یہاں تک کہ نابغہ نے حضور اکرمؐ کے آگے اپنا پورا قصیدہ پڑھ کے سنایا۔ یہ قصیدہ بہت طویل ہے تقریباً دو سو اشعار ہیں۔ جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کی نعت و صفت پر مشتمل ہیں۔ یہ نابغہ خلفاء راشدین کے پاس آتے رہے اور ان کے پاس مسجد حرام میں داخل ہوئے اور اشعار کثیرہ کہے۔ اس پر حضرت ابن زبیرؓ

نے فرمایا" اے نابغہ تمہارے یہ اشعار تمہارے وسیلہ و مددگار ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں اور اس کی جناب میں ذخیرہ ہیں۔ تمہیں اس کی جزا ضرور ملے گی۔ ایک حق تو حضور اکرمؐ کی رویت کا ہے اور ایک حق اسلام میں شامل ہونے کا ہے اس کے بعد انہیں شتر خانہ لے گئے اور ایک ناقہ سجوان اور کئی عمدہ گھوڑے اور گندم و کھجور اور کپڑوں کے انبار دیئے۔ نابغہؓ نے کھجوروں کے کھانے میں جلدی کی۔ اس پر حضرت ابن زبیرؓ نے بتایا اے ابو لیلی افسوس ہے کہ تمہیں فاقہ کشی کی بڑی مشقت اٹھانی پڑی ہے۔ اس کے بعد نابغہؓ نے ایک حدیث روایت کی جو قریش کے مناقب میں ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ انبیاء کے جگر پارے ہیں کم لوگ جنت میں ایک درجہ میں ہوں گے۔ نابغہؓ کے اس قصیدے کو شعراء کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور شیخ اجل امام علی متقی رحمہ اللہ نے جامع کبیر میں جو کہ علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کے تبویب پر کتاب کا نام ہے اس میں اسے بیان کیا ہے اور طرماح شاعر سے فرزوق تک منتہی ہوا ہے کہا کہ میں نے نابغہؓ بن جعدہ شاعر سے ملاقات کی ہے میں نے ان سے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی ہے؟ انہوں نے کہا" ہاں، میں نے اس قصیدہ کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا ہے پھر میں نے حضور اکرمؐ کے روئے انور کو دیکھا تو جلال کے آثار نمودار تھے۔ حضور اکرمؐ نے فرمایا" اِلٰی اَیْنَ یَا اَبَا لَیْلٰی" میں نے عرض کیا" اِلَی الْجَنَّۃِ" یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! فرمایا اِلَی الْجَنَّۃِ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ روئے انور پر جلال کے آثار کا ظہور، ایک قسم کی مفاخرت و تکبر کی بنا پر تھا جو کہ اس قصیدے میں ہے۔

ابو نعیم نے تاریخ اصفہان میں کہا ہے کہ نابغہ قیس بن عبد اللہ اصفہان کا شاعر شخص ہے۔ اور وہ حضرت علی مرتضیٰؓ کی جانب سے اصفہان کا حاکم تھا۔ اس کی بہت سی حکایتیں اور خبریں ہیں۔

# خطبائے بارگاہِ رسالت

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خطباء کا بھی اسی طرح ذکر کیا گیا ہے اور شعراء و موذنین و امراء و کتاب کی مانند مشاکلت و موافقت میں جمع کا صیغہ خطباء بولا گیا ہے۔ لیکن سیر کی کتابوں میں جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ ایک ہی تھے اور یہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خطیب ہونے سے مراد وہ خطیب نہیں ہیں جو جمعہ اور

عیدوں میں خطبے دیتے ہیں۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس خود جمعہ و عیدین کے خطبے دیا کرتے تھے بلکہ یہ خطیب کسی قوم کے خطیب ہوتے تھے کیونکہ اگر کوئی قوم اپنی مفاخرت و مکابرت اور اپنے تعصب میں کھڑی ہو جاتے تو یہ خطیب اسی جانب سے بھی ان کے مقابل کھڑے ہو کر ان سے معارضہ و مصادقہ کرتا تھا۔ اور بہ نصرت الٰہی غالب و مظفر رہتا تھا۔ جس طرح کہ بنی تمیم کے جہال آئے۔ اور انہوں نے اپنے خطباء و شعراء کو لا کے مفاخرت کا اظہار کیا تھا اس وقت حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان کے شاعروں سے معارضہ کرو۔ اس پر حضرت حسان رضؓ نے قصیدۂ غرار بر سبیل بدایت وارتجال پڑھا۔ اور غالب آئے۔ اس طرح حضرت ثابت رضؓ بن قیس کو حکم دیا کہ وہ ان کے خطیبوں کا جواب دیں۔ تو حضرت ثابت رضؓ نے فی البدیہہ ایسا فصیح و بلیغ خطبہ دیا جو ان کے فہم و فراست سے اونچا تھا جس سے وہ لوگ خاموش ہو کے رہ گئے۔ یہ سب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تائید و تقویت اور آپ کی نصرت و اعانت تھی۔ اقرع رضؓ بن حابس جو بنی تمیم کا بزرگ ترین شخص تھا کہنے لگا "خدا کی قسم! حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت عالم غیب سے کی جاتی ہے۔ اور اس اقرار میں ہمیں کوئی باک نہیں کہ حضور اکرمؐ کے خطیب ہمارے خطیبوں سے اور حضور اکرمؐ کے شاعر ہمارے شاعروں سے بہت برتر و افضل ہیں" پھر وہ حق و انصاف کی راہ پر آگئے اور سب مطیع و منقاد ہو گئے۔ جیسا کہ اس کا پورا قصہ سال نہم کے واقعات کے شروع میں گزر چکا ہے۔

## حضرت ثابت رضؓ بن قیس

اب رہا حضرت ثابت رضؓ بن قیس بن شماس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات کا تذکرہ۔ تو ان کی کنیت ابو محمد یا ابو عبدالرحمٰن تھی۔ یہ انصار کے خطیب تھے اور ان کو "خطیب رسول اللہ" کہا جاتا تھا جس طرح کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو "شاعر رسول اللہ" کہا جاتا تھا۔ وہ احد اور بعد کے تمام غزوات میں حاضر ہوئے اور جنگ یمامہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں شہید ہوئے۔ صاحب اصابہ فرماتے ہیں کہ اہل سیر نے ان کو بدر کے اصحاب مغازی میں بیان کیا ہے اور کہتے ہیں کہ سب سے پہلا ان کا غزوہ احد ہے۔ اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت اس مشہور قصہ میں دی ہے جو اس آیۂ کریمہ:- یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ ——— کے نازل

ہونے کے بعد اپنے گھر میں بیٹھ جانے اور مجلس نبوی میں حاضر نہ ہونے کی بنا پر ہے چونکہ وہ جہیر الصوت تھے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے ان کو اپنے پاس بلایا اور بشارت دی۔ جیسا کہ حضور اکرمؐ کے کاتبوں کے باب میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ فرمایا نِعْمَ الرَّجُلُ ثَابِتُ بْنُ قَیْسٍ، ثابتؓ بن قیس بہت اچھے آدمی ہیں۔ اور ان کے لئے خاص طور سے فرمایا یَعِیْشُ حَمِیْدًا وَیُقْتَلُ شَہِیْدًا پسندیدہ زندگی ہے اور شہادت کی موت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو ثابتؓ بن قیس کو بلایا۔ انہوں نے حضور اکرمؐ سے عرض کیا میں حضور اکرمؐ کو اس چیز سے روکتا اور باز رکھتا ہوں جس سے خود کو اور اپنی اولاد کو منع کرتا ہوں تو اس کی جزا میرے لئے کیا ہے؟ حضور اکرمؐ نے فرمایا تمہاری جزا جنت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب جنگ یمامہ گرم ہوئی اور لوگ متفرق و پراگندہ ہو گئے تو میں نے ثابتؓ بن قیس سے کہا میرے چچا! لوگوں کو سخت دشواری کا سامنا ہے۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ اپنی رانوں سے اپنے تہبند کو اٹھاتے ہیں اور ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ اور کہتے جاتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح جنگ نہیں کرتے تھے اور عادت کے مطابق اسی طرح جنگ کرتے تھے کہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لیکن خداوندا میں اس سے بیزار ہوں جس طرح کہ لوگ کر رہے ہیں۔ اس کے بعد خوب جنگ کی یہاں تک کہ شہید ہو گئے (رضی اللہ عنہ)

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب جنگ یمامہ کا دن ہوا تو حضرت ثابتؓ بن قیس حضرت خالدؓ بن ولید کے ساتھ مسیلمہ کذاب کی طرف بڑھے جب دونوں لشکر مل گئے اور معرکۂ کارزار نے وسعت اختیار کی اور لوگ پراگندہ و متفرق ہو گئے تو ثابتؓ اور سالمؓ مولائے ابو حذیفہؓ نے کہا یہ کیا ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح جنگ نہیں کرتے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک گڑھا کھودا اور اپنے پاؤں اس گڑھے میں خوب جما لئے اور جنگ کرنے لگے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ اس جگہ ایک عجیب و غریب حکایت ہے جسے طبری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنگ یمامہ کے روز حضرت ثابتؓ بن قیس کے جسم پر ایک نفیس زرہ تھی۔ ایک مسلمان ان کے پاس سے گزرا اس نے اس زرہ کو اتار لیا۔ تو مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک شخص کے پاس خواب میں

آئے اور ثابت بن قیس نے اس شخص کو خواب میں بتایا کہ میں تمہیں ایک وصیت کرتا ہوں اور یہ خواب نیک اور اچھا ہے میری اس وصیت کو ضائع نہ کرنا۔ تم جان لو کہ جب میں شہید ہو گیا تو فلاں شخص نے میری زرہ اتار لی ہے اس کا گھر فلاں گوشہ اور فلاں مقام میں ہے۔ اور اس کے پاس ایسا گھوڑا ہے جو اتنی بڑی رسی کے برابر پھاند جاتا ہے جس سے کہ گھوڑا باندھا جائے اور وہ اسے چھوڑ دیتا ہے کہ جہاں چاہے چرے۔ اور میری اس زرہ کے اوپر ایک دیگ لوٹ رکھی ہے اور اس دیگ کے اوپر ایک اور دیگ ہے۔ اور اس نشان و علامت کا وہ آدمی ہے۔ اور ایسی زرہ ہے۔ جب حضرت ثابت رضؓ بن قیس نے اس شخص کو خواب میں یہ سب بتا دیا تو فرمایا تو تم خالد رضؓ کے پاس جانا اور ان سے کہنا کہ وہ میری زرہ حاصل کر لیں۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے کہنا کہ اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو اس قرض میں دیدیں جو مجھ پر ہے ایک روایت میں ہے کہ اس کی قیمت کو مسکین و فقراء پر تقسیم کر دینا اور فلاں فلاں میرے غلام کو آزاد کر دیں۔ جب وہ شخص خواب سے بیدار ہوا تو وہ حضرت خالد رضؓ بن ولید کے پاس آیا اور سارا حال بیان کیا حضرت خالد رضؓ نے کسی کو زرہ لانے کے لئے بھیجا پھر وہ زرہ لیکے آیا۔ اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضؓ سے یہ خواب بیان کیا گیا۔ اس پر حضرت صدیق اکبر رضؓ نے حضرت ثابت رضؓ کی وصیت کے مطابق عمل کرنے کی اجازت دی۔ ہم نہیں جانتے کہ کسی نے مرنے کے بعد کی وصیت کو نافذ کیا ہو۔ بجز حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی وصیت کی

## حداۃِ بارگاہِ رسالت

اب رہے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حدی پڑھنے والے صحابہ کرام! تو یہ متعدد حضرات تھے جو حدی پڑھتے تھے ان کا تذکرہ سال ہفتم کے واقعات میں کیا جا چکا ہے کہ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خیبر کی جانب تشریف لئے جا رہے تھے تو اثنائے سفر میں ایک رات حضرت عامر بن الاکوع رضی اللہ عنہ، حضرت ابن رواحہ کے رجزیہ اشعار حدی میں پڑھ رہے تھے کہ:۔ اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ (آخر تک) یہاں تک کہ تمام صحابہ مست و جھوم اٹھے۔ اور اونٹوں کی رفتار از حد تیز ہو گئی، سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ حدی پڑھنے والا کون ہے؟ اصحابہ نے عرض کیا کہ ابن رضؓ الاکوع ہیں! فرمایا "رحمہ اللہ" ایک روایت میں ہے "غفر لک ربک" جب عامر رضؓ حدی پڑھنے سے خاموش ہو گئے تو حضور اکرم ؐ نے حضرت عبداللہ رضؓ بن رواحہ سے فرمایا کیا تم ہمارے لئے حدی نہ کہو گے؟ اس کے بعد انہوں نے بھی حدی کہی۔ ان کو بھی جنت کی کی دعا دی۔

انجشہ رض ایک حبشی غلام تھے جو انتہائی خوش آواز تھے ان کا تذکرہ "موالی نبوت" کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت براء رض بن مالک جو ان کے بھائی تھے مردوں کے لئے حدی کہتے تھے اور انجشہ رض عورتوں کے لئے حدی کہتے تھے۔ اور حضور فرماتے اے انجشہ رض اونٹوں کو آہستہ چلا تاکہ آبگینوں کو ٹھیس نہ لگے۔ آبگینہ سے مراد عورتیں تھیں۔ چونکہ وہ کمزور ہوتی ہیں اور اونٹوں کے تیز دوڑنے سے انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مقصود رفع خاطر ہے جو تمنا کے سننے سے لاحق ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ (واللہ اعلم)

# بابؒ یازدہم

## دربیان اسلحہ و آلات حرب سیّد عالم صلے اللہ علیہ وسلم

### شمشیریں

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دس تلواریں بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ دس تلواریں ایک ہی وقت میں جمع تھیں یا متعدد اوقات میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رہی ہیں۔ اور جن کی تعداد مدت العمر میں دس تک پہنچی ہیں۔

ان تلواروں میں سے ایک تلوار کا نام ذوالفقار ہے اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ تلوار روز بدر آپ کے دست مبارک میں آئی اور تمام غزوات میں کام دیتی رہی۔ بعد ازاں اس کو امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ کو عطا فرما دی۔ اس سے دوسرا مطلب ظاہر ہوتا ہے۔ یہی حال دیگر ہتھیارو گھوڑوں اور مویشیوں کا ہے (واللہ اعلم)

دوسری تلوار کا نام ماثور تھا (بثلثہ مضمومہ) قاموس میں ہے:۔ الاثر و ایدل سیف ویکسر کالاثیر و سیف ماثور فی حسن۔ ایک اثر ہے صراح میں ہے او ثار بفتح گوہر شمشیر والاثور السیف الذی یقال انہ من عمل الجن و قال الاصمعی و لیس من الاثر الذی ھو الفرید کذا فی الصحاح۔

صاحب مواہب لدنیہ فرماتے ہیں کہ یہ پہلی تلوار ہے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں آئی۔ اور یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں اہل سیر کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ حضور اکرم ؐ نے ہجرت کی تیسری تلوار کا نام عضب بفتح عین مہملہ و سکون ضاد معجمہ ہے۔ اس تلوار کو حضرت سعد بن رض

عبادہ نے ........ ہدیہ کے طور پر حضور اکرمؐ کو پیش کیا تھا جس وقت کہ حضور اکرمؐ بدر کی جانب سفر فرما رہے تھے۔ قاموس میں ہے العضب القطع والضرب والطعن والسیف" صراح میں ہے "عضب بریدن وشمشیر براں"۔

چوتھی تلوار کا نام مخذم بکسر میم وسکون خا معجمہ وفتح ذال معجمہ، ہے قاموس میں ہے خذمہ یخذمہ۔ قطعہ وسیف خذم ککتف وکصور ومعظم قاطع صراح میں ہے خذم بریدن وتخذیم پارہ پارہ کردن مخذم بالکسر تیغ براں۔

پانچویں تلوار کا نام رسوب بفتح را، وضم سین ہے۔ رسوب پانی میں تہ نشیں چیز کو کہتے ہیں اور فتح سے تلوار کو۔ کیونکہ ذریعہ میں غائب ہو جاتی ہے۔ ذریعہ تہ نشیں چیز کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ رسوب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام ہے یا ان سات تلواروں کے نام ہیں جو بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے بھیجی تھیں۔ اور حارث بن ابی شمر کی تلوار اور خیل ثابت کے گھوڑے کا نام تھا۔ اور اس تلوار کو حضرت علیؓ مرتضیٰ فلس سے (بضم فا وسکون لام) جو بنی طے کا بت خانہ ہے ہجرت کے نویں سال لائے تھے۔ جیسا کہ پہلے گزرا بعض کہتے ہیں کہ زید الخیل طائی نے حضور اکرمؐ کے لئے بھیجی تھی۔

چھٹی تلوار کا نام قلعی بضم قاف وفتح لام جو کہ قلع سے ہے اور یہ صحرا میں ایک موضع ہے وہاں سے پہنچی تھی (کذا فی المواہب) صراح میں ہے قلعہ صحر میں ایک جگہ کا نام ہے اور "سیف قلعی" اسی کی طرف منسوب ہے۔

ساتویں تلوار کا نام قضیب بفتح قاف وکسر ضاد وسکون یا ہے۔ روضۃ الاحباب میں ہے یہ پہلی شمشیر ہے جو حضور اکرمؐ نے کمر مبارک پہ باندھی تھی:۔ قضب۔ قطع۔ کا قبضہ تضب فلاناً ضربہ۔ بالقضیب جو درخت دراز ہو اور اس کی شاخیں پھیل جائیں۔ اور ان شاخوں کو تیر وکمان کے لئے کاٹا جائے کذا فی القاموس۔ جراح میں ہے سیف قاضب تیغ براں ہے۔

آٹھویں تلوار ذو الفقار ہے یہ تلوار منبہ بن الحجاج سہمی کی تھی اور بدر کے دن اس کا بیٹا عاص بن منبہ لئے ہوئے تھا اس تلوار کے درمیان میں فقار ظہر یعنی مہرہائے پشت تھے حضور اکرمؐ اس تلوار کو کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے۔ یہ ہر جنگ میں ساتھ رہتی تھی اور قبیعہ، کلقچ، وذابہ، نعل مکراب، اور اس کا تمام ساز چاندی کا تھا۔ حضرت علیؓ مرتضیٰ نے عاص

بن منبہ کو قتل کیا تو تلوار کو حضور اکرمؐ کی خدمت میں لائے حضور اکرمؐ نے اسے اپنے لئے پسند فرمایا بعد ازاں غزوۂ احزاب میں علیؓ مرتضیٰ کو عطا فرمادی۔ یہی وہ تلوار ہے کہ اس کی شان اور اس کے صاحب کی شان میں کہا گیا:۔ لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُو الْفِقَارِ جیسا کہ روضتہ الاحباب میں کہا ہے کہ یہ وہ تلوار نہیں ہے جو مواہب میں مذکور ہے۔ روضتہ الاحباب میں کہا گیا ہے کہ یہ تلوار اور ہے جو ان کو ان کے والد سے میراث میں ملی تھی اور فرماتے ہیں کہ اس فقیر کا گمان یہ ہے کہ وہ تلوار قضب ہے۔ بعض اہل سیر خیال کرتے ہیں کہ قضب اور ذوالفقار دونوں ایک ہی ہیں (انتہی)۔

## زرہ شریف

لیکن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زرہ شریف ایک تو سُعدیہ بضم سین و سکون عین اور سَعدیہ بفتح سین اور صعدیہ بضم صاد بھی کہتے ہیں اور دوسری فضہ نام کی ہے۔ یہ دونوں زرہیں قینقاع کے یہودیوں کے اسلحہ سے حضور اکرمؐ کو پہنچی تھیں۔ صاحب مواہب فرماتے ہیں کہ سعدیہ زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زرہ تھی جسے انہوں نے جالوت کو قتل کرتے وقت پہنا تھا۔ ایک زرہ ذات الفضول تھی (فا اور ضاد کیساتھ) یہ نام اس کی درازی اور کشادگی کی بنا پر تھا۔ اسے حضرت سعدؓ بن عبادہ نے حضور اکرمؐ کے مدینہ طیبہ رونق افروزی کے وقت بطور ہدیہ پیش کی تھی۔ اس زرہ میں چار کڑے چاندی کے تھے دو سینہ کی جانب اور دو کندھے کی طرف۔ یہ وہ زرہ ہے جو ابوشحم یہودی کے پاس تیس ۳۰ صاع جو میں گروی رکھی تھی۔ جب حضور اکرمؐ نے وفات پائی تو اس وقت بھی یہ زرہ گروی تھی روز احد اس کو اور فضہ کو اس کے اوپر پہنا تھا۔ اور روز حنین وخیبر میں بھی سعدیہ اور ذات الفضول دونوں کو پہنا تھا۔ ایک زرہ "ذات الحواشی وترا" نام کی تھی اس لئے اس کا یہ نام تھا کہ وہ منفرد تھی۔ ایک زرہ حریف نام کی تھی۔ اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہوئی۔ منقول ہے کہ زرہ ذات الفضول کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی مرتضیٰ کرم نے تبرک وتیمن کے طور پر محفوظ کر رکھا تھا جسے جنگوں میں پہنتے تھے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جنگ جمل میں یہ اس زرہ کو پہنے ہوئے تھے۔ بعض اہل سیر کا خیال ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وہ زرہ جسے جالوت کے قتل کے وقت انہوں نے پہنا تھا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ اسے "روحا" کہتے تھے جیسا کہ روضتہ الاحباب میں ہے۔ مواہب میں زرہ سعدیہ قینقاعی کو زرہ داودی کہا گیا ہے۔ (واللہ اعلم)

## مغفر شریف

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دو مغفر تھے ایک کو موشح، دوسرے کو ذوالبوع کہتے تھے۔ مغفر بروزن منبر اور مغفرۃ وغفارت بروزن کتابت، بُنی ہوئی زرہ کو کہتے ہیں۔ جو ٹوپی کے نیچے پہنی جاتی ہے۔ یا وہ چادر ہے جس سے مسلح اپنے کو ڈھانپتا ہے۔

بعض اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک خود بھی تھا جسے اہل عرب بیضہ کہتے ہیں۔ روز احد اسے حضور اکرمؐ نے اپنے سر مبارک پہ رکھا ہوا تھا اور اسکی کیل رخسار مبارک میں گھس گئی تھی جس سے سر مبارک اور چہرۂ انور لہو لہان ہو گیا تھا۔ اہل سیر مغفر اور بیضہ کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ مغفر طاقیہ کی مانند ہوتا ہے۔ اکثر بینی پر ڈھلک آتا ہے۔ بیضہ میں لمبائی ہوتی ہے اور اوپر کی جانب اُبھار ہوتا ہے جس طرح کہ مرغ کا آدھا انڈا ہوتا ہے اور اس میں زنجیریں ہوتی ہیں جو گردن وچہرے اور بعض کندھے اور سینہ کو چھپاتی ہیں۔

## ڈھال مبارک

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تین سپر تھیں۔ ایک کو ازلق کہتے تھے جو زلق سے بنا ہے بمعنی نفریدن وجنبیدن۔ اور دوسرے کو فتق بمعنی کشادن وشگافتن اور تیسرے کو دوفر بمعنی نام کردن وبسیار کردن کہتے تھے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ کی ایک اور ڈھال بھی تھی جس میں کبش یا عقاب کی تصویر تھی یہ تحفہ کے طور پر بھیجی گئی تھی۔ تو حضور اکرمؐ نے اس کی تصویر کو مکروہ جانا اور اس پر اپنا دست مبارک رکھا تو اس کی تصویر معدوم ہو گئی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک روز صبح کو اٹھے تو حق تعالیٰ نے اس ڈھال سے تصویر کو مٹا دیا تھا صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ یہ ڈھال اُن تینوں میں سے ایک تھی جن کے نام بیان کئے گئے یا کوئی اور تھی۔ دونوں وجہوں کا احتمال ہے۔ (واللہ اعلم)

## نیزے

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے چار نیزے تھے تین تو بنی قینقاع کے یہودیوں کے اسلحہ میں سے پسند فرمائے تھے ایک اور تھا جس کا نام مثوی، ثوی سے ماخوذ بمعنی اقامت تھا اور اسے مثنی، ثنی سے ماخوذ بمعنی دو تا ہونا بھی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام دو نیزوں کے تھے۔ اور دیگر دونوں کے نام نہیں رکھے گئے تھے۔

## حربہ

حضور اکرمؐ کے کئی حربہ تھے ایک کو نبعہ کہتے ہیں۔ دوسرے کو بیضہ، تیسرے کو عنزہ (بعین ولون وزائے مفتوحات) صراح میں ہے کہ حربہ چوب دستی کو کہتے ہیں۔ بعضوں نے چھوٹے تیر سے تفسیر کی ہے اس کی جمع حراب ہے۔ حدیث میں ہے" وَالحبشۃ کانُوا یلعبُونَ بِالحِرَابِ" تو حضور اکرمؐ کا ایک حربہ تھا جسے نبعہ کہتے ہیں۔ نبع ایک درخت ہے جس سے کمان بنائی جاتی ہے اور اس کی ٹہنیوں سے تیر بنائے جاتے ہیں۔ نبع اس کی لکڑی ہے اور نبعہ اس کا حصہ۔ دوسرا حربہ جسے بیضہ کہتے تھے ظاہر ہے کہ وہ سفید لکڑی کا تھا۔ تیسرا حربہ جسے عنزۃ القر کہتے تھے جو تیر جیسا ہوتا تھا۔ اسے حضور اکرمؐ کے خدام ہمراہ رکھتے تھے تاکہ اس سے سترہ بنائیں یا استنجے کے لئے ڈھیلے کھودیں۔ عید کے دنوں میں انہیں حضور اکرمؐ کے آگے گاڑتے تھے۔

## کمان

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کمانیں چھ تھیں جو بنی قینقاع کے اسلحہ سے ملی تھیں۔ ایک کو روحا اور دوسرے کو بیضاء اور دو کمانیں درخت شوط کی تھیں۔ ......

...... اور ایک نبع درخت کی۔ جسے صفرا، کتوم اور سنجکشت کہتے تھے۔ اسے ابو قتادہ نے لیا تھا۔ اسے متصلہ کہتے تھے ان کی کمر چمڑے کی تھی جس میں تین چاندی کے حلقے تھے۔

## خیمہ مبارک

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک خیمہ تھا جسے کِن (بکسر کاف و تشدید نون) کہتے تھے۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ کن ایک قوم کا نام تھا۔ کن اور کیان کے اصل معنی پوشش کے ہیں اس کی جمع اکنان ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ قرآن کریم میں لوگوں پر منت رکھ کر فرماتا ہے:۔ وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا اکنۃ بھی کن کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً کنانہ تیر دان کو کہتے ہیں اور کالون آتشدان کو کہتے ہیں۔ حضور اکرمؐ کے خیمے دبیز ہوتے تھے اور چمڑے کے بھی تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرمؐ جس خیمہ میں تشریف فرما تھے وہ چھوٹا تھا پھر صحابی آئے اور ان کو خیمہ کے اندر طلب فرمایا۔ اس صحابی نے بطریق مزاح و مطائبہ کہا یا رسول اللہ کیا اپنے پورے وجود کے ساتھ آجاؤں؟ مطلب یہ کہ یہ خیمہ اتنا تنگ ہے کہ حضور اکرمؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ناکافی ہے میں کس طرح مزید اس میں سما سکتا ہوں۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی خوش طبعی میں فرمایا ہاں اپنے پورے جسم کے ساتھ آجاؤ۔

**علَم مبارک** حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کئی جھنڈے اور عَلَم تھے۔ ایک علم سیاہ تھا جس کا عقاب نام تھا دوسرا عَلَم سفید تھا اور کبھی اپنی ازواج مطہرات کی چادروں کا عَلَم مرتب فرماتے۔

**مویشی** حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مویشی یعنی گھوڑے، اونٹ، خچر، دراز گوش اور بکریاں بہت کثرت سے تھیں۔ اور یہ ثابت نہ ہوا کہ گائے بھینس میں سے کچھ رکھتے تھے یا نہیں۔ حضور اکرمؐ کے دس گھوڑے بتائے گئے ہیں ان کے نام بھی لکھے ہوئے ہیں اول سکب وسکیب، دراصل اس کے معنی پانی بہانے کے ہیں :- سکب الماء سکبا صب۔ فانصب ماء ساکب ومسکوب بولتے ہیں۔ اور ساکب نسبت لفظی ہے مثل تامر اور لابن کے۔ اور "ماء سکب" بھی بولتے ہیں بہ طریق وصف مصدر، مبالغہ کے لئے ہے۔ اور حضور اکرمؐ کے گھوڑے کا نام سکب بھی اسی بنا پر تھا کہ وہ اپنی رفتار میں پانی کے بہاؤ کی مانند رواں دواں تھا۔ سکب ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جو رفتار میں عمدہ تیز اور سریع السیر ہو۔ اور پانی کی مانند رواں ہو۔ قاموس میں ہے سکب اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو تیز رفتار دور ثابت قدم ہو۔ اور یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے کا نام ہے۔ اور یہ پہلا گھوڑا ہے جو حضور اکرمؐ کی ملکیت میں آیا اور اسے دس اوقیہ میں خرید فرمایا تھا اس پر جہاد فرماتے تھے اور اس گھوڑے کا نام اس کے پہلے مالک کے پاس ضرمیں تھا۔ حضور اکرمؐ نے اس کا نام بدل کر سکب رکھا۔ اسی گھوڑے پر دوڑ فرماتے اور آگے رہتے اور حضور اکرمؐ اس سے بہت خوش و مسرور ہوتے تھے۔

یہ گھوڑے کمیت اغر محجل طلق الیمنی تھا۔ کمیت ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کا رنگ سیاہی و سرخی کے مابین ہو اور ان دونوں میں سے کوئی خالص رنگ نہ ہو۔ اور اغر اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر ایک درم سے زیادہ سفیدی ہو۔ غرہ بضم غین اس سفیدی کو کہتے ہیں۔ فرس اغر اور رجل اغر بھی بمعنی شریف بولتے ہیں۔ کذا فی الصراح اور قاموس میں مطلقاً سفیدی کو کہا گیا ہے۔ محجل وہ گھوڑا ہے جس کے چاروں ہاتھ پاؤں سفید ہوں۔ تحجیل ہاتھ پاؤں کی سفیدی کو کہتے ہیں۔ اور طلق الیمین بضم طا و لام اور مطلق الیمنی میں بولا جاتا ہے یہ وہ گھوڑا ہے جس کے دونوں پاؤں اور ایک ہاتھ سفید ہوں اور ایک ہاتھ میں سفیدی نہ ہو۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ ایک ہاتھ یا دونوں ہاتھوں میں سفیدی نہ

ہو۔ ابن الاثیر نے کہا کہ وہ گھوڑا جس کا نام سکیب تھا وہ ادہم تھا یعنی سیاہ رنگ کا گھوڑا تھا۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ فرس ادہم، بعیر ادہم اور ناقۂ دہمائ۔ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ خَیْرُ الْخَیْلِ اَدْہَمُ۔ برکت والا گھوڑا سیاہ ہے۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ :۔ علیکم بکل کمیت اغر ومحجل ادا شقر اغر محجل۔ اشقر وکمیت کے درمیان فرق یہ بتاتے ہیں کمیت میں پال اور دم سیاہ ہوتی ہے اور اشقر میں سرخ۔ صراح کہا گیا ہے کہ شقرہ سرخ وسفیدی کو کہتے ہیں۔ اور اشقر اسی کی لغت ہے۔ اور یہ وہ گھوڑا ہے جس کے ایال اور دم سرخ ہوں۔ اور جس کے ایال اور دم سیاہ ہو اور باقی سارا جسم سرخ ہو اسے کمیت کہتے ہیں۔

حضور اکرمؐ کا دوسرا گھوڑا مُرتجز (بضم میم وسکون زا، وفتح تا وکسر جیم ورا اور آخر) تھا۔ مُرتجز، زجر سے ماخوذ ہے۔ جو کہ ایک قسم کا وزنِ شعری ہے۔ اور اس کا وزن تین بار مستفعلن ہے۔ خلیل جو فن شعر کا استاد اور اس کا موجد ہے اس کو شعر نہیں جانتا بلکہ نصف بیت یا ثلث بیت قرار دیتا ہے۔ اور وہ جو بعض حدیثوں میں ایسے اشعار آئے ہیں اسی قبیل سے ہیں۔ اس گھوڑے کا یہ نام رکھنا اس وجہ سے تھا کہ اس کی ہنہناہٹ اچھی تھی یہ وہ گھوڑا ہے جسے ایک اعرابی سواد بن الحارث بن ظالم سے خریدا تھا اور یہ بنی مرہ یا بنی تمیم سے تھا۔ وہ اعرابی فروخت کرنے کے بعد منکر ہو گیا تھا۔ اور حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے گواہی دی تھی اور ان کی شہادت کو بمنزلہ دو شہادت کے قرار دیا گیا تھا اور ان کا ذو الشہادتین نام ہو گیا تھا۔

حضور اکرمؐ کا تیسرا گھوڑا لزاز ہے جسے مقوقس شاہ اسکندریہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے کو بہت پسند فرماتے تھے اور اکثر اسی پر سفر کرتے تھے۔ قاموس میں ہے کہ لزاز بمعنی شدت والصاق اور الزام کے ہے اور مزاز بروزن کتاب ہے۔ یہ اس گھوڑے کا نام ہے جسے مقوقس نے حضرت ماریہؓ قبطیہ کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔ لزیز کے معنی پُر گوشت کے ہیں۔

مواہب میں ہے کہ اس گھوڑے کا نام بوجہ اپنی شدت تلزز اور اجتماع خلقت کے موسوم ہوا ہے "ولز بالشیئ لے فرق بہ" گویا یہ اپنے مطلوب کے ساتھ مل گیا۔ یہ نام اس کی رفتار کی تیزی کی بنا پر ہے۔

روضتہ الاحباب کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ لزاز کے معنی سیدھا باندھنے کے ہیں۔ رَجُلٌ اَلَزَّازٌ شَدِیْدُ الْخُصُوْمَۃِ سخت دشمن شخص کو مردِ الز کہتے ہیں اور اس گھوڑے کو لزاز اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ گھوڑا محکم اور تیز رفتار تھا (انتہی) جتنا کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لزاز نام رکھنا از قبیل وصف مصدر ہے۔

حضور اکرمؐ کا چوتھا گھوڑا الحیف (الحار مہملہ) تھا۔ اسے ربیعہ بن ابی البراء نے ہدیہ کیا تھا۔ اور حضور اکرمؐ نے چند اونٹ اس کے عوض عطا فرمائے تھے۔ لحف کے معنی لحاف میں چھپ جانا اور التحاف کے معنی، جسم پر کپڑا لپیٹنا۔ اور لحاف (بکسر) وہ چیز ہے جو لپیٹی جائے اس گھوڑے کا لحیف نام رکھنا اس کے مٹاپے اور اور اس کے بڑے ہونے کی وجہ سے ہے۔ گویا وہ زمین کو لپیٹ لیتا تھا اور اس کی دم اس کی لمبائی کی وجہ سے زمین پر بچھ جاتی تھی۔ فعیل بمعنی فاعل کے ہے"۔ یُقَالُ اَلْحَفَ الرَّجُلُ بِاللِّحَافِ اَیْ طَرَحَہٗ عَلَیْہِ۔

بعض نسخوں میں لحیف بضم لام وفتح حار ہے مگر صحیح اور راجح بفتح لام اور کسر حا ہے۔ کذا فی حاشیتہ روضتہ الاحباب، اور یہ لفظ جیم اور خار کے ساتھ بھی مروی ہے۔ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ مگر ہم نے اس کی تحقیق نہیں کی ہے۔ مشہور و معروف حار کے ساتھ ہی ہے۔ جیسا کہ مواہب میں ہے۔ قاموس میں اسے حارِ مہملہ اور خار معجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور دونوں جگہ کہا ہے کہ امیر و زبیر کے وزن پر ہے۔

حضور اکرمؐ کا پانچواں گھوڑا ورد بمعنی گلاب ہے۔ اور یہ اسی گھوڑے کو کہتے ہیں جو کمیت اور اشقر کے درمیان ہو۔ چونکہ اونٹ کا بھی یہ رنگ ہوتا ہے اس لئے اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ اس گھوڑے کو تمیم داری، ہدیہ کے طور پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے تھے۔ پھر حضور اکرمؐ نے اس گھوڑے کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، کو عطا فرما دیا۔ اور انہوں نے ایک غازی کو راہِ خدا میں اس پر سوار ہو کر جہاد کرنے کے لئے دیدیا۔ اس شخص نے اس گھوڑے کو انتہائی لاغر و نحیف کر دیا اور وہ اسے فروخت کرنے لگا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے چاہا کہ اس گھوڑے کو اس سے خرید لیں۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز خدا کی راہ میں صدقہ کر دی دوبارہ اسے لوٹانا نہیں چاہیئے۔

حضور اکرمؐ کا چھٹا گھوڑا ضریس بضاد معجمہ ہے۔ ضریس اس کنوئیں کو کہتے ہیں جسے پتھر کے ساتھ چوڑا کیا گیا ہو۔ اس گھوڑے کو ضریس، اس کی مضبوطی کی بنا پر کہتے ہیں، جیسا کہ

روضتہ الاحباب میں ہے۔ قاموس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرس اس پتھر کو کہتے ہیں جس سے کنویں کی چوڑائی کی گئی ہو۔ یہ اس گھوڑے کا نام ہے جسے حضور اکرم ؐ نے فزاری سے خرید فرمایا تھا۔ اور اس کا نام بدل کر سکب رکھا تھا۔ مخفی نہ رہے کہ اگر یہ بات ایسی ہے تو اس کا ذکر سکب کے ساتھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

حضور اکرم ؐ کا ساتواں گھوڑا ظرب بفتح ظاء معجمہ وکسرِ راء ہے۔ اسے فروہ بن عمرو حذامی نے ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ قاموس میں ہے ظرب ککتف، الخیل المنبط اوا لصغیر وفرس النبی صلے اللہ علیہ وسلم روضتہ الاحباب کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ:۔ ظَرِبٌ حَوَافِرُ الدَّابَّۃِ اَیْ اِشْتَدَّتْ وَصُلِّبَتْ اور اس گھوڑے کو صلابتی وشدت کی وجہ سے ظرب کہتے تھے۔

حضور اکرم ؐ کا آٹھواں گھوڑا ملاوح بضم میم وکسر واد ہے۔ یہ گھوڑا پہلے ابو بردہؓ کی ملکیت میں تھا۔ روضتہ الاحباب کے حاشیہ میں ہے کہ ملواح اور ملاوح اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی کمر پتلی ہو اور فربہ نہ ہو۔

حضور اکرم ؐ کا نواں گھوڑا سبحہ ہے جو سباحت بمعنی پیرنے سے ماخوذ ہے۔ اَلسَّوَابِحُ اَلْخَیْلُ یُسَبِّحُھَا بِیَدَیْھَا فِیْ سَیْرِھَا۔ مواہب میں ہے:۔ فَرَسٌ سَابِحٌ اِذَا کَانَ حَسَنَ اَحْدِ الْیَدَیْنِ فِی الْجَرْیِ ابن المتین نے کہا کہ یہ گھوڑا اشقر ہے جسے ایک اعرابی سے دس اونٹ کے عوض میں خرید فرمایا تھا۔

حضور اکرم ؐ کا دسواں گھوڑا بحر ہے۔ یُقَالُ فَرَسٌ بَحْرٌ اَیْ وَاسِعُ الْجَرْیِ قاموس میں ہے "البحر الجواد" اس گھوڑے کو ان تاجروں سے خریدا تھا جو یمن سے آئے ہوئے تھے۔ اس گھوڑے پر تین مرتبہ مسابقت فرمائی اور تینوں مرتبہ یہ سابق یعنی آگے رہا۔ اس پر حضور اکرم ؐ نے اپنا دست مبارک اس کی پیشانی پر پھیر کر فرمایا:۔ مَا اَنْتَ اِلَّا بَحْرٌ فَسُمِّیَتْ بَحْرًا وَکَانَتْ بَیْضَاءَ۔ رواہ البخاری تو دریا ہے میں نے تیرا نام بحر رکھا وہ گھوڑا اسفید تھا ابن اثیر نے کہا وہ کمیت تھا۔

یہ حضور اکرم ؐ کے دس گھوڑے ہیں جو کہ اکثر کتب سیر میں مسطور ہیں۔ بعض نے اور نام بھی بیان کئے ہیں جیسے ابلق، ذوالعقال، ذوالملمہ، مرتجل، ترادح، سرحان، یعسوب، یخیب ادہم، سجاد، سجل، طرف اور مندوب وغیرہ۔

مخفی نہ رہنا چاہیئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں کو اہل سیر نے بکثرت بیان

کیا ہے لیکن یہ ظاہر نہیں کیا وہ کس جنس کے تھے۔ اس لئے کہ گھوڑوں کی بیشمار جنسیں ہیں مثلاً عراقی گھوڑے، ترکی گھوڑے وغیرہ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عربی گھوڑے ہوں گے جیسا کہ ان شہروں میں متعارف ہے (واللہ اعلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ازواج مطہرات کے بعد گھوڑا سب سے زیادہ محبوب تھا۔ اور یہی وہ تیسری بات ہے جو حدیث مبارک "حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ اُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ ثَلٰثٌ" میں ہے اور وہ تیسری بات متروک ہو گئی ہے۔ حضور اکرمؐ کے نزدیک گھوڑوں میں اشقر ارثم اقرح محجل مطلق الیمین بہت محبوب تھا۔ اشقر، محجل اور مطلق الیمین کے معنی تو معلوم ہو گئے ارثم ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی ناک اور نچلے ہونٹ سفید ہوں اور اقرح وہ گھوڑا جس کی پیشانی غرہ سے کمتر سفید ہو۔ گھوڑے کی فضیلت میں اخبار و احادیث بکثرت وارد ہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم گھوڑے کی پیشانی کے بال کو بل دیتے اور فرماتے: اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِیْ نَوَاصِیْهَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَلْاَجْرُ وَالْغَنِیْمَةُ۔ گھوڑا اپنی پیشانی میں قیامت تک خیر کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور اجر غنیمت کے ساتھ وابستہ ہے؛ ناصیہ سے پیشانی پر لٹکتے ہوئے بال مراد ہیں۔ خاص طور سے ناصیہ کا ذکر فرمانا اس زیب و زینت کی بنا پر ہے جو اس میں ہے یا گھوڑے کے پورے جسم کی جانب اشارہ ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کی پیشانی مبارک ہے اور وہ برکت والی ذات ہے۔ گھوڑے کی فضیلت و شرف میں حق تعالیٰ کا قسم یاد فرمانا کافی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے "وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا الیٰ اٰخر السورۃ" اس سے مراد خیل غزاۃ ہے۔ اور حدیث میں گھوڑے کو ذلیل و خوار کرنے اور اس پر بوجھ لادنے اور لسے اس کام میں استعمال کرنے کی ممانعت واقع ہوئی ہے۔ حیوٰۃ الحیوان میں حاکم نیشاپوری نے جو کہ عظام محدثین سے ہیں حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہا کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حق تبارک و تعالیٰ نے گھوڑے کو پیدا فرمانا چاہا تو جنوبی ہوا سے فرمایا میں تجھ سے ایسی مخلوق پیدا کروں گا جس سے اپنے دوستوں کی عزت، اعدائے دین کی مذلت اور اپنے اہل طاعت کی عزت و عظمت بناؤں گا اس پر باد جنوبی نے عرض کیا یا رب ہم میں سے ایسی مخلوق پیدا فرما۔ تو حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے اس سے ایک مٹھی لی اور اس سے گھوڑا پیدا فرمایا۔ ایک روایت

میں آیا ہے کہ کمیت گھوڑے کو پیدا فرمایا۔ اور اس سے خطاب فرمایا کہ میں نے تجھے پیدا کیا اور تیری پیشانی میں خیر رکھی۔ جو تیری پشت پر سوار ہو کر غنایم حاصل کریں گے۔ اور میں نے تجھے ایسا پیدا کیا ہے کہ بغیر پروں کے تو طرارے بھرے:۔ فَاَنْتَ الْمُطْلَقُ وَاَنْتَ الْمُتَبَرِّتُ۔ اور میں نے تیری پشت کو ان جوانمردوں کے لئے بنایا ہے جو تسبیح و تحمید اور تہلیل و تکبیر کہیں گے۔

جب فرشتوں نے سنا کہ گھوڑے کو پیدا فرمایا ہے تو انہوں نے مناجات کی اے رب ہم بھی تیرے بندے ہیں اور تیری تسبیح و تحمید اور تہلیل و تکبیر کرتے ہیں ہمارے لئے تو نے کیا پیدا کیا ہے؟ اس پر حق تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں ایسے گھوڑے پیدا فرمائے جن کی گردنیں بختی اونٹوں کی گردنوں کی مانند ہیں تاکہ حق تعالیٰ کے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی جس کو خدا چاہے مدد کریں۔

جب گھوڑوں کے پاؤں اور اعضاء درست ہوئے تو خطاب ہوا کہ اپنی ہنہناہٹ سے مشرکوں کے دلوں کو ڈرا اور ان سب کے کانوں میں اپنی آواز پہنچا کر ان کی گردنوں کو ذلیل و خوار کر۔ جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کے سامنے تمام مخلوق لائی گئی حق تعالیٰ نے فرمایا میری مخلوق میں سے جس کو چاہے اور جو اچھا معلوم ہو اپنے لئے پسند کرلو۔ تو انہوں نے گھوڑے کو پسند کیا۔ اس پر فرمایا گیا تم نے اپنی عزت اور اپنے اولاد کی عزت کو ابد الآباد تک اختیار کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا جنوبی ہوا سے ایک مٹھی لو۔ تو انہوں نے ایک مٹھی لی اس کے بعد اس سے کمیت گھوڑا پیدا فرمایا۔ (آخر حدیث تک) جبریل علیہ السلام کو بادِ جنوبی سے ایک مٹھی لینے کے لئے خاص کرنے اور حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق عزرائیل علیہ السلام کو مشت خاک لانے کے لئے خاص کرنے میں گویا حکمت یہ ہے کہ تخلیق آدم کے لئے مشت خاک لانے کے لئے عزرائیل علیہ السلام کو حکم اس لئے دیا کہ خاک کی خاصیت بخل ہے لہٰذا عزرائیل جن کی سرشت میں قہر و جبر ہے وہ اس سے لیں اور ہوا میں بہ نسبت اس کے سخاوت ہے جیسا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صفت میں مروی ہے کہ "کَانَ فِیْ رَمَضَانَ کَالرِّیْحِ الْمُرْسَلَۃِ" رمضان المبارک میں آپ کی خو بو بادِ نسیم کی مانند ہو جاتی تھی۔ اس لئے اس جگہ جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا تاکہ رفق نرمی سے لیں۔ جبریل

علیہ السلام کو گھوڑے کے ساتھ ایک نسبت وتعلق ہے کیونکہ انہوں نے حضور اکرمؐ کے ہمراہ جہاد کئے ہیں اور جبریل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام حیزوم ہے۔ (واللہ اعلم) نیز صاحب حیوٰۃ الحیوان فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جو گھوڑے پر سوار ہوئے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور اسی سبب سے اس کا نام اعراب رکھا گیا۔ اس سے پہلے وہ بھی تمام جانوروں کی مانند وحشی جانور تھا۔ جب حق تبارک وتعالیٰ کا حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو بنیاد کعبہ بلند کرنے کا حکم ہوا۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا میں تم کو ایک خزانہ دوں گا جو میں نے تمہارے لئے محفوظ کر رکھا ہے اس کے بعد حضرت اسمٰعیل کو وحی فرمائی کہ باہر نکلو اور اس خزانہ کو تلاش کرو۔

پھر حق تعالیٰ نے ان کو دعا الہام فرمائی تو اراضی عرب کی سرزمین میں کوئی ایسا نہ تھا جو ان کی پکار پر حاضر نہ ہوتا۔ پھر حق تعالیٰ نے گھوڑوں کی پیشانیوں پر قادر بنایا اور ان کو ان کے لئے مسخر و گرویدہ کر دیا۔ اسی لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اِرْکَبُوا الْخَیْلَ فَاِنَّھَا مِیْرَاثُ اَبِیْکُمْ اِسْمٰعِیْلُ (رواہ النسائی) یعنی گھوڑوں کی سواری کرو کیوں کہ یہ تمہارے باپ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی میراث ہے۔

## بغل یعنی خچر

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خچر متعدد تھے ایک کا نام دلدل تھا یہ خچر شہبا رنگ کا تھا۔ شیہ سفیدی وسیاہی ممزوج کو کہتے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے اسے مقوقس نے حضرت ماریہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔

حضور اکرمؐ کے بعد حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اس پر سواری کرتے رہے ان کے بعد امام حسن مجتبیٰ رضؓ کو ملا جیسا کہ پہلے سلاطین وامراء کے نام خطوط بھیجنے کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب دلدل بارگاہِ نبوت میں لایا گیا تو حضور اکرمؐ نے مجھے حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجا کہ کچھ مقدار میں اون اور چھال لاؤں۔ حضور اکرمؐ نے اس اون سے اس کے رسی بٹی۔ اور باگ ڈور تیار کی۔ پھر کاشانۂ اقدس میں تشریف لے جا کر ایک کملی لائے اور اس کی چار تہہ کرکے اس خچر کی پشت پر ڈال دیا۔ پھر بسم اللہ کہہ کر سوار ہوئے اور مجھے اپنا ردیف بنایا۔ یہ پہلا خچر تھا جو عہد اسلام میں سواری کے کام میں لائے۔ صاحب حیوٰۃ الحیوان فرماتے ہیں کہ محدثین کا اجماع ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ خچر نہ

نرتھا نہ مادہ (واللہ اعلم)

طبرانی نے معجم اوسط میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ جب مسلمان حنین کے دن منہزم و متزلزل ہوئے تو حضور اکرمؐ اپنے بغلہ شہبا پر جسے حضور اکرمؐ دلدل فرماتے تھے سوار تھے حضور اکرمؐ نے اس سے فرمایا اے دلدل زمین کے قریب ہو تو دلدل نے سینہ زمین پر لگا دیا یہاں تک کہ حضور اکرمؐ نے ایک مٹھی خاک زمین سے لی اور دشمنوں کے چہروں پر چھڑکی۔ اور فرمایا "ہُم لَا یُنْصَرُوْنَ" وہ مغلوب ہوں گے۔ اسی دم وہ ہزیمت کھا گئے۔ جیسا کہ گزرا۔

ایک اور خچر تھا جسے فضہ کہتے تھے۔ اسے فروہ بن عمرو جذامی نے حضور اکرمؐ کے لئے ہدیہ میں بھیجا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ دلدل اور فضہ ایک ہی ہے۔ یہ بات اس قول کے زیادہ موافق ہے جو بعض لوگ کہتے ہیں کہ دلدل سفید تھا شہبا رنہ تھا۔ اس خچر کو حضور اکرمؐ نے حضرت صدیق اکبرؓ کو عطا فرمایا۔

ایک خچر اور تھا جسے ابن العلاء صاحب ایلہ نے بھیجا تھا اور اس خچر کو ایلیہ کہتے تھے۔ ایک اور خچر دومۃ الجندل سے آیا تھا۔ ایک اور خچر نجاشی شاہ حبشہ کے پاس سے آیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک اور خچر بھی تھا جسے کسریٰ نے بھیجا تھا یہ قول بعید از قیاس ہے اس لئے کہ اس بدبخت نے تو فرمان مصطفوی کو پارہ پارہ کر کے گستاخی و بے ادبی کی تھی ہدیہ بھیجنا بعید ہے۔ جاننا چاہئے کہ خچر، گدھے اور گھوڑے کا مرکب ہے اس بنا پر اس کے اعضاء میں گدھے کے اعضاء کی سختی اور گھوڑے کے اعضا کی طوالت ظاہر ہے۔ اسی طرح اس کی ہنہناہٹ بھی جسے شحیح (بشین دیا اور دو جیم کے ساتھ) کہتے ہیں مرکب ہے گھوڑے کی ہنہناہٹ اور گدھے کی نہق دونوں موجود ہیں۔ خچر عقیم ہوتا ہے اس سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ مشہور یہ ہے کہ خچر کی پیدائش گھوڑی پر گدھے کی جفتی سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خچر پیش کیا گیا۔ حضور اکرمؐ کو وہ بہت پسند آیا۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا ہم گھوڑوں پر گدھے کو چھوڑ دیں تاکہ اس سے خچر پیدا ہو۔ مگر حضور اکرمؐ اس پر راضی نہ ہوئے۔ فرمایا یہ کام وہ کرتے ہیں جو بے علم ہوتے ہیں۔ اس ممانعت کی علت وغرض میں علماء فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے کسی جانور کو غیر جنس پر چھوڑنے کو مکروہ جانا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ موجب تقلیل نوع فرس ہوگا۔ اور گھوڑے کے منافع میں تعطل

واقع ہوگا۔ کیوں کہ اس سے دار و مدار، سواری، رکض، طلب، حرب، عزت اور حصولِ غنایم ہیں۔ (واللہ اعلم)

حیٰوۃ الحیوان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ خچر کی پیدائش دونوں طریق سے ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر نر گدھا ہو تو گھوڑے سے خچر سخت تر ہوتا ہے اور اگر نر گھوڑا ہو تو گدھی سے خچر مشابہ گدھے کے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے اس کا ہر عضو جو بھی ہو فرس و حمار کے بین بین ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کے خارجی صفات کا حال ہے کہ نہ گھوڑے جیسی ذکاوت ہے اور نہ گدھے جیسی حماقت۔ اس کے باوجود اس کی تعریف میں ہے جس راہ سے ایک مرتبہ گذرا ہے اسے وہ یاد رکھتا ہے۔ وہ سواری کا بادشاہ ہے۔ بوجھ اٹھانے اور دور دراز سفر طے کرنے میں فائق ہے۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ فرماتے ہیں پہلے خچر سے تناسل و توالد ہوتا تھا چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے لکڑیاں لانے اور تیز رفتار سواری میں یہ مضبوط سواری ثابت ہوئی تو اس کے لئے حق تعالیٰ سے دعا کی حق تعالیٰ نے اس کی نسل کو منقطع کر دیا۔ نیز حیٰوۃ الحیوان میں اسمٰعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم سے عجیب بات منقول ہے انہوں نے کہا کہ ہماری بستی میں ایک چکی والا رافضی تھا اس کے دو خچر تھے ایک کا نام اس نے ابوبکرؓ رکھا تھا اور دوسرے کا نام اس نے عمرؓ رکھا تھا اور وہ ان دونوں کی بہت زیادہ اہانت و تذلیل کرتا تھا۔ تو ایک روز ان دونوں خچروں میں سے کسی نے اس چکی والے پر حملہ کیا اور اسے ہلاک کر دیا۔ جب اس کی خبر میرے دادا حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ملی اور ساری کیفیت معلوم ہوئی تو فرمایا جا کے جستجو کرو کہ ان دونوں میں سے کس خچر نے اسے واصل جہنم کیا ہے۔ میرا گمان ہے کہ اس خچر نے اسے ہلاک کیا ہے جس کا نام اس نے عمرؓ رکھا تھا چنانچہ جب تحقیق کی گئی تو ویسا ہی معاملہ تھا جیسا کہ حضرت امام نے خبر دی تھی۔

## دراز گوش

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین دراز گوش یعنی حمار تھے ایک کا نام عفیر بروزن زبیر تھا اسے مقوقس نے بھیجا تھا دوسرے کا نام فروہ جذامی نے بھیجا تھا۔ کہتے ہیں کہ عفیر اور یعفور ایک ہی دراز گوش ہے۔ عفرۃ مٹیلے رنگ کو کہتے ہیں اور اعضر از طبا اسے کہتے ہیں جس کی سرخی پر سفیدی غالب ہو۔ تیسرا دراز گوش وہ جسے

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ لائے تھے۔

حیوٰۃ الحیوان میں منقول ہے کہ لوگوں کے اقوال اس جانور یعنی حمار کی مدح وذم میں گئی ہیں۔ محبت، اغراض اور مصالح کے لحاظ سے یہ مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ بعض اسلاف سے منقول ہے کہ بعض لوگ چھوٹے گدھے کی سواری کو براذین کی سواری پر ترجیح دیتے ہیں براذین ترکی نسل کے گھوڑوں کا نام ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بوجھ اٹھاتا اور منزل پہ پہنچا دیتا ہے۔ یہ بیمار کم ہوتا ہے اور چارہ ہلکا ہے۔ اس میں مؤونت کم ہے اور معونت زیادہ اس کا نیچے اترنا آسان ہے اور اوپر چڑھنا تیز ہے۔ غرضیکہ گھوڑے، خچر اور اونٹ کے بعد لوگوں کے لئے اس کی سواری کی فضیلت وبزرگی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس پر سواری کی ہے اور بعض حدیثوں کے سیاق کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تواضع اور ترک تفاخر اس سے ملحوظ و منظور تھا۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دراز گوش پر سواری کرتے، پشمینہ کا لباس پہنتے اور بکری کا دودھ دوہتے تھے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک دراز گوش تھا جسے حضور اکرمؐ کے لئے مقوقس نے بھیجا تھا اس کا نام عُفَیر تھا۔ قاضی عیاضؒ نے غین کے ساتھ لکھا ہے۔ مگر شارحین حدیث، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی اس میں غلطی وخطا پر متفق ہیں، اور کہا کہ جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دراز گوش پایا جو سیاہ رنگ کا تھا اس نے حضور اکرمؐ سے کلام کیا۔ حضور اکرمؐ نے اس سے اس کا نام پوچھا اس نے کہا میرا نام یزید بن شہاب ہے اللہ تعالیٰ نے میری جد کی نسل سے ساٹھ حمار پیدا کئے ہیں ان پر بجز انبیاء کرام کے کوئی سوار نہ ہوا۔ اور میں امید رکھتا ہوں کہ حضور اکرمؐ مجھ پر سواری فرمائیں گے، میرے جد کی نسل میں بجز میرے کوئی حمار باقی نہیں رہا ہے اور انبیا میں سے بجز حضور اکرمؐ کے کوئی باقی نہیں۔ اور میں حضور اکرمؐ سے پہلے ایک یہودی کے قبضہ میں تھا۔ میں دانستہ طور پر سواری میں ٹھکرا کر گرا دیتا تھا وہ میرے پیٹ پر الم واذیت پہنچاتا اور میری کمر پر کوڑے برساتا تھا اس پر حضور اکرمؐ نے اس سے فرمایا تو یعفور ہے یعنی تیرا نام یعفور ہے۔ کیا تو مادہ کی خواہش رکھتا ہے اس نے کہا مجھے کوئی خواہش نہیں ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی ضرورت کے وقت اس پر سواری کرتے تھے۔ اور

جب حضور اکرمؐ اتر آتے تو اسے کسی شخص کے دروازہ پر بھیجتے تاکہ وہ اسے بلا لائے۔ تو وہ اپنے سر سے دروازہ کو کوٹتا جب مالک مکان باہر نکل کر اس کے پاس آتا تو یعفور اس سے اشارہ کرتا جس سے وہ شخص جان لیتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے بلانے کے لئے بھیجا ہے۔ پھر وہ شخص حضور اکرمؐ کی بارگاہ میں آتا۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو یعفور ایک کنوئیں پر آیا اور خود کو اس کنوئیں میں گرا کر ہلاک کر لیا۔ یہ ہلاکت فراق میں بے صبری و ناطاقتی کی بنا پر ہے۔ اس کے بعد وہی کنواں اس کی قبر بنا۔ جیسا کہ باب وفات میں گزر چکا ہے۔

بعض ارباب علم حدیث، اس حدیث کی صحت میں کلام کرتے ہیں۔ سہیلی نے اس حدیث کو کتاب "التعریف والاعلام" میں بیان کیا ہے۔ درحقیقت یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے جو اس چوپایہ میں ظاہر ہوا۔

رسالۂ قشیری میں "باب کرامات الاولیاء" میں کہا گیا ہے کہ میں نے ابو حاتم سجستانی سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو نصر سراج سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے حسین بن احمد رازی سے سنا وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سلیمان خواص سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں ایک دن گدھے پر سوار تھا مکھیاں اسے پریشان کر رہی تھیں اور وہ بار بار اپنے سر کو دھنتا تھا اور میں اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اسے مارتا تھا۔ اس پر اس نے سر اٹھا کر کہا تم بھی اپنے سر پر مارو تمہیں بھی مارا جائے گا۔ مطلب یہ کہ میری اس مار کے بدلے تم پر مار ہوگی۔

صاحب حیوٰۃ الحیوان نے ایک عجیب خبر حضرت جابر بن عبد اللہ سے نقل کی ہے ایک شخص کسی صومعہ میں عبادت کیا کرتا تھا جب بارش ہوئی اور زمین میں گھاس اگی تو باہر نکلا اس نے ایک گدھا دیکھا جو سبزہ چر رہا تھا۔ اس نے کہا اے میرے رب! اگر تیرا کوئی گدھا ہو تو میں اسے اپنے ساتھ چراؤں اور گدھے کی خدمت بجا لاؤں۔ جب یہ بات اس زمانہ کے نبی کے کان میں پہنچی تو منع کیا اور اس پر دعائے بد فرمائی۔ اس پر ان پر وحی نازل ہوئی کہ میں اپنے بندوں کو ان کی عقلوں اور ان کی صدق توجہ کے مطابق جزا دیتا ہوں، ان احادیث کو ابو نعیم نے حلیہ میں زید بن اسلم کی روایت سے نقل کیا اور یہ حکایت ...... اس حکایت کے موافق ہے جو مولانائے روم نے مثنوی شریف میں لکھی ہے فرمایا ؎

دید موسیٰ یک شبانے را براہ     گو ہمی نالید و می گفت اے الٰہ

الابیات

اس بات کی حقیقت ازروئے علم یہ ہے کہ وہ شخص جاہل تھا۔ اور بعض ایسے صفات بولتا تھا جو صفات تنزیہہ وتقدیس سے متعلق تھے۔ اور کہتے ہیں کہ اصل ایمان کے حصول میں بالفعل یہ علم شرط نہیں ہے جس طرح کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی باندی سے پوچھا۔

"این اللہ" خدا کہاں ہے اس نے کہا وہ آسمان میں ہے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے اس کے مسلمان ہونے کا حکم فرمایا اس لئے کہ اس نے زمین کے باطل معبودوں کی نفی وبرآت کا اظہار کیا۔ اور یہ ایسا شخص تھا جسے اپنے اعتقاد کے بموجب حق تعالیٰ کے ساتھ انتہائی محبت وعشق اور صدق واخلاص حاصل تھا۔ اور اسی جذبہ کی حالت میں اس شخص سے یہ کلمات صادر ہوئے اور اسے معذور رکھا گیا اور یہ نسبت مقبول ہوگئی کہ "کلام المجانین یطوی ولا یروی" دیوانوں کی باتیں حال ہوتی ہیں بیان نہیں کی جاتیں۔

**اونٹ**

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اونٹ پندرہ سے زیادہ تھے ان میں سے ایک اونٹ کا نام قصوا (بفتح قاف وسکون صاد) تھا۔ قصواء اونٹ کے کان کے گوشہ کو چیرنے کو کہتے ہیں۔ ایسے نر اونٹ کو "مقصو" کہتے ہیں۔ اور مادہ کو قصوا اور شاۃ قصوی کہتے ہیں۔ اور جمل کو قصا نہیں کہتے بلکہ مقصوا اور مقصی کہتے ہیں۔ اس میں ترک کیا گیا ہے (کذا فی الصحاح) لیکن قاموس میں کہا گیا ہے کہ ناقہ کو قصوا او مقصو کہتے ہیں۔ اور جمل کو اقصی ومقصو کہتے ہیں جس طرح کہ "امراۃ حسناء" کہتے اور "رجل احسن" نہیں کہتے ہیں۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ناقہ یعنی اونٹنی مقطوع الاذن نہ تھی۔ بلکہ پیدائشی کان ہی ایسے تھے۔ کہ ایک جانب کان کٹا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ حضور اکرمؐ کے اس ناقہ کو ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا۔ جیسا کہ ہجرت کے باب میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اسی ناقہ پر سوار ہو کر آپ نے ہجرت فرمائی تھی اور وہ خدا کی جانب سے ..... مامور تھی کہ جہاں لے جائے اور جہاں وہ بیٹھے۔

حدیبیہ میں بھی اسی ناقہ پر سوار تھے۔ سفر وحضر میں اسی پر سواری فرماتے اور اس ناقہ کی سواری کے وقت وحی بھی نازل ہوتی تھی۔

اہل سیر بیان کرتے ہیں اس قصوا اونٹنی کے سوا کوئی اور ناقہ حضور اکرمؐ کی وحی کے

نزول کا بوجھ برداشت نہ کرسکتا تھا حضور اکرمؐ کے اونٹوں کے ناموں میں عضبا اور جذعا بھی آیا ہے۔ اور عصب بھی بمعنی اونٹ کے کان چیرنے کے آیا ہے اور کبش کا سینگ ٹوٹنے کے آیا ہے۔ جذعا کے بھی یہی معنیٰ ہیں۔ اور ہاتھ، ناک، کان اور ہونٹ چیرنے کے معنیٰ میں آتا ہے بعض ارباب سیر کہتے ہیں کہ یہ دونوں نام اسی ناقہ کے تھے۔ جس کو قصواء کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں قصواء کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں قصواء عقبیٰ اور جدعا کے معنیٰ کچھ نہ تھا بلکہ اس کے مکان میں ایسی چیز تھی جو اس کے مشابہ تھی جیساکہ ابھی بیان کیا گیا۔

ان ناموں میں صربا (صاد وسکون را) اور صلما (صاد ولام کے ساتھ) بھی آیا ہے اور مخضرمہ (بضم میم وفتح حاوسکون ضاد) بھی آیا ہے۔ ان سب کے معنیٰ قطع وبریدہ کے ہیں۔ اور ناقۂ مصرمہ کے معنیٰ سر پستان بریدہ کے ہیں اور صلم جڑ سے کان اکھڑنے کو کہتے ہیں اور مخضرمہ اس ناقہ کو کہتے ہیں جس کے کان کا کونہ کٹا ہوا ہو۔ ان ناموں کے بارے میں بھی اہل سیر کہتے ہیں کہ یہ قصوا کے ہی نام تھے۔

مروی ہے کہ عضبا حضور اکرمؐ کی ایک اونٹنی تھی۔ کوئی اونٹنی اس سے سبقت نہیں لیگئی تھی۔ اچانک ایک اعرابی شتر جوانہ پر سوار بوجھ لادے آیا اور وہ عضباء پر سبقت لے گیا۔ یہ بات صحابہ پر شاق گزری۔ اس پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ پر حق ہے کہ کسی دنیاوی چیز کو بلند نہ کرے مگر یہ کہ اسے پست کرے۔

ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جو غزوۂ بدر میں مال غنیمت میں قبضہ میں آیا تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا چھلا تھا۔ حضور اکرمؐ نے اس اونٹ کو حدیبیہ بھی مشرکوں کو غصہ دلانے کے لئے ہدی میں بھیجا۔ اور حضور اکرمؐ کے بیس ۲۰ اونٹ دودھ والے تھے جو مدینہ طیبہ کے نواح میں مقام غابہ میں چرائے جاتے تھے۔ اور ہر رات دو ۲ مشکیزے دودھ لایا جاتا جو حضور اکرمؐ کے اہل وعیال کے خرچ میں آتا تھا۔ حضور اکرمؐ کے کل اونٹ دودھ والے پینتالیس ۴۵ تھے جن کو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ ان کے نام سیر کی کتابوں میں مسطور ہیں۔

**گوسفند** حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سات بکریاں دودھ والی تھیں جنکو ام ایمنؓ چراتی تھیں اور جب گھر میں حضور اکرمؐ شب باشی فرماتے وہاں ان کا دودھ لیکر آتیں۔ ان کا نام بھی مذکور ہیں (واللہ اعلم)

**مِجن**

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مجن تھی (بکسر میم وسکون حا وفتح جیم) اس کے معنی چوگان یعنی آکڑے کے ہیں۔ مقولہ" حجن یعنی جذب وعطف و وصد وصرف حجن فلانا صرفہ وجذبہ بالمجن"۔ مجن بروزن منبر ایک چوبی لکڑی ہوتی ہے جس کا سرا ٹیڑھا ہوتا ہے اور ٹیڑھی چیز کو مجن کہتے ہیں۔ حضور اکرمؐ کا یہ محجن ایک گز یا کچھ زیادہ لمبا تھا

حضور اکرمؐ اس کو ساتھ لے کر چلتے تھے اور اس کے سہارے سواری پر چڑھتے تھے۔ اور اس کو دونوں دست مبارک کے سامنے اونٹ پر لٹکا دیتے تھے۔ مروی ہے کہ حضور اکرمؐ اسے اکثر اپنے دست مبارک میں رکھا کرتے تھے (کذا قیل)۔

**مخصرہ**

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک مخصرہ تھا جسے عرجون کہتے تھے۔ مخصرہ بکسر میم وسکون خا معجمہ وفتح صاد مہملہ خصر سے ماخوذ ہے آدمی کا درمیانہ حصہ جسے تہی گاہ کہتے ہیں۔ اختصار کے معنی تہی گاہ پر ہاتھ رکھنے اور اس سے ٹیک لگانے کو کہتے ہیں۔ مخصرہ اسے کہتے ہیں جس سے آدمی ٹیک لگائے تو اس کی عصا و مکارہ ومقرعہ وقصب کی مانند حفاظت کرتے تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے کہ آپ کے ساتھ آپ کا مخصرہ تھا۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ مخصرہ بادشاہوں کے شعار میں سے تھا۔

**عصائے مبارک**

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم عصا شریف رکھتے اور اس پر ٹیک لگاتے تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے عصا پر ٹیک لگانا انبیاء علیہم السلام کے اخلاق میں سے ہے۔ اور عرجون کھجور کی وہ شاخ ہے جو خشک ہو کر ٹیڑھی ہو جائے گویا مراد شریف یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کے مخصرہ کو عرجون سے تشبیہ دی گئی ہے یا شاخ خرما ہی مخصرہ تھی (واللہ اعلم) اور قضیب شوخط کی لکڑی کا تھا جسے ممشوق کہتے ہیں۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ قضیب درخت کی شاخ کو کہتے ہیں۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا یہ نام تھا کبھی درخت کی شاخ بھی اپنے دست مبارک میں رکھتے تھے اور اس درخت کا نام شوخط تھا۔ قاموس میں ہے:۔ اَلشُّوخَطُ شَجَرٌ يُتَّخَذُ مِنْهُ الْقِسِيُّ اَوْ ضَرْبٌ مِنَ النَّبْعِ۔ جیسا کہ گزرا— اور قضیب ممشوق طویل اور باریک کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے۔

**قدح مبارک**

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ تھا جس کو ریان کہتے تھے۔ ریان، رے سے ہے اس کے معنیٰ سیرابی کے ہیں۔ چونکہ قدح یعنی پیالہ میں پانی، دودھ، اور شربت وغیرہ پیا جاتا ہے۔ اس لئے ریان نام رکھنا مناسب ہے۔ ایک اور پیالہ تھا جس کو مغیث کہتے تھے۔ ظاہر ہے یہ غیث سے مشتق ہے جس کے معنےٰ بارش کے ہیں۔ ایک اور پیالہ مضبب تھا جس میں تین جگہ چاندی کی کیلیں نصب تھیں اور اس پیالہ میں ایک حلقہ تھا جس سے اسے لٹکاتے تھے۔ ایک اور پیالہ عیدان کا تھا۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک پیالہ عیدان کا تھا جسے حضور اکرمؐ کے سرہانے رکھا جاتا تھا اور اس میں بول شریف کرتے تھے۔ لفظ عیدان دو طرح پر ہے بکسر عین کو صحیح بتایا گیا ہے اور یہ جمع عود بمعنی لکڑی کی ہے۔ اور جمع باعتبار اجزاء کے ہے دوسرا بفتح عین ہے۔ یہ ایک درخت کا نام ہے۔ مجمع البحار میں ہے کہ عیدان بکسر عین مہملہ عیدانہ کی جمع ہے۔ جو ایک طویل درخت ہے اوپر سے نیچے تک اس میں پتے نہیں ہوتے اور ایک پیالہ زجاج (شیشہ) کا تھا جسے کسی بادشاہ نے ہدیہ میں بھیجا تھا۔ اور ایک تورے (بفتح تا وسکون داد) یعنی ایک طغار تھی جو پتھر کی تھی اسے مخضب کہتے تھے۔ مخضب بکسر میم وسکون خا وفتح ضاد معجمہ۔

احادیث میں اس کا تذکرہ بہت ہے۔ اور ایک مِرکن (بکسر میم وسکون را) تھا اس کے معنیٰ بھی طغار کے ہیں۔ اور ایک طغار پیتل کی تھی اور ایک مفتل تھا اسے صادرہ کہتے تھے وہ ایک چمڑہ کا برتن ہے جس سے غسل فرماتے تھے۔ اسے وارِدہ بھی کہتے ہیں۔ صادرہ وہ برتن جس سے پانی نکالا جائے اور واردہ وہ برتن ہے جس میں پانی بھرا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ مقصود ومعنی کے لحاظ سے صادرہ کہنا مناسب ہوگا۔ بہ نسبت واردہ کے۔

**گھریلو سامان**

ایک مدہن تھا جس میں تیل رکھا جاتا تھا۔ مدہن بضم میم ہے۔ ایک ربعہ اسکندریہ تھا جس میں آئینہ رکھتے تھے۔ اور حضور اکرمؐ کا آئینہ تھا جس میں حضور اکرمؐ اپنے جمالِ باکمال کا مشاہدہ فرماتے تھے۔ حق یہ ہے کہ آئینہ دیکھنا آپ ہی کو سزاوار ہے۔ اس لئے کہ آپ حق تعالیٰ کے مظہر جلال وجمال تھے۔

ربعہ آئینہ سے مراد، آئینہ دان ہے جس میں آئینہ رکھا جاتا تھا۔ قاموس میں ہے کہ ربعہ،

عطر دان اور مصحف کے صندوق کی مانند ہے۔ ربعہ کی صفت اسکندریہ سے کرنا اس بنا پر ہے کہ اسے مقوقس شاہِ اسکندریہ نے حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیم رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہدیہ میں بھیجا تھا۔ روضۃ الاحباب میں اسے طبلہ کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور کہا کہ اس طبلہ میں کنگھی، مسواک، قینچی، سرمہ دانی اور آئینہ تھا۔

بعض اہل سیر نے استرہ اور چقماق کا بھی ذکر کیا ہے۔ حضور اکرمؐ نے آئینہ کا نام مدلہ (بضم میم وفتح دال وکسر لام مشددہ) تدلیہ سے رکھا۔ تدلیہ کے معنی عشق میں عقل کا جاتے رہنا اور بیخود ہو جانا ہے۔ کہ خود آپ اپنے آپ پر عاشق ہو جاتے تھے یا دوسرے لوگ آئینہ میں آپ کے جلوۂ جمال کو دیکھ کر بیخود و فریفتہ ہو جاتے تھے۔ (تعالیٰ اللہ)

اور ایک مشط (بضم میم وسکون شین) یعنی کنگھی تھی۔ یہ کنگھی عاج کی تھی۔ واضح رہنا چاہیئے کہ حدیث مبارک میں ہے: كَانَ لَهُ مِشْطٌ مِّنْ عَاجٍ۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کنگھی عاج کی تھی۔ عام لوگوں کا خیال ہے کہ عاج سے مراد ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر ہے۔ کیوں کہ ہڈی میں موت سرایت نہیں کرتی بوجہ اس میں عدمِ حیات کے۔ اور اس حدیث سے ہاتھی دانت یا اس کی ہڈی کی تجارت کے جائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

علماء کہتے ہیں کہ بعض اسلاف اس سے کنگھی بناتے تھے۔ امام شافعی کے نزدیک نجس ہے۔ اور مراد عاج سے دریائی کچھوے کی پشت کی ہڈی ہے۔ یا مویشی کے کمر کی ہڈی ہے اس کو لیتے اور اس سے کنگن دھار اور کنگھی بناتے ہیں۔ اور اسے ذیل کہتے ہیں۔ ذیل بفتح ذال معجمہ و بار موحدہ ہے اور یہ جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لئے عاج کا قلبہ خرید فرمایا۔ تو اس سے مراد یہی ذیل ہے (واللہ اعلم)

ایک مکحلہ (بضم میم وسکون کاف وبضم حا) یعنی سرمہ دانی تھی جس سے روزانہ رات کو سونے سے پہلے دونوں آنکھ میں تین تین بار سرمہ لگاتے تھے ایک روایت میں ہے کہ پہلے دو مرتبہ داہنی آنکھ میں پھر تین مرتبہ بائیں آنکھ میں پھر ایک مرتبہ داہنی آنکھ میں سلائی پھیرتے تھے تاکہ داہنی آنکھ سے شروع ہو کر داہنی آنکھ پر ہی ختم ہو۔ لیکن صحیح و مشہور پہلا ہی طریقہ ہے۔

اور حضور اکرمؐ کا قصعہ (بفتح قاف وسکون صاد) تھا اس کا نام غراء تھا اس میں چار حلقے تھے۔ قصعہ بڑے برتن کو کہتے ہیں اور جفنہ (بفتح جیم وسکون نا) بھی کاسۂ بزرگ اور صحفہ بھی کاسۂ بزرگ کو کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ صحفہ وہ برتن ہے جس میں پانچ آدمی شکم سیر ہو سکیں۔ اور قصعہ وہ ہے جس میں دس آدمی شکم سیر ہو سکیں۔ تینوں لفظوں کی جمع بروزن فِعال (بکسر فا) آتی ہے یعنی قصاع، جفان اور صحاف۔ صحاح میں کسائی سے منقول ہے کہ برتنوں میں سب سے بڑا برتن جفنہ ہے پھر قصعہ ہے جو دس آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر صحفہ ہے جو سات آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے پھر ملیکہ ہے جو دو یا تین آدمیوں کو آسودہ کرتا ہے اور حضور اکرمؐ کا صاع اور مدّ تھا جس سے ناپ کے فطرہ نکالا کرتے تھے (کذا قیل) اور کھانا بھی ناپ کر پکایا جاتا ہو تو بعید نہیں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ طعام کو ناپ کر خرچ کرو۔ صاع اور مُد دو پیمانے ہیں ایک صاع چار مُد کا ہوتا ہے۔ اور مُد ایک رطل اور تہائی اہل حجاز کے نزدیک ہے اور دو رطل اہل عراق کے نزدیک ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک پلنگ تھا جس کے پٹی پائے رشاج کے تھے۔ اور اس پر بستر چمڑے کا تھا جس میں چھال بھرے ہوئے تھے اس کے اوپر پلاس یعنی ٹاٹ تھا جس کی دو تہہ کر کے رات کو اس پر تکیہ کرتے تھے۔

## انگشتری مبارک

حضور اکرمؐ کی انگشتری چاندی کی تھی جس میں چاندی کا ہی نگینہ تھا۔ مواہب میں ہے کہ ایک اور انگشتری لوہے کی تھی جس پر چاندی کا ملمع تھا۔ اور احادیث میں آیا ہے کہ لوہے کی انگشتری کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ گو ملمع شدہ یا تو بیان جواز کے لئے ہو گا یا ابتدائے حال کا ذکر کیا گیا ہو گا۔ (واللہ اعلم)

## موزے اور جُبہ

حضور اکرمؐ کے دو موزے سادہ تھے جس کو نجاشی نے ہدیہ میں بھیجا تھا اور حضور اکرمؐ نے انہیں سفروں میں پہنا تھا۔ اور حضور اکرمؐ کے تین جبے تھے جن کو حضور اکرمؐ جنگ میں زیب تن اقدس فرماتے تھے۔ ایک جبہ سبز سندس کا تھا اور دوسرا جبہ اطلس کا تھا اور تیسرا جبہ معلوم نہ ہوا کہ کس کپڑے کا تھا۔ جبہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جسے کاٹ کر سیا جاتا ہے اب اگر جیب والا ہو

تو قمیص کہتے ہیں اور اگر نہ ہو تو قبا کہتے ہیں اور جبہ سب کو شامل ہے۔ چادر اور عمامہ کو جبہ نہیں کہتے ہیں۔

طیالسہ جمع طیلسان گویا طیلسان ہیں بنایا اور بُنا جاتا ہے اور یہ عجمی کپڑوں میں سے ہے جو سیاہ اور گول ہوتا ہے اور تانا بانا پشم کا ہوتا ہے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضؓ سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ جبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے پاس تھا۔ جب حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رحلت ہوئی تو میں نے اس جبہ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے لے لیا اور میں اسے بیماروں کے لئے دھو کر اس کا پانی شفایابی کے لئے دیتی ہوں (رواہ مسلم)

## عمامہ مبارک

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عمامہ شریف تھا جسے سحاب فرماتے تھے۔ ایک اور سیاہ عمامہ شریف تھا۔ صاحب روضۃ الاحباب فرماتے ہیں کہ ارباب سیر نے نقل کیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب اس جہان سے کوچ فرمایا اس وقت روبرو، صبرہ، صحاری جامہ، عمانی تہبند، ایک سحولی قمیص، یمنی جبہ، قمیصہ، قطیفہ سفید چادر اور ایک لحاف تھا۔ جو ورس سے رنگا ہوا تھا۔ اور چند طاقیہ خورد آپ کے پاس باقی تھے۔

تشریح یہ ہے کہ برد بضم باء چادر ہے کذا فی الصراح اور حبرہ بکسر حاء وفتح باء یہ کپڑے کی ایک قسم ہے۔ صراح میں کہا گیا ہے کہ بردیمانی اور صحاری منسوب قریۂ صحار کی طرف ہے جو یمن میں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دو صحاری کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ اور کہتے ہیں کہ صحاری صحر سے ہے اور صحرۂ ہلکی سرخی غبرہ کی مانند ہے اور ثوب اصحر وصحاری بولا جاتا ہے۔ عمانی بضم عین وبتخفیف میم، یمن کا ایک شہر ہے "عمن بالمکان اذا اقام بہ" اور جو شام میں ہے وہ فتح عین اور تشدید میم کے ساتھ ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ غراب کے وزن پر عمان، یمن کا شہر ہے اور شداد کے وزن پر عمان، شام کا شہر ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ تین سحولی کپڑوں کا کفن دیا گیا۔ سحولی بفتح سین ہے یا بضم سین۔ فتح کے ساتھ سحول بمعنی قصار کی طرف منسوب ہے اس لئے کہ وہاں دھویا جاتا اور سفید کیا جاتا ہے یا منسوب قریۂ سحول کی طرف ہے جو یمن میں ہے اور ضمہ کے ساتھ

سحل بمعنی ثوب کی جمع ہے جو کہ سوتی صاف ستھرا اور سفید کپڑا ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ضمہ کے ساتھ قریہ کی طرف منسوب ہے اور خمیصہ ازفر مشہور گھاس کا بنا ہوا ہوتا ہے یا نقشین اون کا۔ بعض سیاہ کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ صراح میں ہے خمیصہ، چوکور سیاہ کمبل ہے۔ اس کے دو نام ہیں۔ اور قطیفہ ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اور کسار زیر اور مد کے ساتھ چادر سوتی کو کہتے ہیں اور ملحفہ بکسر میم وسکون لام وفتح حا) چادر کو کہتے ہیں۔ اور درس بفتح داد، ایک گھانس ہے اس سے کپڑے رنگتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑے نہ دینار۔ اور نہ بکریاں چھوڑیں اور نہ اونٹ۔ اور راوی کا کہنا ہے کہ میں غلام کے بارے میں شک کرتا ہوں اور یہ اس کے منافی نہیں ہے جو کہ مذکور ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے گھوڑے، اونٹ، خادم اور غلام تھے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے سب کو صرف فرمایا اور انہیں تقسیم کر دیا اور انہیں آزاد کر دیا۔ اور وہ املاک جو بنی نضیر اور فدک کے تھے وہ مسلمانوں پر وقف تھے جو ان کی ضروریات آپ کی اہل بیت کے حوائج اور ان کے نفقہ وغیرہ پر خرچ ہوتے تھے۔ مروی ہے کہ حضور اکرمؐ کے کچھ تبرکات حضرت عمر بن عبد العزیز کے پاس تھے اور وہ انہیں گھر میں خوب حفاظت سے رکھتے تھے۔ اور ہر روز ایک مرتبہ جاتے اور ان کی زیارت کرتے تھے اور کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی ذی عزت شخص اُن کے پاس آتا تو وہ ان کو اس مکان میں لیجاتے اور ان تبرکات کی زیارت کراتے تھے۔ اور فرماتے کہ "هٰذَا مِيرَاثُ مَنْ أَكْرَمَكُمُ اللّٰهُ وَأَعَزَّكُمْ بِهٖ"

اہل سیر کہتے ہیں کہ اس مکان میں ایک پلنگ ایک چمڑے کا گدا جو جھلڑ سے ملفوف تھا ایک جوڑہ موزے کا، قطیفہ، چکی اور ایک ترکش تھا جس میں چند تیر تھے۔ اور کہتے ہیں کہ اس قطیفہ میں حضور اکرمؐ کے سر مبارک کی طراوٹ کا اثر موجود تھا۔

ایک شخص بہت بیمار تھا اور اسے شفانہ ہوتی تھی۔ اس نے حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے عرض کیا تو انہوں نے اس قطیفہ کو تھوڑا سا دھویا اور اس کا پانی اس کی ناک میں ٹپکا دیا۔ وہ بیمار تندرست ہوگیا۔

## تکملہ

یہ تکملہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان صفات کے بیان میں جن کو اہل معرفت

نے اپنی زبان میں بیان کیا ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں توجہ کا طریقہ اور آپ سے استمداد و استعانت کرنے کے بیان میں ہے۔

واضح رہنا چاہیئے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے احوال و اوصاف شریف دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جو ثقہ راویوں کے ساتھ احادیث و اخبار میں منقول ہیں اور سیر کی کتابوں میں جو اخلاق و صفات مذکور و مسطور ہیں وہ آپ کی نبوت و رسالت اور تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے آپ کے افضل و اکمل ہونے میں بہت کافی و وافی ہیں دوسری قسم وہ ہے جو مکاشفانِ اسرار حقیقت اور مشاہدانِ انوار وحدت نے دیدۂ بصیرت سے پایا ہے اور ان کے اظہار و ابراز کی طرف گئے ہیں۔ چونکہ قسم اوّل بعونِ عنایتِ الٰہی، ابوابِ سابقہ میں مرتب ہو چکے ہیں اب قسم دوم کے ساتھ بھی اس کی تتمیم و تکمیل کرتا ہوں۔ بیدہٖ التوفیق۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حق تبارک و تعالیٰ کے اسماء ذاتیہ سے پیدا کئے گئے ہیں اور اولیاء کرام اسماء صفاتیہ کی مخلوق ہیں۔ بقیہ ساری کائنات، صفاتِ فعلیہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ سید المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور حق آپ میں بالذات ہے چونکہ صفات و اسماء میں ظہور و بروز کے اقتضاء سے بیشتر و ظاہر تر ہے حق تعالیٰ کی صفات سے ہر صفت میں خوب ظاہر ہوا ہے۔ اور جو کچھ جمال و جلال سے مخصوص تھا ظاہر ہوا۔ اور اسماء حسنیٰ میں سے ہر اسم نے جو اس کے معنوی کمال کے اقتضا میں سے تھا ظہور ہوا۔ اور کنہ ذات الٰہی تعالیٰ و تقدس جس طرح پر خفا میں حقیقت سرّیہ پر بطون میں تھی باقی رہی۔ پھر ان اسماء صفات کے حقائق مشہد معنوی میں مجتمع ہوئے:- ذَاتٌ حَیْثُ لَا کَیْفَ وَلَا اَیْنَ اور ندا ہوئی اور الہاماً فرمایا۔ اگرچہ میں نے اس کمال کو ظاہر کیا اور ان جمال و جلال کے مقامات کو ہویدا کیا جو حدِ حصر و احصاء سے باہر ہیں لیکن یہ سب بحرِ وحدت کا ایک قطرہ ہے اور ذاتِ بیضاء کا ایک ذرہ ہے۔

ہیہات ہیہات! ہمارا اجتماع کہاں اور حقیقت ذات کہاں اور ظہورِ شیون ذاتیہ حق کہاں اور بروز حقائق اسمائیہ و صفاتیہ کہاں تو پھر کنہِ عبارت منزہیہ سے اشارہ ہوا کہ میں اپنی ذات سے نکالتا ہوں اور ایک ایسی حقیقت کو پیدا کرتا ہوں جو جامع تمام کمالاتِ

اسماء و صفات شیونات ذات ہو۔ اور اس میں ایسا بروز ابراز کروں جو اپنی مکونات کا عین ہے اور ایسا ظہور ظاہر کروں جو عین البطون ہے۔ جو متصور بصورت بدیعہ' اور منزل' مشاہد رفیعہ میں ہو۔ جو کہ تمہارے لئے نشاۃ رفیع اور جامع انشاء بدیع ہو اور اپنے حد میں ممتاز ہو۔ اور وہ کنہ کمال میں مرموز ہو کہ نہ پہچانا جائے اور نہ حقیقت دریافت میں آئے۔ اور اس کی توصیف نہ کی جاسکے اور اس کی نسبت مظہر اتم، اکمل، مجلی اعز و افضل ہو یہ نسبت تمہارے مظاہر عظیمہ محال کریمہ کے جیسی کہ نسبت ذات کی صفات کے ساتھ ہوتی ہے تاکہ میری برتری پر میری بنا کامل ہو۔ تو میں نے اس کے نام کو حمد سے مشتق کر کے محمد' احمد اور محمود رکھا ہے اور میں نے اسے عابد بنایا اور لواء حمد اس کے ہاتھ میں دیا اور اس کا مقام' وسیلہ عظمیٰ بنایا۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام مظہر اسماء و صفات ہوئے اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم مظہر ذات۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقام اجلال و اکرام کے بالذات ختام ہیں اور انبیاء و اولیاء بالواسطہ۔ جبکہ سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم ذات حق سے مخلوق ہیں اور ظہور بر حق ان پر بالذات ہے تو ان کے سوا جو بھی ہے سب سے تمام صفات اور جمیع کمالات میں فائق و منفرد ہیں۔ نیز اسی بنا پر حضور اکرمؐ کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے اس لئے کہ بروز ذات کے بعد صفات مشہود نہیں رہتے۔ نیز اسی بنا پر حضور اکرمؐ کا عروج فوقِ عرش ہے کیوں کہ ذات' جمیع اسماء پر فائق ہے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم رحمانیت حق کے محل ہیں جو کہ عرش سے فوق و وسیع ہے۔ اور عرش محیط اجسام ہے اور رحمت ہر شے پر وسیع ہے "رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ" لہٰذا محمدی حقیقت جمیع موجودات کا مصدر اور تمام کا مبداء اور تمام فیوض و برکات کا واسطہ و سرچشمہ ہیں (صلے اللہ علیہ وسلم)

**وصل** : حضرت احدیت سے حضور اکرمؐ کے نزول فرمانے کے بعد جب مقام واحدیت میں ظہور رہا جو محل اسماء و صفات ہے تو اس وقت حضرت کمالیت حضور اکرمؐ پر عاشق ہوئی جس طرح کہ اسم اپنے مسمیٰ سے اور صفت اپنے موصوف سے عشق رکھتا ہے۔ اور اُن کمالاتِ معانی میں سے ہر معنیٰ اپنی حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کرتا مگر اسی کی طرف اور اپنی ہویت سے دلالت نہیں کرتا مگر اسی پر۔ اب اگر ان مشارٌ الیہا کمالات میں سے کوئی کمال متحقق ہوتا ہے تو وہ اسی پر معطوف ہوگا اور اسی کا تابع ہوگا۔ اور نوریت کے صفت کی حقیقت اسی میں منحصر ہے۔ اور نور اس کے اسماء میں سے ہے اگرچہ تمام انبیاء و اولیاء اس صفت نوری

سے متصف اور اس کے ساتھ متحقق ہیں لیکن سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم اس صفت کی حقیقت ہیں۔ اور درمیان حقیقتِ شئی کے اور اس کے جو اس شئی کے ساتھ متحقق ہو فرق ہے۔ تمام اشیاء اس نور کے مظاہر اور اس کے ظہور کے محل ہیں اور حضور اکرمؐ کا فرمان کہ:۔ اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ میں اللہ کے نور سے ہوں اور تمام مسلمان میرے نور سے ہیں۔ ایک روایت میں ہے:۔ اَنَا مِنَ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ" میں اللہ سے ہوں اور تمام مسلمان مجھ سے ہیں۔" اسی مفہوم و مطلب کی طرف اشارہ ہے۔ مومنین کی تخصیص اتفاقی اور مقام کی مناسبت و موافقت کی وجہ سے ہے۔

اور جب وجود کونی کے ساتھ نزول فرمایا تو حضور اکرمؐ کی وساطت سے عقول، نفوس، لوح، قلم، عرش، کرسی، افلاک، کواکب، ارکان، معادن، نباتات و حیوانات اور انسان جو کہ حقائق کونیہ کا نسخۂ جامعہ ہے پیدا فرمائے۔ اور اسی واسطہ کے ساتھ کارخانۂ وجود کو اس ترتیب کے ساتھ جو عرفاء و حکماء کے کلام میں بیان کیا گیا ہے اس کے انتظام کو پیوست کیا ہے۔ کیوں کہ ان موجودات کے موجودیت کی ترتیب اسی ترتیب کے ساتھ ہے جو گنتی میں ہے۔ کہ ایک سے دو ہے۔ اور دو اس وقت تک متحقق نہیں ہوگا جب تک کہ اس میں ایک نہ ہو۔ اسی طرح تین اس وقت تک متحقق نہ ہوگا جب تک دو اس میں موجود نہ ہوں۔ اسی طرح چار ہے۔ چار اس وقت تک متحقق نہ ہوگا جب تک اس میں تین نہ ہو۔ اسی طرح اوپر تک شمار کرتے چلے جائیے۔ لہٰذا کوئی عدد اس وقت تک موجود نہ ہوگا جب تک کہ مرتبہ میں اس کے ماقبل کے وجودات کو نہ مانا جائے اور تمام واحد یعنی ایک سے موجود ہیں۔ اور واحد عدد نہیں ہے اس لئے کہ ہر عدد کو جب کسی عدد میں ضرب دیا جاتا ہے تو اس سے عدد نکل آتا ہے۔ اور اگر تمام اعداد کو ایک میں ضرب دیا جائے تو اس سے کوئی چیز نہیں نکلتی۔ لہٰذا عقل اول، جو کہ روح محمدی کی حقیقۃً تعبیر ہے، وہ تمام عالم کے وجود کی اصل ہے۔ خواہ عالم امر ہو، خواہ عالم خلق۔ اور وہ تمام علل کی حقیقت میں علّت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پاک و منزہ ہے کہ کسی چیز کے وجود کے لئے علت ہو۔ لہٰذا جو کچھ بیان کیا گیا اس سے وجود محمدی کے حقیقت کی تفصیل معلوم ہو گئی ہو گی۔ اسی لئے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اولِ وجود اور آخر وجود ہیں۔ اسی معنی و مفہوم

کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے اس طرح ظاہر فرمایا کہ اب زمانہ نے اسی ہیئت پر پلٹا کھایا ہے جو آسمانوں کی تخلیق کے وقت تھی اور دائرۂ وجود کے اعلیٰ درجات میں، اس صورۃ و معنیٰ میں اس کے ظہور سے تمام ہوا۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جس طرح کہ بطون ذات میں حق کے ساتھ اقرب خلق تھے اسی طرح آخر میں حیات میں اعلیٰ و اکمل خلق ہوں گے۔ اور اس درجہ کا نام وسیلہ رکھا گیا اور اس کا وعدہ کیا گیا اور امت کو حضور اکرمؐ کے لئے اس کی دعا کرنے کا حکم دیا گیا۔ وسیلہ کے معنی سبب ہیں۔ تو حضور اکرمؐ ابتدار میں وجود خلق کے اول سبب ہیں اور انتہا میں حق کے ساتھ ان کے لئے سبب قرب ہونگے لہٰذا حضور اکرمؐ کے لئے اقرب صوری و معنوی دونوں حاصل ہوئے۔ اور علوِ مکان اور علوِ مکان دونوں کامل ہوئے اور وصف و حال کے لحاظ سے اکملِ عالم ہوئے — اور اعظم عالم میں صورت و معنیٰ میں اور خلق کے اعتبار سے اتم و اعدل ہیں۔ عَلَیْہِ مِنَ الصَّلوٰۃِ اَفْضَلُھَا وَمِنَ التَّحِیَّاتِ وَاَکْمَلُھَا۔

**وصل** :- صورت و معنیٰ کے لحاظ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی کمال خلقت و اعتدال اور آپ کا جمال و جلال اس حد تک ہے جو حدِ حصر و احصار سے باہر ہے — اور جتنا کچھ کہ بیان کیا گیا ہے وہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور بیضار کے ساتھ ایک ذرہ کو نسبت ہوتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ وجودِ مطلق، بنظر مراتب و مفردات موجودہ منقسم بہ دو قسم ہیں — ایک قسم لطیف ہے جس طرح کہ معانی و ارواح وغیرہ ہیں — اور دوسری قسم کثیف ہے جیسے کہ صور و اشکال اور اجسام وغیرہ اور ہر ایک ان دونوں قسموں کی دو دو نوعیتیں ہیں۔ ایک نوعیت اعلیٰ دوسری نوعیت ادنیٰ۔ اعلیٰ معنوی، انسان میں مانند تخلق و تحقق بصفاتِ الٰہیہ و اخلاق محمدؐ، وہ اور تمام مراتبِ کمالاتِ معنوی سے متصف ہوتا ہے۔ اور اس علو کو علوِ مکانت کہتے ہیں اور اس کی نہایت، خدا کے نزدیک ہے۔ حق تبارک و تعالیٰ یہ خوبیاں اس میں جمع فرماتا اور اسے عنایت فرماتا ہے جس کی تعظیم کا وہ ارادہ فرمائے اور اپنی بارگاہ میں جسے بزرگ بنائے اور نوعِ اعلیٰ صوری، افعالِ حسنہ، اعمال صالحہ، صور حسنہ، اشکال لطیفہ اور اماکن علیہ فیضیہ ہیں۔ اس علوِ صوری کا نام مکان ہے۔ اور اعلیٰ مکان جنت ہے۔

باوجود تفاوت درجات اور اس کے مراتب کے اور اس کا اعلیٰ درجہ وسیلہ ہے جس کی خبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ دی ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے ایک کے ساتھ اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ لہٰذا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم علوِ مکان کے ساتھ مخصوص ہیں جس طرح کہ علوِ مکانت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک قدر و منزلت میں حضور اکرمؐ سے زیادہ کوئی اعظم نہیں ہے۔ اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ حق تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اے حبیب میں نے تمہارے لئے اپنی شفاعت کو پنہاں کر کے رکھا ہے اور بجز آپ کے کسی نبی کے لئے اسے پنہاں کر کے نہ رکھا۔

حضرت ابو جعفر بن محمد بن علی بن حسین سلام اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کے لئے آسمانوں اور زمین پر شرف کو کامل فرما دیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں روز قیامت عرش کی داہنی جانب کھڑا ہوں گا جہاں میرے سوا کوئی کھڑا نہ ہو سکے گا۔ اور فرمایا میں آدمیوں میں سب سے پہلا نکلنے والا ہوں گا جس وقت کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔ اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ درگاہِ الٰہی میں آئیں گے۔ اور ان کا بشارت دینے والا ہوں گا جب وہ نا امید ہو گیا۔ لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔ اور میں اپنے رب کے نزدیک اولاد آدم میں سب سے گرامی تر ہوں گا ولا فخر۔

ایک روایت میں ہے کہ میں ان کا قاید ہوں گا جبکہ وہ درگاہِ الٰہی میں آئیں گے اور میں ان کا خطیب ہوں گا جبکہ وہ خاموش ہوں اور سنیں گے۔ اور میں ان کا شفیع ہونگا جبکہ ان پر تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ اور "لوائے کرم" میرے ہاتھ میں ہے اور میں اکرم اولادِ ہوں اپنے رب کے حضور۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَبِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ۔ ہر نبی آدم ہوں یا ان کے سوا سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کا حبیب ہوں۔ ایک روایت میں انہیں سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔ اَنَا اَکْرَمُ

الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَلَا فَخْرَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کیا میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھ ڈالا ہے مگر کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل مجھے نظر نہ آیا۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اکملیت اور تمام کمالات صوری و معنوی کے مجتمع ہونے میں احادیث اتنی کثرت سے ہیں کہ ان سب کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا ۔۔۔ کوئی بھی حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اکملیت میں متنازع اور آپ کی افضلیت میں مدافع نہیں ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے علوِ مکانت کو حقائقِ اسماء و صفات کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور علوِ مکان کو وسیلہ اور مقامِ محمود کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مکان و مکانت کے اعتبار سے اعلیٰ و افضلِ موجودات ہیں اور باعتبار صورت و معنیٰ، انتہائی علوِ وجودی کے ساتھ مخصوص ہیں، یہ بیان نوعِ اعلیٰ کا ہے جو مکان و مکانت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی دونوں نوعیتیں دونوں قسموں کی بیان کردی گئیں۔

اب رہی ان دونوں قسموں کی دونوں ادنیٰ نوعیں۔ جیسے سقوطِ مکان اور سقوطِ مکانت سے تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ دونوں ابلیس کے نصیب میں ہیں، اور ان کا حد و مقام شیطان کے متبعین اشقیاء کے لئے ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اس باب میں کلام، دو وصل میں کیا جاتا ہے۔

## وصل اول در کمالات معنوی

اصل وصل میں ان کمالات معنوی کا بیان ہے جو بارگاہِ الٰہی میں حضور اکرمؐ کو علوِ مکانت میں حاصل ہے۔ لہٰذا یہ دو قسم پر منقسم ہے۔ ایک قسم کمالی ہے جس کے ساتھ کاملین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین متخلق و متحقق ہیں۔ جیسا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ دوسری قسم کمالِ کونی ہے۔ جس کے ساتھ کاملین عظام متصف و متخلق ہیں ۔۔۔ اور یہ وہ صفات حمیدہ ہیں جن کا مجموعہ "مکارم اخلاق" ہے۔

مخفی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق میں اس قدر مکارم اخلاق جمع نہیں کئے جس قدر کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم میں مکارمِ اخلاق اور محامد صفات جمع فرمائے

کیوں کہ وہ آپ ہی سے پیدا ہوئے اور آپ ہی نے پروان چڑھایا اور آپ ہی پر ختم ہو کر مکمل ہوئے۔ اسی لئے حق تبارک تعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا:۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ سیر و احادیث کی کتابیں آپ کے اخلاق حمیدہ خصائل جلیلہ سے اتنی لبریز ہیں۔ جن کا کوئی حد و حساب نہیں۔

عارف کامل شیخ عبدالکریم جنبلی رحمۃ اللہ صاحب کتاب قاموس اعظم و قابوس اقدم فرماتے فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے مکارم اخلاق کے سلسلہ میں کتابوں میں جس قدر ذکر کیا گیا ہے وہ دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہے۔ اور وہ جو وارد نہیں ہوا اور بیان نہیں کیا گیا ان سے سوائے حضور اکرمؐ کے کوئی متصف نہیں ہے اور وہ کسی میں جمع نہیں کئے گئے وہ آپ کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور حضور اکرمؐ ہی ان کے جامع ہیں۔ اس سے آپ کا خلقِ معنوی کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔

اب رہا کمال حقی جو کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے اور ان کے ساتھ آپ کو مخصوص فرمایا وہ اس سے زیادہ ہیں جن کو ادراک کیا جائے اور غور و فکر کے بعد ان کو دریافت کیا جائے اور ان کو پہچانا جائے۔ ان کی کوئی حد و غایت نہیں ہے۔ کیوں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جمیع اخلاق الٰہیہ اور صفاتِ ربوبیہ سے متحقق ہیں۔ شیخ مذکور رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب کمالاتِ الٰہیہ در صفات محمدیہ میں، صفت صفت اور اسم اسم کر کے بیان کیا ہے۔ اور اس میں ان چیزوں کا بیان کیا ہے جو کتاب عزیز میں ان پر تصریحاً اشارۃً اور تلویحاً دلالت کرتی ہیں۔ منجملہ ازاں، اسم اللہ کا ہے۔ اور اس پر دلیل کہ حضور اکرمؐ اس اسم کے مظہر ہیں۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ مشتِ خاک آپ نے نہیں پھینکی جبکہ آپ نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی؛ اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جس نے رسول کی اطاعت کی بلاشبہ اس نے اللہ کی اطاعت کی؛۔ وَاِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ۔ وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے تھے بلاشبہ وہ اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

شیخ قدس فرماتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے ارشاد:۔ اَنَا عَبْدُ اللّٰهِ میں اللہ کا بندہ ہوں کے یہی معنیٰ ہیں۔۔ یہ عبودیت جو اپنے رب کے نام کے ساتھ ہے آپ کے اسم گرامی کے ساتھ

خاص عبارت ہے ۔ اس لئے کہ آپ متخلق باخلاق الٰہیہ ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کو جو حضور اکرمؐ کے لئے ہے تعظیم حق میں بعید و محال نہ سمجھو اس لئے کہ یہ بات نہ اللہ تعالےٰ کی نزاہت میں طعن کرتی ہے اور نہ اس کے کمال میں کمی لاتی ہے۔

بندۂ مسکین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین یعنی شیخ محقق شاہ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ قدس سرہ پر تعجب ہے کہ وہ اس بات پر معذرت خواہ ہوئے گویا کہ اسی قدر حضور اکرمؐ کی شانِ عظمت بیان کرنے میں کمال الٰہی کی کمی کا شبہ ہو گیا۔ اس میں کیا بات معذرت کی ہے حالانکہ حضور اکرمؐ سراپا اور عین کمالِ الٰہی ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایک ذات ایسی پیدا فرمائی اور ظاہر کی ہے۔ اور حقیقت محمدیؐ، اکمل شیونات الٰہی اور مظہر کمال نامتناہی ہے۔

بلا شک و شبہ حق تعالیٰ نے اپنے اسمار کثیرہ کے ساتھ اپنے حبیب کو موسوم فرمایا اور یہ مشہور ہے کہ حق تعالیٰ کے تمام اسما حسنیٰ میں تعلق و تحقق دونوں ممکن ہے ورنہ اس اسمِ جلیل میں تو بجز تعلق کے اور حاصل نہیں۔ اور نہ اس کا تحقق ممکن ہے۔ شیخ قدس سرہٗ کا کلام اس میں ناظر ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو اس اسم جلیل کے ساتھ تخلق بھی حاصل ہے۔ اور اس اسم جلیل کے مفہوم میں جمیع صفاتِ کمال کا جمع ہونا ماخوذ ہے اور حقیقت محمدیہ کو جمیع کمالات حاصل ہیں۔ چنانچہ جتنا کچھ بیان کیا گیا اس سے واضح ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ مرتبۂ الوہیت ذاتِ الٰہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ خدا خدا ہے اور بندۂ خدا، محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔

شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ یہ بندگیِ خاص جو حضور اکرمؐ کی ذات شریف کے ساتھ مخصوص ہے جمیع صفات کمال سے متصف ہونے اور اسمِ باری تعالیٰ کے ساتھ موسوم ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ گویا کہ یہ بات فنا و بقا کے معنیٰ پر مبنی ہے۔ چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حق تعالےٰ کی ذات و صفات میں فانی ہوئے ہیں لامحالہ ان کے ساتھ باقی ہوں اور ان سے متصف ہوں ۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ حقیقت محمدی کے دریائے فضل میں جس کی وحدت تعبیر ہے۔ ایسے مستغرق ہوئے ہیں کہ ان کی نظر بصیرت سے نقشِ دوئی محو ہو گیا ہے (واللہ اعلم)

حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ منجملہ ازاں ایک اسم "النور" ہے اور یہ اسم ذاتی ہے :۔ لَقَدْ جَاءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یَعْنِیْ مُحَمَّدًا وَّکِتَابٌ مُّبِیْنٌ یَعْنِی الْقُرْاٰنَ "بیشک اللہ کی جانب سے تمہارے پاس نور یعنی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین یعنی قرآن آیا۔

منجملہ ازاں ایک اسم الحق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ جَاءَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکُمْ آیا حق تمہارے رب کی جانب سے اور فرمایا :۔ ھَلْ کَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَ ھُمْ۔ بلکہ کافروں نے حق کو جھٹلایا جبکہ ان کے پاس تشریف لائے ــــ یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم آئے۔

منجملہ ازاں، ایک اسم الرؤف اور اسم الرحیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِیْمٌ" منجملہ ازاں ایک اسم الکریم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ یہ عزت والے رسول یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمایا ہوا ہے۔ منجملہ ازاں ایک اسم عظیم ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ خلق اسم عظیم کا وصف ہے۔ تو ان کو عظمت کے ساتھ وصف فرمایا۔

ایک اسم الشہید اور الشاہد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کریم کے بارے میں بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بطریق حکایت فرمایا :۔ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ اے خدا تو ہی ہر شے کا گواہ ہے۔ اور حق تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا۔ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا۔ اور یہ رسول تم پر گواہ ہیں۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے ذکر کیا ہے کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ حق تعالےٰ نے اپنے ناموں کے ساتھ اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو موسوم فرمایا چنانچہ اسماء باری تعالیٰ میں "الخبیر، الفتاح، الشکور، العلیم، العلام، الاول، الآخر، القوی، الولی، الغفور الہادی، المومن، المہیمن، الداعی، العزیز، وغیرہ اسماء جو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں انہیں ناموں سے اپنے حبیب علیہ السلام کو موسوم فرمایا۔ اور قاضی عیاض رحمہ اللہ ہر نام پر قرآن کریم سے دلیل لائے ہیں تاکہ کوئی معترض اس پر اعتراض نہ کرے اور کوئی مجادل اس میں نزاع نہ کرے اور فرمایا میں نے اس کتاب میں اسی قدر پر اکتفا کیا ہے اس لئے کہ محققین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمام اسماء حسنیٰ اور صفات علیا کے ساتھ متصف و متحقق

ہیں اور حضور اکرمؐ کو اتنے کمالات عطا ہوئے ہیں کہ آپ کے سوا کسی دوسرے کو سزاوار نہیں ہیں:۔ کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنُ آپ کا خلق قرآن ہے۔ اور قرآن کلام خدا ہے اور یہ اس کی صفت ہے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خدا کی صفات کو خلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا۔ اور انہوں نے اس امر پر مطلع ہونے کی وجہ سے اپنی معرفت و رسائی کی داد دی۔ حق تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں خود فرمایا ہے:۔ اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ۔ بلاشبہ قرآن عزت والے اللہ کے رسول کا قول ہے۔ حالانکہ حقیقۃً خدا کا قول ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ کے صفاتِ عظیمہ کے ساتھ متصف و متحقق ہونے پر غور و فکر کرنا چاہیئے کہ حق تعالےٰ نے اپنے صفات اور اپنے اسماء میں اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو مقام تخلف میں اپنا خلیفہ اور اپنا قائم مقام بنایا۔ اور خوب غور کرنا چاہیئے کیونکہ اس کے تحت اسرارِ شریفہ مضمر ہیں ـــ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس کی حقیقت سے باخبر و مطلع فرمائے (آمین واللہ الہادی)

## وصل دوم در کمالات صوری

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ کمالات صوری جو آپ کے لئے بارگاہِ الٰہی میں علوِ مکان کے تحقق پر شاہد ہیں۔ یہ کمالات صوریہ تین قسموں پر قسم اول ذاتی ہے، قسم دوم فعلی ہے مثلاً نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ اور تیسری قسم قولی ہے۔

قسم اول حضور اکرمؐ کی ذات شریف اور آپ کی صورتِ جمیل ہے۔ اور آپ کی ذات، اجمل ذوات، اکمل و افضل و اطہر اور انور تھی ـــ اور آپ کی صورت احسن، اجمل، اجلا اذکائے صور تھی۔ علماء کرام "شکر اللہ سعیہم" کو جو کچھ آپ کا حلیہ شریف معلوم ہوا اور ان کے فہم میں آیا انہوں نے اس کو جمع کیا اور بیان کر دیا۔ اس سے مقصود آپ کا تصور جمال، مطالعہ کمال اور ہر گھڑی اسے ملحوظ خاطر رکھنا، اور اس کام کی مشق کرنا اور اس کا مراقبہ کرنا اور اسے اپنا نصب العین بنانا ہے۔ تاکہ اس جمالِ جانفزا کو پیش نظر رکھ کر دائمی محبت قائم رہے اور کبھی جدا نہ ہو۔

یہ طریقہ حصول کمال و وصال کے لئے اقرب ہے اور یہ درجۂ صحبت کے حصول اور اصحابِ وافر النصاب میں شامل ہونے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ صحبت معنوی اور سعادت کبریٰ اور نعمتِ عظمیٰ کے حاصل ہونے کا سبب ہے۔ اگر اس پر بطریق اتصال و دوام استطاعت نہیں ہے تو صلوٰۃ و سلام کے وقت جو کہ روشنئ راہ اور حضورِ اکرمؐ کے لئے اقرب طرق ہے

اسے نگاہ میں رکھے (و باللہ التوفیق)

لیکن دوسری قسم جو فعلی ہے۔ وہ حضور اکرمؐ کے افعال زکیہ اور احوال مرضیہ ہیں جو معلوم و ماثور ہیں اور صحف و دفاتر ان سے مملو و مشحون ہیں اس باب میں یہ بات کافی نہیں ہے کہ سارا جہاں اور ان کے تمام اعمال و صفات آپ کے میزان میں ہیں۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی رشد و ہدایت کے طریقوں کی بنیاد رکھی ــــ اور آپ نے ہی لوگوں کو ضلالت و گمراہی سے باہر نکالا اور احکام کو وضع کر کے سنت قایم فرمائی۔ نماز و روزہ اور حلال و حرام کی روشنی دکھائی اور بھلائی جو اہلِ جہان سے بیں آئی وہ آپ ہی کے دم قدم سے وابستہ ہے چونکہ آپ نے ارشاد فرمایا۔ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فَلَہٗ اَجْرُھَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ ــــ جس نے کوئی سنتِ حسن قایم کی تو اس کا اجر اسے ملے گا اور قیامت تک جو اس پر عمل کریں گے ان سب کا اجر بھی اسے ملے گا۔ تو ان کے تمام اجور آپ کے لئے ہوں گے لہٰذا تمام مخلوق کے اجر آپ کے اعمال کے میزان میں ہیں۔ بلکہ ساری مخلوق کے اجور آپ کے دریائے فضل کا ایک قطرہ ہیں اور آپ سب کے کل اور اصل ہیں اور تمام آپ کے اجزاء اور آپ کی فرع ہیں۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی شدت اور آپ کے احوال کی قوت کو کوئی کیا بیان کرسکتا ہے۔

بس اتنا ہی کافی ہے جو وارد ہوا ہے کہ طول قیام کی وجہ سے آپ کے قدم اقدس ورم کر جاتے تھے۔ باوجود یکہ ذنوب ما تقدم و ما تاخر مغفور ہیں۔ اور یہ کہ خزائن ارض کی کنجیاں دست قدرت میں ہونے کے باوجود شکمِ اطہر پر پتھر باندھنا وارد ہے۔ حالاں کہ جبریل علیہ السلام نے حضور اکرمؐ سے عرض کیا کہ مجھے حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے لئے زمین کے پہاڑوں کو سونا کر دوں ــ لیکن حضور اکرمؐ نے اس کا انکار فرمایا اور فقر کو اختیار فرمایا۔ آپ کے حضور میں بحرین کا مال لایا گیا آپ نے گوشۂ چشم سے بھی نہ دیکھا اور اس میں سے کچھ بھی تو اپنے گھر نہیں لے گئے۔ حالانکہ اس وقت کھانا تک موجود نہ تھا۔ بجز دو سیاہ کھجور اور اور پانی کے۔ حضور اکرمؐ کے ظاہری صفات اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہیں جن کو کہ احاطہ میں لایا جاسکے۔ یہ تمام باتیں بطور نمونہ ہیں۔

لیکن تیسری قسم جو کہ قولی ہے۔ وہ حضور اکرمؐ کے اقوال فصیحہ اور کلماتِ ملیحہ ہیں جن سے

اسلامی کتابیں مملو و مشحون ہیں۔ وہ سب دریا کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور روشنی میں ایک ذرہ کی مانند ہیں۔ آپ کی عظمت شان میں حق تبارک و تعالیٰ کا قرآن کریم میں وہ قول جو کہ آپ کا کلام ہے کافی ہے کہ :۔ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔ جو ظاہر میں آپ کا کہا ہوا تھا۔ مگر حقیقت میں خدا کا کلام ہے۔ اور حق تعالیٰ نے فرمایا :۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے نہیں ہے وہ مگر وحی جو ان کی طرف وحی کی گئی۔

حضور اکرمؐ کی حدیث کے جس کلمہ کو تم چاہو غور و فکر کرو تاکہ تمہیں اس میں ہر جہت اور ہر حقیقت کے مجامع و محاسن حاصل ہوں۔ اور آپ نے کوئی چیز ایسی نہ چھوڑی مگر یہ کہ مخلوق خدا کو اس کی طرف ہدایت فرمائی اور کوئی فضیلت ترک نہ فرمائی مگر یہ کہ اس پر آپ نے لوگوں کو تنبیہ فرمائی۔ اسی بنار پر حق تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین بنایا اس لئے کہ خبر داری کے ہر دقیقہ کو آپ نے احاطہ فرمایا اور ہر طریقہ پر حقیقت سے روشناس کرایا۔ لہٰذا آپ کے بعد کسی اور مرشد و رہنما کی حاجت باقی نہ رہی اور آپ آخر میں خاتم النبین ہوئے جس طرح کہ آپ ابتدار و اول میں سابقین النبیین تھے جبکہ :۔ وَاٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ حضرت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے آپ کی بزرگی عظیم اور آپ کا مرتبہ کریمہ ہے (صلے اللہ علیہ وسلم)

**وصل** ! اس بیان میں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قابلیت، تمام موجودات کی نسبت میں ایسی ہے جیسی کہ دریا کی قابلیت، قطرہ کی نسبت سے ہے۔

جاننا چاہیئے کہ فیض الٰہی کا تفاوت، قبول کرنے والوں کے تفاوت کے اندازہ پر ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ آفتاب کی شعاعیں آئینہ میں کتنی ظاہر ہوتی ہیں اور وہ اسے ایسا روشن کرتا ہے کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کی طرف نظر کر سکے وہ آنکھ اس کے نظارہ میں خیرہ ہو کے رہ جاتی ہے۔ بخلاف اس کے اس کی شعاعیں جو جمادات پر پڑتی ہیں ان کا یہ حال نہیں ہوتا۔

یہی صورت، دکھانے والے آئینہ کی ہے چنانچہ اگر وہ آئینہ معتدل ہے تو معتدل چہرہ نظر آتا ہے اور اگر مستطیل آئینہ ہے تو چہرہ لمبوترا نظر آتا ہے اور اگر عریض ہے تو چہرہ عریض نظر آتا ہے اور اگر چھوٹا ہے تو چہرہ چھوٹا نظر آتا ہے اور اگر بڑا ہے تو چہرہ بڑا نظر آتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ثبوت فیض، قابلیت کے اندازہ پر ہے۔ اور حق تعالےٰ حکیم ہے

وہ ہر چیز کو اس کے مقام میں ہی رکھتا ہے۔ جبکہ قابلیتیں مختلف و متفاوت ہیں تو مخلوق میں ظہور فیض قوابل کے اندازہ پر ہے۔ اور حق تعالیٰ کا اپنے اسمار و صفات میں ظہور بھی اسی کی شان کے لائق ہے جس طرح بھی اس کی شان قابلیت تقاضا فرمائے۔ لہٰذا اس کا ظہور اسم منعم میں ایسا نہیں ہے جتنا اس کا ظہور اسم منتقم میں ہے۔ اور اس کا ظہور نعمت میں نہیں ہے۔ لہٰذا ظاہر ایک ہے اور اختلاف مظاہر کی بنا پر ظہور مختلف ہیں اور ظہور حق مظاہر میں بقدر قوابل ہیں اور اشیار کی قابلیتیں ان کے محلوں کے ساتھ متعلق ہیں جو ان سے ظاہر ہوتی ہیں۔

چند محل نعمت اسم المنعم کے مظہر ہیں اور چند محل نقمت اسم المنتقم کے مظہر ہیں — منعم اور منتقم دونوں قدیم اسم الٰہی ہیں — اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات قدیم اس کے ساتھ قایم ہیں — اور عالم کی ہر شیئ، اس کے اسمار و صفات کے اثر سے ہے۔ لہٰذا عالم کا ہر فرد، حق تعالیٰ کے اسمار و صفات کے مقام حد و اثر میں ہے۔

واضح رہنا چاہیے کہ انبیار کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، حق تعالیٰ کے اسم ذاتی سے پیدا کئے گئے ہیں۔ لہٰذا وہ اسما۔ ان کے محامد ہیں۔ اور اولیار کرام اسمار صفاتیہ سے پیدا کئے گئے ہیں۔ وہ اسمار ان کے محامد ہیں اور بقیہ تمام موجودات، صفات فعلیہ سے مخلوق ہیں وہ ان کے محامد ہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذات عزوجل سے مخلوق ہیں۔ لہٰذا آپ کا حد و مقام، ذات حق ہے اور آپ پر ظہور حق، بالذات ہے۔

اسی بنار پر آپ جمیع صفات کے ساتھ منفرد ہیں — اس لئے کہ صفات، ذات کی طرف راجع ہیں۔ اور آپ کا دین، تمام دینوں کا ناسخ ہے اس لئے کہ بروز ذات کے بعد صفات مشہود نہیں ہوتے — البتہ ان کا علم باقی رہتا ہے۔ اسی بنا پر انبیار علیہم السلام کی نبوت اپنے حال پر باقی رہی وہ منسوخ نہ ہوئی صرف ان کے ادیان منسوخ ہوئے۔ اور قابلیت محمدیہ کی نسبت بحر کی مانند ہے اور دیگر انبیار و اولیار کی قابلیت کی نسبت نہروں اور چشموں کی مانند ہیں۔ اور بقیہ عالم کی قابلیت کی نسبت، ان کے قطرات کی مانند ہے۔ یہ الفاظ حضرت شیخ قدس سرہ کے ہیں۔ اس حقیر (یعنی مؤلف) کی زبان پر ایسا آیا ہے کہ اقرب، کنزاں، اقداح غرف، قطرات اور بحر کی جو مثالیں ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم مجموعۂ عالم ہیں۔ اس لئے کہ آپ کی روح مقدس، عقل اول ہے اور تمام عالم اسی سے مخلوق ہے لہٰذا صرف حضور اکرم کی قابلیت، تمام موجودات کی قابلیتوں کے برابر ہوگی۔ آپ مستفیض اول

اور مفیض ثانی ہیں اور ذاتی فیض قدس، سب سے پہلے آپ ہی کی جانب متوجہ ہے اور آپ سے تمام بقیہ موجودات ومخلوقات کو ان کی قابلیتوں کے موافق فیض متوجہ ہے۔ لہٰذا آپ تمام موجودات کے کل ہیں اور آپ ہی سے کل شیئ ہے ’’وہوالکل‘‘ اور آپ ہی کل ہیں۔ اور حق تبارک وتعالیٰ کل الکل۔

امام عبداللہ یافعی رضی اللہ عنہ کا قول کتنا اچھا ہے جو انہوں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہا ہے کہ ؎

یا واحد الدھر ویا عین الوجودی

ویا غیث الانام ھادی کل حیران

چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قابلیت کل ہے اور تمام اکوان یعنی انبیاء ومرسلین، ملائکہ مقربین اور تمام اولیاء صدیقین ومومنین کی قابلیتیں جزئی ہیں۔ لامحالہ وہ سب کے سب حضور اکرمؐ کے مقامِ رفعت کے انتہائی دریافت وفہم سے قاصر رہیں گے اور آپ کی شان رفیع کے طوق سے عاجز ہوں گے۔

اور جبکہ یہ بات جان لی اور پہچان لی کہ تمام انبیاء ومرسلین نے اپنے سروں کو حضور اکرمؐ کے در اقدس کی رفعت کے آگے جھکا دیا اور اپنی گردنوں کو زمین مذلت پر آپ کی شان مجد وعظمت کے آگے نگوں سار کر دیا تو اب اس عہد مبارک کا یہی مطلب ہوا یعنی انبیاء کرام علیہم السلام سے لیا گیا تھا کہ حضور اکرمؐ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ | یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت سے نوازوں پھر تمہارے پاس وہ رسول تمہارے ساتھ کی چیزوں کا تصدیق کرتا تشریف لائے تو تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔ |

تمام اولیاء مقربین اپنی علوِشان کے ساتھ آپ ہی کے عروۃ وثقیٰ کے ذریعہ اور اس کے تمسک سے ترقی وعروج کرتے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا در ہر طرف سے بند ہے لیکن سید عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا در کھلا ہوا ہے۔ درگاہِ حق سبحانہ وتعالیٰ میں داخل ہونے کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے بجز

حضور اکرمؐ کے دروازہ کے۔ اور کسی کو اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ ظاہر و باطن میں آپ کے در پر حاضر ہو کر آپ کا اتباع کرے تاکہ وہ خدا تک پہنچ سکے۔ اگر درمیان میں یہ بندش نہ ہوتی تو آپ کے بعد کے اولیا وہی دعویٰ کرتے جو آپ سے نبیوں نے کیا ہے اور اولیاء امتِ محمدیہ نے باطن میں خدا سے وہ پایا ہے جو انبیاء سابقین علیہم السلام نے ظاہر میں پایا ہے۔ وہ نبوت نہ پا سکے کیونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم و منقطع ہو گئی۔ اس انقطاعِ نبوت میں حکمت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے جو کچھ پایا ہے نبوت سے پایا ہے۔ اور ادیان میں جو کچھ بھی مشروع ہوا ہے وہ خدا کے حکم یا خدا کے اذن سے ہوا ہے۔ یہاں تک کہ دینِ محمدی کے ظہور سے ان کے ادیان منسوخ کر دیئے گئے۔ اس لئے کہ ان کا دین جزئی تھا اور دین محمدی کلی ہے۔ اور جزئی، کل پر غالب نہیں آتا۔ حضور اکرمؐ کے دین کی کلیت اس بناء پر ہے کہ آپ تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہیں اور آپ کے سوا تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام مخصوص قوموں کی جانب معبوث ہوتے تھے اسی بنا پر ان کے دینوں کا یہ حال تھا۔

لہٰذا حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کی قوت میں تمام عالم کی قوت ہے خواہ عرش و کرسی ہو یا لوح و قلم، افلاک و املاکِ سموات و ارض ہوں یا کواکب و شمس و قمر، نار و ہوا ہو، یا آب و خاک، اشجار و معادن ہوں یا حیوانات و جن و انس، جو کچھ بھی پیدا ہوا یا ہوگا سب کچھ اس دین حق کے تحت قوت ہیں۔

پھر ان سب پر جمعیت کبریٰ کو زیادہ کیا گیا جو اس کی مخصوص حقیقت ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جس کی تعبیر قاب قوسین سے کی گئی ہے۔ جو حضور اکرمؐ کے لئے ہے۔ اور آپ کے سوا اس میں کا کچھ بھی حصہ میسر نہیں ہے۔ مگر یہ کہ جس کو جتنی وسعت و قابلیت تھی اس کے موافق اسے حصہ ملا۔ لہٰذا اس میں خوب غور و فکر کرو اور اس کو سمجھو اور اس میں گم ہو جاؤ اور اس کے ساتھ اپنے آپ کو ایسا وابستہ کر دو جیسے کہ قطرہ دریا میں گم ہو کر فنا ہو جاتا ہے تاکہ سعادتِ کبریٰ اور مکانِ زلفیٰ سے فائز ہو جاؤ۔ اس میں سرِ جلیل اور امر نبیل کا نکتہ ہے اگر حق تبارک و تعالیٰ نے اس نکتہ کے سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائی ہے تو سمجھ لے گا۔ اور اس بحرِ محمدی میں گم اور فنا ہونے کی جانب سیدی عارف شیخ ابو الغیث بن جمیل رضی اللہ عنہ نے اپنے قول کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے کہ: خَضْنَا بَحْرًا وَقَفَ الْاَنْبِيَاءُ عَلٰى سَاحِلِهٖ میں نے اس بحرِ محمدی کی شناوری کی ہے درانحالیکہ انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے تھے۔

ور یہ ان کا دریائے محمدی میں داخل ہونا اور انبیاء علیہم السلام کا اس کے ساحل پر کھڑا ہونا اس لئے ہے کہ طوقِ حقیقی متشخص نہیں ہوتا مگر اسی کو جو آپ کے بعد آئے اور صورت میں آپ کا تابع ہو۔

لہٰذا کاملین اولیاء محمدی، آپ کی صورت و معنیٰ کے ساتھ لاحق ہیں اور بحرِ لحوق میں داخل ہیں۔ بخلاف انبیاء صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم اجمعین کے۔ کیوں کہ وہ حضور اکرمؐ کے حکماً لاحق ہیں اور من حیث المعنیٰ حضور اکرمؐ کے تابع و لاحق ہیں نہ کہ من حیث الصورۃ۔ اسی بنا پر انبیاء کرام بشکل محمدی، بحرِ لحوق کے ساحل پر کھڑے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اپنی حدِ ذات میں متبوع ہیں اور صورت میں اپنے کسی غیر کے وہ تابع نہیں ہیں۔ لیکن معنیٰ میں تابع ہیں۔

اولیاء محمدی، عینی و حکمی اور صورۃً اور معنیً تابع ہیں۔ اسی بنا پر حق تعالیٰ نے جس کو یہ توفیق بخشی ہے کہ وہ اپنے وجودی قطرہ کو بحرِ محمدی میں غرق و فنا کر دے بلاشبہ اسے سعادت کبریٰ اور مکانتِ زلفی حاصل ہو گئی۔ اور اسی کو سزاوار ہے کہ وہ یہ کہے جو قطب الوقت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، نے فرمایا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو بھی قدم پاک اٹھایا ہے اسی جگہ آپ کے نشان قدم پر میں نے اپنا قدم رکھا ہے۔ مگر قدمِ نبوت جو کہ حضور اکرمؐ کے ساتھ مخصوص ہے۔ لہٰذا کوشش کرو کہ آپ کے ساتھ لاحق ہو جاؤ اور آپ کی متابعت کے دریا میں غرق ہو جاؤ ــــ وفقنا اللہ وایاک کذٰلک۔

**وصل:** حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا حبیب خدا نام ہونے کے اسرار کے بیان میں اور مرکزِ محبوبیت (جو آپ کے مقام حدِ اسم میں ہے) کے ذکر میں وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ ایک دن صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حضور اکرمؐ کی تشریف آوری کے انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر حضور اکرمؐ برآمد ہوئے اور ان کے قریب پہنچے آپ نے سنا کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا بلاشبہ حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا۔ دوسرے نے کہا موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنا عجیب ہے کہ فرمایا: "وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا" تیسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ

ہیں ۔

چوتھے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو برگزیدگی مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد حضور اکرمؐ نے ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہاری گفتگو اور تمہارے تعجب کو دیکھا اور سنا تم نے یہی تو کہا کہ حضرت ابراہیمؑ خدا کے خلیل ہیں حضرت موسیٰؑ خدا کے کلیم و نجی ہیں اور حضرت عیسیٰؑ روح اللہ ہیں اور حضرت آدمؑ کو خدا نے برگزیدہ فرمایا۔ جان لو اور آگاہ ہو جاؤ کہ میں خدا کا حبیب ہوں اور یہ فخریہ نہیں۔ میں حامل لواء الحمد ہوں روزِ قیامت، یہ فخریہ نہیں۔ میں پہلا شفیع اور پہلا قبول الشفاعت ہوں یہ فخریہ نہیں۔ میں پہلا شخص ہوں جو جنت کی کنڈی کھٹکھٹاؤں گا۔ تو میرے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائیگا اور میں ہی پہلے جنت میں داخل ہوں گا اس حال میں کہ فقراء امت میرے ساتھ ہوں گے میں اکرمِ اولین و آخرین ہوں۔ یہ فخریہ نہیں۔

یہ حدیث مبارک حضور اکرمؐ کے کمالات میں جامع اور آپ کی افضلیت میں اکمل و افضل ہے۔ بلاشبہ پہلے حضور اکرمؐ کا علوِ مکان اور علوِ مکانت کا بیان گزر چکا ہے اس جگہ مقصود آپ کے لئے اسم حبیب کی تخصیص کا بھید بیان کرنا ہے لہٰذا خوب جان لو کہ مقام حبی اعلےٰ مقاماتِ کمالیہ ہے بلاشبہ حدیث قدسی میں وارد ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہے۔ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ وَتَعَرَّفْتُ اِلَیْهِمْ فَبِیْ عَرَفُوْنِیْ وَعَرَفْتُ بِهِمْ میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے پسند کیا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان کو اپنے آپ کی پہچان کرائی تو انہوں نے مجھے پہچان لیا!

تو حبی اول پیدائش ہے جو جناب الٰہی سے ایجاد مخلوقات میں واقع ہوئی ہے بقیہ تمام مخلوقات اس کی فرع ہیں۔ اور تمام حقائق بواسطۂ حب ہی ظاہر ہوئے۔ اگر حب نہ ہوتی تو مخلوق ہی پیدا نہ ہوتی۔ اور اگر مخلوق پیدا نہ ہوتی تو اسما و صفات الٰہی کو کوئی نہ جانتا۔ اور خلق کا ظہور بواسطۂ روحِ مطہر محمدی ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔ لہٰذا اگر روح محمدی نہ ہوتی تو خدا کو کوئی نہ جانتا۔ اس لئے کہ کوئی پیدا ہی نہ ہوتا۔ تو حب وجود موجودات کے لئے واسطۂ اولیٰ ہے۔

بلاشبہ وارد ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے شب معراج اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم

سے فرمایا:- لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اے محبوب اگر آپ نہ ہوتے تو آسمانوں کو میں پیدا ہی نہ کرتا تو معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم مخزن مخفی کے پہچاننے کے لئے توجہ حبی کے مقصود ہیں۔ اور جو کچھ آپ کے سوا ہے وہ سب آپ ہی پر معطوف ہے آپ ہی حب الٰہی کے اصل مقصود ہیں اور آپ کے سوا ہر چیز فرع کی مانند ہیں۔

اسی بنا پر حق تعالیٰ نے آپ کو اسم حبیب کے ساتھ مخصوص فرمایا اور آپ کے سوا کسی اور کو نہ بنایا۔ اور حق سبحانہ وتعالےٰ نے آپ کی امت میں سے جس نے آپ کی متابعت کی اسے محبوب بنایا ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ۔ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ——— اے حبیب تم فرماد و اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں محبوب بنالے تو میرا اتباع کرو اللہ تمہیں محبوب بنالیگا۔ اور اُسی کے حکم سے تمام مخلوق آپ ہی سے عالم وجود میں آئی فرمایا:- اَنَا مِنَ اللّٰهِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُّوْرِیْ۔ میں ذات الٰہی سے مخلوق ہوں اور مومنین میرے نور سے ہیں۔ خدا کے ساتھ منسوب ہونیکی یہ خصوصیت امت محمدیہ کو ہی حاصل تمام امتوں میں سے کسی کو یہ حاصل نہیں گزشتہ امتوں میں سے جس نے بھی یہ دعویٰ کیا کہ:- اَحِبَّاءُ اللّٰهِ ہم اللہ کے محبوب ہیں۔ حق تعالےٰ نے ان کے اس دعوے کا انکار فرمایا ہے اور متبعین محمدیہ کے لئے محبت کا اثبات کیا۔ اس لئے کہ ہر امت اپنے نبی سے مخلوق ہے اور وہ اسی نبی کے ساتھ ملحق ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی حبیب نہیں لازمی ہے کہ آپ کی امت محبت کے ساتھ مخصوص ہو۔

واضح رہنا چاہیئے کہ حب کے علی الاطلاق نو مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ خالق میں ہے اور باقی مخلوق میں ہیں تو پہلا مرتبہ جو خالق میں ہے اسے حب کہا جاتا ہے بغیر اس کے کہ اس کے ظہور کے اثر کے لئے حرکت ہو۔

جب یہ حال حب میں حاصل ہو تو ارادہ حاصل ہوتا ہے اور حقیقۃ ارادہ حق تبارک وتعالیٰ ہی کا ہے۔ مرتبۂ خلق میں حب کا پہلا مرتبہ میلان ہے اور وہ مطلوب کی جانب دل کا کھچاؤ اور جھکاؤ ہے اور جب زیادہ ہو جائے تو اسے رغبت کہتے ہیں اور رغبت میں اضافہ ہو تو طلب کہتے ہیں اور اگر طلب میں زیادتی ہو تو اسے ولع کہتے

ہیں اور جب ولع میں شدت ہو اور دوام کی صورت پکڑ لے تو اسے صبابہ کہتے ہیں اور جب یہ قوی ہو جائے اور دل میں اتر جائے اور مراد سے انسیت پکڑے تو اسے ہوا کہتے ہیں۔ جب ہوا غالب ہو جائے اور وہ دل پر چھا جائے تو اسے شغف کہتے ہیں اور وہ اس حیثیت میں ہو کہ محب کو اپنے آپ سے فانی کر دے جب وہ نمو پکڑے اس طرح سے کہ اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور اپنی فنا سے فانی ہو جائے تو اسے اعزام کہتے ہیں۔ اور جب یہ مستحکم اور پختہ ہو جائے اور ظاہر و متمکن ہو جائے اور محب اپنے نفس سے فانی ہو جائے اور حبیب کی طرف سے بھی اس حیثیت میں ہو جائے کہ شئی واحد بن جائے تو اسے حب مطلق کہتے ہیں۔ اور اسی کا نام عشق ہے مخلوق کے لئے محبت میں یہ آخری مقام ہے۔ اور اس مقام میں محب حبیب اور حبیب محب بن جاتا ہے اور ہر ایک کا رنگ دوسرے پر ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عاشق کی روح، معشوق کی صورت میں متمکن ہوتی ہے اور وہ صورت روحانیہ اس کے دل سے متعلق ہو جاتی ہے اور اس صورت میں باہمی فک و مفارقت اور انفعال مستحیل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

رق الزجاج ورق الخمر۔ (ابیات)

یہ نو مرتبے حقیقتہً مخلوق کے لئے ہیں۔ ان کا اطلاق خدا کے لئے نہیں کیا جائے گا بجز اس کے کہ ان تمام مراتب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

لیکن حب اور ارادہ حقیقتہً خدا کے لئے ہے۔ اور حب کے لئے ایک مرتبہ اور ہے جو حق اور خلق میں ظاہر ہوتا ہے اور اس کو مرتبۂ جامعۂ کا نام دیتے ہیں اور اس کو دوم قرار دیتے ہیں۔ اسماء الٰہی میں سے ایک نام ودود ہے۔ حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے درست رکھتا ہے اور بندے اس کو درست رکھتے ہیں۔

فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جس کو وہ دوست رکھتا ہے اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں تو دونوں مرتبہ میں مشترک ہیں یہ مرتبہ عالم ظہور میں دونوں جانب سے واقع ہونے کی بنا پر مراتب عشق میں انتہائی مقام میں ہے اور خلق میں عشق الٰہی کے مرتبہ سے زیادہ فائق کوئی چیز نہیں ہے:۔ اِذْ هُوَ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْئِدَةِ

(فافہم)

وصل: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے کی کیفیت اور آپ کے در پر حاضر ہونے کی برکت کے بارے میں۔

جاننا چاہیئے کہ جب حق تبارک وتعالےٰ اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور روز قیامت امت کے لئے آپ کو شفیع بنایا ہے جو قرب وعزت اور محبت کے لوازم میں سے ہے اور اس شفاعت کو آپ کے لئے عام قرار دیا ————— ————— اور آپ کے سوا شفاعت کے عموم میں کوئی مخلوق نہیں ہے۔ اس میں بھید یہ ہے کہ چونکہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی جانب مبعوث اور ان کے پیشرو ونگہبان ہیں اور ہر راعی ونگہبان اپنی رعایا وامت کا جوابدہ ہوتا ہے اور اس پر ان کے احوال کی رعایت واجب ہوتی ہے۔ اسی بنا پر حق تعالےٰ نے حضورؐ پر امت کے دنیا وآخرت کے مصالح واجب فرمائے اور اسی بنا پر آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائی۔ اور آپ سے اس وسیلہ کا وعدہ فرمایا جو مقام محمود ہے اور حقیقت میں وسیلہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ مطلوب تک پہنچنے کے لئے واسطہ وذریعہ ہوں اور وہ شفاعت ہے اور اسی معنی کی ایک منزلت ہے جس کی صورت فردوس اعلیٰ میں ہے جو کہ منازل جناں میں ارفع منزل ہے۔ آپ وہاں سکونت فرمائیں گے ——— اور معنی ظاہر باطن اور کمالات طواف کریں گے۔

جس طرح کہ حضور اکرمؐ تمام مخلوق کے لئے ابتدائے وجود وظہور میں واسطہ ہیں اسی طرح نہایت میں بھی واسطہ ہیں جو کہ جنت میں اقامت کے لئے ہے۔ لہٰذا تمہارے وجود اور ہر وہ چیز جس کا وجود ہے اس کے لئے ازل، ابد، اول اور آخر میں حضور اکرمؐ کے سوا کوئی دوسرا موجودات میں واسطہ ووسیلہ نہیں ہے:۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

تو اے طالب صادق! تم پر لازم واجب اور سزاوار ہے کہ اس بارگاہ بیکس پناہ سے متعلق ہو جاؤ اور ان کے در اقدس کے ہو کے بیٹھ جاؤ۔ تاکہ دونوں طرف اور دونوں جانب سے لگاؤ حاصل ہو۔

جب بھی کسی شخص نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے جنت میں آپ کی رفاقت

کی تمنا کا اظہار کیا آپ نے یہی جواب فرمایا۔ أَعِنِّي عَلَىٰ نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ اور اسے حکم دیا کہ اپنے نفس پر سجود، سعی اور طلب کے ساتھ اعانت کر۔ تاکہ تجھے مطلوب حاصل ہو جائے اور اتم و اکمل، مقصود متحقق ہو جائے۔

اسی بنا پر اولیاء کاملین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ آپ کی بارگاہ سے متعلق ہو جاتے اور آپ کے در اقدس پر جبہ سائی کرتے رہے ہیں۔ اور یہی طریقہ ہمیشہ اہل کمال کا رہا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی مشیت جس کے حق میں تکمیل اور مرتبہ علیا تک رسائی سے متعلق ہوئی اسے اس کی توفیق عنایت فرمائی۔

اور جب اولیاء کاملین رضی اللہ عنہم بارگاہِ قدس کے منازل میں سے کسی منزل میں حاضر ہوئے جہاں سے ان کو بارگاہِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب نظر کرنا ممکن ہے تو اس انوار کے مشاہدہ کی جانب جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ پر جناب باری تعالیٰ کی جانب بارش ہو رہی ہوتی دوڑتے ہیں۔ اور بارگاہِ الٰہی کے کلمہ کو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرتے ہیں — اور ہر چیز سے غافل ہو جاتے ہیں جس کا تقاضا کمالاتِ الٰہیہ ہیں سے ان کے حقائق کرتے ہیں اور بارگاہ رسالت کی ادب کی خاطر اپنے کمالات کو گم کر دیتے ہیں اور ان کو اس حالت کی برکت کی بنا پر اس چیز سے زیادہ حاصل ہوتا ہے جس کی شرح ممکن نہیں ہے —

اس حالت میں اور اس دوران وہ محمدی سمع و بصر سے ایسی چیز دیکھتے اور سنتے ہیں جو کہ محمدی قابلیت کے مناسب ہوتی ہے جس کی کسی کی ذات میں فوت نہیں ہے اور ان کو محمدی خلعتوں میں سے جن کا حصول بجز اس طریقہ کے ممکن نہیں ہے پہنائے جاتے ہیں۔

شیخ ابو الغیث بن جمیل کی مراد ان کے اپنے قول کی کہ: خُضْنَا بَحْرًا وَقَفَ الْأَنْبِيَاءُ عَلَىٰ سَاحِلِهِ۔ ہم نے بحر میں شناوری کی جہاں انبیاء کنارے پر کھڑے تھے۔ یہ ہے۔ اور بحر سے مراد، وہ شریعت ہے جو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ نہ کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا دیگر انبیاء علیہم السلام کی شریعت۔

لہٰذا جس کسی کو ظاہر و باطن میں نسبتِ محمدیہ متحقق ہو گئی تو وہ صورت و معنی میں

کمالِ اتباعِ محمدی کی بدولت، حقیقت محمدیہ کے بحر میں داخل ہوگیا۔ اور قابلیت محمدیہ سے حضور بارگاہ ایزدی میں سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے بعض چیزیں حاصل کر لیتے ہیں جب تم نے اس مفہوم مطلب کو جان لیا اور پہچان لیا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تصور کو لازم کرلو اور آپ کے در اقدس پر پڑے رہنے کو واجب بنالو۔

اب اگر تم یہ کہو کہ اس تعلق کی کیفیت اور اس بارگاہ عظیم کی ملازمت نہیں پاسکتے تو ہم اسے کیوں کر حاصل کریں۔ تو جان لینا چاہیئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنے کی دو نوع ہیں۔

پہلی نوع تعلق صوری ہے جو اس جناب کے ساتھ ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک قسم کمالِ اتباع پر استقامت اور قول وفعل میں کتاب وسنت کے امر ونہی پر مواظبت ہے اور وہ اعتقاد رکھے جو ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے معتقدات ہیں۔ اس لئے کہ علمار محققین کا اجماع واقع ہوا ہے کہ یہ چاروں ائمہ، اہل حق ہیں۔ اور انشار اللہ تعالیٰ روز قیامت یہی فرقۂ ناجیہ ہے۔ اور اس قسم کی اتباع صوری کا کمال اس بات پر ہے کہ عزائم امور کے فعل پر اعتماد کرے اور رخصت کی طرف مائل نہ ہو، اس لئے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو عزائم پر عمل کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا:۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۔ اور یہ اولوالعزم رسول پانچ ہیں جن کی وضاحت اس آیۂ کریمہ میں کی گئی ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۔ تو یہ اولوالعزم رسول، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ، اور سید عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وعلیہم اجمعین وسلم ہیں۔ تو کامل الاتباع، تابع کو چاہیئے کہ آئے اور عزایم امور کا اتباع کرے اور رخصت و سہولت کی طرف میلان نہ کرے۔ کیوں کہ یہی اسلام کا مقام ہے۔

ہم تمہارے لئے وہ چیز چاہتے ہیں جو ہم اپنے لئے چاہتے ہیں اور یہ مقاماتِ قربت اور صدیقیت ہے اور اس کی شرط، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عزایم

امور میں اتباع اور عمل کرنا ہے۔ اور عزائم امور پر عمل کرنے میں اس وقت تک تم قادر نہ ہو گے جیسا کہ عمل و اتباع کا حق ہے جب تک کہ تمہیں نفس کی شناسائی اور اس کے علل و اسباب کی معرفت نہ حاصل ہو۔

یہ بات اہل اللہ میں سے کسی شیخ کامل ہی کے واسطہ سے حاصل ہو سکتی ہے وہی تمہاری اس میں رہنمائی کر سکتا ہے اور ہر وقت اعمال و احوال کی، تمہارے احوال کے مطابق جیسی بھی تمہاری حالت ہو گی معرفت کرا سکتا ہے۔

حضور اکرم سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہدایت امر میں بہت دنوں تک غارِ حرا کے اندر عبادتِ الٰہی کرتے رہے۔ جب نہایت ہوئی اور شان عظیم ہوئی تو غار حرا میں عبادت اور خلوت نشینی کو ترک فرما دیا۔ اور تمام سال بجز رمضان کے عشرۂ اخیرہ کے، اپنے صحابہ کے ساتھ رہتے تھے۔

بلاشبہ طالب کسی ایسی چیز کو جو اس کے حال کے لائق ہے نہ جان سکتا ہے اور نہ پہچان سکتا ہے شیخ مرشد کے واسطہ اور ذریعہ کے سوا وہی اس کی رہنمائی کر سکتا ہے یا تو بواسطہ جذب الٰہی کے جو اسے اس بارے میں کشف ہوا ہو۔ ہماری باتیں مجذوب کے ساتھ ہیں۔

اے عاقل! طالب اتباعِ محمدی کے لئے ہمارا کلام تاباں اور واضح ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہیئے کہ کسی ایسے شیخ کی جستجو میں کوشش کرو۔ جو تمہیں معرفت الٰہی اور تمہاری اپنی حالت کے پہچاننے میں تمہاری رہنمائی کرے۔ اور جب تمہیں ایسا شیخ مل جائے تو اس کے حکم کی مخالفت نہ کرو اور اس سے جدا نہ ہو اگرچہ بلائیں اور مصیبتیں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دے اس کی نافرمانی سے اجتناب کرو اور اس سے اپنا کوئی حال نہ چھپاؤ۔ اگر شومئ قسمت سے تم سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو اپنے شیخ سے عرض کرو تاکہ وہ اس کو دفع کرنے میں کوشش کرے اور تمہاری اقتضائے حال کے مطابق اس کا مداوی کرے یا بارگاہِ الٰہی میں دعا کر کے شفاعت کرے تاکہ وہ تمہیں اس مذلت سے رستگاری کرائے۔

اور اگر کسی ایسے شیخ سے ملنے کا اتفاق نہ ہو اور کوئی اہل اللہ میں سے تمہیں نہ ملے تو اہل اللہ کے طریقہ کو لازم پکڑو۔ اہل اللہ کے تمام طریقے چار ہیں۔

ایک فراغ قلب ہے اور یہ دنیا و آخرت میں ماسوی اللہ کی طرف مائل ہونے سے دل کو خالی کرنا ہے۔

دوسرا اقبال علی اللہ ہے۔ اور یہ مکمل طور پر اللہ سے محبت کرنا ہے جو کہ اعراض و خطرات، عدم التفات اور طلبِ عوض سے پاک ہو۔

تیسرا مخالفتِ نفس ہے اور یہ نفس کی ہر ایسی خواہش کی مخالفت کرنا ہے جو وہ اپنی پرورش کے لئے طلب کرے۔ اور نفس کی سب سے بڑی مخالفت ترکِ ماسوی اللہ ہے اور یہ ترکِ نظر، اعتقاد اور علم میں ہے۔

چوتھا دائمی ذکر ہے یعنی حق تبارک و تعالیٰ کے جلال وجمال پر نظر رکھتے ہوئے ہمیشہ اور ہر حالت میں اس کا ذکر کرنا ہے۔ خواہ ذکر لسانی ہو یا ذکر قلبی، خواہ ذکر روحی ہو یا ذکر سری یا ان سب طریقوں سے ہو جیسا کہ اپنی جگہ ذکر کیا گیا ہے۔

نوع اول کی دوسری قسم تعلق صوری اس بات میں ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت شدید محبت کے ساتھ کرو۔ تاکہ اپنی محبت کا ذوق جو حضور اکرمؐ کے ساتھ ہے اپنے تمام وجود میں پاؤ۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے دل، اپنی روح، اپنے جسم، اپنی جان اپنے سر اور بال بال میں اس طرح پاتا ہوں جس طرح کہ ٹھنڈے پانی کی سیرابی و ٹھنڈک پاتا ہوں جبکہ میں آبِ سرد سخت پیاس اور شدید گرمی میں پیتا ہوں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر شخص پر فرض عین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ۔ نبی مسلمانوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ اولیٰ ہیں۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ نَّفْسِہٖ وَمَالِہٖ وَوَلَدِہٖ۔ تم میں سے کوئی اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان، اس کے مال اور

اس کی اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

اب اگر تم اپنے میں ایسی محبت نہیں پاتے جیسا کہ میں نے تمہارے آگے بیان کیا ہے تو جان لو کہ تمہارا ایمان ناقص ہے۔ تم استغفار کرو اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو۔ اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو زیادہ سے زیادہ کیا کرو۔ اور آپ کا انتہائی ادب کیا کرو اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے اس سے اجتناب کرتے اور بچتے رہا کرو۔ اور یہ امید دل میں رکھو کہ اگر میں ایسا ہو گیا تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھایا جاؤں گا۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔

اب تم نے جان لیا ہوگا کہ جو کچھ میں نے تم سے نوع اول میں بیان کیا ہے کہ یہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق صوری ہے۔ اور یہ بات ظاہر میں شریعت پر عمل کرنے اور طریقت میں عزایم پر سلوک کرنے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مکمل طور پر مر مٹنے اور ظاہری و باطنی طور سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم شان کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے کے زمرے میں اصحاب کرام اور اہل بیت نبوت کے ساتھ ادب و احترام کرنا اور ان سے محبت رکھنا ہے اور ان سے محبت کرنے اور ان کا ادب کرنے میں ہی اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اور اس کا ادب ہے۔

وَاللّٰہُ الموفق والھادی۔

**وصل:** نوع ثانی بارگاہِ رسالت کے ساتھ تعلق معنوی ہے۔ یہ بھی دو قسم پر ہے پہلی قسم، حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت بدیع المثال کو ہمیشہ حاضر رکھنا ہے۔ اگر تم ایسے ہو کہ تم نے کسی زمانہ میں خواب کی حالت میں جمال باکمال کو دیکھا ہے اور آپ کے دیدار سے مشرف ہوئے ہو تو اسی صورتِ موصوفہ کو جس کو تم نے خواب میں دیکھا ہے حاضر کرو۔ اور اگر کبھی خواب میں نہیں دیکھا ہے اور اس سے مشرف نہ ہوئے ہو اور اتنی استطاعت نہ رکھتے ہو کہ اس صورت موصوفہ کو ان صفات کے ساتھ بعینہ استحضار کر سکو تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا خوب ذکر کرو اور آپ پر درود و سلام بھیجو۔ اور ذکر کی حالت میں ایسے بن جاؤ۔ گویا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم

تمہیں ملاحظہ فرما رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں۔ اور تم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو جلال وعظمت اور حیاؤ ادب کے ساتھ دیکھ رہے ہو۔ اور سمجھو کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمہیں ملاحظہ فرما رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں۔ اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم متصف، بصفات اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور ایک صفات میں سے یہ ہے کہ:۔ اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ذکر کرتا ہوں" تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اس صفتِ الٰہی کا نصیبہ بہت زیادہ ہے اس لئے کہ وصف الٰہی کا عارف ہونا آپ کی معروف صفت ہے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ عارف باللہ تعالیٰ ہیں۔

اور اگر تم اپنے کو اس صفت کے ساتھ نہیں بنا سکتے تو اگر تم نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی کبھی زیارت کی ہے اور روضۂ مبارک اور قبۂ منیفہ کو دیکھا ہے تو اسی کو اپنے ذہن میں اسی بارگاہ مقدس کا تصور جماؤ۔ اور جب بھی تم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو اور آپ پر درود وسلام بھیجو تو ایسے ہو جاؤ کہ گویا تم حضور اکرم صلے اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کے آگے تعظیم و اجلال کے ساتھ کھڑے ہو یہاں تک کہ تم ظاہر و باطن میں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا مشاہدہ کرو۔

اور اگر تم ایسے بھی نہیں ہو کہ تم نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کو دیکھا ہو اور قبر شریف کی زیارت نہیں کی ہے تو ہمیشہ آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجو اور تصور کرو کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں اور کمال ادب و احترام کی حالت اختیار کرو تاکہ تمہارا درود وسلام حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت کے ساتھ اس بارگاہِ عالم پناہ میں پیش ہو۔ جمع ہمت اور حضور قلب کا عظیم اثر ہے۔ اور اس بات سے شرم کرو کہ جب تم حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرو اور آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجو تو تم کسی اور مشغلہ میں مشغول ہو۔ اور تمہارا صلوٰۃ وسلام "جسم بے روح" کے حکم میں ہو۔ اور ہر وہ عمل جس کو بندہ کرتا ہے اس کا دار و مدار حضورِ قلب کے ساتھ ہے اور ایسا عمل زندہ ہے اور اگر غفلت اور غیر کے ساتھ مشغول ہونے کی حالت میں ہو تو وہ عمل "جسم بے روح" کی مانند ہے۔ اسی بنا پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ تمام اعمال کا دار و مدار

نیتوں اور قلبی ارادوں پر موقوف ہے۔

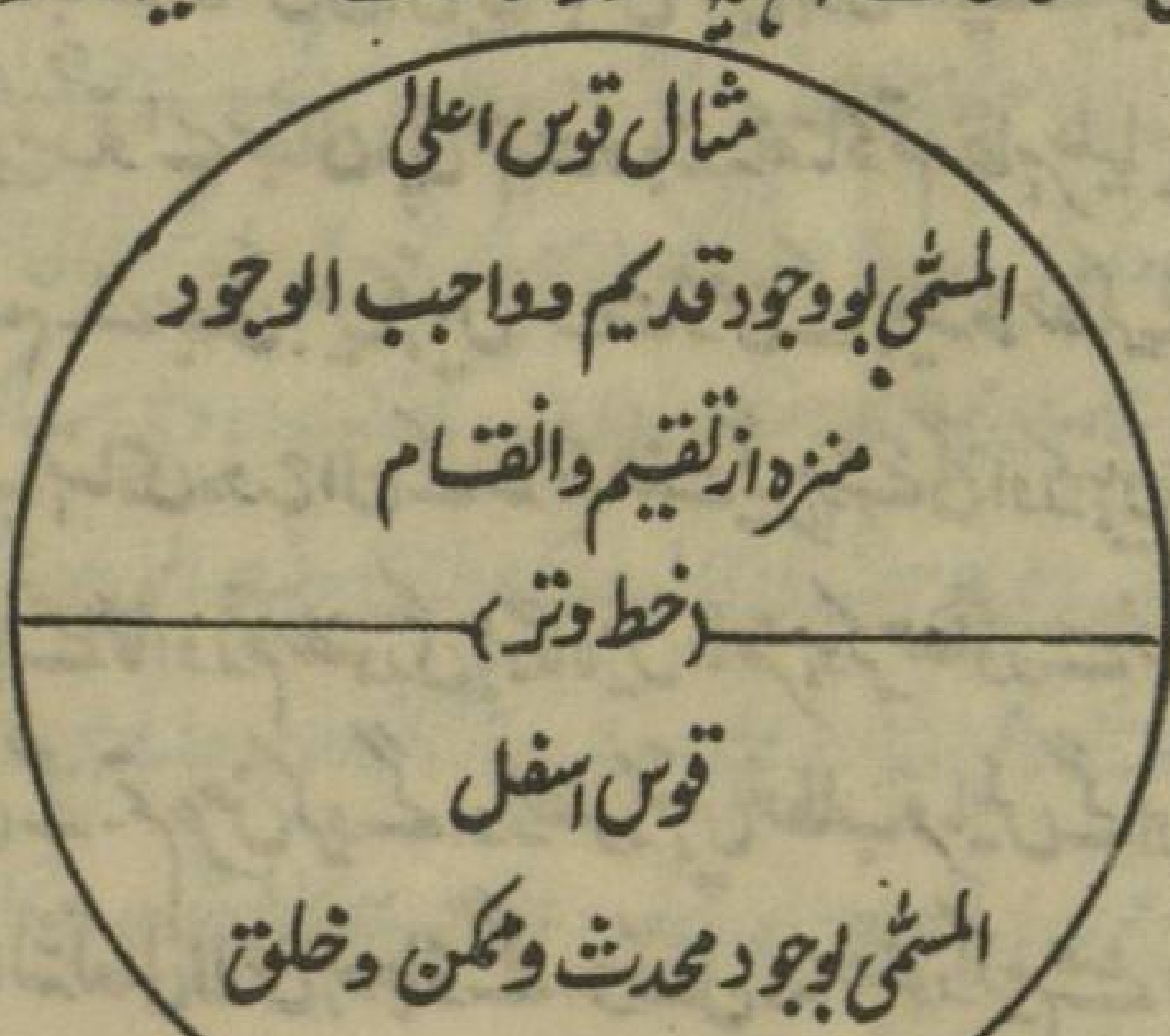
حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی شیخ الشیخ اسمٰعیل جیرتی قدس سرہ سے سنا ہے۔ وہ ایک دن فرماتے تھے کہ جب بندہ ابتداء میں بغیر نیت کے عمل شروع کردے اور وہ اس سے تقرب الی اللہ چاہے تو لازم ہے کہ عمل کو شروع کرنے کے بعد نیت کرلے یہ ایسے ہوگا کہ اس میں روح پھونکدی گئی ہے۔ اور اگر کسی عمل کو بری نیت کے ساتھ شروع کیا اور اثنائے عمل میں اس نے بُری نیت کو بدل کر نیک نیت کرلی تو یہ بھی حسنِ صورت میں اس کے لئے نافع ہے اور عمل اس کی وجہ سے زندہ اور کامل ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ حضرت شیخ قدس سرہ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے جو کچھ فرمایا ہے۔

جب تم نے جان لیا جو کچھ کہ ہم نے بیان کیا، تعلقِ معنوی کے قسم اول میں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صورتِ مبارکہ کو تصور میں لانا ہے اور اس چیز کا تصور جو آپ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے تو اس پر مداومت کو ہیبت وجلال بکمال عزت واحترام کے ساتھ لازم کرلو تاکہ سعادت کبریٰ اور مکانت زلفی تمہارے ہاتھ آئے (واللہ الموفق) تعلقِ معنوی کی دوسری قسم، حقیقت کاملہ موصوفہ کا اپنے کمال اوصاف کے ساتھ جو جمال و جلال کا جامع اور اوصافِ خدائے کبیر متعال سے آراستہ وپیراستہ اور ابد وازل میں مشرف بنور ذات الٰہی اور محیط بہر کمالِ حقی وخلقی اور مستوجب بہر فضیلت وجوہ صورت ومعنی حقیقت حکماً عیناً، شہادۃً مظاہراً و باطناً تصور میں استحضار کرنا ہے اور تم اس وقت تک ان سب حقائق کا استحضار نہیں کرسکتے جب تک کہ تم جان نہ لو کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم برزخ کلی ہیں، وجودِ قدیم وحدیث کے حقایق میں قایم ہیں۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم دونوں جہتوں میں سے ہر ایک میں ذاتی وصفاتی حقیقت ہیں اس لئے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نورِ ذات سے مخلوق، اور اس کے اسماء و صفات اور افعال وآثار کے حکمی وعینی جامع ہیں۔ اسی موقع پر حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا:۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی۔

میں تمہارے لئے اس آیۂ کریمہ قرآنیہ کے معنی کی حقیقت میں جو کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے کمالات منیفہ میں سے ہے ایک مثال بیان کرتا ہوں تاکہ تم ذہن میں اس کا تصور کرسکو اور اس مثال کے دیکھنے سے اس کے معنی انشاء اللہ تعالیٰ متحقق

ہو جائیں گے۔

اب تم یوں سمجھو کہ تمام وجود ایک دائرے کی مانند ہے جو ایک ایسے خط کے ذریعہ آدھا آدھا تقسیم کیا ہوا ہے جو مرکزِ دائرہ سے گزرتا ہے۔ تو نصف اعلیٰ، وجودِ قدیم اور واجب الوجود اور حق بزرگ کے نام سے موسوم ہے۔ اور وہ تقسیم و انقسام سے منزہ ہے۔ اور اس کا نصف اسفل، وجود محدث و ممکن اور خلق کے نام سے موسوم ہے۔ تو دائرہ کا ہر نصف قوس ہے اور خطِ واحد اس قوس کا وتر ہے۔ پس خط، قوسِ دائرہ کا وتر ہے۔ اور اسی خط کی وجہ سے ہر نصفِ دائرہ، قوس بنتا ہے اور یہ خط جو کہ وتر ہے "قاب قوسین" کے نام سے موسوم ہے۔ تو جان لو کہ مقامِ محمدی، کمالات الٰہیہ اور کمالات خلقیہ کا صورۃً اور معنیً جامع ہے دائرۂ وجودِ مثالیہ کی شکل یہ ہے۔ اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا عالمِ برزخ میں حقیقتِ حق و حقائق کا کہنا اس وجہ سے ہے کہ آپ حقیقت الحقائق ہیں اور فوق ہیں۔ اسی بنا پر آپ کا مقام شبِ معراج، عرش ہوا۔ اور عرش مخلوقات کی حد و نہایت ہے۔




عرش کے اوپر کوئی مخلوق نہیں ہے۔ لہٰذا تمام مخلوقات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے نیچے ہیں اور آپ کا رب آپ کے اوپر اور آپ کے قریب مستوی ہے اس بنا پر حق اور خلق کے درمیان حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بصورت محسوسہ برزخ ہوئے اور آپ ہر دو صفت اور ہر دو جہت صورت و معنیٰ سے حکماً و عیناً متصف ہیں۔

جب تم نے اس چیز کو جان لیا اور سمجھ لیا جو میں نے تم سے بیان کیا ہے تو اب کمالِ محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کا استحضار تمہارے لئے آسان ہو گا جیسا کہ اس کے لائق ہے ان شاء اللہ۔

تنبیہ:۔ واضح رہنا چاہیئے کہ حقیقت محمدیہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ہر عالم میں اس عالم کے مطابق ایک ظہور ہے لہٰذا جس طرح عالم اجسام میں آپ کا ظہور ہے عالمِ ارواح میں اس کی مانند ظہور نہیں ہے اس لئے کہ عالمِ اجسام تنگ ہے اور وہ اتنی وسعت نہیں رکھتا جتنی عالمِ ارواح

میں وسعت ہے اور آپ کا ظہور جس طرح عالم ارواح میں ہے اسی کی مانند عالم معنیٰ میں آپ کا ظہور نہیں ہے۔ اس لئے کہ عالم معنیٰ، عالم ارواح سے زیادہ لطیف اور زیادہ وسیع ہے اور زمین میں جس طرح آپ کا ظہور ہے اس جیسا آسمان میں ظہور نہیں ہے اور آسمان میں جیسا ظہور ہے اس جیسا ظہور یمین عرش میں نہیں ہے اور یمین عرش میں جیسا ظہور ہے اس جیسا ظہور فوقِ عرش میں نہیں ہے کیونکہ وہاں این وکیف نہیں ہے۔ لہٰذا ہر مقام اعلیٰ میں مقام انزل سے اکمل واتم ظہور ہوتا ہے اور ہر ظہور میں اس کے محل کے مطابق خاص جلالت اور ہیبت واسرار ہیں یہاں تک کہ ایسے محل تک متناہی ہوتا ہے کہ جہاں کسی نبی وولی کی استطاعت نہیں کہ اس جگہ آپ کے ظہور کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کے یہی معنی ہیں کہ :۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ غَیْرُ رَبِّیْ میرے لئے ایک وقت ایسا ہوتا ہے کہ میرے رب کے سوا کسی کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی۔ ایک روایت میں ہے :۔ لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ تو اے بھائی اپنی ہمت کو بلند رکھ تاکہ تم مظاہر علیا میں بمعاونت حقیقت کبریٰ میں دیکھ سکو۔ فانما ھو فافہم۔ اے بھائی! میں تمہیں صورت ومعنی کے ہمیشہ ملاحظہ کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تم متکلف ومتحضر ہو۔ تو عنقریب تمہاری روح ان کے ساتھ الفت گیر ہو جائے گی اور تمہیں عیاں طور پر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال باکمال نظر آجائے گا اور تم حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر حضورؐ سے شرف ہم کلامی کر سکو گے اور حضور تمہیں جواب عنایت فرمائیں گے۔ تم عرض کرو گے اور حضور تمہیں خطاب فرمائیں گے اس وقت تم صحابۂ عظام کے درجہ پر فائز اور ان کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ لاحق ہو جاؤ گے۔ وصل :۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بارگاہِ عالیہ میں حاضر ہونا اور اس صورت لطیفہ کا معانیٔ عزیزہ منیفہ کے ساتھ ہمیشہ مشاہدہ کرنا اگرچہ بتصور وتخیل اور بتفکر ہو لیکن بارگاہِ عزت میں حاضر رہنے کا باعث اور آپ کی درگاہِ قرب کے وصول کا موجب ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم جو اصدق القائلین ہیں فرماتے ہیں کہ :۔ اَکْثَرُکُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً اَقْرَبُکُمْ مِنِّیْ۔ تم مجھ پر زیادہ سے زیادہ صلوٰۃ وسلام بھیجو وہ تم کو مجھ سے زیادہ قریب کر دیگی۔ مطلب یہ کہ تمہارا بہت زیادہ مجھ پر درود پڑھنا تم کو بہت زیادہ قریب کر دیتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ درود پڑھنے والا اپنے تعلق خاطر سے جمال باکمال کے ساتھ پیوست ہوتا ہے اس وقت وہ حضور کی صورت روحانیہ پر اپنے دل سے عاشق ہو جاتا ہے لامحالہ وہ حضور کے قریب ہو جاتا ہے پھر وہ حضورؐ کے قریب اور حضور کے ساتھ بن جاتا ہے :۔ وَالْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اس جگہ ایک نکتہ اور ہے جو حضورؐ کی حدیث میں مروی ہے کہ فرمایا دعا کرنے والا جب اپنے مسلمان بھائی کے لئے دعا کرتا ہے تو فرشتے اس سے کہتے ہیں :۔ لَکَ مِثْلُ ذٰلِکَ تیرے لئے بھی اسی کی مانند ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فرشتوں کی دعائیں مقبول ومستجاب ہیں۔ لہٰذا درود پڑھنے والا مسلمان، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے اور اس پر حق تبارک وتعالیٰ رحمتیں نازل فرماتا ہے تو درود پڑھنے والے پر اس کا درود اور حق تبارک وتعالیٰ رحمتیں نازل فرماتا ہے تو درود پڑھنے والے پر اس کا درود اور حق تبارک وتعالیٰ کی

رحمت دونوں کو لوٹتی ہیں اسی بنا پر حدیث میں وارد ہوا ہے کہ، مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا۔ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے حق تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اس جگہ سے پتہ چلتا ہے کہ درود پڑھنے والے کو حقیقتِ قرب حاصل ہوتا ہے۔ اور حضورؐ کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔ جب یہ نتیجہ صرف زبان سے کہنے کا برآمد ہوتا ہے تو جو قلب، روح اور سِر کے ساتھ درود بھیجے گا اس کا کیا حال ہوگا۔ درود و صلوٰۃ کے معنی قرب و اجتماع اور امتثال و اقبال کے ہیں جیسا کہ لغت میں وارد ہوا ہے۔ اور جب کہ ظاہر عمل (یعنی درود بھیجنا) کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے جنت میں قرب مکانی حاصل ہوتا ہے تو باطنی عمل ان سے تعلق، ان سے توجہ و مراقبہ اور ہمیشہ صورت معنی کا تصور میں لانے کا کیا ثمرہ ہوگا۔ بلاشبہ وہ قربِ مکانت ہی ہوگا اور وہ قربِ مکانت یہ ہے "فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْکٍ مُّقْتَدِرٍ" یہ وہ مقام ہے جہاں نہ این ہے نہ کیف۔ (دفافہم)

**اشارہ:** واضح ہو کہ ولی کامل کو جس وقت خدا کی معرفت زیادہ ہو جاتی ہے تو حق تعالیٰ اپنے ذکر کو اس کے وجود میں ساکن و برقرار کر دیتا ہے اور وہ اسے فراموش نہیں کرتا اور جب ولی کامل کی معرفت، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں زیادہ ہو جاتی ہے تو اس پر حیرانی و پریشانی ہو جاتی ہے اور حضورؐ کے ذکر کے وقت اس پر آثار نمودار ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ ولی کی معرفت خدا کے ساتھ اس کی اپنی قابلیت کے مطابق ہے۔ اور جو بھی مقام اور محل حد بارگاہِ ایزدی میں رکھتا ہے وہ وہیں ساکن ہو جاتا ہے۔ اور اس کی معرفت رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو حضورؐ کی قابلیت کے مطابق معرفتِ الٰہی میں خدا سے قریب تر ہے اس بنا پر وہ ولی اس کی طاقت و برداشت نہیں رکھتا کہ ساکن و ثابت رہے اور اس پر آثار نمودار ہو جاتے ہیں اس لئے کہ وہ اس کے اطوار سے مافوق ہیں اور جب ولی کو حضور کی معرفت زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اپنے غیر سے کامل تر اور بارگاہِ الٰہی میں متمکن تر اور معرفت الٰہی میں علی الاطلاق داخل تر ہو جاتا ہے۔

**اشارہ:** حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ جو ولی تجلیات الٰہی میں سے کسی تجلی میں حضور کو دیکھتا ہے تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اس خلعت کو جو خلع کمالیہ میں سے ہے اس ولی کو مرحمت فرما دیتے ہیں اور اسے پہنا دیتے ہیں اور وہ خلعت اس کے پاس رہتی ہے اب اگر وہ دیکھنے والا ولی اتنی طاقت و برداشت رکھتا ہے کہ اس کا پہننا اس کے لئے ممکن ہے تو وہ اسی وقت پہن لیتا ہے ورنہ وہ اسے محفوظ اٹھا رکھتا ہے اور دنیا میں جب بھی اتنی استعداد و قوت ہوتی ہے اسے پہن لیتا ہے نہیں تو آخرت میں پہنتا ہے۔ لہٰذا جس کسی کو یہ خلعت حاصل ہوئی اور اس نے دنیا یا آخرت میں اسے پہنا تو یہ توت حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسے عطا ہوتی ہے اس کے بعد جو ولی اس ولی کی تجلیات میں سے کسی تجلی میں دیکھتا ہے جس کے ہاتھ میں وہ خلعت نبویہ ہے تو وہ ولی اس خلوت کو اسے پہنا دیتا ہے اور اس دوسرے دیکھنے والے کو حضور کی طرف سے عطا کر دیتا ہے پھر اس عطا کرنے والے ولی کے لئے مقام محمدی سے اس سے کامل تر خلعت، اس عطا کردہ خلعت کے عوض نازل ہوتی ہے اور اگر کوئی دوسرا ولی اس کو اس حالت میں دیکھتا ہے تو وہ اس خلعت کو اسے دے دیتا ہے اور اس کے لئے بارگاہِ نبوت سے دوسرا اس سے بہتر خلعت حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح بارگاہِ محمدی سے بے حد و نہایت خلعتیں،

تقسیم ہوتی ہیں اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ازل سے جب سے کہ حق تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا جاری ہے یہاں تک کہ انہوں نے مقام نبوت اس کی وجہ سے پایا اور اولیاء کرام کے ہاتھ مقام نبوت تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے کہ اولیاء کرام کو حضورؐ کی رویت حاصل نہیں ہوتی مگر اس رویت کے بعد جو کہ اس محل کا غیر ہے۔ اسی بنا پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ایسا درجۂ سعادت پایا ہے جو ان کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ وہ پہلے حضرات ہیں جنہوں نے حضور کو اکمل خلعت میں دیکھا ہے جو حضورؐ کے شایان شان تھا اور ہمیشہ سے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ اور طریقۂ جلیلہ تمام دیکھنے والوں کے لئے وہی ہے کہ وہ حضورؐ کے جمال باکمال کو دیکھیں اور ابد الآباد تک اولیاء کرام حضورؐ کو دیکھتے رہیں گے (صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین و بارک وسلم) **تمت**

**ہزار** شکر و سپاس بدرگاہ رب الناس جل و علیٰ اور لاکھوں درود و سلام بہ بارگاہِ حبیب رب الناس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ ترجمہ کتاب مستطاب، فیض انتساب مدارج النبوت در سیرت سید المرسلین خاتم النبیین اشرف المخلوقین علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ واحبابہ اجمعین۔ از تصنیف منیف افضل المحققین قدرۃ المحدثین عالم برحق شیخ محقق شاہ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ آج بتاریخ ۳۰ رجون ۱۹۶۷ء مطابق ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۸۷ھ بروز جمعہ اختتام پذیر ہوا۔ ولہ الحمد والمنتہ۔

المترجم غلام معین الدین نعیمی غفرلہ

طالب دعاء:-

کاتب القرآن والحدیث حکیم محمد مصطفیٰ